فتح

ذي الجلال والإكرام

شرح بلوغ المرام

من ادلة الاحكام

www.KitaboSunnat.com

تالیف: حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ

جلد اوّل

شرح: فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: مولانا آصف نسیم

دار المعرفۃ
پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیه ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com
www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ
کے نام سے شروع کرتا ہوں
جو بڑا ہی مہربان
نہایت رحم کرنے والا ہے

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فتح

ذي الجلال والإكرام

شرح بلوغ المرام

فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ

مترجم: مولانا آصف نسیم

جلد اوّل

دار المعرفۃ پاکستان

الفضل مارکیٹ اردو بازار، لاہور

0321 4210145

WWW.DARULMARIFA.COM

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

ادارہ تمام کتب معاشرتی اصلاح و تربیت اور نیک نیتی سے شائع کرتا ہے، البتہ مصنف و مترجم کی آراء سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں، تاہم فنی و طباعتی خرابی کی صورت میں کتاب کسی بھی وقت تبدیل کی جا سکتی ہے۔ (ادارہ)

فتح ذي الجلال والإكرام

شرح بلوغ المرام

فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ — مترجم: مولانا آصف نسیم

المکتبۃ الرحمانیۃ ... ۹۹ ... نمبر ... ۷۲

ڈیلرز

مکتبہ اسلامیہ — ہادیہ حلیمہ سینٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور 042-37244973 - 37232369 — بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد 041-2631204 - 2641204

مکتبۃ الکتاب — حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0300 98 88 629

سعودی عرب

- دار الوحيين للنشر والتوزيع ...... مركز الجامع التجاري شارع باخشب ، جده ـ 026336640
- دار القبس للنشر والتوزيع ...... شارع امير سطام ، البيعه، رياض، ت ـ 02681045 ـ ف: 4351395
- مكتبه دار الفرقان ...... رياض، هاتف: 0507419921,0563064736,01-4358646
- مكتبه بيت السلام ...... هاتف: 0502033260,0505440147,01-4460129

ملنے کا پتہ

- مکتبہ قدوسیہ ...... اردو بازار لاہور 0321 - 44 60 487
- نعمانی کتب خانہ ...... اردو بازار لاہور 042 373 21 865
- اسلامی اکیڈمی ...... اردو بازار لاہور 042 373 57 587
- دار الکتب السلفیہ ...... اردو بازار لاہور 042 373 61 505
- کتاب سرائے ...... اردو بازار لاہور 042 373 20 318
- مکتبہ بیت السلام اردو بازار، لاہور 042 373 20 422

دار المعرفۃ پاکستان

الفضل مارکیٹ اردو بازار، لاہور

DAR-UL-MARIFA

Ph +92-321-4210145 +92-42-37361321

www.facebook.com/darulmarifa

darulmarifa@gmail.com

WWW.DARULMARIFA.COM

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

عرضِ مترجم ---------- 25
کتاب کا اسلوب ---------- 28
کتاب میں کیے گئے اضافی کام ---------- 31
مقدمہ ---------- 33
فقہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف ---------- 34
احکام کی تعریف اور ان کی اقسام ---------- 35
احکام شرعیہ سے مراد، احکام عملیہ ہے ---------- 35
احکام عملیہ کی شرط ---------- 35
دلائل تفصیلیہ ---------- 36
علم اور علماء کی فضیلت قرآن کریم کی روشنی میں ---------- 38
احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں ---------- 39
اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم اور آثار تابعین رحمہم اللہ روشنی میں ---------- 40
علم کے ساتھ عمل ضروری ہے ---------- 42
اس جلیل القدر شرح میں **ہماری کاوش** ---------- 42
الامام، الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ ...... **ایک تعارف** ---------- 43
نام ونسب، کنیت، لقب، نسبت اور مذہب ---------- 43
خاندان ---------- 43
ولادت ---------- 43
پرورش اور تعلیم وتربیت ---------- 43
مشائخ سے تعلق، علمی شغف اور رحلاتِ علمیہ ---------- 43
درس وتدریس اور علم حدیث کی نشر واشاعت ---------- 44
حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور ''قضاء'' ---------- 44
تصنیف وتالیف ---------- 45
عند اللہ مقبولیت ---------- 46
علماء وفضلاء کا خراج تحسین ---------- 46
علمی یادگاریں ---------- 47
وفاتِ حسرت آیات ---------- 48
مقدمہ (الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ) ---------- 49
شرح مقدمہ ابن حجر رحمہ اللہ ---------- 52
حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دین کی خاطر قربانیاں ---------- 58
نبی کریم ﷺ کے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پیروکاروں کی فضیلت ومنقبت جو علماء ہیں ---------- 58

1...... كِتَابُ الطَّهَارَةِ
پاکی حاصل کرنے کے احکام ومسائل کا بیان

طہارت سے کتاب کے آغاز کی وجہ ---------- 65
طہارت کی اقسام ---------- 66

1۔ بَابُ الْمِيَاهِ
پانیوں کا باب

پانیوں کی اقسام ---------- 66
سمندر اور دریا کے پانیوں کی طہارت کا بیان ---------- 67
پانی کی پاکی کا بیان ---------- 71
پانی میں گرنے والی ناپاکی کا حکم ---------- 72
پانی طہوریت سے نجاست اور ناپاکی کی طرف کب منتقل ہوتا ہے؟ ---------- 73
کتنے اوصاف کا تغیر نجاست کے اثبات میں معتبر ہے؟ -- 73
دو قلہ پانی میں نجاست گرنے کا حکم ---------- 76
ایک تعارض اور اس کا حل ---------- 76
کھڑے پانی میں غسل جنابت کرنا ---------- 76
جنبی کو کھڑے پانی میں نہانا منع ہے ---------- 77
کھڑے پانی میں پیشاب کر دینے کے بعد اس میں نہانے کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکم ---- 78
میاں بیوی کا ایک دوسرے کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرنا ---- 80
نبی کریم ﷺ سے نہی روایت کرنے کا حکم ---- 81
صحابی کی تعریف ---- 81
خاوند بیوی کے غسلِ جنابت میں موردِ نہی کی تعیین اور غسل کرنے کی تادیب ---- 81
عورت کے بچے پانی سے نہانے کا حکم ---- 83
کتے کے برتن میں منہ مار جانے 1 کا بیان ---- 84
کتے کا جھوٹا ناپاک ہے ---- 86
حدیث کی باب سے مناسبت ---- 86
بلی کے جھوٹے کے پاک ہونے کا بیان ---- 88
بلی کے جھوٹے کا حکم ---- 89
جگہ ناپاک ہو جائے تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ ---- 90
دیہاتیوں کی عادات ---- 90
منکر پر نکیر اور تیسیر کی تعلیم ---- 91
مچھلی، ٹڈی، کلیجی اور تلی کے پاک ہونے کا بیان ---- 93
"اُحِلَّتْ لَنَا" کی محدثانہ تحقیق ---- 93
"اُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَان وَ دَمَان" کی نحوی تحقیق ---- 94
مستثنیٰ خون اور مردار کا حکم ---- 94
مکھی کے پانی میں گر جانے کا حکم ---- 95
کتاب وسنت میں مکھی کا ذکر ---- 96
مکھی کی خاصیت ---- 96
مکھی کی عادت ---- 96
شریعتِ اسلامیہ اور جدید تحقیقات ---- 96
مکھی کے کھانے پینے کی اشیاء میں گرنے کا حکم ---- 96
زندہ جانور کے جسم سے کاٹے گئے عضو کا حکم ---- 98
زندہ جانور کے بدن سے کاٹے گوشت کا حکم ---- 99
ایک اہم ترین فقہی قاعدہ ---- 99
انسانی مردہ کھانے کا حکم ---- 99
سببِ حدیث ---- 100

2۔ بَابُ الْآنِيَةِ

برتنوں (کے احکام ومسائل) کا بیان

سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کا حکم ---- 101
مومنوں پر سونے چاندی کے برتن استعمال کرنے کی ممانعت ہے ---- 102
ممانعت کی علت ---- 102
مردار کی کھالوں سے برتن (وغیرہ) بنانے کے حکم کا بیان ---- 104
کھالوں کی اقسام اور ان کی دباغت کے احکام ---- 106
کافروں کے برتنوں میں کھانے پینے کا حکم ---- 107
کافروں کے برتنوں کے استعمال کا حکم ---- 108
ٹوٹے برتن کو چاندی کے تاروں سے جوڑنے اور باندھنے کا بیان ---- 110

3۔ بَابُ إِزَالَةِ النَّجَاسَةِ وَبَيَانِهَا

نجاست کے ازالہ کا اور نجاست کا بیان

پانی اور دیگر اشیاء کے پاک کرنے کے طریقے ---- 112
ازالہ نجاست کے لیے نیت کرنے کا حکم ---- 112
پاکیاں اور ناپاکیاں ---- 112
تحریم خمر اور اس کے احکام ---- 113
شراب کو سرکہ بنانے کا حکم ---- 114
پالتو گدھوں اور ان کے نجس ہونے کا بیان ---- 114
اونٹ کا لعاب پاک ہے ---- 117
حجۃ الوداع کے خطبے اور ان کا حکم ---- 117
نبی کریم ﷺ کے اونٹ اور ان کے نام ---- 118
منی کے پاک ہونے کا بیان ---- 119

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منی کا حکم ---------- 119

بچے اور بچی کے پیشاب میں فرق اور دونوں کا حکم --- 120

بچے اور بچی کے پیشاب میں فرق اور دونوں کا حکم --- 122

4۔ بَابُ الْوُضُوءِ

وضو (کے احکام ومسائل) کا بیان

وضو کے فوائد وشروط ---------- 124

وضو کرنے کا طریقہ ---------- 128

نیند سے اٹھ کر ناک جھاڑنا ---------- 132

نیند سے اٹھ کر برتن میں ہاتھ ڈالنے سے قبل اس کو دھونا 133

مضمضہ اور استنشاق کا وجوب ---------- 134

داڑھی میں خلال کرنا مستحب ہے ---------- 136

وضو میں اعضائے وضو کو ملنے کا حکم ---------- 137

سر اور کانوں پر مسح کرنے کا طریقہ اور دونوں کا حکم --- 138

کامل وضو کرنے کی فضیلت ---------- 139

داہنی جانب سے آغاز کرنا مستحب ہے ---------- 141

اعضائے وضو کے دھونے میں ابتدا داہنی جانب سے کی جائے ---------- 143

عمامہ پر مسح کا ثبوت اور اس کی شروط ---------- 143

عمامہ پر مسح کا جواز اور شروط کی تفصیل ---------- 144

موزوں پر مسح کا جواز ---------- 144

پیشانی کے بالوں پر مسح ---------- 145

مامورات کی ادائیگی کے وقت اوامرِ الٰہی کے امتثال کی نیت کی جائے ---------- 145

نسائی اور مسلم کی روایات میں فرق ---------- 145

انسان بہر حال کوتاہ ہے ---------- 146

وضو کو بسم اللہ سے شروع کرنے کا حکم ---------- 147

ایک ہی چلو پانی سے کلی کرنے اور ناک جھاڑنے کو اکٹھا کرنے کا بیان ---------- 148

جو چیز وضو کے پانی کے ایصال میں رکاوٹ بنے اس کا حکم ---------- 149

وضو اور غسل کے پانی کی مقدار کا بیان ---------- 151

وضو کے اذکار ---------- 151

شہادتین کی اہمیت ---------- 154

وضو کی فضیلت ---------- 154

نبی صادق ومصدوق ﷺ کی سچی شہادت ---------- 154

جنت کے دروازوں کے کھلنے کا مطلب ---------- 154

5۔ بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

موزوں پر مسح کرنے کا بیان

مسح علی الخفین کا ثبوت ---------- 156

مسح علی الخفین پر کتاب اللہ کی دلالت ---------- 156

مسح علی الخفین پر سنتِ رسول کی دلالت ---------- 157

اجماع کی دلالت ---------- 157

موزوں پر مسح کی شروط کا بیان ---------- 157

موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ ---------- 159

سفر کی حقیقت اور مسافر کے لیے موزوں پر مسح کرنے کی مدت کا بیان ---------- 160

سفرِ شرعی کی حقیقت، مدتِ مسح اور اس کا آغاز ---------- 161

مسح کا جواز کس حدث میں ہے؟ ---------- 162

مقیم کے لیے مدتِ مسح کا بیان ---------- 162

جنابت میں موزوں پر مسح کرنے کا حکم ---------- 164

6۔ بَابُ نَوَاقِضِ الْوُضُوءِ

نواقض وضو کا بیان

نیند کے ناقضِ وضو ہونے کا بیان ---------- 167

دورِ نبوی کے بعد کے زمانہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فعل کا حکم ---------- 168

کیا نماز ہی موجب وضو ہے؟ ---------- 168

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حائضہ کی نماز جائز نہیں ---------- 169
حیض اور استحاضہ میں فرق ---------- 170
حیض کی ابتدا اور انتہا کی معرفت اور حیض اور استحاضہ کے خونوں میں فرق ---------- 170
حیض سے پاک ہونے پر نمازوں کی فرضیت کی تفصیل 171
مذی نکلنے سے وضو واجب ہو جاتا ہے ---------- 172
بوسہ دینے سے وضو ٹوٹنے کا حکم ---------- 174
درایت حدیث ---------- 175
ہوا نکلنے کا بیان ---------- 175
چند اہم قواعد ---------- 176
شرم گاہ کو چھونے کا حکم ---------- 177
قے، نکسیر اور متلی کا حکم ---------- 180
درایت حدیث ---------- 181
اونٹوں کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹنے کا بیان ---------- 182
میت کو غسل دینے والے کا حکم ---------- 183
غسلِ میت کی علت ---------- 184
بے وضو قرآن چھونے کا حکم ---------- 185
قرآنِ کریم کو زبانی پڑھنے کا حکم ---------- 187
پچھنے لگوانے پر وضو کرنے کا حکم ---------- 188
سونے سے وضو ٹوٹنے کا حکم ---------- 189
وضو میں وسواس کرنے سے بچنے کی تاکید ---------- 190
مسائل شتیٰ ---------- 192

7۔ بَابُ قَضَاءِ الْحَاجَةِ

قضائے حاجت کے آداب

بیت الخلاء میں ایسی چیز لے کر داخل ہونے سے بچنا جس میں ذکر اللہ کی قبیل میں سے کچھ لکھا ہو ---------- 193
نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی ---------- 193
بیت الخلاء میں داخل ہونے کی دعا ---------- 194
پانی کے ساتھ استنجاء کرنا ---------- 195
جن مقامات پر قضائے حاجت کرنا منع ہے ان کا بیان 198
قضائے حاجت کے وقت باتیں کرنے کا حکم ---------- 201
پیشاب کرتے وقت شرم گاہ کو داہنے ہاتھ سے پکڑنے کی ممانعت کا بیان ---------- 202
داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنا منع ہے ---------- 203
بول و براز کے وقت قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ کرنا منع ہے 205
قضائے حات کے وقت بھی ستر چھپانا لازم ہے ---------- 206
قضائے حاجت کے بعد کی دعا ---------- 207
تین ڈھیلوں سے استنجاء کرنا ---------- 207
ہڈی اور لید سے استنجاء کرنا منع ہے ---------- 209
پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کا حکم ---------- 209
رفعِ حاجت کے لیے بیٹھنے کا طریقہ ---------- 210
ڈھیلوں کے بعد پانی کے استعمال کا حکم ---------- 211

8۔ بَابُ الْغُسْلِ وَ حُكْمِ الْجُنُبِ

غسل کے اور جنبی کے احکام کا بیان

جنابت موجباتِ غسل میں سے ہے ---------- 213
نبی کریم ﷺ کا شرم و حیا ---------- 214
دخول موجب جنابت و غسل ہے ---------- 214
احتلام اور اس کے احکام ---------- 216
میت کو غسل دینے کے بعد خود نہانا مستحب ہے ---------- 218
کافر کے اسلام لے آنے پر اسے غسل کرنے کا حکم دینے کا بیان ---------- 219
جمعہ کے دن کے غسل کا حکم ---------- 220
جمعہ کے غسل کے وجوب میں علماء کے اختلاف کا مفصل بیان ---------- 221
جمعہ کے دن کا غسل صحتِ نماز کے لیے شرط ہے یا نہیں؟ 222
جنبی کے قرآن پڑھنے کا حکم ---------- 223

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوبارہ جماع کرنے سے قبل وضو کرنا ---------- 224

جنبی کے وضو کیے بنا سو جانے کا حکم ---------- 225

غسلِ جنابت کا طریقہ ---------- 227

غسلِ جنابت میں بالوں کی مینڈھیوں کا حکم ---------- 229

جنبی اور حائض کے مسجد میں ٹھہرنے کا حکم ---------- 230

زوجین کا اکٹھے غسل کرنا ---------- 231

جنابت سے پاک ہونے کے لیے اچھی طرح نہانا --- 232

9۔ بَابُ التَّيَمُّمِ

تیمّم کا بیان

تیمّم کی مشروعیت اور حکم ---------- 232

تیمّم کی شروط ---------- 233

تیمّم کی مشروعیت کی حکمت اور امتِ محمدیہ کے حق میں اس کا رحمت ہونا ---------- 233

تیمّم کی مشروعیت خصائصِ نبوی میں سے ہے ---------- 233

پانی کی موجودگی میں تیمّم کرنا درست نہیں ---------- 236

جنابت سے تیمّم کا حکم اور تیمّم کرنے کے طریقہ کا بیان - 237

پانی کے ہوتے ہوئے تیمّم کرنا باطل ہے ---------- 240

ضرر کے خوف سے زخموں کی بنا پر تیمّم کرنا جائز ہے --- 243

تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اہمیت ---------- 244

جبیرہ یعنی پٹی پر مسح کرنے کا بیان ---------- 244

مسائل شتّیٰ ---------- 246

ایک تیمّم سے کتنی نمازیں ادا کر سکتے ہیں؟ ---------- 247

10۔ بَابُ الْحَيْضِ

حیض کا بیان

خونِ حیض کی تخلیق کی حکمت ---------- 247

حیض کی تقریبی مدت ---------- 248

حیض کب آتا ہے؟ ---------- 248

حیض کی علامات ---------- 248

حیض کے احکام ---------- 248

حیض اور استحاضہ کے خون میں فرق ---------- 248

حیض کب آتا ہے اور کب ختم ہوتا ہے؟ ---------- 249

حیض کی ہر ماہ کم از کم اور زیادہ سے زیادہ مدت کتنی ہے؟ 249

استحاضہ کی صورت میں عورت کیا کرے؟ ---------- 250

مستحاضہ کی علامت کا بیان ---------- 250

استحاضہ کے احکام ---------- 251

مستحاضہ کے ہر نماز کے لیے غسل کرنے کے حکم کا بیان 254

مستحاضہ کے لیے ہر نماز کے لیے وضو کرنا واجب ہے - 255

کدرت اور صفرت کا حکم ---------- 255

حیض والی عورت سے استمتاع اور تلذذ کا شرعی حکم ---- 256

حالت حیض میں جماع کر لینے سے کفارہ کا حکم ---------- 258

حالت حیض میں جماع کرنے کا حکم ---------- 258

حیض میں جماع کرنے پر کفارہ کا حکم ---------- 259

حیض پر مرتب ہونے والے احکام ---------- 260

نفاس کے احکام ---------- 262

حیض اور نفاس میں فرق ---------- 263

2.....كِتَابُ الصَّلٰوةِ

نماز کے احکام و مسائل

1۔ بَابُ الْمَوَاقِيْتِ

نمازوں کے اوقات کا بیان

نمازوں کے اوقات ---------- 266

قرآن کریم کی صلوات خمسہ کے اوقات پر اجمالی دلالت 268

نمازوں کے اوقات مقرر کرنے کا فائدہ ---------- 268

عصر کی نماز کو جلد اور عشاء کو مؤخر کر کے ادا کرنا مستحب ہے 268

پانچ اہم مسائل ---------- 269

عشاء کی نماز میں تاخیر مستحب ہے ---------- 269

نمازِ عشاء سے قبل سونے کا حکم ---------- 269

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نمازِ عشاء کے بعد باتیں کرنے کا حکم ---------- 269
نمازِ فجر کا وقت ---------------------------- 270
نمازِ فجر کی قراءت کی مقدار ------------------ 270
نمازِ فجر ادا کرنے کا مستحب وقت -------------- 272
نمازِ مغرب ادا کرنے کا مستحب وقت ------------ 272
نمازِ عشاء کا مستحب وقت ---------------------- 273
نمازِ ظہر کو ٹھنڈا کر کے ادا کرنا مستحب ہے ----- 274
نمازِ فجر کو وقت داخل ہونے پر ہی ادا کیا جائے ----- 275
آخری وقت میں ایک رکعت بھی پا لینے کا حکم ------ 276
طلوع و غروب سے قبل پڑھی جانے والی بعض نماز کا حکم اور طلوع و غروب کی تحقیق -------------------- 276
ان اوقات کا بیان جن میں نماز ادا کرنا منع ہے ----- 277
زوال کے وقت جمعہ کے دن نماز کا حکم ----------- 281
طواف کے دوگانہ کو ہر وقت ادا کر سکتے ہیں ------ 282
طواف اور طواف کے دوگانہ کا حکم --------------- 282
نمازِ مغرب کا آخری وقت اور شفق کی تحقیق ------- 283
فجر صادق اور فجر کاذب کا بیان ------------------ 284
نمازوں کو اوّل وقت میں ادا کرنے کی ترغیب ------- 285
ایمان کے بعد سب سے افضل عمل ----------------- 286
اوّل وقت کی فضیلت ---------------------------- 286
فجر کی دو سنتوں کا بیان ------------------------ 287
نمازِ ظہر کی سنن بعدیہ کو نمازِ عصر کے بعد ادا کرنے کا حکم 288

2۔ بَابُ الْأَذَانِ

اذان کا بیان

اذان کب مشروع ہوئی ------------------------ 289
اذان دینے کا طریقہ اور کلماتِ اذان کے معانی ----- 290
اذان کا خلاصہ -------------------------------- 292
فجر کی اذان میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کا محل -- 293
اذان میں ترجیع کا بیان ------------------------ 293
اذان اور اقامت کے کلمات کی تعداد کا بیان ------- 294
اذان کی کیفیت ------------------------------- 297
اذان بلند آہنگ اور خوبصورت آواز والا دے ------ 298
نمازِ عید کے لیے اذان اور اقامت مشروع نہیں ----- 299
قضا نماز کو با جماعت ادا کرنے کا بیان ----------- 300
جمع بین الصلوٰتین کا بیان ---------------------- 301
نابینا کی اذان کا حکم --------------------------- 302
طلوعِ فجر سے قبل دی جانے والی اذان کا حکم ------- 303
اذان سن کر اس کا ساتھ ساتھ جواب دینا ------------ 304
اذان دینے پر اجرت لینے کا بیان ------------------ 306
نماز کے لیے اذان دینے کا بیان ------------------ 308
اذان میں ''ترسّل'' اور اقامت میں ''حدر'' ہے ----- 309
موذن کے لیے اذان کہتے ہوئے باوضو ہونے کا بیان 311
جنبی کی اذان کا حکم ---------------------------- 311
غیرِ موذن کے اقامت کہنے کا بیان ---------------- 312
اقامت کون کہے؟ ------------------------------ 312
اذان اور اقامت کا زیادہ مستحق کون ہے؟ ---------- 312
اذان اور اقامت کے درمیان دعا مانگنے کی فضیلت --- 313
اذان ختم ہونے کی دعا --------------------------- 314

3۔ بَابُ شُرُوْطِ الصَّلَاةِ

نماز کی شروط کا بیان

حدثِ اصغر و اکبر سے طہارت نماز کی شرطِ اوّل ہے -- 317
بالغہ عورت کا سترِ صلوٰۃ ------------------------ 319
نماز میں سترِ عورۃ کی شرط اور اس کے ضابطے ------ 320
نماز میں کندھوں کے ڈھانپنے کا بیان -------------- 321
عورت کے سترِ صلوٰۃ کی مزید تفصیل -------------- 322
ساتر کی شروط اور اس کی طہارت کا لزوم ----------- 324

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استقبال قبلہ، اس کی شروط اور ضوابط کا بیان -------- 325
کن صورتوں میں قبلہ کا استقبال واجب نہیں رہتا --- 325
قبلہ کی پہچان کا طریقہ ---------------------- 326
لاعلمی کی وجہ سے غیر قبلہ کی طرف ادا کی جانے والی نماز کا حکم ---------------------------------- 326
عین کعبہ سامنے نہ ہو تو قبلہ کعبہ کی جہت ہے ------- 327
مسافر کے سواری پر سوار ہوتے ہوئے نماز ادا کرنے کا حکم ---------------------------------- 328
سواری پر نفل نماز کی ابتدا کیسے کی جائے؟ --------- 329
سفر کی حد ---------------------------------- 330
نماز کے لیے جگہ کا پاک ہونا شرط ہے ------------ 331
چند اور جگہیں جہاں نماز منع ہے ------------ 332
قبروں کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا منع ہے ------ 333
نماز میں جوتے بھی پاک ہوں ---------------- 334
نماز میں کلام کا حکم اور اس کے ضوابط ------------ 336
نماز میں کلام کی ممانعت کا بیان --------------- 339
نماز میں کوئی امر پیش آ جائے تو کیا کیجیے --------- 341
نماز میں آہ و بکاء کا حکم --------------------- 342
نماز میں کھنکارنے کا حکم ---------------- 343
نماز میں حرکت کرنے کا اور اس کے ضوابط کا بیان ---- 345
نماز میں بچی یا بچہ اٹھا لینے کا حکم ---------------- 346
نماز کے دوران موذی جانوروں کو مارنے کا حکم ---- 348

4۔ بَابُ سُتْرَةِ الْمُصَلِّي

نمازی کے سترہ کا بیان

نمازی کے آگے سے گزرنے کا گناہ ------------ 350
سترہ کیسا ہو؟ ---------------------------------- 352
نماز میں اپنے آگے سترہ ضرور رکھا جائے ---------- 352
کون سی چیزیں نمازی کی نماز کو قطع کر دیتی ہیں؟ ---- 353
سترہ کا فائدہ اور اس کا حکم ------------------- 356
بطور سترہ زمین پر خط کھینچنا اور اس کا حکم ----------- 358
کیا کسی کے آگے سے گزرنے سے نماز قطع ہو جاتی ہے؟ ---------------------------------- 360

5۔ بَابُ الْحَثِّ عَلَى الْخُشُوعِ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں خشوع و خضوع اختیار کرنے کی ترغیب

خشوع کی تفسیر ------------------------ 361
نماز میں خشوع کا حکم ------------------------- 361
نماز کوکھ پر ہاتھ رکھ کر ادا نہ کی جائے ------------ 361
کھانا پیش ہو جانے پر نماز پڑھنا منع ہے ---------- 362
نماز میں بے کار کے کاموں میں لگنا خشوع کے منافی اور رب کی رحمت سے بے اعتنائی ہے --------------- 363
نماز میں دائیں بائیں دیکھنے کا حکم اور اس کی اقسام کا بیان ---------------------------------- 364
نماز میں تھوکنے کا مسئلہ اور اس کے ضوابط کا بیان ---- 366
جو شے آدمی کی توجہ کو نماز میں خراب کرے اس کو دور کرنا لازم ہے ---------------------------------- 368
نماز میں اوپر آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا منع ہے ----- 370
بول و براز کے زور کے وقت نماز ادا کرنا منع ہے ---- 372
نماز میں جمائی آنے اور لینے کا حکم -------------- 373

6۔ بَابُ الْمَسَاجِدِ

مساجد کا بیان

مساجد کو پاک اور صاف رکھنا واجب ہے --------- 375
قبروں کو مساجد بنانے کی حرمت کا بیان ----------- 376
یہود و نصاریٰ ملعون و مردود ہیں ---------------- 376
کافر کے مسجد میں داخل ہونے کا حکم ------------ 378
مسجد میں شعر گوئی کا حکم اور اس کے ضوابط کا بیان --- 379
مسجد میں گم شدہ شے کا اعلان کرنا --------------- 381

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسجد میں بیع وشراء کا حکم ---------- 382
مسجد میں حد قائم کرنے کا بیان ---------- 384
مسجد میں مریضوں کی تیمارداری کا حکم ---------- 385
مسجد میں جہادی کھیلوں کا حکم ---------- 386
مسجد میں مطلق خیمہ لگانا ---------- 387
مسجد میں تھوکنے کی ممانعت کا بیان ---------- 388
مساجد کی زیبائش و آرائش اور زیب و زینت کرنے کا حکم ---------- 389
مساجد کی پختہ کاری کا بیان ---------- 390
مسجد کو صاف ستھرا رکھنے کا اجر وثواب ---------- 391
تحیۃ المسجد کا بیان ---------- 392

7۔ بَابُ صِفَةِ الصَّلَاةِ

نماز ادا کرنے کے طریقہ کا بیان

نماز ادا کرنے کا صحیح طریقہ ---------- 393
دعائے استفتاح اور اس کے معانی ---------- 405
تکبیر تحریمہ کے بعد کی ایک دعا ---------- 408
ایک اور دعائے استفتاح ---------- 410
استعاذہ اور اس کا معنی ---------- 412
ان ہیئتوں اور صورتوں کا بیان جن کا اختیار کرنا نماز میں منع ہے ---------- 414
نماز میں رفع یدین کے مواقع اور اس کا طریقہ ---------- 418
حالتِ قیام میں ہاتھ کہاں رکھے جائیں ---------- 420
قراءتِ فاتحہ کا حکم ---------- 421
بِسْمِ اللّٰہ کے احکام ---------- 424
کیا بسم اللّٰہ سورۂ فاتحہ کا جز ہے؟ ---------- 428
قولِ صحابی کا حکم ---------- 429
آمین کہنے کے احکام ---------- 430
نماز میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کب ساقط ہوتی ہے؟ ---------- 430
نماز میں قراءت کی کیفیت کا بیان ---------- 433
ظہر اور عصر کی نماز میں قراءت کی مقدار ---------- 434
مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں میں نبی کریم ﷺ کی قراءت کی مقدار ---------- 435
جمعۃ المبارک کی نمازِ فجر کی قراءت کا بیان ---------- 437
نماز میں تدبر کے ساتھ قراءت کرنے میں نبی کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ ---------- 438
آیت رحمت ---------- 438
آیت وعید وعذاب ---------- 439
آیتِ تسبیح ---------- 439
رکوع اور سجود میں قراءت کرنا منع ہے ---------- 439
رکوع وسجود کے اذکار اور ان کے معانی کا بیان ---------- 442
تکبیراتِ انتقالات اور ان کے احکام ---------- 443
تکبیراتِ انتقالات کی تفصیل اور ان کا حکم ---------- 445
رکوع سے کھڑے ہوتے وقت کے اذکار ---------- 446
سجدہ کرنے کا طریقہ وہیئت اور اس کے احکام ---------- 449
سجدہ میں دونوں بازو کھلے ہوں ---------- 452
سجدہ میں کہنیاں اوپر کو اٹھی ہوں ---------- 452
سجدوں اور رکوع میں انگلیاں رکھنے کا طریقہ ---------- 453
نفل نماز میں قیام کرنے کی بجائے بیٹھ کر نماز ادا کرنے کا حکم ---------- 454
سجدوں کے درمیان دعا مانگنا ---------- 454
جلسۂ استراحت کا حکم ---------- 456
قنوت اور اس کے احکام ---------- 457
دعائے قنوت کا سبب ---------- 460
وباؤں، سیلابوں اور زلزلوں میں قنوت کا حکم ---------- 460
نمازِ فجر میں قنوت کا حکم ---------- 460
دعائے قنوت ---------- 461

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سجدہ میں جاتے ہوئے گھٹنوں سے قبل دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھنے کا حکم ---------- 466
تشہد میں دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں اور رانوں پر رکھنے کی کیفیت کا بیان ---------- 468
تشہد کے صیغے اور ان کے معانی ---------- 469
نبی کریم ﷺ پر درود ---------- 475
حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوالات کامل درجہ پر طاعت کرنے کے لیے ہوتے تھے ---------- 477
تشہد کے بعد کی دعا اور اس کے احکام ---------- 479
فرمائشِ صدیقی رضی اللہ عنہ پر تعلیم کی جانے والی دعا کی اہمت 480
تواضع اور کسرِ نفسی ---------- 480
نماز کا سلام کرنے کا طریقہ اور اس کے احکام ---------- 482
نماز کے بعد کے اذکار کا بیان ---------- 483
نماز کے بعد کا ذکر ---------- 483
آیت الکرسی کی فضیلت اور اس کے معانی ---------- 488
آیت الکرسی ---------- 488
نبی کریم ﷺ کی نماز جیسی نماز سیکھنا واجب ہے --- 491
مریض کی نماز کا بیان ---------- 492
اگر زمین پر سجدہ کرنے کی استطاعت نہ ہو تو اس کا حکم 494
نماز کا وجوب ---------- 495

8۔ بَابُ سُجُوْدِ السَّهْوِ وَغَيْرِهٖ

سجود سہو اور تلاوت و شکر وغیرہ کے دوسرے سجدوں کا بیان

سجدۂ سہو ادا کرنے کا طریقہ ---------- 495
سلام کے بعد سجدۂ سہو کرنے کا اور اس کے حکم کا بیان - 497
سجدۂ سہو کے لیے تشہد پڑھنے کا حکم ---------- 501
سلام سے قبل سجدۂ سہو کرنے کا حکم ---------- 502
سہو غلبۂ ظن پر مبنی ہے ---------- 503
سجدۂ سہو کے ساقط ہونے کا بیان ---------- 506
پہلے تشہد سے اٹھ کھڑے ہونے کی صورتیں اور ان کے احکام ---------- 506
امام اور مقتدی کے سہو کا حکم ---------- 507
سہو کے سجدے دو ہیں ---------- 509
سجودِ تلاوت کا بیان ---------- 509
سجودِ تلاوت ---------- 509
سجدۂ تلاوت کا حکم ---------- 510
آیاتِ سجدہ کی تعداد ---------- 511
بعض آیاتِ سجدہ کا بیان ---------- 511
سورۂ صٓ کی آیت سجدہ میں اختلاف اور راجح قول کا بیان ---------- 511
آیت سجدہ کی تلاوت کرنے والے کا، اسے غور سے سننے والے کا اور جس کے کان میں آیتِ سجدہ پڑ جائے، ان سب کے حکم کا بیان ---------- 511
آیاتِ سجدہ کا شمار ---------- 512
سجودِ تلاوت کے لیے تکبیر کا بیان ---------- 514
سجدۂ شکر کا بیان ---------- 514

9۔ بَابُ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ

نفلی نمازوں کا بیان

سننِ راتبہ کا بیان ---------- 517
نمازِ فجر کی سننِ راتبہ کی فضیلت ---------- 519
رات دن کی سننِ راتبہ کی فضیلت ---------- 520
نمازِ عصر اور نمازِ مغرب سے قبل نفل نماز کا بیان ---------- 521
سننِ راتبہ اور نفل میں فرق ---------- 523
فجر کی دو رکعت سنت میں تخفیف کا اور ان کے بعد پہلو کے بل لیٹنے کا بیان ---------- 523
قیام اللیل یعنی تہجد کی نماز کا بیان ---------- 524

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تہجد کی ہیئت ---------- 525
تہجد کی رکعات کی تعداد ---------- 525
نمازِ وتر کا بیان ---------- 526
نماز وتر کا حکم ---------- 526
نماز وتر کا مسنون وقت ---------- 528
نمازِ وتر کے طریقے ---------- 530
نماز وتر ادا کرنے کے مختلف طریقے ---------- 530
قیام اللیل اور وتروں کی ترغیب ---------- 531
قیام اللیل میں آخری نماز وتر ہو ---------- 532
ایک رات میں وتر دو بار نہیں ---------- 533
وتروں میں کی جانے والی قراءت کا بیان ---------- 533
نمازِ وتر کا اخیر وقت ---------- 534
ایک شبہ اور اس کا ردّ ---------- 535
چاشت کی نماز کا بیان ---------- 536
چاشت کا حکم ---------- 537
چاشت کی رکعات اور وقتِ ادا ---------- 537
چاشت کی ترغیب ---------- 537
چاشت کی مشروعیت میں اختلاف کی تفصیل اور حکم --- 537
ایک اشکال اور اس کا جواب ---------- 538
چاشت کی نماز کا افضل وقت ---------- 538

10۔ بَابُ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ وَالْإِمَامَةِ

نماز باجماعت اور امامت کا بیان

نماز باجماعت ---------- 539
نماز باجماعت کا حکم ---------- 539
جماعت کے وجوب کی کتاب اللہ سے دلیل ---------- 540
جماعت کے وجوب کی سنت سے دلیل ---------- 540
جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں آنا واجب ہے ---------- 542
اذان سننے پر مسجد میں حاضر ہونے کا حکم ---------- 545
فرض پڑھنے والے کی نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز کا حکم ---------- 545
متابعت امام واجب ہے ---------- 547
بیٹھ کر نماز پڑھانے والے امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کا حکم ---------- 549
نماز میں مقتدیوں کی حالت کی رعایت لازم ہے ---- 551
سمجھ دار کم سن کی امامت کا حکم ---------- 551
امامت کے لیے زیادہ قرآن جاننے والے کو آگے کیا جائے گا ---------- 553
عورت مردوں کی امامت کی اہل نہیں ---------- 555
دیہاتی کی امامت کا حکم ---------- 555
کافر کی امامت کسی حال میں درست نہیں ---------- 555
مسائل شتّٰی ---------- 555
صفوں کو سیدھا اور برابر کرنے کا اور ان کو ایک دوسرے کے قریب قریب رکھنے کا بیان ---------- 556
مردوں کے حق میں پہلی صف کی فضیلت کا بیان ----- 558
اکیلا مقتدی امام کی دائیں جانب کھڑا ہو ---------- 559
عورت اور بچے کا امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا بیان --- 561
جماعت میں شامل ہونے کا طریقہ ---------- 562
صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونے والے کی نماز کا حکم 565
صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے کی صورتیں اور ان کے احکام ---------- 565
پچھلی صف میں نمازی کو کھینچنے کا حکم ---------- 567
نماز کی طرف سکون اور وقار کے ساتھ جانے کا بیان -- 567
جماعت میں لوگوں کی کثرت مستحب ہے ---------- 569
عورت کے اپنے گھر والوں کی امامت کرانے کا حکم --- 570
عورتوں کی جماعت کا حکم ---------- 570

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نابینا کی امامت کا حکم ---------- 571
کس کا جنازہ اور کس کی امامت جائز ہے؟ ---------- 572
امام جس حال میں بھی ملے اس کے ساتھ جماعت میں شامل ہو جائیے ---------- 572

11۔ بَابُ صَلَاةِ الْمُسَافِرِ وَ الْمَرِيْضِ

مسافر اور مریض کی جماعت کا بیان

سفر کی حقیقت و معنی ---------- 573
سفر میں نماز قصر کرنے کا حکم ---------- 574
سفر میں روزہ نہ رکھنے کا حکم ---------- 576
رخصت، عزیمت اور معصیت کا حکم ---------- 577
قصر کی مسافت کتنی ہے؟ ---------- 578
مسافتِ قصر کی حد میں علماء کا اختلاف اور اس کا حکم --- 579
میل کی مقدار ---------- 579
فرسخ کی مقدار ---------- 579
قصر نماز کب شروع کرے؟ ---------- 579
کیا قصر کے جواز کے لیے مسافت قصر تک کا سفر ضروری ہے؟ ---------- 579
سفر میں کتنے دن تک قصر نماز جائز ہوتی ہے؟ ---------- 579
سفر میں جمع بین الصلوتین کرنے کا حکم ---------- 580
جمع بین الصلوتین کا حکم اور اس کی تفصیل ---------- 582
جمع تقدیم و تاخیر ---------- 582
حضر میں جمع کی صورتیں ---------- 582
ان نمازوں کا بیان جن کو باہم جمع کر کے ادا نہیں کر سکتے 583
ایک مسافت قصر کا بیان ---------- 584
سفر میں قصر کرنے والوں کی فضیلت ---------- 584
مریض کی نماز اور اس کا طریقہ ---------- 585
نماز مریض پر سے بھی ساقط نہیں ---------- 586

12۔ بَابُ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ

نماز جمعہ کا بیان

جمعہ کے دن کی وجہ تسمیہ ---------- 587
قرآنِ کریم میں ''یوم الجمعہ'' کا ذکر ---------- 588
جمعہ کی نمازیں ترک کرنے پر وعید و تحذیر ---------- 588
نمازِ جمعہ کے وقت کا بیان ---------- 590
نماز جمعہ کب ادا کی جائے؟ ---------- 590
زوال سے قبل جمعہ کا حکم ---------- 591
کتنے افراد کے ہونے سے جمعہ منعقد ہو جاتا ہے؟ ---- 592
جمعہ کی ایک رکعت پانے کا حکم ---------- 593
خطبہ کھڑے ہو کر دیا جائے ---------- 594
خطبہ میں کھڑے ہونے کا حکم ---------- 595
نبی کریم ﷺ خطبہ کیسے دیا کرتے تھے ---------- 595
جمعہ کی نماز کو لمبا کرنا جبکہ خطبہ کو مختصر کرنا مستحب ہے -- 598
خطبہ میں سورہ ''ق'' کی قراءت کا بیان ---------- 599
خطبہ کے دوران کلام کرنے کا حکم ---------- 599
خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد ادا کرنے کا حکم ---------- 602
جمعہ اور عیدین میں کون سی سورتیں پڑھی جائیں؟ ---- 603
نماز جمعہ میں قراءت کی جانے والی سورتیں ---------- 604
سورۂ جمعہ کے انتخاب کی وجہ ---------- 604
سورۂ منافقون کے انتخاب کی وجہ ---------- 604
اگر جمعہ کے دن عید بھی آ جائے تو؟ ---------- 605
نمازِ جمعہ کے بعد نوافل ادا کرنے کے احکام ---------- 606
فرائض اور نوافل کو ایک دوسرے سے جدا رکھا جائے -- 607
جمعہ کے دن نہانے کی اور خوشبو لگانے کی فضیلت کا بیان 608
جمعہ کے دن کی مستجاب الدعا گھڑی کون سی ہے؟ ---- 609
جمعہ کم از کم کتنے لوگوں سے منعقد ہوتا ہے؟ ---------- 612
جمعہ کتنے لوگوں سے منعقد ہوتا ہے؟ ---------- 613

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

خطیب کا اہل ایمان کے لیے استغفار کرنا ---------- 613
خطبہ میں قرآن کی آیات پڑھنے کا بیان ---------- 614
ان لوگوں کا بیان جن پر سے جمعہ ساقط ہے --------- 615
غلام پر سے جمعہ کے ساقط ہونے کا حکم ---------- 616
عورت اور بچے پر سے جمعہ کے ساقط ہونے کا حکم ---- 616
مریض پر سے جمعہ کے ساقط ہونے کا حکم ---------- 616
مسافر پر جمعہ کے وجوب کا حکم ---------------- 617
مسافر پر جمعہ کے وجوب کا حکم ---------------- 617
خطیب خطبہ دیتے ہوئے نمازیوں کی طرف رخ کرے اور نمازی خطیب کی طرف متوجہ ہوں ---------- 617
خطبہ کے دوران مقتدیوں اور امام کے التفات کا حکم -- 618
خطیب کا عصا یا کمان کا سہارا لے کر خطبہ دینا ------ 618

13۔ بَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ

نمازِ خوف کا بیان

صلوۃ الخوف کی شروط ---------------------- 619
نمازِ خوف ادا کرنے کا پہلا طریقہ ------------- 620
نمازِ خوف ادا کرنے کی پہلی صورت ------------- 621
نمازِ خوف کے مذکورہ طریقہ کی شروط ------------ 621
نمازِ خوف ادا کرنے کا دوسرا طریقہ ------------ 622
نمازِ خوف ادا کرنے کی دوسری صورت ------------ 623
نمازِ خوف ادا کرنے کا تیسرا طریقہ ------------ 624
نمازِ خوف ادا کرنے کی تیسری صورت ------------ 625
مذکورہ صورت کی شروط ---------------------- 625
نمازِ خوف ادا کرنے کا چوتھا طریقہ ------------ 626
نمازِ خوف ادا کرنے کی چوتھی صورت ------------ 626
نمازِ خوف ادا کرنے کا پانچواں طریقہ ---------- 626
نمازِ خوف ادا کرنے کی پانچویں صورت ---------- 627
مسائل شتی -------------------------------- 627

14۔ بَابُ صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ

عیدین کی نمازوں کا بیان

عید کی مشروعیت -------------------------- 628
عید الفطر اور عید الاضحیٰ کیا ہیں؟ ------------ 629
شرعی عید کب ثابت ہوتی ہے؟ ---------------- 629
جب کسی عذر کی وجہ سے پہلے دن عید ادا نہ کی جائے تو دوسرے دن عید ادا کرنے کے حکم کا بیان ---------- 630
عید الفطر کو جانے سے قبل چند کھجوریں کھانا مسنون ہے 632
عید الفطر میں پہلے اور عید الاضحیٰ میں بعد میں کھانا مسنون ہے ---------------------------- 633
عورتوں کے نمازِ عید کے لیے نکلنے کا حکم ---------- 634
عید کا خطبہ نماز کے بعد مشروع ہے ------------ 635
عیدین کا خطبہ نماز کے بعد ہے ---------------- 636
کیا عیدین کا خطبہ ایک ہے؟ ------------------ 636
منشائے حدیث -------------------------- 636
عیدین کے خطبہ کا حکم ---------------------- 636
عید کی نماز دو رکعت ہے جس سے پہلے اور بعد میں کوئی نفل نماز نہیں ---------------------------- 637
نمازِ عید کے لیے نہ تو اذان ہے اور نہ اقامت اور نہ اس سے قبل یا بعد میں کوئی نفل نماز ہے ------------- 638
عید گاہ سے گھر پہنچ کر نوافل پڑھنے کا حکم ---------- 638
نمازِ عید عید گاہ میں ادا کی جائے --------------- 639
عید کی نماز میں کتنی تکبیریں ہیں؟ -------------- 640
"عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ" کی اسناد اہل علم کی نظر میں ---------------- 641
عیدین کی تکبیروں کی تعداد میں علماء کا اختلاف اور راجح قول ---------------------------- 641
تکبیراتِ زائدہ کے احکام ---------------- 641

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نمازِ عید میں نبی کریم ﷺ کی قراءت ---------- 642
عید کی نماز کو آتے اور جاتے وقت راستہ بدلنا اور راستے میں تکبیر پڑھنا ---------- 642
اسلام میں خوشی منانے کے دو دن ---------- 643
عیدگاہ کی طرف پیدل جانے کا بیان ---------- 644
بارش وغیرہ کے عذر کی وجہ سے مسجد میں عید کی نماز ادا کرنے کا حکم ---------- 644

15- بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوفِ
نماز کسوف کا بیان

کسوف کا اصطلاحی معنی ---------- 645
کسوف اور خسوف کا سبب ---------- 645
گرہن لگنا کب ممکن ہے؟ ---------- 646
گرہن لگنے کے سبب کی نوعیت ---------- 646
سورج اور چاند کو گرہن لگنے کی شرعی وجہ کی غرض ---------- 646
گرہن لگنے کی کیفیت ---------- 646
نماز کسوف اور اس میں دعا مانگنے کی مشروعیت کا بیان - 646
نماز کسوف میں جہری قراءت کی جائے گی ---------- 649
نماز کسوف میں قراءت جہری ہے ---------- 650
نماز کسوف کی دو رکعات میں چار رکوع ہیں ---------- 650
نماز کسوف کے لیے منادی مشروع ہے ---------- 650
نماز کسوف ادا کرنے کا طریقہ ---------- 650
تیز ہوا چلنے پر دعا میں مصروف ہو جانا ---------- 653
ہواؤں کا حکم ---------- 654
زلزلوں کے آنے پر نماز پڑھنے کا حکم ---------- 654
زلزلہ کا حکم ---------- 655

16- بَابُ صَلَاةِ الْإِسْتِسْقَاءِ
نماز استسقاء کا بیان

نمازِ استسقاء کی حکمت وعلت ---------- 656
استسقاء کی صورتیں ---------- 656
استسقاء کی مشروعیت ---------- 656
نمازِ استسقاء کے طریقہ اور اس کے خطبہ کا بیان ---------- 656
نمازِ استسقاء میں دعا کا بیان ---------- 658
نمازِ استسقاء میں چادر پلٹنا اور جہری قراءت کرنا ---------- 662
دعائے استسقاء میں رفع یدین مشروع ہے ---------- 664
توسل کی اقسام اور ان کے احکام ---------- 666
توسل کی اقسام ---------- 667
ایک اعتراض اور اس کا جواب ---------- 668
بارش برسنے کے وقت کیا کیجیے! ---------- 669
بارش دیکھنے پر دعا مانگنا ---------- 670
گزشتہ امتوں میں استسقاء کی مشروعیت کا بیان ---------- 673
دعا میں ہاتھ اٹھانے کا حکم ---------- 675

17- بَابُ اللِّبَاسِ
لباس کے احکام کا بیان

لباس کی اقسام ---------- 676
لباس کی مشروعیت کی حکمت ---------- 676
حکم کے اعتبار سے لباس کی اقسام ---------- 677
زنا، شراب اور گانوں کی حرمت کا بیان ---------- 677
ریشم کا پہننا اور اس پر بیٹھنا حرام ہے ---------- 679
ریشم پہننے کی ممانعت اور اس کے استعمال پر وعید کا بیان 680
ریشم کے استعمال کے احکام ---------- 680
کون سا ریشم حرام ہے ---------- 680
ریشم کی کتنی مقدار مباح ہے ---------- 680
کسی مرض یا عذر کی وجہ سے ریشم پہننے کا حکم ---------- 681
مردوں کو ریشم ہدیہ میں دے سکتے ہیں البتہ شرط یہ ہے کہ ان کو پہننے کے لیے نہ دیا جائے ---------- 682
عورتوں کے لیے سونے اور ریشم کے حلال ہونے کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حکمت ---------------------------------- 684
رب تعالیٰ کو یہ بات محبوب ہے کہ وہ اپنے بندے پر اپنی عطا
کردہ نعمتوں کو دیکھے ------------------------- 685
رب تعالیٰ کی نعمتوں کی اقسام اور ان کے احکام ----- 686
ریشمی اور زرد رنگ میں رنگے کپڑے کو پہننا منع ہے -- 686
ریشم سے کپڑے کو تر پنا جائز ہے --------------- 687

3.....كِتَابُ الْجَنَائِزِ
جنازوں کے احکام و مسائل کا بیان

موت کو یاد کرنے کی ترغیب ------------------ 690
موت کی تمنا کرنا ناپسندیدہ ہے ----------------- 691
مومنانہ موت کی ایک علامت ------------------ 693
عرق آلود پیشانی کے ساتھ موت آنے کا مطلب---- 694
جان کنی کی حالت میں شہادت کی تلقین ---------- 694
تلقین کا حکم ----------------------------- 694
جان دینے والے کے پاس سورۂ یٰسٓ کی قراءت کرنے کا
حکم ہے --------------------------------- 695
میت کی آنکھیں بند کر دینے کا حکم ------------ 696
میت کو ایک چادر سے ڈھانپ دیا جائے ---------- 698
میت کا بوسہ دینے بیان ---------------------- 698
میت کا قرض جلد ادا کر دیا جائے --------------- 699
اگر محرم مر جائے تو اس کی میت کو خوشبو نہ لگائی جائے - 700
میت کو غسل دیتے وقت اسے ننگا کرنے کا بیان----- 701
میت کو غسل دینے کا مشروع طریقہ ------------- 702
غسل دینے کا مفصل طریقہ ------------------- 704
میت کو کفن دینے کے احکام ------------------ 705
سفید کپڑوں میں کفن دینا مستحب ہے ------------ 707
سفید کپڑے پہننے کا اور سفید کفن دینے کا حکم ------- 707
کفن دینے میں ''احسان'' مستحب ہے -------------- 708
ایک قبر میں متعدد کو دفن کرنے کا اور اس بات کا بیان کہ ایسی
صورت میں دفن کرنے میں کس کو مقدم کیا جائے ---- 708
زیادہ مہنگا کفن بنانا مکروہ ہے ------------------- 710
زوجین کا ایک دوسرے کو غسل دینے کا بیان ------- 711
حد میں مارے جانے والے کی نماز جنازہ ---------- 712
خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ کا حکم ----------- 713
قبر پر نماز جنازہ ادا کرنے کا حکم ----------------- 714
نوحہ کر کے کسی کے مرنے کی خبر دینے کی ممانعت کا بیان 717
غائبانہ نماز جنازہ کا حکم -------------------- 718
جنازہ میں نمازیوں کی کثرت کی فضیلت ---------- 720
عورت کے جنازہ میں امام کہاں کھڑا ہو؟ ---------- 721
مساجد میں نمازِ جنازہ ادا کرنے کا حکم ------------ 722
کیا مساجد میں جنازہ ادا کیا جا سکتا ہے؟------------ 722
نمازِ جنازہ میں تکبیروں کی تعداد کا بیان ----------- 723
نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کا بیان--------- 725
نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کا حکم --------- 725
نماز جنازہ میں میت کے لیے دعا کرنے کا بیان ----- 726
نماز جنازہ میں مسلمانوں کے لیے دعا کرنا---------- 730
میت کے لیے پر خلوص دعا مانگنے کا حکم----------- 732
جنازہ کو جلدی جلدی قبرستان لے جانا مستحب ہے --- 732
جنازہ میں شریک ہونے اور نمازِ جنازہ ادا کرنے کی فضیلت کا
بیان ---------------------------------- 733
قیراط کی تحقیق ---------------------------- 734
دو قیراط کا اجر کب ملتا ہے؟------------------ 735
جنازہ میں کس طرح چلا جائے؟ ---------------- 736
جنازہ کے شرکاء جنازہ میں کہاں چلیں؟------------ 737
عورتوں کی جنازوں میں شرکت کی ممانعت کا بیان --- 738
عورتوں کے جنازوں کے ساتھ جانے کا حکم -------- 738

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم ---------- 739
میت کو قبر میں اتارنے کا طریقہ ---------- 740
میت کو بھی ان باتوں سے اذیت پہنچتی ہے جن سے زندہ لوگوں کو اذیت پہنچتی ہے ---------- 741
قبر کے لحد اور شق ہونے کا بیان ---------- 743
قبروں کو پختہ بنانے اور ان پر کوئی تعمیر کرنے کی ممانعت کا بیان ---------- 744
تدفین کے بعد قبر پر مٹی ڈالنا ---------- 745
تدفین کے بعد میت کے لیے بخشش کی دعا مانگنا ---------- 746
قبر کے پاس کھڑے ہو کر میت کو تلقین کرنے کا بیان ---------- 747
عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت کا حکم ---------- 748
زیارتِ قبور کا حکم ---------- 749
نہی کے بعد امر کا حکم ---------- 749
نوحہ کرنا کبیرہ گناہ ہے ---------- 751
نوحہ کرنے سے میت کو عذاب ہونے کا بیان ---------- 753
ایک اشکال اور اس کا جواب ---------- 753
میت پر رونا جائز ہے جو نوحہ نہیں ---------- 755
رات کو تدفین کی ممانعت کا بیان ---------- 756
اہل میت کی غم خواری مستحب ہے ---------- 757
قبروں کی زیارت کرنے کے آداب ---------- 758
مردوں کو برا بھلا کہنے کی ممانعت کا بیان ---------- 761

4..... كِتَابُ الزَّكٰوةِ

زکوٰۃ کے احکام و مسائل کا بیان

زکوٰۃ کا مفہوم ---------- 763
زکوٰۃ کا فائدہ ---------- 763
زکوٰۃ کی فرضیت ---------- 764
زکوٰۃ کا حکم ---------- 764
قہراً زکوٰۃ لینے کا حکم ---------- 764
زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے ---------- 764
قرض وجوب زکوٰۃ میں مانع نہیں ---------- 767
چوپایوں کی زکوٰۃ ---------- 767
اونٹوں کی زکوٰۃ ---------- 770
بکریوں کی زکوٰۃ ---------- 772
بکریوں اور اونٹوں کے وقص میں فرق اور اس کی وجہ - 774
زکوٰۃ سے بچنے کے لیے حیلوں اور تدبیروں کے اختیار کرنے کی مذمت کا بیان ---------- 774
دو متفرق نصابوں کو ایک کرنے کی مثال ---------- 775
ایک نصاب کو متفرق کرنے کی مثال ---------- 775
چوپایوں میں شراکت اور ان پر زکوٰۃ کے وجوب کا بیان 775
زکوٰۃ میں کیسا جانور دیا جائے؟ ---------- 776
چاندی کی زکوٰۃ ---------- 777
مفروض جانوروں کی منصوص عمریں نہ ہونے کی صورت میں کیا کیجیے ---------- 778
گائیوں کی زکوٰۃ کا نصاب ---------- 780
زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عاملین کو روانہ کرنا مشروع ہے ---------- 782
غلاموں، خدام اور گھوڑوں پر زکوٰۃ نہیں ---------- 783
امام زکوٰۃ جبراً بھی لے سکتا ہے اور زکوٰۃ روکنے والے کو سزا دے گا ---------- 784
زکوٰۃ کی شروط ---------- 789
چاندی کا نصاب ---------- 789
سونے کا نصاب ---------- 790
سونے چاندی کی زکوٰۃ کی شروط ---------- 790
سال گزرنے کی شرط کی حکمت ---------- 790
نصاب سے زیادہ مال میں زکوٰۃ کے وجوب کا ضابطہ - 790
غلوں اور پھلوں کی زکوٰۃ کی شرط ---------- 791

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مالِ مستفاد میں زکوٰۃ کا حکم ---------- 791
مالِ مستفاد کی اقسام اور ان پر زکوٰۃ واجب ہونے کی صورتیں اور احکام ---------- 791
کھیتی باڑی اور بار برداری کے کام میں لائے جانے والے بیلوں اور گائیوں کی زکوٰۃ کا حکم ---------- 792
نابالغ بچے کے مال میں زکوٰۃ کا حکم ---------- 793
زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو دعا دینا ---------- 795
پہلے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ---------- 796
غلوں اور پھلوں کی زکوٰۃ کا بیان ---------- 797
چاندی کا نصاب ---------- 798
اونٹوں کی زکوٰۃ ---------- 799
کھجوروں اور غلوں کی زکوٰۃ ---------- 799
زمینوں کی پیداوار میں زکوٰۃ ---------- 800
عشر اور نصف عشر کا مدار ---------- 802
جن غلوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، ان کی اقسام اور احکام کا بیان ---------- 802
غلوں میں زکوٰۃ کے وجوب کا ضابطہ ---------- 803
فواکہ کا حکم ---------- 803
پھلوں کے پکنے سے قبل ان کی مقدار یا وزن کا انکل سے اندازہ لگانے کا حکم ---------- 804
انگوروں میں زکوٰۃ کا حکم ---------- 806
کشمش کا نصاب ---------- 806
زیورات کی زکوٰۃ کا حکم ---------- 806
سامانِ تجارت میں زکوٰۃ کا حکم ---------- 810
سامانِ تجارت کی تعریف اور اس میں زکوٰۃ کے وجوب کا حکم ---------- 811
سامانِ تجارت میں زکوٰۃ کے وجوب کے دلائل ---------- 811
سامانِ تجارت سے زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ ---------- 811
دفینہ کی زکوٰۃ کا حکم ---------- 812
رکاز یعنی دفینہ کی لغوی اور شرعی تعریف ---------- 812
رکاز کا حکم ---------- 812
رکاز کے خمس کا مصرف ---------- 812
رکاز میں خمس کے وجوب کے لیے نصاب اور حولانِ حول شرط نہیں ---------- 813
خزانہ اور کانوں میں زکوٰۃ کا حکم ---------- 813
کانوں کی معدنیات میں زکوٰۃ کے وجوب کا حکم ---------- 814

1۔ بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ
صدقہ فطر کا بیان

ان لوگوں کا بیان جن پر صدقہ فطر واجب ہوتا ہے ---------- 815
صدقۂ فطر کے وجوب کی حکمت ---------- 817
فطرانہ کی مقدار کا اور اس بات کا بیان کہ فطرانہ کن چیزوں میں سے ہو؟ ---------- 817
صدقہ فطر کے وجوب اور ادا کا وقت اور اس کا فائدہ ---------- 819

2۔ بَابُ صَدَقَةِ التَّطَوُّعِ
نفلی صدقہ کا بیان

نفلی صدقہ کا مفہوم اور فائدہ ---------- 820
صدقہ کو چھپا کر دینا افضل ہے ---------- 821
صدقہ میں اخفاء کی فضیلت ---------- 822
نفلی صدقہ کی فضیلت ---------- 822
دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے ---------- 825
افضل صدقہ وہ ہے جو ایک نادار محنت کی کمائی سے کرے ---------- 827
بیوی بچوں پر صدقہ کرنے کی فضیلت ---------- 828
والدین کا حکم ---------- 829
خاوند کے مال سے صدقہ کرنے کا حکم ---------- 829
عورت اپنے خاوند پر صدقہ کر سکتی ہے ---------- 831
بلا ضرورت لوگوں سے سوال کرنا مکروہ ہے ---------- 833

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3۔ بَابُ قِسْمِ الصَّدَقَاتِ
صدقات کی تقسیم اور مصارف کا بیان

کیا ادائے زکوٰۃ میں ان آٹھوں مصارف کا استیعاب شرط ہے؟ ---- 839
غنی کو زکوٰۃ لینا کب حلال ہے؟ ---- 839
کمانے کے قابل کا سوال مذموم ہے ---- 840
سوال کرنا کن کے لیے جائز ہے ---- 841
خاندانِ نبوت کے لیے زکوٰۃ و صدقات حلال نہیں ---- 844
آل رسول ﷺ جن کے لیے صدقہ حلال نہیں، ان کا بیان ---- 845
بنو مطلب اور زکوٰۃ ---- 847
آلِ رسول ﷺ کے موالی کے صدقہ لینے کا حکم ---- 848
بن مانگے ملنے پر لینے کا جواز ---- 849

5 ..... كِتَابُ الصِّيَامِ
روزوں کے احکام و مسائل کا بیان

روزے کے فوائد اور حکمتیں ---- 853
روزے کس ماہ میں فرض ہیں؟ ---- 853
رمضان آنے سے ایک یا دو دن پہلے روزہ رکھنا منع ہے ---- 854
روزوں کی بتدریج فرضیت ---- 855
شک کے دن روزے کا حکم ---- 856
یوم شک کے روزے کا حکم ---- 857
رمضان کا ثبوت ---- 858
ہلال کے اثبات میں خبر واحد مقبول ہے ---- 860
روزہ کی نیت رات میں کرنے کے حکم کا بیان ---- 863
روزہ توڑنے کا حکم ---- 864
روزہ جلدی کھولنے کی فضیلت ---- 866
سحری کھانے کی فضیلت کا بیان ---- 868
کھجور یا پانی کے ساتھ روزہ کھولنا مستحب ہے ---- 869
صوم وصال کی ممانعت کا بیان ---- 870
روزہ کی مشروعیت کی حکمت ---- 873
روزہ کی حالت میں بیوی کو بوسہ دینے کا حکم ---- 874
روزہ دار کے پچھنے لگوانے کا حکم ---- 876
پچھنے لگوا کر روزہ کھولنے کا حکم ---- 878
روزہ کی حالت میں سرمہ لگانے کا حکم ---- 882
روزہ کی حالت میں بھول کر کھا پی لینے کے حکم کا بیان - 883
روزہ کی حالت میں خود قے کر دینے کا حکم ---- 884
سفر میں روزہ رکھنے کا حکم ---- 886
بہت بوڑھے اور مریض کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے 891
ماہِ رمضان میں (روزہ کے دوران) جماع کرنے کا حکم 892
روزہ دار کے حالت جنابت میں صبح کرنے کا حکم ---- 897
روزہ کی قضا ذمہ ہونے کی حالت میں مر جانے والے کا حکم ---- 898

1۔ بَابُ صَوْمِ التَّطَوُّعِ، وَمَا نُهِيَ عَنْ صَوْمِهِ
نفل روزوں اور ممنوع روزوں کا بیان

نفل روزہ کی مشروعیت کی حکمتیں ---- 900
یوم عرفہ اور یوم عاشوراء کے روزہ کی فضیلت ---- 900
شوال کے چھ دنوں کے روزوں کی فضیلت ---- 903
شعبان میں روزہ رکھنے کی فضیلت ---- 905
ایک اہم شرعی قاعدہ ---- 906
ایام بیض کے روزوں کا حکم ---- 907
مہینہ کے تین نفلی روزے ---- 907
خاوند کی اجازت کے بغیر بیوی کے نفلی روزہ رکھنے کا حکم 908
عید الفطر اور عید قربان کے دن کے روزہ کی ممانعت کا بیان ---- 910
عیدین کے دن کے روزے رکھنا منع ہے ---- 911
ایام تشریق میں روزہ رکھنا منع ہے ---- 911

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی رخصت کا بیان ------ 912
جمعہ کے دن کا روزہ ---------- 913
ہفتہ اور اتوار کے دن کا نفلی روزہ ---------- 915
نصف شعبان ہونے پر نفلی روزوں کا حکم ---------- 918
حدیث الباب اور حدیث ابی ہریرہ b میں تطبیق ------ 919
حاجی کے لیے یوم عرفہ کو روزہ رکھنا منع ہے -------- 919
عرفہ کا روزہ حاجی اور غیر حاجی کے تناظر میں ------ 919
ہمیشہ روزہ رکھنے کی ممانعت کا بیان ---------- 920

2۔ بَابُ الْإِعْتِكَافِ وَ قِيَامِ رَمَضَانَ
اعتکاف اور قیامِ رمضان کا بیان

اعتکاف کا مفہوم اور اس کا حکم ---------- 921
قیامِ رمضان ---------- 921
ایمان اور ثواب کی امید کے ساتھ قیام رمضان کی فضیلت ---------- 921
رمضان کے آخری عشرہ کی فضیلت کا بیان -------- 923
اعتکاف آخری عشرۂ رمضان میں ہی ہوتا ہے ------ 924
اعتکاف کے آداب واحکام ---------- 926
حالتِ اعتکاف میں بیوی سے کنگھی کروانا -------- 927
استفراغِ دم 1 (Dialysis) کا حکم ---------- 929
اعتکاف کے چند دیگر احکام وآداب ---------- 929
کیا اعتکاف ہر وقت کیا جا سکتا ہے؟ ---------- 932
شب قدر کا بیان ---------- 932
شب قدر کی تعیین میں ابہام کے فائدے ---------- 933
شب قدر کی تعیین میں علماء کے اقوال کی کثرت اور زیادہ ارجح قول ---------- 933
شب قدر کے افعال ---------- 933
عفو کیا ہے؟ ---------- 934
مساجد ثلاثہ کی فضیلت ---------- 935

6..... كِتَابُ الْحَجِّ
حج کے احکام ومسائل کا بیان

شرعی واصلاحی تعریف ---------- 938
حج کا حکم ---------- 938
حج کب فرض ہوا؟ ---------- 938

1۔ بَابُ فَضْلِهِ وَبَيَانِ مَنْ فُرِضَ عَلَيْهِ
حج کی فضیلت کا اور اس شخص کا بیان جس پر حج فرض ہوتی ہے

حج مبرور کا اجر ---------- 940
حج مبرور کی شروط ---------- 940
حج اور عمرہ عورتوں کا جہاد ہے ---------- 942
عمرہ کا حکم ---------- 943
حج کی ''سبیل'' کی تفسیر ---------- 944
بچے کے حج کا حکم ---------- 945
غیر کی طرف سے حج کرنے کا بیان ---------- 947
بلوغت سے قبل اور غلامی میں کیے حج کا حکم ---------- 952
عورت کے بغیر محرم کے حج کے لیے روانہ ہونے کا --- 954
اور غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں جمع ہونے کا حکم ------ 954
اپنا حج کرنے سے قبل حج بدل کرنے کا حکم ---------- 956
حج زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے ---------- 959

2۔ بَابُ الْمَوَاقِيتِ
مواقیت کا بیان

مواقیتِ مکانیہ...... یہ پانچ ہیں ---------- 961

3۔ بَابُ وُجُوهِ الْإِحْرَامِ وَصِفَتِهِ
احرام کی متعدد قسموں اور احرام باندھنے کے متعدد طریقوں کا بیان

احرام کی اقسام اور باندھنے کے طریقے ---------- 965
کون سا حج افضل ہے؟ ---------- 966

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قران کا احرام باندھنے کے طریقے اور ان کا حکم ---- 966

حج افراد کا احرام ---- 967

قربانی کے جانوروں کو ساتھ لے جانے کا حکم ---- 967

قربانی کس کس پر واجب ہوتی ہے؟ ---- 967

نبی کریم a کا حج مبارکہ کون سا تھا؟ ---- 968

4۔ بَابُ الْإِحْرَامِ وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهِ

احرام اور اس کے متعلقات کا بیان

احرام کے احکام ---- 969

نبی کریم ﷺ کس جگہ سے احرام باندھتے تھے؟ ---- 969

تلبیہ کو بلند آواز سے کہنا مستحب ہے ---- 969

احرام باندھنے سے قبل غسل کرنا ---- 970

احرام کے محظورات ---- 970

احرام باندھتے وقت خوشبو کے استعمال کا جواز ---- 972

محرم کے لیے نکاح کرنا اور نکاح کا پیغام بھیجنا دونوں منع ہیں ---- 973

حالت احرام میں خطبہ یا نکاح یا اِنکاح کا ارتکاب کر لینے پر فدیہ واجب ہونے کا حکم ---- 974

حالت احرام میں شکار مارنا بھی منع ہے ---- 974

پالتو گدھے کا حکم ---- 975

جنگلی گدھا شکار ہے ---- 975

خلاصہ حدیث ---- 976

ایک اشکال اور اس کا جواب ---- 976

محرم کو کن کن جانوروں کو حالتِ احرام میں بھی مار دینا جائز ہوتا ہے ---- 978

قتل کیے جانے اور قتل نہ کیے جانے کے اعتبار سے جانوروں کی اقسام ---- 979

محرم کے لیے پچھنے لگوانے کا حکم ---- 980

فعل محظور کی اقسام اور ان کے احکام ---- 981

مکہ مکرمہ کی حرمت کا بیان ---- 981

فتح مکہ ---- 982

مدینہ منورہ کی حرمت ---- 984

5۔ بَابُ صِفَةِ الْحَجِّ وَدُخُولِ مَكَّةَ

حج کرنے اور مکہ میں داخل ہونے کے طریقہ کا بیان

احکامِ شرعیہ میں آسانی اور سہولت ---- 998

قربانی صرف منیٰ میں ہے ---- 998

مکہ میں داخل ہونے کا طریقہ ---- 999

طواف کرنے کا طریقہ ---- 999

مزدلفہ سے عورتوں وغیرہ کمزور لوگوں کو پہلے روانہ کر دینے کا بیان ---- 1002

جمرۂ عقبہ کی رمی اور عرفہ اور مزدلفہ کے وقوف کا وقت ---- 1003

طلوع فجر کے بعد مزدلفہ پہنچنے کا حکم ---- 1004

وقوف عرفہ کا وقت ---- 1004

تلبیہ کہنا کب ختم کیا جائے؟ ---- 1005

رمی جمرات کا طریقہ اور اس کا وقت ---- 1005

سر منڈوانے یا بالوں کو کتروانے (یعنی حلق یا تقصیر) کی فضیلت اور ان کے وقت کا بیان ---- 1006

روزِ عید کے افعال کی ترتیب ---- 1007

محصور ہو جانے پر حلال ہو جانے کے طریقہ کار کا اور اس کے بعض احکام کا بیان ---- 1007

احصار کا حکم ---- 1008

احصار کیا ہے؟ ---- 1008

تحلل اصغر کا بیان ---- 1009

عورتوں کے لیے حلق کروانا ناجائز ہے ---- 1010

کیا عورت سر کے بال منڈوا سکتی ہے؟ ---- 1010

کسی مصلحت عامہ یا عذر کی بنا پر منیٰ کے مبیت کے ترک کی رخصت کا بیان ---- 1010

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رمی کی استنابت کا حکم ------------------------1013
یوم نحر کا خطبہ مستحب ہے ----------------------1013
قارن کے حج اور عمرہ کے لیے ایک ہی سعی کافی ہے -1014
طواف افاضہ میں رمل کا حکم ------------------1015
طواف وداع کا بیان -------------------------1016
مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز کی فضیلت کا بیان ---1018
تین اہم مسائل ---------------------------1019

6۔ بَابُ الْفَوَاتِ وَالْإِحْصَارِ

حج کے فوت ہو جانے کا اور اِحصار کا یعنی حج یا عمرہ سے روک دیے جانے کا بیان

احرام میں شرط لگانے کا اور اس کے احکام کا بیان ---1022
چوٹ وغیرہ لگ جانے سے حج پورا نہ کر سکنے کا بیان -1023

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عرضِ مترجم

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًاo يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًاo﴾

فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ (ﷺ) وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ اَلضَّلَالَةُ فِي النَّارِ . اَمَّا بَعْدُ!

بے شک ہم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور وہ ہمارا خالق و مالک ہے، اللہ تعالیٰ کے ہم پر بے شمار احسانات ہیں جن میں سے سب بڑا احسان یہ ہے کہ ہماری دنیا و آخرت کی ہر قسم کی صلاح و فلاح اور نجات کے لیے نبوت و رسالت کا ایک مقدس اور پاکیزہ سلسلہ شروع کیا۔ جب بھی بندوں کو آسمانی ہدایت و راہنمائی کی ضرورت درپیش ہوئی تو اپنی مبارک اور پاکیزہ ہستیوں میں سے کسی ایک کو چن کر، اس وقت کی امت کا ہادی و راہبر بنا کر بھیجا اور ساتھ ساتھ حسب موقع اُن پر وحی اور کتابوں کے اتارنے کا شرف بھی بخشا تا کہ بندوں کی ہدایت ہر دو طرف سے کامل اور مکمل ہو جائے، کہ اگر ایک طرف انہیں آسمانی ہدایت نامہ ملتا تھا تو دوسری طرف اس کی عملی طور پر ایک ایسی کامل و مکمل سچی تصویر بھی ملتی کہ اس سے زیادہ مکمل تصویر کا تصور ممکن نہ تھا اور وہ تھی حضرات انبیائے کرام کی سیرت۔ اس بات سے سر مو بھی اختلاف اور انکار کی گنجائش نہیں کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی پاکیزہ زندگیاں ہی دنیا و آخرت کی کامیابیوں کے لیے مشعلِ راہ ہیں اور جتنا ہمیں زندہ رہنے کے لیے غذا، ہوا اور پانی وغیرہ کی ضرورت ہے اس سے کہیں زیادہ ہمیں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی اور خاص طور پر نبی کریم ﷺ کی سیرت جاننے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت میں حضرات انبیائے کرام و مرسلین کا یہ مبارک سلسلہ جناب رسول اللہ محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر آ کر ختم ہونا تھا اور ختم ہوا۔ تب پھر یہ امر ناگزیر تھا کہ آپ ﷺ کو ایک ایسی آخری اور مکمل تعلیم و ہدایت دے کر بھیجا جاتا جو رہتی دنیا تک کافی رہتی۔

نبی کریم ﷺ کو عنایت کی جانے والی اس ربانی تعلیم و ہدایت کے بنیادی طور پر دو حصے ہیں، ایک قرآن مجید جو لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے رب تعالیٰ کا کلام ہے۔ دوسرے نبی کریم ﷺ کے وہ ارشادات اور آپ ﷺ کی وہ قولی اور عملی تعلیمات و ہدایات ہیں جو آپ ﷺ اللہ کے نبی، رسول اور اس کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے امت کو دیتے تھے۔ آپ ﷺ یہ تمام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعلیمات اپنی نگرانی میں اپنے صحابہ کو لکھواتے اور سننے کے بعد اس کی تصحیح بھی خود ہی فرمایا کرتے تھے تاکہ وحی متلو اور غیر متلو دونوں کی حجیت اپنی تکمیل کو پہنچ جائے۔

اب چونکہ قیامت تک کی انسانیت کی ظاہری و باطنی، حسی و معنوی، مادی و روحانی اصلاح، ترقی اور نجات اسی حدیث اور سنت وسیرت پر عمل پیرا ہونے پر موقوف تھی جو در اصل رب ذوالجلال کے لاریب ہدایت نامہ قرآن کریم کی اصلی اور سچی تفسیر اور تعبیر تھی، اس لیے تکوینی طور پر اس حدیث وسنت کا من وعن اور بلا کم وکاست ہر قسم کے غل وغش سے سلامت رہ کر باقی رہنا از حد ناگزیر تھا، جس کا انتظام رب تعالیٰ نے اپنے دست غیب سے فرمایا اور اس کو حالات کی نذر نہ کر دیا بلکہ اپنی ازلی قدرت اور علم کے ذریعے نبی کریم ﷺ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اس حدیث وسنت کی پوری پوری حفاظت فرمائی۔

زہے نصیب کہ اس مبارک دمسعود کام کی سعادت سب سے پہلے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حصہ میں آئی اور انہوں نے اس عظیم کام کو مقصد حیات بناتے ہوئے اس طرح سرانجام دیا کہ اس کی نظیر اس سے قبل دیکھی نہ گئی تھی کہ کسی امت نے اپنے پیغمبر کی سیرت کو یوں محفوظ کیا ہو جس طرح کہ اس امت نے محفوظ کیا۔ چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ کے ہر ہر قول، فعل اور تقریر کو صفحۂ ہستی کا ان مٹ نقش بنا کر یوں محفوظ کیا کہ صدیاں گزرنے کے باوجود بھی کوئی سیرت نبوی کے ایک نقش کو بدل تک نہیں سکا چہ جائیکہ مٹا سکتا۔

غرض نبی کریم ﷺ کے جملہ ارشادات کو ان کے اسباب و واقعات کے تناظر میں اور زمانی و مکانی جملہ تفصیلات سمیت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اگلی نسلوں تک پہنچایا۔ یوں حدیث وسنت کے بحر بیکراں کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اگلی نسل کے سپرد کیا اور اگلی نسلوں نے اس کو دل کے صحیفوں، سینوں کے گنجینوں میں محفوظ کرنے کے ساتھ ساتھ کتابوں کے خزینوں میں بھی محفوظ کر کے ہمیشہ کے لیے امر کر دیا۔

بلاشبہ یہ رب تعالیٰ کی عظیم قدرت کا ایک نمونہ اور حضرت خاتمی مرتبت کا ایک معجزہ ہے کہ آپ ﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد، قرآن وسنت کی اس تعلیم کو جو آپ ﷺ رہتی دنیا تک کی ہدایت وراہنمائی کے لیے چھوڑ گئے تھے رب تعالیٰ نے ہر دور میں اس کی حفاظت وصیانت کے ایسے ظاہری و باطنی انتظامات فرمائے کہ غور وفکر کرنے والوں کے لیے اس میں عبرت ونصیحت کا ایک عظیم سامان ہے۔

انہی ربانی انتظامات میں یہ بات ہے کہ جس دور میں اور جب بھی قرآن وسنت کی خدمت کی نوبت پیش آئی تو رب تعالیٰ نے دست غیب سے ایسے ''رجال'' کو کھڑا کر دیا کہ جن کے دلوں میں قرآن وحدیث کی حفاظت زندہ رہنے کے لیے سانس لینے سے بھی زیادہ ضروری ٹھہری، تب پھر ان لوگوں نے قرآن وسنت کی حفاظت کی وہ وہ صورتیں اختیار کیں جن کا کسی کے دل میں اس سے قبل خیال تک نہ گزرا تھا اور صاف نظر آتا تھا کہ ان لوگوں سے یہ ''کام'' ہوا نہیں بلکہ دستِ غیب سے لیا گیا ہے۔

اب بلاشبہ دین وشریعت کی اصل واساس قرآن کریم ہے۔ جو سب سے محکم اور سب پر مقدم ہے البتہ قرآن کریم زیادہ تر اصول بیان کرتا ہے جبکہ اس کی تشریح وتوضیح اور بیان وتفصیل حدیث بیان کرتی ہے اور اس کی عملی تطبیق سنت ہے اور یہی نبی کریم ﷺ کا وہ فریضہ اور منصب ہے جس کو رب تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (الجمعة: 2)

''وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انھی میں سے بھیجا، جوان کے سامنے اس کی آیات پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، حالانکہ بلاشبہ وہ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔''

کہ اس ارشاد ربانی میں تعلیم کتاب سے مراد آیات کی تشریح، ان کے معانی و مطالب کی توضیح اور ان کے حِکَم و احکام کا بیان ہے، اور یہ حدیث وسنت ہی تو ہے۔ تب پھر جہاں قرآن کے الفاظ حجت ہیں وہیں نبی کریم ﷺ کے ارشادات اور آپ ﷺ کا قول، فعل اور تقریر بھی حجت ہے کہ یہ قرآن کریم کی مرادات کا بیان ہے۔ کیونکہ قرآنِ کریم نے اس بات کو آپ ﷺ کا ''نبوی وظیفہ'' کہا ہے۔

غرض جب قرآن کریم رب تعالیٰ کی آخری کتاب ٹھہری اور اس کی زیر زبر تک کی حفاظت واجب قرار پائی تو لامحالہ اسی قرآن کی تشریحات وتوضیحات کی حفاظت بھی لازم ٹھہری اور رہتی دنیا تک قرآن کریم کی ان مرادات کی بقا ناگزیر قرار پائی۔ تب پھر قرآن کریم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ کی قولی و عملی تشرحات وتوضیحات کا بھی ہر دور میں منقول و متداول رہنا ضروری ہوا۔ اسی لیے حضرات علمائے کرام نے قرآنِ کریم کی اس تشریح وتوضیح کا قبول کرنا واجب قرار دیا ہے جسے خود حضرت خاتمی مرتبت ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان واعتقاد سے لے کر عبادات ومعاملات تک اور جنگ سے لے کر امن تک زندگی کے ہر میدان میں نبی کریم ﷺ کی ہر قسم کی قولی، عملی اور تقریری اتباع واجب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ (آل عمران: 31)

''کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔''

پس جب نبی کریم ﷺ کی اتباع واجب ٹھہری تو حدیث وسنت کا قبول کرنا بھی ہم پر لامحالہ واجب ٹھہرا۔ یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ کے مجتہدین فقہاء اور علماء نے اس موضوع پر نہایت قوت اور وفورِ علم کے ساتھ قلم اٹھایا ہے اور علم کا ایک زبردست ذخیرہ صرف اسی عنوان کے تحت آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑا ہے کہ ''حدیث حجت ہے'' اور بغیر حدیث اور سنت کے قرآن کریم کو کما حقہ سمجھنا اور اس پر عمل پیرا ہو کر دکھانا ناممکن ہے اور حدیث وسنت اس لیے بھی حجت ہے کہ مبادا کوئی کوتاہ فہم اٹھ کر یہ کہنے لگے کہ قرآنِ کریم تو ناقابل عمل اور معطّل ہے۔ حاشا وکلا......

حدیث وسنت کی اس اہمیت کے پیش نظر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے علم و ہدایت کے اس پورے خزانے اور سرچشمے کی غیر معمولی اہتمام اور شغف کے ساتھ حفاظت کی اور اس انمول خزانے کو پوری دیانت داری کے ساتھ اپنے بعد والوں تک پہنچا دیا اور بعد کے زمانہ کے بہترین لوگوں نے مشیت الٰہی سے احادیث وسنن کے اس بحر بیکراں کی ترتیب و تدوین، تحقیق وتنقید، تعلیم و تعلم، ترجمہ وتشریح، حفظ واشاعت اور اس سے متعلق بہت سے علوم وفنون ایجاد کیے اور پھر ہر فن میں بہتر سے بہتر تصنیف وتالیف وغیرہ سیکڑوں قسم کی ایسی خدمات سرانجام دیں جو کسی اور امت کے نصیبہ میں نہ آسکیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ حضرت رسالت مآب رب ذوالجلال کی جوارِ رحمت میں گئے چودہ سے زیادہ صدیاں بیت گئیں لیکن آپ ﷺ کا ہر ہر ارشاد مینارۂ نور بن کر ہر ایک کی آنکھوں کے سامنے درخشندہ وتاباں اور روشن وعیاں ہے اور اسی طرح موجود ہے جس طرح خود آپ ﷺ کے دہانِ مبارک سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نکلا تھا۔

ذرا غور کیجیے کہ حدیث وسنت کی یہ حفاظت از حد ضروری بھی تھی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ پر نبوت ورسالت کے ختم ہو جانے کا فطری تقاضا یہی تھا کہ آپ ﷺ کی ہر ہر ادا قیامت تک محفوظ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ رب تعالیٰ کی طرف سے حدیث وسنت کی حفاظت کا انتظام ہوا ہے اور قیامت تک رہے گا۔ اس خدمت کے لیے جن نصیب والوں کو یہ سعادت ملی ان کے نام تاریخ میں روشن اور محفوظ ہیں۔

پھر یہیں سے احادیث وسنن کو رقم کرنے کا سلسلہ وجود میں آیا، جس کا آغاز خود نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں ہی ہو گیا تھا جبکہ بعد کے قرنوں میں احادیث کی جمع وتدوین عظیم ترین علوم اور علوم اولیہ میں سے قرار پائی جس کی پوری تفصیل کو کتب احادیث میں دیکھا جا سکتا ہے اور اس کے نتیجہ میں صحاح، مجامیع، مسانید، معاجم، سنن، علل، اجزاء، اطراف، مستدرکات، مستخرجات وغیرہ جیسے احادیث کے اہم ترین اور عظیم ترین مجموعے وجود میں آئے۔ انہی اہم ترین حدیثی مجموعوں میں سے اپنی طرز کا ایک اہم مجموعہ ''کتب احکام'' کے نام سے بھی وجود میں آیا، جن میں سے صرف ان احادیث کو جمع کیا گیا جن کا تعلق احکام ومسائل سے تھا۔ جن میں ایک موقر نام امام وقت بخاریٔ دوران حافظ حدیث جناب ابن حجر عسقلانی متوفی 852ھ کی شہرۂ آفاق اور بے بدل کتاب ''بلوغ المرام من ادلة الاحکام'' کا ہے۔

کتاب کا اسلوب

بلوغ المرام اپنی تالیف سے لے کر آج تک امت مسلمہ کی علمی وعملی توجہات کا مرکز رہی ہے اور اصحاب قلم وقرطاس نے اس کتاب کو اپنی علمی مساعی کی جولان گاہ بنائے رکھا ہے اور اخیر زمانہ میں شیخ وقت جناب ابن عثیمین رحمہ اللہ نے اسلاف واخلاف کی تشریحات، توضیحات، تفاسیر اور علمی موشگافیوں سے مرصع وآراستہ کر کے اس قیمتی کتاب کی خدمت کا حق ادا کر دیا ہے۔

امام ابن حجر اور ان کی تالیف بلوغ المرام بندہ عاجز کی تعریف وتوصیف سے از حد بے نیاز ہے اور رہے شیخ رحمہ اللہ تو ان کی ذات پر کچھ لکھنے کی بجائے میں اپنے موقر قارئین کو اس بات کی نہایت فکر مندانہ دعوت دوں گا کہ وہ شیخ رحمہ اللہ کے عقیدہ کی سلامتی، علمی منہج کی بلندی، علوم دینیہ پر دستگاہ اور گرفت، ظاہری وباطنی تقویٰ کی بدولت رب ذوالجلال کی ان پر رحمت وعنایت اور ان کی علمی خدمات کی مقبولیت کا اندازہ موصوف کی اس گراں قدر شرح سے لگا لیں اور یقیناً قارئین اس بارے میں مجھے معذور قرار دیں گے کہ موصوف کے علمی قد وقامت پر کچھ لکھنا مجھ ایسے کوتاہ علم کے بس میں نہ تھا۔

ڈیڑھ ہزار سے زائد احادیث پر مشتمل اس کتاب کی شرح کو شیخ رحمہ اللہ نے ''علم'' کا ایک سمندر بنا دیا ہے۔ یہ عربی کتاب کل چھ جلدوں پر محیط ہے۔ اسے یوں مختصر کرنا کہ سب کچھ لے لیا جائے اور اختصار بھی ہو جائے، بہت جان جوکھوں کا کام تھا۔ اختصار کے چند اسباب یہ ہیں:

❀...... یہ کتاب مدارس کے طلباء کے نصاب میں شامل تھی اور ایک طالب علم تحصیل علم کے زمانہ میں اتنی ضخیم کتاب سے استفادہ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

❀......شارح رحمہ اللہ اپنے وقت کے ''استاذ'' تھے، نہ چاہتے ہوئے بھی آں موصوف کے قلم سے متعدد ایسی غامض اور دقیق مباحث نکل گئیں جن کا معیار مبتدی طلباء کی علمی سطح سے بے حد بلند تھا، اس لیے بھی ان مباحث کو قلم انداز کرنا پڑا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❀......شیخ رحمہ اللہ کے طرزِ تحریر پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا طرزِ تالیف طبعاً غالب تھا اور ایسا ہونا بدیہی تھا کیونکہ موصوف پر ہر حدیث سے متعلقہ علوم کی جملہ تفصیلات کا اس قدر وفور تھا کہ خود موصوف رحمہ اللہ سے اپنا اشہب قلم سنبھالے نہ سنبھلتا تھا اور سیل رواں کی طرح علوم و معارف امنڈے چلے آتے تھے جن سب کو سنبھالنا اور سمیٹنا مبتدی طلباء کے لیے اگر ناممکن نہیں تو از حد دشوار ضرور تھا۔

رب ذوالجلال سے دعا اور رب تعالیٰ کی رحمت کی برکت سے بالآخر اس شدید مشکل کا حل یہ نکالا گیا کہ آں موصوف رحمہ اللہ کے اس دبستانِ معارف کے غنچوں، باغیچۂ علم کی کلیوں اور بحرِ حِکم کے جواہر سے خود کو ایک مبتدی طالب علم کی سطح پر رکھ کر انتخاب کیا جائے، جس سے اس مشکل کا حل نکل آیا۔ اس کتاب کی قدرے تفصیل قارئین کی نذرِ نظر کی جاتی ہے:

❀......شیخ رحمہ اللہ اصل و نسل کے اعتبار سے ایک خالص عرب تھے، آں موصوف کے قلم پر عرب علماء کا طرزِ تحریر ہی غالب تھا جس کا معیار اور اسلوب ہم عجمیوں کی خستہ علمی حالت سے از حد بلند تھا، اس لیے سب سے پہلے اس کتاب کو دیارِ ہند و پاک میں رائج اور قابلِ فہم طرزِ تحریر میں ڈھالا گیا۔ اس غرض کے لیے بندہ عاجز کو دو باتوں سے اول وہلہ میں ہی دست بردار ہونا پڑا:

(1) عربی متن کے من وعن ترجمہ کا التزام

(2) اور عربی اور اردو کی تعبیر و اسلوب میں بعینہٖ یکسانیت

❀......اس لیے اردو زبان و بیان میں اردو خواں طبقہ کی ہی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔

❀......فنی کتب کے ترجمہ میں بالعموم زبان کی شستگی اور لطافت کو مدنظر نہیں رکھا جاتا، اور اکثر کتب کے ترجمہ میں ایک گونہ روکھا پن دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس کتاب میں از حد خیال رکھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ زبان کی روانی اور نرمی متاثر نہ ہو بلکہ قدرے ادبیت اور لذت پیدا ہو۔

❀......احادیث کے ترجمہ میں عموماً الفاظ کے ترجمہ تک ہی محدود رہا جاتا ہے۔ اس باب میں اکابر مفسرین کے طرزِ تحریر کو اختیار کیا گیا ہے بالخصوص جلالین اور تفسیر ابن کثیر کے طرز کو کہ یہ اکابر بین القوسین وضاحتی الفاظ کے ساتھ متون کے غوامض کو اجاگر کرتے چلے جاتے ہیں، ہماری یہ کوشش کس حد تک کامیاب ہوئی ہے اس کا فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

❀......شیخ رحمہ اللہ سردِ حدیث کے بعد صرفی، نحوی، تفسیری، لغوی، بلاغتی، حدیثی اور کلامی مباحث وغیرہ کو بے پناہ جوش اور شدت کے ساتھ بیان کرتے چلے جاتے تھے۔ بلاشبہ شیخ کا یہ طرز ان کے مخاطبین کی علمی حیثیت کے عین موافق تھا۔ لیکن ہم کوتاہ فہموں کو ان قیمتی عبارات کو قابلِ فہم بنانے کی از حد ضرورت تھی، اس لیے بندہ عاجز نے ترجیحی بنیادوں پر شیخ رحمہ اللہ کے متن کی جز بندی ضروری سمجھی اور اس کے لیے درج ذیل اسالیب اختیار کیے:

❀......مسائل کی تفریق و تفصیل ❀......عناوین کا قیام

❀......فنون کی تجزی

چنانچہ ہر فن کے جزوی مسائل کو، جن کو شیخ رحمہ اللہ بسا اوقات متفرق طور پر بیان کرتے تھے، ایک جگہ اکٹھا کرنا اور بعض اصطلاحات کا اختیار کرنا جس کی قدرے تفصیل آگے آجاتی ہے۔

❀......شیخ رحمہ اللہ کا غالب طرز یہ رہا ہے کہ موصوف حدیث ذکر کرنے کے بعد اس کی لغوی، صرفی، نحوی، بلاغتی، فقہی، تفسیری اور حدیثی تفصیلات کو ایک ایک کلمہ ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ بیان کرتے چلے جاتے تھے۔ ہم نے شیخ رحمہ اللہ کی ان تمام علمی رژف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نگاریوں کو ''غریب الحدیث'' کا عنوان دے کر جمع کرنا شروع کیا، جس میں مطبوعہ متن کا لحاظ دشوار تھا۔ چنانچہ بندۂ عاجز نے آخر تک مذکورہ ایسے تمام نکات کو ''غریب الحدیث'' کے تحت لا کر ذکر کیا ہے۔

❀...... جیسا کہ ابھی ذکر ہوا کہ اس بات کی ازحد کوشش کی گئی ہے کہ ہر ہر حدیث میں بنیادی طور پر جو مسئلہ ذکر ہوا ہے اس کو مدنظر رکھ کر ہر حدیث کا ایک عنوان قائم کیا جائے۔ اسی کے ضمن میں حدیث کی شرح و توضیح میں شیخ رحمہ اللہ نے اگر کوئی مسئلہ استقلالاً بیان کیا ہے تو اس کو متنِ کتاب سے چھانٹ کر مناسب مقام پر ایک خاص عنوان دے کر پورا ذکر کر دیا ہے۔

❀...... صرفی، نحوی، لغوی اور بالخصوص ترکیبی مسائل کے بیان میں شیخ رحمہ اللہ نے دیارِ عرب کے مالوف اور معروف طرز کو سامنے رکھا ہے جس کے ہمارے دیار میں زیرِ تعلیم طلباء تقریباً غیر عادی اور نامانوس ہیں اس لیے ایسے جملہ مسائل کو ہمارے مدارس میں مروج طرزِ تدریس کے مطابق کر دیا ہے جس کے لیے بسا اوقات متعدد اصطلاحات کا شیخ کے متن میں اضافہ کرنا اور ان کی توضیح ضروری ٹھہری تھی۔

❀...... شیخ رحمہ اللہ نے جہاں بھی احادیث کی سند میں کلام کیا ہے ان کو ''روایۃ الحدیث'' کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔

❀...... جہاں حدیث کے متن کی نکارت، علت یا شذوذ پر بحث کی ہے اس کو ''درایۃ الحدیث'' کا عنوان دیا ہے۔

❀...... اگر کہیں کسی حدیث کا سبب بیان فرمایا ہے یا تو اس کو ''سببِ حدیث'' سے معنون کیا ہے۔

❀...... شیخ رحمہ اللہ نے گاہ گاہ حدیث کا قصہ بھی ذکر کیا، اس کو ''قصہ حدیث'' کا عنوان دینا ضروری سمجھا۔

❀...... اور اگر کہیں آخر میں کوئی خلاصہ بیان کیا ہے تو اس کو ''خلاصۂ حدیث'' کے نام سے یاد کیا ہے۔

❀...... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رواۃ کے تعارف کو ''معرفة الصحابة'' کے تحت ذکر کیا ہے۔ جبکہ تابعین یا کسی اور راوی کے تعارف کو ''معرفة الرواة'' سے تعبیر کیا ہے۔

❀...... جہاں حدیث کے متن اور ترجمۃ الباب میں بظاہر اجنبیت محسوس ہوئی وہاں شیخ رحمہ اللہ نے نہایت لطیف پیرائے میں حدیث اور باب کے درمیان مناسبت کو ذکر کیا ہے جس کو ''مناسبت حدیث'' کا عنوان دینا ضروری تھا۔

❀...... پھر شیخ رحمہ اللہ کہیں سوال جواب اور اشکال جواب کا طرز بھی اختیار فرماتے تھے، ان مقامات کے لیے یہی عنوان مناسب لگا۔

❀...... شیخ رحمہ اللہ نے مصطلحات الحدیث کو بھی کثرت کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ان کا یہی مشہور علمی نام بھی ہے۔ اس لیے اصطلاحات حدیث کے تعارف کے لیے یہی عنوان سب سے موزوں لگا۔

❀...... شیخ رحمہ اللہ نے دل کھول کر مسائل علمیہ کو بیان فرمایا ہے، ہم نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ طلباء و اساتذہ کے حق میں کوئی مفید علمی مضمون ذکر ہونے سے رہ نہ جائے۔

❀...... شیخ رحمہ اللہ خاص کسی نکتہ کو الگ سے بھی بیان فرماتے ہیں۔ بندہ عاجز نے اس کو ''تنبیہ'' کا نام دیا ہے۔

❀...... اور شیخ رحمہ اللہ کا اس کتاب میں سب سے عمدہ کام جملہ مباحث علمیہ کے بیان کے بعد فوائد کے عنوان کے تحت ایک ایک مسئلہ کو ذکر کرتے چلے جانا ہے جس نے کتاب کے علمی معیار، وثاقت اور (میرے نزدیک) نزاکت کو بے حد بلند کر دیا ہے۔ ان جملہ فوائد کو ''حدیث سے اخذ شدہ فوائد'' کے جلی عنوان کے تحت رقم کیا گیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب میں کیے گئے اضافی کام

ہم نے شیخ رحمہ اللہ کی اس گراں قدر کتاب میں جو اضافی کام کیے ہیں وہ یہ ہیں:

❀ شیخ کے جملہ علمی نکات کے بیان کے اختتام پر ''مضمونِ حدیث'' کے عنوان سے ایک سرخی دے کر اس کے تحت ایک چند سطری خلاصہ ذکر کیا ہے تاکہ طلباء اور علماء کے سامنے یہ بات خوب واضح ہو جائے کہ دراصل اس حدیث میں کیا کیا مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ آخر کتاب تک اس کے التزام کی کوشش کی گئی ہے۔

❀ بعض لغوی، صرفی، نحوی اور ترکیبی تحقیقات کو بیان کیا ہے۔

❀ بعض اماکن، اصطلاحات اور محاورات کی وضاحت کی ہے۔

❀ شیخ رحمہ اللہ نے بعض مقامات پر ازحد اختصار سے کام لیا ہے اور یہ اختصار آں موصوف کے آگے تو آفتابِ نیم روز تھا پر ہم کوتاہ علم کے سامنے وہ اختصار ''یوم غیم'' سے کم نہ تھا۔ ایسے مقامات پر کشفِ خفاء کی کوشش کی ہے۔

❀ مسائل کی امثلہ میں رائج اور جدید اشیاء کے ذکر کو زیادہ مفید سمجھا اور اس بارے کہیں کہیں بندہ عاجز نے کچھ اضافے بھی کئے ہیں۔

❀ بعض مسائل کی تحقیق میں متعلقہ فنون کے ماہرین سے رابطہ کر کے ان کو متعین و مشخص کرنے کی کوشش کی ہے۔

آخر میں اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی پر چند الفاظ رقم کرنا ازحد ضروری ہے کہ شیخ رحمہ اللہ نہایت وسیع الظرف اور وسیع العلم تھے، آں موصوف نے اس پوری طول طویل کتاب میں کسی ایک جگہ بھی کوئی تلخ اور مبتذل کلمہ استعمال نہیں کیا۔ مذاہب کے بیان، طرفین کے دلائل اور ترجیحِ مذہب میں جملہ ائمہ، فقہاء اور مجتہدین کے مقام و مرتبہ کی ازحد رعایت کی ہے۔ جو ہمارے لیے عبرت کا ایک زبردست نمونہ ہے۔ اے کاش کہ ہم لوگ بھی فرقِ مراتب کی اس عظیم صفت سے آراستہ ہو جائیں۔

زمانہ کے دستور کے مطابق آخر میں چند حروف اپنے بارے میں لکھنا ضروری سمجھا تاکہ اہل فکر و نظر کو میرے لیے چشم پوشی اور صرفِ نظر کی گنجائش واجب نظر آئے۔

سلطنت ملتان کے قدیم شہر جھنگ میں بندہ عاجز نے ایک خالص عصری علوم سے آشنا گھر میں ہوش کی آنکھ کھولی، عمر نوخیز کا ایک نہایت قیمتی حصہ سکولوں اور کالجوں میں گزر گیا، رب تعالیٰ کے کرم نے یاوری فرمائی کہ ایک مدرسہ پہنچ گیا اور خوب محنت و شوق سے دین کی تعلیم حاصل کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد کسی نے اردو بازار کے اسلامی کتب کے پبلشروں سے رابطہ کروایا، یہیں سے لکھنے لکھانے کا سلسلہ چل پڑا۔ یہ کتاب اسی شوق و جذبے کا نتیجہ ہے جو طبع ہونے جا رہی ہے۔

دل و دماغ پر ایک لرزہ طاری ہے کہ یہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کا ترجمہ اور ان کی مرادات کا بیان ہے۔ بے شک جہاں یہ بہت بڑی سعادت اور شفاعت رسول ﷺ کے حصول کا ذریعہ ہے وہیں بڑی ذمہ داری بھی ہے۔ اس لیے بندہ عاجز رب کے حضور بصد عجز و نیاز دست بستہ زبانِ قلب سے عرض کناں ہے کہ میری ارادی اور غیر ارادی ہر لغزش کو معاف فرمائے اور آخرت میں خادمانِ رسول ﷺ میں جگہ عنایت فرمائے کہ بے حد چھوٹی زبان کا یہ بہت بڑا سوال ہے جو اے رب ذوالجلال والاکرام! تیری جناب میں کچھ بھی نہیں۔

بے حد قدر ناشناسی اور ناسپاسی ہوگی جو آخر میں ''دارالمعرفہ'' کا ذکر نہ ہو، بلاشبہ اس ادارہ کی یہ بے حد سعادت ہے کہ اس کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نصیبے میں حضرت رسالت مآب جناب خاتمی مرتبت سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کے ارشادات کو چھاپنا لکھا تھا۔ بندہ عاجز یہ کہنے میں بالکل بجا ہے کہ ''یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔''

لیکن یاد رہے کہ یہ بات کسی ادارہ پر ہی موقوف نہیں ہوتی، بلکہ اس کا انحصار ادارہ کے منتظمین و معاونین پر ہوتا ہے۔ مولانا ابو یحییٰ محمد زکریا زاہد حفظہ اللہ جو کہ ادارہ کے مدیر اعلیٰ ہیں، ایک قابل قدر شخصیت اور معروف عالم دین ہیں۔ جنہوں نے کتب کثیرہ کے تراجم بھی کیے، صحاح ستہ پر بھی کام کیا اور متعدد تصنیفات بھی کیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں برکت دے کہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اس مبارک باد کے اصل مستحق اس ادارہ کے مذکورہ بالا منتظمین ہیں جن میں ایک نام مولانا کے چھوٹے بھائی اور میرے نہایت مخلص، ہمدرد، غم گسار اور از حد قدر شناس دوست جناب ''حافظ عبدالرؤف'' بھائی کا بھی ہے۔ بلاشبہ اس کتاب کی خدمت کا انتخاب ان منتظمین کی سعادت مند طبیعت، نیک ذوق اور خدمتِ دین سے معمول قلب و ذہن کا غماز ہے۔

یہ موقع نہیں کہ بندہ عاجز ان منتظمین کی دیگر گزشتہ، جاری اور آئندہ کی متوقع دینی خدمات کا تعارف کروائے البتہ اتنا ضروری ہے کہ یہ برادران یقیناً نیک والدین کا ثمرہ ہیں۔

ادارہ اس کتاب کی تیاری کے تکمیلی مراحل تک ہاتھ بٹانے والے ہر دوست کا صدقِ دل سے شکر گزار ہے بالخصوص ضیاء الرحمٰن کمپوزر جو مسودہ کی کمپوزنگ کے دوران ہی اپنے علمی مشوروں سے نوازتے رہے، اور اُردو بازار کے نہایت قیمتی انسان لیاقت علی بھائی (معاون دار الکتب السلفیہ)، جن کے قیمتی مشوروں سے یہ کتاب قارئین تک پہنچی۔

آخر میں ہم مکتبہ قدوسیہ کے مدیر محترم عمر فاروق قدوسی کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے آخری پروف کا بڑی دقیق نظری سے مطالعہ کیا اور ضروری تبدیلیاں کر کے کتاب کو مزید بہتر بنایا۔ اللہ تعالیٰ اس مکتبہ اور اس کے مدیران کو برکت عطا فرمائے۔

اے اللہ! اس کتاب کو میری اور جملہ معاونین و پبلشر کی نجات کا ذریعہ بنا، مجھ گناہ گار کے والدین کی قبریں منور کر، میری مرحوم بہن اور مرحوم بھائی کو بخش دے، میری اولاد اور بیوی کو برکت عطا فرما! آمین یا رب العالمین!

اے اللہ! جو مانگا وہ بھی عطا کر، جو نہ مانگ سکے وہ بھی دے دے، جس کے مانگنے کا سلیقہ نہ آیا، وہ بھی عطا فرما۔

وَ صَلَّى اللّٰه تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

ابو قیدار محمد آصف نسیم مدنی کان اللہ لہ

29 جون 2016ء بروز بدھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ

سب تعریفیں اسی اللہ کے لیے ہیں جو غالب اور فیاض ہے، جس کی نعمتوں کا شمار دشوار ہے، جو خالق لطف و ارشاد ہے، وہ اپنے کرم اور احسان کی بدولت سیدھے راستوں کی توفیق بخشتا ہے اور اپنے جن بندوں پر اس نے لطف و احسان فرمانا ہو، انہیں دین کی ''سمجھ'' کی توفیق سے نوازتا ہے۔

رب تعالیٰ کا سلام اور اس کی سلامتی ہو اس ذات پر جو رب تعالیٰ کا سب سے بہتر بندہ ہیں اور وہ ہمارے آقا و سردار حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں، جن کی ذاتِ بابرکات کی بدولت آسمان کی بلندیوں کو چھوتا باطل زمیں بوس ہوا، جن کے دنیا میں مبعوث فرمانے کی برکت سے زمین و آسمان ہدایت کے نور سے تاباں اور درخشندہ ہو گئے اور رب تعالیٰ کی حجت کا سلسلہ پھر سے قائم ہو گیا۔ جب تک آسمانوں کی بلندی اور زمین کی وسعت باقی ہے ان پر رب ذوالجلال والاکرام کی سلامتی اور اس کا سلام ہو۔

اور رب تعالیٰ کی سلامتی اور سلام ہو آپ ﷺ کی آل پر اور آپ ﷺ کے ان نیکوکار صحابہ رضی اللہ عنہم پر جو آپ ﷺ پر ایمان لے آئے اور پھر انہوں نے آپ ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال کو قیامت تک کے لیے بلا کم و کاست تاریخ انسانی کے اوراق پر ان مٹ نقش بنا کر ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا، جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی سنن مطہرہ و شریفہ ضائع ہونے سے مامون و مصئون ہو گئیں۔

اما بعد! حیاتِ مستعار کے قیمتی ترین اوقات جس چیز میں خرچ کر دیئے جانے کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، اور ہمتوں اور حوصلوں کو سب سے زیادہ جس کام میں لگانا چاہیے، بلاشبہ وہ ''علوم شرعیہ'' ہیں، جن کو خیر البریہ والخلائق جنابِ نبی کریم ﷺ سے براہِ راست حاصل کیا گیا ہے۔ رب ذوالجلال نے ہر زمانہ میں اپنے کچھ خاص بندوں کو دستِ غیب سے اس بابرکت اور عظیم ترین کام پر مقرر فرما دیا کہ وہ رب تعالیٰ کے بندوں کے سامنے ان علوم شرعیہ کے ذریعے اس کی حجتوں اور نشانیوں کے پرچم گاڑیں۔ رب تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کے ذریعے سالکین کے لیے اپنی رضا و رضوان تک پہنچنے کے راستوں کو روشن کیا اور اپنے ان بندوں کو احکام کے دلائل کی سوجھ بوجھ سے نواز کر بھولے بھٹکے، حیران و سرگرداں انسانوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان کیا۔

پھر جب حق کے متلاشیوں میں درماندگی رچ بس جاتی ہے اور ان کے قدم سستی و کاہلی سے بوجھل ہوئے جاتے ہیں، حتیٰ کہ ارباب حل و عقد اور اصحاب فکر و دانش بھی بحث و تحقیق اور غور و تدبر سے گریزاں ہونے لگتے ہیں۔ فہم و بصیرت کے چراغ بجھنے لگتے ہیں اور طلب علم کے ولولوں اور جذبوں کی تحریک و انگیخت، ضعف و اضمحلال کے درطوں میں ڈوبنے لگتی ہے، تو سنتِ الٰہیہ یہی ہے کہ اس کی رحمت کو جوش آتا ہے اور وہ کامل عقل و فہم، روشن دل و دماغ اور نادرۂ روزگار صلاحیتوں اور استعدادوں کے مالک بندوں میں سے چن کر ان لوگوں کو انسانیت کی راہنمائی کے لیے اٹھا کھڑا کرتا ہے جن کے دامن کو رب تعالیٰ نے تحقیق و تدقیق کے بحر ذخار سے بھر رکھا ہوتا ہے۔ انہی یکتائے زمانہ رجال و علماء، جن کو رب تعالیٰ نے پیدا ہی اس لیے فرمایا تھا کہ نبی کریم ﷺ کے علوم کی نشر و اشاعت ہی ان کا وظیفہ حیات، مطمح نظر، نصب العین اور اوڑھنا بچھونا ہو، ان میں سے ایک عجوبۂ روزگار حافظ احمد بن محمد حجر رحمہ اللہ ہیں۔ جن کا خاندان عسقلان سے تعلق رکھتا تھا۔ اسی وجہ سے عسقلانی مشہور ہوئے جبکہ ولادت و پرورش حتیٰ کہ وفات بھی مصر میں ہی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئی۔اس لیے مصری بھی کہلاتے ہیں اور فقہی مذہب میں امام شافعی رحمہ اللہ کی پیروی کرتے تھے۔

موصوف کو رب تعالیٰ نے رسا ذہن، سریع فہم، دقیق دانش، عمیق بصیرت اور تصنیف و تالیف کا زبردست ملکہ عطا فرما رکھا تھا۔ چنانچہ خوب لکھا اور بہت لکھا اور آنے والوں کے لیے قیامت تک کے لیے نہایت نفیس، عمدہ اور قیمتی کتابوں کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ چھوڑ گئے۔جن میں سے ہر کتاب بجائے خود علم کا ایک سمندر اور اپنی ایک ممتاز اور نمایاں حیثیت کی حامل ہے۔انہی قیمتی کتابوں میں سے ایک ''بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام'' ہے۔جس میں امام موصوف نے فقہی طرز پر احکام شرعیہ کے دلائل کو جمع کر دیا ہے۔

چنانچہ امام موصوف نے اس لطیف تصنیف میں طہارت، صلوٰۃ، صیام اور حج وغیرہ سے متعلقہ احکام کو مبوّب اور منظم کر کے جمع کیا ہے تاکہ ایک تو قاری کو ان مسائل کی مراجعت میں سہولت ہو، دوسرے موصوف کی یہ کتاب احکام پر دلالت کے اعتبار سے دوسری کتب احکام کے ہم آہنگ بھی ہو جائے۔پھر امام موصوف نے کتاب کے آخر میں ان فقہی ابواب کے ساتھ آداب پر مشتمل نہایت پاکیزہ احادیث کا ایک مجموعہ بھی شامل کیا ہے جس کا نام انہوں نے ''الکتاب الجامع'' رکھا ہے، جس نے اس کتاب کی اہمیت وافادیت میں بے پناہ اضافہ کر دیا ہے اور اس مجموعہ نے اس کتاب کو بجا طور پر ایک نفیس ترین کتاب احکام بنا دیا ہے۔بلاشبہ یہ کتاب اس لائق ہے کہ طالبانِ علوم دینیہ اس کو زبانی یاد کریں، اسے خوب سمجھیں اور اپنی جانیں اس میں کھپا دیں اور جن آداب کو یہ کتاب بیان کرتی ہے، اپنی عملی زندگیوں کو ان سے آراستہ کریں۔یہ کتاب بے حد مبارک اور امام موصوف کے بے پناہ خلوص کی آئینہ دار ہے جس کی دلیل عوام وخواص کے ہر طبقہ میں اس کی از حد مقبولیت ہے، رب تعالیٰ نے اس کتاب کو سراپا خیر بنایا، اس کے فائدہ کو عام کیا، اس کتاب کی پذیرائی اور مقبولیت پر حضرت رسالت مآب ﷺ کا یہ ارشاد بالکل صادق آتا ہے: ((مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ .)) [1] ''رب تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی فقاہت سے نواز دیتا ہے۔''

فقہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

لغوی تعریف:......لغت میں فقہ کسی چیز کے جاننے اور اسے سمجھنے کو کہتے ہیں۔قرآنِ کریم میں اس لفظ کا استعمال بتلاتا ہے کہ اس سے مراد مطلق ''علم'' نہیں بلکہ فہم کی باریکی، ادراک کی لطافت اور متکلم کی غرض کی معرفت ہے۔جیسے رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ﴾ (ھود: 91)

''انھوں نے کہا اے شعیب! ہم اس میں سے بہت سی باتیں نہیں سمجھتے جو تو کہتا ہے۔'' اور فرمایا:

﴿فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا﴾ (النساء: 78)

''پھر ان لوگوں کو کیا ہے کہ قریب نہیں ہیں کہ کوئی بات سمجھیں۔''

اصطلاحی تعریف:......اصطلاح میں ''فقہ'' شرع شریف کے ان عملی احکام کو جاننے کا نام ہے جن کو ان کے تفصیلی دلائل سے حاصل کیا جاتا ہے۔ [2] یا بذاتِ خود انہی شرعی عملی احکام کے دلائل کے جاننے کو ہی فقہ کہہ دیتے ہیں۔اسی لیے علامہ موصوف نے اپنی اس کتاب کا نام ''بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام'' رکھا ہے۔کیونکہ مذکورہ کتاب میں فقہی مسائل وابواب کو پیش کرنے میں احکام کے دلائل پر اعتماد کیا گیا ہے۔

---

1. صحیح البخاری: 71- صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، رقم: 1037.
2. منهاج الاصول للبيضاوي، ص: 22- الإحكام في اصول الأحكام للآمدي: 7/1.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احکام کی تعریف اور ان کی اقسام

اَحْکَامٌ، حُکْمٌ کی جمع ہے۔ حکم کا لغوی معنی ایک امر کو دوسرے امر کے لیے سلب یا ایجاب کے طور پر ثابت کرنا ہے۔ حکم اپنے مصدر و ماخذ کے اعتبار سے تین قسم پر ہے، جو یہ ہیں:

(1) حکم عقلی:...... یہ وہ حکم ہے جس کا صدور عقل سے ہو جیسے علماء کا یہ کہنا کہ ''دو ضدیں کبھی یکجا نہیں ہوتیں۔'' یا جیسے ''مثلث ثلاث کے زاویوں کا مجموعہ دو زاویہ قائمہ کے مساوی ہوتا ہے۔''

(2) حکم عادی:...... اسے حکم حسّی بھی کہتے ہیں، اس کا مصدر عادت یا حس ہوتی ہے جیسے ''آگ جلاتی ہے''، ''زندہ وجود سانس لیتا ہے'' یا ''شراب نشہ لاتی ہے۔'' یہ جملہ احکام حس اور عادت سے صادر ہوتے ہیں۔

(3) حکم شرعی:...... یہ اس خطاب کے اثر کا نام ہے جس کا صدور ''شارع'' سے ہوتا ہے، جیسے ''نماز واجب ہے''، ''زنا حرام ہے''، ''نماز کے لیے وضو شرط ہے''، ''قرابت وراثت کا سبب ہے'' اور ''دین کا اختلاف وراثت کے جاری ہونے میں مانع ہے'' کہ ان سب قضایا میں مذکورہ احکام کا صدور ''شارع'' سے ہوا ہے۔

جب ''حکم'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو ذہن میں متبادراً حکم شرعی کا یہی مفہوم آتا ہے اور فقہاء کے نزدیک حکم شرعی کا مدلول بھی یہی ہے کہ حکم سے ان فقہاء کی مراد وہ اوصاف ہوتے ہیں جو مکلفین کے افعال کے لیے شارع کے خطاب سے ثابت ہوتے ہیں۔ جیسے وجوب، حرمت، ندب، کراہت اور اباحت یا وہ اوصاف سبب، شرط یا ممانعت ہوتے ہیں۔ [1]

احکامِ شرعیہ سے مراد، احکامِ عملیہ ہے

اب مذکورہ اصطلاحی تعریف میں مذکور لفظ ''احکام شرعیہ'' میں یہ بات شرط ہے کہ وہ عملی ہوں۔ یعنی ان کا مکلفین کے اعمال سے تعلق ہو جیسے نماز، بیع وشراء، طعام وشراب اور جنابت وغیرہ۔ یعنی ان کا تعلق مکلفین کی عبادات و معاملات سے ہو، نا کہ ان کا تعلق عقائد سے ہو، کہ ان کو ''احکام اعتقادیہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جیسے: اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان، اور نہ ان کا تعلق اخلاق سے ہی ہو کہ ان کو ''احکامِ اخلاقیہ'' کہہ کر پکارا جاتا ہے جیسے راست گوئی واجب ہے اور کذب بیانی حرام ہے۔ [2]

بلوغ المرام کی اس شرح میں، جو قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہے، غور و تدبر کی نگاہ ڈالنے والا اس بات کو محسوس کرے گا کہ اس میں احکام شرعیہ و اعتقادیہ دونوں کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے بلوغ المرام کی شرح لکھتے وقت متعدد اعتقادی مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے، بالخصوص اُن مسائل اعتقادیہ پر خوب روشنی ڈالی ہے جن کا تعلق رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ جلیلہ سے ہے، اسی طرح شیخ رحمہ اللہ نے احکام اخلاقیہ پر بھی اپنے رشحاتِ قلم ڈالے ہیں جیسا کہ کتاب کے آخر میں آداب سے متعلقہ کتاب ''کتاب الجامع'' میں یہ بات عیاں ہو کر سامنے آجائے گی۔

احکامِ عملیہ کی شرط

پھر احکامِ عملیہ میں یہ بات شرط ہے کہ وہ ''مکتسبہ'' ہوں۔ یعنی ان کو نظر و استدلال کے طریق سے دلائل تفصیلیہ سے حاصل کیا گیا ہو۔

---

[1] لطائف الاشارات، ص: 8۔ مباحث الحکم للاستاذ محمد سلام مدکور، ص: 5.

[2] الوجیز فی اصول الفقه للاستاذ عبدالکریم زیدان، ص: 9.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دلائل تفصیلیہ

دلائل تفصیلیہ سے مراد وہ جزوی دلائل ہیں جن میں سے ہر ایک کا تعلق کسی خاص مسئلہ سے ہو اور وہ جزوی دلیل اس مسئلہ کے معین حکم پر نص ہو، جیسے: الف: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ﴾ (النساء: 23) ''حرام کی گئیں تم پر تمھاری مائیں۔''

یہ ایک خاص مسئلہ کی ایک تفصیلی یعنی جزوی دلیل ہے، اور وہ خاص مسئلہ ''ماؤں کے ساتھ نکاح'' کا ہے اور یہ جزوی دلیل ایک معین حکم کو بتلا رہی ہے اور وہ ہے ''ماؤں کے ساتھ نکاح کا حرام ہونا''

ب: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَ سَآءَ سَبِيْلًا﴾ (الاسراء: 32)

''اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بے شک وہ ہمیشہ سے بڑی بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے۔''

یہ بھی ایک جزوی دلیل ہے جس کا تعلق ایک خاص مسئلہ کے ساتھ ہے اور وہ مسئلہ ہے ''زنا'' کا، اور یہ جزوی دلیل اس مسئلہ کا ایک خاص حکم بتلا رہی ہے، اور وہ ہے ''زنا کا حرام ہونا۔''

ج: نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ((اَلْعَمَدُ قَوَدٌ .)) [1] ''قتل عمد میں قصاص لیا جائے گا۔'' جو جان کے بدلے جان ہے۔ یہ بھی ایک جزوی دلیل ہے جس کا تعلق ایک خاص مسئلہ ''قتلِ عمد'' سے ہے اور یہ جزوی دلیل اس خاص مسئلہ کے حکم کو بتلا رہی ہے اور وہ ہے ''قصاص کا وجوب''

غرض یہ دلائل تفصیلیہ ہمیں ہر ہر مسئلہ کا حکم بتلاتے ہیں۔ اسی لیے یہ دلائل ایک فقیہ کا موضوع بحث ہوتے ہیں تاکہ اسے ان احکام کی معرفت حاصل ہو جن کو یہ دلائل بیان کرتے ہیں۔ اس باب میں ایک فقیہ استنباط کے ان قواعد اور استدلال کے ان مناہج سے مدد لیتا ہے جو علم اُصول میں طے ہو چکے ہیں۔

امام موصوف نے اپنی اس مایۂ ناز کتاب ''بلوغ المرام'' میں مختلف فقہی مسائل سے متعلقہ احکام کے ان دلائل کو جمع کر دیا ہے کہ صدیوں سے علماء، فقہاء، محدثین اور حضرات مؤلفین و مصنفین اس کی شرح لکھنے اور بیان کرنے کا اہتمام کرتے چلے آ رہے ہیں۔ انہی نابغہ روزگار شخصیات میں سے ایک شیخ وقت، فقیہ عصر، مشہور محدث و مفسر متعدد نفیس اور عمدہ کتابوں کے مولف علامہ محمد بن صالح بن عثیمین رحمہ اللہ بھی ہیں جن کو رب تعالیٰ نے توضیح و تشریح اور اجتہاد و استنباط کا عجب ملکہ عنایت فرما رکھا تھا۔ رب تعالیٰ نے ہمیں اس سعادت سے بہرہ مند فرمایا کہ علامہ موصوف کے متعدد علمی، درسی اور تشریحی دروس کو زیورِ طباعت سے آراستہ کرنے کا سہرا ہمارے سر بندھے۔

''بلوغ المرام'' کی شرح سے متعلقہ یہ تقریباً 280 کیسٹیں تھیں جن کی مدد سے ہم نے یہ عظیم الشان شرح تیار کی ہے۔ اس شرح میں ہم نے مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھا ہے:

(1) مسائل کے بیان میں سہل اسلوب اختیار کیا ہے حتیٰ کہ فقہی اختلافات کو بھی قارئین کے سامنے آسان بنا کر پیش کیا ہے۔

(2) احادیث کے اعراب لگا کر بعض کلمات کے بلاغتی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

---

[1] کتاب الجنایات میں اس حدیث کی تخریج آ رہی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(3) احادیث کے صحت و ضعف کے حکم کو بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ علم حدیث سے متعلقہ بعض مسائل کو بھی ذکر کیا ہے جیسے شاذ، مرسل، منقطع احادیث کی تعریفات وغیرہ۔

(4) امام ابن حجر رحمہ اللہ نے محل استدلال کے بیان میں جہاں اختصار سے کام لیا ہے، وہاں ہم نے حدیث کے قصہ اور سبب کو بالتفصیل بیان کرنے کا التزام کیا ہے۔

(5) پوری دیانت داری اور غیر جانبداری سے مذاہب کی آراء اور ان میں مناقشہ کو بیان کیا ہے البتہ جو دلیل قرآن وحدیث سے ثابت ہوا اس کو ترجیح دینا بدیہی تھا۔

(6) کتاب وسنت سے ثابت قضایا پر قیاس کرتے ہوئے فقہی قواعد اور اس کے احکام کو واقعہ سے مربوط کیا ہے اور عصر حاضر سے متعلق متعدد مسائل کو بھی ان قضایا ثابتہ پر قیاس کر کے ان کا حکم بیان کیا ہے۔

(7) جن علمی مسائل پر سیر حاصل بحث نہیں کی جاتی اور ان کی بحث وتحقیق کو طلبہ کے ذمہ چھوڑ دیا جاتا ہے ان پر موصوف نے قرار واقعی علمی اسلوب کے ساتھ خوب خامہ فرسائی کی ہے۔

(8) جن اہم معاصر فتاویٰ اور قضایا کا جاننا ایک طالب علم کے لیے بلکہ ایک عام قاری کے لیے بھی ضروری ہے، ان کو اہتمام سے بیان کیا ہے۔

(9) متعدد احادیث سے اخذ کیے جانے والے احکامِ شرعیہ کی حکمت پر خوب روشنی ڈالی ہے جو شریعت کی روح اور احکامِ شرعیہ کے مقاصد کی بلندی کو بتلاتی ہے۔

(10) شیخ رحمہ اللہ نے جابجا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن تعلیم کو خوب خوب اجاگر کیا ہے تاکہ طالبانِ علومِ دینیہ میں دوسروں کو تعلیم دینے اور علوم دینیہ کی نشر واشاعت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرنے کا جذبہ بیدار ہو۔

(11) احادیث سے متعلقہ اخلاقی احکام ومسائل کے بیان پر بالخصوص توجہ دی ہے تاکہ طلباء کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلاف صالحین کے اخلاق پر تربیت ہو سکے۔

(12) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وقتاً فوقتاً جو سوالات کیے تھے ان کا حقیقی اور سب سے بڑا مقصد ان باتوں پر عمل کرنا تھا۔ چنانچہ شیخ رحمہ اللہ نے بھی اس پہلو کو اہتمام کے ساتھ طلباء پر واضح کیا تاکہ ان کی علمی معلومات عملی زیور سے مزین وآراستہ ہو سکے۔ www.KitaboSunnat.com

(13) شیخ رحمہ اللہ کا طرز ایک بہترین معلم کا طرز ہے جو اس کتاب سے بخوبی عیاں ہو جائے گا۔

(14) موصوف نے ہر حدیث سے متعدد علمی فوائد کو اہتمام سے بیان کیا ہے، اس کی نظیر کم ہی کتابوں میں دیکھنے کو ملتی ہے۔

(15) فقہی اختلافات کے بیان میں شیخ رحمہ اللہ کا طرز کتاب وسنت اور قیاسِ صحیح کے حوالے سے ترجیح دینے کا ہے، اس کے ساتھ ہی شیخ اس بات کی بے پناہ کوشش کرتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے متعدد اقوال ودلائل میں جمع وتطبیق کی صورت پیدا کی جائے۔

(16) شیخ موصوف حضرات محدثین اور فقہائے کرام رحمہم اللہ کے مناہج میں ''جمع'' کے اسلوب کے قائل ہیں، چنانچہ نہ تو وہ حضرات محدثین کی طرح ضعیف حدیث کو بالکل ترک ہی کر دیتے ہیں اور نہ اس کو بے کھٹکے حضرات فقہاء کی طرح قبول ہی کر لیتے ہیں۔ بلکہ وہ ضعیف حدیث کو شریعتِ اسلامیہ کے قواعدِ عامہ پر پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ جو حدیث ان قواعد کے موافق نکلے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کو قبول کرتے ہیں اور جو ان کے خلاف نکلے اس کو ردّ کر دیتے ہیں۔

(17) شیخ رحمہ اللہ کی اس علمی کاوش کا یہ ایک سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے جبکہ شیخ رحمہ اللہ نے اس میں بے شمار نحوی، لغوی، حدیثی، بلاغتی، تفسیری، فقہی، اصولی، اخلاقی اور اعتقادی مسائل کو بیان کیا ہے جو اپنی جگہ مذکور ہیں۔ بلاشبہ ان سب امور نے مجموعی طور پر اس کتاب کی افادیت میں بے پناہ اضافہ کر دیا ہے۔

علم اور علماء کی فضیلت قرآن کریم کی روشنی میں

انسانی فطرت و جبلت کا یہ خاصہ ہے کہ اسے جس چیز کی فضیلت، بزرگی اور قیمت کا صحیح ادراک اور درست علم حاصل ہو جاتا ہے، وہ اس کے حصول کے درپے ہو جاتا ہے اور اپنی قیمتی صلاحیتیں اور نفیس اوقات اس میں خرچ کر دیتا ہے۔ اس لیے علم کی فضیلت کا بیان ضروری تھا۔ بلاشبہ یہ علم ہی ہے جو آدمی کی رغبت و توجہ کا سب سے زیادہ مستحق ہے، یہ اس لائق ہے کہ بندہ اپنا سب کچھ اس کے حاصل کرنے میں لگا دے، آدمی علم سے زیادہ نافع اور مفید کوئی دوسری شے حاصل کر ہی نہیں سکتا، اسی لیے رب تعالیٰ نے علم اور علماء کی شان کو بلند کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَّاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ (المجادلة: 11)

''اللہ ان لوگوں کو درجوں میں بلند کرے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور جنھیں علم دیا گیا اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو، پوری طرح باخبر ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''فتح الباری'' میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: رب تعالیٰ نے اہل علم ایمان والوں کو غیر عالم اہل ایمان پر رفعت اور درجات کی سربلندی عنایت فرمائی ہے۔ جو علم کی فضیلت کی دلیل ہے اور فضیلت سے مراد ثواب کی کثرت ہے۔ علم بلندیٔ درجات کا قوی سبب ہے۔ یہ بلندی معنوی بھی ہے اور حقیقی بھی۔ لہٰذا دنیا میں اس سے لوگوں میں اونچا مرتبہ اور نیک شہرت ملتی ہے جو معنوی بلندی ہے جبکہ آخرت میں حسی اور حقیقی بلندی بھی ملے گی اور وہ جنت میں بلند درجات ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (فاطر: 28)

''اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے صرف جاننے والے ہی ڈرتے ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (الزمر: 9)

''کہہ دے کیا برابر ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ جو نہیں جانتے؟''

اپنے پیغمبر ﷺ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾ (طٰهٰ: 114) ''اور کہہ اے میرے رب! مجھے علم میں زیادہ کر۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ ارشاد باری تعالیٰ علم کی فضیلت کی سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو سوائے علم کے اور کسی چیز میں زیادتی کے سوال کا حکم نہیں دیا۔ یہاں علم سے مراد علم شرعی ہے جو ایک مکلّف کو بتلاتا ہے کہ اس پر اس کے دین کی بابت عبادات و معاملات میں کیا کیا واجب ہے۔ اسی طرح وہ علم مراد ہے جو رب تعالیٰ کی ذات و صفات سے متعلق ہو کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کون کون سی صفات رب تعالیٰ کے شایانِ شان ہیں اور کون کون سی باتیں ایسی ہیں جن سے رب تعالیٰ کی ذات منزہ اور پاک ہے۔ ❶

پھر جس طرح رب تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو علم حاصل کرنے اور اس میں زیادتی طلب کرنے کا حکم ارشاد فرمایا، اسی طرح امت محمدیہ کو سب سے پہلا جو حکم ارشاد فرمایا تھا، وہ ''قراءت'' کا تھا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ پر سب سے پہلے جو آیات اتریں تھیں، وہ اسی ''قراءت'' (پڑھنے) کے حکم کو لے کر اتری تھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝﴾ (العلق: 1-2)

''اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا۔ اس نے انسان کو ایک جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔''

یہ بات رب تعالیٰ کے اپنے بندوں کا اکرام فرمانے میں سے ہے کہ اس نے انسان کو علم سکھلایا اور اسے وہ علم بخشا جو اسے تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور اسے اس بات کی معرفت حاصل ہوتی ہے کہ وہ رب تعالیٰ کی عبادت کیونکر کرے اور وہ اس کی رضا اور اس کی جنت تک کیسے پہنچے۔

احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں

متعدد احادیث میں بھی علم اور علماء کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''بے شک علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں (اور) انبیاء علیہم السلام نے اپنی میراث میں علم کو چھوڑا ہے۔ (سو) جس نے علم حاصل کیا اس نے (سعادت ونجابت کے) بڑے حصہ کو حاصل کیا اور جو کسی راستے پر چلا (تاکہ) اس راستے پر چل کر علم حاصل کرے تو رب تعالیٰ اس کے لیے جنت تک (پہنچنے) کا ایک راستہ آسان فرما دیتے ہیں۔'' ❷

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں: ''اس حدیث میں طالب علم کے لیے اس بشارت کا ذکر ہے کہ رب تعالیٰ اس پر طلب علم کو آسان فرما دیں گے کیونکہ وہ ایک ایسے راستے کا طالب ہے جو جنت تک لے جاتا ہے، اس حدیث میں دوسری بشارت یہ ہے کہ رب تعالیٰ طالب علم کو ایسے اعمال کی توفیق بخشے گا جو اسے جنت تک لے جائیں گے۔'' ❸

علم کی فضیلت کی بابت ایک اور حدیث میں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ

---

❶ فتح الباری: 141/1.

❷ مذکورہ حدیث میں ''بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں ...... بڑے حصہ کو حاصل کیا'' تک کے الفاظ حدیث ابی درداء رضی اللہ عنہ کا ایک طرف ہیں۔ یہ حدیث "سنن ابن ماجه" (223)، "سنن ابی داود" (3641)، "جامع الترمذی" (2682)، "صحیح ابن حبان" (88/1) اور "مسند احمد" (196/5) میں مذکور ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے بعض کو اپنی صحیح کی "کتاب العلم، باب العلم قبل القول و العمل" میں روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''بے شک علماء ہی انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں (اور) انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی میراث میں علم کو چھوڑا ہے (سو) جس نے علم حاصل کیا اس نے (سعادت ونجابت کا) ایک بڑا حصہ حاصل کیا...... جنت تک (پہنچنے) کا ایک راستہ آسان فرما دیتے ہیں۔'' حافظ ابن حجر "فتح الباری" (160/1) میں فرماتے ہیں: حمزہ کنانی نے اس حدیث کو حسن جبکہ دوسروں نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں اضطراب ہے البتہ اپنے دیگر شواہد کی وجہ سے یہ حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو صاف صاف حدیث نہیں کہا، اسی لیے اس کو صحیح بخاری کی تعلقات میں شمار نہیں کیا جاتا لیکن امام صاحب کا اس کو ترجمۃ الباب میں لے کر آنا بتلاتا ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی اصل ضرور ہے۔ جبکہ اس حدیث نے ان الفاظ کو ''جو کسی راستے پر چلا......'' امام مسلم (2699) نے حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس کے مکمل شواہد کے لیے دیکھیں: المستدرك، 36/ 46-47.

❸ فتح الباری: 160/1.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''بے شک دنیا رحمت الٰہی سے دور ہے (اور) جو کچھ اس دنیا میں ہے وہ بھی رحمت الٰہی سے دور ہے سوائے اللہ کے ذکر کے اور اس کے جو اللہ کے ذکر کے قریب ہے یا عالم کے یا متعلم (طالب علم) کے۔'' ❶

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے: ''جو ایک راستے پر (اس لیے) چلتا ہے تاکہ اس پر چل کر علم حاصل کرے تو رب تعالیٰ اس کے لیے جنت تک (پہنچنے) کا ایک راستہ آسان فرما دیتا ہے اور بے شک فرشتے طالب علم کے آگے جو وہ کر رہا ہوتا ہے اس پر خوشی کا اظہار کرنے کے لیے اپنے بازو بچھا دیتے ہیں اور بے شک علم دین کے حامل (عالم) کے لیے آسمانوں میں رہنے والے اور زمین میں رہنے والے حتیٰ کہ پانی کی مچھلیاں بھی مغفرت کی دعا کرتی ہیں اور ایک عالم کی ایک عابد پر (ایسی) فضیلت ہے جیسے چاند کی فضیلت سب ستاروں پر ہے۔ ❷

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے فرشتوں کے طالب علم کے آگے بازو بچھا دینے کے تین معانی بیان کیے ہیں:

(1) ایک یہ کہ فرشتے اس کے آگے اپنے بازو پھیلا دیتے ہیں۔

(2) دوسرا معنی طالب علم کے اکرام کے لیے اس کے آگے عاجزی کرنے کا ہے۔

(3) تیسرا معنی یہ ہے کہ فرشتے علمی مجلس دیکھ کر اڑنا چھوڑ دیتے ہیں اور اتر کر اس مجلس میں آ بیٹھتے ہیں۔ ❸

اہل علم کی فضیلت کے لیے یہی بات بس ہے کہ رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کا ذکر فرشتوں کے ساتھ ملا کر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾ (آل عمران: 18)

''اللہ نے گواہی دی کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور علم والوں نے بھی، اس حال میں کہ وہ انصاف پر قائم ہے۔''

علماء کو فرشتوں کے ساتھ ملا کر ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اہل علم کی شہادت کا بڑا رتبہ اور فضیلت ہے کیونکہ یہ علم والے ہیں، ان کے علم کی بدولت رب تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اس کی صحیح عبادت کی جاتی ہے۔ پھر خود حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل علم کے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ''رب تعالیٰ اس شخص کو سرسبز و شاداب رکھے جس نے ہم سے کوئی بات سنی پھر اس کو جیسا سنا تھا ویسا ہی (آگے دوسروں تک) پہنچا دیا۔ بے شک بعض دفعہ جس کو بات پہنچائی گئی ہے وہ سننے والے سے زیادہ اس کو یاد رکھنے (سمجھنے اور دوسروں کو سمجھانے) والا ہوتا ہے۔'' ❹

اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور آثار تابعین رحمہم اللہ روشنی میں

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے خادمِ خاص کمیل بن زیاد سے فرمایا: اے کمیل بن زیاد! یہ دل برتن ہیں اور دل کا سب سے بہتر برتن وہ ہے جو زیادہ محفوظ کرنے والا ہے، میں تمہیں جو بات بتلا رہا ہوں اسے میری طرف سے محفوظ کر لو: (سنو!) لوگ تین قسم کے ہیں: (1) عالم ربانی (2) عالم متعلم یہ دونوں نجات کے راستے پر گامزن ہیں۔ (3) اور بے حیثیت اجڈ لوگ جو ہر آواز پر

❶ سنن ابن ماجه: 4112۔ جامع الترمذی: 2322/4۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے "صحیح الجامع الصغیر" (3408) میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ ❷ اس کی تخریج گزشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہے۔

❸ مختصر منهاج القاصدين، ص: 17۔ مسند أحمد: 196/5۔

❹ جامع الترمذی: 2657/5، علامہ البانی رحمہ اللہ نے المشکوٰۃ: 196/5 میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھیڑ بکریوں کی طرح لپک پڑتے ہیں، یہ لوگ ہوا کے رخ کے ساتھی ہوتے ہیں (کہ جدھر کی ہوا چلے ادھر کو چل پڑتے ہیں)، نہ تو ان کے پاس علم کی روشنی ہوتی ہے اور نہ ان کا سہارا اور پناہ کسی مضبوط ستون کی طرف ہوتا ہے۔ بے شک علم مال سے بہتر ہے، علم تیرا حریص ہے جبکہ تو مال و زر کی ہوس رکھتا ہے۔ مال تو خرچ کرنے سے گھٹتا ہے جبکہ علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔ عالم کی محبت زندہ رہتی ہے اور مال اپنے مالک کی موت کے ساتھ ہی فنا ہو جاتا ہے، خزانوں کے مالک نیست و نابود ہو گئے اور علم والے (اپنی علمی یادگاروں کی بدولت لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں اور صفحۂ ہستی پر ان مٹ نقش کی طرح) اب بھی زندہ ہیں۔ یہ دنیا جب تک باقی ہے علماء باقی رہیں گے، گو ان کے وجود موت کی آغوش میں چلے جائیں گے مگر ان کے کارنامے دلوں میں زندہ اور موجود رہیں گے۔'' ❶

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''علم سیکھو کہ اس کا اللہ کے لیے سیکھنا خشیت، اس کی طلب عبادت، اس کا پڑھنا پڑھانا اور مطالعہ کرنا تسبیح، اس کی بحث و تحقیق جہاد، بے علم کو علم سکھلانا صدقہ اور اس کے لائق لوگوں پر اس کو خرچ کرنا رب تعالیٰ کی قربت ہے۔ یہ تنہائیوں کا دوست اور خلوتوں کا ساتھی ہے۔'' ❷

حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے: ''اگر علماء نہ ہوتے تو لوگ چوپایوں کی طرح رہ جاتے۔'' ❸

سفیان ثوری فرماتے ہیں: ''صحیح نیت کے ساتھ طلب علم سے افضل عمل اور کوئی نہیں۔'' ❹

ربیع بن سلیمان فرماتے ہیں، میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ''علم حاصل کرنا نفل نماز پڑھنے سے افضل ہے۔'' ❺

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو بادشاہت اور علم میں سے کسی ایک کو چن لینے کا اختیار دیا گیا تو انہوں نے علم کو اختیار کیا، جس پر رب تعالیٰ نے انہیں علم اور بادشاہت دونوں سے نوازا اور یہ ان کے علم کو اختیار کر لینے کی برکت سے تھا۔'' ❻

عبدالرزاق کہتے ہیں: ''میں نے سفیان ثوری رحمہ اللہ کو سنا کہ وہ ایک عرب کو نصیحت کرتے ہوئے فرما رہے تھے: ''تم لوگوں کا بھلا ہو! علم حاصل کرو، مجھے ڈر ہے کہ کہیں علم تم لوگوں سے نکل نہ جائے کہ پھر تم ذلیل ہوتے پھرو، علم حاصل کرو کہ یہ دنیا و آخرت کی عزت ہے۔'' ❼

حکیم لقمان سے پوچھا گیا کہ سب سے افضل انسان کون ہے؟ تو فرمایا: ''مومن عالم کہ جب بھی اس سے خیر ڈھونڈی جائے تو ضرور ملے۔''

علماء کا قول ہے کہ ''تین صفات ایسی ہیں کہ جو بھی ان کا مالک بنے گا سردار بنے گا: (1) فقاہت (2) امانت (3) ادب۔''

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''روزِ قیامت علماء (کے قلم) کی سیاہی اور شہیدوں کا خون بھی تولا جائے گا۔'' ❽

بلاشبہ یہ علم علم والوں کے رتبہ کو بلند کرتا ہے اور اس کی بدولت دنیا و آخرت میں عزت و سیادت نصیب ہوتی ہے۔ علم وہ نور ہے جو ہر خیر کے راستے کو روشن کرتا ہے اور ہر اندھیرے کو کافور کرتا ہے۔

---

❶ الوصایا الخالدة، ص: 102.
❷ من وصایا الرسول ﷺ لطٰه العفیفی.
❸ مختصر منهاج القاصدین، ص: 18.
❹ جامع بیان العلم و فضلة: 31/1.
❺ جامع بیان العلم و فضلة: 31/1.
❻ جامع بیان العلم و فضلة: 65/1.
❼ جامع بیان العلم و فضله: 68/1.
❽ معانی الآثار: 36/1- الدر المنثور: 72/3.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زہری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ''جیسی عبادت رب تعالیٰ کی فقاہت کے ساتھ کی جاتی ہے ویسی اس کے بغیر نہیں کی جا سکتی۔'' [1]

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ''رب تعالیٰ کی (حقیقی) عبادت صوم وصلوٰۃ کے ساتھ نہیں بلکہ دین میں فقاہت کے ساتھ ہوتی ہے۔'' یعنی افضل ترین عبادت صوم وصلوٰۃ نہیں بلکہ فقہ ہے۔

بلاشبہ علم اور علماء کے یہ فضائل ومناقب ''مشتے نمونہ از خروارے'' کا مصداق ہیں۔

علم کے ساتھ عمل ضروری ہے

لیکن یاد رہے کہ یہ مذکورہ بالا جملہ فضائل ومناقب اس علم کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں جو علم عمل کے ساتھ ملا ہو، علم تو عمل تک پہنچنے کا ایک وسیلہ اور خشیت الٰہیہ کے حصول کا ایک ذریعہ ہے، اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ علم کو عمل کے زیور سے مزین کرے اور علم پر عمل کی توفیق علماء راسخین کی صحبت وتربیت سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ جو علم کے متلاشیوں کی عمل پر تربیت وتادیب کرتے ہیں۔

دوسرے علم بڑی جانکاہی اور صبر وبرداشت کے ساتھ حاصل ہوتا ہے، کیونکہ علم ایک بے حد نازک، لطیف اور نفیس صفت ہے جو آرام پرستی، تن آسانی، شکم پروری، سہل انگاری اور لذتِ کام ودہن کے ساتھ حاصل نہیں ہوسکتی۔ یہ تو ان تھک محنت، جان توڑ جدوجہد، جاں گسل کاوش اور عرق ریز سعی کے ساتھ ہی ہاتھ آتی ہے۔ کیونکہ یہ ایک فطری ضابطہ ہے کہ عظیم الشان شے کا پانا بھی کسی عظیم امر کے بغیر ناممکن ہوتا ہے اور بلند رتبے محنت اور تھکن کے بقدر ہی ملتے ہیں۔

اس لیے، اے میرے بھائی! تیرا اوڑھنا بچھونا علم نافع کی طلب اور اس کی تعلیم ہو، تاکہ تمہیں رب تعالیٰ کا وہ عظیم فضل نصیب ہو، جو اس نے علماء کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ علم کا میدان صرف مردوں کے جوہر دکھانے تک ہی محدود نہیں بلکہ اسلام کے سنہرے ادوار کی صدیوں میں عورتوں نے بھی اس میدان میں نمایاں کارنامے دکھلائے ہیں۔

اس جلیل القدر شرح میں ہماری کاوش

- ...... آیاتِ قرآنیہ اور متن کی احادیث کی تخریج کے ساتھ ساتھ ان کے اعراب کا بھی اہتمام کیا ہے۔
- ...... جن احادیث کو شیخ رحمہ اللہ نے دورانِ شرح ذکر کیا ہے ان کو حواشی میں درج کر دیا ہے تاکہ متن اور شرح میں التباس نہ ہو۔
- ...... جو احادیث ذکر ہو چکی تھیں ان کو گزشتہ ابواب کی طرف پھیر دیا ہے۔
- ...... مذکورہ مسائل کے عناوین قائم کیے ہیں۔
- ...... مشکل فقہی الفاظ کو بیان کیا ہے۔
- ...... بعض فقہی کلمات کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات درج کی ہیں۔
- ...... اس عظیم شرح کا ایک مختصر مگر جامع مقدمہ تحریر کیا ہے جس کو ہمارے معزز قارئین پڑھ آئے ہیں۔
- ...... آخر میں رب ذوالجلال کے حضور ہماری دعا ہے کہ وہ ہماری اس کاوش عمل کو شرف قبولیت سے نوازے، ہماری کوتاہیوں اور لغزشوں کو معاف فرمائے اور اس عظیم شرح کے تیار کرنے میں جس جس نے بھی جس جس طرح کا بھی حصہ ڈالا ہے اسے اپنی شایانِ شان اجر جزیل سے نوازے۔

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ

[1] مصنف عبدالرزاق: 20479/11.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الامام، الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ ......ایک تعارف

نام ونسب، کنیت، لقب، نسبت اور فقہی مذہب

امام ابن حجر رحمہ اللہ کا پورا نام ''احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد'' ہے۔

موصوف کی کنیت ابوالفضل، لقب حافظ اور شیخ الاسلام اور نسبت کنانی، عسقلانی، مصری اور قاہری ہے۔

مذہب میں امام شافعی رحمہ اللہ کے پیروکار تھے، ابن حجر کے نام سے شہرت پائی جو ان کے باپ داداؤں میں سے کسی کا لقب تھا۔

خاندان

امام موصوف کا خاندان عسقلان سے تعلق رکھتا ہے جو بحر روم کے ساحل پر آباد فلسطین کا ایک بڑا شہر ہے جو صلیبی جنگوں کے دوران ایک عظیم فوجی چھاؤنی بھی رہا ہے۔ ❶

ولادت

امام موصوف کی ولادت 12 شعبان، 773ھ میں مصر کے مشہور علمی شہر قاہرہ میں ہوئی۔ موصوف ابھی چار سال کے ننھے بچے ہی تھے کہ 777ھ میں والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ چنانچہ موصوف نے والد ماجد کے وصی کے زیر سایہ اپنا یتیمی کا بچپن گزار۔

پرورش اور تعلیم وتربیت

والد کی وفات کے ایک سال بعد پانچ سال کی عمر میں موصوف کو مکتب میں بٹھا کر ان کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز کردیا گیا۔

بچپن سے ہی ذہانت وذکاوت کے آثار امام موصوف کی پیشانی پر درخشندہ نظر آتے تھے، قوتِ حافظہ کا عالم یہ تھا کہ سورۂ مریم کو ایک ہی دن میں حفظ کر ڈالا، ''الحاوی الصغیر'' کو دو مرتبہ حفظ کیا۔ ایک مرتبہ تصحیح کر کے اور دوسری مرتبہ یاد کر کے، پھر تیسری مرتبہ اس کو سنا ڈالا۔

نو سال کی نہایت کم عمر میں پورا قرآنِ کریم یاد کرلیا، پھر ''العمدة'' اور عراقی کی ''الفية الحديث'' ازبر کی۔ ان کے ساتھ ساتھ دیگر اہم کتب کو بھی دل کے صحیفہ پر ''نقش کالحجر'' کرلیا جیسے علم اصول میں ابن حاجب کی ''المختصر'' اور ''الملحمة'' وغیرہ۔

مشائخ سے تعلق، علمی شغف اور رحلاتِ علمیہ

امام موصوف کو اپنے اساتذہ ومشائخ سے بے حد قلبی تعلق تھا، اسی لیے ان کے در کے کھونٹے بن کر رہ گئے اور اساتذہ کی خدمت میں اپنی حاضری کو اپنی متاعِ حیات کا جزو لاینفک بنالیا۔ چنانچہ ان کے دروس، خطبات اور علمی مجالس سے خوب استفادہ کیا اور ان کی تصانیف اور علوم سے قلب وذہن کے دامن کو بھر لیا اور تو اور اپنے مشائخ کے اخلاق وکردار اور سیرت وعمل کے پیکر بن گئے، حتیٰ کہ خود کو ان حضرات کی فطرتی عادات تک میں ڈھال لیا۔ چنانچہ امام بلقینی سے وسعت حافظہ اور کثرت معلومات کا گنجینہ

---

❶ المنجد العربی فی الاعلام، ص: 374۔ (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل کیا، ابن ملقن سے کثرتِ تصانیف کی خو کو اپنایا، ابن جماعہ سے علوم میں تفنن کا خزینہ جمع کیا، تنوخی سے علم قراءت کی مہارت کو لیا۔ عراقی سے علم حدیث پر دسترس پیدا کی اور شہرۂ آفاق لغت "القاموس المحیط" کے مولف علامہ مجد الدین ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی کے آگے زانوئے تلمذ طے کر کے لغت عربیہ پر ملکۂ تامہ پیدا کیا۔ ان نامور علماء وفقہاء اور محدثین ولغویین کے علاوہ علامہ موصوف کے جلیل القدر اور راسخ فی العلم اساتذہ ومشائخ کی ایک طویل فہرست ہے جن کا ذکر وتعارف ایک مستقل رسالہ کا محتاج ہے۔

امام موصوف نے اپنے علمی سفر کا آغاز شعر وادب سے کیا اور اس میں کمال کی اوجِ ثریا تک جا پہنچے حتیٰ کہ امام موصوف کی نظم و شعر پر مہارت نے انہیں "شعراء سبعہ" کی کہکشاں کا ایک درخشندہ ستارہ بنا دیا جبکہ محقق ومحتاط علماء امام موصوف کو ان "سات ستاروں" میں دوسرے مرتبہ پر رکھتے ہیں۔ پھر امام موصوف کو فنِ حدیث کی رغبت ہوئی۔ چنانچہ امام موصوف حدیث کی سماعت، کتابت، تخریج اور تصنیف کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گئے اور اس میدان میں سبقت لے جانے کے لیے حافظ عصر، فرید دہر علامہ زین الدین العراقی کی صحبت کو لازم پکڑ لیا حتیٰ کہ فن حدیث میں طاق ہو گئے اور اس فن کو اپنی ہمت وحوصلہ کی یوں جولان گاہ بنایا اور اس میں اپنا سارا وقت اور جملہ صلاحیتوں کو یوں کھپایا کہ اس سے زیادہ ممکن نہ تھا۔ حتیٰ کہ اپنے اساتذہ ومشائخ کی حیات میں ہی فن حدیث کے امام اور قافلہ محدثین کے سالار ٹھہرے جس کی شہادت خود امام موصوف کے مشائخ نے دی۔

782ھ میں دمشق کا سفر کیا، متعدد حج کیے، حرمین شریفین، اسکندریہ، بیت المقدس، الخلیل، نابلس، رملہ، غزہ اور بلاد یمن وغیرہ کے متعدد مشائخ ومحدثین سے حدیث کا سماع کیا۔ امام موصوف کی مسموعات اور مشائخ کی تعداد بے حد زیادہ ہے جن کا شمار ناممکن نہ سہی تو دشوار ضرور ہے۔ امام موصوف نے اکثر مشائخ کی مرویات کو الگ الگ جزء میں جمع کیا ہے۔

درس وتدریس اور علم حدیث کی نشر واشاعت

امام موصوف کو دیارِ مصر کے متعدد مقامات پر حدیث کی مشیخت اور فقہ کی تدریس پیش ہوئی۔ چنانچہ امام موصوف نے شیخونیہ، جامع القلعہ، جمالیہ اور بیبرسیہ میں حدیث کا درس دیا، جبکہ مؤیدیہ اور شیخونیہ میں فقہ کا درس بھی دیا۔ امام موصوف کو بیبرسیہ میں "شیخ المشائخ" کے عہدہ پر فائز کیا گیا جبکہ امام شافعی کے مزار کے جوار میں اصلاح وتربیت کی مشیخت کا عہدہ سونپا گیا۔

اس کے بعد امام موصوف نے حدیث کی نشر واشاعت کو ہی اپنا مقصدِ وحید بنا لیا اور اب امام موصوف کے مشاغل حدیث کی قراءت، مطالعہ، تدریس اور افتاء تک محدود ہو کر رہ گئے گویا کہ امام موصوف نے خود کو علم حدیث کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔

امام موصوف کے حفظ واتقان کی شہادت اپنے پرائے، دوست دشمن اور دور ونزدیک کے سب لوگوں نے دی۔ حتیٰ کہ لفظ "حافظ" پر اس بات کا اجماع منعقد ہو گیا کہ جب بھی یہ لفظ بولا جائے گا تو اس سے مراد "امام ابن حجر رحمہ اللہ" ہی ہوں گے۔ پھر تو امام موصوف تشنگانِ علم حدیث کا مرجع بن گئے۔ شیخ کی زندگی میں ہی ان کی تالیفات وتصنیفات اطراف واکنافِ عالم میں پھیل گئیں اور رب تعالیٰ نے ان کو شرفِ قبولیت سے یوں نوازا کہ علم حدیث کا ہر طالب ان کو حرزِ جاں بنانے کے درپے ہو گیا اور بلاد وامصار کے ملوک وسلاطین میں ان کتابوں کے چرچے ہونے لگے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور "قضاء"

امام موصوف نے خود سے اس بات کا پختہ عہد کر رکھا تھا کہ وہ تاحیات مسند قضاء پر قدم نہ رکھیں گے۔ حتیٰ کہ جب "الصدر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المناوی'' نے ان پر اپنی نیابت کا عہدہ پیش کیا تو امام موصوف نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر الملک المؤید کے اصرار پر امام موصوف نے بعض قضایا کا عہدہ قبول تو کر لیا لیکن تھوڑے عرصہ بعد ہی اس عہدہ سے سبکدوش ہو گئے۔ اس کے بعد الملک المؤید نے امام موصوف پر مملکت شامیہ کی قضاء کو بارہا پیش کیا، مگر امام موصوف نہ مانے، البتہ محرم 827ھ میں جب الملک الاشرف برسبای نے آپ پر قاہرہ اور اس کے گرد ونواح کی قضا کا عہدہ پیش کیا تو امام موصوف نے کمال خودداری، بے نیازی اور عفت ونزاہت کے ساتھ یہ عہدہ قبول کر لیا۔ لیکن جب امام موصوف نے دیکھا کہ اربابِ دولت کے نزدیک علماء اور غیر علماء کے مقام و مرتبہ میں کوئی فرق نہیں اور اگر ان کی بات نہ مانی جائے، چاہے وہ ناحق ہی ہو، تو ملامت کرنے میں حد سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں بلکہ عداوت پر اتر آتے ہیں، دوسرے یہاں ہر کس و ناکس کی خوشامد اور چاپلوسی کے بغیر کام نہیں چلتا اور اگر ان کی تمناؤں کو پورا کیا جائے تو عدل کے تقاضوں کو پورا کرنا ناممکنات میں سے جا ٹھہرتا ہے تو امام موصوف کو اپنے اس فعل پر بے حد شرمندگی ہوئی اور انہوں نے صاف صاف اس بات کا اقرار کیا کہ انہوں نے عہدۂ قضاء کو قبول کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ چنانچہ امام موصوف نے جلد ہی یہ عہدہ چھوڑ دیا۔ لیکن ہم یہ بات کہنے میں بالکل حق پر ہیں کہ اگر امام موصوف جیسی قوی الایمان شخصیت اس عہدہ پر باقی رہتی تو ان کے دین اور دنیا دونوں کے لیے بہتر ہوتا۔

چنانچہ 828ھ میں امام موصوف نے ایک بار پھر قضاء کی مسند پر جلوہ افروز ہونا قبول فرما لیا اور 833ھ تک اس عہدہ پر فائز رہے، پھر قضاء کو خیر باد کہہ دیا۔ اس کے بعد 834ھ میں قاضی بنے اور 840ھ میں قضاء سے علیحدگی اختیار کر لی، پھر 841ھ میں قاضی بنائے گئے جبکہ 842ھ میں معزول کر دیئے گئے۔ اس کے بعد 852ھ میں قضاء کو ترک کرنے کے بعد مرتے دم تک کے لیے قضاء سے پیچھے ہٹ گئے۔

غرض قضاء کی وجہ سے امام موصوف نے جو بے پناہ آزمائشیں اور مصیبتیں دیکھیں ان کی بنا پر انہوں نے قضاء کو بالکلیہ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا۔ امام موصوف خود فرماتے ہیں کہ اب تو میرے بدن کا بال بال قضاء سے نفور کرتا ہے۔ چنانچہ امام تقی الدین بن فہد المکی امام موصوف کا ترجمہ لکھتے ہوئے امام موصوف پر خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''منصب قضاء پر فائز رہنے کے دوران امام موصوف کو سلاطین کی ناراضگیوں کو سہنا اور ان کا سامنا کرنا پڑتا تھا چنانچہ آپ بار بار اس عہدہ کو چھوڑ دیتے تھے جس بنا پر ان کی خدمت میں ان کے شایانِ شان مال کے ہدایا بھیجے جاتے تھے جن کی وجہ سے وہ دوبارہ قضاء قبول کر لیتے تھے۔ اگر امام موصوف اس منصب سے بالکلیہ استغناء برتتے اور اپنے شب و روز علم میں مشغول رکھتے تو بلاشبہ رب تعالیٰ اور اہل اسلام کے نزدیک ان کا رتبہ اور مرتبہ اور زیادہ بلند ہوتا لیکن موصوف کا قلب قضاء کی محبت کے خمیر میں گندھا ہوا تھا، قضا کے فتنوں میں خود بھی مبتلا رہے اور اپنے ایک بیٹے کو بھی اس کی ہلاکتوں کی نذر کر بیٹھے۔ رب تعالیٰ انہیں خیر کی راہ کا الہام فرمائے۔''

تصنیف و تالیف

امام موصوف نے بہت لکھا، کتابیں، متون اور شروحات سب پر ہی خامہ فرسائی کی۔ موصوف کا اشہب قلم زیادہ تر علم حدیث، اس کی تخریج، شرح، ترتیب اور جمع کے میدان میں دوڑتا رہا، ایک ہزار کے قریب مجالس میں محض اپنے حافظہ کی بنیاد پر حدیث کو املاء کروایا۔ امام موصوف کی علمی یادگاریں ان کی حیاتِ مستعار میں ہی زبانِ زدِ خلائق بن گئیں، ہر علمی مجلس آپ کے ذکر سے معمور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہتی، شرق وغرب میں آپ کے چرچے پھیل گئے حتیٰ کہ اپنے اپنے فن کے امام بھی کسب فیض کے لیے رختِ سفر باندھ کر آپ کی مجلس علمی میں آ کر زانوئے تلمذ تہ کرنے لگے۔ سربرآوردہ شخصیات کے وفود آپ کی مجلس میں شرکت کو اپنا سرمایۂ افتخار اور باعث عزت وشرف سمجھتے تھے، طالبانِ علوم کا ہجوم چھٹنے میں نہ آتا تھا، علم کے پیاسے پروانوں کی طرح اس شمع حدیث کی لو پر گرتے تھے حتیٰ کہ اپنے اپنے مذہب کے امام، امام موصوف کا تلمیذ بننے میں ذرا عار نہ سمجھتے تھے۔ لوگ جوق در جوق آ کر یکے بعد دیگرے اس چشمہ فیض سے سیراب ہوتے تھے اور یہ ہر روز کا نظارہ تھا جس کو دیکھ دیکھ کر نگاہ تھکتی نہ تھی۔

عنداللہ مقبولیت

رب تعالیٰ کا امام موصوف پر سب سے بڑا احسان یہ تھا کہ آپ طالب علمی میں بھی سراپا خیر تھے اور جب علم کے دریا بہائے تو بھی سراپا خیر تھے۔ ایک جہان نے ان سے نفع اٹھایا، فنونِ حدیث کی معرفت میں وحید العصر اور فرید الدہر بنے، اپنے زمانہ میں اپنا مثل نہ پاتے تھے، حدیث کو کثرت کے ساتھ روایت کیا، طول طویل کتابیں لکھیں اور ان میں سے اکثر کو خود بھی روایت کیا۔ ان بے پناہ علمی خوبیوں کے ساتھ ساتھ بے حد متواضع، حلیم، بردبار اور زبردست رعب و جمال کے مالک تھے۔ خورد ونوش، لباس، پوشاک میں از حد محتاط اور عبادت جیسے صوم وصلوٰۃ میں بے حد مجاہدہ کرنے والے تھے۔ موصوف کا حسن اخلاق، مجلس علمی کی لذت، دوسروں کی خاطر مدارات، اہل علم وفضل کی طرف میلان، بحث وتحقیق میں انصاف، رجوع الی الحق اور دیگر خصائل حمیدہ اور شمائل ستودہ ایسے تھے کہ معاصر اہل علم وفضل میں سے کم ہی میں یہ سب اس قدر اعتدال و جمال کے ساتھ جمع تھے۔

علماء وفضلاء کا خراجِ تحسین

امام سیوطی رحمہ اللہ "نظم العقیان" (ص 45) میں لکھتے ہیں:

''موصوف یکتائے روزگار، اپنے زمانہ میں سنت کے علم بردار، اپنے زمانہ کے ''ذہبی'' اس کا خلاصہ، جوہر اور نچوڑ تھے، علم حدیث میں صدیوں تک آپ کی برتری وفوقیت برقرار رہی، فن حدیث میں متقدمین کے امام، لشکر محدثین کے سالار، کاروانِ حدیث کے بدرقہ، حدیث کی تضعیف وتصحیح کی کسوٹی اور جرح وتعدیل کے ابواب میں سب سے بڑے شاہد وفیصل تھے۔ آپ کی منفرد صفات کی بالخصوص صحیح بخاری کی شرح کرنے کی فضیلت ومنقبت کی ہر مسلمان نے گواہی دی اور ہر شخص نے یہ فیصلہ دیا کہ آپ معلم تھے۔ حافظہ بے نظیر اور بے حد کثیر تھا۔ ابن حجر کو حفظ واتقان کا بحر ذخار کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، حدیث کی نقد اور جانچ پرکھ میں اپنے زمانہ کے ''ابن معین'' تھے، لہٰذا کوئی کھوٹی، باطل اور بے حقیقت حدیث آپ کی نگاہوں سے بچ کر گزر نہ سکتی تھی۔ موصوف کی تصانیف گویا کہ علوم کے گنجینے اور خزینے تھے۔ اسی بنا پر امام موصوف کی تصانیف اور طالبانِ علوم کے درمیان فطری طور پر بڑی رکاوٹیں کھڑی کر دی گئیں تھیں۔ رب تعالیٰ نے اس اخیر زمانہ کو امام موصوف کی ذات بابرکات سے مزین وآراستہ کر دیا اور آپ کی مشیخت حدیث کی برکت سے زمانوں سے رکے املائے حدیث کے سلسلہ کو از سر نو جاری وساری کر دیا۔''

علامہ سخاوی رحمہ اللہ "الضوء اللامع" (39/2) میں لکھتے ہیں:

''خود امام موصوف کے شیخ، علامہ عراقی اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ اپنے اصحاب میں حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے اور شیخ التقی الفاسی اور البرہان الحلبی دونوں کے دونوں بیک زبان یہ کہتے ہیں کہ ''ہم نے ابن حجر رحمہ اللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسا دوسرا نہیں دیکھا۔"

جب حنفی فقیہ زین الدین ابوالمحاسن تغدی برمش بن یوسف بن عبداللہ ترکمانی نے امام موصوف سے پوچھا کہ کیا آپ نے خود بھی اپنے جیسا دیکھا ہے؟ تو انہوں نے جواب میں یہ فرمایا کہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ﴾ (النجم: 32) "سو اپنی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو۔"

موصوف بے پناہ خوبیوں اور صفات کے مالک تھے، میری اتنی بساط نہیں کہ "ابن حجر" جیسی قد آور شخصیت کا تعارف کروانے کا حق ادا کرسکوں۔"

ابن ایاس الحنفی "بدائع الزهور" (269/2) میں لکھتے ہیں: "امام موصوف کے بعد ان جیسا پیدا نہ ہوا۔ موصوف ہر فن میں نادرۂ روزگار تھے۔"

علمی یادگاریں

امام موصوف نے اڑھائی سو سے زیادہ کتابیں اور رسائل یادگار چھوڑیں جن میں سے ہر ایک کتاب اپنی جگہ ایک الگ مقام رکھتی ہے، ان میں سے متعدد کتابیں زیورطبع سے آراستہ بھی ہو چکی ہیں جبکہ بعض ابھی تک مخطوطوں کی شکل میں موجود ہیں۔ دیکھیے رب تعالیٰ کب اور کس کے ہاتھوں ان کی طباعت کے اسباب میسر فرماتا ہے۔ ذیل میں حروف تہجی کے اعتبار سے چند اہم ترین کتابوں کے نام درج کیے جاتے ہیں:

(1) الاصابة فی تمييز الصحابة .

(2) بذل الماعون فی فضل الطاعون .

(3) بلوغ المرام من ادلة الاحكام، امام موصوف کی اسی کتاب کی یہ شرح ہے (جس کا بندہ عاجز محمد آصف نسیم ترجمہ کررہا ہے)۔

(4) تغليق التعليق .

(5) تقريب التهذيب

(6) التلخيص الحبير فی تخريج احاديث الرافعی الكبير .

(7) تهذيب التهذيب .

(8) الخصال المكفرة للذنوب المتقدمة و المتاخرة .

(9) الدراية فی تخريج احاديث الهداية .

(10) رفع الاصر عن قضاة مصر .

(11) زوائد البزار على الكتب الستة و مسند احمد .

(12) سلسلة الذهب فيما رواه الشافعی عن مالك عن نافع عن ابن عمر .

(13) طُرُقُ حديث "لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِيْ" .

(14) عوالی الامام مسلم .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(15) فتح الباری لشرح صحیح البخاری .

(16) قوة الحِجَاج فی عموم المغفرة للحَجَّاج .

(17) الکافی الشاف فی تخریج احادیث الکشاف .

(18) لسان المیزان .

(19) مختصر الترغیب و الترهیب .

(20) نخبة الفکر فی مصطلح اهل الاثر .

(21) هدی الساری مقدمة فتح الباری .

(22) الوقوف علی ما فی صحیح مسلم من الموقوف .

وفاتِ حسرت آیات

جب امام موصوف نے دیکھا کہ ان کی مجلس املاء کے اکثر مستملین (کتاب املاء کروانے کی درخواست کرنے والے) وفات پاتے جارہے ہیں اور ابن خضر، ریشی اور زوادی جیسے ہم نشین بھی داعی اجل کو لبیک کہتے جارہے ہیں تو امام موصوف نے اسے اشارہٗ غیبی سمجھتے ہوئے جان لیا کہ اب کوچ کا نقارہ بجنے والا ہے۔ چنانچہ امام موصوف 28 ذی الحجہ 852ھ ہفتہ کی رات کو ہمیشہ کے لیے اس دارِ فانی کو الوداع کہہ کر رب غفور رحیم کی جوار رحمت میں جا بسے۔ نمازِ ظہر سے قبل آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اس روز موصوف کی میت پر آسمان نے ہلکی ہلکی بوندا باندی برسائی بلاشبہ اس واقعہ کو شیخ کے حق میں ایک انوکھی اور منفرد بات سمجھا گیا۔

امام موصوف کا جنازہ دیدنی تھا۔ لوگوں کا اتنا بے پنا ہجوم اس سے قبل کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا حتیٰ کہ خود امام موصوف کے مشائخ کے جنازے بھی اس شان سے نہ اٹھے تھے، حدنگاہ تک سوائے سروں کے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ چنانچہ امیر المومنین اور السلطان الظاہر حقمق اور ان کے جملہ حاشیہ نشین امام موصوف کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ خود خلیفہ نے آگے بڑھ کر جنازہ پڑھایا۔ جنازہ کے بعد امراء و سلاطین میں جنازہ کو کندھا دینے میں وہ کش مکش ہوئی کہ ہر ایک انگشت بدنداں تھا۔ زمین و آسمان نے ایسا منظر کم ہی دیکھا ہوگا۔ بعد میں امام موصوف کو ''قرافہ'' کے قبرستان میں جو قاہرہ میں جبل مقطم کے دامن میں واقع ہے، امام دیلمی کی قبر کے سامنے سپرد خاک کر دیا گیا۔

رب ذوالجلال اس عالم جلیل پر اپنی رحمتیں برسائے اور قیامت تک آنے والی نسلوں کو اس عظیم عالم کے بے پناہ علم سے نفع بخشے۔ آمین یا رب العالمین!

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ

فضیلۃ الشیخ محمد بن الصالح العثیمین رحمہ اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ . اما بعد!

سب سے پہلے جس بات کا جاننا بے حد ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ جن احکام کے ذریعے ہم اپنے خالق پروردگار کی عبادت کرتے ہیں، ان کے بنیادی دلائل دو چیزیں ہیں:

(1) اللہ کی کتاب (2) اور رسول اللہ کی سنت

اب جس سنت کا ثبوت نبی کریم ﷺ سے درجۂ صحت کو پہنچتا ہے وہ بھی کتاب اللہ کے حکم میں داخل ہے کیونکہ جو لوگ قرآن پر تو عمل کرتے ہیں مگر حدیث پر عمل کرنے کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے، نبی کریم ﷺ نے ایسے لوگوں کو ڈراتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ''عنقریب تم میں سے ایک، جو اپنے تخت پر ٹیک لگائے بیٹھا ہوگا، (جب) اسے میرے احکام میں سے کوئی حکم پہنچے گا تو وہ یہ کہنے لگے گا کہ ہم (اس کو) نہیں جانتے ہم تو جو کتاب اللہ میں پائیں گے اس پر عمل کریں گے۔'' [1] یعنی جو کتاب اللہ میں نہ ملے گا اس پر عمل نہ کریں گے۔ دراصل اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کی طرف سے اس بات کی تحذیر ہے کہ میں تم میں سے کسی کو تخت پر بیٹھے آرام پرستی کے اس عالم میں ایسی ایسی بات کہتے نہ دیکھوں۔ لہٰذا ان لوگوں کو اللہ سے ڈرنا چاہیے جو بڑی بے باکی سے یہ کہتے ہیں کہ ہم صرف اسی پر عمل کریں گے جو کتاب اللہ میں ہے، ہمیں سنت سے کوئی سروکار نہیں۔

غرض احکام کے بنیادی اصول دو ہیں: (1) کتاب اللہ (2) سنت رسول اللہ۔ رہا اجماع تو اجماع بھی تب ہی دلیل ہے جب اس کی بنیاد کتاب وسنت پر ہو۔ لہٰذا اگر اجماع کی پشت پر کتاب وسنت نہ ہو تو اجماع کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔ تب پھر اجماع وہی ہے جو کتاب وسنت سے ثابت ہو، یہی حکم قیاس کا بھی ہے یہ کتاب وسنت سے ثابت ہے، اگر کتاب وسنت نہ ہو تو قیاس بھی کوئی دلیل نہیں۔ اس بنا پر قیاس کا دلیل ہونا کتاب وسنت کی وجہ سے ہے۔ تب پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ جن دلائل سے احکام ثابت ہوتے ہیں وہ کتاب وسنت میں محصور ہیں۔

اس تمہید کے بعد ہم اپنے معزز قارئین کے سامنے یہ عرض کرتے ہیں کہ کتاب اللہ کا اثبات تو کسی فکر ونظر کا محتاج نہیں، کیونکہ کتاب اللہ ایسے متواتر طریق سے ثابت ہے جو ایسے علم قطعی کا فائدہ دیتا ہے جس میں کسی بھی طرف سے شک وشبہ کے گزر کا امکان نہیں۔ کیونکہ امت مسلمہ اسے صدیوں سے ایک دوسرے سے تواتر کے ساتھ نقل کرتی چلی آرہی ہے حتیٰ کہ اس کے کسی حرف، نقطہ اور حرکت تک میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اسی لیے علماء کا قول ہے کہ جو کتاب اللہ کے کسی ایک حرف کا بھی انکار کرتا ہے جس کی

[1] سنن ابی داود: 4605۔ جامع الترمذی: 2663۔ سنن ابن ماجه: 13۔ صحیح ابن حبان: 13۔ امام ترمذی نے اس روایت کو حسن اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قراءت ثابت ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے وہ پورے قرآن کا منکر ہے اور اس کے کافر ہونے میں مطلق تردد نہیں۔ اس لیے قرآن کریم کا اثبات کسی فکر ونظر کا ہرگز ہرگز بھی محتاج نہیں۔ البتہ قرآن کریم کے احکام پر دلالت کرنے میں فکر ونظر کی احتیاج ضرور ہے اور اس باب میں لوگوں میں اختلاف ہے بھی اور بہت زیادہ بھی ہے۔ چنانچہ بسا اوقات کوئی تو صرف ایک ہی آیات سے متعدد بلکہ بیسیوں احکام کا استنباط کر لیتا ہے جبکہ دوسرا معدودے چند احکام ہی مستنبط کر پاتا ہے اور کوئی ایک حکم کا استنباط کرنے سے بھی قاصر رہتا ہے۔ چنانچہ جب ابوجحیفہ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اس بات کا سوال کیا کہ کیا نبی کریم ﷺ نے آپ لوگوں کے لیے کسی بات کی وصیت بھی کی تھی؟ یعنی کیا نبی کریم ﷺ نے آپ لوگوں کے لیے خلافت وغیرہ کی کوئی وصیت کی تھی جیسا کہ روافض نے اس بات کو اور اس جیسی دیگر کئی خرافات کو اس زمانہ میں بھی اور آج بھی اڑا رکھا ہے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں یہ فرمایا: ''اس ذات کی قسم جو دانے کو پھاڑتی (اور اس میں سے غلہ اگاتی) ہے اور جو زندہ روح کو پیدا کرتی ہے! نبی کریم ﷺ نے ہمیں کسی بات کی وصیت نہیں فرمائی سوائے اس فہم (وفراست) کے جو رب تعالیٰ کسی کو اپنی کتاب کے بارے میں عطا فرماتا ہے، یا جو اس صحیفہ میں ہے۔'' لوگوں نے پوچھا کہ اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا: ''کچھ دیت کے اور کچھ قیدیوں کو چھڑانے کے احکامات ہیں اور یہ کہ کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا۔'' [1]

اس روایت میں ہمارا محل استدلال لفظ ''فہم'' ہے۔

چنانچہ کتاب اللہ کے فہم میں لوگوں میں بے پناہ اختلاف ہے۔ اصول تفسیر بتلاتے ہیں کہ تفسیر کا پہلا درجہ تفسیر القرآن بالقرآن کا ہے۔ کیونکہ دونوں کے دونوں کتاب اللہ ہیں اور اپنے کلام کی مراد کو خود رب تعالیٰ زیادہ بہتر جانتا ہے۔

پھر تفسیر القرآن بالسنہ کا درجہ ہے پھر اس تفسیر کا درجہ ہے جو اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعہ ہو، بالخصوص فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال، پھر ان تابعین کے اقوال کا درجہ ہے جنہوں نے تفسیر کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لیا ہے۔ سنت سے احکام کا اثبات دو امور میں غور وفکر کرنے کا محتاج ہوتا ہے:

(1) سنت کا نبی کریم ﷺ سے ثبوت

(2) سنت کی حکم پر دلالت

حکم پر دلالت کرنے میں قرآن اور سنت دونوں مشترک ہیں، البتہ ثبوت میں فکر ونظر کی احتیاج صرف سنت میں ہے نہ کہ قرآن میں بھی۔ کیونکہ قرآن کا ثبوت قطعی اور متواتر ہے جو کسی فکر ونظر کا محتاج نہیں۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب امور میں سے صحیح، حسن اور موضوع وغیرہ جو نبی کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکات پر صریح کذب بیانی ہوتی ہے، کئی قسمیں آ جاتی ہیں۔ اس لیے لوگ اس بات کے جاننے کے محتاج ہیں کہ سنت کی نبی کریم ﷺ کی طرف نسبت صحیح کیونکر ہوتی ہے۔ چنانچہ علماء نے اس فن میں بے حد عظیم کتابیں لکھیں، اس کے واضح اور اصولی یعنی دوٹوک قواعد مقرر کیے۔ اسی طرح علماء نے کتب رجال مرتب کیں جن میں رواۃ حدیث کے مفصل احوال رقم کیے۔ پھر رواۃ حدیث کی پیدائش اور وفات کی تاریخیں ضبط کیں اور اس فن کو بھی علم حدیث کا ایک نہایت اہم موضوع بنا دیا۔ ان موضوعات پر مہیا کردہ معلومات کو پڑھ کر آدمی بآسانی اس بات کا فیصلہ کر سکتا ہے کہ فلاں فلاں راوی عدل ہے یا نہیں؟ اور اسے حدیث یاد تھی یا نہیں؟ کیونکہ اس بات کا فیصلہ اس کے مذکورہ احوال اور اس کی بابت مذکور

---

[1] صحیح البخاری: 111، 1870.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معلومات کی آگاہی سے ہوتا ہے۔

پھر سند حدیث کے متصل یا منقطع ہونے کا حکم لگانے کے لیے رواۃ کی تواریخ ولادت و وفات کی معرفت ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ جب ایک شیخ کچھ عرصہ پہلے وفات پا گیا ہو اور بعد میں کوئی شخص کسی حدیث کو اس کی طرف منسوب کر رہا ہو تو صاف پتا چل جائے گا کہ یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ مذکورہ راوی نے اس شیخ کا زمانہ ہی نہیں پایا۔ اس تناظر میں بہر حال سنت کا اثبات یا نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کسی امر کا اثبات ایک اعصاب شکن تعب و تکان سے خالی نہیں۔ اسی لیے ہم علم رجال، علم مصطلح الحدیث اور قواعد حدیث سے متعلقہ اور حدیث سے متعلق جید و مستند علماء کی کتابوں کی مراجعت کے بے حد محتاج ہیں۔ یہ بے حد وسیع اور جاں گسل میدان ہے، ایک طویل عرصہ گزر گیا کہ لوگوں نے علم حدیث میں اشتغال کو بالکل ہی ترک کر دیا ہوا ہے۔ کیونکہ اب وہ مذاہب کی تحریر و تنقیح اور ان پر مرتب تفریعات کے استیعاب میں ہمہ تن مشغول ہو چکے ہیں۔

لیکن الحمد للہ گزشتہ چند برسوں سے لوگوں نے ایک بار پھر علم حدیث کی طرف بھر پور توجہ دینا شروع کر دی ہے چنانچہ اب علم حدیث، متن حدیث، سند حدیث اور ان کی بات اہل علم کا کلام، فکر ونظر کا مرکز بنتا جا رہا ہے اور علم حدیث کی طلب میں زبردست محنت کی جانے لگی ہے اور اس کے بغیر چارہ بھی تو نہیں۔

حضرات علماء نے علم حدیث پر کئی اعتبار سے قلم اٹھایا ہے۔ چنانچہ کسی نے ابواب پر تو کسی نے مسانید پر اور کسی نے رواۃِ حدیث کی ولادت و وفات کی تواریخ پر لکھا۔ ابواب کے طرز پر لکھنے والے علماء میں سے ایک عظیم اور بلند مرتبہ نام قاضی مصر، شیخ وقت امام حافظ علامہ فہامہ جناب احمد بن علی بن حجر عسقلانی ؒ کا بھی ہے، جنہوں نے ''بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام'' جیسی بابرکت کتاب لکھ کر رہتی دنیا تک امت مسلمہ کا کندھا زیر بار منت احسان کر دیا۔

اگرچہ یہ کتاب مختصر سی ہے۔ لیکن بے پناہ فوائد کی حامل ہے۔ یہ کتاب اس لائق ہے کہ اس کی قرار واقعی اور اس کے شایانِ شان شرح کی جائے جس میں اگر ایک طرف اس کی احادیث کی اسانید اور ان کے اثبات پر کلام کیا جائے تو دوسری طرف اس کے مفردات کے لغوی و شرعی معانی بھی بیان کیے جائیں، پھر حدیث کی وضاحت ان خاص احوال و واقعات کے تناظر میں کی جائے جن کے تحت نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔ پھر اس کے فوائد کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا جائے۔

لیکن اس کا کیا کیجیے کہ اب نہ وہ ہمتیں رہی ہیں اور نہ وہ حوصلے اور جذبے، طبیعتیں سہل پسندی کی عادی اور تن آسانی کی خوگر ہوگئی ہیں۔ اس لیے مزاجوں پر اختصار کی روش غالب ہے تاکہ جی اکتائے نہیں اور کلفت و مشقت سے بھی جہاں تک ہو سکے واسطہ نہ پڑے۔

آخر میں ہماری دعا ہے کہ رب تعالیٰ امام موصوف ؒ کو جزائے خیر دے اور ہمیں ان کی اس عظیم تالیف سے نفع بخشے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرح مقدمہ ابن حجر رحمہ اللہ

⊙ ...... امام موصوف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى نِعَمِهِ الظَّاهِرَةِ وَ الْبَاطِنَةِ قَدِيْمًا وَ حَدِيْثًا .

''اللہ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں اس کی گزشتہ اور آئندہ کی ان سب نعمتوں پر جو ظاہری بھی ہیں اور باطنی بھی۔''

شرح :...... **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے تصنیف و تالیف کا آغاز**:...... امام ابن حجر رحمہ اللہ نے تین وجوہات کی بنا پر اس کتاب کا آغاز الحمد للہ سے کیا ہے:

(1) امام موصوف نے کتاب اللہ کی اقتدا میں اپنی کتاب کا آغاز اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے بابرکت کلمہ سے کیا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کی پہلی سورت سورۂ فاتحہ ہے جس کا آغاز اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے کلمہ سے ہوتا ہے۔ اگرچہ سورۂ فاتحہ نزول کے اعتبار سے سب سے پہلی سورت نہیں جیسا کہ معلوم ہے۔ لیکن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ترتیب سور کے اعتبار سے سورۂ فاتحہ سب سے پہلی سورت ہے۔ اسی لیے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کی اقتدا میں علماء نے اس بات کو اپنا دستور عمل بنالیا کہ وہ تحریر و تصنیف کا آغاز اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کے مبارک کلمات سے کرتے ہیں۔

(2) دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر حاجت کے وقت جس خطبہ کی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم دی تھی، اس کا آغاز بھی الحمد للہ سے ہی ہوتا ہے۔

(3) تیسری وجہ یہ ہے کہ خود جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر خطبہ کا آغاز رب تعالیٰ کی حمد و ثنا سے فرمایا کرتے تھے، اسی لیے حضرات علماء نے بھی اس بات کو لازم پکڑ لیا کہ اپنی کتابوں کا آغاز اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے مبارک کلمات سے کیا جائے گا۔

نحوی تحقیق :...... اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں الف لام استغراق کے لیے ہے جس کی علامت یہ ہے کہ اس کی جگہ لفظ ''کل'' کو رکھنا درست ہوتا ہے۔ اس بنا پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کا معنی ہوگا کُلُّ حَمْدٍ لِلّٰهِ ''ہر قسم کی تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔'' اور یہ بات بالکل ٹھیک ہے۔

حمد کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:...... حمد کا لغوی معنی تعریف کرنا حسن فعل کی ستائش، شکر اور سراہنا ہے۔ [1] جبکہ اصطلاح میں ''حمد'' محمود کے کمال کو محبت و تعظیم کے ساتھ بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ محبت اور تعظیم کی قید سے مدح نکل گئی کہ مدح میں بھی اگرچہ ممدوح کے کمال کو ہی بیان کیا جاتا ہے لیکن اس کا محبت اور تعظیم کے ساتھ ملا ہونا ضروری نہیں۔

حمد کی اقسام :...... پھر حمد جس طرح رب تعالیٰ کی صفات کے کمال پر کی جاتی ہے، اسی طرح اس کے انعام کے کمال پر بھی کی جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ﴾ (الاسراء: 111)

[1] القاموس الوحید، ص: 373۔ (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اور کہہ دے سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے نہ کوئی اولاد بنائی ہے اور نہ بادشاہی میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ عاجز ہو جانے کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے۔''

اس آیت میں رب تعالیٰ کی صفات کمالیہ پر اس کی حمد کرنے کا بیان ہے، اسی طرح رب تعالیٰ کے انعامات پر بھی اس کی حمد بیان کی جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ لَيَرْضٰى عَنِ الْعَبْدِ اَنْ يَّاْكُلَ الْاُكْلَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا ، اَوْ يَشْرَبُ الشُّرْبَةَ فَيَحْمَدُهُ عَلَيْهَا .)) [1]

''رب تعالیٰ اپنے بندے سے اس بات پر خوش ہوتا ہے کہ وہ ایک لقمہ کھائے تو اس پر (بھی) اس کی حمد بیان کرے اور وہ ایک گھونٹ پانی پیے تو اس پر بھی اس کی حمد بیان کرے۔''

اس حدیث میں رب تعالیٰ کے انعامات پر اس کی حمد بیان کرنے کا بیان ہے۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ امام موصوف نے مذکورہ مقدمہ میں اپنے اوپر رب تعالیٰ کے انعامات کی حمد بیان کی ہے۔

لِلّٰهِ کے ''لام'' کی نحوی تحقیق:...... **لِلّٰهِ**: اس پر داخل ہونے والی لام میں دو معانی کا احتمال ہے:

(1) ایک یہ کہ یہ لام اختصاص کا ہے۔ (2) دوسرا یہ کہ یہ لام استحقاق کا ہے۔ پہلا معنی مراد لینے کا مطلب یہ بنے گا کہ ہر اعتبار سے کامل ترین حمد صرف اور صرف رب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔ غیر اللہ کی حمد بھی گو کہ بیان کی جاتی ہے مگر وہ مقید ہوتی ہے نہ کہ مطلق اور کامل اور نہ وہ ہر حال میں بیان ہی کی جاتی ہے۔ یہ حق صرف اور صرف رب ذوالجلال ہی کا ہے کہ وہ ہر حال میں ہر قسم کی کامل ترین حمد کے لائق ہے کیونکہ وہ اپنی صفات و انعامات میں کامل ہے۔ اس لام میں استحقاق کا معنی بھی ہے، وہ یوں کہ ہم نے رب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کامل ترین حمد کو اس لیے خاص کیا ہے کیونکہ وہی تو اس بات کا مستحق و سزاوار ہے۔

لفظ ''اللہ'' کی تحقیق:...... لفظ ''اللہ'' اس کی اصل لفظ اِلٰهٌ ہے۔ کثرتِ استعمال کی وجہ سے تخفیف کی غرض سے اس کی الف کو حذف کر دیا گیا۔ اس کی دوسری مثال اَلنَّاسُ ہے کہ یہ اصل میں اَلْاُنَاسُ ہے۔ یہاں بھی ہمزہ کو تخفیف کی غرض سے کثرتِ استعمال کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔ جب لفظ اللہ اصل میں اِلٰهٌ ہے تو یہ فِعَالٌ بمعنی مَفْعُوْلٌ ہے۔ یعنی اِلٰهٌ بمعنی مَاْلُوْهٌ ہے۔ یعنی یہ معبود کے معنی میں ہے جو محبوب، مُحَبَّبٌ اور معظم ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ لفظ اِلٰهٌ بمعنی آلِهٌ (فاعل کے وزن پر) نہیں جیسا کہ متکلمین سمجھتے ہیں۔ کیونکہ متکلمین اِلٰہٌ کی تفسیر ''قَادِرٌ عَلَى الْاِخْتِرَاعِ'' سے کرتے ہیں (یعنی جو نئی نئی ایجادات پر قادر ہو)۔ بلاشبہ یہ تفسیر عظیم خطا ہے بلکہ اِلٰہ یہ معبودِ برحق کے معنی میں ہے۔

ظاہری اور باطنی نعمتوں سے مراد:...... ''نِعَم'' نِعْمَةٌ کی جمع ہے اور جمع جب مضاف ہو تو تعمیم کا فائدہ دیتی ہے۔ لہٰذا یہ دنیا و آخرت کی ظاہری و باطنی جملہ نعمتوں کو شامل ہے۔

ظاہری نعمتیں:...... یہ وہ نعمتیں ہیں جو لوگوں پر ظاہر ہوں، جن کے ادراک کے لیے فکر و نظر کی ضرورت نہ ہو، جیسے آسودگی، قوت، امن اور اکل و شرب کی نعمتیں وغیرہ۔

باطنی نعمتیں:...... یہ وہ نعمتیں ہیں جو ان کے علاوہ ہیں، جیسے انابت الی اللہ، توکل، اخلاص وغیرہ کی نعمتیں جو ایک مومن کے قلب میں ہوتی ہیں جو بتلاتی ہیں کہ ایک بندۂ مومن رب تعالیٰ کی طرف سے دین کی نعمتوں سے سرفراز ہے اور بلاشبہ یہ وہ نعمتیں ہیں

---

[1] صحیح مسلم: 2734 عن انس رضی اللہ عنہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جن کو سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ باطنی نعمتیں ہونے کا یہی مطلب ہے۔ رب تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں، نعمتوں کے ظاہری اور باطنی ہونے کا بیان اس ارشاد باری تعالیٰ میں ہے:

﴿وَ اَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً﴾ (لقمان : 20)

''اورتم پر اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں پوری کر دیں۔''

اور یہ نعمتیں بے شمار ہیں۔ جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (النحل : 18)

''اور اگر تم اللہ کی نعمت شمار کرو تو اسے شمار نہ کر پاؤ گے۔''

قَدِیْمًا: اس سے مراد گزشتہ اور سابقہ نعمتیں ہیں۔ **حَدِیْثًا:** اس سے مراد آئندہ ملنے والی نعمتیں ہیں۔

ایک بلاغتی نکتہ:...... لفظ حَدِیْثًا میں امام موصوف نے علم بلاغت ومعانی کی ایک مشہور اصطلاح ''بَرَاعَةُ الْاِسْتِهْلَال'' ❶ کا استعمال کیا ہے۔ براعت استہلال متکلم کا اپنے کلام کے اول میں ہی ایسی عبارات کو لانا ہے جو اس کے موضوع کلام پر دلالت کریں اور اس کا نام براعت استہلال اس لیے رکھا گیا ہے گویا کہ مصنف نے اپنے کلام کو ایسے الفاظ کے ساتھ شروع کیا ہے جو اس کے موضوع کلام پر دلالت کریں۔ البتہ یہ دلالت بغیر تصریح کے ہوتی ہے۔ یعنی مصنف نے کمال براعت و مہارت کے ساتھ آغازِ کلام میں ہی مقصودِ کلام کا ذکر کر دیا۔

⊙ ...... امام موصوف فرماتے ہیں:

وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّهٖ وَرَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهِ الَّذِیْنَ سَارُوْا فِیْ نُصْرَةِ دِیْنِهٖ سَیْرًا حَثِیْثًا .

''اور اللہ کی رحمت اور سلامتی ہو اس کے پیغمبر اور رسول حضرت محمد ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر اور آپ ﷺ کے ان صحابہ رضی اللہ عنہم پر جو اس دین کی نصرت (وحمایت) میں (روئے زمین کے چپہ چپہ پر) تیزی کے ساتھ چلے۔''

شرح: ...... **نحوی نکتہ:** ...... اَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: اگرچہ لفظوں میں یہ جملہ خبریہ ہے لیکن یہ دعا کے معنی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے جملہ انشائیہ ہے گویا کہ مصنف رحمہ اللہ یہ فرما رہے ہیں: اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ ''اے اللہ! تو اپنی رحمت اور سلامتی کو نازل فرما۔''

اَلصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلَی الرَّسُوْلِ کا تحقیقی معنی: ...... صلوۃ کے بارے میں سب سے عمدہ قول ابوالعالیہ الریاحی کا ہے، کہ صلوۃ یہ ملائے اعلیٰ میں فرشتوں کے سامنے رب تعالیٰ کا اپنے بندے کی تعریف کرنا ہے۔ یعنی صلوٰۃ یہ رب تعالیٰ کا فرشتوں کے سامنے اپنے بندے کا اچھا ذکر کرنا ہے۔ لیکن چونکہ ابوالعالیہ رحمہ اللہ کا تعلق طبقہ تابعین سے ہے اور ایسی بات رائے سے تو کہی جا نہیں سکتی۔ کیونکہ جو بھی یہ کہے گا کہ رب تعالیٰ اس کی تعریف کرتے ہیں تو لامحالہ اس پر سنت سے دلیل لانا ناگزیر ہو گا جس سے بات

---

❶ براعت کا لفظی معنی مہارت اور کمال ہے اور استہلال کا معنی ہے پیدا ہوتے ہی بچے کا رونا اور قمری مہینہ کا آغاز ہونا۔ مراد مصنف کا اپنی کتاب کے مقدمہ میں اور شاعر کا اپنی نظم کے آغاز میں ایسے الفاظ اور عبارات کا استعمال کرنا ہے جن سے کتاب اور نظم کے موضوع کی طرف لطیف اشارہ ہو جائے۔ (القاموس الوحید، ص: 160، 1775، 1776) اس کو حسن ابتدا بھی کہتے ہیں کہ متکلم اپنے کلام کے آغاز میں ہی ایسے عمدہ، لطیف اور صحیح الفاظ لے کر آئے جو اس کے مقصود کی طرف لطیف اشارہ کریں۔ (دروس البلاغة مع شرحه شموس البراعة، ص: 165-166) اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: التعریفات للجرجانی، رقم الاصطلاح: 277، ص: 34۔ (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واضح ہو جائے۔ اس لیے صلوٰۃ کی اس تعریف سے میرا جی مطمئن نہیں۔

بعض علماء نے صلوٰۃ کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ جب اس کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف کی جائے تو مراد رب تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے، لیکن یہ توجیہ بھی صحیح نہیں کیونکہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ﴾ (البقرۃ: 157)

''یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے کئی مہربانیاں اور بڑی رحمت ہے۔''

یہاں صلوٰۃ اور رحمت میں عطف ہے اور عطف مغایرت کا متقاضی ہوتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ صلوٰۃ اور رحمت دونوں ایک دوسرے سے جدا جدا باتیں ہیں۔ دوسرے رحمت کے ساتھ ہر ایک کے لیے دعا کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے: ''اے اللہ! فلاں فلاں پر رحم فرما۔'' لیکن صلوٰۃ کے ساتھ ہر ایک کے لیے دعا نہیں کی جاتی اور یہ نہیں کہا جاتا کہ ''اے اللہ! فلاں فلاں پر اپنی صلوٰۃ نازل فرما۔'' اس لیے صلوٰۃ کے معنی میں علماء کے ہاں اختلاف بھی ہے اور تفصیل بھی۔

اس بنا پر ہم جزم کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ صلوٰۃ یہ رب تعالیٰ کا فرشتوں کے سامنے اپنے بندے کی تعریف کرنا ہے اور نہ ہم اس کا معنی رحمت ہی بیان کرتے ہیں کہ یہ دونوں توجیہات فاسد ہیں۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ صلوٰۃ کا معنی رحمتِ خاصہ ہے جو اس رحمتِ عامہ سے اوپر ہوتی ہے جو ہر ایک کے لیے ہوتی ہے۔ رہی وہ رحمت خاصہ تو ہم اس کا معنی نہیں جانتے۔ اس کو اللہ ہی زیادہ جانتے ہیں۔ اس توجیہ کے ذریعہ ہم شبہات سے بچ سکتے ہیں۔ البتہ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ متعدد محقق علماء نے صلوٰۃ کا یہی معنی بیان کیا ہے کہ یہ رب تعالیٰ کا ملائے اعلیٰ میں فرشتوں کے سامنے اپنے بندے کی تعریف بیان کرنا ہے۔

سَلَام: اس کا لغوی معنی ہے ہر آفت سے سلامتی۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ اپنی وفات کے بعد بھی زمینی تغیرات کی ہر قسم کی آفت سے اور موت کے بعد کے جملہ احوال کی آفتوں سے سلامت ہیں۔ البتہ اپنی حیاتِ مبارکہ میں آپ ﷺ کو بھی دوسرے بندوں کی طرح امراض اور ایذاؤں سے سابقہ رہا۔ لہٰذا اس دعا کے مانگنے کا فائدہ یہ ہے کہ موت کے بعد قیامت تک اور روزِ قیامت بے حد ہولناک احوال پیش آنے والے ہیں، ان سے سلامتی کی دعا ناگزیر ہے۔ اسی لیے روزِ قیامت پل صراط پر ہر پیغمبر کی یہ دعا ہو گی: اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ. ❶ ''اے اللہ! سلامتی (سے گزار) دے، سلامتی (سے گزار) دے۔''

غرض آپ ﷺ ان جسمانی آفات سے محفوظ اور سالم ہیں جو زندہ لوگوں کو پیش آتے ہیں۔ جیسے قابل نفرت بیماریاں وغیرہ۔ اسی طرح آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کا جسدِ مبارک جہاں زمینی تغیرات کے اثرات سے محفوظ ہے، وہیں زندوں کے تصرفات سے بھی سلامت ہے۔ چنانچہ جب مدینہ نبویہ میں دو اجنبیوں نے (جو غالباً یہودی تھے) روضہ شریفہ سے ذرا فاصلے پر سے خندق کھودنا شروع کی تھی تاکہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کے جسد مبارک تک پہنچ کر اس کو معاذ اللہ چرا کر لے جا سکیں تو رب تعالیٰ نے سلطانِ وقت کو خواب میں ان منحوسوں کو گرفتار کر کے جنابِ رسول اللہ ﷺ کو ان کی ایذاء سے بچانے کا حکم ارشاد فرمایا اور غالباً ان کے ملعون چہرے بھی دکھائے گئے۔ چنانچہ سلطانِ وقت گھبرایا ہوا آندھی اور طوفان کی طرح مدینہ نبویہ جا پہنچا اور دعوت کے حیلہ سے سب کو بلایا اور انہیں پہچان کر گرفتار کر لیا اور انہیں بلا تاخیر و تامل تہ تیغ کر کے ان کے ناپاک عزائم کو پیوند خاک کر دیا اور اس کے بعد روضہ شریفہ کو چہار اطراف سے کھدا کر سیسہ سے بھروا دیا تاکہ پھر قیامت تک کوئی منحوس نبی کریم ﷺ کے

❶ صحيح البخاري: 6573۔ صحيح مسلم: 182۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جسد مبارک تک پہنچنے کا سوچ بھی نہ سکے۔

بلاشبہ یہ رب تعالیٰ کی وہی حفاظت وحمایت ہے جس کی ہر مسلمان اپنے خطبہ میں دعا مانگتا ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے جہاں زمین کو نبی کریم ﷺ کے مبارک جسم پر مسلط ہونے سے روک دیا ہوا ہے، وہیں رب تعالیٰ نے انسانی شیطانوں کو بھی آپ ﷺ کے جسد اطہر پر مسلط ہونے سے روک دیا ہوا ہے۔ اس توجیہ سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ پر سلامتی کا ورد آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں بھی تھا جو بالکل واضح ہے اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی ہے اور وہ آپ ﷺ کے جسد مبارک کا شیطان نما انسانوں کے کھلواڑ سے سلامت رہنا ہے۔

عَلٰی نَبِیِّهٖ وَ رَسُوْلِهٖ: یہ صفات مترادفہ یا متغایرہ کے عطف کے باب میں سے ہے۔ صفتِ نبوت کو پہلے اس لیے ذکر کیا کیونکہ نبوت بہ نسبت رسالت کے سابق تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ کو پہلے نبوت سے سرفراز فرمایا گیا پھر رسالت سے نوازا گیا۔ نبوت کے آغاز کا ذکر سورۂ علق میں جبکہ رسالت کے آغاز کا ذکر سورۂ مدثر میں ہے۔ جن کی نزولی ترتیب بتلاتی ہے کہ نبوت رسالت سے سابق تھی۔ اسی لیے امام موصوف نے رسالت کا عطف نبوت پر ڈالا۔

نبی اور رسول کی تعریف وتحقیق اور دونوں میں فرق:......لفظِ نبی کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے: نَبِیٌّ بغیر ہمزہ کے اور نَبِیْءٌ ہمزہ کے ساتھ۔ اگر یہ لفظ ہمزہ کے ساتھ ہو تو یہ "نبأ" سے مشتق ہے جس کا معنی ہے "خبر"۔ پھر یہ لفظ "فعیل" کے وزن پر فاعل اور مفعول دونوں معنی میں ہے۔ فاعل کے معنی میں اس لیے کیونکہ آپ ﷺ رب تعالیٰ سے غیب کی خبریں دینے والے ہیں اور مفعول کے معنی میں اس لیے ہے کیونکہ آپ ﷺ کو رب تعالیٰ کی طرف سے غیب کی خبریں دی جاتی تھیں۔

اگر یہ لفظ "یا" کے ساتھ ہو تو پھر اس میں دو صورتیں ہیں:

(1) یا تو یہ ہمزہ کی تسہیل کی قراءت کے ساتھ نبأ سے ہی مشتق ہے۔ تب پھر اس کے ہمزہ کو تخفیف اور تسہیل کے طور پر حذف کر دیا گیا اور یہ لفظ نبی بن گیا۔ (2) یا پھر یہ لفظ نبوۃ سے مشتق ہے۔ نبوت اونچی اور بلند شے کو کہتے ہیں۔ چونکہ وحی سے سرفراز ہونے کی وجہ سے ایک "نبی" کا مقام بہ نسبت دوسرے بندوں کے بے حد بلند ہوتا ہے، اس لیے نبی کو نبی کہا جاتا ہے۔

ایک مفید قاعدہ:......اس مقام پر ایک مفید قاعدہ یاد رکھنا چاہیے، وہ یہ کہ جب ایک لفظ میں دو معانی کا احتمال ہو اور وہ دونوں معانی اس لفظ پر یکساں طور پر صادق آتے ہوں تو اس لفظ کو ان دونوں معانی پر محمول کیا جا سکتا ہے، کیونکہ ایک لفظ کے متعدد معانی ہونے کی مثالیں لغت عربیہ میں بے شمار ہیں۔ ❶

رَسُوْل: یہ بمعنی مرسل ہے یعنی بھیجا ہوا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ اپنی بعثت سے لے کر قیامت تک کے لیے جن وانس دونوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

نبی اور رسول کی اضافت کی توضیح:......**نَبِیِّهٖ وَ رَسُوْلِهٖ:** یہ مذکورہ اضافت رب تعالیٰ کے اسم کی ضمیر کی طرف ہے اور یہ اضافت تشریف وتکریم کے طور پر ہے۔

لفظ محمد کی تعریف ترکیب اور تحقیق:......**مُحَمَّد:** لفظ مُحَمَّد یہاں عطف بیان ہے نا کہ بدل۔ کیونکہ عموماً بدل دلالت میں مبدل منہ کے مساوی ہوتا ہے جبکہ عطف بیان معنی کی مزید وضاحت کرتا ہے اور یہاں معنی کی زیادتی ہے، وہ یہ کہ یہاں

---

❶ قواطع الادلة لابن السمعانی، ص: 262.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نبی کریم ﷺ کے اسم علم مُحَمَّد پر دلالت ہے۔ ترکیب کے اعتبار سے لفظ مُحَمَّد مفعول کا صیغہ ہے کیونکہ آپ ﷺ کی حمد خوب رب تعالیٰ بھی بیان فرماتے ہیں اور اولین و آخرین نے بھی آپ کی حمد بیان کی ہے۔ جبکہ آپ ﷺ کی کامل حمد کا ظہور روزِ قیامت ساری کی ساری مخلوق کے روبرو ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا﴾ (الاسراء: 79) ''قریب ہے کہ تیرا رب تجھے مقام محمود پر کھڑا کرے۔''

اسم محمد قرآن کریم میں چار بار جبکہ اسم احمد صرف ایک بار مذکور ہوا ہے۔ رب تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو لفظ محمد کی بجائے لفظ احمد کا الہام کیوں فرمایا؟ تو علماء مفسرین نے اس کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ لفظ احمد اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو یہاں مطلق مذکور ہے کیونکہ مذکورہ آیت ❶ میں مفضل علیہ کا کوئی ذکر نہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ علی الاطلاق ساری مخلوق سے زیادہ رب تعالیٰ کی حمد بیان کرنے والے ہیں۔

لفظ احمد فاعل کا صیغہ ہے (یعنی آپ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ رب تعالیٰ کی حمد بیان کرنے والے ہیں)۔ یا مفعول کا (یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ حمد آپ ﷺ کی بیان کی گئی ہے)؟ تو اس میں دونوں احتمال یکساں ہیں۔ غرض نبی کریم ﷺ کے اسم مبارک کو احمد کے صیغہ کے ساتھ لانے میں دراصل بنی اسرائیل پر حجت تمام کرنا ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے اس بات کا اقرار فرمایا کہ نبی کریم ﷺ افضل الخلائق ہیں کیونکہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ کو احمد کے نام سے پکارا ہے۔

آل واصحاب کی تعریف، معنی اور تحقیق:...... آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ: یہ عام کے خاص پر عطف ڈالنے کی قبیل سے ہے۔ رہا یہ سوال کہ آل رسول ﷺ سے کون لوگ مراد ہیں؟ تو اس سے قرابت دار مراد نہیں وگرنہ ابولہب اور ابو طالب بھی اس میں داخل شمار ہوں گے حالانکہ وہ کافر تھے۔ لہٰذا وہ مراد نہیں۔ کیونکہ ہم نبی کریم ﷺ کی اس آل پر صلوٰۃ وسلام نہیں بھیجتے جو ایمان قبول کرنے کی سعادت سے محروم رہے۔ لہٰذا آل سے نبی کریم ﷺ کے اہل ایمان قرابت دار مراد ہیں۔

''صَحْب'' صاحب کی جمع ہے، مراد نبی کریم ﷺ کے صحابہ ہیں۔ صحابی سے کون مراد ہوتا ہے؟ تو اس بارے اہل اصطلاح کا سب سے عمدہ قول یہ ہے کہ ''صحابی سے ہر وہ شخص مراد ہے جو ایمان کی حالت میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ اکٹھا ہوا اور اسی ایمان پر مر گیا۔ ❷

بلاشبہ یہ صرف حضرت رسالت مآب ﷺ کے خصائص میں سے ہے کہ جو بھی آپ ﷺ کے حضور بحالتِ ایمان لحظہ بھر کے لیے بھی حاضر ہوا اور ایمان پر ہی مر گیا تو وہ شرف صحابیت سے مشرف ہے۔ جبکہ غیر رسول کو یہ خصوصیت حاصل نہیں۔ کیونکہ جب تک کوئی شخص کسی کی صحبت و رفاقت میں عمر عزیز کا ایک خاطر خواہ حصہ نہ گزار دے وہ دوسرے کا صاحب نہیں کہلا سکتا۔

البتہ اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ خود حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں صحبت، ایمان، تقویٰ اور عمل کے اعتبار سے زبردست اختلاف تھا۔ اس لیے یہ بات برحق ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی درجات میں تفاوت تھا گو سب کے سب صحابہ رضی اللہ عنہم باقی ساری کی ساری امت سے مطلقاً افضل اور عدول تھے، چاہے کسی صحابی کو جناب رسول اللہ ﷺ کی صحبت مبارکہ

---

❶ شارح رحمہ اللہ کا اشارہ سورۂ صف کی اس آیت کی طرف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ﴾ (الصف: 6) ''اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں، جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہے۔'' (نسیم)

❷ دیکھیں شرح نزهة النظر، ص: 274 للشيخ ابن عثيمين رحمه الله.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا ایک لمحہ ہی میسر کیوں نہ آیا ہو۔

اب آلِ رسول ﷺ کی دو قسمیں ہیں: (1) ایک وہ جن کو صحبت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ (2) دوسرے وہ جو بے شک نبی کریم ﷺ کی آل تو تھے مگر انہیں شرفِ صحبت و صحابیت حاصل نہ ہو سکا تھا۔ جیسے حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی اولاد و احفاد۔ اس تناظر میں صَحْبِہ خاص کا عام پر عطف ہے۔ لیکن اگر صحابہ سے مطلق صحابہ کو مراد لیا جائے جن میں آل رسول بھی داخل ہیں تو یہ عام کا خاص پر عطف ہے۔ بلاشبہ یہ نکتہ لغت عربیہ کی بلاغات میں سے ہے۔

پھر یہ بلاغتی اختلاف بھی اس وقت ہے جب لفظ آل عطف کے ساتھ آیا ہو، چنانچہ اگر یہ لفظ عطف کے بغیر اکیلا آئے تو اس سے قطعی طور پر آپ ﷺ کے دین پر چلنے والے مراد ہیں، چاہے وہ کوئی بھی اور کسی بھی دور کے ہوں جیسے نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے اوپر صلوٰۃ بھیجنے کا طریقہ تعلیم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ" کہو! اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ . "اے اللہ! تو محمد ﷺ پر اور محمد ﷺ کی آل پر اپنی رحمت خاصہ نازل فرما" کہ یہاں آل سے سب کے سب پیروکار مراد ہیں۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دین کی خاطر قربانیاں

امت مسلمہ پر قیامت تک کے لیے یہ بات لازم ہے کہ وہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خدماتِ دینیہ کا تہ دل سے شکر ادا کرے کیونکہ ان حضرات رضی اللہ عنہم نے دین کی نصرت و حمایت میں ایسی مستعدی اور جوش کا مظاہرہ کیا جس کی نظیر قیامت تک بھی ملنا ناممکن ہے۔ ان حضرات نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، ہجرت کی، دشمنوں سے لڑے، شہید ہوئے، بے وطن کیے گئے، ان کو بے خان و مان کر دیا گیا۔ مگر ان حضرات کے جذبوں میں سر مو بھی فرق نہ آیا۔ اسی لیے امام موصوف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اور رسول اللہ ﷺ کے ان اصحاب پر بھی رب تعالیٰ کی صلوٰۃ و سلام ہو جو دین کی نصرت و حمایت میں بڑی تیزی کے ساتھ چلے۔"

⊙ ......امام موصوف رحمہ اللہ آگے فرماتے ہیں:

وَعَلٰى أَتْبَاعِهِمُ الَّذِيْنَ وَرِثُوْا عِلْمَهُمْ وَالْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ أَكْرِمْ بِهِمْ وَارِثًا وَّمَوْرُوْثًا .

"اور آپ کے پیروکاروں پر اور ان کے ان پیروکاروں پر جو ان کے علم کے وارث بنے اور علماء انبیاء کے وارث ہیں اور یہ وارث (جو علماء ہیں) اور موروث (جو انبیاء کرام علیہم السلام ہیں) کس قدر عزت و اکرام والے ہیں۔"

نبی کریم ﷺ کے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پیروکاروں کی فضیلت و منقبت جو علماء ہیں

اَتْبَــــاعِـــــہ: یہاں کس کے پیروکار مراد ہیں؟ تو ہر اس شخص کے پیروکار مراد ہیں جو پہلے گزر گئے ہوں۔ لہٰذا ان میں نبی کریم ﷺ کے پیروکار بھی داخل ہیں اور آل و اصحاب رسول ﷺ کے پیروکار بھی مراد ہیں۔

وَعَلٰى أَتْبَاعِهِمُ الَّذِيْنَ وَرِثُوْا عِلْمَهُمْ: یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وہ پیروکار جو ان کے علم کے وارث بنے۔ اس تعبیر میں لامحالہ اس فضیلت کا بیان جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ہے جنہوں نے تابعین عظام کے دامن قرآن و سنت کے علوم سے بھر دیئے۔

اس کے بعد امام موصوف رحمہ اللہ نے فرمایا: "علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔" امام موصوف رحمہ اللہ گویا کہ اس بات سے ڈر گئے کہ کہیں کوئی "اتبـــاعھــم" سے مطلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد والے نہ سمجھ لے۔ بلکہ مراد وہ بعد والے ہیں جو حضرات صحابہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرام علیہم السلام کے علم کے وارث بنے۔ جس میں وہ علم سرفہرست ہے جو خود نبی کریم ﷺ کی میراث ہے۔ اسی لیے آگے فرمایا: ''علماء انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔'' رب تعالیٰ ہمیں اور تمھیں ان علماء کے زمرہ میں داخل فرمائے۔

رہا یہ سوال کہ ان علماء سے کون سے علماء مراد ہیں؟ تو مراد وہ علماء ہیں جو:

◈ ...... جو صحیح اور درست علم رکھتے ہوں ◈ ...... اپنے علم پر سب سے پہلے خود عمل پیرا ہوں۔

◈ ...... رب تعالیٰ کی شریعت کی نشر و اشاعت ان کا وظیفہ حیات ہو۔

◈ ...... رب تعالیٰ کے دین کے داعی ہوں۔ ◈ ...... مجاہد فی سبیل اللہ ہوں۔

کیونکہ لازم ہے کہ آنے والا پہلوں کا مماثل ہو ورنہ اس کا علم ناقص رہ جائے گا۔ اس توجیہ کی بنا پر ہر عالم نبی کریم ﷺ کا وارث کہلانے کا مستحق نہیں البتہ اسے وراثت نبوی سے قدرے حصہ ضرور ملا ہوتا ہے۔ حقیقی وارث تو وہ عالم ہوتا ہے جس کی خوبیاں اوپر مذکور ہوئی ہیں۔ لہٰذا اگر کسی عالم میں علم تو ہو مگر عبادت، دین کی دعوت و نشر و اشاعت اور جہاد فی سبیل اللہ میں کمی ہو تو وہ پورا اور حقیقی وارث نہیں۔ لہٰذا جب کسی عالم کے پاس انبیاء کرام علیہم السلام کا ترکہ اس مکمل صورت میں موجود نہ ہو جس صورت میں وہ چھوڑ گئے تھے تو یہ عالم اپنے علم اور عمل کے نقص کے بقدر ناقص وارث ہوگا۔

اَکْرِمْ بِهِمْ: یہ فعل تعجب ❶ کا صیغہ ہے۔ اس کے دو صیغے ہوتے ہیں: (1) مَا اَفْعَلَهٗ (2) اور دوسرا اَفْعِلْ بِهٖ ہے۔ مذکورہ فعل اسی دوسرے وزن پر ہے۔ لیکن یہ مَا اَکْرَمَهٗ کے معنی میں ہے یعنی کس چیز نے ان علماء کو وارث اور موروث ہونے کی حالت میں اس قدر عزت والا بنا دیا۔ مذکورہ صیغہ کا فاعل ''ہم'' ضمیر ہے اگرچہ یہ جار مجرور کی صورت میں ہے۔

وارث سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام کے علم کے وارث ہیں جو علماء ہیں اور موروث سے مراد خود حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہیں جن کے علم میں میراث جاری ہوتی ہے۔

وَارِثًا وَّ مَوْرُوْثًا: ان کا نصب یا تو حال ہونے کی وجہ سے ہے تب یہ بہم میں فاعل کی ضمیر ہم سے حال ہوں گے۔ کیونکہ یہ دونوں صیغے اسم مشتق ہیں۔ یا پھر یہ تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ تب پھر یہ اسم مشتق ہونے کے باوجود بھی تمیز ہوں گے (حالانکہ تمیز کے لیے شرط ہے کہ وہ اسم مشتق نہ ہو) اور یہ لِلّٰهِ دَرُّهٗ فَارِسًا والی تاویل کے تحت منصوب ہوں گے۔ (کہ یہاں بھی فَارِسًا اسم مشتق ہونے کے باوجود تمیز ہے اور اس کی تفصیل کتب نحو میں مذکور ہے)۔

⊙ ...... اس کے بعد امام موصوف فرماتے ہیں: اَمَّا بَعْدُ: ❷

''اس کے بعد (عرض یہ ہے کہ......):

---

❶ فعل تعجب: یہ وہ فعل ہے جو تعجب کے انشاء و اظہار کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اس کے دو صیغے ہیں: (1) مَا اَفْعَلَهٗ جیسے مَا اَحْسَنَ سَعِیْدًا یعنی ''کس چیز نے سعید کو خوبصورت بنا دیا۔'' اس فعل کا فاعل اَحْسَنَ کی ضمیر مستتر ہے۔ (2) اور دوسرا صیغہ ہے اَفْعِلْ بِهٖ جیسے اَحْسِنْ بِزَیْدٍ یہ صیغے صرف انہی افعال سے آتے ہیں جن سے اسم تفضیل کا صیغہ بن سکتا ہو، یعنی ایک تو وہ فعل ثلاثی ہو، دوسرے مُعْرَب ہو اور تیسرے تفاضل کے معنی کو بھی قبول کرتا ہو۔ اس فعل کی نہ تو گردان آتی ہے اور نہ اس کے عامل اور معمول میں تقدیم و تاخیر جائز ہے اور نہ فصل ہی جائز ہے۔ (ھدایة النحو جدید، ص: 160، ط فاروقی کتب خانہ ملتان) (نسیم)

❷ اَمَّا بَعْدُ! اس لفظ کو خاص طور پر خطبہ اور تقریر میں خطبہ وغیرہ سے دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہوتے وقت بولا جاتا ہے اور اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے: اس کے بعد، بعد ازاں۔ (القاموس الوحید، ص: 172) (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَمَّا بَعْدُ کی تحقیق:......بعض مصنّفین کا قول ہے کہ یہ لفظ ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف منتقل ہونے کے لیے بولا جاتا ہے۔ لیکن یہ توجیہ محل نظر ہے۔ کیونکہ یہ کلمہ مقدمہ سے موضوعِ کلام کی طرف منتقل ہونے کے لیے لایا جاتا ہے۔

⊙......آگے امام موصوف فرماتے ہیں:

فَهٰذَا مُخْتَصَرٌ يَشْتَمِلُ عَلٰى أُصُوْلِ الأَدِلَّةِ الْحَدِيْثِيَّةِ لِلأَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ .

''یہ ایک مختصر کتاب ہے جو احکامِ شرعیہ کے حدیثی دلائل کے اصول (کے بیان) پر مشتمل ہے۔''

مُخْتَصَرٌ: علماء بیان کرتے ہیں کہ مختصر اس کو کہتے ہیں جس کے الفاظ تو کم ہوں مگر اس کے معانی زیادہ ہوں۔

اُصُوْلِ الْاَدِلَّةِ: معلوم ہوا کہ امام موصوف نے اپنے اس رسالہ میں علم حدیث کے جملہ دلائل کا استیعاب نہیں کیا بلکہ علم حدیث کے اصولی دلائل کو لیا ہے۔ جو ان باتوں پر دلالت کرتے ہیں جن کا وقوع لوگوں کی عبادات میں اکثر ہوتا ہے۔

اَلْحَدِيْثِيَّةِ: اس سے دلائل قرآنیہ سے احتراز ہوگیا۔ یعنی امام موصوف نے اپنی اس کتاب میں دلائل قرآنیہ میں سے کچھ بھی ذکر نہیں کیا۔ جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں دلائل حدیثیہ کے ساتھ ساتھ متعدد مقامات پر بعض دلائل قرآنیہ کو بھی ذکر کیا ہے۔ جبکہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں صرف دلائل حدیثیہ کو ہی ذکر کیا ہے اور دلائل قرآنیہ میں سے کچھ بھی ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح امام ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اپنی اس کتاب میں دلائل قرآنیہ میں سے کچھ ذکر نہیں کیا اور صرف دلائل حدیثیہ کے ذکر پر اقتصار کیا ہے۔

احکام شرعیہ اور ان کی اقسام:......**اَحْكَام:** یہ حکم کی جمع ہے اور حکم یہ نفی یا ایجاب کے طور پر ایک شے کے لیے دوسری شے کے اثبات کو کہتے ہیں۔ جیسے مردار کھانا حلال نہیں۔ یہ نفی کے طور پر ایک شے کے لیے دوسری شے کا اثبات ہے اور ''اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے۔'' یہ ایجاب کے طور پر ایک شے کے لیے دوسری شے کا اثبات ہے۔

پھر شرعیہ کی قید سے احکام عادیہ وعقلیہ نکل گئے اور صرف احکام شرعیہ باقی رہ گئے۔ یہ وہ احکام ہیں جن کو شرع شریف سے حاصل کیا جاتا ہے، جو کتاب وسنت، اجماع اور قیاس ہیں جبکہ احکام عقلیہ کو عقل سے اور احکام عادیہ کو تجربات سے حاصل کیا جاتا ہے۔

احکام شرعیہ جیسے حلال، حرام، واجب، مستحب اور مکروہ وغیرہ کہ ان کو شرع شریف سے اخذ کیا جاتا ہے، احکام عقلیہ اور عادیہ کی امثلہ کو ابتدا میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

پھر احکام شرعیہ کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں: (1) عملیہ (2) علمیہ۔ پس جن احکام کی اساس ''عقیدہ'' ہو وہ احکام علمیہ کہلاتے ہیں اور جن کی اساس ''عمل'' ہو، چاہے وہ قول ہو یا فعل ان کو احکامِ عملیہ کہتے ہیں۔

⊙......آگے امام موصوف فرماتے ہیں:

حَرَّرْتُهُ تَحْرِيْرًا بَالِغًا لِيَصِيْرَ مَنْ يَحْفَظُهُ مِنْ بَيْنِ أَقْرَانِهِ نَابِغًا .

''میں نے اس کتاب کو اپنی بساط بھر (ہر قسم کی تعقید اور انغلاق سے) بچا کر (اور جدا کر کے) لکھا ہے تاکہ اس کو یاد کرنے والا اپنے ہم سروں میں (علم حدیث میں) ماہر و فائق بنے۔''

حَرَّرْتُهُ: یہ تَحْرِيْرُ الشَّيْءِ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے کسی کو نجات دلانا، چھٹکارا دلانا۔ بچانا، آزاد کرانا اور خالص اور صاف بنانا۔ مراد یہ ہے کہ میں نے اس کتاب سے ہر قسم کی گنجلک اور پیچیدگی کو ختم کر دیا ہے۔

تَحْرِيْرًا بَالِغًا: یعنی حسبِ قدرت، کہ میں نے اس کتاب کو اپنی بساط بھر تعقید و انغلاق سے آزاد کر کے لکھا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

لِيَصِيرَ مَنْ يَحْفَظُهُ: امام موصوف رحمہ اللہ نے ان الفاظ سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ کتاب اس لائق ہے کہ اس کو ازبر کیا جائے، کیونکہ ایک تو یہ مختصر ہے اس لیے اس کا یاد کرنا بہ نسبت دوسری طول طویل کتابوں کے سہل ہے، دوسرے یہ دلائل حدیثیہ کے اصول پر مشتمل ہے جو احادیث کے احکام و درجات کو بیان کرتے ہیں۔

اَقْرَان: یہ قِرْن کی جمع ہے، یہ ساتھی، جوڑی دار، ہم پلہ و ہم سر اور ٹکر کے آدمی کو کہا جاتا ہے۔

نَابِغًا: یعنی علوم حدیثیہ میں ماہر و فائق بنے تاکہ دوسروں کا ہم سر بنے، ان سے کم نہ رہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو بھی "بلوغ المرام" کے متن کو یاد کر لیتا ہے، وہ متعدد دیگر دلائل کے جاننے اور ان کو یاد کرنے سے بے نیاز ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے ان دلائل کا اکثر حصہ تو یاد کر لیا ہوتا ہے جن کی اکثر لوگوں کو احتیاج ہوتی ہے۔ البتہ اس کی دہرائی ضروری ہے تاکہ اس کے دلائل اور تخریجات بھول نہ جائیں۔

⊙ ...... آگے امام موصوف فرماتے ہیں:

وَيَسْتَعِيْنُ بِهِ الطَّالِبُ الْمُبْتَدِئُ وَلَا يَسْتَغْنِيْ عَنْهُ الرَّاغِبُ الْمُنْتَهِيْ .

''اور ایک مبتدی طالب علم اس سے مدد حاصل کرے جبکہ (علم حدیث کا) منتہی طلب گار اس سے بے نیاز نہ ہو۔''

يَسْتَعِيْنُ بِهِ: یعنی اس کو اپنا مددگار بنا لے۔

الرَّاغِبُ الْمُنْتَهِيْ: علم حدیث کا وہ شائق و مشتاق جو رائج تعلیم پوری کر چکا ہو۔ تب پھر یہ کتاب ایسی ہے جس کی سب کو ہی احتیاج ہے، چاہے وہ مبتدی طلباء ہوں یا منتہی۔ البتہ مبتدی اس کو اپنا مددگار بنائے گا جبکہ منتہی اس کی مراجعت کرے گا۔

⊙ ...... آگے امام موصوف فرماتے ہیں:

وَقَدْ بَيَّنْتُ عَقِبَ كُلِّ حَدِيْثٍ مَنْ أَخْرَجَهُ مِنَ الْأَئِمَّةِ لِإِرَادَةِ نُصْحِ الْأُمَّةِ .

''اور میں نے ہر حدیث (کو ذکر کرنے) کے بعد امت کی خیر خواہی کے جذبے سے ان ائمہ کا نام ذکر کر دیا ہے جنہوں نے ان احادیث کو روایت کیا ہے۔''

شرح: ...... امام موصوف رحمہ اللہ نے اس کتاب میں آخر تک اس بات کا التزام فرمایا ہے کہ وہ جس حدیث کو بھی ذکر کرتے ہیں اس کے بعد ان ائمہ کرام رحمہم اللہ کا نام ضرور ذکر کرتے ہیں جنہوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہوتا ہے۔ ائمہ حدیث سے مراد امام احمد، امام بخاری، امام مسلم اور ان جیسے دوسرے حضرات رحمہم اللہ ہیں۔

امت کی خیر خواہی کی عجب مثال: ...... امام موصوف رحمہ اللہ نے ایسا امت کی خیر خواہی کے جذبہ کے تحت کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک آدمی حدیث تو روایت کر دے مگر یہ نہ بتلائے کہ اس کو تخریج کس نے کیا ہے تو سننے والا بدیہی طور پر یہ سمجھتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہی ہوگی (بلکہ صحیحین کی ہی ہوگی) بالخصوص جب آدمی حدیث کو استدلال کے طور پر پیش کرتا ہے تب تو اس بات کا وہم ضرور ہی ہوتا ہے، لیکن جب آدمی ساتھ میں یہ بھی بتلا دے کہ یہ حدیث تخریج کس نے کی ہے تو اب اس نے سننے والے کی پوری پوری خیر خواہی کر دی۔ البتہ اس کے ساتھ ایک اور بات کی احتیاج بھی ضرور ہے جس کو امام موصوف آگے چل کر ذکر کریں گے، وہ یہ کہ آدمی یہ بھی بتلائے کہ صحیح روایت کیا ہے۔ کیونکہ بسا اوقات ایک محدث صحیح حدیث لانے کا التزام نہیں کرتا، ایسے راوی کی بابت صرف اتنا کہہ دینا کافی نہیں کہ یہ حدیث فلاں نے روایت کی ہے، بلکہ ساتھ میں یہ بتلانا بھی لازم ہے کہ اس حدیث کی سند

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح، ضعیف یا قوی ہے۔

⊙..... آگے امام موصوف ارشاد فرماتے ہیں:

فَالْمُرَادُ بِالسَّبْعَةِ أَحْمَدُ وَالْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ وَأَبُوْ دَاودَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ ، وَبِالسِّتَّةِ مَنْ عَدَا أَحْمَدَ ، وَبِالْخَمْسَةِ مَنْ عَدَا الْبُخَارِيَّ وَمُسْلِمًا . وَقَدْ أَقُوْلُ الأَرْبَعَةُ وَأَحْمَدُ، وَبِالأَرْبَعَةِ مَنْ عَدَا الثَّلاثَةَ الأُوَلَ ، وَبِالثَّلاثَةِ مَنْ عَدَاهُمْ وَعَدَا الأَخِيْرَ ، وَبِالْمُتَّفَقِ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ ، وَقَدْ لاأَذْكُرُ مَعَهُمَا ، وَمَا عَدَا ذٰلِكَ فَهُوَ مُبَيَّنٌ .

''(اور جب میں یہ کہوں کہ اس حدیث کو ائمہ سبعہ نے روایت کیا ہے تو) سبعہ سے (میری) مراد (یہ سات ائمہ) ہوتے ہیں (امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ) اور (جب میں یہ کہوں کہ اس حدیث کو) ستہ (نے روایت کیا ہے تو ستہ) سے (میری) مراد امام احمد کے علاوہ (باقی کے چھ ائمہ حدیث) ہوتے ہیں اور (جب میں یہ کہوں کہ اس حدیث کو) خمسہ (نے روایت کیا ہے تو خمسہ) سے (میری) مراد امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کے علاوہ (باقی کے پانچ ائمہ) ہوتے ہیں اور (اس بات کو) کبھی میں یوں بھی بیان کر دیتا ہوں کہ (اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کے علاوہ) ائمہ اربعہ نے اور امام احمد نے روایت کیا ہے اور (جب میں یہ کہوں کہ اس حدیث کو ائمہ اربعہ نے روایت کیا ہے تو) اربعہ سے (میری) مراد پہلے مذکورہ تین ائمہ (امام بخاری، امام مسلم اور امام احمد رحمہم اللہ) کے علاوہ (چار ائمہ) ہوتے ہیں اور (جب میں یہ کہوں کہ اس حدیث کو ائمہ ثلاثہ نے روایت کیا ہے تو) ثلاثہ سے (میری) مراد ان پہلے مذکورہ تینوں کے علاوہ اور آخری مذکورہ امام (ابن ماجہ) کے علاوہ ہوتے ہیں اور متفق علیہ سے مراد امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ ہوتے ہیں اور کبھی میں ان دونوں کے ساتھ اوروں کو ذکر نہیں کرتا اور جو ائمہ ان سات کے علاوہ ہیں ان کو بیان کر دیا گیا ہے۔''

شرح:..... **تخریج حدیث میں ''بلوغ المرام'' کی اصطلاحات**: .....ائمہ سبعہ: یعنی جب امام ابن حجر رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو ائمہ سبعہ نے روایت کیا ہے تو ان سات ائمہ حدیث سے مراد یہ حضرات ہوتے ہیں: ''امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ۔

تخریج حدیث میں ایک عمومی خامی:.....اس مقام پر یہ نکتہ ملحوظ رکھنا از حد ضروری ہے کہ لوگ تخریج حدیث میں عموماً اس خامی کا ارتکاب کر جاتے ہیں کہ وہ ادنیٰ درجہ کے محدثین کو تو ذکر کر دیتے حالانکہ اس حدیث کو ان سے اعلیٰ مرتبہ کے محدثین نے بھی روایت کیا ہوتا ہے مثلاً ایک حدیث کو امام بخاری اور امام ابوداؤد دونوں نے روایت کیا ہے تو حضرات محدثین کے نزدیک یہ امر تخریج حدیث میں ایک عیب کا درجہ رکھتا ہے کہ امام ابوداؤد کا تو ذکر کیا جائے مگر امام بخاری رحمہ اللہ کا ذکر نہ کیا جائے۔ کیونکہ اقویٰ کے ذکر کو ترک کرنا یہ حدیث کو قاری اور سامع کی نظروں میں کمزور بنانے کے مترادف ہے۔ لہٰذا اگر ایک حدیث کو ائمہ سبعہ نے ذکر کیا ہے تو اب اس کی تخریج ذکر کرنے کے دو طریق ہیں:

(1) یا تو درجہ بدرجہ ساتوں ائمہ کے اسمائے گرامی ذکر کر دیئے جائیں۔

(2) یا پھر یوں کہا جائے کہ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے اور ان کے علاوہ دیگر حضرات نے بھی ذکر کیا ہے۔ جبکہ حضرات شیخین کے ذکر کو چھوڑ کر نچلے درجہ کے ائمہ میں سے کسی ایک کے ذکر پر اکتفا کرنا حضرات محدثین کے نزدیک تخریج میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک عیب ہے جو بالکل واضح ہے۔ کیونکہ اس سے حدیث کا درجہ کمزور محسوس ہونے لگتا ہے۔

ائمہ ستہ:......اس سے مراد امام احمد کے علاوہ باقی کے چھ ائمہ ہوتے ہیں۔

ائمہ خمسہ:......اس سے مراد حضرات شیخین رحمہ اللہ کے علاوہ باقی کے پانچ ائمہ امام احمد، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ ہوتے ہیں۔

ائمہ اربعہ:......ان سے مراد پہلے مذکورہ تین ائمہ، امام بخاری، امام مسلم اور امام احمد رحمہ اللہ کے علاوہ باقی کے چار ائمہ ہوتے ہیں۔

ائمہ ثلاثہ:......ان سے مراد پہلے مذکورہ تین ائمہ امام احمد، امام بخاری اور امام مسلم اور آخری مذکورہ امام امام ابن ماجہ رحمہ اللہ کے علاوہ باقی کے تین ائمہ امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی رحمہ اللہ ہوتے ہیں۔

متفق علیہ کی اصطلاح ہر خاص و عام کے نزدیک معلوم اور معروف ہے۔ کتب حدیث کے مؤلفین میں سے اکثر کے نزدیک اس اصطلاح کا مصداق حضرات شیخین رحمہ اللہ ہی ہیں۔ البتہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے دادا مجد الدین عبدالسلام "المنتقی" میں متفق علیہ کا مصداق امام احمد، امام بخاری اور امام مسلم کو قرار دیتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اصطلاح خاص ہے، نہ کہ عام۔

امام موصوف فرماتے ہیں کہ بسا اوقات میں حضرات شیخین کے ساتھ کسی تیسرے امام کو ذکر نہیں کرتا، ایسی کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی روایات کو تلقی بالقبول حاصل ہے۔ لہٰذا ان حضرات کے ہوتے ہوئے ان کے ناموں کے ساتھ کسی اور نام کو ذکر کرنا فقط ''باب نشر'' میں سے ہوگا۔ رہی وہ احادیث جن کو ائمہ سبعہ کے علاوہ نے روایت کیا ہے تو ان کا ذکر اپنی جگہ آتا جائے گا۔ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ.

⊙ ......آگے امام موصوف ارشاد فرماتے ہیں:

وسَمَّيْتُهُ بُلُوغُ الْمَرَامِ مِنْ أَدِلَّةِ الْأَحْكَامِ.

''اور میں نے اس کتاب کا نام "بلوغ المرام من ادلة الاحكام" رکھا ہے۔''

شرح:......بُلُوغُ الْمَرَامِ: اس کے اعراب کو رفع اور نصب دو طرح سے پڑھ سکتے ہیں۔ اگر اس کو مرفوع پڑھیں تو یہ مبتدا محذوف ہذا کی خبر ہوگا اور یہ جملہ اسمیہ مفرد کی تاویل میں ماقبل مذکورہ فعل کا مفعول ثانی ہوگا اور یہ جملہ علی سبیل الحکایت ہوگا اور اگر اس کو نصب کے ساتھ پڑھیں تو یہ ماقبل مذکورہ فعل کا مفعول ثانی ہوگا اور اس صورت میں ہمیں کسی لفظ مقدر کو ماننے کی حاجت نہ ہوگی۔

الْمَرَامِ: یہ مطلب، مقصود اور غایت کو کہتے ہیں۔ یعنی آدمی اس کتاب کو پڑھ کر ان دلائل احکام تک پہنچ جائے گا جو اس کا مطلوب و مقصود ہیں۔

⊙ ......آگے امام موصوف ارشاد فرماتے ہیں:

وَاللّٰهَ أَسْأَلُ أَنْ لَّا يَجْعَلَ مَا عَلِمْنَا عَلَيْنَا وَبَالًا، وَأَنْ يَرْزُقَنَا الْعَمَلَ بِمَا يُرْضِيهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى.

''اور میں رب تعالیٰ سے اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمارے علم کو ہم پر وبال نہ بنا دے اور یہ کہ ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق ارزاں فرمائے جو رب تعالیٰ کی پاک ذات کو راضی کرنے والے ہوں۔''

شرح: نحوی ترکیب:......وَاللّٰهَ: یہ لفظ فعل کا معمول مقدم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور فعل کے معمول کو مقدم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الا نا حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی میرا یہ سوال صرف اور صرف اللہ ہی سے ہے۔ کیونکہ میرا یہ سوال سوائے اللہ کے اور کوئی پورا کر ہی نہیں سکتا۔

علم کب وبال بنتا ہے؟:...... امام موصوف نے رب تعالیٰ کی جناب سے اس بات کا سوال کیا ہے کہ وہ ہمارے علم کو ہم پر وبال نہ بنائے۔ رہا یہ سوال کہ علم کب وبال بنتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس پر عمل نہ کیا جائے۔ کیونکہ علم یا تو ہمارے حق میں حجت ہوگا یا پھر ہمارے خلاف حجت ہوگا۔ چنانچہ جب ہم علم پر عمل کریں گے تو یہ ہمارے لیے حجت ہوگا وگرنہ یہ ہمارے خلاف حجت ہوگا۔ اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ ''اور قرآن یا تو تیرے لیے حجت ہے یا پھر تیرے خلاف حجت ہے۔''[1] چنانچہ اگر تو ہم قرآن پر عمل کریں گے تو یہ ہمارے لیے روزِ قیامت حجت بنے گا وگرنہ ہمارے خلاف حجت بنے گا اور ''وبال'' سے مراد گناہ اور عقوبت ہے۔

رِزْق: اس سے مراد عطاء ہے۔

رب کی رضا والے کام:...... یعنی ہر اس قول، فعل اور عقیدہ کی توفیق دے جس سے تو راضی ہو جائے۔ الحمد للہ! یہ تھا امام موصوف کی کتاب کا خطبہ و مقدمہ۔

تنبیہ:...... امام موصوف نے خطبہ کے آغاز میں یہ فرمایا ہے کہ ''یہ ایک مختصر کتاب ہے۔'' کیا اس سے وہ مختصر کتاب مراد ہے جو امام موصوف کے ذہن میں تھی، یا وہ مختصر کتاب مراد ہے جو اس وقت قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اسلوب اور اشارہ کا یہ طرز اکثر تالیفات میں پایا جاتا ہے۔ اس "هٰذَا" کے مُشَارٌ اِلَيْهِ کی تعیین کا مدار مقدمہ کی نوعیت پر ہے۔ وہ یوں کہ اگر تو مقدمہ سابقہ ہے یعنی مقدمہ پہلے لکھا گیا ہے تو اس اشارہ کا مُشَارٌ اِلَيْهِ ذہن میں ہے اور اگر یہ مقدمہ لاحقہ ہے یعنی کتاب لکھ لینے کے بعد یہ مقدمہ لکھا ہے تو اس اشارہ کا مُشَارٌ اِلَيْهِ قاری کے ہاتھوں میں موجود یہ کتاب ہے۔ اکثر یہ ہے کہ مقدمہ بعد میں لکھا جاتا ہے۔ لیکن یہ غالب عادت کے طور پر ہے نہ کہ متعین ہے۔ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ.

اَلْحَمْدُ لِلّٰه مقدمہ اور اس کی شرح تمام ہوئی۔

آگے اصل کتاب اور اس کی شرح آ رہی ہے۔

[1] صحیح مسلم: 223.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1

كِتَابُ [1] الطَّهَارَةِ [2] [3]

پاکی حاصل کرنے کے احکام و مسائل کا بیان

طہارت سے کتاب کے آغاز کی وجہ

جن فقہاء اور محدثین نے اپنی کتابوں کو فقہی ابواب کے طرز پر مرتب کیا ہے، وہ اپنی کتابوں کا آغاز طہارت کے بیان سے کرتے ہیں اور اس کی دو وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: .....طہارت نماز کی سب سے زیادہ مؤکد شرط ہے۔ اس کی پہلی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا

---

1. كتاب: لغت میں کتاب مصدر ہے۔ یہ لکھے ہوئے اوراق کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ حروف جمع کرنے کو بھی کتاب کہتے ہیں یا یہ فِعَالٌ بمعنی مَفْعُوْل ہے جیسے لباس بمعنی مَلْبُوس ہے۔ دونوں صورتوں میں یہ لفظ "مَجْمُوْع" کے معنی میں ہے۔ اصطلاح میں کتاب مسائل کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں جس کو مستقل مان لیا گیا ہو خواہ وہ مجموعہ فی نفسہ مستقل ہو یا مابعد کا تابع ہو۔ جیسے كِتَابُ الطَّهَارَةِ۔ (القاموس الوحيد، ص: 1384۔ معدن الحقائق: 77/1) کلام کا وہ حصہ جو مختلف انواع کے مسائل کو شامل ہو اسے کتاب کہتے ہیں۔ یہ بمنزلہ جنسِ منطقی کے ہے اور جو حصہ ایک ہی نوع کے مسائل کو شامل ہو اسے باب کہتے ہیں۔ یہ بمنزلہ نوعِ منطقی کے ہے اور جس میں صرف خاص قسم کے مسائل ہوں اسے فصل کہتے ہیں، یہ بمنزلہ جزئی منطقی ہے اور فصل کے اندر جو چیزیں ذکر کی جاتی ہیں ان کو مسائل کہا جاتا ہے یہ جزئی منطقی کے جزء کے درجے میں ہے۔
بعض نے تو یہ کہا ایسے مسائل کا مجموعہ جو مختلف قسم کے ہوں اسے کتاب کہا جاتا ہے اور ایسے مسائل کا مجموعہ جو ایک طرح کے ہوں اسے باب کہا جاتا ہے اور ایسے مسائل کا مجموعہ پہلے ذکر کردہ مسائل سے مختلف ہوں اس کو فصل کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہاں کتاب سے مراد وہ کتاب ہے جو باب اور فصل کے بالمقابل ہونے کہ وہ کتاب مراد ہے جو رسالہ کے بالمقابل ہوتی ہے۔ (تحفة الطلبة المعروف به مآرب الطلبة، ص: 36-37) (نسیم)

2. طہارۃ: کا لغوی معنی صاف ہونا اور بے میل ہونا ہے۔ اصطلاح میں بدن کو پانی وغیرہ کے ذریعہ حقیقی اور معنوی نجاست سے پاک کرنے کو طہارت کہتے ہیں۔ لفظ طہارت اگر طا کے فتح کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے نظافت و پاکیزگی اور بدنی پاکی کا حصول اور جب یہ طا کے ضم کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے حصول طہارت کے بعد باقی ماندہ پانی اور جب یہ طا کے کسر کے ساتھ تو اس کا معنی ہوتا ہے آلۂ طہارت۔ (القاموس الوحید، ص: 1017۔ معدن الحقائق 77/1) (نسیم)

3. كتاب الطَّهَارَةِ: اس کے اعراب دو طرح پر ہیں۔ اگر تو اس کو مرفوع پڑھا جائے تو یہ مبتدا محذوف کی خبر ہوگا یعنی هٰذَا كِتَابُ الطَّهَارَةِ اور اگر اس کو منصوب پڑھا جائے تو یہ فعل محذوف کا مفعول بہ ہوگا۔ یعنی خُذْ كِتَابُ الطَّهَارَةِ (معدن الحقائق: 77/1) (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِرُءُ وْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (المائدة: 6)

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھولو)۔‘‘

اور دوسری دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

((لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلٰوةَ اَحَدِكُمْ اِذَا اَحْدَثَ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ.)) ❶

’’جب تم میں سے کوئی بے وضو ہو جائے تو رب تعالیٰ اس کی نماز کو (ہرگز بھی) قبول نہیں کرتے یہاں تک کہ وہ وضو کر لے۔‘‘

دوسری وجہ:...... طہارت بمنزلہ تخلیہ (خالی کرنے) کے ہے اور تحلیہ (مزین وآراستہ کرنا) یہ تخلیہ کے بعد ہوتا ہے۔ یعنی پہلے بدن کو نجاستوں اور ناپاکیوں سے خالی کیا جائے گا پھر اس کو عبادت وغیرہ سے مزین ومُحلّٰی کیا جائے گا۔ اس لیے فطری اور طبعی ترتیب بھی طہارت کے بیان کی تقدیم کو متقاضی ہے۔

طہارت کی اقسام

طہارت کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں: (1) طہارتِ معنویہ (2) طہارتِ حسیہ

طہارت معنویہ: ...... اس کو طہارتِ باطنیہ بھی کہتے ہیں، اس پر عموماً حضرات متکلمین کلام کرتے ہیں جن کا موضوع توحید اور عقائد ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک طہارت معنویہ اصل ہے اور یہ قلب کا شرک، نفاق، شک، کینہ، حسد اور بغض وغیرہ جیسی مذموم صفات سے پاک ہونا ہے۔ بلاشبہ طہارت حسیہ سے اس کا درجہ واہمیت زیادہ ہے لیکن طہارت حسیہ بھی ناگزیر ہے۔

طہارت حسّیہ: ...... اس کو طہارت ظاہریہ بھی کہتے ہیں۔ عموماً یہ حضرات فقہاء کا موضوع کلام ہوتا ہے یہ حدث اور نجاست ❷ دونوں سے طہارت حاصل کرنے کو شامل ہے۔

1۔ بَابُ الْمِيَاهِ .... پانیوں کا باب

پانیوں کی اقسام

شرح: ...... اَلْمِيَاهُ: یہ مَاءٌ کی جمع ہے۔ نفسِ ماہیت کے اعتبار سے تو سب پانی ایک ہی ہیں۔ البتہ اپنے مصادر و منابع کے اعتبار سے پانی کی متعدد قسمیں ہیں، انہی اقسام کی طرف اشارہ کرنے کے لیے امام موصوف یہاں جمع کا لفظ لے کر آئے ہیں۔ جیسے بارش کا پانی، دریاؤں کا پانی، چشموں، کنوؤں اور ندی نالوں کا پانی وغیرہ۔

---

❶ متفق علیه: صحیح البخاري: 135- صحیح مسلم: 225.

❷ حدث: فقہاء کی اصطلاح میں اس نجاست کو کہتے ہیں جس سے وضو، غسل اور تیمم ختم ہو جاتا ہو۔ اسے نجاستِ حکمیہ بھی کہتے ہیں اور نجاست اس ظاہری گندگی اور ناپاکی کو کہتے ہیں جس کی ایک معین مقدار شرعاً مانع صلوۃ ہو جیسے پیشاب، شراب وغیرہ اور اسے نجاستِ حقیقی بھی کہتے ہیں۔ (القاموس الوحید، ص: 317، 1613- التعریفات للجرجانی، رقم الاصطلاح: 542، ص: 60)

نجاست حقیقی وہ نجاست ہے جو شرع اور عقل دونوں اعتبار سے نجاست ہو اور دیکھنے میں بھی آتی ہو جیسے پیشاب، شراب وغیرہ اور نجاست حکمی وہ نجاست ہے جو صرف شرع کے اعتبار سے نجاست ہو نہ کہ عقل کے اعتبار سے اور دیکھنے میں بھی نہ آتی ہو جیسے خروجِ ریح سے بے وضو ہونا اور جنابت کی حالت۔ (تحفة الطلبة، ص: 200)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانی کا حصول سب سے زیادہ آسان بھی ہے اور ہر زندہ جاندار اسی پانی کا سب سے زیادہ محتاج بھی ہے۔ اس اعتبار سے پانی ازحد قیمتی بھی ہے اور بسا اوقات پانی کی ایک بوتل ہزاروں روپوں سے بھی قیمتی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پانی کا ضیاع واجب الضمان جنایت ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے دوسرے کی پانی کی مشک پھاڑ ڈالی تو وہ اس کی مثل قیمت دے گا۔

سمندر اور دریا کے پانیوں کی طہارت کا بیان

1۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ: ((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْبَحْرِ: هُوَ الطَّهُوْرُ مَاؤُهُ، وَ الْحِلُّ مَيْتَتُهُ))

أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَاللَّفْظُ لَهُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَرَوَاهُ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ.

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سمندر (کے پانی) کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''اس کا پانی پاک کرنے والا اور اس کا مردار حلال ہے۔''

اس حدیث کو ائمہ اربعہ اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے، اور یہ الفاظ ابن ابی شیبہ کے ہیں۔ ابن خزیمہ اور ترمذی نے اس کو ''صحیح'' کہا ہے۔ اسے مالک، شافعی اور احمد (ائمہ ثلاثہ) نے روایت کیا ہے۔ [1]

معرفة الصحابه...... حضرت ابو ہریرہ ؓ نبی کریم ﷺ سے سب سے زیادہ احادیث روایت کرنے والے جلیل القدر صحابی ہیں، جنھوں نے حدیث رسول کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔ جب انہوں نے حدیث کے لیے دنیا اور دنیا کی سب لذتوں کو ترک کر دیا تو رب تعالیٰ نے ان کے لیے حدیث یاد کرنا بے حد آسان کر دیا۔ چنانچہ دستِ غیب سے بے مثل اور بے پناہ حافظہ نصیب ہوا، ان تھک طبیعت ودیعت ہوئی۔ البتہ یہ امر ملحوظ رہے کہ نبی کریم ﷺ سے احادیث کو حاصل کرنے میں جنابِ ابوبکر ؓ کا رتبہ زیادہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں از اوّل تا آخر سب سے زیادہ حاضر باش رہنے والے جنابِ ابوبکر ؓ ہی تھے۔ حضرت ابوبکر ؓ کی روایت حدیث کے کم ہونے کی دو وجوہات ہیں: (1) ایک تو یہ لوگ نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ ﷺ سے ہی حدیث کو لے لیتے تھے۔ (2) دوسرے نبی کریم ﷺ کے وفات پا جانے کے بعد حضرت ابوبکر ؓ کو خلافت کی ذمہ داریوں اور تقدیری طور پر مدتِ خلافت کے بے حد کم ہونے نے حدیث کی روایت کا زیادہ موقع ہی نہ دیا۔ دوسرے جنابِ ابوبکر ؓ کی خلافتی ذمہ داریوں کا عظیم بوجھ دیکھ کر لوگوں کو ان کے ساتھ اشتغال فی الحدیث کی جرأت کم ہی ہوتی تھی۔ اس لیے یہ کہنا بجا ہو گا کہ جنابِ ابوبکر ؓ تلقی حدیث میں

[1] سنن ابی داؤد: 83۔ جامع الترمذی: 69۔ سنن النسائی: 50/1۔ سنن ابن ماجہ: 386۔ مصنف ابن ابی شیبة: 122/1۔ صحیح ابن خزیمة: 111/1۔ المؤطا: 495/2۔ مسند الشافعی، ص: 7۔ مسند احمد: 361/2۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: ''میں نے اس حدیث کے بارے میں امام بخاری ؒ سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔'' حافظ ابن حجر الدرایة: 53/1 میں کہتے ہیں: اس کی اسناد میں کوئی حرج نہیں۔'' ابن ملقن خلاصة البدر المنیر: 7/1 میں کہتے ہیں: ''ابن مندہ نے اس روایت کے صحیح ہونے کو راجح کہا ہے۔'' امام بیہقی "الخلافیات" میں کہتے ہیں: ''حضرات شیخین نے اس حدیث کو اس لیے روایت نہیں کیا کیونکہ اس حدیث کے دو رواۃ سعید بن سلمہ اور مغیرہ بن ابی بردہ کے ناموں میں ائمہ حدیث کا اختلاف ہے۔'' حاکم "المستدرك" (239/1) میں کہتے ہیں: ''ایسی حدیث جو امام مالک ؒ کے زمانہ سے لے کر آج تک حضرات فقہاء کے ہاں متداول رہی ہو اس کے حق میں ان دو راویوں کے ناموں کی جہالت اعتراض نہیں بن سکتی۔ یہ حدیث اپنے دیگر متابعات کے ساتھ ان دونوں حضرات سے مرفوع ہے۔'' اس کے بعد امام حاکم نے اس حدیث کی متعدد اسانید ذکر کی ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ دونوں راوی مجہول نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بلکہ سب سے آگے تھے۔ البتہ روایت حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات بہت زیادہ ہیں کیونکہ انہوں نے روایتِ حدیث کو ہی اپنی زندگی کا مقصدِ وحید بنالیا تھا۔

درایتِ حدیث......یاد رہے کہ فِی الْبَحْرِ کا کلمہ نہ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا کلام ہے اور نہ نبی کریم ﷺ کے ہی الفاظِ مبارکہ ہیں بلکہ یہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا کلام ہے جس کی دلیل مذکورہ حدیث کا سیاق ہے جیسا کہ سبب حدیث کے بیان میں آ رہا ہے اور اس کی وجہ جیسا کہ خود امام موصوف نے ابتدائے مقدمہ میں اس بات کو ذکر کیا ہے یہ ہے کہ یہ ایک مختصر کتاب ہے۔ اس لیے اختصار کی غرض سے کتاب اور باب کے ذکر کے بعد "فصل" کے ذکر کو اختصار کی غرض سے ترک کر کے فقط "فِی الْبَحْرِ" کہنے پر اقتصار کرلیا۔

غریب الحدیث...... اَلطَّهُوْرُ: اس کا لغوی معنی ہے وہ شے جو خود بھی پاک ہو اور دوسری شے کو بھی پاک کر دے۔ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یہ لفظ قرآنِ کریم میں بھی آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا﴾ (الفرقان: 48)

''اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا۔''

قرآن وحدیث اس بات پر نص ہیں کہ یہ صفت یعنی صفتِ طہوریت پانی میں موجود ہے۔ ❶

طَهُوْر کی طا پر دو طرح کی حرکات پڑھی گئی ہیں، اگر اس کی طا پر فتح ہو تو یہ اس چیز کا نام ہوگا جس سے طہارت حاصل کی جائے جیسے پانی اور مٹی، جیسے لفظ "سَحُوْر" کہ یہ اس کھانے وغیرہ کا نام ہے جس کے ذریعے سحری کی جاتی ہے۔ اسی طرح "اَلْوَجُوْر" یہ اس دوا کا نام ہے جو مریض کے حلق میں ڈالی جاتی ہے، اور اگر اس کی طا پر ضم پڑھیں تو یہ مصدر یا اسم مصدر ❷ ہوگا، تب مراد فعلِ طہارت ہوگا چاہے وہ وضو ہو یا غسلِ جنابت ہو۔ لہٰذا پانی کو طَهُوْر یا وَضُوْء کہیں گے اور نفس فعل کو طُهُوْر یا وُضُوء کہیں گے۔

سببِ حدیث:......اس حدیث کا سبب یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم دریا کی سواری کرتے ہیں جبکہ ہمارے پاس (اس وقت وضو کرنے کو) پانی نہیں ہوتا، تو کیا ہم دریا کے پانی سے وضو کرلیا کریں؟ اس پر آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ ''(ہاں) اس کا پانی (بھی) پاک کرنے والا ہے (اور) اس کا مردار (بھی) حلال ہے۔''

بلاغتِ حدیث:......اگرچہ یہاں پر آپ ﷺ صرف "نَعَم" کہہ کر بھی جواب عنایت فرما سکتے تھے جیسا کہ اسی طرح کے ایک سوال پر آپ ﷺ نے صرف "نَعَم" کہنے پر اکتفا فرمایا تھا۔ ایک شخص نے سوال کیا تھا کہ کیا ہم اونٹوں کا گوشت کھانے کے بعد وضو کیا کریں؟ تو آپ ﷺ نے صرف "نَعَم" ❸ فرما کر جواب عنایت فرما دیا۔ لیکن یہاں آپ ﷺ

❶ القاموس الوحید، ص: 1017۔ تحفة الطلبة، ص: 197-198. (نسیم)

❷ مصدر وہ ہوتا ہے جو معنی حدثی پر بھی دلالت کرے اور مشتق منہ بھی ہو جبکہ اسم مصدر وہ ہوتا ہے جو معنی حدثی پر تو دلالت کرے مگر مشتق منہ نہ ہو یعنی اس سے دیگر صیغوں کا اشتقاق نہ ہوتا ہو۔ جیسے لفظ ''سبحان'' (تحفة الطلبة، ص: 161) (نسیم)

❸ صحیح مسلم: 97/360۔ یہ حدیث آگے "بَابُ نَوَاقِضِ الْوُضُوْءِ" میں آرہی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے جواب کے اسلوب کو بدلا اور بجائے "نَـــعَـــم" فرمانے کے یہ فرمایا: ''اس کا پانی پاک کرنے والا ہے۔'' تا کہ پانی کی طہوریت کا بیان زیادہ عام اور شامل ٹھہرے۔ وہ یوں کہ

1۔ اس تعبیر سے پہلی بات یہ معلوم ہوئی یہ پانی خود بھی پاک ہے اور اس سے دوسری چیزیں بھی پاک کی جاتی ہیں۔ لہٰذا پانی کے ذریعے حدثِ اصغر (بے وضو ہونے)، حدثِ اکبر (جنبی ہونے) اور نجاست وغیرہ سے پاکی حاصل کی جاتی ہے۔

2۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر یہ پانی بدن یا کپڑوں کو لگ جائے تو اس کو پاک کرنے کی ضرورت نہیں۔

لہٰذا اگر آپ ﷺ صرف "نَعَمْ" ارشاد فرما دیتے تو سننے والوں کو صرف یہی فائدہ حاصل ہوتا کہ دریا کے پانی سے وضو کیا جا سکتا ہے۔ بلاشبہ جناب رسول اللہ ﷺ کا یہ اسلوب آپ ﷺ کی بے پناہ بلاغت اور حسنِ جواب کو بتلاتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ دریا کا مردار پاک ہے۔ اس میں سائل کے افادہ کی زیادتی ہے اور اس بات کی فہمائش ہے کہ تمہیں تو دریا کے پانی کے دیگر فوائد ومنافع کی بابت بھی سوال کرنا چاہیے تھا۔ بے شک یہ آپ ﷺ کی بے پناہ سخاوت اور امت پر شفقت تھی کہ آپ ﷺ نے ان کے ان امور کا بھی لحاظ رکھا جن کی طرف خود اُن کا بھی دھیان نہ تھا۔

مَيْتَتُهُ: لفظ میتۃ کی اضافت ضمیر کی طرف ہے جو "اَلْبَحْرُ" کی طرف راجع ہے۔ یہ اضافت اس بات کا فائدہ دے رہی ہے کہ میتۃ سے مراد وہ میتۃ ہے، جو پیدا بھی دریا میں ہوا ہو، زندہ بھی اسی میں رہا ہو اور مر گیا ہو، نہ کہ وہ میتۃ مراد ہے جو پانی میں نہ تو پیدا ہوا ہو اور نہ زندہ ہی رہ سکتا ہو۔ لہٰذا اگر کوئی بکری دریا میں ڈوب کر مر گئی تو وہ مردار ہوگی۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں بنیادی طور پر دو مسائل بیان کیے گئے ہیں:

1۔ پانی جب تک اپنی اصلی اور قدرتی حالت میں ہو، وہ جس طرح کا بھی ہو چاہے بارش کا ہو یا دریا، ندیوں، کنوؤں اور چشموں کا ہو۔ وہ خود بھی پاک ہے اور اس کے ذریعے حدثِ اصغر، حدثِ اکبر اور نجاست وغیرہ سے بھی پاکی حاصل کی جا سکتی ہے۔

2۔ دریا میں پیدا ہونے والی مچھلیاں اگر بنا ذبح کیے مر جائیں تو وہ حلال ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم علم کے بے حد حریص تھے۔
- جن باتوں کا سوال حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہ کیا تھا، ان کا سوال کرنا بدعت ہے جیسے رب تعالیٰ کی صفات وافعال کی کیفیت کا سوال کرنا بدعت ہے۔
- دریا، غیرہ کا پانی مطلق پاک ہے الّا یہ کہ نجاست کی کثرت اس کو متغیر کر دے۔ لہٰذا جب تک پانی متغیر نہ ہو پاک ہوتا ہے۔
- نبی کریم ﷺ کا حسن تعلیم کہ آپ ﷺ امتِ مسلمہ کو جامع ترین باتوں کی تعلیم دیا کرتے تھے کیونکہ آپ ﷺ تو صاحب جوامع الکلم [1] تھے۔
- بوقت ضرورت سوال سے زائد جواب دے سکتے ہیں۔
- معلوم ہوا کہ دریا اور سمندر کی سب مچھلیاں حلال ہیں کیونکہ لفظ "مَيْتَة" عام ہے۔ کیونکہ مفرد جب مضاف ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں مفرد کی ضمیر کی طرف اضافت ہے۔

[1] صحیح البخاري: 2977۔ صحیح مسلم: 523۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ یہیں سے یہ مفید قاعدہ بھی معلوم ہوگیا کہ ''ہر حلال شے پاک ہے لیکن ہر پاک شے حلال نہیں ہوتی اور ہر نجس شے حرام ہے لیکن ہر حرام شے نجس نہیں ہوتی۔'' ❶ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہر حلال شے کا پاک ہونا واضح ہے۔

رہی وہ شے جو پاک تو ہو مگر حلال نہ ہو، جیسے زہر، بھنگ، افیون اور سگریٹ کہ یہ اشیاء پاک تو ہیں مگر نجس نہیں، لیکن مضر ہونے کی وجہ سے حرام ہیں۔ البتہ بھنگ اور شراب کے طاہر ہونے میں اختلاف ہے، لیکن راجح قول ان کے پاک ہونے کا ہے۔

پھر ہر نجس شے کے حرام ہونے کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ﴾ (الانعام: 145)

''کہہ دے میں اس وحی میں، جو میری طرف کی گئی ہے، کسی کھانے والے پر کوئی چیز حرام نہیں پاتا جسے وہ کھائے، سوائے اس کے کہ وہ مردار ہو، یا بہایا ہوا خون ہو، یا خنزیر کا گوشت ہو کہ بے شک وہ گندگی ہے۔''

رب تعالیٰ نے ان چیزوں کے حرام ہونے کی علت ان کا نجس ہونا بیان کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ہر نجس شے حرام ضرور ہوتی ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ ہر حرام شے کا نجس ہونا لازم نہیں تو اس کو اوپر بیان کر دیا ہے جیسے زہر بے شک یہ حرام ہے لیکن اس کا ناپاک اور نجس ہونا لازم نہیں۔ غرض معلوم ہوگیا کہ سمندر کی سب مچھلیاں حلال ہیں چاہے وہ حملہ آور ہوں اور دوسری مچھلیوں کو بھی اور حتیٰ کہ انسانوں کو بھی کھا جاتی ہوں، چاہے ان کی صورت سانپ، کتے اور انسان جیسی ہی کیوں نہ ہو کہ دلائل کے عموم کی بنا پر یہ حلال ہیں۔ جن میں سے ایک اہم ترین دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ﴾ (المائدة: 96)

''تمہارے لیے سمندر کا شکار حلال کر دیا گیا اور اس کا کھانا بھی، اس حال میں کہ تمہارے لیے سامان زندگی ہے۔''

''طعامہ'' اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جو سمندر سے مردہ پکڑا جائے۔ ❷

◈ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر پانی میں مردہ مچھلی کی وجہ سے تغیر آ گیا ہو تو وہ پانی پاک ہوگا کیونکہ اس صورت میں پانی ایک حلال اور طاہر شے کی وجہ سے متغیر ہوا ہے۔ لہٰذا یہ تغیر مضر نہیں۔ (جیسے پانی میں صابن مل جانے سے جو کہ پاک ہوتا ہے، تغیر آ جائے تو اس سے پانی کی طہوریت میں فرق نہ پڑے گا۔ نسیم)

اسنادی بحث:...... حدیث روایت کرنے کے بعد امام موصوف نے اس کی مفصل سند ذکر کی ہے۔

وَ اللَّفْظُ لَهٗ: یعنی مذکورہ الفاظ ابن ابی شیبہ کے ہیں۔

اس مقام پر یہ اہم بات جان لینا بے حد ضروری ہے، وہ یہ کہ امام ابن حجر رحمہ اللہ جیسے علماء جو ''اصول'' (یعنی کتب حدیث کے اصل متون) سے احادیث نقل کرتے ہیں بسا اوقات حدیث کے ایک الفاظ لے لیتے ہیں چاہے وہ صحت کے رتبہ میں دوسرے الفاظ سے کم ہی ہوں۔ چنانچہ یہ علماء حدیث کے ان الفاظ کو لے لیتے ہیں چاہے اس حدیث کو اس سے بھی زیادہ محتاط اور صحیح حدیث کا التزام کرنے والوں نے نقل کیا ہو۔ کیونکہ وہ الفاظ زیادہ جامع، وسیع اور شامل ہوتے ہیں۔ پس یا تو ان الفاظ

---

❶ الفتاوی لابن تیمیة: 16/21.

❷ تفسیر الطبری: 65/7۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس اثر کو تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ (دیکھیں: فتح الباری: 615/9)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اختصار اور جامعیت ہوتی ہے یا پھر ان کا سیاق عمدہ ہوتا ہے۔ اس لیے ناقل ان الفاظ کو لے لیتا ہے۔

حکم حدیث :......امام ابن حجر رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کا حکم بھی بیان فرما رہے ہیں کہ اسے امام ابن خزیمہ اور امام ترمذی جیسے جید اور عبقری محدثین نے صحیح کہا ہے۔

صحیح حدیث کی تعریف:......رہی صحیح حدیث کی تعریف تو وہ کتب حدیث میں معروف ہے۔ علماء نے صحیح حدیث کی تعریف یوں بیان کیا ہے:

''یہ وہ حدیث ہے جو واسطہ در واسطہ اخیر تک عادل وضابط راویوں کے ذریعے متصلاً مروی ہو اور ہر قسم کے شذوذ وعلت سے خالی ہو [1] اور اس میں پانچ شروط جمع ہوں:

1۔ اس حدیث کا ہر راوی عاقل وبالغ ہونے کے ساتھ ساتھ عادل، متقی اور باوقار ہو۔

2۔ ہر راوی ضبطِ حدیث میں تام ہو، یعنی اس نے حدیث کو حاصل کرنے کے بعد اسے محفوظ رکھنے کا پورا پورا اہتمام کیا ہو، چاہے حافظہ کی مدد یا اسے ضبطِ تحریر میں لا کر اسے محفوظ کر دیا ہو۔

3۔ اس حدیث کی اسناد متصل ہو۔ یعنی شروع سے اخیر تک ہر راوی نے اس حدیث کو اپنے سے اوپر والے راوی سے براہِ راست حاصل کیا ہو۔

4۔ یہ حدیث شذوذ سے سلامت ہو۔ یعنی اس حدیث کے کسی ثقہ راوی نے اپنے سے فائق کسی راوی کی مخالفت نہ کی ہو۔

5۔ یہ حدیث علت سے بھی پاک ہو کہ ظاہری صحت کے ساتھ ساتھ ایسے کسی مخفی عیب سے بھی سلامت ہو جو حدیث کی صحت پر اثر انداز ہوتا ہو۔ [2]

پس صحیح حدیث وہ کہلائے گی جس میں یہ پانچوں شروط پائی جاتی ہوں۔ ان جملہ شروط کی تفصیل کتبِ مطولہ میں ملاحظہ کیجیے۔

حدیث صحیح کا حکم :......تمام محدثین اور معتمد فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حدیث صحیح پر عمل واجب ہے اور اس سے صرفِ نظر کی گنجائش نہیں۔ [3]

پانی کی پاکی کا بیان

2۔ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ الْمَاءَ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ)) .

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''بے شک پانی پاک کرنے والا ہے، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی۔'' [4]

أَخْرَجَهُ الثَّلَاثَةُ وَصَحَّحَهُ أَحْمَدُ .

اس حدیث کو ائمہ ثلاثہ نے روایت کیا ہے اور امام احمد نے اس کو

---

[1] علوم الحديث لمحمد عبيدالله الاسعدى، ص: 84، ط مجلس نشرياتِ علوم کراچی۔ (نسیم)

[2] و مزيد التوضيح من علوم الحديث، ص: 84. (نسیم)

[3] از علوم الحديث، ص: 85. (نسیم)

[4] سنن ابی داود: 66۔ جامع الترمذی: 66۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: ابو اسامہ نے (جو مذکورہ حدیث کے ایک راوی ہیں) اس حدیث کو عمدہ کہا ہے۔ سنن النسائی: 1/174۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ نے "التلخيص الحبير" (1/13) میں اس حدیث کو نقل کر کے ایک جماعت سے اس کی تصحیح کو نقل کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"صحیح" کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... اَلْمَاءُ: اس میں الف لام جنس کے لیے ہے جو پانی کی تمام انواع واقسام کو شامل ہے۔

طَھُوْرٌ: یہ مُطَھِّرٌ کے معنی میں ہے۔یعنی پاک کرنے والا۔

شَیْءٌ: یہ نکرہ ہے جونفی کے تحت آیا ہےاورنفی کے تحت مذکورنکرہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔

پانی میں گرنے والی ناپاکی کا حکم

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں بنیادی طور پر یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ پانی میں جو شے بھی گر جائے وہ اس کو ناپاک نہیں کرسکتی۔کیونکہ یہاں "شَیْءٌ" نکرہ نفی کے تحت ہے جوعموم کا فائدہ دے رہا ہے۔لیکن یہ بات معروف اور معلوم ہے کہ یہ عموم مراد نہیں اوراس بات میں کوئی شک بھی نہیں کیونکہ اگر پانی میں اتنی مقدار میں نجاست گر جائے جواس کو متغیر کر دے تو یہ پانی بالاجماع نجس کہلائے گا۔اسی لیے نبی کریم ﷺ نے گھی میں گر کر مر جانے والے چوہے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اَلْقُوْھَا وَ مَا حَوْلَھَا . [1] "اس چوہے کواوراس کے اردگرد کے گھی کونکال کر باہر پھینک دو۔" کیونکہ اردگرد کا گھی لامحالہ نجس ہو چکا ہوتا ہے۔کیونکہ جب چوہا مرتا ہے تو خود بھی بدبودار ہو جاتا ہےاوراردگرد کی شے کو بھی بدبودار کر دیتا ہے۔یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ جب گرنے والی نجاست تغیر پیدا کر دے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- پانی خود بھی پاک ہے اور ہر قسم کی نجاست کو بھی پاک کرنے والا ہے، چاہے وہ نجاستِ غلیظہ ہو جیسے کتے کی نجاست اور چاہے وہ نجاستِ خفیفہ ہو جیسے دودھ پیتے بچے کی نجاست [2] اور چاہے حدث سے طہارت ہو یا خبث سے پانی بہر حال اس کو پاک کر دے گا۔
- پانی میں اصل اس کا پاک ہونا ہے۔لہٰذا شک کی صورت میں پانی کو پاک ہی تصور کیا جائے گا۔
- پاک شے سے آنے والا تغیر پانی کو ناپاک نہیں کرتا۔
- سو کر اٹھتے ہی پانی میں ہاتھ ڈالنا بھی اس کو ناپاک نہیں کرتا۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے تین بار ہاتھ دھونے سے قبل پانی میں ہاتھ ڈالنے سے منع ضرور کیا ہے [3] لیکن یہ نہیں فرمایا کہ یہ حکم اس لیے ہے کہ سو کر اٹھنے والے کا ہاتھ پانی کو ناپاک کر دیتا ہے۔لہٰذا اس حدیث کے عموم کی وجہ سے ایسے پانی کی طہوریت بھی باقی رہے گی۔
- معلوم ہوا کہ اجماع کے ذریعے سنت میں تخصیص کر سکتے ہیں جیسا کہ مذکورہ حدیث سے اس نجاست کی تخصیص بالاجماع ہے جو پانی کو متغیر کر دے۔

---

[1] صحیح بخاری: 5538۔

[2] علماء نے لکھا ہے نجاست غلیظہ اورخفیفہ یہ نجاستِ حقیقی کی اقسام ہیں۔نجاستِ غلیظہ اس نجاست کو کہتے ہیں جو ایسی نص سے ثابت ہو جس کے معارض کوئی دوسری نص نہ ہو اور جس کی نجاست کے ثبوت میں تعارض ہو اس کو نجاست خفیفہ کہتے ہیں۔یہیں سے عوام میں مشہور اس غلط بات کی بھی درتی ہوتی کہ غلیظہ سے مراد گاڑھی نجاست اورخفیفہ سے مراد پتلی نجاست ہے۔(تحفة الطلبة، ص: 200) (نسیم)

[3] صحیح مسلم: 278 عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ۔ یہ حدیث آگے "باب الوضوء" میں مفصل آرہی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3۔ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ((إِنَّ الْمَاءَ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ إِلَّا مَا غَلَبَ عَلَى رِيحِهِ وَطَعْمِهِ وَلَوْنِهِ)).

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''بے شک پانی کو کوئی شے نجس نہیں کرتی مگر وہ چیز جو اس کی بُو، اس کے ذائقہ یا اس کے رنگ پر غالب آ جائے۔'' ❶

أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ، وَضَعَّفَهُ أَبُو حَاتِمٍ،

اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابوحاتم نے اس کو ضعیف کہا ہے

وَلِلْبَيْهَقِيِّ ((الْمَاءُ طَهُورٌ إِلَّا إِنْ تَغَيَّرَ رِيحُهُ أَوْ طَعْمُهُ أَوْ لَوْنُهُ بِنَجَاسَةٍ تَحْدُثُ فِيهِ)).

اور امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ ''پانی پاک (اور پاک کرنے والا) ہوتا ہے سوائے اس (صورت) کے کہ اس کی بو یا اس کا ذائقہ یا اس کا رنگ اس نجاست کی وجہ سے بدل جائے جو اس میں گر پڑے۔'' ❷

شرح: ......اس حدیث میں بھی یہی بیان کیا گیا ہے کہ پانی اصل میں پاک ہے اور نجاست کے گرنے سے وہ ناپاک نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ اگر ابن ماجہ کی اس روایت کا گزشتہ روایت سے موازنہ کیا جائے تو یہی نتیجہ سامنے آتا ہے کہ جب پانی کو کوئی شے ناپاک نہیں کرتی تو لامحالہ وہ پاک ہوگا۔

پانی طہوریت سے نجاست اور ناپاکی کی طرف کب منتقل ہوتا ہے؟

البتہ ان دونوں روایات میں جو بات مزید بتلائی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ پانی طہوریت سے نجاست کی طرف کب منتقل ہوتا ہے۔

مَا غَلَبَ: اس سے مراد وہ شے ہے جس کی وجہ سے پانی متغیر ہو جائے۔ پانی نجاست کی طرف تین صورتوں میں منتقل ہوتا ہے: (1) جب اس کی بو بگڑ جائے۔ (2) جب اس کا ذائقہ خراب ہو جائے۔ (3) اور جب اس کا رنگ بدل جائے۔ تب وہ پانی ناپاک تصور ہوگا۔ لہٰذا اگر پانی میں اتنی نجاست گری کہ اس نے پانی کے ان تین اوصاف [یا کسی ایک وصف] کو متغیر کر ڈالا تو وہ پانی ناپاک کہلائے گا۔ اس باب میں یہ ضروری نہیں کہ ان تغیرات کا احساس و ادراک ہر ایک کو ہو بلکہ اگر چند لوگوں کو بھی ان تغیرات کا احساس ہو گیا تو پانی ناپاک شمار ہوگا۔ البتہ یہ شرط ہے کہ وہ لوگ وسواسی نہ ہوں۔ چنانچہ جیسے ایک کے دیکھنے سے رمضان کا چاند ثابت ہو جاتا ہے اسی طرح ایک دو کے ادراک پر پانی کے نجس ہونے کا حکم لگا دیا جائے گا۔

اب سونگھنے، چکھنے اور دیکھنے میں لوگوں کی قوتیں مختلف ہیں بعض میں یہ قوتیں زیادہ اور بعض میں کم ہوتی ہیں۔ اس بنا پر اعتبار ان لوگوں کا ہوگا جن کی یہ قوتیں عادی اور معتدل یعنی میانہ ہوتی ہیں، نہ کم اور نہ زیادہ۔

کتنے اوصاف کا تغیر نجاست کے اثبات میں معتبر ہے؟

اس سوال کا اٹھنا بدیہی تھا کہ آیا ان تینوں اوصاف کے بیک وقت متغیر ہونے پر پانی کو ناپاک کہا جائے گا؟ جیسا کہ ابن ماجہ کی روایت میں ''واو'' عاطفہ کے مذکور ہونے سے متبادراً یہی مفہوم ہوتا ہے کیونکہ واؤ مطلق جمع کے لیے ہوتی ہے، یا نجاست

---

❶ سنن ابن ماجه: 521، ابن ابی حاتم "العلل": 44/1 میں کہتے ہیں: میرے والد فرماتے ہیں: رشدین بن سعد اس روایت کو موصول ذکر کرتے ہیں اور وہ " عن ابی امامة عن النبي " کہہ کر حدیث روایت کرتے ہیں، پھر رشدین قوی راوی نہیں اس لیے صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔

❷ سنن البيهقي 256/1۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی طرف انتقال کے اثبات میں تینوں میں سے کسی ایک وصف کا متغیر ہونا بھی کافی ہے؟

تو اسی بات کو بتلانے کے لیے امام موصوف رحمہ اللہ معاً بعد بیہقی کی روایت کو لے کر آئے ہیں جو ''اَوْ'' کے ساتھ ہے جو تنویع کے لیے ہوتی ہے جس سے ثابت ہوا کہ نجاست کے اثبات کے لیے تین میں سے کسی ایک وصف میں تغیر بھی کافی ہے۔ اس بنا پر ابن ماجہ کی روایت بیہقی کی روایت کی وجہ سے مقید ہوگی نا کہ مطلق۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- پانی اصل میں پاک ہے۔ اس پر نجس ہونے کا حکم اس کے اوصافِ ثلاثہ میں سے کسی ایک وصف کے نجاست کی وجہ سے واضح طور پر متغیر ہونے پر لگایا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ پانی صرف نجاست کی وجہ سے ہی نجس ہوتا ہے۔
- معلوم ہوا کہ گزشتہ مذکورہ حدیث ابی سعید رضی اللہ عنہ مطلق نہیں بلکہ مقید ہے۔ مزید یہ کہ روایت ابن ماجہ روایت بیہقی کی بنا پر مقید ہے۔
- کتاب وسنت کے دلائل کو ایک دوسرے پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ جملہ دلائل ایک ہی چراغ کی کرنیں ہیں ان کو ایک دوسرے سے جدا کرنا ممکن نہیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم کتاب اللہ کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والے بن جائیں گے۔ چنانچہ یہ امر متفق علیہ ہے کہ قرآن کا بعض دوسرے بعض کو مقید اور خاص کرتا ہے اور ایسا ہی سنت میں بھی ہے۔ رہا علماء کا اختلاف تو وہ کسی سبب سے ہوتا ہے ورنہ اس بات پر ان سب کا بھی اجماع ہے کہ شریعت ساری کی ساری ایک ہے۔
- پانی کی بنیادی طور پر دو ہی قسمیں ہیں: (1) مطہر (2) اور نجس۔ اس کی طاہر کے نام سے تیسری کوئی قسم نہیں۔ جیسا کہ اکثر فقہاء کا کہنا ہے اور اس تیسری قسم سے مراد وہ پانی ہے جو خود تو پاک ہو مگر دوسری چیزوں کو پاک کرنے والا نہ ہو یعنی طاہر غیر مطہر ہو۔ لیکن کتاب وسنت سے اس تیسری قسم کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اگر یہ کوئی حکم شریعت ہوتا تو کتاب وسنت میں اس کا بیان ضرور ہوتا۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مختار قول بھی یہی ہے کہ پانی صرف دو قسم کا ہی ہے۔ [1]
- پانی کی طہوریت کو متغیر کرنے میں جو نجاست موثر ہے، یہ وہ نجاست ہے جو اس میں خارج سے گری ہو۔ جیسا کہ بیہقی کی روایت میں ہے۔ لہٰذا اگر پانی کی بو باہر پڑی نجاست سے بدل جائے تو پانی نجس شمار نہ ہوگا کیونکہ باہر کی نجاست پانی کے اندر نہیں۔ اس بات پر بعض نے علماء کا اجماع بھی نقل کیا ہے کہ پانی مجاورت کی وجہ سے متغیر ہونے کی وجہ سے نجس نہ کہلائے گا۔ کیونکہ وہ نجاست بہر حال پانی سے باہر ہے۔ [2]
- معلوم ہوا کہ نجاست کا گرنا بھی پانی کی طہوریت کے ختم کرنے میں موثر نہیں جب تک کہ وہ اس کے اوصاف ثلاثہ میں سے کسی ایک کو متغیر نہ کر دے۔ لہٰذا اگر گرنے والی نجاست کسی قسم کے تغیر کا باعث نہ بنے تو پانی پاک متصور ہوگا، چاہے وہ نجاست کم ہو یا زیادہ۔
- شک کی صورت میں پانی پاک متصور ہوگا۔
- رہا ناپاک پانی کا پاک کرنا، تو جب پانی میں پیدا ہونے والا تغیر جاتا رہے، اسے پاک تصور کیا جائے گا، چاہے وہ تغیر جس طریقہ سے بھی دور ہو۔ لہٰذا اگر کسی کیمیاوی طریقہ سے ان تغیرات کو ختم کر دیا جائے تو اس پانی سے وضو وغیرہ بھی کر سکتے ہیں،

[1] الفتاوی لابن تیمیہ: 521/20. [2] یہ ابن منذر کا قول ہے جس کو "صاحب المبدع" (36/1) نے نقل کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھانے پینے میں بھی استعمال کر سکتے ہیں اور کھیتوں اور باغوں وغیرہ کو بھی لگا سکتے ہیں۔ البتہ اگر وہ پانی مضر صحت ہو تو استعمال سے گریز اولیٰ ہے۔ اسی طرح اگر دھوپ لگنے سے یہ تغیر جاتا رہے تب بھی وہ پاک شمار ہو گا۔ کیونکہ حکم کے عدم اور وجود کا مدار علت کے وجود اور عدم پر ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر نجاست ایک طرف ہو اور اس کا اثر بھی اسی طرف ہو تو دوسری طرف کا پانی پاک متصور ہو گا۔

4۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ))

وَفِیْ لَفْظٍ: "لَمْ يَنْجُسْ ."

"أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ ."

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب پانی دو قلّے (کی مقدار) ہو تو وہ نجاست کا حامل نہیں بنتا۔'' [1]

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''وہ نجس نہیں ہوتا۔''

اس حدیث کو ائمہ اربعہ نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ، حاکم اور ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

معرفة الصحابه :......حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مکہ میں 73 ہجری میں 83 سال کی عمر پا کر وفات پائی اور مقام ذی طویٰ میں دفن ہوئے۔

غريب الحديث :......قُلَّتَيْنِ: یہ قُلَّةٌ کی تثنیہ ہے۔ قُلَّةٌ کا لفظی معنی پانی کی صراحی ہے۔ اس لفظ کو حدیث معراج پر محمول کیا جائے گا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''پھر مجھے سدرۃ المنتہی کی طرف بلند کیا گیا پس میں نے کیا دیکھا کہ نَبِقُهَا مِثْلُ قِلَالِ هَجْرٍ . ''اس کا پھل مقام ہجر کی صراحیوں کی طرح (بڑا بڑا) ہے۔'' [2] مذکورہ روایت کا لفظ "قِلَالٌ" اسی قُلَّةٌ کی جمع ہے جس کی تثنیہ حدیث الباب میں مذکور ہے۔ بظاہر یہ صراحی یا مٹکا ہمارے ہاں رائج بڑے بڑے ڈرموں جیسا ہوتا ہے جن کو پانی ٹھنڈا کرنے کے لیے بنایا جاتا ہے۔ پس قلہ سے مراد وہی مقام ہجر کے بڑے بڑے مٹکے یا صراحیاں ہیں جن میں تقریباً اڑھائی مشک جتنا پانی آ جاتا ہے۔ تو جب ایک قلہ میں اڑھائی مشک پانی آتا ہے تو دو قلہ تقریباً پانی کے پانچ مشکیزے ہوئے۔

لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ: یعنی دو قلہ پانی میں اگر نجاست گر جائے تو اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کی تفسیر امام موصوف نے دوسری روایت کے الفاظ لَمْ يَنْجُسْ سے بیان کی ہے۔ یعنی جب پانی اتنی مقدار میں ہو اور اس میں نجاست گر جائے تو وہ نجس نہیں ہوتا کیونکہ اب پانی اتنا زیادہ ہو گیا ہے کہ نجاست اس میں اپنا اثر ظاہر نہیں کر سکتی۔

دراية الحديث :......اس حدیث کی سند اور متن دونوں میں علماء کا اختلاف ہے، امام ابن قیم رحمہ اللہ [3] نے "تهذيب السنن" میں اس پر طویل کلام کیا ہے جو نہایت اہم فوائد پر مشتمل ہے جس کی نظیر کم ہی ملتی ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ

---

[1] سنن ابی داود: 63۔ جامع الترمذی: 67۔ سنن النسائی: 175/1۔ صحیح ابن خزیمة: 92۔ المستدرك للحاكم: 225/1۔ صحیح ابن حبان: 1249۔ ابن ملقن نے "خلاصة البدر المنير" (8/1) میں ابوداؤد کی روایت سے یحییٰ بن معین کا قول نقل کیا ہے کہ اس کی اسناد جید ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (165/1) میں اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

[2] صحیح البخاری: 3887۔ صحیح مسلم: 164 .

[3] تہذیب السنن لابن قیم: 78-74/1 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اس حدیث کے ضعیف ہونے کی سولہ وجوہات ذکر کی ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے، چاہے اس کی تصحیح ائمہ کرام میں سے جس مرضی نے بیان کی ہے۔

دو قلہ پانی میں نجاست گرنے کا حکم

بظاہر یہ حدیث اپنے عموم پر نظر آتی ہے۔ لیکن جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر ہوا ایسی روایات سے عموم مراد نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس سے اتنی نجاست کا گرنا مراد ہوگا جس کے گرنے سے دو قلہ پانی کے اوصافِ ثلاثہ میں سے کسی ایک وصف میں بھی تغیر پیدا نہ ہو۔ کیونکہ جب نجاست گرنے سے پانی کے کسی وصف میں تغیر آ جاتا ہے تو وہ بالاجماع نجس کے حکم میں داخل ہوتا ہے۔

ایک تعارض اور اس کا حل

اس حدیث سے بظاہر یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ جب پانی دو قلہ سے کم ہو تو نجاست گرنے سے وہ نجس ہو جاتا ہے چاہے اس کے اوصاف متغیر ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔ لیکن یہ مفہوم گزشتہ مذکورہ حدیث ابی امامہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پانی تب ہی نجس ہوتا ہے جب اس کے اوصاف میں تغیر آ جائے اور یہ دلالت منطوق ہے۔ بظاہر یہاں دلالت مفہوم اور دلالت منطوق میں تعارض واقع ہو گیا ہے۔ علماء بیان کرتے ہیں کہ جب مفہوم اور منطوق میں تعارض واقع ہو تو منطوق مقدم ہوتا ہے۔ لہٰذا حدیث ابی امامہ رضی اللہ عنہ کا حکم حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حکم پر مقدم ہوگا۔ پس ایک تو یہ حدیث ضعیف ہے، پھر دلیل نظری سابقہ احادیث پر دلالت کرتی ہے لہٰذا اس حدیث پر عمل نہ کیا جائے گا۔ چنانچہ پانی چاہے دو قلہ ہی ہو اگر گرنے والی نجاست نے اس کو متغیر کر دیا تو پانی نجس کہلائے گا اور اگر پانی متغیر نہیں ہوا تو پاک ہے۔

البتہ پانی کم ہونے کی صورت میں احتیاط اسی میں ہے کہ ایسے پانی سے طہارت حاصل کرنے سے گریز کیا جائے چاہے نجاست نے اس کو متغیر نہ بھی کیا ہو کیونکہ پانی جتنا کم ہوتا جائے گا نجاست اس کے حق میں اتنی بڑی ہوتی جائے گی۔ لہٰذا وہ کم پانی جس میں نجاست گر گئی ہو وہ متغیر ہونے کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

کھڑے پانی میں غسل جنابت کرنا

5۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يَغْتَسِلْ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ)).

أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''تم میں سے کوئی حالت جنابت میں کھڑے پانی میں نہ نہائے۔'' ❶

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

وَلِلْبُخَارِيِّ: ((لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِي لَا يَجْرِي، ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ)).

اور امام بخاری رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں: ''تم میں سے کوئی اس کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے جو جاری نہ ہو کہ پھر اس میں نہائے بھی۔'' ❷

وَلِمُسْلِمٍ: "مِنْهُ"

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ("فِيهِ" کی بجائے) "مِنْهُ" کا

❶ صحيح مسلم: 282 ❷ صحيح البخاري: 239

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لفظ ہے ❶

وَلِأَبِي دَاوُدَ: ((وَلَا يَغْتَسِلُ فِيهِ مِنَ الْجَنَابَةِ)) اور ابوداؤد میں ہے: ''اور نہ اس میں غسل جنابت ہی کرے۔'' ❷

غریب الحدیث:...... **لَا يَغْتَسِلُ:** یہ لائے نہی کا ہے جس کی دلیل فعل کا مجزوم ہونا ہے کیونکہ لائے نہی فعل مضارع پر داخل ہو کر اس کو جزم دیتا ہے۔

أَحَدُكُمْ: یہ خطاب مردوں کو ہے۔ جیسا کہ قرآن وسنت میں زیادہ تر خطاب مردوں کو ہی ہے۔ کیونکہ کاروانِ علم وعمل کے میر و بدرقہ یہی مرد حضرات ہی تو ہیں۔ البتہ عورتیں اس خطاب میں تبعاً داخل ہیں۔

دَائِم: اس لفظ کی تفسیر صحیح بخاری کی روایت میں آ گئی ہے کہ اس سے مراد وہ پانی ہے جو جاری نہ ہو۔

وَهُوَ جُنُبٌ: یہ جملہ حالیہ ہے جو نصب کے محل میں ہے اور ''أَحَدُكُمْ'' سے حال ہے جو مذکورہ فعلِ مضارع کا فاعل ہے۔ گویا کہ یہ فاعل سے حال ہے۔

جنبی کو کھڑے پانی میں نہانا منع ہے

اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جنبی کھڑے پانی میں نہ نہائے۔ کیونکہ جنبی کا بدن گو ظاہری نجاست سے پاک بھی ہو تب بھی نجاست کے بعض پوشیدہ اثرات بدن پر رہ گئے ہوتے ہیں۔ دوسرے جنبی کے بدن کے مساموں سے بھی نجاست کے غیر محسوس اثرات خارج ہوتے ہیں جو پانی کو گدلا اور گندا بنا دیتے ہیں۔ اس لیے جنبی کو کھڑے پانی میں نہانا منع ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- شریعت اسلامیہ انسانی صحت کا زبردست اہتمام کرتی ہے۔ اسی لیے جنبی کو کھڑے پانی میں نہانے سے منع فرمایا تاکہ وہ پانی گندا ہو کر دوسروں کے بیمار ہونے کا سبب نہ بنے۔ ❸
- شریعتِ اسلامیہ انسانی معاش ومعاد دونوں کی فلاح کو متضمن ہے، لہٰذا یہ قول صریحاً غلط ہے کہ شریعت صرف عبادات کو ہی بیان کرتی ہے۔ جبکہ اس کے معاملات رائج رویوں کے سپرد ہیں۔ اندیشہ ہے کہ یہ قول شریعت کے بعض حصوں کے انکار کے دروازے تک نہ لے جائے۔ بلاشبہ بعض شریعت کو ماننا اور بعض کا انکار کرنا یہود ونصاریٰ کا شیوہ ہے۔
- مذکورہ نہی جنبی کے کھڑے پانی میں نہانے کی کراہت یا حرمت میں سے کس کو بیان کرتی ہے؟ علمائے اصول کے ہاں اس لائے نہی کے حکم میں اختلاف ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ اگر تو اس نہی کا تعلق امور عبادیہ سے ہو تو یہ حرمت کے لیے ہوتی ہے اور اگر اس کا تعلق ادب ونظافت سے ہو تو یہ کراہت کے لیے ہوتی ہے۔
- معلوم ہوا کہ ماءِ غیر دائم میں نہانا مفید ہے جس کی دو قسمیں ہیں:

1۔ غیر دائم پانی کی ایک قسم وہ ہے جو ابھی بہہ رہا ہو جیسے نہر اور نالوں کا پانی، ان میں نہانا جائز ہے چاہے آدمی جنبی ہو یا غیر جنبی اور بدن پر کوئی آلودگی لگی ہو یا نہ لگی ہو۔ کیونکہ جاری پانی میں بدن پر پانی کی تجدید ہوتی رہتی ہے۔ اسی لیے علامہ موفق رحمہ اللہ نے ''المغنی'' میں لکھا ہے کہ اگر کسی نے جاری پانی میں داخل ہو کر ہاتھ کو تین بار حرکت دے لی تو یہ تین

❶ صحیح مسلم: 282 ❷ سنن ابی داود: 70.

❸ حالت جنابت میں ہاتھ ٹب میں پانی بھر کر، پھر اس کو روک کر اس میں نہانا بھی کھڑے پانی میں نہانے کے حکم میں داخل ہے۔ لہٰذا وہ بھی منع ہوگا۔ (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بار دھونے کے حکم میں داخل ہوگا کیونکہ حرکت دینے سے پانی متجدد (یعنی نیا چلو) ہو جاتا ہے۔

2۔ غیر دائم پانی کی دوسری قسم وہ ہے، جو ابھی تو کھڑا ہو لیکن کچھ دیر بعد ہی جاری ہونے والا ہو۔ جیسے کھیتوں اور باغوں میں لگے ٹیوب ویل کے حوضوں کا پانی جس کو بوقت ضرورت ٹیوب ویل چلا کر جاری پانی بنا دیا جاتا ہے۔ بے شک یہ پانی بھی ماء جاری کے حکم میں داخل ہوتا ہے۔ تب پھر ماءِ دائم کو قدرتی وادیوں کے نشیبوں اور میدانوں میں بنے ان تالابوں کے پانیوں پر محمول کیا جائے گا جو بارش اور سیلاب میں بھر جاتے ہیں، پھر مدتوں اسی حالت میں رہتے ہیں۔ ایسے کھڑے پانی میں جنبی کو نہانا منع ہے۔

◈ معلوم ہوا کہ غیر جنبی صفائی یا ٹھنڈک کی غرض سے ماءِ دائم میں نہا سکتا ہے۔ البتہ بدن پر کسی قسم کی گندگی، نجاست اور اذی کا نہ لگا ہونا شرط ہے تاکہ پانی ناپاک بھی نہ ہو اور دوسرے مسلمانوں کی ایذاء کا سبب بھی نہ بنے۔

◈ جنبی سے کون مراد ہے؟ تو یہ معروف ہے کہ اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جو جماع کی وجہ سے یا احتلام ہو جانے کی وجہ سے جنبی ہو گیا ہو۔

◈ جنبی کے بدن پر اگر نجاست نہ لگی ہو تو اس کے کھڑے پانی میں نہانے سے پانی کی طہارت یا غیر طہارت کی طرف اس حدیث میں کوئی اشارہ نہیں۔ اس کو دیگر دلائل سے اخذ کیا گیا ہے۔ چنانچہ جنبی کے بدن پر اگر ظاہری نجاست نہ ہو تو اس کا ظاہر بدن دوسری اشیاء کو ناپاک کر دینے یا نہ کر دینے کے اعتبار سے پاک ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو (جب وہ غسل جنابت کرنے چپکے سے چلے گئے تھے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ''سبحان اللہ! مومن نجس نہیں ہوتا۔''[1] اس بنا پر ایسے جنبی کے کھڑے پانی میں نہانے سے اس پانی کے نجس ہو جانے کا قول بے حد ضعیف ہے۔

کھڑے پانی میں پیشاب کر دینے کے بعد اس میں نہانے کا حکم

اس کے بعد امام موصوف نے صحیح بخاری رحمہ اللہ کی روایت کو بیان کیا ہے جس میں کھڑے پانی میں پیشاب کر دینے کے بعد اس میں نہانے کی ممانعت کا بیان ہے۔ مزید تفصیل کے ذکر سے قبل چند امور کا جان لینا ضروری ہے:

◉ اس حدیث میں گزشتہ حدیث کے اعتبار سے عموم اور خصوص ہے۔

◉ اس میں مطلق غسل کا بیان ہے، جنابت کے غسل کا ذکر نہیں۔

◉ ''فِیْ'' ظرفیت کے لیے ہے جو اس بات کو متقاضی ہے کہ مراد اُسی پانی میں اتر کر نہانا ہے۔

◉ مذکورہ حدیث صحیح مسلم کی حدیث سے مختلف ہے کہ اس میں جنبی کے غسل کا ذکر ہے جو یہاں نہیں۔

◉ کسی پانی میں پیشاب کر کے اس میں نہانے کی ممانعت حکمت کے عین موافق ہے کیونکہ پیشاب کر دینے کے بعد تو وہ پانی ناپاک ہو چکا ہوتا ہے اور تنظیف و تطہیر کے قابل نہیں رہ گیا ہوتا۔

◉ فطرتِ سلیمہ بھی ایسے پانی میں نہانے سے نفور کرتی ہے۔

غریب الحدیث :...... لَا یَبُوْلَنَّ: اس میں لَا نہی کا ہے اور فعل مضارع نون تاکید کے اتصال کی وجہ سے مبنی ہوا ہے ورنہ جزم کے محل میں ہے۔

اَلَّذِیْ لَا یَجْرِیْ: یہ اَلْمَاءِ الدَّائِمِ کی تفسیر ہے۔

---

[1] صحیح البخاری: 283۔ صحیح مسلم: 822۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ: حضرات محدثین نے اس "يَغْتَسِلُ" کے تین اعراب بیان کیے ہیں:

(1) جزم کے ساتھ، تب پھر اس کا عطف لَا يَبُولَنَّ پر ہوگا اور "ثُمَّ" یہ واؤ کے معنی میں ہوگا اور مذکورہ حدیث دو مستقل مسائل پر مشتمل ہوگی جو یہ ہیں: (الف) کھڑے پانی میں پیشاب کرنا منع ہے۔ (ب) کھڑے پانی میں جو جاری نہ ہو، نہانا بھی منع ہے۔ چاہے وہ نہانا تبرید اور تنظیف کے لیے ہی ہو۔ لیکن یہ مسئلہ غسلِ جنابت کے ساتھ مقید ہے جیسا کہ حدیث ابو ہریرہ اور ابوداؤد کی روایت میں ہے

(2) نصب کے ساتھ۔ تب پھر "ثُمَّ" یہ واوِ معیت کے معنی میں ہوگا اور یہ وہ واؤ ہے جو نہی کے بعد آتی ہے اور اس کے مابعد مذکور فعل منصوب ہوتا ہے جو مفرد کی تاویل میں "مَعَ" کا مضاف الیہ بنتا ہے۔ جیسے: لَا تَأْكُلِ السَّمَكَ وَ تَشْرَبُ اللَّبَنَ کہ یہاں مذکورہ واؤ واوِ معیت ہے جو نہی کے بعد آیا ہے اور اس کے مابعد مذکور فعل منصوب ہے اور مطلب یہ ہوگا کہ مچھلی کو دودھ پینے کے ساتھ مت کھاؤ۔'' اس توجیہ کی بنیاد پر مذکورہ "ثُمَّ" واوِ معیت کے معنی میں ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ کھڑے پانی میں پیشاب کرنے اور اسی میں غسل کرنے کو جمع نہ کرو۔

(3) رفع کے ساتھ۔ تب پھر نہی صرف پیشاب کے مسئلہ سے متعلق ہوگی اور "يَغْتَسِلُ فِيهِ" یہ جملہ استینافیہ ہوگیا۔ جس کا "ثُمَّ" کے ذریعے "لَا يَبُولَنَّ" پر محض عطف ہوگا۔ تب پھر مطلب یہ ہوگا کہ یہ ایک بدترین بات ہے کہ آدمی پہلے ایک پانی میں پیشاب کرے پھر اسی میں نہانے بھی چلے۔ بلاشبہ یہ بات فطرت سلیمہ پر از حد گراں ہے۔

بظاہر اس لفظ کے زیادہ صحیح اعراب وہی ہیں جو پہلی صورت میں بیان ہوئے، تب پھر یہاں انہی دو باتوں کی ممانعت مراد ہوگی جو اوپر مذکور ہوئی ہیں۔

⊙ ...... صحیح مسلم کی روایت میں "منه" کا لفظ اغتراف پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی جس پانی میں پیشاب کیا ہو اس کو لے کر نہانا بھی منع ہے چہ جائیکہ اس میں اتر کر نہایا جائے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت کا لفظ "فيه" انغماس یعنی ایسے پانی میں اتر کر نہانے کی ممانعت کو بیان کرتا ہے۔

⊙ ...... ابوداؤد کی روایت صحیح بخاری کی روایت کے موافق ہے۔ البتہ یہ روایت صحیح بخاری کی روایت کو مقید کر دیتی ہے۔ تب پھر اصل میں یہ روایت صحیح مسلم کی اس روایت کے موافق ہے: لَا يَغْتَسِلُ اَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَ هُوَ جُنُبٌ. واللہ اعلم۔ اب ذیل میں اس حدیث سے مستفاد ہونے والے فوائد ملاحظہ فرمائیے!

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ کھڑے پانی میں پیشاب کرنے کے بعد اس میں نہانے کی ممانعت سے یہ معلوم ہوا کہ ماءِ غیر دائم میں یعنی جاری پانی میں پیشاب کرنا جائز ہے۔

◈ البتہ جاری پانی میں تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ اگر تو وہ پانی کسی کے پاس سے گزرتے ہوئے اسے آلودہ نہیں کرتا تو ایسے جاری پانی میں پیشاب کرنا جائز ہوگا کہ اس میں کسی کا ضرر نہیں اور اگر وہ پانی آگے کسی کے کھانے پینے کے استعمال میں آ رہا ہے تو ایسے پانی کے جاری ہونے کے باوجود اس میں پیشاب کرنا منع ہوگا۔ البتہ اگر وہ جاری پانی اس قدر زیادہ ہو کہ پیشاب کے اثرات اس میں فنا ہو جاتے ہیں تو ایسے جاری پانی میں پیشاب کر سکتے ہیں چاہے آگے وہ کسی کے طعام و

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شراب میں ہی کیوں نہ استعمال ہو رہا ہو۔

- ماءِ دائم میں غسل جنابت کرنے سے جنابت کے رفع ہونے یا نہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ جن کے نزدیک یہ نہی تحریم کے لیے اور غسل کی نہی کے لیے ہے تو ان کے نزدیک جنابت رفع نہ ہوگی کیونکہ منہی عنہ کے ارتکاب سے حکم کا اثبات نہیں ہوتا اور جن کے نزدیک یہ نہی کراہت کے لیے ہے، تو ان کے نزدیک یہ جنابت رفع ہو جائے گی کیونکہ اس نے کسی حرام کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ ایک فعلِ مکروہ کیا ہے جو مکروہِ تنزیہی ہے نا کہ تحریمی۔ لہٰذا اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا۔
- جب کھڑے پانی میں پیشاب کرنا منع ہے تو براز کرنا بدرجۂ اولیٰ منع اور حرام ہوگا۔ داؤدی ظاہری اپنی ظاہریت کا نہایت برا مظاہرہ کرتے ہوئے اس بنا پر اسے جائز قرار دیتے ہیں کہ ظاہر حدیث میں صرف بول کا لفظ ہے نہ کہ براز کا، لہٰذا براز کرنا جائز ہوگا۔ لیکن اس قول کی شناعت سب پر واضح ہے۔ دوسرے بول پانی میں مل کر اپنا وجود کھو دیتا ہے جبکہ براز کا مادہ باقی رہتا ہے جو از حد نفرت کا سبب بنتا ہے اور اس کے مشاہدہ سے نظر بچانا بھی ممکن نہیں ہوتا۔ پس صحیح یہی ہے کہ ماءِ دائم میں براز کرنا حرام ہے۔ یہی جمہور کا مسلک ہے۔
- اسی طرح کسی برتن میں پیشاب کر کے اسے ماءِ دائم میں انڈیلنا بھی حرام اور ممنوع ہوگا۔ بخلاف ظاہریہ کے کہ وہ اس فعل کو اس لیے جائز قرار دیتے ہیں کہ ظاہر حدیث میں ماءِ دائم میں مباشرۃً پیشاب کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ لہٰذا برتن کے پیشاب کو کھڑے پانی میں انڈیلنا اس نہی کے تحت داخل نہ ہوگا۔ لیکن درست یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں اور مذکورہ نہی ان دونوں صورتوں کو شامل ہے۔
- غرض خلاصہ یہ ہے کہ ماءِ دائم میں بول و براز کرنا حرام ہے کہ فطرت سلیمہ اس سے بے حد گھن کھاتی ہے۔ الا یہ کہ ماءِ دائم بے حد بڑی مقدار میں ہو جس میں گرنے والی نجاست اس پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہوگا کیونکہ مدینہ نبویہ اور اس کے گرد و نواح میں ایسی وادیاں نہ تھیں جن میں قدرتی بڑے بڑے تالاب ہوتے ہیں اور اس حکم میں پیشاب پانی میں کرنے یا کر کے گرانے میں کوئی فرق نہیں، اسی طرح ایسے پانی میں داخل ہو کر یا اس سے پانی لے کر نہانے کا حکم بھی ایک ہی ہے کہ یہ حرام ہے اور پیشاب والے پانی سے جنابت رفع بھی نہیں ہوتی۔

میاں بیوی کا ایک دوسرے کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرنا

6- وَعَنْ رَجُلٍ صَحِبَ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ تَغْتَسِلَ الْمَرْأَةُ بِفَضْلِ الرَّجُلِ، أَوِ الرَّجُلُ بِفَضْلِ الْمَرْأَةِ، وَلْيَغْتَرِفَا جَمِيْعًا))

نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ ”عورت مرد کے (یعنی اپنے خاوند کے غسل جنابت سے) بچے ہوئے (پانی) سے یا مرد (اپنی) عورت کے (غسلِ جنابت سے) بچے ہوئے (پانی) سے غسل کرے اور چاہیے کہ وہ دونوں (غسل کے لیے) اکٹھے پانی لیں۔“ ❶

❶ سنن ابی داود: 81- سنن النسائی: 130/1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ”فتح الباری“ (300/1) میں لکھتے ہیں: ”اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں اور جس نے اس حدیث کو معلول کہا ہے مجھے اس کی کوئی قوی دلیل نہیں ملی۔“ امام نووی رحمہ اللہ ”المجموع“ (222/2) میں فرماتے ہیں: اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَخْرَجَهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ. اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

شرح: ...... نہی کی اصطلاحی تعریف: ...... ''نہی یہ مخصوص الفاظ (صیغوں) کے ذریعہ استعلاء کے طور پر کسی کو کسی کام سے روکنے کے طلب کرنے کو کہتے ہیں۔'' نہی کے مخصوص صیغے اہل علم کے ہاں معروف ہیں۔

نبی کریم ﷺ سے نہی روایت کرنے کا حکم

جب ایک صحابی یہ بیان کرے کہ ''نبی کریم ﷺ نے فلاں فلاں بات سے منع فرمایا۔'' تو کیا ہم اس کو نہی کا صیغۂ صریحہ نہیں کہیں گے یا صیغۂ صریحہ کے حکم میں کہیں گے؟ تو بظاہر دوسرا قول صحیح ہے کہ ہم اسے نہی کے صریح صیغوں کے حکم میں شمار کریں گے۔ کیونکہ ''نَهٰی'' کا کلمہ ''لَا تَفْعَلْ'' کے صیغہ کے جیسا نہیں۔ چونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے ارشادات کی مراد کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے، اس لیے کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی یہ تعبیر صریح نہی کے حکم میں داخل ہوگی اور یہ قول ممتنع ہوگا کہ ہوسکتا ہے کہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کی مراد کے سمجھنے میں خطا ہوئی ہو، کیونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہی کے صیغوں کو اور نبی کریم ﷺ کی مراد کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی امانت و دیانت سے یہ امر از حد بعید ہے کہ وہ اس لفظ کا اطلاق صریح نہی کے سمجھے بغیر بلا تامل کسی امر پر کر دیں۔

صحابی کی تعریف

اس پر کتاب کے مقدمہ میں مفصل کلام کیا جا چکا ہے اور وہاں یہ بھی بتلایا جا چکا ہے کہ صحابیٔ رسول ﷺ کے نام کی جہالت صحت حدیث میں قدح نہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب عدول، حجت، ثقہ اور معتبر و معتمد ہیں۔

خاوند بیوی کے غسلِ جنابت میں موردِ نہی کی تعیین اور غسل کرنے کی تادیب

مذکورہ حدیث میں دراصل اس بات کی ممانعت بیان کی جارہی ہے کہ خاوند نہانے کے بعد اس جگہ سے الگ ہو جائے، پھر بیوی وہاں آ کر نہائے یا اس کے برعکس صورت ہو کہ یہ منع ہے کہ اس صورت میں دونوں پر یہ بات صادق آئے گی کہ ہر ایک نے دوسرے کے بچے ہوئے پانی سے غسل کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس کے بعد اس سے بہتر صورت کی طرف راہنمائی فرمائی ہے وہ یہ کہ وہ دونوں اکٹھے غسل کریں اور پانی کو اکٹھا لیں۔ چنانچہ آپ ﷺ خود بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے کہ ایک تو یہ زوجین کے درمیان الفت کی زیادتی کا باعث ہے دوسرے اس میں پانی بھی کم استعمال ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ یہاں مرد اور عورت سے خاوند بیوی مراد ہیں نہ کہ اجنبی مرد اور عورت۔

وَلْيَغْتَرِفَا: اس میں ''ل'' امر کا ہے نا کہ تعلیل کا اور تثنیہ کی ضمیر مرد اور عورت کی طرف لوٹ رہی ہے۔ لامِ امر اور لامِ تعلیل کے درمیان فرق کے لیے کتبِ نحو کی مراجعت کی جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ نبی کریم ﷺ ہمیشہ امت کی مصلحت کی طرف راہنمائی فرماتے تھے حتیٰ کہ شرم و حیا کے امور میں بھی مصلحت کی تلقین فرماتے تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- خاوند بیوی کا اکٹھے غسل کرنا اولیٰ ہے۔
- خاوند بیوی ایک دوسرے کے ننگے بدن کو دیکھ سکتے ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے۔ لہٰذا خاوند بیوی ایک دوسرے کے سامنے ننگے ہو سکتے ہیں۔ رہی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کہ ''نہ میں نے رسول اللہ ﷺ (کی شرم گاہ) کو دیکھا اور نہ آپ ﷺ نے مجھ سے دیکھا۔'' ❶ تو یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔
- زوجین کو ایسے امور کا التزام کرنا چاہیے جو باہمی محبت و مودت میں زیادتی کا باعث بنیں اور جن سے ایک دوسرے کو کلفت واذیت نہ ہو۔
- جن لوگوں نے عورت کے بچے ہوئے پانی سے حدث کے رفع نہ ہونے کا کہا ہے اور اس کے لیے متعدد شرطیں بھی ذکر کی ہیں، تو وہ قول بالکل بے اصل ہے۔ ان حضرات کے قول کی اصل مذکورہ نہی ہے۔ تو یاد رہے کہ مذکورہ نہی توجیہ وارشاد کے باب سے ہے نا کہ تحریم کے باب سے ہے، اسی لیے بعد میں نبی کریم ﷺ نے اس سے بہتر صورت کی طرف راہنمائی فرمائی۔

7- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَغْتَسِلُ بِفَضْلِ مَيْمُونَةَ رضی اللہ عنہا)).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ''نبی کریم ﷺ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے (غسل سے) بچے ہوئے (پانی) سے غسل فرمایا کرتے تھے۔'' ❷

أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

وَلِأَصْحَابِ السُّنَنِ: ((اغْتَسَلَ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ فِي جَفْنَةٍ، فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ لِيَغْتَسِلَ مِنْهَا، فَقَالَتْ: إِنِّي كُنْتُ جُنُبًا، فَقَالَ: إِنَّ الْمَاءَ لَا يَجْنُبُ)).

اور اصحابِ سنن کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ایک زوجۂ مطہرہ نے ایک (لگن جیسے) بڑے برتن میں (پانی لے کر اس سے) غسل کیا۔ پس نبی کریم ﷺ اس (لگن جیسے) برتن (کے پانی) سے غسل کرنے کے لیے تشریف لائے تو ان زوجۂ مطہرہ نے عرض کیا: میں تو جنبی تھی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''(کسی جنبی کے غسل کر لینے سے) پانی جنبی نہیں ہو جاتا۔'' ❸

وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ.

اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

---

❶ مسند احمد: 63/6- سنن ابن ماجه: 662- شمائل الترمذي: 360- ان تینوں حضرات نے یہ حدیث موسی بن عبدالله بن يزيد الخطمي عن مولى لعائشة عن عائشة کے طریق سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے: مَا رَأَيْتُ فَرْجَ رَسُوْلِ اللّٰهِ . سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''میں نے نبی کریم ﷺ کی شرم گاہ کو نہیں دیکھا۔'' اس حدیث کی اسناد میں سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والا راوی مجہول ہے جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں۔ رہے وہ الفاظ جن کو شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے، تو وہ مجھے نہیں ملے۔ (محقق)

❷ صحيح مسلم: 323.

❸ سنن ابی داود: 68- جامع الترمذي: 65- سنن ابن ماجه: 370- صحيح ابن خزيمة: 109- مسند احمد: 284/1- امام ترمذی نے اس کو حسن اور صحیح کہا ہے۔ امام ابن خزیمہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ علامہ ہیثمی ''مجمع الزوائد'' (213/1) میں کہتے ہیں: اس کے رجال ثقہ ہیں۔ امام نووی نے ''المجموع'' (220/2) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غريب الحديث :......جَفْنَةٌ: یہ بڑے پیالے اور ڈونگے کو کہتے ہیں اس کی جمع جِفَانٌ ، جِفَنٌ اور جَفْنَاتٌ آتی ہے۔ ❶ قرآنِ کریم میں اس کی جمع جِفَانٌ آئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ﴾ (سبا: 13)

''اور حوضوں جیسے لگن اور ایک جگہ جمی ہوئی دیگیں۔''

غرض جفنه اس بڑے برتن کو کہتے ہیں جس میں متعدد لوگوں کا کھانا رکھ کر پیش کیا جاتا ہے۔

مصطلح الحديث :......اصحاب السنن :......اس سے ائمہ اربعہ امام ابوداود، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ مراد ہیں۔ رہا یہ سوال کہ آیا اس قدر بات کہہ دینے سے کہ ''اس حدیث کو اصحاب سنن نے روایت کیا ہے'' یہ مراد ہوتی ہے کہ یہ چاروں ائمہ ان الفاظ پر بھی متفق ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امر تتبع اور چھان بین کا محتاج ہے۔ چنانچہ بسا اوقات روایت کرنے والے امام صرف ایک ہوتے ہیں لیکن اس کی تعبیر ان الفاظ سے کر دی جاتی ہے:

- یہ حدیث ''سنن'' میں آئی ہے۔
- ...... یہ اصحابِ سنن کی روایت ہے۔
- اسے اہلِ سنن نے روایت کیا ہے، وغیرہ۔

تب پھر اس تعبیر سے مراد ''مجموع'' ہو گا نہ کہ جمیع۔ یعنی یہ تعبیر من حیث المجموع ہو گی نہ کہ یہ مراد ہو گی کہ اسے اصحابِ سنن میں سے چاروں نے روایت کیا ہے۔

عورت کے بچے پانی سے نہانے کا حکم

اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ خاوند بیوی کے بچے ہوئے پانی سے غسل کر سکتا ہے۔ اب نامعلوم صحابی کی گزشتہ مذکورہ حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ خاوند بیوی کے بچے ہوئے پانی سے غسل نہ کرے۔ جبکہ صحیح مسلم کی یہ روایت اس کی اباحت و اجازت کو بتلاتی ہے۔ اس لیے اولیٰ یہ ہے کہ ہم ان دونوں حدیثوں میں فرق یوں بیان کریں کہ عورت خاوند کے بچے ہوئے پانی سے غسل نہ کرے کیونکہ اس حکم کی تخصیص کرنے والا کوئی امر مذکور نہیں۔ جبکہ مرد بیوی کے بچے ہوئے پانی سے غسل کر سکتا ہے کیونکہ صحیح مسلم کی مذکورہ روایت گزشتہ ذکر کردہ حکم کی مُخَصِّص ہے اور یہی راجح قول ہے جو واضح ہے جس میں کوئی اشکال نہیں۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے بچے ہوئے پانی سے غسل فرما لیا کرتے تھے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مذکورہ اصحاب سنن کی روایت بتلاتی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی متعدد ازواج تھیں۔ آپ ﷺ کا تعددِ ازدواج عورتوں سے لذت کے حصول اور خواہشِ نفس کے پورا کرنے کے لیے نہ تھا کیونکہ آپ ﷺ کی جملہ ازواجِ مطہرات سوائے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پہلے سے شادی شدہ تھیں۔ صرف سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بوقت نکاح کنواری تھیں۔ اگر بقول ان اعدائے دین کے...... ان کے منہ میں خاک...... کہ آپ ﷺ کا تعددِ ازدواج حصولِ لذت کے لیے تھا تو آپ ﷺ عرب خاندانوں سے کنواری عورتوں کو چن چن کر عقدِ نکاح میں لے آتے۔ آپ ﷺ کا تعددِ

❶ اس کی تصویر کے لیے دیکھیں: المنجد العربی فی اللغة، ص: 91. (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ازدواج سے مقصود اشاعتِ دین تھا۔ چنانچہ یہ سب ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اپنے اپنے خاندانوں اور متعلقین کو نبی کریم ﷺ کی خلوت کی اور خانگی زندگی کے ان پہلوؤں اور گوشوں سے متعارف کرواتی تھیں جن پر کوئی دوسرا مطلع نہ ہوسکتا تھا۔ جیسا کہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کے غسل کی بابت اپنے سگے بھانجے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو مطلع فرمایا۔ غرض تعددِ ازدواج کا عظیم ترین فائدہ یہ تھا کہ امت مسلمہ کو علومِ نبوت کا ایک بے حد کثیر اور عظیم حصہ انہی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی بدولت حاصل ہوا تھا اور جیسے جیسے ازواجِ مطہرات کی تعداد بڑھتی گئی یہ علم بھی بڑھتا گیا۔

- علم کی اشاعت کی خاطر مبنی برحیا باتیں بھی دوسروں کو بیان کی جاسکتی ہیں اور ایسی باتوں سے دوسروں کو آگاہ کرنا افشائے راز کے ضمن میں داخل نہیں۔
- نبی کریم ﷺ بے حد متواضع تھے حتیٰ کہ اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے بچے پانی سے بھی غسل فرمالیا کرتے تھے۔
- اصحاب سنن کی روایت میں اس بات کی تعیین نہیں کہ یہ زوجۂ رسول ﷺ کون تھیں؟ سیدہ میمونہ، سیدہ ام سلمہ، سیدہ عائشہ یا کوئی اور رضی اللہ عنہن۔ تو گزشتہ میں یہ بات ذکر کی جاچکی ہے کہ صحابی کے نام کی جہالت حکم کے بیان اور صحتِ حدیث میں مؤثر و مضر نہیں۔
- جنبی کا ظاہری بدن پاک ہوتا ہے بشرطیکہ اس پر نجاست نہ لگی ہوئی ہو، لیکن جنبی کی ناپاکی معنوی ہے۔ لہٰذا جنبی کے اغترافِ ماء سے (ہاتھ ڈال کر پانی لینے سے) پانی ناپاک اور متاثر نہیں ہوجاتا۔
- فعل کے ذکر کے بغیر صرف علت کے ذکر پر بھی اقتصار کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا تھا کہ ''میں جنبی تھی۔'' اس کی تقدیری عبارت یہ ہے کہ ''میں نے اس پانی سے غسل کیا ہے جبکہ میں جنابت کے ساتھ تھی۔''
- جنبی کے ماءِ قلیل کو استعمال کرنے سے اس کی طہوریت ختم نہیں ہوجاتی جیسا کہ اس بات کو بارہا ذکر کیا جاچکا ہے۔
- نبی کریم ﷺ کی حسنِ تعلیم کہ آپ ﷺ نے حکم کو بیان کرنے کے لیے علت کو بیان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ''پانی جنابت والا نہیں ہوجاتا۔'' یعنی پانی پاک رہتا ہے۔
- سوال کے جواب میں مخاطب کے اسلوب کو اختیار کرسکتے ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اس بات کے جواب میں کہ ''میں جنابت کے ساتھ تھی'' یہ ارشاد فرمایا کہ ''پانی جنابت والا نہیں ہوجاتا۔''
- خلاصہ یہ ہے کہ مرد کا بیوی کے بچے پانی سے غسل کرلینے کا جواز اور بیوی کا خاوند کے بچے پانی سے غسل نہ کرنا اولویت کے باب سے ہے۔ اس لیے افضل یہ ہے کہ دونوں اکٹھے غسل کریں۔

کتے کے برتن میں منہ مار جانے [1] کا بیان

8- وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((طُهُوْرُ إِنَاءِ أَحَدِكُمْ إِذَا وَلَغَ فِيْهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب کتا تم میں سے کسی کے برتن

[1] وُلُوْغُ الْكَلْبِ فِي الْإِنَاءِ: درندے یا کتے کا برتن میں منہ ڈال کر زبان ہلانا یا زبان کے کنارے سے برتن میں منہ ڈال کر پینا۔ (القاموس الوحید، ص: 1898) (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْكَلْبُ أَنْ يَغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ ، أُوْلَاهُنَّ بِالتُّرَابِ)).

میں منہ مار جائے تو اس کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس برتن کو سات مرتبہ دھوئے جن میں سے پہلی بار مٹی کے ساتھ (برتن کو مانجھنا) ہو۔'' ❶

أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ ، وَفِي لَفْظٍ لَّهُ " فَلْيُرِقْهُ".

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے اور صحیح مسلم کی ایک روایت کے یہ الفاظ (بھی) ہیں: ''تو اس کو گرادے۔'' (پھر سات بار دھوئے)

وَلِلتِّرْمِذِيِّ: "أُخْرَاهُنَّ ، أَوْ أُوْلَاهُنَّ" .

اور امام ترمذی (کی روایت) کے الفاظ یہ ہیں: ''جن میں آخری یا پہلی بار (مٹی کے ساتھ برتن کا مانجھنا ہو)۔'' ❷

غریب الحدیث :......طُهُورُ: طہور کی طا پر اعراب کے اختلاف کے اعتبار سے اس کے معانی کا اختلاف قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔

اِنَاءُ: یہ ہر اس برتن کو کہتے ہیں جس کو خاص کھانے پینے میں استعمال کیا جاتا ہے۔

وَلَغَ: یہ وُلُوْغٌ سے ہے۔ ولوغ زبان کی کروٹ سے پینے کو کہتے ہیں۔ عموماً کتے، بلیاں اور دیگر درندے اسی طرح پانی پیتے ہیں کہ وہ اپنی زبان کو پانی میں ڈال کر بل دیتے ہیں جس سے ایک چلو سا بن جاتا ہے، پھر اس میں آ جانے والے پانی کو زبان کھینچ کر حلق میں لے جاتے ہیں۔

اَنْ يَغْسِلَهُ: یہ "اَنْ" ناصبہ ہے جو فعل مضارع پر داخل ہو کر اسے مصدر کی تاویل میں کر دیتا ہے۔ تب پھر وہ مصدر مؤول مبتدا یا خبر بنتا ہے۔ مذکورہ حدیث میں یہ "طُهُوْرُ" مبتدا کی خبر ہے جیسا کہ اس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ (البقرة: 184) میں اَن مابعد مصدر کی تاویل میں مبتدا ہے۔

فِيْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ: یہ اضافت بیان کے لیے ہے نہ کہ تخصیص کے لیے۔ لہٰذا یہ حکم ہر برتن کو شامل ہوگا جس میں کتا منہ مار جائے چاہے وہ برتن کسی کا بھی ہو۔

اسنادی بحث :......امام موصوف رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کی تخریج میں اسے مسلم کی روایت کہا ہے حالانکہ واقع یہ ہے کہ اس روایت کو امام بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔ بسا اوقات روایت کے لفظ مسلم کے ہوتے ہیں، اس لیے "اَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ" کہہ دیتے ہیں۔

متن کی بحث :......مذکورہ روایت میں "اِذَا وَلَغَ" کے الفاظ آئے ہیں، جبکہ ایک روایت میں اِذَا شَرِبَ کے الفاظ آئے ہیں۔ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے کیونکہ کتے کا پانی پینا "ولوغ" کو مستلزم ہے۔ ایک روایت میں "فَلْيُرِقْهُ" کے الفاظ بھی ہیں۔ یعنی برتن دھونے سے قبل اس کا وہ پانی گرادے جس میں کتا منہ مار گیا تھا، پھر برتن دھوئے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگرچہ یہ الفاظ نبی کریم ﷺ سے صحت سند کے ساتھ ثابت نہیں لیکن معنی کے اعتبار سے صحیح ہیں کیونکہ اس گندے پانی کو گرائے بغیر برتن کا دھونا ممکن نہیں۔

جامع ترمذی میں "أُخْرَاهُنَّ اَوْ أُوْلَاهُنَّ" کے الفاظ آئے ہیں جو شک کے ساتھ ہیں۔ یعنی راوی کو شک ہے کہ برتن

❶ صحيح البخاري: 172- صحيح مسلم: 279. ❷ جامع الترمذي: 91- المجموع: 535/2.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو مٹی کے ساتھ مانجھنا اور اُجالنا پہلی بار میں ہو گا یا آخری بار میں۔ پس اگر تو یہ "اَوْ" شک کے لیے ہے تو اس روایت کو صحیح مسلم کی اس روایت پر محمول کیا جائے گا جو بغیر شک کے ہے۔ لہٰذا پہلی بار میں مٹی سے مانجھنا ہو گا۔ کیونکہ ایک تو مسلم کی روایت اصح ہے، دوسرے بغیر شک کے ہے۔ لہٰذا مشابہ کو محکم پر حمل کیا جائے گا۔ یا پھر یہ "اَوْ" تخییر یا تنویع کے لیے ہے اور یہ توجیہ اس "اَوْ" کو شک پر محمول کرنے سے بہتر ہو گی کیونکہ اس میں راوی کے حافظہ پر قدح بنتی ہے اور اَوْ کی بابت یہ قاعدہ معروف ہے کہ جب اس کے شک کے لیے ہونے میں، یا تخییر و تنویع کے لیے ہونے میں تردد ہو تو اسے تخییر پر محمول کرنا اولیٰ ہوتا ہے۔

کتے کا جھوٹا ناپاک ہے

مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کتا پانی میں منہ مار دے تو وہ پانی سخت نجس ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ برتن بھی اتنا ہی نجس ہو جاتا ہے جتنا کہ وہ پانی ہوا ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک تو اس پانی کو گرا دیا جائے گا، دوسرے اس برتن کو سات مرتبہ دھو کر پاک کیا جائے گا۔ جس میں پہلی مرتبہ برتن کو مٹی سے مانجھا جائے گا۔ کیونکہ صحیح مسلم کی اصح روایت میں جو شک سے خالی ہے برتن کو پہلی مرتبہ مٹی سے مانجھنے کا ذکر ہے اور معنی کے اعتبار سے بھی یہی صحیح ہے۔ کیونکہ پہلی بار مٹی سے مانجھنے سے نجاست میں تخفیف پیدا ہو جاتی ہے۔

حدیث کی باب سے مناسبت

بظاہر اس حدیث میں ازالۂ نجاست کا ذکر ہے۔ اس لیے اسے "باب ازالة النجاسة" میں لانا زیادہ مناسب تھا۔ لیکن حدیث کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ اگر کتا ماءِ قلیل میں منہ مار جائے تو وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے چاہے وہ متغیر نہ بھی ہوا ہو، لہٰذا اس پانی کے عبادات وغیرہ میں استعمال سے اجتناب واجب ہو گا۔ کیونکہ جب اس برتن کا پاک کرنا واجب ہے جو اس پانی سے متلوث ہو جاتا ہے تو خود اس پانی کا نجس ہونا بدرجۂ اولیٰ ہو گا۔ اسی مناسبت سے امام موصوف اس حدیث کو مذکورہ باب کے تحت لے آئے ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- کتا نجس ہے کہ جب اس کے جھوٹے میں نجاست کی اس قدر شدت ہے تو خود کتا کتنا نجس ہو گا، پس کتے کے نجس ہونے پر اجماع ہے لہٰذا جو لوگ کتے کے طاہر ہونے کے قائل ہیں مذکورہ حدیث ان پر صریح حجت ہے۔ [1]
- کتے کے شکار کیے جانور کی اس جگہ کو سات مرتبہ دھونا لازم ہو گا جہاں کتے نے منہ مارا ہو، کیونکہ یہ بھی ولوغ کے مصداق میں داخل ہے۔ بلکہ یہ ولوغ سے بھی اشد ہے کیونکہ شکار میں کتا شکار کے بدن میں اپنے دانت گاڑتا ہے جس سے اس کا لعاب شکار کے گوشت میں سرایت کر جاتا ہے۔ لیکن چونکہ دورِ نبوی میں لوگوں کے کتے کے ذریعے شکار کرنے کی عادت کے باوجود کسی روایت میں کتے کے شکار کے مجروح حصہ کو سات بار دھونے کا ذکر نہیں ملتا، اس لیے علماء کا اس جزئیے کے وجوب یا عدمِ وجوب میں اختلاف ہے۔ چنانچہ صاحب "بداية المجتهد" مجروح حصہ کے سات بار دھونے کے وجوب کی طرف گئے ہیں۔ [2] لیکن راجح اور معتدل قول مجروح حصہ کے غسل کے عدمِ وجوب کا ہے۔ لہٰذا یہ معاف ہو گا۔

---

[1] کتے کے طاہر ہونے کے قائل علماء میں سے ایک امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب بھی ہیں۔ (دیکھیں: التمهيد: 269/18۔ مواهب الجليل: 175/1) علامہ سبکی نے "الابهاج" (335/1) میں اس قول کے بطلان کو واضح کر کے اس کا مفصل رد کیا ہے۔

[2] بداية المجتهد لابن رشد: 21/1۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے وجوب کے قول میں ضرر ہے جو مرفوع ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مختار قول بھی عدمِ وجوب کا ہے۔

◈ جو حکم کتے کا جھوٹے کا ہے، وہی اس کے پیشاب کا بھی ہے۔ کیونکہ پیشاب کی نجاست بہر حال منہ کے لعاب کی بہ نسبت اشد ہے لہٰذا پیشاب لگنے سے بدرجۂ اولیٰ سات مرتبہ دھونے کا حکم ہوگا۔ ظاہریہ نے ولوغ کے الفاظ کو لے کر یہ حکم صرف دلوغ کے ساتھ خاص کیا ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک کتے کے پیشاب کا حکم دیگر نجاستوں جیسا ہے جن میں تین بار دھونا کافی ہے۔ یہی حکم اہلِ قیاس کے نزدیک بھی ہے۔ وہ اس کی یہ تعلیل بیان کرتے ہیں کہ دورِ نبوی میں کتے مسجد نبوی میں آتے جاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی یہ بات جانتے تھے کہ کتے لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ پر پیشاب کر دیتے ہیں لیکن پھر بھی آپ ﷺ نے اس امر پر متنبہ نہ فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ کتے کا پیشاب دیگر نجاستوں جیسا ہے۔ جبکہ یہ حضرات اس قول کی ایک طبی تعلیل بھی بیان کرتے ہیں، وہ یہ کہ کتے کے لعاب میں جو مضر جراثیم پائے جاتے ہیں وہ اس کے پیشاب میں نہیں ہوتے۔ اس لیے تطہیر کے باب میں لعاب کا حکم پیشاب کے حکم سے اشد ہے۔

میرے نزدیک یہ مسئلہ ترجیحی اور نسبتی ہے۔ لہٰذا اگر تو کتے کے پیشاب کی قذارت وقباحت کو دیکھیں جو لعاب سے اشد ہے تو پیشاب کا حکم بھی یہی نظر آتا ہے اور یہی جمہور کا قول بھی ہے۔ لیکن جب ہم دور نبوی میں کتوں کے پیشاب اور لید پر نظر ڈالیں کہ ان کے کثرتِ وقوع کے باوجود آپ ﷺ نے ان کی تطہیر کی بابت سات مرتبہ دھونے کا حکم نہیں دیا تو راجح قول ان کا نظر آتا ہے جو اس حکم کو کتے کے لعاب تک محدود رکھتے ہیں۔ لیکن دلائل کے تعارض کے وقت احوط پر عمل اولیٰ ہوتا ہے۔ لہٰذا اولیٰ یہ ہے کہ لعاب اور پیشاب دونوں کی تطہیر کا حکم ایک ہو۔

◈ کتے کے برتن میں منہ مار کر جانے کے بعد برتن کو سات مرتبہ دھونا واجب جبکہ پہلی مرتبہ میں مٹی سے مانجھنا واجب ہوتا ہے۔ رہا مٹی کے علاوہ کا جیسے صابون [یا پاؤڈر] کا استعمال کہ آیا وہ کافی ہوتا ہے یا نہیں؟ تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک غیر تُراب تراب کا قائم مقام نہیں بن سکتی کیونکہ حدیث میں ''تراب'' کی نص آ گئی ہے۔ دوسرے اس کا حصول آسان بھی ہے۔ جبکہ دوسروں کے نزدیک اگر تراب کا غیر تطہیر اور تنظیف میں تراب کے مثل یا اس سے بھی اشد ہو تو وہ تراب کا قائم مقام بن سکتا ہے۔ کیونکہ مقصود نجاست کا ازالہ ہے چاہے جس شے کے ذریعے ہو۔ لیکن بہر حال نص کی اتباع اولیٰ ہے۔ الحمد للہ!!!

◈ ولوغِ کلب کے باب میں جو حکم برتن کا ہے وہی دیگر اشیاء جیسے کپڑے، غالیچے وغیرہ کا بھی ہے۔ لہٰذا اگر کتا کسی کے کپڑے چاٹے تو ان کو سات مرتبہ پاک کیا جائے گا اور مٹی کے علاوہ صابون وغیرہ میسر آ جائے تو پہلی مرتبہ میں اس سے پاک کیا جائے گا۔

◈ جو حکم کلب غیر مالوف یعنی آوارہ کتوں کا ہے، وہی حکم شکاری، محافظ اور پالتو کتوں کا بھی ہے۔ جن لوگوں نے شکاری، محافظ اور پالتو کتوں کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا ہے ان کا قول ضعیف ہے۔ [1] کیونکہ لوگوں کا بہ نسبت آوارہ کتوں کے پالتو کتوں کے ساتھ اختلاط زیادہ ہوتا ہے۔ لہٰذا کلامِ رسول ﷺ کو کثیر چھوڑ کر قلیل پر محمول کرنا خطا ہے۔

◈ اس حکم میں ہر عمر کا اور ہر قسم کا کتا داخل ہے۔ چاہے کالا ہو یا سفید۔ کیونکہ لفظ ''اَلْکَلْب'' میں عموم ہے۔

---

[1] دیکھیں حاشیة البیجرمی: 104/1۔ حاشیة ابن عابدین: 226/1.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- نجاستِ کلب کی تطہیر میں سات مرتبہ کا حکم جن میں ایک مرتبہ مٹی سے تطہیر ہوگی، حکم تعبدی ہے۔لہٰذا خنزیر کی نجاست کو کتے کی نجاست پر یہ کہہ کر قیاس کرنا غلط ہوگا کہ خنزیر نجاست اور دیاثت دونوں میں کتے سے بھی زیادہ قبیح ہے۔لہٰذا جو حکم کتے کا ہوگا وہی خنزیر کا بھی ہوگا۔لیکن یہ قیاس چونکہ نص کے مقابلے میں ہے لہٰذا صحیح نہ ہوگا۔
- ''اَحَدِکُمْ'' کی قید سے یہ لازم نہیں آتا کہ حکم برتن کے مالک پر ہی واجب ہے کہ جب کتا برتن میں منہ مار جائے تو اس کو پاک کرنا اس کے مالک کے ہی ذمہ ہے۔کیونکہ یہ قید اغلب کے اعتبار سے ہے۔لہٰذا اس برتن کو کوئی دوسرا بھی پاک کرسکتا ہے۔
- کتے کا کھانا حرام ہے۔کیونکہ ہر نجس شے حرام ہوتی ہے۔لہٰذا اکلِ کلب کی کراہت کا قول ضعیف ہے۔

بلی کے جھوٹے کے پاک ہونے کا بیان

9۔ وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رضی اللہ عنہ ، ((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ۔ فِي الْهِرَّةِ۔ : إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ ، إِنَّمَا هِيَ مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ)) .

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بلی (کے جھوٹے کی طہارت) کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ''بے شک بلی (کا جھوٹا) ناپاک نہیں ہے۔ یہ تو تم لوگوں کے پاس (کثرت سے) آنے جانے والوں میں سے ہے۔'' [1]

أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ .

اس حدیث کو ائمہ اربعہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

سببِ حدیث

اس حدیث کا سبب یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ گھر داخل ہوئے اور وضو کرنا چاہا۔ان کی اہلیہ نے برتن میں پانی ڈال دیا۔اتنے میں ایک بلی آ نکلی تو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے برتن کو ذرا جھکا دیا جس سے بلی برتن سے پانی پینے لگی۔حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کو اس بات پر تعجب ہوا جس کو بھانپ کر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ کو یہ حدیث سنا دی۔البتہ یاد رہے کہ اس قسم کے واقعہ کو درحقیقت سببِ حدیث نہیں بلکہ راوی کے حدیث بیان کرنے کا سبب کہتے ہیں۔

غریب الحدیث :...... ''نَجَسٌ'' (جیم کے فتح کے ساتھ) اور ''نَجِسٌ'' (جیم کے کسر کے ساتھ) میں لغوی اعتبار سے کوئی فرق نہیں، البتہ فقہائے کرام رحمہم اللہ اس میں یہ فرق بیان کرتے ہیں کہ نَجَس عینِ نجاست کو کہتے ہیں جیسے بول و براز وغیرہ جبکہ نَجِس صرف ناپاک کو کہتے ہیں خواہ وہ عینِ نجاست ہو یا کوئی پاک شے ہو جو عارضی طور پر نجاست لگ جانے سے ناپاک ہوگئی ہو۔جیسے ناپاک کپڑا۔ [2]

طَوَّافِيْنَ: هِرَّةٌ مونث ہے اس اعتبار سے اس کی جمع وصفی ''طوافات'' آنی چاہیے تھی لیکن نبی کریم ﷺ نے قرآن کریم

---

[1] سنن ابی داود: 75۔ جامع الترمذی: 92۔ سنن النسائی: 55/1 ، 178۔ سنن ابن ماجہ: 367۔ صحیح ابن خزیمۃ: 104۔ اس روایت کو متعدد حفاظِ حدیث نے صحیح کہا ہے جن میں امام نووی رحمہ اللہ بھی ہیں جنہوں نے "المجموع" (176/1) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔اس کی تفصیل کے لیے دیکھیں: (التلخیص الحبیر: 41/1)

[2] از تحفۃ الطلبۃ: 199۔ اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: شرح الوقایۃ: 70/1۔ (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ان الفاظ کی اتباع میں اس وصف کو جمع مذکر وزن پر ذکر فرمایا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿طَوَّافُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾ (النور: 58) ''تم پر کثرت سے چکر لگانے والے ہیں۔''

بلی: ایک معروف جانور ہے۔

بلی کے نام:...... بلی کے متعدد نام ہیں جیسے هِرَّةٌ، قِطَّةٌ، سِنَّوْرٌ، بَسٌ، بِسٌ وغیرہ۔علامہ دمیری رحمہ اللہ نے ''حیاۃ الحیوان'' میں بلی کے اور بھی متعدد نام ذکر کیے ہیں۔البتہ مشہور اور متداول نام ہرّہ ہی ہے۔

بلی کی تحقیق:...... تحقیقی بات یہی ہے کہ بلی کا شمار درندوں میں ہوتا ہے کیونکہ یہ اپنی کچلیوں سے شکار کو بھنبھوڑ کر کھاتی ہے۔بلی زیادہ تر چوہے، مرغیاں اور کبوتروں کا شکار کرتی ہے اور بلی گھروں میں بھی شوق سے پالی جاتی ہے۔

بلی کے جھوٹے کا حکم

نبی کریم ﷺ نے بلی کے جھوٹے کو غیر نجس یعنی طاہر فرمایا ہے۔کیونکہ ایک شے کی نفی اس کی ضد کے اثبات کو مستلزم ہوتی ہے۔جیسے دن کی نفی اس کی ضد رات کے اثبات کو مستلزم ہو گی، اسی طرح نجاست کی نفی، اس کی ضد طہارت کے اثبات کو مستلزم ہو گی۔غرض اس حدیث میں بنیادی طور پر یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر بلی کسی برتن میں منہ مار جائے تو وہ ناپاک نہیں ہو جاتا۔جس کی علت بیان کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کیونکہ یہ بلی ہمارے گھروں میں کثرت سے چکر لگاتی ہے۔علت کا بیان تعلیمات نبویہ ﷺ کے محاسن میں سے ہے کیونکہ انسان حکم کی علت سن کر مطمئن ہو جاتا ہے۔چونکہ بلی کے کثرت تردد سے بچنا سخت مشکل تھا اور اس کے جھوٹے کو نجس کہنے کے حکم میں ضرر تھا اس لیے ضرر کے دفعیہ کے لیے اس کے جھوٹے کو پاک قرار دیا گیا۔بلاشبہ یہ بات شریعتِ اسلامیہ کی حسن وخوبی میں سے ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اگر دوسرے کو کسی بات پر حیرت ہو رہی ہو تو اس کی حیرت کو رفع کر دینا چاہیے جیسا کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ کی حیرت کو دُور کرنے کے لیے مذکورہ حدیث سنائی تھی اور یہ بات نبوی مکارمِ اخلاق میں سے ہے۔
- اگرچہ بلی حرام ہے لیکن اس کا جھوٹا پاک ہے۔چاہے وہ پانی جس میں بلی نے منہ مارا ہے تھوڑا ہو یا زیادہ۔حرام جانوروں میں اصل ان کا نجس ہونا ہی ہے۔لیکن بلی کے جھوٹے کے پاک ہونے کی ایک ایسی علت پائی جاتی ہے جو دوسرے کسی جانور میں نہیں اور وہ ہے اس کا کثرتِ طواف یعنی گھروں میں زیادہ آنا جانا۔
- یہ حکم صرف بلی کے منہ اور ناک سے نکلنے والے مادوں کا ہے کہ ان کے اختلاط سے کھانے پینے کی چیزیں نجس نہیں ہو جاتیں البتہ اس کے بول و براز کا حکم دوسرے حرام جانوروں کی نجاست کا ہی ہے کہ وہ ناپاک ہیں۔
- حدیث کا یہ حکم عام ہے چاہے بلی نے کچھ حرام کھا کر پانی جھوٹا کیا ہو جیسے تھوڑی دیر پہلے ہی چوہا مار کھایا ہو اور ابھی اس کے منہ میں چوہے کے اثرات باقی ہوں کہ اس نے کسی برتن میں منہ ڈال دیا، تب بھی وہ پانی پاک شمار ہو گا اور چاہے کسی پاک شے کو کھا کر برتن میں منہ مارا ہو کہ مذکورہ حکم دونوں صورتوں کو شامل ہے۔
- فقہاء کے ہاں معروف قاعدہ ہے کہ ''مشقت تیسیر کھینچ لاتی ہے۔''[1] لہٰذا چونکہ بلی کے جھوٹے سے تحرز میں سخت مشقت

[1] الاشباہ والنظائر للسیوطی، ص: 84۔ المنثور فی القواعد للزرکشی: 161/3۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی، اس لیے اس کے جھوٹے کے حکم میں تیسیر کر دی گئی اور اسے پاک قرار دے دیا گیا۔ اس بنا پر وہ تھوڑی سی نجاست جس سے بچنا دشوار ہو وہ معاف ہوگی۔ جیسے باربرداری کے گدھوں کے پیشاب کے چھینٹے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اتنی نجاست کو مذکورہ حدیث کی تعلیل سے استدلال کرتے ہوئے معاف قرار دیا ہے۔ ❶

اس تناظر میں چوہے کا جھوٹا بھی پاک ہوگا کیونکہ وہ بھی گھروں میں کثرت سے پایا جاتا ہے اور اس سے بھی بچنا دشوار ہے۔ رہی وہ حدیث جس میں گھی میں گر کر مر جانے والے چوہے کے اردگرد کے گھی کو نجس ہونے کی وجہ سے نکال کر پھینک دینے کا حکم ہے۔ ❷ تو وہ حکم چوہے کے مردار ہو جانے کی وجہ سے ہے نہ کہ اس کے جھوٹے ہونے کی وجہ سے ہے۔ دوسرے چوہے کے مر جانے کے بعد اب وہ "طَوَّافِيْنَ" میں سے بھی نہیں رہا۔

◈ رہے وہ حرام جانور جو جثہ میں تو بلی سے چھوٹے ہیں لیکن حرام ہوتے ہیں اور وہ گھروں میں بھی کبھی کبھار آتے ہیں تو ان کا جھوٹا ناپاک ہوگا اور جن علماء نے حکم کا مدار جانور کے جثہ اور جسم پر رکھ کر ان کے جھوٹے کو پاک کہا ہے، ان کا قول ضعیف ہے۔ کیونکہ مذکورہ حدیث بلی کے جھوٹے کے پاک ہونے کی علت اس کا جثہ نہیں بتلاتی بلکہ اس سے تحرز کی مشقت کو بتلاتی ہے۔

◈ شریعتِ اسلامیہ تیسیر اور رحمت بالخلق پر مبنی ہے اسی لیے بلی کا جھوٹا پاک قرار دیا گیا۔ قرآن وسنت کے صریح دلائل دینِ اسلام کی سماحت وحنیفیت پر دلالت کرتے ہیں۔

جگہ ناپاک ہو جائے تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ

10۔ وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ : ((جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي طَائِفَةِ الْمَسْجِدِ ، فَزَجَرَهُ النَّاسُ ، فَنَهَاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ، فَلَمَّا قَضٰى بَوْلَهٗ أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِذَنُوْبٍ مِّنْ مَّاءٍ فَأُهْرِيقَ عَلَيْهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ایک دیہاتی آیا اور وہ مسجد کے ایک گوشے میں پیشاب کرنے لگا۔ جس پر لوگ اس کی سرزنش کرنے لگے۔ تو نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو (ایسا کرنے سے) روکا۔ پس جب وہ پیشاب کر چکا تو نبی کریم ﷺ نے (پیشاب پر) پانی کے ایک ڈول (بہا دینے) کا حکم ارشاد فرمایا۔ چنانچہ اس پیشاب پر پانی بہا دیا گیا۔ ❸

یہ حدیث "متفق علیہ" ہے۔

غریب الحدیث :...... **اَلْاَعْرَابِیُّ**: یہ دیہات کے رہنے والے کو کہتے ہیں۔ چونکہ پہلے زمانوں میں شہریوں کے ساتھ دیہاتیوں کا اختلاط بے حد کم تھا اس لیے ان پر جہل کا غلبہ رہتا تھا۔ کچھ ایسا ہی حال مذکورہ حدیث کے اس دیہاتی کا بھی تھا۔

دیہاتیوں کی عادات

دیہاتیوں کو جب بھی حاجت ہوتی ہے تو وہ جہاں جی چاہے بیٹھ کر قضائے حاجت کر لیتے ہیں۔ اسی بنا پر مذکورہ دیہاتی نے مسجد کے ایک کونے میں حاضرین کی موجودگی میں پیشاب کرنا شروع کر دیا تھا۔

---

❶ الفتاوى المجموع لابن تيمية: 599/21 . ❷ صحيح البخاري: 5538 .

❸ صحيح البخاري: 221- صحيح مسلم: 284 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منکر پر نکیر اور تیسیر کی تعلیم

چونکہ یہ امر بہت برا تھا اس لیے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس دیہاتی کو ملامت کرنا شروع کر دی بلکہ بعض تو مارنے کو دوڑے۔ لیکن نبی کریم ﷺ تو رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے اس لیے آپ ﷺ نے اس کے پیشاب کو قطع کرنے سے منع فرمایا کیونکہ اس میں بدن کو بے حد ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ چنانچہ جب وہ پیشاب کر کے فارغ ہو گیا تو آپ ﷺ نے اس کے پیشاب پر پانی کا ڈول بہا دینے کا حکم دیا اور اس اعرابی کو بلا کر نہایت شفقت کے ساتھ اور تیوری چڑھائے بغیر اس بات کی تعلیم فرمائی کہ ''ان مساجد میں ایسی گندگی (پھیلانا) مناسب نہیں۔'' پھر واضح فرمایا کہ یہ مساجد تو نماز، تلاوتِ قرآن اور ذکر و عبادت کے لیے بنائی جاتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی اس مشفقانہ تعلیم سے وہ اعرابی مطمئن ہو گیا اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا عزم کر لیا۔ یہ قصہ بھی بتلاتا ہے کہ اسلام تیسیر اور سماحت کا مذہب ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اعرابی جاہل ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں اعرابیوں کی تین قسموں کا ذکر ہے۔ دو کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے:

﴿اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○﴾ (التوبۃ: 97-98)

''بدوی لوگ کفر اور نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور زیادہ لائق ہیں کہ وہ حدیں نہ جانیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی ہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔ اور بدویوں میں سے کچھ وہ ہیں کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے تاوان سمجھتے ہیں اور تم پر (زمانے کے) چکروں کا انتظار کرتے ہیں، برا چکر انھی پر ہے اور اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

اور تیسری قسم کا ذکر اس ارشاد باری تعالیٰ میں ہے:

﴿وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ﴾ (التوبۃ: 99)

''اور بدویوں میں سے کچھ وہ ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے ہاں قربتوں اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ سن لو! بے شک وہ ان کے لیے قرب کا ذریعہ ہے۔''

البتہ دیہاتیوں میں غلبہ جاہلوں کا ہی ہوتا ہے۔

- مسجد کو پاک رکھنا واجب ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے دیہاتی کے پیشاب پر ڈول بہا دینے کا حکم دیا تھا۔
- مسجد میں پیشاب کرنا حرام ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زجر پر انکار نہ فرمایا تھا البتہ صرف اس کے پیشاب کو قطع کرنے سے منع فرمایا۔
- منکر پر بلا تاخیر انکار واجب ہے جیسا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس دیہاتی کے فارغ ہونے کا انتظار نہ کیا بلکہ اس پر فوراً انکار فرمایا۔ البتہ جہاں تاخیر میں مصلحت ہو وہاں تاخیر اولیٰ ہے۔ جیسے پیشاب کرنے والے کے فارغ ہونے کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتظار اولیٰ ہے۔

- نبی کریم ﷺ کی امت کے ساتھ حسنِ رعایت کہ اس دیہاتی کے پیشاب کو بیچ میں قطع نہ فرمایا تاکہ اسے کوئی ضرر نہ پہنچے۔ دوسرے کہیں عجلت میں وہ اپنا بدن پیشاب سے ملوث نہ کر بیٹھتا یا ستر کو نہ سنبھال سکتا کہ یہ دونوں امر بھی سخت برے ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ نے اس دیہاتی کی رعایت فرمائی۔
- زمین صرف پانی بہانے سے ہی پاک ہوتی ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے مسجد کی زمین پر پانی بہانے کا حکم دیا۔ لیکن جو علماء [1] اس بات کے قائل ہیں کہ دھوپ لگنے اور ہوا چلنے سے بھی زمین پاک ہو جاتی ہے وہ اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد کو جلد پاک کر دینے کا ارادہ فرمایا تھا نہ کہ یہ بات تھی کہ زمین صرف پانی سے ہی پاک ہوتی ہے۔ کیونکہ مسجد جائے عبادت ہے اور اس کا فوراً پاک کر دینا واجب ہے جبکہ دھوپ وغیرہ کے ذریعے زمین دو یا تین دن میں جا کر پاک ہوتی۔
- مساجد وغیرہ کی تطہیر فرضِ کفایہ ہے، اسی لیے نبی کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مسجد کا فرش پاک کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ کیونکہ اگر یہ امر فرضِ عین ہوتا تو سب سے پہلے اس کے امتثال کے لیے خود نبی کریم ﷺ آگے بڑھتے۔
- جب ایک منکر کا ازالہ اس سے بھی بڑے منکر کے ارتکاب سے ہوتا ہو تو پھر "اَخَفُّ الْمُنْكَرَيْنِ" پر عمل کیا جائے گا۔
- منکر پر انکار کرتے ہوئے اس کی علت کا ذکر مناسب ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس دیہاتی کو اس انکار کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مساجد جائے عبادت ہیں جہاں ایسی گندگی پھیلانا مناسب نہیں۔
- لوگوں کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے ان کے مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھنا لازمی ہے۔ چونکہ وہ دیہاتی تھا جو عموماً جاہل ہوتے ہیں اس لیے اس کے ساتھ انکار کرنے میں رعایت کی گئی۔ اگر وہ اہل مدینہ میں سے ہوتا تو اس کے ساتھ سختی کا معاملہ کیا جاتا۔
- معلوم ہوا کہ پیشاب ناپاک ہوتا ہے، اس لیے مسجد کے فرش کو اس سے پاک کیا گیا۔
- زمین کی تطہیر میں غَسل کی تکریر لازم نہیں۔ اسی لیے آپ ﷺ نے صرف ایک ڈول بہا دینے کا حکم دیا۔
- حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ بیان فرمانا کہ وہ اعرابی تھا، اس کے جہل کے عذر کا بیان ہے۔
- معلوم ہوا کہ جائے صلوۃ کا پاک ہونا واجب ہے۔ اسی طرح اٹھنے بیٹھنے کی جگہ کو پاک رکھنا بھی ضروری ہے۔
- رہا یہ سوال کہ نماز کے دوران کتنی جگہ پاک ہو؟ کیا صرف اتنی کہ جو اعضائے صلوۃ سے چھوتی ہوتی ہے یا اردگرد کی جگہ بھی؟ جیسے اگر مصلّی کا ایک کنارہ ناپاک ہو جبکہ جائے قیام اور سجدہ و تشہد کی جگہ پاک ہو تو کیا اتنی جگہ کا پاک ہونا کافی ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اتنی جگہ کا پاک ہونا ہی کافی ہے جس کے ساتھ اعضائے صلوٰۃ، دونوں قدم، بازو، ہاتھ، پیشانی اور ناک لگتے ہوتے ہیں۔ اس بنا پر اگر سامنے نجاست بھی پڑی ہو تب بھی نماز جائز اور صحیح ہے۔ البتہ نجاست کے سامنے یا سینے کے نیچے نجاست کے ہوتے ہوئے نماز ادا کرنا سخت بے ادبی ہے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ایسی جگہ نماز ادا کرنے سے گریز کیا جائے جس کے اردگرد نجاست ہو۔

---

[1] دیکھیں: الفتاوی لابن تیمیة: 479/21۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''زمین دھوپ لگنے اور ہوا چلنے سے بھی پاک ہو جاتی ہے۔'' یہ امام احمد اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ (دیکھیں: المجموع: 548/2)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مچھلی، ٹڈی، کلیجی اور تلی کے پاک ہونے کا بیان

11۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ، فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ فَالْجَرَادُ وَالْحُوْتُ، وَأَمَّا الدَّمَانِ فَالْكَبِدُ وَالطِّحَالُ)).

أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَهْ، وَفِيهِ ضَعْفٌ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کر دیے گئے، رہے دو مردار تو وہ ٹڈی اور مچھلی ہیں اور رہے دو خون تو وہ کلیجی اور تلی ہیں۔'' ❶

اس حدیث کو امام احمد اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور اس حدیث میں ضعف ہے۔

غریب الحدیث: ...... حُوْتُ: یہ مچھلی کو کہتے ہیں اور یہ سمندر کے سب جانوروں کو شامل ہے، اس کی تحقیق بیان کی جا چکی ہے۔

اَلْجَرَادُ: یہ اسم جمع ہے۔ ❷ (صاحب ''المنجد'' کے بقول یہ جرادۃ کی جمع ہے)۔ یہ ٹڈی ❸ کو کہتے ہیں۔

اَلْكَبِدُ: کلیجی۔

اَلطِّحَالُ: تلی۔ کئی اعتبار سے کلیجی کے مشابہ خون کا ایک لوتھڑا جو معدہ سے چپکا ہوتا ہے۔

''أُحِلَّتْ لَنَا'' کی محدثانہ تحقیق

أُحِلَّتْ لَنَا یا أُحِلَّ لَنَا. کا کلمہ، اسی طرح أُمِرْنَا اور نُهِيْنَا کے کلمات جب خود نبی کریم ﷺ ارشاد فرمائیں تو اس کا فاعل رب تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے۔ یعنی ہمارے لیے رب تعالیٰ نے حلال کیا، یا حکم دیا یا منع فرمایا اور جب یہ کلمات کوئی صحابی کہے تو فاعل نبی کریم ﷺ ہوتے ہیں اور اصطلاح حدیث میں ایسی روایت مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے اور جب ان کلمات کا راوی کوئی تابعی ہو تو اس کے فاعل میں اور اس روایت کے مرفوع مرسل یا موقوف متصل ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے ایسی روایت کو موقوف متصل قرار دیا ہے کیونکہ ہر تابعی حدیث کو صحابی سے مباشرۃً (بلا واسطہ) روایت کرنے والا ہوتا ہے۔

---

❶ مسند احمد: 97/2۔ سنن ابن ماجه: 3218۔ سنن البيهقي: 254/1 (مرفوعًا و موقوفًا)۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ صحیح حدیث وہ ہے جو موقوف ہے۔ یہ حدیث ''اولاد زيد اسلم عن ابيه عن ابن عمر رضی اللہ عنہما'' کے طریق سے مروی ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں: زید بن اسلم کی ساری کی ساری اولاد ضعیف ہے، یحییٰ بن معین نے ان پر جرح کی ہے۔ امام نووی امام بیہقی رحمہ اللہ کے قول پر حاشیہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں: صحیح حدیث موقوف ہی ہے یہ اس مرفوع کے معنی میں ہے جس سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اس قول صحابی کی طرح ہے۔ ''ہمیں فلاں بات کا حکم دیا گیا'' اور ''ہمیں فلاں بات سے منع کیا گیا۔'' (دیکھیں: المجموع: 516/2)

❷ جمع اور اسم جمع میں بنیادی فرق تین ہیں: (1) اسم جمع اس اسم کو کہتے ہیں جو مافوق الاثنین پر تو دلالت کرے مگر جمع کے اوزان معروفہ پر نہ ہو چاہے اس کا مفرد ہو یا نہ ہو جیسے رہط اور جیش کے الفاظ کہ یہ جمع کے معنی پر تو دلالت کرتے ہیں مگر ان کا مفرد نہیں آتا اور نہ یہ خود جمع کے کسی معروف وزن پر ہی ہیں۔ (2) اسم جمع کی تصغیر مفرد کے صیغہ کے ساتھ نہیں آتی۔ (3) اور اسم جمع خلاف قیاس کی قبیل سے ہوتا ہے۔ جبکہ جمع حقیقی موافق قیاس ہوتی ہے۔ (تحفة الطلبة، ص: 159 بتصرف) (نسیم)

❸ زمین پر چلنے والا ایک چھوٹا سا جانور جس کے پر بالکل سیدھے ہوتے ہیں۔ اُڑ تو نہیں سکتا البتہ پروں کی مدد سے اچھل کر لمبی چھلانگ ضرور لگا سکتا ہے۔ یہ جانور اپنی شکل اور جسم کے اعتبار سے کئی رنگوں اور شکلوں کا ہوتا ہے۔ کھیتیوں اور پھل دار درختوں پر حملہ آور ہو کر آن کی آن میں ساری فصل اور پھلوں کو کھا کر تباہ کر دیتا ہے اور وہ کھیتی یا باغ ویران ہو کر رہ جاتے ہیں۔ (المنجد العربي في اللغة، ص: 86) ٹڈی کی شکل کے لیے دیکھیں: کتاب ''المنجد'' کا صفحہ: 85۔ (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جبکہ بعض نے ایسی روایت کومرفوع مرسل قرار دیا ہے کیونکہ بیچ میں سے صحابی کا نام حذف ہے۔

"اُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَان وَ دَمَان" کی نحوی تحقیق

یہ ارشاد نبوی ﷺ اس آیت کریمہ سے استثنا کے حکم میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ﴾ (المائدۃ: 3) ''تم پر مردار حرام کیا گیا ہے اور خون۔''

مستثنیٰ خون اور مردار کا حکم

خون اور مردار حرام ہیں لیکن مذکورہ دو مردار اور دو خون اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ دو مردار مچھلی اور ٹڈی ہیں۔ مچھلی پر مفصل کلام حدیث رقم (1) میں گزر چکا ہے۔ یہی حکم ٹڈی کا بھی ہے کہ وہ ذبح کیے بنا بھی حلال ہے۔ اسی طرح خون حرام ہے لیکن کلیجی اور تلی جو دراصل خون ہیں، اسی طرح وہ خون جو جانور کو ذبح کرنے کے بعد اس کے قلب کی رگوں اور گوشت کے ریشوں، رگوں اور اعصاب میں باقی رہ جاتا ہے وہ حرمت کے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

حدیث کی باب سے مناسبت :......مناسب تو یہ تھا کہ امام ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کو "اَبْوَابُ الْاَطْعِمَة" میں سے کسی باب میں لے آتے۔ لیکن اس مقام پر حدیث کی باب سے یہ مناسبت ہے کہ حرام نجس ہوتا ہے۔ تو جب یہ دو چیزیں (1) دو مردار (2) اور دو خون حلال ہیں تو پاک بھی ہیں۔ اس اعتبار سے اس حدیث کو "كِتَابُ الطَّهَارَةِ" کے تحت ذکر کیا۔

حدیث کی اسنادی تحقیق :......امام ابن حجر رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کو ضعیف کہا ہے جبکہ محدثین کی ایک جماعت نے اس حدیث کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف قرار دے کر صحیح کہا ہے کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے جو حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک حکم شرعی کو بیان کر رہے ہیں جس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں لہٰذا ممکن نہیں کہ وہ یہ بات خود سے بیان فرما رہے ہوں۔ لہٰذا اگر یہ روایت صریح مرفوع نہ بھی ہو تب بھی حکماً مرفوع ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اللہ کے حکم بغیر تحلیل و تحریم کا اختیار نبی کریم ﷺ کے پاس بھی نہیں جیسا کہ خیبر کے دن جب آپ ﷺ نے پیاز یا لہسن کھانے والے کو مسجد کے قریب آنے سے منع فرمایا اور لوگوں میں اس پر ان دونوں سبزیوں کے حرام ہونے کا چرچا ہونے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''رب تعالیٰ کی حلال کردہ شے کو حرام کرنے کا اختیار میرے پاس نہیں۔''❶ تحریم و تحلیل کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے اور نبی کریم ﷺ بھی رب تعالیٰ کی اجازت اور حکم سے کسی شے کو حلال یا حرام ٹھہراتے ہیں۔ جیسا کہ کتاب و سنت کی متعدد نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں۔
- نبی کریم ﷺ کا حسن تعلیم کہ اجمال کے بعد تفصیل بیان کی جو اسالیبِ بلاغت میں سے ہے۔ جس سے مخاطبین میں اور زیادہ پیدا اشتیاق ہوتا ہے۔ چنانچہ پہلے مَيْتَتَان اور دَمَان کو اجمالاً ذکر فرمایا پھر ان کی تفصیل بیان فرمائی۔
- ٹڈی جب آدمی کے فعل سے بنا ذبح کیے مر جائے جیسے آگ میں بھون دینے سے یا ابلتے پانی میں ڈال دینے سے مر جائے تو وہ حلال ہوگی۔ یہی حکم مردہ پڑی ٹڈی کا بھی ہے الا یہ کہ وہ ''سپرے'' وغیرہ کے زہریلے اثرات سے مری ہو تو اس کے کھانے میں ضرر کا اندیشہ ہے اور حیوان بری ہونے کے باوجود اس کے حلال ہونے کی حکمت و علت یہ ہے کہ اس میں ''دمِ سائل''

---

❶ صحیح مسلم: 565.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہوتا۔ چنانچہ بکری وغیرہ مر کر اسی لیے حرام ٹھہرتی ہے کیونکہ ان میں خون گھٹ کر رہ جاتا ہے جو خباثت کی اصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بکری کو ذبح کر کے اس کا خون بہا دیا جاتا ہے تو وہ حلال ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں سے خون کی خباثت نکل جاتی ہے اور ٹڈی میں چونکہ بہتا خون ہی نہیں ہوتا اس لیے مرنے پر اس کے اندر کسی قسم کی خباثت بھی نہیں ہوتی جو اس کی تحریم کا سبب بنے۔ غرض ٹڈی کا مردہ اس لیے حلال ہوتا ہے کہ اس میں دم سائل نہیں ہوتا جو خباثت و نجاست کی اصل ہے۔

◈ کلیجی حلال ہے چاہے اس میں سے خون بھی ٹپک رہا ہو بشرطیکہ وہ ذبح شدہ حلال جانور کی ہو۔

◈ دل کا اور رگوں اور پٹھوں میں رہ جانے والا خون بھی حلال ہے اور حدیث میں ان کا ذکر ان کے خفی ہونے کی وجہ سے نہیں آیا جیسا کہ کلیجی اور تلی کہ وہ جلی اور ظاہر ہوتے ہیں۔

◈ حلال جانور کے خون کی بابت ضابطہ یہ ہے کہ جب ان کو ذبح کر کے ان کا خون بہا دیا جائے تو رہ جانے والا خون گوشت کے تابع ہو کر حلال ہوتا ہے۔ چاہے اس کی وجہ سے پکانے کے دوران سالن کا رنگ ہی کیوں نہ متغیر ہو جائے۔

◈ مرداروں میں اصل ان کی تحریم ہے۔ جس کی دلیل یہ ارشاد نبوی ہے کہ ''ہمارے لیے دو مردار حلال کر دیئے گئے۔'' جس سے معلوم ہوا کہ باقی کے سب مردار حرام ہیں اور یہ حکم حدیث کے مفہوم سے حاصل کیا گیا ہے نا کہ منطوق سے۔

◈ سب خون نجس ہیں۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ حیوان کی جو چیز حرام ہو وہ نجس ہوتی ہے۔ عرب جاہلیت میں پانی ختم ہو جانے پر اونٹ کے کوہان کو چیر کر اس کا خون پی لیتے اور پیاس بجھا لیتے تھے۔ شریعتِ اسلام نے آ کر اس کو حرام قرار دیا۔ البتہ جانور کو ذبح کر دینے کے بعد رگوں میں رہ جانے والا خون اس حکم سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کا اِخراج محال ہے۔

مکھی کے پانی میں گر جانے کا حکم

12- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي شَرَابِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْمِسْهُ، ثُمَّ لِيَنْزِعْهُ، فَإِنَّ فِي أَحَدِ جَنَاحَيْهِ دَاءً، وَفِي الْآخَرِ شِفَاءً)).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تم میں سے کسی کے مشروب میں مکھی گر جائے تو وہ (پہلے) اس کو (اپنے مشروب میں پوری طرح) ڈبوئے پھر اس کو نکال پھینکے کیونکہ اس کے دو پروں میں سے ایک میں بیماری اور دوسرے میں شفا ہوتی ہے۔''

أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ، وَزَادَ: ((وَإِنَّهُ يَتَّقِي بِجَنَاحِهِ الَّذِي فِيهِ الدَّاءُ)).

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ اور امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے روایت کیا [1] ہے اور سنن ابو داؤد کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں ''اور وہ اپنے بیماری والے پر سے (ڈوبنے سے) بچنے کی کوشش کرتی ہے۔''

شـرح: ...... مکھی [2] ایک اڑنے والا معروف ترین جانور ہے، جو بے حد کمزور ہوتا ہے نہ کاٹتا ہے اور نہ ڈستا ہے اور نہ اس میں زہر ہی ہوتا ہے۔

---

[1] صحیح البخاری: 5782- سنن ابی داؤد: 3744.

[2] دو پروں والا ایک حشرہ۔ اس کی بے شمار قسمیں ہیں۔ زیادہ تر کھیاں گندگیوں، میل کچیل اور کوڑا کرکٹ پر بیٹھ کر اپنی خوراک حاصل کرتی ہیں۔ اس لیے جراثیم اور بیماریوں کے انتقال میں مرکزی کردار ادا کرتا ہے۔ عرب لوگ لفظ ذُبَاب کا اطلاق مکھی، مچھر، بھڑ اور شہد کی مکھی سب پر کرتے ہیں اس کی جمع اَذِبَّۃ آتی ہے۔ (المنجد العربی فی اللغة، ص: 233- اس کی تصویر کے لیے دیکھیں: المنجد کا صفحہ: 238) (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب وسنت میں مکھی کا ذکر

قرآنِ کریم میں مکھی کا ذکر سورۂ حج میں دوبار آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَ اِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ﴾ (الحج: 73)

''اے لوگو! ایک مثال بیان کی گئی ہے، سو اُسے غور سے سنو! بے شک وہ لوگ جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، ہرگز ایک مکھی پیدا نہیں کریں گے، خواہ وہ اس کے لیے جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے وہ اسے اس سے چھڑا نہ پائیں گے۔ کمزور ہے مانگنے والا اور وہ بھی جس سے مانگا گیا۔''

جبکہ مذکورہ حدیث میں بھی مکھی کا ذکر ہے۔

مکھی کی خاصیت

مکھی کے ایک پر میں بیماری جبکہ دوسری میں شفا ہوتی ہے۔ جس کی تائید جدید طبی سائنس بھی کرتی ہے کہ مکھی کے ایک پر میں بخار اور ٹائی فائڈ کے جراثیم ہوتے ہیں جبکہ دوسرے پر میں ان کا توڑ بھی ہوتا ہے۔ سبحان اللہ! نبی کریم ﷺ نے بذریعہ وحی یہ بات اس وقت بتلا دی تھی جب اس کی عملی تحقیق کے اسباب مطلقاً ناپید تھے۔ جبکہ آپ ﷺ کسی طبی مدرسہ سے فارغ التحصیل بھی نہ تھے۔ دوسرے پر میں موجود دواء پہلے پر کی بیماری کی بھی ہو سکتی ہے اور عام بھی۔

مکھی کی عادت

اب مکھی کی یہ عادت ہے کہ جب وہ کسی مشروب یا کھانے میں گرنے لگتی ہے تو بچنے کے لیے پہلے وہ پَر مشروب یا کھانے میں گراتی ہے جس میں بیماری ہوتی ہے اور وہ پَر ہوا میں معلّق رکھی ہے جس میں شفا ہوتی ہے۔ جس کا مشاہدہ اور تجربہ تقریباً ہر انسان کو ہوتا رہتا ہے کہ مکھی جب گرتی ہے تو اس کا ایک پَر اوپر کو اٹھا ہوتا ہے اور یہ وہی پر ہوتا جس میں شفا ہوتی ہے۔ رہا یہ سوال کہ مکھی بیماری والے پر کو مشروب میں پہلے کیوں ڈالتی ہے؟ تو اس بات کو اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔ ہم مسلمانوں کا بہر حال اپنے رسول ﷺ کے ہر ارشاد پر پختہ ایمان ہے۔

شریعتِ اسلامیہ اور جدید تحقیقات

معاذ اللہ! جدید تحقیقات کا حوالہ ہم مسلمان استشہاد کے لیے نہیں دیتے کہ ہمیں ارشاداتِ نبویہ پر ان تحقیقات کے بعد یقین آیا ہے۔ بلکہ ہمارا ارشاداتِ نبویہ پر ان تحقیقات کے بغیر بھی یقین ہے اور اگر یہ تحقیقات نبوی ارشادات کے خلاف پر دلالت کرتی ہوں تو ہم ان کو ذرہ برابر خاطر میں نہیں لاتے۔ ہاں ہم ان تحقیقات سے دو اغراض کے لیے استشہاد کرتے ہیں:

(1) تاکہ ہمارے یقین واطمینان میں اور اضافہ ہو۔

(2) دوسرے ہم شریعت پر ردّ وقدح کرنے والے کم عقلوں پر حجت تمام کر سکیں۔

مکھی کے کھانے پینے کی اشیاء میں گرنے کا حکم

اگر مکھی کھانے یا پینے کی شے میں گر جائے تو اسے پوری طرح ڈبو کر نکال پھینک دینا چاہیے، جس سے معلوم ہوا کہ مکھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے گر جانے سے مشروب یا طعام ناپاک نہیں ہو جاتا۔ ڈبونے کے حکم سے معلوم ہوا کہ جس شے میں وہ گری ہے وہ مائع اور سیال ہو چاہے وہ شوربہ والا سالن ہو یا پینے کی کوئی بھی چیز ہو جس میں پانی، دودھ اور شہد وغیرہ سب شامل ہیں۔ کیونکہ "فـي شراب احدكم" میں شراب کا لفظ مفرد کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے عموم پر دلالت کر رہا ہے۔ ڈبونے کے حکم کی علت کو اوپر مفصل ذکر کر دیا گیا ہے اور نکال پھینکنے کا حکم اس لیے ہے تاکہ بے دھیانی میں حلق سے نیچے نہ اتر جائے اور اس کے بے حد چھوٹا ہونے کی وجہ سے اس کا پتا بھی نہ چلے۔

حدیث کی باب سے مناسبت :......امام ابن حجر رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کو "بَابُ الْمِيَاهِ" کے تحت یہ بتلانے کے لیے لائے ہیں کہ مکھی جیسی چیز اگر ماءِ قلیل میں گر کر مر جائے تو وہ پانی ناپاک نہیں ہو جاتا اور مکھی جیسے جانور سے مراد وہ ہے جس میں دم سائل نہ ہو۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- شریعت اسلامیہ نے ابدان اور قلوب دونوں کے امراض کو بیان فرمایا ہے۔ البتہ امراضِ ابدان کو اصولی طور پر ذکر کیا ہے۔ ہر ہر جزئیہ ذکر نہیں کیا۔
- مکھی زندہ اور مردہ دونوں حالتوں میں غیر نجس ہے۔ کیونکہ اگر مکھی زندہ حالت میں یا مر جانے کے بعد نجس ہوتی تو اس کے گرنے سے خود مشروب یا طعام کو گرا دینے کا حکم ہوتا نہ کہ مکھی کو نکال کر پھینک دینے کا حکم ہوتا۔ کیونکہ ماءِ قلیل کا نجس شے سے ناپاک ہو جانا بدیہی ہے۔ اسی پر ہر اس شے کو قیاس کیا جائے گا جو مکھی کی طرح دمِ سائل کی حامل نہ ہو جیسے چیونٹی، مچھر، بھونرا وغیرہ۔
- اگر کھانا ٹھوس ہو جس میں مکھی کو ڈبویا نہ جا سکے اس پر سے مکھی کو صرف اٹھا کر پھینک دینا چاہیے۔ کیونکہ ڈبونے کی کوشش میں اس کا بدن ٹوٹ کر کھانے میں پھیل جائے گا جو کراہت کا سبب بنے گا۔ اس بات کو حدیث کے مفہوم سے اخذ کیا گیا ہے۔
- یہ رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ایک نمونہ ہے کہ اس نے مکھی جیسی بے حد معمولی اور کمزور شے کو اجتماعِ ضدین کا نمونہ بنا دیا۔ چنانچہ اس میں بیماری اور شفا دونوں کو رکھ دیا۔
- لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شریعتِ اسلامیہ میں کوئی شے ایسی بھی ہو جس کا بعض حلال اور بعض حرام ہو البتہ یہود کی شریعت میں ایسا تھا کہ ان پر اونٹ بکریوں کا گوشت تو حلال تھا مگر ان کی چربیاں حرام تھیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ وَ مِنَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾

(الانعام: 146)

"اور ان لوگوں پر جو یہودی بن گئے، ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا اور گائیوں اور بکریوں میں سے ہم نے ان پر دونوں کی چربیاں حرام کر دیں، سوائے اس کے جو ان کی پشتیں یا انتڑیاں اٹھائے ہوئے ہوں، یا جو کسی ہڈی کے ساتھ ملی ہو۔ یہ ہم نے انھیں ان کی سرکشی کی جزا دی اور بلاشبہ ہم یقیناً سچے ہیں۔"

- مکھی کے دو حال دیکھ کر بعض علماء کا یہ قول کرنا غلط ہے کہ بعض حیوان ایسے بھی ہیں کہ جن کے ایک حصہ کا حکم اور ہے اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے کا اور۔ جیسے اونٹ کہ اس کی چربی کا کھانا ناقض وضو نہیں۔ جبکہ اس کے گوشت کو کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ قول غلط ہے، شریعتِ اسلامیہ میں ایسا کوئی جانور نہیں کہ جس کے بعض بعض کے متعلق دو قسم کے احکام ہوں۔

- مکھی کے گر کر مر جانے سے اگر پانی متغیر ہو جائے تو نجس نہ کہلائے گا۔ کیونکہ اگر مکھی کا ڈبونا کھانے پینے کو نجس کرتا ہوتا تو آپ ﷺ اس کو کھانے پینے کی اشیاء میں ڈبونے کا حکم نہ دیتے۔
- البتہ اس کا کھانا یا نگلنا بذاتِ خود حرام ہے کیونکہ مکھی گو نجس نہیں لیکن حرام ہے، اسی لیے آپ ﷺ نے اس کے نکال پھینکنے کا حکم دیا۔
- مکھی پہلے اپنا بیماری والا پر ڈبوتی ہے۔ اب اللہ ہی جانتا ہے کہ آیا وہ ایسا انسان کے ساتھ عداوت رکھنے کی وجہ سے کرتی ہے یا کسی اور وجہ سے؟!!!!

زندہ جانور کے جسم سے کاٹے گئے عضو کا حکم

13- وَعَنْ أَبِيْ وَاقِدِ نِ اللَّيْثِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيْمَةِ، وَهِيَ حَيَّةٌ، فَهُوَ مَيِّتٌ)).

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''چوپائے (کے بدن) سے اس کے زندہ ہونے کی حالت میں (بدن کا) جو (حصہ) کاٹ لیا جاتا ہے وہ مردار (کے حکم میں) ہے۔'' [1]

أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَحَسَّنَهُ، وَاللَّفْظُ لَهُ.

اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور یہ لفظ امام ترمذی کے ہیں۔

غریب الحدیث: ......اَلْبَهِيْمَةُ: [2] اس لفظ کا اطلاق ہر چوپائے پر ہوتا ہے کیونکہ یہ لفظ ''اَلْاِبْهَامُ'' سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے غیر واضح بات کرنا۔ سب حیوانات کو اسی لیے بَهِيْمَةٌ کہتے ہیں کیونکہ ان کے منہ سے نکلی بات اور آواز غیر واضح ہوتی ہے۔ اگرچہ بعض حیوانات کی مخصوص آواز میں بھی ہوتی ہیں جن کو سن کر آدمی یہ پہچان لیتا ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ جیسے بلی کے اپنے بچوں کو بلانے کی اور مرغے کے مرغی کو بلانے کی مخصوص آوازیں ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ ایسی بات نہیں کر سکتے جو سمجھ میں آئے۔ اسی لیے انسان کے علاوہ جملہ حیوانات کو بہائم کہا جاتا ہے۔

نحوی تحقیقات: ......(1) ''مَا'' کی نحوی تحقیق: ......اس ''مَا'' میں دو احتمال ہیں: (i) یا تو یہ شرطیہ ہے، تب پھر ''فَهُوَ مَيِّتٌ'' پر داخل ہونے والی ''فا'' جوابِ شرط کی ہے۔ کیونکہ جوابِ شرط جب جملہ اسمیہ ہو تو اس پر ''فا'' کا داخل ہونا واجب ہوتا ہے۔ (ii) یا پھر یہ ''مَا'' موصولہ ہے، تب یہ ''اَلَّذِيْ'' کے معنی میں ہو کر مابعد کے صلہ سے مل کر مبتدا ہوگی جبکہ ''فَهُوَ مَيِّتٌ'' خبر ہوگی اور اس صورت میں خبر پر ''فا'' کا دخول اس لیے ہے کیونکہ مبتدا عموم اور اجمال کا فائدہ دینے کی وجہ

---

[1] سنن ابی داود: 2858۔ جامع الترمذی: 1470۔ امام ترمذی ''العلل لابی طالب القاضی'' (ص 241) میں کہتے ہیں: میں نے اس حدیث کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا آپ کے نزدیک یہ حدیث محفوظ ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں۔ پھر میں نے پوچھا کہ کیا عطاء بن یسار نے حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ (کے زمانہ) کو پایا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ہونا تو یہی چاہیے کہ انہوں نے حضرت ابو واقد کو پایا ہو، عطاء بن یسار قدیم ہیں۔

[2] درندوں کے علاوہ ہر چوپائے کو بہیمہ کہتے ہیں۔ (القاموس الوحید، ص: 184) (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے شرط کے مشابہ ہے۔

(2) وَ هِیَ حَيَّةٌ: ...... یہ جملہ حالیہ ہے اور یہ "اَلْبَهِيْمَةُ" سے حال ہے۔

(3) فَهُوَ مَيِّتٌ: ...... اس کی تقدیری عبارت یوں ہے "فَهُوَ كَمَيِّتِ الْبَهِيْمَةِ" یعنی زندہ بدن سے کاٹا ہوا گوشت کا ٹکڑا ایسا ہے جیسے مردار بہیمہ۔

زندہ جانور کے بدن سے کاٹے گوشت کا حکم

اس حدیث میں بنیادی طور پر یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر ایک زندہ جانور کے بدن سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ لیا جائے تو اس کا حکم وہی ہوگا جو اس جانور کے مردار ہونے کے وقت کا ہوتا ہے۔

ایک اہم ترین فقہی قاعدہ

یہاں سے علماء نے ایک اہم ترین قاعدہ اخذ کیا ہے جو یہ ہے: ''زندہ سے جو کاٹ کر الگ کر لیا جاتا ہے وہ اس کے مردار کے جیسا ہے۔'' ❶ جس سے مندرجہ ذیل جزئیات ثابت ہوئیں:

⊙ ...... اگر وہ حیوان مر جانے کے بعد نجس ہو جاتا ہے تو وہ کاٹا ہوا ٹکڑا بھی نجس ہوگا۔

⊙ ...... اگر وہ حیوان مر جانے کے بعد حلال اور طاہر ہوتا ہے تو یہ ٹکڑا بھی طاہر ہوگا۔

⊙ ...... اگر وہ حیوان مر جانے کے بعد طاہر مگر غیر حلال ہوتا ہے تو یہ ٹکڑا بھی طاہر اور غیر حلال ہوگا۔ جیسے انسان کہ اس کا مردہ طاہر مگر غیر حلال ہوتا ہے۔ لہٰذا انسان کے بدن سے زندہ ہونے کی حالت میں جو کاٹ لیا جائے گا جیسے بال اور ناخن تو وہ بھی طاہر مگر غیر حلال ہوں گے۔ لہٰذا:

⊙ ...... زندہ اونٹ بکری کے بدن سے جو کاٹا جائے گا وہ نجس اور حرام ہوگا۔

⊙ ...... زندہ مچھلی اور ٹڈی کے بدن سے جو کاٹ کر الگ کیا جائے گا وہ حلال اور طاہر ہوگا کیونکہ ان کا مردار حلال اور طاہر ہوتا ہے۔

⊙ ...... اور انسانی بدن سے جو کاٹ کر الگ کیا جائے گا وہ طاہر مگر غیر حلال ہوگا۔

انسانی مردہ کھانے کا حکم

اگر ایک آدمی انسانی مردہ کھانے پر مجبور ہو جائے تو اس بابت علماء کے دو اقوال ہیں: (1) یہ جائز ہے کیونکہ زندہ کی حرمت مردہ کی حرمت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ (2) یہ جائز نہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ((كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهِ حَيًّا .)) ❷ ''مردہ کی کوئی ہڈی توڑنا (حرمت کے اعتبار سے) زندہ کی ہڈی توڑنے جیسا ہے۔''

---

❶ دیکھیں الروض المربع: 152/1۔ فتح الباری: 660/9.

❷ سنن ابی داود: 3207۔ سنن ابن ماجه: 1616 عن عائشة رضی اللہ عنہا۔ ابن حبان (3167) نے اس کو صحیح کہا ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں: اس حدیث کو ابوداود نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے سوائے ایک راوی سعید بن سعید الانصاری کے جو یحییٰ بن سعید الانصاری کے بھائی ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ان کو ضعیف جبکہ اکثر نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ امام مسلم نے سعید بن سعید سے اپنی صحیح میں روایت لی ہے جو ان سے استدلال کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہ حدیث آگے "كِتَابُ الْجَنَائِزِ" میں آ رہی ہے۔ (دیکھیں: المجموع: 263/5)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سببِ حدیث

سببِ حدیث جاننے سے نص کی فہم میں مدد ملتی ہے۔ اس ارشاد کا سبب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ لوگ زندہ اونٹ کی کوہان اور زندہ دنبے کی چکتی کاٹ لیتے ہیں، اس پر آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ لوگوں کو خلافِ شرع کام کرتے دیکھ کر ایک عالم پر واجب ہے کہ وہ لوگوں کو اس کے خلافِ شرع ہونے پر متنبہ کرے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو زندہ جانوروں کے بعض اعضا کاٹتے دیکھا تو اس پر نکیر فرمائی۔

◈ زندہ جانور کے بدن سے کسی عضو کے کاٹ لینے کے بعد اس عضو کی طہارت و نجاست اور حلت و حرمت کو گزشتہ میں مفصل ذکر کیا جا چکا ہے۔ رہا یہ سوال کہ اس فعل کا حکم کیا ہے؟ تو اگر تو ایسا محض دل لگی، ایذا رسانی یا انتقام کے جذبہ سے کیا ہے تو یہ ناجائز اور حرام ہے، جیسے اگر کسی کی بکری یا مرغی رات کو شور مچا کر نیند خراب کرتی ہے تو جوشِ انتقام میں اس کی زبان یا کوئی دوسرا عضو کاٹ لینا حرام ہوگا اور اگر ایسا جانور یا جانور کے مالک کی مصلحت کے لیے کیا ہے تو یہ جائز ہوگا۔ البتہ اس میں ایسا طریقہ اختیار کرنا واجب ہوگا جس میں جانور کو کم سے کم تکلیف ہو۔ جیسے مالک کی مصلحت کے لیے جانور کو خصی کرنا کہ اس سے جانور فربہ اور گوشت لذیذ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ خود نبی کریم ﷺ نے بھی دو خصی مینڈھے ذبح کیے تھے۔ [1] اسی طرح کسی زمانہ میں کان کٹی بکری مہنگی سمجھی جاتی تھی۔ ایسی صورت میں بھی بکری کے کان کاٹنا جائز ہوگا کیونکہ اس میں بھی مالک کی مصلحت ہے۔ اسی طرح جانوروں کو داغنا بھی جائز ہوگا جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے صدقہ کے اونٹوں کو داغا تھا [2] کہ اس میں مالک کی مصلحت ہے، کیونکہ اس سے جانور کی ایک نشانی مقرر ہو جاتی ہے۔ غرض جانور یا مالک کی مصلحت کے لیے ایسا کرنا جائز ہوگا۔

◈ نبی کریم ﷺ امت تک اللہ کے احکام پہنچانے کے اور ان کی ہدایت کے بے حد حریص تھے۔

◈ علماء نے دو چیزوں کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا ہے: (1) ہرن کی مشک اور اس کا نافہ، [3] کہ اس کو زندہ ہرن کے بدن سے الگ کرنا جائز ہے۔ اس سے مشک حاصل کی جاتی ہے اور یہ وہ خوشبو ہے جسے مسلمان آج تک لگاتے چلے آ رہے ہیں۔ (2) طریدہ: یہ شکار کے لیے چھوڑے ہوئے جانور کو کہتے ہیں جس کا تعاقب کر کے اسے وار کرتے ہوئے مار دیا جاتا ہے۔ اسے امام احمد رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ [4] حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسا کیا کرتے تھے چنانچہ وہ ایک ہرن کو چھوڑ کر اس کا تعاقب کرتے تھے، پھر اکٹھے اس کو پکڑ کر سب کے سب اکٹھے تلواروں وغیرہ کے وار کر کے اس کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے اور وہ ہرن یکا یک مر جاتا تھا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس فعل سے استدلال کیا ہے

---

1. مسند احمد: 8/6، عن ابی رافع بھذا اللفظ۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے "مجمع الفوائد" (21/4) میں اس کو جائز کہا ہے۔ اس حدیث کی اصل صحیحین میں ہے۔ "کِتَابُ الْاَضَاحِیْ" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ مضمون آ رہا ہے۔
2. صحیح البخاری: 1502۔ صحیح مسلم: 2119۔
3. الوسیط للغزالی: 164/1۔ الاقناع للشربینی: 283/2۔ حواشی الشروانی: 292/1۔ شرح زبد بن رسلان: 31/1
4. دیکھیں: الفروع: 299/6۔ الانصاف للمرداوی: 440/10۔ الکافی فی فقه ابن حنبل: 487/1۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس فعل کا حدیث نبوی پر منطبق ہونا بعید نہیں کیونکہ شکار کے بدن کے کسی بھی حصہ کو زخمی کرکے اسے مار سکتے ہیں۔

2۔ بَابُ الْآنِيَةِ ...... برتنوں (کے احکام ومسائل) کا بیان

برتن (ایک تعارف):......**اَلْاٰنِیَۃُ**: یہ اِنَاءٌ کی جمع ہے۔ یہ کسی بھی برتن کو کہتے ہیں جس میں کھانے یا پینے کی اشیاء ڈالی جائیں۔ اس اعتبار سے برتنوں کا ذکر "بَابُ الْاَطْعِمَةِ" میں ہونا زیادہ مناسب تھا۔ لیکن "كِتَابُ الطَّهَارَةِ" میں برتنوں کا ذکر ادنیٰ مناسبت اور اوّل مناسبت کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ ہر سائل اور سیار مادہ کا احاطہ برتن ہی کرتا ہے۔ اسی لیے "كِتَابُ الطَّهَارَةِ" کے بعد "بَابُ الْآنِيَةِ" ذکر کرتے ہیں۔

برتنوں میں اصل یہ ہے کہ ان میں کھانا پینا حلال ہے۔ البتہ جو برتن مضر ہو اور اس کی تحریم کی نص ہو تو اس کا استعمال ناجائز ہوگا۔ لہٰذا لوہا، لکڑی، تانبا، پیتل، جست، سٹیل، پلاسٹک، کاغذ حتیٰ کہ قیمتی جواہرات جیسے ہیرا، زمرد اور عقیق وغیرہ سے بنے برتنوں کا استعمال بھی درست ہوگا۔ کیونکہ ان میں سے کسی کی حرمت کی دلیل نہیں ملتی۔ اسی طرح انسانی اعضا اور چمڑے سے بنے برتنوں کا استعمال حرام ہوگا جیسے انسانی کھوپڑی کو پینے کے لیے استعمال کرنا حرام ہوگا۔ کیونکہ یہ انسانی جزوِ بدن ہے جس کا استعمال حرام ہے اور یہ تحریم انسان کے احترام کی بنا پر ہے۔ اسی طرح جو جانور نجس العین ہیں جیسے سور کہ اس کی کھال سے بنے برتن کا استعمال بھی حرام ہوگا۔ اسی طرح سونے چاندی کے برتن بھی استعمال کرنے حرام ہوں گے کیونکہ ان کی حرمت کی نص آ گئی ہے۔

سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کا حکم

14۔ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تَشْرَبُوا فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَلَا تَأْكُلُوا فِي صِحَافِهِمَا، فَإِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَكُمْ فِي الْآخِرَةِ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''سونے چاندی کے برتنوں میں نہ تو پیو اور نہ ان کی رکابیوں میں کھاؤ، بے شک یہ (سونے چاندی کے برتن اور رکابیاں) دنیا میں ان (کافروں) کے لیے ہیں اور تمہارے لیے آخرت میں ہیں۔''[1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:......اٰنِیَۃٌ: اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

صِحَافٌ: یہ صَفْحَةٌ کی جمع ہے۔ یہ پلیٹ اور رکابی کو کہتے ہیں۔[2]

لَا تَشْرَبُوا، لَا تَأْكُلُوا: ان دونوں میں "لَا" ناہیہ ہے جس کی دلیل ان دونوں فعلوں کا نونِ اعرابی کے حذف کے ساتھ مجزوم ہونا ہے۔

فَإِنَّهَا: یہ حکم کی علت کا بیان ہے۔

سبب حدیث:...... یہ بھی دراصل راوی کے حدیث بیان کرنے کے سبب کا بیان ہے جس کا قصہ یہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنے گھر یا محل میں بیٹھے تھے آپ نے پانی طلب کیا تو ایک دہقان چاندی کے برتن میں پانی لے آیا۔

---

[1] صحيح البخاري: 5426- صحيح مسلم: 2067. [2] القاموس الوحيد، ص: 912. (نسيم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے وہ پانی لے کر گرایا اور وہ برتن پھینک دیا اور حاضرینِ مجلس سے ارشاد فرمایا: میں تم لوگوں کو بتلاتا ہوں کہ میں نے اس بات سے منع کر رکھا ہے کہ مجھے اس برتن میں پلاؤ۔ اس کی وجہ یہ ارشادِ نبوی ہے اور آگے یہ حدیث بیان فرمائی۔

مومنوں پر سونے چاندی کے برتن استعمال کرنے کی ممانعت ہے

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اہل ایمان کو سونے چاندی کے برتن کھانے پینے میں استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس نہی کی علت وحکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ آسودگی اور عیش پرستی کا منتہی ہے لہٰذا مومن عیش پرستی میں اتنے منہمک نہ ہو جائیں کہ نوبت سونے چاندی کے برتن استعمال کرنے تک جا پہنچے۔ کیونکہ یہ وتیرہ کافروں کا ہے۔ وہ اس دنیا میں بالکل حیوانوں کی طرح متمتع اور لطف اندوز ہوتے ہیں لیکن آخرت میں ان کا ٹھکانا جہنم ہوتا ہے۔ جبکہ مومن ان نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کو آخرت پر اٹھا رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ جنت میں ان نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے جبکہ کافر نارِ جہنم میں جل اور جھلس رہے ہوں گے۔

ممانعت کی علت

مذکورہ حدیث میں علت عیش پرستی ہے، جس سے بچنے کا حکم ہے کہ یہ کفار کا شیوہ ہے نہ کہ مومنوں کا کیونکہ مومنوں کی ساری عیش اور لطف اندوزی آخرت میں ہوگی۔ بعض علماء نے اس ممانعت کی علت نقدیوں کا کم پڑ جانا بیان کی ہے کہ جب سونے چاندی سے برتن بننے لگیں گے تو درہم دینار کی نقدیاں ڈھالنے کے لیے سونا چاندی کم پڑ جائے گا۔ لیکن یہ علت ضعیف ہے۔ کیونکہ اس بنا پر تو عورتوں کو زیورات بنانے کی بھی ممانعت ہونی چاہیے حالانکہ عورتوں کو سونے کے زیور استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ جبکہ بعض نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس سے تنگ دستوں کی دل شکنی ہوگی۔ یہ علت بھی علیل ہے، تب پھر مال داروں کو اچھا لباس، اچھی سواری اور اچھی رہائش بھی منع ہونی چاہیے کیونکہ محتاجوں کا دل تو ان چیزوں کو بھی دیکھ کر ٹوٹتا ہے اور ایک علت اسراف اور اتراہٹ بھی بیان کی گئی ہے۔ لیکن یہ علت بھی نقد و جرح سے محفوظ نہیں۔ کیونکہ اگر ممانعت کی علت اسراف ہوتی تو جواہرات سے بنے برتن بھی منع ہوتے جو سونے چاندی کے برتنوں سے بھی زیادہ مہنگے قیمتی اور جی کے تکبر کا باعث ہوتے ہیں۔ تب پھر علت خود سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال کا حرام ہونا ہی ہے چاہے ان کا بنا ایک معمولی چمچ یا کپ ہی کیوں نہ ہو اور اس کو برتنے والا اتنا دولت مند ہی کیوں نہ ہو جس کے نزدیک سونے کی بنی اتنی چھوٹی چیز کسی شمار کھاتے میں نہ ہو چہ جائیکہ اس کے نزدیک یہ اسراف یا باعثِ تکبر بھی نہ ہو۔ چنانچہ جو ان کو دنیا میں برتے گا، وہ آخرت میں ان سے محروم رہے گا۔ یہی علت حقیقی ہے جسے نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- سونے چاندی کے برتن برتنا حرام ہیں، کیونکہ نہی میں اصل تحریم ہے اور ان کے دنیا میں استعمال کا نتیجہ آخرت میں ان سے محرومی کی صورت میں نکلے گا۔ اس حکم میں چھوٹا بڑا برتن اور ان کا کم یا زیادہ استعمال برابر ہے۔ چاہے ان برتنوں سے ایک گھونٹ پانی پیے یا ایک لقمہ لگائے کہ یہ ہر صورت حرام ہوگا۔
- معلوم ہوا کہ کھانے پینے کے علاوہ میں سونے چاندی کے برتن برتنا جائز ہوگا۔ کیونکہ مذکورہ نہی صرف اکل و شرب کی ہے۔ لہٰذا ان برتنوں میں دوائیں رکھ سکتے ہیں اور سونے چاندی کے سکے استعمال کر سکتے ہیں۔ اگر ان برتنوں کا دیگر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استعمال منع ہوتا تو نبی کریم ﷺ ضرور اس کو بیان فرما دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے صرف کھانے پینے میں ان برتنوں کے استعمال سے منع فرما رکھا تھا۔ پس جس چیز میں شریعت نے وسعت دے رکھی ہو اس میں تنگی کرنا جائز نہ ہوگا۔ غرض یہاں تین باتیں ہیں:

- ⊙ ......سونے چاندی کے برتنوں کا کھانے پینے میں استعمال:...... یہ حرام اور منع ہے۔
- ⊙ ......سونے چاندی کے برتنوں کا کھانے پینے کے علاوہ میں استعمال:...... یہ جائز ہے۔
- ⊙ ......سونے چاندی کا زینت میں استعمال جبکہ اس کو خود نہ برتے کہ اس میں اختلاف ہے۔

اب جن علماء نے اس کی تحریم پر اجماع نقل کیا ہے، وہ صحیح نہیں۔ کیونکہ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے "نیل الاوطار" میں اجماع کے اس قول پر انکار کیا ہے۔ [1] کہ حدیث میں صرف ان میں اکل و شرب کی ممانعت کا ذکر ہے۔ دیگر دلائل بھی اسی قول کی تائید کرتے ہیں۔ جیسے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا خود اس بات کو روایت فرماتی ہیں کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا منع ہے جبکہ خود انہوں نے چاندی کا ایک گھونگھرو یا گھنٹی رکھی ہوئی تھی۔ غرض منع صرف ان میں کھانا پینا ہی ہے۔

- ◈ کفار کو سونے چاندی کے برتن استعمال کرتے دیکھ کر ان پر انکار کی بجائے، ان کو پہلے اسلام کی دعوت دی جائے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے وقت یہی وصیت فرمائی تھی کہ سب سے پہلے انہیں توحید و ایمان کی دعوت دینا۔
- ◈ دنیا میں نعمتوں سے محرومی پر مایوسی ایک مومن کا شیوہ نہیں کیونکہ مومن کے لیے آخرت ہے جو دنیا سے بہتر اور ابدی و پائیدار ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ (الاعلی: 17) "حالانکہ آخرت کہیں بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے۔" یہ ارشاد سب مومنوں کے لیے ہے اور حضرت رسالت مآب ﷺ کو رب تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا: ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى﴾ (الضحی: 4) "اور یقیناً پیچھے آنے والی حالت تیرے لیے پہلی سے بہتر ہے۔"

www.KitaboSunnat.com

- ◈ اس حدیث سے آخرت اور اس کی نعمتوں کا اثبات بھی ہوتا ہے۔
- ◈ سبب حدیث کے بیان سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ خود پر سے تہمت کے خوف کو دور کرنا لازم ہے۔ اسی لیے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ میں نے ان لوگوں کو منع کر رکھا تھا کہ مجھے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کے لیے کچھ پیش نہ کیا کرو۔ غرض خود پر سے تہمت کو دور کیا جائے کیونکہ شیطان انسان میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔

15۔ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلَّذِيْ يَشْرَبُ فِيْ إِنَاءِ الْفِضَّةِ إِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِيْ بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "جو شخص چاندی کے برتن میں (پانی وغیرہ) پیتا ہے، بے شک وہ تو اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ کو غٹا غٹ ڈالتا ہے۔" [2]

یہ حدیث "متفق علیہ" ہے۔

[1] دیکھیں نیل الاوطار: 81/1.
[2] صحیح البخاری: 5634- صحیح مسلم: 2065.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غریب الحدیث ...... **یُجَرْجِرُ**: یہ اَلْجَرْجَرَةُ سے مشتق ہے۔ یہ انسانی بدن میں پانی کے اپنے راستے پر چلنے کی آواز کو کہتے ہیں۔ چاہے یہ آواز پانی کے حلق سے اترتے وقت پیدا ہو جسے ''غرغر کرنا'' کہتے ہیں [1] اور عموماً یہ آواز پانی کے حلق میں غٹاغٹ اتارتے وقت پیدا ہوتی ہے اور چاہے یہ آواز انتڑیوں میں پیدا ہو جس پر لفظ "بَطْنِهٖ" دلالت کرتا ہے اور اسے ''گڑگڑانا'' [2] کہتے ہیں اور یہ بات معروف ہے کہ پانی پیٹ کی انتڑیوں میں نفوذ اور سرایت کرتا ہے اور گردش کرتے وقت آواز بھی دیتا ہے۔

نَارَ جَهَنَّمَ: یہ عمل کی جزا کا بیان ہے کہ جب پیٹ میں چاندی کے برتن سے لے کر ٹھنڈا پانی ڈالا تو اس کی جزا یہی مناسب ہے کہ اب اس میں جہنم کی سلگتی بھڑکتی آگ ڈالی جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ معلوم ہوا کہ کھانے پینے میں چاندی کے برتنوں کا استعمال کبائر میں سے ہے۔ کیونکہ جس پر وعید مرتب ہو وہ کبیرہ گناہ ہوتا ہے۔ کیونکہ کھانا یہ پینے سے ملحق ہوتا ہے۔ لہٰذا پینے پر قیاس کر کے کھانے کو بھی حرام کہیں گے۔ حکم شرعی کے اعتبار سے تو یہ قیاس درست ہے لیکن آیا حکم جزائی کے اعتبار سے بھی یہ قیاس درست ہوسکتا ہے کہ جب چاندی کے برتن میں پینے والے کی جزا نارِ جہنم کو پینا ہے، تو کیا چاندی کے برتن میں کھانے والے کی جزا بھی نارِ جہنم کا نگلنا اور کھانا ہوگی؟ بے شک اس قیاس کا درست ہونا دلیلِ توقیفی کا محتاج ہے جو مفقود ہے لہٰذا سلامتی اور احتیاط اسی میں ہے کہ ہم کھانے کے فعل کو صرف حرام کہنے پر اکتفا کریں اور اس کی جزا کو رب تعالیٰ کے علم کے حوالے کر دیں۔

◈ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں ہوتا اور کبائر کے بھی مختلف درجات ہیں جن میں سے بعض بعض سے اشد ہیں۔

◈ مذکورہ نہی صرف اکل و شرب تک محدود ہے جس کی تفصیل ذکر ہو چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کے چند گیسو مبارک چاندی کی ایک گھونگھرو نما ڈبیہ میں سنبھال کر رکھے تھے جو چاندی کے برتن کا غیر اکل و شرب میں استعمال ہے، جو جائز ہے۔

مردار کی کھالوں سے برتن (وغیرہ) بنانے کے حکم کا بیان

16 - وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا دُبِغَ الْإِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ)).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''کچی کھال کو جب دباغت دے دی جاتی ہے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔'' [3]

أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ، وَعِنْدَ الْأَرْبَعَةِ: ((أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ)).

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ جبکہ چاروں (اصحاب سنن) کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''جس کھال کو بھی دباغت دے دی جاتی ہے (وہ پاک ہو جاتی ہے)۔'' [4]

---

[1] القاموس الوحید، ص: 246. (نسیم)

[2] فیروز اللغات اردو، ص: 1096. (نسیم)

[3] صحیح مسلم: 366.

[4] سنن ابی داود: 4123- جامع الترمذی: 1728- سنن النسائی: 173/7- سنن ابن ماجه: 3609- امام نووی نے اس حدیث کو "المجموع" (273/1) میں صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

17۔ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبِّقِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((دِبَاغُ جُلُوْدِ الْمَيْتَةِ طُهُوْرُهَا)). صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت سلمہ بن محبق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''مردار کی کھالوں کو دباغت دے دینا ان کی پاکی ہے۔'' ❶

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

18۔ وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: ((مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِشَاةٍ يَجُرُّوْنَهَا، فَقَالَ: "لَوْ أَخَذْتُمْ إِهَابَهَا" فَقَالُوْا: إِنَّهَا مَيْتَةٌ. فَقَالَ: "يُطَهِّرُهَا الْمَاءُ وَالْقَرَظُ". أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ ایک (مردہ) بکری کے پاس سے گزرے جس کو لوگ گھسیٹ (کر کوڑی پر پھینکنے کے لیے لے جا) رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم لوگ اس کی کھال کو (اتار کر) لے لیتے؟ (اور دباغت دے کر کسی کام میں لے آتے تو اچھا تھا)۔'' اس پر لوگوں نے عرض کیا: (اے اللہ کے رسول!) یہ تو مردار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(مردار کی) کھال کو (بھی) پانی (سے) اور قرظ (کے پتوں سے دباغت دینا) پاک کر دیتا ہے۔'' ❷

اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:..... اَلْإِهَاب: یہ کچی کھال کو کہتے ہیں اور کھال کے لیے یہ لفظ اس وقت تک بولا جاتا ہے جب تک اس کو دباغت نہ دے لی جائے۔ ❸

اَلدِّبَاغ اور اَلدِّبَاغَةُ: یہ چمڑے کو مسالا لگا کر، پانی میں ابال کر یا پکا کر صاف کرنے کو کہتے ہیں۔ ❹

جِلْدٌ: مطلق کھال کو کہتے ہیں۔

قَرَظٌ: اس کی واحد قَرَظَةٌ ہے۔ یہ سَلَم نامی درخت کے پتوں کو کہتے ہیں جو دباغت دینے کے کام آتے ہیں۔ لفظ قَرَظٌ کو درخت اور پتوں دونوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور سَلَم یہ کیکر کے مشابہ ایک درخت ہے جس کے پتے اور چھال چمڑا رنگنے اور دباغت دینے کے کام آتے ہیں۔ یہ ایک کانٹے دار درخت ہوتا ہے۔ گرم علاقوں میں اُگتا ہے۔ اس کا پھل زرد رنگ کا ہوتا ہے جس میں سبز رنگ کے دانے ہوتے ہیں۔ ❺

حدیث کی باب سے مناسبت:..... چونکہ کھالوں سے پانی اور گھی وغیرہ رکھنے کے برتن بنائے جاتے ہیں

---

❶ صحیح ابن حبان: 1290۔ الموارد لابن حبان: 123۔ امام نووی نے "المجموع" (275/1) میں اور امام ابن حجر رحمہ اللہ نے "التلخیص الحبیر" (49/1) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

❷ سنن ابی داود: 4126۔ سنن النسائی: 174/7۔ ابن ملقن نے اس کی اسناد کو حسن کہا ہے۔ خلاصۃ البدر المنیر: 23/1۔ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا ایک شاہد بھی ہے۔ امام نووی نے "المجموع" (280/1) میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

❸ المنجد العربی فی اللغۃ، ص: 20۔ (نسیم)

❹ القاموس الوحید، ص: 500۔ فیروز اللغات اردو، ص: 615۔ (نسیم)

❺ المنجد العربی فی اللغۃ، ص: 347-348، 621، القاموس الوحید، ص: 796، 1300۔ (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لیے ان احادیث کو اس مناسبت سے مذکورہ باب کے تحت لائے ہیں۔

کھالوں کی اقسام اور ان کی دباغت کے احکام

مذکورہ احادیث میں بنیادی طور پر دو مسائل کا ذکر ہے:

(1) کیا دباغت دینے سے کھال پاک ہو جاتی ہے؟ (2) اور کیا ہر جانور کی کھال پاک ہو جاتی ہے؟

فَقَدْ طَهُرَ کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ اس سے مراد نجس کھال ہے جو دباغت سے قبل ناپاک تھی اور دباغت دینے سے پاک ہوگئی۔ اب "الاهـــاب" میں الف لام جنس کا ہے جو بظاہر عموم کا فائدہ دیتا ہے اور اس عموم کی تائید "اصحاب سنن" کی روایت کے الفاظ "ایـما اهاب" سے بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ ایما اداۃ شرط میں سے ہے اور جب نکرہ پر حرف شرط داخل ہوتا ہے تو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ جس سے دو فائدے حاصل ہوئے: (1) جس کھال کو بھی دباغت دی جائے وہ پاک ہو جاتی ہے۔ (2) اور مردار کی کھال بھی اگر اتار کر اسے دباغت دے دی جائے تو وہ بھی پاک ہو جاتی ہے۔ لیکن اس بارے علماء کا اختلاف ہے لہٰذا اگر تو صحیح مسلم، سنن اربعہ اور صحیح ابن حبان کی روایات کو دیکھیں تو ان سے عموم مستفاد ہوتا ہے کہ دباغت دینے سے کھال کے پاک ہو جانے کا حکم حرام اور حلال سب جانوروں کی کھالوں کو شامل ہے چاہے وہ کتے، شیر، گیدڑ، بھیڑیے، لومڑی اور سانپ وغیرہ کی کھال ہی ہو۔ اکثر علماء اور ظاہریہ کا یہی مذہب ہے ❶ اور اس میں لوگوں پر وسعت بھی ہے۔ لیکن جب حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا کو دیکھتے ہیں تو یہ حکم صرف حلال (جن کو کھایا جاتا ہے) جانوروں کی کھالوں کے ساتھ خاص نظر آتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عموم کے افراد میں سے کسی فرد کا ذکر تخصیص کو متضمن نہیں ہوتا۔ لہٰذا مذکورہ حکم ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم دونوں کی کھالوں کی دباغت کو شامل ہے کہ دباغت سے وہ پاک ہو جاتی ہیں اور حدیث میمونہ میں ماکول اللحم کی کھال کی دباغت کا ذکر عموم کے افراد میں سے ایک فرد کا ذکر ہے جو تخصیص کو شامل نہیں۔

پھر اس باب میں علماء میں ایک اور اعتبار سے بھی اختلاف ہے، وہ یہ کہ آیا دباغت سے کھال پاک ہوتی بھی ہے یا نہیں؟ تو راجح اور صحیح مذہب دباغت سے کھال کے پاک ہو جانے کا ہے اور جو علماء اس بات کے قائل ہیں کہ کھال صرف ذبح کرنے سے ہی پاک ہوتی ہے نہ کہ دباغت سے۔ لہٰذا ان کے نزدیک ماکول اللحم جانور کی کھال بھی دباغت دینے سے پاک نہیں ہوتی، تو یہ مذہب ضعیف ہے، ان کا استدلال ایک ضعیف حدیث سے ہے جو مذکورہ حکم کی ناسخ نہیں بن سکتی، وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل یہ وصیت لکھوائی تھی کہ "مردہ کی کھال اور پٹھوں سے نفع مند نہ ہونا۔" ❷ البتہ یہ علماء اس بات کے قائل بھی ہیں کہ دباغت سے نجاست میں تخفیف ہو جاتی ہے لہٰذا ایسی کھال کا خشک استعمال درست ہے مثلاً ایسے چمڑے سے بنے تھیلے میں غلے ڈال کر رکھ لیے جائیں۔ البتہ اس کا تر استعمال درست نہیں۔ لہٰذا ان کا مشکیزہ بنا کر استعمال نہ کیا جائے۔

تیسرا قول یہ بھی ہے کہ جو جانور ذبح کرنے سے کھانے حلال ہو جاتے ہیں ان کے مردار کی کھال دباغت سے بھی پاک ہو جاتی ہے اور جو جانور ذبح کرنے سے کھانے حلال نہیں ہوتے ان کی کھال دباغت سے بھی پاک نہ ہوگی۔ چنانچہ مردہ بکری

❶ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول اس کے برخلاف ہے۔ (دیکھیں احـکـام الـقـرآن لـلـجـصـاص: 142- المجموع للنووی: 278/1)

❷ اگرچہ اس حدیث کو سنن اربعہ میں روایت کیا گیا ہے لیکن حاکم نے "علوم الحدیث" (ص: 86) مگر اس حدیث کو منسوخ کہا ہے۔ (دیکھیں: العلل لابن ابی حاتم: 52/1)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی کھال دباغت سے بھی پاک ہو جائے گی جبکہ بھیڑیے اور گیدڑ وغیرہ کی کھالیں دباغت سے پاک نہ ہوں گی۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جب حرام جانور ذبح کر کے بھی پاک نہیں ہوتا تو اس کی کھال دباغت سے بدرجۂ اولیٰ پاک نہ ہوگی۔

راجح مذہب: ......اب مذکورہ احادیث میں عموم ہے جو ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم سب کی کھالوں کو شامل ہے۔ لیکن اس عموم کو حدیث کے سببِ خاص پر محمول کیا جائے گا کہ آپ ﷺ نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا جب آپ ﷺ نے اس مردار بکری کو لے جاتے دیکھا تھا۔ اب حدیث کے الفاظ تو عام ہیں پر سبب حدیث خاص ہے۔ لہٰذا ''اِهَابُ'' کو ''اِهَابُ الشَّاةِ'' پر محمول کیا جائے گا۔

اس لیے میرے نزدیک راجح مذہب یہ ہے کہ جو جانور ذبح کرنے سے حلال ہو جاتے ہیں ان کے مردار کی کھال بھی دباغت سے پاک ہو جاتی ہے اور جو ذبح کرنے سے حلال نہیں ہو جاتے ان کے مردار کی کھال بھی دباغت سے پاک نہیں ہوتی اور جو خلقۃً نجس العین ہیں جیسے سور، ان کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی۔ میرے نزدیک اقرب ترین قول یہی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ سوائے نجس العین کے ہر جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ سنن اربعہ کی روایت سے بھی یہی عموم مستفاد ہوتا ہے۔ لہٰذا کتے جیسے جانور کی کھال بھی دباغت سے پاک ہو جائے گی۔
- حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا سے اس کی تخصیص مستفاد ہوتی ہے کہ یہ حکم بکری جیسے مردار جانور کی کھال کے ساتھ خاص ہے۔
- دباغت سے مقصود ازالۂ نجاست ہے چاہے وہ پانی سے دھو کر ہی کیوں نہ حاصل ہو۔
- نبی کریم ﷺ اس بات کے بے حد حریص تھے کہ مال کو اکارت اور ضائع کرنے سے بچایا جائے کہ یہ نعمتِ الٰہی کی ناشکری ہے۔
- نبی کریم ﷺ کا حسنِ تعلیم کہ آپ ﷺ نے نام لے کر کسی کو مردہ بکری کی کھال اتارنے کا حکم نہ دیا تھا۔ کیونکہ ان لوگوں نے مردہ بکری سے گھن کھا کر اسے پھینکا تھا۔ اس لیے آپ ﷺ نے ان کے سامنے صرف مسئلہ پیش فرما دیا تھا۔
- نبی کریم ﷺ غیب کا علم نہ رکھتے تھے جس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ عرض کیا تھا کہ یہ بکری مردار تھی۔
- جو کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے اس کا خشک اور تر ہر طرح کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔

کافروں کے برتنوں میں کھانے پینے کا حکم

19- وَعَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّا بِأَرْضِ قَوْمٍ أَهْلِ كِتَابٍ، أَفَنَأْكُلُ فِي آنِيَتِهِمْ؟ قَالَ: ((لَا تَأْكُلُوا فِيهَا، إِلَّا أَنْ لَا تَجِدُوا غَيْرَهَا، فَاغْسِلُوهَا، وَكُلُوا فِيهَا)).

حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے (خدمت نبوی میں) عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم ایسی قوم کی سرزمین میں ہوتے ہیں جو اہل کتاب ہیں تو کیا ہم ان کے برتنوں میں کھا (پی) لیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کے برتنوں میں مت کھاؤ (پیو) سوائے اس صورت کہ تمہیں ان کے علاوہ (دوسرے برتن) نہ ملیں تو ان کو دھو کر ان میں کھا (پی) لیا کرو۔'' [1]

---

[1] صحیح بخاری: 5488۔ صحیح مسلم: 1930۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ . یہ حدیث "متفق علیہ" ہے۔

غریب الحدیث:..... اَهْلِ الْكِتَابِ : مراد نصاریٰ یا یہود ہیں۔ لیکن بظاہر نصاریٰ مراد ہیں کیونکہ یہ حضرات اس وقت شام کے گردونواح میں تھے۔ جہاں نصرانی آباد تھے۔

نحوی تحقیق: اَفَنَأْكُلُ : یہ ہمزہ استفہامیہ اور فا عاطفہ کے ساتھ ہے۔ یہ ترکیب قرآن کریم میں بارہا آئی ہے۔ علماءِ نحو نے اس عبارت کی تقدیر دو طرح سے بیان کی ہے:

(1)..... اس جملہ کا ماقبل پر عطف ہے اور اصل میں حرف عطف پہلے اور ہمزہ استفہامیہ بعد میں ہے اور تقدیری عبارت فَأَنَأْكُلُ ہے اور یہ جملہ انشائیہ کا جملہ اسمیہ پر عطف ہوگا جس میں کوئی مانع نہیں۔

(2)..... دوسری تقدیر یہ ہے کہ ہمزہ استفہامیہ مقدر محذوف پر داخل ہے جو سیاقِ کلام کے مناسب ہے۔

یہ قول پہلے قول سے زیادہ قواعد نحویہ کے قریب ہے۔ رہی تقدیری عبارت کہ وہ کیا ہوگی؟ تو اگر اس کی تعیین دشوار ہو تو پہلے قول کی طرف بھی رجوع کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال یہاں یہ تقدیری عبارت مان سکتے ہیں: اَنُخَالِطُهُمْ فَنَأْكُلُ فِي اٰنِيَتِهِمْ . یعنی "کیا ہم ان میں گھل مل کر ان کے برتنوں میں کھا (پی) سکتے ہیں؟"

کافروں کے برتنوں کے استعمال کا حکم

مذکورہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے کافروں کے برتنوں میں کھانے پینے سے منع فرمایا ہے۔ البتہ دو شرطوں کے ساتھ ان کے استعمال کی اجازت مرحمت فرمائی ہے:

(1) ایک یہ کہ ہمیں دوسرے برتن میسر نہ ہوں۔ (2) دوسری یہ کہ استعمال سے قبل ان کو دھولیا جائے۔

لیکن اگر دوسرے برتنوں کے ہوتے ہوئے کفار کے برتن دھو کر پاک کر لیے تو ان کو استعمال کر سکتے ہیں پس معلوم ہوا کہ کفار کے برتنوں کے استعمال کی ممانعت کی اصل علت ان کی ناپاکی کا اشتباہ ہے۔ کیونکہ کفار ان برتنوں میں خنزیر پکا کر کھاتے تھے، جو نجس العین ہوتا ہے اور وہ ان برتنوں میں شرابیں بھی پیتے تھے جو ایک رائے کے مطابق نجس ہوتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ اہل کتاب کے علاقوں میں سکونت اختیار کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ جواز مطلق نہیں بلکہ نصوص بتلاتی ہیں کہ یہ تب جائز ہے جب ان علاقوں میں اپنے دین کا اظہار ممکن ہو ورنہ وہاں سے ہجرت واجب ہے۔ جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ﴾ (النساء: 97-98)

بے شک وہ لوگ جنھیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، کہتے ہیں تم کس کام میں تھے؟ وہ کہتے ہیں ہم اس سرزمین میں نہایت کمزور تھے۔ وہ کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ تو یہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔ مگر وہ نہایت کمزور ہیں"

معلوم ہوا کہ اہل کتاب کی سرزمین میں اس شرط پر سکونت اختیار کر سکتے ہیں کہ آدمی اپنے دین کے اظہار پر قادر ہو۔ پس بظاہر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ ان علاقوں میں کھل کر دین کا اظہار فرماتے تھے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نکیر نہ فرمائی تھی۔

- حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بے حد متورع اور محتاط تھے حتیٰ کہ اتنے خفیف مسئلہ میں بھی احتیاط کرتے تھے اور بڑی حرص کے ساتھ دین کے مسائل پوچھتے تھے۔
- کفار کے برتنوں کا استعمال حرام اور مذکورہ دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے جس سے بظاہر یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگر وہ دعوت پر بلائیں تو ان کے برتنوں میں نہ کھایا جائے۔ لیکن یہ ظاہر بلاشبہ مراد نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی دعوت قبول فرمائی۔ تب پھر مراد ان سے برتن مانگ کر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔ لہٰذا اگر وہ دعوت دیں تو ان کے ہاں جا کر ان کے برتنوں میں کھانا حلال ہے۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو کافروں سے دُور رکھنے کے بے حد حریص تھے کہ ان کے ساتھ مل کر کھانا تو کجا، ان کے برتن تک برتنے سے منع فرمایا کہ خیر ان سے دُور رہنے میں ہی ہے۔ کیونکہ ایک دوسرے سے برتن لینے دینے میں قریب آنے اور اختلاط بڑھ جانے کا اندیشہ ہے۔ البتہ ان کے قرابت، محتاجی اور پڑوس کے حقوق ضرور ادا کیے جائیں۔
- دونوں مذکورہ قیدیں دراصل یہ بتلاتی ہیں کہ ان کے برتن استعمال نہ ہی کیے جائیں۔ کیونکہ ایک تو کسی کے پاس برتنے کے برتنوں کا نہ ہونا نادر ہے۔ پھر اگر برتن لینے ہی پڑ جائیں تو ان کے دھونے کے حکم میں تنگی ہے۔ اس سے بھی اسی بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ ان کے برتن نہ ہی لیے جائیں تو اچھا ہے۔
- بلاضرورت یا عمدہ برتنوں کے حصول کے لیے عاریۃً مانگنا تو بدیہی طور پر منع ہو گا۔
- دورِ حاضر میں مسلمانوں کے ساتھ کافروں کا بے محابا اختلاط اور بے دھڑک ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا اور بے کھٹکے ان کے برتنوں کا استعمال یقیناً حد درجہ افسوس کی بات ہے۔ و الی اللّٰہ المشتکی ۔
- "بَابُ الْآنِيَةِ" کے تحت اس حدیث کے ذکر کی مناسبت واضح ہے کہ برتنوں میں اصل حلت ہے لیکن کفار کے ملک میں چلے جانے سے ان کا استعمال حرام ہو جاتا ہے۔
- کفار سے اجرت پر یعنی کرائے پر برتن لے کر استعمال کرنا بظاہر جائز ہو گا کہ اس میں ہم ان کے زیر بار احسان نہ ہوں گے۔

20۔ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَأَصْحَابَهُ تَوَضَّئُوْا مِنْ مَّزَادَةِ امْرَأَةٍ مُّشْرِكَةٍ)) .

حضرت عمران بن حُصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے (ایک موقع پر) ایک مشرکہ خاتون کے مشکیزہ سے (پانی لے کر) وضو فرمایا تھا۔ [1]

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ .

یہ حدیث "متفق علیہ" ہے اور ایک طویل حدیث کا حصہ ہے۔

قصۂ حدیث: یہ حدیث صحیح بخاری رحمہ اللہ کی ایک طویل حدیث کا حصہ ہے، جس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک سفر میں پانی ختم ہو جانے سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیاس لگنے لگی۔ دو آدمی پانی کی تلاش میں نکلے تو ایک عورت کو اپنے اونٹ پر پانی کے دو مشکیزے لادے پایا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ پانی وہاں سے ایک دن اور ایک رات کی مسافت پر تھا۔ یہ دونوں حضرات دعوت دے کر اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے اور اس عورت کو اونٹ سے اتارا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزوں

[1] صحيح البخاري: 344۔ صحيح مسلم: 682 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے منہ کھول کر ان میں پھونک ماری پھر سب کو اس سے پانی پینے کا حکم دیا۔ چنانچہ سب نے خود بھی پیا اور اپنے اونٹوں کو بھی پلایا۔ یہ تقریباً اسی آدمی تھے۔ لیکن پھر بھی ان مشکیزوں کا پانی کم نہ ہوا اور وہ ویسے کے ویسے ہی رہے۔ آگے طویل حدیث ہے۔

غریب الحدیث: ...... اَلْمَزَادَةُ: یہ چمڑے کے چند ٹکڑوں کو سی کر پانی رکھنے کے لیے تیار کیے جانے والے تھیلے کو کہتے ہیں۔

مضمون حدیث: ...... اس حدیث میں ایک مشرکہ کے مشکیزہ سے پانی لے کر وضو کرنے کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ مشکیزہ چمڑے کا ہوتا ہے اور چمڑا یا کھال جانور کی ہوتی ہے۔ اب اگر ذبیحہ مشرکوں کا ہو تو نجس ہوتا ہے سوائے اہل کتاب کے ذبیحہ کے۔ اب جب یہ مشکیزہ نجس چمڑے کا تھا اور نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے اس سے پانی لے کر وضو کیا تو معلوم ہوا کہ مردار کی کھال دباغت دینے سے پاک ہو جاتی ہے۔ اگر یہ کھال ناپاک ہوتی تو اس سے وضو جائز نہ ہوتا اور نہ اس سے لے کر پینا ہی جائز ہوتا۔ چونکہ مشکیزہ بھی ایک برتن ہے اسی لیے امام ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کو "بَابُ الْاٰنِيَةِ" کے تحت لائے ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- ضرورت پڑنے پر پانی والے کو اتار کر اس سے پانی لے سکتے ہیں جیسا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا۔
- نبوی معجزہ کہ آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے اسی سے زیادہ آدمیوں کے استعمال کے بعد بھی پانی میں کوئی کمی نہ آئی۔
- محسن کے احسان کا بدلہ دینا چاہیے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس عورت کو بعد میں کھانا کھلایا تھا جیسا کہ طویل قصہ میں مذکور ہے۔ بلاشبہ یہ امر اسلام کے محاسن میں سے ہے۔
- دباغت سے مردار کی کھال پاک ہو جاتی ہے۔ مذکورہ حدیث کا محلِ استدلال یہی امر ہے اور مذکورہ حدیث روایت کرنے کا سبب بھی یہی ہے۔
- اجنبی عورت سے بات کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس کی حاجت ہو اور فتنہ سے امن بھی ہو۔
- عورت کے لیے اکیلے سفر کرنا جائز نہیں۔ چونکہ یہ عورت مشرکہ تھی، اس لیے اسلامی احکام کی مخاطب بھی نہ تھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واقعہ عورت کے اکیلے سفر کرنے کی ممانعت سے قبل کا ہو کیونکہ آپ ﷺ نے اس بات سے حجۃ الوداع کے موقع پر منع فرمایا تھا۔

ٹوٹے برتن کو چاندی کے تاروں سے جوڑنے اور باندھنے کا بیان

21۔ وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه: ((أَنَّ قَدَحَ النَّبِيِّ ﷺ انْكَسَرَ فَاتَّخَذَ مَكَانَ الشَّعْبِ سِلْسِلَةً مِنْ فِضَّةٍ)).
أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا (لکڑی کا ایک) پیالہ (تھا جو ایک جگہ سے) ٹوٹ گیا تو آپ ﷺ نے اس ٹوٹی ہوئی جگہ پر چاندی کی ایک زنجیر لگا دی۔ [1]
اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ...... قَدَحٌ: پانی پینے کا پیالہ جو اوپر سے چوڑا اور نیچے سے ڈنڈی دار ہوتا ہے اور قَدَح کو قَدَح اسی وقت کہا جاتا ہے جب وہ خالی ہو اور جب اس میں کوئی مشروب ہو تو اس وقت اسے "کَأْس" کہتے ہیں۔ [2]

---
[1] صحيح البخاري: 3109.
[2] المنجد العربی فی اللغة، ص: 611. (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِنْكَسَرَ: یہ ٹوٹنا دو طرح سے ہوسکتا ہے۔ یا تو وہ پیالہ دو ٹکڑے ہی ہو گیا تھا، یا پھر اس کا ایک کنارہ ٹوٹ گیا تھا۔

شَعْب: شگاف اور پھٹن کو کہتے ہیں، مراد پیالے کی ٹوٹی ہوئی جگہ ہے۔

سِلْسِلَة: اس چیز کو کہتے ہیں جس کے حصے ایک دوسرے سے بندھے ہوں۔ جیسے کڑیاں جو ایک دوسرے سے جڑی ہوتی ہیں۔ مراد چاندی کی زنجیر ہے۔ آپ ﷺ نے پیالے کو چاندی کی زنجیر سے اس لیے باندھا تا کہ پیالہ جڑا رہے اور استعمال کیا جا سکے۔

مناسبت حدیث :...... یہ حدیث "بَابُ الْاٰنِيَةِ" کے مناسب ہے۔ لیکن کاش امام ابن حجر رحمہ اللہ یہ حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث [1] کے بعد بلا فصل لے کر آتے کیونکہ اس حدیث میں اس برتن کا ذکر ہے جس میں کچھ چاندی لگی ہوتی ہے۔

مضمون حدیث :...... اس حدیث میں ان برتنوں کے استعمال کے جواز کا بیان ہے جن میں تھوڑی بہت چاندی لگی ہوتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نبی کریم ﷺ جہاں تک ہوسکتا تھا، اپنی چیزوں کی حفاظت فرماتے تھے۔ اسی لیے اپنے ٹوٹے پیالے کو درست کر کے اسے دوبارہ استعمال فرمایا۔ یہیں سے ہمیں اقتصادیات کے ایک اہم ترین ستون کا بھی علم ہو گیا، وہ یہ کہ جس چیز سے بھی فائدہ اٹھانا ممکن ہو آدمی اس کو ضائع نہ کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مال کے ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ [2] کیونکہ مال آدمی کے دین و دنیا کے قیام کا ذریعہ ہے جس کی حفاظت لازم ہے اور اس کی پوچھ ہو گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا﴾ (النساء: 5)

''اور بے سمجھوں کو اپنے مال نہ دو، جو اللہ نے تمھارے قائم رہنے کا ذریعہ بنائے ہیں۔''

- نبی کریم ﷺ کی تواضع کہ آپ ﷺ ٹوٹے پیالے میں بھی پانی نوش فرما لیا کرتے تھے۔
- برتن کو چاندی کے تار یا زنجیر سے باندھ سکتے ہیں اور یہ چاندی کے برتن میں پینا شمار نہ ہو گا کیونکہ اصل برتن ہے اور لگی تار یا زنجیر اس کے تابع ہے۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر برتن کو چاندی کا کڑا لگا کر درست کرنے کی ضرورت ہو تو ایسا کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جہاں چاندی لگی ہو وہاں سے پی بھی سکتے ہیں۔ کیونکہ کسی روایت میں اس بات کا ذکر نہیں کہ آپ ﷺ اس جگہ سے بچ کر پانی نوش فرمایا کرتے تھے۔
- البتہ اس پر سونے کی تار کے استعمال کے جواز پر قیاس کرنا درست نہ ہو گا کیونکہ اصل سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال کی ممانعت ہے اور اس اصل سے اسی قدر نکالا جائے گا جس قدر سنت میں ذکر ملتا ہے اور سنت میں چاندی کا ذکر ہے نہ کہ سونے کا۔

3۔ بَابُ إِزَالَةِ النَّجَاسَةِ وَبَيَانِهَا ...... نجاست کے ازالہ کا اور نجاست کا بیان

تمہید:...... اکثر علماء کے ہاں یہی ترتیب ہے کہ جب وہ پانیوں کا اور اس بات کا ذکر کر لیتے ہیں کہ پانی ناپاک کب ہوتا ہے، تو اس بات کے بیان کو شروع کرتے ہیں کہ پانی پاک کیونکر ہوتا ہے، اسی لیے امام ابن حجر رحمہ اللہ بھی برتنوں کے احکام

---

[1] مراد حدیث نمبر (15) ہے۔ (نسیم)
[2] صحيح البخاري: 1477۔ صحيح مسلم: 593۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بیان کے بعد ازالۂ نجاست کے باب کی طرف منتقل ہوئے ہیں۔ مذکورہ باب دو باتوں کے بیان پر مشتمل ہے:

(1) ازالۂ نجاست (2) نجاستوں کا بیان

متبادر تو یہی تھا کہ امام موصوف پہلے نجاستوں کو بیان فرماتے پھر ان کے ازالہ کے طریقہ کو بیان کرتے۔ علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ واؤ نہ تو ترتیب کو لازم ہوتی ہے اور نہ اس کے منافی ہی ہوتی ہے صرف مطلق جمع کے لیے ہوتی ہے۔ لیکن یہ قول محل نظر ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ جب صفا کی طرف متوجہ ہوئے تو یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ (البقرة: 158) ''بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں بھی اسی جگہ سے (ان کے طواف کا) آغاز کروں گا جس کو رب تعالیٰ نے پہلے ذکر کیا ہے۔'' [1]

لہٰذا ضروری نہیں کہ واؤ مطلق جمع کے لیے ہی ہو۔ لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ امام موصوف نے باب کا عنوان قائم کرتے ہوئے تو نجاست اور اس کے ازالہ کی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا لیکن باب کا آغاز خمر کے بیان سے کیا ہے جو نجاست ہے۔ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ.

پانی اور دیگر اشیاء کے پاک کرنے کے طریقے

پانی مندرجہ ذیل طریقوں سے پاک ہو جاتا ہے:

1۔ جب اس کے رنگ، بو اور مزہ میں آنے والا تغیر جاتا رہے تو وہ پاک ہو جاتا ہے چاہے وہ تغیر آدمی کے فعل سے دُور ہو یا کسی قدرتی سبب سے اور چاہے پانی تھوڑا ہو یا زیادہ ہو، بہر حال جب اس کا تغیر دُور ہو جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔

2۔ مزید پانی ملا دینے اور بہا دینے سے بھی پانی پاک ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی نجاست اور اس کا اثر جاتا رہے۔

3۔ اگر پانی کی ایک جانب متغیر ہو اور پانی کثیر ہو اور اس متغیر جانب کو نکال لیا جائے تو بھی پانی پاک ہو جاتا ہے۔

دیگر اشیاء کے پاک کرنے کا بیان آگے مفصل آ رہا ہے جبکہ زمین پاک کرنے کی قدرے تفصیل گزر بھی چکی ہے کہ اگر اس پر سیال نجاست گرے تو اس پر پانی کا ایک ڈول بہا دیا جائے اور اگر ٹھوس نجاست گری ہے تو پہلے وہ نجاست ہٹائی جائے پھر پانی بہایا جائے۔

ازالۂ نجاست کے لیے نیت کرنے کا حکم

نجاست کے ازالہ کے لیے نیت کرنا شرط نہیں کیونکہ یہ عبادتِ مامورہ میں سے نہیں۔ پس نجاست زائل ہوتے ہی اس کا حکم ثابت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر ناپاک کپڑا چھت پر پڑے پڑے بارش سے دھل گیا یا نہر میں گر گیا اور اس کی نجاست جاتی رہی تو وہ نیت کے بغیر بھی پاک ہو جائے گا چاہے ہمیں اس کے پاک ہونے کی خبر تک نہ ہو۔

پاکیاں اور ناپاکیاں

پاکیاں حدِ شمار سے باہر ہیں کیونکہ اشیاء میں اصل ان کا پاک ہونا ہی ہے۔ اسی لیے ناپاک چیزوں کا حصر ممکن ہے جن کا بیان آگے آ رہا ہے اور کسی چیز کو ناپاک کہنا دلیل کا محتاج ہے اور آیا ہر حرام شے نجس بھی ہوتی ہے یا نہیں؟ تو یہ لازم نہیں کہ حرام شے نجس بھی ہو۔ البتہ ہر نجس شے حرام ضرور ہوتی ہے۔ اس قاعدہ کو گزشتہ صفحات میں مفصل ذکر کیا جا چکا ہے۔

22۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((سُئِلَ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی

[1] صحيح مسلم: 1218۔ من حدث جابر رضی اللہ عنہ الطويل.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْخَمْرِ تُتَّخَذُ خَلًّا ؟ قَالَ : ((لَا)).

کریم ﷺ سے (جب) شراب کے سرکہ بنا لیے جانے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''نہیں۔ (ایسا مت کرو)۔'' ❶

أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ وَّالتِّرْمِذِيُّ ، وَقَالَ : حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ .

اس حدیث کو امام مسلم اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

شرح: ......علم الحدیث:......سُئِلَ: یہاں سائل مبہم ہے کیونکہ اس کا نام مذکور نہیں۔ علم حدیث میں جب مبہم راوی صحابی ہو تو اس کی معرفت لازم نہیں کیونکہ مقصود حکم شرعی کی معرفت ہے۔ دوسرے امتِ مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب عدول ہیں، اسی لیے صحابی راوی کے نام کا ابہام روایتِ حدیث کے حق میں قدح نہیں۔

غریب الحدیث ......اَلْخَمْرُ: ہر وہ چیز جو نشہ آور ہو وہ خمر ہے، چاہے وہ انگور، کھجور، جو اور گندم وغیرہ میں سے کسی بھی چیز سے بنی ہو۔

اب نشہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جس میں لذت اور مستی کے طور پر عقل پر پردہ پڑ جائے اور ایک نشہ وہ ہوتا ہے جس میں عقل پر پردہ تو پڑتا ہے لیکن مستی اور لذت کے طور پر نہیں، جیسے بھنگ کا نشہ۔ اسی لیے بھنگ سے چڑھنے والا نشہ اسے خمر کی تعریف میں داخل نہیں کرتا اور جب عقل کے معطل ہو جانے کی وجہ سے عقل پر پردہ پڑے تو وہ بھی نشہ نہ کہلائے گا جیسے جنون اور بے ہوشی۔ غرض شراب وہ ہوگی جو عقل پر پردہ ڈالے جس کی وجہ حواس کا معطل ہونا نہ ہو اور اس میں مستی اور لذت ہو اور آدمی اس میں ایسی ایسی باتیں کر جائے کہ اگر ہوش ٹھکانے ہوتے پردہ باتیں کرے تو کافر کہلائے۔

اَلْخَلَ: یہ سرکہ کو کہتے ہیں یہ پانی میں انگور یا کھجور ڈالنے سے بنتا ہے جو پانی کو ایک خاص ذائقہ میں بدل کر اسے سالن ہونے کے قابل بنا دیتے ہیں۔

تُتَّخَذُ خَلًّا: یعنی خمر میں ایسی چیزیں ملا دی جائیں جس سے وہ خمر کی بجائے سرکہ بن جائے کہ آیا یہ جائز ہے یا نہیں تو نبی کریم ﷺ نے اس کی اجازت مرحمت نہ فرمائی۔ کیونکہ شراب کا بہا دینا واجب ہے لہٰذا اس کا کوئی اور استعمال جائز نہ ہوگا۔

لَا: یہ حرفِ جواب ہے جو جملہ کا قائم مقام ہے اور عربی زبان میں اس اسلوب کا استعمال کثیر ہے۔

تحریم خمر اور اس کے احکام

خمر یعنی شراب حرام ہے اور اس پر حد آتی ہے۔ لیکن یہ حد ایسی خمر پر آتی ہے جو لذت اور مستی کے طور پر نشہ لائے۔ لہٰذا بھنگ پینے پر چڑھنے والے نشہ پر حد نہ آئے گی۔ گو تعزیر کے طور پر سزا ضرور دی جائے گی۔ شراب حرام ہے اور اس پر کتاب و سنت کی قطعی نصوص دلالت کرتی ہیں اور امتِ مسلمہ کا اس کی حرمت پر اجماع ہے اور اس کی تحریم کو جاننا ضروریاتِ اسلام میں سے ہے۔ حتیٰ کہ علماء نے مسلمانوں میں رہ کر اس کی تحریم کے منکر کو مرتد قرار دیا ہے۔ کیونکہ ایسا شخص ایک ایسی بات کا منکر ہوا ہے جس کا علم ضروریاتِ دین میں سے تھا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی زنا کی حرمت اور نمازِ پنجگانہ کی فرضیت وغیرہ کا منکر ہو۔

پھر فطرتِ سلیمہ اور عقل و بصیرت بھی شراب کی حرمت کی متقاضی ہیں کیونکہ شرابی کو معاذ اللہ دیوانوں سے ملحق کیا جاتا

❶ صحیح مسلم: 1983- جامع الترمذی: 1294.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیویوں کو طلاق دے دینا، اولاد کو قتل کرڈالنا حتیٰ کہ محارم تک سے زنا کر بیٹھنا ان شرابیوں کا آئے دن کا کام ہے۔ رب تعالیٰ نے شراب کو مرحلہ وار حرام کیا ہے جس کی تفصیل کتب تفسیر میں دیکھی جا سکتی ہے۔

شراب کو سرکہ بنانے کا حکم

اگر تو شراب ازخود سرکہ میں بدل جائے تو جمہور علماء کے نزدیک یہ حلال ہے حتیٰ کہ ان کے نزدیک بھی حلال ہے جو نجاست کے استحالہ کے بعد بھی اسے پاک نہیں مانتے۔ لیکن اگر شراب آدمی کے فعل سے سرکہ بنے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے اس کو جائز قرار دیا ہے [1] کیونکہ ایسی صورت میں اس کے حرام کہنے سے سرکہ بنانے والوں کا بے شمار مال ضائع ٹھہرے گا۔ لہٰذا ضرورت کی بنا پر شراب کے سرکہ بنانے کو جائز کہیں گے۔ البتہ اگر سرکہ کا کاروبار کرنے والے کے علاوہ کسی اور نے ایسا کیا تو اس کا بنایا سرکہ ٹھیک نہ ہوگا۔ اسی طرح ایک قول یہ ہے کہ جن کے مذہب میں شراب پینا حلال ہے جیسے یہودی، ان کا بنایا سرکہ دوسروں کو استعمال کرنا جائز ہے چاہے ان دوسروں کے مذہب میں شراب پینا حلال نہ ہو جیسے مسلمان۔ لہٰذا یہود کے بنائے سرکے مسلمان پی سکتے ہیں۔ البتہ اگر شراب پوری طرح بنی نہ تھی کہ اس کو کسی طریقہ سے سرکہ بنا لیا گیا تو اس کا استعمال بالاجماع جائز ہوگا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ سے اس سرکہ کی بابت سوال تھا جو تیار شراب سے بنایا جاتا تھا۔ اسی لیے آپ ﷺ نے اس کی اجازت نہ دی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- شراب قطعی حرام ہے۔ اس پر کتاب وسنت کی قطعی دلالت اور امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ جب اس سے بنایا سرکہ حرام ہے تو خود شراب بدرجۂ اولیٰ حرام ہوگی۔ مسلمانوں میں رہ کر اس کی تحریم کا منکر مرتد ہے اور توبہ نہ کرنے پر واجب القتل ہے۔
- نبی کریم ﷺ نے سدِ ذرائع کے طور پر شراب سے سرکہ بنانا بھی حرام ٹھہرایا تاکہ شراب کی حرمت کی شدت دلوں میں جاگزیں ہو اور کوئی اس کو رکھنے کا سوچے بھی نہیں۔
- امام ابن حجر رحمہ اللہ کے اسلوب سے شراب کے نجس ہونے کا علم ہوتا ہے لیکن یہ قول محلِ نظر ہے۔ راجح قول اس کے نجاستِ حقیقی کے نہ ہونے کا ہے جس کی تفصیل ابتدا میں بیان کی جا چکی ہے۔

پالتو گدھوں اور ان کے نجس ہونے کا بیان

23- وَعَنْهُ قَالَ: ((لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَبَا طَلْحَةَ فَنَادٰى: أَنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يَنْهَيَانِكُمْ عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ، فَإِنَّهَا رِجْسٌ))

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب خیبر کا دن تھا تو نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو (لوگوں میں پالتو گدھوں کے حرام ہو جانے کی منادی کر دینے کا) حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے (لوگوں میں اس بات کی) منادی کی کہ بے شک اللہ اور اس کا رسول (اب) تمہیں پالتو گدھوں کے گوشتوں (کے کھانے) سے منع کرتے ہیں کیونکہ یہ نجس ہیں۔ [2]

---

[1] المهذب: 48/1- كشاف القناع: 187/1.

[2] صحيح البخاري: 5528- صحيح مسلم: 1940.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. یہ حدیث "متفق علیہ" ہے۔

معرفة الصحابة:......حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سوتیلے والد ہیں۔

نحوی تحقیق:......لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ: لفظ "یوم" یہاں فاعل کے محل میں ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے کیونکہ یہ کَانَ تامہ کا فاعل ہے۔لہٰذا یہ ظرف نہیں بلکہ فاعل ہے۔

لغوی تحقیق:......نَادٰی: یہ مُنَادَاةٌ سے مشتق ہے اور یہ بلند آواز کے ساتھ دُور سے پکارنے کو کہتے ہیں۔اس کے بالعکس "مُنَاجَاةٌ" ہوتا ہے اور یہ قریب سے اور آہستگی کے ساتھ آواز دینے کو کہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو منادی کرنے کا حکم اس لیے دیا تھا کیونکہ ان کی آواز بے حد بلند تھی اور جب کسی خبر کی عام اشاعت مقصود ہو تو ایسے شخص کو ہی اعلان کرنے پر مامور کیا جاتا ہے۔

يَنْهَيَانِكُمْ: یہ خطاب ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہے جنہوں نے ہانڈیوں کو ان میں گدھوں کا گوشت پکانے کے لیے چولہوں پر چڑھا رکھا تھا۔

اَلْحُمُرِ: یہ حمار کی جمع ہے۔ یہ گدھے کو کہتے ہیں جو ایک معروف اور ہر ایک کا دیکھا بھالا جانور ہے۔

اَلْاَهْلِيَّة: گھریلو اور پالتو، جس کو سدھا کر لوگ اسے سواری اور بار برداری کے لیے استعمال کرتے ہیں۔گھریلو گدھا حرام ہے جبکہ جنگلی گدھا حلال ہوتا ہے۔

تحقیق اماکن:......خَيْبَر: یہ یہود کی اس سرسبز وشاداب بستی کا نام ہے جس میں یہود کے نہایت مضبوط قلعے، لہلہاتے کھیت اور باغات تھے۔ مدینہ کے شمال مغرب میں واقع یہ معروف بستی تقریباً سو میل کے فاصلے پر ہے۔

قصۂ حدیث:......یہ 7 ہجری کا واقعہ ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی بدعہدی اور غداری کی بنا پر خیبر پر حملہ کیا تھا۔خیبر بزور شمشیر فتح ہوا اور اس کی زمینوں کو مجاہدین میں مالِ غنیمت کے طور پر تقسیم کر دیا گیا۔ بعد میں یہودیوں نے مزارعت پر زمینوں کو اپنے پاس رہنے دینے کا مطالبہ کیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا۔

مناسبتِ حدیث:......اگرچہ اس حدیث کا "كِتَابُ الْاَطْعِمَة" کے ساتھ تعلق زیادہ بنتا ہے لیکن امام موصوف اس حدیث کو یہاں ازالۂ نجاست کی مناسبت سے لے کر آئے ہیں۔ کیونکہ حدیث کے آخر میں گدھوں کے گوشت کو "رِجْسٌ" یعنی ناپاکی، پلیدی اور نجاست کہا گیا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اللہ اور اس کے رسول کے ذکر کو احکامِ شرعیہ کے بیان میں "واؤ" کے ساتھ لا سکتے ہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت اللہ کی طاعت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معصیت اللہ کی معصیت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر ونہی رب تعالیٰ کے امر ونہی کے حکم میں ہے۔ جس پر کتاب وسنت کی متعدد صریح نصوص دلالت کرتی ہیں۔ اس لیے احکامِ شرعیہ کے بیان میں "اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ" کہنا جائز ہے۔
- احکامِ شرعیہ سے آگاہی کے لیے اعلان واعلام کے قوی ترین ذریعہ کو استعمال کرنا جائز اور مناسب ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھوں کی تحریم کے حکم کو بیان کرنے کے لیے یہ ذمہ داری ان کے سپرد کی جن کی آواز سب سے بلند تھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی یہ کام حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ یہیں سے نماز وغیرہ عبادات میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کا جواز بھی معلوم ہو گیا۔ لہٰذا جو لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں ان کا قول مردود ہے۔

- ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ﴾ (الانعام: 145)

''کہہ دے میں اس وحی میں، جو میری طرف کی گئی ہے، کسی کھانے والے پر کوئی چیز حرام نہیں پاتا جسے وہ کھائے، سوائے اس کے کہ وہ مردار ہو، یا بہایا ہوا خون ہو، یا خنزیر کا گوشت ہو۔''

اگر چہ اس آیت میں محرمات ثلاثہ (مردار، بہتا خون اور لحم خنزیر) کا ذکر ہے جن میں گدھوں کی حرمت مذکور نہیں لیکن مذکورہ حدیث اس آیت کے ہرگز بھی معارض نہیں۔ کیونکہ

- ...... ایک تو سورۂ انعام مکیہ ہے اور یہ واقعۂ خیبر مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد کا ہے۔
- ...... دوسرے آیت میں ''فِیْمَا اُوْحِیَ اِلَیَّ'' کے الفاظ ہیں نہ کہ ''فِیْمَا یُوْحٰی اِلَیَّ'' کے۔ پس نزول آیت کے وقت یہی تین چیزیں حرام تھیں۔ لہٰذا مذکورہ آیت اور حدیث میں سرے سے کوئی معارضہ نہیں کیونکہ ابھی آیات و احکامات کا نزول جاری تھا۔
- ...... تیسرے رب تعالیٰ کے اپنے رسول ﷺ کو گدھے کے گوشت سے منع کرنے کی بابت خبر دینے والے خود نبی کریم ﷺ ہیں جن پر ایمان لانا ہم پر واجب ہے۔

- نہی میں اصل تحریم ہے۔ اس کی دلیل یَنْهَیَانِكُمْ کے الفاظ ہیں جن کی تعلیل بعد میں یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ گدھے رجس اور نجس ہیں اور رجس اور نجس شے حرام ہوتی ہے۔
- لحم کا اطلاق جمیع بدن پر ہوتا ہے۔ لہٰذا ان گدھوں کی اوجھ، انتڑیاں، کلیجی وغیرہ دیگر سب اعضاءِ بدن بھی حرام اور ناپاک ہوں گے۔
- جنگلی گدھا حلال ہے کیونکہ مذکورہ حدیث میں ''اَلْاَهْلِیَّةِ'' کی قید ہے جو حمارِ وحشی کو اس حکم سے خارج کر دیتی ہے اور رہی پالتو گدھے کی ممانعت کہ آیا یہ حرمت سواری اور بار برداری میں اس کی شدید ضرورت کی بنا پر ہے کہ اگر ان کو حلال کہہ دیا جاتا تو لوگ تنگی میں پڑ جاتے یا اس کے خبیث ہونے کی بنا پر ہے؟ تو صحیح قول یہ ہے کہ پالتو گدھے خبیث ہونے کی بنا پر حرام ہیں۔ کیونکہ یہ علت منصوص ہے جس کو خود نبی کریم ﷺ نے بیان فرما دیا ہے۔ دوسرے پہلی علت اونٹوں میں جا کر ٹوٹ جاتی ہے کہ سواری اور بار برداری میں تو ان کی بھی ضرورت از حد ہوتی ہے تب پھر اونٹ بھی حرام ہونے چاہئیں تھے۔ لیکن ایسا نہیں! لہٰذا یہ علت غیر صحیح ہے۔
- جب گدھا رجس ہے تو اس کا پیشاب، لید، لعاب اور پسینہ وغیرہ بھی رجس ہوگا کیونکہ فَاِنَّهَا رِجْسٌ کا عموم اسی کو متقاضی ہے۔ حتیٰ کہ اگر گدھا ماءِ قلیل میں منہ مار دے تو وہ بھی ناپاک ہونا چاہیے۔ چنانچہ مذہب حنابلہ میں یہی مشہور ہے۔ لیکن بلی کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ ''وہ ناپاک نہیں ہے'' اور اس کی تعلیل یہ بیان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمائی ہے کہ یہ تمہارے پاس کثرت سے آنے جانے والوں میں سے ہے کہ یہ ارشاد اور مذکورہ تعلیل مذہبِ حنابلہ کے اس قول کے معارض ہے کیونکہ گدھا بلی سے بھی زیادہ گھروں میں آتا جاتا ہے۔ لہٰذا بلی کی تطہیر میں جو علت ثابت ہے وہی علت پالتو گدھوں میں بھی ثابت ہے اور یہی صحیح قول ہے۔ دوسرے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گدھوں پر سوار ہونا ثابت ہے اور سوار کا گدھے کے پسینہ سے بچنا دشوار ہے اور بارش میں تو سوار اور گدھا دونوں بھیگ جاتے ہیں۔ لہٰذا اگر گدھے کا پسینہ ناپاک ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے ضرور بچتے۔

◈ امام موصوف نے مذکورہ حدیث کو مختصراً بیان فرمایا ہے جس میں آگے چل کر ہانڈیوں کے الٹ دینے اور ان کو دھونے کے امر کا ذکر بھی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ جب ایک شے کی تحریم ثابت ہو جائے تو اس پر استمرار حرام ہوتا ہے۔ جیسے کسی کو ریشم کے حرام ہونے کا علم نہ تھا اور اس نے پہن لیا لیکن اس کی تحریم کا علم ہوتے ہی اس کو بلا تاخیر اتار کر اس سے الگ ہو جانا واجب ہوگا۔

اونٹ کا لعاب پاک ہے

24- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ خَارِجَةَ رضي الله عنه قَالَ: ((خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بِمِنًى وَهُوَ عَلَى رَاحِلَتِهِ، وَلُعَابُهَا يَسِيلُ عَلَى كَتِفَيَّ)).

حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے منیٰ میں ہم میں خطبہ ارشاد فرمایا جبکہ آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار تھے اور اس کا لعاب میرے دونوں کندھوں پر بہہ (کر گر) رہا تھا۔ [1]

أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ.

اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... **خَطَبَنَا:** خطبہ یہ احکام شرعیہ کے یاد دلانے کو کہتے ہیں اور اکثر خطبہ ولولہ انگیز اور پرجوش ہوتا ہے لیکن کبھی ایسا نہیں بھی ہوتا۔

بِمِنًى: منیٰ کا خطبہ عید کے روز تھا جبکہ آپ ﷺ نے بارہ ذی الحجہ کو بھی خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ عید کے خطبہ میں آپ ﷺ نے جمرات کی رمی کا طریقہ تعلیم فرمایا تھا۔

حجۃ الوداع کے خطبے اور ان کا حکم

آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ میں بھی خطبہ دیا اور منیٰ میں بھی خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ اس خطبہ کے مسنون یا عارضی خطبہ ہونے میں اختلاف ہے۔ احتمال دونوں کے ہونے کا ہے۔ اگرچہ عرفہ کے دن جمعہ تھا لیکن عرفہ کا خطبہ پھر بھی جمعہ کا

---

[1] مسند احمد: 238/4- جامع الترمذی: 2121- سنن النسائی: 247/6- تینوں ائمہ نے اس حدیث کو ''شھر بن حوشب عن عبدالرحمن بن غنم، عن عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ'' کے طریق سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے شہر کی حدیث کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب میں نے شہر کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ سے پوچھا تو انہوں نے اس کی توثیق بیان کی۔'' آگے امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور اس کا ایک شاہد ''سنن ابن ماجہ'' (2714) میں بھی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے جیسا کہ امام بوصیری رحمہ اللہ نے کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خطبہ نہ تھا۔ کیونکہ ایک تو یہ خطبہ اذان سے قبل تھا دوسرے ایک ہی تھا۔ اگر یہ جمعہ کا خطبہ ہوتا تو یہ دو خطبے ہوتے۔ غرض متعدد قرائن بتلاتے ہیں کہ عرفہ کا خطبہ جمعہ کا خطبہ نہ تھا۔

منٰی کی تحقیق :......منٰی ایک جگہ کا نام ہے۔ ہمارے نزدیک مشعر دو ہیں۔ ایک مشعرِ حلال، یہ عرفہ ہے اور ایک مشعرِ حرام، یہ مزدلفہ ہے جبکہ منٰی یہ حاجیوں کی جائے اقامت ہے۔ منٰی کو منٰی اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں قربانی کی کثرت ہوتی ہے اور خوب خون بہایا جاتا ہے۔

نحوی تحقیق:......وَ هُوَ عَلٰی رَاحِلَتِهٖ: یہ جملہ حالیہ ہے اور "خَطَبَ" کی ضمیر سے حال ہے۔

وَ لُعَابُهَا یَسِیْلُ: مذکورہ واؤ حالیہ بھی ہو سکتی ہے اور استینافیہ بھی۔ اگر حالیہ ہو تو یہ "راحلته" سے حال ہوگا اور جب حال آگے کسی کا ذوالحال ہو تو اس کے حال کو حالِ متداخل کہتے ہیں اور ترجمہ یوں ہوگا: ''نبی کریم ﷺ نے منٰی میں ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا اس حال میں کہ آپ ﷺ اپنی سواری پر تھے، اس حال میں کہ اس سواری کے منہ کا لعاب بہہ رہا تھا۔''

لُعَاب: یہ منہ سے بہہ نکلنے والی رال کو کہتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے اونٹ اور ان کے نام

نبی کریم ﷺ نے جس اونٹنی پر حج ادا فرمایا تھا اس کا نام قصواء تھا۔ جبکہ عمرۂ حدیبیہ عضباء نامی اونٹنی پر ادا فرمایا تھا۔ ❶

نبی کریم ﷺ کی یہ عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ اپنے جانوروں اور سواریوں کے نام تجویز فرمایا کرتے تھے تاکہ کسی خاص جانور کے طلب فرمانے پر لانے والے کو اشتباہ نہ ہو۔

مضمونِ حدیث:......مذکورہ حدیث کا مضمون واضح ہے کہ اونٹ کے منہ کا لعاب پاک ہے، وگرنہ حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ اس کے لعاب سے بچتے اور لگ جانے پر اس کو دھو ڈالتے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- امیرِ حج کو یا اس کے نائبین کو منٰی میں لوگوں میں خطبہ دینا اور انہیں مناسکِ حج کی تعلیم دینا چاہیے۔
- سواری پر بیٹھ کر خطبہ دینا جائز ہے۔ یہ جانور کی تعذیب میں داخل نہیں۔ البتہ اس میں جانور کی ہمت وسکت کی رعایت لازم ہے۔
- نبی کریم ﷺ کی تواضع کہ منبر طلب کیے بِنا سواری پر خطبہ ارشاد فرمادیا۔
- اونٹ کا لعاب پاک ہے جیسا کہ مضمونِ حدیث میں بیان ہوا۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس پر نکیر نہ فرمائی تھی۔
- معلوم ہوا کہ حلال جانور کے بدن سے نکلنے والی چیزیں پاک ہیں جیسے اس کا پسینہ اور منہ کا لعاب، اسی طرح اس کا جھوٹا بھی پاک ہے۔ سوائے بہتے خون کے اور بول و براز اور لید گوبر کے۔

مناسبتِ حدیث:......امام موصوف رحمہ اللہ اس حدیث کو ازالۂ نجاست کے باب میں اس مناسبت سے لے کر آئے ہیں کہ اونٹ کا لعاب پاک ہے نہ کہ نجس۔

---

❶ كما في صحيح البخاري: 2871.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

منی کے پاک ہونے کا بیان

25۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَغْسِلُ الْمَنِيَّ ثُمَّ يَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ فِي ذٰلِكَ الثَّوْبِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى أَثَرِ الْغَسْلِ فِيهِ)) . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ منی کو دھو دیتے پھر انہی کپڑوں میں نماز کے لیے تشریف لے جاتے تھے جبکہ میں (آپ ﷺ کے کپڑوں میں) دھونے کے نشان (اور اثر) کو دیکھ رہی ہوتی تھی۔ ❶

یہ حدیث "متفق علیه" ہے۔

وَلِمُسْلِمٍ: ((لَقَدْ كُنْتُ أَفْرُكُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَرْكًا، فَيُصَلِّي فِيهِ)) .

اور مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: میں نبی کریم ﷺ کے کپڑوں سے منی کو (رگڑ کر) کھرچ دیتی تھی اور آپ ﷺ انہی کپڑوں میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

وَفِي لَفْظٍ لَهُ: ((لَقَدْ كُنْتُ أَحُكُّهُ يَابِسًا بِظُفُرِي مِنْ ثَوْبِهِ)) .

اور صحیح مسلم کی ایک روایت کے یہ الفاظ (بھی) ہیں: میں منی کو آپ ﷺ کے کپڑوں سے خشک ہونے کی حالت میں اپنے ناخن سے کھرچ ڈالتی تھی۔ ❷

غریب الحدیث :......مَنِيّ: یہ انسانی بدن سے نکلنے والا وہ پانی ہے جو حالتِ صحت میں نہ کہ کسی مرض کی بنا پر، اچھل کر نکلے، کیونکہ کلام اس منی میں ہے جو حالت صحت میں اچھل کر نکلتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ○ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ○﴾ (الطارق : 5-6)

''پس انسان کو لازم ہے کہ دیکھے وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا۔ وہ ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔''

اَفْرُكُهُ: "فَرْكٌ" انگلیوں یا کسی بھی دوسری شے کے ذریعے خوب ملنے اور رگڑنے کو کہتے ہیں۔

فَرْكًا: یہ مفعول مطلق ہے جو فعل کے مصدر کے ساتھ فعل کی تاکید کے لیے آتا ہے۔ اس کے لانے کا فائدہ یہ ہے کہ مجاز کے احتمال کی نفی ہو جاتی ہے۔

اَحُكُّهُ: "حَكٌّ" یہ بھی کھرچنے اور رگڑنے کو کہتے ہیں۔

نحوی تحقیق :......وَ اَنَا اَنْظُرُ: یہ واؤ حالیہ بھی ہو سکتی ہے اور استینافیہ بھی۔ حالیہ ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ ﷺ منی دھو کر نکلتے تھے اس حال میں کہ میں پیچھے سے دیکھتی رہتی تھی اور استینافیہ ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ ﷺ منی کو دھو ڈالتے تو میں اس کے اثر کو دیکھتی تھی۔ یہ دیکھنا آپ ﷺ کے نماز کے لیے تشریف لے جانے سے قبل بھی ہو سکتا ہے اور نکلنے کے بعد بھی۔

منی کا حکم

ان روایات میں تین باتوں کو بیان کیا گیا ہے:

(1) نبی کریم ﷺ منی کو دھو ڈالتے تھے۔ پھر نماز کے لیے جاتے۔ جبکہ کپڑوں پر دھونے کا اثر ابھی باقی ہوتا تھا۔

❶ صحیح البخاری: 230۔ صحیح مسلم: 289۔ ❷ صحیح مسلم: 290۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(2)..... دوسرا یہ کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا منی کو رگڑ رگڑ کر کھرچ دیتی تھیں اور آپ ﷺ بعد میں کپڑا دھوئے بغیر نماز کو چلے جاتے تھے۔

(3)..... اور اگر خشک ہونے پر اس کے مادہ میں کچھ باقی ہوتا تھا تو ناخن سے اس کو کھرچ دیتی تھیں اور آپ ﷺ ان کپڑوں میں نماز پڑھ لیتے تھے۔

ان تینوں باتوں سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ منی پاک ہوتی ہے وگرنہ بہرصورت اس کو دھویا جاتا۔ رہا دھونے کا ذکر تو وہ اس لیے تھا تاکہ دوسرے اس کو لگا دیکھ کر گھن نہ کھائیں، اس کی مزید تفصیل فوائد کے تحت آ جاتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- ضرورت کے وقت حیا والی باتیں ذکر کرنا جائز ہے جس کی دلیل سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ ہیں: ''نبی کریم ﷺ منی دھوڑا لیتے تھے۔''
- منی پاک ہے یا ناپاک، اس اختلاف سے قطع نظر منی کے اثر کو دُور کر دینا چاہیے تاکہ دوسرے لوگ دیکھ کر گھن نہ کریں۔ اسی طرح کپڑوں پر لگی رینٹ، تھوک، بلغم اور خون وغیرہ کو بھی دھو کر ان کے اثرات کو زائل کر دینا چاہیے۔
- منی نجس نہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کے دھونے کا حکم ارشاد نہیں فرمایا اور مجرد فعلِ رسول ﷺ وجوب پر دلالت نہیں کرتا جبکہ وجوب حکم دینے سے ثابت ہوتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ فعل پر ہمیشگی و استمرار وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن مذکورہ روایات سے منی کے دھو دینے پر ہی استمرار ثابت نہیں ہوتا۔
- بیوی خاوند کی خدمت کر سکتی ہے۔ جیسا کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے کپڑوں کو صاف کر دیا کرتی تھیں، رہا خدمت کا وجوب ولزوم تو اس کا مدار عرف پر ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (النساء: 19) ''اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔''
- اگر منی خشک ہو تو صرف کھرچ کر دور کر دینے پر بھی اقتصار کیا جا سکتا ہے۔ البتہ پھر بھی اس کا اثر باقی ہو تو دھو دینا چاہیے۔
- جناب رسول اللہ ﷺ کی درویشی اور زہد کہ انہی کپڑوں پر اکتفا کر کے نماز ادا فرما لیتے تھے جن میں منی لگی تھی اور اس کو دھو دیا گیا تھا جبکہ اس دھونے کا اثر بھی باقی تھا۔
- مذکورہ روایات میں جس منی کا ذکر ہے وہ جماع سے تھی کیونکہ نبی کریم ﷺ کے خصائص میں سے ایک بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کو احتلام نہ ہوتا تھا۔
- بات کی تاکید لا سکتے ہیں جیسے مذکورہ روایت میں یَابِسًا اور بِظُفْرِیْ کے الفاظ سے حَكّ (کھرچنے) کی تاکید ہے۔ کیونکہ وہی شے کھرچی جا سکتی ہے جو سوکھی ہو اور کھرچا صرف ناخن سے یا اس جیسی کسی نوکیلی چیز سے ہی جا سکتا ہے۔ گویا کہ یہ دونوں الفاظ تاکید کے بمنزلہ ہیں۔

بچے اور بچی کے پیشاب میں فرق اور دونوں کا حکم

26- وَعَنْ أَبِي السَّمْحِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِيَةِ ،

حضرت ابوسمح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''بچی کے پیشاب کو دھویا جائے گا جبکہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَيُرَشُّ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ)). أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ .

بچے کے پیشاب پر پانی کے چھینٹے ڈالے جائیں گے۔'' ❶
اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

27- وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رضی اللہ عنہما ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِي دَمِ الْحَيْضِ يُصِيبُ الثَّوْبَ: ((تَحُتُّهُ، ثُمَّ تَقْرُصُهُ بِالْمَاءِ ، ثُمَّ تَنْضَحُهُ ، ثُمَّ تُصَلِّي فِيهِ)) . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کپڑوں کو لگ جانے والے حیض کے خون کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ''عورت اس خون کو (کپڑے سے) رگڑ کر صاف کر دے، پھر اسے پانی کے ساتھ (دو انگلیوں میں لے کر) رگڑے (اور صاف کرے) پھر اس کو (اچھی طرح) دھو ڈالے۔ پھر اس میں نماز ادا کرے۔'' ❷
یہ حدیث "متفق علیه" ہے۔

28- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَتْ خَوْلَةُ : يَا رَسُولَ اللهِ ، فَإِنْ لَمْ يَذْهَبِ الدَّمُ ؟ قَالَ : ((يَكْفِيكِ الْمَاءُ، وَلَا يَضُرُّكِ أَثَرُهُ)). أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ ، وَسَنَدُهُ ضَعِيفٌ .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے (خدمتِ نبوی میں) عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر (دھونے کے بعد بھی کپڑے پر سے) خون (کا رنگ اور اثر) نہ جائے؟ (تو کیا پھر بھی اس میں نماز ہو سکتی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہیں پانی (سے دھو دینا) کافی ہے اور اس (خون) کا اثر (اگر باقی رہتا ہے تو وہ) تمہیں کوئی ضرر نہ پہنچائے گا۔ (یعنی تمہاری نماز کے جواز میں مانع نہ بنے گا)۔'' ❸
اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

غریب الحدیث:...... جاریہ اور غلام یہ چھوٹے بچے اور بچی کو کہتے ہیں۔
یُرَشُّ: اتنا پانی ڈالنا کہ ٹپکے نہیں۔
حَیض: یہ وہ طبعی اور جبلی خون ہے جس کو عورت کا رحم اس وقت پھینکتا ہے جب وہ حیض کی عمر کو پہنچ کر حاملہ ہونے کے قابل

❶ سنن ابی داود: 376- سنن النسائی: 158/1- امام ابن خزیمہ (283) اور حاکم (2571/1) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ نے "التلخیص الحبیر" (38/1) میں اس حدیث کی بابت امام بخاری رحمہ اللہ کی تحسین ذکر کی ہے۔ لیکن تحقیق کے بعد یہ دیکھا کہ امام بیہقی (416/2) نے احادیث الباب کے ذکر کے بعد یہ کہا ہے کہ مجھے سنت ثابتہ میں بچے اور بچی کے پیشاب میں کوئی فرق مذکور نہیں ملا۔ چنانچہ امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی صحیحین میں ایسی کوئی روایت ذکر نہیں کی البتہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث ابی سمح رضی اللہ عنہ کو حسن کہا ہے۔

❷ صحیح البخاری: 227- صحیح مسلم: 291.

❸ اس حدیث کو دراصل امام ابوداؤد (360) اور احمد (364/2) وغیرہ نے روایت کیا ہے اس روایت کا مدار ابن لہیعہ پر ہے اسی لیے بیہقی (408/2)، ہیثمی (282/1) اور امام ابن حجر نے "الفتح" (334/1) میں ضعیف کہا ہے اور ان حضرات نے اس حدیث کو امام ابوداؤد کی طرف منسوب کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو جاتی ہے۔

تَحُتُّهُ: "حَتٌّ" کھرچنے کو کہتے ہیں اور اس کی حاجت تب ہوتی ہے جب خون خشک ہو کر جم گیا ہو۔

تَقْرُصُهُ: "قَرْص" کپڑے کو دو انگلیوں میں لے کر پانی سے ملنے اور رگڑنے کو کہتے ہیں۔

تَنْضَحُهُ: "نَضْحٌ" سے مراد دھونا ہے۔

معرفة الصحابة:......حضرت ابو سمح رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خادم ہیں۔

مضمونِ حدیث:......ان تین احادیث میں دو مضمون بیان کیے گئے ہیں: (1) بچے اور بچی کا پیشاب ناپاک ہوتا ہے گو ان میں علی حسب الاختلاف ناپاکی کے درجہ کا فرق ہے۔ (2) حیض کا خون ناپاک ہوتا ہے۔

بچے اور بچی کے پیشاب میں فرق اور دونوں کا حکم

اگر بچی کا پیشاب لگ جائے تو اس کو دھویا جائے گا جبکہ بچے کے پیشاب لگنے پر اوپر پانی کے چھینٹے مارے جائیں گے۔ البتہ اس سے اتنا پانی نہ گرے کہ وہ ٹپکنے لگے۔ حضرت ابو سمح رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ مضمون بیان ہوا ہے جس کا سبب یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو سمح رضی اللہ عنہ حضرت حسن یا حسین رضی اللہ عنہما کو خدمتِ نبوی میں لائے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر پیشاب کر دیا۔ حضرت ابو سمح رضی اللہ عنہ نے اس کو دھونا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا۔ اس کا سبب گو خاص ہے لیکن اعتبار الفاظ کے عموم کا ہے۔ لہٰذا اس کا حکم عام ہوگا۔

اس باب میں ضابطہ صحیحین کی اس روایت سے اخذ کیا گیا ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بچہ لایا گیا جو ابھی کھانا نہ کھاتا تھا۔ (یعنی شیر خوار تھا) کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پیشاب کر دیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے چھینٹے مارنے کا حکم ارشاد فرمایا۔"❶

یہاں سے یہ ضابطہ اخذ ہوا کہ یہ حکم اس بچے کا ہے جو ابھی شیر خوار ہو اور اس نے ٹھوس غذا کھانا شروع نہ کی ہو۔ البتہ جب بچے کا دودھ چھڑا کر دیگر غذائیں شروع کر دی جائیں تو دونوں کے پیشاب کا حکم ایک ہو جاتا ہے۔ اس طرح دونوں کے براز کا حکم بھی ایک ہے۔ کیونکہ تفریق کی تصریح بول کے بارے میں ہے نا کہ براز کے بارے میں۔ مذکورہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ شریعت میں مذکر اور مونث میں شرعاً اور تقدیراً متعدد مسائل میں فرق ہے اور یہ فرق اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی بنا پر ہے اور مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے آگے سراپا تسلیم و رضا ہوتا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مذکورہ روایت سے یہ معلوم ہوا کہ لفظ "بول" یعنی پیشاب کو صراحت کے ساتھ بولنا جائز ہے۔ جو لوگ اس لفظ کی صراحت میں خجالت محسوس کر کے دوسری تعبیریں اختیار کرتے ہیں، وہ غلط کرتے ہیں۔
- حیض کا خون بھی ناپاک ہے اور اس کا پاک کرنا واجب ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "ثُمَّ تُصَلِّي فِيهِ" فرمایا ہے۔ یہاں "ثُمَّ" مذکور ہے جو ترتیب کا متقاضی ہے۔ جس سے یہ مستفاد ہوا کہ نماز کپڑوں کو حیض کے خون سے پاک کرنے کے بعد ادا کی جائے گی۔

---

❶ صحیح البخاری: 223۔ صحیح مسلم: 287.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ حیض کا خون معمولی بھی ہو تو معاف نہیں۔ اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے: "ثُمَّ تَقْرُصُهُ بِالْمَاءِ" کیونکہ عموماً مل کر اور رگڑ کر اس شے کو صاف کیا جاتا ہے جو تھوڑی ہو۔ غرض قولِ راجح یہ ہے کہ حیض کا خون ہر درجہ میں ناپاک ہے۔ بخلاف باقی کے خونوں کے کہ راجح قول کے مطابق وہ نجس نہیں ہیں۔

◈ استحاضہ کے خون کی بابت بھی اقرب الاقوال اس کے نجس ہونے کا ہی ہے کیونکہ وہ بھی سبیلین میں سے ایک میں سے نکلتا ہے۔ ایک قول اس کے پاک ہونے کا بھی ہے۔ طرفین کے دلائل کی تفصیل کتبِ مطولہ میں ملاحظہ کر لی جائے۔

◈ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بے حد سادہ اور بے تکلف تھے، حتیٰ کہ عورت حیض والے کپڑوں کو ہی دھو کر ان میں نماز پڑھ لیتی تھی اور مرد بھی انہی کپڑوں کو پاک کر کے ان میں نماز پڑھ لیا کرتا تھا جن میں اس نے جماع کیا ہوتا تھا۔ رہے ہم! تو ہماری فضول خرچی، تکلف اور عیش پرستی یقیناً قابلِ عبرت ہے!

◈ معلوم ہوا کہ نجاست کے ازالہ میں، اسے دھونے سے قبل اس کی عین کا ازالہ کیا جائے تاکہ مباشرۃً دھونے میں عینِ نجاست اور زیادہ نہ پھیل جائے۔ اس کی دلیل تَحُتُّهُ کے الفاظ ہیں کہ پہلے خون کو کھرچے، پھر اس کو دھوئے۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نجاست دھوتے وقت اس پر زیادہ پانی نہ ڈالا جائے تاکہ نجاست کم سے کم پھیلے۔ البتہ جب نجاست کی عین زائل ہو جائے تو زیادہ پانی ڈال سکتے ہیں کیونکہ اب نجاست کے پھیلنے کا خدشہ جاتا رہا ہے۔

◈ بچے اور بچی کی قے طہارت کے حکم میں ہے۔

◈ ازالہ نجاست میں تدریج ہے کہ پہلے عینِ نجاست زائل کی جائے، پھر اس کے رہ جانے والے اثر کو رگڑ کر اور مَل کر ختم کیا جائے، پھر پانی سے دھو لیا جائے۔ اس کی دلیل مذکورہ حدیث میں "ثُمَّ، ثُمَّ" کے کلمات ہیں جو ترتیب اور تدریج کو مقتضی ہیں۔

◈ ازالہ نجاست عموماً پانی سے ہی ہوتا ہے، لیکن راجح قول یہ ہے کہ اصل ازالۂ نجاست ہے چاہے وہ کسی بھی شے سے حاصل ہو، چاہے دھونے سے اور چاہے کھرچنے، ملنے اور رگڑنے سے حاصل ہو۔

◈ نماز کے کپڑوں سے ازالۂ نجاست (نجاست کا دُور کرنا) صحتِ صلوٰۃ کے لیے شرط ہے۔ اس کی دلیل "ثُمَّ تُصَلِّي فِيهِ" کے الفاظ ہیں۔ جن سے بظاہر یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب تک نماز کے کپڑوں کو پاک نہ کر لیا جائے ان میں نماز ادا کرنا ممکن نہیں۔

◈ نَضْح یعنی چھڑکنے کا اطلاق غسل یعنی دھونے پر بھی ہوتا ہے جس کی دلیل ثُمَّ تَنْضَحُهُ کے الفاظ ہیں کہ یہاں نضح سے مراد پانی کے ساتھ دھونا ہے۔ الا یہ کہ یہ کہا جائے کہ رگڑنے اور ملنے کے بعد نجاست میں تخفیف پیدا ہو جاتی ہے اور اب صرف پانی چھڑکنے سے بھی نجاست کا ازالہ ہو جائے گا۔

◈ ازالہ نجاست میں پانی کافی ہے جس کی دلیل حضرت خولہ بنت یسار رضی اللہ عنہا کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: يَكْفِيكِ الْمَاءُ .

◈ ازالہ عین کے بعد اس کے رنگ یا بو کا باقی رہ جانے والا اثر غیر مضر ہے۔ اس کی دلیل یہ الفاظ ہیں: وَلَا يَضُرُّكِ أَثَرُهُ کیونکہ اعتبار عین نجاست کے زوال کا ہے۔ البتہ اگر عین نجاست میں سے کچھ باقی ہو تو اس کا ازالہ واجب ہے۔

◈ مذکورہ احادیث کو "بَابُ إِزَالَةِ النَّجَاسَةِ" کے تحت لانے کی مناسبت واضح ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ نجاست کی اقسام مغلظہ اور خفیفہ کی تعریف کو گزشتہ احادیث میں بیان کر دیا گیا ہے۔

خلاصۃ الباب: ...... مذکورہ باب میں نجاستوں کو بیان کیا گیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

⊙ ...... جمہور علماء کے نزدیک شراب تھوڑی ہو یا زیادہ نجس ہے، اس کی کوئی مقدار بھی معاف نہیں۔ البتہ راجح قول یہ ہے کہ شراب نجاست معنویہ ہے نہ کہ نجاستِ حسیہ یعنی حقیقیہ۔

⊙ ...... پالتو گدھوں کے گوشت نجس ہیں، اسی لیے ان کے پیشاب، لیدیں، گوبر، منی، لعاب، پسینہ اور رالیں بھی ناپاک ہیں۔ غرض ہر وہ حیوان جو حرام ہو اس کی یہ مذکورہ بالا چیزیں ناپاک ہوں گی۔ البتہ آدمی کا پسینہ اور لعاب اور بلی کا جھوٹا اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اور راجح قول یہ ہے کہ گدھے اور خچر کا پسینہ بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ بلی کے جھوٹے اور گدھوں کے پسینہ سے بچنا دشوار ہے۔ جبکہ آدمی کا پسینہ اس کے احترام کی وجہ سے پاک ہے۔

اسی طرح اس حکم سے وہ جانور بھی مستثنیٰ ہیں جن میں دمِ سائل نہیں ہوتا جیسے مکھی، مچھر، بھڑ، بھونرا، پتنگا۔

اسی طرح سمندر کا مردار بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

اسی طرح جس سے بچنا مشکل ہو، وہ بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہے جیسے گدھوں کے پیشاب کے چھینٹے، مکھی کی بیٹ، چوہوں کی مینگنی وغیرہ اور راجح قول یہ ہے کہ آدمی کی منی اور اس کا پسینہ بھی پاک ہے۔

⊙ ...... گدھی کا دودھ ناپاک ہے۔

⊙ ...... حیض اور اسی طرح استحاضہ کا خون بھی ناپاک ہے، اس کی تھوڑی مقدار بھی معاف نہیں۔

4۔ بَابُ الْوُضُوءِ...... وضو (کے احکام ومسائل) کا بیان

وضو کا لغوی اور شرعی معنی :...... لفظ وُضُوءٌ ''وَضَاءَةٌ'' سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے میل کچیل سے صاف ہونا، حسین وجمیل ہونا۔ جبکہ شرع شریف کی اصطلاح میں وضو، یہ چار اعضاء (سر، چہرہ، دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں) کو مخصوص طریقہ پر رب تعالیٰ کی عبادت کے طور پر دھونے کو کہتے ہیں اور یہ چار اعضاء اس لیے مراد ہیں کیونکہ ایک تو ان پر کتاب اللہ میں نص آ گئی ہے اور دوسرے ''اَلْوُضُوْءُ'' میں الف لام عہد ذہنی کا ہے اور وضو عمل تعبدی ہے۔ لہٰذا یہ عبادت ہے۔ وَضو اور وُضو کا فرق گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

وضو کے فوائد وشروط

◈ وضو کرنے سے اعضائے وضو سے گناہوں کا جھڑنا معروف ہے [1] اور وضو کی فضیلت بقدر مشقت ہے۔ لہٰذا سردیوں کے وضو میں اجر زیادہ ہوگا۔

◈ وضو میں نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی اقتدا ہے۔

◈ وضو میں حکم ربانی کا امتثال ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَ أَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَ أَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (المائدۃ: 6)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھو لو اور اپنے سروں کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھولو)۔"

◈ وضو اسی امت کا خاصا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُّحَجَّلِيْنَ . ❷ "اس امت کے لوگوں کو روز قیامت پکارا جائے گا اس حال میں کہ ان کی پیشانیاں اور ہاتھ پیر (وضو کے اثر سے) چمک رہی ہوں گی۔"

◈ اور جنت میں زیور وہاں تک پہنایا جائے گا جہاں تک وضو کا اثر پہنچتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:
﴿يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا﴾ (فاطر: 33)
"ان میں انھیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے۔"

اور فرمایا:

﴿وَحُلُّوْا أَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ﴾ (الدھر: 21) "اور انھیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔"
چنانچہ جنتیوں کو سونے، چاندی اور موتیوں کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

◈ یہ اور دیگر متعدد فوائد کے پیش نظر علماء کا راجح قول یہ ہے کہ وضو عبادت ہے جس میں نیت شرط ہے۔ بخلاف ان علماء کے جن کے نزدیک یہ طہارت ہے جس میں ازالۂ نجاست کی طرح نیت شرط نہیں۔

◈ وضو کے فرائض، سنن اور واجبات ہیں۔ ان میں سے ایک سنت مسواک کرنے کی ہے جس کے بیان سے امام موصوف "بَابُ الْوُضُوْءِ" کا آغاز فرمارہے ہیں۔

29- عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: ((لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِيْ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ وُضُوْءٍ)). أَخْرَجَهُ مَالِكٌ وَّأَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ، وَذَكَرَهُ الْبُخَارِيُّ تَعْلِيْقًا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا ڈر نہ ہوتا تو میں انہیں ہر وضو کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔" ❹ اس حدیث کو امام مالک، امام احمد اور امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ ❹

غریب الحدیث :...... لَوْلَا: یہ "حرفُ امتناع لوجودٍ" ہے۔ یہ حروف تحفیض کی اقسام میں سے ہے اور

❶ كما جاء في صحيح مسلم: 251.

❷ یہ حدیث آگے آرہی ہے۔

❸ اس روایت کی تخریج "كِتَابُ الْغَزْوِ" کے آخر میں آجائے گی۔

❹ المؤطا: 66/1- مسند احمد: 258/2، 460- سنن النسائی: 12/1- صحیح ابن خزیمۃ: 140- امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث "باب سواك الرطب و اليابس للصائم" میں جزم کے صیغہ کے ساتھ معلق روایت کی ہے۔ (دیکھیں: فتح الباری: 159/4) امام بیہقی نے اس حدیث کے مرفوع اور موقوف سب طرق کا "بیان من اخطأ علی الشافعی" (ص: 107-115) میں استیعاب کیا ہے اور یہ امام مالک کی روایت ہے۔ امام نووی "المجموع" (338/1) میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اسانید صحیح اور عمدہ ہیں۔ صحیحین وغیرہ میں یہ حدیث عِنْدَ كُلِّ وُضُوْءٍ کے الفاظ کے ساتھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ اس بات پر دلالت کرنے کے لیے آتا ہے کہ پہلے جملہ کے پائے جانے کی وجہ سے دوسرا جملہ ممتنع ہے۔ اسی لیے یہ "حرفِ امتناع لوجود" کہلاتا ہے اور اس بنا پر یہ ہمیشہ دو جملوں پر داخل ہوتا ہے جن میں سے پہلا جملہ ہمیشہ اسمیہ ہوتا ہے۔ جیسے یہاں بھی لَوْلَا دو جملوں پر داخل ہے جن میں سے پہلا جملہ اسمیہ ہے ❶ اور چونکہ پہلا جملہ پایا جاتا ہے اور وہ ہے ہر وضو میں مسواک کرنے سے امت پر مشقت کا اثبات، اسی لیے دوسرا ممتنع ہے اور وہ ہر وضو کے وقت مسواک کے حکم کا امتناع ہے۔ یعنی چونکہ اس میں مشقت ہے اس لیے اس کا حکم بھی نہیں دیا۔

اَنْ اَشُقَّ: یہ مشقت میں ڈالنے کو کہتے ہیں اور مشقت یہ تعب اور تکان ہے۔

عَلٰی اُمَّتِی: مراد امت اجابت ہے کیونکہ امت دعوت حکم وضو و مسواک کی مخاطب نہیں۔ بلکہ وہ سب سے پہلے ایمان اور توحید کی شہادت دینے کی مخاطب ہے۔

لَاَمَرْتُهُمْ: اس سے امر الزام مراد ہے کیونکہ امرِ غیر مُلْزَم میں کوئی مشقت نہیں ہوتی بلکہ اس میں رخصت اور اختیار ہوتا ہے۔

بِالسِّوَاكِ: سِوَاك اس لفظ کا آلہ اور فعل دونوں پر اطلاق ہوتا ہے لہٰذا اس شاخ کو بھی سِوَاك کہا جاتا ہے جس کے ذریعے مسواک کی جاتی ہے اور مسواک کرنے کے فعل کو بھی سِوَاك کہتے ہیں۔ اس بنا پر سواك لفظ اسم مصدر ہو گا نہ کہ مصدر۔ ❷ کیونکہ سِوَاك کے حروف فعل کے مطابق نہیں۔

مسواک کی فضیلت میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے: اَلسِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِّلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ. ❸ ''مسواک کرنا منہ کی پاکی اور رب کی رضا کا ذریعہ ہے۔'' اس توجیہ کی بنا پر مذکورہ حدیث میں سواک سے مراد آلہ نہیں بلکہ فعلِ تَسَوُّك یعنی مسواک کرنے کا فعل مراد ہے۔

مصطلح الحدیث: ......تعلیق کا لغوی معنی لٹکانا ہے۔ اصطلاح میں سند کے شروع سے ایک یا دو یا اس سے زائد یا ساری کی ساری سند ہی حذف کر دینے کے فعل کو تعلیق کہتے ہیں اور ایسی حدیث کو معلّق کہتے ہیں۔ حدیث معلّق کی رواۃ کے حذف کے اعتبار سے کئی قسمیں ہیں ❹ جن کو کتبِ علوم الحدیث میں دیکھا جا سکتا ہے۔

رواۃ کے حذف اور مجہول ہو جانے کی بنا پر معلّق حدیث کا حکم ضعیف ہونے کا ہے کیونکہ حذفِ اسناد کی بنا پر رواۃ کا حال جاننا لازم ہو جاتا ہے۔ البتہ معلّق کا درجہ ضعیف احادیث میں سب سے بہتر ہوتا ہے۔ مگر جس نے اپنی کتاب میں صحیح احادیث ہی لانے کا التزام کیا ہو، اس کی تعلیق صرف اسی کے نزدیک صحیح ہو گی نہ کہ اوروں کے نزدیک بھی وہ تعلیق صحیح ہو گی۔

اسنادی بحث: ......امام موصوف نے تخریج اسناد میں امام مالک رحمہ اللہ کو پہلے اس لیے ذکر کیا ہے کیونکہ ان کا زمانہ پہلے ہے یا اس لیے کیونکہ "الموطا" صحت کے اعتبار سے "المسند" سے زیادہ قوی ہے۔ ورنہ اس بات میں کوئی

---

❶ دیکھیں: هداية النحو جديد، ص: 197- طبع فاروقی کتب خانہ ملتان۔ (نسیم)

❷ مصدر اور اسم مصدر کا فرق ابتدائے کتاب میں بیان کیا جا چکا ہے۔ (نسیم)

❸ سنن النسائی: 10/1- مسند احمد: 47/6- امام نووی نے "المجموع" (334/1) میں اس کی اسانید کو صحیح کہا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے "کتاب الصیام" میں اس روایت کو جزم کے صیغہ کے ساتھ تعلیقاً روایت کیا ہے۔ جو اس روایت کے صحیح ہونے کی علامت ہے۔

❹ دیکھیں: علوم الحدیث، ص: 131 لمحمد عبیداللہ الاسعدی۔ (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شک نہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ امام اہل سنت اور امت مسلمہ میں زیادہ مشہور ہیں۔

مضمونِ حدیث :...... مذکورہ حدیث میں بنیادی طور پر یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ وضو میں مسواک سنت ضرور ہے مگر واجب نہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ جناب رسول اللہ ﷺ امت پر بے حد شفیق تھے جیسا کہ رب تعالیٰ نے بھی اس امر پر صریح الفاظ کے ساتھ متنبہ فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۝﴾ (التوبۃ: 128)

''بلاشبہ یقیناً تمہارے پاس تم ہی سے ایک رسول آیا ہے، اس پر بہت شاق ہے کہ تم مشقت میں پڑو، تم پر بہت حرص رکھنے والا ہے، مومنوں پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

◈ نبی کریم ﷺ احکام شرعیہ میں اجتہاد فرمالیا کرتے تھے۔ کیونکہ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا ہے: ''اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا ڈر نہ ہوتا۔'' اور یہ نہیں فرمایا: ''اگر اللہ نے مجھے حکم نہ دیا ہوتا تو میں انہیں حکم دیتا۔'' غرض نبی کریم ﷺ اجتہاد فرماتے تھے اور رب تعالیٰ اس کو برقرار فرماتے تھے۔ یوں حکمِ شرعی رب تعالیٰ کے برقرار رکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی اصل ہے اور اگر رب تعالیٰ اس حکم اور اجتہاد کو برقرار نہ رکھیں تو وہ حکم مرتفع ہو جاتا ہے۔ علما کا اس مسئلہ میں ازحد مجادلہ و مناقشہ ہے لیکن میرے نزدیک الحمد للہ اس مسئلہ میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

◈ مسواک کی ازحد تاکید ہے کیونکہ آپ ﷺ کو امت کی مشقت کے اندیشہ نے مسواک کرنے کو واجب قرار دینے سے روکے رکھا۔

◈ امر میں اصل وجوب ہے جیسا کہ لَاَمَرْتُهُمْ کی تحقیق میں بیان ہوا۔

◈ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ فضیلت مذکورہ رخصت کے اختیار کرنے میں ہے۔ لہٰذا ہر وضو میں مسواک کرنا لازم نہیں اور یہ حکم اس وقت ہے جب حصولِ مسواک میں مشقت ہو۔ لیکن اگر صرف جیب سے نکال کر مسواک کرنی ہے تو درحقیقت اس میں کوئی مشقت نہیں۔ تب افضل یہی ہے کہ ہر وضو مسواک کے ساتھ کیا جائے۔

◈ مذکورہ حدیث میں سواک سے فعل مراد ہے۔ تب پھر کیا پیلو وغیرہ کی مسواک کے علاوہ سے بھی یہ فضیلت حاصل ہوتی ہے یا نہیں؟ تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے اس کو مسواک کے ساتھ خاص کیا ہے جبکہ بعض نے اس کو صفائی کے ساتھ خاص کیا ہے چاہے وہ انگلی ملنے سے ہی حاصل ہو۔ لیکن افضل بلاشبہ پیلو وغیرہ کی مسواک کا استعمال ہی ہے۔

◈ مَعَ كُلِّ وُضُوْءٍ: ان الفاظ میں محلِ سواک کا ذکر نہیں کہ مسواک کب کی جائے؟ [1] علماء نے لکھا ہے کہ افضل یہ ہے کہ کلی کرتے وقت مسواک کرے کیونکہ کلی منہ کے صاف کرنے کا محل ہے۔

---

[1] صاحب ''المحرر'' لکھتے ہیں: مسواک جملہ اوقات میں سنت ہے۔ البتہ وضو کرنے والے کے لیے کلی کرتے وقت مسواک کرنے کا حکم موکد ہے۔
(المحرر 1/11) دیکھیں: شرح العمدۃ: 222/1۔ المبدع: 100/1.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ حدیث کا عموم بتلاتا ہے کہ روزہ دار کے لیے بھی دوسروں کی طرح ہر وضو میں مسواک کرنا سنت ہے۔

وضو کرنے کا طریقہ

30- وَعَنْ حُمْرَانَ مَوْلٰی عُثْمَانَ ﷺ: ((أَنَّ عُثْمَانَ دَعَا بِوَضُوْءٍ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، ثُمَّ تَمَضْمَضَ ، وَاسْتَنْشَقَ ، وَاسْتَنْثَرَ ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى إِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، ثُمَّ الْيُسْرٰى مِثْلَ ذٰلِكَ ، ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى إِلَى الْكَعْبَيْنِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، ثُمَّ الْيُسْرٰى مِثْلَ ذٰلِكَ ، ثُمَّ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِي هٰذَا)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حمران سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وضو کا پانی منگوایا۔ پس (پہلے) انہوں نے اپنی دونوں ہتھیلیوں (یعنی ہاتھوں) کو تین مرتبہ دھویا، پھر (تین مرتبہ) کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا اور (بعد میں) ناک کو جھاڑا، پھر اپنے چہرے کو تین مرتبہ دھویا، پھر اپنے داہنے ہاتھ کو کہنی تک تین مرتبہ دھویا، پھر بائیں ہاتھ کو اسی طرح (کہنی تک تین مرتبہ دھویا) پھر اپنے سر کا مسح کیا۔ پھر اپنے داہنے پاؤں کو ٹخنے تک تین مرتبہ دھویا، پھر بائیں پاؤں کو اسی طرح (ٹخنے تک تین مرتبہ دھویا)، پھر (وضو سے فارغ ہونے کے بعد) ارشاد فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے میرے اس وضو کی طرح وضو فرمایا۔ ❶

یہ حدیث "متفق علیه" ہے۔

معرفة الصحابة :......حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں سے تیسرے خلیفۂ برحق ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں طعن کرنے والا گدھے سے زیادہ بدتر گمراہ ہے۔'' ❷ حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جو یہ سمجھتا ہے کہ جنابِ علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ خلافت کے حق دار تھے تو بلاشبہ وہ حضرات مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم سب پر عیب چینی کرنے والا ہے۔

مضمون حدیث:......حدیث کا مضمون واضح ہے کہ اس میں وضو کے مسنون طریقہ کا بیان ہے۔

غریب الحدیث:......بِوَضُوْءٍ: وَضُوْء وہ پانی جس سے وضو کیا جاتا ہے۔

كَفَّيْهِ: یہ كَفٌّ کی تثنیہ ہے۔ کف ہاتھ کے جوڑ سے لے کر انگلیوں کے پور تک کو کہتے ہیں۔ یہ کوع ، کسوع اور رُسغ پر مشتمل ہوتا ہے۔ کوع انگوٹھے کے ساتھ والی ہڈی کو، کسوع چھنگلیا کے ساتھ والی انگلی کو اور رُسغ ان دونوں کے درمیان کی ہڈیوں کو کہتے ہیں۔ (ہمارے عرف میں کف ہتھیلی کو کہتے ہیں)۔

تَمَضْمَضَ: مَضْمَضَةٌ منہ میں پانی گھمانے کو کہتے ہیں۔ اسے کلی کرنا کہتے ہیں۔

اِسْتَنْشَقَ: اِسْتِنْشَاقٌ ناک کے نتھنوں میں پانی چڑھانا۔

اِسْتَنْثَرَ: اِسْتِنْثَارٌ ناک میں پانی ڈال کر جھاڑنا۔ مَضْمَضَة میں منہ کی جب کہ اِسْتِنْشَاق اور اِسْتِنْثَار میں ناک کی تطہیر ہے۔ البتہ ناک میں انگلی ڈال کر صاف کرنے کا ذکر کسی روایت میں نہیں ملتا۔

---

❶ صحيح البخاري: 159- صحيح مسلم: 225.

❷ فتاوى ابن تيمية: 19/35- المدخل لابن بدران، ص: 84.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَجْهَهُ: وَجْهٌ چہرہ۔ انسانی بدن کا سب سے معروف عضو، چہرے ہی سے انسان دوسروں کا سامنا کرتا ہے۔

چہرے کی حدود:......عرض میں ایک کان سے لے کر دوسرے کان تک اور طول میں پیشانی کے خم سے لے کر داڑھی (یا ٹھوڑی) کے نیچے تک ہے۔

لٹکی داڑھی کے چہرہ کی حد میں داخل ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے لٹکے بالوں کو چہرے کی حد سے خارج مانا ہے جیسے کہ لٹکے بال سر کی حد سے خارج ہوتے ہیں۔ جبکہ بعض نے اس کو چہرہ میں داخل مانا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ وضو کے دوران اپنی داڑھی مبارک کا خلال فرمایا کرتے تھے۔ ❶ بہر حال چہرہ کی حد میں داڑھی کے داخل ہونے میں گو کہ علماء کا اختلاف ہے لیکن سر کے بالوں کے سر سے خارج ہونے میں بہرحال اتفاق ہے۔

اَلْمِرْفَق: وہ شے جس سے ٹیک لگائی جائے۔ مراد کہنی ہے۔ یہ ہڈی کا وہ جوڑ ہے جہاں آ کر کلائی کے اوپر کا حصہ اور کندھے سے نیچے کا بازو مل جاتے ہیں۔

بِرَأْسِهِ: رَأْسٌ سر کو کہتے ہیں۔ اس کی حدود معروف ہیں کہ یہ پیشانی کے خم سے لے کر پیچھے گدی تک ہے اور کان بھی سر میں داخل ہیں۔

مذکورہ "بَـــا" کو تبعیض کے لیے کہنا غلط ہے جیسا کہ ابن برہان نے اس کی تصریح کی ہے کہ لغتِ عرب اس کی تائید نہیں کرتی۔ ❷ بلکہ یہاں با الصاق کے لیے ہے۔ جو اتصال پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی تم اپنا ہاتھ اپنے سر پر پھیرو۔

اَلْكَعْبَيْنِ: یہ كَعْبٌ کی تثنیہ ہے۔ یہ پنڈلی کے نیچے پاؤں کے دونوں طرف ابھری ہوئی دو ہڈیاں ہیں جو پنڈلی کو پاؤں سے جوڑے رکھتی ہیں۔

رَأَيْتُ: یہ اَبْصَرْتُ یعنی عیاناً دیکھنے کے معنی میں ہے۔ نہ کہ "عَلِمْتُ" کے معنی میں ہے۔ یعنی یہاں رَاَيْتُ افعالِ قلوب میں سے نہیں جو دو مفعولوں کو نصب دیتا ہے۔

تَوَضَّأَ: اس توجیہ کی بنا پر یہ رَاَيْتُ کا مفعولِ ثانی نہ ہوگا بلکہ لفظِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سے حال ہوگا۔ کیونکہ رؤیتِ بصریہ ایک مفعول کو نصب دیتی ہے نا کہ دو کو۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اعضائے وضو کو تین تین بار دھونا مسنون ہے۔
- مذکورہ حدیث میں اگرچہ مضمضہ، استنشاق اور استنثار کی تثلیث کا ذکر نہیں لیکن سنت سے ان میں تثلیث ثابت ہے۔
- اعضاءِ وضو کو دھونا تعبدی ہے۔ اگرچہ کفین کا دھونا چہرہ کے دھونے کے بعد ہے لیکن چونکہ کفین آلۂ غسل ہیں اس لیے ان کو دھونے میں مقدم کیا تاکہ اعضائے وضو کو دھونے سے پہلے آلۂ غسل صاف ہو جائے۔
- کہنیاں دھونا "اَيْدِيْ" کے دھونے میں داخل ہے۔ کیونکہ مِرَافِق پر اِلٰی داخل ہے اور اِلٰی انتہائے غایت پر دلالت

❶ جامع الترمذی، 31۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور صحیح کہا ہے۔ یہ عامر بن شقیق کی روایت سے ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی حدیث کو حسن کہا ہے۔ اسی لیے امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (433/1) میں مذکورہ حدیث کو صحیح کہا ہے۔

❷ الفروع لابن مفلح: 127/1.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کرنے کے لیے آتا ہے۔اِلٰـی کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر اس کا مابعد اس کے ماقبل کی جنس میں سے ہو تو مابعد ماقبل کے حکم میں داخل ہوتا ہے اور تب یہ مصاحبت کے لیے یعنی مَـعَ کے معنی میں ہوتا ہے۔ جیسے مذکورہ آیت (سورۂ مائدہ 6:) میں اِلٰی کا مابعد "اَلْمِرْفَق" یہ "اِلٰی" کے ماقبل اَیْدِیْ کی جنس میں سے ہے لہٰذا اس کا مابعد ماقبل کے حکم یعنی غَسْل کے حکم میں داخل ہوگا اور یہاں اِلٰی بمعنی مَعَ ہوگا۔ لہٰذا کہنیوں کو ہاتھوں سمیت دھویا جائے گا۔ [1]

◈ کانوں کا مسح بھی سنت سے ثابت ہے۔ گو کہ مذکورہ حدیث میں کانوں کا ذکر نہیں لیکن علماء کے ہاں یہ قاعدہ معروف ہے کہ "عدمِ ذکر یہ عدم کا ذکر نہیں۔" یعنی عدمِ ذکر یہ کسی شے کے معدوم ہونے کو لازم نہیں۔ لہٰذا جن حدیثوں میں کانوں کے مسح کا ذکر ہے، وہ احادیث اس حدیث کے معارض نہیں۔

◈ پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھویا جائے گا۔ کیونکہ قرآن کریم میں اِلَى الْكَعْبَيْنِ کا لفظ آیا ہے اور مذکورہ اِلٰی میں وہی تفصیل ہے جو اِلَى الْمَرَافِقِ والے اِلٰی میں ہے۔

◈ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تواضع کہ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک وسیع ترین خلافت اسلامیہ کے خلیفہ ہونے کے باوجود جس میں شام، عراق، یمن، مصر، الجزیرہ جیسے علاقے شامل تھے، عام لوگوں کی تعلیم کے لیے ان کے سامنے وضو فرمایا۔

◈ معلّم کو چاہیے کہ وہ تعلیم کے لیے ایسا اسلوب اختیار کرے جو تفہیم میں ابلغ اور اقرب ہو۔ اسی لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عملاً وضو کر کے دکھایا کیونکہ عملی تطبیق قلب و ذہن میں راسخ اور جاگزیں ہو جاتی ہے۔

◈ تعلیم و تربیت کی غرض سے دوسرے کو وضو کر کے دکھلا سکتے ہیں۔

◈ وضو کے ساتھ استنجا کرنا لازم نہیں جیسا کہ عامۃ الناس میں مشہور ہے۔

◈ مضمضہ، استنشاق اور استنثار کو چہرہ دھونے سے قبل کیا جا سکتا ہے۔ گو کہ یہ واجب نہیں لہٰذا ان کو چہرہ دھونے کے بعد بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن افضل ان کی تقدیم ہے کیونکہ ان کا باطن سے تعلق ہے اور باطن کی تنظیف ظاہر سے قبل اولیٰ ہے۔ کیونکہ چہرہ "ظاہر" ہے۔

◈ واجب استنشاق ہے نہ کہ استنثار کہ وہ سنت ہے۔ اسی طرح مضمضہ بھی واجب ہے۔

31- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - فِي صِفَةِ وُضُوْءِ النَّبِيِّ ﷺ - قَالَ: ((وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَاحِدَةً)).

نبی کریم ﷺ کے وضو کے طریقے کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: اور نبی کریم ﷺ نے سر کا مسح ایک بار کیا۔ [2]

أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ.

اس حدیث کو ابوداود نے روایت کیا ہے۔

---

[1] دیکھیں: هداية النحو (جديد)، ص: 165- شرح مائة عامل، ص: 5-6. (نسیم)

[2] سنن ابی داود: 115- المختارة للضياء: 264/20- ضیاء مقدسی کہتے ہیں: اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "التلخيص الحبير" (80/1) میں اس کی متابعت کی ہے۔ (سنن البيهقي: 63/1)- امام بیہقی فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی یہ سب سے عمدہ حدیث ہے۔ (دیکھیں: المجموع: 498/1).

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَأَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ، بَلْ قَالَ التِّرْمِذِيُّ: إِنَّهُ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي الْبَابِ.

اور امام نسائی اور امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ بلکہ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس باب میں سب سے صحیح روایت یہی ہے۔

32- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ رضی اللہ عنہما- فِي صِفَةِ الْوُضُوءِ- قَالَ: ((وَمَسَحَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِرَأْسِهِ فَأَقْبَلَ بِيَدَيْهِ وَأَدْبَرَ)).

وضو کے طریقہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: اور نبی کریم ﷺ نے اپنے سر کا مسح کیا چنانچہ پہلے اپنے دونوں ہاتھوں سے آگے سے مسح کیا اور پھر پیچھے سے کیا۔ ❶

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي لَفْظٍ لَهُمَا: ((بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ، حَتّٰى ذَهَبَ بِهِمَا إِلَى قَفَاهُ، ثُمَّ رَدَّهُمَا حَتّٰى رَجَعَ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي بَدَأَ مِنْهُ)).

یہ حدیث ''متفق علیہ ہے اور امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں: آپ ﷺ نے (مسح کو) اپنے سر کے اگلے حصہ سے شروع فرمایا حتیٰ کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی گدی کی طرف لے گئے، پھر دونوں ہاتھوں کو (اسی طرح پھیرتے ہوئے) واپس اسی جگہ لائے جہاں سے مسح شروع فرمایا تھا۔ ❷

33- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما- فِي صِفَةِ الْوُضُوءِ- قَالَ: ((ثُمَّ مَسَحَ ﷺ بِرَأْسِهِ، وَأَدْخَلَ إِصْبَعَيْهِ السَّبَّاحَتَيْنِ فِي أُذُنَيْهِ، وَمَسَحَ بِإِبْهَامَيْهِ عَلَى ظَاهِرِ أُذُنَيْهِ)).

وضو کے طریقہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: پھر آپ ﷺ نے اپنے سر کا مسح کیا اور اپنی شہادت کی دونوں انگلیوں کو اپنے کانوں میں ڈالا اور اپنے انگوٹھوں سے کانوں کے باہر کا مسح کیا۔ ❸

أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

ایک بلاغتی نکتہ :...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث وضو کے باب میں سب سے جامع ہے۔ اس لیے پہلے عمدہ کو ذکر کیا جبکہ مابعد کی روایات فروع یا بعض اجزاء کے ذکر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

غریب الحدیث :...... مَسَحَ بِرَأْسِهِ: مراد نبی کریم ﷺ ہیں کہ آپ ﷺ نے سر کا مسح فرمایا اور یہاں "با" الصاق کے معنی میں ہے اور عَلٰی کی جگہ ہے تاکہ استیعاب کی طرف اشارہ ہو کہ مسح پورے سر کا کیا جائے گا۔

وَاحِدَةً: یعنی سر کا مسح ایک بار ہے۔ حضرت عبداللہ بن زید کی اگلی حدیث اس کے معارض نہیں۔ کیونکہ اس میں مسح کی کیفیت کا ذکر ہے نا کہ تکرار کا۔

---

❶ صحيح البخاري: 192- صحيح مسلم: 235.

❷ صحيح البخاري: 185- صحيح مسلم: 236.

❸ سنن ابي داود: 135- سنن النسائي: 84/1- حافظ رحمہ اللہ "الدراية" (22/1) میں کہتے ہیں: اس حدیث کی اسناد قوی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سَبَّاحَتَيْنِ: مراد سَبَّابَتَيْنِ ہیں، یہ انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی کو کہتے ہیں۔ سَبَّابَة کو سَبَّابَة اس لیے کہتے ہیں کیونکہ آدمی تسبیح کرتے وقت یا دوسرے کو سب و شتم کرتے وقت اسی انگلی سے اشارہ کرتا ہے۔

فِيْ اُذُنَيْهِ: یعنی کانوں کے سوراخوں میں۔ اور کان کے سوراخ میں سبابہ کے اختیار کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ عادۃً اسی انگلی سے کام لیا جاتا ہے۔

بِإِبْهَامَيْهِ: اِبْهَامٌ انگوٹھا۔ یہ معروف ہے۔

ظَاهِرِ اُذُنَيْهِ: مراد کانوں کی وہ طرف ہے جو سر کی جانب ہوتی ہے۔ پس کانوں کا مسح ان کے سوراخ اور باہر کی جانب کا ہوگا، اندر کی پرت اور کانوں کی لَو کا مسح نہ ہوگا۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ تین احادیث وضو کے ایک جزو ''سر کے مسح'' کے طریقہ اور اس کے ساتھ کانوں کے مسح کے طریقہ کے بیان پر مشتمل ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- سر کا مسح ایک بار ہے اور اس کی کیفیت تکرار کو متضمن نہیں۔ مسح غسل کا بدل ہے جس میں مشقت تھی بالخصوص سردیوں میں سر دھونا بے حد مشقت کا کام ہے جس سے باقی کا بدن اور کپڑے بھی بھیگ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لیے اس میں تخفیف کر دی گئی اور جہاں تخفیف ہو وہاں تکرار غیر مناسب ہے۔ علماء کا قول ہے کہ جہاں جہاں بھی مسح ہے، صرف ایک بار ہے۔
- مسح دونوں ہاتھوں سے کیا جائے گا۔ جس کی دلیل اَقْبَلَ بِيَدَيْهِ کے الفاظ ہیں۔
- احادیث بھی ایک دوسری کی تفسیر کرتی ہیں۔ لہٰذا فَاَقْبَلَ بِيَدَيْهِ وَ اَدْبَرَ سے کیا مراد ہے؟ اس کو صحیحین کی ہی ایک دوسری روایت بیان کرتی ہے جو امام موصوف رحمہ اللہ نے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت کے معاً بعد ذکر کی ہے اور ان میں مسح کے طریقہ کا بیان ہے نا کہ مسح کے تکرار کا، لہٰذا یہ روایات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کے معارض نہیں۔
- وضو میں سر کا وظیفہ مسح کرنا ہی ہے نا کہ غسل۔ لیکن اگر کوئی سر کا مسح کرنے کی بجائے اس کو دھو ڈالے تو بعض نے اگرچہ یہ کہہ کر اس کو درست قرار دیا ہے کہ یہ اخفّ سے اعلیٰ کی طرف انتقال ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ درست نہ ہوگا کیونکہ یہ مسنون طریق کے خلاف ہے جس کے ردّ کی وعید آئی ہے۔
- کانوں کا مسح بھی مشروع ہے کیونکہ کان سر میں داخل ہیں اس لیے کانوں کا مسح کیا جائے گا اور یہ کتنا اور کہاں کہاں سے ہے اس کو غریب الحدیث کے تحت بیان کر دیا گیا ہے۔

نیند سے اٹھ کر ناک جھاڑنا

34- وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُم مِّنْ مَّنَامِهِ فَلْيَسْتَنْثِرْ ثَلَاثًا ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَبِيْتُ عَلَى خَيْشُوْمِهِ))

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تم میں کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو وہ اپنی ناک کو تین مرتبہ جھاڑے کیونکہ شیطان آدمی کی ناک کے بانسے میں رات گزارتا ہے۔'' ❶

❶ صحيح البخاري: 3295- صحيح مسلم: 238.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ . یہ حدیث "متفق علیہ" ہے۔

غریب الحدیث:......اِسْتَيْقَظَ: بیدار ہونا۔

خَيْشُوْم: ناک کی جڑ، بانسا یا نتھنا۔ خَيْشُوْم کا اطلاق پوری ناک پر بھی ہوتا ہے اور ناک کے اندر کی نرم ہڈی کو بھی خیشوم کہتے ہیں۔

يَبِيْتُ: کی قید بتلاتی ہے کہ اس سے مراد رات کی نیند سے بیدار ہونا ہے۔ کیونکہ بَاتَ يَبِيْتُ مَبِيْتًا وَ بَيْتُوْتَةً کا معنی ہے رات گزارنا۔

اَلشَّيْطَانُ: اس میں الف لام جنس کا ہے نہ کہ عہد کا، لہٰذا اس سے کوئی معین شیطان مراد نہیں بلکہ جنسِ شیطان مراد ہے۔

ثَلَاثًا: یہ تین دفعہ کا ناک جھاڑنا تین بار پانی لے کر بھی ہوسکتا ہے اور ایک دفعہ کے چلو سے تین بار پانی لے کر بھی ہوسکتا ہے۔

مضمون حدیث:......مذکورہ حدیث میں بنیادی طور پر یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ جو آدمی رات کی نیند سے اٹھ کر بیدار ہوتو وہ تین دفعہ اپنی ناک ضرور جھاڑے کیونکہ شیطان رات انسان کی ناک کے بانسے میں گزارتا ہے۔ چنانچہ اس کے بداثرات سے ناک کو پاک اور صاف کرنے کے لیے یہ حکم ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- فَلْيَسْتَنْثِرْ: یہ امر ہے اور امر میں اصل اس کا وجوب کے لیے ہونا ہے۔ بالخصوص جبکہ نبی کریم ﷺ کسی امر کی علت کسی ایسے امر کو بتلائیں جس سے بچنا واجب ہوتا ہے، تب تو امر بالضرور وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ جیسے یہاں شیطان کے ان اثرات سے بچنے کا حکم ہے جو رات بانسے میں گزارنے سے پیدا ہو جاتے ہیں۔
- ثَلَاثًا کی قید تطہیر میں تکرار کا فائدہ دیتی ہے۔ اس بنا پر راجح مذہب یہ ہے کہ ازالۂ نجاست میں بھی تین تک تکرار شرط ہے۔
- معلوم ہوا کہ متعدد احکامِ شرعیہ میں ''تین'' کے عدد کا اعتبار کیا گیا ہے۔
- نبی کریم ﷺ کا حسنِ تعلیم کہ حکم کو علت کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا۔
- نبی کریم ﷺ کی نبوت کی ایک دلیل کہ آپ ﷺ نے وحی کے ذریعہ ایسی ایک بات کی خبر دی جس کو حس وادراک سے معلوم نہیں کیا جاسکتا۔
- گو کہ مذکورہ علت میں تخصیص ہے کہ یہ حکم رات کی نیند کے ساتھ مقید ہے لیکن "مِنْ نَوْمِهٖ" میں عموم بھی ہے۔ اسی لیے علماء میں دن کی نیند کی بابت اس حکم کے اثبات میں اختلاف ہے لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ آدمی جس بھی نیند سے بیدار ہوتین بار پانی لے کر ناک جھاڑ لے۔

نیند سے اٹھ کر برتن میں ہاتھ ڈالنے سے قبل اس کو دھونا

35۔ وَعَنْهُ: ((إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهٖ فَلَا يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا ، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِيْ أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ)).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ (نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے): ''جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہوتو وہ اپنے ہاتھ کو (پانی کے) برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ اس کو تین بار دھو لے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں (کہاں)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گزاری ہے۔"[1]

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَهٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ .

یہ حدیث "متفق علیه" ہے اور یہ الفاظ امام مسلم کی روایت کے ہیں۔

شرح:...... گزشتہ حدیث سے مناسبت:...... مذکورہ حدیث کا پہلا جملہ گزشتہ حدیث کے پہلے جملہ کے ساتھ پوری مطابقت رکھتا ہے۔ البتہ گزشتہ حدیث میں دوسرے جملہ میں امر جبکہ مذکورہ حدیث کے دوسرے جملے میں نہی ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں اصولی مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد جب تک ہاتھ کو تین بار دھو نہ لیا جائے اسے پانی کے برتن میں نہ ڈالا جائے۔ کیونکہ آدمی کو اس بات کی خبر نہیں ہوتی کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے۔ یہاں یہ مراد نہیں کہ آدمی کو اس بات کی خبر نہیں کہ رات کو اس کا ہاتھ اس کے ساتھ بستر پر تھا یا کہیں اور تھا۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ اسے اپنے ہاتھ کے رات کے دوران کے تصرف اور عمل کا علم نہیں ہوتا۔ جانے کسی گندگی پر پڑ گیا تھا یا یہ کہ جس طرح رات کو شیطان آدمی کے خیشوم میں گزارتا ہے نہ جانے وہ اس کے ہاتھ کے ساتھ بھی کیا کیا کھلواڑ کرتا رہا ہو۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مذکورہ حدیث میں نیند سے اٹھ کر دھونے سے قبل برتن میں ہاتھ ڈالنے کی ممانعت ہے اور نہی میں اصل تحریم ہے۔
- نہی یہ منہی عنہ کے جز اور کل سب کو شامل ہوتی ہے لہٰذا یہ ممانعت جہاں ہاتھ کو شامل ہے وہاں انگلیوں کو بھی شامل ہوگی لہٰذا ایک انگلی کا ڈالنا یہ پورا ہاتھ ڈالنے کے حکم میں ہوگا۔ یہی اصح قول ہے۔
- جس چیز کے نجس ہونے میں شک ہو اس کی تطہیر واجب ہے۔ کیونکہ مذکورہ ممانعت کی تعلیل شک پر مبنی ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ جبکہ بعض علماء کا قول ہے کہ یہاں نہی تحریم کے لیے نہیں بلکہ کراہت کے لیے ہے۔ کیونکہ محض ظن کی بنیاد پر چیزوں کو نجس قرار نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ درست معنی یہ ہے کہ بسا اوقات شیطان رات کو آدمی کے ہاتھ کو میل کچیل میں داخل کر دیتا ہے اور اسے خبر بھی نہیں ہوتی۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ اٹھ کر پہلے ہاتھوں کو دھو لیا جائے پھر ان کو کسی چیز میں ڈالا جائے۔
- انسان کو ہمیشہ احتیاط کی روش اختیار کرنی چاہیے۔ جیسے یہاں احتیاط اس میں ہے کہ پہلے ہاتھ دھو لیے جائیں۔
- اگر کسی نے ہاتھوں کو بنا دھوئے پانی میں ڈال دیا تو تحریم کے قول کی بنا پر یہ گناہ گار ہوگا اور کراہت کے قول کی رُو سے گناہ نہ ہوگا۔ رہا پانی تو اس حدیث میں اس کے حکم سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ لہٰذا درست قول یہ ہے کہ وہ پانی ناپاک نہ ہوگا۔

مضمضہ اور استنشاق کا وجوب

36- وَعَنْ لَقِيطِ بْنِ صَبِرَةَ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((أَسْبِغِ الْوُضُوْءَ ، وَخَلِّلْ بَيْنَ الْأَصَابِعِ ، وَبَالِغْ فِي الِاسْتِنْشَاقِ . إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ صَائِمًا)) .

حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "وضو کو پورا پورا کرو (کہ اس کے ہر ہر عضو کو اچھی طرح دھوؤ) اور (ہاتھوں پیروں کی) انگلیوں کا خلال کرو اور خوب استنشاق کرو مگر یہ کہ تم روزہ سے ہو۔" (تو استنشاق

[1] صحيح البخاري: 162- صحيح مسلم: 278.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں مبالغہ نہ کرو)۔ ❶

أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ. وَلِأَبِي دَاوُدَ فِي رِوَايَةٍ ((إِذَا تَوَضَّأْتَ فَمَضْمِضْ)).

اس حدیث کو ائمہ اربعہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور امام ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''جب تو وضو کرے تو کلی کیا کر۔'' ❷

غریب الحدیث:......**أَسْبِغُوا**: إِسْبَاغ کا معنی عموم اور شمول ہے۔ یہ کسی چیز کے مکمل اور اسے دراز وکشادہ کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً﴾ (لقمن: 20) ''اور تم پر اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں پوری کر دیں۔''

تب پھر ان الفاظ سے وضو کی کیفیت کی طرف اشارہ ہے نہ کہ کمیت کی طرف۔ لہٰذا یہ مراد نہیں کہ اعضائے وضو کو تین مرتبہ سے زیادہ دھوئے۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ اچھی طرح دھوئے۔ پس یہاں تعمیم اور شمول مراد ہے۔ تب پھر یہاں امر وجوب اور استحباب کے درمیان مشترک ہوگا۔

خَلِّلْ: تَخْلِيْل انگلیوں کو انگلیوں میں ڈالنے کو کہتے ہیں اور یہ حکم ہاتھوں اور پاؤں دونوں کی انگلیوں کو شامل ہے۔ بلکہ پاؤں کی انگلیوں کی بابت یہ حکم زیادہ مؤکد ہے کیونکہ پاؤں کی انگلیاں ہاتھوں کی انگلیوں کی نسبت زیادہ جڑی ہوتی ہیں۔

مضمونِ حدیث:......اس حدیث میں وضو میں اسباغ کرنے، ہاتھوں پیروں کی انگلیوں میں خلال کرنے اور استنشاق اور مضمضہ کے وجوب اور استنشاق میں مبالغہ کرنے کے حکم کا بیان ہے۔ وضو کے ہر ہر عضو کو اچھی طرح دھونے کو اسباغ کہتے ہیں۔ یہ کیفیت کا بیان ہے جبکہ کمیت کا بیان دیگر روایات سے مستفاد ہوتا ہے اور روزہ دار استنشاق میں مبالغہ سے بچے کہ کہیں روزہ نہ ٹوٹ جائے۔ کیونکہ استنشاق سانس کے ذریعے پانی کو ناک میں کھینچنے کو کہتے ہیں جس میں مبالغہ پانی کے پیٹ میں اتر جانے کی صورت میں نکل سکتا ہے۔ اسی لیے روزہ دار اس بارے محتاط رہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اسباغ میں تعمیم، شمول اور اکمال تینوں کا معنی پایا جاتا ہے لہٰذا مذکورہ امر وجوب اور استحباب کے درمیان مشترک ہوگا۔
- نبی کریم ﷺ کامل طور پر وضو کرنے کے بے حد حریص تھے۔
- جب وضو میں اکمال کا حکم ہے جو نماز کی شرط ہے تو خود نماز میں اکمال کا حکم بدرجۂ اولیٰ ہوگا۔
- انگلیوں میں خلال کے وجوب میں تفصیل ہے۔ اگر تو انگلیاں بے حد جڑی ہوں کہ ان میں پانی مشکل سے پہنچتا ہو، تب تو ان میں خلال واجب ہے اور اگر ان میں کشادگی ہو تو واجب نہیں۔
- ہاتھوں کی انگلیوں کا خلال ان کو ایک دوسرے میں ڈال کر ہوگا جبکہ پاؤں کی انگلیوں کا خلال داہنے پاؤں کی چھنگلیا سے

❶ سنن ابی داود: 142۔ جامع الترمذی: 788۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور صحیح کہا ہے۔ سنن النسائی: 1/66۔ سنن ابن ماجہ: 407۔ صحیح ابن خزیمۃ: 150۔ اس حدیث کو ابن حبان (1087) اور حاکم (1/248) نے بھی صحیح کہا ہے۔ امام نووی "المجموع" (1/416) میں فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے ابوداؤد، ترمذی اور نسائی وغیرہ نے صحیح اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے۔

❷ سنن ابی داود: 144۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شروع کر کے بائیں پاؤں کی چھنگلیا پر جا کر ختم کیا جائے گا۔

- استنشاق میں اتنا مبالغہ مشروع ہے کہ پانی کے معدے میں جا گرنے کا اندیشہ ہونے لگے۔ جس کی دلیل حدیث میں مبالغہ کا حکم اور روزہ دار کو مبالغہ کی ممانعت ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ روزہ دار کے لیے استنشاق میں مبالغہ غیر مسنون ہے چاہے اس کا روزہ فرضی ہو یا نفلی۔
- معلوم ہوا کہ ناک کے ذریعے پیٹ میں اترنے والی شے کا حکم وہی ہے جو منہ کے ذریعے پیٹ میں اترنے والی شے کا ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ الفاظ ہیں: ''سوائے اس کے کہ تم روزہ دار ہو۔''
- احتیاط کرنا اولیٰ ہے۔
- مبالغہ کے حکم سے استنشاق کا وجوب مستفاد ہوتا ہے۔
- نبی کریم ﷺ کا ایک امتی کو حکم دینا یہ قیامت تک کے لیے پوری امت کو حکم دینے کے حکم میں داخل ہے۔
- سنن ابوداؤد کی مذکورہ دوسری روایت کے الفاظ سے مضمضہ کا وجوب بھی مستفاد ہوتا ہے اور مضمضہ اور استنشاق کے وجوب کو بیان کرنا ہی تو امام موصوف کا مقصود تھا کیونکہ منہ اور ناک چہرے میں داخل ہیں تو جب چہرہ دھونا واجب ہے تو ان اعضاء کو دھونا بھی واجب ہوگا جو چہرے میں داخل ہوتے ہیں۔

داڑھی میں خلال کرنا مستحب ہے

37۔ وَعَنْ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُخَلِّلُ لِحْيَتَهُ فِي الْوُضُوءِ)).

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ وضو میں اپنی داڑھی مبارک کا خلال کیا کرتے تھے۔ ❶

أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث :...... **اَللِّحْيَةُ**: داڑھی۔ ایک معروف عضو بدن۔ یہ مرد کے جبڑوں اور رخساروں پر اگنے والے بالوں کو کہتے ہیں۔ علامہ فیروز آبادی نے "القاموس المحیط" میں یوں ہی لکھا ہے۔ اس بنا پر رخسار بھی داڑھی میں شامل ہوں گے۔

یُخَلِّلُ: داڑھی میں خلال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے بالوں میں پانی داخل کر کے انگلیوں کے ذریعے بالوں کی جڑوں تک پہنچایا جائے۔ حدیث کے ظاہر سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ داڑھی میں طولاً خلال فرمایا کرتے تھے۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک بڑی گنجان تھی۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وضو کے دوران داڑھی کے بالوں میں پانی ڈال کر انگلیوں کے ذریعے ان میں خلال کیا جائے اور الفاظ کی ترکیبی حیثیت یہ بتلاتی ہے کہ داڑھی کا خلال مستحب ہے نہ کہ واجب کیونکہ صرف فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا۔ اس کی مزید تفصیل فوائد کے تحت آ رہی ہے۔

---

❶ جامع الترمذي: 31۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس باب میں سب سے صحیح حدیث یہی ہے۔ صحيح ابن خزيمة: 151۔ سنن ابن ماجه: 430

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ وضو کے دوران داڑھی کا خلال کرنا مستحب ہے۔
◈ محلِ فرض میں اگنے والے بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا فرض ہے اسی لیے گدی کے بالوں کو دھونا یا بھگونا نہ فرض ہے اور نہ ہی سنت۔
◈ بھنووں اور پلکوں کا ذکر اس لیے نہیں کیا کیونکہ وہ لامحالہ دھل جاتے ہیں اور پانی ان کی جڑوں تک پہنچ کر رہتا ہے۔
◈ اگر تو داڑھی خفیف ہو...... یہ وہ داڑھی ہے جس کے بالوں کے نیچے سے کھال کی رنگت نظر آتی ہو......تو اس میں خلال ضروری نہیں کیونکہ خفیف ہونے کی وجہ سے پانی اس کی جڑوں تک بنا خلال کے بھی پہنچ جاتا ہے اور اگر داڑھی گھنی ہو ...... یہ وہ داڑھی ہے جس کے بالوں کے نیچے سے کھال کی رنگت نظر نہ آتی ہو......تو اس کے بالوں میں خلال مستحب ہے۔
◈ تیمم میں چاہے وہ حدثِ اصغر کا ہو یا حدثِ اکبر کا کہ اس میں بالوں کے صرف ظاہر پر مسح کرنا واجب ہے۔ لہٰذا بالوں کے اندر تک مٹی داخل کرنا ضروری نہیں۔
◈ غسلِ جنابت میں ہر حال میں پانی جڑوں تک پہنچانا واجب ہے چاہے داڑھی خفیف ہو یا کثیف۔ یہ دونوں حکم ایک دوسرے کے مقابل ہیں کہ تیمّم میں ایصالِ تراب مطلق واجب نہیں جبکہ غسلِ جنابت میں ایصالِ ماء مطلق واجب ہے۔ رہا وضو تو داڑھی کے خفیف یا کثیف ہونے کا فرق اس میں ملحوظ ہے جس کی تفصیل اوپر ذکر کر دی گئی ہے۔
◈ رہے داڑھی کے لٹکے بال۔ تو ان کو وضو اور غسل میں دھونا واجب ہے کیونکہ یہ ''چہرے'' کے عموم میں داخل ہے۔ لہٰذا داڑھی کے بال جتنے بھی لمبے ہوں اگر تو داڑھی کثیف ہو تو وضو میں اس کے ظاہر کو دھونا واجب ہے اور اگر داڑھی خفیف ہو تو لٹکے بالوں کے ظاہر کے ساتھ ساتھ ان کے باطن کو دھونا بھی واجب ہے۔

وضو میں اعضائے وضو کو ملنے کا حکم

38۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ ؓ قَالَ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُتِيَ بِثُلُثَيْ مُدٍّ فَجَعَلَ يَدْلُكُ ذِرَاعَيْهِ)).

أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

حضرت عبداللہ بن زید ؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک مُدّ پانی کا دو تہائی لایا گیا تو آپ ﷺ (نے اس سے وضو فرمایا، وہ اس طرح کہ آپ ﷺ) اپنے بازوؤں (پر تھوڑا تھوڑا پانی ڈال کر ان) کو ملنے لگے۔ [1]

اس حدیث کو امام احمد ؒ نے روایت کیا ہے اور امام ابن خزیمہ ؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غريب الحديث:......مُدّ ایک صاع کے چوتھائی حصہ کو کہتے ہیں۔

(گویا کہ ایک صاع چار مُد کے برابر ہوتا ہے اور ایک مُد ایک پونڈ کے برابر ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ایک صاع چار پونڈ کے برابر ہوا جو گیارہ سو بیس درہم کے وزن کے بقدر ہوتا ہے۔ پس ایک مد جو ایک پونڈ ہے وہ دو سو اسی درہم کے وزن کے برابر ہوا۔ یہ اہل حجاز کے حساب سے ہے۔ [دیکھیں: القاموس الوحید، ص: 951] اس لحاظ سے ایک مُد کا ثلث 93.3 درہم

[1] مسند احمد: 39/4۔ صحیح ابن خزیمة: 118۔ المستدرك للحاكم: 243/1۔ حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے وزن کے برابر اور دوثلث 186.6 درہم کے وزن کے برابر ہوا۔ واللہ اعلم (نسیم)

وضو کی بابت یہ وہ کم سے کم پانی کی مقدار ہے جس سے وضو کرنے کا ذکر روایات میں ملتا ہے۔ وگرنہ نبی کریم ﷺ اکثر ایک مُد پانی سے وضو فرمالیا کرتے تھے جبکہ ایک صاع پانی کی مقدار سے غسل فرمالیا کرتے تھے۔

مضمون حدیث: .....اس حدیث میں پانی کی اس کم سے کم مقدار کا ذکر ہے جس سے وضو کیا جا سکتا ہے اور وہ ایک مُد کا دوتہائی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اسراف سے بچنا چاہیے۔ اس لیے کم سے کم جس مقدار سے وضو میں اسباغ حاصل ہو سکے پانی کی اس مقدار پر اکتفا کرنا چاہیے جس کی دلیل یہ الفاظ ہیں: ''آپ ﷺ اپنے بازوؤں کو ملنے لگے۔'' مَلنا یہ کسی چیز کو دوسرے پر شدت کے ساتھ پھیرنے کو کہتے ہیں اور اس میں کثرت کے ساتھ پانی بہانے کا معنی شامل نہیں اور اتنے کم پانی سے وضو کرنا بہر حال ممکن ہے۔
- وضو میں اعضائے وضو کو ملنا مستحب ہے اور جب زیادہ پانی کی وجہ سے دَلک (ملنے) کے بغیر بھی اسباغ حاصل ہو جائے تو بھی مَلنا سنت ہے۔ البتہ جب مَلنے کے بغیر اسباغ حاصل نہ ہو تو مَلنا واجب ہوگا۔

سر اور کانوں پر مسح کرنے کا طریقہ اور دونوں کا حکم

39۔ وَعَنْهُ: ((أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يَأْخُذُ لِأُذُنَيْهِ مَاءً خِلَافَ الْمَاءِ الَّذِيْ أَخَذَهُ لِرَأْسِهِ)) .

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے (ہی) روایت ہے (وہ فرماتے ہیں) کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو (وضو کے دوران کانوں کا مسح یوں کرتے) دیکھا کہ آپ ﷺ کانوں (کے مسح) کے لیے اس پانی کے علاوہ پانی لیا کرتے تھے جو آپ ﷺ نے اپنے سر کے (مسح کے) لیے لیا ہوتا تھا۔ [1]

أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ ، وَقَالَ: إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمَذِيُّ أَيْضًا . وَهُوَ عِنْدَ مُسْلِمٍ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ بِلَفْظِ : ((وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ بِمَاءٍ غَيْرِ فَضْلِ يَدَيْهِ)) ،

اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیح ہے اور اسی طرح امام ترمذی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ جبکہ صحیح مسلم میں (یہ روایت) اسی طریق سے ان الفاظ کے ساتھ ہے: اور نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھوں پر بچے (یعنی لگے رہ جانے والے) پانی کے علاوہ دوسرے پانی سے (یعنی نیا پانی لے کر) اپنے سر کا مسح فرمایا۔ [2]

---

[1] سنن البیھقی: 65/1۔ امام بیہقی فرماتے ہیں: اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔ حاکم "علو الحدیث" (ص: 90) میں فرماتے ہیں یہ غریب سنت ہے جس میں اہل مصر متفرد ہیں، کسی دوسرے علاقے کے لوگ اس باب میں ان کے شریک نہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (469/1) میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ (دیکھیں: التلخیص الحبیر: 90/1)

[2] صحیح مسلم: 236.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَهُوَ الْمَحْفُوظُ . یہ روایت محفوظ ہے۔

مصطلح الحدیث: ......''شاذ'' کا لغوی معنی ہے سب سے الگ تھلگ اور اصطلاحِ علم حدیث میں شاذ اس حدیث کو کہتے ہیں جسے کوئی مقبول راوی ایسے راوی کے خلاف روایت کرے جو مرتبہ میں اس سے فائق ہو۔ایسی حدیث کو شاذ اور ایسی مخالفت کو شذوذ کہتے ہیں۔''محفوظ'' جبکہ ''محفوظ'' اس حدیث کو کہتے ہیں جسے کوئی اوثق (دوسروں سے ثقاہت میں فائق) راوی کسی ثقہ راوی کے خلاف روایت کرے۔ ❶

مضمون حدیث: ......مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ جب سر کا مسح کیا جائے تو نیا پانی لیا جائے۔رہ گیا کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی لینا تو حدیث کی درایتی اور روایتی بحث کا حاصل یہ ہے کہ کانوں کے مسح کے لیے سر کے مسح کے لیے لیا گیا پانی ہی کافی ہے، نیا پانی لینا ضروری نہیں۔جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

درایت الحدیث

امام بیہقی کی روایت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب کانوں کا مسح کیا جائے تو نیا پانی لے کر کیا جائے لیکن امام ابن حجر رحمہ اللہ اس روایت پر گرفت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسی طریق سے صحیح مسلم کی روایت ہے جو کہ محفوظ ہے۔اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نیا پانی سر کے مسح کے لیے لیا جائے گا نہ کہ کانوں کے مسح کے لیے لیا جائے گا۔اس بنا پر بیہقی کی روایت شاذ ہوگی کیونکہ دونوں کا مخرج ایک ہے جبکہ مسلم کی روایت اقویٰ ہے اور علم مصطلح الحدیث میں یہ بات معروف ہے کہ اقویٰ کی روایت کو مقدم کیا جاتا ہے چاہے دوسرا راوی ثقہ ہی کیوں نہ ہو اور اقویٰ روایت کو محفوظ اور دوسری کو شاذ کہیں گے۔

اس تفصیل کی روشنی میں بیہقی کی روایت کا یہ مستفاد کہ کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی لیا جائے نبی کریم ﷺ سے غیر ثابت ہوگا اور مسلم کی روایت مقدم ہوگی جس کا مستفاد یہ ہے کہ نیا پانی سر کے مسح کے لیے لیا جائے گا نہ کہ کانوں کے مسح کے لیے۔لہٰذا جن علماء کا یہ قول ہے کہ کانوں کے مسح کے لیے بھی نیا پانی لینا مسنون ہے، یہ ضعیف قول ہے۔البتہ فرض کیا کہ اگر کانوں کے مسح کے وقت گرمی، تیز ہوا یا گھنے بالوں وغیرہ کی کسی وجہ سے ہاتھوں پر تری باقی ہی نہ رہی ہو، تب نیا پانی لے سکتے ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- صحیح مسلم کی روایت کی بنا پر، جو اقویٰ ہے، سر کے مسح سے بچے ہوئے پانی سے کانوں کا مسح کیا جائے گا۔
- وضو میں ہر عضو کو دھونے کے لیے نیا پانی لیا جائے گا۔جس کی دلیل حدیث کے یہ الفاظ ہیں: ''غَيْرِ فَضْلِ يَدَيْهِ .''
- لیکن اگر کوئی سر کے مسح کے لیے نیا پانی نہ لے اور ہاتھوں پر بچی تری سے ہی سر کا مسح کر لے، تو اس کے مسح کا جواز اس اختلاف پر مبنی ہے کہ ماءِ مستعمل کا حکم کیا ہے؟ جن کے نزدیک تو طہارتِ واجبہ کے باب میں ماءِ مستعمل ''طاہر، غیر مطہر'' ہے ان کے نزدیک یہ مسح جائز نہ ہوگا اور جن کے نزدیک ''طاہر، غیر مطہر'' نامی پانی کی کوئی قسم شرعاً ثابت نہیں، ان کے نزدیک یہ مسح جائز تو ہو جائے گا مگر خلافِ مسنون ہوگا۔

کامل وضو کرنے کی فضیلت

40- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ : سَمِعْتُ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے

❶ علوم الحدیث لمحمد عبداللہ الاسعدی، ص: 187. (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : ((إِنَّ أُمَّتِي يَأْتُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ ، مِنْ أَثَرِ الْوُضُوْءِ ، فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيْلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ))

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ .

نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے: ''بے شک میری امت کے لوگ روزِ قیامت اس حال میں آئیں گے کہ وضو کے اثر کی وجہ سے ان کی پیشانیاں اور ہاتھ پیر چمک رہے ہوں گے، پس (اب) تم میں سے جس سے یہ ہو سکے کہ وہ اپنی اس چمک کو لمبا کرے (یعنی بڑھائے) تو وہ ایسا ضرور کرے۔'' [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں۔

غریب الحدیث :......اُمَّتِیْ: امت سے امتِ اجابت مراد ہے۔ کیونکہ امتِ دعوت توحید وایمان کی دعوت کی مخاطب ہے نہ کہ احکامِ شرعیہ کی۔

يَوْمَ الْقِيَامَةِ: قیامت وہ دن ہے جس دن سب لوگوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھا کھڑا کیا جائے گا۔ قیامت کا یہ نام تین وجہ سے ہے:

(1)......اس دن لوگ اپنی قبروں سے نکل کر کھڑے ہوں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (المطففين : 6)

''جس دن لوگ رب العالمین کے لیے کھڑے ہوں گے۔''

(2)......اس دن عدل قائم کیا جائے گا۔ جس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا﴾ (الانبياء : 47)

''اور ہم قیامت کے دن ایسے ترازو رکھیں گے جو عین انصاف ہوں گے، پھر کسی شخص پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا۔''

(3)......اس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔ جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴾ (غافر : 51)

''بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے ضرور مدد کرتے ہیں دنیا کی زندگی میں اور اس دن بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے۔''

غُرًّا: یہ اَلْاَغَرُّ (اسم تفضیل) کی جمع ہے جو ''فُعْلٌ'' کے وزن پر ہے۔ اصل میں یہ لفظ غُرْرًا ہے جو ادغام کے بعد غُرًّا ہو گیا ہے اور یہ ''يَاْتُوْنَ'' کی ضمیر سے حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور لفظ اَغَرُّ غُرَّةٌ سے مشتق ہے۔ غُرَّةٌ یہ گھوڑے کے ماتھے کی سفیدی کو کہتے ہیں اسی بنا پر سفید پیشانی والے گھوڑے کو بھی اَغَرُّ کہتے ہیں۔

مُحَجَّلِيْنَ: یہ تَحْجِيْلٌ سے ہے۔ تَحْجِيْلٌ اصل میں گھوڑے کے پیروں کی سفیدی کو کہتے ہیں۔ اسی لیے سفید پیروں والے گھوڑے کو مُحَجَّل کہتے ہیں۔ یہ بھی ''يَاْتُوْنَ'' کی ضمیر سے حالِ ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

مِنْ اَثَرِ الْوُضُوْءِ: مذکورہ مِنْ تعلیلیہ ہے اور وضو کو چاہے وُضُوْء پڑھیں اور چاہیں وَضُوْء دونوں طرح صحیح ہے۔

اَنْ يُّطِيْلَ غُرَّتَهُ: غرہ کی اطالت۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں [2] کہ یہ عقلاً اور عادۃً ممکن نہیں۔ کیونکہ غرہ چہرے

---

[1] صحيح البخاري: 136 - صحيح مسلم: 246. [2] زاد المعاد: 196/1

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی سفیدی کو کہتے ہیں اور چہرہ طول و عرض میں محدود اور متعین ہے۔ لہٰذا اگر کوئی یہ سمجھے کہ میں چہرہ دھونے کی حد کو بڑھاؤں تو یہ روشنی اور بڑھے گی تو اس کا یہ سمجھنا غلط ہوگا۔ اس بنا پر یہ قولِ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے جو حدیث میں ادراج ❶ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کی دوسری روایات میں یہ جملہ مذکور نہیں ملتا۔ اور یہی درست ہے جو امام ابن قیم رحمہ اللہ کا قول ہے۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں وضو میں اسباغ کرنے کی فضیلت کا بیان ہے کہ اعضائے وضو کو کامل اور پورا پورا دھویا جائے تا کہ یہ اعضاء روزِ قیامت پوری روشنی دیں، ادھوری روشنی نہ دیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مذکورہ وصف کے ساتھ روزِ قیامت آنا اسی امت کا خاصا ہے۔ جس سے وضو کی فضیلت بھی معلوم ہوگئی۔
- یہ نور اور بیاض صرف ان اعضا کے ساتھ خاص ہوگا جن کو وضو میں دھویا جاتا ہے اور دھوئے جانے والے اعضا منہ، ہاتھ اور پاؤں ہیں۔ رہا سر کہ جس کا مسح کیا جاتا ہے وہ مسکوت عنہ کے حکم میں ہے۔
- ''جزاء'' عمل کی جنس میں سے ہوتی ہے۔ چنانچہ جب نمازی اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے امتثال میں وضو کر کے اعضاء وضو کو پاک کرتے ہیں تو اس کی جزاء بھی انہیں ویسی ہی ملے گی کہ ان اعضاء کو روشن کر دیا جائے گا۔ کیونکہ نور اور بیاض طہارت و نظافت کے مناسب ہے۔
- علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی تحقیق کی روشنی میں اطالتِ غرہ سے، حد غسل سے تجاوز کرنا مراد لینا غلط ہوگا۔ کیونکہ وضو میں اعضاءِ وضو تک محدود رہنا مسنون اور ان سے تجاوز کرنا غیر مسنون ہے۔

داہنی جانب سے آغاز کرنا مستحب ہے

41- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعْجِبُهُ التَّيَمُّنُ فِيْ تَنَعُّلِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَطُهُوْرِهِ وَفِيْ شَأْنِهِ كُلِّهِ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''نبی کریم ﷺ کو جوتا پہننے میں، کنگھی کرنے میں، طہارت حاصل کرنے اور اپنے سب (مہتمم بالشان) کاموں میں داہنی طرف سے ابتدا کرنا پسند تھا۔'' ❷

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:...... **يُعْجِبُهُ**: اِعْجَاب پسند آنے اور کسی بات سے خوش ہونے کو کہتے ہیں۔

اَلتَّيَمُّنُ: داہنی جانب کو لینا۔ داہنی جانب سے کسی چیز کا آغاز کرنا۔

تَنَعُّلِهِ: تَنَعُّل جوتا پہننا۔

تَرَجُّلِهِ: تَرَجُّل بالوں میں کنگھی کرنا۔

طُهُوْرِهِ : طُهُوْر پاکی حاصل کرنا۔ جیسے وضو اور غسل کہ آپ ﷺ ان میں ہر عضو میں داہنی طرف سے ابتدا فرماتے

---

❶ ادراج کا لغوی معنی ہے داخل کرنا اور اصطلاح میں اس حدیث کو مدرج کہتے ہیں جس میں اس کے غیر کو داخل کر دیا جائے، اس حدیث کو مُدرَج اور اس وصف کو ادراج کہتے ہیں۔ یہ ادراج متن اور سند دونوں میں ہوسکتا ہے۔ (علوم الحدیث، ص: 173) مذکورہ حدیث مدرج المتن ہے۔ (مترجم)

❷ صحیح البخاری: 168- صحیح مسلم: 268.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے، سوائے سر کے کہ اس کی طہارت میں اس کو اکٹھا لیتے تھے نہ کہ داہنی یعنی ایک جانب سے شروع کر کے دوسری جانب پر ختم فرماتے تھے بلکہ پورے سر کی طہارت کو بیک وقت دونوں اطراف سے دونوں ہاتھوں سے شروع فرماتے تھے۔

فِيْ شَأْنِهٖ: شَأْنٌ دین یا دنیا کا اہم کام۔

مضمونِ حدیث:......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اپنے دین کے اور دنیا کے اہم کاموں میں داہنی طرف سے آغاز کرنا پسند تھا۔ اہم کی قید سے خفیف اور گھٹیا کام اس حکم سے نکل گئے جیسے ازالۂ نجاست، استنجاء، ناک وغیرہ کی صفائی کہ ان جیسے امور میں داہنی طرف کو پسند نہ فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے داہنے ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا[1] اور آپ ﷺ ناک کو بائیں ہاتھ سے جھاڑتے تھے۔[2] چنانچہ جوتا پہننے میں پہلے داہنا جوتا پہنتے، بالوں میں کنگھی کرتے وقت پہلے داہنی جانب کے بالوں میں کنگھی فرماتے اور غسل اور وضو کے اعضاء میں داہنی جانب سے دھونا تو معروف ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نبی کریم ﷺ کو اپنے دین و دنیا کے سب کاموں میں داہنی طرف سے آغاز پسند تھا۔ مذکورہ حدیث میں تَنَعُّل، تَرَجُّل اور طُهُوْر تین باتوں کی نص آئی ہے اور باقی کے عموم کو بتلایا ہے لیکن اس عموم سے چند امور مستثنیٰ ہیں جن کو مضمونِ حدیث میں بیان کر دیا گیا ہے۔ پس نزاہت کے مواقع میں اور اسی طرح جو مواقع نہ تو نزاہت کے ہوں جیسے مسواک کرنا اور نہ اذیٰ کے ہوں جیسے استنجا کرنا کہ ان دونوں مواقع میں یمین کو مقدم کیا جائے گا جبکہ اذی کے مواقع میں بائیں جانب کو مقدم کیا جائے گا۔
- معلوم ہوا کہ داہنی جانب کو بائیں جانب پر فوقیت حاصل ہے۔
- کنگھی کرنا جائز ہے۔ البتہ بال رکھنے کے سنتِ عبادیہ یا سنتِ عادیہ میں سے ہونے میں اختلاف ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ یہ سنتِ عادیہ ہے کہ یہی اقرب قول ہے۔ اس لیے بالوں کے رکھنے یا نہ رکھنے میں مدار لوگوں کی عادت ہوگا۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے بالوں کے رکھنے یا نہ رکھنے کا حکم نہیں دیا البتہ یا تو بالکل منڈوا دے یا سب چھوڑ دے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ نے ایک بچے کے سر کے بعض بال کٹے ہوئے دیکھے تو فرمایا: ''یا تو سب منڈوا دو یا سب چھوڑ دو۔''[3]
- آدمی کو اپنی صفائی ستھرائی، لباس پوشاک کی درستی کا خیال رکھنا چاہیے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ اپنے بالوں میں کنگھی فرمایا کرتے تھے جو اپنا آپ درست رکھنے میں داخل ہے۔ لہٰذا میلا کچیلا اور بکھرا بکھرا رہنا اسلامی آداب و اخلاق کے خلاف ہے۔
- جوتا پہننا جائز ہے۔ رہا یہ امر کہ افضل ننگے قدم رہنا ہے یا جوتا پہننا؟ تو اس میں تفصیل ہے۔ اگر تو زمین کانٹے دار،

---

[1] صحیح البخاری: 153۔ صحیح مسلم: 267 من حدیث ابی قتادة رضی اللہ عنہ.

[2] سنن النسائی: 67/1۔ مسند احمد: 135/1 عن علی رضی اللہ عنہ۔ صحیح ابن حبان: 1079۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

[3] سنن ابی داود: 4195۔ سنن النسائی: 130/8۔ امام نووی ''شرح صحیح مسلم'' (167/7) میں فرماتے ہیں اس کی اسناد شیخین کی شرط پر ہے اور امام ابن حبان (5508) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نوکیلی، دلدلی، سخت گرم یا سخت سرد ہے یعنی تکلیف دینے والی ہے تو جوتے پہننا افضل ہے۔ البتہ ہموار اور معتدل زمین پر جوتا پہن کر چلنا جائز ہے جب کہ کبھی کبھی ننگے قدموں چلنا افضل ہے۔

- چونکہ کان سر میں داخل ہیں اس لیے ان دونوں کا مسح بھی سر کی طرح بیک وقت کیا جائے گا۔
- رہا موزوں کا مسح تو ان میں بھی افضل یہ ہے کہ ان کو بھی اکٹھا کیا جائے۔ کیونکہ ہر ممسوح شے کی شان یہی ہے کہ ان کا مسح اکٹھا کیا جائے۔

اعضائے وضو کے دھونے میں ابتدا داہنی جانب سے کی جائے

42- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَابْدَءُوْا بِمَيَامِنِكُمْ)).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تم لوگ وضو کیا کرو تو (اعضا کے دھونے میں) اپنی داہنی جانبوں سے آغاز کیا کرو۔'' ❶

أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

اس حدیث کو ائمہ اربعہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن خزیمہ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:.....اِذَا تَوَضَّأْتُمْ: یہاں فعل ارادۂ فعل کے معنی میں ہے۔ یعنی جب تم وضو شروع کرنے لگو اور وضو کرتے ہوئے ہاتھوں اور پاؤں تک پہنچو تو ان کے دھونے میں ابتدا ان کی داہنی جانب سے کرنا۔

فَابْدَءُوْا: واقع یہ ہے کہ یہ امر استحباب کے لیے ہے نہ کہ وجوب کے لیے کیونکہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ﴾ (المائدۃ: 6) ''اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھولو۔''

اس آیت میں رب تعالیٰ نے اعضا میں تو ترتیب بیان کی ہے البتہ ان دو اعضا میں کوئی ترتیب بیان نہیں فرمائی جو ایک عضو کے حکم میں ہوتے ہیں جیسے دو ہاتھ اور دو پیر۔

مَيَامِنِكُمْ: مَيَامِن یہ مَيْمَنَةٌ کی جمع ہے۔ یہ داہنی جانب کو کہتے ہیں۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو میں تیامن (یعنی داہنی جانب سے آغاز) سنتِ قولیہ اور فعلیہ دونوں سے ثابت ہے۔ چنانچہ سنتِ قولیہ سے ثبوت اس حدیث سے جبکہ سنتِ فعلیہ سے ثبوت سابقہ حدیثِ عائشہ سے ہے۔

عمامہ پر مسح کا ثبوت اور اس کی شروط

43- وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رضی اللہ عنہ ، ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ ، وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَالْخُفَّيْنِ))

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نے وضو فرمایا۔ پس آپ ﷺ نے اپنی پیشانی کا اور عمامہ اور موزوں پر مسح فرمایا۔ ❷

---

❶ سنن ابی داود: 4141- سنن ابن ماجہ: 402- مسند احمد: 435/2- صحیح ابن خزیمۃ: 178- صحیح ابن حبان: 1090- امام نووی ''المجموع'' (443/1) میں فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے۔ اسے امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے اپنی اپنی سنن کی ''کتاب اللباس'' میں جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ابن دقیق العید ''الالمام'' میں لکھتے ہیں: یہ حدیث اس لائق ہے کہ اس کو صحیح کہا جائے۔ (التلخیص الحبیر: 88/1- الدرایۃ: 28/1- خلاصۃ البدر المنیر: 36/1) ترمذی اور نسائی کے سوا ہمیں یہ حدیث کہیں اور موقوف نہیں ملی۔

❷ صحیح مسلم: 274.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ . اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... اَلنَّاصِيَة: پیشانی۔ اس کی جمع نَوَاصِيْ اور نَاصِيَاتِ آتی ہے۔

اَلْعِمَامَةُ: سربند، پگڑی۔ اس کی جمع عَمَائِم ہے۔

خُفَّيْنِ: اَلْخُفُّ: چرمی موزہ، ہاف بوٹ جمع خِفَافٌ اور اَخْفَافٌ آتی ہے۔

قصۂ حدیث:...... غزوہ تبوک کا واقعہ ہے کیونکہ اس وقت حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پر مامور تھے۔

مضمون حدیث:...... حدیث کا مضمون واضح ہے کہ وضو کے دوران پیشانی پر، عمامہ پر اور موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔

عمامہ پر مسح کا جواز اور شروط کی تفصیل

مذکورہ روایت سے وضو کے دوران عمامہ پر مسح کرنے کا جواز مستفاد ہوتا ہے۔ البتہ اس بابت چند مباحث ہیں جو ذیل میں قدرے اختصار کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں:

پہلی بحث:...... یہ ہے کہ اس پر لفظِ عمامہ کا اطلاق درست ہو چاہے وہ مُحَنَّكَه ہو (یعنی اس کا ایک پلو ٹھوڑی کے نیچے ہوتا کہ وہ ٹکا رہے) اور چاہے اس کا ایک پلو پیچھے دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑا ہوا ہو اور چاہے ان دونوں صورتوں پر نہ ہو البتہ اس پر عمامہ کا لفظ صادق آتا ہو۔ یہی امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مختار قول ہے۔ [1]

دوسری بحث:...... اس کا پاک ہونا لازم و واجب ہے۔

تیسری بحث:...... وہ مباح ہو یعنی اپنے یا جائز مال سے ہو، چوری یا غصب کا نہ ہو۔ کیونکہ عمامہ پر مسح رخصت ہے اور رخصت میں معصیت مباح نہیں ہوتی۔ یہی قول راجح ہے۔

چوتھی بحث:...... یہ ہے کہ اصح قول کے مطابق عمامہ پر مسح کے جواز کے لیے یہ شرط نہیں کہ اس کو وضو کی حالت میں باندھا ہو اور اس باب میں عمامہ کو موزوں پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا، کیونکہ عمامہ جس عضو پر باندھا جاتا ہے اس کی طہارت مخففہ ہے یعنی سر کا مسح کیا جاتا ہے جبکہ موزہ جس عضو پر پہنا جاتا ہے اس کی طہارت اشد ہے یعنی پاؤں کو دھویا جاتا ہے۔ لہٰذا اصح قول یہی ہے کہ عمامہ پر مسح کے جواز کے لیے اس کو طہارت پر باندھا ہونا شرط نہیں۔

پانچویں بحث:...... اس عمامہ پر مسح کی کوئی معین مدت نہیں، اگر ہوتی تو شریعت میں اس کی تصریح آ جاتی جیسا کہ موزوں پر مسح کی ایک معین مدت ہے۔ رہا موزوں پر عمامہ کا قیاس، تو وہ اصح قول کے مطابق ردّ ہے جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔

چھٹی بحث:...... غسل جنابت میں عمامہ پر مسح کرنا جائز نہیں۔ پس حدثِ اکبر میں کوئی ممسوح شے نہیں سوائے ضرورت کے جیسے جبیرہ کہ اس پر غسلِ جنابت میں بھی مسح کر سکتے ہیں۔ لیکن عمامہ میں جبیرہ جیسی ضرورت دائمی نہیں۔ لہٰذا اس پر مسح بھی جائز نہ ہوگا۔

موزوں پر مسح کا جواز

موزوں پر مسح کے جواز کے لیے ان کا طہارت پر پہننا شرط ہے جس کی بحث اپنے مقام پر آ جائے گی۔

---

[1] الفتاوی: 187/21.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پیشانی کے بالوں پر مسح

بعض علماء نے پیشانی کے بالوں پر مسح کے ذکر سے اس بات کے جواز پر استدلال کیا ہے کہ سر کا مسح اس کے بعض پر بھی کیا جا سکتا ہے، اس کا استیعاب لازم نہیں۔ لیکن یہ قول محلِ نظر ہے، کیونکہ مذکورہ حدیث میں پیشانی پر مسح کے ساتھ عمامہ پر مسح کا ذکر ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ عمامہ پہننے کی حالت میں پیشانی کے بال ظاہر ہوتے ہیں لہٰذا ان پر مسح لازم ہوگا۔ لیکن جب سر پر عمامہ بندھا نہ ہو تو پورے سر کا مسح واجب ہے۔

ماموارت کی ادائیگی کے وقت اوامرِ الٰہی کے امتثال کی نیت کی جائے

44۔ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضي الله عنهما - فِيْ صِفَةِ حَجِّ النَّبِيِّ ﷺ - قَالَ ﷺ: ((اِبْدَؤُوْا بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهٖ))

أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ هٰكَذَا بِلَفْظِ الْأَمْرِ ، وَهُوَ عِنْدَ مُسْلِمٍ بِلَفْظِ الْخَبَرِ .

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کے حج کی صفت کی بابت روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ابتدا اس چیز سے کرو جس کا ذکر رب تعالیٰ نے پہلے کیا ہے۔''❶

امام نسائی نے یہ حدیث اسی طرح امر کے صیغہ کے ساتھ روایت کی ہے جبکہ صحیح مسلم کی روایت میں یہ حدیث ''خبر'' کے صیغہ کے ساتھ ہے۔

شرح: ......حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی حیثیت: ......نبی کریم ﷺ کے حجۃ الوداع کی بابت سب سے طویل اور جامع و شامل حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے اور اس لائق ہے کہ اس باب میں اس حدیث کو اصل قرار دیا جائے جیسا کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے ''صفة حجة النبی ﷺ'' میں اس حدیث کو اصل ٹھہرایا ہے۔ لہٰذا جو احادیث اس حدیث میں موجود نہیں ان کو اس کے ملحق کیا جائے گا اور جو احادیث اس کے معارض ہیں، اس حدیث کو ان پر مقدم کیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ احرام باندھنے سے لے کر احرام ختم کرنے تک نبی کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ رہے تھے۔

نسائی اور مسلم کی روایات میں فرق

مذکورہ الفاظ اِبْدَءُ وْا سنن نسائی میں امر کے صیغہ کے ساتھ جبکہ صحیح مسلم میں خبر کے صیغہ اَبْدَأُ کے ساتھ آئے ہیں۔ قصہ یہ ہے کہ طواف سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے مقامِ ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا فرمائی، پھر حجر اسود کا مسح کیا اور مسجد حرام کے دروازہ سے صفا مروہ کی طرف نکل گئے۔ جب صفا کے قریب ہوئے تو یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿إِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ (البقرة: 158)

''بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔''

پھر یہ ارشاد فرمایا: اَبْدَءُ بِمَا بَدَءَ اللّٰهُ بِهٖ . ''میں (بھی صفا مروہ کا طواف) اس (جگہ) سے شروع کرتا ہوں۔ جس کے ذکر سے رب تعالیٰ نے ابتدا فرمائی ہے۔'' نبی کریم ﷺ نے آیت تلاوت فرما کر یہ ارشاد اس لیے فرمایا تا کہ اپنے قلبِ مبارک میں اس بات کی یاد کو تازہ فرمائیں کہ آپ ﷺ ان دونوں کا طواف اور صفا سے اس طواف کا آغاز رب تعالیٰ کے امر

❶ سنن النسائی: 236/5۔ صحیح مسلم: 1218 فی سیاق حدیث الحج الطویل۔ امام نووی ''المجموع'' (71/8) میں فرماتے ہیں: نسائی کی روایت مسلم کی شرط پر اور صحیح ہے۔ یہ پوری حدیث ''باب صفة الحج'' میں آ رہی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے امتثال میں فرما رہے ہیں اور نبی کریم ﷺ کے اس اسوہ کی اقتدا میں ہمیں بھی یہ چاہیے کہ ہم رب تعالیٰ کے ہر حکم کو پورا کرتے وقت اس بات کا استحضار کرلیں کہ ہم یہ حکم رب تعالیٰ کے امر کی اتباع میں پورا کر رہے ہیں۔ غرض مذکورہ صیغہ اگر امر کا ہوتو بھی ہم مامور ہیں اور اگر خبر کا ہو تو بھی ہم نبی کریم ﷺ کے اسوہ کی اقتدا میں اس کے امتثال پر مامور ہیں۔

مناسبت حدیث: ...... مذکورہ حدیث کو اس باب کے تحت لانے کی مناسبت یہ ہے کہ یہ حدیث اس بارے عام ہے کہ ہم ہر حکم کے امتثال میں آغاز وہاں سے کریں گے جہاں سے رب تعالیٰ نے حکم بیان کرنے میں آغاز فرمایا ہے۔ لہٰذا ہم وضو کے باب میں قرآن کریم میں مذکور وضو کی آیت کے مطابق پہلے چہرہ دھوئیں گے پھر دونوں ہاتھ دھوئیں گے، پھر سر کا مسح کریں گے اور پھر دونوں پاؤں دھوئیں گے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- جن باتوں کو رب تعالیٰ نے مقدم کیا ہے ہم بھی انہیں مقدم کریں۔ یہیں سے اعضاءِ وضو کے غسل میں ترتیب کے واجب ہونے کا علم بھی ہو گیا۔
- اعتبار عموم کا ہوتا ہے نہ کہ سبب کے خصوص کا۔ جیسے "اَبْدَءُ بِمَا بَدَءَ اللّٰهُ بِهٖ" کے ارشاد کا سبب خاص ہے لیکن یہ ارشاد عام ہے۔ لہٰذا اعتبار عموم کا ہوگا۔
- قرآن کریم میں غور وتدبر لازم ہے۔ لہٰذا قرآن میں مذکور مقدم کو مقدم اور موخر کو موخر رکھا جائے۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مہاجرین کا رتبہ انصار رضی اللہ عنہم سے افضل ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے مہاجرین رضی اللہ عنہم کو ذکر میں مقدم کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ﴾ (التوبة: 100)

''اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ۔''

انسان بہرحال کوتاہ ہے

45۔ وَعَنْهُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا تَوَضَّأَ أَدَارَ الْمَاءَ عَلٰى مِرْفَقَيْهِ)).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ''نبی کریم ﷺ جب وضو فرماتے (ہوئے اپنے ہاتھوں کو دھوتے) تھے تو اپنی کہنیوں پر پانی کو گھماتے (یعنی ڈالتے اور پھیرتے) تھے۔'' [1]

أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

امام دارقطنی نے اس حدیث کو ضعیف اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

شرح: ...... امام موصوف یہ حدیث صرف یہ بتلانے کے لیے لائے ہیں کہ وضو میں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھویا جائے گا۔ لیکن اے کاش کہ امام موصوف دارقطنی کی اس ضعیف روایت کی بجائے صحیح مسلم کی اس روایت کو لے آتے کہ ''نبی کریم ﷺ نے وضو نے فرمایا پس آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھویا یہاں تک کہ بازو دھونا شروع کیے۔'' [2] اور

---

[1] سنن الدارقطني: 83/1۔ سنن البيهقي: 56/1۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر (52/2) میں، امام نووی نے "المجموع" (447/1) میں اور متعدد حفاظ نے بھی اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ (دیکھیں: التلخيص الحبير: 57/1)

[2] صحيح مسلم: 246.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بازو میں کہنی شامل ہے اور یہاں کہنی سے تجاوز مراد نہیں جیسا کہ اس کی بحث گزر گئی۔ بلکہ کہنی کا اکمال مراد ہے۔ لیکن آدمی بہرحال آدمی ہے۔ اس کا علمی قد جس قدر چاہے بلند ہو جائے بہرحال کوتاہ ہے وگرنہ یہ بات معلوم ہے کہ امام موصوف کا قلم بے حد عمدہ ہے۔ البتہ امام موصوف کے اس فعل کی ایک عمدہ توجیہ یہ بیان کی جا سکتی ہے کہ لوگوں میں یہ حدیث چونکہ مشہور تھی اس لیے موصوف اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے یہ حدیث لے کر آئے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے چاہے یہ حدیث زبانِ زد خلائق ہے۔ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ.

وضو کو بسم اللہ سے شروع کرنے کا حکم

46,47,48- وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ)).

أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَهْ بِإِسْنَادٍ ضَعِيْفٍ وَلِلتِّرْمِذِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ، وَأَبِيْ سَعِيْدٍ نَحْوُهُ وَ قَالَ أَحْمَدُ: لَا يَثْبُتُ فِيْهِ شَيْءٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اس شخص کا کوئی وضو نہیں جس نے اس (کے شروع کرنے) پر بسم اللہ نہیں پڑھی۔'' ❶

اس حدیث کو امام احمد، امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام ترمذی کی حضرت سعید بن زید اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے مروی ایسی ہی ایک روایت ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس بارے کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ ❷

غریب الحدیث :...... **لَا وُضُوْءَ**: اس میں لا نفی جنس کا ہے اور یہ لا وجود یا صحت کی نفی کے لیے نہیں بلکہ کمال کی نفی کے لیے ہے۔ یعنی جس نے بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ کر وضو نہیں کیا اس کا وضو کامل نہیں۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں وضو کو بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ کر شروع کرنے کی تاکید کا بیان ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ اگر کسی نے بِسْمِ اللّٰهِ پڑھے بغیر وضو کر لیا تو آیا اس کا وضو ہی نہیں ہوا، یا صحیح نہیں ہوا یا کامل نہیں ہوا؟ تو اس بارے راجح قول یہ ہے کہ اس کا وضو کامل نہیں ہوا اور وضو میں تسمیہ سنت ہے نہ کہ واجب یا فرض۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ تسمیہ کی اہمیت کہ وضو کا وجود یا صحت یا کمال علیٰ حسب اختلاف الفقہاء تسمیہ کے عدم یا وجود پر موقوف ہے۔

◈ بعض فقہاء کے نزدیک مذکورہ نفی صحت کی ہے البتہ ان فقہاء کے نزدیک یہ بھی ہے کہ تسمیہ وضو کی نہ تو شرط ہے اور نہ رکن، البتہ تسمیہ واجب ہے جو نسیان کے وقت ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بات عجیب ضرور ہے کہ جب تسمیہ کی نفی صحتِ وضو کی نفی ہے تو لامحالہ تسمیہ یا تو شرط ہوگی یا رکن اور شرط یا رکن نسیان سے ساقط نہیں ہوتے۔

---

❶ مسند احمد: 41/3- سنن ابی داود: 102- سنن ابن ماجه: 397- امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی "التاریخ" (76/4) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ یہی قول "الکامل" (173/3) میں ابن عدی کا بھی ہے۔ (دیکھیں: نصب الراية: 3/1) امام بیہقی (43/1) احادیث الباب ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: وضو میں تسمیہ کی بابت سب سے اصح روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنا دست مبارک پانی کے برتن میں ڈالا پھر فرمایا: ''وضو (کو) بسم اللہ پڑھ کر (شروع) کرو۔''

❷ جامع الترمذی: 25- امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس باب میں جید اسناد والی کسی حدیث کا علم نہیں۔ (دیکھیں: الترغیب و الترهیب: 99/1) امام نووی رحمہ اللہ "المجموع" (404/1) میں فرماتے ہیں: ان سب احادیث کی اسانید ضعیف ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ وضو میں تسمیہ سنت ہے اور مذکورہ حدیث سے تسمیہ کا وجوب، رکنیت یا شرط ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ یہی راجح اور اصح قول ہے کیونکہ

(1) ایک تو اس حدیث میں کلام ہے جیسا کہ متن اور حاشیہ میں مذکور ہوا اور امام احمد رحمہ اللہ تو یہ تک فرماتے ہیں کہ اس باب میں کچھ بھی ثابت نہیں اور اصل ذمہ کی براءت ہے اور بنا دلیل کے بندوں پر کچھ بھی لازم نہیں کیا جا سکتا اور یہاں الزام کی کوئی دلیل نہیں۔

(2) دوسرے یہ کہ جتنے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کو بیان فرمایا ہے اور جتنوں نے بھی لوگوں کی تعلیم کے لیے وضو کر کے دکھلایا ہے کسی نے بھی ابتدا میں نہ بسم اللہ پڑھی ہے اور نہ اس کو تعلیم کیا ہے۔ اگر وضو میں تسمیہ شرط ہوتی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی وضو کی تعلیم دیتے وقت اس کو ضرور ذکر کرتے۔

ایک ہی چلو پانی سے کلی کرنے اور ناک جھاڑنے کو اکٹھا کرنے کا بیان

49- وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رضي الله عنه قَالَ: ((رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَفْصِلُ بَيْنَ الْمَضْمَضَةِ وَالِاسْتِنْشَاقِ)).

طلحہ بن مُصَرِّف اپنے والد اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مضمضہ اور استنشاق میں (الگ الگ پانی لے کر) فصل فرمایا کرتے تھے۔ ❶

أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ، بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

امام ابوداؤد نے اس حدیث کو ضعیف اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

شرح:...... يَفْصِلُ: یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کلی کرنے کے لیے الگ پانی لیتے تھے اور ناک میں پانی ڈالنے کے لیے دوسرا پانی لیتے تھے۔ یوں یہ کل چھ چلّو ہو گئے، تین کلی کے اور تین ناک کے لیے۔ لیکن امام موصوف نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ مگر بعض فقہاء ❷ نے اس کے باوجود اس حدیث کو اپنا معمول بہ بنایا ہے اور وہ ان دونوں افعال کے لیے پانی کے چھ چلو لیتے ہیں۔ لیکن بعد کی احادیث اس سے اصح ہیں۔ وہ یہ ہیں:

50- وَعَنْ عَلِيٍّ رضي الله عنه -فِي صِفَةِ الْوُضُوءِ-: ((تَمَضْمَضَ ﷺ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا. يُمَضْمِضُ وَيَنْثُرُ مِنَ الْكَفِّ الَّذِي يَأْخُذُ مِنْهُ الْمَاءَ)).

وضو کے طریقہ کی بابت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی فرمائی اور ناک کو جھاڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی چلو سے پانی لے کر کلی فرماتے اور ناک جھاڑا کرتے تھے۔ ❸

أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

51- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ رضي الله عنه - فِي صِفَةِ الْوُضُوءِ- ((ثُمَّ أَدْخَلَ ﷺ يَدَهُ، فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَاحِدٍ، يَفْعَلُ ذٰلِكَ

وضو کے طریقہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک (پانی میں) داخل کیا اور (پانی لے کر) ایک ہی چلو سے کلی کی اور ناک میں

---

❶ سنن ابی داود: 139- سنن البیهقی: 51/1- امام بیہقی رحمہ اللہ نے یہ روایت امام ابوداؤد کے طریق سے نقل کر کے اس کو ضعیف کہا ہے اور ان کی اتباع میں امام نووی رحمہ اللہ نے بھی "المجموع" (416/1) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

❷ یہ علماء احناف ہیں۔ (دیکھیں: المبسوط: 6/1) امام مالک رحمہ اللہ کا مختار قول بھی یہی ہے۔ (دیکھیں: مواهب الجلیل: 247/1)

❸ سنن ابی داود: 111- سنن النسائی: 69/1- سنن البیهقی: 48/1- امام نووی نے "المجموع" (4271) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثَلاثًا)) .

پانی ڈالا۔ آپ ﷺ ایسا تین بار کرتے تھے (کہ ایک چلو سے اکٹھے کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈال لیتے تھے)۔ ❶

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

شرح: ...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بظاہر یہ مستفاد ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ایک چلو پانی لے کر اسی سے تین بار کلی فرماتے تھے پھر تین بار ناک جھاڑتے۔ جبکہ بعد میں استنثار بھی فرماتے اور اس دوران لامحالہ کچھ پانی بھی ہاتھوں سے دائیں بائیں اور انگلیوں کے درمیان سے نکل کر گر جاتا ہوگا۔ تب پھر مضمضہ اور استنشاق بے حد کم پانی سے ہوگا جو بظاہر بے حد مشکل ہے لیکن جب لفظوں میں اس معنی کا احتمال ہے تو ہم بھی لامحالہ اس پر عمل کر کے دکھلائیں گے۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ آپ ﷺ تین بار چلو بھر کر کلی اور ناک اکٹھے جھاڑا کرتے تھے اور یہی اقرب قول ہے۔ اب تینوں احادیث کا حاصل یہ ہے کہ مضمضہ اور استنشاق کرنے کے تین طریقے ہیں:

(1) ...... ضعیف طریقہ: یہ چھ چلوؤں کے ساتھ دونوں کو کرنا ہے جس میں مضمضہ اور استنشاق میں فصل ہوگا۔

(2) ...... جائز طریقہ جس میں کوئی حرج نہیں: وہ یہ کہ ایک ہی چلو سے مضمضہ اور استنشاق کو تین تین بار کر لیا جائے۔

(3) ...... قوی طریقہ: اور وہ ایک چلو سے مضمضہ اور استنشاق کو اکٹھا کرنا ہے۔ اسی طرح تین چلوؤں سے تین بار دونوں کو اکٹھا اکٹھا کر لیا جائے۔

فقہاء کرام رحمہم اللہ نے تینوں طریقوں کو سنت کہا ہے، لہٰذا کبھی ایک پر تو کبھی دوسرے طریقہ پر عمل کیا جائے۔ لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ زیادہ ثابت اور زیادہ صحیح حدیث حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی ہے۔ کیونکہ وہ متفق علیہ ہے۔

جو چیز وضو کے پانی کے ایصال میں رکاوٹ بنے اس کا حکم

52۔ وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((رَأَى النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا ، وَفِي قَدَمِهِ مِثْلُ الظُّفُرِ لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ ، فَقَالَ: ارْجِعْ فَأَحْسِنْ وُضُوئَكَ))

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جس کا حال یہ تھا کہ اس کے قدم میں ناخن جتنی جگہ ایسی تھی جس پر (وضو کا) پانی نہ پہنچا تھا تو (اس کو دیکھ کر) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''(اپنی وضو کی جگہ) لوٹ جاؤ اور (جا کر دوبارہ) اپنا وضو اچھی طرح کرو۔'' ❷

أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ .

اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ...... اِرْجِعْ: یہ امر ہے اور یہاں امر وجوب کے لیے ہے اور مراد اسی جگہ لوٹ جانا ہے جہاں وضو کیا تھا۔

---

❶ صحيح البخاري: 185- صحيح مسلم: 235.

❷ سنن ابی داود: 173- سنن النسائی: 59/3- سنن ابن ماجه: 665- امام ابن کثیر اپنی تفسیر (28/2) میں فرماتے ہیں: یہ اسناد جید ہے اور اس کے سب کے سب رجال ثقہ ہیں۔ لیکن امام ابوداؤد اس حدیث کی تخریج کے بعد کہتے ہیں کہ یہ حدیث معروف نہیں اور اس کو ابن وہب نے روایت نہیں کیا۔ اس حدیث کو حضرت معقل بن یسار، حضرت ابن زبیر، حضرت جابر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم نے بھی نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَأَحْسِنْ وُضُوْءَ كَ: یہ بھی امر ہے اور وجوب کے لیے ہے۔ عمدہ طریقے سے وضو میں دو احتمال ہیں: (1) نیا وضو کرنا (2) رہ جانے والی جگہ کو دھونا۔ لیکن قواعدِ شرعیہ تفصیل کے متقاضی ہیں، وہ یہ کہ اگر تو وقت زیادہ گزر گیا ہے تو اچھی طرح وضو کرنا اس کا اعادہ ہے کیونکہ اس صورت میں موالات جاتی رہی ہے اور اگر ابھی ابھی کی بات ہے تو وضو کا اچھی طرح کرنا خشک رہ جانے والی جگہ کو ہی دھو لینا ہے۔

اَلظُّفُرُ: ناخن

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ وضو کے اعضائے مفروضہ کے غسل کا استیعاب واجب ہے اور تھوڑی سی جگہ بھی دھوئے بغیر رہ جانے سے وضو نہ ہوگا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اعضائے وضو کی تطہیر میں استیعاب واجب ہے لہٰذا جو چیز بھی ایصالِ ماء کی راہ میں حائل ہو اس کا ازالہ واجب ہے۔ کیونکہ ناخن برابر جگہ بھی دھوئے بغیر رہ جانے پر نبی کریم ﷺ نے اس شخص کو لوٹا دیا تھا اور پورا وضو کرنے کا حکم ارشاد فرمایا تھا۔
- لہٰذا اگر کسی نے اتنی تنگ انگوٹھی پہن رکھی ہو کہ اس کو حرکت دینے کے باوجود پانی اس کے نیچے نہ پہنچتا ہو، تو وضو میں اس کو اتار کر اس کے نیچے کی جگہ کو دھونا واجب ہوگا اور اگر وہ اتنی کشادہ ہو کہ حرکت دینے سے پانی اس کے نیچے پہنچ جاتا ہے تو اس کا اتارنا لازم نہیں۔
- دانتوں پر لگے ''Brasses'' کا حکم بھی یہی ہے کہ اگر تو وہ اتنے کھلے ہیں کہ کلی کے دوران پانی ان کے نیچے پہنچ جاتا ہے تو فبہا وگرنہ ان کا اتارنا لازم ہوگا۔
- سر پر لگی مہندی معاف ہے لہٰذا اگر مسح کرنے پر پانی کی تری اس کے نیچے نہیں پہنچتی تو مسح ہو جائے گا۔ کیونکہ آپ ﷺ نے احرام میں سر کے بال گوندھے سے گوندھے ہوئے تھے، مگر آپ ﷺ ان پر مسح فرما لیتے تھے۔ اسی طرح اگر عورت نے سر پر کوئی زیور کسی حلقہ وغیرہ کے ذریعہ باندھ رکھا ہے تو وہ بھی مہندی کے حکم میں داخل ہوگا اور اس پر مسح جائز ہوگا۔ یہی حکم مرد کی پگڑی پر اور عورت کی اوڑھنی پر مسح کرنے کا بھی ہے کہ وہ سنت کی رُو سے معاف ہے۔
- رہے رنگ وروغن کرنے والے جن کا روغن کے معمولی چھینٹوں سے بچنا ممکن نہیں تو شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا مختار قول یہ ہے کہ معمولی چھینٹے معاف ہیں۔ لہٰذا اگر ان پر سے پانی جذب ہو کر کھال کو نہ پہنچے تو وضو جائز شمار ہوگا۔ البتہ زیادہ مقدار کا ازالہ واجب ہے۔ یہی حکم ناخنوں میں پھنسی معمولی میل کچیل کا بھی ہے کہ وہ معاف ہے۔ کیونکہ ہر وضو میں اس کا ازالہ مشقت وضرر کا باعث ہے اور ضرر معاف ہے۔
- امر بالمعروف واجب ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ان صاحب کو معروف کا امر فرمایا۔
- مامور کے ترک میں جہالت کوئی عذر نہیں۔ بلکہ مامور کا بجا لانا واجب ہے۔ جیسے ان صاحب کو کچھ جگہ کے خشک رہ جانے کا علم نہ تھا لیکن ان کی یہ لاعلمی مامور کے امتثال میں عذر نہ بنی اسی لیے نبی کریم ﷺ نے انہیں لوٹ کر وضو پورا کرنے کا حکم دیا۔
- اگر اچھی طرح وضو کا معنی وضو کا اعادہ لیا جائے تو پھر اس سے یہ امر مستفاد ہوا کہ اعضائے وضو کے غسل میں موالات شرط

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔موالات کے شرط ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ❶ لیکن بظاہر موالات شرط ہے کیونکہ وضو ''عبادتِ واحدہ'' ہے لہٰذا اگر اس کے اجزاء میں موالات نہ ہوگی تو ایک عبادت کے اجزاء میں تفکک یعنی اجزاء کا الگ الگ ہونا لازم آئے گا۔

◈ رہا غسل اعضاء میں ترتیب کا وجوب تو بعض علماء کے نزدیک جہل ونسیان کے عذر کی بنا پر ترتیب ساقط ہو جاتی ہے لہٰذا اگر مثلاً ہاتھ کا کچھ حصہ بھول کر یا لاعلمی میں دھونے سے رہ گیا تھا حتیٰ کہ باقی کا وضو پورا کرلیا تو بعد میں معلوم ہونے پر صرف رہ جانے والی جگہ کو دھوئے گا اور ایسا نہ کرے گا کہ ہاتھ کو دھو کر ترتیب کو ثابت رکھنے کے لیے دوبارہ باقی کے اعضاء دھوئے گا۔

وضو اور غسل کے پانی کی مقدار کا بیان

53۔ وَعَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ، وَيَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ إِلٰى خَمْسَةِ أَمْدَادٍ.

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک مُدّ پانی کے ساتھ وضو کرلیا کرتے تھے اور غسل ایک صاع کے ساتھ کرلیا کرتے تھے جو پانچ مُدّ تک ہوتا ہے۔ ❷

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث :...... كَانَ: اصولِ فقہ میں یہ ضابطہ طے ہے کہ کَانَ اس وقت استمرار اور دوام پر دلالت کرتا ہے جب اس کی خبر فعلِ مضارع ہو۔لیکن یہ دوام بھی اغلبیت کے معنی میں ہوتا ہے نہ کہ مطلق دوام کے معنی میں۔

مُدّ اور صاع: ان کی تحقیق بیان کی جا چکی ہے۔

مضمونِ حدیث :......اس حدیث میں یہ بتلایا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے وضو اور غسل میں کم از کم کتنا پانی استعمال فرمایا کرتے تھے جس سے بنیادی طور پر دو باتوں کی تعلیم ملتی ہے: (1) دین میں اسراف کی ممانعت ہے حتیٰ کہ وضو اور غسل میں بھی (2) دوسرے یہ کہ دینِ اسلام اقتصاد کی بے حد رعایت کرتا ہے اور مال کے ضیاع کی شدید مذمت بیان کرتا ہے چاہے وہ پانی جیسی ارزاں شے ہی کیوں نہ ہو۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ آدمی کو چاہیے کہ وہ عبادت میں بھی میانہ روی اور اقتصاد کو اختیار کرے لہٰذا عبادت کی کمیت وکیفیت دونوں میں اضافہ نہ کرے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ تین تین مرتبہ اعضاء وضو کو دھونے کے بعد ارشاد فرمایا: ''جس نے اس سے زیادہ کیا تو اس نے برا کیا، حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا۔'' ❸ اس روایت میں کمیت سے تجاوز کرنے کی ممانعت کا بیان ہے۔

◈ عبادات میں نبی کریم ﷺ کی اقتدا لازم ہے لہٰذا علماء نے لکھا ہے کہ وضو ایک مد پانی کے ساتھ اور غسل ایک صاع پانی کے ساتھ کرنا مسنون ہے۔ایسا کرنا ممکن ہے جبکہ پانی کو ایک ہی برتن سے لے لے کر وضو اور غسل کیا جائے۔

وضو کے اذکار

54۔ وَعَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ

---

❶ دیکھیں: شرح العمدة لابن تيمية: 208/1. ❷ صحيح البخاري: 201- صحيح مسلم: 325.

❸ سنن ابی داود: 135- سنن النسائي: 88/1.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

((مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُسْبِغُ الْوُضُوْءَ ، ثُمَّ يَقُوْلُ : ((أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ ، إِلَّا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ)) .

کا ارشاد ہے: ''تم میں سے جو بھی وضو کرتا ہے اور کامل وضو کرتا ہے پھر (وضو کے بعد) یہ دعا پڑھتا ہے: ((أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ .)) (میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔) مگر یہ کہ اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، وہ ان میں سے جس سے چاہے داخل ہو۔'' [1]

أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ وَّالتِّرْمِذِيُّ ، وَزَادَ: ((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِيْنَ . وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ)) .

اس حدیث کو امام مسلم اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے یہ الفاظ زائد روایت کیے ہیں: ((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ ، وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ .)) (اے اللہ! مجھے خوب توبہ کرنے والوں میں سے بنا دے اور مجھے خوب پاکی حاصل کرنے والوں میں سے بنا دے۔)

غریب الحدیث:...... **مَا مِنْكُمْ:** یہ مَا نافیہ ہے اور مِنْكُمْ خبر مقدم ہے۔

مِنْ أَحَدٍ: أَحَدٍ مبتدا موخر ہے اور عموم کی تاکید کے لیے مِنْ زائدہ کے ساتھ آیا ہے۔ کیونکہ اَحَدٍ نکرہ ہے جو نفی کے تحت آیا ہے اور نکرہ تحت النفی عموم کا فائدہ دیتا ہے جس کی مزید تاکید اس مِنْ زائدہ سے ہو رہی ہے اور یہ خطاب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہے لیکن نبی کریم ﷺ کا جو خطاب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہوتا ہے وہ ساری امت کو ہوتا ہے لہٰذا مراد امت مسلمہ کا ہر انسان ہے۔

يَتَوَضَّأُ: یہ احد کی صفت ہے۔

فَيُسْبِغُ الْوُضُوْءَ: مراد کیفیت وکمیت دونوں اعتبار سے وضو کو کامل کرنا ہے۔

اَشْهَدُ: یہ دل کے اعتراف واذعان کے ساتھ زبان سے اقرار کرنے کو کہتے ہیں۔ گویا کہ یہ آنکھوں دیکھے کی شہادت دینا ہے۔

اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ: اَنْ: یہ مخففہ ہے نہ کہ اَنْ مشددہ جو کہ غلط ہے کیونکہ اَنْ مشددہ کی ضمیر شان محذوف ماننا جائز نہیں۔

[1] صحيح مسلم: 234- جامع الترمذى: 55- امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مضطرب ہے۔ اس باب میں نبی کریم ﷺ سے کوئی بڑی چیز صحیح ثابت نہیں ہے۔ لیکن حافظ رحمہ اللہ "التلخيص الحبير" (102/1) میں کہتے ہیں: البتہ صحیح مسلم کی روایت اس اعتراض سے محفوظ ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ امام نووی نے "شرح صحيح مسلم" (120/1) میں جامع ترمذی کی روایت کے متصل ہونے کی تصریح کی ہے۔ (محققین)
حدیث مضطرب کی تعریف، اقسام اور احکام کے لیے دیکھیں: (علوم الحديث، ص: 182-184) (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جبکہ ضمیر شان محذوف اَنْ مخففہ کی آتی ہے۔لہٰذا یہاں اَنْ کے بعد ضمیر شان محذوف ہوگی جو اَنْ مخففہ کا اسم ہے اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا جملہ اس کی خبر ہے۔

اِلٰه: یہ بمعنی مَاْلُوْه ہے اور مَاْلُوْه اس معبود کو کہتے ہیں جس کی عبادت محبت و تعظیم کے طور پر کی جائے۔

اِلَّا اللّٰهُ: لفظ اللہ میں لائے نفی جنس کی خبر کے اعراب لانا درست نہیں کیونکہ لائے نفی جنس صرف نکرات میں عمل کرتا ہے جبکہ لفظ اللہ معرفہ ہے بلکہ نحویوں کے بقول اعرف المعارف ہے۔تب پھر لائے نفی جنس کی خبر کو بعض نے مقدر مانا ہے جس کی تقدیر لَا اِلٰـهَ مَوْجُوْدٌ ہے۔لیکن یہ تقدیر صحیح نہیں کیونکہ رب تعالیٰ کے علاوہ دیگر متعدد جھوٹے الٰہ موجود ہیں جن کے بطلان کو قرآن کریم نے شدومد کے ساتھ بیان کیا ہے۔اس کی صحیح تقدیر ''حق'' ہے۔یعنی لَا اِلٰـهَ حَقٌّ اِلَّا اللّٰهُ اور اس پر خود قرآنِ کریم کی نص بھی دلالت کرتی ہے۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ﴾ (لقمن: 30)

''یہ اس لیے ہے کہ بے شک اللہ ہی حق ہے اور یہ کہ بے شک اس کے سوا وہ جس کو پکارتے ہیں وہی باطل ہے۔''

اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ: وَحْدَهٗ یہ تاکید معنوی ہے اور یہاں یہ تاکید اثبات کی ہے۔

لَا شَرِيْكَ لَهٗ: یہ بھی تاکید معنوی ہے اور یہ تاکید نفی کی۔

وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا: یہاں اَنَّ مثقلہ ہے کیونکہ یہاں اَنَّ مثقلہ جملہ اسمیہ پر داخل ہے۔

مُحَمَّدًا: جنس اَعلام میں مشہور ترین اور محبوب ترین نام جو ہمارے رسول حضرت مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کا نامِ نامی، اسم سامی ہے۔آپ ﷺ کا پورا نام ''محمد بن عبداللہ الہاشمی القرشی'' ہے...... صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهٗ عَلَيْهِ...... آپ ﷺ کے نامِ مبارک کے ساتھ کسی صفت کے لگانے کی اس لیے ضرورت نہیں کہ ہر مومن کا دل آپ ﷺ کے عرفان اور محبت سے بھرا ہے۔لہٰذا اسم ''محمد'' (ﷺ) سن کر ابہام کا پیدا ہونا محال ہے۔اس لیے آپ ﷺ کا اسم مبارک کسی بھی صفتِ کاشفہ کے بیان سے غنی و بے نیاز ہے۔

عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ: عبودیت رب تعالیٰ کی بندگی اور اس کی پرستش کرنے کو کہتے ہیں۔اس کی چند انواع ہیں جن میں سے سب سے خاص عبودیت یعنی ''رسالت'' کا یہاں ذکر ہے کہ عبودیت عامہ میں کائنات کا ذرہ ذرہ شریک ہے۔اور کسی ذرہ بھر میں اس بات کی جرأت نہیں کہ وہ رب تعالیٰ کی عبودیت عامہ سے نکل سکے حتیٰ کہ کافر بھی رب تعالیٰ کا بندہ ہی ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾ (مریم: 93)

''آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے وہ رحمان کے پاس غلام بن کر آنے والا ہے۔''

لیکن یہ عبودیت عامہ قابل حمد و ستائش نہیں۔لہٰذا بندے سے اس عبودیت کا صدور اس کا قابلِ مدح وصف نہیں۔کیونکہ بندوں سمیت کائنات کی ہر چیز رب تعالیٰ کے حضور مسخر اور زیرِ فرمان ہے۔البتہ عبودیتِ خاصہ قابلِ تعریف ہے اور وہ رب تعالیٰ کی مقرر کردہ شریعت پر چل کر اس کی عبادت کرنا ہے۔پھر اس عبودیت میں بھی باہم مراتب ہیں لہٰذا نیکوں کی بندگی اولیاء کی بندگی جیسی نہیں۔اولیاء کی عبادت انبیاء علیہم السلام کی عبادت جیسی نہیں۔جبکہ انبیاء علیہم السلام کی عبودیت و بندگی رسولوں علیہم السلام کی بندگی جیسی نہیں۔کیونکہ رسولوں پر بندوں تک رب تعالیٰ کی رسالت پہنچانے کی ذمہ داری ڈالی جاتی ہے اور ابلاغ رسالت کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاطر انہیں جہاد تک کرنے کا حکم ہے۔ پس رسالت یہ عبودیت کا اخص الخواص وصف اور مرتبہ ہے جس کے ساتھ یہاں جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کا وصف بیان کیا گیا ہے۔

پس رسول بمعنی مُرسَل ہے کہ رسول کو رب تعالیٰ اپنے مکلف بندوں جن وانس کی طرف بھیجتے ہیں۔ پس آپ ﷺ سارے کے سارے انسانوں کی طرف بھیجے گئے ہیں جن میں یہود ونصاریٰ مشرک وملحدین اور عبدۃ الاوثان (بتوں کے پجاری) سب شامل ہیں اور آپ ﷺ کی یہ بعثت قیامت تک کے انسانوں کے لیے ہے۔

اَللّٰھُمَّ: یہ یا اللہ کے معنی میں ہے۔

اِجْعَلْنِیْ: یہ سَیِّرْنِیْ کے معنی میں ہے یعنی مجھے بنا دے اور اس راہ پر چلا دے۔

اَلتَّوَّابِیْنَ: یہ تَوَّابٌ کی جمع ہے جو مبالغہ کا صیغہ ہے۔ مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے کیے ہر گناہ کے فعل سے توبہ چاہتے ہیں۔

اَلْمُتَطَهِّرِیْنَ: مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے قلب وجسد کو ہر ظاہری وباطنی گناہ کی میل سے پاک صاف کر لیتے ہیں۔

شَهَادَتَین کی اہمیت

قرآن کریم میں جا بجا ان دونوں باتوں کی شہادت دینے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جیسے سورۂ مومنون میں ارشاد ہے:

﴿اَفَلَمْ یَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ یَاْتِ آبَاءَهُمُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ (المؤمنون: 68)

''تو کیا انھوں نے بات میں خوب غور نہیں کیا، یا ان کے پاس وہ چیز آئی ہے جو ان کے پہلے باپ دادا کے پاس نہیں آئی۔''

یہ آیت رب تعالیٰ کی توحید کی شہادت کو متضمن ہے وہ یوں کہ رب تعالیٰ کا کلام آ گیا ہے جو اس کی توحید کو بتلاتا ہے۔ آگے ارشاد ہے:

﴿اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ﴾ (المومنون: 69) ''یا انھوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا۔''

یہ حضرت محمد ﷺ کے رسول اللہ ہونے کی شہادت دینے کو متضمن ہے۔

وضو کی فضیلت

غرض اس حدیث میں وضو کی ایک عظیم الشان فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جب انسان اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا پڑھتا ہے تو رب تعالیٰ اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیتا ہے کہ وہ جس میں سے چاہے داخل ہو جائے۔

نبیٔ صادق ومصدوق کی سچی شہادت

ہم سب جانتے ہیں کہ جنت زمین پر نہیں بلکہ آسمانوں میں ہے اور یہ ارشاد اس ہستی کی زبانِ مبارک سے صادر ہوا ہے جس نے ان دروازوں کے کھلنے کا مشاہدہ نہیں کیا۔ لیکن ہمارا یہ یقین کامل ہے کہ ہماری آنکھ کو دیکھنے میں، کان کو سننے میں دل کو سمجھنے میں خطا ہو سکتی ہے لیکن نبی کریم ﷺ کی دی خبر ہوئی خبر غلط نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ایسی غیبی باتوں پر ایمان لانا ہم پر واجب ہے۔

جنت کے دروازوں کے کھلنے کا مطلب

مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ ایسے بندے کے لیے ایسے اعمال کرنا آسان کر دے گا جو جنت کے سب دروازوں کے کھلنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا سبب بنتے ہیں۔ جنت کے دروازے آٹھ ہیں۔ چنانچہ کوئی نماز کا، کوئی روزہ کا، کوئی صدقہ کا اور کوئی جہاد وغیرہ کا دروازہ ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ ❶ پس اس حدیث کا مضمون یہ ٹھہرا کہ رب تعالیٰ اچھی طرح وضو کرنے والے کے لیے دل کی طہارت کو جو توحید کے ذریعے حاصل ہوتی ہے اور بدن کی طہارت کو جو فرائض و واجبات کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، آسان کر دے گا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اس حدیث میں کامل وضو کرنے کی زبردست ترغیب ہے۔
- اخروی درجات اور اجور و ثواب اہلِ ایمان کو ملیں گے جس کی دلیل یہ ہے کہ یہ خطاب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہے جو کامل ترین مومنین تھے۔
- شریعت کی حکمت کہ جب ظاہری طہارت حاصل ہوگئی تو باطنی طہارت کے حصول کی طرف بھی بلایا چنانچہ وضو کے بعد شہادتین کے اقرار کی تلقین فرمائی۔
- قول میں اعتبار نطق کا ہے۔ لہٰذا یہ شہادت زبان سے الفاظ ادا کر کے ہی ادا ہوگی صرف جی میں خیال کرنے سے ادا نہ ہوگی۔
- مذکورہ حدیث میں توحید کی اہم ترین قسم توحید الوہیت کا اثبات ہے۔ جس میں رب کے سوا جملہ آلِهَه کا بطلان ہے۔
- اہم ترین بات کی تاکید لانا مناسب ہے۔ جیسے یہاں توحید کی تاکید وَحْدَهٗ کے اثبات کے ساتھ اور لَا شَرِيْكَ لَهٗ کی نفی کے ساتھ لائی گئی ہے اور یہاں تاکید سے تاکید لفظی نہیں بلکہ تاکید معنوی مراد ہے (جیسا کہ کتب نحو میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔)
- توحید کے ساتھ رسالت کی شہادت اس لیے ضروری ہے کیونکہ ہر عبادت میں اخلاص اور متابعت شرط ہے۔ پس اخلاص کا اثبات توحید کی شہادت سے اور متابعت کا اثبات رسالت کی شہادت سے ہوتا ہے۔
- عَبْدُهٗ کی شہادت میں ان غالیوں کا ردّ ہے جو جناب رسول اللہ ﷺ کو معاذ اللہ اللہ کے نور میں سے نور اور اس کی ربوبیت کا ایک جزو قرار دیتے ہیں۔
- رَسُوْلُهٗ میں منکرین رسالت کا ردّ ہے۔
- نبی کریم ﷺ کی بے پناہ بزرگی اور عزت و شرف کہ آپ ﷺ کو رب تعالیٰ نے شرفِ عبادت و شرفِ رسالت کا جامع بنایا۔
- نبی کریم ﷺ کی دی ہوئی خبر کی تصدیق واجب ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور آپ ﷺ رب تعالیٰ کی طرف سے کسی بات میں خیانت کے مرتکب ہرگز نہیں ہو سکتے۔
- وضو کے بعد شہادتین کی فضیلت: ..... پس وضو کے آغاز میں بسم اللہ اور اختتام پر یہ دعا ہے۔ رہی وضو کے درمیان کی زبان زدِ خلائق دعائیں جو ہر ہر عضو کو دھوتے وقت پڑھی جاتی ہیں تو وہ درجۂ صحت کو نہیں پہنچتیں۔
- جنت، اس کے دروازے اور ان کی آٹھ کی تعداد ثابت ہے۔ جبکہ دوزخ کے سات دروازوں کا ذکر قرآنِ کریم میں آتا ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رب تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے ❷ کہ دارِ کرامت کے دروازے

---

❶ دیکھیں نوادر الاصول: 244/3۔ فیض القدیر للمناوی: 25/3۔

❷ کما جاء فی صحیح البخاری: 3194۔ و فی صحیح مسلم: 2751۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دار اہانت سے زیادہ ہیں۔

- اس طور پر وضو کر کے شہادتین کا اقرار کرنے والے کے لیے دیگر خیر کے کام آسان ہو جاتے ہیں۔
- بندوں کی مشیت کا اثبات، جس کی دلیل يَدْخُلُ مِنْ اَيِّهَا شَاءَ کے الفاظ ہیں اور اس میں جبریہ کا رد ہے جو بندوں کی مشیت کے منکر ہیں۔
- نیکی کر کے بھی بھروسہ رب تعالیٰ پر ہو۔ لہٰذا ظاہری پاکی حاصل کرنے اور باطنی پاکی کا سبب اختیار کرنے کے بعد بھی توبہ وطہارت کی توفیق رب تعالیٰ سے ہی مانگی جائے جیسا کہ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ...... کے الفاظ بتلاتے ہیں۔
- توبہ اور طہارت ایسا بلند رتبہ ہے جس کی دعا مانگنا ایک مومن کا فرض منصبی ہے، پھر توبہ رجوع کرنے کو کہتے ہیں۔ علماء نے اس کی پانچ شروط ذکر کی ہیں:

(1) اخلاص (2) گزشتہ پر ندامت

(3) معصیت سے مکمل اجتناب (4) دوبارہ نہ کرنے کا پختہ عزم

(5) مقبولیت کے وقت میں توبہ کی دعا

- آخری دعا ظاہری و باطنی دونوں طہارتوں کو جامع ہے۔

5۔ بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ ...... موزوں پر مسح کرنے کا بیان

تمہید: ...... موزوں پر مسح کا تعلق ان اعضاء میں سے ایک کے ساتھ ہے جن کی طہارت واجب ہے اور وہ دونوں پاؤں ہیں۔

مسح علی الخفین کا ثبوت

موزوں پر مسح کتاب وسنت اور اسلاف کے اجماع سے ثابت ہے، سوائے روافض کے اس کا منکر اور کوئی نہیں جن کا قول اجماع اور خلاف کے باب میں غیر معتبر اور ہباءً منثورا ہے۔

مسح علی الخفین پر کتاب اللہ کی دلالت

اس کو اس ارشاد باری تعالیٰ سے اخذ کیا گیا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (المائدۃ: 6)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھو لو)۔''

اَرْجُلَكُمْ: اس میں دو قراءتیں ہیں ایک ''نصب'' کی، تب پھر ''پاؤں'' مغسولات میں داخل ہوں گے اور ایک ''جر'' کی تب پھر ''پاؤں'' ممسوحات میں داخل ہوں گے۔ البتہ یاد رہے کہ اس اختلاف قراءت کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی کو پیروں کے دھونے یا ان پر مسح کرنے میں اختیار ہے۔ کیونکہ سنت اس کا انکار کرتی ہے۔ کیونکہ ننگے پاؤں پر مسح کرنے کی بابت کسی حدیث میں ایک حرف بھی وارد نہیں۔ تب پھر قراءت کے اس اختلاف کو ہم نبی کریم ﷺ کے فعل کی طرف پھیریں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ ننگے پاؤں تو دھویا کرتے تھے جبکہ موزے پہنے ہونے کی حالت میں ان پر مسح کیا کرتے تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مسح علی الخفین پر سنتِ رسول کی دلالت

موزوں پر مسح کرنے کی بابت مروی سنت ''متواتر'' کے درجے میں ہے۔ لہٰذا موزوں پر مسح کرنا سنتِ متواترہ کی رُو سے مشروع ہے اور اگر موزے پہنے ہوں تو ان پر مسح کرنا، ان کو اتار کر پاؤں کو دھونے سے افضل ہے۔

اجماع کی دلالت

موزوں پر مسح کے مشروع ہونے پر امت کے اسلاف کا اجماع معلوم اور معروف ہے اور یہ اجماع اس قدر قوی اور ایسی شان کا ہے کہ بعض علماء نے موزوں پر مسح کے مسئلہ کو عقائد تک میں سے شمار کیا ہے، جو اس کی مشروعیت اور اہمیت پر واضح دلالت ہے۔

موزوں پر مسح کی شروط کا بیان

55۔ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ : كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ، فَتَوَضَّأَ ، فَأَهْوَيْتُ لِأَنْزِعَ خُفَّيْهِ، فَقَالَ : ((دَعْهُمَا فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ)) فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا .

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا۔ پس آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور (جب قدمین شریفین کے دھونے کی نوبت آئی تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے تو موزے پہن رکھے ہیں۔ پس) میں جھکا تاکہ میں آپ ﷺ کے موزوں کو اتار دوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان (پیروں پر پانی ڈالنے) کو رہنے دو کیونکہ میں نے ان دونوں (پیروں) کو باوضو ہونے کی حالت میں (ان موزوں میں) داخل کیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ان دونوں (موزوں) پر مسح فرمایا۔''

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔ ❶

قصۂ حدیث :...... یہ غزوۂ تبوک کا قصہ ہے جب آپ ﷺ تبوک سے لوٹ رہے تھے اور اس سفر میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے خادم تھے اور وہ آپ ﷺ کے وضو اور استنجا وغیرہ کا انتظام فرماتے تھے۔

غریب الحدیث :...... اَهْوَيْتُ: اَھْوٰی کسی چیز پر سر نیچے کر کے جھکنا۔ گویا کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر نبی کریم ﷺ کو وضو کروا رہے تھے اور جب نوبت پاؤں کے دھونے کی آئی تو انہوں نے جھک کر آپ ﷺ کے موزے اتارنے چاہے، جس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو رہنے دو۔

دَعْهُمَا، اَدْخَلْتُهُمَا، مَسَحَ عَلَيْهِمَا: ان تینوں کلمات میں ''ھما'' ضمیر کا مرجع ایک ہے یا مختلف؟ تو بظاہر اس کی تعیین یوں ہے کہ دَعْهُمَا کی ضمیر کا مرجع خُفَّيْنِ نہیں بلکہ رِجْلَيْنِ ہے کیونکہ اَدْخَلْتُهُمَا کی ضمیر کا مرجع تو لامحالہ رِجْلَيْنِ ہی ہے کیونکہ موزوں میں پاؤں کو داخل کیا جاتا ہے اور اَدْخَلْتُهُمَا کا عطف دَعْهُمَا پر ہے۔ یہ عطف اس بات کی تائید کرتا ہے کہ دَعْهُمَا کی ضمیر کا مرجع بھی رِجْلَيْنِ ہی ہے نہ کہ خُفَّيْنِ اور اب مطلب یہ بنے گا کہ ان پیروں کو رہنے دو اور ان پر

❶ صحیح البخاری: 206۔ صحیح مسلم: 274.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موزے اتار کر پانی مت گراؤ کیونکہ میں نے ان پیروں کو وضو کر کے، پاک کر کے ان موزوں میں داخل کیا ہے، اس لیے اب ان کے دھونے کی ضرورت نہیں۔

رہا مَسَحَ عَلَيْهِمَا کی ضمیر کا مرجع تو وہ لامحالہ خُفَّيْنِ ہی ہے۔ کیونکہ ننگے پاؤں پر مسح کرنا کتاب اللہ، سنت متواترہ اور اجماع سلف سب کے خلاف ہے۔ البتہ یہ نکتہ بھی ملحوظ رہے کہ مَسَحَ عَلَيْهِمَا کی ضمیر کا مرجع اس بات کا مؤید نظر آتا ہے کہ دَعْهُمَا کی ضمیر کا مرجع رِجْلَيْنِ کی بجائے خُفَّيْنِ ہو۔ تب مطلب یہ بنے گا کہ ان موزوں کو رہنے دو اور نہ اتارو، کیونکہ میں نے وضو کر کے ان میں پاؤں کو داخل کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دَعْهُمَا کی ضمیر کے مرجع میں اختلاف ضرور ہے لیکن یہ اختلاف نفس مسئلہ کی تعیین اور بیان پر اثر انداز نہیں جبکہ اَدْخَلْتُهُمَا اور مَسَحَ عَلَيْهِمَا کی ضمیروں کے مراجع بلا اختلاف متعین ہیں۔

طَاهِرَتَيْنِ: یہ اَدْخَلْتُهُمَا کی ضمیر منصوب سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

مضمون حدیث: ......اس حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ موزوں پر مسح جائز ہے جس کی اولین شرط یہ ہے کہ موزوں کو باوضو ہونے کی حالت میں پہنا ہو، اس کی مزید تفصیل فوائد کے ضمن میں آ رہی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ آزاد آدمی سے بھی خدمت لے سکتے ہیں اور یہ مذموم سوال میں داخل نہیں۔ بشرطیکہ دوسرا اسے اپنے حق میں عار اور بار نہ سمجھے بلکہ اپنے اوپر مخدوم کا احسان سمجھے جیسا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کو سعادت، باعثِ فخر اور قلب و ذہن کے لیے باعثِ فرحت و سرور سمجھتے تھے۔
- حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو خادمانِ رسول کی صف میں بیٹھنے کا اعزاز حاصل ہے۔
- دوسروں سے جوتے اور موزے اتروا سکتے ہیں البتہ اس میں طرفین کے درمیان مضبوط قلبی تعلق کا ہونا لازم ہے۔
- اصل پر بنا کرنا جائز ہے۔ یعنی آدمی اصل کو دیکھتے ہوئے کوئی تصرف کر سکتا ہے۔ جیسے پاؤں کا وظیفہ اصل میں ان کا دھونا ہے۔ اسی اصل پر بنا کرتے ہوئے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اجازت لیے بنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موزے اتارنا چاہے تھے۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنِ تعلیم اور دوسروں کی دلداری۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب موزے اُتارنے سے روکا تو تالیفِ قلب اور دلداری کے لیے اس ممانعت کی علت بھی بیان فرما دی کہ میں نے وضو کر کے موزے پہنے تھے، اب پاؤں کے دھونے کی ضرورت نہیں رہی تاکہ ان کے جی میں کوئی کھٹک پیدا نہ ہو۔
- موزوں پر مسح کا جواز اور اس کی اس بنیادی شرط کا علم بھی ہو گیا کہ موزوں پر مسح تب جائز ہے جب ان کو وضو کر کے پہنا ہو۔ پھر اگرچہ علماء کا اس امر میں اختلاف ہے کہ دونوں پاؤں دھونے کے بعد بیک وقت دونوں موزے پہنے، یا ایک ایک پاؤں دھو کر ایک ایک کر کے موزے پہنے جا سکتے ہیں؟ تو بلاشبہ محتاط قول یہی ہے کہ پہلے دونوں پاؤں کی طہارت کامل کرے پھر دونوں موزوں کو پہنے۔
- موزے پہنے ہوں تو افضل ان پر مسح کرنا ہے نہ کہ ان کو اتار کر پاؤں کو دھونا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موزے اتارنے کی بجائے ان پر مسح فرمایا تھا اور اس میں شریعت کی سماحت کا بیان بھی ہے کہ خفین کے وقت پاؤں دھونے کا مکلف نہیں بنایا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ دونوں موزوں پر مسح بیک وقت کیا جائے جیسا کہ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا کے کلمات سے مستفاد ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کلمات میں پہلے دائیں موزے پر مسح کرنے کا ذکر نہیں۔

◈ مسح موزوں کے اوپر کی جانب سے کیا جائے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

◈ موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ مذکورہ روایت میں مذکور نہیں۔ علماء نے اس کا طریقہ یوں بیان فرمایا ہے کہ آدمی ہاتھ تر کر کے اس کی انگلیوں کو کھول کر موزوں کی انگلیوں کی جگہ رکھ دے اور ان کو کھینچ کر پنڈلی کی جانب لے جائے۔

موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ

56- وَلِلْأَرْبَعَةِ عَنْهُ إِلَّا النَّسَائِيَّ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَسَحَ أَعْلَى الْخُفِّ وَأَسْفَلَهُ.

وَفِي إِسْنَادِهِ ضُعْفٌ.

اور ائمہ اربعہ نے امام نسائی کے سوا حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے موزے کے اوپر اور اس کے نیچے مسح فرمایا۔ ❶

اس کی اسناد ضعیف ہے۔

شرح: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ موزوں کے اوپر اور نیچے دونوں جانب مسح کیا جائے گا۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ یہ مرسل ہے جسے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے کاتب نے روایت کیا ہے۔ جن کو متعدد ائمہ حدیث نے ضعیف کہا ہے۔ دوسرے یہ آئندہ مذکورہ حدیث علی کے مخالف بھی ہے۔

57- وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((لَوْ كَانَ الدِّيْنُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ أَسْفَلُ الْخُفِّ أَوْلَى بِالْمَسْحِ مِنْ أَعْلَاهُ، وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَمْسَحُ عَلَى ظَاهِرِ خُفَّيْهِ)).

أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اگر دین رائے سے ہوتا تو موزوں کی نچلی جانب بہ نسبت اوپر کی جانب کے مسح کیے جانے کی زیادہ مستحق تھی جبکہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے موزوں کی اوپر کی جانب کا مسح فرمایا۔ ❷

اس حدیث کو ابوداود نے حسن اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

درایة الحدیث: ...... بظاہر یہ دونوں احادیث ایک دوسرے کے معارض ہیں لیکن پہلی حدیث ضعیف ہے جو اپنے سے زیادہ راجح حدیث کی مقابل نہیں ہوسکتی اور اس کے بالمقابل ساقط اور غیر معتد بہ ہوگی اس بنا پر مسح موزوں کی اوپری جانب کرنا مسنون ہوگا جس کی استناد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے فعل مبارک سے پیش کی ہے۔

---

❶ سنن ابی داود: 165- جامع الترمذی: 97- امام ترمذی نے امام بخاری رحمہ اللہ سے اس حدیث کی تضعیف کو نقل کیا ہے۔ سنن ابن ماجه: 550- ابن ابی حاتم "العلل" (135) میں کہتے ہیں: میرے والد کہتے ہیں کہ یہ حدیث محفوظ نہیں اور حضرت مغیرہ سے مروی سب احادیث اصح ہیں۔ ابن عبدالبر "التمهيد" (13/2) میں لکھتے ہیں: اثرم نے جب اس حدیث کے بارے میں امام احمد سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: میں نے اس کے بارے میں عبدالرحمٰن بن مہدی سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ حدیث حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کا کاتب نبی کریم ﷺ سے مرسلاً روایت کرتا ہے۔ امام نووی نے "المجموع" (582/1) میں امام شافعی اور امام بخاری رحمہما اللہ سے اس حدیث کی تضعیف نقل کی ہے۔

❷ سنن ابی داود: 162 عن عبد بن خير عن علي رضی اللہ عنہ۔ امام بیہقی نے (292/1 میں) بھی اسی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں: اس حدیث کا مرجع عبد بن خیر ہے۔ حضرات شیخین نے عبد بن خیر سے استدلال نہیں کیا۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیں: (المجموع: 585/1) کہ موزوں کی نچلی جانب مسح کرنا علماء کے مذاہب میں مستحب جبکہ اوپر جانب مسح کرنا واجب ہے۔ حافظ "التلخيص الحبير" (160/1) میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غریب الحدیث:...... بالرأی: یہاں رائے سے وہ رائے مراد ہے جو سرسری اور سطحی ہو کہ دین کا مدار ایسی رائے پر نہیں بلکہ اس رائے پر ہے جو دقیق، عمیق اور پختہ و دُور رَس عقل پر مبنی ہو، وگرنہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ دلیل اور نقلِ صحیح، یہ عقلِ صحیح کے معارض ہو ہی نہیں سکتے۔ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ (البقرة: 44) ''تو کیا تم نہیں سمجھتے؟'' اس بات کی صریح دلیل ہے کہ شریعتِ اسلامیہ عقلِ صحیح و سلیم کے موافق ہے۔ اس بنا پر یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ جو لوگ احکامِ شرعیہ کی مخالفت کرتے ہیں وہ دراصل عقلِ سلیم و صحیح کے مخالف ہوتے ہیں۔

یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سطحی رائے پر احکام کا مدار رکھنے والے دین کو بگاڑ بیٹھتے ہیں کیونکہ ان کی نظر نتائج و عواقب پر نہیں ہوتی۔ چنانچہ اگر غور و تدبر کی نگاہ سے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ مسح کیے جانے کی زیادہ مستحق اوپری جانب ہے کیونکہ وہ صاف ستھری ہوتی ہے جبکہ نچلی جانب پر مسح کرنے سے ہاتھوں کے میل کچیل سے ملوث ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اور یہ مسح امر تعبدی ہے نا کہ یہ مراد ہے کہ مسح کرنے سے گویا کہ ہم نے پاؤں ہی دھو ڈالے کیونکہ اگر مراد پاؤں دھونا ہی ہوتے تو موزے اتار کر پاؤں دھوئے جاتے۔ تب پھر موزوں کو اوپر سے مسح کرنا عقل اور رائے سلیم کے موافق ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- دین سرسری رائے کے ساتھ نہیں۔
- احکام شرعیہ کو صاحبِ تشریع کی طرف منسوب کرنا چاہیے جیسا کہ یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اوپر سے مسح کرنے کے حکم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے جو صاحبِ تشریع اور رب تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے "بِظَاهِرِ الْخُفَّيْنِ" (حرف جر بَا کے ساتھ) کی بجائے عَلٰى ظَاهِرِ الْخُفَّيْنِ (حرف جر عَلٰى کے ساتھ) فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس باب میں ادنیٰ مسح بھی کافی ہے نہ کہ مسح کا استیعاب۔ کیونکہ بَا استیعاب پر دلالت کرتی ہے اور عَلٰى ادنیٰ مقدار پر۔ اگرچہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے لیکن معتدل مذہب امام احمد رحمہ اللہ کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ موزوں کے ظاہر کے اکثر کا مسح کافی ہے۔ [1]
- گزشتہ میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ دونوں موزوں پر مسح بیک وقت کیا جائے جیسا کہ علی ظاهر خفیه کے الفاظ بتلاتے ہیں، جن میں یمین کی یسار پر تقدیم کی طرف کوئی اشارہ نہیں۔
- یہ احادیث روافض پر ردّ ہیں جو موزوں پر مسح کے منکر ہیں۔ کیونکہ موزوں پر مسح کے راوی خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں جن کو روافض امام الائمہ اور معصوم عن الخطا مانتے ہیں۔ کیا اس کے بعد بھی ان کے پاس اپنے انکار پر قائم رہنے کی کوئی دلیل ہے؟

سفر کی حقیقت اور مسافر کے لیے موزوں پر مسح کرنے کی مدت کا بیان

58- وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَفْرًا أَنْ لَا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ، إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ، وَلٰكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ))

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم مسافر ہوتے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس بات کا حکم دیا کرتے تھے کہ ہم (سفر میں) تین دن اور تین رات تک موزوں کو نہ اتارا کریں (اور ان پر مسح کرتے رہا کریں) سوائے جنابت

---

[1] المحرر: 13/1- شرح العمدة: 275/1- الفروع: 135/1.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے (کہ اگر اس دوران جنابت لاحق ہو جایا کرے تو تب موزے اتار کر غسل کیا کریں) البتہ بول و براز اور سونے کی وجہ سے (نہ اتارا کریں بلکہ بول و براز کے بعد جب وضو کرنا ہو تو ان پر مسح کر لیا کریں)۔ ❶

أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَصَحَّحَاهُ.

اس حدیث کو امام نسائی اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ امام ترمذی کی روایت کے ہیں۔ جبکہ امام ترمذی اور امام ابن خزیمہ رحمہما اللہ دونوں نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... كَانَ: كَانَ جب فعل مضارع کے ساتھ آئے تو دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے۔

يَأْمُرُنَا: اَمْر یہ استعلاء کے طور پر کسی سے کسی چیز کے طلب کرنے کو کہتے ہیں۔

إِذَا كُنَّا سَفَرًا: یہ "مُسَافِرِيْنَ" کے معنی میں ہے۔ یہاں مراد سفر شرعی ہے اور اکثر علماء کے نزدیک یہ بوجھ لدے اونٹوں کو لے کر دو دن تک چلنے کی مدت ہے۔ جس کا اندازہ تراسی (83) کلومیٹر بنتا ہے۔ یہ ہے وہ مسافت جس پر سفر شرعی کے احکام مرتب ہوتے ہیں۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہی قول دلائل کے سب سے زیادہ قریب ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ نصوص میں سفر کا ذکر مطلق آتا ہے اور جب کوئی شے نصوص میں مطلق آئے تو اسے عرف پر محمول کیا جاتا ہے جبکہ اس کی کوئی حقیقتِ شرعیہ نہ ہو۔

سفر شرعی کی حقیقت، مدتِ مسح اور اس کا آغاز

سفر شرعی کی مسافت کو غریب الحدیث کے تحت بیان کر دیا گیا ہے۔ رہی مدتِ مسح تو وہ تین دن اور تین راتیں ہیں جس پر نص آ گئی ہے اور یہ کل 72 گھنٹے بنتے ہیں۔ رہا یہ سوال کہ یہ مدت شروع کب سے ہوتی ہے؟ تو اس بارے چار احتمالات ہیں:

(1) جس وقت سے پہنا ہے اس وقت سے 72 گھنٹے تک، لیکن یہ احتمال ضعیف ہے۔

(2) پہننے کے بعد جب حدث لاحق ہوا ہے اس وقت سے 72 گھنٹے تک۔ یہ احتمال بھی ضعیف ہے لیکن اس کا ضعف پہلے احتمال سے کم ہے۔

(3) حدث کے بعد جب پہلی بار وضو کر کے مسح کیا، اس وقت سے 72 گھنٹے تک۔ یہ قول سب سے اقرب ہے کہ مسح کی مدت کا آغاز خود مسح کرنے کے وقت سے شروع ہو، کیونکہ حدیث میں فَمَسَحَ کے الفاظ ہیں جو فعل پر صادق آتے ہیں۔ لہٰذا مسح کی مدت کا آغاز خود مسح کرنے سے ہو۔

(4) اور چوتھا احتمال یہ ہے کہ اس مدت کا آغاز پہلے مسح سے ہو چکا ہے وہ مسح حدث کے بغیر ہی ہو، جس کو تجدید مسح کہہ سکتے ہیں۔

---

❶ سنن النسائی: 83/1۔ جامع الترمذی: 96۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور صحیح کہا ہے۔ سنن ابن ماجہ: 478۔ صحیح ابن حبان: 1100۔ مسند احمد: 239/4۔ امام نووی "المجموع" (543/1) میں فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے اسے امام شافعی نے "الام" میں روایت کیا ہے۔ جبکہ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو صحیح اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام ذہبی نے یہ حدیث "سیر اعلام النبلاء" (367/14) میں ابن خزیمہ کے طریق سے روایت کی ہے۔ ابن ملقن امام بخاری رحمہ اللہ سے نقل کر کے کہتے ہیں: مسح کی مدت کی بابت یہ سب سے صحیح حدیث ہے۔ (خلاصۃ البدر المنیر: 73/1)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگرچہ مذکورہ نص میں احتمال اس بات کا بھی ہے لیکن یہ احتمال نادر و قلیل ہے اس لیے حکم کا مدار اس نادر احتمال پر نہ رکھا جائے۔ پس راجح قول تیسرا ہے کہ مسح کی مدت کا آغاز حدث کے بعد مسح کرنے کے وقت سے ہوگا۔

مسح کا جواز کس حدث میں ہے؟

اِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ: اس استثناء سے یہ مستفاد ہوا کہ موزوں پر مسح جنابت میں کرنا جائز نہ ہوگا۔ جنابت چاہے جماع سے لاحق ہوئی ہو یا انزال یا احتلام سے کہ تینوں صورتوں کا حکم ایک ہی ہے کہ جنابت میں موزوں پر مسح کرنا جائز نہ ہوگا جس کو حدثِ اکبر کہتے ہیں۔ البتہ وہ حدث جو بول و براز اور نیند کی وجہ سے لاحق ہو جس کو حدثِ اصغر کہتے ہیں اس میں موزوں پر مسح جائز ہے۔ "وَ لٰكِنْ مِنْ غَائِطٍ ، وَ بَوْلٍ وَ نَوْمٍ" کا یہی مطلب ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- شریعتِ اسلامیہ نے سفر میں طہارت، نماز اور روزہ وغیرہ کے احکامات میں آسانی کر رکھی ہے۔
- موزوں کو اتار کر پاؤں دھونا غیر افضل ہے جس کی دلیل یہ ارشاد ہے: "يَـأْمُـرُنَا إِذَا كُنَّا سَفْرًا اَنْ لَّا نَنْزِعَ خِفَافَنَا" کہ جب نبی کریم ﷺ موزوں پر مسح فرماتے تھے جو سب سے متقی تھے تو دوسروں کے لیے تو بدرجۂ اولیٰ مسح کرنا افضل ہوگا۔
- موزوں پر مسح کی مدت تین دن تین رات ہے جس کے آغاز کی بابت راجح قول قبل ازیں ذکر کر دیا گیا ہے۔
- موزوں پر مسح صرف حدثِ اصغر میں ہی کیا جائے نہ کہ حدثِ اکبر یعنی جنابت میں۔
- معلوم ہوا کہ بول و براز اور نیند ناقض وضو ہے۔ اس باب میں قلیل و کثیر کا کوئی فرق نہیں لہٰذا بول و براز اور نیند کم ہو یا زیادہ ناقض وضو ہے۔

مقیم کے لیے مدتِ مسح کا بیان

59- وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((جَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ، وَيَوْمًا وَّلَيْلَةً لِّلْمُقِيمِ- يَعْنِي فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ)). أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسافر کے لیے (موزوں پر مسح کرنے کی مدت) تین دن اور تین رات جبکہ مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات مقرر فرمائی۔ [1]

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :...... جَعَلَ: مقرر کیا، ٹھہرایا اور یہاں جَعَلَ سے جَعْل شرعی مراد ہے یعنی نبی کریم ﷺ نے یہ شرعی حکم مقرر فرمایا۔

مضمون حدیث :...... اس حدیث میں مسافر کے ساتھ ساتھ مقیم کے لیے بھی مدتِ مسح علی الخفین کو ذکر کیا گیا ہے کہ وہ ایک دن اور ایک رات ہے۔ اس حدیث کے دیگر فوائد و متعلقات حدیث صفوان کی طرح کے ہی ہیں۔ جن میں سب سے اہم مدتِ مسح کے آغاز کے وقت کی بحث ہے جس کو مفصل بیان کیا جا چکا ہے۔

60- وَعَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((بَعَثَ رَسُولُ

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ

[1] صحیح مسلم: 276.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللّٰهِ ﷺ سَرِيَّةً فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَمْسَحُوا عَلَى الْعَصَائِبِ، يَعْنِي الْعَمَائِمَ، وَالتَّسَاخِينِ يَعْنِي الْخِفَافَ)).

نے جہادی مہم پر ایک دستہ روانہ فرمایا، پس آپ ﷺ نے انہیں عصائب (یعنی عماموں) اور تساخین (یعنی موزوں) پر مسح کرنے کا حکم دیا۔ ❶

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

اس حدیث کو امام احمد اور امام ابوداود رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... عَصَائِب: یہ اَلْعِصَابَةُ کی جمع ہے۔ جس کا معنی جماعت، ٹولہ، عمامہ، پگڑی اور پٹی ہے۔ عماموں کو عصائب اس لیے کہتے ہیں کیونکہ ان کو سروں پر باندھا جاتا ہے۔ چنانچہ عَصَبَ رَأْسَهٗ بِالْعِصَابَةِ کا معنی ہے ''سر پر پٹی باندھنا۔'' ❷

تَسَاخِيْنَ: یہ ان ہانڈیوں اور دیگچیوں کو کہتے ہیں جن میں پانی گرم کیا جاتا ہے۔ اس کی واحد نہیں آتی، ایک قول یہ ہے کہ اس کی واحد تَسْخَنٌ یا تَسْخَانٌ آتی ہے۔ ❸

سَرِيَّةٌ: سریہ فوج کی ایک ٹکڑی یا دستہ کو کہتے ہیں جن کی تعداد پانچ سے تین سو تک ہو یا گھوڑوں کے ایک دستہ کو کہتے ہیں جو تقریباً چار سو کی تعداد پر مشتمل ہو ❹ اور سریہ کو سریہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ رات کو چھپ کر چلتا ہے۔ ❺ سریہ اور غزوہ میں یہ فرق ہے کہ دور نبوی میں دشمنانِ اسلام سے ہونے والی جن لڑائیوں میں جنابِ رسول اللہ ﷺ نے خود بنفسِ نفیس شرکت فرمائی ان کو غزوہ اور جن میں اپنی جگہ کسی تجربہ کار صحابی رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیجا، ان کو سریہ کہتے ہیں۔ ❻

پھر خود سریہ بھی دو قسم کا ہے۔ ایک سریہ وہ ہے جس کو دار الخلافہ وغیرہ سے روانہ کیا جائے اور ایک سریہ وہ ہے جسے دورانِ سفر لشکر سے جدا کر کے کسی خاص جگہ موجود دشمنوں سے لڑنے کے لیے بھیجا جائے۔ لفظِ سریہ کا اطلاق ان دونوں پر یکساں ہیں۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں مطلق موزوں پر مسح کرنے کا جواز مذکور ہے۔ رہی مقیم اور مسافر کی مدتِ مسح کی تعیین تو اس کی بحث مفصل مذکور ہو چکی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ معلوم ہوا کہ سرایا بھیجنا جائز ہے اور وہ دورانِ سفر پگڑیوں اور موزوں پر مسح کر سکتے ہیں۔

◈ پگڑیوں پر مسح جائز ہے جس کی شرائط کو مفصل بیان کر دیا گیا ہے۔

❶ مسند احمد: 277/5۔ سنن ابی داود: 146۔ المستدرك للحاكم: 275/1۔ حاکم نے اس حدیث کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ ذہبی کہتے ہیں اس حدیث کی اسناد قوی ہے۔ حاکم نے اس حدیث کو روایت کر کے یہ کہا ہے کہ یہ مسلم کی شرط پر ہے، تو یہ غلط ہے کیونکہ شیخین رحمہما اللہ نے راشد (مذکورہ حدیث کے ایک راوی) سے کبھی حدیث نہیں لی اور نہ (ایک اور راوی) ثور امام مسلم کی شرط پر ہی ہے۔ (سیر اعلام النبلاء: 299/4) امام نووی نے "المجموع" (465/1) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے البتہ ابن حزم نے "المحلّٰی" (75/2) میں اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

❷ القاموس الوحيد، ص: 1086۔ (نسیم)

❸ القاموس الوحيد، ص: 755۔ المنجد العربي في اللغة، ص: 326۔ (نسیم)

❹ القاموس الوحيد، ص: 766۔ (نسیم)

❺ المنجد العربي في اللغة، ص: 332۔ (نسیم)

❻ تحفة الطلبة، ص: 494-495۔ (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ **تَسَاخِيْنَ:** اصل میں گرم کرنے کے آلہ کو کہتے ہیں جیسے وہ برتن جن میں پانی گرم کیا جاتا ہے۔ اس توجیہ کی بنا پر تساخین کی تفسیر خفین سے کرنا "تَفْسِيْرُ الشَّيْءِ بِبَعْضِ مَعْنَاهُ" کی قبیل سے ہوگا کہ کسی شے کی تفسیر اس کے بعض یعنی کسی ایک معنی سے کردی جائے جبکہ اس کے دیگر معانی بھی ہوں۔ اس توجیہ کی بنا پر چند باتوں پر روشنی ڈالنا ضروری ہے، جو یہ ہیں:

⊙ ......تساخین کے معنی کے عموم کی روشنی میں جرابوں کے مسح کا جواز بھی ہوگیا، کیونکہ جرابیں بھی پیر کو گرم کرتی ہیں۔

⊙ ......معلوم ہوا کہ باریک یا پھٹے ہوئے موزے پر بھی مسح جائز ہے، یہی راجح قول ہے، کیونکہ تسخینِ قدمین ان سے بھی حاصل ہوتا ہے۔

⊙ ......اسی طرح اگر کسی نے شدید سردی میں پاؤں کے بچاؤ کے لیے ان پر لفافے چڑھا لیے تو ان پر بھی مسح جائز ہوگا۔

⊙ ...... جب تک موزوں کو موزے کہا جا سکے ان پر مسح جائز ہوگا لہٰذا معمولی پھٹن موزوں پر مسح کے جواز میں مانع نہ بنے گی۔ کیونکہ ایک تو نصوص مطلق ہیں، دوسرے یہ رخصت اور تسہیل کا محل ہے، تیسرے ابھی تک اس پر اسم خف کا اطلاق درست ہے۔

جنابت میں موزوں پر مسح کرنے کا حکم

61,62۔ وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَوْقُوفًا، وَ أَنَسٍ مَرْفُوعًا: ((إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ وَلَبِسَ خُفَّيْهِ فَلْيَمْسَحْ عَلَيْهِمَا، وَلْيُصَلِّ فِيْهِمَا، وَلَا يَخْلَعْهُمَا إِنْ شَاءَ إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ))

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ "جب تم میں سے ایک وضو کر لے پھر اپنے موزے پہنے تو (اب بعد میں دوبارہ وضو کرتے وقت) وہ ان پر مسح کر لے اور ان میں نماز پڑھ لے اور اگر چاہے تو ان کو اتارے نہیں سوائے جنابت (سے اتارنے) کے۔" ❶

أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ.

اس حدیث کو دارقطنی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث :......**إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ:** اس کا اطلاق طہارت کامل کر لینے والے پر ہے، گویا کہ یہاں فعل سے مراد تکمیل فعل ہے نہ کہ ارادۂ فعل جیسا کہ "إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ" میں ہے اور نہ شروع فی الفعل مراد ہے، بلکہ تکمیل فعل مراد ہے یعنی جب تم وضو پورا کر چکو اور اس کے بعد موزے پہنو تو بعد میں ان موزوں پر مسح جائز ہوگا۔

فَلْيَمْسَحْ، وَ لْيُصَلِّ: ان دونوں صیغوں میں لام امر کے لیے ہے اسی لیے فَا کے بعد لام ساکن ہے اور دوسری جگہ واؤ کے بعد ساکن ہے۔

مضمون حدیث:......مذکورہ حدیث کا مضمون واضح ہے کہ یہاں طہارت کاملہ پر پہنے موزوں پر مسح کا جواز بتلایا گیا ہے اور دوسرا یہ مضمون بھی واضح ہے کہ موزوں پر جنابت میں مسح نہ ہوگا۔

---

❶ سنن الدارقطني: 204/1۔ سنن البيهقي: 279/1 من طريق الدارقطني۔ المستدرك للحاكم 290/1۔ تحفة المحتاج: 198/1۔ میں ہے کہ ان دونوں (موقوف اور مرفوع) روایات کو دارقطنی نے اسد السنہ کے طریق سے روایت کیا ہے۔ امام نسائی نے اسد السنہ کو ثقہ کہا ہے۔ البتہ ابن حزم نے "المحلی" (91/2) میں اس روایت کو اسد کی وجہ سے معلول کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ موزوں کو جب طہارتِ کاملہ کے بعد اور بیک وقت پہنا جائے گا۔ تب ان پر مسح جائز ہو گا۔

◈ موزوں میں نماز جائز ہے۔ البتہ اگر ان پر گندگی یا نجاست لگی ہو تو اس کو دُور کر کے موزوں کو پاک کرنا واجب ہے۔

◈ حالت جنابت میں موزوں کو اتار کر غسل کیا جائے گا کہ یہ واجب ہے۔

63- وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((أَنَّهُ رَخَّصَ لِلْمُسَافِرِ ثَلاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ، وَلِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً، إِذَا تَطَهَّرَ فَلَبِسَ خُفَّيْهِ، أَنْ يَمْسَحَ عَلَيْهِمَا)). أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسافر کو تین دن تین رات تک کے لیے اور مقیم کو ایک رات تک کے لیے اس بات کی رخصت دی کہ جب وہ موزوں کو طہارت حاصل کر کے پہنے تو وہ ان پر مسح کر سکتا ہے۔ ❶ اس حدیث کو امام دارقطنی نے روایت کیا ہے اور امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

شرح: اس حدیث کے متعلقہ جملہ مضامین پر مفصّل کلام گزر چکا ہے۔ البتہ یہاں تَوَضَّأَ کی بجائے تَطَهَّرَ کا لفظ ہے جس کا مصداق وہی ہے۔ جو تَوَضَّأَ کا ہے۔

64- وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ عُمَارَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: يَوْمًا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَيَوْمَيْنِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَثَلاثَةَ أَيَّامٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَمَا شِئْتَ))

حضرت اُبی بن عمارہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے (خدمتِ نبوی میں) عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا میں موزوں پر مسح کر لیا کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں (کر لیا کرو)۔'' انہوں نے عرض کیا: (کیا) ایک دن (کے لیے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں!'' انہوں نے (دوبارہ) عرض کیا: (کیا) دو دن (کے لیے بھی کر لیا کروں)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں!'' انہوں نے (سہ بارہ) عرض کیا: اور (کیا) تین دن (کے لیے بھی مسح کر لیا کروں)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! اور جتنے دن تم چاہو۔'' ❷

---

❶ سنن الدارقطني: 204/1 من طريق ابن خزيمة (192)۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے اور امام نووی نے "المجموع" (577/1) میں امام بخاری رحمہ اللہ کی متابعت میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ علامہ خطابی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے جیسا کہ "شرح العمدة لابن تيمية" (279/1) اور "التلخيص الحبير" (157/1) میں ہے۔

❷ سنن ابی داود: 158۔ سنن ابن ماجه: 557۔ سنن الدارقطني: 96/1۔ دارقطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ اسناد ثابت نہیں۔ المستدرك للحاكم: 276/1۔ حاکم کہتے ہیں اُبی بن عمارہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ یہ اسناد مصریوں کی ہے جن میں سے کسی کی طرف بھی جرح منسوب نہیں۔ امام مالک بن انس رحمہ اللہ بھی اسی طرح گئے ہیں۔ امام نووی "المجموع" (545/1) میں کہتے ہیں: ائمہ محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حدیث ابی بن عمارہ رضی اللہ عنہ ضعیف اور بالاتفاق مضطرب ہے۔ کیونکہ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو موزوں پر مسح کا ابدی جواز معلوم ہو۔ لہٰذا یہ حدیث ناقابلِ احتجاج ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ، وَقَالَ: لَيْسَ بِالْقَوِيِّ. اس حدیث کو امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث قوی نہیں۔

اسنادی تحقیق:......امام احمد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے رجال غیر معروف ہیں۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں: یہ اسناد ثابت نہیں اور امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: یہ اسناد تاریک ہے۔ ❶

مضمون حدیث:......اس حدیث میں دراصل اس مسئلہ کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ کیا آدمی غیر مقررہ مدت تک موزوں پر مسح کر سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو:

دراية الحديث:...... بظاہر یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ موزوں پر مسح کی کوئی مقررہ مدت نہیں۔ لہٰذا ایک بار موزے پہن کر ان پر جب تک چاہیں مسح کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ "نَعَمْ وَمَا شِئْتَ" کے الفاظ سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات غیر معتبر ہے لہٰذا اس کی طرف رجوع نہ کیا جائے گا۔ امام موصوف یہ حدیث دراصل اس کے بارے میں امام ابوداؤد نے جو کہا ہے، اس کو بتلانے کے لیے لے کر آئے ہیں وہ یہ کہ "یہ حدیث قوی نہیں۔"

بعض علماء نے اس حدیث کو اس صورت کے تناظر میں صحیح کہا ہے کہ یہ حدیث مسافر کے حق میں پانی نہ ملنے کی صورت میں ضرورت پر محمول ہے کہ جب کسی کے پاس دونوں پاؤں کے دھونے کا پانی نہ ہو تو وہ پانی ملنے تک مسح کر سکتا ہے۔ یا کوئی سخت سرد علاقہ میں ہو اور پاؤں کے دھونے میں شدید ضرر یا پاؤں کے اتلاف کا اندیشہ ہو تو ایسے شخص کے حق میں ضرر کے رفع ہونے تک مسح کرتے رہنے کا جواز ہے۔

لیکن یہ دونوں محمولات ضعیف ہیں کیونکہ مذکورہ حدیث ان دونوں میں سے کسی ایک بات کی طرف بھی اشارہ نہیں۔ اس بات میں ہمیں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ "ایک تو خود یہ حدیث غیر ثابت ہے، دوسرے احادیث صحیحہ صریحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ موزوں پر مسح کی مدت مسافر اور مقیم دونوں کے حق میں الگ الگ مقرر و متعین ہے۔ لہٰذا غیر ثابت حدیث کی بجائے ثابت حدیث کو لیا جائے گا۔" رہا مسئلہ ضرورت تو اس کو جبیرہ کے مسئلہ پر محمول کیا جائے گا کہ جب تک موزوں پر مسح کی احتیاج ہو مسح کرتا رہے۔

6۔ بَابُ نَوَاقِضِ الْوُضُوْءِ......نواقض وضو کا بیان

نواقض: یہ ناقض کی جمع ہے جو فاعل کا وزن ہے اور یہاں غیر ذوی العقول کی صفت بن کر آ رہا ہے اور جب فاعل کا صیغہ غیر ذوی العقول کی صفت بن کر آ رہا ہو تو اس کی جمع فواعل کے وزن پر لا سکتے ہیں جو ذوی العقول کی جمع کے لیے ہوتا ہے۔ جیسے "جِيَادٌ صَافِنَاتٌ" کہ یہاں صَافِنَات ذوی العقول کی جمع کا وزن ہے جو غیر ذوی العقول کے لیے آیا ہے کیونکہ یہاں یہ "جِيَاد" کی صفت ہے جو غیر ذوی العقول میں سے ہے۔

صَافِن: اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو تین ٹانگوں پر کھڑا ہو جبکہ چوتھی ٹانگ کا صرف کھر زمین پر ٹکایا ہو۔

اسی طرح یہاں نواقض یہ افعال کی صفت ہے۔ یعنی "اَلْاَفْعَالُ النَّوَاقِضُ لِلْوُضُوْءِ" (وضو کو توڑنے والے افعال کا بیان) اور چونکہ "افعال" غیر ذوی العقول میں سے ہے اور اس کی صفت فاعل کے صیغہ پر ہے اس لیے اس صفت کی جمع فواعل

❶ دیکھیں: نصب الراية: 166/1۔ التلخيص الحبير: 161/1۔ المحلّى لابن حزم: 90/2.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے وزن پر لا سکتے ہیں جو ذوی العقول کے لیے ہوتا ہے۔ ❶

نواقض وضو کو مفسدات اور مبطلات کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ ان تینوں تعبیروں کی مراد ایک ہی ہے۔

ایک اہم قاعدہ:...... یاد رہے کہ وضو میں اصل اس کی بقا اور صحت ہے جبکہ اس کو شرعی طریق پر کر لیا گیا ہو۔ لہٰذا جو بھی وضو کے ٹوٹنے کا قول کرے گا اس کے ذمہ اس کی دلیل لانا ہوگی۔ اس لیے محض شک کی بنیاد پر وضو نہ ٹوٹے گا بلکہ اس وضو کو باقی سمجھا اور رکھا جائے گا۔ اس بنا پر وضو صرف انہی باتوں سے ٹوٹے گا جو قرآن اور سنت سے ثابت ہوں جیسے قرآنِ کریم نے غائط کو ناقض وضو ٹھہرایا۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ﴾ (المائدة: 6) ''یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو۔''

اسی طرح سنت میں بھی متعدد دیگر نواقض کا بیان آیا ہے جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

نیند کے ناقضِ وضو ہونے کا بیان

65۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ عَلٰى عَهْدِهِ يَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ حَتّٰى تَخْفِقَ رُؤُوْسُهُمْ، ثُمَّ يُصَلُّوْنَ وَلَا يَتَوَضَّؤُوْنَ)).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ دورِ نبوی ﷺ میں اصحابِ رسول ﷺ عشاء کی نماز کا انتظار کیا کرتے تھے، حتیٰ کہ (نماز کے انتظار میں انہیں اونگھ آنے لگتی تھی جس سے) ان کے سر جھکنے لگتے تھے پھر (نبی کریم ﷺ کے تشریف لے آنے پر) وہ (اٹھ کر) نماز پڑھ لیتے تھے اور وضو نہ کیا کرتے تھے۔ ❷

أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَصَحَّحَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَأَصْلُهُ فِيْ مُسْلِمٍ.

اس حدیث کو امام ابوداود نے روایت کیا ہے اور امام دارقطنی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے جبکہ اس کی اصل صحیح مسلم میں ہے۔

غریب الحدیث:...... أَصْحَابُ الرَّسُوْلِ: صحابی کی تحقیق کو مقدمہ میں مفصل ذکر کر دیا گیا ہے۔

يَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ: مراد عِشَاءُ الْاٰخِرَةِ یعنی مغرب کے بعد والی نماز ہے۔ بدوی لوگ اس نماز کو عَتَمَةٌ کہا کرتے تھے جس کی ممانعت کر دی گئی۔

تَخْفِقُ رُءُوْسُهُمْ: خَفْقُ الرَّأْسِ اونگھ کی وجہ سے سر کے نیچے جھکنے کو کہتے ہیں جس کا مشاہدہ عام ہے۔

دورِ نبوی میں صحابہ کا فعل حجت ہے:...... یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ دورِ نبوی میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فعل حجت ہے چاہے ہمیں اس بات کا علم ہو یا نہ ہو کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس فعل کی خبر تھی یا نہیں۔ کیونکہ اگر تو اس فعل کو نبی کریم ﷺ نے خود دیکھ لیا اور اس کو برقرار رکھا تو یہ اس کے جائز ہونے کی واضح دلیل ہے اور اگر ہمیں نبی کریم ﷺ کے اس فعل پر مطلع ہونے کی خبر نہیں تو ہم اس بات کو بالضرور ہی جانتے ہیں کہ رب تعالیٰ کو تو

---

❶ هذا ما استفدت من اساتذتي۔ (نسیم)

❷ سنن ابی داود: 200۔ سنن الدارقطنی: 1/130۔ صحیح مسلم: 376۔ امام نووی "المجموع" (2/17) میں فرماتے ہیں: امام ابوداود کی روایت کی اسناد صحیح ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس فعل کی خبر تھی اور نزولِ وحی کے زمانہ میں رب السموات والارض کا کسی فعل پر سکوت اس بات کی دلیل ہے کہ رب تعالیٰ اس بات پر راضی تھے۔ اس لیے دورِ نبوی میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فعل ہر حال میں حجت ہے۔ لہٰذا جن روایات میں اس قسم کے الفاظ آتے ہیں کہ ''ہم دورِ نبوی میں ایسا اور ایسا کیا کرتے تھے یا ہمیں ایسا ایسا حکم دیا جاتا تھا'' وغیرہ وغیرہ تو یہ اس فعل کے حجت ہونے کی دلیل ہے۔

دورِ نبوی کے بعد کے زمانہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فعل کا حکم

اگر تو بعد کے زمانہ میں کسی فعل پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع منعقد ہو جاتا ہے تو وہ حجت ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی ایک صحابی کا قول ہو پر وہ شائع اور منتشر و مشہور ہو جائے اور اس پر کسی دوسرے صحابی کی نکیر بھی مروی نہ ہو جیسے کسی نے کوئی بات خطبہ میں کہی جس کو متعدد لوگوں نے سنا اور وہ بات بعد میں سب میں مشتہر ہوگئی اور اس پر کسی نے نکیر نہ کی تو وہ بھی اجماع کی مانند ہوگی جو حجت ہوگی۔ اسی طرح اگر ایک بات کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہی جس کے مشتہر ہونے کا تو علم نہ ہو لیکن وہ صحابی رضی اللہ عنہ ان حضرات میں سے ہو جن کی اتباع کی نص آئی ہو تب بھی وہ قول اس نص اور سنت کی وجہ سے حجت ہوگا نہ کہ اس لیے کہ وہ ایک صحابی کا قول یا فعل ہے جیسے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کہ جن کی اپنے بعد اقتدا کرنے کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ترغیب دی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ''میرے بعد ان دونوں یعنی ابوبکر و عمر کی اقتدا کرنا۔'' ❶

اور اگر وہ قول کسی ایسے صحابی رضی اللہ عنہ کا ہو جن کی اقتدا کی نص تو نہیں آئی لیکن ان کا شمار فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے تو ان کا قول بھی حجت ہوگا۔ اور اگر وہ عامۃ الصحابہ میں سے ہیں تو امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک قولِ صحابی قیاس پر مقدم ہے۔

مضمونِ حدیث: ......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ تھوڑی سی نیند جسے اونگھ کہتے ہیں وہ ناقض وضو نہیں۔ نیند کے ناقض وضو ہونے کی بابت علماء میں شدید اختلاف ہے۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے اس بابت علماء کے آٹھ اقوال ذکر کیے ہیں۔ ❷ لیکن الحمد للہ یہ اختلاف لفظی ہے جس میں جمع و تطبیق ممکن ہے، جس کی تفصیل "نیل الاوطار" میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس بارے اقرب قول یہ ہے کہ نیند بذاتِ خود ناقض وضو نہیں بلکہ حدث کے گمان کا محل ہے۔ لہٰذا اگر تو نیند اتنی گہری ہو کہ حدث لاحق ہو جانے کا احساس و ادراک نہ رہے تو وہ نیند ناقض وضو ہوگی اور اگر نیند اتنی گہری نہ ہو تو ناقض وضو نہ ہوگی۔ اسی پر ایسی بے ہوشی اور فتور کو بھی قیاس کیا جائے گا جس میں عقل جاتی رہے۔ کیونکہ ان دونوں صورتوں میں احساس اور ادراک جاتا رہتا ہے۔ لہٰذا بے ہوشی اور فتورِ عقل ناقض وضو ہوں گے۔ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ .

کیا نماز ہی موجبِ وضو ہے؟

بعض علماء نے مذکورہ حدیث سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ نماز ہی وجوبِ وضو کا سبب ہے اور ان کا استدلال "ثم یصلون" کے الفاظ سے ہے۔ گو نفسِ مسئلہ کے اعتبار سے یہ مسئلہ درست ہے کہ وضو تب ہی واجب ہوتا ہے جب نماز ادا کرنی ہو۔ البتہ اس مسئلہ کا مذکورہ حدیث سے استدلال ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ حدیث قضیہ شخصیہ کے حکم میں ہے۔ ہاں دیگر متعدد قطعی احادیث ایسی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وضو کا وجوب نماز کے لیے ہی ہے اور وضو نماز کی وجہ سے ہی واجب ہوتا ہے۔ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ .

❶ جامع الترمذی: 3742 و حسنہ الترمذی۔ مسند احمد: 382/5۔ ❷ نیل الاوطار للشوکانی: 239/1

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حائضہ کی نماز جائز نہیں

66۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي امْرَأَةٌ أُسْتَحَاضُ فَلَا أَطْهُرُ، أَفَأَدَعُ الصَّلَاةَ؟ قَالَ: ((لَا، إِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ، وَلَيْسَ بِحَيْضٍ، فَإِذَا أَقْبَلَتْ حَيْضَتُكِ فَدَعِي الصَّلَاةَ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّي))

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حُبیش نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں ایک ایسی عورت ہوں کہ (جب) مجھے حیض آتا (ہے تو آتا) ہی چلا جاتا ہے اور (رکتا نہیں۔ اس لیے) میں پاک نہیں ہو پاتی تو کیا (جب تک یہ حیض رہے) میں نماز چھوڑ دیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں! (ایسا مت کرو۔ کیونکہ) بے شک یہ (استحاضہ) تو ایک رگ (کا خون) ہے اور یہ حیض (کا خون) نہیں۔ پس جب تیرا حیض (اپنے مقررہ دنوں میں) آئے تو تم (ان دنوں تک) نماز رہنے دو اور جب وہ چلا جائے (یعنی اس کے مقررہ دن ختم ہو جائیں) تو اپنے سے خون دھو دو (اور غسل کر کے پاک ہو جاؤ) پھر نماز پڑھو (اور اب چاہے استحاضہ کا خون آتا بھی رہے تو اس کی پروا نہ کرو)۔ ❶

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَلِلْبُخَارِيِّ "ثُمَّ تَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلَاةٍ" وَأَشَارَ مُسْلِمٌ إِلَى أَنَّهُ حَذَفَهَا عَمَدًا.

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''پھر (اس کے بعد) ہر نماز کے لیے (نیا) وضو کر لیا کرو۔'' جبکہ امام مسلم رحمہ اللہ نے (اس جملہ کے بغیر حدیث روایت کر کے) اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انہوں نے یہ جملہ عمداً حذف کیا ہے۔

غریب الحدیث: ......**اُسْتَحَاضُ:** استحاضہ آنا۔ حیض اور استحاضہ میں فرق ہے کہ حیض اس خون کو کہتے ہیں جو عورت کو مقررہ ایام میں آتا ہے۔ جبکہ استحاضہ اس خون کو کہتے ہیں جو شدت کے ساتھ آئے اور مقررہ ایام سے تجاوز کر جائے۔ کیونکہ استحاضہ میں بہ نسبت حیض کے زیادہ الفاظ ہیں اور الفاظ کی کثرت معنی کی کثرت پر دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا استحاضہ کا معنی حیض کے معنی سے زائد ہوگا۔

فَلَا اَطْهُرُ: ان الفاظ کے ظاہر سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ وہ خون ہر دم آتا رہتا ہوگا اور وہ کسی وقت پاک نہ ہو سکتی ہوں گی۔

اَفَاَدَعُ الصَّلٰوةَ: چونکہ حائضہ نماز ادا نہیں کرتی اس بنا پر فاطمہ بنت حبیش رضی اللہ عنہا نے یہ سمجھ لیا کہ شاید استحاضہ میں بھی نماز نہیں پڑھی جائے گی کیونکہ بظاہر رنگت اور کیفیت کے معمولی فرق کے ساتھ دونوں خون ایک سے نظر آتے ہیں جس پر نبی کریم ﷺ نے استحاضہ کے دوران ترکِ صلوٰۃ سے منع فرمایا۔

اِنَّمَا ذٰلِكِ: ان کلمات کے ساتھ اس ممانعت کی علت بیان فرما دی۔

❶ صحیح البخاری، 306۔ صحیح مسلم: 333۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذٰلِكِ: یہ اسم اشارہ ہے اور اس میں کاف خطاب کا ہے جس کی تذکیر و تانیث کی مخاطب کے اعتبار سے رعایت کی جاتی ہے۔ چونکہ یہاں مخاطب ایک خاتون تھی اس لیے کاف مکسور لے آئے جو واحد مونث حاضر پر دلالت کرتی ہے (اور اُردو ترجمہ میں اس کا کوئی محل نہیں۔[نسیم])

حیض اور استحاضہ میں فرق

نبی کریم ﷺ نے ان دونوں خونوں میں فرق بیان فرمایا کہ استحاضہ یہ ایک رگ کا خون ہے اور حیض وہ جبلّی اور طبعی خون ہوتا ہے جو فطری طور پر بنا کسی سبب مرض یا زخم کے ہر ماہ چند مخصوص ایام میں آتا ہے۔ رہی اس کی طبی تفصیل کہ یہ خون کس رگ سے اور کہاں سے آتا ہے تو وہ ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ غرض نبی کریم ﷺ نے دونوں خونوں میں یہ فرق بیان فرمایا ہے کہ استحاضہ کا خون ایک رگ کا خون ہے جو حیض نہیں۔

حیض کی ابتدا اور انتہا کی معرفت اور حیض اور استحاضہ کے خونوں میں فرق

پھر آپ ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ نماز چھوڑی کب جاتی ہے۔ چنانچہ جب حیض آنا شروع ہو تو عورت نماز نہ پڑھے گی اور جب ختم ہو جائے گا تو پاکیزگی حاصل کر کے غسل کر کے نمازیں شروع کر دے گی۔ رہی حیض کی ابتدا اور انتہا کی معرفت، تو وہ ہر عورت کی عادت کے سپرد ہے۔ چنانچہ جس عورت کی استحاضہ لاحق سے قبل حیض کے آنے اور ختم ہونے کی ایک مقررہ عادت رہی ہو وہ حیض اور استحاضہ کے خون میں اپنی سابقہ عادت کو مدار بنا کر فرق کر سکتی ہے۔ چنانچہ حیض کے ایام میں تو وہ عورت نماز نہ پڑھے گی اور اس کے بعد کے ایام میں پاک ہو کر نماز پڑھے گی چاہے استحاضہ کا خون آتا بھی رہے۔ اسی لیے صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ایسی عورت پھر ہر نماز کے لیے نیا وضو کرے گی۔

غرض معتادہ عورت اقبالِ مدت اور ادبار مدت کو مدار بنائے گی۔ لیکن جس کی کوئی عادت مقرر نہ ہو، وہ حیض اور استحاضہ کے خون میں کیسے تمیز کرے گی؟ تو فقہاء نے دونوں خونوں میں تین فرق بتلائے ہیں، غیر معتادہ عورت ان فروق کو ملحوظ رکھ کر دونوں خونوں میں فرق کرے گی۔ وہ فروق یہ ہیں:

- ⊙ ......حیض کا خون سیاہی مائل جبکہ استحاضہ کا خون نرا سرخ ہوتا ہے۔
- ⊙ ......حیض کا خون گاڑھا جبکہ استحاضہ کا خون پتلا ہوتا ہے۔
- ⊙ ......حیض کے خون کی بو ناگوار ہوتی ہے جبکہ دم استحاضہ کی بو نہیں ہوتی۔

اَقْبَلَتْ حَيْضَتُكِ: مراد حیض کا شروع ہونا ہے۔

وَ اِذَا اَدْبَرَتْ: مراد مدتِ حیض کا ختم ہونا ہے۔ گویا کہ اس میں معتادہ عورت کا بیان ہے جس کو اپنے حیض کی مدت کے آغاز اور اختتام کا علم ہوتا ہے۔

فَاغْسِلِيْ عَنْكِ الدَّمَ: یہ بھی معتادہ کا بیان ہے کہ جب اس کا حیض ختم ہو جائے تو حیض کے خون کو دھو کر بدن پاک کرے گی پھر غسل کر کے نماز پڑھے گی۔ معلوم ہوا کہ حیض کا خون نجس ہے جس کا پاک کرنا لازم ہے۔

ثُمَّ تَوَضَّئِيْ لِكُلِّ صَلٰوةٍ: یہ جملہ امام مسلم نے قصداً حذف کیا ہے۔ لیکن درستی اور صواب امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ ہے۔ اب ہر نماز سے مراد ہر نماز کا وقت ہے یا ہر نماز ہی مراد ہے، کہ اگر وہ ایک وقت میں دو نمازوں کو جمع کر کے ادا کرنا چاہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو ہر نماز کے لیے نیا وضو کرے گی؟ مذکورہ الفاظ میں دونوں احتمالات کا ہی امکان ہے لیکن راجح پہلا احتمال ہے کہ وہ ایک نماز کا وقت داخل ہونے پر وضو کرے گی۔ پھر اس وضو سے جب تک کہ وہ باقی ہے جتنی چاہے نمازیں پڑھ سکتی ہے۔ اس میں مستحاضہ کا بیان ہے کہ جب اس کا حیض ختم ہو جائے اور وہ غسل کر کے پاک ہو جائے تو بعد میں وہ ہر نماز کا وقت داخل ہونے پر ایک وضو کرے گی اور دم استحاضہ کے خون کے جاری رہنے کی پروا نہ کرے گی اور جب تک کہ دم استحاضہ کے سوا کوئی اور حدث لاحق نہیں ہو جاتا اس کا وضو باقی شمار ہوگا اور وہ اس وضو سے اس ایک نماز کے وقت کے دوران جتنی چاہے نمازیں ادا کر سکتی ہے کہ یہی راجح قول ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- حضرات صحابیات رضی اللہ عنہن کو مسائل کے دریافت کرنے سے طبعی حیا مانع نہ بنتی تھی۔
- حائضہ حیض کے دوران نماز نہ پڑھے گی، اس پر اجماع ہے کہ حائضہ پر نماز غیر واجب اور اس کا پڑھنا حرام ہے اور بعد میں قضا بھی لازم نہیں اور اگر حیض کے ساتھ کوئی نماز پڑھی تو اس کا حکم ثابت نہ ہوگا۔ اس باب میں فرض اور نفل دونوں کا حکم ایک ہے۔ کیونکہ جو بات فرض میں ثابت ہے وہ نفل میں بھی ثابت ہے الا یہ کہ استثنا کی کوئی دلیل ہو۔
- نبی کریم ﷺ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ حکم کو علت کے ساتھ ذکر فرما کر بیان فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ استحاضہ کے خون میں ترک صلوٰۃ سے منع فرمایا تو اس کی علت بھی بیان فرما دی کہ یہ ایک رگ کا خون ہے نہ کہ حیض اور یہ انسانی فطرت کا خاصا ہے کہ وہ حکم کی علت سن کر مطمئن ہو جاتا ہے۔
- دم استحاضہ نماز سے مانع نہیں چاہے وہ نماز کے دوران نکلتا رہے اور چاہے بدن کے جتنے بھی حصہ پر پھیل جائے۔ رہا اس خون کا ناقض وضو ہونا تو چونکہ یہ سبیلین سے ہے اس لیے ناقض وضو ہے۔ لیکن چونکہ یہ عورت عذر والی ہے، اس لیے ہر نماز کا وقت داخل ہونے پر نیا وضو کرے گی اور اس کے ٹوٹنے تک اس وقت کے اندر اندر نمازیں ادا کرتی رہے گی جس کی تفصیل ذکر ہو چکی ہے اور اگر خون غیر سبیلین سے نکلے تو وہ سرے سے ناقض وضو ہی نہیں ہے۔
- معلوم ہوا کہ اسباب کے فرق سے احکام میں بھی تفریق ہو جاتی ہے جیسے حیض اور استحاضہ کے خونوں میں اگر فرق ہے تو دونوں کے احکام میں بھی تفریق ہے۔
- مستحاضہ اپنی عادت کی طرف رجوع کرے گی، اور معمول سے متجاوز ایام کو استحاضہ کے ایام سمجھے گی۔ جبکہ مستحاضہ غیر معتادہ حیض اور استحاضہ کے خونوں میں تمیز کی طرف لوٹے گی۔ جس کی تفصیل ذکر ہو چکی ہے۔
- دم حیض کے منقطع ہونے پر غسل واجب اور اس خون کا ازالہ لازم ہے اور حیض کا معمولی سا خون بھی معاف نہیں۔ اس کا دھونا بھی لازم ہے۔ بدن سے بھی اور کپڑے سے بھی۔ اس کے دلائل ابواب نجاست کے تحت گزر چکے ہیں۔
- نجاست سے تطہیر واجب ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے حائضہ کو حیض ختم ہونے پر پہلے خون کے دھونے کا حکم دیا ہے پھر نماز پڑھنے کا فرمایا اور "ثُمَّ" ترتیب کے لیے ہے۔ جس پر یہ حکم مرتب ہوتا ہے کہ ادائے صلوۃ سے قبل ازالہ نجاست واجب ہے۔

حیض سے پاک ہونے پر نمازوں کی فرضیت کی تفصیل

رہا یہ سوال کہ حیض سے پاک ہونے پر عورت کو اس حدیث میں جو نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے وہ اسی وقت کی نماز کا ہے جس کے دوران وہ حیض سے پاک ہوئی ہے یا آئندہ وقت کی نماز کا حکم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عورت پر اس وقت کی نماز

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی لازم ہے جس وقت میں وہ نماز سے پاک ہوئی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر عورت کو پاک ہونے کے بعد غسل کر کے اتنا وقت میسر آ جاتا ہے کہ وہ تکبیر تحریمہ کہہ سکے تو اس وقت کی نماز بھی اس پر واجب شمار ہوگی جس کی بعد میں وہ قضا دے گی۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اس وقت کی نماز کا وجوب اس قدر وقت میسر آنے پر ہے کہ جس میں وہ ایک پوری رکعت ادا کر سکے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جس نے ایک رکعت پالی تو اس نے (گویا کہ) نماز کو پالیا۔''[1] (یعنی اس پر اس نماز کی فرضیت ثابت ہوگئی)۔ اس کی مزید تفصیل کے لیے کتب فقہ کی مراجعت کی جائے۔

مذی نکلنے سے وضو واجب ہو جاتا ہے

67- وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ أَنْ يَسْأَلَ النَّبِيَّ ﷺ، فَسَأَلَهُ: فَقَالَ: ((فِيهِ الْوُضُوءُ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک ایسا آدمی تھا جسے مذی بڑی آتی تھی۔ سو میں نے مقداد (رضی اللہ عنہ) سے کہا کہ وہ نبی کریم ﷺ سے (اس بارے) دریافت کریں۔ چنانچہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس میں (صرف) وضو (واجب) ہے۔''[2]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور الفاظ امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت کے ہیں۔

غریب الحدیث:...... كُنْتُ: فعل ناقص ''كَانَ'' زمانہ سے قطع نظر صفت کی تحقیق کے لیے آتا ہے۔ لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں یہ صفت سوال پچھوانے کے وقت پائی جاتی تھی نہ کہ یہ مراد ہے کہ یہ صفت پہلے کبھی ہوتی تھی۔

مَذَّاءً: یہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی بہت زیادہ مذی والا۔

مَذِيٌ: اس میں دو لغات ہیں: (1) اَلْمَذْيُ ذال کے سکون اور یا غیر مشدد کے ساتھ۔ (2) اَلْمَذِيُّ ذال کے کسر اور یاء مشدد کے ساتھ۔ اگرچہ یہ لغت بھی صحیح ہے لیکن اکثر مستعمل پہلی لغت ہے۔

مَذِيٌ: یہ شہوت کے ساتھ نکلنے والا ایک چپچپا پانی ہوتا ہے اور شہوت سے مراد شہوت کا احساس ہے جس میں عضو تناسل کی ایستادگی ضروری نہیں۔ چنانچہ یہ پانی بیوی کو بوسہ دینے، اسے ہم کنار کرنے، اس کی طرف شہوت سے دیکھنے یا محض سوچنے سے بھی نکل آتا ہے۔ مذی کی بابت لوگوں کی عادات مختلف ہیں، کسی کو کم اور کسی کو زیادہ آتی ہے اور کسی کو آتی ہی نہیں۔ جناب علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو مذی کثرت سے کے ساتھ آیا کرتی تھی۔

اَمَرْتُ الْمِقْدَادَ: یہاں امر سے مراد التماس ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سوال حیا کی بنا پر خود نہ کیا تھا کیونکہ نبی کریم ﷺ کی لخت جگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو اس لیے بھیجا تھا کیونکہ ان دونوں حضرات نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر دین سیکھنے کی باری مقرر کر رکھی تھی کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر ہوتے اور دوسرے دن حضرت مقداد رضی اللہ عنہ حاضر ہوتے تھے۔

---

1. صحیح البخاری: 579- صحیح مسلم: 608- متن حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔
2. صحیح البخاری: [illegible] صحیح مسلم: [illegible]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مناسبت حدیث :...... نبی کریم ﷺ نے سوال سن کر یہ جواب ارشاد فرمایا کہ مذی نکلنے سے صرف وضو واجب ہوتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مذی ناقضِ وضو ہے اور اسی مناسبت سے امام موصوف یہ حدیث یہاں لے کر آئے ہیں وگرنہ اس حدیث کو "بَابُ الْوُضُوْءِ" میں یا "بَابُ النَّجَاسَةِ" میں لانا زیادہ مناسب تھا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ مذی ناقض وضو ہے، لہٰذا مذی نکلنے سے وضوٹوٹ جائے گا اور بعض روایات میں مذی نکلنے سے عضو تناسل ❶ اور خصیتین ❷ دھونے کے بعد وضو کرنے کا ذکر بھی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مذی پیشاب کے حکم میں داخل اور ناپاک ہے اور جس کو ہر وقت مذی آتی ہو وہ سلسل البول کے حکم میں داخل ہوگا اور مذی نکلنے کے محض وسوسہ کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

◈ پورے ذکر کو دھونے کا حکم امرِ تعبدی ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جہاں جہاں مذی لگی ہو اس جگہ کو دھو ڈالو بلکہ صحیحین کی محولہ بالا روایات کے مطابق پورے ذکر کو دھونے کا حکم ہے۔ چاہے باقی کے حصہ کو مذی نہ بھی لگی ہو جس سے معلوم ہوا کہ یہ امر امرِ تعبدی ہے۔

◈ آدمی اپنی بابت حیا کی بات کسی دوسرے سے پچھوا سکتا ہے۔ البتہ اگر مصلحت خود پوچھنے میں ہو تو خود بھی پوچھ سکتے ہیں۔

◈ فتویٰ پوچھنے میں توکیل جائز ہے جیسا کہ جناب علی رضی اللہ عنہ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو بھیج کر مسئلہ پوچھا۔

◈ امورِ دینیہ میں خبر واحد معتبر ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی خبر کو اخذ کر کے اس پر عمل کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ خبر واحد کو لینا واجب ہے گو وہ علم یقینی کا فائدہ نہ بھی دیتی ہو لیکن چونکہ عمل کا درجہ علم یقینی سے کم ہوتا ہے اس لیے عمل کرنے کے حق میں خبر واحد حجت ہے۔ پس خبر واحد امور اعتقادیہ اور دینیہ میں لازمی حجت ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ دین کی دعوت دے کر قاصدوں کو بھیجا کرتے تھے اور خود ساتھ نہ جایا کرتے تھے اور اگر ساتھ قرائن بھی مل جائیں تو خبر واحد علم یقین کا فائدہ بھی دیتی ہے۔

◈ معلوم ہوا کہ آدمی اپنے ساس سسر اور سالے سالیوں کے سامنے ایسی باتوں سے اجتناب کرے جن کا تعلق عورتوں کے ساتھ صنفی تعلقات سے ہو۔ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے داماد تھے اس لیے عورتوں سے متعلق اس بات کو پوچھنے سے خود گریز کیا اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے ذریعے یہ بات پوچھی۔ یہیں سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ادب کا بھی اندازہ ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ کے پاسِ ادب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات براہِ راست نہ دریافت کی۔

◈ تفقہ فی الدین میں حیا مانع نہیں۔ لیکن اگر تصریح کی بجائے تلمیح سے غرض پوری ہوتی ہو تو تلمیح اولیٰ ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں جماع کو "مس" سے تعبیر کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ تصریح سے تلمیح اولیٰ ہے البتہ اگر کسی کو تلمیح کا سلیقہ ہی نہ ہو تو وہ تصریح کر سکتا ہے۔ البتہ جہاں تصریح واجب ہو وہاں تصریح لازم ہے جیسے نبی کریم ﷺ نے زنا کا اعتراف کرنے والے سے صاف صاف پوچھا کیا تم نے اس کی شرم گاہ میں اپنی شرم گاہ ڈالی؟

◈ شرم گاہ سے نکلنے والی چیزیں چار ہیں:

---

❶ دیکھیں صحیح البخاری: 269۔ صحیح مسلم: 303۔

❷ دیکھیں سنن ابی داود: 208۔ مسند احمد: 124/1۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(1) پیشاب: یہ نجس ہے اور ناقض وضو ہے۔

(2) مذی: اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔

(3) منی: معروف ہے۔ راجح قول کے مطابق یہ پاک ہے البتہ شہوت کے ساتھ اچھل کر نکلنے سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اس پر مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔

(4) وذی: یہ پیشاب کی تلچھٹ ہے۔ لہٰذا اس کا حکم بھی پیشاب کا ہے کہ نجس اور ناقض وضو ہے۔

پس نجاست اور طہارت کے باب میں پیشاب اور ودی دونوں کا حکم ایک ہے کہ یہ نجس اور ناقض وضو ہیں اور ان سے پاکیزگی حاصل کرنا واجب ہے۔ البتہ منی اور مذی دونوں ان سے مختلف ہیں اور خود باہم بھی مختلف ہیں۔ پس مذی کی نجاست اور اس کی طہارت منی اور پیشاب کے بین بین ہے۔ کیونکہ پیشاب کا دھونا واجب ہے جبکہ مذی پر راجح قول کے مطابق چھینٹے مارنے کافی ہیں۔ جس میں کپڑوں کو ملنا اور نچوڑنا ضروری نہیں۔ جبکہ منی مذی سے گاڑھی ہوتی ہے اس لیے اس سے پورے بدن کو صاف کرنا لازم ہے۔ رہا حکم کے اعتبار سے اختلاف تو پیشاب، مذی اور ودی تینوں نواقضِ وضو ہیں اور منی موجبِ غسل ہے۔ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ.

بوسہ دینے سے وضو ٹوٹنے کا حکم

68- وَعَنْ عَائِشَةَ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَبَّلَ بَعْضَ نِسَائِهِ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ)).

أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَضَعَّفَهُ الْبُخَارِيُّ.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی ایک زوجہ مطہرہ کا بوسہ لیا، پھر نماز کے لیے تشریف لے گئے اور وضو نہ فرمایا۔ [1]

اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

معرفة الصحابه :...... مذکورہ حدیث کی راوی ام المومنین زوجہ رسول سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں جو جنابِ رسول اللہ ﷺ کو بے حد محبوب تھیں جس کی تصریح نبی کریم ﷺ خود بھی فرمایا کرتے تھے [2] اور سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا واحد زوجہ مطہرہ ہیں جو کنواری تھیں اور نبی کریم ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ ممکن ہے کہ یہ واقعہ خود سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہو اور وہ اس بات کو کنایہ سے بیان فرما رہی ہوں۔

مضمون حدیث :...... اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر آدمی بیوی کو بوسہ دے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹ جاتا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ اپنی ایک زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا کا بوسہ لیا اور نیا وضو کیے بغیر نماز کے لیے تشریف لے گئے حالانکہ بیوی کا بوسہ غالب یہ ہے کہ شہوت کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا شہوت کے ساتھ بوسہ دینا ناقض وضو نہیں۔ جب تک

---

[1] مسند احمد: 210/6- جامع الترمذی: 86- امام ترمذی نے یحییٰ بن سعید سے اس حدیث کے ضعیف ہونے کو نقل کیا ہے۔ سنن ابن ماجہ: 502- قاضی ابو طالب نے "علل الترمذی" (ص: 50) میں امام بخاری کی تضعیف کو نقل کیا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "شرح العمدة" (315/1) میں اس روایت کا دفاع کیا ہے۔ دیکھیں (التلخیص الحبیر: 133/1)

[2] صحیح البخاری: 3662- صحیح مسلم: 2384.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ حدث لاحق نہ ہو۔ اگر چہ اس دوران ذکر میں ایستادگی بھی آ گئی ہو۔

درایت حدیث

اگر چہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن امام موصوف اس حدیث کو اس بات پر استدلال کرنے کے لیے لائے ہیں کہ عورت کو چھونے یا اس کو بوسہ دینے سے وضو نہیں ٹوٹ جاتا۔ لیکن دیکھا جائے تو اس بات پر دلیل لانے کی سرے سے کوئی حاجت ہی نہ تھی کیونکہ جو اس بات کا مدعی ہے کہ عورت کو چھونا یا اس کا بوسہ ناقضِ وضو ہے تو اس کے ذمہ ہوگا کہ وہ اس کی دلیل لائے۔ کیونکہ اصل وضو کا نہ ٹوٹنا ہے۔ کیونکہ احکام میں اصل ہر شے کو اس کی پہلی حالت پر باقی رکھنا ہے، ❶ دوسری حالت کی طرف انتقال کا دعویٰ محتاجِ دلیل ہے۔ لہٰذا راجح قول یہی ہے کہ مس وتقبیلِ مرأۃ ناقضِ وضو نہیں چاہے شہوت کے ساتھ ہی ہو اور چاہے اس دوران انتصاب ذکر بھی ہو گیا ہو کہ جب تک حدث لاحق نہ ہو وضو نہیں ٹوٹتا اور دلائل اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ اگر چہ اس بارے علماء کے اور بھی اقوال ہیں لیکن وہ مرجوح ہیں۔

ہوا نکلنے کا بیان

69- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِي بَطْنِهِ شَيْئًا فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ، أَخَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ أَمْ لَا؟ فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ، حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا)).

أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں کوئی چیز (یعنی اس کی حرکت کو) پائے (جو ہوا ہوتی ہے) اور اسے اس بات میں اشکال ہو گیا ہو کہ کیا اس کے پیٹ سے کوئی چیز (یعنی ہوا) نکلی ہے یا نہیں؟ تو وہ (محض اس خیال کی بنا پر) مسجد سے (نیا وضو کرنے کے لیے نماز چھوڑ کر) نہ نکلے یہاں تک کہ (ہوا نکلنے کی) آواز سن لے یا (اس کی) بو کو پائے۔'' ❷

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ...... شَيْءٌ: مراد ہوا اور اس کی حرکت ہے۔

أَشْكَلَ عَلَيْهِ: مراد یہ ہے کہ اسے شک ہو گیا۔

أَمْ: یہ حروف عاطفہ میں سے ہے جو دو باتوں میں سے کسی ایک بات کے لیے غیر متعین طور پر حکم کے اثبات کے لیے آتا ہے۔ اَمْ کی دو قسمیں ہیں متصلہ اور منقطعہ۔ اَمْ متصلہ وہ ہوتا ہے جس میں سائل دو باتوں میں سے ایک کے ثبوت کی تعیین کا سوال کرتا ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے ایک ثابت ضرور ہے لیکن کون سی بات ثابت ہے اسی میں اسے ابہام ہوتا ہے اور اسی مبہم کی تعیین کے لیے وہ اَمْ متصلہ کے ذریعے سوال کرتا ہے۔ اَمْ متصلہ کے استعمال میں تین باتوں کی شرط ہے:

(1) ایک یہ کہ اس سے قبل ہمزہ آئے (جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ام سے قبل ہمزہ استفہامیہ ہے)۔

(2) دوسری شرط یہ ہے کہ اگر ہمزہ اسم پر داخل ہوا ہے تو اَمْ بھی اسم پر داخل ہوگا اور اگر ہمزہ فعل پر داخل ہوا ہے تو اَمْ

---

❶ قواعد ابن رجب، ورق: 15- الاشباہ و النظائر للسیوطی، ص: 56- القواعد الجامعۃ للسعدی، ورق: 11.

❷ صحیح مسلم، 362.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی فعل پر داخل ہوگا (جیسے مذکورہ حدیث میں ہمزہ فعل پر داخل ہے تو اَمْ بھی فعل پر داخل ہے جو یہاں محذوف ہے)۔

(3) تیسری شرط یہ ہے کہ سائل کو دو میں سے ایک بات کے محقق ہونے کا یقین ہو البتہ اس کی تعیین میں ابہام ہو۔ جبکہ اَمْ منقطعہ وہ ہوتا ہے جو بَلْ کے معنی میں ہوتا ہے اور ہمزہ کے ساتھ آتا ہے۔ ❶

فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ: یعنی وضو کرنے مسجد سے نکلے نہ کہ یہ مراد ہے کہ سرے سے مسجد سے ہی نہ نکلے۔ کیونکہ بے وضو کو نماز میں کھڑے رہنا حرام ہے لہٰذا وہ تو وضو کرنے ضرور ہی نکلے گا۔ پس یہاں یہ مراد ہے کہ وہ وضو کرنے کی غرض سے محض اس شک کی بنا پر مسجد سے نہ نکلے۔

اَوْ: یہ بھی حرفِ عطف ہے اور دو باتوں میں سے ایک کی تعیین کے لیے آتا ہے لیکن اَوْ کے ذریعے سوال کرنے والے کو سرے سے اس بات کا علم ہی نہیں ہوتا کہ ان دونوں باتوں میں سے کوئی ایک ثابت بھی ہے یا نہیں۔ جبکہ اَمْ کے ذریعے سوال کرنے والے کو اس بات کا علم ضرور ہوتا ہے کہ ان دو باتوں میں سے ایک ضرور ثابت ہے گو اس کی تعیین میں اسے ابہام ہوتا ہے۔ ❷

مضمونِ حدیث :......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی طہارت پر ہو تو حدث کے لاحق ہونے کے محض شک کی بنیاد پر اس کا وضو نہ ٹوٹے گا۔ کیونکہ طہارت باقی اور وضو متیقن ہے جبکہ حدث کے لاحق ہونے میں شک ہے اور یقین کو شک کی بنا پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ لہٰذا جب تک آدمی آواز نہ سن لے اگر آواز ہو، یا بو نہ سونگھ لے اس کا وضو باقی ہے۔ کیونکہ نکلنے والی ہوا کی یا تو آواز ہوگی یا بُو ہوگی یا پھر دونوں ہی ہوں گی، اور اگر دونوں باتیں نہ ہوں مگر آدمی کو حدث لاحق ہو جانے کا یقین ہو جائے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

چند اہم قواعد

علماء نے مذکورہ حدیث سے چند اہم قواعد کو اخذ کیا ہے، جو یہ ہیں:

⊙......یقین شک کی بنا پر زائل نہیں ہوتا۔

⊙......اصل ہر چیز میں اس کا اپنے سابقہ حال پر باقی رہنا ہے۔

⊙......سابقہ یقین بعد میں طاری ہونے والے یقین سے زائل ہو جاتا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ اسلام اس بات کا متمنی ہے کہ لوگوں کے دل میں قلق و اضطراب اور شک و ارتیاب باقی نہ رہے کہ اس میں قلب و ذہن اور قلب و بدن ہر ایک کی راحت ہے کیونکہ اوہام و وساوس ذہنی اور بدنی تکان اور قلبی بے چینی کا باعث ہوتے ہیں۔

◈ ظنِ غالب سے بھی حدث ثابت نہیں ہوتا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حدث کو امر متیقن کے ساتھ معلق کیا ہے اور وہ آواز کا سننا یا بو کا پانا ہے۔ لہٰذا آدمی حدث لاحق ہونے کے شک کی طرف مطلق التفات نہ کرے اور نہ ایسا کرنے سے وہ گناہ گار ہی ہوگا۔ بلکہ وہم کی طرف التفات نہ کرنا مسنون ہے۔

◈ مساجد میں وضو کرنا درست نہیں کیونکہ دورِ نبوی میں وضو مساجد میں نہ کیا جاتا بلکہ مسجد سے نکل کر وضو کیا کرتے تھے۔ جس

❶ هداية النحو جديد، ص: 184، 187. (نسيم)

❷ هداية النحو جديد، ص: 187- هداية النحو، ص: 100. (نسيم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی دلیل "فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ" کے الفاظ ہیں، کہ یہ نکلنا وضو کے لیے ہے جس کی حدث کے شک ہونے کی صورت میں ممانعت ہے۔ البتہ اگر وضو کی جگہ مسجد کے احاطہ میں اس طور پر ہو کہ اس سے مسجد میں اذی نہ پھیلے اور نمازیوں کو تکلیف نہ ہو تو مسجد کے احاطہ میں وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

شرم گاہ کو چھونے کا حکم

70- وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ ((مَسِسْتُ ذَكَرِيْ، أَوْ قَالَ: الرَّجُلُ يَمَسُّ ذَكَرَهُ فِي الصَّلَاةِ أَعَلَيْهِ الْوُضُوءُ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((لَا، إِنَّمَا هُوَ بَضْعَةٌ مِنْكَ)).

طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب (خدمتِ نبوی میں) عرض کرنے لگے کہ میں نے اپنی شرم گاہ کو چھو لیا ہے یا (راوی کو شک ہے کہ) ان صاحب نے یہ عرض کیا کہ ایک آدمی (اگر) نماز میں اپنی شرم گاہ کو چھو بیٹھتا ہے تو کیا اس پر وضو (واجب) ہو گا؟ اس پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "نہیں (ایسا کرنے سے یا ہو جانے سے اس پر وضو واجب نہ ہو گا کیونکہ) یہ (بھی) تیرے بدن کا ایک ٹکڑا ہی تو ہے۔" [1]

أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَقَالَ ابْنُ الْمَدِينِيِّ: هُوَ أَحْسَنُ مِنْ حَدِيثِ بُسْرَةَ.

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے۔ امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور ابن المدینی کہتے ہیں: (حضرت طلق رضی اللہ عنہ کی) یہ حدیث حضرت بُسرہ رضی اللہ عنہا کی (مروی) حدیث سے بہتر ہے۔

غریب الحدیث :...... مَسِسْتُ اور يَمَسُّ: غالب یہ ہے کہ یہ چھونا ہاتھ سے ہو گا اور بلا حائل مباشرۃ ہو گا اور اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ لغتِ عربیہ اس کی تائید کرتی ہے۔

فِي الصَّلٰوةِ: یہ حال ہے۔

أَعَلَيْهِ الْوُضُوءُ: "عَلَى" وجوب پر دلالت کرنے کے لیے ہوتا ہے کیونکہ "عَلَى" ادواتِ وجوب میں سے ہے۔ تب پھر یہ سوال وجوب کے بارے میں ہو گا اور جواب میں نفی وجوب کی نفی ہو گی۔ اس بنا پر مس ذکر کے بعد وضو کے مستحب ہونے میں کوئی امر مانع نہیں کیونکہ نفی وجوب کی ہے نہ کہ استحباب کی۔

بَضْعَةٌ: اس کی با پر فتح اور کسر دونوں پڑھے جاتے ہیں البتہ ضاد ساکن ہے۔ یہ کسی چیز کے جز اور ٹکڑے کو کہتے ہیں یہاں ذکر کا بدنِ انسانی کا ایک ٹکڑا اور جز ہونا مراد ہے۔ جیسے کہ دوسرے اعضاء بدن ہوتے ہیں جیسے ہاتھ، کان، ناک وغیرہ۔ چنانچہ جیسے ان کو چھونے سے وضو واجب نہیں ہوتا، ذکر کے چھونے سے بھی وضو واجب نہیں ہو گا، کیونکہ بدن کا جز ہونے کے

---

[1] سنن ابی داود: 182- جامع الترمذی: 85- امام ترمذی فرماتے ہیں: اس باب میں مروی یہ سب سے عمدہ حدیث ہے۔ سنن النسائی: 101/1- سنن ابن ماجہ: 483- مسند احمد: 22/4- صحیح ابن حبان: 1120 اور ابن المدینی کے قول کو امام طحاوی نے "شرح معانی الآثار" (76/1) میں ان کی طرف منسوب اور مسند کر کے بیان کیا ہے۔ اس حدیث کو عمرو بن علی الفلاس نے بھی صحیح کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ حدیث حضرت بُسرہ رضی اللہ عنہا کی مروی حدیث سے زیادہ ثابت ہے۔ ابن حزم نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے جبکہ امام شافعی، امام دارقطنی، ابوزرعہ، ابوحاتم اور ابن جوزی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیں: (التلخیص الحبیر: 125/1 و نصب الرایۃ: 61/1)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعتبار سے سب کا حکم ایک ہے۔

اِنَّمَا هُوَ بَضْعَةٌ مِنْكَ: یہ مذکورہ حکم کی علت کا بیان ہے جو ابدی ہے جس کا زوال ممکن نہیں کیونکہ یہ علتِ محسوسہ ہے نہ کہ علتِ وصفیہ۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اعضائے انسانی کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا جن میں سے ایک ذکر بھی ہے چاہے اس کو بلا حائل اور مباشرۃ اور نماز کے دوران ہی کیوں نہ چھوا جائے کیونکہ عضو ہونے کے اعتبار سے سب کی ماہیت ایک ہے لہٰذا حکم بھی سب کا ایک ہی ہوگا۔ دوسرے انسانی اعضا نہ تو حدث ہیں اور نہ ہی نجس، اس لیے ان کا شمار اور ان کا چھونا ''نواقض'' میں سے نہ ہوگا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- ضرورت پڑنے پر قابلِ حیا باتوں کا سوال بھی کر سکتے ہیں، جن میں سے ایک مسِ ذکر سے وضو ٹوٹنے کی بابت سوال ہے۔
- ذکر کو چھونے سے وضو واجب نہیں ہوتا جس کی تفصیل اوپر مذکور ہو چکی ہے۔
- نبی کریم ﷺ کی حسنِ تعلیم کہ آپ ﷺ کی اکثر عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ آپ ﷺ حکم کو علت کے ساتھ ملا کر بیان فرماتے تھے۔
- اس مذکورہ علت میں کہ ذکر بھی بدن کے بقیہ اعضا کی طرح ہی ہے، اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ اگر تو ذکر کو اسی طور پر چھوا جس طور پر دیگر اعضا کو چھوتے ہیں تو سب کا حکم ایک ہوگا یعنی وضو واجب نہیں، لیکن اگر ذکر کو دوسرے طور پر یعنی شہوت کے ساتھ چھوا تو پھر یہ ذکر دوسرے اعضا کے جیسا نہ ہوگا کیونکہ اپنے جسم کے بقیہ اعضا کو شہوت کے ساتھ چھونا ممکن نہیں۔ تب پھر ذکر کو شہوت کے ساتھ چھونے سے وضو واجب ہوگا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جب وجوب کی نفی فرمائی تو اس کی تعلیل بھی بیان فرمائی اور یہ علت منصوص ہے لہٰذا شہوت کے ساتھ چھونے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔
- رہا یہ سوال کہ کیا دوسرے کے شہوت کے ساتھ ذکر کو چھونے سے آدمی کا وضو ٹوٹ جاتا ہے جیسے بیوی مرد کے ذکر کو شہوت سے چھوئے تو کیا اس سے آدمی کا وضو ٹوٹ جائے گا؟ تو اگرچہ اکثر فقہاء کا قول اس صورت میں وضو نہ ٹوٹنے کا ہے لیکن جب ہم علتِ منصوصہ کو دیکھتے ہیں تو اگر تو بیوی کے مس کرنے سے خود کو بھی شہوت آتی ہے تو بیوی کے ذکر کو مس کرنے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ بلکہ اگر انسانی عادت اور طبیعت کو دیکھا جائے تو بیوی کے چھونے سے بہ نسبت اپنے چھونے کے شہوت زیادہ آتی ہے۔

71- وَعَنْ بُسْرَةَ بِنْتِ صَفْوَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ مَسَّ ذَكَرَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ)).

حضرت بُسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے اپنا ذکر چھو لیا چاہیے کہ وہ وضو کرے۔''[1]

[1] سنن ابی داود: 180- جامع الترمذی: 82- امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ سنن النسائی: 100/3- سنن ابن ماجه: 479- مسند احمد: 406/6- صحیح ابن حبان: 1112- اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے جن میں ایک امام نووی رحمہ اللہ بھی ہیں۔ (دیکھیں: المجموع: 45/2)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ .

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

وَقَالَ الْبُخَارِيُّ : هُوَ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هٰذَا الْبَابِ .

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس باب میں یہ سب سے صحیح حدیث ہے۔

غریب الحدیث:...... مَنْ: یہ شرطیہ ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔

مَسَّ ذَكَرَهُ: بظاہر اس میں شہوت کے ساتھ اور بغیر شہوت کے چھونے میں اور ارادی طور پر اور غیر ارادی طور پر چھونے میں کوئی فرق نہیں۔ اگر چہ ایک قول یہ ہے کہ اس میں غیر ارادی طور پر چھونا داخل نہیں لیکن فقہاء حنابلہ اس کے قائل نہیں اور وہ غیر ارادی طور پر بھی ذکر چھونے سے وضو کے وجوب کے قائل ہیں۔

دوسرا اہم نکتہ ان الفاظ میں ذَكَرَهُ کی اضافت کا ہے جس سے متبادر یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگر کسی نے کسی دوسرے کے ذکر کو چھولیا تو اس چھونے والے کا وضو نہ ٹوٹے۔ جبکہ ممسوس (جس کو چھوا ہے) کے وضو کا مدار حدث کے ظہور یا عدم ظہور پر ہوگا۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں بنیادی طور پر یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ مسِ ذکر ناقض وضو ہے چاہے عمداً ہو یا بغیر عمد کے ہو، دوران صلوۃ ہو یا خارج صلوۃ ہو۔ البتہ یہ مسئلہ مطلق نہیں جس کی تفصیل فوائد کے تحت آ جاتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ مسِ ذکر مطلق ناقض وضو ہے چاہے یہ چھونا شہوت سے ہو یا بغیر شہوت کے، عمداً ہو یا بغیر عمد کے۔ لیکن بظاہر اس سے عمداً مراد ہے۔
- فَلْيَتَوَضَّأْ: اس کے لامِ امر کے وجوب یا استحباب کے لیے ہونے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ اگر اسے وجوب کے لیے کہیں تو حضرت طلق رضی اللہ عنہ کی گزشتہ مذکورہ حدیث میں اور حضرت بُسرہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث میں صریح تعارض واقع ہو جائے گا اور اگر ہم اسے استحباب کے لیے مانیں تو یہ تعارض رفع ہو جائے گا۔ لہٰذا دونوں احادیث میں جمع کی صورت یہ ہوگی کہ حدیث بُسرہ رضی اللہ عنہا میں امر استحباب کے لیے ہے اور حدیثِ طلق میں وجوب کی نفی استحباب کے ثبوت کے معارض نہیں۔ یہ بعض علماء کا قول ہے اور دونوں احادیث میں جمع کی بابت ایک قول یہ ہے کہ حدیثِ بُسرہ رضی اللہ عنہا میں وضو کا وجوب شہوت کے ساتھ چھونے پر محمول ہے۔ جبکہ حدیث طلق میں وجوب کی نفی بغیر شہوت کے چھونے پر محمول ہے۔ جمع کی ان دونوں صورتوں کی تعلیل حدیث طلق رضی اللہ عنہ کے یہ کلمات ہیں: "إِنَّمَا هُوَ بَضْعَةٌ مِنْكَ" لہٰذا شہوت کے ساتھ ذکر کو چھونا بدن کے باقی اعضا کو چھونے کی طرح نہ ہوگا۔ جس کی تفصیل گزشتہ حدیث کے تحت ذکر کی جا چکی ہے۔
- البتہ بغیر شہوت کے چھونے میں احتیاط وضو کر لینے میں ہی ہے۔
- مذکورہ توجیہات اور جمع کی صورتوں کی تفصیل جان لینے کے بعد اب ہمیں دونوں احادیث میں ترجیح دینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی جیسا کہ ابن المدینی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ حدیثِ طلق رضی اللہ عنہ یہ حدیث بسرہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ راجح ہے اور نہ ہمیں امام بخاری رحمہ اللہ کے اس قول کی احتیاج ہی رہتی ہے کہ "اس باب میں سب سے صحیح حدیث حدیثِ بسرہ رضی اللہ عنہا ہے۔" اس بات میں کوئی شک نہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ حدیثِ طلق رضی اللہ عنہ پر بھی مطلع ہوں گے، پھر بھی انہوں نے یہ قول

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا ہے۔ مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ جب تک دونوں احادیث میں جمع و تطبیق کی مذکورہ بالا صورتیں ممکن ہیں، ہمیں دونوں احادیث میں ترجیح اور اصحیت قائم کرنے کی احتیاج نہیں۔

- رہے خصیتین، تو چاہے ان کو شہوت کے ساتھ بھی چھوئیں، وضو نہیں ٹوٹتا۔ کیونکہ حدیث میں صرف ذَکر کا ذِکر آیا ہے، خصیتین کا نہیں اور دوسرے کے ذکر کو چھونے کا مسئلہ غریب الحدیث کے تحت بیان کر دیا ہے۔
- نابالغ بچے کے بول و براز کو دھوتے وقت اس کے اعضائے رئیسہ کے چھونے سے ماں کا وضو نہ ٹوٹے گا کیونکہ اس نے ایک تو دوسرے کے ذکر کو چھوا ہے، دوسرے بغیر شہوت کے چھوا ہے۔
- حدیث کے ظاہر سے دُبر (سرینوں) کو چھونے کا مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان کو چھونے سے وضو نہ ٹوٹے گا۔ تو جب اپنے سرین چھونے سے وضو نہ ٹوٹے گا تو دوسرے کے، جیسے بیوی کے سرین چھونے سے تو بدرجۂ اولیٰ نہ ٹوٹے گا۔

قے، نکسیر اور متلی ❶ کا حکم

72- وَعَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ أَصَابَهُ قَيْءٌ أَوْ رُعَافٌ أَوْ قَلَسٌ أَوْ مَذِيٌّ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ، ثُمَّ لِيَبْنِ عَلٰى صَلَاتِهِ، وَهُوَ فِيْ ذٰلِكَ لَا يَتَكَلَّمُ)).

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”جسے (نماز میں) قے آئی، یا نکسیر پھوٹی یا متلی ہوئی یا مذی نکلی تو (اس کا وضو ٹوٹ گیا۔ چنانچہ) وہ (نماز سے) پلٹ کر (نیا) وضو کرے اور نماز کی (وہیں سے) بنا کرے (جہاں سے نماز کو چھوڑ کر گیا تھا) اور وہ (نیا وضو کرنے کے لیے) اس (آنے جانے کے) دوران (کسی سے) بات (اور سلام دعا) نہ کرے۔“ ❷

أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ، وَضَعَّفَهُ أَحْمَدُ وَغَيْرُهُ.

اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

غریب الحدیث :..... **اَلْقَيْءُ**: معدے سے نکلنے والا کھانا اور پانی۔ (جسے منہ میں روکا نہ جا سکے اور وہ باہر گر پڑے)۔

اَلرُّعَافُ: نکسیر۔ ناک سے بہہ نکلنے والا خون۔

اَلْقَلَسُ: معدے سے نکلنے والا کھانا اور پانی۔ البتہ یہ قے کی طرح بے قابو ہو کر باہر نہیں گرتا، ہاں اس سے منہ بھر جاتا ہے۔

---

❶ قَلَس: یہ قے تو نہیں ہوتی البتہ جی کے متلانے سے پیٹ کا کھانا منہ میں آ جانے اور اس سے منہ بھر جانے اور گلے اور منہ کے ذائقے میں تلخی پیدا ہو جانے کو قَلَس کہتے ہیں۔ اس لفظ کا ترجمہ ”متلی ہونے“ سے کیا جا سکتا ہے اسی لیے قَالِس اس شخص کو کہتے ہیں جس کی منہ تک متلی ہونے سے پیٹ کا کھانا وغیرہ نکل آئے۔ لیکن یہ قے نہیں ہوتی۔ (دیکھیں: القاموس الوحید، ص: 1347) بظاہر قے اور قَلَس میں فرق یہ ہے کہ آدمی قے کو ضبط نہیں کر پاتا اور وہ چھلک کر باہر گر جاتی ہے جبکہ قَلَس سے اگرچہ منہ بھر جاتا ہے لیکن وہ باہر نہیں گرتی۔ و اللّٰه اعلم. (نسیم)

❷ سنن ابن ماجہ: 1221۔ امام بوصیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے کیونکہ یہ اسماعیل کی حجازیوں سے روایت ہے جو ضعیف ہے۔ علامہ ذہبی ”المیزان“ (402/1) میں کہتے ہیں: امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: درست یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگرچہ یہ مرسل ہے لیکن دو وجہ سے معمول بہ ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اس کی تائید کرتا ہے۔ یہ روایت مُسنَد بھی روایت کی گئی ہے جو اس مرسل کے موافق ہے لہٰذا جو اس بات کا قائل ہے کہ محض مرسل روایت حجت نہیں ہوتی، یہ روایت اس کے خلاف حجت ہے، بالخصوص جبکہ امام احمد رحمہ اللہ کا یہ قول ہے کہ ”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نکسیر پھوٹنے سے وضو کیا کرتے تھے۔“ (دیکھیں: شرح العمدة: 296/1۔ الدراية: 31/1)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلْمَذْیُ: اس کا تعارف گزر چکا ہے۔

فَلْیَنْصَرِفْ: مڑنا، پلٹنا، یہ مڑنا بظاہر نماز سے ہے۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جسے دورانِ نماز ان باتوں میں سے کوئی بات پیش آ جائے تو وہ نماز چھوڑ کر باہر نکل آئے اور وضو کر کے دوبارہ نماز میں شامل ہو جائے اور نماز کو وہیں سے شروع کرے جہاں سے چھوڑ کر گیا تھا۔ اِسے بِنا کرنا کہتے ہیں۔ البتہ اس تمام عمل کے دوران وہ کسی سے بات نہ کرے گا اور اگر وہ بات کرے گا تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی۔

درایتِ حدیث

امام موصوف رحمہ اللہ اس حدیث کو ضعیف اور اصول کے مخالف ہونے کے باوجود اس لیے لے کر آئے ہیں تاکہ اس حدیث کا حال بیان کر دیں کہ اگرچہ بعض علماء نے اس حدیث کو لیا ہے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے بلکہ اس حدیث کو امام شافعی اور دار قطنی رحمہما اللہ نے بھی ضعیف کہا ہے کیونکہ اس حدیث کا مرفوع ہونا درست اور ثابت نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ پھر یہ حدیث سند اور متن دونوں کے اعتبار سے ضعیف ہے کیونکہ یہ حدیث اصولِ شریعت کے مخالف ہے جس کی وجوہات یہ ہیں:

⊙ ...... جب یہ چار چیزیں نواقضِ وضو ہیں تو ان کے حدوث کے بعد نماز کے آخر کی اس کے اوّل پر بنا کیونکر درست ہو سکتی ہے؟ یہ ناممکن ہے حالانکہ حدیثِ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز سننے یا بو پانے پر نماز کے ٹوٹ جانے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث گزشتہ مذکورہ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے صریح مخالف ہے۔

⊙ ...... دوسرے، اس دوران بات کرنے سے تو نماز باطل ہوتی ہو مگر صریح حدث کے صدور سے نماز باطل نہ ہوتی ہو۔ سبحان اللہ کہ یہ کس قدر عجیب بات ہے۔ حالانکہ حدث اور کلام میں سے اہون کلام ہے کہ بھولے سے کلام کر لینے سے نماز باطل نہیں ہوتی اور صحیح رہتی ہے جب کہ حدث کے ظہور سے وضو ہر حال میں ٹوٹ جاتا ہے جو بطلانِ صلوٰۃ کو مستلزم ہے۔ غرض یہ حدیث غیر صحیح ہے۔ لہٰذا اس حدیث پر کسی حکم کی بِنا رکھنا بھی صحیح نہ ہو گا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ صحیح یہ ہے کہ قے ناقض وضو نہیں چاہے تھوڑی ہو یا زیادہ، تازہ کھانے کی ہو کہ ابھی وہ کھانا معدے میں جا کر متغیر نہ ہوا ہو یا پہلے کے کھانے کی ہو کہ کچھ وقت گزرنے سے وہ کھانا معدے میں متغیر ہو گیا ہو۔ کیونکہ قے کے ناقضِ وضو ہونے پر کوئی صحیح دلیل قائم نہیں ہے اور جب قے ناقضِ وضو نہیں تو قلس جو قے سے ہلکی ہوتی ہے، بدرجۂ اولیٰ ناقضِ وضو نہ ہو گی۔

◈ یہی حکم نکسیر کا بھی ہے چاہے وہ زیادہ بھی ہو۔ رہی وہ حدیث جس میں نکسیر پھوٹ پڑنے پر نماز سے ناک پر ہاتھ رکھتے ہوئے نکل جانے کا حکم ہے، تو وہ نکسیر کے ناقض ہونے کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ یہ حکم اس لیے ہے کیونکہ نکسیر کے ساتھ نماز کو جاری رکھنا ممکن نہیں ہوتا۔ بالکل جیسے بول و براز کے زور کے وقت نماز نہ پڑھنے کا اور جاری نماز کو توڑ دینے کا اور بول و براز سے فارغ ہونے کا حکم ہے۔ کیونکہ بول و براز کے زور کے وقت نماز کو مطلوب طریق پر جاری رکھنا اور پورا کرنا ممکن نہیں رہتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ مذی پر مفصل کلام گزر چکا ہے۔

اونٹوں کا گوشت کھانے سے وضوٹوٹنے کا بیان

73- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ: أَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُومِ الْغَنَمِ؟ قَالَ: ((إِنْ شِئْتَ)) قَالَ: أَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُومِ الْإِبِلِ؟ قَالَ: ((نَعَمْ)).

أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے اس بات کا سوال کیا کہ کیا وہ بکریوں کے گوشت (کھانے) سے وضو کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(نہیں، ہاں) اگر تو چاہے (تو بے شک کرلیا کر)۔'' اس شخص نے عرض کیا کہ کیا وہ اونٹوں کے گوشت (کھانے) سے وضو کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔'' ❶

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

مضمون حدیث :......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ بکری کا گوشت کھانے سے وضو لازم نہیں۔ اگر کوئی اپنی خوشی سے کرنا چاہے تو کرے البتہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنا لازم ہے۔ کیونکہ بکری کے گوشت کھانے سے وضو کرنے کو مشیت پر معلق کرنا اور اونٹ کے گوشت کھانے سے وضو کو مشیت پر معلق نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنا لازم ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ مذکورہ حدیث میں سائل مبہم ہے جس سے مقصود پر یعنی حکم پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ کیونکہ مبہم صحابی کی معرفت ضروری نہیں کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب عدول ہیں۔

◈ **ان شئت** : یہ الفاظ بتلاتے ہیں کہ بعض افعال ایسے بھی ہیں جو مستحب نہ ہونے کے باوجود جائز ہیں۔ لہٰذا ان کے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔ کیونکہ وضو کی مشیت کی طرف اضافت اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے نہ کرنے سے گناہ نہ ہوگا اور اسی طرح وضو کرنے سے آدمی ماجور بھی نہ ہوگا۔

◈ **مِنْ لُحُومِ الْإِبِلِ**: لُحُوْم کا لفظ ہر اس چیز کو شامل ہے جس کو اونٹ نے اپنے قدم پر اٹھایا ہوتا ہے کہ اس کو لَحْم کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اس میں دل، کلیجی، جگر، تلی، اوجھ، انتڑی، چربی اور چمڑا وغیرہ سب شامل ہوگا اور جب حلت و حرمت کے یا احکام کی ترتیب کے موقع پر لفظ لحم بولا جاتا ہے تو یہ لفظ ان سب چیزوں کو شامل ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ﴾ (المائدة: 3)

''تم پر مردار حرام کیا گیا ہے اور خون اور خنزیر کا گوشت۔''

کہ یہاں لحم خنزیر، خنزیر کی ہر چیز حتیٰ کہ کھال، بال، ہڈی گوشت وغیرہ سب ہی چیزوں کو شامل ہے۔ پس لفظ لحم کا اطلاق حقیقت شرعیہ پر ہوگا چاہے حقیقت عرفیہ اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

◈ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم علم حاصل کرنے کے بے حد حریص تھے حتیٰ کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کا حکم بھی معلوم کیے بغیر نہ

❶ صحیح مسلم: 360

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہتے تھے۔

◈ بکری کا گوشت کھانے سے وضو واجب نہیں ہوتا چاہے وہ آگ پر پکا کر ہی کھایا گیا ہو اور رہی وہ حدیث جس میں مَـا مَسَّتِ النَّارُ ❶ کے کھانے سے وضو کے وجوب کا حکم ہے تو نبی کریم ﷺ سے حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں آخر الامرین یہ مروی ہے کہ آپ ﷺ آگ پر پکی شے کے کھانے سے وضو نہ فرماتے تھے۔ ❷

◈ مشیت بندے کے لیے بھی ثابت ہے۔ جس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے: "اِنْ شِـئْـتَ" جو معقول، منقول اور محسوس سب کے مخالف ایک بدعتی فرقہ "جبریہ" پر صریح ردّ ہے جو بندے کی مشیت کے منکر ہیں اور انسان کو عمل پر مجبورِ محض مانتے ہیں۔ جس کے ردّ کے دلائل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

◈ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو واجب ہے اور اگر کوئی لفظِ نَعَمْ سے رخصت پر استدلال کرنا چاہے تو یہ استدلال مذکورہ سوال کو پہلے سوال سے منفصل اور منقطع کر کے تو کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے ہوتے ہوئے اور اس کے تناظر میں نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ پہلا سوال مشیت کی طرف راجع ہے جو بتلاتا ہے کہ دوسرا سوال مشیت کی طرف راجع نہیں جو وجوب کی دلیل ہے۔

◈ البتہ اونٹوں کے دودھ پینے سے وضو نہیں ٹوٹتا جیسا کہ عرنیین کے قصہ میں نبی کریم ﷺ نے انہیں اونٹوں کے دودھ پینے کا حکم فرمایا تھا۔ کیونکہ اگر ان کے دودھ پینے سے وضو واجب ہوتا تو آپ ﷺ اس بات کو ضرور بیان فرماتے کیونکہ یہ مقام "مقامِ بیان" تھا۔ یہیں سے اونٹ کے گوشت کے شوربے کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ اس کو پینے سے یا اس کے ساتھ روٹی لگا کر کھانے سے بدرجہ اولیٰ وضو نہیں ٹوٹتا۔

◈ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹنے کا حکم، احکام تعبدیہ میں سے ہے نہ کہ اس کے نجس ہونے کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا اگر کوئی خنزیر کا گوشت کھانے پر مضطر ہو جائے تو اس کا وضو نہ ٹوٹے گا۔

میت کو غسل دینے والے کا حکم

74- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ، وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ)).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "جس نے کسی میت کو غسل دیا تو چاہیے کہ (بعد میں) وہ خود بھی غسل کرے اور جس نے میت کو (یعنی جنازہ کو) اٹھانے کا ارادہ کیا وہ وضو کر لے۔" ❸

---

❶ صحیح مسلم: 352.

❷ سنن ابی داود: 192- امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اپنی "الصحیح" (43) میں اور امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (69/2) میں حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کو صحیح کہا ہے۔

❸ مسند احمد: 454/2- سنن ابی داود: 3161- جامع الترمذی: 392- امام ابن حجر رحمہ اللہ نے "فتح الباری" (127/3) میں اس حدیث کو اسے امام ابوداود کی طرف منسوب کرنے کے بعد، حسن کہا ہے اور کہتے ہیں کہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں، سوائے عمرو بن عمیر کے جو معروف نہیں ہے اور ترمذی کے طریق کو یہ کہہ کر معلول قرار دیا ہے کہ ابوصالح نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نہیں سنی۔ ابن ابی حاتم اپنے والد کا قول نقل کرتے ہیں کہ درست اس حدیث کا موقوف ہونا ہے۔ ذہلی حاکم کی تاریخ سے روایت کرتے ہیں کہ غسل دینے والے غسل کرنے کی بابت کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ بیہقی نے مفصل کلام کے بعد اس حدیث کے موقوف ہونے کو درست قرار دیا ہے۔ امام احمد اور ابن المدینی رحمہما اللہ کا قول یہ ہے کہ اس باب میں کوئی حدیث صحیح ثابت نہیں ہے۔ امام بیہقی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی روایت نقل کر کے اس کی اسناد کو ساقط کہا ہے۔ (دیکھیں: سنن البیہقی: 305-300/1)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَحَسَّنَهُ، وَقَالَ أَحْمَدُ: لَا يَصِحُّ شَيْءٌ فِي هٰذَا الْبَابِ .

اس حدیث کو امام احمد، نسائی اور ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں: اس باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔

غریب الحدیث:...... مَنْ : یہ شرطیہ ہے۔ لہٰذا غَسَّلَ مَيِّتًا : یہ فعل شرط ہوگا۔

مَيِّتًا: یہ ہر چھوٹے بڑے کو شامل ہے۔ اس بنا پر طفلِ صغیر کو بھی غسل دیا جائے گا۔

فَلْيَغْتَسِلْ: مذکورہ "فا" یہ مَنْ شرطیہ کے جواب میں حرفِ رابطہ ہے اور مذکورہ لام امر کا ہے اور اغتسال جمیع بدن کو شامل ہے جس میں مضمضہ اور استنشاق بھی داخل ہے کیونکہ منہ اور ناک چہرہ میں سے ہیں۔

وَ مَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ: حَمَلَهُ یہاں فعل بمعنی ارادۂ فعل کے ہے، جس کی مثالیں لغتِ عربیہ میں بے شمار ہیں یعنی جو میت کو کندھا دینے کا ارادہ کرے، اسے چاہیے کہ وہ کندھا دینے سے قبل وضو کرلے تاکہ وہ نماز جنازہ ادا کرنے کی تیاری ابھی سے کرلے اور ایک قول یہ ہے کہ یہاں مراد مباشرتِ فعل ہے۔ یعنی جو بالفعل میت کو اٹھائے، اسے چاہیے کہ وہ وضو کرلے۔ تب پھر یہاں وضو کو اس کے لغوی معنی یعنی نظافت پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی جو میت کو اٹھائے وہ اپنے ہاتھ صاف کرلے تاکہ میت کو کسی قسم کی گندگی یا میل کچیل نہ لگے۔ لیکن یہ قول محلِ نظر ہے کیونکہ آدمی میت کو اٹھائے یا نہ اٹھائے، بظاہر اس کے ہاتھ پاک اور صاف ہی ہوتے ہیں۔

درایۃ الحدیث :...... امام موصوف ایسی ضعیف احادیث اس غرض سے لاتے ہیں تاکہ ایسی احادیث سے استدلال کرنے والوں پر یہ بات واضح ہوجائے کہ یہ حدیث صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہے۔

وَ قَالَ اَحْمَدُ: لَا يَصِحُّ فِي هٰذَا الْبَابِ شَيْءٌ: هٰذَا الْبَابِ سے مراد بَابُ الْوُضُوْءِ نہیں بلکہ تغسیلِ میت کے بعد غسل کرنے کا باب ہے۔ سو جب اس باب میں کوئی صحیح حدیث ہے ہی نہیں تو اس پر عمل باطل ٹھہرا۔ کیونکہ عمل کے لیے شرط ہے کہ حدیث صحیح یا حسن ہو۔ تو جب اس باب میں کوئی صحیح یا حسن حدیث ہے ہی نہیں تو اس ضعیف حدیث پر عمل نہ ہوگا۔

مضمون حدیث:...... حدیث کے صحیح ہونے کی شرط پر اس حدیث میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ میت کو غسل دینے والا خود بھی غسل کرے گا جبکہ اسے کندھا دینے والا صرف وضو کرے گا۔ جس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

غسلِ میت کی علت

اس بابت ایک قول یہ ہے کہ میت کو غسل حدث کی بنا پر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر غسل دینا متعذر ہو تو میت کو تیمم کرایا جائے گا۔ اس کی دلیل اونٹنی سے گر کر مرنے والے کی بابت نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ "اسے بیری ملے پانی سے غسل دو۔" ❶ جبکہ ایک قول یہ ہے کہ یہ غسل تطہیر کے لیے ہے جس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا اپنی لختِ جگر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو غسل دینے والیوں کو یہ فرمانا ہے کہ "ان کو تین یا پانچ یا سات یا اگر تم مناسب سمجھو تو اس سے زیادہ مرتبہ غسل دینا۔" ❷ اس بنا پر اگر کسی وجہ سے میت کو غسل دینا متعذر ہو تو اسے تیمم کرانے کی ضرورت نہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ بظاہر اس حدیث سے صغیر یا کبیر غرض کسی کی بھی میت کو غسل دینے پر غسل کا وجوب نظر آتا ہے لیکن اس بات پر

❶ صحیح البخاری: 1265، صحیح مسلم: 1206 ❷ صحیح البخاری: 1259، صحیح مسلم: 39/939.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجماع ہے کہ اس وجوب کا قائل کوئی بھی نہیں۔ البتہ استحباب ضرور ہے۔

◈ غسلِ میت مشروع ہے۔ کیونکہ اس غسل پر ایک حکم شرعی مرتب ہے گو استحباب کے درجہ میں ہی سہی اور وہ ہے غسل میت کے بعد خود غسل کرنا۔ اگر یہ غسل غیر مشروع ہوتا تو اس پر یہ حکم بھی مرتب نہ ہوتا۔

◈ مردوں کو مرد اور عورتوں کو عورتیں غسل دیں گی سوائے زوجین کے، کہ وہ ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں۔ اسی طرح مرد اپنی باندی کے ساتھ مل کر بھی غسل دے سکتا ہے جس کی دلیل اس فرمانِ باری تعالیٰ کا عموم ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ o اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ (المومنون: 5-6)

''اور وہی جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں، یا ان (عورتوں) پر جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے ہیں۔''

◈ علماء نے لکھا ہے کہ سات سال سے کم عمر کی میت کے لیے ستر کا حکم نہیں چاہے وہ مذکر کی میت ہو یا مونث کی۔

◈ اگر ''وَ مَنْ حَمَلَهٗ'' کو ارادۂ فعل پر محمول کیا جائے تو عبادت کی تیاری اسی وقت کرنا مناسب ہے جب اس کو کرنے کا ارادہ ہو۔

◈ نمازِ جنازہ کے لیے وضو واجب ہے۔

بے وضو قرآن چھونے کا حکم

75۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ بَكْرٍ أَنَّ فِي الْكِتَابِ الَّذِيْ كَتَبَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ ((أَنْ لَا يَمَسَّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ)) . رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا ، وَوَصَلَهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ ، وَهُوَ مَعْلُوْلٌ .

عبداللہ بن ابی بکر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو جو خط لکھا، اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ ''سوائے پاک کے قرآن کو کوئی نہ چھوئے۔'' ❶

اس حدیث کو امام مالک رحمہ اللہ نے مرسل جبکہ امام نسائی اور امام ابن حبان رحمہما اللہ نے موصول روایت کیا ہے جبکہ یہ (موصول روایت) معلول ❷ ہے۔

غریب الحدیث :......فِي الْكِتَابِ: اس تعبیر سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ مذکورہ کتاب (یعنی خط یا وصیت) میں

---

❶ المؤطا: 199/1۔ سنن النسائی: 57/8۔ صحیح ابن حبان: 6559۔ التحقیق فی احادیث الخلاف: 26/2.

❷ مَعْلُوْل یا مُعَلَّل اس روایت کو کہتے ہیں جس میں راوی پر ''وہم'' کا طعن ہو۔ مشہور یہ ہے کہ یہ باب افعال سے آتا ہے جبکہ مُعَلَّل کا لفظ باب تَفْعِيْل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، جبکہ بابِ افعال سے یہ لفظ مُعَلٌّ ہونا چاہیے۔ جبکہ محدثین کے ہاں مُعَلَّل کا لفظ مستعمل ہے جس کا معنی ہے علت سے متصف قرار دیا ہوا۔ بعض محدثین اس کے لیے مَعْلُوْل کی تعبیر بھی اختیار کرتے ہیں جو از روئے زبان غلط ہے۔ یہ تو تھی مُعَلَّل کی لغوی تعریف اور تحقیق۔ جبکہ مُعَلَّل کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ مُعَلَّل اس حدیث کو کہتے ہیں جو بظاہر بے عیب ہو مگر اس کے اندر کوئی ایسا مخفی عیب موجود ہو جو اس کی صحت کو مجروح قرار دے۔ ایسے عیب محدثین کی اصطلاح میں علت کہلاتے ہیں۔ یہ نہایت پوشیدہ اسباب ہوتے ہیں اور معتبر علت وہ ہوتی ہے جو از حد غامض و مخفی ہو اور حدیث کی صحت پر بھی اثر انداز ہو۔ یہ علت سند میں بھی پائی جا سکتی ہے اور متن میں بھی۔ سند کی علت کی مثال اس کا موقوف یا مرسل ہونا ہے۔ البتہ متن میں علت کا وقوع کم ہوتا ہے۔ (علوم الحدیث، ص: 167-169 ملخصًا)

مذکورہ روایت مُعَلَّل فِي السَّنَد کی مثال ہے جس کی توجیہ درایۃ الحدیث کے تحت بیان کر دی جاتی ہے۔ (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے علاوہ بھی متعدد باتیں تھیں اور واقعی اس میں متعدد مسائل تھے، صاحب ''اَلْاِلْمَام'' نے ان سب کو بالاستیعاب لکھا ہے۔ چنانچہ یہ حدیث اسی بنا پر تواتر کے ساتھ منقول ہے، علماء میں مقبول اور مشہور ہے اور علماء نے اس حدیث پر متعدد مسائل کو متفرع بھی کیا ہے۔

اَلْقُرْاٰن: یہاں قرآن سے مراد قرآن کے وہ الفاظ ہیں جو مصحف، الواح اوراق یا پتھر کی سلوں پر لکھے ہوتے ہیں۔ نہ کہ وہ قرآن مراد ہے جو کلام اور مسموع ہے۔ کیونکہ مَس مکتوب کو کیا جاتا ہے نہ کہ مسموع کو۔

اِلَّا طَاهِرٌ: طاہر سے مراد وہ شخص ہے جو حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر دونوں سے پاک ہو یعنی جنبی بھی نہ ہو اور باوضو بھی ہو۔ البتہ یہاں طاہر سے مومن مراد لینا بے حد بعید ہے۔

درایۃ الحدیث:...... **وَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ اَبِیْ بَكْرٍ:** بظاہر اس عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ابوبکر سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جو غلط ہے اور یہ کاتب کی غلطی ہے، بلکہ یہ عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ ہیں اور اسی لیے یہ روایت معلول ہے کہ مذکورہ ابوبکر کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سمجھ لیا گیا ہے اور یہ سند میں علت کی مثال ہے اور حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ مذکورہ راوی عبداللہ کے پردادا ہیں چنانچہ حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی اس کتاب کو نقل کرنے کا سبب یہی رشتہ ہے۔

رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا وَ وَصَلَهُ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَ هُوَ مَعْلُوْلٌ: اس حدیث کے وصل یا ارسال میں محدثین کے ہاں اختلاف ہے۔ لیکن علماء کے ہاں اس روایت کی شہرت، تلقی بالقبول اور اس پر متعدد مسائل کی تفریع بتلاتی ہے کہ اس حدیث کی کوئی نہ کوئی صحیح اصل ضرور ہے اور جب کسی مرسل روایت کو تلقی بالقبول مل جائے تو وہ قوی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس کی نقلِ متواتر، شہرت، تلقی بالقبول وغیرہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

مضمون حدیث:...... اس حدیث میں یہ بنیادی مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ مصحفِ قرآنی کو بے وضو بلا واسطہ و بلا حائل ہاتھ لگانا، تھامنا، تھمانا، اٹھانا، رکھنا وغیرہ سب ناجائز اور حرام ہے۔ اس کی مزید تفصیل فوائد کے تحت آ جائے گی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ رسالت وشریعت کی تبلیغ لفظِ مسموع اور کتابِ مقروء دونوں کے ذریعے جائز ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند احکام کو ایک خط کی صورت میں لکھ کر حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا۔
- قرآن کی عظمت کہ اسے نجس سے دُور رکھا جائے گا چاہے وہ بے وضو ہو یا کافر۔
- مصحف کو چھونے کے لیے وضو کرنا واجب ہے۔ اس میں چھوٹے بڑے کا کوئی فرق نہیں۔ لہٰذا جو نابالغ سن تمیز کو پہنچ گیا ہو وہ بھی مصحف شریف کو بے وضو نہ چھوئے گا۔ البتہ کم سن بچے اس بات کے پابند نہ ہوں گے، ان پر سے قلم مرفوع ہے لہٰذا وہ مامور نہ ہوں گے۔ کیونکہ ان کو بے وضو چھونے کی رخصت حاجت کی وجہ سے ہے کیونکہ انہوں نے قرآن کو اور بالخصوص پارہ ''عَمَّ'' کو حفظ کرنا ہوتا ہے اور کم سن بچوں کو وضو کا پابند بنانے میں مشقت ہے۔
- یہ حکم مصحف کے اس حصہ کو بھی شامل ہے جس پر قرآن کے الفاظ لکھے ہیں اور اس حصہ کو بھی شامل ہے جو خالی ہے۔ جبکہ پورا مصحف مجلد اور باہم جڑا ہو۔ البتہ اگر مصحف کسی منفصل بکس میں رکھا ہو تو اسے بے وضو چھونے میں کوئی حرج نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ قرآن کو بے وضو چھونا منع ہے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ مسلّم ہے جس کی دلیل متعدد دیگر نصوص ہیں لیکن اس مسئلہ سے اس آیت قرآنی سے استدلال درست نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ (الواقعة: 79) ''اسے کوئی ہاتھ نہیں لگاتا مگر جو بہت پاک کیے ہوئے ہیں۔''

اور یہ بات گزشتہ آیات کی تلاوت سے واضح ہو جاتی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَكْنُونٍ ۝ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝﴾ (الواقعة: 77-79)

''کہ بلاشبہ یہ یقیناً ایک باعزت پڑھی جانے والی چیز ہے۔ ایک ایسی کتاب میں جو چھپا کر رکھی ہوئی ہے۔ اسے کوئی ہاتھ نہیں لگاتا مگر جو بہت پاک کیے ہوئے ہیں۔''

اور اس استدلال کے درست نہ ہونے کی دو وجوہات ہیں:

(1) ایک تو لَا يَمَسُّهُ کی ضمیر قریب ترین لوٹ رہی ہے اور وہ ہے لفظ کِتَابٍ مَّكْنُوْنٍ جو لوحِ محفوظ ہے۔

(2) دوسرے اگر مراد باوضو کا چھونا ہوتا تو بجائے الْمُطَهَّرُوْنَ مفعول کے صیغہ کے مُتَطَهِّرُوْنَ فاعل کا صیغہ ہوتا۔

گو بعض علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ جب لوحِ محفوظ میں لکھے قرآن کو سوائے پاک فرشتوں کے دوسرا نہیں چھو سکتا، اسی طرح دنیا میں بھی مصحفِ قرآنی کو بے وضو نہیں چھو سکتا۔ لیکن ہمیں اس بعید استدلال کی چنداں ضرورت نہیں جبکہ دیگر قطعی نصوص سے یہ مسئلہ ثابت ہو رہا ہے کہ بے وضو آدمی قرآن کو نہیں چھو سکتا۔

قرآنِ کریم کو زبانی پڑھنے کا حکم

76- وَعَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَذْكُرُ اللهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ)).

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے جملہ اوقات میں اللہ کا ذکر کرتے رہا کرتے تھے۔''❶

رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَعَلَّقَهُ الْبُخَارِيُّ.

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو تعلیقاً روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... كَانَ يَذْكُرُ اللهَ: كَانَ فعل ناقص جب فعل مضارع کے ساتھ آتا ہے تو دوام واستمرار پر دلالت کرتا ہے اور دوام سے بھی مراد کثرت ہوتی ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

يَذْكُرُ اللهَ: ذکر سے ذکر لسانی بھی مراد ہو سکتا ہے جو ظاہر ہے جیسے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کا ذکر اور قلب وجوارح کا ذکر بھی ہو سکتا ہے اور قلبی ذکر یہ دل میں رب تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا استحضار ہے۔ جبکہ جوارح کا ذکر یہ رکوع وسجود و قیام وغیرہ ہے۔ بظاہر یہاں ذکر لسانی مراد ہے۔

وَعَلَّقَهُ الْبُخَارِيُّ: حدیث معلق ضعیف حدیث کی ایک قسم ہے اس کا تفصیلی تعارف گزر چکا ہے۔

مضمون حدیث:...... اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر ہر وقت اور ہر حال میں کیا جا سکتا ہے اور اس کے لیے وضو شرط نہیں۔ بظاہر اس حدیث کو نواقض وضو کے تحت لانے کی غرض بھی یہی بتلانا ہے کہ ذکر لسانی کے

❶ صحيح مسلم: 373.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے طہارت شرط نہیں اور بے وضو ذکر کرنے والا گناہ گار نہ ہوگا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوالِ مبارکہ کی بے حد معرفت اور خبر رکھتی تھیں۔
- ہر وقت یادِ الٰہی میں مستغرق رہنا اور زبان کو ذکر اللہ سے تر رکھنا بے حد فضیلت کی بات ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ذکر فرماتے رہتے تھے۔ بے شک اللہ کا ذکر دلوں کی حیات ہے۔
- ذکر باللسان کے لیے وضو شرط نہیں۔ یہی حکم تلاوتِ قرآن کا بھی ہے کہ بے وضو زبانی تلاوت کرنا جائز ہے۔ البتہ حالتِ جنابت میں قراءت ناجائز ہے اگرچہ جنبی ذکر کر سکتا ہے اور یہی قول صحیح ہے کہ جنبی کے لیے قراءت ناجائز ہے۔

پچھنے لگوانے پر وضو کرنے کا حکم

77۔ وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ احْتَجَمَ وَصَلَّى، وَلَمْ يَتَوَضَّأْ)).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور (بعد میں) نماز ادا فرمائی جبکہ (نیا) وضو نہ فرمایا۔ [1]

أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَلَيَّنَهُ.

اس حدیث کو امام دارقطنی نے روایت کر کے اس حدیث کو ''نرم'' حدیث کہا ہے۔

غریب الحدیث :......اِحْتَجَمَ: اِحْتِجَام پچھنے لگوانا۔ یہ بدن سے ایک مخصوص طریقہ کے ساتھ زائد اور فاسد خون کے نکالنے کو کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ معروف ہے جس کے ذکر کی یہاں حاجت نہیں۔ لوگ عہدِ نبوی سے پچھنے لگواتے آ رہے ہیں۔ یہ شفا کا باعث ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''اگر کسی چیز میں شفا ہوتی تو وہ تین چیزوں میں ہوتی۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک چیز پچھنے لگوانے کو شمار فرمایا۔ [2] پچھنے لگوانے سے بدن ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے۔ لیکن جس نے کبھی پچھنے نہ لگوائے ہوں، اسے لگوانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ البتہ جو لگواتا رہتا ہو، اسے آرام ملتا ہے۔

مضمون حدیث :......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ پچھنے لگوانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور امام موصوف یہی بتلانے کے لیے اس حدیث کو نواقض وضو کے تحت لے کر آئے ہیں کہ بدن سے اِخراجِ دَم ناقض وضو نہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- پچھنے لگوانا جائز ہے اور ضرورت کے وقت مستحب ہے کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا ہے۔
- پچھنے لگوانا ناقضِ وضو نہیں۔ اسی پر قیاس کر کے زخموں وغیرہ سے نکلنے اور بہہ جانے والی پیپ اور پانی کو بھی قیاس کیا جائے گا کہ ان کا خروج بھی ناقض وضو نہ ہوگا کیونکہ جب خون جو اکثر علماء کے بقول نجس ہے، اس کے نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا تو پیپ، جو نجس نہیں، اس کے نکلنے سے بدرجۂ اولیٰ وضو نہ ٹوٹے گا۔

---

[1] سنن الدارقطني: 151/1۔ دارقطنی فرماتے ہیں: (مذکورہ حدیث کا ایک راوی) صالح بن مقاتل قوی نہیں۔ سنن البيهقي: 141/1۔ امام نووی رحمہ اللہ "المجموع" (65/2) میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (دیکھیں: التحقيق لابن جوزي: 191/1)

[2] صحيح البخاري: 5680۔ صحيح مسلم: 2205.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ خون کا اخراج ناقض وضو نہیں چاہے زیادہ ہو یا تھوڑا اور چاہے بدن کے کسی بھی حصہ سے نکلے کہ حنابلہ کا مشہور مذہب یہی ہے۔ البتہ سبیلین سے نکلنے والا خون ناقض وضو ہے، اس پر اجماع ہے۔

سونے سے وضو ٹوٹنے کا حکم

78,79,80۔ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((الْعَيْنُ وِكَاءُ السَّهِ ، فَإِذَا نَامَتِ الْعَيْنَانِ اسْتَطْلَقَ الْوِكَاءُ)).

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالطَّبَرَانِيُّ۔ وَزَادَ((وَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ)).

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''آنکھ حلقۂ مقعد کی بندش ہے پس جب دونوں آنکھیں سو جاتی ہیں تو یہ بندش کھل جاتی ہے۔'' ❶

اس حدیث کو امام احمد اور طبرانی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے اور طبرانی رحمہ اللہ نے یہ زائد نقل کیا ہے: ''اور جو سو جائے تو وہ (اٹھ کر نماز وغیرہ کے لیے) وضو کرے۔''

وَهٰذِهِ الزِّيَادَةُ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ عِنْدَ أَبِيْ دَاوُدَ مِنْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ دُوْنَ قَوْلِهِ: ((اسْتَطْلَقَ الْوِكَاءُ))، وَفِيْ كِلَا الْإِسْنَادَيْنِ ضَعْفٌ.

اور مذکورہ حدیث میں یہ اضافہ سنن ابی داؤد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے البتہ حدیث علی رضی اللہ عنہ میں یہ الفاظ نہیں کہ ''وہ بندش کھل جاتی ہے۔'' اور ان دونوں سندوں میں ضعف ہے۔

غريب الحديث:...... اَلسَّهُ: یہ دبر کو کہتے ہیں۔

اَلْوِكَاءُ: تھیلی، خورجی، ہمیانی اور شلیتہ وغیرہ کا منہ باندھنے کی ڈوری تا کہ اندر کی چیز پھسل کر باہر نہ گر جائے۔

فَإِذَا نَامَتِ الْعَيْنَانِ: یہاں ابتدائے کلام کی طرح ''اَلْعَيْنُ'' واحد کا صیغہ ارشاد نہیں فرمایا، کیونکہ ابتدائے کلام میں عین سے مراد جنسِ عین ہے جبکہ یہاں ہر آدمی کی دو آنکھیں مراد ہیں۔

اِسْتَطْلَقَ: کھل جانا، چھوٹ جانا۔ کہ نیند میں آدمی کے مقعد کی بندش اس طور پر ڈھیلی پڑ جاتی ہے کہ آدمی کو اس کا شعور بھی نہیں رہتا۔

دراية الحديث:...... مناسب تو یہ تھا کہ امام موصوف رحمہ اللہ اس حدیث کو مذکورہ باب کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی پہلی حدیث کے بعد لے کر آتے جس میں نماز عشاء کے انتظار میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نیند میں اونگھنے کا ذکر ہے۔ لیکن شاید امام موصوف رحمہ اللہ مذکورہ باب کو پورا کرنے کے بعد اس حدیث پر مطلع ہوئے تھے۔ اس لیے بعد میں اس حدیث کو بھی باب ہذا کے ملحق کر دیا۔ وگرنہ ایک موضوع سے متعلقہ دو احادیث میں عموماً تفریق نہیں کی جاتی۔

مضمون حديث:...... اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ نیند سے استرخاء مفاصل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے آدمی کی اپنے اعضاء و جوارح پر بندش اور گرفت جاتی رہتی ہے۔ جن میں سے ایک عضو حلقۂ دبر بھی ہے جس کے استرخاء کے بعد غالب یہ ہے کہ حدث کے ظہور کا وقوع ہو جاتا ہے۔ اسی لیے نیند کو وقوع حدث کا قائم مقام قرار دے کر ناقض وضو قرار دیا

---

❶ مسند احمد: 96/4۔ الطبرانی: 875/19 عن معاویة رضی اللہ عنہ۔ سنن ابی داود: 203 عن علی رضی اللہ عنہ۔ امام احمد رحمہ اللہ سے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث زیادہ ثابت اور زیادہ قوی ہے۔ (دیکھیں شرح العمدة: 299/1)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا۔البتہ یہاں نیند سے ایسی نیند مراد ہے جو اس قدر گہری ہو کہ جس میں استرخاء مفاصل کا ادراک نہ رہے۔ (نسیم)

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نیند ناقض وضو ہے اور اس سے ایسی گہری نیند مراد ہے جس میں استرخاء مفاصل ہو جائے اور اس سے حدث کے خروج کا ادراک نہ رہے۔
- ہوا کا نکلنا ناقض وضو ہے۔
- معلوم ہوا کہ بذاتِ خود نیند ناقضِ وضو نہیں بلکہ نیند میں حلقۂ دبر کی بندش ڈھیلی پڑ جانے سے اور اس کی وجہ سے حدث کے خروجِ کے غالب گمان کی بنا پر ناقض وضو ہے۔لہٰذا یہ بندش چاہے قیام میں کھلے یا رکوع سجدے میں اور چاہے خارج صلوٰۃ بہرحال ناقضِ وضو ہے۔

وَلِأَبِي دَاوُدَ أَيْضًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما مَرْفُوعًا: ((إِنَّمَا الْوُضُوءُ عَلَى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا)). وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ أَيْضًا.

اور سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ ''بے شک اس پر وضو واجب ہے جو پہلو کے بل لیٹ کر سو جائے۔'' ❶ اس حدیث کی سند میں بھی ایسے ہی ضعف ہے۔

شرح: ......اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ رکوع، قیام اور قعدہ میں سونے والے پر وضو واجب نہیں، وضو صرف اسی پر واجب ہے جو چت لیٹ کر یا پہلو کے بل لیٹ کر سو جائے۔البتہ اس میں بھی اصل قاعدہ یہی ہے کہ ناقضِ وضو ہونے میں وہ نیند معتبر ہے جس میں استرخاء مفاصل کے بعد خروجِ حدث کا ادراک اور شعور باقی نہ رہے۔لہٰذا ایسی نیند جس حال میں بھی پائی جائے گی وہ ناقض وضو ہوگی۔

وضو میں وسواس کرنے سے بچنے کی تاکید

81,82,83,84- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((يَأْتِي أَحَدَكُمُ الشَّيْطَانُ فِي صَلَاتِهِ، فَيَنْفُخُ فِي مَقْعَدَتِهِ فَيُخَيِّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ أَحْدَثَ، وَلَمْ يُحْدِثْ، فَإِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ فَلَا يَنْصَرِفْ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا)).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ شیطان تم میں سے ایک کے پاس اس کی نماز میں آتا ہے اور اس کے مقعد میں پھونک مار کر اسے یہ خیال دلاتا ہے کہ اسے حدث لاحق ہو گیا ہے۔حالانکہ اس سے حدث نہیں ہوا ہوتا۔ پس جب آدمی ایسی (کسی) بات کو (یعنی ایسے کسی شیطانی وسوسے کو) پائے تو (نماز سے) نہ پلٹے یہاں تک کہ (یا تو) آواز کو سنے یا بو کو پائے۔ ❷

---

❶ سنن ابی داود: 202۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں: یہ حدیث منکر ہے۔ جامع الترمذی: 77۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے جیسا کہ ''علل الترمذی'' (ص 45) میں مذکور ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کے ضعیف ہونے پر حضرات محدثین کا اتفاق ہے اور اس کے بعد امام نووی رحمہ اللہ امام الحرمین کی کتاب ''الاسالیب'' سے اس حدیث کے ضعیف ہونے پر حضرات محدثین کے اجماع کو نقل کرتے ہیں اور بعد میں یہ فرماتے ہیں: یہ بات یوں ہی ہے۔ (دیکھیں: المجموع: 26/2)

❷ مسند البزار کما فی مجمع الزوائد: 242/1۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کے رجال صحیح کے رجال ہیں اور حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث ''صحیح البخاری'' (137) اور ''صحیح مسلم'' (361) میں مذکور ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

أَخْرَجَهُ الْبَزَّارُ- وَأَصْلُهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ-

اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل صحیحین میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ شیطان بندوں کی نماز خراب کرنے آتا ہے اور اسے رب کے نیک بندوں اور ان کی عبادت سے شدید عداوت ہے۔
- معلوم ہوا کہ شیطان کا وجود ہے۔
- شیطانی وساوس کو جھٹک دینا چاہیے اور ان سے بچنا چاہیے کیونکہ وضو ٹوٹ جانے کا وسوسہ آنے پر نبی کریم ﷺ نے نماز چھوڑ کر جانے سے منع فرمایا ہے، یہی وسوسہ کو جھٹکنا ہے۔ چنانچہ جب تک آواز سن کر یا بو پا کر وضو ٹوٹ جانے کا یقین نہ ہو جائے نماز توڑ کر نہ نکلے۔
- شیطانی وسوسہ کو جھٹکنے کے لیے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھا جائے۔
- حدیث میں آواز سننے یا بو پانے کی قید اغلب کے اعتبار سے ہے۔ لہٰذا اگر کوئی بہرا ہو یا اس میں سونگھنے کی حس نہ ہو تو خروج ریح کے یقین پر وضو اس کا بھی ٹوٹ جائے گا اگرچہ اس نے نہ تو آواز سنی ہے اور نہ بو پائی ہے۔

وَلِمُسْلِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نَحْوُهُ.

صحیح مسلم میں بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایسی ہی ایک حدیث مروی ہے۔ ❶

وَلِلْحَاكِمِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ مَرْفُوعًا: ((إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الشَّيْطَانُ، فَقَالَ: إِنَّكَ قَدْ أَحْدَثْتَ، فَلْيَقُلْ: إِنَّكَ كَذَبْتَ))

حاکم کی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''جب تم میں سے کسی کے پاس آ کر شیطان یہ کہے کہ تیرا تو وضو ٹوٹ گیا تو چاہیے کہ وہ (شیطان سے) یہ کہے: ''تو جھوٹ بولتا (اور غلط کہتا) ہے۔'' ❷

وَأَخْرَجَهُ ابْنُ حِبَّانَ بِلَفْظِ "فَلْيَقُلْ فِي نَفْسِهِ.

اور ابن حبان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''تو وہ اپنے جی میں (یہ) کہے۔'' ❸

غریب الحدیث :......اِنَّكَ اَحْدَثْتَ: یہ شیطان کی ایسی بات نہیں جو سنی جا سکتی ہو بلکہ یہ وسوسہ اور تخیل کی قبیل سے ہے۔

فَلْيَقُلْ كَذَبْتَ: اس سے جی میں کہنا مراد ہے نہ کہ زبان سے بولنا، کیونکہ کلام کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور جی میں یہ بات اس لیے کہے تا کہ نماز کو جاری رکھ سکے۔

---

❶ صحیح مسلم: 362۔

❷ المستدرك للحاكم: 1/470۔ اس روایت کی اصل ''سنن ابی داود'' (1029) میں ہے۔ مسند احمد: 3/50۔ (دیکھیں: التمهيد: 4/26)

❸ صحيح ابن حبان: 2666 من طریق ''عبدالرزاق'' (533) اس روایت کی سند میں عیاض بن ہلال ہے جس کے بارے میں علامہ منذری ''الترغيب و الترهيب'' (1/83) میں کہتے ہیں: میں اس کی جرح وتعدیل میں سے کچھ نہیں جانتا۔ اس کا شمار مجہول راویوں میں ہوتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون حدیث :......ان تینوں احادیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ محض شیطانی وساوس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ لہٰذا جب تک حدث لاحق ہونے کا یقین نہ ہو جائے، ان شیطانی وسوسوں کی طرف آدمی مطلق توجہ نہ دے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ دشمن سے ذرا سختی اور درشتی سے بات کرنی چاہیے جیسا کہ شیطان کو یہ کہنے میں کہ ''تم جھوٹ بولتے ہو'' قدرے سختی ہے اور شیطان ہے بھی اسی لائق کہ اس کے ساتھ سختی کی جائے۔
- شیطان پرلے درجے کا جھوٹا ہے اسی لیے ایک حدیث میں اسے ''کَذُوْبٌ'' [1] کہا گیا ہے یعنی بڑا جھوٹا اور اس روایت میں بھی اسے جھوٹا کہنے کو کہا گیا ہے۔

مسائل شتّٰی

ذیل میں مذکورہ باب کے اختتام پر چند متفرق مسائل ذکر کیے جاتے ہیں:

⊙ ...... صحیح مذہب یہ کہ حائضہ قرآنِ کریم کی زبانی تلاوت کر سکتی ہے۔ کیونکہ کسی صحیح اور صریح حدیث میں اس کی ممانعت نہیں ملتی۔ البتہ اس مسئلہ میں علماء کے اختلاف کے پیشِ نظر مناسب یہ ہے کہ حائضہ بنا ضرورت کے قراءت نہ کرے۔ جیسے وہ معلّمہ ہو یا طالبہ ہو، یا اسے قرآن کے بھول جانے کا اندیشہ ہو اور وہ اپنا معمول کا دَور کرتی ہو۔

⊙ ......کیسٹوں میں موجود قرآن کا حکم مصحف کا نہیں۔ کیونکہ اس میں قرآن مکتوب نہیں۔

⊙ ......جنبی کو قرآن پڑھ کر سنانے میں کوئی حرج نہیں۔

7۔ بَابُ قَضَاءِ الْحَاجَةِ ...... قضائے حاجت کے آداب

تمہید:......غفلت ونسیان انسانی فطرت کا خاصا ہے اس لیے رب تعالیٰ نے بندے کی تنبیہ، یاد دہانی اور ذکر اللہ کی طرف متوجہ ہونے کے متعدد اسباب پیدا کیے ہیں چنانچہ گھر میں داخل ہونے اور نکلنے، نیا لباس پہننے، کھانے پینے اور سونے جاگنے کے مواقع پر متعدد دعاؤں کے مانگنے کو مشروع کیا گیا ہے تاکہ انسان لحہ بہ لحہ اپنے خالق و مالک اور رازق و پروردگار کو اور اس کے بے پایاں احسانات اور بے انتہا نعمتوں کو یاد رکھے اور ان کا اجمالی استحضار کر کے اس کا شکر ادا کرے اور اسے یاد کر کے اس کا حق ادا کرے۔ دوسرے بندے کا ہر وقت اپنے خالق پروردگار کے ساتھ ایک تعلق باقی اور قائم رہے اور یہ عظیم نعمت صرف اسی بندے کو ہی حاصل ہوتی ہے جو اپنے قلب، لسان اور اعضاء و جوارح کے ساتھ اس کا ذکر کرتا رہے۔ لیکن دل کی غفلت کے ساتھ زبان وغیرہ کا ذکر پورا فائدہ نہیں دیتا گو فائدہ سے خالی صرف زبان کا ذکر بھی نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے روز مرہ زندگی کے ہر ہر موقع پر ذکر کو مشروع کیا حتیٰ کہ قضائے حاجت جیسے ناگوار طبعی فعل کو اللہ کی یاد سے خالی نہیں چھوڑا تاکہ بندہ رب تعالیٰ کے اس احسان کو بھی یاد رکھے کہ اگر پیشاب یا پاخانہ بند ہو جائے تو انسان بے حد تکلیف سے دوچار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس سے فراغت نصیب ہونا بھی رب ذوالجلال کا بندے پر بے حد احسان ہے۔ پھر بول و براز کھانے اور پینے کا نتیجہ ہے اور کھانے کی ہر شے بھی تو اسی اللہ نے پیدا کی ہے اور پینے کو پانی بھی اسی نے برسایا ہے۔

[1] امام بخاری نے (2311) اس روایت کو معلق جبکہ امام نسائی نے ''السنن الکبری'' (10795) میں اس روایت کو موصول روایت کیا ہے۔ (دیکھیں: فتح الباری: 182/2)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غرض بول و براز سے فراغت کے وقت رب تعالیٰ کی یاد لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات محدثین اور فقہاء کرام رحمہم اللہ نے قضائے حاجت کے مفصل آداب ذکر کیے ہیں۔ چنانچہ امام موصوف نے بھی انہی آدابِ شرعیہ پر مشتمل چند مبارک احادیث کو اپنی اس کتاب میں درج کیا ہے۔ جن کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

بیت الخلاء میں ایسی چیز لے کر داخل ہونے سے بچنا جس میں ذکر اللہ کی قبیل میں سے کچھ لکھا ہو

85- عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ وَضَعَ خَاتَمَهُ)).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تھے تو اپنی انگوٹھی اتار دیا کرتے تھے۔ ❶

أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ ، وَهُوَ مَعْلُوْلٌ .

اس حدیث کو ائمہ اربعہ نے روایت کیا ہے اور یہ روایت معلول ہے۔

غریب الحدیث:...... اِذَا دَخَلَ: یہاں فعل سے ارادۂ فعل مراد ہے۔ یعنی جب آپ ﷺ بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تھے۔

وَضَعَ خَاتَمَهُ: مراد یہ ہے کہ بیت الخلاء میں داخل ہونے سے قبل آپ ﷺ اپنی خاتم مبارک کو اپنی انگلی مبارک سے نکال دیتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی

آپ ﷺ کی ایک انگوٹھی تھی جسے آپ ﷺ زیادہ تر بائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔ ❷ اس کے نگینہ کی جگہ پر محمد رسول اللہ نقش تھا۔ آپ ﷺ یہ انگوٹھی اس لیے استعمال فرماتے تھے کیونکہ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا تھا کہ یہ ملوک و سلاطین بنا مہر کے کسی خط کو وصول اور قبول نہیں کرتے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے یہ انگوٹھی بنوائی اور اس پر یہ تین الفاظ کندہ کروائے۔ اس کے بعد آپ ﷺ جو بھی نامہ مبارک کہیں ارسال فرماتے، اس کے اختتام پر اس انگوٹھی سے یہ مہر لگا دیتے تھے۔ ان کلمات کی ترتیب یہ تھی کہ لفظ ''محمد'' سب سے نیچے، درمیان میں لفظ ''رسول'' اور سب سے اوپر لفظ ''اللہ'' تھا۔ ❸

مضمونِ حدیث:...... حدیث کا مضمون واضح ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کی انگوٹھی میں لفظ اللہ لکھا ہوتا تھا، اس لیے آپ ﷺ انگوٹھی کو بیت الخلاء میں داخل ہونے سے قبل اتار لیا کرتے تھے۔

---

❶ سنن ابی داود: 19۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو منکر کہا ہے۔ جامع الترمذی: 1746۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور غریب کہا ہے۔ سنن النسائی: 178/8۔ سنن ابن ماجہ: 303۔ المستدرك للحاكم: 298/1۔ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہنے کے بعد اسے شیخین کی شرط پر کہا ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (92/2) میں اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ (دیکھیں: التلخیص الحبیر: 107/1)

(مُنکَر: اس کا لغوی معنی ہے انکار کیا ہوا، یعنی وہ روایت جس پر انکار کیا جائے۔ اصطلاح میں اس سے مراد وہ حدیث ہے جس کی سند میں کوئی راوی ایسا ہو جو اغلاط کی زیادتی، یا غفلت کی شدت یا فسق کے ساتھ متصف ہو۔ (علوم الحدیث، ص: 165 ملخصًا) اور مَعْلُول کی تعریف گزشتہ میں مفصل ذکر کی جا چکی ہے۔) (نسیم)

❷ فتح الباری: 322/10.

❸ فتح الباری: 329/10۔ اسماعیلی نے اس کے خلاف نقل کیا ہے کہ لفظِ ''محمد'' سب سے اوپر، لفظِ ''رسول'' وسط میں اور آخری سطر میں لفظِ ''اللہ'' تھا۔ یہاں لفظ محمد کو تنوین کے ساتھ اور تنوین کے بغیر بھی پڑھ سکتے ہیں اسی طرح لفظ اللہ پر رفع اور جر دونوں پڑھ سکتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ انگوٹھی پہننا جائز ہے کیونکہ انگوٹھی نبی کریم ﷺ نے بھی پہنی ہے۔ البتہ انگوٹھی پہننے کو سنت نہیں کہہ سکتے کیونکہ آپ ﷺ اسے ضرورت کی بنا پر پہنتے تھے نہ کہ آدابِ تعبد کے طور پر۔ البتہ جو سرکاری عہدوں پر تعینات ہوں اور انہیں بھی مہر لگانے کی ضرورت ہو تو انہیں انگوٹھی پہننا نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں مسنون ہوگا۔

(پھر اس کا مدار بھی عرف پر ہے کہ اگر عرف میں انگوٹھی کی مہر رائج اور معتبر مانی جاتی ہے تو اسے پہننا مسنون کہا جائے گا۔ لیکن اگر عرف میں ربڑ یا لوہے وغیرہ کی بنی مہریں معتبر سمجھی جاتی ہیں تو انگوٹھی کی مہر کی حاجت نہ ہوگی۔ [نسیم])

◈ عورتیں زینت کے لیے انگوٹھی پہن سکتی ہیں۔ اس لیے ان کے لیے سونے، چاندی اور عقیق وغیرہ کی انگوٹھی بھی جائز ہوگی۔ البتہ مرد صرف چاندی کی انگوٹھی پہن سکتے ہیں۔

◈ بیت الخلاء میں ایسی چیز لے کر داخل ہونا ناجائز ہے جس میں اللہ کا نام لکھا ہو۔ اس لیے نبی کریم ﷺ اس موقعہ پر اپنی انگوٹھی اتار دیا کرتے تھے کیونکہ اس میں لفظِ اللہ لکھا ہوتا تھا۔ البتہ یہ ممانعت بطورِ تحریم کے نہیں لہٰذا اگر کسی کو کسی قسم کے ضرر کا اندیشہ ہے، جیسے اگر انگوٹھی باہر رکھ کر بیت الخلاء میں داخل ہونے پر اس کے چوری ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اسے اندر لے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا ایسی انگوٹھی وغیرہ کو بیت الخلاء کے باہر چھوڑنا مستحب ہوگا نہ کہ واجب کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا اور مجرد فعل وجوب پر دلالت نہیں کیا کرتا۔

◈ جب لفظِ اللہ کا یہ احترام ہے کہ اسے بیت الخلاء میں لے جانا منع ہے، تو راستوں وغیرہ پر ایسی چیزوں کو پھینکنا بدرجۂ اولیٰ منع ہوگا جن پر ''اللہ'' کا ذاتی یا کوئی صفاتی نام لکھا ہو۔

◈ البتہ بیت الخلاء میں مصحف شریف لے کر جانا صریح حرام ہے اس پر سب علماء فقہاء اور محدثین کا اتفاق ہے البتہ چوری کا اندیشہ ہو تو ساتھ لے کر داخل ہو سکتے ہیں۔

بیت الخلاء میں داخل ہونے کی دعا

86- وَعَنْهُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ قَالَ: ((اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ)) .

أَخْرَجَهُ السَّبْعَةُ .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہونے لگتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے: ((اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ .)) ''اے اللہ میں خبیثوں سے اور خبیثنیوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔'' [1]

اس حدیث کو ائمہ سبعہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :...... اَلْخَلَاء: یہ اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں انسان اکیلا اور تنہا ہوتا ہے۔ بیت الخلاء کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کیونکہ اس میں آدمی اکیلا ہو جاتا ہے تاکہ وہ پردہ میں اپنی حاجت رفع کر سکے۔

اَللّٰهُمَّ: یہ ''یَا اَللّٰه'' کے معنی میں ہے۔ اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

[1] صحیح البخاری: 142- صحیح مسلم: 375- و اخرجه غیرهما ایضا .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اَعُوْذُ: یعنی میں تیری پناہ اور حفاظت کو لیتا ہوں۔تعوذ ہمیشہ کسی نا گوار شے سے لی جاتی ہے۔

اَلْخُبْث: اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا جاتا ہے اگر تو اس کو بَا کے سکون کے ساتھ پڑھیں تو اس کا معنی ہے شر اور اگر اس کو بَـــــا کے ضم کے ساتھ پڑھیں تو یہ خبیث کی جمع ہوگی۔تب اس سے مراد مذکر شیاطین ہوں گے۔اگر ان دونوں لفظوں کا موازنہ کیا جائے تو دوسری صورت زیادہ عام اور شامل ہے کیونکہ پہلی صورت (با کے سکون کے ساتھ) صرف جگہ کے ساتھ خاص ہے۔کیونکہ بیت الخلاء شیطانوں کے اڈے جبکہ مساجد فرشتوں کی آماج گاہیں ہیں۔لہٰذا زیادہ مناسب یہ ہے کہ بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت لفظ "اَلْخُبْث" کو با کے سکون کے ساتھ پڑھا جائے۔

اَلْخَبائِث: یہ خبیثہ کی جمع ہے،مراد مونث شیاطین اور نفوسِ شریرہ ہیں۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ایک ادب تعلیم کیا گیا ہے،وہ یہ کہ اس میں داخل ہونے سے قبل مذکر ومونث شیطانوں سے پناہ مانگ لی جائے کیونکہ اس وقت آدمی ایک شیطانی اڈے میں داخل ہو رہا ہوتا ہے۔اس لیے اندر جانے سے قبل ہی بندہ اللہ سے ان کے خلاف پناہ لے لے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ حضرت رسالت مآب ختمی مرتبت سید الانبیاء والمرسلین علیہم السلام بھی رب ذو الجلال کے محتاج اور اس کے در کے سوالی ہیں کہ اپنے دفاع کے لیے آپ ﷺ بھی رب ذو الجلال کی مدد واعانت کے محتاج ہیں۔اسی لیے آپ ﷺ شیطانوں سے بچنے کے لیے رب تعالیٰ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔
- نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت یہ دعا مانگنا مستحب ہے۔جبکہ کھلے میدان میں قضائے حاجت کے لیے بیٹھنے سے قبل یہ دعا پڑھ لی جائے۔
- اس دعا میں اللہ کے علم اور اس کی قدرت کا اثبات بھی ہے کیونکہ پناہ اسی کی مانگی جاتی ہے جو صاحبِ علم اور صاحبِ قدرت ہو۔
- رب تعالیٰ کی حکمت کہ گندی جگہیں شیاطین کے اڈے ہوتے ہیں لہٰذا وہاں جانے سے قبل رب تعالیٰ سے ان شریر وخبیث نفوس سے پناہ مانگ لی جائے۔
- اگر داخل ہونے سے قبل یہ دعا پڑھنا بھول جائے تو اندر ہوتے ہوئے یہ دعا نہ پڑھی جائے کیونکہ اس دعا کا محل فوت ہو گیا ہے۔البتہ اگر وہ چاہے تو ایسا بھی کرسکتا ہے کہ باہر نکل کر پہلے دعا پڑھے اور پھر اندر داخل ہو۔وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ.

پانی کے ساتھ استنجاء کرنا

87۔ وَعَنْهُ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ ، فَأَحْمِلُ أَنَا وَغُلَامٌ نَحْوِيْ إِدَاوَةً مِنْ مَاءٍ وَعَنَزَةً ، فَيَسْتَنْجِيْ بِالْمَاءِ)) .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بیت الخلاء میں (رفعِ حاجت کے لیے) داخل ہوا کرتے تھے تو میں اور میری طرح کا ایک نوجوان پانی کا چمڑے کا ایک چھوٹا برتن اور نیچے پھل لگا ایک ڈنڈا تھامے کھڑے ہوتے تھے۔پس آپ ﷺ (برتن کے اس) پانی سے استنجاء فرماتے تھے۔ ❶

❶ صحيح البخاري: 152۔ صحيح مسلم: 270 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ . یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:...... اَلْغُلَامُ: اس لفظ کا اطلاق ان معانی پر ہوتا ہے:

- ......کم سن لڑکا۔
- ......بڑی عمر کا مگر نابالغ نوجوان۔
- ......خادم چاہے بڑا ہی ہو۔
- ......مملوک غلام چاہے بڑی عمر کا ہی ہو۔

نَحْوِیْ: غلام کے ان معانی کے تناظر میں ''میرے جیسا'' کے معنی میں دو احتمال ہو سکتے ہیں:

(1) میری عمر کا، یعنی میرے جیسا کم سن لڑکا (2) میرے جیسا خادم

پس اگر تو اس قسم کے الفاظ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہوں تو مراد بالغ خادم ہو گا اور جب یہ الفاظ حضرت انس رضی اللہ عنہ جیسے کم سن صحابی سے مروی ہوں تو مراد کم سن لڑکا ہو گا۔

اِدَاوَةٌ: پانی رکھنے کے لیے چمڑے کا بنا چھوٹا برتن، اسے اٹھانا اور سنبھالنا آسان ہوتا ہے۔ مسافر اس کو اپنے دونوں کندھوں کے درمیان میں لٹکائے آسانی کے ساتھ سفر کرتا رہتا ہے۔

عَنَزَة: نیچے پھل لگا ہوا ڈنڈا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ نیزے کی طرح لمبا ہوتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ چھوٹے نیزے کو کہتے ہیں۔ [1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں قضائے حاجت کے وقت اسے استعمال فرماتے تھے تاکہ اس پر کپڑا لٹکا کر پردہ کر سکیں۔ جبکہ نماز میں سترہ بنانے کے لیے بھی اسے استعمال کرتے تھے۔ [2]

مضمون حدیث :......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے بعد پانی کے ساتھ استنجاء فرمایا کرتے تھے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بے پناہ فضیلت ومنقبت کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادموں کی صف میں جگہ پانے کی سعادت حاصل تھی۔
- آزاد لوگوں سے خدمت لینا جائز ہے جبکہ وہ اسے اپنے لیے باعثِ شرف سمجھیں۔
- طہارت میں دوسرے سے مدد لینا جائز ہے۔
- شرفاء کی خدمت میں تعاون جائز ہے۔ جیسے یہاں دوسرا نوجوان حضرت انس رضی اللہ عنہ کا معاون تھا۔
- دو کے ذکر سے اقرب یہی لگتا ہے کہ ان دونوں چیزوں ...... پانی کا برتن اور پھل دار لاٹھی......کو ان دونوں نے باہم تقسیم کر کے اٹھا رکھا ہوگا۔

---

[1] بندہ عاجز مترجم ابوقیدار محمد آصف نسیم نے ''شرح صحیح بخاری'' (اردو) (حدیث رقم: 152) کے حاشیہ میں اس کی مفصل تحقیق بیان کی ہے۔ اسے دیکھ لیا جائے۔

[2] صحیح البخاری: 493، 494، 498، 499.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- جو کام کرنا ہو، اس کی پہلے سے مناسب تیاری کر لینی چاہیے۔
- قضائے حاجت کے وقت بھی ستر کی سخت تاکید ہے۔
- ڈھیلوں کے بغیر صرف پانی پر اکتفا کر کے بھی استنجاء کر سکتے ہیں۔ کیونکہ مذکورہ حدیث میں ڈھیلوں کا ذکر نہیں۔ گو بعض علماء نے صرف پانی سے استنجاء کرنے کو مکروہ کہا ہے کیونکہ اس میں نجاست کو بلاواسطہ ہاتھ لگتے ہیں لیکن صرف پانی سے استنجاء کے جواز پر بہر حال اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

88- وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((خُذِ الْإِدَاوَةَ)). فَانْطَلَقَ حَتّٰى تَوَارٰى عَنِّي، فَقَضٰى حَاجَتَهُ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (ایک مرتبہ انہیں) ارشاد فرمایا: ''پانی کا برتن (ساتھ) لے لو، پھر آپ ﷺ (قضائے حاجت کے لیے جنگل کی طرف) چلے حتیٰ کہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ تب آپ ﷺ نے (کسی ستر کی جگہ بیٹھ کر) قضائے حاجت فرمائی۔'' [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:...... تَوَارٰى: اتنی دور جانا کہ آدمی دیکھنے والے کی نگاہ سے اوجھل ہو جائے۔

فَقَضٰى حَاجَتَهُ: مراد بول و براز سے فراغت حاصل کرنا ہے۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں پانی کے ساتھ استنجاء کرنے کے ساتھ ساتھ دوسرا اہم مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ قضائے حاجت کسی ایسی جگہ کی جائے جہاں آدمی کی اس ہیئت و حالت پر بھی کسی کی نگاہ نہ پڑے کیونکہ سترِ عورۃ تو بہر حال واجب ہے جو معمولی سی اوٹ سے بھی حاصل ہو جاتی ہے، دور جانے سے مقصود سرے سے نظر نہ آنا ہے کہ نہ کوئی ستر دیکھ پائے اور نہ ایسی حالت میں ہی بیٹھا دیکھ پائے۔

قصۂ حدیث:...... یہ غزوۂ تبوک کا قصہ ہے جس میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی وضوو طہارت کی خدمت کو سنبھال رکھا تھا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- آزاد سے خدمت لے سکتے ہیں کیونکہ حضرت مغیرہ آزاد تھے۔
- حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت کہ انہیں خدمتِ رسالت کا شرف حاصل تھا۔
- خادم کو کسی بات کا امر مذموم سوال کی مد میں داخل نہیں۔
- صرف پانی پر اقتصار کر کے استنجاء کر سکتے ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو پانی کا برتن لینے کو فرمایا جبکہ ڈھیلے ساتھ لینے کو نہ فرمایا۔
- نبی کریم ﷺ کی شدتِ حیا کہ آپ ﷺ کو یہ ناگوار تھا کہ کوئی آپ ﷺ کو ایسی ناگوار حالت میں دیکھے۔ کیونکہ آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے اتنی دور تشریف لے جاتے کہ لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے۔

---

[1] صحيح البخاري: 363۔ صحيح مسلم: 274.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ جنگل وغیرہ میں اتنی دُور جا کر قضائے حاجت کی جائے کہ لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں۔

جن مقامات پر قضائے حاجت کرنا منع ہے ان کا بیان

89,90,91,92- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((اتَّقُوا اللَّعَّانَيْنِ، الَّذِي يَتَخَلَّى فِي طَرِيقِ النَّاسِ، أَوْ فِي ظِلِّهِمْ)).

رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”دو لعنت کرنے والوں (یعنی لوگوں کے لعنت کرنے کا باعث بننے والے دو کاموں) سے بچو، (ان میں سے ایک وہ ہے) جو لوگوں کے راستے میں (بول براز کرے) یا (دوسرا وہ ہے جو) لوگوں کے سایہ میں (بیٹھنے کی جگہ میں) بول و براز کرتا ہے۔“ [1]

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:..... اِتَّقُوْا: یعنی بچو، کیونکہ تقویٰ کسی ممنوع و محذور شے سے بچاؤ اختیار کرنے کو کہتے ہیں۔

اَللَّاعِنَيْنِ: یہ لَاعِنٌ کی تثنیہ ہے جو اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ یہ فاعل اور مفعول دونوں کے معنی میں ہو سکتا ہے۔ اگر یہ اسم فاعل کے معنی میں ہو تو پھر مطلب یہ ہوگا یہ آدمی ان دونوں افعال کی وجہ سے لوگوں کے لعنت کرنے کا سبب بنا ہے۔ اگر یہ اسم مفعول کے معنی میں ہو تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ ان دو کاموں کے کرنے والوں پر لعنت کی گئی ہے لہٰذا ان کاموں سے بچو۔ فاعل کے صیغہ کا مفعول کے معنی میں آنا لغتِ عربیہ میں شائع ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ۝﴾ (الحاقة: 21) ”پس وہ ایک خوشی والی زندگی میں ہوگا۔“

یہاں رَاضِيَة بمعنی مَرْضِيَّة ہے۔ اسی طرح یہاں لَاعِنٌ بمعنی مَلْعُوْنٌ ہوگا۔

اَللَّعْنُ: لعنت یہ رحمتِ الٰہی سے دھتکارنے اور دُور کرنے کو کہتے ہیں۔

مضمون حدیث:..... اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ بول و براز اپنی رؤیت، ہیئت، ناگوار بو اور نجاست کی بنا پر طبع انسانی پر سخت گراں اور اذیت ناک ہیں۔ لہٰذا لوگوں کے چلنے کے راستوں میں اور سایہ میں بیٹھنے کی جگہوں میں بول و براز کرنا سخت اذیت ناک عمل ہے اور دوسروں کی ایذا رسانی بلاشبہ باعثِ لعنت ایک کام ہے بالخصوص گرمیوں میں، جب لوگوں کو سایوں کی اشد ضرورت ہوتی ہے، سایہ دار جگہوں پر اجابت کرنا سخت برا، موذی اور ملعون فعل ہے جس سے بچنے کی مذکورہ حدیث میں سخت تاکید کی گئی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ لوگوں کے راستوں میں اور سایہ دار جگہوں میں بول و براز کرنا حرام ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس فعل کو باعثِ لعنت قرار دیا ہے جو اس کے حرام ہونے کی دلیل ہے۔ البتہ اگر راستہ زیادہ کشادہ ہو اور لوگ اس کے اطراف کی بجائے کافی اندر کی جانب ہو کر چلتے ہیں تو ایسے کشادہ راستے کی انتہائی جانب میں بول و براز جائز ہوگا کیونکہ اس صورت میں یہ باعثِ ایذا نہیں اور سایہ سے بھی ہر سایہ مراد نہیں بلکہ وہ سایہ مراد ہے جس کے نیچے بیٹھنے کے لوگ عادی ہوں یا انہیں وہاں

[1] صحیح مسلم: 269

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیٹھنے کی احتیاج ہوتی ہواور جس جگہ لوگ گناہ جیسے میخواری کے لیے بیٹھتے ہوں اس سایہ میں بول و براز کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

- گناہ کے باب میں سبب بنے والا مباشر کے جیسا ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ لعنت کرنے والا بول و براز کرنے والا نہیں بلکہ وہ شخص ہے جسے اس بول و براز کی وجہ سے اذیت پہنچی ہے۔ لیکن چونکہ اُس آدمی کے لعنت کرنے کا باعث یہی بول و براز کرنے والا بنا ہے اسی لیے اسے لعنت کرنے والے کے جیسا قرار دے دیا گیا۔
- باعث لعنت کام کرنے والے پر لعنت کرنا جائز ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں باتوں سے جن کی وجہ سے کرنے والا مستحق لعنت بنتا ہے، بچنے کی تاکید کی ہے اور لعنت دوسرے پر اسی وقت پڑتی ہے جب لعنت کرنے والا سچا اور حق پر ہو، وگرنہ ملعون یعنی جس پر لعنت کی گئی ہے، اس پر وہ لعنت نہیں پڑتی۔ لہٰذا راستوں میں اور سایہ دار جگہوں میں پڑی گندگی دیکھ کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اے اللہ ایسا کرنے والے پر لعنت فرما۔
- شریعت اسلامیہ نے دوسروں کی ایذا رسانی سے سختی کے ساتھ روکا ہے۔ چاہے یہ ایذا رسانی قول سے ہو یا فعل سے، اشارہ سے ہو یا لمس سے، غرض ایذا رسانی کسی بھی طریق سے ہو، حرام ہے۔

وَزَادَ أَبُوْ دَاوُدَ ، عَنْ مُعَاذٍ رضی اللہ عنہ " وَالْمَوَارِدُ " وَلَفْظُهُ : ((اتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَةَ : الْبَرَازَ فِي الْمَوَارِدِ ، وَقَارِعَةَ الطَّرِيْقِ ، وَالظِّلِّ)).

اور امام ابوداود رحمہ اللہ نے (اپنی سنن میں) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے "الموارد" کے لفظ کو زائد روایت کیا ہے اور (سنن) ابی داود کے الفاظ یہ ہیں: ''لعنت کی تین جگہوں (یعنی لعنت کا سبب بننے والی تین جگہوں) سے بچو۔ لوگوں کے آنے جانے کی جگہوں، چلنے کا راستہ اور سایہ (کی جگہ) میں (بول و) براز کرنا (کہ ان تینوں باتوں سے بچو)۔''[1]

غریب الحدیث:......**اَلْمَوَارِد**: یہ مَوْرِد کی جمع ہے۔ یہ لوگوں کے پانی کے گھاٹ کو کہتے ہیں جہاں وہ خود بھی آ کر پانی پیتے ہیں اور اپنے جانوروں کو بھی پلاتے ہیں۔ چاہے یہ گھاٹ نہر کا ہو یا دریا، تالاب، کنویں اور جوہڑ وغیرہ کا ہو۔

اَلْمَلَاعِن: یہ مَلْعَن کی جگہ ہے جو ظرفِ مکان کا صیغہ ہے بمعنی محلِ لعنت۔ یعنی وہ جگہ جو دوسروں کے لعنت کرنے کا سبب بنے، اس کی تفسیر مَوَارِد ، قَارِعَةِ الطَّرِيْق اور ظِلّ میں پاخانہ کرنے سے کی گئی ہے۔

قَارِعَةِ الطَّرِيْق: وہ راستہ جس پر لوگ چلتے ہیں اور پاؤں سے روندتے ہیں حتیٰ کہ وہاں لوگوں کے چلنے سے ایک نشان سا بن جاتا ہے جو دور سے صاف نظر آتا ہے یعنی پگڈنڈی سایہ اور راستہ سے کون سا سایہ اور راستہ مراد ہے اس کی تفسیر بیان کی جا چکی ہے جبکہ موارد پر بول و براز کرنے کا باعثِ لعنت ہونا واضح ہے۔

وَلِأَحْمَدَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ((أَوْ نَقْعِ مَاءٍ)).

اور امام احمد رحمہ اللہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''یا پانی کے تالاب (یا جوہڑ) میں (بول و براز کرنا کہ یہ بھی باعثِ لعنت کام ہے)۔''[2]

---

[1] سنن ابی داود: 26۔ امام ابوداود رحمہ اللہ نے اس حدیث کو مرسل کہا ہے۔ سنن ابن ماجہ: 328۔ امام نووی رحمہ اللہ "المجموع" (105/2) میں فرماتے ہیں: ''اس حدیث کو ابوداود، ابن ماجہ اور بیہقی نے جید اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔''

[2] مسند احمد: 299/1۔ ہیثمی رحمہ اللہ نے "مجمع الزوائد" (204/1) میں اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَفِيهِمَا ضَعْفٌ .

ان دونوں روایتوں (یعنی سنن ابی داؤد اور مسند احمد کی روایتوں) میں ضعف ہے۔

غریب الحدیث: ......نَقْعِ الْمَاءِ: یہ بھی پانی کے گھاٹ جیسا ہی ہوتا ہے۔ البتہ یہ ضروری نہیں کہ موارد کی طرح گھاٹ بھی ہو۔ اس پر لوگوں کے آنے جانے اور نہ آنے جانے دونوں کا احتمال ہے جبکہ موارد ہوتے ہی وہ ہیں جن پر لوگ آتے جاتے ہوں اس پر نقعِ ماء یہ موارد سے زیادہ عام ہے۔ تب پھر یہ مسئلہ مستفاد ہوا کہ موارد میں بول و براز دو پہلوؤں پر مشتمل ہے:

(1) ایک ایذاء الناس (2) اور دوسرے افساد الماء یعنی پانی کا خراب کرنا

جبکہ تالاب یا جوہڑ میں بول و براز صرف افسادِ ماء کی غرض پر ہی مشتمل ہوگا۔ جبکہ لوگوں کو اذیت پہنچانے کا اس میں صرف احتمال ہوگا، یقین نہیں۔ اب تک چار جگہوں پر بول و براز کی ممانعت بیان ہو چکی:

(1)......موارد (پانیوں کے گھاٹ جہاں پر لوگ پینے پلانے کے لیے کثرت کے ساتھ آتے ہوں)

(2)......قارعۃ الطریق (وہ راستہ جو ہر وقت لوگوں کے استعمال میں رہتا ہے۔)

(3)......ظل (وہ سایہ جہاں لوگ مباح امور کے لیے جمع ہوتے ہوں)

(4)......نقع ماء (وہ تالاب یا جوہڑ جس پر لوگوں کا آنا جانا بہت کم یا معطل ہو)

وَأَخْرَجَ الطَّبَرَانِيُّ ((النَّهْيَ عَنْ قَضَاءِ الْحَاجَةِ تَحْتَ الْأَشْجَارِ الْمُثْمِرَةِ ، وَضَفَّةِ النَّهْرِ الْجَارِي)) . مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ .

اور طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں پھل دار درختوں کے نیچے اور بہتی نہر کے کنارے پر قضائے حاجت کرنے کی ممانعت کو روایت کیا ہے۔ [1]

شرح: ...... پانچویں ممنوعہ جگہ پھل دار درخت کے نیچے بول و براز کرنا ہے۔ البتہ اس میں یہ شرط یہ ہے کہ وہ درخت اور اس کے پھل مقصود ہوں چاہے اس کے پھل کھائے جاتے ہوں یا نہ کھائے جاتے ہوں۔ پھر اگر تو اس کے پھل کھائے جاتے ہیں تب یہ دوہری برائی ہوگی۔

(1)......ایک پھل کھانے والے کو ایذا دینے کی برائی۔

(2)......اور دوسرے خود پھلوں کے بول و براز سے آلودہ ہو کر گندا ہو جانے کی برائی جو حرام ہے کہ کھانے کو گندا کرنا حرام ہے۔ اسی لیے ہڈیوں کو استنجاء میں استعمال کرنا ممنوع ہے کیونکہ یہ ہمارے جن بھائیوں کی خوراک ہے [2] اور اگر وہ درخت ایسے ہوں جو جنگل بیابان میں ہوں جن کے پھلوں کا لوگ قصد ہی نہیں کرتے تو ان کے نیچے بول و براز کرنے میں کوئی حرج نہ ہوگا۔

چھٹی جگہ جاری پانی جیسے ندی، نالہ، کھالا وغیرہ کا کنارہ ہے جہاں بول و براز کرنا منع ہے۔

---

❶ المعجم الاوسط للطبرانی: 2392۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے "مجمع الزوائد" (204/1) میں اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

❷ اس تعلیل کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی "الصحیح" (3860) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلنَّهْرُ الْجَارِيْ: اس میں اَلْجَارِيْ صفتِ کاشفہ ہے کیونکہ نہر اور ندی نالہ ہوتا ہی وہ ہے جس کا پانی جاری ہو۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ احادیث اگرچہ ضعیف بھی ہوں تو تب بھی شریعتِ اسلامیہ کے قواعد عامہ یہ بات متعین کرتے ہیں کہ ''ہر وہ جگہ جو لوگوں کے استعمال میں آتی ہو چاہے وہ جگہ غیر مسلموں کی ہی کیوں نہ ہو، وہاں بول و براز کرنا منع ہوگا کیونکہ اس میں لوگوں کی ایذا رسانی ہے، جو حرام ہے۔''

قضائے حاجت کے وقت باتیں کرنے کا حکم

93- وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا تَغَوَّطَ الرَّجُلَانِ فَلْيَتَوَارَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَنْ صَاحِبِهِ وَلَا يَتَحَدَّثَا. فَإِنَّ اللّٰهَ يَمْقُتُ عَلَى ذٰلِكَ)).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب دو آدمی (کسی جگہ اکٹھے) قضائے حاجت کر رہے ہوں تو چاہیے کہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے سے چھپے اور وہ دونوں (آپس میں) باتیں (بھی) نہ کریں کیونکہ رب تعالیٰ اس بات پر بے حد ناراض ہوتے ہیں۔'' [1]

رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ السَّكَنِ، وَابْنُ الْقَطَّانِ، وَهُوَ مَعْلُولٌ.

اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے جبکہ ابن سکن اور ابن قطان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ البتہ یہ حدیث معلول ہے۔

غریب الحدیث :...... تَغَوَّطَ: یہاں فعل بمعنی ارادۂ فعل کے ہے۔ یعنی جب کوئی غائط کا یعنی قضائے حاجت کا ارادہ کرے۔ غائط اصل میں نشیبی اور ڈھلوان زمین کو کہتے ہیں۔ بعد میں یہ لفظ قضائے حاجت کے لیے بولا جانے لگا اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ پہلے گھروں میں بیت الخلاء نہیں ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ قضائے حاجت کے لیے نشیبی اور ڈھلوانی جگہوں کی طرف نکل جایا کرتے تھے تاکہ اس وقت میں لوگوں کی نظروں سے چھپے رہیں۔

فَلْيَتَوَارَ: یہ تَوَارٰی سے ہے۔ اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔ چھپنے سے مقصود ستر عورۃ ہے۔ لہٰذا اگر دوسرے پر ستر کھلنے کا اندیشہ ہو تو یہ تواری واجب ہوگی ورنہ مستحب ہوگی۔ وہ یوں کہ اگر دونوں ایک دوسرے کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھیں تو کسی کی نظر دوسرے کے ستر پر نہ پڑے گی۔

يَمْقُتُ: مَقْتٌ شدید ناراضی، سخت ناپسندیدگی اور بے حد نفرت کو کہتے ہیں۔

عَلٰى ذٰلِكَ: یعنی قضائے حاجت کے وقت ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے، دوسرے پر ستر عیاں کر کے باتیں کرنے کے فعل پر رب تعالیٰ بے حد ناراض ہوتے ہیں۔ پھر اگر تو ایک دوسرے پر ستر کھلا ہے تو ممانعت واضح ہے اور اگر ستر کھلا نہیں تب ممانعت کی وجہ یہ ہوگی کہ ایسی ناگوار حالت میں دونوں باتیں کرنے کی وجہ سے دیر تک بیٹھیں گے جو بے حد برا ہے۔

مضمونِ حدیث:...... اس حدیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ

---

[1] ہمیں یہ روایت حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے مسند احمد میں نہیں ملی۔ ''تحفۃ المحتاج'' (162/1) کے مولف لکھتے ہیں: ابن سکن نے اپنی کتاب ''السنن الصحاح الماثورۃ'' میں اس حدیث کو روایت کر کے کہا ہے کہ مجھے امید ہے کہ یہ حدیث صحیح ہوگی۔ البتہ ایسی ہی حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ''مسند احمد'' (36/3)، ''سنن ابی داود'' (15)، ''السنن الکبری للنسائی'' (32) میں بھی مروی ہے۔ جبکہ ''ابن حبان'' (1422)، ''ابن خزیمۃ'' (71) اور ''حاکم'' (260/1) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے ''المجموع'' (106/2) میں اس روایت کو حسن کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(1) ایک تو قضائے حاجت کے وقت دوسرے کے سامنے ستر کھولنا بے حد قابلِ نفرت اور رب تعالیٰ کی شدید ناراضی کا باعث فعل ہے جس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

(2) دوسرے ایسی حالت میں باتیں کرنے سے اس ناگوار فعل میں استمرار پیدا ہوگا جو مزید ناگوار فعل ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- دینِ اسلام زندگی گزارنے کے نہایت بلند اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے جو سراسر حیا اور شرم پر مبنی ہیں۔
- جب دو آدمی بیک وقت بول و براز کو جائیں تو ایک دوسرے سے اس قدر دُور ہو کر قضائے حاجت کریں کہ کسی کو دوسرے کا ستر نہ دیکھنے میں آئے اور نہ دونوں ایک دوسرے سے باتیں ہی کریں کہ ایسی دونوں حالتیں بنانا حرام ہے جن کا شمار کبائر میں سے ہے کیونکہ ان دونوں حالتوں پر ایک شدید وعید مرتب ہو رہی ہے اور وعید کبیرہ گناہ پر آتی ہے۔
- رب تعالیٰ کے لیے مقت ثابت ہے کہ وہ اپنے بعض بندوں پر شدید ناراض بھی ہوتا ہے جس کی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے البتہ صفتِ مقت کا رب تعالیٰ کی ذاتِ برحق سے صدور برحق ہے۔

پیشاب کرتے وقت شرم گاہ کو داہنے ہاتھ سے پکڑنے کی ممانعت کا بیان

94۔ وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يَمَسَّنَّ أَحَدُكُمْ ذَكَرَهُ بِيَمِيْنِهِ وَهُوَ يَبُوْلُ، وَلَا يَتَمَسَّحْ مِنَ الْخَلَاءِ بِيَمِيْنِهِ، وَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ))

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”تم میں سے کوئی پیشاب کرتے وقت اپنی شرم گاہ کو اپنا داہنا ہاتھ نہ لگائے اور نہ (بول و) براز کو اپنے داہنے ہاتھ سے دھوئے اور نہ (پانی پیتے وقت) برتن میں سانس ہی لے (یعنی برتن میں پھونک نہ مارے)۔“ [1]

یہ حدیث ”متفق علیہ“ ہے اور الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔

غریب الحدیث :...... **لَا يَمَسَّنَّ**: اس میں لَا نہی کا ہے اور فعل کا آخر نون تاکید کے متصل ہونے کی وجہ سے غیر مجزوم ہے۔

وَهُوَ يَبُوْلُ: یہ جملہ حالیہ ہے۔

لَا يَتَمَسَّحْ: تَمَسُّحٌ بِالْمَاءِ یہ پانی سے دھونے کو کہتے ہیں اور یہاں مراد استنجاء کرنا ہے چاہے وہ پانی سے ہو یا ڈھیلوں سے ہو۔

مِنَ الْخَلَاءِ: خلاء کا معنی خالی جگہ ہے لیکن یہاں مراد براز ہے بلکہ بول و براز ہے، کیونکہ بول و براز خالی اور خلوت کی جگہ میں کیا جاتا ہے۔ یعنی داہنے ہاتھ کے ساتھ بول و براز سے استنجاء نہ کیا جائے۔

لَا يَتَنَفَّسْ: مراد کسی چیز کو پیتے وقت اس میں سانس لینا یعنی اس میں پھونک مارنا ہے۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا کرتے وقت منہ کی کوئی چیز پینے کے مشروب میں گر جاتی ہے جو دوسروں کی اور خود اپنی بھی ناگواری کا سبب بنتی ہے۔

[1] صحیح البخاری: 153 - صحیح مسلم: 267

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درایتِ حدیث

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ نہی لا یَتَنَفَّسْ اور ماقبل کی دونوں نہیوں میں کیا مناسبت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ان دو قسم کی ممانعتوں کو جدا جدا سنا ہو پھر ان کو اختصار کی غرض سے ایک جگہ اکٹھے روایت کر دیا ہو اور ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے کھانے اور پینے کے نتیجہ میں لاحق ہونے والے بول و براز کی بابت دو ممانعتوں کو ذکر کیا تو خود پینے کی بابت بھی ایک ممانعت کو ذکر کر دیا۔

مضمونِ حدیث:...... مذکورہ حدیث میں بنیادی طور پر تین مسائل بیان کیے گئے ہیں: (1) پیشاب کرتے وقت اپنی شرم گاہ کو اپنے داہنے ہاتھ سے چھوا اور پکڑا نہ جائے۔ (2) نہ داہنے ہاتھ سے استنجاء ہی کیا جائے۔ (3) اور پیتے وقت برتن میں پھونک نہ ماری جائے کہ یہ تینوں باتیں منع ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اپنی شرم گاہ کو داہنے ہاتھ سے چھونا منع ہے، گو مذکورہ نہی صریح اور نونِ تاکید کے ساتھ مؤکد ہے جو تحریم کی متقاضی ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ نہی کراہت کے لیے ہے [1] کیونکہ مذکورہ نہی ادب کے باب سے ہے جبکہ ''ظاہریہ'' اس نہی کو تحریم کے لیے مانتے ہیں۔
- مذکورہ نہی پیشاب کرتے وقت شرم گاہ کو چھونے کی ہے جس کا مفہومِ مخالف بتلاتا ہے کہ پیشاب کرنے کے علاوہ کی حالت میں شرم گاہ کو داہنے ہاتھ سے چھو سکتے ہیں۔
- استنجاء بائیں ہاتھ سے کیا جائے کیونکہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنا منع ہے اور یہ نہی بھی بابِ ادب سے متعلق ہونے کی وجہ سے کراہت کے لیے ہے۔
- داہنا ہاتھ بہ نسبت بائیں ہاتھ کے خیر والا اور محترم ہے۔
- پیشاب کے لفظ کو صراحۃً بول سکتے ہیں کہ یہ خلافِ مروت و ادب نہیں۔
- پینے کے برتن میں کسی چیز کو پیتے وقت پھونک مارنا منع ہے، چاہے صرف اسی نے پیا ہو یا اس برتن سے کسی دوسرے نے بھی پینا ہو۔ کیونکہ مذکورہ نہی مطلق ہے جو دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ لہٰذا پانی کو تین سانسوں میں پینا چاہیے۔

داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنا منع ہے

95- وَعَنْ سَلْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((لَقَدْ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ، أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِيْنِ، أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِأَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ، أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِيْعٍ أَوْ عَظْمٍ))

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (ان باتوں سے) منع فرمایا کہ ''ہم بول و براز کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ (یا پیٹھ) کریں یا داہنے ہاتھ سے استنجاء کریں یا تین سے کم ڈھیلوں سے استنجاء کریں یا لید (گوبر وغیرہ) اور ہڈی کے ساتھ استنجاء کریں۔'' [2]

---

[1] روضة الطالبين للنووي: 340/7- المغني: 222/7.

[2] صحيح مسلم: 262.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ مُسْلِمٌ . اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث : ......نَهَانَا: یہ صحابی رسول کا قول ہے اور اس کی بحث گزر چکی ہے کہ جب ایک صحابی رضی اللہ عنہ یہ کہے کہ "ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا" تو وہ نہی وجوب کے لیے ہوتی ہے۔

اَلْإِسْتِنْجَاءُ: یہ بدن سے نجاست کے دُور کرنے کو کہتے ہیں۔

اَلرَّجِيعُ: لید اور گوبر وغیرہ۔ مینگنی بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

قصۂ حدیث :......حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث ایک مشرک پر رد کرتے ہوئے بیان کی تھی، جب اس نے مذاق اڑاتے ہوئے یہ کہا کہ تمہارا پیغمبر تو تمہیں بول و براز کرنے کے طریقے بھی سکھاتا ہے؟ تو انہوں نے فخر سے فرمایا کہ "ہاں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ان باتوں تک کے آداب تعلیم فرماتے ہیں۔"

مضمونِ حدیث :......مذکورہ حدیث میں بھی بول کرنے کے چند مزید آداب بیان کیے گئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ بول و براز کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ نہ کیا جائے۔ یہ ممانعت قبلہ کی تعظیم و تکریم کی بنا پر ہے۔ کیونکہ قبلہ شہادتین کے بعد رب تعالیٰ کی سب سے اہم عبادت یعنی نماز ادا کرنے کی جانب ہے کہ نماز کو قبلہ کی طرف رخ کر کے ادا کیا جاتا ہے۔ دوسرا ادب اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ تین سے کم ڈھیلوں کے ساتھ استنجاء نہ کیا جائے۔ البتہ لفظ استنجاء سے یہ مفہوم مستفاد ہوتا ہے کہ یہ استجمار ازالۂ نجاست کے لیے ہوگا اور یہ اس وقت ہے جب براز میں تری اور رطوبت ہو، لہٰذا اگر براز بالکل خشک ہو تو ازالۂ نجاست کی چنداں ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے ایک یا دو ڈھیلوں پر بھی اکتفا کر سکتے ہیں کہ خشک براز کی صورت مذکورہ حدیث کے تحت داخل ہی نہیں۔

تیسرا ادب یہ ذکر کیا گیا ہے کہ لید اور ہڈی وغیرہ کے ساتھ استنجاء نہ کیا جائے، کیونکہ لید اور گوبر جنوں کے جانوروں کی اور ہڈی خود جنوں کی خوراک ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- شریعت اسلامیہ نے بندوں کی ضرورت کے جملہ آداب کی ان کو تعلیم دی ہے حتیٰ کہ قضائے حاجت اور استنجاء وغیرہ کے آداب بھی تعلیم فرمائے ہیں۔
- قبلہ کی جانب منہ کر کے بول و براز کرنا حرام ہے۔ کیونکہ اس کی نہی آ گئی ہے اور نہی میں اصل تحریم ہے۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ بول و براز کرتے وقت سورج اور چاند کی طرف منہ کرنا جائز ہے کیونکہ اہل مدینہ کا قبلہ جنوب کی جانب تھا۔ تو جب شمال کی جانب منہ کرنے کی ممانعت ہوگئی تو لامحالہ وہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کریں گے جو آفتاب کے طلوع و غروب کے مواقع ہیں۔ جس سے معلوم ہوگیا کہ بول و براز کے وقت آفتاب کی طرف منہ کرنا جائز ہوا اور چاند سورج کے تابع ہے۔
- داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنا منع اور حرام ہے۔ کیونکہ مذکورہ ممانعت گزشتہ ممانعت کے سیاق میں ہے لہٰذا دونوں کا حکم حرمت میں ایک ہوگا۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ داہنا ہاتھ محترم ہے اور قابلِ احترام کاموں کے لیے ہے۔
- ڈھیلوں سے استنجاء ... استعمال کا مدار نجاست کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رطوبت یا یبوست پر، یا قلت اور کثرت پر ہے۔ البتہ تین کا عدد، غالب یہ ہے کہ ازالۂ نجاست میں موثر ہے۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تین اطراف والے ایک ہی ڈھیلے سے بھی استنجاء جائز ہے چنانچہ وہ اس کی تینوں اطراف کو باری باری استعمال کرے گا۔ گو تین کونوں والا ڈھیلا ہونا، پھر مل بھی جانا نادر ہے۔

- لید، گوبر اور مینگنی وغیرہ سے استنجاء منع ہے کیونکہ بالفرض اگر یہ پاک بھی ہوتے تو بھی یہ جنات کے بہائم کی غذا ہیں، لیکن دراصل یہ نجس ہیں اور نجاست تطہیر کا باعث نہیں ہوا کرتی۔
- ہڈی سے بھی استنجاء کرنا منع ہے کیونکہ یہ جنوں کی خوراک ہے اس لیے ان کی خوراک کو برباد کرنا درست نہیں۔ چاہے یہ ہڈی مردار کی ہو یا ذبح شدہ جانور کی اور ماکول اللحم کی ہو یا غیر ماکول اللحم کی۔ کیونکہ مردار اور غیر ماکول اللحم کی ہڈی نجس بھی ہوتی ہے اور نجس آلہ تطہیر نہیں بن سکتا اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ غیر کے حق پر عدوان اور زیادتی ناجائز ہے۔
- جب جنوں کے چوپایوں کی غذا برباد کرنے کی ممانعت ہے تو انسانوں کے چوپایوں کی غذا برباد کرنا بدرجۂ اولیٰ منع ہوگا۔ لہٰذا جو چیزیں جانوروں کی غذا بنتی ہیں ان سے بھی استنجاء کرنا ناجائز ہوگا۔ اسی طرح انسانی خوراک کو بھی استنجاء میں استعمال کرنا بدرجۂ اولی حرام اور ناجائز ہوگا۔
- ٹشو پیپر کو استنجاء میں استعمال کرنا جائز ہوگا کیونکہ وہ پاک بھی ہے اور نجاست کو زائل بھی کر دیتا ہے دوسرے معمولی ہونے کی وجہ سے کسی نفیس استعمال میں بھی نہیں آتا۔
- شیشہ، لوہا، لکڑی اور اسی طرح کی ہر دھاری دار اور چکنی شے سے استنجاء جائز نہ ہوگا، کیونکہ ایک تو یہ اشیاء ازالۂ نجاست میں موثر نہیں، دوسرے ضرر رساں بھی ہیں۔

بول و براز کے وقت قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ کرنا منع ہے

96- وَلِلسَّبْعَةِ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ أَيُّوْبَ رضی اللہ عنہ: ((لَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا وَلَكِنْ شَرِّقُوْا أَوْ غَرِّبُوْا)).

ائمہ سبعہ نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے): ”بول و براز کرتے وقت قبلہ کی طرف نہ منہ کرو اور نہ پیٹھ کرو، البتہ مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف منہ کرو۔“ ❶

غریب الحدیث:...... اَلْقِبْلَة: یہ کعبہ یا اس کی جہت کو کہتے ہیں۔

وَلٰكِنْ شَرِّقُوْا اَوْ غَرِّبُوْا: یہ اہل مدینہ کے اعتبار سے ہے۔ اسی طرح جن کا قبلہ اہل مدینہ کے قبلہ کی جانب ہے ان کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ کیونکہ اہل مدینہ کا قبلہ جنوب کی جانب تھا۔ تب پھر یہ حکم خاص اہل مدینہ یا ان جیسے دوسرے لوگوں کے لیے ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں زائد امر یہ ہے کہ بول و براز کرتے وقت قبلہ کی طرف پیٹھ بھی نہ کی جائے بلکہ اسے یا تو اپنے دائیں طرف لے لیا جائے یا بائیں طرف۔ غرض اصل حکم جہات کے اعتبار سے نہیں بلکہ استقبال اور

❶ صحيح البخاري: 144، صحيح مسلم: 264- مسند احمد: 421/5- سنن ابی داود: 9- جامع الترمذی: 8- سنن النسائی: 22/1- سنن ابن ماجه: 318.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استدبار کی ممانعت کے اعتبار سے ہے چنانچہ بول و براز کے وقت جس طرف بھی منہ کرنے سے قبلہ کی جانب استقبال یا استدبار سے حفاظت حاصل ہوتی ہو، اس طرف منہ کر کے قضائے حاجت کی جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

ذیل میں چند مزید فوائد کو درج کیا جاتا ہے:

- معلوم ہوا کہ یہ ممانعت صرف بول و براز کرتے وقت کی ہے لہٰذا قبلہ کی طرف منہ کر کے یا پیٹھ کر کے استنجا کر سکتے ہیں لہٰذا جن علماء ❶ نے استنجاء کے وقت بھی استقبال قبلہ یا استدبار کو مکروہ کہا ہے، وہ اس کی دلیل پیش کریں۔
- اولیٰ یہ ہے کہ بول و براز کے وقت قبلہ آدمی کی داہنی یا بائیں جانب ہو۔
- معمولی انحراف جہت کی مخالفت متصور نہیں ہوتا۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نماز کے دوران قبلہ کی طرف سے معمولی انحراف مضر نہیں۔
- بعض امت کے ساتھ خاص حکم کو الفاظ کے عموم کے ساتھ بھی بیان کر سکتے ہیں جیسا کہ مذکورہ حکم صرف اہل مدینہ یا ان کی جہت میں رہنے والوں کے لیے ہے لیکن بیانِ حکم کے وقت خطاب عام ہے۔
- بول و براز کے وقت قبلہ کے استقبال یا استدبار کی ممانعت کا حکم کھلے میدان اور بند کمرے دونوں کے لیے یکساں ہے۔ یہی قول راجح اور صحیح ہے۔ لہٰذا جن لوگوں نے بیت الخلاء قبلہ کے رخ پر بنا لیے ہیں ان کو لازم ہے وہ ان کو توڑ کر ان کی جہت درست کریں۔

قضائے حاجت کے وقت بھی ستر چھپانا لازم ہے

97- وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ أَتَى الْغَائِطَ فَلْيَسْتَتِرْ)).

رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو قضائے حاجت کے لیے آئے تو چاہیے کہ وہ (فراغت کے لیے ستر کھولتے وقت دوسروں سے اپنے ستر کا) پردہ کرے۔'' ❷

اس حدیث کو امام ابوداود رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ...... اَلْغَائِط: اس کی تحقیق گزر چکی ہے کہ یہ ایسی نشیبی اور ڈھلوانی جگہ کو کہتے ہیں جس کی اوٹ پردہ کا باعث بن جاتی ہے۔

فَلْيَسْتَتِرْ: اس میں لام لامِ امر ہے۔ جو وجوب کے لیے ہے اور اس پر داخل فَا جواب شرط پر داخل حرف رابطہ ہے۔ کیونکہ مَنْ اَتٰی میں مَنْ شرطیہ ہے۔

---

❶ جیسا کہ علامہ شربینی رحمہ اللہ نے "الاقناع" (56/1) میں قبلہ کی طرف پیٹھ یا منہ کر کے استنجاء کرنے کو مکروہ کہا ہے۔

❷ ہمیں سنن ابی داود میں یہ حدیث سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے تو نہیں ملی البتہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ملی ہے۔ (دیکھیں: سنن ابی داود: 35۔ مسند احمد: 371/2) ابن حبان نے اپنی "الصحیح" (1410) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے جبکہ امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (95/2) میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "التلخیص الحبیر" (102/1) میں اس روایت کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون حدیث :......قضائے حاجت کے وقت ستر کا کھلنا ناگزیر ہے۔اسی لیے ایسی جگہ جانے کا حکم ہے جہاں کسی کی نگاہ آدمی کے ستر پر نہ پڑ سکے کیونکہ ستر عورت ہر حال میں واجب ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اگر رفع حاجت کی جگہ گھر میں نہ ہو تو جنگل وغیرہ کی طرف نکل کر حاجت رفع کر سکتے ہیں جیسا کہ پہلے زمانہ میں لوگ کیا کرتے تھے اور اس غرض کے لیے ایسی اوٹ کی جگہ ڈھونڈے جہاں ستر کی حفاظت رہے۔ کیونکہ سترِ عورت ہر حال میں واجب ہے۔

قضائے حاجت کے بعد کی دعا

98- وَعَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْغَائِطِ قَالَ: ((غُفْرَانَكَ)).

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بیت الخلاء سے (رفع حاجت کے بعد) باہر تشریف لاتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے:((غُفْرَانَكَ)) (یعنی اے اللہ! میں تجھ سے تیری پوری پوری مغفرت کا طالب ہوں)۔ [1]

أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ. وَصَحَّحَهُ أَبُوْ حَاتِمٍ وَّالْحَاكِمُ.

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے اور ابو حاتم اور حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث :...... كَانَ اِذَا خَرَجَ: یہاں خروج سے بالفعل خروج مراد ہے۔ یعنی آپ ﷺ بیت الخلاء سے نکل آنے کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے۔

غُفْرَانَكَ : غُفْرَان رجحان اور شکران کی طرح مصدر ہے اور یہ فعل محذوف کی بنا پر منصوب ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ غُفْرَانَكَ ''اے اللہ! میں تجھ سے تیری مغفرت کا طالب ہوں۔''

اس دعا مانگنے کی بابت ایک قول یہ ہے کہ چونکہ آپ ﷺ قضائے حاجت کے دوران ذکر اللہ نہ کر پاتے تھے، اس لیے اس وقت کے ذکر سے خالی گزرنے پر آپ ﷺ استغفار فرماتے تھے۔ مضمونِ حدیث واضح ہے کہ اس حدیث میں قضائے حاجت سے فراغت کے بعد کی دعا تعلیم فرمائی گئی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- سنت نبوت کی اتباع میں بیت الخلاء سے نکل کر یہ دعا غُفْرَانَكَ ضرور پڑھی جائے۔
- مغفرت جہاں گناہوں پر رب تعالیٰ کی ستاری کے معنی کو شامل ہے وہیں گناہوں سے درگزر فرمانے کے معنی کو بھی شامل ہے۔

تین ڈھیلوں سے استنجاء کرنا

99- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((أَتَى

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ (ایک

---

[1] مسند احمد: 155/6۔ سنن ابی داود: 38۔ جامع الترمذی: 7۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو غریب اور حسن کہا ہے۔ السنن الکبری للنسائی: 9907۔ سنن ابن ماجہ: 300۔ ''العلل لابن ابی حاتم'' (43/1) میں ہے کہ ابو حاتم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ المستدرک للحاکم: 261/1.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

النَّبِيُّ ﷺ الْغَائِطَ ، فَأَمَرَنِيْ أَنْ آتِيَهُ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ ، فَوَجَدْتُ حَجَرَيْنِ ، وَلَمْ أَجِدِ الثَّالِثَ ، فَأَتَيْتُهُ بِرَوْثَةٍ ، فَأَخَذَهُمَا وَأَلْقَى الرَّوْثَةَ ، وَقَالَ : ((هٰذَا رِجْسٌ أَوْ رِكْسٌ)) .

مرتبہ) نبی کریم ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے (جبکہ میں خدمت کے لیے آپ ﷺ کے ہمراہ تھا) تو آپ ﷺ نے (جانے سے قبل) مجھے اس بات کا حکم ارشاد فرمایا کہ میں آپ ﷺ کے پاس تین ڈھیلے لے آؤں۔ پس (میں ڈھیلوں کی تلاش میں نکلا تو) مجھے دو ڈھیلے تو مل گئے جبکہ تیسرا نہ ملا تو میں (تیسرے ڈھیلے کی جگہ) ایک (سوکھی) لید لے آیا۔ پس آپ ﷺ نے ان دونوں ڈھیلوں کو تو لے لیا جبکہ اس لید کو پھینک دیا اور فرمایا کہ ''یہ ''رِجْس'' یا (فرمایا کہ یہ) ''رِکْس'' ہے۔''❶

أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ . وَزَادَ أَحْمَدُ وَالدَّارَقُطْنِيّ ((ائْتِنِيْ بِغَيْرِهَا)) .

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ اور امام دارقطنی رحمہ اللہ نے (اس روایت میں) یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں: ''میرے پاس اس (لید) کے علاوہ (تیسرا ڈھیلا) لے کر آؤ۔''❷

غریب الحدیث:...... بِرَوْثَةٍ: روثہ یہ ایک لید کو یا ایک بار کی لیدوں کو کہتے ہیں۔ یہاں ایک لید مراد ہے اور یہ لید گدھے کی تھی۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اسے ناپاک کہہ کر پھینک دیا تھا۔

هٰـــذَا: اگرچہ اس کا مشارٌ الیہ رَوْثَة کا لفظ ہے جو مونث ہے لیکن یہاں مذکر کا صیغہ خبر کے اعتبار سے لائے ہیں جو رجس یا رکس کا لفظ ہے جو مذکر ہے۔

رِجْسٌ: گندگی، نجاست

رِکْسٌ: گندگی، پلیدی۔ یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں (اس لیے بندہ عاجز نے متنِ حدیث کے ترجمہ میں ان کو بعینہٖ لکھ کر یہاں غریب الحدیث کے تحت واضح کیا ہے کہ یہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں۔ [نسیم])

مضمون حدیث:...... اس حدیث میں یہ ادب تعلیم کیا گیا ہے کہ استجمار (ڈھیلوں کا استنجاء کے لیے استعمال) ازالۂ نجاست کے لیے ہے اور آلۂ تطہیر کا خود پاک ہونا لازم و واجب ہے۔ پس جو شے خود نجس ہو اس سے تطہیر حاصل نہیں ہوتی۔ اسی لیے استجمار میں نجس اشیاء کا استعمال ممنوع ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا شمار خادمانِ رسالت میں ہوتا ہے جو بے حد فضیلت و منقبت اور سعادت و نجابت کی بات ہے۔

◈ آزاد لوگوں سے بھی خدمت لینا جائز ہے اور ان سے ایسا سوال مذموم سوال میں داخل نہیں۔

---

❶ صحيح البخاري: 156.

❷ مسند احمد: 450/1 اور وہاں اِئْتِنِيْ بِحَجَرٍ (میرے پاس ڈھیلا لے کر آؤ) کے الفاظ ہیں۔ سنن الدار قطني: 55/1۔ دارقطنی کہتے ہیں: اس حدیث میں علماء کا ابو اسحاق پر جا کر اختلاف ہے اور میں نے اور بھی متعدد مواقع پر اس اختلاف کو بیان کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- طہارت میں غیر سے مدد لینا جائز ہے۔
- اگر قیاس نص کے معارض ہو تو ردّ اور باطل ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب اجتہاد کر کے سوکھی لید کو ڈھیلے پر قیاس کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قیاس کو ردّ فرمایا البتہ مجتہد ہونے کی بنا پر ان کی سرزنش نہ فرمائی۔ بلاشبہ یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارمِ اخلاق میں سے ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر مجتہد سے خطا ہو جائے تو اس کی ملامت نہ کی جائے گی۔
- استجمار کتنے ڈھیلوں سے ہو اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔
- ڈھیلوں کا استعمال ازالۂ نجاست میں معتبر ہے۔ لہٰذا بعد میں پانی نہ بھی استعمال کیا جائے تو جائز ہے۔ چنانچہ اگر بعد میں پسینہ وغیرہ سے مقعد کی جگہ تر ہو کر کپڑوں یا بدن کو لگ جاتی ہے تو راجح اور متعین قول یہ ہے کہ بدن وغیرہ ناپاک نہ ہو گا۔
- لید، گوبر وغیرہ نجس اور پلید ہیں۔ البتہ ماکول اللحم جانوروں کی لید پاک ہے۔

ہڈی اور لید سے استنجاء کرنا منع ہے

100- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِعَظْمٍ أَوْ رَوْثٍ، وَقَالَ: ((إِنَّهُمَا لَا يُطَهِّرَانِ)) .

رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَصَحَّحَهُ .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ ''ہڈی یا لید سے استنجاء کیا جائے اور فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں (نجاست کو) پاک نہیں کرتیں۔'' [1]

اس حدیث کو امام دارقطنی نے روایت کر کے اسے صحیح کہا ہے۔

پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کا حکم

101- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((اسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ ، فَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ)) .

رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ .

وَلِلْحَاكِمِ: ((أَكْثَرُ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنَ الْبَوْلِ)) .

وَهُوَ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''پیشاب (کرتے وقت اس کے چھینٹوں) سے بچو کیونکہ قبر کا عذاب زیادہ تر اسی (کی وجہ) سے ہوتا ہے۔'' [2]

اس حدیث کو امام دارقطنی نے روایت کیا ہے۔

اور امام حاکم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''قبر کا عذاب اکثر پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے۔'' [3]

اس روایت کی اسناد صحیح ہے۔

غریب الحدیث :...... اِسْتَنْزِهُوا: یہ نزاہت سے مشتق ہے۔ یعنی نزاہت طلب کرو۔ نزاہت پاکی اور صفائی کو

---

[1] سنن الدارقطني: 56/1- امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی اسناد صحیح ہے۔ (دیکھیں: المجموع: 135/2)
[2] سنن الدارقطني: 128/1- امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ یہ روایت مرسل ہے۔
[3] مستدرك الحاكم: 293/1- امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے اس روایت کی کوئی علت معلوم نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ پیشاب کے چھینٹوں سے بچو تا کہ پاکی حاصل ہو۔ یہاں امر وجوب کے لیے ہے اور اس باب میں قلیل وکثیر سب کا حکم ایک ہے۔ لہٰذا پیشاب کے معمولی چھینٹے بھی معاف نہیں، ان سے بچنا واجب ہے۔

مِنَ الْبُوْلِ: بظاہر اس سے پیشاب کا عموم معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کا پیشاب ناپاک ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ صحیحین کی روایت میں ''مِنْ بَوْلِهِ'' کے الفاظ ہیں کہ ان دو قبر والوں کو اس لیے عذاب ہو رہا تھا کیونکہ وہ اپنے پیشاب سے نہ بچتے تھے۔ تب پھر مراد اپنا پیشاب ہے کہ وہ نجس ہے، اسی طرح حرام جانوروں کا پیشاب بھی نجس ہے۔ البتہ حلال جانور کا پیشاب پاک ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے عرنیین کو اونٹوں کا پیشاب پینے کا حکم دیا تھا اور اس سے بچنے کو نہ فرمایا تھا۔ اس توجیہ کی بنا پر مِنَ الْبَوْلِ میں الف لام عہد ذہنی کا ہوگا۔

مضمونِ حدیث:...... اس حدیث میں رفعِ حاجت کے ایک اور اہم ادب کی تعلیم دی گئی ہے، وہ یہ کہ پیشاب کرتے وقت اس کے چھینٹوں سے تاکید کے ساتھ بچا جائے کہ یہ واجب ہے۔ کیونکہ وہ ناپاک ہوتے ہیں اور اکثر عذابِ قبر کا بھی باعث ہیں جس سے یہ معلوم ہوا کہ مِنَ الْبَوْلِ میں الف لام عہد ذہنی کا ہے کہ یہ عذاب مومنوں کے اعتبار سے ہے وگرنہ کفار ومشرکین کو قبر اور جہنم میں ان کے کفر وشرک کی وجہ سے عذاب ہوگا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- پیشاب کے چھینٹوں سے بچنا واجب ہے اور معمولی چھینٹے بھی معاف نہیں۔ جس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے میں احتیاط نہ کرنا کبائر میں سے ہے کیونکہ وعید کبیرہ گناہ پر مرتب ہوتی ہے۔ البتہ جسے سلسل البول کا مرض ہو وہ اس وعید سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ معذور ہے اور پیشاب سے آدمی اور حرام جانوروں کا پیشاب مراد ہے۔ یہی صحیح اور راجح قول ہے۔
- معلوم ہوا کہ عذابِ قبر ثابت ہے، قرآن وسنت کی متعدد نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں جن کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔
- حضرت رسالت مآب ﷺ اپنی امت کی دنیا وآخرت کی حفاظت وحمایت کے بے حد حریص تھے اس لیے آپ ﷺ نے امت کو ہر اس بات سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی جو دنیا یا آخرت میں نقصان دیتی ہو۔

رفعِ حاجت کے لیے بیٹھنے کا طریقہ

102- وَعَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْخَلَاءِ أَنْ نَقْعُدَ عَلَى الْيُسْرٰى، وَنَنْصِبَ الْيُمْنٰى)).

حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں (بیت) الخلاء (میں قضائے حاجت کے لیے بیٹھنے) کا طریقہ تعلیم (فرماتے ہوئے ارشاد) فرمایا کہ ''ہم (اس دوران) اپنی بائیں ٹانگ پر بیٹھیں اور داہنی ٹانگ کو کھڑا رکھیں۔'' [1]

رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ.

اس حدیث کو بیہقی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

---

[1] سنن البيهقی: 96/1 عن رجل من بنی مُدْلِج عن ابيه۔ حازمی کہتے ہیں کہ اس باب میں اس کے علاوہ اور کوئی حدیث نہیں اور اس حدیث کا بھی یہ حال ہے کہ یہ ضعیف ہے منقطع ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرح :...... مذکورہ حدیث میں بائیں ٹانگ بچھا کر بیٹھنے کا ذکر ہے۔ بلاشبہ یہ طریقہ پُر مشقت ہے۔ بالخصوص قبض کا مریض اگر اس حالت پر دس پندرہ منٹ بیٹھے گا تو اسے بڑی تکلیف ہوگی۔ اس لیے اللہ کا شکر ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ لہٰذا ہم اس حدیث سے استدلال کر کے اس طریقہ کو مسنون نہ کہیں گے۔ حضرات فقہاء نے اس باب میں یہ طریقہ لکھا ہے کہ آدمی بائیں ٹانگ پر ٹیک لگائے یعنی اس ٹانگ پر زور دے کر بیٹھے اور داہنی کو اعتدال کے ساتھ کھڑا رکھے۔ بلاشبہ اس طریقہ میں راحت ہے۔ یہاں اطباء وغیرہ کی رائے سے مناظرہ و مجادلہ کا بھی محل نہیں کیونکہ یہ حدیث ہی ضعیف ہے۔ اس باب میں اصح قول یہ ہے کہ جس طریقہ سے بدن کو راحت، نجاست سے حفاظت اور اجابت میں سہولت ہو، اسی طریقہ پر رفعِ حاجت کرے۔ و اللہ اعلم.

103- وَعَنْ عِيسَى بْنِ يَزْدَادَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ فَلْيَنْتُرْ ذَكَرَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ)) .

عیسیٰ بن یزداد اپنے والد (ماجد حضرت یزداد رضی اللہ عنہ) سے بیان کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو چاہیے کہ وہ اپنی شرم گاہ کو تین بار زور سے کھینچے۔'' ❶

رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ .

اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... **يَزْدَاد**: یہ لفظ عِلمیّت اور وزنِ فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

فَلْيَنْتُرْ : نتر کھینچے یا زور سے جھٹکنے کو کہتے ہیں۔ گویا کہ اپنی شرم گاہ کو تین بار بھینچ کر کھینچے تا کہ اس کی رگوں میں موجود باقی کا پیشاب بھی باہر نکل آئے۔ اگرچہ اس حدیث میں بھی رفعِ حاجت کے ایک ادب کی تعلیم ہے جس سے بدن اور کپڑوں کے پیشاب سے آلودہ ہو جانے سے بظاہر حفاظت نظر آتی ہے۔ لیکن یہ حدیث بھی ضعیف ہے لہٰذا ایسا کرنا مسنون نہ ہوگا۔ جبکہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کے غیر صحیح ہونے کی بنا پر "نَتْر" کو بدعت کہا ہے۔ کیونکہ بسا اوقات یہ عادت انسان کو وہمی اور وسواسی بنا دیتی ہے جس کا مشاہدہ عام ہے۔ البتہ جن کو نتر کی عادت پڑ گئی ہو ان کے لیے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن ایسا کوئی کوئی ہوتا ہے۔ اسی لیے عمومی حکم یہ ہے کہ ایسا نہ کیا جائے۔

ڈھیلوں کے بعد پانی کے استعمال کا حکم

104,105- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَأَلَ أَهْلَ قُبَاءٍ، فَقَالَ: ((إِنَّ اللّٰهَ يُثْنِي عَلَيْكُمْ)) فَقَالُوا: ((إِنَّا نُتْبِعُ الْحِجَارَةَ الْمَاءَ))

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل قباء سے دریافت فرمایا کہ رب تعالیٰ تم لوگوں کی تعریف بیان کرتے ہیں (بھلا بتلاؤ تو کہ تم لوگ ایسا کون سا عمل کرتے ہو؟) ان لوگوں نے عرض کیا: ''ہم (استنجاء کرتے وقت) ڈھیلوں کے (استعمال کے) پیچھے پانی استعمال کرتے ہیں۔'' ❷

---

❶ سنن ابن ماجه: 326۔ مسند احمد: 347/4۔ ابن ابی حاتم "المراسيل" (ص: 238) پر کہتے ہیں: میرے والد بیان کرتے ہیں کہ یزداد صحابی نہ تھے اور "العلل" (41/1) میں کہتے ہیں: میرے والد کہتے ہیں کہ ''عیسیٰ اور ان کے والد یزداد دونوں مجہول ہیں۔'' امام بخاری رحمہ اللہ "التاریخ" (391/6) میں کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح نہیں۔ (دیکھیں: المیزان للذهبی: 394/5۔ المجموع: 110/2)

❷ مسند البزار: (247-کشف) علامہ ہیثمی رحمہ اللہ "مجمع الزوائد" (212/1) میں کہتے ہیں: ''اس حدیث کی اسناد میں محمد بن عبدالعزیز بن عمر زہری ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ اور امام نسائی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ الْبَزَّارُ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ، وَأَصْلُهُ فِي أَبِي دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيِّ،

اس حدیث کو بزار نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس حدیث کی اصل سنن ابی داؤد اور جامع الترمذی میں ہے۔ ❶

وَ صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ بِدُونِ ذِكْرِ الْحِجَارَةِ .

اور اس روایت کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح کہا ہے جس میں ڈھیلوں کا ذکر نہیں ہے۔ ❷

غریب الحدیث : .....**قُبَاء**: مدینہ کے جنوب مشرق میں واقع ایک مشہور مقام جہاں مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلا پڑاؤ ڈالا تھا اور یہاں ایک مسجد بھی تعمیر فرمائی تھی جو مسجد قباء کے نام سے مشہور ہے۔ ہر ہفتہ کے روز نبی کریم ﷺ پیدل یا سوار ہو کر اس میں جا کر نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ ❸

مضمون حدیث :.....اس حدیث میں استنجاء کرتے ہوئے ڈھیلوں کے استعمال کے بعد پانی کے استعمال کی بھی تعریف کی گئی ہے کہ اس میں زیادہ نظافت اور طہارت ہے۔ اہل قباء ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے ان لوگوں کی بایں الفاظ تعریف فرمائی:

﴿لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ٥﴾ (التوبۃ: 108)

''یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی زیادہ حق دار ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو۔ اس میں ایسے مرد ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ بہت پاک رہیں اور اللہ بہت پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

ان لوگوں کی اس تعریف پر نبی کریم ﷺ نے ان سے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے بتلایا کہ وہ پہلے ڈھیلوں سے استنجاء کرتے ہیں پھر اس کے بعد پانی سے بھی استنجاء کرتے ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- استنجاء کرنے میں ڈھیلوں اور پانی دونوں کے استعمال کو جمع کرنا، ان میں سے کسی ایک پر اقتصار کرنے سے افضل ہے اور اگر دونوں میں سے کسی ایک پر ہی اقتصار کرنا ہو تو پھر صرف پانی پر ہی اقتصار کرنا افضل ہے کیونکہ مطلوب ازالہ نجاست اور نظافت ہے جو بہ نسبت ڈھیلوں کے پانی سے زیادہ حاصل ہوتی ہے۔
- نبی کریم ﷺ عالم الغیب نہیں اسی لیے آپ ﷺ نے ان حضرات سے ان کے اس خاص فعل کو دریافت فرمایا جو ثنائے باری تعالیٰ کا موجب بنا۔
- بسا اوقات اعلیٰ مرتبہ والا اپنے سے کم مرتبہ والوں سے بھی مستفید ہوتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ تطہر کے اس طریق کو نہ جانتے تھے جو آپ ﷺ کو اہل قباء سے معلوم ہوا۔ اس لیے آدمی کو چاہیے کہ وہ کسی کو حقیر اور کم تر نہ جانے۔

---

❶ سنن ابی داود: 44۔ جامع الترمذی: 3100 من حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔ امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (18/2) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

❷ صحیح ابن خزیمۃ: 45/1.

❸ صحیح البخاری: 1192، صحیح مسلم: 1399.

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ رب تعالیٰ کے اُن افعال کی رب تعالیٰ کی ذات کی طرف اسناد درست ہے جو صریح اور صحیح ہوں چاہے ان کا کتاب و سنت میں ذکر نہ بھی آتا ہو۔ چنانچہ رب تعالیٰ ہی کائنات کے ہر فعل کا خالق ہے لہٰذا ان افعال کی رب تعالیٰ کی طرف اسناد درست ہے۔

◈ رب تعالیٰ نے ''اول دن سے تقویٰ کی بنیادوں پر تعمیر ہونے والی مسجد'' مسجد قباء کو فرمایا ہے جبکہ ایک صحیح حدیث میں وارد ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''وہ مسجد میری یہ مسجد ہے۔'' ❶ لیکن یہ ظاہری تعارض ہے نہ کہ حقیقی۔ وہ یوں کہ مدینہ میں مستقل قیام کے لیے دخول سے قبل سب سے پہلے تعمیر کی جانے والی مسجد مسجد قباء ہے جبکہ مدینہ داخل ہو کر آپ ﷺ نے سب سے پہلے مسجد نبوی کو ہی تعمیر فرمایا۔ پس مسجد قباء کی اوّلیت حقیقی جبکہ مسجدِ نبوی کی اولیت اضافی ہے۔

صحیح ابن خزیمہ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ قباء صرف پانی سے پاکی حاصل کرتے تھے اور ڈھیلے استعمال نہ کیا کرتے تھے لیکن بات وہ ہے جو ابھی بیان ہوئی کہ افضل ڈھیلوں اور پانی دونوں کو جمع کرنا ہے۔ پھر صرف پانی کا استعمال افضل ہے جبکہ صرف ڈھیلوں کا مرتبہ تیسرے درجہ پر ہے۔ یاد رہے کہ افضلیت کی یہ ترتیب منصوص نہیں بلکہ طہارت کے معنی سے ماخوذ ہے۔ یہاں پر آ کر "باب الاستنجاء" ختم ہوا چاہتا ہے۔

8۔ بَابُ الْغُسْلِ وَ حُكْمِ الْجُنُبِ ...... غسل کے اور جنبی کے احکام کا بیان

تمہید: ...... اس باب میں غسل کے موجبات اور غسل کرنے کے طریقہ کو اور اس کے ساتھ ساتھ جنبی سے متعلقہ احکام کو بیان کیا جا رہا ہے۔ ذیل میں غسل کا معنی اور جنبی کی حقیقت کو ذکر کیا جاتا ہے۔

اَلْغُسْلُ: اس میں تین لغات ہیں یعنی اس کی غین پر فتحہ، ضمہ اور کسرہ تینوں کو پڑھا جاتا ہے جن کے معانی جدا جدا ہیں۔ چنانچہ:

اَلْغَسْلُ: فتحہ کے ساتھ۔ یہ پاک کرنے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں: غَسَلْتُ ثَوْبِي غَسْلًا. ''میں نے اپنا کپڑا دھویا اور پاک کیا۔''

اَلْغُسْلُ: ضمہ کے ساتھ۔ یہ پانی کے استعمال کرنے یعنی مخصوص شرعی طریق سے نہانے کو کہتے ہیں جسے غُسل کہتے ہیں۔

اَلْغِسْلُ: کسرہ کے ساتھ۔ یہ غسل کی تکمیل اور نظافت کو اور زیادہ کامل بنانے کے لیے پانی میں ملائی جانے والی چیز جیسے اُشنان وغیرہ کو کہا جاتا ہے۔ ان چیزوں کو غِسل کہتے ہیں۔

اَلْجُنُبُ: ہر وہ شخص جو جماع کرنے یا انزال و احتلام ہو جانے کی وجہ سے جنبی ہو گیا ہو اس کو جُنُبٌ کہا جاتا ہے۔ اس کی اصل جَانَبَ الْمَاءَ مَحَلَّهٗ ہے۔ یعنی اس نے پانی کو اس کے محل سے دھکا دے کر الگ کر دیا اور یہ بات انزال میں ظاہراً حاصل ہوتی ہے اور جماع اس کا سبب ہے۔

جنابت موجباتِ غُسل میں سے ہے

106۔ عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ

---

❶ صحیح مسلم: 1398۔ اور وہاں یہ الفاظ ھیں: هُوَ مَسْجِدُكُمْ هٰذَا. ''وہ تمہاری یہ مسجد ہے۔'' جبکہ مذکورہ بالا الفاظ "جامع الترمذی" (3099) کے ہیں جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ امام ابن حبان نے اپنی "الصحیح" (1606) اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ)).

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: پانی (یعنی غسل کا وجوب) تو پانی سے (یعنی انزال یا جماع کی وجہ سے منی کے پانی کے نکلنے سے) ہی ہے۔'' ❶

رَوَاهُ مُسْلِمٌ ، وَأَصْلُهُ فِي الْبُخَارِيِّ .

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ اس کی اصل صحیح البخاری میں ہے۔

غریب الحدیث :......اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ: علم بلاغت ومعانی میں اسے جِنَاس کہا جاتا ہے۔ چنانچہ علم بدیع کی اصطلاح میں یہ دولفظوں کا تمام یا اکثر حرفوں میں یکساں ہونا اور معنی کے لحاظ سے دونوں کا ایک دوسرے سے الگ الگ ہونا ہے۔ ❷ چنانچہ یہاں پہلے ماء سے ماء اغتسال مراد ہے، جبکہ دوسرے ماء سے منی مراد ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے منی کو بھی ماء کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ ۝﴾ (الطارق: 5-6)

''پس انسان کو لازم ہے کہ دیکھے وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا۔ وہ ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔''

مضمون حدیث :......اس حدیث میں بنیادی طور پر یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب منی کا پانی انزال یا جماع کی وجہ سے نکل آئے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ بظاہر مذکورہ حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ چاہے منی شہوت سے نکلی ہو یا بغیر شہوت سے، لیکن یہ مراد نہیں۔ بلکہ مراد ماء دافق کا نکلنا ہے جو صرف شہوت سے ہی اچھل کر نکلتا ہے۔ لہٰذا اگر خوف یا مرض وغیرہ کی وجہ سے بدونِ شہوت ودفق کے منی نکلی تو غسل واجب نہ ہوگا۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ماءِ دافق کی موجب ''شہوت'' کا سبب، چاہے جماع ہو یا لمس ونظر اور چاہے فکر وتخیل، سب کا حکم ایک ہے کہ ان مذکورہ اسباب کی وجہ سے طاری ہونے والی شہوت سے اگر انزال کی صورت میں منی دفق کے ساتھ نکلتی ہے تو غسل واجب ہو جائے گا۔

اس حدیث کا بظاہر یہ مفہوم مخالف بھی بنتا ہے کہ اگر منی نہ نکلے تو غسل واجب نہ ہوگا چاہے جماع بھی کر لیا ہو لیکن آئندہ مذکورہ حدیث اس مفہومِ مخالف کے معارض ہے۔

نبی کریم ﷺ کا شرم وحیا

یہیں سے نبی کریم ﷺ کے حیا کا بھی اندازہ لگا لیا جائے کہ آپ ﷺ نے کس بلاغت کے ساتھ مبنی برحیا اس بات کو کنایہ سے بیان فرمایا ہے۔

دخول موجبِ جنابت وغسل ہے

107- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی

❶ صحيح البخاري: 180- صحيح مسلم: 343.

❷ دیکھیں: القاموس الوحید، ص: 287- یہ دولفظوں کا نطق میں نہ کہ معنی میں مشابہ اور ایک ہونا ہے۔ یہ مشابہت تام بھی ہوتی ہے جس میں حروف کی ہیئت ونشست اور نوعیت ایک ہوتی ہے جس کی مثال مذکورہ بالا حدیث ہے لہٰذا یہ جناس تام کی مثال ہے۔ جس میں دونوں لفظوں کے حروف اور ہیئت ایک ہے۔ البتہ معنی جدا جدا ہے۔ جبکہ غیر تام مشابہت کی متعدد اقسام ہیں ان کے تفصیلی ذکر کے لیے دیکھیں: دروس البلاغة مع شرحه شموس البراعة، ص: 147-151. (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللّٰہِ ﷺ: ((إِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا ، فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ وَزَادَ مُسْلِمٌ : " وَإِنْ لَمْ يُنْزِلْ " .

کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جب آدمی عورت کے چار گوشوں (یعنی چار اعضاء) میں (اس سے جماع کرنے کے لیے) بیٹھ جائے پھر اسے مشقت میں ڈالے (یا اس سے جماع کرنے میں خود مشقت اٹھائے) تو تحقیق (دونوں پر) غسل واجب ہوگیا۔''❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: ''چاہے اسے انزال نہ بھی ہو (تب بھی اس پر اور دخول کرنے کی وجہ سے بیوی پر یعنی دونوں پر غسل واجب ہوگیا۔'')

غریب الحدیث:......اِذَا جَلَسَ: یہاں جلوس سے جماع کے لیے بیٹھنا مراد ہے۔

شُعَبِهَا الْاَرْبَعِ: شُعَبٌ ، شُعْبَةٌ کی جمع ہے۔ یہ حصہ اور شاخ کو کہتے ہیں۔ یہاں بدنِ انسانی کے چار اعضاء مراد ہیں۔ اب یہ چار اعضاء کون سے ہیں؟ تو اس بارے ایک قول یہ ہے کہ اس سے عورت کی دونوں رانیں اور دونوں پنڈلیاں مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے دو ہاتھ اور دو پاؤں مراد ہیں۔ بظاہر یہی مراد متعین ہے کیونکہ جماع کے لیے انہی چاروں اعضاء کے درمیان بیٹھتے ہیں۔

جَهَدَهَا: اسے مشقت میں ڈالا۔ یا یہ مراد ہے کہ اس سے طاقت اور زور لگانے کو پہنچا۔ اور یہ عورت کی شرم گاہ میں شرم گاہ ڈالتے وقت لگتا ہے بالخصوص جب عورت کنواری ہو تو اس میں دخول کرتے وقت مرد کا زیادہ زور لگتا ہے۔ بہر حال یہاں اصل مراد عورت کو مشقت میں ڈالنا ہے۔

فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ: یہ غسل کس پر واجب ہوتا ہے؟ اس کی تعیین نہ کرنے سے عموم مستفاد ہوتا ہے۔ یعنی یہ غسل مرد اور عورت دونوں پر واجب ہوتا ہے جبکہ شرم گاہیں مل گئی ہوں اور دخول بھی ہوگیا ہو۔

وَاِنْ لَّمْ يُنْزِلُ: مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ بلاشبہ یہ زیادتی اور اضافہ بے حد مفید ہے۔ کیونکہ پہلی بات پر حضرات شیخین متفق نظر آتے ہیں کہ جب دخول ہوگیا تو دونوں پر غسل واجب ہوگیا چاہے انزال ہو یا نہ ہو، البتہ اس پہلی روایت میں عدم انزال کی تصریح نہیں۔ لیکن تصریح آ جانے کے بعد یہ بات اور زیادہ واضح اور صاف ہوگئی کہ دخول کے بعد وجوبِ غسل کے لیے انزال شرط نہیں۔

مضمون حدیث:......مسئلہ واضح ہے کہ جب مرد اور عورت کی شرم گاہیں باہم مل جائیں تو انزال ہو یا نہ ہو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اس بات پر سب علماء کا اجماع ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ نبی کریم ﷺ شرم کی باتوں کو اشارہ کنایہ سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ بجائے عورت کے اعضاء مستورہ کا نام لینے کے یہ فرمایا کہ ''جب اس کے چار اعضاء کے درمیان میں بیٹھ جاتا ہے۔'' اسی جماع کرنے کو ''عورت کو مشقت میں ڈالنے'' کے ساتھ کنایہ سے تعبیر فرمایا۔

---

❶ صحيح البخاري: 291- صحيح مسلم: 348.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ جب جُہد حاصل ہو جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے اور جُہد تب حاصل ہوتی ہے جب دونوں کی شرم گاہیں باہم مل جائیں جو اس بات سے کنایہ ہے کہ مرد کی شرم گاہ کا سرا عورت کی شرم گاہ میں غائب ہو جائے۔ لہٰذا جب یہ تغییب حاصل ہو جائے تو دونوں پر غسل واجب ہو جائے گا۔ چاہے انزال نہ بھی ہو۔ البتہ جب شرم گاہ اس سے کم داخل ہو تو جب تک انزال نہ ہو گا غسل واجب نہ ہو گا۔ یعنی اگر آدمی نے اپنی شرم گاہ کا سرا عورت کی شرم گاہ پر صرف رکھ دیا، اندر داخل نہ کیا، تو بغیر انزال کے غسل واجب نہ ہو گا۔ البتہ وضو بالاتفاق ٹوٹ جائے گا۔

◈ غسل کا یہ وجوب بلا حائل اور بمع حائل دونوں صورتوں میں شرم گاہ کو اندر داخل کرنے سے ہو جاتا ہے کیونکہ دخول کی صورت میں جُہد حاصل ہو جاتی ہے جو موجب غسل ہے۔ چاہے یہ دخول بمع حائل ہی ہو۔

احتلام اور اس کے احکام

108۔ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ - وَهِيَ امْرَأَةُ أَبِي طَلْحَةَ - قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ، فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا احْتَلَمَتْ؟ قَالَ: ((نَعَمْ، إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ)). الحديث.

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے (خدمت نبوی میں) عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بے شک رب تعالیٰ حق بات (کے بیان کرنے) سے حیا نہیں کرتے۔ پس کیا جب عورت کو احتلام ہو جائے تو اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! جب وہ (بیدار ہو کر) پانی دیکھے (تو اس پر بھی غسل واجب ہو جاتا ہے)۔'' ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

109۔ وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ - فِي الْمَرْأَةِ تَرَى فِي مَنَامِهَا مَا يَرَى الرَّجُلُ - قَالَ: ((تَغْتَسِلُ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ: ((فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: وَهَلْ يَكُونُ هٰذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، فَمِنْ أَيْنَ يَكُونُ الشَّبَهُ؟)).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس عورت کے بارے میں، جو خواب میں وہ دیکھے جو ایک مرد دیکھتا ہے، یہ فرمایا کہ ''وہ غسل کرے گی۔'' ❷

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔ امام مسلم نے (اپنی روایت میں) یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ کیا (عورت کے ساتھ بھی) یہ ہوتا ہے؟ (یعنی کیا عورت کو بھی مرد کی طرح احتلام ہوتا ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! (اور اگر ایسا نہیں ہوتا) تو پھر (بچے کی اپنی ماں کے ساتھ) مشابہت کہاں سے آتی ہے؟''

غریب الحدیث :...... إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ: یہاں ماء سے مراد منی ہے جو عورت خواب میں احتلام ہو جانے کے بعد بیدار ہو کر دیکھے۔ اور إِذَا یہ غالباً شرطِ محقق کے لیے آتا ہے البتہ یہ زماں کے لیے شرط ہے نہ کہ وقوع کے لیے۔ بخلاف اِن کے کہ

❶ صحيح البخاري: 282- صحيح مسلم: 313.
❷ صحيح البخاري: 282- صحيح مسلم: 313.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

وہ وقوع کے لیے شرط ہے۔

اَلشَّبَہُ: مشابہت جو بچے کی ماں اور باپ دونوں سے ہوتی ہے۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جس طرح مرد خواب میں خود کو کسی عورت سے جماع کرتے دیکھتا ہے تو اسے احتلام ہو جاتا ہے، اسی طرح عورت بھی اگر خواب میں دیکھے کہ کوئی اس کے ساتھ جماع کر رہا ہے تو اسے بھی احتلام ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اگر وہ ایسے خواب کے بعد بیدار ہو کر تری دیکھے تو سمجھو کہ وہ منی ہے اور غسل واجب ہو گا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کی حسی دلیل یہ پیش فرمائی کہ ''بچے کی ماں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔'' یعنی اگر عورت کا بھی پانی نہ ہو اور اسے احتلام بھی نہ ہوتا ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ بچے کی صورت ماں سے ملتی ہو۔ پس معلوم ہوا کہ عورت کا پانی ہوتا ہے جس میں مرد کا پانی جا کر مل جاتا ہے۔ تب ہی تو دونوں کے ساتھ بچے کی صورت ملتی ہوتی ہے اور عورت کا یہی وہ پانی ہے جو احتلام ہونے پر نکلتا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خدمتِ رسالت میں ادب کہ سیدہ ام سُلیم رضی اللہ عنہا نے جب حیا کی ایک بات پوچھنی تھی تو یہ بات کہہ کر اپنا عذر پہلے بیان کر دیا کہ حق بیان کرنے میں جب ربّ تعالیٰ کی ذات حیا نہیں کرتی تو مجھے بھی حیا کی ایک بات پوچھنی ہے جس میں مجھے معذور رکھیے۔
- رب تعالیٰ کے لئے صفتِ حیا ثابت ہے جو انفعالیت، خجالت، خوف، درماندگی، قصور، عدمِ دسترس وقوت، نقصِ کمال اور زود رنجی وغیرہ جیسے عیوب سے پاک ہے جس کی حقیقت خود رب تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔
- مردوں کی طرح عورتوں کو بھی احتلام ہوتا ہے۔
- بیدار ہونے کے بعد اگر آدمی، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، اپنے بدن یا کپڑوں پر جنابت کا اثر دیکھے اور اسے یقین ہو جائے کہ یہ منی ہے تو اس پر غسل واجب ہو جائے گا چاہے اسے خواب اور احتلام یاد نہ بھی ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حکم کا مدار ''رؤیت ماء'' کو قرار دیا ہے۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محض شک غسل کا موجب نہیں لہٰذا جس تری کو دیکھ کر اس کے منی ہونے کا یقین نہ ہو، وہ موجبِ غسل نہیں۔
- یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ منی کا اپنے محل سے چل پڑنا موجبِ غسل نہیں لہٰذا اگر منی کے اپنے محل سے انتقال کے بعد شرم گاہ سے نکلنے سے قبل شہوت ٹوٹ گئی اور اس کا خروج باللذت والدفق نہ ہوا تو غسل واجب نہ ہو گا۔ ❶ لہٰذا جو علماء اس بات کے قائل ہیں کہ منی کے اپنے محل سے شہوت کے ساتھ محض انتقال سے ہی غسل واجب ہو جاتا ہے، ان کا یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے وجوبِ غسل کو ''رؤیتِ ماء'' کے ساتھ مقید کیا ہے۔ دوسرے کوئی شے جب تک اپنے معدن میں موجود ہو اس کا کوئی حکم نہیں ہوتا۔ چنانچہ بچے کو نماز میں اٹھانے سے نماز باطل نہ ہو گی حالانکہ اس کا پیٹ گندگی سے بھرا ہوتا ہے۔ ❷

---

❶ الروض المربع: 74/1- المحرر فی الفقه: 17/1- زاد المستنقع: 28/1.

❷ المجموع: 549/2- المغنی: 403/1- شرح العمدة: 410/4.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

یہی حکم حیض کا بھی ہے کہ محض اپنے محل سے حرکت کے احساس سے عورت کی صوم وصلوٰۃ باطل نہ ہوگی جب تک کہ وہ حیض ظاہر و باہر ہو کر نکل نہیں آتا۔

- یہ دونوں احادیث بتلاتی ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ ٹھوس حقائق پر مبنی ہے نہ کہ احساسات، اوہام، شکوک و شبہات اور وساوس و خیالات پر۔
- معلوم ہوا کہ اگر کوئی بات واضح نہ ہو تو اس کی وضاحت طلب کر سکتے ہیں چاہے یہ وضاحت بڑوں سے ہی کیوں نہ طلب کی جائے۔ جیسا کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے مزید وضاحت طلب کرتے ہوئے عرض کیا کہ "کیا عورت کے ساتھ ایسا بھی ہوتا ہے؟" یعنی کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟
- البتہ یہ بات بھی لازم ہے کہ وضاحت طلب کرنا صرف انہی امور میں جائز ہے جن کی وضاحت بیان ہو سکے۔ لہٰذا رب تعالیٰ کی ذات کی حقیقت کی وضاحت طلب کرنا بدعت اور گمراہی ہوگا جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے کیفیت استواءِ باری تعالیٰ کی بابت سوال کو بدعت قرار دیا تھا۔ ❶
- نبی کریم ﷺ کی از حد تواضع کہ اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ بے حد شفقت سے پیش آتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بڑے تحمل کے ساتھ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سوال کا جواب عنایت فرمایا۔
- سوال کے جواب میں ایک سے زیادہ اور متنوع دلائل بھی دیئے جا سکتے ہیں چنانچہ نبی کریم ﷺ کا "نَعَمْ" فرمانا بجائے خود ایک دلیلِ شرعی تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے ایک حسی دلیل بھی بیان فرمائی کہ "پھر بچہ ماں کے مشابہ کیونکر ہوتا ہے؟" اس لیے مخاطب کے سامنے عقلی و نقلی اور حسی و شرعی ہر قسم کی دلیل بیان کر دینی چاہیے تاکہ وہ مطمئن ہو۔ مشابہت کو کبھی کبھی نسب کے ثبوت کے لیے بطورِ دلیل کے بھی پیش کیا جاتا ہے۔

میت کو غسل دینے کے بعد خود نہانا مستحب ہے

110- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَغْتَسِلُ مِنْ أَرْبَعٍ: مِنَ الْجَنَابَةِ، وَيَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَمِنَ الْحِجَامَةِ، وَمِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ)).

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ چار باتوں کی وجہ سے غسل فرمایا کرتے تھے: (1) جنابت کی وجہ سے (2) جمعہ کے دن (3) پچھنے لگوانے کی وجہ سے اور (4) میت کو غسل دینے کی وجہ سے۔ ❷

اس حدیث کو امام ابوداود رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... **كَانَ يَغْتَسِلُ**: فعلِ مضارع کے ساتھ آنے کی وجہ سے یہاں فعلِ ناقص کَانَ استمرار کے لیے ہے۔

---

❶ دیکھیں: اعلام الموقعین لابن القیم 247/4.

❷ سنن ابی داود: 348- صحیح ابن خزیمة: 256- مسند احمد: 152/6- بیہقی "الخلافیات" میں لکھتے ہیں: اس روایت کے سب رواۃ ثقہ ہیں۔ ابوزرعہ کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح نہیں۔ اسے مصعب بن شیبہ نے روایت کیا ہے جو قوی نہیں ہے۔ (دیکھیں: تحفة المحتاج: 515/1) علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "شرح العمدة" (363/1) میں اس حدیث کو مسلم کی شرط پر قرار دیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِنْ أَرْبَعٍ: مذکورہ من سببیہ ہے۔
مِنَ الْجَنَابَةِ: یہ عامل کے تکرار کے ساتھ مِنْ اربع سے بدل ہے اور جنابت کی تحقیق باب کے ابتدا میں گزر چکی ہے۔
يَوْمَ الْجُمُعَةِ: مراد صلوٰۃِ جمعہ کے لیے غسل ہے۔ اگر یومِ جمعہ کا غسل مراد ہوتا تو یہ غسل دن کے آغاز میں بھی جائز ہوتا۔
مِنَ الْحِجَامَةِ: حجامت کی تعریف و تفصیل گزر چکی ہے۔

مضمون حدیث:......مذکورہ حدیث میں چار قسم کے غسل ذکر کیے گئے ہیں، ذیل میں ہر ایک کا حکم بیان کیا جاتا ہے:

(1) غسلِ جنابت:...... یہ بالاجماع فرض ہے۔ اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
﴿وَ إِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ (المائدة: 6) ''اگر جنبی ہو تو غسل کرلو۔''

(2) غسلِ یوم جمعہ:......اس میں اختلاف ہے جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

(3) غسلِ حجامہ (سینگی لگوانے سے غسل):......اس باب میں صرف فعل مروی ہے جس سے مشروعیت تو مستفاد ہوتی ہے البتہ وجوب مستفاد نہیں ہوتا۔ پھر بعض علماء نے اُس حدیث کو ضعیف بھی کہا ہے جس میں پچھنے لگوانے کے بعد غسل کا ذکر ہے۔

(4) تغسیل میت کے بعد غسل:...... بابِ نواقضِ وضو میں اس پر تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے کہ جس حدیث میں تغسیلِ میت کے بعد غسل کرنے کا ذکر ہے، وہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

کافر کے اسلام لے آنے پر اسے غسل کرنے کا حکم دینے کا بیان

111- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ - فِي قِصَّةِ ثُمَامَةَ بْنِ أُثَالٍ عِنْدَمَا أَسْلَمَ- وَأَمَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَغْتَسِلَ)). رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ ، وَأَصْلُهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضرت ثُمامہ بن اُثال کے قصہ میں مذکور ہے کہ جب وہ اسلام لے آئے تو نبی کریم ﷺ نے انہیں غسل کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ ❶
اس روایت کو عبدالرزاق نے روایت کیا ہے۔ جبکہ اس کی اصل ''صحیحین'' میں موجود ہے۔

قصۂ حدیث:...... یہ مشہور صحابیٔ رسول حضرت ثمامہ بن اثال حنفی رضی اللہ عنہ کا مشہور قصہ ہے جب وہ حالتِ کفر میں مکہ عمرہ کرنے کے لیے جا رہے تھے کہ راستے میں مجاہدین کے ایک لشکر کے ہاتھوں گرفتار ہو کر مدینہ نبویہ پیش کیے گئے جہاں انہیں مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ جب ان کے پاس سے گزرتے تھے تو فرماتے تھے کہ ''اے ثمامہ! تیرے پاس کیا ہے؟'' وہ کہتے کہ میرے پاس خیر ہے۔ اگر آپ ﷺ مجھے قتل کریں گے تو ایک ایسے شخص کو قتل کریں گے جس کے خون کا بدلہ لیا جائے گا اور اگر آپ ﷺ احسان کریں گے تو ایک قدر شناس پر احسان کریں گے اور اگر آپ ﷺ مال کے طالب ہیں تو جتنا چاہے مال مانگیے (ملے گا)۔ اگلے دن بھی یہی سوال جواب ہوا۔ جب تیسرے دن بھی یہی گفتگو ہوئی تو آپ ﷺ نے انہیں رہا کر دینے کا حکم دیا۔ بلاشبہ آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر کے گویا کہ انہیں خرید لیا تھا اور اب ثمامہ آپ ﷺ کے حسن سلوک اور رعایت و عنایت کے اسیر بے زنجیر، دل سے آپ ﷺ کے جاں نثار خادم اور آپ ﷺ کے اشارۂ ابرو پر بلا تامل جان و مال تج دینے والے بے دام غلام بن چکے تھے۔ چنانچہ آزاد ہونے کے بعد انہوں نے بجائے

❶ صحیح البخاري: 462- صحیح مسلم: 1764- مصنف عبدالرزاق: 9834.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوٹ جانے کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے درِ رسالت کی چوکھٹ پر پڑا رہنے کا اٹل فیصلہ کرلیا اور ایک باغ میں جا کر غسل کیا اور لوٹ کر شہادتین کا اقرار کر کے نبی کریم ﷺ کے خادموں میں جگہ پانے کی ابدی سعادت حاصل کر لی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- قیدی کو مسجد کے ستون سے باندھ سکتے ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے انہیں مسجد کے ستون کے ساتھ بندھا دیکھ کر اس پر انکار نہ فرمایا تھا۔
- غیر مسلم قیدیوں کے ساتھ سلوک واحسان کیا جائے۔ اس سے ان کے دلوں میں اسلام کے لیے تالیف، انس اور محبت پیدا ہوتی ہے۔
- کافر مسجد میں ٹھہر سکتا ہے۔ جیسا کہ بندھے ہونے کی وجہ سے حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ حالتِ کفر میں مسجد میں ٹھہرے رہے تھے۔
- کافر جب اسلام لے آئے تو اسے غسل کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ یہ حکم تب ہے جب یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ صحیح ہو۔ جبکہ صحیحین کی حدیث میں امر اغتسال کا ذکر نہیں۔ البتہ امام ابن حجر رحمہ اللہ جس طرف گئے ہیں یہ مذکورہ حدیث کے منافی بھی نہیں کیونکہ احتمال اس بات کا بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں غسل کرنے کا حکم دیا ہو۔ پھر یہ امر استحباب کے لیے ہے یا وجوب کے لیے؟ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ استحباب کے قائلین حضرات کی یہ دلیل ہے کہ دورِ نبوی میں لوگوں کی ایک کثیر تعداد نے اسلام قبول کیا جبکہ سب کو آپ ﷺ نے غسل کرنے کا حکم نہ دیا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ قبولِ اسلام کے وقت غسل کرنا مستحب ہے۔

جو حضرات وجوب کے قائلین ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ امر میں اصل وجوب ہے اور امر اغتسال کا منقول نہ ہونا اس کے عدم کی دلیل نہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قبولِ اسلام پر اغتسال اس قدر مشہور امر رہا ہو کہ صراحۃً اس کے امر کی احتیاج ہی نہ ہوتی ہو۔ دوسرے غسل کرنے میں زیادہ احتیاط اور ذمہ سے زیادہ براءت ہے۔ پھر یہ غسل کفر و شرک کی ظاہری گندگیوں اور میل کچیل کو بھی دھو دیتا ہے۔ مزید یہ کہ یہ ظاہری پاکیزگی باطن کی پاکیزگی کا عنوان بھی بن جاتی ہے۔ اس لیے بلاشبہ قبولِ اسلام کے وقت اغتسال کا امر اقرب الی الصواب ہے۔

- رہا غسل نہ کرنے پر ادائے صلوٰۃ کا درست ہونا یا نہ ہونا؟ تو ظاہر یہ ہے کہ نومسلم کی نماز بدون غسل کے بھی فقط وضو پر اکتفا کر کے صحیح ہوگی۔ البتہ اگر حالتِ کفر میں موجبات غسل میں سے کوئی امر لاحق تھا جیسے احتلام یا جماع کی وجہ سے جنابت تھی تو غسل واجب ہوگا۔ البتہ اگر حالتِ کفر میں غسل بھی کرلیا تھا تو اب قبولِ اسلام کے بعد غسل کا اعادہ واجب نہ ہوگا۔

جمعہ کے دن کے غسل کا حکم

112- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: ((غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ)). أَخْرَجَهُ السَّبْعَةُ .

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”جمعہ (کے دن) کا غسل ہر احتلام والے پر (یعنی ہر بالغ پر) واجب ہے۔“ [1]

اس حدیث کو ائمہ سبعہ نے روایت کیا ہے۔

[1] صحيح البخاري: 858، 2665- صحيح مسلم: 846- و رواه غيرهما من الائمة الخمسة .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غریب الحدیث :......غُسْلُ الْجُمُعَةِ: غسل کی اضافت جمعہ کی طرف ہے۔ اصل یہ ہے کہ جمعہ "نماز" ہی ہے۔ اس لیے یہ غسل جمعہ کے دن کا نہیں بلکہ جمعہ کی نماز کا ہے۔

وَاجِبٌ: یہ ایسی شے کو کہتے ہیں جو ثابت اور لازم ہو۔ جبکہ علماء اصول کے نزدیک واجب اس چیز کو کہتے ہیں جس کا حکم الزام کے طور پر ہو اور اس کے امتثال میں ثواب اور اس کے ترک پر عقاب ہو۔

مُحْتَلِم: مراد بالغ ہے۔ کیونکہ بلوغت کی ایک علامت نیند کی حالت میں شہوت، لذت اور دفق کے ساتھ منی کا نکلنا بھی ہے جس کو اصطلاح میں احتلام کہتے ہیں۔

مضمونِ حدیث :......اس میں واضح اور صریح طور پر اس بات کا بیان ہے کہ جمعہ کا غسل واجب ہے اور یہ اس ہستی کا کلام ہے جو سب مخلوق سے زیادہ فصیح، سب مخلوق سے زیادہ صاحبِ علم اور خود مخلوق کی سب سے زیادہ خیر خواہ ہستی ہے۔ لہٰذا مذکورہ حدیث کے ظاہر سے جمعہ کا غسل حتمی طور پر واجب نظر آتا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے اس وجوب کو تکلیف یعنی احتلام کے ساتھ معلق فرمایا ہے۔

جمعہ کے غسل کے وجوب میں علماء کے اختلاف کا مفصل بیان

علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ پھر یہ اختلاف دو طرح کا ہے: (1) ایک یہ کہ یہ غسل جمعہ کے دن کا ہے یا نمازِ جمعہ کا اور (2) دوسرا یہ کہ یہ غسل واجب ہے یا مسنون۔ چنانچہ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ غسل جمعہ کے دن کے لیے ہے نہ کہ نمازِ جمعہ کے لیے لہٰذا یہ غسل نماز سے قبل اور نماز سے بعد دونوں اوقات میں جائز ہے۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ اس لیے صحیح یہ ہے کہ یہ غسل جمعہ کی نماز سے قبل کا ہے۔

پھر نمازِ جمعہ سے قبل کے اس غسل کے واجب یا سنت ہونے میں اختلاف ہے، پھر یہ کہ یہ غسل اس پر واجب ہے جس کے بدن سے گرمی کے دنوں میں پسینہ کی کثرت سے ناگوار بو آتی ہو یا مطلق واجب ہے۔ غرض یہ تین اقوال ہو گئے:

(1) مطلق واجب ہے۔ (2) مطلق سنت ہے۔ (3) اس پر واجب ہے جس کے بدن سے ناگوار بو آ رہی ہو۔

البتہ دلائل اس کے مطلق وجوب کو مقتضی ہیں۔ جن کی اختصار کے ساتھ وضاحت یہ ہے:

⊙..... جمعہ کے دن کے غسل کی احادیث عام ہیں جن میں مطلق وجوب مذکور ہے۔

⊙..... نبی کریم ﷺ نے جمعہ کے غسل کو صراحۃً بنا کسی قید کے ذکر فرمایا ہے۔

⊙..... آپ ﷺ نے حکم کو امر تکلیفی کے ساتھ معلق فرمایا ہے، جو بلوغت ہے۔ جو اس کے وجوب کی دلیل ہے۔

⊙..... دیگر روایات میں صراحۃً امر مذکور ہے اور امر میں اصل وجوب ہے۔

⊙..... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب جمعہ کے لیے دیر سے آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے اس پر ناراضی کا اظہار فرمایا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ عذر پیش فرمایا کہ وضو میں تاخیر ہو گئی تھی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مزید یہ فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جب تم میں کوئی جمعہ کو آئے (فَلْيَغْتَسِلْ) تو چاہیے کہ وہ غسل کرے۔" گویا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف وضو پر اکتفا کرنے پر ملامت فرمائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں اس ذات سے فرمائی جو ... بعد سب سے زیادہ افضل تھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جمعہ کے دن کا غسل صحتِ نماز کے لیے شرط ہے یا نہیں؟

اگر یہ غسل جمعہ کے دن نماز جمعہ سے قبل اور واجب ہے اور وہ بھی مطلق واجب ہے تو کیا یہ نمازِ جمعہ کی شرط صحت بھی ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں! یہ غسل واجب ہونے کے باوجود صحتِ صلوٰۃ کے لیے شرط نہیں۔ اس کے دو دلائل ہیں:

(1) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی غسل نہ کرنے پر سرزنش تو فرمائی مگر انہیں غسل کرنے کے لیے واپس نہ بھیجا۔ معلوم ہوا کہ اگر یہ غسل نماز کی شرط ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان پر یہ غسل لازم فرماتے۔

(2) دوسری دلیل یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے نماز کے لیے صرف اسی غسل کو واجب ٹھہرایا ہے جو جنابت کی وجہ سے ہو۔ اس لیے جمعہ کی نماز سے قبل اگر کسی نے غسل کو ترک کر دیا اور صرف وضو کر کے آیا تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی۔

فائدہ:......اگر جمعہ کے دن جنابت کا غسل بھی واجب ہو تو ایک غسل میں جمعہ اور جنابت سے پاکی دونوں کی نیت کر سکتے ہیں کیونکہ یہ دونوں عبادتیں ہیں یعنی یہ دونوں غسل اپنی ہیئت اور وصف دونوں میں ایک ہیں۔

خلاصہ:......غرض خلاصہ یہ ہے کہ نمازِ جمعہ کے غسل کے وجوب یا استحباب میں اختلاف ہے۔ جو علماء اس غسل کے مستحب ہونے کے قائل ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ مذکورہ حدیث ابی سعید رضی اللہ عنہ وجوب پر نہیں بلکہ تاکید پر دلالت کرتی ہے۔ ان حضرات کا استدلال آئندہ مذکورہ حدیث سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے ہے، جو یہ ہے:

113- وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعْمَتْ، وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ)).

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس نے جمعہ کے دن (صرف) وضو کیا (اور وضو کر کے جمعہ ادا کرنے چلا آیا) تو اس نے رخصت کو اخذ کیا اور یہ رخصت کیا خوب ہے اور جس نے غسل کیا (اور غسل کر کے جمعہ ادا کیا) تو (جمعہ کے لیے) غسل کرنا (بہ نسبت صرف وضو کرنے کے) افضل ہے۔'' [1]

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ.

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

غریب الحدیث:......مَنْ تَوَضَّأَ: یہ مَنْ شرطیہ ہے۔

يَوْمَ الْجُمُعَةِ: یہ اضافت لامیہ ہے۔ یعنی مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمًا لِلْجُمُعَةِ. ''جس نے جمعہ کی نماز کے لیے دن کو وضو کیا۔''

فَبِهَا: مذکورہ فَا جوابِ شرط ہے اور بَا حرفِ جر ہے جو هَا ضمیر پر داخل ہو رہا ہے جس کا مرجع معہود فی الذہن ہے اور وہ اَلرُّخْصَة ہے اور یہ جار مجرور فعلِ محذوف کے متعلق ہیں، تقدیری عبارت یوں ہے۔ فَبِالرُّخْصَةِ اَخَذَ یعنی جس نے جمعہ کی

---

[1] مسند احمد: 18/5- سنن ابی داود: 354- جامع الترمذی: 497- امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث مرفوع و مرسل دونوں طرح مروی ہے۔ سنن النسائی: 94/3- ان سب نے یہ حدیث حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ''المجموع'' (453/4) میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ سنن ابن ماجہ: 1091- من حدیثِ ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ابو حاتم کہتے ہیں: یہ حدیث دونوں طریق سے صحیح ہے۔ (... 514/1)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز کے لیے وضو کیا اس نے رخصت پر عمل کیا۔

وَ نِعْمَتْ: یہ فعلِ مدح ہے اور اس کی ضمیر اس کا فاعل ہے جو اسی معہود فی الذہن اَلرُّخْصَة کی طرف راجع ہے اس کی تقدیری عبارت نِعْمَتِ الرُّخْصَةُ ہوگی یعنی ''اور یہ رخصت خوب ہے۔'' ان دونوں ضمیروں کا مرجع لفظ اَلطَّھَارَة بھی ہوسکتا ہے جس سے مراد وضو ہے۔ تب پھر تقدیری عبارت یوں ہوگی فَبِالطَّھَارَةِ اَخَذَ وَ نِعْمَتِ الطَّھَارَةُ جس کا ترجمہ واضح ہے۔

فَالْغُسْلُ اَفْضَلُ: یہ تعبیر بتلاتی ہے کہ جمعہ کی نماز کے لیے غسل واجب نہیں وگرنہ اس غسل کو افضل نہ کہا جاتا۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث سے یہ مسئلہ مستفاد ہوتا ہے کہ جمعہ کی نماز کے لیے غسل کرنا واجب نہیں بلکہ اگر صرف وضو کر کے بھی جمعہ ادا کرلیا تو خوب کیا۔ البتہ غسل کرلینا پھر بھی افضل ہے۔

درایۃ الحدیث:...... اب ان دونوں احادیث کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو یہ امور سامنے آتے ہیں:

(1) مذکورہ حدیث کی سند ضعیف ہے۔ لہٰذا یہ حدیث گزشتہ مذکورہ حدیث ابی سعید رضی اللہ عنہ کا مقابلہ نہیں کرسکتی جس کو سب ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے۔

(2) مذکورہ حدیث کے الفاظ کی رکاکت بتلاتی ہے کہ ان کا صدور لسانِ نبوت سے بعید ہے۔ کیونکہ کلام نبوی میں جو خلاوت، تازگی، طراوت، طلاوت، چاشنی، رونق اور بلاغت ہوتی ہے وہ مذکورہ الفاظ میں نظر نہیں آتی۔

غرض یہ حدیث ضعیف ہے جو حدیثِ ابی سعید کا معارضہ ومقاومہ نہیں کرسکتی۔

جنبی کے قرآن پڑھنے کا حکم

114- وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُقْرِئُنَا الْقُرْآنَ مَا لَمْ يَكُنْ جُنُبًا)) .

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمیں قرآن پڑھاتے (یعنی اس کی تعلیم دیتے) رہتے تھے جب تک جنبی نہ ہوتے۔ ❶

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَهٰذَا لَفْظُ التِّرْمِذِيِّ وَحَسَّنَهُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ .

اس حدیث کو امام احمد اور ائمہ اربعہ نے روایت کیا ہے۔ اور یہ الفاظ امام ترمذی کے ہیں۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور امام ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... يُقْرِئُنَا: یعنی يُعَلِّمُنَا کہ آپ ﷺ ہمیں قرآن کی تعلیم دیتے تھے کیونکہ قرآن آپ ﷺ پر ہی تو نازل ہوتا تھا لہٰذا اس کی تعلیم بھی آپ ﷺ ہی دیتے تھے۔

مَالَمْ يَكُنْ جُنُبًا: معلوم ہوا کہ آپ ﷺ حالتِ جنابت میں قرآنِ کریم کی تعلیم نہ دیا کرتے تھے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جنبی کو قرآن کریم کی تلاوت کرنا منع ہے۔

❶ مسند احمد: 83/1- سنن ابی داود: 229- جامع الترمذی: 146- سنن النسائی: 144/1- سنن ابن ماجۃ: 594- صحیح ابن حبان: 799- امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اپنی "الصحیح" (104/1) میں یہ حدیث شعبہ تک کی اسناد کے ساتھ روایت کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث میرے سرمایہ حدیث کا ثلث ہے۔ ابن حجر نے "التلخیص" (139/1) میں اور ابن سکن اور عبدالحق نے اور بغوی نے "شرح السنة" میں اس حدیث کی بابت امام ترمذی کی تصحیح کو نقل کیا ہے۔ "سنن الدار قطنی" (119/1) امام دارقطنی اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں: میں نے اس سے عمدہ حدیث بیان نہیں کی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نبی کریم ﷺ رب تعالیٰ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کے بے حد حریص تھے۔ اس لیے آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خود قرآن سکھلاتے تھے۔
- البتہ حالتِ جنابت میں آپ ﷺ قرآنِ کریم کی تعلیم سے رک جاتے تھے۔ اس رکنے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ بطور افضلیت کے تھا یا وجوب کے لیے تھا؟ ایک قول یہ ہے کہ یہ رکنا بطورِ افضلیت کے تھا کیونکہ یہ نرا رکنا تھا جو فعل کی ایک قسم ہے اور مجرد فعل استحباب پر دلالت کرتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ رکنا بطورِ وجوب کے تھا کیونکہ امر واجب سے رکنا تحریم کی بنا پر ہوتا ہے لہٰذا اقرب یہ ہے کہ جنبی پر قرآنِ کریم کی قراءت اور اس کی تعلیم حرام ہے اور یہ تحریم مطلق ہے جو تھوڑے یا زیادہ قرآن کی تلاوت دونوں کو شامل ہے۔
- حائضہ کا حکم بھی اس باب میں وہی ہے جو جنبی کا ہے۔ اس کی تفصیل "باب نواقض الوضوء" کے تحت بیان کی جا چکی ہے۔
- امورِ دینیہ میں حیاء مناسب نہیں۔ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صاف صاف فرما دیا: ''جب تک کہ آپ جنبی نہ ہوتے تھے۔''

دوبارہ جماع کرنے سے قبل وضو کرنا

115- وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَعُودَ فَلْيَتَوَضَّأْ بَيْنَهُمَا وُضُوءًا)).

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے (یعنی اس سے جماع کرے) پھر (فارغ ہونے کے کچھ دیر بعد) دوبارہ آنے (یعنی جماع کرنے) کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ ان دونوں (مجامعتوں) کے درمیان وضو کرے۔''❶

رَوَاهُ مُسْلِمٌ- زَادَ الْحَاكِمُ ((فَإِنَّهُ أَنْشَطُ لِلْعَوْدِ)).

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے (اپنی روایت میں) یہ الفاظ زائد کہے ہیں: ''کیونکہ یہ (وضو کرنا) دوبارہ جماع کرنے کے لیے زیادہ بشاشت پیدا کرنے والا ہے۔''

غریب الحدیث:...... اِذَا اَتٰی: مراد جماع کرنا ہے اور یہ باعث حیا باتوں کو کنایہ سے بیان کرنے کے باب سے ہے۔

اَھْلَہٗ: مراد بیوی ہے۔

ثُمَّ اَرَادَ اَنْ یَّعُوْدَ: مراد دوبارہ جماع کرنے کا ارادہ ہے۔

فَلْیَتَوَضَّأْ بَیْنَھُمَا وُضُوْءً: وضو معروف ہے۔ البتہ غسل کر لینا افضل ہے۔ گو ان الفاظ میں شرم گاہ کو دھونے کا ذکر نہیں لیکن وضو کے ذکر سے شرم گاہ دھونا بدرجۂ اولیٰ مطلوب ہوگا اور مذکورہ امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے۔

---

❶ صحيح مسلم: 308- المستدرك للحاكم: 254/1- صحيح ابن حبان: 1211- امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان آخری الفاظ کے روایت کرنے میں امام ... منفرد ہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَنْشَطُ لِلْعُوْدِ: یعنی وضو کر لینے سے دوبارہ جماع کرنے کی قوت اور بشاشت زیادہ ہو جائے گی۔

مضمونِ حدیث:..... مذکورہ مسئلہ واضح ہے کہ اگر بیوی سے دوبارہ جماع کرنے کو جی چاہ رہا ہے تو پہلے وضو کر لیا جائے تا کہ طبیعت کی گرانی جاتی رہے اور نشاط و بشاشت پیدا ہو جائے اور دوبارہ جماع کا ضرر کم سے کم ہو۔ اسی بنا پر بعض علماء نے لکھا ہے کہ آدمی خود پر دوبارہ جماع کے لیے جبر نہ کرے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ قابلِ حیا باتوں کو کنایہ سے بیان کرنا افضل ہے جب تک کہ صراحت کی ضرورت نہ ہو۔

◈ بیوی کو اہل کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ جو شائع و ذائع اور زبانِ زدِ خلائق ہے اس لیے اس ارشاد باری تعالیٰ میں ﴿وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِیْنَ الزَّکٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا۝﴾ (الاحزاب: 33)

''اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کے زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کر دے اے گھر والو! اور تمھیں پاک کر دے، خوب پاک کرنا''

مثل آفتابِ نیم روز ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ''آلِ بیت'' میں داخل ہیں کیونکہ آیت کا سیاق ازواجِ مطہرات کی بابت ہے اور اس بات کا سوائے روافض کے اور کوئی منکر نہیں۔

◈ شریعت اسلامیہ ادیان وابدان دونوں کے شئون پر مشتمل ہے کہ دو جماعتوں کے درمیان وضو جہاں اللہ رسول کی اطاعت ہے وہیں بدنِ انسانی کی صحت کا ضامن بھی ہے۔

WWW.KitaboSunnat.com

◈ احکام شرعیہ کی ایسی علت بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں جس کا تعلق مصالح بدنیہ سے ہو جیسا کہ یہاں فرمایا کہ دوبارہ جماع کرنے سے قبل وضو کر لینا زیادہ بشاشت وقوت اور فرحت ونشاط کا باعث ہے۔ البتہ اس وضو میں نیت دنیاوی غرض کی بجائے رب کی رضا کی کی جائے۔ لیکن دنیوی مصلحت کی خاطر سے وضو کرنے سے بھی اجر باطل نہ ہوگا۔

جنبی کے وضو کیے بنا سو جانے کا حکم

116- وَلِلْأَرْبَعَةِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَنَامُ وَهُوَ جُنُبٌ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَمَسَّ مَاءً))،

ائمہ اربعہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ (بسا اوقات) حالتِ جنابت میں پانی کو چھوئے (یعنی وضو کیے) بغیر بھی سو جایا کرتے تھے۔ ❶

---

❶ سنن ابی داود: 228- جامع الترمذی: 118- سنن النسائی: 139/1- سنن ابن ماجه: 581- امام ابن حجر رحمہ اللہ نے خود "التلخیص الحبیر" (140/1) میں اس حدیث کے معلول ہونے کی وضاحت کر دی ہے۔ اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: (المجموع: 171/2 نووی رحمہ اللہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَهُوَ مَعْلُوْلٌ . یہ حدیث معلول ہے۔

غریب الحدیث:...... وَهُوَ جُنُبٌ : یہ جملہ حالیہ ہے۔

جُـنُـبٌ : یہ لفظ واحد اور جمع دونوں کے لیے آتا ہے واحد کے لیے آنے کی مثال تو یہی حدیث ہے۔ جبکہ جمع کے لیے آنے کی مثال یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ (المائدۃ: 6) ''اگر جنبی ہو تو غسل کرلو۔''

کہ یہاں یہ لفظ جمع کے لیے آیا ہے۔

مضمون حدیث:...... مسئلہ واضح ہے کہ جنبی حالتِ جنابت میں سوسکتا ہے چاہے اس نے وضو تک نہ کیا ہو۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ بیانِ حق میں حیا مانع نہیں۔ جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جماع اور شرم گاہ سے متعلقہ امر کو بیانِ حق کی غرض سے صاف صاف ذکر کردیا۔

◈ جنبی بغیر وضو کیے بھی سوسکتا ہے۔ البتہ اس جواز میں علماء کا اختلاف ہے:

⊙...... ایک قول یہ ہے کہ یہ جواز بلا کراہت ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا جنابت میں وضو ترک کر کے سو جانا اس کے جواز بلا کراہت کی دلیل ہے۔

⊙...... ایک قول جواز مع الکراہت کا ہے یہ حنابلہ کا مشہور مذہب ہے گویا کہ یہ حضرات دلائلِ وجوب اور عدمِ وجوب کو جمع کرنا چاہتے ہیں۔ ❶

⊙...... جبکہ ایک قول یہ ہے کہ بلاوضو کے جنبی کا سو جانا جائز نہیں۔ اس قول کے قائلین مندرجہ ذیل دلیل پیش کرتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب نبی کریم ﷺ سے یہ دریافت فرمایا کہ کیا ہم میں سے ایک حالتِ جنابت میں بھی سو جایا کرے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! جب وہ وضو کرلے تو (پھر جنابت کے ساتھ بھی) سو جایا کرے۔'' ❷

بہرحال من حیث المجموع دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آدمی کو وضو کر کے سونا چاہیے جیسا کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جب تم اپنے بستر کی طرف آؤ تو اپنا نماز والا وضو کرلو۔'' ❸ یہ دلیل سمعی ہے جبکہ دلیل نظری بھی اسی کی تائید کرتی ہے کیونکہ سوتے وقت آدمی کا نفس اس کے بدن سے جدا ہو جاتا ہے گو یہ جدائی عارضی ہوتی ہے اس لیے اس وقت آدمی کا طہارت پر ہونا مناسب ہے۔

امام موصوف علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کو مناسب تو یہ تھا کہ وہ اس موقع پر حدیث عمر رضی اللہ عنہ ذکر کرتے جو اہم بھی ہے اور صحیح بھی۔ جیسا کہ صاحبِ ''العمدۃ'' نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ اسی طرح اصحابِ سنن نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جو یہ حدیث ذکر کی ہے کہ ''نبی کریم ﷺ جب جنابت میں کچھ کھانے کا یا سونے کا ارادہ فرماتے تھے تو نماز والا وضو کرلیا کرتے

---

❶ شرح العمدۃ: 395/1۔ المبدع: 202/1.

❷ صحیح البخاری: 287۔ صحیح مسلم: 306.

❸ صحیح البخاری: 247 عن البراء رضی اللہ عنہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔" ❶ اس حدیث کو بھی اس موقع پر ذکر کرنا مناسب تھا۔

غسلِ جنابت کا طریقہ

117,118۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ يَبْدَأُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ ، ثُمَّ يُفْرِغُ بِيَمِيْنِهِ عَلَى شِمَالِهِ ، فَيَغْسِلُ فَرْجَهُ ، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ . ثُمَّ يَأْخُذُ الْمَاءَ فَيُدْخِلُ أَصَابِعَهُ فِي أُصُوْلِ الشَّعْرِ ، ثُمَّ حَفَنَ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثَ حَفَنَاتٍ ، ثُمَّ أَفَاضَ عَلَى سَائِرِ جَسَدِهِ ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ)).

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب غسلِ جنابت کا ارادہ فرماتے تھے تو پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتے تھے پھر اپنے داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے اور (اس پانی سے) اپنی شرم گاہ کو دھوتے تھے، پھر وضو فرماتے، پھر پانی لیتے اور اپنی انگلیوں کو بالوں کی جڑوں میں داخل کرتے، پھر پانی کی تین لپیں بھر کر اپنے سر پر ڈالتے، پھر اپنے سارے بدن پر پانی ڈالتے، پھر (آخر میں) اپنے دونوں پاؤں دھوتے۔ ❷

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ .

یہ حدیث "متفق علیہ" ہے اور یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں۔

وَلَهُمَا ، مِنْ حَدِيْثِ مَيْمُوْنَةَ : ((ثُمَّ أَفْرَغَ عَلَى فَرْجِهِ وَغَسَلَهُ بِشِمَالِهِ ، ثُمَّ ضَرَبَ بِهَا الْأَرْضَ))

اور امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کی سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت میں یہ الفاظ ہیں: پھر آپ ﷺ نے اپنی شرم گاہ پر پانی ڈالا اور اسے اپنے بائیں ہاتھ سے دھویا پھر اس ہاتھ کو زمین پر مارا۔

وَفِي رِوَايَةٍ : فَمَسَحَهَا بِالتُّرَابِ . وَفِي آخِرِهِ : ثُمَّ أَتَيْتُهُ بِالْمِنْدِيْلِ فَرَدَّهُ ، وَفِيْهِ : وَجَعَلَ يَنْفُضُ الْمَاءَ بِيَدِهِ .

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں اور اس کو مٹی پر پھیرا (یعنی اس کو زمین پر مارا) اور اس روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: "پھر میں آپ ﷺ کی خدمت میں تولیہ لے کر حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے تولیہ واپس فرما دیا۔ اور اس روایت میں یہ الفاظ (بھی) ہیں: "اور آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے پانی کو (مل کر اور پونچھ کر) صاف کرنے لگے۔" ❸

غریب الحدیث:......إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ: یہاں مِنْ سببیہ ہے۔

يَبْدَأُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ: یعنی پہلے ہاتھ دھوتے تھے۔ کیونکہ ہاتھ آلۂ تنظیف ہیں اس لیے پہلے ان کا صاف ہونا ضروری ہے۔

ثُمَّ يُفْرِغُ: یہ اِفراغ ہاتھ دھونے کے بعد کا ہے۔ یہ افراغ برتن سے پانی لے کر بھی ہوسکتا ہے اور خود داہنے ہاتھ سے برتن سے پانی کو بائیں ہاتھ پر گرانے سے بھی ہوسکتا ہے۔

فَيَغْسِلُ فَرْجَهُ: تاکہ جنابت کا اثر پہلے دور ہو۔

ثُمَّ يَتَوَضَّأُ: مراد پورا وضو کرنا ہے۔

---

❶ صحیح مسلم: 305 میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔ ❷ صحیح البخاری: 258۔ صحیح مسلم: 316۔

❸ صحیح البخاری: 257۔ صحیح مسلم: 317۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فِيْ اُصُوْلِ الشَّعْرِ: چونکہ نبی کریم ﷺ کے گیسو مبارک گھنے تھے اس لیے آپ ﷺ پانی کو انگلیوں کے پوروں کی مدد سے بالوں کی جڑوں تک پہنچاتے تھے۔

ثُمَّ حَفَنَ: یہ لپیں بھر کے پانی ڈالنا، پانی کو بالوں کی جڑوں تک پہنچانے کے بعد ہے تاکہ سر کی تطہیر کامل ہو جائے۔ یہ شدت اس لیے ہے کیونکہ وضو تخفیف پر مبنی ہے کیونکہ اس میں صرف چار اعضا دھونے ہوتے ہیں اور چونکہ غسل جنابت میں سارا بدن دھونا ہوتا ہے، اس لیے اس میں تشدید ہے۔

عَلٰی سَائِرِ جَسَدِہٖ: مراد باقی کا سارا بدن ہے۔ لفظ سَائِر "کُلّ" کے معنی میں آتا ہے۔

ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَیْهِ: یہ دھونا تطہیر اور تنظیف کے لیے ہے۔ کیونکہ پہلے زمانہ کے غسل خانے آج کل کی طرح کے نہ ہوتے تھے۔ اُن میں پانی کھڑا ہو جاتا تھا۔ اسی لیے آخر میں پاؤں دھوتے تھے تاکہ کھڑے پانی میں پڑے پاؤں پر لگا گندا پانی دُھل جائے۔

وَلَهُمَا: مراد امام بخاری اور امام مسلم ہیں۔

وَ غَسَلَهٗ بِشِمَالِهٖ: مذکورہ الفاظ اس بات پر نص ہیں کہ شرم گاہ کو بائیں ہاتھ سے دھویا جائے گا۔

ثُمَّ ضَرَبَ بِهَا الْاَرْضَ: مراد شرم گاہ کو دھونے کے بعد بایاں ہاتھ زمین پر مارنا ہے۔ ایک روایت میں اَوِ الْحَائِطِ مَرَّتَیْنِ اَوْ ثَلاثًا کے الفاظ بھی ہیں یعنی آپ ﷺ پھر بائیں ہاتھ کو دو یا تین مرتبہ زمین پر یا دیوار پر مارتے تھے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے ہاتھوں پر لگی رہ جانے والی کسی بھی قسم کی جنابت یا نجاست جلدی اتر جاتی ہے اور ایسا کرنے سے پانی کی ضرورت بھی کم پڑتی ہے اور نظافت بھی زیادہ حاصل ہوتی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ پانی کم ہونے کی صورت میں نظافت و تطہیر میں معاون دوسرے امور کو بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔

مَسَحَهَا بِالتُّرَابِ: یہ بائیں ہاتھ کو زمین پر مارنے کے معنی میں ہے۔

فَرَدَّهٗ: یعنی تولیہ کو استعمال نہ فرمایا۔

وَ جَعَلَ يَنْفُضُ الْمَاءَ بِيَدِهٖ: یعنی ہاتھوں سے پانی کو پونچھ کر صاف کرنے لگے۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں غسلِ جنابت کا مفصل طریقہ مذکور ہے جس میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ جنابت میں پورے بدن پر پانی ڈالنا واجب ہے چاہے پہلے وضو کرے یا پہلے سر پر پانی ڈالے یا پہلے جنابت دھوئے، یا پہلوؤں کو پہلے دھوئے اور چاہے نچلا بدن پہلے دھوئے۔ غرض جو بھی طریقہ اختیار کرے سارے بدن تک پانی پہنچانا واجب ہے۔ البتہ مسنون طریقہ وہی ہے جو اوپر مفصل مذکور ہوا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- بیانِ حق کی غرض سے عورت بھی قابلِ حیا باتوں کو صراحۃً ذکر کر سکتی ہے۔
- مناسب ہے کہ غسل کو مذکورہ بالا طریقہ پر کیا جائے۔
- غسل سے قبل کامل وضو کیا جائے۔
- غسل کرنے میں سر دھونے کی طرف خاص توجہ دی جائے اور بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانے کا اہتمام کیا جائے اور ایک بار جڑوں تک پانی پہنچانے کے بعد تین بار پانی مزید ڈالا جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- البتہ باقی کے بدن کے غسل میں تکرار نہ کیا جائے جیسا کہ مذکور ہے کہ "پھر آپ ﷺ نے باقی کے سارے بدن پر پانی ڈالا" کہ ان الفاظ میں تکرار و تثلیث کا ذکر نہیں اور یہی قول راجح ہے۔
- غسل میں بدن ملنا شرط نہیں۔ کیونکہ مذکورہ روایت میں "دلک" کا ذکر نہیں۔
- غسل پورا کر لینے کے بعد پاؤں کا دھونا مشروع ہے۔ البتہ یہ دھونا حاجت کے ساتھ مقید ہے۔ لہٰذا اگر کسی جگہ غسل کی دھوون اکٹھی نہ ہوتی ہو بلکہ بہہ جاتی ہو تو ایسی جگہ غسل کے بعد پاؤں دھونے کی حاجت نہیں۔
- بھیگے بدن کو تولیے سے خشک کرنا جائز ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے تولیہ صرف واپس فرمایا تھا نہ کہ اس کے استعمال پر نکیر فرمائی تھی جو اس کے استعمال کے جواز کی دلیل ہے اور ممکن ہے کہ آپ ﷺ کے تولیہ واپس کرنے کی وجہ کوئی اور رہی ہو۔ جیسے ہو سکتا ہے کہ خود تولیہ صاف نہ ہو، بلکہ میلا ہو وغیرہ۔
- بدن کی تری اور گیلا پن ہاتھ سے پونچھ کر صاف کر سکتے ہیں۔

غسلِ جنابت میں بالوں کی مینڈھیوں کا حکم

119۔ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّي امْرَأَةٌ أَشُدُّ شَعْرَ رَأْسِي، أَفَأَنْقُضُهُ لِغُسْلِ الْجَنَابَةِ؟ وَفِي رِوَايَةٍ: لِلْحَيْضَةِ؟ فَقَالَ: ((لَا، إِنَّمَا يَكْفِيكِ أَنْ تَحْثِي عَلَى رَأْسِكِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے (خدمتِ نبوی میں) عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اپنے سر کے بال باندھے رکھتی ہوں کیا میں جنابت کے غسل ......اور ایک روایت میں ہے کہ حیض (سے پاکی) کے غسل...... میں ان کو کھولا کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "نہیں! تمہارے لیے بس یہی کافی ہے کہ تم اپنے سر پر پانی کی تین لپیں بھر کر ڈال لیا کرو۔" [1]

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ......**اَشُدُّ شَعْرَ رَأْسِي**: یعنی میں بالوں کی لٹیں بنا کر ان کو گوندھ لیتی ہوں اور جب بال اسی طرح گندھے ہوں تو ان میں پانی داخل کرنے سے ہی داخل ہوتا ہے۔ اسی لیے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اشکال ہوا کہ کیا پھر جنابت یا حیض سے پاکی کے غسل میں ان کا کھولنا ضروری ہے؟ جس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ پانی تین لپیں سر پر ڈال لینا کافی ہے۔

لَا: یہ لَا نہی کا بھی ہو سکتا ہے اور نفی وجوب کا بھی ہو سکتا ہے۔ اگر اس کو نہی کا لَا مانیں تو پھر غسل جنابت وغیرہ میں عورت کو اپنی مینڈھیاں کھولنا غیر مسنون بلکہ غیر مناسب ہوگا اور اگر اس کو نفی وجوب کا لَا مانیں تو عورت کو بال کھولنا جائز اور مناسب ٹھہرے گا۔ گو واجب نہ ہوگا۔

مضمونِ حدیث: ......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ عورت کے لیے گندھے بال کھول کر غسل کرنا لازم نہیں کہ عورت کو اس بات کا پابند بنانے میں حرج اور مشقت ہے۔ اس لیے وہ سر پر تین مرتبہ پانی ڈال کر ان کو فقط جڑوں تک پہنچا دے گی۔

---

[1] صحیح مسلم: 330.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ حضرات صحابیات رضی اللہ عنہن شرعی ضرورت کی بنا پر قابلِ حیا باتوں کو بھی صراحۃ پوچھ لیا کرتی تھیں۔

◈ عورت بالوں کو گوندھ سکتی ہے۔لہٰذا عورت کے لیے چٹیا بنانا یا بالوں کی مینڈھیاں بنانا جائز ہے۔البتہ سر کی چوٹی پر جوڑا بنانا ممنوع ہے۔چنانچہ جو عورتیں سروں پر اونٹوں کے کوہان جیسا جوڑا بنا کر رکھتی ہیں ان کے لیے ایک صحیح حدیث میں یہ وعید آئی ہے کہ ''نہ تو وہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ جنت کی خوشبو ہی پائیں گی۔''[1] کیونکہ یہ دوسروں یعنی شوہر کے علاوہ غیر مردوں کے سامنے زینت کے اظہار میں داخل ہے جو حرام ہے۔

◈ حیض و جنابت کے غسل میں عورت پر اپنی مینڈھیاں کھولنا ضروری نہیں اور اس کے لیے سر پر تین لپ بھر پانی ڈال لینا بھی کافی ہے۔جس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سر دھونے کے لیے اس پر تین بار لپیں بھر کر ڈالنا کافی ہے۔

جنبی اور حائض کے مسجد میں ٹھہرنے کا حکم

120- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنِّي لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ)).

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''میں مسجد (میں ٹھہرنے اور رکنے) کو حیض والی عورت اور جنابت والے (مرد اور عورت) کے لیے حلال نہیں کرتا۔''[2]

رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ. وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

اس حدیث کو امام ابوداود رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... إِنِّيْ: اس میں نون تاکید کا ہے۔

لَا أُحِلُّ: یعنی میں اس بات کو حلال نہیں ٹھہراتا کہ جنبی یا حائض مسجد میں ٹھہرے۔

مضمون حدیث:...... یہ مسئلہ بے غبار ہے کہ جنبی اور حائض کے لیے مسجد میں ٹھہرنا حلال نہیں۔اس کی مزید تفصیل فوائد کے تحت آ رہی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ نبی کریم ﷺ کی طرف تحریم و تحلیل کی اضافت جائز ہے لہٰذا رب تعالیٰ کی طرح رب تعالیٰ کی اجازت سے نبی کریم ﷺ

---

[1] صحيح مسلم: 2128.

[2] سنن ابی داود: 232- صحيح ابن خزيمة: 1327 من طريق افلت عن بسرة عن عائشة رضی اللہ عنہا۔ بیہقی وغیرہ ائمہ حدیث نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے مزید برآں یہ کہ یہ افلت بن خلیفہ کی روایت ہے جو ضعیف ہے۔لیکن امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک افلت کی روایت میں کوئی حرج نہیں، ابن قطان وغیرہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔(دیکھیں: التلخيص الحبير: 139/1) امام نووی "المجموع" (182/2) میں اس روایت کے بارے میں علمائے حدیث کے اقوال نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: امام ابوداود نے یہ حدیث روایت کی ہے جبکہ اس کی تضعیف کی تصریح نہیں کی اور ہم گزشتہ اوراق میں امام ابوداود کا مذہب بیان کر چکے ہیں کہ ''جب وہ خود بھی ایک روایت کو ضعیف نہیں کہتے اور انہیں اس بارے دوسروں کی تضعیف بھی نہیں ملتی تو وہ روایت ان کے نزدیک صالح ہوتی ہے۔'' لیکن امام بخاری رحمہ اللہ "التاریخ" (67/2) میں فرماتے ہیں: بسرہ کی احادیث عجائب میں سے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی تحریم وتحلیل فرما سکتے ہیں جیسے کہ نبی کریم ﷺ کی طرف امر ونہی کی اضافت بھی جائز ہے۔

◈ مساجد کی تعظیم کہ جنبی وحائض کو ان میں آنے سے روکا جاتا ہے۔

◈ حائض مسجد میں کسی طور پر بھی نہیں ٹھہر سکتی اسی لیے حائض کے لیے طواف بھی جائز نہیں۔

◈ بظاہر اس حدیث سے جنبی اور حائض کو مسجد سے گزرنا بھی ناجائز معلوم ہوتا ہے، لیکن دیگر دلائل سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا حائض عورت مسجد سے گزر سکتی ہے۔

◈ جنبی اگر وضو کر لے تو یہ تحریم جاتی رہتی ہے۔ لہٰذا اگر کسی جنبی نے وضو کر لیا تو وہ مسجد میں ٹھہر سکتا ہے۔ البتہ حائض عورت وضو کر کے بھی مسجد میں نہیں ٹھہر سکتی۔ کیونکہ جنبی کا وضو اس کی جنابت میں تخفیف پیدا کر دیتا ہے جبکہ حیض کا حدث وضو کر کے بھی باقی رہتا ہے۔

زوجین کا اکٹھے غسل کرنا

121- وَعَنْهَا رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، تَخْتَلِفُ أَيْدِينَا فِيهِ مِنَ الْجَنَابَةِ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَزَادَ ابْنُ حِبَّانَ: ((وَتَلْتَقِي)).

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں اور اللہ کے رسول ﷺ ایک ہی برتن سے (پانی لے کر) جنابت کا غسل کرتے تھے کہ اس میں ہمارے ہاتھ باری باری داخل ہوتے تھے۔ ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور ابن حبان نے (اپنی روایت میں) یہ الفاظ زائد روایت کیے ہیں: اور ہمارے ہاتھ ایک دوسرے سے ٹکراتے تھے۔ ❷

غریب الحدیث:...... كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: یعنی ایک ہی برتن سے پانی لے کر اکٹھے نہاتے تھے۔
تَخْتَلِفُ اَيْدِيْنَا فِيْهِ: یعنی نبی کریم ﷺ پانی لے کر اپنے دستِ مبارک کو برتن سے نکال رہے ہوتے تھے کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس برتن میں پانی لینے کے لیے ہاتھ ڈال رہی ہوتی تھیں۔

مضمون حدیث:......خاوند بیوی بے ستر ہو کر اکٹھے نہا سکتے ہیں چاہے اس دوران ایک دوسرے کے ستر مغلظ پر بھی نگاہ پڑ رہی ہو کہ یہ جائز ہے اور چاہے یہ اکٹھے نہانا آج کل کی طرح (شاور وغیرہ کے) بہتے پانی کے نیچے ہو یا ایک برتن سے پانی لے کر ہو کہ یہ جائز ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ زوجین کا اکٹھے نہانا جائز ہے اور یہ مباح کی قبیل سے ہے نہ کہ سنت۔

◈ زوجین کا ایک دوسرے کے سامنے ننگا ہونا جائز ہے۔

◈ جنبی پاک ہونے کے لیے برتن میں ہاتھ ڈال کر پانی لے سکتا ہے۔ البتہ اس میں یہ شرط ہے کہ ہاتھ پر کوئی نجاست نہ لگی ہوئی ہو۔

◈ یہ بھی معلوم ہوا کہ ماءِ مستعمل طَاھِرْ بھی ہوتا ہے اور مُطَهِّرْ بھی۔ چاہے اس میں حدث والا ہاتھ ہی کیوں نہ ڈالا جائے۔

❶ صحیح البخاری: 261۔ صحیح مسلم: 319۔ ❷ صحیح ابن حبان: 1111۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنابت سے پاک ہونے کے لیے اچھی طرح نہانا

122,123- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةً ، فَاغْسِلُوا الشَّعْرَ ، وَأَنْقُوا الْبَشَرَ))،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''بے شک بال بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے، پس (سر کے) بالوں کو (اچھی طرح اور خوب) دھوؤ اور (بالوں کی) کھال کو (اچھی طرح) صاف کرو۔'' [1]

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ ، وَضَعَّفَاهُ .

اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے روایت کر کے اسے ضعیف کہا ہے۔

وَلِأَحْمَدَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا نَحْوُهُ وَفِيْهِ رَاوٍ مَجْهُوْلٌ .

اور ایسی روایت امام احمد رحمہ اللہ کی بھی ہے جو انہوں نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے البتہ اس کی اسناد میں ایک مجہول راوی بھی ہے۔ [2]

غریب الحدیث:...... تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ: مراد سر کے اور باقی بدن کے بال ہیں۔ فَاغْسِلُوا الشَّعْرَ: یہاں بالوں سے مراد جڑوں سے اوپر کے بال ہیں۔ وَ اَنْقُوا الْبَشَرَ: مراد بالوں کی جڑوں کی کھال ہے۔

درایۃ الحدیث:...... مذکورہ حدیث ضعیف ہے اور اسی طرح مسند احمد کی حدیث بھی ایک مجہول راوی کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ حدیث کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کے راویوں کی عدالت اور ضبط معلوم ہو جو نامعلوم راوی ہونے کی صورت میں معلوم نہیں ہو سکتی۔ لیکن ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَاطَّهَّرُوْا﴾ ''خوب پاکی حاصل کرو۔'' کا عموم بتلاتا ہے کہ ایسی تطہیر لازم ہے جو سارے بدن کو عام اور شامل ہو۔

مضمون حدیث:...... یہ مسئلہ واضح ہے کہ غسل جنابت میں پورے بدن کا استیعاب واجب ہے بالخصوص سر کے بالوں کی جڑوں اور ان کی کھال کو خوب دھونا لازم ہے۔

الحمد للہ غسل کا باب اور جنبی کے احکام تمام ہوئے۔

9- بَابُ التَّيَمُّمِ ...... تیمم کا بیان

تمہید:...... تیمم کا لغوی اور اصطلاحی معنی:...... تیمم کا لغوی معنی قصد و ارادہ کرنا ہے اور اصطلاحِ شرع میں چہرے اور دونوں ہاتھوں پر مخصوص طریقہ پر عبادت کے طور پر مٹی ملنے کو تیمم کہتے ہیں۔

تیمم کی مشروعیت اور حکم

کتاب و سنت تیمم کی مشروعیت پر دلالت کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ عبادت ہے اور اس کی عبادت و مشروعیت پر امت کا اجماع

---

[1] سنن ابی داود: 248- جامع الترمذی: 106- سنن ابن ماجہ: 597- امام بخاری، یحییٰ بن معین اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ (دیکھیں: المجموع: 212/2- المحلّٰی: 32/2)

[2] مسند احمد: 110/6، 254- علامہ ہیثمی "مجمع الزوائد" (272/1) میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے رجال صحیح کے رجال ہیں البتہ اس کی اسناد میں ایک غیر مسمّٰی راوی بھی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ (المائدة: 6) ''پھر کوئی پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو۔''

رہی سنت تو اس کا بیان آگے آرہا ہے اور اس بارے اجماع معروف ہے۔

تیمّم کی شروط

تیمّم کی چند شروط ناگزیر ہیں، جو یہ ہیں:

(1) تیمّم کرنا تب جائز ہے جب کسی کے لیے پانی کا استعمال متعذر ہو جائے، چاہے یہ تعذر پانی کے معدوم ہونے کی وجہ سے ہو یا اس کے استعمال سے ضرر کے لاحق ہونے کی وجہ سے ہو۔ یہ متفق علیہ شرط ہے جس کو رب تعالیٰ نے **فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً** کے الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اور رہی اس کی نظری دلیل تو وہ یہ ہے کہ پانی سے تطہیر اصل ہے جبکہ تیمّم اس کی فرع ہے اور اصل کے امکان کے ساتھ فرع پر عمل جائز نہیں ہوتا۔

(2) تیمّم کے جواز کے لیے نماز کے وقت کا دخول شرط نہیں بس عدمِ ماء کا تحقق لازم ہے۔ لہٰذا پانی نہ ملنے کا یقین ہوتے ہی یا اس کے استعمال سے ضرر پہنچنے کا یقین ہوتے ہی تیمّم کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تیمّم پاک کرنے والا ہے لہٰذا جب بھی تیمّم کیا جائے گا، وہ ضرور پاک کرے گا۔

(3) اسی لیے تیمّم خروجِ وقت سے باطل بھی نہیں ہوتا۔

(4) تیمّم حدثِ اصغر و اکبر دونوں میں ایک سا ہے کیونکہ تیمّم سے مقصود رب تعالیٰ کی عبادت اور دین پر چلنا ہے۔

(5) حدث کے علاوہ جیسے ازالۂ نجاست میں تیمّم کے جواز میں اختلاف ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ تیمّم ازالہ نجاست کے ارادہ سے جائز نہیں۔ کیونکہ تیمّم سے حدثِ حکمی رفع ہوتا ہے جبکہ ظاہری لگی نجاست زائل نہیں ہوتی، اس اعتبار سے لگی نجاست کے ازالہ کے ارادہ سے مشروع تیمّم بے فائدہ ہوگا۔ اس لیے تیمّم صرف حدث کے رفع کے ساتھ ہی خاص ہے۔

تیمّم کی مشروعیت کی حکمت اور امتِ محمدیہ کے حق میں اس کا رحمت ہونا

بلاشبہ تیمّم کی مشروعیت بندوں پر رب تعالیٰ کی رحمت کا ایک عظیم مظہر ہے۔ کیونکہ بسا اوقات بعض لوگوں کے لیے پانی کا استعمال شدید مضر ہوتا ہے۔ اب اگر ہر حال میں پانی کا استعمال ہی لازم ہوتا تو اس میں بندوں پر بے حد مشقت اور حرج تھا اس لیے اس مشقت اور حرج کو رفع کرنے کے لیے تیمّم کو مشروع کیا گیا۔ تیمّم امت محمدیہ کا خاصا ہے۔ یہ حکم اور یہ رخصت پہلی امتوں کو حاصل نہ تھی۔ پس یہ حکم نبی رحمت ﷺ کی امت کے حق میں عظیم رحمت اور اس کے خصائص میں سے ہے۔

تیمّم کی مشروعیت خصائصِ نبوی میں سے ہے

124,125,126- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضي الله عنهما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((أُعْطِيتُ خَمْسًا، لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي، نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''مجھے پانچ باتیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی (پیغمبر اور رسول) کو نہیں عطا کی گئیں (اور ان پانچ باتوں میں سے چند باتیں یہ ہیں): (1) میری ایک ماہ کی مسافت تک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَطَهُوْرًا، فَأَيُّمَا رَجُلٍ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ)). وَذَكَرَ الْحَدِيْثَ.

رعب کے ذریعے مدد کی گئی ہے۔ (2) اور میرے لیے (ساری کی ساری) زمین کو سجدہ ادا کرنے (یعنی نماز ادا کرنے) کی جگہ اور پاک کرنے والا بنا دیا گیا ہے۔ (3) اور جس آدمی کو بھی نماز (کا وقت) پالے (یعنی آدمی جب بھی نماز کا وقت پائے) تو نماز ادا کرلے۔'' ❶ آگے پوری حدیث ذکر ہے۔

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:...... **أُعْطِيْتُ**: اور دینے والا رب تعالیٰ ہے کہ وہ جسے چاہے، جو چاہے عطا فرمائے۔

خَمْسًا: یہ عدد بطور حصر کے ذکر نہیں بلکہ بطور تقریب کے ہے۔ لہٰذا مراد یہ نہ ہوگا کہ نبی کریم ﷺ کو بطورِ خاص بس یہی پانچ باتیں ہی عطا فرمائی گئی تھیں بلکہ آپ ﷺ کی ایسی اور بھی متعدد خصوصیات ہیں جن میں دوسرا کوئی پیغمبر شریک نہیں۔

أَحَدٌ مِّنْ قَبْلِيْ: مراد آپ ﷺ سے پہلے کے انبیاء ورسل ہیں اور قَبْلِيْ کے بعد بَعْدِي اس لیے نہ فرمایا کیونکہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا پیغمبر نہ آئے گا۔ ایسی جملہ نبوی تعبیرات نبی کریم ﷺ کی ختمِ نبوت کی صریح دلیل ہیں جن کے انکار سے قادیانیوں کا بدبخت ٹولہ دائرۂ اسلام سے خارج اور دائرۂ جہنم وعذاب میں داخل ہوا ہے۔

نُصِرْتُ: اور ناصر رب ذوالجلال والاکرام ہے اور اللہ ہی حقیقی مولیٰ وناصر ہے جس پر کتاب وسنت کے متعدد دلائل شاہد ناطق ہیں۔

بِالرُّعْبِ: رعب اس خوف کو کہتے ہیں جو قلب میں جا کر پیوست ہو جاتا ہے اور دشمن کے جی میں رعب اس کی شکست کا سب سے قوی ہتھیار ہے۔

مَسِيْرَةَ شَهْرٍ: اس مسافت کو عہد نبوی کی معروف مسافت پر محمول کیا جائے گا جو اونٹوں پر سوار ہو کر طے کی جاتی ہے۔ اس مسافت کو عصرِ حاضر پر محمول نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ دورِ حاضر کی سواریوں پر ایک ماہ میں تو مشرق ومغرب اور معمورۂ زمین کا چپہ چپہ قطع کیا جا سکتا ہے۔

جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ: لفظ ارض مذکورہ حدیث میں امام موصوف رحمہ اللہ کا محلِ استدلال ہے جو مٹی سے تیمم کے جواز کو بتلاتا ہے۔ "الارض" میں الف لام عموم کے لیے ہے۔ یعنی ہر زمین جائے نماز بننے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اسی طرح پاکی حاصل کرنے کا بھی ذریعہ ہے۔

مَسْجِدًا: جائے سجدہ، مراد جائے صلوۃ ہے۔

طَهُوْرًا: طا کی فتح کے ساتھ، تطہیر کا ذریعہ۔ رب تعالیٰ نے زمین کو مطلق طہور فرمایا ہے اور اس کو مٹی کے ساتھ مقید نہیں فرمایا۔ لہٰذا زمین ریتلی ہو یا سنگستانی اور مٹی والی ہو، سب کے ساتھ تیمم جائز ہوگا۔

فَأَيُّمَا رَجُلٍ أَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ: یہ جملہ شرطیہ ہے جو فعلِ شرط پر مشتمل ہے اور فَلْيُصَلِّ یہ جملہ جوابِ شرط ہے۔ نماز کا ادراک دخولِ وقت سے ہے چنانچہ جب بھی نماز کا وقت داخل ہو، آدمی جس جگہ چاہے نماز ادا کر لے۔ چنانچہ آدمی جہاں بھی ہو اس کے پاس نماز کی جگہ بھی ہے اور طہارت کا سامان بھی لہٰذا اس کے پاس پانی نہ ملنے یا جگہ نہ ملنے کا بہانہ اور عذر باقی نہیں

❶ صحيح البخاري: 438- صحيح مسلم: 521.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہا۔ ادائے صلوٰۃ ہر جگہ اور ہر وقت ممکن ہے۔ لہٰذا وقت داخل ہوتے ہی نماز واجب ہوگی اور کسی عذر سے اسے اتنا موخر کرنا کہ وقت نکل جائے جائز نہ ہوگا۔

وَ ذَكَرَ الْحَدِيثَ: امام موصوف نے ان کلمات سے بقیہ متنِ حدیث کی طرف اشارہ کر دیا ہے جن میں غنائم کے حلال کیے جانے، شفاعت کبریٰ کے عطا کیے جانے اور قیامت تک کے سب جن وانس کی طرف آپؐ کے مبعوث کیے جانے کا ذکر ہے۔

مضمونِ حدیث :...... مضمونِ حدیث واضح ہے اور مذکورہ متن سے امام موصوف نے دراصل اس مسئلہ پر استدلال کیا ہے کہ تیمم پاک مٹی سے کیا جاتا ہے اور اس غرض کے لیے رب تعالیٰ نے ساری کی ساری زمین کو تیمم کے لیے مباح کر دیا ہے کیونکہ اصل میں ساری کی ساری زمین طہور ہے۔ لہٰذا جہاں بھی زمین کا کوئی حصہ ناپاک ہے تو وہ ناپاکی عارضی اور طاری ہے نا کہ اصلی اور خلقی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ اس حدیث سے جنابِ رسول اللہ ﷺ کے اور اس امت کے وہ خصائص معلوم ہوئے جو پہلے پیغمبروں اور پہلی امتوں میں نہ پائے جاتے تھے۔ چنانچہ یہ رب تعالیٰ کا اپنے پیغمبرِ خاتم الانبیاء والمرسلین اور امتِ محمدیہ پر خاص کرم واحسان ہے کہ اس نے زمین کو پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ اور عبادت کرنے کی جگہ بنایا ہے۔

◈ نبی کریم ﷺ کا حسنِ تعلیم کہ آپ ﷺ نے متعدد اور متنوع باتیں ایک ہی سیاق میں جمع فرما دیں۔

◈ دشمن پر رعب خصائصِ نبوی میں سے ہے۔ البتہ جب امت بھی اپنے پیغمبر ﷺ کی سیرت کی کامل اتباع و پیروی کرے گی تو بعید نہیں کہ اسے بھی یہ نعمت بارگاہِ الٰہی سے ارزاں فرمائی جائے۔

◈ جَعْل: اس کی دو قسمیں ہیں: جعلِ شرعی اور جعلِ خلقی۔ یہاں مراد جَعْلِ شرعی ہے کہ رب تعالیٰ نے حکمِ شرعی کے اعتبار سے زمین کو مسجد وطہور بنایا ہے۔

◈ اَلْاَرْضُ: الف لام کا عموم بتلاتا ہے کہ ہر قسم کی زمین پر نماز جائز ہے لہٰذا جوفِ کعبہ میں بھی نماز درست ہوگی البتہ خاص جس جگہ نماز ادا کرنے کی ممانعت آ گئی ہو، وہ جگہ اس حکم کے عموم سے خارج ہوگی جیسے قبرستان۔ ارشادِ نبوی ہے: لَا تُصَلُّوْا اِلَی الْقُبُوْرِ [1] "قبروں کی طرف منہ کر کے نماز ادا نہ کرو۔" اور ایسا قبرستان میں ہوتا ہے لہٰذا قبرستان میں نماز ادا کرنا منع ہوگا اور یہ ممانعت ایک امرِ خارج کی وجہ سے ہے، وہ یہ کہ اس میں قبروں کی پوجا کی مشابہت ہے لہٰذا یہ امتناعی حکم شرک کے ذرائع کے سدِ باب کی قبیل سے ہوگا لہٰذا عین قبر کو قبلہ رخ پر رکھ کر اس کے پیچھے فرض ونفل ادا کرنا منع اور حرام ہوگا۔ اسی طرح ایک روایت میں حمام میں بھی نماز ادا کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ [2] اس بنا پر بیت الخلاء میں نماز بدرجۂ اولیٰ ممنوع ہوگی۔ اسی طرح ایک روایت میں اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ پر، اور ایک روایت میں ارضِ مغصوبہ میں بھی نماز ادا کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ لیکن صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ سرزمینِ مغصوبہ میں نماز جائز تو ہے البتہ اس زمین میں مکث و بقاء کی بنا پر گناہ گار ضرور ہوگا۔ غرض زمین میں اصل یہ ہے کہ وہ نماز کے لیے مباح ہے اور جہاں منع ہے، نص کی وجہ سے ہے اور وہ نص بمنزلہ استثناء کے ہے۔ لہٰذا وہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما [3] جس میں سات جگہوں پر نماز کی

---

[1] صحیح مسلم: 972.   [2] جامع الترمذی: 3/7 عن ابی سعید رضی اللہ عنہ.

[3] یہ حدیث آگے "باب شروط الصلوۃ" میں آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ممانعت کا ذکر ہے، ضعیف ہے اور وہ حدیث حکم کا مدار نہیں بن سکتی۔

- اسی طرح ساری کی ساری زمین طہور اور تیمم کے لائق بھی ہے۔ اس کی تفصیل غریب الحدیث میں بیان ہو چکی ہے۔ لہٰذا جن لوگوں نے تیمم کے مباح ہونے کے لیے اس زمین کے ترابی ہونے کی شرط لگائی ہے، یہ بے اصل اور قواعدِ شرعیہ کے خلاف ہے۔
- معلوم ہوا کہ دخولِ وقت سے قبل پانی تلاش کرنا واجب نہیں۔ جس کی دلیل یہ ارشادِ نبوی ہے: أَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ .
- ان الفاظ میں نماز کو اوّل وقت میں ادا کرنے کی طرف اشارہ بھی ہے۔
- ان الفاظ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جسے یہ معلوم ہو کہ اسے آخر وقت میں پانی مل جائے گا تب بھی وہ اوّل وقت میں تیمم سے نماز ادا کر سکتا ہے۔
- یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کرنا جائز نہیں چاہے یہ معلوم بھی ہو کہ پانی قریب ہی ہے۔ لیکن اگر اس تک پہنچنے میں نماز کا وقت نکلتا ہو تو تیمّم کر کے نماز ادا کرنا واجب ہوگا۔

پانی کی موجودگی میں تیمّم کرنا درست نہیں

وَفِيْ حَدِيْثِ حُذَيْفَةَ ﷺ عِنْدَ مُسْلِمٍ: ((وَجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُوْرًا ، إِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ)) .

صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''اور زمین کی مٹی کو جبکہ ہمیں پانی نہ ملے، ہمارے لیے پاک کرنے والا بنا دیا گیا ہے۔''[1]

شرح: ...... مذکورہ حدیث میں دو تخصیصات مذکور ہیں۔ ان کو اور ان کے تجزیہ و تحلیل کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

(1) زمین کی مٹی کے ساتھ تیمّم (2) پانی کی عدم موجودگی میں تیمّم

یاد رہے کہ مذکورہ پہلی قید غیر مراد ہے۔ اس بارے یہ قاعدہ یاد رکھا جائے کہ عام کے بعض افراد کا ایسا حکم بیان کرنا جو عام کے موافق ہو وہ تخصیص کو مقتضی نہیں ہوتا لہٰذا مذکورہ وصف ''تراب'' حکم کو متغیر کرنے والا وصف نہیں بلکہ وصف لقبی ہے۔ چنانچہ زمین کو تراب اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے مٹی ہی ہوتی ہے۔ جبکہ دوسری تخصیص دراصل خود تیمّم کے جواز کا حکم شرعی ہے جس کو خود قرآن نے بیان فرمایا ہے کہ ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا﴾ (المائدة: 6) ''پھر کوئی پانی نہ پاؤ تو قصد کرو۔'' لہٰذا اگر کسی جگہ پانی مول بکتا ہو اور اس کے خریدنے کی رقم پاس نہ ہو تو وہ بھی عدمِ ماء کے حکم میں ہوگا اور ایسی صورت میں کسی کا ہدیہ قبول کرنا بھی لازم نہیں کہ اس سے انسان کا کسی کا زیر بارِ منت احسان ہونا لازم آتا ہے۔ لہٰذا اگر ہبہ کرنے والا ایسا ہو کہ اس کا احسان لازم نہ آتا ہو جیسے والد، بیٹا، بھائی وغیرہ تو اس کے ہدیہ کا قبول کرنا لازم ہوگا۔ یہی حکم پانی اور پانی نکالنے کے آلات ڈول رسی وغیرہ کے عاریۃً لینے کا بھی ہے کہ اگر دینے والا احسان جتلائے تو عاریت کے طور پر ان چیزوں کو لے کر پانی نکالنا لازم نہیں اور اس سے یہ بھی لازم آیا کہ اگر پانی خریدنے کی رقم ہو تو یہ صورتِ عدمِ ماء کے حکم میں داخل نہ ہوگی۔ البتہ دوگنی قیمت پر پانی خریدنا لازم نہ ہوگا۔[2]

---

[1] صحیح مسلم: 522 .

[2] الکافی لابن عبدالبر: 28/1۔ موصوف لکھتے ہیں کہ اگر پانی دوگنی قیمت پر ملتا ہو تو اس کو خرید کر اس سے وضو کرنا لازم نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ عِنْدَ أَحْمَدَ: ((وَجُعِلَ التُّرَابُ لِي طَهُورًا)).

اور مسند احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''اور میرے لیے مٹی کو طہور بنایا گیا ہے۔'' ❶

شرح: .....مذکورہ حدیث حدیثِ حذیفہ کے جیسی ہے اور اس کے فوائد پر مفصل کلام مذکور ہو چکا ہے۔

جنابت سے تیمم کا حکم اور تیمم کرنے کے طریقہ کا بیان

127۔ وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: بَعَثَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي حَاجَةٍ، فَأَجْنَبْتُ، فَلَمْ أَجِدِ الْمَاءَ فَتَمَرَّغْتُ فِي الصَّعِيْدِ كَمَا تَتَمَرَّغُ الدَّابَّةُ، ثُمَّ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ. فَقَالَ: ((إِنَّمَا يَكْفِيْكَ أَنْ تَقُوْلَ بِيَدَيْكَ هٰكَذَا)) ثُمَّ ضَرَبَ بِيَدَيْهِ الْأَرْضَ ضَرْبَةً وَاحِدَةً، ثُمَّ مَسَحَ الشِّمَالَ عَلَى الْيَمِيْنِ، وَظَاهِرَ كَفَّيْهِ وَوَجْهَهُ.

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے ایک کام بھیجا۔ پس میں (اس دوران) جنبی ہو گیا اور مجھے (غسل جنابت کے لیے) پانی بھی نہ ملا تو میں (پاک ہونے کی غرض سے) مٹی میں یوں لوٹ پوٹ ہو گیا جیسے چوپایہ (مٹی میں) لوٹ پوٹ ہوتا ہے (یوں میں نے خود کو پاک سمجھ کر نمازیں ادا کر لیں) پھر (جب) میں خدمتِ نبوی میں (لوٹ کر) آیا اور یہ قصہ حضور ﷺ کے گوشِ گزار کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تمہارے لیے تو اپنے دونوں ہاتھوں سے (بس) اتنا کر لینا کافی تھا۔'' پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک بار زمین پر مارا پھر اپنے بائیں ہاتھ سے دائیں (ہاتھ) کا اور دونوں ہتھیلیوں کے ظاہر کا اور اپنے چہرۂ مبارک کا مسح کیا۔ ❷

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔

وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ: ((وَضَرَبَ بِكَفَّيْهِ الْأَرْضَ، وَنَفَخَ فِيْهِمَا، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ)).

اور صحیح بخاری کے یہ الفاظ ہیں: اور آپ ﷺ نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر مارا پھر ان میں پھونک ماری پھر ان دونوں سے اپنے چہرے کا اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کا مسح کیا۔ ❸

غریب الحدیث:.....**بَعَثَنِي**: یہاں بَعَثَ بمعنی اِرْسَال ہے۔ یعنی مجھے بھیجا۔

فِيْ حَاجَةٍ: حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے یہ ذکر نہیں فرمایا کہ وہ کام کیا تھا؟ چنانچہ آدمی کو چاہیے کہ وہ بھیجنے والے کی بات کو صیغۂ راز میں رکھے بالخصوص جب کہ بھیجنے والا والیٔ امر ہو۔

فَأَجْنَبْتُ: جنابت سے احتلام کی وجہ سے لاحق ہونے والی جنابت مراد ہے۔

فَلَمْ اَجِدِ الْمَاءَ: اور یہ تلاش کے بعد تھا۔ کیونکہ کسی چیز کے وجود کی نفی اس کی طلب کے بعد ہوتی ہے۔

فَتَمَرَّغْتُ: مراد زمین پر اس طرح لوٹ پوٹ ہونا ہے کہ زمین پر دایاں بایاں پہلو بھی لگے اور پیٹھ اور پیٹ بھی لگے۔

❶ مسند احمد: 158/1۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی ''تفسیر القرآن'' (392/1) میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔
❷ صحیح البخاری: 347۔ صحیح مسلم: 368۔ ❸ صحیح البخاری: 338۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كَمَا تَتَمَرَّغُ الدَّابَّةُ: یہ تشبیہ بیان کے لیے ہے کہ میں کس طرح لوٹ پوٹ ہوا نہ کہ تقبیح کے لیے ہے کہ میں اس بری طرح لوٹ پوٹ ہوا جیسے جانور ہوتا ہے اور یہ لوٹ پوٹ ہونا اس بنا پر تھا کہ مٹی سے طہارت حاصل ہوتی ہے۔

إِنَّمَا يَكْفِيْكَ: یعنی اس طرح تیمم کر لینا تمہیں اس لوٹ پوٹ ہونے سے کافی تھا۔

ثُمَّ ضَرَبَ بِيَدَيْهِ الْأَرْضَ: یہ اجمال کے بعد تفصیل کا بیان ہے۔

مَسَحَ الشِّمَالَ عَلَى الْيَمِيْنِ وَ ظَاهِرِ كَفَّيْهِ: بظاہر پوری ہتھیلی یعنی اس کا ظاہر اور باطن دونوں مراد ہیں۔

وَ ضَرَبَ بِكَفَّيْهِ الْأَرْضَ: یہ صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں جن میں ید کی بجائے کف کا ذکر ہے لیکن یہ روایت صحیح مسلم کی روایت کے معارض نہیں کیونکہ جب ید کو مطلق بولا جاتا ہے تو مراد کف ہی ہوتی ہے۔

وَ نَفَخَ فِيْهِمَا: تاکہ ان پر لگ جانے والا غبار اڑ جائے۔

درایۃ الحدیث :...... صحیح بخاری کی روایت میں پھونک مار کر لگ جانے والی گرد یا مٹی کو اڑانے کا ذکر زائد ہے، دوسرے صحیح بخاری کا سیاق صحیح مسلم کے سیاق سے مختلف بھی ہے کہ صحیح بخاری کی روایت میں چہرے کا مسح پہلے کرنے کا ذکر ہے اور ہاتھوں کا بعد میں جبکہ صحیح مسلم کی روایت میں ہاتھوں کا مسح پہلے اور چہرے کا مسح بعد میں مذکور ہے۔ لیکن صحیح بخاری کا سیاق قرآنِ کریم کے موافق ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ﴾ (المائدۃ: 6)

''تو پاک مٹی کا قصد کرو، پس اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرلو۔''

لہٰذا چہرہ کا مسح پہلے ہوگا کیونکہ چہرہ اشرف الاعضاء ہے دوسرے ایسا کرنے سے تیمّم اور وضو کی ترتیب بھی ایک ہو جائے گی۔

مضمونِ حدیث :...... مذکورہ حدیث میں دراصل تیمّم کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے جو معروف ہے کہ زمین پر ہاتھ مار کر پہلے چہرے کا مسح کرے گا پھر بائیں ہتھیلی سے پہلے داہنی کے ظاہر و باطن کا پھر داہنی سے بائیں کے ظاہر و باطن کا مسح کرے گا۔ جبکہ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ تیمم پانی کی غیر موجودگی کی صورت میں کیا جاتا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- دوسرے کو اپنے کام بھیج سکتے ہیں کہ یہ مباح اور جائز ہے اور یہ بھیجنا ایمان و اسلام کی دعوت کے لیے ہو تو عبادت ہوگا اور یہ مذموم سوال میں داخل بھی نہیں۔
- پانی کے ہوتے ہوئے تیمم جائز نہ ہوگا، تیمّم اسی وقت جائز ہوگا جب پانی نہ ہو۔
- قیاس پر عمل جائز ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے مٹی سے طہارت کو پانی سے طہارت پر قیاس کیا تھا۔ البتہ قیاس تب ہی ہے جب نص نہ ہو یا نص کو پا نہ سکیں۔ لہٰذا نص کے ہوتے ہوئے قیاس درست نہیں۔ دوسرے قیاس میں اصل اور فرع میں مساوات لازم ہے جیسے یہاں مٹی اور پانی دونوں کی طہارت ایک ہے۔
- چونکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نص کو نہ پا سکے تھے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قیاس کرنے پر نکیر نہ فرمائی۔ لیکن چونکہ نص تھی اس لیے نفسِ قیاس کو باطل قرار دیا اور بتلایا کہ ایسا کرنے کی بجائے، صرف چہرے اور ہاتھوں کا مسح کافی تھا۔ جس سے یہ معلوم ہوگیا کہ تیمّم میں محل تطہیر صرف یہی دو عضو، چہرہ اور ہاتھ ہی ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- اجتہادی خطا سے اعادہ لازم نہیں یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اس تیمم سے پڑھی نمازوں کے اعادہ کا حکم نہ دیا تھا۔
- تیمم حدثِ اصغر و اکبر دونوں کے لیے ہوتا ہے بخلاف وضو کے کہ وہ صرف حدثِ اصغر کے لیے ہی ہوتا ہے۔
- تیمم میں چہرہ اور ہاتھ کے مسح میں تکرار نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مسح میں تکرار نہ فرمایا تھا۔
- چہرہ اور ہاتھ دونوں کے لیے زمین پر صرف ایک ضرب ہی ہوگی جیسا کہ صحیحین کی روایت میں ہے۔ لہٰذا دوسری ضرب تکلف ہوگی جس کا سنت میں کوئی ذکر نہیں۔
- تیمم پورے چہرہ کا کیا جائے گا لہٰذا صرف چہرے کے وسط کا تیمم کرنا درست نہ ہوگا کیونکہ وَجْهَهُ کے الفاظ چہرہ کے استیعاب کو مقتضی ہیں۔
- مٹی میں ہاتھ مارنے کے بعد ان میں پھونک مارنا مشروع ہے۔ البتہ یہ مشروعیت ہاتھوں پر غبار وغیرہ لگ جانے کے ساتھ مقید ہے نہ کہ مطلق۔
- حدث چاہے اصغر ہو یا اکبر دونوں کے تیمم میں ترتیب واجب ہے کہ پہلے چہرہ کا مسح کرے گا پھر ہاتھوں کا۔ البتہ جہل و نسیان کا مسئلہ اور ہے کہ اگر کوئی جہل ونسیان کی وجہ سے خلاف ترتیب تیمم کر بیٹھے تو جائز ہوگا کیونکہ جہل ونسیان کی وجہ سے ہر شے میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔
- مٹی کے علاوہ اگر دوسری چیزوں پر جیسے بچھونے پر، اتنی گرد جمی ہو کہ ہاتھ مارنے سے ہاتھ کو لگ جائے تو اس سے بھی تیمم جائز ہوگا۔ کیونکہ غبار مٹی کا جز ہے۔
- اگر پانی کے ساتھ ساتھ تراب بھی نہ ہو تو تیمم بھی ساقط ہو جائے گا۔

128- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ، ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ، وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ)). رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَصَحَّحَ الْأَئِمَّةُ وَقْفَهُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''تیمم دو ضربیں ہیں ایک ضرب چہرے کے لیے اور ایک ضرب کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے لیے ہے۔''[1] اس حدیث کو امام دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ جبکہ ائمہ حدیث نے اس حدیث کے موقوف ہونے کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث :...... اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ: ایسی عبارت حصر کا فائدہ دیتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ تیمم کے لیے دو ضربیں لازم ہیں۔ ایک چہرے کے لیے اور ایک دونوں ہاتھوں کے لیے۔

وَصَحَّحَ الْأَئِمَّةُ وَقْفَهُ: یہاں ائمہ سے مراد ائمہ حدیث ہیں نہ کہ ائمہ فقہ جو ائمہ اربعہ رحمہم اللہ ہیں اور وقف سے مراد

---

[1] سنن الدارقطني: 108/1۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں: درست یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔ حاکم نے ''المستدرك'' (287/1) میں اس روایت کی نسبت مرفوع روایت کی تعریف کی ہے۔ بیہقی نے ''السنن'' (207/1) میں حاکم کی مخالفت کی ہے۔ پس درست یہ ہے کہ یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے۔ امام نووی ''المجموع'' (144/2) میں فرماتے ہیں: ''یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول اور فعل سے صحیح ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: (نصب الراية: 150/1۔ الدراية: 67/1)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موقوف ہے اور موقوف وہ حدیث ہوتی ہے جو کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہو خواہ وہ قول ہو یا فعل یا تقریر ❶ اور جب حکم کے اعتبار سے یہ روایت مرفوع ہو تو اسے مرفوع حکمی کہتے ہیں۔

درایۃ الحدیث...... مذکورہ حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تیمّم میں دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک تیمّم کیا جائے گا۔لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وارد نہیں۔ جبکہ دیگر متعدد احادیث جن میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی شامل ہے، اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تیمّم میں مسح صرف ہتھیلیوں کا ہوگا نہ کہ کہنیوں تک اور قرآن کا ظاہر بھی یہی بتلاتا ہے۔تب پھر مذکورہ حدیث کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک رفع درست نہ ہوگا۔اسی لیے امام موصوف نے یہ فرمایا ہے کہ اس حدیث کے موقوف ہونے کی تصحیح ائمہ حدیث نے کی ہے۔

فائدہ:...... مذکورہ حدیث میں بھی تیمّم کرنے کا طریقہ ہی مذکور ہے۔ البتہ اس میں دو ضربوں کا اور کہنیوں تک ہاتھوں کے مسح کرنے کا ذکر ہے۔ لہٰذا جب تک ہم اسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تک موقوف مانیں گے تو یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے ٹھہرے گی جبکہ سنت اس کے برخلاف ہے بلکہ قرآن کا ظاہر بھی اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ قرآنِ کریم میں ﴿وَ اَیۡدِیۡکُمۡ مِّنۡہُ﴾ کے الفاظ آئے ہیں اور قرآنِ کریم میں جب لفظِ ید مطلق بولا جاتا ہے تو اس کا اطلاق صرف کف پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چوری کی سزا میں صرف کف کے قطع پر علماء کا اجماع ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے ﴿اَیۡدِیَهُمَا﴾ (المائدۃ: 38) فرمایا ہے یعنی چور اور چورنی کے ید کاٹ دو کہ یہاں مراد ان کو کہنیوں تک کاٹنا نہیں بلکہ صرف ہتھیلی تک کاٹنا ہے۔

پانی کے ہوتے ہوئے تیمّم کرنا باطل ہے

129,130۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((الصَّعِيْدُ وُضُوْءُ الْمُؤْمِنِ الْمُسْلِمِ ، وَإِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِيْنَ . فَإِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ وَلْيُمِسَّهُ بَشَرَتَهُ)) .

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:"(پانی نہ ملنے کی صورت میں پاک) مٹی (سے تیمّم کرنا) مسلمان کا وضو ہے چاہے اسے دس سال تک بھی پانی نہ ملے۔ پس جب اسے پانی مل جائے تو وہ اللہ سے ڈرے اور (اس کے ہوتے ہوئے تیمّم نہ کرے لہٰذا) اپنی کھال پر پانی ڈالے۔" (یعنی اب پانی سے وضو کرے)۔ ❷

رَوَاهُ الْبَزَّارُ . وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْقَطَّانِ ، لَكِنْ صَوَّبَ الدَّارَقُطْنِيُّ إِرْسَالَهُ .

اور اس حدیث کو بزار نے روایت کیا ہے اور ابن قطان نے اس کو صحیح کہا ہے لیکن امام دارقطنی نے اس کے مرسل ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔

وَلِلتِّرْمِذِيِّ عَنْ أَبِي ذَرٍّ نَحْوُهُ ، وَصَحَّحَهُ ، وَالْحَاكِمُ أَيْضًا .

امام ترمذی کی بھی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ایسی ہی ایک روایت ہے جس کو (روایت کرنے کے بعد) انہوں نے صحیح کہا ہے۔ ❸

❶ علوم الحدیث، ص: 46.

❷ مسند البزار: 130 کشف۔ علامہ ہیثمی "مجمع الزوائد" (261/1) میں کہتے ہیں: اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں اور ابن قیم نے "تهذيب السنن" (360/1) میں ابن قطان کی تصحیح کو جبکہ دارقطنی نے اپنی تصحیح کو "العلل" (93/8) میں نقل کیا ہے۔ (دیکھیں: فتح الباری: 446/1)

❸ جامع الترمذی: 124۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ روایت حسن اور صحیح ہے۔ سنن النسائی: 171/1۔ اور اس روایت کو ابن حبان نے اپنی "الصحیح" (1313) میں اور علامہ نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (141/1) میں صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غریب الحدیث:......اَلصَّعِيْدُ: یہ مطلق نہیں بلکہ اس سے صَعِيْدٌ طَيِّبٌ مراد ہے جیسا کہ قرآنِ کریم میں آتا ہے۔

اَلْمُسْلِم: یہ واقع کا بیان ہے نہ کہ وصفِ مقید کیونکہ کافر کا وضو تو سرے سے ہوتا ہی نہیں۔

عَشْرَ سِنِيْنَ: یہ يَجِد فعل کا ظرف ہے۔ یعنی اگر مدتوں بھی پانی نہ ملے تو تیمّم وضو کی طرح ہی پاکی ہے۔

فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ: یعنی جب پانی مل جائے تو اب تیمم کرنا جائز نہ ہوگا۔ لہٰذا وہ پانی کے ہوتے ہوئے تیمّم کرنے سے اللہ سے ڈرے۔

وَ لْيُمِسَّهُ بَشْرَتَهُ: یعنی جہاں جہاں پانی ڈالنے کی ضرورت ہو، ڈالے، لہٰذا جنابت میں پورے بدن پر اور حدثِ اصغر میں اعضائے وضو پر پانی ڈالے۔ لہٰذا لفظ بشرۃ اعضائے ممسوحہ و مغسولہ دونوں کو شامل ہوگا۔

وَ صَوَّبَ الدَّارَقُطْنِيُّ اِرْسَالَهُ: حضرات محدثین نے ارسال کی دو تعریفیں بیان کی ہیں:

(1) جس کی سند کے آخر سے صحابی ساقط ہو یا مرسل وہ حدیث ہے جس کو تابعی نے یا ایسے صحابی نے مرفوعاً بیان کیا ہو جس نے وہ حدیث خود نبی کریم ﷺ سے نہ سنی ہو۔ یہ تعریف پہلی تعریف سے زیادہ بہتر ہے۔

(2) دوسری تعریف یہ ہے کہ مرسل وہ حدیث ہے جسے تابعی رحمہ اللہ صحابی رضی اللہ عنہ کا نام حذف کر کے روایت کرے۔ یہی وہ خاص مرسل حدیث ہے جس کے بارے حضرات محدثین کلام کرتے ہیں۔

جبکہ مرسل کا اطلاق ایسی حدیث پر بھی ہوتا ہے جس کی سند سے کسی بھی جگہ سے ایک راوی ساقط ہو۔ علماءِ اصول فقہ کے ہاں مرسل کی یہی تعریف معروف ہے۔ بہر حال "مرسل" ضعیف احادیث کی اقسام میں سے ہے جب تک کہ ہمیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ ساقط ہونے والا راوی کون ہے۔ پھر اس راوی کے اعتبار سے مرسل حدیث کے ضعیف یا غیر ضعیف ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب پانی نہ ملے تو تیمّم سے حاصل ہونے والی پاکی کامل ترین پاکی ہے۔ چاہے پانی مدتوں نہ ملے۔ لہٰذا جب تک پانی نہ ملے تیمّم بلا کھٹکے جائز ہوگا اور جب مل جائے تو اب رب کے تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ طہارت پانی سے حاصل کی جائے اور پانی کو مطلوب طہارت کے مطابق بدن پر ڈالا جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- تیمّم ساری کی ساری زمین سے کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اَلصَّعِيْدُ کو حدیث میں بنا کسی قید کے ذکر کیا گیا ہے۔
- تیمّم پانی کا کامل ترین قائم مقام ہے کیونکہ حدیث میں تیمّم کو وضو کہا گیا ہے۔
- جب تک پانی نہ ملے تیمّم کر سکتے ہیں چاہے ایک زمانہ گزر جائے۔
- ''چاہے دس سال نہ ملے۔'' یہ کلام بطورِ مبالغہ کے ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ کلام میں مبالغہ جائز ہے اور اس کا کوئی مفہوم مخالف نہیں ہوتا۔
- پانی کے ہوتے ہوئے تیمّم باطل ہے۔ لہٰذا پانی کے ہوتے ہوئے اور اس کے استعمال پر قادر ہوتے ہوئے تیمّم غیر مشروع ہوگا۔

131- وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((خَرَجَ رَجُلَانِ فِيْ سَفَرٍ، فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ، وَلَيْسَ مَعَهُمَا مَاءٌ، فَتَيَمَّمَا صَعِيْدًا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ (دورِ نبوی کی بات ہے کہ ایک مرتبہ) دو آدمی ایک سفر پر نکلے کہ اتنے میں نماز کا وقت آ گیا۔ ان کے پاس پانی نہ تھا، چنانچہ انہوں نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طَيِّبًا ، فَصَلَّيَا ، ثُمَّ وَجَدَا الْمَاءَ فِي الْوَقْتِ ، فَأَعَادَ أَحَدُهُمَا الصَّلَاةَ وَالْوُضُوءَ ، وَلَمْ يُعِدِ الْآخَرُ ، ثُمَّ أَتَيَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ، فَذَكَرَا ذَلِكَ لَهُ ، فَقَالَ لِلَّذِي لَمْ يُعِدْ: ((أَصَبْتَ السُّنَّةَ وَأَجْزَأَتْكَ صَلَاتُكَ)) وَقَالَ لِلْآخَرِ: ((لَكَ الْأَجْرُ مَرَّتَيْنِ)) .

پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز ادا کر لی، پھر انہیں وقت کے اندر ہی پانی مل گیا تو ان دونوں میں سے ایک نے تو نماز اور وضو کا اعادہ کر لیا جب کہ دوسرے نے اعادہ نہ کیا۔ پھر (جب) وہ دونوں (سفر سے لوٹ کر) خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ کے حضور یہ واقعہ گوش گزار کر دیا۔ پس آپ ﷺ نے اعادہ نہ کرنے والے سے یہ فرمایا کہ "تم نے سنت (یعنی درست بات) کو پایا اور تیری نماز تمہیں کافی ہے۔" اور دوسرے سے یہ فرمایا کہ "تمہیں دوہرا اجر ملے گا۔" ❶

رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ .

اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... **فَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ**: مراد وقتِ صلوۃ کا دخول ہے۔ کیونکہ ہر شے کا حضور اسی کے حساب سے ہے۔

لَيْسَ مَعَهُمَا مَاءٌ: مراد یہ ہے کہ اتنا پانی ساتھ نہ تھا کہ جس سے وضو ہو سکے۔

ثُمَّ وَجَدَا الْمَاءَ: اس میں الف فاعل کے تثنیہ کے لیے ہے۔

فَاَعَادَ اَحَدُهُمَا الصَّلٰوةَ وَ الْوُضُوْءَ: نماز کا اعادہ تو ظاہر ہے۔ البتہ وضو کے اعادہ کا ذکر بطورِ مجاز کے ہے۔ کیونکہ دونوں نے تیمّم کر کے نماز ادا کی تھی نہ کہ وضو کر کے کہ جس کا اعادہ لازم آئے۔

اَصَبْتَ السُّنَّةَ: یعنی تم نے صحیح طریقہ کو پایا کہ یہاں سنت کا اطلاق طریقہ پر کیا گیا ہے نہ کہ مراد وہ سنت ہے جو واجب کے بالمقابل ہوتی ہے۔

لَكَ الْاَجْرُ مَرَّتَيْنِ: ایک اجر تو تیمّم کر کے نماز ادا کرنے کا اور دوسرا اجر وضو کر کے نماز ادا کرنے کا ہے اور آپ ﷺ نے یہ اس لیے فرمایا کہ اس نے نماز کے اعادہ کو واجب سمجھ کر وضو کر کے نماز ادا کی تھی اور رب تعالیٰ کے فضل سے اس امت کا مجتہد اجر سے محروم نہیں رہتا۔ چنانچہ اگر اسے اجتہاد میں خطا ہو جائے تو ایک اجر اور اگر درست اجتہاد ہو تو دو اجر ملتے ہیں۔

مضمون حدیث:...... اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر پانی نہ ہونے کی وجہ سے نماز ادا کر لی اور بعد میں وقت کے اندر پانی مل بھی گیا تب بھی نماز کا اعادہ لازم نہیں کیونکہ پہلی نماز کامل طریق پر ادا ہو گئی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ اگر آدمی کو اس بات کا یقین ہو کہ اس کے اردگرد پانی موجود نہیں تو پانی کی تلاش واجب نہیں۔ کیونکہ مذکورہ سیاق میں ان دونوں آدمیوں کے پانی تلاش کرنے کا ذکر نہیں۔ جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں آس پاس پانی کے غیر موجود ہونے کا

❶ سنن ابی داود: 338۔ سنن النسائی: 213/1۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں: اس حدیث میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کا ذکر محفوظ نہیں۔ یہ روایت مرسل ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں: امام شافعی رحمہ اللہ اور دوسرے حضرات اس قسم کی مرسل روایت سے استدلال کرتے ہیں جب کہ اس کی اسناد ایک اور طریق سے بھی ہو یا کسی صحابی نے وہ قول کیا ہو۔ (دیکھیں: المجموع: 330/2) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "الفتاوی" (178/21) میں اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علم تھا، اس لیے انہوں نے پانی کو تلاش نہ کیا تھا۔

◈ تیمم سے نماز ادا کرنے کے بعد پانی مل جانے پر نماز کا اعادہ واجب نہیں۔ اس کی تین صورتیں ہیں:

(1) وقت گزر جانے کے بعد پانی ملے۔ تب تو بالاتفاق اعادہ واجب نہیں۔

(2) نماز کے بعد لیکن وقت کے اندر پانی ملے۔ اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اس صورت میں نماز کا اعادہ واجب ہے جبکہ بعض کے نزدیک اب بھی غیر واجب ہے اور یہی صحیح قول ہے۔

(3) نماز کے دوران پانی مل جائے۔ جیسے نماز کے دوران ہی پانی کی تلاش میں جانے والا پانی لیکر آ پہنچا یا بارش برسنے لگی تو اس صورت میں پانی حاصل ہو گیا۔ اختلاف تو اس صورت میں بھی ہے لیکن یہ اختلاف کمزور ہے، لہٰذا جو اس قول کے قائل ہیں کہ وہ نماز کو جاری رکھے، ان کا یہ قول ضعیف ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ پانی کے حصول سے تیمم باطل ہو گیا جو نماز کے دوران ہوا ہے۔ لہٰذا اس کی نماز بھی باطل ہو گئی۔ پس اس پر نماز کا اعادہ واجب ہو گا۔

◈ معلوم ہوا کہ اجتہاد دورِ نبوی میں بھی جائز تھا۔ جیسا کہ ان دونوں حضرات نے کیا تھا۔

◈ نبی کریم ﷺ کا حلم و بردباری کہ اجتہاد میں خطا کرنے والے کی سرزنش نہ فرمائی۔

◈ معلوم ہوا کہ کسی عبادت کو اپنے ذمہ واجب سمجھ کر کرنے سے ثواب ملتا ہے۔

◈ معلوم ہوا کہ سنت پر عمل کثرتِ عمل سے افضل اور بہتر ہے اور سنت پر عمل کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

ضرر کے خوف سے زخموں کی بنا پر تیمّم کرنا جائز ہے

132۔ ((وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما ۔ فِي قَوْلِهِ عَزَّوَجَلَّ ((وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ)) قَالَ : إِذَا كَانَتْ بِالرَّجُلِ الْجِرَاحَةُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْقُرُوحُ ، فَيُجْنِبُ ، فَيَخَافُ أَنْ يَمُوتَ إِنِ اغْتَسَلَ ، تَيَمَّمَ .

رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ مَوْقُوفًا ، وَرَفَعَهُ الْبَزَّارُ ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَالْحَاكِمُ .

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَ إِنْ كُنْتُمْ مَّرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ﴾ (النساء: 43) ''اور اگر تم بیمار ہو، یا کسی سفر پر۔'' کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: ''جب کسی کو اللہ کی راہ میں زخم لگ جائے یا پھوڑے نکل آئیں اور (اس دوران) وہ جنبی ہو جائے اور وہ اس بات سے ڈر جائے کہ اگر اس نے غسل کیا تو اس کی موت واقع ہو جائے گی تو وہ تیمم کر لے۔'' ❶

اس حدیث کو دارقطنی نے موقوف اور بزار نے مرفوع روایت کیا ہے جبکہ ابن خزیمہ اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... أَوْ عَلَى سَفَرٍ: یہاں اَوْ بمعنی وَاؤ کے ہے اور ایسا کثیر ہے کہ "اَوْ" یہ وَاؤ کے معنی میں آتی رہتی ہے۔

الْجِرَاحَةُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ: فِي سَبِيلِ اللّٰهِ کا لفظ بطور قید کے مذکور نہیں۔ کیونکہ تیمم کو مباح کر دینے والا زخم چاہے

---

❶ سنن الدارقطني: 1/177۔ صحيح ابن خزيمة: 272۔ المستدرك للحاكم: 1/270۔ دارقطنی رحمہ اللہ نے اس کے موقوف ہونے کو راجح قرار دیا ہے۔ ابن عدی (5/363) نے اس حدیث کو روایت کر کے راوئ حدیث عطا بن سائب کے ترجمہ میں کہا ہے: ''انہیں آخری عمر میں حافظہ میں اختلاط لاحق ہو گیا تھا۔ لہٰذا جنہوں نے ان سے قبل از اختلاط حدیث سن رکھی ہے جیسے شعبہ اور ثوری وغیرہ، تو ان کی حدیث مستقیم ہے اور جنہوں نے ان سے اختلاط کے بعد حدیث سنی ہے ان کی حدیث میں قدرے نکارت ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاد کے میدان میں لگے یا کسی اور جگہ سب کا حکم ایک ہے۔

اَلْقُرُوْح: یہ اَلْقَرْح کی جمع ہے، یہ زخم اور پھوڑے پھنسی کو کہتے ہیں۔

تَیَمَّمَ: یہ إِذَا كَانَتْ فعل شرط کا جواب ہے۔

فَیَخَافُ اَنْ یَّمُوْتَ: یہ بھی بطور قید کے نہیں۔ کیونکہ تیمّم موت کے اندیشہ کے بغیر بھی کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا مرض کی زیادتی، صحت یابی میں تاخیر یا شدید تکلیف کے اندیشہ سے بھی تیمّم کر سکتے ہیں۔

تفسیر ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی اہمیت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذکورہ بالا ارشاد سورۂ نساء کی اس آیت کی تفسیر ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کو تفاسیر میں وہ بلندترین مقام حاصل ہے جو کسی اور کو حاصل نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اس بات کی دعا کی تھی کہ رب تعالیٰ انہیں تاویل یعنی تفسیر کا علم عطا فرمائے۔ ❶

مضمونِ حدیث:......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر وضو سے زخموں میں تکلیف ہوتی ہو یا زخم بڑھنے کا اندیشہ ہو یا زخموں کے مندمل ہونے میں تاخیر کا اندیشہ ہو تو تیمّم کر سکتے ہیں چاہے یہ زخم میدانِ جہاد میں لگے ہوں یا کسی اور جگہ اور چاہے وضو کرنے سے موت کا اندیشہ ہو یا نہ ہو، تیمّم بہرحال کر سکتے ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ زخموں کو دھونے سے موت کا یا اس سے کم ضرر کا اندیشہ ہو تو تیمّم کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اگر زخم دھونے سے ضرر نہ ہوتا ہو تو وضو کرنا واجب ہوگا۔ اب زخموں کی تفصیل یوں ہوگی:

⊙......اگر تو ضرر نہ ہوتا ہو تو دھونا واجب ہے۔

⊙......اگر دھونے سے ضرر ہو، مگر مسح کرنے سے نہ ہو، تو زخموں پر مسح کرنا واجب ہے۔

⊙......اگر مسح کرنے سے بھی ضرر ہوتا ہو تو تیمم کیا جائے گا کہ اب غسل اور مسح دونوں ساقط ہو جائیں گے۔

◈ چونکہ غسل میں ترتیب اور موالات شرط نہیں لہٰذا غسل کی صورت میں زخم کا مسح یا تیمم سب سے آخر میں کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ البتہ وضو میں اگرچہ ترتیب اور موالات شرط ہے لیکن راجح قول یہ ہے کہ زخم کی صورت میں یہ ترتیب اور موالات بھی ساقط ہو جائے گی۔ لہٰذا اگر بائیں ہاتھ میں زخم ہے اور وہ وضو کر کے اور سب سے آخر میں اس زخم کا مسح یا تیمم کرے تو یہ جائز ہوگا۔

جبیرہ ❷ یعنی پٹی پر مسح کرنے کا بیان

133- وَعَنْ عَلِيٍّ رضي الله عنه قَالَ: ((انْكَسَرَتْ إِحْدَى زَنْدَيَّ، فَسَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میرے ہاتھوں کا ایک گٹا ٹوٹ گیا، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (اس کی پٹی پر

---

❶ صحيح البخاري: 143- صحيح مسلم: 2477.

❷ جبیرہ اصل میں ٹوٹی ہڈی پر باندھی جانے والی لکڑی یا پٹی کو کہتے ہیں۔ (القاموس الوحيد: 231) اور آج کل ٹوٹی ہڈی پر چڑھایا جانے والا پلاسٹر بھی جبیرہ کے حکم میں داخل ہے۔ (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَأَمَرَنِي أَنْ أَمْسَحَ عَلَى الْجَبَائِرِ)) .

مسح کی بابت) دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم (اس ٹوٹے گٹے پر بندھی) لکڑیوں پر مسح کر لیا کرو۔'' ❶

رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ بِسَنَدٍ وَاهٍ جِدًّا .

ابن ماجہ نے اس حدیث کو بے حد واہی (کمزور) سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :......زَنْدَيْ: یہ اَلزَّنْدُ کی تثنیہ ہے۔ ہر ہاتھ کی کلائی پر دو ابھری ہڈیاں دائیں بائیں جانب ہوتی ہیں زَنْدَان ان دونوں ہڈیوں کو کہتے ہیں (جن کو اردو میں ہاتھ کا گٹا یا پہنچا کہتے ہیں)۔

اَلْجَبَائِر: یہ جَبِيْرَةٌ کی جمع ہے اور یہ ٹوٹی ہڈی کو جوڑنے کے لیے اس پر باندھی جانے والی لکڑی کی پھچیوں کو کہتے ہیں ان کی تعداد ٹوٹ جانے والی ہڈی یا ہڈی کے جوڑ کے اعتبار سے ہوتی ہے اور جَبِيْرَةٌ کا یہ نام نیک فال کے طور پر ہے۔

مضمون حدیث :......اس حدیث میں جبیرہ پر مسح کے جواز کا ذکر ہے، رہا اس حدیث کا حکم تو وہ درایۃ الحدیث میں بیان کر دیا جاتا ہے۔

درایۃ الحدیث :......یہ حدیث بے حد کمزور سند کے ساتھ مروی ہے، لہٰذا ایسی حدیث کو عبادات وغیرہ کے، بالخصوص نماز کے کسی حکم کو بیان کرنے کے لیے جو ارکانِ اسلام میں سے سب سے عظیم رکن ہے، بطورِ استدلال کے پیش کرنا جائز نہیں۔ البتہ اگر ایسی حدیث کا کوئی قوی شاہد مل جائے تو ایسی ضعیف حدیث حسن لغیرہ بن جاتی ہے۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

134- وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ - فِي الرَّجُلِ الَّذِي شُجَّ فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ - ((إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيهِ أَنْ يَتَيَمَّمَ ، وَيَعْصِبَ عَلَى جُرْحِهِ خِرْقَةً ، ثُمَّ يَمْسَحَ عَلَيْهَا ، وَيَغْسِلَ سَائِرَ جَسَدِهِ)) .

ایک آدمی کے سر میں زخم لگا اور اس نے (جنابت کا) غسل کر لیا جس کی وجہ سے اس کی موت ہوگئی، اس کے بارے میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے (نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد) مروی ہے کہ ''اس کے لیے تو یہ بات ہی کافی تھی کہ وہ تیمم کر لیتا اور اپنے زخم پر ایک پٹی باندھ لیتا، پھر اس پر مسح کر لیتا اور (باقی کے) سارے بدن کو دھو لیتا۔'' ❷

رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ بِسَنَدٍ فِيهِ ضَعْفٌ ، وَفِيهِ اخْتِلَافٌ عَلَى رُوَاتِهِ .

ابوداوٗد نے اس حدیث کو ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں ضعف ہے اور اس سند میں ایک راوی پر جا کر اختلاف بھی ہے۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں بھی زخم پر بندھی پٹی پر مسح کے جواز کا ذکر ہے۔

---

❶ سنن ابن ماجه: 657- امام بوصیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کی اسناد میں عمرو بن خالد ہے جس کو امام احمد اور ابن معین رحمہما اللہ نے کاذب کہا ہے جبکہ امام بخاری نے منکر حدیث والا اور ابوزرعہ اور وکیع نے وضاع حدیث کہا ہے۔ (دیکھیں: الدراية: 83/1- نصب الراية: 186/1) امام شافعی ''الام'' (45/1) میں فرماتے ہیں: اگر میں جانتا ہوتا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے تو میں یہ قبول کر لیتا۔ میں اس بارے میں اللہ سے استخارہ کروں گا۔'' ابن حزم ''المحلی'' (57/2) میں کہتے ہیں: یہ خبر باطل ہے اور اس کی روایت جائز نہیں البتہ اس کے ساقط ہونے کو بتلا کر اس خبر کو بیان کر سکتے ہیں۔

❷ سنن ابی داود: 336- ابوداؤد اور دارقطنی کہتے ہیں کہ زبیر بن خریق اس کی روایت میں متفرد ہے جو قوی راوی نہیں۔ بیہقی (227/1) نے اور ابن عدی نے ''الکامل'' (447/6) میں مُرجی بن رجاء کے ترجمہ میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور کہتے ہیں کہ اس کی بعض احادیث کا متابع نہیں ہے۔ (دیکھیں المجموع: 341/2- التلخيص: 147/1- نصب الراية: 187/1)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درایۃ الحدیث :......امام موصوف نے اس حدیث کے ضعف کے کم ہونے کو بیان کیا ہے چنانچہ فرمایا کہ ''اس میں ضعف ہے'' اور یہ نہیں فرمایا کہ ''یہ بے حد ضعیف ہے۔'' لہٰذا اسے گزشتہ مذکورہ حدیث علی رضی اللہ عنہ کا شاہد کہہ بھی سکتے ہیں اور نہیں بھی۔ کیونکہ حدیث علی رضی اللہ عنہ بے حد ضعیف اور ساقط ہے، اس لیے نا قابلِ احتجاج و استدلال ہے۔ لہٰذا اب صرف یہی حدیث رہ گئی جس میں ضعف بھی ہے، پھر اس کے ایک راوی میں اور اس کے متن میں اختلاف بھی ہے۔ پس یہ حدیث ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ مضطرب بھی ہے۔ تب پھر کیا کوئی قیاس اس روایت کا عاضد و معاون ہو سکتا ہے؟

قصۂ حدیث :......اس لیے پہلے اس حدیث کا قصہ پڑھتے ہیں: یہ صاحب ایک سریہ میں تھے کہ ان کے سر کو زخم لگ گیا اور اسی دوران احتلام سے جنبی بھی ہو گئے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے رائے لی۔ ساتھیوں نے غسل کی ہی رائے دی۔ چنانچہ انہوں نے غسل کر لیا، جس سے پانی زخم سے سرایت کر کے دماغ میں داخل ہو گیا اور ان کی موت واقع ہو گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کی خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ان لوگوں نے اپنے ساتھی کو (ایسا مشورہ دے کر) مار ہی ڈالا، اللہ انہیں مارے۔ جب یہ جانتے نہ تھے تو انہوں نے (اس بارے) مسئلہ کیوں نہ پوچھ لیا، بے شک جہل کی شفا تو سوال ہی ہے۔'' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا ارشاد فرمایا۔

اس روایت کے الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے تیمم کرے گا، پھر سر کے زخم پر پٹی باندھے گا، پھر اس پٹی پر مسح کرے گا، پھر سارے بدن کو دھوئے گا۔ اب اس حدیث کی اسناد میں ضعف ہے۔ چنانچہ اس کے بعض الفاظ میں تَیَمَّمَ کے الفاظ ساقط ہیں اور یہ روایت قیاس کے اعتبار سے اقرب الی الصواب ہے۔ اب چونکہ اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی روایات ضعیف ہیں، اس لیے ہم قیاس کی طرف دیکھیں گے۔ اب زخم کا یہ حصہ ضرورت کی بنا پر ایک ساتر سے مستور ہے اور یہ ستر مباح ہے۔ اب قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس موقع پر مسح اور تیمّم دونوں کو جمع نہ کرے جیسے موزوں پر مسح اور ان کے غسل کو جمع نہیں کیا جاتا۔ اس لیے اس باب میں سب سے عمدہ قول امام احمد رحمہ اللہ کا ہے جو حنابلہ کا مشہور مذہب [1] ہے کہ آدمی زخم پر پٹی باندھ کر اس پر مسح کرے اور باقی کے سارے بدن کو غسلِ جنابت میں دھو لے اور اب تیمّم کی ضرورت نہیں۔ بے شک یہ قول سب سے اقرب اور اقرب الی القیاس بھی ہے کیونکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مسح اور تیمّم دونوں کو جمع نہ کیا جائے۔

مسائل شتّٰی

ذیل میں جبیرہ پر مسح سے متعلق چند اہم متفرق مسائل کو ذکر کیا جاتا ہے:

⊙ ......جبیرہ پر مسح کے جواز میں جبیرہ کو طہارت یا غیر طہارت پر باندھنے میں اختلاف ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ جبیرہ پر مسح کے جواز کے لیے اس کو طہارت پر باندھنا شرط نہیں اور جبیرہ کو موزوں پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ دونوں پر مسح کرنے میں متعدد فرق ہیں۔ [2] دوسرے جبیرہ باندھنے کی نوبت اکثر حادثاتی صورتوں میں پیش آتی ہے، جن میں اسے وضو کرنے کا مکلف بنانا عادۃً متعذر یا بے حد مشقت کا حامل ہوتا ہے۔

⊙ ......جبیرہ پر حدثِ اصغر اور اکبر دونوں میں مسح کیا جائے گا۔

---

[1] دیکھیں: شرح العمدۃ: 286/1۔ الفروع: 189/1۔ المبدع: 140/1۔

[2] اس کی تفصیل کے لیے دیکھیں: تحفۃ الفقہاء: 92/1۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⊙ ......جبیرہ پرمسح کی مدت متعین نہیں اس کا مدار زخم کے کھلنے اور مندمل ہونے پر ہے۔

⊙ ......زخم کھلنے کے بعد جبیرہ کے اتارنے کی صورت میں سابقہ غسلِ جنابت یا وضو کا اعادہ لازم نہیں۔

⊙ ......جبیرہ کی پٹی کھولنے میں اگر ضرر ہوتا ہو تو مسح اسی پر کیا جائے گا چاہے وہ پٹی یا ڈوری ریشم کی ہی ہو۔ البتہ اگر اس پٹی یا ڈوری کو کھولنے میں ضرر نہ ہو تو اس کو کھول کر جبیرہ پر مسح کیا جائے گا اور وہ ڈوری بعد میں دوبارہ باندھ لی جائے گی۔

ایک تیمم سے کتنی نمازیں ادا کر سکتے ہیں؟

135- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: ((مِنْ السُّنَّةِ أَنْ لَا يُصَلِّيَ الرَّجُلُ بِالتَّيَمُّمِ إِلَّا صَلَاةً وَاحِدَةً ، ثُمَّ يَتَيَمَّمَ لِلصَّلَاةِ الْأُخْرَى)) . رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ جِدًّا .

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ بات سنت میں سے ہے کہ ''آدمی تیمم کے ساتھ صرف ایک ہی نماز ادا کرے پھر دوسری نماز کے لیے (دوبارہ) تیمم کرے۔''[1]

دارقطنی نے اس حدیث کو بے حد ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

مضمون حدیث :......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر نماز کے لیے نیا تیمم کیا جائے۔ لیکن یہ حدیث بے حد ضعیف ہے۔ اس کا حکم آگے بیان ہو جاتا ہے۔

درایۃ الحدیث :......مِنَ السُّنَّةِ: صحابی کے اس قول سے کبھی واجب اور کبھی مسنون مستحب مراد ہوتا ہے۔ مذکورہ الفاظ سے دو معانی کے مراد ہونے کا احتمال ہے۔ لیکن بظاہر یہاں سنت سے سنتِ واجبہ نہیں بلکہ سنتِ مستحبہ مراد ہے اور وہ بھی تب جب یہ حدیث ضعیف نہ ہو۔ لیکن چونکہ یہ حدیث ضعیف ہے لہٰذا اس پر عمل نہ کیا جائے گا۔ پس اگر ایک تیمم کے بعد طہارت باقی ہے تو دوسرے وقت کی نماز بھی جائز ہوگی۔ تب پھر اس بحث اور تحقیق کی چنداں حاجت نہیں رہتی کہ یہاں دوسری نماز سے دوسرے وقت کی نماز مراد ہے یا ایک کے بعد دوسری نماز مراد ہے۔

رہی یہ بحث کہ صحابی کے قول مِنَ السُّنَّةِ سے اس روایت کو موقوف کہیں گے یا مرفوع؟ تو اس بحث کی بھی تب ضرورت ہے جب کم از کم یہ حدیث ضعیف نہ ہو۔ اس لیے مذکورہ حدیث کے تناظر میں اس بحث کے غیر متعلقہ ہونے کی بنا پر اس کو قلم انداز کیا جاتا ہے۔

10- بَابُ الْحَيْضِ ......حیض کا بیان

تمہید:......حیض کا لغوی اور اصطلاحی معنی:......حیض کا لغوی معنی ''بہنا'' ہے۔ چنانچہ جب بارش یا سیلاب کی وجہ سے وادی بہہ پڑے تو عرب کہتے ہیں: حَاضَ الْوَادِيْ یعنی ''وادی بہہ پڑی۔'' جبکہ عرف اور اصطلاح میں یہ خون کے اس طبعی سیلان کو کہتے ہیں جس کو عورت کا رحم بالغ ہونے پر شرم گاہ سے گراتا ہے۔

خون حیض کی تخلیق کی حکمت

رب تعالیٰ نے اس خون کو پیٹ میں پرورش پانے والے بچے کی غذا کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ حیض رب تعالیٰ نے اپنی

---

[1] سنن الدارقطني: 185/1- دارقطنی نے اس حدیث کو حسن بن عمارہ کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔ ابن جوزی رحمہ اللہ ''التحقیق'' (240/1) میں فرماتے ہیں: الحمانی اور ابن عمارہ دونوں متروک راوی ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بندیوں کی تقدیر میں لکھ دیا ہے جو اماں حواء سے لے کر آج تک اور قیامت تک بناتِ آدم کو آتا رہے گا۔ چنانچہ اگر یہ طبعی ہو تو اس کے آنے سے عورت کو قدرے کمزوری ہو جاتی ہے اور اگر یہ غیر طبعی ہو تو اس کے ضرر کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ تب یہ خون زیادہ نکلتا ہے۔

حیض کی تقریبی مدت

حیض ہر ماہ میں اکثر چھ یا سات دن آتا ہے۔ پھر کسی کو دو دو ماہ تک حیض نہیں آتا اور کسی کو پندرہ دن بعد ہی دوبارہ آنے لگتا ہے۔ غرض حیض کی مدت کم زیادہ ہوتی رہتی ہے۔

حیض کب آتا ہے؟

حیض بالغ ہونے پر ہی آتا ہے، کم سنی میں بہت نادر آتا ہے اور اس کا حکم حیض کا نہیں ہوتا اور نہ وہ بلوغت کی علامت ہی سمجھی جاتی ہے۔ اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ نو سال سے کم عمر میں حیض آتا ہی نہیں۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ نو سال سے کم عمر میں بھی، جب نو سال پورے ہونے کو ہوں حیض آ سکتا ہے۔ اس کا مدار آب و ہوا کی خشکی، نمی، عورت کے مزاج، خاندانی اثرات اور غذا و پرورش پر بھی ہے۔

حیض کی علامات

(1) حیض کا خون سخت سیاہ ہوتا ہے۔ (2) گاڑھا ہوتا ہے۔

(3) بدبودار ہوتا ہے۔

لہٰذا جس خون میں یہ علامات نہ ہوں، وہ حیض کا خون نہ کہلائے گا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حیض کا خون اَسْوَدُ یُعْرَفُ [1] ہوتا ہے۔ یعنی ''سیاہ اور بو والا ہوتا ہے۔''

(4) اور دورِ حاضر کے اطباء نے حیض کے خون کی چوتھی علامت یہ بھی بتلائی ہے کہ یہ جمتا نہیں۔

حیض کے احکام

حیض آنے سے متعدد شرعی احکام ثابت ہو جاتے ہیں جن کا تعلق عبادات اور معاشرتی احکام سے ہوتا ہے جیسے معاملات سے متعلقہ احکام۔ چنانچہ حیض آنے پر عورت کو بالغ قرار دیا جائے گا، وہ اپنے تصرف میں خود مختار ہو جائے گی، اس پر سے تصرفات کی بندش ختم ہو جائے گی، اس کی خبر، لین دین، خرید و فروخت، قول و قرار، عہد و پیمان سب کا اعتبار ہو گا وغیرہ وغیرہ، جن کو حضرات فقہاء و محدثین کی عبارات سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔

حیض اور استحاضہ کے خون میں فرق

136۔ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا ((أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ كَانَتْ تُسْتَحَاضُ ، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ دَمَ الْحَيْضِ دَمٌ أَسْوَدُ يُعْرَفُ ، فَإِذَا كَانَ ذَلِكِ فَأَمْسِكِي عَنِ الصَّلَاةِ ، فَإِذَا

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حُبَیش کو استحاضہ آتا تھا تو نبی کریم ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا: ''بے شک حیض کا خون سیاہ (اور) جانا پہچانا (بو والا) ہوتا ہے، پس جب یہ خون ایسا ہو تو تم نماز سے رک جاؤ اور اگر یہ خون (اس کے سوا)

[1] اس کی تخریج آئندہ حدیث میں آ رہی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كَانَ الْآخَرُ فَتَوَضَّئِيْ وَصَلِّيْ)). دوسرا ہوتو وضوکر کے نماز پڑھ لینا۔'' ❶

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ، وَاسْتَنْكَرَهُ أَبُوْ حَاتِمٍ.

اس حدیث کو ابو داؤد اور نسائی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ ابن حبان اور حاکم نے اس کو صحیح اور ابو حاتم نے منکر کہا ہے۔

غریب الحدیث :...... كَانَتْ تُسْتَحَاضُ : استحاضہ اور حیض کے درمیان لغوی فرق کو اور دونوں کی علامات کو نواقض وضو کے باب میں مفصل ذکر کر دیا گیا ہے۔

اَسْوَدُ يُعْرَفُ : اَسْوَدُ سے حیض کے خون کا رنگ معلوم ہو گیا کہ وہ سیاہ ہوتا ہے اور يُعْرَفُ کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جن کو حیض آتا ہے وہ اسے خوب پہچانتی ہیں۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ عورتیں حیض کے خون کو مردوں سے زیادہ جانتی پہچانتی ہیں۔ بعض تابعین حیض کے مسائل پوچھنے والے کو عورتوں کے پاس بھیج دیتے تھے کہ وہ زیادہ جانتی ہیں۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے یہ مسئلہ عورتوں کے ہی سپرد نہیں کر دیا بلکہ ایک روایت میں يُعْرِفُ کا لفظ بھی آتا ہے۔ یعنی اس کی بو ہوتی ہے جبکہ دم استحاضہ کی بو نہیں ہوتی۔ اس طریق سے حیض اور استحاضہ کے خون میں بصیرت کے ساتھ مرد حضرات بھی فرق کر سکتے ہیں۔

حیض کب آتا ہے اور کب ختم ہوتا ہے؟

اس کی کچھ تفصیل باب کی تمہید میں گزر چکی ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ اس کے لیے کوئی عمر معین نہیں۔ کیونکہ عورتوں میں فرق ہے۔ بعض علماء نے ابتدا کی عمر نو سال اور اور انتہاء کی عمر پچاس سال کہی ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ حیض کی ابتدا اور انتہا کی کوئی معین مدت نہیں۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے حیض کو مطلق ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى﴾ (البقرة: 222)

''اور وہ تجھ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے وہ ایک طرح کی گندگی ہے۔''

اسی طرح سنت میں بھی حیض کا ذکر مطلق ہی آتا ہے۔ لہٰذا مطلق کی تحدید دلیل کی محتاج ہے۔

حیض کی ہر ماہ کم از کم اور زیادہ سے زیادہ مدت کتنی ہے؟

اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض نے یہ کہا ہے کہ حیض کی کم از کم مدت ایک دن رات اور زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی کم یا زیادہ کوئی مدت نہیں کیونکہ اس بارے وارد نصوص مطلق ہیں اور یہی قول اصح ہے اور اس میں عورتوں کو زیادہ راحت بھی ہے۔ کیونکہ مدت متعین کرنے والوں نے اس باب میں عورتوں کے قول کی پیروی کی ہے کہ ایک مدت کا حیض جب عورت کو تین بار آ جائے تو وہ اس کی عادت قرار پائے گا اور جب اس میں تغیر آئے گا تو اگر اس تغیر میں بھی تین بار کا تکرار آتا ہے تو اب اس کو دوسری عادت کہیں گے۔

---

❶ سنن ابی داود: 286۔ سنن النسائی: 123/1۔ صحیح ابن حبان: 1328۔ المستدرك للحاكم: 281/1۔ امام نووی رحمہ اللہ ''المجموع'' (382/2) میں فرماتے ہیں: اس حدیث کو ابو داؤد وغیرہ نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ابن ملقن کہتے ہیں ''الالمام'' کے مؤلف نے اس حدیث کو صحیح اور مسلم کی شرط پر کہا ہے۔ البتہ ابو حاتم نے اس کو منکر اور ابن قطان نے منقطع کہا ہے۔ (دیکھیں: خلاصة البدر المنير: 81/1)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غرض علماء کے اس باب میں ڈیڑھ سو سے زائد اقوال ہیں جن میں سے کسی کی بھی کوئی مستند دلیل نہیں۔ پس درست قول یہ ہے کہ حیض ایک معروف خون ہے، یہ جب بھی پایا جائے گا اس کا حکم ثابت ہو جائے گا اور جب بھی ختم ہو گا تو اس کا حکم بھی ختم ہو جائے گا۔ البتہ اگر حیض پندرہ دن سے زیادہ ہو جائے تو استحاضہ کہلائے گا اور اس میں ان اضافی دنوں کو عورت کی عادت کی طرف پھیرا جائے گا۔

استحاضہ کی صورت میں عورت کیا کرے؟

اس کو نواقض وضو کے باب میں مفصل ذکر کر دیا گیا ہے۔

مستحاضہ کی علامت کا بیان

137- وَفِـي حَدِيثِ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ عِنْدَ أَبِـي دَاوُدَ: ((وَلْتَجْلِسْ فِي مِرْكَنٍ فَإِذَا رَأَتْ صُـفْرَةً فَوْقَ الْمَاءِ فَلْتَغْتَسِلْ لِلظُّهْرِ وَالْعَصْرِ غُسْلًا وَّاحِـدًا ، وَتَغْتَسِلْ لِلْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ غُسْلًا وَّاحِـدًا . وَتَـغْتَسِـلْ لِـلْـفَـجْـرِ غُسْلًا وَّاحِدًا . وَتَتَوَضَّأُ فِي مَا بَيْنَ ذَلِكَ)) .

سنن ابی داؤد میں حضرت اسماء بنت عُمیس رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ وہ ایک ٹب میں بیٹھ جائے۔ پس جب وہ پانی کے اوپر زردی (یعنی خون کا اثر) دیکھے تو (سمجھ جائے کہ وہ مستحاضہ ہے لہٰذا) وہ ظہر اور عصر کی نمازوں کے لیے ایک ہی غسل کرے اور (پھر) مغرب اور عشاء کی نمازوں کے لیے ایک ہی غسل کرے اور (پھر) فجر کی نماز کے لیے ایک غسل کرے اور ان کے درمیان (کے اوقات) میں (اگر کوئی عبادت کرنی ہے تو اس کے لیے) وضو کرے۔ ❶

غریب الحدیث:...... اَلْمِرْكَن: بڑا ٹب، چھوٹا حوض ❷ یا بڑا طشت۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب مستحاضہ پانی کے ٹب میں پانی کے اوپر زردی کا اثر یعنی خون کا اثر دیکھے تو سمجھ لے کہ اسے استحاضہ ہے۔ پھر وہ دن رات میں نمازوں کے لیے تین غسل کرے گی۔
(1) ظہر اور عصر کی نمازوں کے لیے (2) دوسرا مغرب اور عشاء کی نمازوں کے لیے (3) اور تیسرا فجر کی نماز کے لیے

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ مستحاضہ جمع بین الصلوٰتین کر سکتی ہے۔
- البتہ یہ اغتسال استحباب کے طور پر ہے نہ کہ واجب۔
- اور یہ جمع بین الصلوٰتین کا حکم اغتسال کے ساتھ ہے۔ لہٰذا اگر وہ صرف وضو پر اکتفا کرتی ہے تو جمع کر بھی سکتی ہے اور چاہے تو جمع نہ کرے اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر وہ غسل نہیں کرتی تو اس کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ ہر نماز کو اپنے وقت پر وضو کر کے ادا کرے اور اگر وہ اس میں مشقت سمجھتی ہے تو وضو کے ساتھ بھی جمع بین الصلوٰتین کر سکتی ہے۔

---

❶ سنن ابی داود: 296- المستدرك للحاكم: 281/1- حاکم نے اس روایت کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ابن حزم نے "المحلّٰی" (213/2) میں اس کو صحیح کہا ہے اور ابن حزم نے اس روایت اور دوسری روایات کے بارے میں کہا ہے کہ یہ بے حد صحیح روایات ہیں۔

❷ القاموس الوحيد، ص: 666. (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استحاضہ کے احکام

138- وَعَنْ حَمْنَةَ بِنْتِ جَحْشٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كُنْتُ أُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيرَةً شَدِيدَةً، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَسْتَفْتِيهِ، فَقَالَ: ((إِنَّمَا هِيَ رَكْضَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَتَحَيَّضِي سِتَّةَ أَيَّامٍ، أَوْ سَبْعَةَ أَيَّامٍ، ثُمَّ اغْتَسِلِي، فَإِذَا اسْتَنْقَأْتِ فَصَلِّي أَرْبَعَةً وَعِشْرِينَ أَوْ ثَلَاثَةً وَعِشْرِينَ، وَصُومِي وَصَلِّي، فَإِنَّ ذَلِكِ يُجْزِئُكِ، وَكَذَلِكِ فَافْعَلِي كُلَّ شَهْرٍ، كَمَا تَحِيضُ النِّسَاءُ، فَإِنْ قَوِيتِ عَلَى أَنْ تُؤَخِّرِي الظُّهْرَ وَتُعَجِّلِي الْعَصْرَ، ثُمَّ تَغْتَسِلِي حِينَ تَطْهُرِينَ، وَتُصَلِّينَ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعًا، ثُمَّ تُؤَخِّرِينَ الْمَغْرِبَ وَتُعَجِّلِينَ الْعِشَاءَ، ثُمَّ تَغْتَسِلِينَ وَتَجْمَعِينَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ، فَافْعَلِي، وَتَغْتَسِلِينَ مَعَ الصُّبْحِ وَتُصَلِّينَ، قَالَ: وَهُوَ أَعْجَبُ الْأَمْرَيْنِ إِلَيَّ)).

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَحَسَّنَهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ مجھے بے حد زیادہ اور شدید قسم کا استحاضہ لاحق ہوتا تھا۔ چنانچہ میں خدمت نبوی میں آپ ﷺ سے (اس بارے) فتویٰ پوچھنے حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''یہ تو شیطان کا ایڑ مارنا (پیر مارنا) ہے، پس تو چھ دن یا سات دن تک حیض کے لیے بیٹھی رہ (یعنی خود کو حیض والی سمجھ کر نماز روزہ کو چھوڑے رہ) پھر تو غسل کر لے۔ پس جب تو (حیض سے) پاکی حاصل کر لے تو چوبیس دن تک یا تیئیس دن تک نمازیں پڑھتی رہ اور روزہ رکھتی رہ اور نماز پڑھتی رہ۔ بے شک یہ تیرے لیے کافی ہوگا اور ہر ماہ ایسے ہی کرتی رہ جیسے عورتوں کو حیض آتا ہے (یعنی جیسے حیض والی عورتوں کرتی ہیں کہ وہ چھ یا سات دن تک حیض کی وجہ سے نماز روزہ سے رکی رہتی ہیں پھر غسل کر کے پاک ہو جاتی ہیں اور نماز روزہ کرنے لگتی ہیں تو بھی ہر ماہ ایسے ہی کیا کر) پھر اگر تجھے اس بات پر قوت (یعنی قدرت) ہو کہ تو ظہر کو موخر کرے اور عصر کو جلدی کرے کہ پھر تو جب حیض سے پاک ہو تو غسل کر لے اور ظہر اور عصر کی نمازوں کو اکٹھے ادا کر، پھر مغرب کو موخر کر اور عشاء کو جلدی پڑھ، پھر غسل کر کے (ان) دونوں نمازوں کو (بھی) اکٹھا ادا کرے تو ایسا ضرور کر اور فجر کی نماز کے لیے غسل کر اور نماز ادا کر۔ (پھر) فرمایا: مجھے یہ طریقہ ان دو سے زیادہ محبوب (اور پسند) ہے۔'' [1]

اس حدیث کو امام نسائی رحمہ اللہ کے علاوہ ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو حسن کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... حَيْضَةً كَثِيرَةً: اس میں مقدار کی کثرت کا بیان ہے۔

---

[1] سنن ابی داود: 287- جامع الترمذی: 128- امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ سنن ابن ماجہ: 627- مسند احمد: 439/6- امام ترمذی اپنی ''العلل'' (ص 58) میں فرماتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث حمنہ رضی اللہ عنہا حسن ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن ابی حاتم اپنی ''العلل'' (51/1) میں فرماتے ہیں: میں نے اس حدیث کے بارے میں جب اپنے والد ماجد سے پوچھا تو انہوں نے اس حدیث کو ضعیف کہا اور کہا کہ اس کی اسناد قوی نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شَدِیْدَۃً: یعنی نکلنے میں تیزی کے ساتھ اور زیادہ مدت تک نکلتا تھا۔ اس میں مدت کی طوالت کا بیان ہے۔

اَسْتَفْتِیْهِ: استفتاء یہ حکم شرعی کے معلوم کرنے کو کہتے ہیں اور یہاں فتویٰ دینے والے جناب رسول اللہ ﷺ ہیں۔

رَکْضَةٌ: پاؤں مارنا

مِنَ الشَّیْطَانِ: یعنی شیطان عورت کے رحم میں ایڑ مارتا ہے جس سے اسے استحاضہ لاحق ہو جاتا ہے۔

فَتَحَیَّضِیْ: خود کو حیض والی سمجھ کر نماز روزہ چھوڑ کر بیٹھ رہنا۔

سِتَّةَ اَیَّامٍ اَوْ سَبْعَةٍ: یہ اَوْ تخییر کے لیے نہیں بلکہ تنویع کے لیے ہے کیونکہ زیادہ تر عورتوں کو چھ یا سات دن تک حیض آتا ہے۔ لہٰذا ایسی عورت اپنی قریبی یعنی قرابت دار عورتوں کی حیض کی عادت کو دیکھے گی۔

ثُمَّ اغْتَسِلِیْ: ان الفاظ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ایسی عورت کا چھ یا سات دن تک حیض کے لیے بیٹھنا واجب ہے۔

اِسْتَنْقَأْتِ: یعنی حیض سے پاکی حاصل کرے اور یہ پاکی غسل کرنے سے حاصل ہوگی۔

صَلِّیْ اَرْبَعَةً وَّ عِشْرِیْنَ یَوْمًا اَوْ ثَلَاثَةً وَّ عِشْرِیْنَ یَوْمًا: یعنی اگر حیض سات دن آیا ہے تو تئیس دن تک نماز روزہ ادا کرے اور اگر حیض چھ دن آیا ہے تو چوبیس دن تک نماز روزہ ادا کرے۔

فَاِنَّ ذٰلِكِ یُجْزِئُكِ: یعنی تمہیں یہ عمل کر لینا کافی ہوگا اور تم شرعی ذمہ داری ادا کر کے بری ہو جاؤ گی۔

كَذٰلِكِ فَافْعَلِیْ: یعنی ہر ماہ اسی طرح چھ یا سات دن تک حیض کے لیے بیٹھی رہے۔ پھر تئیس یا چوبیس دن تک نماز و روزہ ادا کرے۔

كَمَا تَحِیْضُ النِّسَاءُ: کہ اکثر عورتوں کی غالب عادت چھ یا سات دن حیض کی ہے۔

فَاِنْ قَوِیْتِ: یعنی اگر تم روزانہ نمازوں کے لیے تین غسل کر سکو تو کرو۔ جس کی تفصیل حدیث میں بیان ہو چکی ہے۔

تُؤَخِّرِیْ الظُّهْرَ وَ تُعَجِّلِیْ الْعَصْرَ: یعنی ظہر آخری وقت میں اور عصر اوّل وقت میں ادا کرے۔ اس کی مزید تفصیل فوائد کے تحت آ جائے گی۔

اَعْجَبُ الْاَمْرَیْنِ اِلَیَّ: وہ دو امر یہ ہیں: (1) ایک یہ کہ مستحاضہ ایک ہی غسل کر کے پانچوں نمازیں ادا کرے۔

(2) دوسرا امر یہ ہے کہ وہ مذکورہ بالا تین مرتبہ غسل کرے۔ تب پھر دو میں زیادہ محبوب عمل یہ دوسرا ہے۔

مضمون حدیث :..... مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ مستحاضہ عورت اپنے خاندان کی قریبی عورتوں کی حیض کی عادت کو دیکھ کر چھ یا سات دن تک خود کو حیض والی سمجھے گی، پھر تئیس یا چوبیس دن تک نماز روزہ ادا کرے گی اور حیض کے دن ختم ہونے پر غسل کر کے پاک ہو جائے گی۔ پھر یا تو روزانہ ایک ہی غسل کر کے پانچوں نمازیں ادا کرے گی یا پھر تین غسلوں کے ساتھ گزشتہ مذکورہ طریق پر جمع بین الصلوٰتین کرے گی اور جب تک استحاضہ رہتا ہے، ہر ماہ ایسا ہی کرے گی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ معلوم ہوا کہ دورِ نبوی میں متعدد عورتوں کو استحاضہ لاحق ہوا تھا۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے سنن النسائی کی شرح میں ایسی عورتوں کی تعداد نو تک گنوائی ہے۔ [1]

---

[1] شرح سنن النسائی للسیوطی: 116/1.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- لاعلم پر عالم سے فتویٰ لینا لازم اور واجب ہے۔
- نبی کریم ﷺ سے کیے جانے والے سوالات کو فتویٰ کے نام سے تعبیر کر سکتے ہیں اسی طرح نبی کریم ﷺ کو حتیٰ کہ رب تعالیٰ کو بھی مفتی کہہ سکتے تو نبی کریم ﷺ کو تو بدرجۂ اولیٰ کہہ سکتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

﴿وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ﴾ (النساء: 127)

''اور وہ تجھ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں، کہہ دے اللہ تمھیں ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔''

- شیطان بسا اوقات ابن آدم پر حسی طور پر بھی مسلط ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے جبکہ معنوی طور پر مسلط ہونا تو واضح ہے اور وہ ہے وسوسہ ڈالنا وغیرہ۔
- مستحاضہ دوسری عورتوں کی عادت کی طرف رجوع کرے گی۔ لیکن جب تب اس کی اپنی حیض کی کوئی عادت نہ ہو جیسے ابھی اسے حیض آنا شروع ہی ہوا ہو۔ لہٰذا اگر اس کی اپنی حیض کی عادت تھی تو وہ خود اپنی عادت کی طرف رجوع کرے گی اور یہ حیض اور استحاضہ کے ایام میں فرق حیض کے پہلے دن سے دنوں کو شمار کر کے کرے گی۔
- معلوم ہوا کہ حیض والی پر صوم وصلوٰۃ ادا کرنا حرام ہے۔ اس پر علماء کا اجماع ہے اور حیض ختم ہونے پر جب تک غسل کر کے پاک نہ ہو جائے اس کے لیے نماز اور روزہ حلال نہیں۔
- عورتوں میں حیض کے ایام کی عادت ہر ایک کے اعتبار سے مختلف ہے اور چھ یا سات دن کا بیان تخییر کے لیے نہیں بلکہ یہ تنویع کا بیان ہے کہ کسی کو چھ دن تو کسی کو سات دن حیض آتا ہے۔ غرض جس کو جتنے دن آتا ہے اتنے دنوں بعد وہ پاک ہو کر نمازیں ادا کرے گی۔
- غالب کی طرف رجوع اکثر احکام میں ہے جیسے یہاں بھی مستحاضہ اکثر عورتوں کی عادت حیض کی طرف رجوع کرے گی۔
- غالب یہ ہے کہ عورت کو ہر ماہ حیض آتا ہے اس کی دلیل یہ ارشاد نبوی ہے کہ ''ایسا ہر ماہ کر۔''
- مستحاضہ کو ایامِ حیض کے بعد اختیار ہے کہ وہ غسل کر کے جب پاک ہو جائے تو چاہے روزانہ ایک ہی دفعہ غسل کرے یا تین غسل کرے جس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔ جس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ استحاضہ کے لیے ہر ہر نماز کے لیے غسل واجب نہیں۔
- اصل یہ ہے کہ معروف پر بنا رکھی جائے۔ یعنی خون میں اصل یہ ہے کہ وہ حیض ہی ہو گا جیسا کہ یہاں حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس شدید وکثیر خون کو حیض ہی سے تعبیر کیا نہ کہ استحاضہ سے۔
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسائل میں نبی کریم ﷺ کے ہوتے ہوئے ہی کریم ﷺ کی طرف رجوع کرتے تھے نہ کہ خود اجتہاد کرتے تھے۔ گو کہ نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں بھی اجتہاد جائز تھا جس کی تفصیل گزشتہ احادیث کے فوائد میں بیان ہو چکی ہے۔
- عورت حیض والی ہو یا مستحاضہ، حیض کے ایام کے اختتام پر اس پر غسل کرنا واجب ہوتا ہے۔
- مستحاضہ جمع بین الصلوتین کر سکتی ہے اور یہ جمع جمعِ صوری ہو گا جیسا کہ بعض علماء کا قول ہے۔ جمعِ صوری یہ ہے کہ ہر نماز کو اپنے وقت پر ادا کرے۔ چنانچہ ایک نماز کو اس کے اخیر وقت میں اور اگلی نماز کو اس کے اوّل وقت میں۔ یوں بظاہر اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صورۃً تو یہ جمع بین الصلوتین ہے۔لیکن درحقیقت ہر نماز اپنے وقت میں ہے۔اسی کو جمعِ صوری کہتے ہیں اور جمعِ صوری میں موالات شرط نہیں کیونکہ جمع صوری میں موالات ممکن نہیں۔غرض جو علماء جمع صوری کے قائل ہیں، ان کا استدلال اس حدیث سے ہے۔البتہ راجح قول یہ ہے کہ جمعِ حقیقی بھی جائز ہے جو ایک ہی وقت میں دو نمازوں کو ادا کرنا ہے۔دونوں اقوال کے دلائل اپنی جگہ مذکور ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

◈ اعمال میں تفاضلِ ثابت ہے جس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ ''یہ طریق مجھے ان دونوں میں سے زیادہ محبوب ہے۔''یعنی پسند ہے۔جو ایک طریق کے دوسرے سے زیادہ مستحسن اور متفاضل ہونے کی دلیل ہے۔

مستحاضہ کے ہر نماز کے لیے غسل کرنے کے حکم کا بیان

139- وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا: ((أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ شَكَتْ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ الدَّمَ ، فَقَالَ : أُمْكُثِي قَدْرَ مَا كَانَتْ تَحْبِسُكِ حَيْضَتُكِ ، ثُمَّ اغْتَسِلِي)) فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلَاةٍ ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سیدہ ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے خون (کے آتے رہنے) کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:''تم اتنی مدت تک ٹھہری رہو (اور خود کو حیض والی سمجھتی رہو) جتنی مدت کہ تمہیں تمہارا حیض (نماز اور رزہ سے) روکے رکھتا ہے۔پھر تم غسل کرلو۔'' سو (اس کے بعد) سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا (استحاضہ کی صورت میں حیض کی مدت گزرنے پر) ہر نماز کے لیے غسل کیا کرتی تھیں۔ [1]
اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :......شَكَتْ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ: شکوی یہ خود کو پہنچنے والی ذہنی یا جسمانی تکلیف کی بابت دوسرے کو خبر دینے کو کہتے ہیں۔ اَلدَّم: یہاں مضاف حذف ہے یعنی انہوں نے کثرتِ دم کی شکایت کی۔

اِجْلِسِيْ قَدْرَ مَا كَانَتْ تَحْبِسُكِ حَيْضَتُكِ : یہ سیّدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کو ارشاد ہے، جب کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کو یہ نہ فرمایا تھا، بلکہ انہیں یہ فرمایا تھا کہ تم چھ یا سات دن تک رکی رہو۔جس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو اس بات کا علم تھا کہ ان کی حیض کی کوئی عادت نہیں اور نہ ان کو ایامِ حیض کی تمیز ہی ہے جبکہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی چونکہ حیض کی عادت تھی اس لیے انہیں یہ فرمایا کہ جتنے دن تک تمہیں حیض آیا کرتا ہے اتنے دن تک رکی رہو۔پھر اس کے بعد غسل کر کے پاک ہو جاؤ۔

فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ: یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے انہیں اس بات کا حکم نہ دیا تھا۔البتہ گزشتہ حدیث میں یہ گزر چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کو ہر نماز کے لیے غسل کرنے کی طرف راہنمائی فرمائی تھی لیکن مشقت کے پیشِ نظر جمع بین الصلوتین کر کے دن بھر میں تین غسلوں کا فرمایا اور استحاضہ میں غسل کا حکم اس لیے ہے کیونکہ غسل رگوں کے سکڑنے اور خون کے کم ہونے کا سبب ہوتا ہے۔

معرفة الصحابه :......سیدہ حمنہ اور سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہما یہ دونوں بہنیں ہیں، جبکہ ان کی ایک تیسری بہن سیدہ

[1] صحیح مسلم: 705.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بھی ہیں جو نبی کریم ﷺ کی زوجۂ مطہرہ اور ام المومنین تھیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو بھی استحاضہ کی شکایت ہوئی تھی لیکن وہ حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کے استحاضہ کی طرح کا استحاضہ نہ تھا۔

مضمون حدیث :...... اس حدیث میں بھی یہ مسئلہ مذکور ہے کہ اگر کسی عورت کو اپنے حیض کی عادت معلوم ہو تو استحاضہ کی صورت میں وہ اپنی عادت کی طرف رجوع کرے گی اور بقدر عادت ایام گزرنے کے بعد غسل کر کے پاک ہو جائے گی۔ اگلے مسئلے کو گزشتہ حدیث میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ رہا سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا ہر نماز کے لیے غسل کرنا تو یہ ان کا اجتہاد تھا جس کی تفصیل فوائد کے تحت آ جاتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- استحاضہ موروثی عارضہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ ان دونوں بہنوں کو استحاضہ کا عارضہ تھا۔ شاید یہ موروثی بیماری رہی ہو۔
- تکلیف دہ چیز کی بابت فتویٰ طلب کرنے کو شکویٰ کہہ سکتے ہیں۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شکویٰ بندوں کے سامنے بھی کیا جا سکتا ہے البتہ اس میں ناشکری اور رب تعالیٰ کی شکایت اور اس پر ناراضی کا عنصر نہ ہو۔
- اگر حیض کی عادت یا اس کی تمیز ہو تو مستحاضہ عادت یا تمیز کی طرف رجوع کرے گی اور ایامِ عادت پورے ہوتے ہی غسل واجب ہوگا۔
- عبادات میں بھی اجتہاد کر سکتے ہیں۔
- مستحاضہ کے لیے ہر نماز کے لیے غسل کرنا لازم نہیں جس کی تفصیل مذکور ہو چکی ہے۔

مستحاضہ کے لیے ہر نماز کے لیے وضو کرنا واجب ہے

وَفِی رِوَایَةٍ لِلْبُخَارِیِّ: ((وَتَوَضَّئِیْ لِکُلِّ صَلَاةٍ)).

اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ "اور تو ہر نماز کے لیے وضو کیا کر۔" [1]

وَهِیَ لِأَبِیْ دَاوُدَ وَغَیْرِهِ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ.

جبکہ ان الفاظ کو ابوداؤد وغیرہ نے دوسرے طریق سے روایت کیا ہے۔ [2]

شرح :...... ان الفاظ سے یہ مستفاد ہوا کہ مستحاضہ پر ہر نماز کے لیے وضو کرنا واجب ہے اور اس سے مراد ہر نماز کا وقت ہے نا کہ یہ مراد ہے کہ وہ جمع بین الصلوٰتین کرتے وقت بھی ظہر اور عصر کا جدا جدا وضو کرے گی۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ ہر نماز کے وقت کے لیے نیا وضو کرے گی۔ پھر جب ایک نماز کے وقت کے لیے وضو کر لیا تو صحیح قول یہ ہے کہ وہ اس وضو سے فرائض و نوافل میں سے جو چاہے پڑھ سکتی ہے۔

کُدرت اور صُفرت [3] کا حکم

140۔ وَعَنْ أُمِّ عَطِیَّةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((کُنَّا لَا نَعُدُّ الْکُدْرَةَ وَالصُّفْرَةَ بَعْدَ الطُّهْرِ شَیْئًا)).

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ پاک ہو جانے کے بعد ہم کُدرت اور صُفرت کو کچھ نہ سمجھتی تھیں۔ [4]

---

[1] صحیح البخاری: 228۔ [2] سنن ابی داود: 180۔

[3] کُدرت مٹیالے پن کو اور صُفرت پیلے پن اور زردی کو کہتے ہیں۔ (القاموس الوحید، ص: 928، 1392) (نسیم)

[4] صحیح البخاری: 326۔ سنن ابی داود: 307۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ ، وَاللَّفْظُ لَهُ .

اس حدیث کو امام بخاری اور امام ابوداؤد رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ امام ابوداؤد (کی روایت) کے ہیں۔

غریب الحدیث:..... كُدْرَت وَ صُفْرَت: مٹیالے اور زرد رنگ کا خون جس سے معلوم ہوا کہ عورتیں خالص سرخ خون، زرد اور مٹیالا خون اور بالکل سفید پانی بھی دیکھتی ہیں۔

لَا نَعُدُّ: یعنی ہم اس کو حیض نہ شمار کرتی تھیں۔

بَعْدَ الطُّهْرِ: یعنی حیض کا وقت گزر جانے کے بعد۔

معرفة الصحابه:.....سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا مشہور انصاریہ صحابیہ ہیں۔

درایة الحدیث:..... كُنَّا لَا نَعُدُّ: مراد عورتوں کی جماعت ہے۔ یہاں فِي عَهْدِ النَّبِيِّ کے الفاظ منقول نہیں۔ اس قسم کے الفاظ میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ صحابہ کا اجتہاد کہلائے گا یا اسے رفع کا حکم دیں گے؟ اس سے قبل کہ اس بحث کو آگے بڑھایا جائے ایک اہم بات کا جان لینا ضروری ہے، وہ یہ کہ مولف موصوف رحمہ اللہ سے "رواه البخاری و ابو داود" کے الفاظ میں چوک ہوئی ہے۔ کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بَعْدَ الطُّهْرِ کے الفاظ روایت نہیں کیے بلکہ یہ لفظ صرف امام ابوداؤد کے ہیں اس لیے اس روایت کو یوں نقل کرنا مناسب تھا:

كُنَّا لَا نَعُدُّ الْكُدْرَةَ وَ الصُّفْرَةَ شَيْئًا . رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَ اَبُوْ دَاوُدَ وَ زَادَ اَبُوْ دَاوُدَ "بَعْدَ الطُّهْرِ".

اب ایک تو اس روایت کے مرفوع یا موقوف ہونے میں اختلاف ہے۔ ❶ دوسرے فرض کیا کہ اس روایت کو مرفوع اور صحیح مان بھی لیں تب بھی کدرۃ اور صفرۃ کے حیض ماننے یا نہ ماننے میں بھی اختلاف ہے، بعد اس بات کے کہ "بعد الطهر" کے الفاظ امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت نہیں کیے اور اس بارے چھ سات اقوال ہیں۔

چنانچہ بعض علماء نے کدرہ اور صفرہ کو حیض شمار نہیں کیا چاہے یہ حیض سے قبل آئے یا حیض کے متصل بعد، ان کے نزدیک خالص خون ہی حیض ہوتا ہے۔ یہ ابن حزم رحمہ اللہ کا قول ہے اور انہوں نے اس کے متعدد دلائل بھی پیش کیے ہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے ❷ اور اس میں عورتوں کو زیادہ راحت بھی ہے کیونکہ بسا اوقات گدلا اور مٹیالا خون مدت مدید تک آتا رہتا ہے لہٰذا اسے حیض قرار دینے میں عورت کو بے حد تکلیف میں ڈالنا ہے۔ لہٰذا حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا قول زیادہ درست اور اقرب ہے۔ جبکہ بعض نے حیض سے قبل یا بعد میں حیض سے متصل کدرۃ یا صفرہ کو حیض قرار دیا ہے۔ لیکن یہ قول مرجوح ہے جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے "شرح المهذب" میں اس بابت متعدد اقوال نقل کر کے کدرہ اور صفرہ کو حیض سے خارج قرار دیا ہے۔ ❸

حیض والی عورت سے استمتاع اور تلذّذ کا شرعی حکم

141- وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ ، أَنَّ الْيَهُوْدَ كَانَتْ إِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ فِيهِمْ لَمْ يُؤَاكِلُوْهَا ، فَقَالَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہود کی کسی عورت کو حیض آ جاتا تھا تو (ان کی یہ عادت تھی کہ) وہ اس کے ساتھ مل کر

❶ دیکھیں: سنن البیهقی: 337/1- فتح الباری: 426/1- المحلّٰی: 169/2 .

❷ شرح العمدة: 504/1 ❸ المجموع شرح المهذب: 352/2

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

النَّبِيُّ ﷺ: ((اِصْنَعُوْا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ)).

رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

کھاتے (پیتے) نہ تھے، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''(حیض والی عورت کے ساتھ کھانا پینا، استمتاع و تلذّذ اور بوس و کنار وغیرہ) ہر شے کرو سوائے جماع کے۔'' ❶

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... كَانَتِ الْيَهُوْدُ: لفظِ يَهُوْد کے لیے كَانَتْ مونث کا صیغہ اس کے جمع ہونے کے اعتبار سے لائے ہیں کیونکہ يَهُوْد کا معنی قبیلہ یا طائفہ ہے۔

لَمْ يُؤَاكِلُوْهَا: یعنی اس کو اپنے سے الگ کر دیتے اور اس کے ساتھ کھاتے پیتے نہ تھے۔

اِلَّا النِّكَاحَ: مراد جماع کرنا ہے نا کہ عقدِ نکاح۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ حیض آنے سے عورت اچھوت نہیں بن جاتی جیسا کہ یہود حیض والی عورت کے ساتھ اچھوتوں کا سا سلوک کیا کرتے تھے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے صاف ارشاد فرمادیا کہ حیض والی عورت کے ساتھ سوائے جماع کے سب کچھ کر سکتے ہیں۔ جیسے مل کر کھانا پینا، سونا لیٹنا، بوس و کنار کرنا وغیرہ۔ البتہ خالص جماع کرنا حرام ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ یہود نجاست سے پاکی حاصل کرنے میں بے حد سختی سے کام لیتے تھے۔ اسی لیے حیض والی عورت کو اپنے سے بالکل جدا کر دیتے تھے اور اگر کپڑے کو نجاست لگ جاتی تھی تو بجائے اس کو دھو دینے کے وہ جگہ ہی تراش کر پھینک دیتے تھے۔ جبکہ اس کے برعکس نصاریٰ نجاستوں سے ہرگز بھی پرہیز نہ کرتے تھے۔ ان دونوں امتوں کے بالمقابل امتِ محمدیہ ﷺ امتِ وسط ہے کہ نجاستوں سے شدید گریز اور دریغ بھی کرتی ہے۔ البتہ اس کے ازالہ میں اعتدال سے کام بھی لیتی ہے۔ چنانچہ امت محمدیہ ﷺ پانی کے ساتھ نجاست کے ازالہ کی قائل ہے۔

◈ حیض والی عورت سے سوائے خالص جماع کرنے کے اور ہر طرح سے استمتاع کرنا جائز ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ حیض والی بیوی کے ساتھ لیٹتے وقت ازار باندھ لے کہ کہیں نفس پر ضبط نہ رہے یا اسے حیض کا خون دیکھ کر نا گواری ہو۔

142- وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُنِيْ فَأَتَّزِرُ ، فَيُبَاشِرُنِيْ وَأَنَا حَائِضٌ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ (جب میں حیض سے ہوتی تھی تو) نبی کریم ﷺ مجھے (ازار باندھ لینے کا) حکم دیتے تھے تو میں ازار باندھ لیتی تھی پس آپ ﷺ میرے ساتھ ہم آغوش ہوتے تھے حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی۔ ❷

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:...... فَأَتَّزِرُ: یعنی ازار باندھ لینا

---

❶ صحیح مسلم: 302.

❷ صحیح البخاری: 300- صحیح مسلم: 293.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَيُبَاشِرُنِيْ: مباشرت یہ بوسہ لینے سے اوپر البتہ جماع کرنے سے کم درجہ کے استمتاع کو کہتے ہیں (جس کا ترجمہ بندہ عاجز مترجم ابوقیدارنسیم نے ''ہم آغوش'' ہونے سے کیا ہے)۔

وَ اَنَا حَائِضٌ: یہ جملہ حالیہ ہے۔

⊙ ......اس حدیث میں بھی گزشتہ مضمون بیان ہوا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ معلوم ہوا کہ اگر حیض والی بیوی سے متمتع ہونے کا ارادہ ہو تو اسے ازار باندھ لینے کو کہہ دیا جائے۔

◈ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ پاکی کے دنوں میں بیوی سے بدون ازار کے بھی استمتاع جائز ہے۔ چاہے دونوں بے لباس ہوں۔ یہ بالکل واضح اور بے غبار بات ہے۔

حالتِ حیض میں جماع کر لینے سے کفارہ کا حکم

143- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي الَّذِيْ يَأْتِي امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ. قَالَ: ((يَتَصَدَّقُ بِدِيْنَارٍ، أَوْ بِنِصْفِ دِيْنَارٍ))

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ اپنی حائضہ بیوی سے جماع کر لینے والے کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ایسا آدمی ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے۔'' [1]

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَابْنُ الْقَطَّانِ، وَرَجَّحَ غَيْرُهُمَا وَقْفَهُ.

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے حاکم اور ابن قطان نے اس کو صحیح کہا ہے جبکہ ان کے سوا دوسروں نے اس روایت کے موقوف ہونے کو راجح قرار دیا ہے۔

حالتِ حیض میں جماع کرنے کا حکم

بلاشبہ یہ حرام ہے اس پر قرآنِ کریم کی نص آ گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ (البقرة: 222)

''اور وہ تجھ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے وہ ایک طرح کی گندگی ہے، سو حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔''

---

[1] مسند احمد: 229/1- سنن ابی داود: 264- یہ حدیث روایت کرنے کے بعد امام ابوداؤد فرماتے ہیں: صحیح روایت یوں ہوا کرتی ہے۔ جامع الترمذی: 135- امام ترمذی رحمہ اللہ (حدیث رقم 135 کے بعد) فرماتے ہیں: ''اور نبی کریم ﷺ سے یہ بھی مروی ہے آگے مذکورہ بالا روایت ہے۔ سنن النسائی: 153/1- سنن ابن ماجہ: 640- المستدرك: 278/1- حاکم کہتے ہیں: یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ''شرح العمدہ'' (456/1) میں امام احمد رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ''عبد الحمید عن مقسم عن ابن عباس رضی اللہ عنہما'' کے طریق سے مروی حدیث کیا ہی عمدہ ہے۔ پوچھا گیا کہ کیا آپ کا بھی یہی مذہب ہے؟ تو فرمایا: ہاں! امام نووی رحمہ اللہ ''المجموع'' (363/2) میں فرماتے ہیں: محدثین کا اس حدیث کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے اور امام نووی نے حاکم کے قول کو رد کیا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے: ''یہ حدیث ثابت نہیں۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پس معلوم ہوا کہ حالتِ حیض میں جماع کرنا قطعی حرام ہے۔ رہا یہ سوال کہ یہ حرمت کب ختم ہوتی ہے؟ خون رکنے پر یا پاکی کا غسل کر لینے پر؟

جو علماء اس بات کے قائل ہیں کہ یہ حرمت خون ختم ہونے پر مرتفع ہو جاتی ہے چاہے عورت نے حیض کا غسل نہ بھی کیا ہو، ان کی دلیل مذکورہ آیت کے یہ الفاظ ہیں: حَتّٰی یَطْهُرْنَ اور طُهْر خونِ حیض کے رکنے کو کہتے ہیں۔ لہٰذا ﴿فَاِذَا تَطَهَّرْنَ﴾ (البقرۃ: 222) ''جب وہ پاک ہو جائیں۔'' سے مراد غسل نہیں بلکہ محلِ دم اور فرج کا دھونا مراد ہے کہ اس کے بعد عورت حلال ہو جاتی ہے۔ یہ ابن حزم کی رائے ہے جو ضعیف ہے۔

درست یہ ہے کہ تَطَهُّر سے مراد اِغْتِسَال ہے۔ جیسا کہ ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ (المائدۃ: 6) ''اور اگر جنبی ہو تو غسل کر لو۔'' میں بھی تَطَهُّر سے مراد اِغْتِسَال ہی ہے۔ پس ان آیات میں اِغْتِسَال کو تَطَهُّر کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ دوسرے اسی میں زیادہ احتیاط اور ذمہ سے براءت بھی ہے۔

یہ تفصیل تو تھی اس بات کی کہ عورت کب پاک ہوتی ہے تاکہ اس کے ساتھ جماع حلال ہو جائے۔ **لیکن اگر کوئی حالتِ حیض میں جماع کر بیٹھے تو بلاشبہ وہ حرام کا مرتکب اور گناہ گار ہوگا۔** سوائے اس کے وہ جاہل ہو اور اس کی حرمت سے ناواقف ہو کہ اس کے لیے عذر ہے۔

حیض میں جماع کرنے پر کفارہ کا حکم

پھر گناہ کے ارتکاب سے توبہ کا وجوب تو بالاتفاق ہے ہی۔ رہا کفارہ کا وجوب؟ تو یہی وہ امر ہے جس میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض علماء کے نزدیک ایسے شخص پر کوئی کفارہ نہیں۔ سوائے توبہ کرنے کے۔ کیونکہ اصل ذمہ کی براءت ہے اور دوسرے بنا کسی دلیل کے اس کے مال کو اس کی ملک سے نہ نکالا جائے گا۔

جو علماء کفارہ کے وجوب کے قائل ہیں ان کی دلیل یہی مذکورہ حدیث ہے لیکن جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس حدیث کے مرفوع ہونے میں اختلاف ہے اور اکثر محدثین کے نزدیک یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے۔ پھر اس کی سند میں اضطراب کے ساتھ ساتھ اس کے مُوجب اور مقتضی میں بھی اضطراب ہے کہ وہ ایک دینار یا نصف دینار۔ کیونکہ کسی بھی گناہ کے کفارے میں ایک ہی جنس میں ایسی تخییر وارد نہیں۔ تخییر جہاں بھی آئی ہے دو یا زیادہ اجناس میں آئی ہے نا کہ ایک ہی جنس میں۔ لہٰذا ایک ہی جنس میں تخییر غیر مستقیم ہے۔

پھر مذکورہ حدیث وجوب میں صریح ہے یا نہیں؟ تو یَتَصَدَّقُ کے الفاظ میں وجوب اور استحباب دونوں کا احتمال ہے۔ البتہ وجوب کا احتمال اقرب ہے کیونکہ یہ کفارہ گناہ کے مقابل ہے اور گناہ واجب سے ہی مرتفع ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ:

- ...... کفارہ کی ایک ہی جنس میں تخییر غیر مستقیم ہے۔
- ...... اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے۔
- ...... اس کے رفع اور وقف میں بھی اختلاف ہے، اسی لیے امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے صرف نظر کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ ''اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو میں یہی قول اختیار کرتا۔''

اس لیے اگر مالی وسعت ہو تو یہ کفارہ دے دیا جائے تاکہ آئندہ کے لیے تنبیہ ہو وگرنہ توبہ پر ہی اکتفا کیا جائے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حیض پر مرتب ہونے والے احکام

144- وَعَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''کیا یہ بات نہیں کہ جب عورت کو حیض آتا ہے تو نہ وہ نماز پڑھ سکتی ہے اور نہ روزہ ہی رکھ سکتی ہے۔'' [1] یہ طویل ''متفق علیہ'' حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔

قصۂ حدیث:...... نبی کریم ﷺ نے ایک بار عورتوں میں وعظ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''میں نے تم عورتوں سے بڑھ کر جو دین وعقل دونوں میں ناقص ہیں کسی کو نہیں دیکھا جو ایک سمجھ دار آدمی کی عقل کو بھی لے اڑتا ہو۔'' یہ سنتے ہی عورتیں چونک اٹھیں اور دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہماری عقل اور ہمارے دین میں کس چیز کا نقص ہے؟ آپ ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ ''کیا یہ بات نہیں کہ عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے آدھی ہے؟'' عورتوں نے عرض کیا کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ عورتوں کی عقلوں کا نقص ہے۔'' (پھر فرمایا): ''کیا یہ بات نہیں کہ جب عورت کو حیض آتا ہے تو نہ وہ نماز پڑھ سکتی ہے اور نہ روزہ رکھ سکتی ہے؟'' عورتوں نے عرض کیا: کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ عورتوں کے دین کا نقص ہے۔''

یہاں عقل سے مراد اشیاء کو سمجھنا اور ان کو ضبط کرنا ہے نہ کہ مراد وہ عقل ہے جو جنون کے بالمقابل ہوتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اس قصہ سے معلوم ہوا کہ عورت حیض کے دنوں تک نہ نماز پڑھ سکتی ہے اور نہ روزہ ہی رکھ سکتی ہے جبکہ مرد حضرات ان دنوں نمازیں پڑھنے کی وجہ سے بہ نسبت عورتوں کے زیادہ کامل دین والے بن جاتے ہیں۔ اب چونکہ دین میں یہ نقصان رب تعالیٰ کے امر کی وجہ سے ہے لہٰذا یہ نقص اور کمی معیوب اور قابلِ ملامت نہیں۔
- اس قصہ سے نبی کریم ﷺ کی بردباری، حسنِ اخلاق اور عورتوں پر شفقت و رحمت بھی معلوم ہوگئی کہ آپ ﷺ نے ان کے مناقشہ کو صبر کے ساتھ برداشت فرمایا اور بجائے ڈانٹنے اور جھڑکنے کے اُن کے سوال کا نہایت حکیمانہ جواب مرحمت فرمایا۔
- لہٰذا جب کسی عالم سے کسی حکم کی معرفت یا کسی حکمت کی راہنمائی کا مطالبہ کیا جائے تو وہ شرح صدر کے ساتھ سائل کو جواب دے وگرنہ کہہ دے کہ میں نہیں جانتا، اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔
- معلوم ہوا کہ حیض کے دوران عورت فرض یا نفل میں سے کچھ بھی ادا نہ کرے گی کہ یہ بات دینِ اسلام میں مقرر اور طے ہے۔ اس بنا پر أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ میں استفہام تقریر کے لیے ہوگا نہ کہ انکار کے لیے۔

145- وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: ((لَمَّا جِئْنَا سَرِفَ حِضْتُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((افْعَلِي مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ، غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ (سفرِ حج کے دوران) جب ہم مقام سَرِف پر پہنچے تو مجھے حیض آ گیا۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم وہ کچھ کرتی رہو جو ایک حاجی

[1] صحيح البخاري: 304- صحيح مسلم: 80.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حَتّٰى تَطْهُرِيْ)). (حج کے دوران) کرتا ہے البتہ تم بیت اللہ کا طواف نہ کرنا یہاں تک کہ تم (حیض سے) پاک ہو جاؤ۔''❶

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ . یہ طویل ''متفق علیہ'' حدیث کا ٹکڑا ہے۔

قصۂ حدیث :...... یہ حجۃ الوداع کا قصہ ہے جس میں نبی کریم ﷺ اپنی جملہ ازواجِ مطہرات کو سفرِ حج میں ساتھ لے کر نکلے تھے اوران سب ازواج مطہرات نے عمرہ کا احرام باندھ کر حجِ تمتع کی نیت کی تھی۔ اسی دوران مقام سَرِف پر پہنچ کر سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حیض آ گیا۔ یہ مدینہ کے راستہ میں ایک مقام کا نام ہے۔ نبی کریم ﷺ جب سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو وہ بیٹھی رو رہی تھیں دریافت فرمانے پر انہوں نے عرض کیا کہ مجھے حیض آ گیا ہے۔ جس پر آپ ﷺ نے انہیں تسلی دی اور مذکورہ بالا حکم ارشاد فرمایا۔

غریب الحدیث:...... اِفْعَلِيْ: مذکورہ امر، امرِ ارشاد ہے۔ البتہ حج کے دوران جو مامور بہ واجب ہوگا اس کے حق میں یہ امر وجوب کے طور پر ہوگا اور جو مامور بہ مستحب ہوگا، اس کے حق میں یہ امر مستحب ہوگا۔ البتہ اس امر کے اباحت کے لیے ہونے کا بھی احتمال ہے کہ سوائے طواف بیت اللہ کے تمہارے لیے دیگر مناسکِ حج مباح ہیں۔

اَلْحَاجُّ: یہاں جنسِ حجاج مراد ہے۔ چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔

غَيْرَ: یہ یا تو مَا يَفْعَلُ سے استثنا ہے یا پھر عموم احوال سے استثنا ہے۔

لَا تَطُوْفِيْ بِالْبَيْتِ: مراد طواف قدوم ہے کیونکہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حیض کی حالت میں طواف قدوم کے لیے پہنچی تھیں۔

حَتّٰى تَطْهُرِيْ: حتیٰ یہ غایت کے لیے ہے کہ اس ترکِ طواف کی غایت حیض سے پاک ہونے تک ہے۔

اس روایت سے حیض کے چند مزید احکام معلوم ہوئے جو یہ ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اس بات پر سب علماء کا اجماع ہے کہ حیض والی عورت بیت اللہ کا طواف نہ کرے گی۔
- رہے حج کے دیگر مسائل کہ عمرہ کو حج کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے یا نہیں، تو اس کو کتاب الحج میں مفصل ذکر کر دیا جائے گا۔ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ .
- معلوم ہوا کہ مناسک حج سعی، وقوف، مبیت اور رمی وغیرہ کے لیے طہارت شرط نہیں۔ البتہ طہارت کے ساتھ ان مناسک کا ادا کرنا افضل ہے۔
- معلوم ہوا کہ غم زدہ کو تسلی دینی چاہیے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو روتے دیکھ کر تسلی دی اور فرمایا کہ حیض کو رب تعالیٰ نے بناتِ آدم کی تقدیر میں لکھا ہے یہ رونے کی بات نہیں، یہ امر تو ہر عورت کو پیش آتا ہے۔ لہٰذا حیض کا خون ایک طبعی امر ہے نا کہ عقوبت یا رب تعالیٰ کی ناراضی۔
- البتہ یہ بھی یاد رہے کہ اگرچہ حیض والی عورت کو طواف منع ہے لیکن طواف کے لیے طہارت کے شرط ہونے میں بہرحال

❶ صحیح البخاری: 305۔ صحیح مسلم: 1211۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختلاف ہے اور راجح قول یہ ہے کہ طواف کے لیے طہارت شرط نہیں۔

146- وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضي الله عنه ، أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ : مَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ مِنَ امْرَأَتِهِ ، وَهِيَ حَائِضٌ ؟ فَقَالَ: ((مَا فَوْقَ الْإِزَارِ)) .

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس بات کو دریافت کیا کہ آدمی کے لیے اپنی بیوی سے جبکہ وہ حیض والی ہو کیا (کیا) حلال ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ازار سے اوپر (اوپر) جو ہے (اس سے استمتاع حلال ہے)۔'' ❶

رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَضَعَّفَهُ .

امام ابوداؤد نے اس حدیث کو روایت کر کے اس کو ضعیف کہا ہے۔

غریب الحدیث:......**مَا يَحِلُّ**: ''مَا'' اَيُّ شَيْءٍ کے معنی میں ہے۔

وَ هِيَ حَائِضٌ: یہ جملہ حالیہ ہے۔

مَا فَوْقَ الْإِزَارِ: یعنی ناف اور گھٹنے کے درمیان کو چھوڑ کر کہ وہ حیض کی حالت میں مرد کو حلال نہیں، اس سے اوپر کے بدن سے اور اس کے نیچے کے بدن سے استمتاع میں کوئی حرج نہیں۔

مذکورہ حدیث میں بھی حیض کا ایک اور حکم بیان ہوا کہ حیض کی حالت میں گھٹنے اور ناف کے درمیانی بدن سے استمتاع درست نہیں۔ لیکن صحیح مسلم کی گزشتہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن کے اس حصہ سے بھی حالتِ حیض میں استمتاع درست ہے اور منع صرف جماع ہے۔ اب ظاہر ہے کہ صحیح مسلم کی روایت راجح ہے کیونکہ سنن ابی داؤد کی روایت ضعیف ہے۔ دوسرے اس میں حلال استمتاع کا اضافہ بھی ہے اور روایت میں اضافہ جب ثقہ راوی سے ہو تو مقبول ہوتا ہے۔ لہٰذا درست یہ ہے کہ سوائے خالص جماع کے حیض والی عورت کے پورے بدن سے استمتاع شوہر کے لیے حلال ہے۔

نفاس کے احکام

147- وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضي الله عنها قَالَتْ : ((كَانَتِ النُّفَسَاءُ تَقْعُدُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ بَعْدَ نِفَاسِهَا أَرْبَعِينَ يَوْمًا)) .

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ دور نبوی میں نفاس والی عورتیں نفاس آنے کے بعد چالیس روز تک (نماز روزہ ادا کرنے سے) بیٹھی رہتی تھیں (یعنی چالیس روز تک نماز روزہ ادا نہ کرتی تھیں)۔ ❷

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ ، وَاللَّفْظُ لِأَبِي دَاوُدَ . وَفِي لَفْظٍ لَهُ : وَلَمْ يَأْمُرْهَا النَّبِيُّ ﷺ

اس حدیث کو امام نسائی کے علاوہ ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے اور مذکورہ روایت کے الفاظ امام ابوداؤد کے ہیں اور سنن ابی داؤد کی ایک

---

❶ سنن ابی داود: 212۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں: یہ حدیث قوی نہیں اور ابن حزم نے ''المحلّٰی'' (179/2) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور ابن قیم ''تهذيب السنن'' (149/6) میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد میں بقیہ ہے جو سعد الاغطش سے روایت کرتا ہے، یہ دونوں راوی ضعیف ہیں۔

❷ مسند احمد: 300/6۔ سنن ابی داود: 311۔ جامع الترمذی: 139۔ سنن ابن ماجه: 648۔ المستدرك للحاكم: 283/1۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ''المجموع'' (483/2) میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ ابن ملقن کہتے ہیں: اس حدیث کو ابن سکن نے صحیح کہا ہے، البتہ ابن حزم اور ابن قطان نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تعریف کی ہے۔ جیسا کہ ''علل الترمذی للقاضی'' (ص 59) میں ہے۔ (دیکھیں: خلاصة البدر المنير: 83/1)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِقَضَاءِ صَلَاةِ النِّفَاسِ . روایت کے یہ الفاظ ہیں: اور نبی کریم ﷺ نے نفاس والی عورتوں کو نفاس (کے دنوں) کی نمازوں کی قضا ادا کرنے کا حکم نہ دیا۔

وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ . حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... نُفَسَاءُ: وہ عورت جو بچہ جنے۔ زچہ عورت، نفاس والی اور نفساء کو نفساء اس لیے کہتے ہیں کہ یہ نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَتَهُ سے ماخوذ ہے۔ یعنی اللہ نے اس کی تکلیف کو دُور کر دیا۔ کیونکہ بچہ جنتے وقت عورت بے پناہ اذیت سے گزرتی ہے۔ چنانچہ جب عورت بچہ جن دیتی ہے تو رب تعالیٰ اسے اس تکلیف سے نجات دے دیتا ہے۔

نِفَاس: وہ خون جو بچہ کی ولادت کے وقت یا اس سے ایک دو روز قبل نکلتا ہے اور بعد میں کئی دنوں تک جاری رہتا ہے۔ نفاس کے خون کی علامت یہ ہے کہ وہ درد اور تکلیف کے ساتھ نکلتا ہے۔ لہٰذا جو خون ولادت سے قبل بنا درد کے نکلے وہ بھی نفاس نہیں اور جو نرا پانی نکلے وہ بھی نفاس نہیں چاہے درد کے ساتھ ہی نکلے۔

تَقْعُدُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ: ان الفاظ کا حکم رفع کا ہے۔ چاہے راوی اس بات کی صراحت نہ بھی کرے کہ نبی کریم ﷺ اس بات کو جانتے تھے اور اگر راوی ساتھ ہی اس بات کی بھی صراحت کر دے تو ایسے الفاظ صریح مرفوع کے حکم میں ہوتے ہیں اور یہ تقریر نبوی کے باب سے ہوں گے۔

بَعْدَ نِفَاسِهَا أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا: یعنی ولادت کے بعد چالیس دن تک عورت نماز روزہ کے لیے نہ بیٹھتی تھی۔ البتہ یہ بات معلوم ہے کہ اگر نفاس چالیس دن سے پہلے منقطع ہو جائے تو غسل کر کے نماز روزہ واجب ہو جاتا ہے، تب پھر یہ الفاظ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت کا بیان ہوں گے۔ رہی نفاس کی کم سے کم مدت، تو اس کی کوئی حد نہیں۔ یہ کچھ بھی ہو سکتی ہے۔ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت کی بابت ایک قول ساٹھ دن کا بھی ہے جسے امام شافعی رحمہ اللہ نے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "الاختیارات" میں اختیار کیا ہے اور اس بات کی صراحت کی ہے کہ ساٹھ دن تک حیض آنا کثیر ہے نہ کہ نادر کہ یہ کہا جائے کہ نادر کا حکم نہیں ہوتا۔ لہٰذا میرے نزدیک بھی راجح قول ساٹھ دن کا ہی ہے۔

مضمون حدیث:...... اس حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب عورت بچہ جن دے اور اس کو نفاس کا خون آنے لگے تو جب تک یہ خون آتا رہے وہ نماز روزہ میں سے کچھ ادا نہ کرے گی اور یہ نفاس کتنی مدت تک رہتا ہے اس کی تفصیل غریب الحدیث کے تحت بیان کر دی گئی ہے اور اس دوران کی نمازوں اور روزہ کی قضا بھی نہ ہوگی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اگر دمِ نفاس ساٹھ دن سے اوپر نکل جائے اور حیض کی عادت کے موافق ہو تو اسے حیض کہیں گے وگرنہ وہ فاسد خون ہے۔ چنانچہ عورت غسل کر کے نماز روزہ کرے گی اور وہ خاوند کے لیے بھی حلال ہو جائے گی۔
- نفاس کے دنوں کی نماز و روزہ کی قضا واجب نہیں۔ کیونکہ نفاس کا حکم بھی حیض کا ہے۔

حیض اور نفاس میں فرق

حیض اور نفاس میں مندرجہ ذیل فرق ہیں:

- ...... حیض کی طرح نفاس بلوغت کی علامت نہیں ہوتا۔ کیونکہ نفاس آنے سے قبل بلوغت ثابت ہو چکی ہوتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⦿ ...... ایلاء کی مدت کو حیض سے تو شمار کیا جاتا ہے البتہ نفاس کو ایلاء کی مدت میں شمار نہیں کیا جاتا۔

⦿ ...... اسی طرح خود عدتِ طلاق کے شمار میں بھی نفاس معتبر نہیں جبکہ حیض معتبر ہے۔

⦿ ...... اس بنا پر حیض میں طلاق دینا تو خلافِ سنت ہوگا البتہ نفاس میں طلاق دینا خلافِ سنت نہ ہوگا۔

⦿ ...... حیض کی کم از کم مدت ایک دن رات ہے، جب کہ نفاس کی کم از کم مدت کوئی نہیں، یہ چند گھنٹے بھی ہو سکتی ہے۔

⦿ ...... اگر حیض اپنی مدت کے دوران ختم ہو کر دوبارہ آ جائے تو اسے حیض ہی شمار کرتے ہیں جیسے مثلاً کسی عورت کی حیض کی عادت چھ دن تھی۔ کبھی ایسا ہوا کہ اسے دو دن حیض آ کر دو دن رُکا رہا، پھر دو دن آیا، تو یہ بعد کے دو دن دوبارہ حیض شمار ہوں گے جب کہ نفاس میں ایسا نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی عورت بیس دن تک حائضہ رہی، پھر پانچ دن خون رکا رہا اور بعد میں پھر خون جاری ہو گیا، تو اس خون کے نفاس ہونے میں شک ہے لہٰذا ان مشکوک ایام میں نماز روزہ واجب ہوگا۔

فَقَدْ تَمَّ كِتَابُ الطَّهَارَةِ وَ يَلِيْهِ كِتَابُ الصَّلٰوةِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کی متحمل نہیں لہٰذا اتنے فضائل کے ذکر پر اکتفا کرتے ہوئے باب مذکورہ پر کلام کیا جاتا ہے۔

اَلْمَوَاقِيتُ: یہ میقات کی جمع ہے اور میقات وقت سے مشتق ہے۔ یعنی نمازیں ادا کرنے کے ان زمانوں کا بیان ج
شرع شریف نے نمازیں ادا کرنے کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ نمازوں کی ادائیگی میں وقت معتبر ہے اس کی دلیل یہ ارشاد با
تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا﴾ (النساء: 103)

''بے شک نماز ایمان والوں پر ہمیشہ سے ایسا فرض ہے جس کا وقت مقرر کیا ہوا ہے۔''

یعنی ایک تو یہ عبادت فرض ہے، دوسرے موقوت یعنی محدَّد فی الوقت ہے۔

غرض مواقیت نماز کی سب سے مؤکد شرط ہے اس لیے اس کی رعایت بھی سب سے مؤکد ہے لہٰذا نماز کو اپنے وقت
ادا کیا جائے گا چاہے کسی عذر کی بنا پر اس کی چند دیگر شروط یا ارکان یا واجبات ادا کرنے سے رہ بھی جائیں لیکن نماز کو اپنے و
سے نہ رہنے دیا جائے گا۔ لہٰذا جو حال بھی ہے اسی حال میں اپنے وقت پر نماز ادا کی جائیگی۔ اب ذیل میں نمازوں کے او
سے متعلقہ چند احادیث کو درج کیا جاتا ہے:

نمازوں کے اوقات

148-150۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ، وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُولِهِ، مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ، وَوَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ الْأَوْسَطِ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد ہے: ''ظہر کا وقت (تب سے ہے) جب آفتاب [ڈھل] جائے اور (تب تک ہے جب) آدمی کا سایہ اس کے قامت برابر ہو جائے جب تک کہ عصر کا وقت داخل نہیں ہوتا اور ع[صر کا] وقت (تب تک ہے) جب تک کہ آفتاب زرد نہیں پڑ جاتا او[ر] مغرب کا وقت (تب تک ہے) جب تک کہ شفق غائب نہیں [ہو] جاتی اور نمازِ عشاء کا وقت نصف شب تک ہے جبکہ شب آ[دھی ہو] جائے اور نمازِ فجر کا وقت فجر کے طلوع ہونے سے ہے جب [تک] کہ آفتاب (مشرق سے) ابھر نہیں آتا۔''[1]

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ......إِذَا زَالَتْ: یعنی جب آفتاب مغرب کی جانب جھکنے لگے تو سمجھو کہ ظہر کا وقت داخل
ہے اور زوال اس وقت کو کہتے ہیں جب آفتاب اپنے طلوع اور غروب کے سفر کے بالکل درمیان میں پہنچ جائے اور اس وق
اندازہ سایوں سے لگایا جاتا ہے کہ آفتاب ابھرنے کے ساتھ ساتھ چیزوں کے سائے گھٹنے لگتے ہیں۔ جب کسی شے کا سایہ گھ
ہو جائے اور دوبارہ مشرق کی جانب بڑھنے لگے تو سمجھو کہ اب ظہر کا وقت داخل ہو گیا ہے اور جب تک سایہ گھٹنا اور بڑھنا بند
ایک حجم پر رہتا ہے، اسی دورانیے کو زوال کا وقت کہتے ہیں۔ غرض ان کلمات میں ظہر کے وقت کی ابتدا کو ذکر کیا گیا ہے۔

[1] صحیح مسلم: 612.

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

کی متحمل نہیں لہٰذا اتنے فضائل کے ذکر پر اکتفا کرتے ہوئے باب مذکورہ پر کلام کیا جاتا ہے۔

اَلْمَوَاقِيْتُ : یہ میقات کی جمع ہے اور میقات وقت سے مشتق ہے۔ یعنی نمازیں ادا کرنے کے ان زمانوں کا بیان جن کو شرع شریف نے نمازیں ادا کرنے کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ نمازوں کی ادائیگی میں وقت معتبر ہے اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ (النساء: 103)

''بے شک نماز ایمان والوں پر ہمیشہ سے ایسا فرض ہے جس کا وقت مقرر کیا ہوا ہے۔''

یعنی ایک تو یہ عبادت فرض ہے، دوسرے موقوت یعنی محدّد فی الوقت ہے۔

غرض مواقیت نماز کی سب سے مؤکد شرط ہے اس لیے اس کی رعایت بھی سب سے مؤکد ہے لہٰذا نماز کو اپنے وقت پر ہی ادا کیا جائے گا چاہے کسی عذر کی بنا پر اس کی چند دیگر شروط یا ارکان یا واجبات ادا کرنے سے رہ بھی جائیں لیکن نماز کو اپنے وقت سے نہ رہنے دیا جائے گا۔ لہٰذا جو حال بھی ہے اسی حال میں اپنے وقت پر نماز ادا کی جائیگی۔ اب ذیل میں نمازوں کے اوقات سے متعلقہ چند احادیث کو درج کیا جاتا ہے:

نمازوں کے اوقات

150-148- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : ((وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ ، وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُولِهِ ، مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ ، وَوَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ الْأَوْسَطِ ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ))

رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''ظہر کا وقت (تب سے ہے) جب آفتاب ڈھل جائے اور (تب تک ہے جب) آدمی کا سایہ اس کے قامت کے برابر ہو جائے جب تک کہ عصر کا وقت داخل نہیں ہوتا اور عصر کا وقت (تب تک ہے) جب تک کہ آفتاب زرد نہیں پڑ جاتا اور نمازِ مغرب کا وقت (تب تک ہے) جب تک کہ شفق غائب نہیں ہو جاتی اور نمازِ عشاء کا وقت نصف شب تک ہے جبکہ شب آدھی ہو جائے اور نمازِ فجر کا وقت فجر کے طلوع ہونے سے ہے جب تک کہ آفتاب (مشرق سے) ابھر نہیں آتا۔'' ❶

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :...... اِذَا زَالَتْ : یعنی جب آفتاب مغرب کی جانب جھکنے لگے تو سمجھو کہ ظہر کا وقت داخل ہو گیا ہے اور زوال اس وقت کو کہتے ہیں جب آفتاب اپنے طلوع اور غروب کے سفر کے بالکل درمیان میں پہنچ جائے اور اس وقت کا اندازہ سایوں سے لگایا جاتا ہے کہ آفتاب ابھرنے کے ساتھ ساتھ چیزوں کے سائے گھٹنے لگتے ہیں۔ جب کسی شے کا سایہ گھٹنا بند ہو جائے اور دوبارہ مشرق کی جانب بڑھنے لگے تو سمجھو کہ اب ظہر کا وقت داخل ہو گیا ہے اور جب تک سایہ گھٹنا اور بڑھنا بند ہو کر ایک حجم پر رہتا ہے، اسی دورانیے کو زوال کا وقت کہتے ہیں۔ غرض ان کلمات میں ظہر کے وقت کی ابتدا کو ذکر کیا گیا ہے۔

---

❶ صحیح مسلم: 612.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ كَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُوْلِهِ: اس میں ظہر کے وقت کی انتہا کا ذکر ہے کہ جب آدمی کا سایہ اس کی قامت کے برابر ہو جائے تو سمجھو کہ اب ظہر کا وقت ختم ہو گیا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی عین زوال کے وقت بننے والے اپنے سایہ کی حد پر ایک نشان لگا دے۔ جب آفتاب مغرب کی طرف ڈھلنے لگے تو یہ سایہ بڑھنے لگے گا۔ جب یہ سایہ مشرق کی جانب بڑھتے بڑھتے آدمی کی قامت کے برابر ہو جائے تو سمجھو کہ اب ظہر کا وقت ختم ہو گیا ہے۔فقہاء کے عرف میں اسے سائے کا ایک مثل ہو جانا کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ اس مقدار میں عین زوال کے وقت کا سایہ محسوب نہ ہو گا جس کو فقہاء کے عرف میں فئ زوال کہتے ہیں۔ پس یہ ایک مثل سایہ فئ زوال کے علاوہ ہو گا۔

مَا لَمْ يَحْضُرْ وَقْتُ الْعَصْرِ: یعنی جب تک عصر کا وقت داخل نہیں ہوتا ظہر کا وقت باقی ہے اور عصر کا وقت تب داخل ہوتا ہے جب ہر شے کا سایہ ایک مثل ہو جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ ظہر کا وقت ختم ہوتے ہی عصر کا وقت داخل ہو جاتا ہے اور دونوں نمازوں کے درمیان کوئی خالی وقت نہیں ہوتا۔ ان کلمات میں جہاں ظہر کے وقت کی انتہا کا ذکر ہے وہیں عصر کے وقت کی ابتدا کا بھی ذکر ہے۔

وَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ: جب تک آفتاب کی تمازت اور چمک باقی رہتی ہے اس پر نگاہ نہیں ٹھہرتی ہے، لیکن جب آفتاب زرد پڑ جاتا ہے تو اس پر نگاہ ٹھہرنے لگتی ہے، یہی وہ وقت ہے جب تک نمازِ عصر جائز ہوتی ہے۔ گویا کہ ان کلمات میں نماز عصر کے وقت کی انتہا ذکر ہے۔ لیکن ایک حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ ''جس نے غروب آفتاب سے قبل نمازِ عصر کی ایک رکعت کو پالیا اس نے نمازِ عصر کو پا لیا۔'' ❶ تب پھر عصر کے دو وقت ہوئے:

(1) ایک وقتِ اختیار: یہ اِصفرارِ آفتاب تک کا وقت ہے۔ (2) دوسرا وقتِ ضرورت: اور یہ غروبِ آفتاب تک ہے۔

مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ: نمازِ مغرب کی ابتدا معروف ہے کہ وہ غروبِ آفتاب سے ہے۔ ان کلمات میں نمازِ مغرب کی انتہا مذکور ہے کہ یہ وقت شفق کے غائب ہو جانے تک باقی رہتا ہے۔ نمازِ مغرب کو اسی لیے مغرب کہتے ہیں کہ یہ غروبِ آفتاب کے بعد شروع ہوتی ہے۔

شفق سے یہاں مراد شفق احمر ہے۔ یہ آسمان کے مغرب کے افق پر غروبِ آفتاب کے بعد پھیل جانے والا سرخ خط ہوتا ہے۔ پس جب تک یہ خط سرخ رہتا ہے مغرب کی نماز کا وقت ہے اور جب اس خط کی سرخی ختم ہو جاتی ہے چاہے سفیدی سی باقی بھی رہے تو نمازِ مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور یہیں سے نماز عشاء کا وقت داخل ہو جاتا ہے۔

اِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ الْاَوْسَطِ: یہ نماز عشاء کے وقت کی انتہا کا ذکر ہے۔ جو نصف شب تک ہے اور ''اَوْسَط'' کا لفظ صفتِ کاشفہ ہے نہ کہ صفتِ مقیدہ اور چونکہ عشاء کی ابتدا مغرب کی انتہا پر مبنی تھی اس لیے اس کو ذکر نہیں فرمایا۔

مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ: اس میں نمازِ فجر کے وقت کی ابتدا اور انتہا دونوں کا ذکر ہے۔ ''طلوع فجر'' کی تعبیر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ نمازِ عشاء کی انتہا اور نمازِ فجر کی ابتدا کے درمیان میں ایک وقت ایسا بھی ہے جو نہ تو عشاء کی نماز کا ہے اور نہ فجر کی نماز کا۔ فقہاء کی اصطلاح میں اسے خالی وقت کہتے ہیں۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں صلواتِ خمسہ کی ابتدا اور انتہا کے اوقات کو ذکر کیا گیا ہے۔

---

❶ متفق علیہ۔ یہ حدیث آگے آرہی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن کریم کی صلواتِ خمسہ کے اوقات پر اجمالی دلالت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ﴾ (الاسراء: 78)

''نماز قائم کر سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک۔''

یعنی نمازیں زوالِ آفتاب سے لے کر رات کی تاریکی تک ہیں اور یہاں تاریکی سے مراد اس کی ابتدا نہیں بلکہ انتہا ہے اور تاریکی کی انتہاء نصف شب تک ہوتی ہے۔ کیونکہ عین نصف شب کے وقت آفتاب کرۂ ارض سے سب سے زیادہ دُور ہوتا ہے۔ گویا کہ نمازوں کے اوقات زوالِ آفتاب کے بعد سے نصف شب تک ہیں۔ اس میں چار نمازوں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کے اوقات کا اجمالی تذکرہ آ گیا۔ اس کے بعد نمازِ فجر کے وقت کو الگ سے ذکر فرمایا: ﴿وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ (الاسراء: 78) ''بے شک فجر کا قرآن'' کیونکہ عشاء اور فجر کے درمیان ایک وقت ایسا بھی ہے جو دونوں میں سے کسی نماز کا نہیں۔ غرض اس آیت میں اگر نمازِ پنجگانہ کے اوقات کا اجمالی تذکرہ ہے تو سنت میں اس کا تفصیلی تذکرہ ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے۔

نمازوں کے اوقات مقرر کرنے کا فائدہ

اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ قبل از وقت ادا کی جانے والی نماز درست نہ ہوگی۔ اسی طرح بعد از وقت ادا کی جانے والی نماز بھی درست نہ ہوگی اور بندہ گناہ گار بھی ہوگا۔

عصر کی نماز کو جلد اور عشاء کو موخر کر کے ادا کرنا مستحب ہے

وَلَهُ مِنْ حَدِيْثِ بُرَيْدَةَ فِي الْعَصْرِ: ((وَالشَّمْسُ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ)).

اور امام مسلم کی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں نماز عصر کے (آخری وقت کے) بارے میں یہ ہے کہ ''(نمازِ عصر اس وقت تک جائز ہے جب تک کہ سورج زرد نہ پڑ گیا ہو) اور سورج (ابھی تک) روشن اور صاف ہو۔'' ❶

شرح: ......اس روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نمازِ عصر ادا فرما کر لوٹا کرتے تھے تو سورج روشن اور صاف ہوتا تھا اور ابھی اس کی تمازت اور چمک متاثر نہ ہوا کرتی تھی جو اس بات کی دلیل ہے کہ ابھی سورج بلند ہوتا تھا۔ جیسا کہ اگلی روایت میں صاف آ رہا ہے۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نماز عصر ادا کرنے میں جلدی کی جائے حتیٰ کہ نماز کی ادائیگی کے بعد سورج روشن اور صاف ہو۔

وَمِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ مُوْسٰى: ((وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ)).

(اور امام مسلم رحمہ اللہ کی) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''جبکہ سورج ابھی بلند ہوتا تھا۔'' ❷

شرح: ......ان دونوں روایات کا معنی ایک ہے۔ البتہ پہلی حدیث میں خود آفتاب کا وصف مذکور ہے جبکہ دوسری روایت میں آفتاب کا ذکر اس کی جگہ کے اعتبار سے ہے۔

---

❶ صحیح مسلم: 613.

❷ صحیح مسلم: 614.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچ اہم مسائل

151-153- وَعَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ :((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي الْعَصْرَ ، ثُمَّ يَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلَى رَحْلِهِ فِي أَقْصَى الْمَدِيْنَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ ، وَكَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَ مِنَ الْعِشَاءِ ، وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا ، وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حِيْنَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيْسَهُ ، وَكَانَ يَقْرَأُ بِالسِّتِّيْنَ إِلَى الْمِائَةِ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نمازِ عصر (ایسے وقت میں) ادا فرماتے تھے کہ پھر ہم میں سے کوئی آدمی مدینہ کے بالکل آخری سرے پر اپنے گھر واپس جاتا جبکہ ابھی آفتاب زندہ ہوتا تھا۔ اور آپ ﷺ عشاء کی نماز دیر کر کے پڑھنا پسند فرماتے تھے اور اس سے پہلے سونے کو اور اس کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے اور صبح کی نماز سے ایسے وقت میں فارغ ہوتے تھے جب آدمی (صبح کے اجالے میں) اپنے پاس بیٹھنے والے کو پہچان لیتا تھا اور آپ ﷺ (صبح کی نماز میں) ساٹھ سے لے کر سو تک آیات تلاوت فرماتے تھے۔ ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث: ...... حَيَّةٌ: یعنی اس کی روشنی اور حرارت ابھی باقی ہوتی تھی اور وہ زرد اور ٹھنڈا نہ پڑ گیا ہوتا تھا۔

وَ كَانَ يَسْتَحِبُّ: یہ محبت دینی ہوتی تھی نہ کہ نفسانی۔ چنانچہ آپ ﷺ کو دین کے اعتبار سے عشاء کو دیر کر کے ادا کرنا پسند تھا البتہ اس کے باوجود بھی آپ ﷺ لوگوں کی رعایت ضرور فرمایا کرتے تھے چنانچہ جب آپ ﷺ دیکھتے کہ لوگ اکٹھے ہو گئے ہیں تو نماز ادا فرما لیتے تھے اور جب دیکھتے کہ لوگ دیر سے آ رہے ہیں تو نماز کو بھی مؤخر فرما دیتے۔ ❷ امام کو چاہیے کہ وہ لوگوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرے۔

يَنْفَتِلُ: مراد نماز ادا کر کے فارغ ہونا ہے۔

عشاء کی نماز میں تاخیر مستحب ہے

یہ مضمون اوپر غریب الحدیث میں بیان کر دیا گیا ہے۔

نمازِ عشاء سے قبل سونے کا حکم

یہ مکروہ ہے کیونکہ گہری نیند سو جانے پر نماز کے قضا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ دوسرے اگر بیدار کرنے پر وہ بیدار ہو بھی جائے تب بھی بوجھل بوجھل اور اونگھتے اونگھتے نماز ادا کرے گا۔ لہٰذا نمازِ عشاء سے قبل سونا مکروہ اور مکروہِ شرعی ہے۔ البتہ اگر دن بھر کی محنت کے بعد نمازِ مغرب کے بعد گھنٹہ بھر کے لیے سونے سے طبیعت میں نشاط پیدا ہوتی ہو تو ایسا سونا مکروہ نہیں۔

نمازِ عشاء کے بعد باتیں کرنے کا حکم

یہ بھی مکروہ ہے جس کے شرعی اسباب بھی اور حفظانِ صحت کے اسباب بھی ہیں۔ جیسے:

(1) اس بات پر قدیم و جدید سب اطباء کا اتفاق ہے کہ اوّل شب میں سونا بہتر اور صحت کے لیے زیادہ مفید ہے۔

---

❶ صحيح البخاري: 547- صحيح مسلم: 647.

❷ صحيح البخاري: 560- صحيح مسلم: 646.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(2) جلد سو جانے سے تہجد کے لیے جاگنے میں معاونت حاصل ہوتی ہے لہٰذا دیر سے سونے کی وجہ سے عموماً آدمی تہجد سے اور بسا اوقات خود فجر کی فرض نماز سے بھی محروم ہو جاتا ہے البتہ معمولی باتوں میں، یا کسی شرعی حاجت کی وجہ سے یا بیوی بچوں کے ساتھ باتیں کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ جو لوگ عشاء کے بعد ہمیشہ اِدھر اُدھر کی باتیں اور گناہوں کے تذکروں کے عادی ہوتے ہیں ان کا جاگنا صرف مکروہ ہی نہیں بلکہ حرام بھی ہے۔

نمازِ فجر کا وقت

نمازِ فجر ایسے وقت میں ادا کی جائے کہ اس کے اختتام پر اتنا سپیدہ اور اُجالا ہو جائے کہ آدمی ساتھ والے کو پہچان لے، یہ حکم اس وقت کا ہے جب مسجدوں میں چراغ تک نہ ہوتے تھے۔

نمازِ فجر کی قراءت کی مقدار

نبی کریم ﷺ ساٹھ سے لے کر سو تک آیات تلاوت فرماتے تھے۔ اب آیات اپنے طول و اختصار میں مختلف ہیں۔ بعض ایک آیت دیگر دس آیات کے برابر بھی ہیں۔ اسی طرح قراءت کے طریق میں بھی لوگ مختلف ہیں۔ بعض ترتیل کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہیں اور بعض سرعت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ لہٰذا ایسے امور میں میانہ روی اور ''وسط'' کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں متعدد امور بیان کیے گئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

(1)...... نمازِ عصر اس وقت ادا کی جائے جب آفتاب روشن اور بلند ہو۔

(2)...... نمازِ عشاء میں تاخیر مستحب ہے۔

(3)...... نمازِ عشاء سے قبل سونا اور بعد میں باتیں کرنا مکروہ ہے۔

(4)...... نمازِ فجر ایسے وقت میں ادا کی جائے جب بعد میں پاس بیٹھنے والا قابل پہچان دکھائی دینے لگے۔

(5)...... نمازِ فجر میں کم از کم ساٹھ سے سو آیات کی جو متوسط ہوں، تلاوت کی جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ معلوم ہوا کہ نمازِ عصر جلد ادا کی جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ جب نمازِ عصر ادا فرماتے تھے تو سورج روشن، صاف اور بلند ہوتا تھا۔

◈ نمازِ عشاء میں تاخیر کی جائے اور عصر میں مبادرت اور عشاء میں یہ مذکورہ تاخیر مشروع و مسنون ہے۔

◈ معلوم ہوا کہ سوائے عشاء کے سب نمازوں میں تقدیم و مبادرت افضل ہے۔ البتہ اگر بعد میں کسی مانع کے پیش آ جانے کا اندیشہ ہو تو تقدیم بجائے افضل کے واجب ہوگی، جیسے کسی عورت کو معلوم ہو کہ اسے وقتِ ظہر کے درمیان میں حیض شروع ہو جاتا ہے تو اس پر ظہر میں تقدیم واجب ہوگی۔ اسی طرح کسی کو آخر وقت میں پانی ملنے کی امید ہو تو اس پر تاخیر واجب ہوگی یا کسی کو قبلہ کی جہت میں شک ہو تو کسی کا انتظار واجب ہے جو آ کر صحیح سمت بتلا دے یا امید ہو کہ جماعت سے مل جائے گا تو جماعت کے انتظار میں تاخیر واجب ہے۔

◈ نمازِ عشاء سے قبل سونا شرعاً مکروہ ہے جس کے اسباب ذکر کر دیے گئے ہیں۔

◈ نمازِ عشاء کے بعد باتیں کرنا مکروہ ہے سوائے چند مواقع کے جن کو ذکر کر دیا گیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ نمازِ فجر جلد ادا کی جائے تاکہ اس میں کم از کم ساٹھ سے سو تک آیات تلاوت کی جا سکیں اور وہ ایسے وقت میں ختم ہوں جب پاس بیٹھے کو پہچان سکیں۔

وَعِنْدَهُمَا مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ : ((وَالْعِشَاءُ أَحْيَانًا يُقَدِّمُهَا ، وَأَحْيَانًا يُؤَخِّرُهَا ، إِذَا رَآهُمْ اجْتَمَعُوا عَجَّلَ ، وَإِذَا رَآهُمْ أَبْطَئُوا أَخَّرَ ، وَالصُّبْحُ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيهَا بِغَلَسٍ)) .

امام بخاری اور امام مسلم رحمہ اللہ کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: نبی کریم ﷺ نمازِ عشاء کو کبھی مقدم اور کبھی موخر کر کے ادا فرماتے تھے (چنانچہ) جب آپ ﷺ دیکھتے کہ لوگ اکٹھے ہو گئے ہیں تو نمازِ عشاء پہلے ادا فرما لیتے اور جب دیکھتے کہ لوگ دیر کر کے آ رہے ہیں تو نمازِ عشاء کو دیر کر کے ادا فرماتے اور نبی کریم ﷺ نمازِ فجر کو (اس) اندھیرے میں پڑھتے تھے (جس میں اجالا داخل ہو رہا ہوتا تھا)۔ [1]

غریب الحدیث :...... **اَلصُّبْحُ**: اس کے رفع اور نصب دونوں میں اختیار ہے۔ علماءِ نحو کی اصطلاح میں ایسے کلمہ کو مَا اَضْمَرَ عَامِلُهٗ عَلٰی شَرِيطَةِ التَّفْسِيْرِ کہا جاتا ہے۔ جس کی تفصیل کو کتبِ نحو میں دیکھا جا سکتا ہے۔ [2]

غَلَس: یہ رات کی آخری تاریکی کے صبح کے نور کے ساتھ مل جانے کو کہتے ہیں جب دونوں میں کوئی دوسرے پر غالب نہ ہو، کیونکہ جب تاریکی غالب ہو تو اسے ظلمت اور جب نور غالب ہو تو اسے اِسفار کہتے ہیں (غرض صبح کی روشنی سے مخلوط اخیر رات کی تاریکی اور پو پھٹنے کے وقت کو جس کو تڑکا کہتے ہیں، غلس کہا جاتا ہے)۔ [3]

مضمونِ حدیث :...... **نمازِ فجر میں تعجیل افضل ہے**:...... مذکورہ حدیث میں دو اہم مسائل بیان کیے گئے ہیں، جو یہ ہیں: (1) نبی کریم ﷺ عشاء کی نماز کو کبھی جلدی تو کبھی تاخیر کے ساتھ ادا فرماتے تھے اور دراصل اس میں آپ ﷺ لوگوں کے جمع ہو جانے کی رعایت فرماتے تھے۔ (2) صبح کی نماز منہ اندھیرے (غَلَس میں) ادا کی جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ نمازِ عشاء کی تقدیم و تاخیر میں لوگوں کی رعایت کی جائے۔

◈ نبی کریم ﷺ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ ازحد حسنِ سلوک اور رعایت فرماتے تھے۔

◈ اگر بارش وغیرہ کے عذر سے نماز متاخر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں البتہ وقت سے قضا نہ ہونے پائے۔

◈ نمازِ فجر میں تقدیم سنت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نمازِ فجر کو غلس یعنی اندھیرے میں ادا فرماتے تھے۔ اگرچہ بعض علماء نے اس میں یہ فرق کیا ہے کہ گرمیوں میں فجر تاخیر سے ادا کی جائے کیونکہ لوگوں کو راتیں چھوٹی ہونے کی وجہ سے اچھی طرح سونے کا موقع نہیں ملا ہوتا ہے اور سردیوں میں تعجیل افضل ہے کہ لمبی راتوں کی وجہ سے لوگوں کی نیند پوری ہو چکی ہوتی ہے۔

---

[1] صحیح البخاری: 560۔ صحیح مسلم: 646.

[2] دیکھیں: التسهيل السامی فی حل شرح الجامی: 1/286-291۔ (نسیم)

[3] القاموس الوحید، ص: 1177۔ (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز فجر ادا کرنے کا مستحب وقت

وَلِمُسْلِمٍ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ مُوسٰى : ((فَأَقَامَ الْفَجْرَ حِيْنَ انْشَقَّ الْفَجْرُ ، وَالنَّاسُ لَا يَكَادُ يَعْرِفُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا)) .

امام مسلم رحمہ اللہ کی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر کی اقامت (اس وقت) کہی (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے نمازِ فجر کی اقامت اس وقت کہی گئی) جب پو پھوٹ پڑی تھی۔ جبکہ (اس وقت ابھی اتنا اندھیرا تھا کہ) لوگ ایک دوسرے کو پہچان نہ پا رہے تھے۔ ❶

غریب الحدیث :..... فَأَقَامَ الْفَجْرَ : فجر سے نمازِ فجر مراد ہے اور اقام سے اقامت بھی مراد ہو سکتی ہے اور نماز کا کھڑا کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اگر اقامت مراد لی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت کہنے کا حکم ارشاد فرمایا۔''

حِيْنَ انْشَقَّ الْفَجْرُ : یہ انشقاق سے مشتق ہے جس کا معنی ہے چرنا، پھٹنا، مراد اندھیرے کا چرنا اور پھٹنا ہے جس میں سے فجر نکلتی ہے۔ کیونکہ فجر رات کی تاریکی پر جب چھاتی اور روشن ہوتی ہے تو گویا کہ تاریکی کو پھاڑ کر اس میں سے نکلتی ہے اور ایسا صرف صبح صادق کے وقت ہوتا ہے۔ کیونکہ صبحِ صادق کے وقت فجر کی روشنی شمال سے جنوب کی طرف پھیلتی ہے اور افق سے جا ملتی ہے اور اس کے ظہور کے بعد تاریکی باقی نہیں رہتی۔ مذکورہ بالا تعریف سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فجر کاذب تین باتوں میں فجر صادق سے مختلف ہوتی ہے، جو یہ ہیں:

(1) فجرِ کاذب مستطیل ہوتی ہے نا کہ مستطیر۔ یعنی یہ فجر زمین سے بلند ہو کر آسمان کی طرف طولاً جاتی ہے اور زمین کے افق سے نہیں جا ملتی اور دوسرے لفظوں میں فجر کاذب ستون کی طرح بلند ہوتی ہے۔

(2) فجرِ کاذب افق سے متصل نہیں ہوتی۔

(3) فجرِ کاذب ایک بار ظاہر ہونے کے بعد کمزور ہو کر غائب ہو جاتی ہے جبکہ صبح صادق کے ظہور کے بعد رفتہ رفتہ خود اندھیرا غائب ہوتا ہے۔

لَا يَكَادُ يَعْرِفُ : یعنی اندھیرے کی شدت اور چراغوں کی روشنی کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو پہچاننے کے قریب نہ ہوتے تھے۔

⊙...... مذکورہ حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نمازِ فجر صبح خوب سپیدہ اور روشنی ہونے سے قبل ہی ادا کر لی جائے۔

نمازِ مغرب ادا کرنے کا مستحب وقت

154- وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ رضي الله عنه قَالَ : ((كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ، فَيَنْصَرِفُ أَحَدُنَا وَإِنَّهُ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهِ)) .

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازِ مغرب ادا کرتے تھے، پس ہم میں سے ایک نماز پڑھ کر اس حال میں لوٹتا تھا کہ وہ اپنے تیر گرنے کی جگہ کو دیکھ لیتا تھا۔ ❷

❶ صحيح مسلم: 614 ❷ صحيح البخاري: 559- صحيح مسلم: 637

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ . یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث :...... فَيَنْصَرِفُ :مراد نماز ادا کر کے لوٹنا ہے اور یہ پلٹنا نبی کریم ﷺ کے اپنی جگہ سے ہٹنے کے بعد ہوتا تھا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے امام سے قبل اٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ جبکہ نبی کریم ﷺ سلام پھیرنے کے بعد اتنی دیر بیٹھے رہتے تھے کہ جس میں تین بار ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ'' اور ''اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ'' پڑھ لیتے تھے۔

وَ اِنَّهُ لَيُبْصِرُ : یہ جملہ حالیہ ہے اور چونکہ ترکیبی اعتبار سے جملہ حالیہ مستانفہ ہوتا ہے اس لیے اس کے شروع میں ''اِنَّ'' الف کے کسرہ کے ساتھ آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی خبر پر لام تاکید کا بھی آ جاتا ہے جو مفتوح ہوتا ہے۔ بعض علماءِ نحو نے یہ مسئلہ یوں بھی بیان کیا ہے کہ جب ''اِنَّ'' کی خبر پر لام داخل ہو تو ''اِنَّ'' کا مکسور ہونا واجب ہوتا ہے۔

مَوَاقِعَ نَبْلِهِ: مَوَاقِع یہ مُوْقِع کی جمع ہے یہ واقع ہونے اور کسی چیز کے گرنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ مراد چلائے ہوئے تیر کے گرنے کی جگہ ہے۔ بلاشبہ یہ جگہ تیر چلانے کی جگہ سے اچھی خاصی دُور ہوتی ہے۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نمازِ مغرب جلدی ادا کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب نمازِ مغرب ادا کر کے پلٹتے تھے تو ابھی اتنی مذکورہ حد تک کی روشنی باقی ہوتی تھی۔ البتہ اذان اور اقامت میں زمانی فصل بھی لازم ہے جو مبادرتِ صلوۃ میں ختم نہیں کر دینا چاہیے جس کی تفصیل اپنے مقام پر آ جائے گی۔

نمازِ عشاء کا مستحب وقت

155۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: أَعْتَمَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ بِالْعِشَاءِ ، حَتَّى ذَهَبَ عَامَّةُ اللَّيْلِ ، ثُمَّ خَرَجَ ، فَصَلَّى ، وَقَالَ: إِنَّهُ لَوَقْتُهَا لَوْ لَا اَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي)) . رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ایک رات نبی کریم ﷺ نے عشاء کی نماز میں سخت اندھیرا کر دیا یہاں تک کہ رات کا کافی سارا وقت گزر گیا پھر آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور نماز ادا فرمائی اور ارشاد فرمایا: ''اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو عشاء کی نماز کا وقت یہ تھا۔''[1]

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :...... اَعْتَمَ :یعنی جب عتمہ داخل ہو گیا اور عتمہ رات کی سخت تاریکی کو کہتے ہیں۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے جب اونٹ چرانے والے ان کا دودھ دوہتے ہیں۔ تب پھر اَعْتَمَ کا معنی اَخَّرَ ہو گا۔

عَامَّةُ اللَّيْلِ : اس کا معنی اَكْثَر کے ساتھ کرنا غلط ہے کیونکہ اس سے نمازِ عشاء کو نصفِ لیل کے بعد ادا کرنا لازم آئے گا لہٰذا مراد كَثِيْرُ اللَّيْلِ ہے۔ یعنی رات کا کافی سارا وقت گزر گیا تھا۔

لَوَقْتُهَا : مراد مختار وقت ہے۔

مضمون حدیث :...... اس حدیث میں نمازِ عشاء کا مستحب وقت ذکر کیا گیا ہے اور وہ نمازِ عشاء کو کافی اندھیرا کر کے ادا کرنا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم: 638

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ امام نمازِ عشاء کو کبھی کبھی اس کے مقررہ وقت سے تاخیر کر کے بھی ادا کر سکتا ہے۔ اس کی دلیل "ذَاتَ لَیْلَۃٍ" کے الفاظ ہیں۔
- معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کا بے حد احترام کرتے تھے چنانچہ ایسے مواقع پر کوئی جرأت کر کے آگے نہ بڑھتا تھا کہ اگر آپ ﷺ باہر تشریف نہیں لا رہے ہیں تو ہم کسی اور کو آگے کر کے اپنی نماز تو ادا کر لیں۔ بلکہ وہ حضرات رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے احترام میں سراپا انتظار بن کر بیٹھے رہتے تھے۔
- نمازِ عشاء کا مستحب وقت اس کو مؤخر کر کے ادا کرنا ہے۔ جس کے دلائل مذکور ہو چکے ہیں۔
- معلوم ہوا کہ شارع علیہ السلام اپنی امت کی بے حد رعایت فرماتے تھے جس کی دلیل لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ کے الفاظ ہیں۔
- معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو رب تعالیٰ کے اذن سے تشریع کا منصب حاصل تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ بھی جو بات شریعت بنا کر مقرر فرماتے تھے اور رب تعالیٰ اس کو برقرار رکھتے تھے اس کا درجہ بھی شریعت کا درجہ ہے۔
- صرف نمازِ عشاء ایک نماز ہے جس میں تاخیر مسنون ہے جبکہ اس کا کوئی سبب ہو۔

نماز ظہر کو ٹھنڈا کر کے ادا کرنا مستحب ہے

156- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوْا بِالصَّلَاةِ، فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "جب گرمی سخت ہو جائے تو (ظہر کی) نماز کو ٹھنڈا کر کے ادا کرو کیونکہ گرمی کی شدت آتشِ جہنم کے جوش سے ہے۔"[1]

یہ حدیث "متفق علیہ" ہے۔

إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ: یہاں مراد کسی ایک دن کی گرمی نہیں بلکہ گرمیوں کا موسم مراد ہے۔

فَأَبْرِدُوْا: مراد نماز کو اتنا موخر کر کے ادا کرنا ہے کہ فضا ٹھنڈی ہو جائے (جس کا ترجمہ بندہ عاجز "نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو" کے الفاظ کے ساتھ کیا کرتا ہے)۔ تب پھر مراد ظہر کی نماز ہوگی کہ اسی وقت کے دوران دن کی گرمی اپنے جوبن پر ہوتی ہے۔

فَیْحِ جَهَنَّمَ: فَیْحٌ آگ کی تمازت و حرارت اور اس کی جھلسا دینے والی لُو ہے۔ (جبکہ فَاحَ الْقِدْرُ فَیْحًا کا معنی ہے ہنڈیا کا جوش مارنا۔ اب مراد یہ ہوگی کہ گرمی کی شدت آتشِ جہنم کی شدتِ حرارت کی لُو اور جوش سے ہے)۔[2]

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب جہنم نے رب تعالیٰ کے حضور شکایت کی تھی تو رب تعالیٰ نے اسے دو سانسیں لینے کی اجازت مرحمت فرمائی چنانچہ ایک سانس وہ گرمیوں میں لیتی ہے جس کی بنا پر ہمیں سخت گرمی محسوس ہوتی ہے اور ایک سانس وہ سردیوں میں لیتی ہے جس کی وجہ سے ہمیں سخت سردی محسوس ہوتی ہے۔[3] رب تعالیٰ ہمیں عذابِ جہنم سے پناہ دے۔ آمین

---

[1] صحیح البخاری: 533، 536- صحیح مسلم: 615.
[2] دیکھیں: القاموس الوحید، ص: 1264. (نسیم)
[3] صحیح مسلم: 617.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون حدیث :......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ سخت گرمیوں میں نماز کو ٹھنڈا کر کے ادا کیا جائے۔ یہ حکم رخصت بھی ہو سکتا ہے کیونکہ اصل ہر نماز میں تعجیل ہے۔ چنانچہ بعد میں سخت گرمی میں تاخیر کی رخصت دی گئی۔ تب پھر وہ وقت زیادہ مناسب ہے جب لوگوں کو زیادہ سہولت ہو اور ایک قول اس حکم کے شروع ہونے کا بھی ہے۔ جس میں اس کے وجوب یا عدم وجوب میں علماء کا اختلاف ہے۔ اقرب قول یہ ہے کہ اگر تاخیر میں رفعِ مشقت اور حصولِ خشوع ہوتا ہو تو ٹھنڈا کر کے نماز ادا کرنا واجب ہوگا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نماز ٹھنڈی کرنے کا یہ حکم سفر و حضر دونوں کے لیے ہے۔
- مقصودِ نماز میں خشوع ہے۔ لہٰذا اگر سخت گرمی میں نماز ادا کرنے میں دل میں اضطراب پیدا ہوتا ہو تو ابراد واجب ہے۔
- نبی کریم ﷺ کا حسنِ تعلیم کہ آپ ﷺ حکم کو علت کے ساتھ ملا کر بیان فرماتے تھے۔
- معلوم ہوا کہ جہنم برحق اور اس وقت بھی موجود ہے جس پر کتاب و سنت کی قطعی نصوص دلالت کرتی ہیں اور جہنم اسفل سافلین میں ہے۔
- معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ سال بھر میں ایک بار جہنم کی حرارت کو اور ایک بار جہنم کی برودت کو زمین کی طرف نکالتے ہیں۔
- معلوم ہوا کہ جو علاقے سرد ہیں وہاں ظہر کی تاخیر غیر مسنون ہوگی۔

نمازِ فجر کو وقت داخل ہونے پر ہی ادا کیا جائے

157- وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((أَصْبِحُوا بِالصُّبْحِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِأُجُورِكُمْ)).

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''صبح (یعنی فجر کی نماز) کو صبح (یعنی فجر کا وقت ہو جانے کا یقین) کر کے ادا کرو، کہ اس میں تمہیں زیادہ اجر ملے گا۔'' [1]

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ .

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی اور امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... أَصْبِحُوا بِالصُّبْحِ: علماء نے ان کلمات کے دو معانی بیان کیے ہیں:

⊙ ......ایک یہ کہ نماز صبح کو فجر کا وقت داخل ہو جانے کا یقین کر کے ادا کرو اور عجلت میں صبح کاذب کو طلوعِ فجر سمجھ کر اس وقت میں نماز نہ ادا کر بیٹھو۔ تب مراد یہ ہوگا کہ نماز فجر کو اول وقت میں یعنی غلس میں پڑھو۔

⊙ ......دوسرا معنی یہ ہے کہ اِصْبَاح کا معنی اِسْفَار لیا جائے یعنی صبح کی نماز کو صبح روشن ہو جانے اور تاریکی ختم ہو جانے پر ادا کرو۔ تب مراد یہ ہوگا کہ صبح کی نماز روشنی کر کے ادا کرو اور اس سے بھی دراصل یہ مراد ہے کہ اتنی طویل قراءت کرو کہ جب نماز ختم ہو تو تاریکی چھٹ چکی ہو کہ اس میں اجر زیادہ ہے نہ کہ یہ مراد ہے کہ جب روشنی ہو جائے تب نماز کے لیے کھڑے ہو۔

---

[1] سنن ابی داؤد: 424- جامع الترمذی: 154- سنن النسائی: 272/1- سنن ابن ماجہ: 682- مسند احمد: 465/3- صحیح ابن حبان: 1489- ابن قطان کہتے ہیں: اس روایت کا طریق صحیح ہے۔ (دیکھیں نصب الرایۃ: 235/1)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن اگر اِصباح کی تعلیل یعنی عظمتِ اجر کو دیکھا جائے تو اصباح کا دوسرا معنی قوی اور اقرب لگتا ہے کیونکہ صبح داخل ہوتے ہی نفسِ صلوٰۃ کی ادائیگی اجر کا باعث تو ہے مگر اعظم اجر کا باعث نہیں اعظم اجر تو طویل قراءت میں ہے۔ پس اَصْبِحُوْا بِالصُّبْحِ کا راجح مفہوم یہ ہوگا کہ "نمازِ فجر میں طویل قراءت کرو۔"

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں دو مسائل کا بیان ہے: (1) ایک یہ کہ نمازِ فجر کو وقت داخل ہونے کا یقین کرنے کے بعد ادا کرو۔ (2) دوسرا یہ کہ نمازِ فجر میں اتنی طویل قراءت کرو کہ اِسفار ہو جائے کہ اس میں اجر زیادہ ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نمازِ فجر وقت داخل ہونے کے بعد ادا کی جائے گی۔ یہ پہلے معنی کے اعتبار سے ہے۔
- نمازِ فجر میں طویل قراءت مشروع ہے۔ یہ دوسرے معنی کے اعتبار سے ہے۔
- اُجور بھی چھوٹے بڑے ہونے کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔
- یہ رب تعالیٰ کی زبردست رحمت ہے کہ بندوں کو عمل کی توفیق بھی خود دیتا ہے اور پھر اس پر اجر بھی خود دیتا ہے۔

آخری وقت میں ایک رکعت بھی پا لینے کا حکم

159-158- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصُّبْحِ رَكْعَةً قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ ، وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ)) . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "جس نے آفتاب کے طلوع ہونے سے قبل فجر کی نماز کی ایک رکعت کو پا لیا تو تحقیق اس نے نمازِ فجر کو پا لیا اور جس نے آفتاب کے غروب ہو جانے سے قبل عصر کی نماز کی ایک رکعت کو بھی پا لیا تو تحقیق اس نے نمازِ عصر کو پا لیا۔"[1]

یہ حدیث "متفق علیہ" ہے۔

طلوع وغروب سے قبل پڑھی جانے والی بعض نماز کا حکم اور طلوع وغروب کی تحقیق

اگر کسی نے فجر کی ابھی ایک رکعت ہی ادا کی تھی کہ آفتاب نکل آیا تو اس کی پہلی رکعت وقت میں اور دوسری رکعت ناوقت میں ادا ہوئی اسی طرح جتنی نماز غروب سے قبل پالی وہ وقت میں ادا شمار ہوگی اور جتنی غروب کے بعد پڑھی وہ غیر وقت میں ادا ہوئی۔

آفتاب کے طلوع کا تحقق اس کے اوپری کنارے کے افق سے ابھر آنے سے ہو جاتا ہے اس کے لیے پوری ٹکیہ کا نکل آنا لازم نہیں۔ البتہ آفتاب کے کنارے کے ڈوب جانے سے غروب کا تحقق نہیں ہو جاتا ہے اس کے لیے پوری ٹکیہ کا ڈوب کر غائب ہو جانا ضروری ہے۔ کیونکہ غروب یعنی آفتاب کے چھپ جانے کا تحقق اس کی ٹکیہ کے پوری طرح افق میں غائب ہو جانے سے ہی ہوگا۔ اب فَقَدْ اَدْرَكَ الصُّبْحَ اور فَقَدْ اَدْرَكَ الْعَصْرَ کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے ان دونوں نمازوں کا وقت پالیا اور گویا کہ اس نے پوری نماز کو اس کے وقت میں ادا کیا۔ البتہ اتنی بات شرط ہے کہ طلوع یا غروب سے قبل ادا کی جانے والی وہ ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ ہو کیونکہ رکعت کا اطلاق اسی پر ہوتا ہے جو کامل ہو اور رکعت کا کمال دو سجدوں کے ادا کرنے سے ہی حاصل ہوتا ہے نہ کہ صرف قیام اور رکوع کرنے سے۔

---

[1] صحیح البخاری: 579، صحیح مسلم: 607

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نماز کے وقت کا ادراک ایک رکعت کے ادراک سے ہو جاتا ہے۔ اس کی دلیل مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً کے الفاظ ہیں۔ یہی راجح قول ہے۔
- اس قول پر یہ قاعدہ متفرع اور مبنی ہوتا ہے کہ جن جن مسائل کا ادراک نماز کے پانے پر ہوتا ہے وہ جملہ ادراکات ایک رکعت کے ادراک پر مبنی ہوں۔ جیسے کسی عورت نے حیض سے پاک ہو کر ایک رکعت کے بقدر نماز کا وقت پا لیا تو اس پر وہ نماز لازم اور بعد میں اس کی قضا واجب ہو گی۔ اسی طرح اگر ایک عورت نماز کا وقت داخل ہونے پر تقریباً ایک رکعت کے برابر وقت گزرنے پر حیض والی ہو گئی تو اس پر اس وقت کی نماز لازم اور بعد میں اس کی قضا واجب ہو گی۔
- رہے وہ علاقے جہاں رات یا دن نہیں ہوتا۔ یعنی مہینوں دن ہی رہتا ہے یا مہینوں رات ہی رہتی ہے تو وہ نمازوں کے اوقات کی دوسرے علاقوں کے اوقاتِ صلوٰۃ سے موازنہ کر کے تعیین کریں گے۔ جیسا کہ حدیث دجال میں بھی اس کا ذکر ہے کہ جب دجال کا پہلا دن سال برابر ہو گا تو آپ ﷺ نے اس دن کی نمازوں کی بابت یہ حکم ارشاد فرمایا کہ ''اس دن میں نمازوں کے اوقات کا اندازہ کر لو۔'' [1] رہا دوسرے علاقوں سے اوقاتِ صلوٰۃ کا اعتبار تو اس بابت تین اقوال ہیں:
  - ⊙ ......قریب ترین علاقے کے دن رات سے موازنہ کیا جائے اور یہ فلکی اعتبار سے ہو گا اور یہ اقرب ترین قول ہے۔
  - ⊙ ......دن رات کو نصفا نصف بنا کر یعنی 12 گھنٹے دن کے اور بارہ گھنٹے رات کے بنا کر نمازوں کے اوقات کا تعین کریں۔
  - ⊙ ......مکہ مکرمہ کے اعتبار سے اوقات متعین کریں کہ وہ ''ام القریٰ'' ہے۔

لیکن اقرب قول پہلا ہی ہے۔

وَلِمُسْلِمٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا نَحْوُهُ ، وَقَالَ : ((سَجْدَةً)) بَدَلَ ((رَكْعَةً)) . ثُمَّ قَالَ: ((وَالسَّجْدَةُ إِنَّمَا هِيَ الرَّكْعَةُ)) .

اور صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایسی ہی ایک روایت مروی ہے اور اس میں رَكْعَةً کے لفظ کی بجائے سَجْدَةً کا لفظ ارشاد فرمایا ہے۔ پھر آگے ارشاد ہے: ''اور سجدہ یہ رکعت ہی ہے۔'' [2]

شرح: وَ قَالَ: سَجْدَةً بَدَلَ رَكْعَةً :...... ممکن ہے کہ رکعت کی بجائے سجدہ کا یہ لفظ خود نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ راوی کے الفاظ ہوں۔ البتہ آگے اس کی تفسیر ارشاد ہے کہ سجدہ سے مراد ایک رکعت ہے۔ کیونکہ سجدہ کا اطلاق پوری نماز پر بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس ارشاد باری تعالیٰ میں سجدہ کا اطلاق نماز پر کیا گیا ہے: ﴿فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا﴾ (النجم: 62) ''تو اللہ کو سجدہ کرو اور (اس کی) بندگی کرو۔'' تب پھر اس روایت کا معنی حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ والا ہو گا جو ابھی پیچھے گزری ہے۔

ان اوقات کا بیان جن میں نماز ادا کرنا منع ہے

160- وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ : ((لَا صَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلَاةَ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے: ''صبح (کی نماز) کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو جائے

[1] صحیح مسلم: 2937 مطولا . [2] صحیح مسلم: 609 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَعْدِ الْعَصْرِ حَتَّى تَغِيبَ الشَّمْسُ)). اور (نمازِ) عصر کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ آفتاب (غروب ہوکر نگاہوں سے) اوجھل ہو جائے۔'' ❶

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ . وَلَفْظُ مُسْلِمٍ : ((لَا صَلَاةَ بَعْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ)). یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور صحیح مسلم کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: ''نمازِ فجر کے بعد کوئی نماز نہیں۔''

غریب الحدیث:...... **لَا صَلٰوةَ**: اس میں لَا نفی جنس کا ہے۔ تب پھر صَلٰوۃ سے فرض اور نفل دونوں نمازیں مراد ہوں گی۔ جن میں رکوع اور سجدہ بھی ہو۔ البتہ وہ نماز مراد نہ ہوگی جس میں رکوع اور سجدہ نہ ہو جیسے نمازِ جنازہ۔

بَعْدَ الصُّبْحِ: اس سے مراد صلوۃِ صبح بھی ہو سکتی ہے اور طلوعِ شمس کے بعد کی کوئی نماز بھی مراد ہو سکتی ہے۔ لیکن صحیح مسلم کی روایت واضح کرتی ہے کہ مراد نمازِ فجر ہے کہ اس کے بعد کوئی نماز ادا کرنا درست نہیں جب تک کہ آفتاب نہ نکل آئے۔

حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ: مراد آفتاب کا طلوعِ کامل ہے نا کہ صرف ایک کنارے کا طلوع ہونا اور اگلی روایت میں مزید وضاحت آرہی ہے کہ اس سے مراد آفتاب کا طلوع ہوکر ایک نیزے کے بقدر بلند ہو جانا ہے۔

حَتّٰى تَغِيبَ الشَّمْسُ: مراد آفتاب کے اُوپری کنارے کا ڈوب کر غائب ہو جانا ہے یعنی جب تک آفتاب پورے کا پورا ڈوب کر نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو جاتا تب تک نمازِ عصر کے بعد کسی نماز کا ادا کرنا درست نہیں۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ نمازِ فجر ادا کر لینے کے بعد جب تک آفتاب طلوع ہو کر ایک نیزے کے بقدر بلند نہیں ہو جاتا تب تک کوئی اور نماز ادا کرنا جائز نہیں چاہے وہ فرض ہو یا نفل، اسی طرح نمازِ عصر ادا کر لینے کے بعد جب تک آفتاب کی پوری ٹکیہ غروب ہو کر نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو جاتی تب تک کوئی نماز ادا کرنا جائز نہیں۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں اس ممانعت کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ ''آفتاب شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔'' ❷ ٹھیک اس وقت آفتاب پرست آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں جن کو دیکھ کر شیطان اپنے تئیں یہ سوچ کر خوش ہوتا ہے کہ یہ سب لوگ مجھے سجدہ کر رہے ہیں، اسی طرح ٹھیک غروب کے وقت بھی آفتاب پرست آفتاب کو شاید الوداعی سجدہ کرتے ہیں۔ چنانچہ ٹھیک ان دو اوقات میں نماز پڑھنے سے اس لیے منع کیا گیا تا کہ ان آفتاب پرستوں کے ساتھ کسی قسم کی بعید سے بعید تر مشابہت بھی لازم نہ آئے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ **لَا صَلٰوةَ**: اس نفی کے عموم میں بظاہر ہر قسم کی نماز داخل ہے چاہے وہ فرض ہو یا نفل البتہ اس عموم سے نمازِ جنازہ مستثنیٰ ہے، پھر اس نفی میں نفسِ صلوۃ یا اس کی صحت یا کمال تینوں کی نفی کا احتمال ہے۔ اس بارے قاعدہ ❸ یہ ہے کہ نفی میں اصل وجود کی نفی ہے، اگر نفی کو اس پر محمول نہ کیا جا سکے تو پھر مراد صحت کی نفی ہوتی ہے جو کسی شے کے شرعی وجود کی نفی ہوتی ہے، وگرنہ نفی کو کمال کی نفی پر محمول کیا جاتا ہے۔

---

❶ صحیح البخاری: 586۔ صحیح مسلم: 827.

❷ صحیح البخاری: 3272.

❸ دیکھیں: منظومة القواعد و الاصول للشیخ ابن عثیمین رحمه الله، ص: 265.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب یہاں وجود کی نفی تو مراد ہو نہیں سکتی کیونکہ جس نے اس ممنوعہ وقت میں نماز ادا کر لی تو نفسِ صلوۃ کا وجود تو پایا گیا، للہذا اب یہ نفی یا تو صحتِ صلوۃ کی ہے یا کمالِ صلوٰۃ کی۔ جب نفی کا پہلا مرتبہ نہ پایا گیا تو اس نفی کو اس کے دوسرے مرتبہ پر محمول کیا جائے گا اور وہ صحتِ صلوٰۃ کی نفی ہے۔ یعنی اس وقت میں ادا کی جانے والی نماز شرعاً درست نہیں۔ رہی کمال کی نفی، تو جب تک صحت کی نفی کے مراد نہ ہونے کی کوئی شرعی دلیل نہ ملے تب تک اس نفی کو کمال کی نفی پر محمول کرنا جائز نہ ہوگا۔ فَافْهَمْ .

◈ دوسری بات یہ ہے کہ اگرچہ بظاہر اس نفی کے عموم میں ہر قسم کی نماز داخل معلوم ہوتی ہے چاہے وہ فرض ہو یا نفل، وقتیہ ہو یا قضاء جیسا کہ پہلے فائدہ میں ذکر ہوا، لیکن دیگر دلائل سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہاں نفی کا ایسا عموم مراد نہیں۔ کیونکہ سنت سے فریضہ کا استثنا مستفاد ہوتا ہے۔ چنانچہ ان دونوں ممنوعہ اوقات میں فرض یعنی وقتیہ نماز منع نہیں جیسا کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ ''جو فرض سے سوتا رہ گیا یا فرض کو بھول گیا تو اسے جب بھی نماز یاد آ جائے وہ اس فرض کو اسی وقت میں ادا کر لے۔'' ❶

◈ تیسری بات یہ ہے کہ جب لَا صَلٰوۃَ کے عموم سے سنت اور اجماع کے ذریعے بعض اشیاء کی تخصیص اور ان کا استثنا ثابت ہو گیا تو اب بعض علماء کا یہ کہنا ہے کہ ''جب عموم کی تخصیص ہو جاتی ہے تو اس کی عموم پر دلالت ضعیف ہو جاتی ہے بلکہ بعض علماء کے نزدیک اب عموم کی عموم پر دلالت باطل ہو جاتی ہے'' لیکن راجح قول یہ ہے کہ عموم کی دلالت اب بھی باطل نہیں ہوتی اور اس عموم سے صرف وہی افراد خارج ہوتے ہیں جن کی تخصیص یا استثنا ہو جاتا ہے۔ تب پھر اس عموم سے فرض کی قضا بھی مستثنیٰ ہو گی۔ للہذا ان دونوں ممنوعہ اوقات میں جہاں وقتیہ نماز ادا کرنا درست ہو گا وہیں قضا نماز ادا کرنا بھی درست ہو گا۔ ان کے علاوہ بھی چند استثناءات ہیں جن کو صرف ذکر کی حد تک بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ان دونوں ممنوعہ اوقات میں:

(1) نماز کا اعادہ جائز ہے۔ (2) نمازِ ظہر کی سننِ بعدیہ، جبکہ ان کو نمازِ عصر کے ساتھ ملا کر ادا کرے۔
(3) طواف کی دو رکعتیں (4) سنت وضو

غرض اس عموم سے اجمالی طور پر دو قسم کی نمازیں مستثنیٰ ہیں:

(1) ایک وہ نمازیں جو فرض ہوں چاہیں ادا ہوں یا قضا (2) دوسری وہ نمازیں جن کا کوئی سبب ہو
جبکہ ایک تیسری قسم کی نماز بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہے اور وہ ہے نمازِ جنازہ۔ یعنی وہ نماز جس میں رکوع اور سجدہ نہ ہو۔ (نسیم)

◈ شریعت اسلامیہ نے شرک کے معمولی سے معمولی راستہ کو بھی بند کر کے اس کی مکمل طور پر بیخ کنی کر دی ہے۔ کیونکہ اسلام توحید کا مذہب ہے جس میں شرک کی ادنیٰ سی آمیزش بھی روا نہیں، چاہے وہ آمیزش شبہ کی حد تک ہی ہو۔ للہذا شرک کے جملہ ذرائع حرام ہیں چاہے وہ تحقیقی ہوں یا وہمی، قریبی ہوں یا بعید، سب کے سب منع اور حرام ہیں۔

161,162,163- وَلَهُ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضي الله عنه: ((ثَلَاثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَنْهَانَا أَنْ نُصَلِّيَ فِيْهِنَّ ، وَأَنْ نَقْبُرَ فِيْهِنَّ مَوْتَانَا : حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتَّى تَرْتَفِعَ ،

اور صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ تین اوقات ایسے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمیں منع کیا کرتے تھے کہ ہم ان میں نماز ادا کریں اور ان میں اپنے مردوں کو دفن کیا کریں (وہ تین اوقات یہ ہیں): (1) جس وقت آفتاب طلوع ہو

❶ صحيح البخاري: 597- صحيح مسلم: 684.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَحِينَ يَقُومُ قَائِمُ الظَّهِيرَةِ حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ ، وَحِيْنَ تَتَضَيَّفُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوبِ)) .

رہا ہوتا ہے یہاں تک کہ (ایک نیزے کے بقدر) بلند ہو جائے اور (2) جس وقت دوپہر کو ٹھہرنے والا (یعنی آفتاب) ٹھہر جائے (یعنی جس وقت آفتاب حرکت کرنا چھوڑ دے) یہاں تک کہ آفتاب ڈھل جائے اور (3) جس وقت کہ آفتاب غروب ہونے کے لیے جھکنے لگے۔ ❶

غریب الحدیث:...... **ثَلَاثُ سَاعَاتٍ**: یہ حصر ہے البتہ اگر کسی دلیل سے کسی اور وقت کا وجود بھی پایا جائے تو یہ حصر اس کو مانع نہ ہوگا۔

سَاعَةٌ: لغت وشرع دونوں اعتبار سے یہاں سَاعَةٌ سے مراد ایک محدود وقت ہے چاہے وہ طویل ہو یا قصیر۔

اَنْ نَقْبُرَ: مراد مردوں کو دفن کرنا ہے۔

بَازِغَةً: یہ حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور یہ حال تاکید کے لیے ہے کیونکہ تَطْلُعَ کا معنی بھی وہی ہے جو بَازِغَةً کا ہے یعنی طلوع ہونا اور مشرق سے ابھرنا۔ لہٰذا یہ حالِ موکد کہلائے گا۔ رہا یہ سوال کہ اس کا ذوالحال عامل ہے یا فاعل؟ تو بظاہر یہ تَطْلُعَ عامل کا حال ہے۔

حَتّٰى تَرْتَفِعَ: یہاں آفتاب کا کتنا بلند ہونا مراد ہے؟ تو وہ مذکور نہیں، البتہ دوسری روایات ❷ میں اس کا بیان آتا ہے کہ اس سے مراد آفتاب کا ایک نیزے کے بقدر بلند ہونا ہے اور نیزے سے مراد وہ نیزا ہے جو جنگ میں استعمال ہوتا ہے جو تقریباً ایک میٹر لمبا ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے یہاں ساعۃ تقریباً دس سے پندرہ منٹ کا وقت بنتا ہے۔

حِيْنَ يَقُوْمُ قَائِمُ الظَّهِيْرَةِ: قَائِم سے مراد واقف ہے یعنی آفتاب۔ مراد یہ ہے کہ جس وقت آفتاب بلند ہوتے ہوتے عین دوپہر کے وقت مزید بلند ہونا چھوڑ دیتا ہے اور ڈھلتا بھی نہیں بلکہ کچھ دیر کے لیے ایک ہی سطح پر ٹھہرا رہتا ہے۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے جب آفتاب عین آسمان کے وسط میں ہوتا ہے۔ اس وقت سے لے کر آفتاب کے مغرب کی طرف ڈھلنے اور مائل ہونے کی ابتدا تک نماز پڑھنا منع ہے، یہ تقریباً دس منٹ کا وقفہ بنتا ہے۔

حِيْنَ تَتَضَيَّفُ: مراد مائل ہونا اور جھکنا ہے۔ یعنی جب آفتاب غروب ہونے کے لیے افق کی طرف جھکتا اور اس میں چھپنا شروع کرتا ہے اس وقت بھی نماز ادا کرنا منع ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں نماز ادا کرنے اور مُردوں کو دفن کرنے کے تین ممنوعہ اوقات کا بیان ہے جن کو غریب الحدیث میں تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ رہا اس ممانعت کا عموم اور اس سے تخصیص و استثنا اور اس ممانعت کی حکمت و علت، تو اس سب کو گزشتہ حدیث کے تحت مفصل ذکر کر دیا گیا ہے۔ دوسرے اس حدیث میں مذکور تین اوقات کے ساتھ اگر گزشتہ حدیث میں مذکور دو اوقات بھی ملا لیے جائیں تو یہ کل پانچ اوقات بنتے ہیں جو یہ ہیں:

(1) نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد آفتاب طلوع ہونے تک

(2) آفتاب کے طلوع ہونے سے لے کر ایک نیزہ کے بقدر بلند ہونے تک

❶ صحیح مسلم: 831 . ❷ دیکھیں: السنن الکبری للنسائی: 1543- مسند احمد: 111/4 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(3) عین زوال کے وقت (4) نمازِ عصر کی ادائیگی کے بعد آفتاب کے غروب تک

(5) عین آفتاب کے ڈوبنے اور غائب ہونے کے وقت تک۔ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ.

البتہ یاد رہے کہ یہ پانچ اوقاتِ ممنوعہ صرف نماز کے اعتبار سے ہیں۔ رہے تدفین کے اوقاتِ ممنوعہ تو وہ تین ہی ہیں۔ جن کو اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اور رہی ان اوقات میں تدفین کی ممانعت کی حکمت وعلت تو وہ بندہ عاجز کو دیگر دلائل اور اصول وقواعد میں خوب غور کرنے کے باوجود بھی سمجھ میں نہیں آ سکی۔ اس لیے اس باب میں ہم صرف یہی کہیں گے کہ ہم حکم کے بندے ہیں ہمارا کام حکم بجالانا ہے، سمجھ میں آئے یا نہ آئے، ہماری نجات صرف سرِ تسلیم خم کرنے میں اور سراپا تسلیم ورضا بننے میں ہی ہے اور اصولی طور پر ہم بندے اپنے خالق و مالک کے احکام کے اسرار ورموز جاننے اور ان کی تحقیق وجستجو کر کے ان کے سمجھنے کے سرے سے مکلّف ہی نہیں۔ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ.

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اگر ان تین اوقات میں تدفین ضروری اور ناگزیر ہوگئی تو اس میں کوئی حرج نہ ہوگا۔
- معلوم ہوا کہ ان اوقات کے علاوہ جملہ اوقات میں تدفین مباح ہے۔ کیونکہ ایک معین شے کی نہی اس کے ماسوا کی اباحت کی دلیل ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر سخت اندھیرا، آندھی، طوفانِ باد و باراں اور اس نوع کے دیگر عوارض کا عذر نہ ہو تو تدفین دن رات کے جملہ اوقات میں جائز ہے۔
- تدفین میں تعجیل مسنون ہے البتہ بارش کے ختم ہونے کا انتظار بہتر ہے کیونکہ ایک تو بارش میں مسنون طریقہ پر تدفین مشکل ہوگی، دوسرے قبر کے پانی سے بھر جانے کا بھی اندیشہ ہوگا۔

وَالْحُكْمُ الثَّانِي عِنْدَ الشَّافِعِيِّ رحمہ اللہ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ بِسَنَدٍ ضَعِيْفٍ وَزَادَ ((إِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ)).

ایک ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث سے، امام شافعی نے ایک دوسرا حکم بیان کیا ہے، جس میں یہ الفاظ زائد ہیں: ''سوائے جمعہ کے دن کے۔''[1]

غریب الحدیث :...... اَلْحُكْمُ الثَّانِيْ: مراد دوسرے مسئلہ کا دوسرا حکم ہے اور دوسرے مسئلہ سے مراد ''عین زوال کے وقت نماز کا منع ہونا'' ہے۔

مضمون حدیث :...... امام ابن حجر رحمہ اللہ یہاں یہ مسئلہ بیان فرما رہے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک ضعیف حدیث سے استدلال کر کے عین زوال کے وقت نماز کی ممانعت کے حکم سے ایک استثنائی حکم بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن عین زوال کے وقت بھی نماز ادا کر سکتے ہیں۔

زوال کے وقت جمعہ کے دن نماز کا حکم

علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز ادا کرنے کی ممانعت نہیں۔ لیکن یاد رہے کہ ان علماء کا استدلال اس مذکورہ ضعیف حدیث سے نہیں بلکہ انہوں نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس عمل سے

---

[1] مسند الشافعی، ص: 63۔ اور ''اختلاف الحدیث'' (ص 116) اور ''الام'' (147/1) میں مروی اس روایت کی سند میں ابراہیم بن ابی یحییٰ اور اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروہ ہیں اور یہ دونوں راوی ضعیف ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استدلال کیا ہے کہ جمعہ کے دن یہ حضرات مسجد میں داخل ہو کر امام کے آنے تک نماز پڑھتے رہتے تھے اور کوئی اس پر نکیر نہ کرتا تھا۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان حضرات کے نزدیک یہ حکم متقرر تھا کہ جمعہ کے دن زوال کے وقت بھی نماز ادا کر سکتے ہیں۔

جبکہ بعض علماء نے جمعہ کے دن کو بھی دوسرے دنوں کی طرح قرار دیا ہے اور جمعہ کے دن بھی دوسرے دنوں کی طرح زوال کے وقت نماز ادا کرنے کو منع قرار دیا ہے اور یہ قول درستی کے زیادہ قریب ہے۔ اگرچہ اقرب الی الصواب قول پہلا بھی ہے کیونکہ یہ بات حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعید ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دی رخصت پر مطلع ہوئے بغیر کسی فعل کو کرنے لگیں۔ لیکن جس بات کی عادت فی زمانہ لوگوں نے بنالی ہے وہ غلط ہے، وہ یہ کہ بعض لوگ جمعہ کے وقت سے قبل آ کر حسب توفیق نوافل ادا کرتے ہیں پھر قراءت قرآن میں لگ جاتے ہیں اور جب عین زوال کا وقت آ جاتا ہے تو اٹھ کر نماز ادا کرنے لگتے ہیں۔ بلاشبہ ایسا کرنا غلط ہے کیونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسا نہ کیا کرتے تھے۔ گو جن کے نزدیک اس وقت میں نماز مباح ہے، ایسا کرنا درست ہے۔ لیکن یہ بھی کوئی عقل مندی کی بات نہیں کہ آدمی ایک اختلافی وقت میں عبادت پر مسلط ہو جائے۔

إِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ: ان الفاظ کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم مسجد میں موجود اور باہر سے آنے والے دونوں نمازیوں کے لیے ایک ہے۔ لیکن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فعل یہ بتلاتا ہے کہ وہ حضرات جمعہ کے لیے مسجد میں آنے کے بعد ایسا کرتے تھے یعنی جو جمعہ کے لیے پہلے سے موجود ہوتے تھے وہ ایسا کرتے تھے اور امام کے آنے تک کرتے رہتے تھے۔

وَكَذَا لِأَبِيْ دَاوُدَ عَنْ أَبِيْ قَتَادَةَ نَحْوُهُ .

اور سنن ابی داود میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی ایک حدیث مروی ہے۔ ❶

طواف کے دوگانہ کو ہر وقت ادا کر سکتے ہیں

164- وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((يَا بَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ! لَا تَمْنَعُوْا أَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ ، وَصَلّٰى أَيَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ)) .

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اے بنی عبد مناف! تم کسی بھی ایسے شخص کو مت روکو جو دن رات کی کسی بھی گھڑی میں اس بیت اللہ کا طواف کرنا چاہے اور (بعد میں طواف کی دو رکعت) نماز پڑھنا چاہے۔'' ❷

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ . وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ .

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی اور ابن حبان رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

طواف اور طواف کے دوگانہ کا حکم

اس حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی شخص کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو بیت اللہ کا طواف کرنے یا اس میں نماز ادا کرنے سے روکے کیونکہ یہ مساجد اللہ کے گھر ہیں جن میں اس کا نام بلند کیا جاتا ہے۔

---

❶ سنن ابی داود: 1083- امام ابوداود رحمہ اللہ نے اس حدیث کو مرسل کہا ہے۔ جبکہ حافظ رحمہ اللہ "فتح الباری" (63/2) میں اس روایت کو منقطع کہتے ہیں۔

❷ سنن ابی داود: 1894- جامع الترمذی: 868- سنن النسائی: 284/1- سنن ابن ماجہ: 1254- مسند احمد: 284/4 اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (1280) اور امام ابن حبان (1552) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- بنی عبد مناف کو خطاب میں توجیہ کی وجہ یہ تھی کہ مسجد حرام اور بیت اللہ کا جملہ انتظام والانصرام انہی کے ہاتھوں میں تھا۔
- معلوم ہوا کہ خطاب میں زیادہ اہل کی رعایت لازم ہے۔
- بنی عبد مناف کو خطاب کا مطلب یہ نہیں کہ دوسرے لوگ بیت اللہ سے روکنے کا یہ کام کر سکتے ہیں بلکہ حکم سب کے لیے ایک ہے البتہ خطاب میں زیادہ اہل ولائق کی رعایت کی گئی ہے۔ اس لیے جو لوگ بھی بیت اللہ کے انتظامات کے والی ہوں انہیں کسی کو طواف اور نماز سے روکنے کا حق نہیں۔
- مساجد کو تالا لگانا اور جن اوقات میں مسجد کی شرعی حاجت ہو، ان اوقات میں مساجد کو بند رکھنا بھی مساجد سے روکنے کے حکم میں داخل ہے۔
- اس حدیث میں دراصل اس نکتہ کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ جن کے ہاتھوں میں بیت اللہ کی ولایت آ جائے تو وہ اپنے اس منصب واختیار کا فائدہ اٹھا کر دوسروں کو بیت اللہ سے روکنے میں نہ لگ جائیں لہٰذا وہ دن رات میں کسی کو بھی نہ روکیں۔
- البتہ اس حدیث سے اس بات پر استدلال کرنا درست نہیں کہ بیت اللہ میں گزشتہ مذکورہ ممنوعہ اوقاتِ پنجگانہ میں بھی نماز ادا کرنا جائز ہے۔ کیونکہ خطاب بنی عبد مناف کو ہے اور یہ خطاب ان کی ولایت کے تناظر میں ہے۔ رہا ممنوعہ اوقات میں بیت اللہ اور مسجد حرام میں نماز ادا کرنا یا نہ کرنا تو اس کا مدار دیگر دلائل پر ہے۔ لہٰذا بیت اللہ میں بھی انہی اوقات میں نماز جائز ہوگی جن میں دیگر مقامات پر جائز ہوتی ہے اور جن اوقات میں دیگر مقامات پر نماز منع ہے ان میں بیت اللہ میں بھی منع ہوگی۔
- رہی یہ بات کہ طواف نماز کے حکم میں داخل ہے یا نہیں تو اس کی تفصیل كِتَابُ الْحَجِّ میں آ جائے گی۔
- والیانِ امر لوگوں سے ان کے حقوق کو نہیں روک سکتے۔
- اس حدیث میں بندوں کے لیے بھی مشیت کا اثبات ہے اور اس میں مشہور بدعتی اور گمراہ فرقہ ''جبریہ'' کا ردّ ہے جو بندے کو مجبورِ محض کہتے ہیں۔

نمازِ مغرب کا آخری وقت اور شفق کی تحقیق

165- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((الشَّفَقُ الْحُمْرَةُ)).
رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَصَحَّحَ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَغَيْرُهُ وَقْفَهُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''شفق تو (افق پر چھانے والی) سرخی ہے۔''[1]
اس حدیث کو امام دارقطنی نے روایت کیا ہے اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ جبکہ دوسرے حضرات نے اس روایت کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف کہا ہے۔

شرح: ......نمازِ مغرب کا آخری وقت وہ ہے جب شفق غروب ہو جاتی ہے۔ گویا کہ اس حدیث میں نمازِ مغرب کا

---

[1] سنن الدارقطني: 269/1- صحيح ابن خزيمة: 355- سنن البيهقي: 373/1- امام بیہقی نے اس روایت کو صحیح اور موقوف کہا ہے اور ان کی اتباع میں امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (44/3) میں اس روایت کو صحیح اور موقوف کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آخری وقت مذکور ہے۔ رہا یہ سوال کہ شفق سے مراد حُمرة ہے یا بیاض؟ تو اس حدیث میں شفق کو حمرة یعنی سرخی کہا گیا ہے چاہے یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں آیا ہے یا دیگر روایات میں۔ جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو اس کے بعد آسمان کے کناروں پر ایک سرخی باقی رہ جاتی ہے جو تقریباً نوے منٹ تک یا بدلتے موسموں کے اعتبار سے اس سے کم زیادہ وقت تک باقی رہتی ہے۔ پھر جب یہ شفق غائب ہو جاتی ہے تو اس کے بعد افق پر ایک سفیدی نمودار ہوتی ہے۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے جب نمازِ مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور عشاء کا وقت داخل ہوتا ہے۔

تنبیہ:...... مناسب تو یہ تھا کہ امام موصوف رحمہ اللہ اس حدیث کو نمازوں کے اوقات کے بیان کے ساتھ لے آتے۔ لیکن بھول کسی کو بھی لاحق ہو سکتی ہے۔

فجر صادق اور فجر کاذب کا بیان

166- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((الْفَجْرُ فَجْرَانِ، فَجْرٌ يُحَرِّمُ الطَّعَامَ وَتَحِلُّ فِيْهِ الصَّلَاةُ، وَفَجْرٌ تَحْرُمُ فِيْهِ الصَّلَاةُ- أَيْ صَلَاةُ الصُّبْحِ- وَيَحِلُّ فِيْهِ الطَّعَامُ)).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''فجر دو ہیں ایک فجر وہ ہے جو (سحری کھانے والے پر) کھانے کو (کھاتے رہنا) حرام کر دیتی ہے اور (اب) اس میں نمازِ (فجر کا ادا کرنا) جائز ہو جاتا ہے اور (دوسری) فجر وہ ہے جس میں صبح کی نماز ادا کرنا ناجائز ہوتا ہے (کیونکہ ابھی نماز کا وقت داخل نہیں ہوا ہوتا) اور اس میں (سحری کھانے والے کے لیے) کھانا (کھاتے رہنا) جائز ہوتا ہے۔'' ❶

رَوَاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَاهُ.

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ اور امام حاکم رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اور دونوں نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

شـــرح:...... گزشتہ صفحات میں مفصل بیان کیا جا چکا ہے کہ فجر کی دو قسمیں ہیں، ان دونوں فجروں میں شرعاً اور حساً دونوں اعتبار سے فرق ہے۔ مذکورہ حدیث میں ان دونوں فجروں میں شرعی فرق کو ذکر کیا گیا ہے جو یہ ہے کہ فجر صادق کے طلوع کے بعد روزہ رکھنے والے کے لیے مزید سحری کھاتے رہنا منع ہو جاتا ہے جبکہ اس وقت میں فجر کی نماز ادا کرنا جائز ہو جاتا ہے اور فجر کاذب کے طلوع ہو جانے کے باوجود اس میں سحری کھاتے رہنا جائز ہوتا ہے البتہ ابھی نمازِ فجر کا ادا کرنا مباح نہیں ہوتا۔ رہا ان دونوں میں حسی فرق تو اس کو ذیل کی حدیث میں بیان کیا جا رہا ہے۔

167- وَلِلْحَاكِمِ مِنْ حَدِيْثِ جَابِرٍ نَحْوُهُ، وَزَادَ فِي الَّذِيْ يُحَرِّمُ الطَّعَامَ: ((إِنَّهُ يَذْهَبُ مُسْتَطِيْلًا فِي الْأُفُقِ)). وَفِي الْآخَرِ: ((إِنَّهُ كَذَنَبِ السِّرْحَانِ)).

اور امام حاکم رحمہ اللہ نے ایسی ہی ایک روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی بیان کی ہے اور (اس روایت میں) امام حاکم رحمہ اللہ اُس فجر کے بارے میں جو (سحری کھانے والے پر) کھانا (کھاتے رہنے کو) حرام کر دیتی ہے (جو فجر صادق ہے) یہ مزید

❶ صحيح ابن خزيمه: 356- المستدرك للحاكم: 304/1- سنن الدار قطنى: 165/2- امام دارقطنی نے اس حدیث کے موقوف ہونے کو راجح قرار دیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایت کرتے ہیں کہ ”یہ فجر افق میں مستطیل بن کر پھیلتی ہے۔“ اور دوسری فجر (یعنی فجرِ کاذب) کے بارے میں (یہ مزید بیان کرتے ہیں) کہ ”یہ بھیڑیے کی دُم جیسی ہوتی ہے۔“ ❶

غریب الحدیث: ......**يَذْهَبُ مُسْتَطِيْلًا:** یعنی آسمان کے کناروں پر شمالاً جنوباً پھیل کر ظاہر ہوتی ہے۔ یہ فجر صادق ہے جو شمال سے جنوب کی طرف پھیلتی ہے۔

كَذَنَبِ السِّرْحَانِ: سِرْحَان بھیڑیے کو کہتے ہیں اور ذَنَب دُم اور ہر چیز کے پچھلے حصہ کو کہتے ہیں۔ یعنی فجرِ کاذب بھیڑیے کی دُم کی طرح اوپر کو سیدھی اٹھتی ہے نہ کہ آسمان کے کناروں پر پھیل کر نکلتی ہے۔

مضمون حدیث: ......اس حدیث میں فجر صادق اور فجر کاذب کے درمیان ایک حسی فرق کو بیان کیا گیا ہے کہ فجر صادق افق پر شمال سے جنوب کی طرف پھیل کر ظاہر ہوتی ہے جبکہ فجر کاذب اس کے برعکس مشرق سے مغرب کی طرف سیدھی اوپر اٹھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے جیسے بھیڑیے کی دُم ہوتی ہے۔ ان دونوں فجروں میں دو اور حسی فرق بھی ہیں جن کو گزشتہ صفحات میں ذکر کر دیا گیا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- فجر صادق پر یہ شرعی حکم مرتب ہوتا ہے کہ اس میں سحری کھاتے رہنا منع ہو کر نمازِ فجر کا ادا کرنا مباح ہو جاتا ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نمازِ فجر کی ابتدا اور انتہا کا جو وقت بیان فرمایا ہے اس میں ابتدا کو فجر صادق کے طلوع سے بیان فرمایا ہے اور اس وقت سحری کھاتے رہنے کی ممانعت اس ارشاد باری تعالیٰ میں بیان ہے:

﴿وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ (البقرة: 187)

”اور کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ تمھارے لیے سیاہ دھاگے سے سفید دھاگا فجر کا خوب ظاہر ہو جائے۔“

- جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ جب تک پورے افق پر سفیدی پھیل نہیں جاتی، اس وقت تک سحری کھاتے رہنا جائز ہے، مذکورہ حدیث میں ان لوگوں کا بھی رد ہے کہ یہ بعض اسلاف کا قول ہے جو ضعیف ہے اور نصِ قرآنی کے بھی خلاف ہے کہ نص میں خیطِ ابیض کے ظاہر ہونے پر امساک کے وجوب کا بیان ہے۔ لہٰذا جیسے ہی سفیدی ظاہر ہوگی کھانے سے رُکنا واجب ہوگا چاہے ابھی وہ سفیدی پھیلی نہ بھی ہو۔ کیونکہ حکم کا مدار سفیدی کے ظہور پر ہے نہ کہ اس کے پھیلاؤ پر۔ البتہ منہ کے لقمہ کو نگلنا جائز ہوگا۔ ہاں نیا لقمہ بنا کر منہ میں ڈالنا ناجائز ہوگا۔
- فجر کاذب کی تخلیق کی حکمت یہ ہے کہ اس کے ظہور پر آدمی سحری کو ختم کرنے اور نماز کی تیاری کرنے کے لیے مستعد ہو جائے۔

نمازوں کو اوّل وقت میں ادا کرنے کی ترغیب

168- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: ((أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ الصَّلَاةُ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، ”(ایمان کے بعد) سب سے افضل

---

❶ المستدرك للحاكم: 304/1- جبکہ ”مصنف ابن ابی شيبة“ (288/2) میں یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے نام کے اسقاط کے ساتھ مرسل روایت ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ”تفسير القرآن الكريم“ (223/1) میں اس روایت کو عمدہ کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا)) .
عمل نماز کو اس کے اوّل وقت میں ادا کرنا ہے۔'' ❶

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ . وَصَحَّحَاهُ ، وَأَصْلُهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ .

امام ترمذی رحمہ اللہ اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو روایت کر کے اسے صحیح کہا ہے اور اس حدیث کی اصل صحیحین میں ہے۔

ایمان کے بعد سب سے افضل عمل

یہاں افضل عمل سے مراد اعمالِ بدنیہ میں سے سب سے افضل عمل ہے۔ کیونکہ اعمال کی دو قسمیں ہیں ایک اعمالِ قلبیہ اور دوسرے اعمالِ بدنیہ۔ لہٰذا یہاں مراد یہ ہوگا کہ اعمالِ قلبیہ یعنی توحید ورسالت پر ایمان رکھنے کے بعد اعمالِ بدنیہ میں سے سب سے افضل عمل نماز کو اس کے وقتِ اوّل میں ادا کرنا ہے۔ لہٰذا "الصلوٰۃ" کا کلمہ پانچوں نمازوں کو شامل ہوگا۔ البتہ صرف نمازِ عشاء میں تاخیر افضل ہے جس پر تفصیلی گفتگو کی جا چکی ہے۔

درایۃ الحدیث :......امام موصوف رحمہ اللہ نے صحیحین کی جس اصل کی طرف اشارہ کیا ہے وہاں حدیث کے الفاظ یہ ہیں: اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰهِ اَلصَّلٰوةُ عَلٰی وَقْتِهَا . ''رب تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب عمل نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنا ہے۔'' یعنی اگر کسی نماز کا افضل وقت وقتِ اوّل ہے تو اس کو اوّل وقت میں ادا کرنا افضل ومحبوب ہوگا اور اگر کسی نماز میں تاخیر افضل ہے تو اس میں تاخیر افضل ہوگی۔ یوں صحیحین کی اور دیگر کتب کی روایات میں تطبیق پیدا ہو جائے گی اور ہمیں کسی نماز کو مستثنیٰ کرنے کی بھی احتیاج نہ رہے گی۔

اوّل وقت کی فضیلت

169,170- وَعَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : ((أَوَّلُ الْوَقْتِ رِضْوَانُ اللّٰهِ ، وَأَوْسَطُهُ رَحْمَةُ اللّٰهِ ، وَآخِرُهُ عَفْوُ اللّٰهِ)) .

حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''(نماز کا) اوّل وقت اللہ کی رضا (کا باعث) ہے اور (اس کا) درمیانی وقت اللہ کی رحمت ہے اور (اس کا) آخری وقت اللہ تعالیٰ کی معافی (رخصت اور اس کا درگزر کرنا) ہے۔'' ❷

أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ جِدًّا .

اس حدیث کو امام دارقطنی نے بے حد ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:......اَوَّلُ الْوَقْتِ: مراد نماز کا اوّل وقت ہے۔

رِضْوَانُ اللّٰهِ: مراد اس وقت کا افضل ہونا ہے کیونکہ رب تعالیٰ کی رضا اس کی نعمتوں میں سے سب سے افضل ہے۔ لہٰذا یہاں یہ مراد ہوگی کہ اوّل وقت بعد کے اوقات سے افضل ہے۔

اَوْسَطُهُ: یعنی اوّل اور آخر کے اوقات کے درمیان کا وقت ہے کہ اس وقت میں اگرچہ رب تعالیٰ کی رضا تو حاصل نہیں ہوتی البتہ بندہ اس کی رحمت کا ضرور مستحق وسزاوار بن جاتا ہے۔

---

❶ جامع الترمذي: 1898- المستدرك للحاكم: 300/1- صحيح البخاري: 504- صحيح مسلم: 85.

❷ سنن الدارقطني: 249/1- اس روایت کی اسناد میں یعقوب بن ولید مدنی ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ جھوٹوں کا سردار اور امام نسائی متروک کہتے ہیں۔ امام موصوف نے اس اسناد کو بے حد ضعیف یعنی ضعیف کی تاکید کے ساتھ اس لیے کہا ہے کیونکہ اسی اسناد میں ابراہیم بن زکریا بجلی بھی ہے جو متہم ہے۔ (دیکھیں: التلخیص الحبیر: 180/1- خلاصۃ البدر المنیر: 90/1- نصب الرایۃ: 242/1)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عَفْوُ اللّٰهِ: یہ کلمہ اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے کے دو اوقات اس آخری وقت سے افضل ہیں۔ گو پہلا وقت دوسرے سے افضل ہے اور عفو سے مراد رب تعالیٰ کی رخصت ہے کہ اس نے اس آخری وقت میں بھی نماز ادا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔

حدیث کا مضمون واضح ہے کہ بہرحال نماز کا سب سے افضل اور بہتر وقت پہلا ہی ہے۔

درایۃ الحدیث :...... امام موصوف رحمہ اللہ نے تاکید کے ساتھ اس حدیث کے ضعیف ہونے کو بیان کر دیا ہے تاکہ کوئی اسے سنن الدار قطنی میں دیکھ کر اس کی حالت کو جانے بنا اسے قبول نہ کر لے۔ لہٰذا اس وضاحت کے بعد اس حدیث سے استدلال ساقط ہوگا اور صحیح قول یہ ہے کہ جن نمازوں کو اوّل وقت میں ادا کرنا مسنون ہے ان میں تعجیل افضل ہے اور جن میں تاخیر مسنون ہے ان میں تاخیر افضل ہے جبکہ بیچ کا وقت رخصت ہے۔

وَلِلتِّرْمِذِيِّ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ نَحْوُهُ دُوْنَ ((الْأَوْسَطِ)) وَهُوَ ضَعِيْفٌ أَيْضًا .

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایسی ہی ایک حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کی ہے جو "الاوسط" کے لفظوں کے بغیر ہے۔ البتہ یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ ❶

فجر کی دو سنتوں کا بیان

171,172- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَا صَلَاةَ بَعْدَ الْفَجْرِ إِلَّا سَجْدَتَيْنِ)) .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "فجر (طلوع ہو جانے) کے بعد (فرض نماز کے علاوہ) سوائے دو سجدوں کے (یعنی سوائے سنتِ فجر کی دو رکعتوں کے) اور کوئی نماز نہیں۔" ❷

أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے سوائے امام نسائی کے۔

وَفِيْ رِوَايَةِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ: ((لَا صَلَاةَ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ إِلَّا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ)) .

اور عبدالرزاق کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "طلوع فجر کے بعد (علاوہ فرض نماز کے) فجر کی دو رکعتوں کے سوا اور کوئی نماز نہیں۔" ❸

وَمِثْلُهُ لِلدَّارَقُطْنِيِّ عَنِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ .

ایسی ہی روایت امام دارقطنی رحمہ اللہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ ❹

غریب الحدیث:...... لَا صَلٰوةَ: یہ لا نفی کا ہے اور اس کو وجود، صحت یا کمال میں سے کس چیز کی نفی پر محمول کیا جائے گا؟ اس پر تفصیلی کلام گزر چکا ہے۔

إِلَّا سَجْدَتَيْنِ: سجدتین سے مراد رکعتین ہے۔ یہ فجر کی دو رکعت سنتیں ہیں۔

بَعْدَ الْفَجْرِ: مراد یہ ہے کہ طلوع فجر کے بعد دو رکعت سنت کے سوا اور کوئی نماز مشروع نہیں۔ تب اس حدیث اور گزشتہ

---

❶ جامع الترمذی: 172۔ امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔

❷ سنن ابی داود: 1278۔ جامع الترمذی: 419۔ مسند احمد: 23/2۔ اس روایت کی اسناد میں ابن الحصین ہے جو مجہول ہے۔ حافظ رحمہ اللہ "الدرایۃ" (110/1) میں فرماتے ہیں: طبرانی نے اس روایت کو "المعجم الکبیر" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسی قوی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں سوائے ابوبکر بن محمد کے اور کوئی کمزور راوی نہیں اور گویا کہ وہ ابن ابی سبرہ ہے جو واہی ہے۔

❸ مصنف عبدالرزاق: 4760. ❹ سنن الدار قطنی: 246/1.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیثوں میں ظاہری معارضہ بھی جاتا رہے گا جن میں فجر کے بعد طلوعِ آفتاب تک نماز کی ممانعت مذکور ہے۔ لہٰذا فجر کی سنتوں کے بعد فرض نماز کے علاوہ اور کسی نماز کا ادا کرنا غیر مشروع ہوگا۔ کیونکہ جب نبی کریم ﷺ خود سنت کی ان دو رکعتوں کو تخفیف کر کے ادا کرتے تھے جن کا ادا کرنا بھی مشروع ہے تو بھلا کسی اور نماز کا ادا کرنا کیونکر درست ہوگا جو غیر مشروع بھی ہو۔ البتہ اگر کسی نے اذانِ فجر اور اقامتِ صلوٰۃ کے درمیان دو رکعت سنت کے علاوہ کسی اور نماز کو ادا کر لیا تو وہ گناہ گار نہ ہوگا۔ کیونکہ وقتِ نہی فرض نماز کے بعد سے طلوعِ آفتاب تک ہے۔ جبکہ یہاں طلوعِ فجر اور اقامتِ صلوٰۃ تک کے وقت میں سوائے دو رکعت سنت کے کسی اور نماز کے غیر مشروع ہونے کا بیان ہے۔

تنبیہ ...... مناسب تو یہ تھا کہ امام موصوف ان احادیث کو بھی اوقاتِ صلوٰۃ کے ذکر کے ساتھ لے آتے۔ لیکن انسان بہرحال انسان ہے بھول چوک اس کی فطرت کا حصہ ہے۔

نمازِ ظہر کی سننِ بعدیہ کو نمازِ عصر کے بعد ادا کرنے کا حکم

173,174۔ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: ((صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْعَصْرَ، ثُمَّ دَخَلَ بَيْتِيْ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، فَسَأَلْتُهُ، فَقَالَ: ((شُغِلْتُ عَنْ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ فَصَلَّيْتُهُمَا الْآنَ. فَقُلْتُ: أَفَنَقْضِيهِمَا إِذَا فَاتَتَا؟ قَالَ: لَا)).

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ (ایک دفعہ) نبی کریم ﷺ نے نمازِ عصر ادا فرمائی، پھر میرے گھر تشریف لے آئے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ سو میں نے (نماز کے بعد) آپ ﷺ سے (اس بارے) دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "(آج) میں مشغولیت کی بنا پر ظہر کے بعد کی دو رکعتیں نہ پڑھ سکا تھا، جن کو میں نے اب ادا کیا ہے، اس پر میں نے (آپ ﷺ سے) عرض کیا کہ کیا جب یہ (ہم سے) قضا ہو جایا کریں تو ہم بھی ان کی قضا کر لیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں۔" ❶

أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ.

اس روایت کو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

وَلِأَبِيْ دَاوُدَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا بِمَعْنَاهُ.

اور سننِ ابی داؤد میں بھی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اسی کے ہم معنی روایت ہے۔ ❷

معرفة الصحابة :...... سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں سے ہیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا بے حد عقل مند اور ذہین خاتون تھیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے عقدِ نکاح میں آئی تھیں جس کا قصہ مشہور ہے۔ ان کی فہم و فراست کا مشہور واقعہ صلح حدیبیہ کے وقت کا ہے جو کتبِ سیرت و تاریخ میں معروف ہے۔

غريب الحديث :...... ثُمَّ دَخَلَ بَيْتِيْ: بیت کی ضمیر کی اضافت بطورِ ملک کے ہے یا بطورِ اختصاص کے؟ تو چونکہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد انہی گھروں میں باقی رہی تھیں اس لیے ...... وَاللّٰهُ أَعْلَمُ ...... کہ

---

❶ مسند احمد: 315/6۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ "مجمع الزوائد" (264/8) میں کہتے ہیں کہ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

❷ سنن ابی داؤد: 1273 اور اس کی اصل صحیح مسلم: 834 میں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظاہر یہ ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا یہ گھر ان کا تھا اور یہ اضافت بطورِ ملک کے ہے۔ البتہ یہ وراثت نہ تھی کیونکہ وراثت ترکہ میں ہوتی ہے اور پیغمبروں کا ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔ تب پھر علماء کے نزدیک یہ مسئلہ یوں ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو ان کے گھروں کا مالک بنا دیا تھا۔ چنانچہ یہ گھر نبی کریم ﷺ کی وفات سے قبل ہی ازواجِ مطہرات کی مِلک میں تھے۔

شُغِلْتُ: آپ ﷺ کو آنے والے ایک وفد کی مشغولیت کی بنا پر ظہر کی سنتِ بَعْدِیّہ کے ادا کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔

مضمون حدیث :......معلوم ہوا کہ اگر ظہر کی سنتِ بعدیہ رہ جائیں تو ان کو نمازِ عصر کے بعد ادا کر سکتے ہیں لیکن اس میں تفصیل ہے جس کو فوائد کے تحت بیان کیا جاتا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ نبی کریم ﷺ ہمہ وقت مصالح کی رعایت فرماتے تھے چنانچہ آپ ﷺ اعلیٰ مصلحت کو کم درجہ کی مصلحت پر مقدم فرماتے تھے۔ پس چونکہ آنے والے وفد کی تالیفِ قلب اور پر جوش استقبال میں ان کے قبولِ اسلام کی توقع زیادہ تھی، اس لیے آپ ﷺ نے وفد کو وقت دینے کو سننِ راتبہ کی ادائیگی پر مقدم فرمایا۔

◈ رہا یہ سوال کہ اگر ہم سے بھی کسی سبب سے یہ دو رکعتیں رہ جائیں تو کیا ہم بھی ان رکعات کو نمازِ عصر کے بعد ادا کر سکتے ہیں جیسا کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ مسئلہ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا تھا؟ تو آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ اس وقت میں نماز ادا کرنے کی ممانعت ہے جبکہ ان دو رکعات کی قضا مغرب کی نماز کے بعد بھی ادا کر سکتے ہیں، تب پھر اس وقت میں ان دو رکعات کا ادا کرنا نبی کریم ﷺ کے خصائص میں سے ہوگا۔

2۔ بَابُ الْأَذَانِ ......اذان کا بیان

تمہید: اذان کا لغوی اور شرعی معنی:......اذان کا لغوی معنی دوسرے کو آگاہ کرنا ہے، جس کو عربی میں اِعلام کہتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَ رَسُوْلُهٗ﴾ (التوبة: 3)

''اور اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے حج اکبر کے دن تمام لوگوں کی طرف صاف اعلان ہے کہ اللہ مشرکوں سے بری ہے اور اس کا رسول بھی۔''

کہ یہاں اَذان بمعنی اِعْلَام ''آگاہ کرنا'' اور ''اعلان کرنا'' ہے۔

جبکہ اذان کا شرعی معنی ایک خاص قسم کا اعلان کرنا ہے اور یہ فرض نماز کا وقت داخل ہو جانے کی بابت دوسروں کو آگاہ کرنا ہے۔ یعنی یہ بتلانا ہے کہ اب نماز ادا کرنا جائز، حلال اور مباح ہو گیا ہے۔ قطع نظر اس بات سے کہ نماز کا اوّل وقت میں ادا کرنا مباح ہے یا اخیر وقت میں۔

اذان کب مشروع ہوئی

ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ کسی طریق سے لوگوں کو نماز کے لیے جمع ہو جانے کی بابت آگاہ کیا جائے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ اب نماز کا وقت داخل ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت فرمائی تو مندرجہ ذیل تجاویز سامنے آئیں:

⊙...... بھونپو بجا کر لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔

⊙...... ناقوس یعنی گھنٹا بجایا جائے۔

⊙...... آگ جلا کر لوگوں کو نماز کا وقت داخل ہو جانے کی بابت آگاہ کیا جائے۔ لیکن آپ ﷺ نے ان تینوں تجاویز کو عبادات شرکیہ کی علامت ہونے کی بنا پر ردّ فرما دیا کیونکہ ناقوس نصاریٰ بجاتے تھے، بھونپو یہود بجاتے تھے اور آگ مجوسی جلاتے تھے۔ غرض مسلمانوں کو اس بات کی بے حد فکر لاحق ہو گئی کہ لوگوں کو نماز کی طرف کیونکر بلایا جائے۔ اب ہر ایک سوچ اور فکر میں مبتلا تھا۔ اسی دوران حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ رضی اللہ عنہ نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جس کے ہاتھ میں ناقوس تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے خواب میں یہ کہا کہ مجھے یہ بیچتے ہو؟ اس شخص نے بجائے خرید وفروخت کی بات کرنے کے یہ پوچھا کہ تم اس کا کیا کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ میں اسے بجا کر لوگوں کو نماز کا وقت ہو جانے کے بارے میں آگاہ کروں گا۔ وہ بولا: کیا میں تمہیں اس سے بہتر شے کا پتا نہ دوں؟ تم یہ الفاظ کہو اور "اللہ اکبر" سے لے کر آخر تک اذان سنا دی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیدار ہو کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور سارا خواب گوش گزار کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے (خواب سننے کے بعد) فرمایا: ''بے شک یہ سچا خواب ہے، جاؤ اور (جا کر) یہ (اذان کے) کلمات بلال کو سنا دو (کہ یہ اذان وہ دیا کریں گے) کیونکہ ان کی آواز تم سے زیادہ بلند ہے۔'' ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کو سنا تو خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ انہوں نے بھی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے جیسا خواب دیکھا ہے۔ یوں یہ دو خواب اذان کے اس طریقہ پر ایک دوسرے کے موافق ہو گئے اور نبی کریم ﷺ نے بھی اس کی تائید فرما دی۔

یہاں نکتے کی بات یاد رکھئے کہ اس اذان کی مشروعیت ان دو صحابہ رضی اللہ عنہ کے خواب کی بنا پر نہ تھی بلکہ نبی کریم ﷺ کے اس اذان کو برقرار رکھنے اور اسے مشروع قرار دینے کے بعد اس اذان کی مشرعیت ثابت ہوئی ہے۔

اذان دینے کا طریقہ اور کلماتِ اذان کے معانی

177-175- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ رَبِّهِ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((طَافَ بِيْ- وَأَنَا نَائِمٌ- رَجُلٌ ، فَقَالَ : تَقُوْلُ: ((اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ)) ، فَذَكَرَ الْأَذَانَ بِتَرْبِيْعِ التَّكْبِيْرِ بِغَيْرِ تَرْجِيْعٍ ، وَالْإِقَامَةَ فُرَادٰى ، إِلَّا ((قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ)) قَالَ : فَلَمَّا أَصْبَحْتُ أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: ((إِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ)) الْحَدِيْثَ .

حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک آدمی آیا جب کہ میں سو رہا تھا۔ (یعنی وہ آدمی میرے خواب میں آیا) اور کہنے لگا: تم یہ کلمات کہو: اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ آگے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اذان کو ذکر کیا جس میں اللہ اکبر کے چار دفعہ کہنے کا ذکر تھا البتہ اس میں ترجیع نہ تھی اور (اس کے بعد) اقامت کو (ذکر کیا) جس کے کلمات ایک ایک مرتبہ تھے سوائے "قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ" (کے کلمات) کے (کہ وہ دو بار تھے)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب میں نے صبح کی تو میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا (اور خواب گوش گزار کیا) آپ ﷺ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے فرمایا: ''بے شک یہ خواب حق ہے''......الحدیث۔ [1]

أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ. وَزَادَ أَحْمَدُ فِي آخِرِهِ قِصَّةَ قَوْلِ بِلَالٍ فِي أَذَانِ الْفَجْرِ: ((الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ)).

اس حدیث کو امام احمد اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی اور امام ابن خزیمہ رحمہما اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث کے آخر میں اذانِ فجر میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اس قول کا قصہ بیان کیا ہے (جو یہ ہے): "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" (نماز نیند سے بہتر ہے)۔ [2]

غریب الحدیث:...... تَرْبِیْعِ تَکْبِیْرٍ: مراد اَللّٰہُ اَکْبَرُ کے کلمہ کو چار دفعہ کہنا ہے۔

تَرْجِیْع: تَـرْجِیْع موذن اذان میں موذن کے ترجیع کرنے کو کہتے ہیں اور مراد شہادتین اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کو نسبتاً آہستہ کہنے کے بعد دوبارہ زور سے کہنا ہے۔

اَللّٰهُ اَکْبَرُ: یہ مبتدا اور خبر کی ترکیب کے ساتھ جملہ اسمیہ ہے جس میں اَکْبَرُ اسم تفضیل کا متعلق حذف ہے، جو مِنْ کُلِّ شَیْءٍ ہے اور اس متعلق کو عموم پر دلالت کرنے کے لیے حذف کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ ہر چیز سے بڑا ہے اور اسے مطلق کبریائی حاصل ہے۔ یہ کلمہ اذان کے آغاز میں چار بار ہے۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے تین کلمات تاکیدات کے باب میں سے ہیں۔ لیکن ایسا نہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک جملہ مستقل اور مستانفہ ہے۔ جن میں سے ہر ایک کا ذکر مطلوب مقصود اور اس کا وجود ناگزیر ہے۔ لہٰذا یہ بابِ تقریر میں سے ہے نہ کہ بابِ تاکید میں سے تاکہ بندے کے دل میں رب تعالیٰ کی کبریائی مقرر (جاگزین اور راسخ) ہو جائے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ: الحمد للہ امت مسلمہ کا ایک ایک مسلمان لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا معنی بخوبی جانتا ہے۔ اس پر تفصیلی کلام مقدمہ میں کیا جا چکا ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی توحید معبودیت کا اقرار ہے جو اس کی توحید ربوبیت کے اقرار کو مستلزم ہے۔ کیونکہ ایک اکیلے اللہ کا معبود ہونا اسی ایک اکیلے کے رب ہونے کو متضمن ہے کیونکہ بندہ اسی کی عبادت کرتا ہے جو رب ہو۔

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ: مقدمہ میں اس پر تفصیلی کلام کیا جا چکا ہے۔

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ: حَیَّ یہ اسم فعل ہے جو اَقْبِلُوْا ''متوجہ ہو'' اور ''آؤ'' کے معنی میں ہے اور اس پر اسم ہونے کی وجہ سے فعل کی کوئی علامت نہیں۔ اسی لیے اس کی تثنیہ اور جمع بھی نہیں آتی۔ اسم فعل ہر وہ اسم ہے جس کو اسم کے معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو مگر اب وہ فعل کے معنی میں استعمال ہونے لگے۔ اسم فعل ماضی اور امر دو معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ [3] مذکورہ اسم فعل حَیَّ امر کے معنی میں ہے۔

اَلصَّلٰوۃِ: میں الف لام عہد حضوری کا بھی ہو سکتا ہے یعنی اس حاضر اور درپیش نماز کی طرف آؤ۔

حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ: اَلْفَلَاح ایک جامع لفظ ہے جو ہر ناگوار شے سے نجات اور ہر مطلوب کے پانے کو شامل ہے۔ نماز کے بعد فلاح کے ذکر میں جو مناسبت ہے وہ ظاہر ہے یعنی نماز دنیا و آخرت کی ہر اعتبار سے سراپا فلاح و نجات ہے۔ اسی

---

[1] مسند احمد: 42/4۔ سنن ابی داود: 499۔ جامع الترمذی: 189۔ صحیح ابن خزیمۃ: 370۔ صحیح ابن حبان: 1679۔

[2] مسند احمد: 42/4 [3] تحفۃ الطلبۃ، ص: 136۔ (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے دنیا و آخرت سے متعلق ہر مشکل میں نماز کے ذریعے مدد مانگنے کا حکم ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ (البقرة: 45) ''اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو۔''

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ: یہ کلمہ توحید ہے جس پر اذان کا اختتام ہو رہا ہے۔

اذان کا خلاصہ

غرض اذان رب تعالیٰ کی کبریائی کا اعلان، ایمان، توحید اور رسالت کا بیان، نماز اور فلاح کی دعوت اور توحید پر خاتمہ کا اعلان ہے۔ یوں اذان سراپا خیر ہی خیر ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں اذان کی مشروعیت اور اس کے کلمات کا ذکر ہے۔

درایة الحدیث:...... امام موصوف رحمہ اللہ نے ''نخبة الفكر شرح نزهة النظر'' (ص: 226) میں اذان کے پورے کلمات ذکر کیے ہیں جبکہ یہاں اختصار سے کام لیا ہے۔ یاد رہے کہ کسی روایت سے ایسے کلمات کا حذف جائز نہیں جن کے بغیر معنی تمام نہ ہوتا ہو۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ بسا اوقات امام موصوف اس کتاب میں ایسا اختصار بھی اختیار کر لیتے ہیں جو مخل ہو۔ البتہ یہاں امام موصوف رحمہ اللہ کے پیش نظر دو نکتے تھے:

(1) ایک اختصار تاکہ طلباء کو اس کتاب کا یاد کر لینا آسان ہو۔

(2) دوسرے یہ کہ اذان کے کلمات بے حد مشہور ہیں، اسی لیے ان کے ذکر کو حذف کر دیا۔ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ.

اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: یہاں حذف ہے جس کو ایجاز کہتے ہیں تقدیری عبارت یوں ہے یعنی اَتَيْتُهٗ وَ اَخْبَرْتُهٗ اسی طرح اِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ میں بھی ایجاز ہے، تقدیری عبارت یوں ہے اَلرُّؤْيَا الَّتِيْ قَصَصْتَهَا عَلَيَّ لَرُؤْيَا حَقٌّ یعنی ''جو خواب تم نے مجھے بیان کیا ہے وہ حق ہے'' اور حق سے مراد سچا خواب ہے نہ کہ جھوٹا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اسلام کی فضیلت و عظمت کہ دیگر مذاہب آگ، گھنٹوں اور بھونپوؤں کے مظاہر پر مشتمل ہیں جبکہ دین اسلام کی سب سے نمایاں خوبی اس کی توحید و ایمان اور رسالت و عبادت کی تعلیم ہے۔
- رب تعالیٰ نے اس امت کی حق کی طرف راہنمائی فرمائی یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دیگر تجاویز کو تو رد فرمایا جبکہ اذان کی الہامی تجویز کو قبول فرمایا اور اسے مشروع قرار دیا جو توحید و رسالت اور عبادت کے بیان پر مشتمل ہے۔
- معلوم ہوا کہ اگر خواب شرع شریف کے موافق و مطابق ہو تو اس پر عمل جائز ہے اور اس پر سچا خواب ہونے کا حکم لگایا جائے گا جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے خواب کو سچا فرمایا اور موافق شرع ہونے کی وجہ سے اس پر عمل بھی کیا۔ یاد رہے کہ سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں جزء ہے۔ [1]
- اسی طرح اگر خواب شرع شریف کے خلاف ہو تو وہ رد ہوگا جیسا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے خواب میں ایک عظیم نور دیکھا۔ پھر کسی نے انہیں خطاب کر کے یہ کہا کہ تمہیں نمازیں معاف کی جاتی ہیں۔ یہ سنتے ہی شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''تم جھوٹ بولتے ہو اور تم شیطان ہو۔'' یہ سننا تھا کہ وہ نور کافور ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ جو خواب شرع شریف کے خلاف ہو وہ جھوٹا ہوتا ہے۔

---

[1] صحیح البخاری: 6983

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے خواب میں جس اذان کو دیکھا تھا اس میں ترجیع نہ تھی۔ ترجیع کا معنی غریب الحدیث کے تحت بیان کر دیا گیا ہے۔ یہ ترجیع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو جو موذنِ مکہ تھے، سکھلائی تھی لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جو موذن مدینہ تھے، انہیں نہ سکھلائی۔ لہٰذا ترجیع یہ اذان دینے کے مختلف طریقوں کے باب میں سے ہوگی۔

◈ ضرورت ہو تو خبر کو موکد کر کے بھی بیان کر سکتے ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ. اس جملہ میں اِنَّ اور لام تاکید کے ساتھ تاکیدات لائی گئی ہیں جو اہل علم پر مخفی نہیں۔

◈ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ: یہ کلمہ خاص اذانِ فجر میں کہا جائے گا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس بات کا حکم دیا تھا کہ جب تم نمازِ فجر کے لیے پہلی اذان دو تو (اس میں) یہ کہو اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ. پہلی اذان سے مراد ہر نماز کی اذان اور اقامت میں سے اذان ہے۔ کیونکہ اذان اور اقامت کو تغلیباً اَذَانَيْن بھی کہہ دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کلمہ اذانِ فجر میں حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ کی طرح ایک تاکید ہے اور اذانِ فجر میں اس کلمہ کا اضافہ اس لیے کیا گیا کہ اس وقت لوگ خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے ہوتے ہیں جو شدید غفلت کا عالم ہوتا ہے، اس لیے نمازِ فجر کی اذان میں لوگوں کو نیند سے ہوشیار کرنے کے لیے اس کلمہ کا اضافہ کیا گیا کہ نماز نیند سے بہتر ہے۔ گو کہ نماز بیع و شراء اور دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے لیکن مِنَ النَّوْمِ کا کلمہ اس وقت کے حال کے مطابق ہے اور اذانِ فجر میں یہ کلمہ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد دو مرتبہ کہا جائے گا۔ جیسا کہ ذیل کی حدیث میں آ رہا ہے۔

فجر کی اذان میں اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کا محل

وَلِابْنِ خُزَيْمَةَ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ: ((مِنَ السُّنَّةِ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ فِي الْفَجْرِ: ((حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ)) قَالَ: ((الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ)).

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ بیان کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: یہ بات سنت میں سے ہے کہ جب موذن فجر کی اذان میں حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کہہ لے تو (اس کے بعد) یہ کہے اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ. [1]

اذان میں ترجیع کا بیان

178- وَعَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ رضي الله عنه: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عَلَّمَهُ الْأَذَانَ، فَذَكَرَ فِيهِ التَّرْجِيعَ. أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ. وَلٰكِنْ ذَكَرَ التَّكْبِيرَ فِي أَوَّلِهِ مَرَّتَيْنِ فَقَطْ.

حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (وہ فرماتے ہیں) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان سکھلائی اور اس میں حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ ترجیع کا بھی ذکر فرماتے ہیں [2] (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان میں ترجیع کرنے کو بھی ارشاد فرمایا)۔

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے البتہ اس روایت میں انہوں نے اذان کے اوّل میں تکبیر کا ذکر صرف دو مرتبہ کیا

---

[1] صحیح ابن خزیمة: 386- المختارة للضیاء المقدسی: 160/7- ضیاء مقدسی کہتے ہیں: اس کی اسناد میں کوئی حرج نہیں۔ سنن البیهقی: 423/1- امام بیہقی فرماتے ہیں: اس کی اسناد صحیح ہے۔

[2] صحیح مسلم: 379.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ فَذَكَرُوْهُ مُرَبَّعًا .

ہے۔اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے بھی روایت کیا ہے، انہوں نے تکبیر کو چار مرتبہ ذکر کیا ہے۔ [1]

شرح:...... تَرْجِيْع کا معنی بیان کیا جا چکا ہے۔حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں مؤذنِ نبوی تھے، وہ اذان میں ترجیع کیا کرتے تھے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اذان میں ترجیع سکھلائی تھی۔ البتہ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق وہ اذان میں تکبیر دو مرتبہ کیا کرتے تھے جبکہ ائمہ خمسہ کی روایت میں تکبیر کا ذکر چار بار ہے۔اس باب میں ضابطہ یہ ہے کہ کسی روایت میں جو اضافہ صحیح ہو اس کو لیا جاتا ہے۔لہٰذا اس مقام پر ہم ائمہ خمسہ کی روایت کو لیں گے کیونکہ ان کی روایت میں مذکورہ اضافہ صحیح ہے۔ دوسرے وہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ہے۔ رہی صحیح مسلم کی روایت جس میں اذان کے اوّل میں دو بار تکبیر کا ذکر ہے تو اسے راوی کے نسیان پر محمول کیا جائے گا۔

اذان اور اقامت کے کلمات کی تعداد کا بیان

179- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : ((أُمِرَ بِلَالٌ: أَنْ يَّشْفَعَ الْأَذَانَ ، وَ أَنْ يُّوْتِرَ الْإِقَامَةَ إِلَّا الْإِقَامَةَ ، يَعْنِي إِلَّا قَوْلَهُ: ((قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ)) .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس بات کا حکم دیا گیا کہ وہ کلماتِ اذان کو دو دو بار کہیں اور اقامت کے کلمات کو ایک ایک بار کہیں سوائے اقامت کے یعنی (سوائے) قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ کے [2] (کلمات کے کہ ان کو اقامت میں دو بار کہا جائے گا)۔

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَلَمْ يَذْكُرْ مُسْلِمٌ الْإِسْتِثْنَاءَ

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔البتہ امام مسلم رحمہ اللہ نے (اپنی روایت میں) اس استثنا کو ذکر نہیں کیا۔

غریب الحدیث :...... أُمِرَ بِلَالٌ: کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے مروی ایسے کلمہ کا حکم حدیثِ مرفوع کا ہوتا ہے۔جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں ذکر کی جا چکی ہے اور یہاں حکم کرنے والے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا کسی غیر آمر کو آمر سمجھ لینا اس لیے بعید ہے کیونکہ (1) ایک تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خطابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے (2) دوسرے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سے زیادہ متقی اور محتاط تھے۔ اس لیے امر کا یقین ہوئے بنا کوئی صحابی رضی اللہ عنہ ایسے الفاظ روایت کر ہی نہیں سکتا۔

بِلَالٌ: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ حکم ان کے موذن ہونے کی وجہ سے تھا نہ کہ یہ حکم ان کی ذات کی بنا پر تھا۔لہٰذا یہ حکم وصف کے اعتبار سے ہے نہ کہ عین کے اعتبار سے۔

شَفْعًا: شَفْع جوڑا بنانے یعنی کسی چیز کے ساتھ اسی جیسی دوسری چیز کے ملانے کو کہتے ہیں۔مراد کلمات اذان کو دہرا کرنا ہے [3] اور یہاں لفظ شَفْعَ کا ذکر من حیث المجموع ہے کیونکہ اذان کے آخر میں تکبیر وتہلیل شَفْعَ نہیں بلکہ وتر ہے۔

---

[1] سنن ابی داود: 502۔ جامع الترمذی: 192۔ السنن الکبری للنسائی: 1594۔ سنن ابن ماجه: 708۔ مسند احمد: 409/3۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن اور صحیح کہا ہے۔

[2] صحیح البخاری: 605۔ صحیح مسلم: 378۔ [3] دیکھیں القاموس الوحید، ص: 873۔ (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون حدیث:......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ کلماتِ اذان تو دو دو بار ہوں گے سوائے آخری تکبیر کے اور اقامت کے کلمات ایک ایک بار ہوں، سوائے قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ کے کہ اس کو دو بار کہا جائے گا۔ یوں اذان کے کل کلمات پندرہ بنتے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

تکبیرات:	4 بار
شہادتین:	4 بار
حَیْعَلَتَیْنِ (یعنی حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ):	4 بار
تکبیر:	2 بار
تہلیل:	1 بار
یہ کل میزان:	15

اور اگر ان کے ساتھ اذانِ فجر کے خاص کلمہ "الصلوة خير من النوم" کو شمار کر لیا جائے تو کل میزان 17 کا بنتا ہے۔ جبکہ اقامت کے کل کلمات گیارہ بنتے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

تکبیر:	2 بار
شہادتین:	2 بار
حَیْعَلَتَیْنِ:	2 بار
اقامت (یعنی قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ):	2 بار
تکبیر:	2 بار
تہلیل:	1 بار
کل میزان:	11 [1]

یاد رہے کہ اذان اور اقامت میں سے ہر ایک تکبیر سے شروع ہو کر تہلیل پر ختم ہوتی ہے اور تہلیل وتر ہے۔ چنانچہ شریعت کے اکثر احکام وتر ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◇ معلوم ہوا کہ اذانِ بلالی رضی اللہ عنہ کی مشروعیت نبی کریم ﷺ کے امر سے ہے۔ جس کی دلیل اُمِـرَ بِلَالٌ کے الفاظ ہیں۔ یہیں سے جناب رسول اللہ ﷺ کے عظیم مرتبہ کا بھی اندازہ ہو گیا کہ آپ ﷺ آمر و ناھی بھی تھے۔

◇ اذان اور اقامت میں فرق ہے کیونکہ ایک تو اذان کے کلمات اقامت سے زیادہ ہیں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ دوسرے اذان عموماً گھروں میں بیٹھے لوگوں کے لیے ہوتی ہے۔

---

[1] اذان و اقامت کے کلمات کی تعداد کی بابت ایک نفیس بحث شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے "شرح بلوغ المرام (عربی)" (458/1) میں ذکر کی ہے جس کو بندۂ عاجز مترجم نے طوالت کے خوف سے قلم انداز کر دیا ہے۔ شائقین حضرات اس کی مراجعت کر سکتے ہیں۔ (نسیم)

[2] صحیح البخاري: 636

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- اذان ٹھہر ٹھہر کر دی جاتی ہے کیونکہ اذان کے ذریعے دور والے کو بلایا جاتا ہے۔ جبکہ اقامت جلد جلد کہی جاتی ہے کیونکہ اقامت اکثر موجود اور حاضر لوگوں کے لیے کہی جاتی ہے۔ اس کو اذان میں ترسل کرنا اور اقامت میں حدر کرنا کہتے ہیں۔
- قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ کہنا مشروع ہے۔
- اذان کے کلمات میں شفع ہے۔ شفع کا معنی گزشتہ صفحات میں بیان کر دیا گیا ہے اور کلماتِ اذان میں ایتار ہے اس بنا پر اذان اور اقامت کے کلمات کتنے بنتے ہیں ان کو غریب الحدیث کے تحت بیان کر دیا گیا ہے۔
- اذان میں حال کی رعایت مشروع ہے۔ چنانچہ اذان میں شفع، تأنی اور ترسل اس لیے ہے تاکہ جس نے اذان کا ایک حصہ نہیں سنا وہ دوسرا یا درمیانی یا آخری حصہ ہی سن لے۔ اسی لیے اذان کسی بلند جگہ پر دینا مشروع و مسنون ہے تاکہ اذان کی آواز دُور دُور تک جا سکے۔ جبکہ اقامت اس کے برعکس ہے اور دونوں میں فرق واضح ہے کیونکہ اقامت حاضرین وموجودین کے لیے ہے۔
- **يُوْتِرُ الْإِقَامَةَ إِلَّا الْإِقَامَةَ:** ان کلمات سے یہ معلوم ہوا کہ جہاں اشتباہ کا اندیشہ ہو وہاں ایضاح مناسب ہے اور بسا اوقات لازم ہوتا ہے۔ کیونکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ اقامت کے جملہ کلمات میں ایتار ہے اسی لیے اس اشتباہ کو دُور کرنے کے لیے اِلَّا الْاِقَامَةَ فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ کے کلمہ میں شفع ہے نہ کہ وتر۔
- مناسب ہے کہ اس موقع پر ایک حدیثی فائدہ بھی بیان کر دیا جائے، وہ یہ کہ جب امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کسی کلمہ میں جس کا معنی ایک ہو، متفق ہوں تو اس صورت میں اختلافِ کلمہ کی طرف اشارہ کرنے کی چنداں حاجت نہیں۔ بالخصوص راجح قول کو بتلانے کی ضرورت نہیں کیونکہ حدیث کی روایت بالمعنی جائز ہے۔ البتہ اگر شیخین کی روایت میں کمی یا زیادتی ہو تو اس کی تنصیص لازم ہے تاکہ سامع یا قاری دونوں بزرگوں کے لفظوں کو ایک نہ سمجھے۔ اسی لیے امام ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بات پر نص ذکر کی ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اس استثنا کو ذکر نہیں کیا۔
- اذان وہ دے جس کی آواز زیادہ بلند ہو۔ البتہ مؤذن کا عربی زبان سے واقف ہونا شرط نہیں۔ [1] البتہ اذان میں ایسا لحن جلی جائز نہیں جو معنی بدل دے چاہے اذان دینے والے کو اس کا ادراک ہو یا نہ ہو۔ لہٰذا آللّٰـهُ اَكْبَرُ کہنا جائز نہ ہوگا کیونکہ اب جملہ اسمیہ جملہ استفہامیہ بن جائے گا۔ اور اَللّٰهُ اَكْبَارُ کہنا بھی درست نہیں۔ کیونکہ اَكْبَار بروزن اَسْبَاب ہے۔ جو سَبَب کی طرح کَبَر کی جمع ہے اور کَبَر طبل کو کہتے ہیں۔

اَللّٰهُ اَكْبَآر: بَا کی مد کے ساتھ بے شک ایسا کہنا بھی درست نہیں۔

آللّٰهُ اَكْبَرْ: الف کی مد کے ساتھ۔ یہ بھی درست نہیں کیونکہ اس طرح خبر پر حرفِ استفہام داخل ہو جائے گا جو جائز نہیں۔

وَلِلنَّسَائِيِّ : أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِلَالًا . اور سنن نسائی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو (اذان دینے کا) حکم ارشاد فرمایا۔ [2]

شرح: ......اس روایت سے یہ معلوم ہو گیا کہ اُمِرَ بِلَالٌ والی روایت میں حضرتِ بلال رضی اللہ عنہ کو امر کرنے والے کون

---

[1] شیخ رحمہ اللہ نے اس موقع پر اذان میں لحن کی متعدد مثالیں ذکر کی ہیں جن کا تعلق ہم عجمیوں سے نہیں۔ (نسیم)

[2] سنن النسائی: 3/2.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں؟ تو وہ خود نبی کریم ﷺ ہیں۔

اذان کی کیفیت

180- وَعَنْ أَبِيْ جُحَيْفَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((رَأَيْتُ بِلَالًا يُؤَذِّنُ وَ أَتَتَبَّعُ فَاهُ هٰهُنَا وَهٰهُنَا، وَإِصْبَعَاهُ فِيْ أُذُنَيْهِ)).

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے (حجۃ الوداع کے موقع پر) حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دیتے دیکھا اور میں ان کے منہ کا ادھر (سے) ادھر پیچھا کر رہا تھا۔ جبکہ (اذان دیتے ہوئے) ان کی دونوں انگلیاں ان کے کانوں میں تھیں۔ [1]

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ.

اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

وَلِابْنِ مَاجَهْ: وَجَعَلَ إِصْبَعَيْهِ فِيْ أُذُنَيْهِ.

اور سنن ابن ماجہ میں یہ الفاظ ہیں: اور انہوں نے اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں دے رکھا تھا۔ [2]

وَلِأَبِيْ دَاوُدَ: ((لَوَى عُنُقَهُ لَمَّا بَلَغَ ((حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ))، يَمِيْنًا وَشِمَالًا وَلَمْ يَسْتَدِرْ)).

اور سنن ابی داود کے یہ الفاظ ہیں: جب وہ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ (اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ) پر پہنچے تو انہوں نے اپنی گردن کو دائیں اور بائیں طرف موڑا البتہ خود نہ پھرے۔ [3]

وَأَصْلُهُ فِي الصَّحِيْحَيْنِ.

اس روایت کی اصل صحیحین میں ہے۔ [4]

غریب الحدیث: ...... أَتَتَبَّعُ فَاهُ: یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ حَيْعَلَتَيْنِ کے وقت اپنے منہ کو جو دائیں اور بائیں موڑ رہے تھے تو میری نظریں بھی اس کے ساتھ ساتھ گھوم رہی تھیں۔

فَاهُ: اس میں دو لغتیں ہیں فَاهُ اور فَمَهُ. یہ دونوں لغات صحیح ہیں۔ پہلی لغت کے اعراب بالحروف ہوتے ہیں یعنی الف، یا اور واؤ کے ساتھ جبکہ دوسری لغت کے اعراب بالحرکات ہوتے ہیں یعنی فتح، ضم اور کسر کے ساتھ۔ البتہ پہلی لغت زیادہ مشہور ہے۔

هٰهُنَا وَ هٰهُنَا: اِدھر اُدھر۔ صحیحین کی روایت میں یَمِيْنًا وَّ شِمَالًا کے الفاظ آتے ہیں یہی الفاظ سنن ابی داود کے بھی ہیں۔

وَ إِصْبَعَاهُ فِيْ أُذُنَيْهِ: یہ جملہ حالیہ ہے اور انگلیوں سے مراد شہادت کی انگلیاں ہیں۔ کیونکہ ایسا کرنے سے آواز زیادہ بلند ہوتی ہے۔ کیونکہ اس طرح آواز کا مخرج ایک ہی رہ جاتا ہے یعنی منہ۔ یوں آواز زیادہ بلند ہو کر نکلتی ہے۔ جبکہ کانوں کے کھلے ہونے کی صورت میں منہ سے نکلنے والی آواز کمزور ہوتی ہے اور یہ كُلّ بول کر جز مراد لینے کی قبیل سے ہے کیونکہ انگلی سے مراد پوری انگلی نہیں بلکہ اس کا سرا ہے اور اصبع کے ہمزہ پر فتح، ضم اور کسر تینوں حرکات پڑھتے جاتے ہیں۔

وَ جَعَلَ إِصْبَعَيْهِ فِيْ أُذُنَيْهِ: یہ ابن ماجہ کی روایت کے الفاظ ہیں جو پہلی روایت جیسے ہیں البتہ یہاں انگلیوں کو کانوں میں ڈالنے کی صراحت ہے۔

www.KitaboSunnat.com

[1] مسند احمد، 308/4- جامع الترمذي: 197- امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

[2] سنن ابن ماجه: 711- اس روایت کی سند میں حجاج بن ارطاۃ ہے جو ضعیف ہے۔

[3] سنن أبي داود: 634. [4] صحيح البخاري: 634- صحيح مسلم: 503.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَوَى عُنُقَهُ لَمَّا بَلَغَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ يَمِينًا وَّ شِمَالًا: ان الفاظ میں اس بات کی صراحت نہیں کہ کیا (1) دائیں طرف منہ صرف حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ کے وقت موڑا تھا اور اسی طرح بائیں طرف منہ صرف حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے وقت موڑا تھا۔ (2) یا دو دفعہ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ کہتے ہوئے منہ کو ایک دفعہ دائیں طرف اور دوسری دفعہ بائیں طرف موڑا تھا۔ اسی طرح حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے وقت بھی کیا؟ اور یہ قول اقویٰ ہے غرض شارحین حدیث دونوں طرف گئے ہیں اور غرض اس سے یہ ہے کہ صَلٰوۃ اور فَلاح کی آواز دونوں طرف پہنچ جائے۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں اذان دینے کی کیفیت کا بیان ہے کہ اذان دیتے ہوئے دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیوں کو کانوں کے سوراخ میں داخل کیا جائے۔ سینہ قبلہ کی جانب رہے، اذان کھڑے ہو کر دی جائے، بلند جگہ پر دی جائے اور حیعلتین کے وقت دائیں اور بائیں گردن موڑی جائے۔ البتہ سینہ قبلہ کی طرف سے نہ موڑا جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احکامِ شرعیہ کے سیکھنے کے بے حد حریص تھے جیسا کہ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دیتے ہوئے بڑے شوق سے دیکھ رہے تھے تاکہ اذان دینے کا مسنون طریقہ سیکھ سکیں۔
- اذان میں حَيَّعَلَتَيْنِ کے وقت دائیں بائیں منہ موڑنا مشروع ہے اور اس کو مذکورہ بالا دونوں طریق سے موڑا جا سکتا ہے۔ البتہ تحقیقی قول یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے وقت اس دائیں بائیں کے التفات کی اب ضرورت نہیں رہی۔ ہاں اگر کسی جگہ لاؤڈ اسپیکر نہ ہو یا کوئی منارہ ہو تو التفات کیا جائے اور جب بھی کیا جائے گا تو صرف گردن موڑنے کی حد تک کیا جائے، سینہ نہ پھیرا جائے گا اور بدن کا نہ پھیرنا تو بدرجۂ اولیٰ ہوگا۔
- اذان دیتے ہوئے دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیوں کو کانوں میں داخل کرنا مسنون ہے اور یہ سنت لاؤڈ اسپیکر کے ہوتے ہوئے بھی باقی ہے۔ البتہ چاروں انگلیوں کو پورے کان پر رکھ کر اذان دینا غیر مسنون ہے۔

اذان بلند آہنگ اور خوبصورت آواز والا دے

181- وَعَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَعْجَبَهُ صَوْتُهُ فَعَلَّمَهُ الْأَذَانَ. رَوَاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ان کی آواز بڑی پسند آئی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں اذان سکھلائی۔ [1] اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:......أَعْجَبَهُ: یعنی اس کو اچھا جانا، پسند فرمایا۔ یہاں إِعْجَاب بمعنی إِسْتِحْسَان ہے۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اذان وہ دے جس کی آواز بہت اچھی ہو اور دوسرے یہ کہ ولیِ امر کو اذان کی تعلیم خود دینی چاہیے۔

فائدہ:......امام وقت اور ولیِ امر کے حق میں صوم وصلوٰۃ اور اذان واقامت کی دوسروں کو تعلیم دینا معیوب نہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا طریقہ خود سکھلایا تھا۔ لہٰذا حکام وسلاطین کو بھی نبی کریم ﷺ کی

---

[1] صحيح ابن خزيمه: 377- سنن الدارمي: 1196- ابن دقیق العید کہتے ہیں: اس حدیث کی سند صحیحین کی شرط پر ہے۔ ابن سکن نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (دیکھیں نصب الراية: 268/1- تحفة المحتاج: 271/1)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اقتدا میں اذان واقامت کی تعلیم خود دینی چاہیے۔

نمازِ عید کے لیے اذان اور اقامت مشروع نہیں

182,183- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: ((صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْعِيدَيْنِ ، غَيْرَ مَرَّةٍ وَّلَا مَرَّتَيْنِ ، بِغَيْرِ أَذَانٍ وَّلَا إِقَامَةٍ)) . رَوَاهُ مُسْلِمٌ . وَنَحْوُهُ فِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا وَغَيْرِهِ .

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیدین کی نماز کئی بار ادا کی جو اذان اور اقامت کے بغیر ہوتی تھی۔ [1]

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

اور صحیحین میں بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایسی ہی حدیث مروی ہے۔ [2]

غریب الحدیث: ...... مَعَ النَّبِيِّ ﷺ: یہ معیت اجتماع فی المکان کو مقتضی ہے۔

اَلْعِيدَيْنِ: مراد عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہے۔

بِغَيْرِ اَذَانٍ وَ لَا اِقَامَةٍ: یعنی جب عیدین کی نماز کا وقت داخل ہو جاتا تھا تو اذان اور اقامت کہے بغیر یہ نماز ادا کر دی جاتی تھی۔ عید کی نماز آفتاب کے طلوع کے بعد ایک نیزہ کے بقدر بلند ہو جانے پر ادا کی جاتی ہے۔

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث کا مضمون واضح ہے کہ نمازِ عید میں اذان اور اقامت غیر مشروع ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے ہی عید گاہ میں داخل ہوتے تھے عید کی نماز کھڑی کر دی جاتی تھی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- عیدین کی نماز باجماعت ادا کی جائے گی جس کی دلیل یہ الفاظ ہیں: صليت مع النبي . اسی لیے بعض علماء نے جماعت کو عید کی نماز کی صحت کی شرط قرار دیا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی عید کی نماز باجماعت ادا کرنے سے رہ گیا تو اس کے لیے عید کی قضا مشروع نہ ہوگی اور یہی راجح قول ہے۔ [3] کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی قضا ادا کرنے کا امر منقول نہیں اور نہ کسی صحابیہ نے قضا ہو جانے والی عید کا اعادہ کیا تھا۔
- عیدین میں اذان واقامت غیر مشروع ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نمازوں کو اسی طرح ادا فرمایا ہے۔
- اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی شے کے سبب کے ہوتے ہوئے بھی اس کو ترک فرماتے ہیں تو یہ اس کے غیر مشروع ہونے کی دلیل ہوگی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ کسی شے کے سبب کے وجود کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی شے کے ترک سے استدلال جائز ہے۔
- یہیں سے یہ اہم قاعدہ بھی معلوم ہو گیا کہ ''دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جس بات کا سبب موجود تھا، اس کے باوجود اس کو اختیار نہ کیا گیا تو بعد میں اس کو اختیار کرنا بدعت کے زمرہ میں داخل ہوگا۔''

---

[1] صحيح مسلم: 887 . [2] صحيح البخاري: 959- صحيح مسلم: 886 .

[3] الفتاوى لابن تيميه رحمہ اللہ: 182/24- امام نووی رحمہ اللہ "المجموع" (5/5) میں لکھتے ہیں: اس بارے دو اقوال ہیں۔ اصح قول یہ ہے کہ عید کی قضا مستحب ہے۔ (دیکھیں: الانصاف للمرداوی: 381/4)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ یہیں ان فقہاء حضرات پر بھی ردّ ہو گیا جو اس بات کے قائل ہیں کہ عیدین کے لیے اذان و اقامت تو نہ کہی جائے البتہ اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ کے الفاظ کے ساتھ ایک منادی کرادی جائے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ایسی کسی بات کا ذکر نہیں ملتا اور عیدین کو صلوٰۃِ کسوف وخسوف پر بھی قیاس نہ کیا جائے کیونکہ عبادات میں نصوص چلتی ہیں نہ کہ قیاسات۔

◈ البتہ اگر بدلی کے دن شوال کے دخول کا علم نہ ہونے پائے اور شہادتیں اکٹھی کرتے اور فلکی تحقیق کرتے کرتے صبح ہو جائے تو ایسے مواقع پر بازاروں اور گلی کوچوں میں شوال داخل ہو جانے اور عید کی نماز کی تیاری کرنے کا اعلان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قضا نماز کو باجماعت ادا کرنے کا بیان

184- وَعَنْ أَبِيْ قَتَادَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - فِي الْحَدِيْثِ الطَّوِيلِ فِي نَوْمِهِمْ عَنِ الصَّلَاةِ ((ثُمَّ أَذَّنَ بِلَالٌ ، فَصَلَّى النَّبِيُّ ﷺ كَمَا كَانَ يَصْنَعُ كُلَّ يَوْمٍ)).

رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

ایک طویل حدیث میں جس میں سب لوگوں کے نماز سے سوتے رہ جانے کا قصہ مذکور ہے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے (بیدار ہونے کے بعد حسبِ معمول) اذان دی اور نبی کریم ﷺ نے (اسی طرح) نماز پڑھائی جس طرح روزانہ پڑھا کرتے تھے۔ ❶

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

قصۂ حدیث :...... یہ ایک سفر کا قصہ ہے جس میں رات دیر تک سفر جاری رہا۔ آخری رات میں جب اہل قافلہ نے پڑاؤ ڈالا تو شدید تکان کی وجہ سے سب لوگ حتیٰ کہ خود نبی کریم ﷺ بھی صبح کی نماز سے سوتے رہ گئے اور تب آنکھ کھلی جب سورج قدرے بلند ہو گیا تھا اور اس کی دھوپ میں حرارت بھی پیدا ہو گئی تھی۔ بیدار ہوتے ہی آپ ﷺ نے اس جگہ سے فوراً کوچ کرنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ ''اس جگہ ہمارے پاس شیطان آ گیا تھا۔'' پھر ایک جگہ پڑاؤ ڈال کر نمازِ فجر حسبِ معمول اذان، اقامت، جماعت اور جہر کے ساتھ ادا فرمائی کیونکہ كَمَا يَصْنَعُ كُلَّ يَوْمٍ . کے الفاظ کا مقتضیٰ یہی ہے۔

مضمون حدیث :...... حدیث کا مضمون واضح ہے کہ اگر اکثر یا سب لوگوں کی ایک نماز قضا ہو جائے تو اس کو حسبِ معمول قضا ادا کرنا جائز ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ دوسرے انسانوں کی طرح نبی کریم ﷺ کو بھی نیند آتی تھی۔ یہ امر واضح ہے اور یہ امر اس حدیث کے معارض نہیں جس میں یہ ارشاد ہے کہ ''میری آنکھیں تو سو جاتی ہیں مگر دل نہیں سوتا۔'' کیونکہ فجر کا ادراک آنکھوں سے ہوتا ہے نہ کہ دل سے۔

◈ نبی کریم ﷺ نے اس قصہ میں بیدار کرنے کی ذمہ داری حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد کی تھی بلکہ یہ ذمہ داری انہوں نے خود ذمہ لی تھی مگر وہ بھی سوتے رہ گئے تھے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان کی ذرا بھی سرزنش نہ فرمائی جو نبی کریم ﷺ کے حسنِ اخلاق کی دلیل ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کے دریافت کرنے پر انہوں نے یہ عرض کیا تھا کہ ''مجھے بھی اسی نیند نے آ لیا تھا جس نے آپ ﷺ کو آ لیا تھا۔'' آپ ﷺ نے یہ جواب سن کر بھی انہیں کچھ نہ کہا تھا۔

❶ صحيح مسلم: 681 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ کیا جس جگہ نماز سے سب سوتے رہ جائیں وہاں سے کوچ کر جانا افضل ہے کیونکہ شیطان آیا ہوتا ہے؟ تو اس بارے علماء کے مختلف اقوال ہیں جو یہ ہیں:

⊙ ...... اگر سفر میں یا ایک کمرے میں یہ واقعہ پیش آئے کہ نمازِ فجر سے سب رفقا سوتے رہ جائیں تو بیدار ہونے پر وہ جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ نماز ادا کی جائے اور گھر میں دوسرے کمرے میں جا کر نماز ادا کی جائے۔

⊙ ...... جبکہ ایک قول یہ ہے کہ ایسا کرنا مشروع نہیں، کیونکہ شیطان کا آنا یا نہ آنا امورِ غیبیہ میں سے ہے جس پر سب کا مطلع ہونا لازمی نہیں لہٰذا بیدار ہونے پر وہیں نماز ادا کی جائے۔

⊙ ...... ایک قول یہ ہے کہ یہ امر نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص تھا۔ کیونکہ آپ ﷺ رب تعالیٰ کی مشیت سے شیطان کے حاضر ہونے پر مطلع ہو گئے تھے۔ غرض اس قضیہ کے قضیۂ معینہ ہونے اور عام ہونے میں اختلاف ہے۔ البتہ اولیٰ یہ ہے کہ وہ جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ نماز ادا کی جائے۔

◈ اگر سب نماز سے سوتے رہ جائیں تو اذان ساقط نہیں ہوتی۔ یہ حکم سفر وغیرہ کا ہے۔ البتہ شہر میں شہر کی اذان کافی ہے۔

◈ اذان فعلِ صلوٰۃ کا اعلان ہے نہ کہ وقت کا، اسی لیے نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فوت شدہ نماز کی اذان دینے کا حکم دیا تھا۔

◈ اگر فجر کی سنتیں فرض سمیت قضا ہوں تو ان کو بھی قضا کیا جائے گا جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے یہاں پہلے سنتیں ادا کیں پھر فرض ادا کیا۔ یہ حکم طلوعِ آفتاب کے بعد کا ہے اور اگر طلوع سے اتنی دیر قبل آنکھ کھلے کہ صرف فرض ہی پڑھ سکتے ہیں تب بھی پہلے سنت ادا کریں گے بعد میں فرض۔ چاہے فرضوں کا وقت نکل بھی جائے کیونکہ سوتے رہ جانے والے کے حق میں نماز کا وقت وہ ہے جب وہ بیدار ہو، جیسا کہ حدیث میں بھی آتا ہے کہ ''جو نماز سے سوتا رہ گیا یا اس کو بھول گیا تو جب نماز یاد آئے اس کو پڑھ لے۔'' [1]

◈ معلوم ہوا کہ اگر جہری نماز کی قضا دن میں کی جائے گی تو جہر کے ساتھ کی جائے گی اور اگر رات کو دن کی نماز کی قضا ادا کرے گا تو اسے سراً پڑھے گا۔ جس کی دلیل یہ الفاظ ہیں: ''جیسا کہ آپ ﷺ روزانہ کیا کرتے تھے۔''

◈ اسی طرح حضر کی قضا نماز سفر میں پوری اور سفر کی قضا نماز حضر میں قصر ادا کی جائے گی۔

◈ قضا نماز میں بھی جماعت مشروع ہے۔

جمع بین الصلوٰتین کا بیان

185۔ وَلَهُ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَتَى الْمُزْدَلِفَةَ فَصَلَّى بِهَا الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ، بِأَذَانٍ وَاحِدٍ وَإِقَامَتَيْنِ)).

اور صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ مزدلفہ پہنچے۔ پس آپ ﷺ نے وہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں (جمع کرکے) ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمائیں۔ [2]

186۔ وَلَهُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما: ((جَمَعَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِإِقَامَةٍ

اور صحیح مسلم میں ہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نمازوں کو ایک اقامت کے

[1] صحيح البخاري: 597، صحيح مسلم: 684. [2] صحيح مسلم: 1218

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاحِدَةٍ)).

ساتھ جمع (کر کے ادا) فرمایا۔ ❶

وَزَادَ أَبُو دَاوُدَ: ((لِكُلِّ صَلَاةٍ)).

اور سنن ابی داود میں یہ الفاظ مزید ہیں: ہر نماز کے لیے۔ ❷ (اقامت کہہ کر دونوں کو جمع فرمایا)۔

وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ: ((وَلَمْ يُنَادِ فِي وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا)).

اور سنن ابی داود ہی کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں: اور ان دونوں میں سے کسی نماز کے درمیان اذان نہ دی۔ ❸

نابینا کی اذان کا حکم

187,188- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَعَائِشَةَ ﷺ قَالَا: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ، فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ، وَكَانَ رَجُلًا أَعْمَى لَا يُنَادِي، حَتَّى يُقَالَ لَهُ: أَصْبَحْتَ، أَصْبَحْتَ)).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، یہ دونوں حضرات بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''بلال (ابھی) رات (کا وقت باقی ہوتا ہے کہ اس) میں ہی اذان دے دیتے ہیں پس تم (بلال کی اذان سن کر سحری کھانے سے نہ رکو اور) کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ابنِ ام مکتوم اذان دے۔'' ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ایک نابینا آدمی تھے جو اذان نہ دیتے تھے، یہاں تک کہ انہیں یہ کہہ دیا جاتا کہ صبح ہو گئی ہے، صبح ہو گئی ہے۔ ❹

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي آخِرِهِ إِدْرَاجٌ)).

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور اس روایت کے آخر میں ادراج ہے۔

مضمون حدیث :...... حدیث کا مضمون واضح ہے کہ جب تک فجر طلوع نہ ہو جائے سحری کھانا جائز ہوتا ہے اور نمازِ فجر مباح نہیں ہوتی چاہے اذان بھی دے دی جائے۔

درایۃ الحدیث :...... ادراج کا لغوی معنی ہے داخل کرنا اور شامل کرنا۔ لہٰذا لغت میں مُدرَج اس شے کو کہیں گے جس کو داخل اور شامل کیا گیا ہو۔ اصطلاح میں حدیث کے غیر کو حدیث میں داخل کرنے کو ادراج کہتے ہیں اور مُدرَج وہ حدیث کہلاتی ہے جس میں غیر حدیث داخل ہو۔ مدرج کی دو قسمیں ہیں: (1) مدرج الاسناد (2) مدرج المتن ❺

یہاں مدرج کی دوسری قسم مراد ہے کہ حدیث کے متن میں غیرِ متن کو داخل کیا گیا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ معلوم ہوا کہ اذان نابینا بھی دے سکتا ہے بشرطیکہ اسے خود یا دوسرے کے بتلانے سے نمازوں کے اوقات کی معرفت حاصل ہو۔ جیسا کہ اس روایت میں ذکر ہے کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ایک نابینا صحابی رضی اللہ عنہ تھے جو اذان دیتے تھے اور دوسرے کے بتلانے سے انہیں وقت کی معرفت حاصل ہوتی تھی اور نبی کریم ﷺ نے ان کے اذان دینے کو برقرار رکھا تھا۔

---

❶ صحیح مسلم: 1288. ❷ سنن ابی داود: 1927. ❸ سنن ابی داود: 1928.

❹ صحیح البخاری: 617- صحیح مسلم: 1092.

❺ علوم الحدیث، ص: 173- (تسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ موذن دوسرے کی خبر پر اعتماد کرسکتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ دوسرے سے یہ سن کر فجر کی اذان دیتے تھے کہ صبح ہوگئی ہے۔

◈ اس مسئلہ کو گزشتہ اوراق میں تفصیلاً ذکر کیا جا چکا ہے کہ کب تک سحری کھانا جائز ہے اور کب نمازِ فجر مباح ہوتی ہے۔

طلوعِ فجر سے قبل دی جانے والی اذان کا حکم

189- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ((أَنَّ بِلَالًا أَذَّنَ قَبْلَ الْفَجْرِ، فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَرْجِعَ فَيُنَادِيَ: أَلَا إِنَّ الْعَبْدَ نَامَ)).

رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَضَعَّفَهُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فجر (طلوع ہونے) سے قبل اذان دے دی تو نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ لوٹ کر (لوگوں میں) اس بات کا اعلان کریں کہ (لوگو!) سن لو کہ (اللہ کا یہ) بندہ سو گیا تھا (اسے معلوم نہ تھا کہ ابھی فجر ہوئی ہے یا نہیں اور اس نے اذان دے دی)۔ ❶

امام ابوداؤد نے اس حدیث کو روایت کر کے اسے ضعیف کہا ہے۔

مضمون حدیث:...... اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ فجر کی قبل از وقت دی جانے والی اذان غیر معتبر ہے۔ کیونکہ لوگ اس اذان کو صحیح سمجھ کر سحری کھانے سے رک جائیں گے جبکہ دوسرے لوگ نماز پڑھنے میں لگ جائیں گے جو ناوقت میں ادا ہوگی۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس بات کا حکم ارشاد فرمایا کہ وہ لوٹ کر لوگوں کو اس بات سے آگاہ کریں کہ ناوقت اذان دینے میں ان سے خطا ہوئی ہے۔

غریب الحدیث:...... إِنَّ الْعَبْدَ: اس سے مراد خود حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہیں۔

نَامَ: یعنی نیند کے غلبہ سے بیدار ہو کر انہوں نے وقت کا صحیح اندازہ لگائے بغیر اذان دے دی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ گو کہ یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ لیکن بالفرض اگر اس حدیث کو صحیح مان لیا جائے تب مطلب یہ بنے گا کہ اگر موذن فجر سے قبل اذان دے بیٹھے تو اس کے ذمہ لوگوں کو اس بارے آگاہ کرنا لازم ہے تاکہ سحری کھانے والے کھانے سے رک نہ جائیں اور دوسرے لوگ ناوقت نماز نہ پڑھ بیٹھیں۔

◈ معلوم ہوا کہ خطا ہو جانے پر رجوع الی الحق واجب ہے۔

◈ آدمی خود کو نااہل، نالائق، ناسمجھ وغیرہ الفاظ کے ساتھ تعبیر کرسکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے خود کو "العبد" کہا اور اس زمانہ میں عبد یعنی غلام عموماً غبی اور چیزوں کے سمجھنے سے نااہل ہوتے تھے۔

---

❶ سنن ابی داود: 532۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں: اس حدیث کو ایوب سے صرف حماد بن سلمہ نے روایت کیا ہے، امام موصوف رحمہ اللہ "فتح الباری" (103/2) میں فرماتے ہیں: ائمہ محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس حدیث کو مرفوع بیان کرنے میں حماد نے خطا کی ہے۔ درست یہ ہے کہ یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے۔ اس کے باوجود "سنن البیهقی" (383/1) میں سعید بن زربی کے طریق سے اس حدیث کا ایک متابع ہے۔ سعید نے اس روایت کو ایوب سے موصول روایت کیا ہے۔ لیکن سعید بن زربی خود ایک ضعیف راوی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اذان سن کر اس کا ساتھ ساتھ جواب دینا

190- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تم (نماز کی) اذان سنو تو (اس کے جواب میں) وہی کہو جو موذن کہتا ہے۔''[1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

191- وَلِلْبُخَارِيِّ عَنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ مِثْلُهُ.

اور صحیح بخاری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی حدیث مروی ہے۔[2]

شرح:......نداء سے مراد نماز کی نداء یعنی نماز کی اذان ہے۔

فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُ: بظاہر ان الفاظ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب موذن اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہے تو سننے والا بھی اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہے۔ اسی طرح کسی استثنا کے بغیر آخر تک کہے۔ لیکن ایسا نہیں۔ اسی لیے امام موصوف آگے صحیح مسلم کی روایت ذکر کر رہے ہیں جس میں ایک استثنا مذکور ہے، جو یہ ہے:

192- وَلِمُسْلِمٍ عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ فِي فَضْلِ الْقَوْلِ كَمَا يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُ كَلِمَةً كَلِمَةً، سِوَى الْحَيْعَلَتَيْنِ، فَيَقُوْلُ: ((لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ)).

اور صحیح مسلم میں (موذن کی اذان کے) جواب کی فضیلت کی بابت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ اسی طرح ایک ایک کلمہ کہے جیسے موذن کہتا ہے سوائے حَيْعَلَتَيْنِ کے کہ (ان کے جواب میں) یہ کہے: لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ[3] یعنی ''برائی سے بچانے اور نیکی کی توفیق دینے والا سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں۔''

غریب الحدیث:......فِيْ فَضْلِ الْقَوْلِ: یعنی اذان کا جواب دینے کی فضیلت کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت صحیح مسلم میں ہے جس میں یہ ارشاد ہے کہ ''جس نے موذن کی اذان کا اسی طرح جواب دیا جس طرح اس نے اذان کہی ہے سوائے حَيْعَلَتَيْنِ کے کہ ان کے جواب میں لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہے، پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے اور نبی کریم ﷺ کے لیے وسیلہ کی دعا کرے تو اس کے لیے نبی کریم ﷺ کی شفاعت لازم ہو جاتی ہے۔''[4]

حَيْعَلَتَيْنِ: یہ حَيْعَلَةٌ کی تثنیہ ہے۔ اسے اسم منحوت کہتے ہیں۔ یہ وہ اسم ہوتا ہے جو دو کلمات سے مل کر بنا ہو۔ چنانچہ حَيْعَلَةٌ یہ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ میں مذکور حَيَّ اور عَلٰى سے مل کر بنا ہے۔ ان کے جواب میں لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہنا چاہیے۔ کیونکہ موذن دَاعِي اِلَى الصَّلٰوةِ ہے اور سامع مَدْعُوّ ہے۔ اگر سامع بھی جواب میں حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ کہے گا تو وہ داعی اور مدعو دونوں بن جائے گا جو خلاف موضوع ہے۔ اور جو یہ کہتا ہے کہ وہ پہلے حَيْعَلَتَيْنِ پڑھے اور پھر لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھے یعنی دونوں کو جمع کرے تو یہ قول بھی ضعیف ہے۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ موذن کے ایک ایک کلمہ کا اسی طرح جواب

---

[1] صحيح البخاري: 611- صحيح مسلم: 383.
[2] صحيح البخاري: 612.
[3] سنن ابی داود: 529، جامع الترمذي: 211.
[4] صحيح مسلم: 385.

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا جائے جس طرح وہ کہتا ہے۔ چنانچہ جب وہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتا ہے تو یہ بھی اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہے اسی طرح آخر تک سوائے حَیْعَلَتَیْنِ کے کہ ان کے جواب میں لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ یہ رب تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اس عبادت کی خاطر رب تعالیٰ نے اس کو بھی اس عبادت میں سے حصہ دیا ہے جو اس کو قائم نہیں کر رہا۔ کیونکہ بلاشبہ اذان کی عبادت قائم کرنے والا تو موذن ہے۔ چنانچہ اس کی پیروی میں جواب دینے والے کو بھی اس عبادت میں شریک کیا گیا۔

◈ معلوم ہوا کہ اذان اچھی طرح سنے تاکہ معلوم ہو کہ موذن نے اب کیا کہا ہے تاکہ اس کا ٹھیک طرح سے جواب دے سکے۔ چنانچہ اگر اچھی طرح سن نہ پائے یا موذن کے دُور ہونے کی وجہ سے اس کی آواز اس قدر دھیمی ہو کہ الفاظ واضح نہ ہو رہے ہوں تو موذن کی متابعت مشروع نہ ہوگی۔

◈ اذان کی متابعت مشروع ہے۔ لیکن یہ متابعت واجب ہے یا مستحب؟ تو علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ وجوب کے قائلین کا استدلال "فَقُوْلُوْا" کے کلمہ سے ہے کہ یہ امر ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ لیکن جمہور علماء اس کے قائل ہیں کہ اذان کا جواب دینا مستحب ہے۔ ❶ ان کی دلیل یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ "جب نماز کا وقت ہو جائے تو چاہیے کہ تم میں سے ایک اذان دے۔" ❷ تو یہ نہ ارشاد فرمایا: "اور باقی کے لوگ اس کی اذان کا جواب دیں۔" کہ اگر اذان کا جواب واجب ہوتا تو آپ ﷺ اس موقع پر یہ ضرور فرماتے۔ لہٰذا صحیح یہ ہے کہ اذان کا جواب دینا واجب نہیں البتہ سنتِ مستحبہ ہے۔ لہٰذا اس کو بالدوام ترک کر دینا مناسب نہیں۔

◈ حدیث کے الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جس حال میں اور جس جگہ میں بھی ہو اذان کا جواب دے لے۔ کیونکہ حدیث مطلق ہے اور یہ اطلاق باقی ہے الا کہ کوئی دلیل ہو۔ لہٰذا حمام میں اذان کا جواب نہ دینے پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ حمام میں ذکر کی ممانعت کی کوئی واضح دلیل نہیں۔ لہٰذا آدمی علم کے حلقہ میں ہو یا قرآن کی تلاوت کر رہا ہو، اذان کا جواب دے کہ اس وقت تلاوت سے افضل اذان کا جواب دینا ہے۔ کیونکہ یہ ذکر مقید بالزمان ہے۔ جبکہ قراءت کسی بھی وقت کی جا سکتی ہے۔ یہی ضابطہ جملہ اذکارِ مقیدہ بالزمان میں بھی ہے کہ اس وقت میں وہی اذکار افضل ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا مختار مذہب یہ ہے کہ نماز میں بھی اذان کا جواب دے کیونکہ اجابتِ موذن ذکر ہے اور ذکر نماز کے منافی نہیں۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ نماز میں اذان کا جواب نہ دے۔

◈ یہ مثلیت اصلِ ذکر میں ہے۔ لہٰذا موذن کی طرح بلند آواز کے ساتھ اس کو جواب نہ دے۔ دوسرے موذن دوسرے کے لیے اذان دے رہا ہوتا ہے جبکہ یہ صرف موذن کو جواب دے رہا ہوتا ہے۔ اس لیے دونوں کے حال کا فرق بھی اس بات کو مقتضی ہے کہ اذان کا جواب بلند آواز کے ساتھ نہ ہو۔

◈ حدیث کا اطلاق کا مقتضی یہ ہے کہ ایک کے بعد اگر دوسرا موذن اذان دے تو اس کو بھی جواب دے۔ البتہ اگر یکبارگی

---

❶ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب کا قول ہے کہ موذن کے ہر کلمہ کا جواب دینا مستحب ہے۔ (المجموع: 291/1)

❷ یہ حدیث آ..ے آ رہی ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متعدد اذانیں شروع ہو جائیں اور ہر ایک کو الگ الگ جواب دینے میں شدید دشواری پیش آئے تو صرف پہلے موذن کی اذان کا جواب متوجہ اور مرتکز ہو کر دے دے۔

◈ کیسٹ کی اذان صدا کے حکم میں ہے نہ کہ صوت یعنی آواز کے حکم میں لہٰذا اس کی اجابت واجب نہیں۔ کیونکہ بسا اوقات کیسٹ میں جس موذن کی اذان ریکارڈ ہوتی ہے اسے مرے ہوئے بھی ایک مدت ہو چکی ہوتی ہے اور اب وہ اجابت کا مستحق نہیں رہا۔

◈ نماز ادا کر لینے کے بعد اگر کسی دوسری مسجد کی اذان سنی تو فقہاء کرام ؒ کا مختار قول یہ ہے کہ اب اس اذان کا جواب دینا لازم نہیں رہا۔ کیونکہ موذن اذان میں نماز کو آنے کی دعوت دیتا ہے اور یہ نماز ادا کر چکا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے جواب دینا مشروع نہیں رہا۔

◈ حَیْعَلَتَیْنِ کے جواب میں لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہنے کی مشروعیت کی حکمت یہ ہے کہ سامع مدعو ہے اور یہ کلمہ کلمۂ استعانت ہے۔ گویا کہ سامع یہ کہہ رہا ہے کہ اے اللہ! میں نے سنا اور مانا اور اب میں اس پر عمل کے لیے تیری اعانت کا طلب گار ہوں۔

◈ بہرا آدمی اگر موذن کو اذان دیتے دیکھے گا تو اذان کا جواب دے گا۔ کیونکہ اس کے حق میں سننا متعذر ہے۔

◈ اذان کا جواب کلمہ کلمہ کر کے دے۔ چنانچہ جب وہ ایک کلمہ کہے تو سننے والا بھی ایک کلمہ کہے، لہٰذا اگر کسی نے اذان پوری ہو جانے کے بعد اذان کا جواب دیا تو یہ غیر مسنون ہوگا۔

◈ حدیث کے ظاہر سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اذانِ فجر میں اَلصَّلٰوةُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کے جواب میں بھی یہی کلمہ کہے کیونکہ حدیث میں صرف حَیْعَلَتَیْنِ کا استثنا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کے جواب میں بھی لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہے کیونکہ یہ خیر طلب کے معنی میں ہے لہٰذا کلمۂ استعانت کے ذریعے رب تعالیٰ سے مدد مانگے۔ گویا کہ وہ یہ کہے گا کہ اے اللہ! میں نیند چھوڑ کر تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، پس تو میری مدد فرما۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ اس کے جواب میں صَدَقْتَ وَ بَرَرْتَ کہے۔ [1] بلاشبہ یہ قول ظاہر سنت کے موافق و مناسب ہے۔

اذان دینے پر اجرت لینے کا بیان

193۔ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ ؓ أَنَّهُ قَالَ: ((یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: اجْعَلْنِي إِمَامَ قَوْمِي، فَقَالَ: ((أَنْتَ إِمَامُهُمْ، وَاقْتَدِ بِأَضْعَفِهِمْ، وَاتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا یَأْخُذُ عَلَی أَذَانِهِ أَجْرًا)).

حضرت عثمان بن ابی العاص ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے (خدمت نبوی میں) عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے اپنی قوم کا امام بنا دیجیے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تم اپنی قوم کے امام ہو اور ان میں سے سب سے کمزور کی پیروی کرنا اور ایسے شخص کو موذن بنانا جو اپنی اذان دینے کی اجرت نہ لیتا ہو۔“ [2]

[1] الفروع لابن مفلح: 281/1۔ المجموع للنووی: 125/3۔ مواهب الجلیل: 444/1.

[2] سنن ابی داود: 531۔ جامع الترمذی: 209۔ سنن النسائی: 23/2۔ سنن ابن ماجه: 714۔ مسند احمد: 21/4۔ امام عجلونی ؒ "کشف الخفاء" (564/1) میں کہتے ہیں: اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام ابن خزیمہ (423) اور امام حاکم (314/1) نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ . اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے جب کہ امام ترمذی نے اسے حسن اور امام حاکم نے صحیح کہا ہے۔

شرح ...... **معرفة الصحابة** :حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بنو ثقیف سے تھے اور نبی کریم ﷺ نے انھیں طائف کا عامل بنایا تھا۔

غريب الحديث:......اجْعَلْنِيْ إِمَامَ قَوْمِيْ :......مراد نماز کی امامت ہے۔

أَنْتَ إِمَامُهُمْ :......یعنی تم نماز میں ان کے امام ہو۔ اور امامت صلوٰۃ کا عقد ولایت ہے کیونکہ جو نمازوں کی امامت کا عقد کرتا ہے وہ دراصل ولی الامر ہوتا ہے۔

وَاقْتَدِ بِأَضْعَفِهِمْ :......یعنی اگر کچھ لوگ لمبی قراءت کرنے کو اور کچھ مختصر قراءت کرنے کو کہیں تو اس باب میں کمزوروں کی رعایت کرنا۔

وَاتَّخِذْ مُؤَذِّنًا:......موذن مقرر کرنے کی ذمہ داری آپ ﷺ نے امام کے سپرد فرمائی۔

لَا يَأْخُذُ عَلَى أَذَانِهِ أَجْرًا :......اجر سے مراد اجرت اور معاوضہ ہے چاہے مقرر معاوضہ ہو یا مسجد کے متولیان کی رائے کے سپرد ہو اور چاہے نقدی کی صورت میں ہو یا اجناس وغیرہ کی صورت میں کہ موذن اذان کہنے کا معاوضہ نہ لے۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں متعدد مسائل ذکر کیے گئے ہیں جو یہ ہیں:

1۔ امامت کا منصب طلب کر سکتے ہیں۔

2۔ امامت میں کمزوروں کی رعایت کی جائے۔

3۔ موذن مقرر کرنا امام کی ذمہ داری ہے۔

4۔ اذان کی اجرت نہ لی جائے۔ ان مسائل کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ امامت طلب کر سکتے ہیں، البتہ امارت طلب کرنے کو منع فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ امامت ایک دینی منصب ہے جبکہ امارت میں ایک گونہ اقتدار و اختیار بھی ہوتا ہے اس لیے اس میں حظ نفس بھی ہو سکتا ہے اسی لیے امارت طلب کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ البتہ جو واقعی امارت کا اہل بھی ہو اور اس منصب کا صحیح حق ادا کرنے والا بھی ہو تو وہ طلب کر سکتا ہے اور یہ بے حد عمدہ توجیہ ہے۔ جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ بیت المال ضائع ہو رہا ہے اور کسی میں اس کے سنبھالنے کی قابلیت و صلاحیت اور اس منصب کے لائق امانت و دیانت نہیں تو آگے بڑھ کر اس عہدے کو طلب فرما لیا۔

◈ اماموں کا مقرر کرنا حاکم و والی کی ذمہ داری ہے۔ کیونکہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ نے امام مقرر فرمایا تھا اور آپ ﷺ ولی امر تھے۔ فی زمانہ وزارت مذہبی امور اس باب میں والی کی نائب ہے لہٰذا مساجد کے ائمہ کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقرر کرنا وزارتِ مذہبی امور کی اور محکمہ اوقاف کی ذمہ داری ہے۔ اس بنا پر اہل محلّہ کے مقرر کردہ امام پر وزارتِ مذہبی امور کا مقررہ امام مقدم ہوگا۔ البتہ ایسے موقع پر وزارتِ مذہبی امور دونوں ائمہ میں موازنہ ضرور کر لے اور اسے برقرار رکھے جو اس منصب کا زیادہ اہل ہو اور جہاں اسلامی حکومت نہ ہو وہاں اہل محلّہ کا مقررہ امام ہی مقدم ہوگا۔

- جملہ احوال اور شب و روز کے معاملات میں کمزوروں کی رعایت لازم ہے حتیٰ کہ نماز جیسی اہم ترین عبادت میں بھی کمزوروں کی رعایت کی جائے۔ کیونکہ کمزوروں کی رعایت میں اقویا کا ضرر نہیں جبکہ اقویا کی رعایت میں کمزوروں کو مشقت میں ڈالنا ہے۔
- بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ موذن کا مقرر کرنا امام کی ذمہ داری ہے۔ لیکن چونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو طائف کا امیر اور والی مقرر فرمایا تھا اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا موذن مقرر کرنا بحیثیت امام کے نہ تھا بلکہ بحیثیت والی اور امیر کے تھا۔
- حاکم اور والی کو چاہیے کہ وہ اپنے ماتحتوں کو نیک باتوں کی وصیت کرتا رہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مذکورہ بالا وصیتیں فرمائی تھیں۔
- مناسب تو یہی ہے کہ جو موذن اجرت مانگتا ہو اسے مقرر نہ کیا جائے اسی لیے حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے اذان اور اقامت کی اجرت کے حرام ہونے پر تنصیص کی ہے۔ ❶ البتہ فی زمانہ موذن کو جو رقم دی جاتی ہے یہ اس کے وقت کا بدل اور مصالح عامہ کے اعتبار سے ہے۔ جیسا کہ امامت اور علومِ دینیہ کی تدریس کی اجرت بطور معاوضہ اور تنخواہ کے نہیں بلکہ مصالح عامہ اور وقت کا عوض کے اعتبار سے ہے اور مصالح عامہ میں مساجد کا انتظام و انصرام، اذان و اقامت کو جاری رکھنا اور علوم دینیہ کی نشر و اشاعت سرفہرست ہے۔

نماز کے لیے اذان دینے کا بیان

194- وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ لَنَا النَّبِيُّ ﷺ: ((إِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ)). الْحَدِيثَ . أَخْرَجَهُ السَّبْعَةُ .

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ (جب ہم رخصت ہونے لگے تو) نبی کریم ﷺ نے ہمیں (وصیت کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا: ”جب نماز کا وقت ہو جائے تو چاہیے کہ تم میں سے ایک تمہارے لیے اذان دے۔“ ❷ (اس) حدیث (کو پڑھ لو کہ) اس حدیث کو ائمہ سبعہ نے روایت کیا ہے۔

معرفة الصحابة :......حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ 9 ہجری میں عام الوفود کے سال اپنی قوم کے ایک وفد کے

---

❶ دیکھیں: المحرز فی الفقه: 357/1.

❷ صحیح البخاری: 685- صحیح مسلم: 674- سنن ابی داود: 589- جامع الترمذی: 205- سنن النسائی: 8/2- سنن ابن ماجه: 979- ... 436/3

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے تھے اور بیس دن تک خدمتِ نبوی میں رہ کر دین سیکھتے رہے۔ یہ سب نوجوان تھے۔ بیس روز گزرنے پر جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ اب انہیں اپنی بیویوں کا اشتیاق ہو رہا ہے تو آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ اب اپنی قوم کی طرف لوٹ جاؤ اور انہی میں رہ کر انہیں دین کی تعلیم دو، اس موقع پر آپ ﷺ نے اس وفد کو متعدد باتوں کی وصیت فرمائی جن میں سے ایک بات یہ بھی تھی جو اوپر حدیث میں مذکور ہے۔

غریب الحدیث:......اِذَا: یہ حرفِ شرط ہے۔

اَلصَّلٰوۃ: اس میں الف لام عہدِ ذہنی کا ہے، مراد فرض نماز ہے کیونکہ اذان صرف فرض نماز کے لیے ہی مشروع ہے۔

حَضَرَتْ: یہ دَخَلَتْ کے معنی میں ہے یعنی جب نماز کا وقت داخل ہو جائے تو اذان دو۔

فَلْیُؤَذِّنْ: اس میں فا جوابِ شرط کے لیے حرفِ رابطہ ہے اور مذکورہ لام امر کا ہے۔

لَکُمْ: یعنی اس طور پر اذان دے کہ وہ تم لوگوں کو سنائی دے۔ لہٰذا جس نے قوم کو سنا کر اذان نہیں دی وہ ان کا موذن نہیں۔

اَلْحَدِیْثَ: یہ کلمہ فعلِ محذوف کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی اِقْرَاِ الْحَدِیْثَ "یہ حدیث پڑھ لو۔"

مضمون حدیث:......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ وقت ہو جانے پر نماز کے لیے اذان دینا واجب ہے اور اذان قوم میں سے ہی کوئی دے اور اتنی بلند آواز سے دے کہ انہیں سنائی دے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ قبل از وقت اذان دینا درست نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے نماز کا وقت داخل ہونے پر اذان دینے کا حکم دیا ہے۔
- فرض نماز کے لیے اذان دینا واجب ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس کو صیغۂ امر کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔
- اذان اتنی آواز سے دینا کہ دوسروں کو سنائی دے، واجب ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے اتنی آہستہ اذان کہی یا اتنی دُور جا کر کہی کہ نمازی اذان نہ سن پائے تو وہ اذان شمار نہ ہوگی اور دوبارہ اذان دینا واجب ہوگا۔
- اذان دینا فرضِ کفایہ ہے جس کی دلیل اَحَدُکُمْ کے الفاظ ہیں۔ لہٰذا کسی ایک کے اذان دے دینے سے یہ فریضہ سب کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔
- ایک اذان صرف ایک آدمی دے گا جیسا کہ اَحَدُکُمْ کے الفاظ سے مستفاد ہوتا ہے۔ لہٰذا دو آدمیوں کا مل کر ایک اذان کو آدھا آدھا دینا جائز نہ ہوگا۔ لہٰذا اگر اذان دیتے ہوئے کوئی مثلاً بے ہوش ہو گیا اور اذان کو مکمل نہ کر سکا تو دوسرا آ کر اس کی اذان کو مکمل نہ کرے گا بلکہ نئے سرے سے اذان دے گا۔

اذان میں "ترسّل" اور اقامت میں "حَدَر" ہے

195۔ وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ لِبِلَالٍ: ((إِذَا أَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ، وَإِذَا أَقَمْتَ فَاحْدُرْ وَاجْعَلْ بَيْنَ أَذَانِكَ وَإِقَامَتِكَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ "جب تم اذان دو تو اس کو ٹھہر ٹھہر کر دو اور جب تم اقامت کہو تو اس کو جلدی جلدی کہو اور اپنی اذان اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِقْدَارَ مَا يَفْرُغُ الْآكِلُ مِنْ أَكْلِهِ)). الْحَدِيثَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَهُ.

اقامت کے درمیان اتنا وقفہ کرو جس میں ایک کھانے والا اپنے کھانے سے فارغ ہو جائے۔'' ❶ (اس) حدیث (کو پڑھ لو)۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کر کے اسے ضعیف کہا ہے۔

معرفة الصحابة :...... جب صرف ''جابر رضی اللہ عنہ'' کا نام آئے تو احسن یہ ہے کہ ان سے مراد حضرت جابر بن عبداللہ بن حرام رضی اللہ عنہ ہیں جن کے والد حضرت عبداللہ بن حرام رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہادت سے سرفراز ہوئے تھے۔

غريب الحديث:...... تَرَسُّل اور حَدَر :ان کے معانی کو بیان کیا جا چکا ہے۔

مِقْدَارَ مَا يَفْرُغُ الْآكِلُ مِنْ أَكْلِهِ: مراد یہ ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان اتنا وقفہ ضرور ہو کہ وضو کرنے والا وضو کر کے اور کھانے والا کھانے سے فارغ ہو جائے کہ اس سے کم وقت میں نماز کھڑی کرنے میں لوگ دقت میں پڑ جائیں گے۔ یہ دقفہ تقریباً دس سے پندرہ منٹ کا بنتا ہے۔

مضمون حديث :...... اس حدیث میں دو مسائل بیان کیے گئے ہیں ایک یہ کہ اذان ٹھہر ٹھہر کر دی جائے کیونکہ اذان دُور والے کو سنائی جاتی ہے اور اقامت جلد جلد کہی جائے کیونکہ اقامت عموماً موجود لوگوں کے لیے کہی جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اذان اور اقامت میں ایک مناسب وقفہ ضرور ہو تا کہ وضو کرنے والا وضو سے اور کھانے والا کھانے سے فارغ ہو کر نماز کو پہنچ جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نبی کریم ﷺ اپنے عاملوں کو جو اذان، اقامت اور زکوۃ وغیرہ پر مقرر ہوتے تھے، وصیتیں فرماتے رہتے تھے۔ جو آپ ﷺ کے کمالِ نصیحت اور کمالِ تبلیغ کی دلیل ہے۔
- اقامت کہنے کا زیادہ مستحق خود موذن ہے کہ حدیث کے ظاہر سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔ وگرنہ اذان کا زیادہ مستحق موذن اور اقامت کا زیادہ مستحق خود امام ہے۔ البتہ اگر امام کی نیابت میں موذن اقامت کہے تو درست ہے اور موذن امام کی اجازت سے اور اس کو آتا دیکھ کر اقامت کہے۔ تا کہ لوگوں کو نماز کے لیے کھڑے ہو جانے کے بعد امام کے آنے کا انتظار کرنے میں مشقت نہ ہو۔
- اذان کے بعد اقامت کہنے میں عجلت نہ کی جائے بلکہ ان میں مناسب وقفہ ہو تا کہ لوگ وضو وغیرہ سے اطمینان کے ساتھ فارغ ہو جائیں اور اگر کسی نماز سے قبل سنتیں ہوں تو وہ بھی پڑھ لیں۔

---

❶ جامع الترمذي: 195۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: ہمیں یہ حدیث صرف عبدالمنعم کے واسطہ سے معلوم ہے اور یہ اسناد مجہول ہے۔ عبدالمنعم بصری شیخ ہیں جن کو دارقطنی نے ضعیف کہا ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں: یہ بے حد منکر حدیث والا ہے جس سے استدلال درست نہیں۔ حاکم نے ''المستدرك'' (320/1) میں اس حدیث کو عمرو بن فائد الاسواری سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس کی اسناد میں کوئی راوی مطعون نہیں۔ ذہبی ''المختصر'' میں کہتے ہیں: عمرو بن فائد کو دارقطنی نے متروک کہا ہے۔ (دیکھیں: الجرح و التعديل: 187/9۔ نصب الراية: 275/1)۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- لوگوں کے احوال کی رعایت والیانِ امر کے لیے لازم ہے۔
- رہا یہ سوال کہ کیوں نہ اذان اور اقامت کے درمیان ایک وقفہ مقرر کر دیا جائے مثلاً بیس منٹ تو کیا درست ہے یا نہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ لازم تو نہیں البتہ اگر اس میں نمازیوں کی مصلحت ہو تو جائز ہے۔
- اذان میں ترسل اور اقامت میں حدر مسنون ہے۔

موذن کے لیے اذان کہتے ہوئے باوضو ہونے کا بیان

196- وَلَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((لَا يُؤَذِّنُ إِلَّا مُتَوَضِّئٌ)).

جامع الترمذی میں ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''اذان وہی دے جو وضو کے ساتھ ہو۔'' ❶

وَضَعَّفَهُ أَيْضًا.

اور امام ترمذی نے اس روایت کو بھی ضعیف کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... لَا يُؤَذِّنُ: یہ لائے نہی کا ہے جو مضارع کے ساتھ آیا ہے۔ یعنی یہ نفی نہی کے معنی میں ہے۔
اَلْمُتَوَضِّئُ: یعنی وہی اذان دے جس کا وضو ہو چکا ہے ابھی کیا ہو یا پہلے کا ہو۔

درایۃ الحدیث:...... امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن اگر اس حدیث کو صحیح مان لیا جائے تب پھر وضو کے ساتھ اذان افضل ہوگی نہ کہ واجب۔ کیونکہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ ''نبی کریم ﷺ ہر وقت ذکر کرتے تھے۔'' ❷ اور اذان بھی ذکر ہے۔ لہٰذا۔ بے وضو اذان دینا جائز ہوگا۔ البتہ افضل وضو کر کے اذان دینا ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اذان وضو والا دے کہ یہی افضل ہے البتہ واجب نہیں۔

جنبی کی اذان کا حکم

چونکہ جنبی کا حدث بے وضو کے حدث سے اشد ہوتا ہے اس لیے فقہاء نے جنبی کے اذان دینے کو مکروہ کہا ہے۔ ❸ لیکن گزشتہ مذکورہ دلیل کے تناظر میں درست یہ ہے کہ جنبی بھی اذان دے سکتا ہے اور یہ مکروہ نہ ہوگا کیونکہ اذان ذکر ہے اور جنبی کے لیے ذکر بلا کراہت جائز ہے۔ البتہ افضل یہی ہے کہ اذان طہارت کے ساتھ دی جائے۔ البتہ اگر جنبی کو مسجد جا کر اذان دینا پڑے تو وضو کر کے جائے کیونکہ وضو جنابت کے حدث میں تخفیف پیدا کر دیتا ہے۔

---

❶ جامع الترمذی: 200۔ اس روایت کی اسناد میں انقطاع ہے اور اس میں زہری سے روایت کرنے والا معاویہ بن یحییٰ الصدفی ہے جو ضعیف ہے۔ جبکہ اگلی روایت (رقم: 201) میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ حدیث عن یونس عن الزھری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ کے طریق سے روایت کی ہے جو موقوف ہے اور یہ موقوف روایت اصح ہے۔

❷ صحیح مسلم: 373.

❸ مرداوی کہتے ہیں کہ صحیح مذہب یہ ہے کہ جنبی اذان دے سکتا ہے۔ (الانصاف: 415/1) امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جنبی کی یا محدث کی اذان واقامت صحیح تو ہے مگر مکروہ ہے۔ (المجموع: 113/3)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غیر موذن کے اقامت کہنے کا بیان

197- وَلَهُ عَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((وَمَنْ أَذَّنَ فَهُوَ يُقِيمُ)).

وَضَعَّفَهُ أَيْضًا.

جامع الترمذی میں حضرت زیاد بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اور جو اذان دے وہی اقامت کہے۔''❶

امام ترمذی نے اس روایت کو بھی ضعیف کہا ہے۔

اقامت کون کہے؟

اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جو اذان کہے اقامت بھی وہی کہے۔ کہ مَنْ اَذَّنَ میں مَنْ عام ہے جو مقررہ موذن اور اس کے نائب دونوں کو شامل ہے۔ البتہ اگر کسی عذر کی بنا پر اصل موذن اذان نہ کہہ سکے اور وکیل اور نائب موذن اذان دے دے۔ جبکہ اقامت کے وقت دونوں اکٹھے ہو جائیں تو اب جھگڑے کی صورت میں تو اقامت کا زیادہ مستحق اصل موذن ہے البتہ اگر جھگڑے کا امکان نہ ہو تو وکیل موذن اقامت کا زیادہ مستحق ہو گا۔ کیونکہ اذان اُسی نے دی ہے۔

198- وَلِأَبِيْ دَاوُدَ فِيْ حَدِيْثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ، أَنَّهُ قَالَ: أَنَا رَأَيْتُهُ- يَعْنِي الْأَذَانَ- وَأَنَا كُنْتُ أُرِيْدُهُ، قَالَ: ((فَأَقِمْ أَنْتَ))

وَفِيْهِ ضَعْفٌ أَيْضًا.

سنن ابی داود میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، وہ فرماتے ہیں: (چونکہ خواب میں) اذان میں نے دیکھی تھی اس لیے میں چاہتا تھا کہ اذان میں ہی دوں۔ تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اقامت کہہ لیا کرو۔''❷

اس روایت میں ضعف ہے۔

شرح: ......حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ رضی اللہ عنہ کے خواب میں اذان دیکھنے کا واقعہ گزشتہ صفحات میں تفصیلاً ذکر کیا جا چکا ہے اب چونکہ خواب میں اذان انہوں نے ہی دیکھی تھی اس لیے وہ چاہتے تھے کہ اذان بھی وہی دیا کریں لیکن نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا کہ ''تم اذان بلال رضی اللہ عنہ کو جا کر سنا دو (اذان وہ دیا کریں گے) کیونکہ ان کی آواز تم سے زیادہ بلند ہے۔'' اب چونکہ موذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے اس لیے اقامت بھی اصولی طور پر انہیں ہی کہنی چاہیے تھی۔ اسی لیے امام ابوداود رحمہ اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ اس حدیث میں (معنوی) ضعف ہے۔

اذان اور اقامت کا زیادہ مستحق کون ہے؟

199,200- وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((الْمُؤَذِّنُ أَمْلَكُ بِالْأَذَانِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اذان (کہنے) کا زیادہ مستحق موذن

❶ جامع الترمذی: 199۔ اس میں افریقی ہے جو محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ یہ روایت "سنن ابی داود" (514)، "سنن ابن ماجہ" (717) اور "مسند احمد" (169/4) میں بھی ہے۔

❷ سنن ابی داود: 512، مسند احمد: 24/4۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں: یہ روایت افریقی کی روایت سے بہتر ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس روایت میں نظر ہے۔ دیکھیں: (التاریخ الکبیر للبخاری: 183/5۔ التلخیص الحبیر: 209/1)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

وَالْإِمَامُ أَمْلَكُ بِالْإِقَامَةِ)).
رَوَاهُ ابْنُ عَدِيٍّ وَضَعَّفَهُ.
وَلِلْبَيْهَقِيِّ نَحْوُهُ عَنْ عَلِيٍّ رضي الله عنه مِنْ قَوْلِهِ.

ہے جبکہ اقامت (کہنے) کا زیادہ مستحق امام ہے۔''❶
اس حدیث کو ابن عدی نے روایت کر کے اسے ضعیف کہا ہے۔
اور سنن البیہقی میں ایسی ہی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔❷

شرح: ...... چونکہ اذان کی ذمہ داری موذن پر ہوتی ہے اور وہی اوقات کی نگہداشت رکھتا ہے اس لیے اذان دینے کا زیادہ مستحق وہی ہے۔ لہٰذا موذن امام تک کو اذان دینے سے روک سکتا ہے۔ جبکہ اقامت کا زیادہ مستحق امام ہے۔ یعنی اقامت کا امر امام کی طرف لوٹتا ہے۔ لہٰذا اقامت امام کے آنے پر کہی جائے گی۔ چنانچہ اگر کسی نے معمولی تاخیر کی بنا پر اقامت کہہ دی تو یہ امام کی حق تلفی اور ناجائز ہوگا۔ کیونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے آنے پر ہی اقامت کہا کرتے تھے۔

بہرحال اذان کا زیادہ مستحق موذن ہے اور وہی اس کا جواب دہ بھی ہے جبکہ اقامت کا ذمہ دار امام ہے۔ البتہ دونوں میں سے زیادہ اہم اور نازک ذمہ داری موذن کی ہے۔ اسی لیے اذان بہ نسبت امامت کے افضل ہے اور موذن کا درجہ امام سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ موذن کی ذمہ داری امام سے بہت زیادہ ہے۔ رہے حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم تو وہ خلافتی ذمہ داریوں کی وجہ سے اذان دینے کے لیے فرصت نہ پا سکے تھے۔

اذان اور اقامت کے درمیان دعا مانگنے کی فضیلت

201- وَعَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((لَا يُرَدُّ الدُّعَاءُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ)).
رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اذان اور اقامت کے درمیان (مانگی جانے والی) دعا (بارگاہِ الٰہی سے) رد نہیں کی جاتی۔''❸
اس حدیث کو امام نسائی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث: ...... لَا يُرَدُّ: یعنی رب تعالیٰ رد نہیں فرماتے۔
بَيْنَ الْأَذَانِ وَ الْإِقَامَةِ: یہ حکم پانچوں نمازوں اور نماز جمعہ کو شامل ہے۔

---

❶ الكامل لابن عدي: 12/4 في ترجمة شريك بن عبدالله القاضي۔ ابن عدی نے شریک کے اس روایت میں متفرد ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

❷ سنن البيهقي: 19/2۔ امام بیہقی فرماتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث محفوظ نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول ''مصنف ابن ابی شیبة'' (363/1) اور ''مصنف عبدالرزاق'' (1836) میں بھی مذکور ہے۔

❸ السنن الكبرى للنسائي: 9895۔ سنن ابی داود: 521۔ جامع الترمذي: 212۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور امام ابن خزیمہ (425) اور امام ابن حبان (1696) نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون حدیث :......اس حدیث میں ان اوقات کو غنیمت جاننے اور ان میں دعا مانگنے کی ترغیب ہے کیونکہ یہ اوقات مستجاب ہیں اور حدیث کے ظاہر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم مردوں اور عورتوں دونوں کے حق میں ثابت ہے اور یہ بھی کہ چاہے دعا مانگنے والا باوضو ہو یا بے وضو اور چاہے نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھا ہو یا کسی اور جگہ ہو، کہ سب کا حکم ایک ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اس حدیث سے دعا کی فضیلت معلوم ہوئی۔ یاد رہے کہ دعا بھی عبادت ہے۔
- یہاں ردّ نہ کرنے والے سے مراد رب تعالیٰ کی ذات ہے۔
- البتہ اگر کوئی کسی کے حق میں ان اوقات میں بددعا کرے تو دوسرے کو ڈرنے کی ضرورت نہیں الا یہ کہ وہ ظالم ہو کیونکہ ایک حدیث میں مظلوم کی بددعا سے ڈرنے کا حکم ہے اور اللہ ظالموں کا حامی و ناصر نہیں۔
- اذان اور اقامت کے درمیان کا وقت مستجاب اوقات میں سے ہے۔
- قبولیت دعا کے دیگر اسباب اور اوقات بھی ہیں جو اپنی جگہ مذکور ہیں اور دعا مانگنے کے آداب میں سب سے اہم ادب حلال روزی ہے کہ حرام خور کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

اذان ختم ہونے کی دعا

202- وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: اللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ، وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدًا الَّذِيْ وَعَدْتَهُ، حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)).

أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”جس نے اذان سننے کے وقت یہ دعا مانگی: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ ......“اے اللہ! اس دعوتِ تامہ اور صلوۃ قائمہ کے رب! (یعنی اے وہ اللہ! جس کے لیے اور جس کے حکم سے یہ اذان اور یہ نماز ہے، تو اپنے پیغمبر حضرت) محمد (ﷺ) کو وسیلہ اور فضیلت (کا خاص رتبہ اور مرتبہ) عطا فرما اور انہیں مقام محمود پر سرفراز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرما رکھا ہے۔“ تو وہ بندہ روزِ قیامت میری شفاعت کا حق دار ہو گیا۔“ [1]

اس حدیث کو ائمہ اربعہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :......حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: مراد پوری اذان کا سن لینا ہے۔ یعنی پوری اذان سن لینے کے بعد یہ دعا مانگے جیسا کہ ”صحیح مسلم“ (حدیث رقم: 384، عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ) میں آتا ہے۔

هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ: مراد اذان ہے اور اذان کو دعوتِ تامہ یعنی مکمل دعوت اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس میں رب تعالیٰ کی تعظیم و کبریائی اور اس کی توحید اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کی شہادت، نماز اور فلاح کی دعوت، دوبارہ رب تعالیٰ کی تعظیم و

---

[1] سنن ابی داود: 529۔ جامع الترمذی: 211۔ سنن النسائی: 27/2۔ سنن ابن ماجہ: 722۔ یہ حدیث ”صحیح البخاری“ (614) میں بھی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کبریائی اور توحید کے بیان پر خاتمہ ہے۔ تب پھر بھلا اس سے بڑھ کر کامل و اکمل دعوت اور کون سی ہو سکتی ہے جس میں توحید و رسالت اور عبادت و سعادت سب ہی کا بیان آ گیا۔

رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ: کیونکہ اذان کو رب تعالیٰ نے ہی تو مشروع فرمایا ہے۔

اَلصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ: یعنی وہ نماز جو عنقریب کھڑی ہونے والی ہے کیونکہ اذان گزشتہ نماز کے لیے نہیں بلکہ آنے والی نماز کے لیے دی جاتی ہے۔ اسی لیے نماز کو ایسے وصف کے ساتھ ذکر فرمایا جو بتلاتا ہے کہ یہ نماز عنقریب قائم کی جانے والی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ قائمہ سے مراد مستقیمہ ہے۔ یعنی ایسی مستقیم عبادت جو ذکر و دعا کی ہر ہیئت پر مشتمل ہے۔ کیونکہ نماز جیسی دوسری کوئی عبادت نہیں جو قیام، رکوع، سجود، جلوس اور دیگر مختلف ہیئات پر مشتمل ہو۔

اٰتِ: یہ اَعْطِ کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ گزشتہ میں بار بار ذکر ہوا ہے۔

مُحَمَّد ﷺ: یہ حضرت رسالت مآب ﷺ کا اسم علَم ہے جو سراپا حمد و ثنا ہے۔ چنانچہ جب مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کے اسم مبارک کو ثنا اور تحمید پر مشتمل دیکھا تو مارے جلن کے کفر کے ہاتھوں مجبور ہو کر معاذ اللہ آپ ﷺ کو مُذَمَّم کہہ کر پکارنے لگے۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے دعا مانگنے کا حکم فرمایا تا کہ ان مشرکوں کی جلن میں اور اضافہ ہو۔ تب پھر اسم محمد آپ ﷺ کے متعدد اعلام میں سے ایک علَم ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے بے شمار اوصافِ حمیدہ اور خصائل ستودہ تھے، اسی طرح آپ ﷺ کے اعلامِ مبارکہ بھی متعدد تھے۔

اَلْوَسِيْلَةِ: یہ جنت کا ایک درجہ ہے جیسا کہ ایک حدیث میں مذکور ہے جس میں آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ جو رب تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کو ملے گا اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہوں گا۔ تب پھر یہ جنت کا سب سے بلند رتبہ مرتبہ اور درجہ ہے۔ کیونکہ اس کی مستحق وہ ذات ہے جو رب تعالیٰ کی مخلوق میں سے سب سے اعلیٰ ہے اور وہ حضرت محمد ﷺ ہیں۔

اَلْفَضِيْلَةَ: مراد ذاتی فضل ہے کیونکہ بسا اوقات بلند مرتبہ اسے بھی دے دیا جاتا ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے اس رتبہ کا سزاوار نہیں ہوتا۔ جبکہ نبی کریم ﷺ اپنی ذاتی فضیلت کے اعتبار سے بھی اس مرتبہ کے مستحق ہوں گے۔ پس اس دعا میں آپ ﷺ کی ذاتی اور مکانی دونوں طرح کی فضیلتیں جمع ہو گئیں۔

وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا: مراد روزِ قیامت کا مبعوث کرنا ہے۔

مقامِ محمود: وہ مقام جس کی حمد بیان کی گئی ہے جبکہ یہاں حمد بیان کرنے والے کا ذکر نہیں جو عموم کی طرف اشارہ ہے کہ خلقِ خدا میں سے ہر ایک آپ ﷺ کی حمد بیان کرتا ہے۔ پس مقامِ محمود سے وہ شفاعتِ عظمیٰ مراد ہے جس کی طرف روزِ قیامت اولوالعزم انبیاء و مرسلین میں سے بھی کوئی بڑھنے کی ہمت نہ کرے گا۔ جس کا قصہ کتبِ احادیث میں مشہور ہے۔

اَلَّذِيْ وَعَدْتَّهُ: اس وعدے کا ذکر اس آیت میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ (بنی اسرائیل: 79)

''قریب ہے کہ تیرا رب تجھے مقامِ محمود پر کھڑا کرے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ: بعض روایات میں اس دعا کے آخر میں یہ جملہ بھی آتا ہے اس کی صحت کی بابت محدثین رحمہم اللہ میں اختلاف ہے۔ شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے اس جملہ کو صحیح کہا ہے اور موصوف رحمہ اللہ جیسے عالم حدیث کی شہادت ہمارے لیے بس ہے! بہرحال یہ جملہ اس ارشاد باری تعالیٰ کے عین موافق ہے جس میں مومنوں کی دعا کا ذکر ہے:

﴿رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾

(آل عمران: 194)

''اے ہمارے رب! اور ہمیں عطا فرما جس کا وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی کیا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر، بے شک تو وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔''

مضمون حدیث:......اس حدیث میں اذان کا جواب دینے کے بعد اس دعا کے مانگنے کی فضیلت کا بیان ہے کہ اسے روزِ قیامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اذان کے بعد یہ دعا مانگنا مشروع ہے۔ اذان سے مشروع اذان مراد ہے چنانچہ جمعہ کی وہ اذان بھی تبعاً اس حکم میں داخل ہوگی جو خلیفۂ راشد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی سنت تھی۔ یہ اذان بھی مشروع ہے کیونکہ حدیث نبوی میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کی پیروی کا حکم ہے۔ [1] لہٰذا جو لوگ اس اذان کو بدعت کہتے ہیں وہ خود مبنی برخطا اور بدعتی ہیں۔
- معلوم ہوا کہ جو اذان نہ سن پائے البتہ اسے اذان ہو جانے کا علم ہو، اس پر یہ دعا پڑھنا لازم نہیں کیونکہ حدیث میں یہ دعا مانگنے کا حکم اذان سننے والے کو ہے۔
- مناسب یہ ہے کہ آدمی اپنی دعاؤں کو اَللّٰھُمَّ رَبَّ کے کلمات سے شروع کرے۔ کیونکہ قرآن و سنت میں یہ کلمہ بکثرت آیا ہے۔
- اذان کامل ترین دعوت ہے اور اس کی فضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ رب تعالیٰ نے اذان کی اضافت اپنی ذات کی طرف کی ہے۔ چنانچہ فرمایا: رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ.
- معلوم ہوا کہ ارکانِ اسلام میں سے شہادتین کے اقرار کے بعد سب سے افضل رکن اور عبادت نماز ہے جس کو اَلْقَائِمَةِ کے بلیغ ترین اور وسیع ترین وصف کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔
- دعا اور خبر کے وقت حضرت رسالت مآب ختمی مرتبت سید الانبیاء و المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے نامِ نامی، اسمِ سامی اور عَلَم گرامی ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کے ساتھ پکار سکتے ہیں۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حینِ حیات روبرو بلانے پکارنے اور مخاطب کرنے کے وقت نام لے کر پکارنے کی ممانعت تھی۔ چنانچہ یا رسول اللہ! اور یا نبی اللہ! کہنا تو جائز تھا جبکہ یا محمد! کہہ کر پکارنا منع تھا۔ جس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾ (النور: 63)

''رسول کے بلانے کو اپنے درمیان اس طرح نہ بنالو جیسے تمھارے بعض کا بعض کو بلانا ہے۔''

---

[1] دیکھیں: مسند احمد: 162/4.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ نبی کریم ﷺ کی بے پناہ فضیلت کہ وسیلہ، فضیلت اور مقام محمود جیسے مقامات و درجاتِ عالیہ کے مستحق صرف آپ ﷺ ہی ہیں اور امتیوں کو اس بات پر مامور کرنا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے لیے بلندئ درجات کی دعا کریں یہ بھی آپ ﷺ کے علوِ مرتبہ کا ایک مظہر ہے۔

◈ قیامت کا اثبات

رب تعالیٰ کی صفات کا واسطہ دے کر رب تعالیٰ سے توسل کرنا جائز ہے۔ جس کی دلیل اَلَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ کے الفاظ ہیں۔

◈ نبی کریم ﷺ کے لیے روزِ قیامت شفاعتِ عظمیٰ ثابت ہے۔

◈ اذان کے بعد مذکورہ دعا مانگنے والا ان شاء اللہ روزِ قیامت شفاعتِ نبوی سے سرفراز ہوگا۔

◈ رہا یہ سوال کہ جب نبی کریم ﷺ کو یہ مرتبہ حاصل ہے تو امتیوں کو اس کی دعا مانگنے کی ترغیب کیوں دی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ

⊙ ...... بسا اوقات خود دعا بھی حصول کے اسباب میں سے ایک ہوتی ہے۔

⊙ ...... دوسرے اس لیے تاکہ ہم اپنے رسولِ مقبول الصادق المصدوق ﷺ کی صفاتِ جلیلہ وعظیمہ کو یاد رکھیں اور آپ ﷺ کا ہم پر جو حق ہے اس کا استحضار رہے۔

⊙ ...... تاکہ ہم اپنی نماز ہائے پنجگانہ میں اپنے پیغمبر مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں کیونکہ آپ ﷺ کو بھلا دینے سے بڑھ کر کوئی بے رخی، جفا اور سیاہ بختی نہیں۔

3۔ بَابُ شُرُوطِ الصَّلَاةِ...... نماز کی شروط کا بیان

تمہید: ...... شُــــرُوطٌ: یہ شرط کی جمع ہے اور نماز کی شرط اس کو کہتے ہیں جس پر نماز کی صحت موقوف ہو۔ پس عبادات وغیرہ کی صحت کی شرط وہ بات ہوتی ہے جو خود شریعت مقرر کرے، بندے کا اس میں کوئی دخل نہ ہو۔ رہا ان شروط یا واجبات یا ارکان کا قرآن وسنت سے ثبوت؟ تو حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے ان کو قرآن وسنت کی نصوص میں تتبع کر کے تلاش کیا ہے اور بعد میں ان کو مرتب و مبوّب کیا ہے اور اس میں علم کے طلب گار کی تسہیل مقصود ہے۔ اس لیے ان شروط و واجبات پر اعتراض کی گنجائش نہیں۔ غرض نماز کی شروط سے مراد وہ باتیں ہیں جن پر نماز کی صحت کا مدار ہے۔

حدثِ اصغر و اکبر سے طہارت نماز کی شرطِ اوّل ہے

203۔ عَنْ عَلِيِّ بْنِ طَلْقٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا فَسَا أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَنْصَرِفْ ، وَلْيَتَوَضَّأْ ، وَلْيُعِدِ الصَّلَاةَ)).

حضرت علی بن طلق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "جب تم میں سے کسی نے نماز میں گوز مار دیا تو وہ نماز سے پلٹ آئے اور وضو کر کے نماز کا اعادہ کرے۔"[1]

---

[1] سنن ابی داود: 205۔ جامع الترمذی: 1164۔ امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ السنن الکبری للنسائی: 9025۔ صحیح ابن حبان: 2237۔ ابن قطان کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس حدیث کا ایک راوی مسلم بن سلام الحنفی مجہول الحال ہے۔ نصب الرایۃ: 61/2۔ ابن سکن نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے جیسا کہ "خلاصۃ البدر المنیر" (149/1) میں ہے۔ رہا حافظ موصوف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے، تو شاید یہ سبقت قلم، یا نسخوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ خود امام موصوف الدرایۃ (174/1) میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کو اصحاب سنن ثلاثہ نے روایت کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ . اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث :......فَسَا : یہ فَسَا يَفْسُوْ فُسَاءً سے فعل ماضی ہے۔ یہ گوز مارنے کو کہتے ہیں۔ گوز اس ہوا کو کہتے ہیں جو دبر سے نکلتی ہے۔ چنانچہ اگر تو یہ آواز کے ساتھ ہو تو اسے عربی میں ضُرَاط کہتے ہیں اور اگر یہ بے آواز ہو تو اسے فُسَاء کہتے ہیں (اور اُردو میں اسے پھسکی مارنا کہتے ہیں)۔

فِي الصَّلٰوةِ: یہ پوری نماز کو شامل ہے چاہے یہ پھسکی نماز کے اوّل میں مارے یا درمیان میں یا آخر میں سب کا حکم ایک ہے لہٰذا جس نماز میں بھی طہارت شامل ہے اس کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کے دوران کہیں پھسکی نہ مارے۔

فَلْيَنْصَرِفْ: یعنی نماز سے پلٹ آئے۔ کیونکہ اب نماز باطل ہو چکی ہے جس کو جاری رکھنا بے سود ہے۔

وَ لْيَتَوَضَّأْ: کیونکہ پھسکی مارنے سے وضو ٹوٹ چکا ہے۔

وَ لْيُعِدْ: اعادہ کسی شے کو نئے سرے سے کرنے کو کہتے ہیں۔ لہٰذا یہاں نماز کی بنا کرنے کا نہیں بلکہ اعادۂ صلوٰۃ کا حکم ہے۔

مضمون حدیث:...... اس حدیث میں بنیادی طور پر دو مسئلے ذکر کیے گئے ہیں:

(1) ایک یہ کہ سرین سے نکلنے والی ہوا سے وضو ٹوٹ جاتا ہے چاہے وہ باآواز ہو یا بے آواز۔

(2) دوسرا یہ کہ اگر نماز کے کسی بھی حصہ کے دوران سرین سے ہوا نکلنے کی وجہ سے حدث لاحق ہو گیا تو نماز باطل ہو جائے گی اور اب اس کے جاری رکھنے کی اجازت نہیں کیونکہ نماز کی ابتدا اور بقا دونوں کے لیے طہارت شرط ہے۔ لہٰذا نیا وضو کر کے از سر نو نماز پڑھی جائے گی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- صحتِ صلوٰۃ کے لیے طہارت شرط ہے جس کی دلیل فَلْيَتَوَضَّأْ کے الفاظ ہیں اور یہ نماز کی عظمت کی بھی دلیل ہے اور اسی بات کو بیان کرنے کے لیے امام موصوف یہ حدیث اس مقام پر لے کر آئے ہیں۔ لہٰذا جو جان بوجھ کر بے وضو نماز شروع کرے گا وہ بے حد گناہ گار ہے اور تو اور اس پر کفر کا بھی اندیشہ ہے۔ کیونکہ یہ فعل ایک گونہ رب تعالیٰ کا استہزاء ہے جو کفر ہوتا ہے۔ اگرچہ جمہور کا یہ مسلک نہیں لیکن اس فعل کے گناہِ عظیم ہونے میں بہر حال کوئی شک نہیں۔
- جو بھولے سے بے وضو نماز پڑھ لے تو اگرچہ گناہ گار تو نہ ہو گا لیکن اس پر نماز کا اعادہ واجب ہو گا۔
- ضرورت پڑے تو حیا کی بات بھی صاف صاف بیان کر سکتے ہیں۔ جس کی دلیل مذکورہ حدیث میں پھسکی مارنے کا ذکر ہے۔
- حدث لاحق ہو جائے تو نماز چھوڑ دینا واجب ہے اور اب اس کا جاری رکھنا جائز نہیں لہٰذا چاہے آدمی صف میں ہی کیوں نہ ہو، پلٹ آئے۔ جس کی دلیل یہ ارشاد ہے: فَلْيَنْصَرِفْ ، اور وضو کر کے نئے سرے سے نماز پڑھے، بنا نہ کرے۔
- اگر کپڑوں پر نجاست لگے ہونے کا علم نہ ہو اور آدمی نماز پڑھ لے تو نماز صحیح ہو گی اور اس کا اعادہ واجب نہ ہو گا البتہ معلوم ہونے پر نجاست کا ازالہ واجب ہو گا۔ ان دونوں باتوں میں فرق یہ ہے کہ نجاست سے اجتناب ترکِ محظور کے باب سے ہے جبکہ وضو نہ ہونا ترکِ مامور کے باب سے ہے، ان دونوں باتوں میں جو فرق ہے، وہ اہلِ علم پر مخفی نہیں۔
- معلوم ہوا کہ خروجِ ریح سے استنجاء واجب نہیں ورنہ وضو کرنے کے ساتھ ساتھ استنجاء کرنے کا بھی حکم دیا جاتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ یہی حکم دیگر شروطِ صلوٰۃ کا بھی ہے کہ اگر وہ دورانِ نماز مفقود ہو جائیں تو نماز سے پھر آنا واجب ہوگا جیسے اگر نماز کے دوران تیز ہوا چلنے سے تہبند کھل کر اڑ گیا اور آدمی ننگا ہو گیا تو نماز سے نکل آنا واجب ہوگا اور دوبارہ ستر ڈھانک کر نئے سرے سے نماز پڑھنا واجب ہوگا۔

بالغہ عورت کا سترِ صلوٰۃ

204۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَا يَقْبَلُ اللهُ صَلَاةَ حَائِضٍ إِلَّا بِخِمَارٍ)).

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس عورت کو حیض آتا ہو (یعنی جو عورت بالغ ہو گئی ہو) اس کی نماز کو رب تعالیٰ بنا اوڑھنی کے قبول نہیں فرماتے۔'' ❶

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے سوائے امام نسائی رحمہ اللہ کے اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث :...... **لَا يَقْبَلُ**: نفیِ قبول سے مراد کبھی ایسی عبادت کا ردّ کرنا ہوتا ہے جس میں عدمِ صحت پائی جاتی ہو اور اس کا اعادہ بھی واجب ہو اور کبھی اس سے مراد اس عبادت میں پائی جانے والی وہ برائی ہوتی ہے جو کسی مفسدہ پر مبنی ہو یا ایسی برائی ہوتی ہے جو خارجِ صلوٰۃ ہو۔ تب نفیِ قبول سے مراد فسادِ عبادت اور اس کا اعادہ نہیں ہوتا۔ نفیِ قبول میں اصل ردِّ عبادت ہے لہٰذا جب نفیِ قبول کے ذکر کے باوجود کسی دلیل سے اس عبادت کا قبول ہونا پایا جائے تب پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ برائی جو نفیِ قبول پر دلالت کر رہی ہے وہ نیکی پر غالب اور محیط ہے۔ ذیل میں دونوں کی مثال پیش کی جاتی ہے:

(1) صحیح بخاری رحمہ اللہ کی روایت میں ہے: ''بے وضو ہو جانے والے کی نماز کو رب تعالیٰ قبول نہیں فرماتے جب تک کہ وہ وضو نہ کر لے۔'' ❷ یہاں نفیِ قبول سے مراد ردِّ عبادت ہے کیونکہ بے وضو نماز پڑھنا جائز نہیں اور ایسی نماز کا اعادہ واجب ہے۔

(2) نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جو کسی نجومی (یا کاہن) کے پاس گیا اور اس سے (غیب کی کسی بات کو) پوچھا (اور وہ اسے اٹکل سے بتائے اور یہ یقین کر لے) تو اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔'' ❸ کہ یہاں نفیِ قبول ردِّ عبادت کے معنی میں نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کا نجومی کے پاس جانا اور اس سے غیب کی باتیں پوچھنا ایسا گناہ ہے جو اس کی نماز جیسی نیکی پر بھی محیط ہو جاتا ہے چاہے وہ نماز صحیح اور غیر مردود ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا ایسے آدمی کو نماز دہرانے کو نہ کہا جائے گا۔ تب پھر مذکورہ حدیث میں نفیِ قبول سے ردّ عبادت مراد ہے جس کا اعادہ لازم ہے۔

حَائِضٌ: مراد بالفعل حیض آنا نہیں بلکہ وہ عورت مراد ہے جس کو حیض آتا ہو یعنی وہ بالغ ہو چکی ہو نہ کہ یہ مراد ہے کہ اس وقت بھی اسے حیض آ رہا ہو کیونکہ جریانِ حیض کے ساتھ تو نماز ہی واجب نہیں رہتی۔

بِخِمَارٍ: خمار سر کو اوڑھنے اور ڈھانپنے والی اوڑھنی کو کہتے ہیں۔

---

❶ سنن ابی داؤد: 641۔ جامع الترمذی: 377۔ سنن ابن ماجہ: 655۔ مسند احمد: 218/6۔ صحیح ابن خزیمۃ: 775۔ صحیح ابن حبان: 1711۔ المستدرك للحاكم: 380/1۔ امام حاکم نے اس حدیث کو مسلم کی شرط پر کہا ہے۔

❷ صحیح البخاری: 135۔ صحیح مسلم: 225۔

❸ صحیح مسلم: 2230۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون حدیث:......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ بالغہ عورت کو نماز میں سر کا ڈھانپنا واجب ہے اگر نماز ننگے سر پڑھی یعنی کھلے بالوں کے ساتھ پڑھی تو نماز مردود اور واجب الاعادہ ہوگی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ عبادات کبھی مقبول تو کبھی مردود ہوتی ہیں۔ اس باب میں ضابطہ یہ ہے کہ جو عبادت تو سنت و شریعت کے مطابق ہوگی وہ مقبول ہوگی وگرنہ مردود۔
- بالغہ عورت پر نماز میں سر ڈھانپنا واجب ہے۔ رہا چہرے، ہاتھوں اور پاؤں کا سترِ صلوٰۃ میں داخل ہونا تو ان کا اس حدیث میں کوئی ذکر نہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ

(1) یا تو وہ سترِ صلوٰۃ میں داخل نہیں (2) یا پھر آپ ﷺ نے اس لیے سکوت فرمایا کہ سترِ صلوٰۃ معروف ہے۔ لٰہذا چہرے کا سترِ صلوٰۃ میں داخل نہ ہونا معروف ہے اس لیے اس بابت سکوت فرمایا۔

رہے یدین و قدمین تو ان کو بھی ستر میں داخل ہونے یا نہ ہونے کے معروف ہونے کی وجہ سے ذکر نہ فرمایا۔ اگر چہ ان کے سترِ صلوٰۃ میں داخل ہونے میں علماء کا اختلاف ہے لیکن زیادہ ظاہر قول ان کے عدمِ وجوب کا ہے کہ ان کا ستر غیر واجب ہے البتہ ان کو مستور کرنا احوط ہے۔

- معلوم ہوا کہ سر ڈھانپنے کے باب میں بالغہ اور نابالغہ میں فرق ہے کیونکہ نفیِ قبول میں ''حائض'' کی قید ہے جس سے معلوم ہوا کہ نابالغہ پر نماز میں سر ڈھانپنا لازم نہیں۔ حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ نابالغہ کا سترِ صلوٰۃ ناف سے گھٹنے تک ہے۔ لٰہذا اگر اس کی کلائی نماز میں کھل گئی تو اس کی نماز باطل نہ ہوگا۔
- حیض بلوغت کی ایک علامت ہے نہ کہ نفاس کیونکہ نفاس سے قبل بلوغت حاصل ہو چکی ہوتی ہے لٰہذا نفاس اگر چہ بالغہ کو آتا ہے لیکن یہ بلوغت کی علامت نہیں۔ حیض اور نفاس کا فرق قبل ازیں بیان کر دیا گیا ہے۔

نماز میں سترِ عورۃ کی شرط اور اس کے ضابطے

205,206- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُ: ((إِذَا كَانَ الثَّوْبُ وَاسِعًا فَالْتَحِفْ بِهِ)) يَعْنِي فِي الصَّلَاةِ.

وَلِمُسْلِمٍ: ((فَخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ، وَإِنْ كَانَ ضَيِّقًا فَاتَّزِرْ بِهِ))

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا: ''جب کپڑا کھلا (یعنی زیادہ) ہو تو اسے (اپنے بدن پر) لحاف کی طرح لپیٹ لو۔''

اور صحیح مسلم کی روایت کے یہ لفظ ہیں: ''تو اس کے دونوں پلوؤں کو مخالف طرف سے بدن پر لپیٹ لو اور اگر کپڑا تنگ (یعنی چھوٹا) ہو تو اس کو تہبند بنا کر باندھ لو۔'' [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:......فَالْتَحِفْ بِهِ: یعنی اس کو اپنا لحاف بنا لو کہ جیسے لحاف کو سارے بدن پر لپیٹ لیتے ہیں اسی طرح کھلے کپڑے کو بھی پورے بدن پر لپیٹ لو۔ اسی بنا پر دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: اور ان کے پلوؤں کو مخالف جانب

[1] صحيح البخاري: 361- صحيح مسلم: 3006

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے (ایک دوسرے کے اوپر) لپیٹ دو۔

فَاتَّزِرْ بِهِ: یعنی اگر کپڑا تنگ ہو تو اس کو تہبند بنالو۔ مراد یہ ہے کہ اگر کپڑا تھوڑا ہو تو پھر نچلے بدن کو ڈھانپنا زیادہ ضروری ہے۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا سارے بدن میں سے سترِ مغلظہ کو ڈھانپنا زیادہ ضروری ہے۔ غرض جب کپڑا زیادہ ہو تو اولیٰ یہ ہے کہ سارا بدن لپیٹا جائے۔ جس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الاعراف: 31)

''اے آدم کی اولاد! ہر نماز کے وقت اپنی زینت لے۔''

کہ اس آیت میں زینت سے مراد لباس اور مسجد سے مراد نماز ہے۔

جب کپڑا تھوڑا ہو تو کم از کم سترِ مغلظہ ڈھانپنا واجب ہے۔

مضمونِ حدیث:...... غریب الحدیث کے تحت اس حدیث کے مضمون کو بیان کر دیا گیا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ نماز میں مردوں کے لیے اوپر کے بدن کو ڈھانپنا ضروری نہیں جس کی دلیل یہ ارشاد ہے: فَاتَّزِرْ بِهِ اور یہ نہیں فرمایا کہ پورے بدن کو ڈھانپو۔ جس سے معلوم ہوا کہ بدن کا اوپری حصہ ستر نہیں۔ یہیں سے مرد کا ستر بھی معلوم ہو گیا کہ وہ ناف اور گھٹنے کے درمیان کا بدن ہے۔ لہٰذا نماز کے ستر میں دونوں رانیں داخل ہیں۔ جبکہ ناف اور گھٹنا داخل نہیں کیونکہ مَا بَيْنَ السُّرَّةِ وَ الرُّكْبَةِ کا مصداق یہی ہے کہ ناف اور گھٹنا ستر سے خارج ہو۔
- دینِ اسلام سہولت اور آسانی پر مبنی ہے کیونکہ شریعت نے کھلے اور تنگ کپڑے میں فرق کیا ہے۔ بے شک یہ دینِ اسلام کا ایک بنیادی قاعدہ ہے چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے: ''بے شک دین آسان ہے۔''[1]
- معلوم ہوا کہ کپڑا کم ہونے کی صورت میں زیریں بدن کا چھپانا اولیٰ ہے۔

نماز میں کندھوں کے ڈھانپنے کا بیان

وَلَهُمَا مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ: ((لَا يُصَلِّيْ أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، لَيْسَ عَلَى عَاتِقِهِ مِنْهُ شَيْءٌ)).

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد) ہے کہ ''تم میں سے کوئی ایک کپڑے میں (اس طرح) نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر اس کے کپڑے میں سے کچھ بھی نہ ہو۔''[2]

غریب الحدیث :...... اَلثَّوْب: اس سے مراد قمیص نہیں بلکہ ستر ڈھانپنے والا کپڑا ہے چاہے وہ قمیص ہو یا ازار، چادر ہو یا لحاف۔

عَلٰى عَاتِقِهِ: عَاتِق: یہ کندھے اور گردن کی جڑ کے درمیان کے حصۂ بدن کو کہتے ہیں۔ ایک روایت میں عَاتِقَيْهِ تثنیہ کا صیغہ ہے اور ان دونوں میں کوئی منافات نہیں۔[3]

---

[1] صحیح البخاری: 39.
[2] صحیح البخاری: 359۔ صحیح مسلم: 516.
[3] عَاتِقَيْهِ کا لفظ صحیحین کی روایت میں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شَيْءٌ: یہ نکرہ ہے جو نفی کے تحت ہے اور عموم کا فائدہ دے رہا ہے جو قلیل و کثیر دونوں کو شامل ہے۔

مضمون حدیث :......مراد یہ ہے کہ جب آدمی نماز ادا کرے تو اس کے کندھے پر بھی کچھ کپڑا ہو۔ چنانچہ مذکورہ حدیث میں دراصل یہی مسئلہ بیان کیا گیا۔ بلاشبہ یہ کمالِ ستر میں سے ہے۔ البتہ اس کے وجوب یا استحباب میں علماء کا اختلاف ہے۔ [1] چنانچہ بعض نے اس کو فرض اور نفل دونوں میں واجب کیا ہے اور بعض نے صرف فرض میں۔ جب کہ بعض دوسروں نے اسے سرے سے غیر واجب قرار دیا۔ البتہ یہ کمالِ ستر میں سے ہے اور یہی اصح قول ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ ایک ہی کپڑے میں نماز ادا کر سکتے ہیں۔ دو کپڑے ضروری نہیں لہٰذا صرف ازار باندھ کر بھی نماز ادا کر سکتے ہیں۔
- البتہ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب دوسرا کپڑا میسر نہ ہو۔ لہٰذا اگر دوسرا کپڑا موجود ہے تب ایک کپڑے میں نماز باطل ہوگی۔

ایک قول یہ ہے کہ ایک کپڑے میں نماز درست ہوگی چاہے دوسرا کپڑا ہے یا نہیں البتہ ایسے آدمی نے ستر میں کمی کر دی اور یہی صحیح قول ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ آدمی اس مسئلہ میں سستی سے کام نہ لے اور دو کپڑوں میں نماز ادا کرنے کا اہتمام کرے تاکہ اختلاف سے نکل جائے۔

- نماز میں کندھوں پر بھی کوئی کپڑا ہو یعنی ننگے نہ ہوں، اس کے وجوب یا استحباب میں اختلاف ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ اس مسئلہ میں فرض اور نفل میں فرق ہے۔ فرض میں کندھوں پر کوئی کپڑا ضرور ہو، لہٰذا اگر ازار باندھ کر کندھوں پر کوئی رومال وغیرہ رکھ لے تو فرض نماز بھی جائز ہوگی اور سر کھلے نماز کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الاعراف: 31)

''اے آدم کی اولاد! ہر نماز کے وقت اپنی زینت لے لو۔''

کی رُو سے اگر آدمی کا تعلق ایسے معاشرے اور قوم قبیلہ سے ہو جن میں سر ڈھانپنا زینت سمجھی جاتی ہے تو اس کے لیے نماز میں سر ڈھانپنا مستحب ہوگا اور جہاں اسے زینت میں داخل نہیں سمجھا جاتا، وہاں کے آدمی کے لیے نماز میں سر ڈھانپنا لازم نہیں۔

عورت کے سترِ صلوٰۃ کی مزید تفصیل

207- وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا ((أَنَّهَا سَأَلَتِ النَّبِيَّ ﷺ أَتُصَلِّي الْمَرْأَةُ فِي دِرْعٍ وَخِمَارٍ بِغَيْرِ إِزَارٍ؟ قَالَ: ((إِذَا كَانَ الدِّرْعُ سَابِغًا يُغَطِّي ظُهُورَ قَدَمَيْهَا)).

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا عورت ازار کے بغیر صرف کُرتی اور اوڑھنی میں نماز ادا کر سکتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(ہاں) جب کُرتی اتنی لمبی ہو کہ عورت کے قدموں کی پشت تک کو ڈھانپ

---

[1] دیکھیں: شرح العمدۃ لابن تیمیہ: 317/4 اور حاشیہ ابن عابدین: 404/1۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دے۔"❶

أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ . وَصَحَّحَ الْأَئِمَّةُ وَقْفَهُ .

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ائمہ حدیث نے اس حدیث کے موقوف ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔

غریب الحدیث:...... اَتُصَلِّي الْمَرْأَةُ: یہاں استفہام استخبار اور استعلام کے لیے ہے نہ کہ انکار کے لیے۔

اَلـدِّرْع: یہ قمیص کے مشابہ ایک لباس ہے۔ اسے دِرْع اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ معرکۂ کارزار میں اترنے والے جنگجو کی دِرْع کے مشابہ ہوتی ہے جسے وہ تیروں نیزوں اور تلواروں کے وار سے بچنے کے لیے پہنتا ہے۔

خِمَار: اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

سَابِغًا: یعنی پوری اور بدن کو قدموں تک ڈھانپنے والی ہو۔

درایۃ الحدیث:...... امام موصوف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ائمہ حدیث کے نزدیک موقوف ہے۔ یعنی یہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا کلام ہے اور چونکہ ایسی بات رائے سے نہیں ہوتی ہے اس لیے یہ روایت مرفوع کے حکم میں ہے۔ یاد رہے کہ جس حدیث کی اضافت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو وہ مرفوع اور جس کی اضافت کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی طرف ہو، وہ موقوف اور جس کی اضافت کسی تابعی رحمہ اللہ کی طرف ہو اس کو مقطوع کہتے ہیں۔

مضمونِ حدیث:...... اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ عورت کا اصل سترِ صلوٰۃ سر سے قدموں تک ہے۔ رہا چہرہ اور قدمین ویدین تو ان کی بابت اختلاف گزشتہ میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا اگر کسی عورت نے ایسی قمیص، کُرتا یا ایسا کوئی لباس پہن رکھا ہے جو اس کے قدموں کے ظاہر تک کو ڈھانپ لیتا ہے تو چاہے نیچے ازار نہ بھی ہو تب بھی نماز جائز ہے کیونکہ ازار سے جو مقصود ہے، وہ اس لمبی قمیص سے حاصل ہو گیا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں دین کی فقاہت حاصل کرنے کی بے حد حرص تھی۔ اسی لیے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا۔
- عورت لمبی اور ساتر قمیص میں نماز ادا کر سکتی ہے جو قدموں تک کو ڈھانپ لیتی ہو۔
- معلوم ہوا کہ قدمین سترِ صلوٰۃ میں داخل نہیں کیونکہ جو شے قدموں کے ظاہر کو ڈھانپے، لازم ہے کہ وہ قدموں کے باطن کو نہ ڈھانپ رہی ہو گی۔
- عورت ٹخنوں سے نیچے تک اپنے کپڑے لٹکا سکتی ہے کیونکہ قدموں کے ظاہر تک وہی کپڑا آئے گا جو ٹخنوں کو ڈھانپے

---

❶ سنن ابی داود: 640۔ امام ابوداؤد نے ائمہ حدیث سے اس حدیث کے موقوف ہونے کو نقل کیا ہے، جبکہ امام حاکم (380/1) نے بھی اس کو مرفوع روایت کیا ہے اور اسے امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر قرار دیا ہے اور امام مالک (142/1) نے اس حدیث کو موقوف روایت کیا ہے، دارقطنی نے اس کے وقف کو درست قرار دیا ہے۔ (دیکھیں: الدراية: 123/1، التحقيق: 323/1۔ نصب الراية: 299/1).

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے ہو۔ بخلاف مردوں کے کہ ان کو ٹخنوں سے نیچے ازار اور شلوار لٹکانا حرام ہے۔

تنبیہ: ..... امام موصوف نے سترِ عورت کی بابت جتنی روایات لائی تھی وہ یہاں پر آ کر ختم ہو گئی ہیں۔ البتہ ساترؒ کی شروط کا بیان باقی ہے جن کو ذیل میں اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے:

ساتر کی شروط اور اس کی طہارت کا لزوم

ساتر کی شروط مندرجہ ذیل ہیں:

(1) ساتر مباح ہو کہ حرام کے ساتھ تستّر جائز نہیں ہے۔ جیسے مباح احوال کے علاوہ میں مرد کا ریشم پہننا، ٹخنوں کے نیچے ازار یا شلوار لٹکانا، چوری یا غصب کا لباس ہونا وغیرہ۔ اس بارے راجح قول پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ ایسے لباس میں نماز تو باطل نہ ہو گی البتہ نمازی گناہ گار ضرور ہو گا۔

(2) ساتر طاہر ہو، نجس نہ ہو، کیونکہ نجس لباس میں نماز غیر صحیح ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی خبر پر نماز کے دوران اس جوتے کو اتار دیا تھا جس پر گندگی لگی تھی۔ [1]

(3) ساتر اتنا گاڑھا ہو کہ اس کے نیچے سے بدن چھلکتا نہ ہو۔ لہٰذا اگر کپڑا اتنا باریک ہوا کہ نیچے سے بدن نظر آتا ہو تو یہ ساتر معدوم کے حکم میں ہو گا اور نماز باطل ہو جائے گی۔ البتہ کپڑوں کے نہ ہونے کے وقت باریک کپڑے میں نماز بہ نسبت ننگے ہو کر نماز پڑھنے سے پھر بہتر ہے۔

(4) اگر کوئی ایسی مجبوری لاحق ہے کہ لباس میسر نہیں تو ننگے ہونے کی صورت میں بیٹھ کر نماز ادا کرنا افضل ہے کہ یہ صورت زیادہ ساتر ہے۔ البتہ صحیح قول یہ ہے کہ قیام پر قدرت کے ہوتے ہوئے قیام کا ترک جائز نہیں کیونکہ قیام رکنِ صلوۃ ہے جو عاجز ہونے کے وقت ہی ساقط ہوتا ہے جبکہ اس شخص کو ابھی قیام پر قدرت ہے۔ لہٰذا وہ چاہے وہ عاری بھی ہے تب بھی قیام کر کے نماز ادا کرے گا۔ لیکن اگر کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے میں جی میں بے حد خلش اور قلب میں بے حد بے چینی پیدا ہو تو اولیٰ یہی ہے کہ بیٹھ کر ہی نماز پڑھے۔

(5) اگر پاس صرف ناپاک کپڑے ہوں اور ان کو پاک کرنے کا بھی کوئی سبب میسر نہ ہو تو اس بارے تین اقوال ہیں:

(i) انہی کپڑوں میں نماز پڑھ لے اور اعادہ لازم نہیں۔

(ii) انہی کپڑوں میں نماز پڑھ کر بعد میں اعادہ کرے۔

(iii) ننگے نماز پڑھے۔

اگرچہ مشہور قول تو یہی ہے کہ وہ نماز پڑھ کر اعادہ کرے۔ لیکن یہ قول بے حد ضعیف ہے۔ کیونکہ اگر ان کپڑوں میں نماز

---

[1] سنن ابی داود: 385۔ مسند احمد: 20/3.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منع تھی تو نماز پڑھنا حرام تھا اور اگر ضرورت کی وجہ سے جائز اور مباح تھی تو اعادہ کا کوئی جواز نہیں۔ کیونکہ اس نے مامور کا امتثال کیا ہے۔ لہٰذا بلاشبہ درست قول یہ ہے کہ اس کا عریاں نماز پڑھنے سے ان نجس کپڑوں میں نماز پڑھنا اولیٰ ہے اور اس کے ذمہ اعادہ بھی نہ ہوگا کیونکہ نجاست اس صورت میں معاف ہوگی کیونکہ وہ اس کے ازالہ پر قادر نہیں۔ یہی راجح قول ہے۔ ❶ یہی قول ریشم کے لباس، چوری اور غصب کے لباس کی بابت ہے کہ جب ان کے علاوہ دیگر لباس میسر نہ ہو تو بجائے عاری ہو کر نماز پڑھنے کے ان کے ساتھ نماز پڑھے۔

استقبال قبلہ، اس کی شروط اور ضوابط کا بیان

نماز میں استقبالِ قبلہ کتاب وسنت سے واجب ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾ (البقرۃ: 144)

''یقیناً ہم تیرے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف پھرنا دیکھ رہے ہیں، تو ہم تجھے اس قبلے کی طرف ضرور پھیر دیں گے جسے تو پسند کرتا ہے، سو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور تم جہاں بھی ہو سو اپنے چہرے اس کی طرف پھیر لو۔''

استقبالِ قبلہ کے وجوب میں یہ نص صریح ہے۔ نبی کریم ﷺ مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد سولہ یا انیس ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرماتے رہے تھے۔ بعد میں آپ ﷺ کو کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ چنانچہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ کعبہ سب انبیاء علیہم السلام کا قبلہ رہا ہے۔ ❷ لہٰذا بیت المقدس کو قبلہ بنانا یہ یہود کی محرفانہ حرکت اور یہودیانہ کرتوت ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی شریعت نہیں تھی۔ پس کعبہ قیامت تک کے لیے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کا قبلہ ہے۔

اب استقبالِ قبلہ کی تفصیل یہ ہے کہ جو کعبہ کی عمارت دیکھ رہا ہو، اس پر عینِ کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے اور جسے عینِ کعبہ کا مشاہدہ ممکن نہ ہو اس پر جہتِ کعبہ کی طرف منہ کرنا واجب ہے اور آدمی جس قدر عینِ کعبہ سے دُور ہوتا جاتا ہے جہتِ کعبہ میں وسعت ہوتی جاتی ہے اور آدمی جوں جوں عینِ کعبہ کے قریب ہوتا جاتا ہے جہتِ کعبہ میں تنگی ہوتی جاتی ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے مدینہ والوں سے یہ ارشاد فرمایا: ''مشرق اور مغرب کے درمیان (تم لوگوں کا) قبلہ ہے۔'' ❸

کن صورتوں میں قبلہ کا استقبال واجب نہیں رہتا

(1) بے حد مریض جو قبلہ کی طرف رُخ کرنے سے عاجز ہو۔

(2) جسے دشمن وغیرہ سے اپنی جان کا ڈر ہو۔

(3) سفر میں نفل نماز میں کہ ان صورتوں میں استقبالِ قبلہ واجب نہیں رہتا۔

---

❶ دیکھیں شرح العمدۃ: 322/4. ❷ الفتاوی لابن تیمیۃ: 11/27.

❸ جامع الترمذی 342۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبلہ کی پہچان کا طریقہ

اب جس کے تو کعبہ کی عمارت سامنے ہے اسے جہت قبل کی تعیین بے حد سہل ہے اور جو ذرا دُور ہو اس کے لیے بھی آسان ہے، رہے بے حد دُور پار کے اور سمندر پار کے لوگ تو وہ آسمانی نشانیوں کے ذریعے یعنی سورج، چاند اور ستاروں کے ذریعے قبلہ کی جہت کی معرفت حاصل کریں گے جس کی تفصیل کتبِ فلکیہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اب ذیل میں وہ احادیث درج کی جاتی ہیں جو امام موصوف استقبال قبلہ کے بیان میں لائے ہیں:

لاعلمی کی وجہ سے غیر قبلہ کی طرف ادا کی جانے والی نماز کا حکم

208- وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: ((كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ، فَأَشْكَلَتْ عَلَيْنَا الْقِبْلَةُ، فَصَلَّيْنَا، فَلَمَّا طَلَعَتِ الشَّمْسُ إِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا إِلَى غَيْرِ الْقِبْلَةِ، فَنَزَلَتِ الْآيَةُ ((فَأَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ)) .

أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَهُ .

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک تاریک رات میں ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے پس ہمیں قبلہ (کی جہت) میں اشکال ہو گیا اور ہم نے (خوب اندازہ کر کے اپنے طور پر ایک جہت کو قبلہ سمجھ کر اس کی طرف رُخ کر کے) نماز ادا کر لی۔ مگر جب آفتاب طلوع ہوا تو کیا دیکھا کہ ہم نے تو غیر قبلہ کی طرف نماز ادا کی ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ: 115) ''تو تم جس طرف رخ کرو، سو وہیں اللہ کا چہرہ ہے۔'' [1]

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کر کے اس کو ضعیف کہا ہے۔

غریب الحدیث: ...... كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ: بلاشبہ یہ واقعہ سفر کا ہے ورنہ مدینہ نبویہ میں ہوتے ہوئے جہتِ قبلہ میں اشکال نہ ہوتا۔

أَشْكَلَتْ عَلَيْنَا: اشکال کسی چیز کے پیچیدہ اور مشکل ہونے کو کہتے ہیں، یہ وضوح و بیان کی ضد ہے۔ یہ الفاظ بتلاتے ہیں کہ پہلے ان لوگوں نے اس تاریک رات میں جہت قبلہ متعین کرنے کی بے حد کوشش اور خوب سوچ بچار کی تھی۔

إِذَا: یہ إِذَا مفاجاتیہ کہلاتا ہے۔

فَنَزَلَتْ: اس موقع پر صرف ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ ہی نازل نہ ہوئی تھی بلکہ اتنی آیت نازل ہوئی تھی: ﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ چنانچہ بسا اوقات راوی بعض آیت کے ذکر پر اقتصار کرتے ہوئے اس کو ذکر کرتے ہیں۔

فَأَيْنَمَا تُوَلُّوْا: یہ جملہ شرطیہ ہے۔

فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ: یہ جوابِ شرط ہے۔

ثَمَّ: یہ ظرف ہے جو هُنَاكَ کے معنی میں ہے اس کو ثُمَّ پڑھنا غلط ہے۔ کیونکہ ''ثُمَّ'' تو حرف عطف ہے۔

---

[1] جامع الترمذی: 2957۔ سنن ابن ماجہ: 1020۔ مسند البزار: 3812۔ اس حدیث کی اسناد میں اشعث السمان اور عاصم بن عبید اللہ ہیں۔ یہ دونوں ضعیف ہیں۔ (دیکھیں: الدرایۃ: 125/1)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون حدیث :......نماز میں جہتِ قبلہ کی طرف استقبال شرط ہے البتہ کسی عارضہ کی وجہ سے جہت قبلہ معلوم نہ ہوتو اس کی تلاش واجب ہے اور تلاش کے بعد جس طرف بھی نماز ادا کر لی گئی وہ جائز ہوگی چاہے بعد میں یہ معلوم ہو کہ وہ جہت غلط تھی اور نماز کا اعادہ لازم نہ ہوگا۔ البتہ بدون تلاش کے غلط جہت ادا کی جانے والی نماز باطل ہوگی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ عالم الغیب نہیں تھے وگرنہ آپ ﷺ کی موجودگی میں جہتِ قبلہ کی تعیین میں نہ اشکال ہوتا اور نہ خطا ہی ہوتی۔

◈ تحری کے بعد اگر غلط جہت میں نماز ادا ہوگئی تو اعادہ واجب نہ ہوگا۔ جس کی دلیل مذکورہ بالا آیتِ کریمہ ہے۔ البتہ اگر تحری کرنے میں کوتاہی سے کام لیا تو غلط جہت میں نماز ادا کرنے پر اعادہ واجب ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں اس آدمی نے نماز کی ایک شرط کے پانے کو ترک کر دیا۔

◈ معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم کبھی خود اور کبھی کسی سبب سے نازل ہوا۔ جیسا کہ مذکورہ آیت ایک سبب سے نازل ہوئی ہے۔

◈ رب تعالیٰ کا علم ہر شے کو وسیع و محیط ہے۔ جس کی دلیل مذکورہ بالا آیت ہے۔

◈ یہ آیت رب تعالیٰ کے لیے "وجہ" (چہرے) کو ثابت کرتی ہے جو حقیقی ہے۔ لیکن رب تعالیٰ کسی شے کے مماثل و مشابہ نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (الشوری : 11) "اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔" رب تعالیٰ کا چہرہ کیسا ہے؟ ہم بندے اس سے واقف نہیں لہٰذا ہمارے ذمہ صرف غیب پر ایمان لانا ہے۔ ہم غیب کی چیزوں کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں اس لیے ہم ان کی کیفیت کے بارے میں پوچھے بغیر ان پر ایمان لائیں گے۔

عینِ کعبہ سامنے نہ ہوتو قبلہ کعبہ کی جہت ہے

209- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ((مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ)).

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَقَوَّاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (اہلِ مدینہ سے) ارشاد فرمایا: "(تم لوگوں کا) قبلہ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔"[1]

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو قوی کہا ہے۔

غریب الحدیث:......مَا: یہ اسم موصول ہے اور مبتدا ہے۔

بَيْنَ: یہ شبہ جملہ ہے اور موصول کا صلہ ہے۔

قِبْلَةٌ: یہ مبتدا کی خبر ہے۔

---

[1] جامع الترمذی: 342 عن ابی سلمة عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ۔ جبکہ آگے (رقم 343) میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ابو معشر عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ کے طریق سے بھی روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرات محدثین نے ابو معشر میں کلام کیا ہے جبکہ لوگوں نے ان سے روایت لی ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سعيد المقبری عن ابی هريرة کے طریق سے مروی حدیث ابو معشر کی حدیث سے اقویٰ اور اصح ہے۔ پھر امام ترمذی نے حضرت سعید المقبری کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو روایت کر کے اس حسن اور صحیح کہا ہے۔ (لہٰذا اس تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا روایت سعید مقبری کے طریق سے ہے۔ [نسیم])

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ: یعنی ان لوگوں کا قبلہ یا تو شمال کی طرف ہے یا جنوب کی طرف۔ چنانچہ اہل مدینہ اور اہل شام کا قبلہ جنوب کی طرف ہے اور اہلِ یمن کا قبلہ شمال کی طرف ہے۔

مضمون حدیث :...... یہ ایک مثال ذکر کی گئی ہے کہ جو لوگ بھی کعبہ کے شمال یا جنوب میں آباد ہوں گے ان کا قبلہ مشرق اور مغرب کے درمیان مخالف جانب میں ہوگا۔ اسی طرح جو لوگ کعبہ کے مشرق یا مغرب میں آباد ہوں گے ان کا قبلہ شمال اور جنوب کے درمیان مخالف جانب میں ہوگا۔ لہٰذا جو کعبہ کے شمال میں ہوں گے ان کا قبلہ مشرق اور مغرب کے درمیان جنوب کی جانب ہوگا اور جو کعبہ کے جنوب میں ہوں گے ان کا قبلہ مشرق اور مغرب کے درمیان شمال کی طرف ہوگا اور جو کعبہ سے مشرق کی طرف ہوں گے ان کا قبلہ شمال اور جنوب کے درمیان مغرب کی جانب ہوگا اور جو کعبہ سے مغرب میں ہوں گے ان کا قبلہ شمال اور جنوب کے درمیان مشرق کی طرف ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ جو کعبہ کی عین سے دُور ہو اس کے لیے جہتِ کعبہ کا استقبال فرض ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- شریعت اسلامیہ میں آسانی ہے چنانچہ جس کے لیے عینِ کعبہ کا استقبال ممکن نہ ہو اس پر جہتِ کعبہ کا استقبال واجب ہے۔
- لہٰذا جب تک کوئی جہتِ کعبہ کی طرف ہے اُسے معمولی انحراف سے کوئی ضرر نہ ہوگا۔ کیونکہ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ کے الفاظ سے اس وسعت کا علم ہوتا ہے حالانکہ ان دونوں سمتوں میں کافی فاصلہ ہے۔
- جہت کعبہ کی تلاش لازم ہے البتہ اس میں تکلف اور غلو جائز نہیں۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ بسا اوقات معمولی سے انحراف کی وجہ سے لوگ ایک تعمیر شدہ مسجد کو ڈھا دیتے ہیں۔ یہ جائز نہیں کہ جب رب تعالیٰ نے وسعت دی ہے تو ہم بھی وسعت سے کام لیں۔
- شریعت کے خطابات کبھی عام تو کبھی خاص ہوتے ہیں۔ جیسے مذکورہ خطاب خاص اہل مدینہ، اہل شام اور اہل یمن کو اور جو جو لوگ ان کی جہتوں میں رہتے ہیں ان کو ہے۔ اگرچہ اس کے الفاظ عام ہیں۔

مسافر کے سواری پر سوار ہوتے ہوئے نماز ادا کرنے کا حکم

210- وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ رضي الله عنه قَالَ: ((رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ عَلٰى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، زَادَ الْبُخَارِيُّ: ((يُومِئُ بِرَأْسِهِ، وَلَمْ يَكُنْ يَصْنَعُهُ فِي الْمَكْتُوبَةِ))

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ سواری پر، وہ جدھر کو بھی چلی جا رہی تھی (ادھر کو رُخ فرما کر) نماز ادا فرما رہے تھے۔ ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ الفاظ مزید روایت کیے ہیں: آپ ﷺ سر مبارک سے (رکوع اور سجدہ کا) اشارہ کر رہے تھے البتہ آپ ﷺ فرض نماز میں ایسا نہ کرتے تھے۔ ❷

غریب الحدیث :...... رَأَيْتُ: اس سے رؤیتِ عینیہ مراد ہے نا کہ رؤیتِ قلبیہ۔

عَلٰى رَاحِلَتِهِ: رَاحِلَة سے مراد سواری ہے۔ جو گدھا اور اونٹ دونوں ہو سکتی ہیں۔

❶ صحيح البخاري: 400- صحيح مسلم: 701.　❷ صحيح البخاري: 1097.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حَيْثُ : یہ ظرفِ زمان ہے لیکن یہاں ظرفِ مکان بن کر آیا ہے۔

يُوْمِي بِرَاسِهِ: یعنی رکوع اور سجدہ کے وقت سر مبارک سے اشارہ فرمارہے تھے۔ اس روایت میں اس اشارہ کرنے کی کیفیت مذکور نہیں، دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سجدہ کا اشارہ رکوع سے زیادہ کرتے تھے۔ جیسا کہ واقع میں بھی ہے کہ رکوع صرف گھٹنوں تک ہوتا ہے جبکہ سجدہ بالکل زمین پر جا کر ہوتا ہے۔

وَ لَمْ يَكُنْ يَصْنَعُهُ: یعنی فرض نماز میں آپ ﷺ ایسا نہ کرتے تھے اور اس کو سواری سے اتر کر ادا فرماتے تھے۔

اَلْمَكْتُوبَةِ: فرض نماز۔

مضمون حدیث:...... اس حدیث میں دو مسئلے بیان کیے گئے ہیں:

(1) ایک یہ کہ نفل نماز سواری پر ادا کر سکتے ہیں چاہے سواری کا رُخ جس طرف بھی ہو۔ کہ نفل میں سواری پر ہوتے ہوئے استقبال قبلہ ساقط ہے۔

(2) دوسرا یہ کہ فرض نماز میں قبلہ کی طرف رخ کرنا فرض ہے لہٰذا فرض نماز سواری سے اتر کر ادا کی جائے گی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ معلوم ہوا کہ مجرد فعلِ رسول بھی حجت ہے۔ کیونکہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے فعل سے استدلال کیا تھا۔

◈ معلوم ہوا کہ دلیلِ قولی کی فعلِ رسول ﷺ سے تخصیص کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (البقرة : 149)

''اور تو جہاں سے نکلے سو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے۔''

یہ دلیل قولی ہے اور دلیلِ فعلی مذکورہ حدیث ہے۔ چنانچہ فقہاء کے ہاں ایک اصولی فقہی قاعدہ ہے کہ دلیلِ فعلی دلیلِ قولیٰ کی تخصیص کر سکتی ہے۔

◈ چلتی سواری پر نماز جائز ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے کیا۔

◈ معلوم ہوا کہ گدھا، خچر، گھوڑا اور اونٹ کہ ان کے ظاہری بدن اور ان کے پسینے پاک ہیں۔ وگرنہ ان پر نماز جائز نہ ہوتی۔

◈ مسافر سواری پر نفل نماز ادا کر سکتا ہے چاہے سواری کا رُخ جدھر بھی ہو۔

◈ سوار رکوع اور سجدہ اشارہ سے کرے گا۔ کیونکہ اس حال میں وہ رکوع اور سجدہ پر قادر نہیں۔

◈ شریعتِ اسلامیہ نے مکلّف پر فضیلت والے اعمال میں آسانی کی ہے جس کی سب سے عمدہ مثال نماز کا سواری پر ادا کرنے کا جواز ہے۔

◈ البتہ سواری پر فرض نماز ادا کرنا جائز نہیں جیسا کہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے اس بات کو صراحۃً بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ فرض نماز سواری سے اتر کر ادا فرماتے تھے۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فرض اور نفل دونوں میں ادائیگی کے طریقہ میں یکسانیت ہے، الا یہ کہ کسی چیز میں استثنا کی دلیل ہو، جیسے مذکورہ روایت میں استثنا مذکور ہے۔

سواری پر نفل نماز کی ابتدا کیسے کی جائے؟

211۔ وَلِأَبِي دَاوُدَ مِنْ حَدِيْثِ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ : اور سنن ابی داود میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

((وَكَانَ إِذَا سَافَرَ ، فَأَرَادَ أَنْ يَتَطَوَّعَ اسْتَقْبَلَ بِنَاقَتِهِ الْقِبْلَةَ ، فَكَبَّرَ ثُمَّ صَلَّى حَيْثُ كَانَ وَجْهُ رِكَابِهِ)) .

کریم ﷺ جب سفر پر روانہ ہوتے تھے اور (سفر کے دوران سواری پر ہی) نفل ادا کرنے کا ارادہ فرماتے تھے تو (پہلے) اپنی اونٹنی کو قبلہ رخ فرماتے اور تکبیر کہتے پھر آپ ﷺ کی سواری کا جدھر کو بھی رخ ہوتا (ادھر ہی رخ فرما کر) نماز ادا فرماتے رہتے۔ [1]

وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ .

اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔

غریب الحدیث: ..... سَافَرَ: یہ محلِ اقامت کے ترک کرنے کو کہتے ہیں۔

مضمون حدیث: .....اس حدیث کا مضمون بارہا گزر چکا ہے کہ سفر میں سواری کا جدھر کو بھی منہ ہو اسی طرف منہ کر کے نفل نماز ادا کر سکتے ہیں۔ البتہ اس میں بھی یہ شرط ہے کہ نماز کی ابتدا قبلہ رخ ہو کر کی جائے، پھر جدھر کو سواری جاتی ہو باقی کی نماز ادھر کو منہ کر کے ادا کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نفل نماز شروع کرنے سے قبل پہلے اپنی ناقہ کو قبلہ رخ فرماتے اور تکبیر تحریمہ کہتے تھے۔ معلوم ہوا کہ نفل نماز کے آغاز میں یعنی تکبیرِ تحریمہ کہنے میں استقبالِ قبلہ شرط ہے۔

سفر کی حد

کتنی مسافت پر نماز کو قصر کیا جائے، کسی حدیث میں بالتصریح اس کا بیان نہیں آتا۔ اس مسافت کا ذکر نصوص میں مطلق آتا ہے اور مطلق میں شرع شریف کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر تو شرع میں اس مطلق کی کوئی قید مل جائے تو اس پر عمل کیا جاتا ہے وگرنہ عرف کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اب اگر کتاب وسنت کی نصوص میں غور کریں تو ان میں اس مطلق کی قید کا نہیں بلکہ واقع کا بیان آتا ہے۔ اسی لیے شیخ الاسلام رحمہ اللہ ان فقہاء پر نکیر فرمایا کرتے تھے جو مسافت کی تحدید کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔ بلاشبہ شیخ رحمہ اللہ کا مذہب ہی متعین ہے۔ کیونکہ ہمارے پاس سفر کی تحدید و تقدیر کی کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ یہ تقدیر و تحدید شرع شریف کی طرف سے توقیف پر مبنی ہے جو یہاں مفقود ہے۔ اسی لیے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تھوڑے عرصہ میں طے کی جانے والی زیادہ مسافت بھی سفر ہے اور زیادہ عرصہ میں طے کی جانے والی تھوڑی مسافت بھی سفر کے حکم میں داخل ہے۔ پس ضابطہ یہ ٹھہرا کہ جس مسافت کے بھی قطع کرنے کے لیے آدمی تیاری کرے وہ سفر ہے۔

لہٰذا پہلی بات یہ ہے کہ اس باب میں ہم عرف کو دیکھیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مسافت کی تقدیر توقیفِ شرع کی محتاج ہے جو یہاں ہے نہیں، لہٰذا مطلق اپنے اطلاق پر باقی رہے گا۔ تیسری بات یہ ہے کہ مسافت کی جو تقدیر حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے بیان کی ہے اور وہ اسے جزم کے ساتھ بیان کرتے ہیں بلاشبہ یہ تقدیر حدیث میں وارد نہیں۔

تنبیہ: ..... مذکورہ حدیث میں دو باتیں اہم ہیں:

(1) ایک یہ کہ نفل نماز سواری پر ادا کر سکتے ہیں چاہے سواری کا رُخ جدھر کو ہو۔

(2) دوسری یہ کہ نفل نماز میں بھی تکبیرِ تحریمہ کہنے کے لیے اوّل سواری کو قبلہ رُخ کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی گزشتہ حدیث سے بظاہر جو یہ مستفاد ہوتا تھا کہ آپ ﷺ نفل نماز کو از اوّل تا آخر ادھر ہی ادا فرماتے تھے جدھر کو سواری کا

---

[1] سنن ابی داود: 1225۔ ابن سکن نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے جیسا کہ "خلاصة البدر المنير" (110/1) میں ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (208/3) میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رُخ ہوتا تھا۔ تو اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ نفل نماز کی ابتدا بہر حال استقبالِ قبلہ کے ساتھ ہی ہو گی۔ البتہ اصح اور ایسر قول حدیثِ عامر رضی اللہ عنہ کا ہے جو ارجح بھی ہے اور سنن ابی داؤد کی روایت استحباب مع التیسیر پر محمول ہو گی۔ یعنی اگر نماز کی ابتدا میں قبلہ رو کرنا میسر آئے تو کیا جائے۔ وگرنہ درست قول یہ ہے کہ یہ واجب نہیں بلکہ میسر ہو تو مستحب ہے۔

نماز کے لیے جگہ کا پاک ہونا شرط ہے

212۔ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((الْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ إِلَّا الْمَقْبَرَةَ وَالْحَمَّامَ)).

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَلَهُ عِلَّةٌ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''زمین ساری کی ساری جائے سجدہ (یعنی نماز ادا کرنے کے لائق) ہے سوائے قبرستان اور حمام کے۔''[1]

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور اس حدیث میں ایک علت ہے۔

غریب الحدیث :...... مَسْجِدٌ: مراد جائے صلوٰۃ ہے یعنی ساری کی ساری زمین محلِ صلوۃ ہے۔ اس قول میں وہی عموم ہے جو بابِ تیمّم کے تحت مذکور حدیث (رقم: 118) میں ہے۔

مَقْبُرَۃ: جائے قبر۔ مراد قبرستان ہے۔

حَمَّام: نہانے دھونے کے مکانات و مقامات۔

عِلَّت: یہ علم حدیث کی اصطلاح ہے جس کا تفصیلی تعارف گزر چکا ہے۔

مضمون حدیث :...... حدیث کا مضمون واضح ہے اور اس پر تفصیلی کلام حدیث (رقم: 118) کے تحت گزر چکا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- روئے زمین سے دو مقامات کا استثنا اس بات کی دلیل ہے کہ باقی کی ساری جگہوں پر نماز درست ہے۔ البتہ چند اور مقامات بھی مستثنیٰ ہیں جن کو تفصیل کے ساتھ حدیث (رقم: 118) کے تحت بیان کیا جا چکا ہے اور اگلی حدیث میں بھی ان کا ذکر آ رہا ہے۔
- قبروں کی طرف منہ کر کے یا قبرستان میں نماز کی ممانعت شرک کے فتنہ کے خوف سے ہے اور یہ ممانعت شرک کے ذرائع کو بند کرنے کی قبیل سے ہے اور قبریں چاہے چند ایک ہوں یا زیادہ سب کا حکم ایک ہے۔
- حمام میں نماز کی ممانعت اس جگہ کے گندا ہونے اور بسا اوقات نجس ہونے کی وجہ سے ہے۔ تو جب حمام میں نماز منع ہے جہاں نہاتے ہیں تو مِرْحَاض (ٹوائلٹ اور واش روم وغیرہ) میں نماز بدرجۂ اولیٰ منع ہو گی کیونکہ مِرْحَاض حمام سے

---

[1] جامع الترمذي: 317۔ امام ترمذی فرماتے ہیں اس روایت میں اضطراب ہے۔ اسے حماد بن سلمہ نے عمرو بن یحییٰ سے اور انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جبکہ ثوری رحمہ اللہ نے اسے عمرو بن يحيى عن ابيه عن النبی ﷺ کے طریق سے روایت کیا ہے۔ گویا کہ ثوری کی روایت اصح اور اثبت ہے۔ (سنن ابن ماجه: 745۔ صحيح ابن حبان: 2321) علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ "شرح العمدة" میں کہتے ہیں اس کی اسناد صحیح ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ ناپاک جگہ ہے کیونکہ یہاں بول و براز سے فراغت حاصل کی جاتی ہے۔

چند اور جگہیں جہاں نماز منع ہے

213- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى أَنْ يُصَلَّى فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ: فِي الْمَزْبَلَةِ وَالْمَجْزَرَةِ، وَالْمَقْبَرَةِ، وَقَارِعَةِ الطَّرِيقِ، وَالْحَمَّامِ، وَفِي مَعَاطِنِ الْإِبِلِ، وَفَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ اللّٰهِ)).

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَهُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سات جگہوں پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے (جو یہ ہیں): (1) کوڑی (2) بوچڑ خانہ (3) قبرستان (4) عام راستہ (5) حمام (6) اونٹوں کے سیراب ہو کر بیٹھنے کی جگہیں (7) اور بیت اللہ کی چھت پر۔" [1]

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے ضعیف کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... مَوَاطِنَ: یہ مَوْطَن کی جمع ہے۔ یہاں مطلق جگہ مراد ہے چاہے کوئی وہاں رہتا ہو یا نہ رہتا ہو۔

اَلْمَزْبَلَة: کوڑی، کوڑا خانہ۔ وہ جگہ جہاں کوڑا کرکٹ اور گندگی اور غلاظت کو ڈالا جائے۔ یہ زُبَالَة سے ہے اور زُبَالَة کوڑا کرکٹ گھاس پھونس اور گندگی کو کہتے ہیں۔ عموماً کوڑا گندی، نجس اور غلیظ چیزوں سے خالی نہیں ہوتا۔

اَلْمَجْزَرَة: بوچڑ خانہ یعنی سلاٹر ہاؤس جہاں جانوروں کو ذبح کر کے ان کی کھال اتاری جاتی ہے اور آلائشیں دور کر کے ان کے گوشت کے بڑے بڑے پارچے بنائے جاتے ہیں۔۔ چونکہ یہاں خون، اوجھ، انتڑیاں اور دیگر آلائشیں ضرور ہوتی ہیں اس لیے یہاں بھی نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔

قَارِعَةَ الطَّرِيقِ: اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔ یہ اس راستے کو کہتے ہیں جس پر لوگوں کا گزر کثرت کے ساتھ ہوتا ہے لہٰذا جس راستے پر لوگوں کا آنا جانا مہجور یا اقل قلیل ہے وہ اس ممانعت میں داخل نہیں۔ قَارِعَةُ الطَّرِيْق میں نماز پڑھنے کی ممانعت اس لیے ہے کیونکہ یا تو لوگوں کی آمد و رفت اور شور و شغب نماز کی توجہ کو خراب کرے گا اور جی میں تشویش پیدا کرے گا جو نماز کے کمال میں مخل ہوگا۔ یا لوگوں کو گزرنے میں تنگی ہوگی۔ کیونکہ راستے پر سب گزرنے والوں کا حق ہے۔ پھر یا تو یہ راستہ ناپاک ہوگا تو ممانعت کا حکم واضح ہے یا پھر پاک ہوگا تو پھر مذکورہ بالا دو اسباب کی وجہ سے نماز منع ہوگی۔

مَعَاطِنَ: اس پر تفصیلی کلام گزر چکا ہے۔

فَوْقَ ظَهْرِ الْبَيْتِ: مراد خانہ کعبہ کی عمارت کی چھت پر نماز پڑھنے کی ممانعت ہے کیونکہ خانہ کعبہ کی چھت پر دیواریں نہیں، لہٰذا نمازی کے سامنے خانہ کعبہ کی عمارت میں سے کچھ بھی نہ ہوگا۔ لہٰذا ایسا آدمی شطر المسجد الحرام کی طرف منہ کرنے والا نہ کہلائے گا لہٰذا اگر کسی نے کعبہ کی چھت پر نماز پڑھ لی تو صحیح نہ ہوگی۔ البتہ کعبہ کے اندر فرض یا نفل میں سے کسی نماز کے پڑھنے کی ممانعت نہیں۔ کیونکہ خود نبی کریم ﷺ سے خانہ کعبہ کے اندر نماز ادا فرمانا ثابت ہے۔ [2]

لیکن چونکہ سند ضعیف ہونے کی وجہ سے یہ حدیث صحیح نہیں اس لیے بظاہر یہ قول بلا دلیل ہے۔ ہاں اگر اس کے

---

[1] جامع الترمذی: 346، امام ترمذی فرماتے ہیں: اس کی اسناد ویسی قوی نہیں۔ سنن ابن ماجہ: 747 من طریق ابن عمرؓ عن عمرؓ۔ اس حدیث کی اسناد میں ابو صالح جس میں ائمہ حدیث نے کلام کیا ہے۔ دیکھیں: نصب الرایة: 323/2، الدرایة: 246/1۔

[2] صحیح مسلم: 1329۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح احادیث سے شواہد بھی ہوں تو ہم اس قول لے لیں گے۔

مضمون حدیث :......مذکورہ حدیث میں چند مزید جگہوں کا بیان ہے جہاں نماز ادا کرنا منع ہے جن کی علتیں غریب الحدیث کے تحت بیان کر دی گئی ہیں۔

قبروں کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا منع ہے

214- وَعَنْ أَبِي مَرْثَدٍ الْغَنَوِيِّ رضي الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((لَا تُصَلُّوْا إِلَى الْقُبُوْرِ، وَلَا تَجْلِسُوْا عَلَيْهَا)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے: ''قبروں کی طرف منہ کر کے نہ تو نماز پڑھو اور نہ ان پر بیٹھو۔'' [1]
اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:......لَا: یہ لائے نہی کا ہے جو قبروں کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کی ممانعت کا فائدہ دیتا ہے۔

اِلَی الْقُبُوْرِ: یعنی قبروں کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھو اور یہاں جنس قبر مراد ہے چاہے ایک ہو یا زیادہ یہ ممانعت کا حکم سب کو شامل ہے لہٰذا آدمی چاہے قبرستان میں نہ بھی ہو اور کسی ایک قبر کے سامنے ہو تب بھی اس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرنا منع ہوگا۔

مضمون حدیث :......اس حدیث میں ایک مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ سد ذرائع کے طور پر شریعت نے قبروں کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا منع کیا ہے تاکہ شرک کی مکمل بیخ کنی کی جا سکے۔ جبکہ دوسرا مسئلہ یہ بیان ہوا کہ قبروں پر بیٹھنا منع ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا حرام ہے۔ اسی طرح قبر کے اندر بھی نماز باطل ہے چاہے وہ جگہ پاک ہی ہو۔
- یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر قبر پیٹھ پیچھے ہو تو نماز درست ہو گی۔ یہ تب ہے کہ جب قبر ایک ہی ہو کہ اس کو پیچھے رکھ کر نماز ادا کی جائے۔ البتہ قبرستان میں نماز مطلق منع ہے چاہے قبریں پیچھے ہوں یا دائیں بائیں کیونکہ لوگ نیکوں کی قبروں سے توسل کرنے لگیں گے جو شرک کا راستہ ہے۔ لہٰذا قبرستان میں نماز مطلق منع ہے۔
- یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو لوگ مسجد نبوی میں صرف حجرۂ مبارکہ کے سامنے کھڑے ہونے کے قصد سے پہلی صف ترک کر دیتے ہیں وہ نرے گمراہ اور بدعتی لوگ ہیں۔
- شریعت اسلامیہ نے شرک تک پہنچنے کے معمولی سے معمولی راستے کو بھی بند کر دیا ہے۔
- قبروں پر بیٹھنا منع ہے اور یہ نہی تحریم کی ہے۔ دوسرے اس میں قبر کی ایک گونہ اہانت اور بے توقیری بھی ہے جس سے صاحب قبر کے ورثا کی دل آزاری ہو سکتی ہے جو حرام ہے۔ پھر قبر پر بیٹھنے کی وعید بھی آئی ہے کہ ''قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے کہ آدمی آگ کے انگارے پر بیٹھ جائے جو اس کے کپڑوں کو جلاتا ہوا اس کی کھال تک کو جلا ڈالے۔'' [2] اور وعید کسی چیز کی تحریم کو لازم کرتی ہے۔ لہٰذا قبروں پر بیٹھنا کبیرہ گناہ ہے۔ یوں شریعت نے جہاں قبروں کی بابت غلو سے منع کیا ہے وہیں ان کی اہانت سے بھی روکا ہے۔
- مسلمان کا حق اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ یعنی اس کا وہ احترام جو اس کے مرنے کے بعد کا ہے، وہ اب بھی

[1] صحیح مسلم، 972. [2] صحیح مسلم، 971.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باقی ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کی قبر پر بیٹھنا اس لیے منع ہے کیونکہ اس میں اس کی بے حرمتی ہے۔ اس کی تائید نبی کریم ﷺ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ "میت کی کسی ہڈی کا توڑنا ایسا ہی ہے جیسے اس کی کسی ہڈی کو اس کی زندگی میں توڑنا ہے۔" ❶

◈ معلوم ہوا کہ قبر سے ٹیک لگا سکتے ہیں البتہ قبر پر بیٹھ نہیں سکتے۔ البتہ اگر لوگ قبر سے ٹیک لگانے کو بھی قبر کی اہانت اور بے توقیری سمجھتے ہوں تو عرف کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ بھی منع ہوگا۔

نماز میں جوتے بھی پاک ہوں

215۔ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَنْظُرْ فَإِنْ رَأَى فِي نَعْلَيْهِ أَذًى أَوْ قَذَرًا فَلْيَمْسَحْهُ وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا)).

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "جب تم میں سے کوئی (چل کر نماز کے لیے) مسجد میں آیا ہو تو چاہیے کہ وہ (اپنے جوتے اور کپڑے وغیرہ) دیکھ لے۔ پس اگر تو وہ اپنے جوتوں پر کوئی گندگی یا نجاست لگی دیکھے تو اس کو پونچھ (کر صاف کر) دے اور (پھر) ان جوتوں میں نماز ادا کرے۔" ❷

أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ . وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ .

اس حدیث کو امام ابوداوُد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

216۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا وَطِئَ أَحَدُكُمُ الْأَذَى بِخُفَّيْهِ فَطَهُوْرُهُمَا التُّرَابُ)).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "جب تم میں سے کوئی اپنے جوتوں کے ساتھ کسی گندگی کی جگہ پر (سے گزرے اور) چلے (اور اس سے اس کے جوتوں کو بھی کچھ گندگی لگ جائے) تو ان جوتوں کی پاکی (ان کا) مٹی (کے ساتھ رگڑ کر پاک اور صاف کر دینا) ہے۔" ❸

أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ .

اس حدیث کو امام ابوداوُد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... إِذَا جَاءَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ: یعنی مسجد میں داخل ہونے کے لیے آئے اور "اذا" شرطیہ ہے۔

---

❶ یہ روایت "کتاب الجنائز" میں آ رہی ہے۔

❷ سنن ابی داود: 650۔ صحیح ابن خزیمۃ: 786۔ صحیح ابن حبان: 2185۔ المستدرك للحاکم: 235/1۔ حاکم کہتے ہیں: یہ روایت مسلم کی شرط پر ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ "المجموع" (145/1) میں فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے اس کو ابوداوُد نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

❸ سنن ابی داود: 386۔ صحیح ابن خزیمۃ: 292۔ صحیح ابن حبان: 1404۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ "الفتاوی" (167/22) میں فرماتے ہیں: رہی حدیثِ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ تو اس کے دوسرے الفاظ محمد بن عجلان کی روایت سے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو "شواھد" میں تخریج کیا ہے جبکہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اس کو "متابعات" میں ذکر کیا ہے۔ اس کے پہلے الفاظ کے راوی کا نام مذکور نہیں۔ لیکن اس روایت کا تعدد اور عدم شذوذ اس بات کو مقتضی ہے کہ یہ روایت حسن ہو۔ امام نووی رحمہ اللہ "المجموع" (550/2) میں لکھتے ہیں: اس حدیث کو ابوداوُد نے چند اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے جو سب کی سب ضعیف ہیں لہٰذا اس باب میں اعتماد حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ہوگا (جو اس سے پہلے گزری ہے)۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَلْيَنْظُرْ: یعنی وہ اپنے لباس وغیرہ کو اور بالخصوص جوتوں وغیرہ کو دیکھ لے۔ اس پر داخل ہونے والی ''فَا'' جوابِ شرط پر داخل ہونے والا حرف رابطہ ہے اور اس فعل پر داخل ہونے والی لام امر کی ہے۔

اَلْاَذٰی: مراد گندگی ہے جو نجاست نہ ہو جیسے کیچڑ، پھل سبزیوں کے چھلکے وغیرہ۔

اَلْقَذَرَ: نجاست اور غلاظت: عموماً جوتوں کو گندگی اور نجاست لگ ہی جایا کرتی ہے۔

فَلْيَمْسَحْهُ: یعنی جو گندگی یا نجاست لگی ہے اس کو جھاڑ کر یا پونچھ کر یا زمین پر رگڑ کر صاف کر دے۔ کیونکہ عہد نبوی ﷺ میں مساجد کے فرشوں پر آج کل کی طرح چٹائیاں، دریاں یا قالین وغیرہ نہیں بچھے ہوتے تھے اور مسجد کے فرش پر کنکریاں وغیرہ بچھی ہوتی تھیں اس لیے ان پر جوتوں سمیت کھڑے ہو کر نماز ادا کر لیا کرتے تھے۔

وَ لْيُصَلِّ: اس میں لام اباحت کے لیے ہے۔ یعنی جوتیاں صاف کر لینے کے بعد اب اس کے لیے ان جوتیوں سمیت نماز ادا کرنا مباح ہو گیا۔ کیونکہ اب یہ جوتیاں پاک ہو گئی ہیں۔ اس کی دلیل اگلی حدیث میں مذکور یہ الفاظ ہیں:

فَطَهُوْرُهُمَا التُّرَابُ: معلوم ہوا کہ مٹی کے استعمال کے ساتھ جوتے پاک ہو جاتے ہیں۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں متعدد مسائل ذکر کیے گئے ہیں جو یہ ہیں:

⊙ ...... جو مسجد میں داخل ہونا چاہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے جوتے کپڑے وغیرہ اچھی طرح دیکھ لے البتہ یہ حکم تب ہے جب جوتوں وغیرہ پر گندگی یا نجاست لگنے کا احتمال ہو اور اگر اس کا احتمال نہ ہو تو دیکھنے کی حاجت نہیں۔

⊙ ...... اگر جوتوں پر نجاست یا گندگی لگی ہو تو اس کو مٹی سے صاف کرنے سے جوتیاں پاک ہو جاتی ہیں۔

⊙ ...... تیسرے یہ کہ مسجد کو پاک اور صاف رکھنا واجب ہے۔ لہٰذا اگر مسجد میں کوئی تنکا یا کاغذ کا ٹکڑا وغیرہ بھی نظر آئے تو اس کو بھی اٹھا کر باہر پھینک دے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ مساجد کو پاک رکھنا واجب ہے اور فرض کفایہ ہے۔ لہٰذا کسی ایک کے پاک کر دینے سے یہ فریضہ سب کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔

◈ بظاہر زمین پر رگڑنے اور مٹی سے پونچھنے سے جوتی پاک ہو جاتی ہے، لہٰذا جوتی کے تلووں کی درزوں میں پھنسی نجاست یا غلاظت اور گندگی معاف ہو گی۔ کیونکہ ان درزوں سے کرید کر میل وغیرہ نکالنے میں مشقت ہے اور مشقت تیسیر لاتی ہے۔ [1] البتہ جوتی کے ظاہر اور اسفل کا پاک ہونا شرط ہے۔ اس بنا پر جوتی کو دھونے کا پابند بنانا شریعت کی سماحت و تیسیر کے خلاف ہو گا بالخصوص جب کہ پانی کی قلت ہو، جیسا کہ دورِ نبوی میں پانی کم ہوا کرتا تھا۔ لہٰذا صاحب ''زَادُ الْمُسْتَنْقِع'' وغیرہ نے جو اس موقع پر جوتے کو پانی سے دھونے کو لازم قرار دیا ہے ان کا یہ قول بے حد ضعیف ہے۔

◈ رہا مسجد میں داخل ہوتے وقت جوتی صاف کرنے کا حکم، تو بظاہر اس سے مسجد کے راستے میں گندگی کے جمع ہو جانے کا احتمال ہے۔ لیکن یہ میل اس قدر قلیل ہوتی ہے کہ بہت جلد متفرق ہو کر بکھر جاتی ہے اور اس کے آگے دوسروں کی جوتیوں کو لگنے کا احتمال نادر ہے۔

---

[1] المنثور في القواعد للزركشي: 169/3- الاشباه و النظائر للسيوطي، ص: 84.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ جو شے بھی نجاست زائل کر دے وہ مطہر ہے۔ جیسے یہاں مٹی کو مطہر کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ جوتے پر سے نجاست کے اثر کو زائل کر دیتی ہے۔

◈ معلوم ہوا کہ جب نجاست کا اثر یا اس کی ذات ختم ہو جائے تو جگہ پاک ہو جاتی ہے۔ لہٰذا سٹیم (بھاپ) کے ذریعے دھوئے جانے والے کپڑے پاک ہوں گے کیونکہ وہ نجاست کے اثر کو اڑا کر ختم کر دیتے ہیں۔ اسی طرح مختلف کیمیائی مراحل سے گزار کر گندے پانی کو جو پاک کیا جاتا ہے، اس کا پینا اور عبادات وغیرہ میں استعمال کرنا جائز ہوگا کیونکہ ان مراحل نے پانی میں موجود نجاست اور اس کے گندے اثرات کو ختم کر دیا ہوتا ہے۔

◈ معلوم ہوا کہ اگر جوتیاں پاک ہوں تو ان کو پہن کر نماز ادا کر سکتے ہیں۔ بلکہ سنت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جوتیوں میں نماز ادا کر لیا کرتے تھے۔ [1]

نماز میں کلام کا حکم اور اس کے ضوابط

217۔ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ ، إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''بے شک یہ نماز (ہے) کہ اس (نماز) میں لوگوں کی گفتگو میں سے کچھ بھی (کہنا) درست (یعنی جائز) نہیں ہے۔ بے شک یہ (نماز) تو تسبیح، تکبیر اور قرآن کی قراءت ہے۔'' [2]

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

سببِ حدیث: ......اس حدیث کا سبب یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز ادا کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک آدمی نے نماز میں چھینک لی اور ساتھ ہی اس نے الحمد للہ بھی کہہ دیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے نماز میں مخاطب کر کے چھینک کے جواب میں یرحمك الله کہہ دیا۔ جس پر لوگ انہیں تیز نگاہوں سے گھورنے لگے۔ لوگوں کو گھورتے دیکھ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قدرے خفگی محسوس ہوئی اور کہنے لگے: ہائے میری ماں کی اولاد گم ہو......عرب لوگ یہ محاورہ کسی بات پر ندامت کھانے کے موقع پر بولتے ہیں...... یہ سننا تھا کہ سب لوگ انہیں خاموش کرانے کے لیے اپنی رانوں پر زور زور سے ہاتھ مارنے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے اور مزید کچھ نہ کہا۔ نماز کے بعد نبی کریم ﷺ نے انہیں بلوایا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! میں نے آپ ﷺ سے زیادہ اچھے طریقہ سے سکھلانے والا اور کوئی نہیں دیکھا، اللہ کی قسم! نہ تو آپ ﷺ نے مجھے ڈانٹا اور نہ ترش روئی سے پیش آئے اور فرمایا تو بس یہی...... آگے مذکورہ بالا حدیث ہے۔

غریب الحدیث: ......إِنَّ هٰذِهِ الصَّلٰوةُ: مذکورہ اشارہ کسی عین کی تعیین کے لیے نہیں بلکہ جنس کی تعیین کے لیے ہے اور یہ وضاحت اس لیے کی ہے کہ اگر اس اشارہ کو عین کی تعیین کے لیے مان لیا جائے تو پھر مذکورہ تحریم خاص اسی نماز کے لیے ہوگی جس میں یہ واقعہ پیش آیا ہے حالانکہ یہ تحریم نفسِ نماز کے لیے یعنی سب کی سب نمازوں کے لیے ہے چاہے وہ فرض

[1] صحیح مسلم: 554. [2] صحیح مسلم: 537

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں یا نفل۔ چاہے وہ رکوع سجدہ والی ہوں یا ان میں رکوع، سجدہ نہ ہو جیسے نمازِ جنازہ کہ کسی بھی نماز میں لوگوں کے کلام میں سے کچھ بھی کہنا حرام ہے۔ **لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ**: شَيْءٌ نکرہ ہے جو نفی کے تحت آیا ہے اور تعمیم کا فائدہ دے رہا ہے۔ لہٰذا لوگوں کا کلام چاہے نفسِ صلوٰۃ سے متعلق ہو، جیسے نماز پڑھتے ہوئے ایک آدمی مسجد میں داخل ہونے والے کو یہ کہہ دے کہ "بھائی! ابھی دوسری رکعت ہے جلدی سے نماز میں شامل ہو جاؤ" بلاشبہ یہ کلام نماز سے متعلق ہے لیکن ہے تو کلام الناس لہٰذا یہ منع ہو گا اور چاہے اس کا نماز سے تعلق نہ ہو اور وہ تو بدرجۂ اولیٰ حرام اور منع ہو گا۔

كَلَامُ النَّاسِ: كَلَامُ النَّاسِ اس کو کہتے ہیں جس کے ذریعے دوسرے کو مخاطب کیا جاتا ہے کہ یہی قطعی طور پر مراد ہے نا کہ وہ گفتگو مراد ہے جو لوگ آپس میں کرتے ہیں۔

اِنَّمَا هُوَ: اِنَّ حرفِ تاکید کے بعد مذکورہ "مَا" مَا كَافَّه کہلاتا ہے جو حروفِ مشبہ بالفعل کو عمل کرنے سے روک دیتا ہے۔

هُوَ: اگر تو یہ لفظ محفوظ ہے، تب یہ ضمیرِ شان ہے۔ یعنی اِنَّمَا شَأْنُ الصَّلٰوةِ التَّكْبِيْرُ وَ التَّسْبِيْحُ. "نماز کی شان تو تکبیر اور تسبیح ہی ہے۔" اور یہ نماز کے استفتاح، قیام، رکوع اور سجدہ کی تحمید و تکبیر و تسبیح ہیں جو معروف ہیں۔

قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ: مراد قیام میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کرنا اور اس کے ساتھ کسی سورت یا چند آیاتِ کریمہ کا ملانا ہے۔

اَلْقُرْآن: مراد وہ مصحف ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے اور یہ غُفْرَان اور شُكْرَان کی طرح مصدر ہے اور مصدر یا تو فاعل کے معنی میں ہوتا ہے یا مفعول کے معنی میں۔ لہٰذا فاعل کے معنی میں یہ قَارِی کے معنی میں ہو گا کیونکہ قرآن جمع کرنے والا ہے جیسے قَرْيَةٌ کہ وہ اپنے باشندوں کو جمع کرنے والا ہے اور مفعول کے معنی میں مَقْرُوْءٌ کے معنی میں ہو گا کیونکہ قرآن کو پڑھا جاتا ہے اور یہ دونوں معانی ہی صحیح ہیں۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ نماز صرف ذکر و تسبیح، تحمید و تہلیل اور قراءتِ قرآن کا محل ہے اس میں لوگوں کا کلام حرام اور منع ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ قرآن کی طرح حدیث کی بھی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں:

  (1) ایک وہ جس کا کوئی سبب ہو (2) دوسری وہ ہے جس کا کوئی سبب نہ ہو

  سببِ حدیث کی معرفت اس کے معنی کے سمجھنے میں کافی مدد دیتی ہے۔
- کلام الناس نماز کو باطل کر دیتا ہے۔ چاہے وہ زیادہ ہو یا تھوڑا۔ دونوں کا حکم ایک ہے اور یہ کلام چاہے جانتے بوجھتے کیا ہو یا لاعلمی میں کہ حدیث کا عموم اس سب کو مقتضی ہے۔ لیکن جہل و نسیان اس حدیث کے مصداق میں شامل نہیں کیونکہ مذکورہ حدیث ان پر دلالت نہیں کرتی جیسے کہ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔
- کلام میں اصل یہ ہے کہ وہ کلام ہو چاہے یک حرفی ہو، دو حرفی ہو یا اس سے زیادہ۔ لہٰذا اگر کسی نے نماز میں دوسرے سے یہ کہا کہ "آ" [1] تو یہ کلام ہو گا چاہے یک حرفی ہے کیونکہ اردو زبان میں یہ امر ہے اور یہ ایک مکمل بات ہے کہ اس میں

---

[1] شیخ ابن عثیمین رحمۃ اللہ نے اس موقع پر عربی کی مثالیں ذکر کی ہیں جو ہمارے اردو خواں قارئین کے لیے مفید نہیں۔ لہٰذا بندہ عاجز مترجم ابوقید ارنسیم نے اردو کی مثال لکھ دی ہے تاکہ مسئلہ بے غبار ہو جائے۔ (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے کو آگے آنے کو کہا جا رہا ہے۔لہٰذا اس قدر لفظ کہنے سے بھی نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ حکم کا مدار کلام کے ہونے یا نہ ہونے پر ہے نہ کہ حروف کے کم یا زیادہ ہونے پر۔

◈ معلوم ہوا کہ جس کلام کا تعلق رب تعالیٰ کی ذات سے ہو وہ نماز کو باطل کرنے والا نہیں لہٰذا اگر کوئی نماز میں یہ کہے رَبِّ اَسْئَلُكَ یارَبِّ اَشْكُرُكَ تو اس کہنے سے نماز باطل نہ ہوگی۔کیونکہ ان کلمات سے رب تعالیٰ سے خطاب کیا گیا ہے اور یہ ایسا کلام ہے جو لوگ ایک دوسرے سے نہیں کرتے۔

◈ بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكُمْ کہنے سے نماز کے باطل ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے، راجح قول یہ ہے کہ اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

◈ نماز کے دوران کسی چوٹ کے لگنے سے زبان سے بے ساختہ ''اُح'' وغیرہ جیسا کلمہ نکل جانے سے نماز باطل نہیں ہوتی کیونکہ یہ کلمہ غیر مقصود ہوتا ہے۔

◈ معلوم ہوا کہ تسبیح، تحمید، تکبیر اور قراءتِ قرآن نماز کے ارکان ہیں یعنی ان کے بغیر نماز درست نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کو اِنَّهَا کے حصر کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور یہی راجح قول ہے کہ رکوع اور سجدہ میں تسبیح واجبات صلوٰۃ میں سے ہے۔رہا حدیث مسیء صلوٰۃ سے استدلال کر کے اس تسبیح کو سنت کہنا تو یہ قول ضعیف ہے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں صرف اسی بات کو ذکر فرمایا ہے جس میں وہ صاحب خلل ڈال رہے تھے۔تب پھر رکوع اور سجدہ میں تسبیح اور قیام میں قراءتِ فاتحہ واجب ہوں گے۔قراءتِ فاتحہ پر مفصل کلام آگے آ جائے گا۔

◈ معلوم ہوا کہ اگر کسی نے نماز میں لاعلمی میں کلام کر لیا تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی اور نہ اس پر اعادہ ہی لازم ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کو یہ تو تعلیم فرمائی کہ یہ نماز محلِ قراءت اور تکبیر و تسبیح اور تحمید کی جا ہے البتہ انہیں نماز کے اعادہ کا حکم نہ دیا۔لہٰذا راجح قول یہ ہے کہ جس نے جہل یا نسیان کی بنا پر نماز میں کلام کیا اس پر نماز کا اعادہ واجب نہ ہوگا۔کیونکہ جہل اور نسیان دونوں ایک دوسرے کے قرین یعنی ساتھی ہیں اور احکام شرعیہ میں اکثر جگہ دونوں کا حکم ایک ہوتا ہے۔یہی راجح قول ہے اور یہی حکم بلا قصد منہ سے بات نکل جانے کا بھی ہے۔

◈ معلوم ہوا کہ نمازی کو نماز کے جس حال میں بھی چھینک آ جائے چاہے قیام میں اور چاہے رکوع اور سجدہ میں تو وہ الحمد للّٰہ کہے۔کیونکہ یہ ایک ذکر ہے جس کا سبب نماز میں پایا گیا ہے اور یہ ذکر نماز کے منافی نہیں ہے۔لہٰذا یہ حمد مشروع ہوگی۔کیونکہ نماز پوری کی پوری قراءت، تکبیر، تسبیح اور تحمید سے عبارت ہے۔یہی راجح قول ہے کہ نماز میں چھینکنے والا الحمد للّٰہ کہے گا۔بخلاف اس کے جو نمازی کے چھینک آنے پر الحمد للہ کہنے کو مکروہ کہتا ہے۔پس درست یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔[1]

◈ نبی کریم ﷺ کا حسنِ تعلیم کہ آپ ﷺ نے حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کو نہ تو جھڑکا اور نہ آپ ﷺ نے غصہ ہی فرمایا بلکہ کمال شفقت اور محبت سے آئندہ کے لیے صحیح بات اختیار کرنے کی تنبیہ فرما دی اور حکم کے بیان کے ساتھ اس کی علت کو بھی ذکر فرما دیا تاکہ مخاطب کا دل اس حکم کو سن کر مطمئن ہو جائے۔

[1] الفروع: 84/1- المجموع: 190/2

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز میں کلام کی ممانعت کا بیان

218- وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: ((إِنْ كُنَّا لَنَتَكَلَّمُ فِي الصَّلاةِ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ، يُكَلِّمُ أَحَدُنَا صَاحِبَهُ بِحَاجَتِهِ ، حَتَّى نَزَلَتْ ((حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلاةِ الْوُسْطَى ، وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ)) فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ ، وَنُهِيْنَا عَنِ الْكَلامِ)) .

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ .

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ عہد نبوی میں (شروع شروع میں) ہم نماز میں بات کرلیا کرتے تھے۔ (چنانچہ) ہم میں سے ایک (نماز میں ہی) اپنے ساتھ کے ساتھی سے اپنی ضرورت کی بات کرلیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ آیت اتری: (ارشاد باری تعالیٰ ہے): ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝﴾ (البقرة: 238) ''سب نمازوں کی حفاظت کرو اور درمیانی نماز کی اور اللہ کے لیے فرماں بردار ہو کر کھڑے رہو۔'' پس ہمیں (نماز میں) خاموش رہنے کا حکم دے دیا گیا اور (اب) ہمیں (نماز میں ایک دوسرے سے) کلام کرنے سے منع کر دیا گیا۔ ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں۔

غریب الحدیث :......اِنْ كُنَّا: یہ اِنْ شرطیہ نہیں بلکہ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الْمُثَقَّلَةِ ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اس کی خبر لَنَتَكَلَّمُ پر لام داخل ہے اور اس کا اسم وجوباً محذوف ہے جو ضمیر ہے اور یہ ضمیر شان ہے اور اگر اس کی خبر پر یہ لام داخل نہ ہوتا تو اس اِنْ کے نافیہ ہونے کا بھی احتمال تھا۔ اسی لیے اس لام کو لام فارقہ کہتے ہیں جو اِنْ نافیہ اور اِنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الْمُثَقَّلَةِ میں فرق کر دیتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس ضمیر کا ضمیر شان ہونا ضروری نہیں جو مفرد اور غائب کی ضمیر ہوتی ہے بلکہ مفرد تثنیہ جمع اور مذکر مونث ہونے میں یہ ضمیر سیاق کے مناسب ہوتی ہے۔ اس بنا پر تقدیری عبارت یوں ہوگی: اِنَّنَا كُنَّا لَنَتَكَلَّمُ .

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ: نماز کی محافظت میں اس کے اوقات اور ارکان و شروط اور سنن و واجبات کی محافظت داخل ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے بے وضو نماز پڑھ لی یا ناپاک کپڑوں میں نماز ادا کر لی تو اس نے نماز کی محافظت نہیں کی۔

اَلصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى: اس سے مراد عصر کی نماز ہے جو دن اور رات کی نمازوں کے درمیان میں ہے۔

قُوْمُوْا لِلّٰهِ: مراد نماز میں رب کے حضور کھڑے ہونا ہے اور لفظ اللہ پر داخل لام اختصاص کے لیے ہے۔ یعنی نماز میں اخلاص واجب ہے کیونکہ نماز خاص اللہ ہی کے لیے ادا کی جاتی ہے۔

لِلّٰهِ میں قنوت کے وجوب کی طرف اشارہ ہے اسی لیے اخلاص کو عمل پر مقدم کیا گیا۔

قَانِتِيْنَ: قنوت یہ کلام آدمی سے سکوت کرنے کو کہتے ہیں نہ کہ مطلق سکوت کر جانے کو۔ کیونکہ نماز تو ذکر و تسبیح اور تحمید و قراءت کا محل ہے جو سکوت کی ضد ہے۔ اسی لیے سَاكِتِيْنَ نہیں فرمایا بلکہ قَانِتِيْنَ فرمایا یعنی کلام آدمیین سے خاموشی اختیار کی جائے۔

مضمون حدیث :......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اوّل اوّل لوگ نماز میں ایک دوسرے سے اپنی روزمرہ کی ضرورت کی گفتگو کرلیا کرتے تھے لیکن بعد میں اس کو منع کر دیا گیا۔ اب نماز میں کلام آدمیین سے سکوت کر کے

---

❶ صحيح البخاري: 1200- صحيح مسلم: 539 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھڑے ہونا واجب ہے وگرنہ نماز باطل ہو جائے گی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ اس حدیث میں مذکورہ آیت کا سببِ نزول ذکر ہے۔

◈ احکام شرعیہ میں نسخ جائز ہے۔ یہ مسئلہ علمائے شریعت کے ہاں متفق علیہ ہے اور نسخ کے جواز پر اجماع ہے۔ اور جواز سے مراد اس کا غیر ممتنع ہونا ہے نہ کہ مباح ہونا مراد ہے۔ لہٰذا مصلحت کے مقتضیٰ کے مطابق نسخ واجب بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا کتبِ اصول میں جو لکھا ہوتا ہے کہ نسخ جائز ہے۔ تو اس سے مراد اس کا غیر ممتنع ہونا ہوتا ہے۔ نسخ کی تفصیلی بحث اور اس کے متعلقہ جملہ احکام ومسائل کے بیان کا یہ محل نہیں۔ اس کو کتبِ اصول اور علوم القرآن سے متعلقہ کتب میں دیکھا جا سکتا ہے۔

◈ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز میں کلام کے جواز کے وقت بھی نماز میں ادب ملحوظ و قائم رکھتے تھے۔ وہ بقدر ضرورت و حاجت بات کرتے تھے وگرنہ خاموش رہتے تھے۔

◈ قرآن سارے کا سارا کل بھی اور بعض بھی صرف اور صرف رب تعالیٰ کے ہاں سے ہی اترا ہے۔

◈ اور قرآن اکٹھا نہیں بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے اترا ہے۔

◈ اس حدیث میں رب تعالیٰ کے لیے علو کا اثبات ہے۔ کیونکہ قرآن کا نزول اس کے آسمانوں سے یعنی اوپر سے اترنے کو مستلزم ہے اور قرآن نازل کرنے والا اللہ ہے۔ لہٰذا نزولِ قرآن رب تعالیٰ کے عالی ہونے کو مستلزم ہے۔

◈ رب تعالیٰ کے ہاں نماز کا بے حد رتبہ اور اس پر رب تعالیٰ کی خاص نظر عنایت ہے کہ اس کے معمولی سے معمولی حکم کو بھی رب تعالیٰ نے خود بیان فرمایا ہے۔

◈ نمازِ عصر کی فضیلت کہ اسے علیحدہ سے ذکر فرمایا ہے۔

◈ مذکورہ آیت سے ثابت ہوا کہ نماز میں اخلاص واجب ہے۔ جو لِلّٰهِ کے کلمہ سے مستفاد ہوتا ہے جیسا کہ ذکر ہوا۔

◈ نماز میں قیام فرض ہے جس کی دلیل قُوْمُوْا کے الفاظ ہیں۔ ہاں عدمِ استطاعت کی صورت میں فرض نہیں رہتا جس کی تفصیل اپنے مقام پر آ جائے گی۔

◈ سنت قرآن کی تفسیر ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے قنوت کی تفسیر اس بات سے فرمائی کہ آپ ﷺ نے نماز میں ساکت رہنے کا حکم دیا۔ کیونکہ اُمِرْنَا کے کلمہ میں امر دینے والی ذات نبی کریم ﷺ کی ہے۔

◈ اگر فاعل معلوم ہو تو اس کا اخفاء یا حذف جائز ہوتا ہے۔ چونکہ اُمِرْنَا اور نُهِيْنَا جیسے کلمات کو سن کر سب کا ذہن صرف اور صرف حضرت رسالت مآب ﷺ کی طرف جاتا تھا اس لیے یہاں فاعل کا اخفاء جائز ہے۔

◈ نسخ جائز ہے۔ کیونکہ نماز میں پہلے بات کرنا مباح تھا جسے منسوخ کر کے بعد میں حرام ٹھہرا دیا گیا۔

◈ رب تعالیٰ کا علم کامل، قدیم اور محیط ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے یہ آیت اس وقت نازل فرمائی جب رب تعالیٰ نے یہ جانا کہ لوگ نماز میں باتیں کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ امر معلوم ہے کہ رب تعالیٰ کو ہر شے کا علم ہے۔

◈ نماز میں آدمی جی میں بھی باتیں نہ کرے کیونکہ نماز میں دوسروں سے بات کی ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ دل اللہ کی طرف متوجہ رہے، دوسرے کی طرف متوجہ نہ ہو۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ جی میں بھی خیالات نہ لائے تاکہ خود میں لگ کر اپنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پروردگار سے غافل نہ ہو۔

نماز میں کوئی امر پیش آ جائے تو کیا کیجیے

219- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((التَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ، وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، زَادَ مُسْلِمٌ ((فِي الصَّلَاةِ)).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''(اگر نماز میں کوئی امر پیش آ جائے تو) مردوں کے لیے سبحان اللہ کہنا ہے اور عورتوں کے لیے ہاتھ پر ہاتھ مارنا ہے۔'' [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور صحیح مسلم میں یہ الفاظ زائد ہیں: ''نماز میں۔''

غریب الحدیث:...... اَلتَّسْبِيحُ: مراد سُبْحَانَ اللّٰهِ کہنا ہے۔

لِلرِّجَالِ: مراد یہ ہے کہ مذکر لوگوں کے لیے تسبیح ہے۔ للہٰذا اس توجیہ سے نابالغ بھی اس حکم میں داخل ہوں گے گو کہ وہ رجل کا مصداق نہیں ہوتے۔

اَلتَّصْفِيقُ: ایک ہاتھ پر دوسرے ہاتھ کو مارنا۔ جس کا مطلب صرف ''تالی بجانا'' ہی نہیں۔

لِلنِّسَاءِ: ''النساء'' اِمْرَاَةٌ اور نِسْوَةٌ دونوں کی جمع ہو سکتی ہے۔ البتہ اگر یہ اِمْرَاَةٌ کی جمع ہو تو یہ جمع مِنْ غَيْرِ لَفْظِهٖ ہو گی۔ یہاں بھی مراد مونث ہے جو بالغہ اور نابالغہ دونوں کو شامل ہو گا۔

فِي الصَّلٰوةِ: یہ حکم فرض اور نفل دونوں نمازوں کو شامل ہے۔ کیونکہ اَلصَّلٰوةِ میں الف لام عموم کے لیے ہے۔

سبب حدیث:...... ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب کو دیکھا کہ وہ نماز کے دوران کسی بات پر تنبیہ کرنے کے لیے اپنی رانوں پر ہاتھ مار رہے ہیں۔ اس پر نماز کے بعد آپ ﷺ نے انہیں یہ ارشاد فرمایا۔

مضمون حدیث:...... اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر نماز میں کوئی امر پیش آ جائے تو مرد لوگ اس کی طرف امام کو متوجہ کرنے کے لیے سُبْحَانَ اللّٰهِ کہیں جبکہ عورتیں ہاتھ پر ہاتھ ماریں جس سے ایک آواز پیدا ہو۔ جس کی تفصیل ذیل میں آ جاتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ اگر نماز میں ایسی بات پیش آ جائے جو اسے نماز سے نہ روکے تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نماز میں بچے کے رونے کی آواز سنتے تھے اور نماز جاری رکھتے تھے۔ [2]

◈ مردوں کے لیے تحمید کی بجائے تسبیح مقرر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ امام کا نماز کے دوران بھول جانا اکثر ہے۔ للہٰذا اس وقت رب تعالیٰ کی پاکی بیان کر کے اس کی ذات کو اس عیب سے منزہ و مبرا قرار دیا جائے کہ بھول جانے کا یہ عیب بندوں کا خاصا ہے نا کہ خالق و پروردگار کا۔

---

[1] صحيح البخاري: 1203- صحيح مسلم: 422.

[2] صحيح البخاري: 707- صحيح مسلم: 470.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- تسبیح نماز کے منافی اور مبطلِ صلوۃ نہیں۔
- اگر کوئی نماز میں بجائے سبحان اللہ کہنے کے کھنکارنے لگے یا قرآن کی کوئی آیت پڑھنے لگے تو اس کا حکم آگے آ جاتا ہے۔
- معلوم ہوا کہ نماز کی مصلحت کے لیے یا کسی حاجت کی وجہ سے کیا جانے والا عمل مبطلِ صلوٰۃ نہیں جیسے عورتوں کی تصفیق کہ یہ عمل ہے۔لیکن چونکہ اس میں یا تو نماز کی مصلحت ہے جیسے امام کو اس کے سہو پر متوجہ کرنا اور یا یہ کسی حاجت کی بنا پر ہے اس لیے اس سے نماز باطل نہ ہوگی۔
- شریعت نے حکمت کے مقتضیٰ کے مطابق مردوں اور عورتوں میں تفریق کی ہے۔ چنانچہ چونکہ عورت کی آواز کا پردہ ہے اس لیے امام کو تنبیہ کے باب میں عورتوں کو مردوں سے یہ حکم دے کر جدا کیا کہ وہ سبحان اللہ کہہ کر بھی آواز نہ نکالیں بلکہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر امام کو اس کے سہو پر متنبہ کریں۔
- معلوم ہوا کہ ہاتھ پر ہاتھ مارنے کا حکم عورتوں کو نماز کی اس جماعت میں ہے جس میں مرد لوگ بھی ہوں۔لیکن اگر صرف عورتیں ہی با جماعت نماز پڑھ رہی ہوں، تب پھر اگر تو لفظوں کے عموم کو دیکھیں تو اب بھی یہی حکم لگتا ہے کہ عورتیں صرف تصفیق کریں گی۔لیکن اگر معنی کی طرف دیکھیں تو بظاہر یہاں عورتوں کے سبحان اللہ کہنے میں کوئی حرج نہیں لگتا کیونکہ اب عورت کی آواز مردوں کے کانوں میں نہ پڑے گی۔
- تصفیق کا یہ حکم نماز میں ہے۔غیر صلوٰۃ میں اولیٰ آواز دے کر دوسرے کو متوجہ کرنا ہے تاکہ اس کی عورتوں سے مشابہت نہ ہونے پائے۔دوسرے تالیاں پیٹنا مشرکوں کا شیوہ ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَّ تَصْدِيَةً﴾ (الانفال: 35)

''اور ان کی نماز اس گھر کے پاس سیٹیاں بجانے اور تالیاں بجانے کے سوا کبھی کچھ نہیں ہوتی۔''

مُکَاءً سیٹی بجانے کو اور تَصْدِیَةً تالیاں پیٹنے کو کہتے ہیں۔

- البتہ کسی اچھی بات کو دیکھ کر تالیاں بجانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس باب میں مسلم و غیر مسلم سب کا وتیرہ ایک ہے۔ کیونکہ یہ تالی کسی پسندیدہ شے کو دیکھنے پر بجائی جاتی ہے۔

نماز میں آہ و بکاء کا حکم

220- وَعَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الشِّخِّيرِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: ((رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يُصَلِّي وَفِي صَدْرِهِ أَزِيزٌ كَأَزِيزِ الْمِرْجَلِ، مِنَ الْبُكَاءِ)).

حضرت مطرف بن عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا اور آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے رونے کی وجہ سے (اس طرح) گڑگڑانے کی آواز آ رہی تھی جس طرح ہانڈی سے (اس کے ابلنے کے وقت) گڑگڑانے کی آواز آتی ہے۔ [1]

---

[1] سنن ابی داود: 904۔ شمائل الترمذی: 323۔ سنن النسائی: 13/3۔ مسند احمد: 25/4۔ صحیح ابن حبان: 665۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ "فتح الباری" (206/2) میں کہتے ہیں اس حدیث کی اسناد قوی ہے۔اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (900) نے بھی صحیح کہا ہے اور حاکم [illegible] (396/1) [illegible] مسلم کی شرط پر کہتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا ابْنَ مَاجَهْ ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ .

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے سوائے امام ابن ماجہ کے اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث :......**وَرَأَيْتُهُ يُصَلِّي**: یہاں یہ بیان نہیں کہ یہ نماز فرض تھی یا نفل۔ نفس مسئلہ پر اس کی عدم تعیین سے کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ **أَزِيْز**: ہنڈیا کے جوش مارنے کی خاص آواز جو ابلتے ہوئے سنائی دیتی ہے۔ **اَلْمِرْجَل**: ہنڈیا۔ **مِنَ الْبُكَاءِ**: یہاں مِنْ تعلیلیہ ہے اور یہ بیانیہ بھی ہوسکتا ہے۔ تب پھر یہ بیانِ سبب کے لیے ہوگا۔ لیکن پہلا معنی زیادہ واضح ہے۔ **اَلْبُكَاءِ**: یہ معروف ہے۔ یہ رونے کو کہتے ہیں۔ رونے کے متعدد اسباب ہوتے ہیں جیسے درد والم، غم واندوہ اور بسا اوقات اس کے برعکس فرحت وانبساط بھی رونے کا سبب ہوتا ہے۔ البتہ غم والم اور حزن وملال کی وجہ سے رونا اکثر ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا جا رہا ہے کہ نماز میں اگر رب تعالیٰ کی محبت اور شوق کے غلبہ سے رونا آجائے اور اس کی وجہ سے گریہ و بکاء کی آواز دوسرے کو بھی سنائی دینے لگے تب بھی یہ آواز مبطل صلوٰۃ نہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نبی کریم ﷺ بے حد خشوع وخضوع سے نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ کیونکہ نماز میں رونا بے انتہا خشوع اور حضور کی دلیل ہے۔
- رونا چاہے آواز کے ساتھ ہی ہو مبطلِ صلوٰۃ نہیں۔ مذکورہ باب کے تحت اس حدیث کے لانے کا مقصد اسی بات کو بیان کرنا ہے کہ رونا کلام الناس نہیں لہٰذا مبطلِ صلوٰۃ بھی نہیں۔ البتہ جو لوگ تکلف سے بلند آواز کے ساتھ روتے ہیں تو یہ مذموم ہے البتہ بے اختیار رونا قابلِ مذمت نہیں۔ کیونکہ بے اختیار امر پر ملامت نہیں کی جاتی۔
- اگر تقریب فہم مقصود ہو تو اعلیٰ کو ادنی کے ساتھ تشبیہ دے سکتے ہیں جیسے کہ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے رونے کی آواز کو جو بے حد محترم ومقدس اور بلند مرتبہ ہے، ہنڈیا کے ابلنے کی آواز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو بے حد ادنی درجہ کی آواز ہے، لیکن حضرت مطرف رضی اللہ عنہ نے یہ تشبیہ تقریب کے طور پر دی ہے۔

نماز میں کھنکارنے کا حکم

221- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ لِيْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَدْخَلَانِ ، فَكُنْتُ إِذَا أَتَيْتُهُ وَهُوَ يُصَلِّي تَنَحْنَحَ لِيْ)).

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہونے کی دو اوقات میں اجازت ہوتی تھی۔ پس جب میں آپ ﷺ کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوتا جب آپ ﷺ نماز ادا فرما رہے ہوتے تو آپ ﷺ مجھے کھنکار (کر اپنے نماز میں ہونے کے بارے میں آگاہ فرما) دیتے۔ ❶

---

❶ سنن النسائي: 1136- سنن ابن ماجه: 3708- سنن البيهقي: 247/2- امام بیہقی فرماتے ہیں: اس حدیث کا مدار عبدالرحمن بن نجی حضرمی پر ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس میں نظر ہے جبکہ دوسروں نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ "تحفة المحتاج" (351/1) میں ہے کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے اس کو ثقہ کہا ہے اور ابن سکن نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے جیسا کہ "خلاصة البدر المنير" (155/1) میں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ النَّسَائِيّ وَابْنُ مَاجَهْ . اس حدیث کو امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :......مَدْخَلَانِ: یہ مَدْخَل کی تثنیہ ہے۔ یہ ظرف زمان اور ظرفِ مکان دونوں کا صیغہ ہوسکتا ہے۔ اگر اسے ظرفِ مکان مانیں تو مراد دو دروازے ہوں گے اور اگر ظرفِ زمان ہو تو مراد آنے جانے کے دن رات کے دو اوقات ہوں گے۔ راجح اور صحیح بلکہ متعین قول یہی ہے کہ یہ ظرفِ زمان کا صیغہ ہے۔ یعنی جنابِ علی رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ دن میں حاضر ہوتے تھے اور ایک دفعہ شام یا رات کے وقت خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

اِذَا اَتَیْتُهُ: یعنی اندر داخل ہونے کے لیے۔ یہاں قدرے حذف ہے۔ یعنی جب میں حاضرِ خدمت ہوتا اور اندر داخل ہونے کی اجازت لیتا۔

تنحنح: نحنحة کھنکارنا، یہ معروف ہے اور اس سے آواز پیدا ہوتی ہے اور اکثر اس میں حروف پیدا نہیں ہوتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے غرض یہ ہوتی تھی کہ جنابِ علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرما رہے ہیں۔

معرفة الصحابة :......حضرت علی رضی اللہ عنہ: آپ خاندانِ بنی ہاشم کے چشم و چراغ، حضرتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضل ترین اور محبوب ترین بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے شوہر نامدار اور جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہیں۔

مضمونِ حدیث :......اس حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ نماز میں ضرورت کے وقت کھنکارنے سے نماز نہیں ٹوٹتی اور ایسا کرنا جائز ہے اور کھنکارنا معروف ہے اور اس میں اکثر حروف پیدا نہیں ہوتے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اس روایت سے جنابِ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی ایک زبردست منقبت معلوم ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے دولت کدہ میں دن رات میں دو دفعہ حاضر ہونے کی اجازت مرحمت فرما رکھی تھی۔
- معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت کدہ کو نمازوں سے منور رکھا کرتے تھے۔ یہ نماز نفل تھی البتہ فرائض آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہی ادا فرمایا کرتے تھے۔ یہی حکم ہر اس نماز کا ہے جس میں جماعت مشروع ہے کہ اسے گھر کی بجائے مسجد میں ادا کیا جائے گا۔
- نماز میں کھنکارنا جائز ہے چاہے اس سے ایک دو حروف بنیں یا نہ بنیں البتہ اس سے کلام نہ بنے جس کی تفصیل گزشتہ میں بیان کی جا چکی ہے۔
- اگر آدمی نماز ادا کر رہا ہو اور اس دوران کوئی اس سے اندر آنے کی اجازت مانگے تو مناسب ہے کہ وہ اسے کھنکار کر صورتِ حال سے آگاہ کر دے تاکہ آنے والے کو بصیرت کے ساتھ اندر موجود آدمی کی صورتِ حال کا اندازہ ہو جائے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو خاموش رہ سکتے تھے اور نماز ختم فرما کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اندر آنے کو فرماتے۔ لیکن مناسب یہی ہے کہ آنے والے کو بتلا دیا جائے کہ گھر والا نماز میں مشغول ہے۔
- نماز میں کلام حرام ہے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام سے عدول فرما کر کھنکارنے کو اختیار فرمایا۔
- البتہ کھنکارنے کے علاوہ تسبیح بھی کی جا سکتی ہے، اسی طرح قراءت اور تکبیر وغیرہ کی آواز کو بلند کر کے بھی آنے والے کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے نماز میں ہونے کی بابت آگاہ کیا جا سکتا ہے۔

نماز میں حرکت کرنے کا اور اس کے ضوابط کا بیان

222۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: ((قُلْتُ لِبِلَالٍ: كَيْفَ رَأَيْتَ النَّبِيَّ ﷺ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ حِيْنَ يُسَلِّمُوْنَ عَلَيْهِ، وَهُوَ يُصَلِّيْ؟ قَالَ: يَقُوْلُ هٰكَذَا، وَبَسَطَ كَفَّهُ)).

أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ نبی کریم ﷺ جب نماز میں ہوتے تھے اور لوگ آپ ﷺ کو سلام کیا کرتے تھے تو آپ نے نبی کریم ﷺ کو ان لوگوں کو سلام کا جواب کیسے دیتے دیکھا ہے؟ اس پر انہوں نے فرمایا: یوں، اور اپنی ہتھیلی کو پھیلایا۔ [1]

اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہما اللہ دونوں نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

معرفة الصحابة:...... حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا شمار از حد عبادت گزار، بے حد متقی، متورع اور نہایت شدت کے ساتھ سنت نبوی ﷺ کو اخذ کرنے والے اور فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ موذن رسول ہیں۔

مضمون حدیث:...... یہ حدیث بھی گزشتہ حدیث جیسی ہے کہ آپ ﷺ نماز کے دوران سلام کا جواب اپنے دست مبارک کو پھیلا کر دے دیا کرتے تھے۔ گزشتہ حدیث میں آواز کا اور اس حدیث میں حرکت کا ذکر ہے کہ اتنی معمولی حرکت سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ البتہ آپ ﷺ ایسا نماز میں کلام کے منع ہونے سے قبل کیا کرتے تھے کہ جب لوگ آ کر آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے بھی سلام کر دیتے تھے تو آپ ﷺ انہیں ہاتھ کے اشارہ سے جواب دے دیتے تھے لیکن جب نماز میں کلام کرنے کی حرمت آ گئی تو آپ ﷺ نے اشارہ سے بھی سلام کا جواب دینا ترک فرما دیا جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہجرت سے لوٹنے کے بعد جب حسب دستور آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے سلام کیا تو آپ ﷺ نے جواب عنایت نہ فرمایا تھا۔ [2] بظاہر یہ ہاتھ کے اشارہ سے جواب تھا جو آپ ﷺ نے اب کی بار نہ دیا تھا۔ اس کی مزید تفصیل فوائد کے تحت آ جاتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عاجزی و تواضع کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نسب کے اعتبار سے نبی کریم ﷺ کے زیادہ قریب ہونے اور خود حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے زیادہ صاحب علم ہونے کے باوجود ان سے وہ بات سیکھنے میں عار نہ سمجھی جو انہیں معلوم نہ تھی۔ یہیں سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی علمی حرص کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] سنن ابی داود: 927۔ جامع الترمذی: 368۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ سنن ابن ماجه: 1017۔ صحیح ابن حبان: 2258۔ اس روایت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی بجائے یہ سوال حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک یہ دونوں احادیث صحیح ہیں اور ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ بات ان دونوں حضرات سے سنی ہو۔ (دیکھیں: التحقیق لابن الجوزی: 412/1)

[2] سنن ابی داود: 923۔ سنن النسائی: 18/3۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو معلّق ذکر فرمایا ہے جبکہ دوسرے حضرات نے اس کو موصول ذکر کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ معلوم ہوا کہ بسا اوقات زیادہ علم والے پر بھی کوئی مسئلہ مخفی رہ سکتا ہے۔

◈ نمازی کو سلام کرنا جائز ہے اسی لیے نبی کریم ﷺ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس فعل کو برقرار رکھا کہ وہ نماز پڑھنے والے کو سلام کر دیا کرتے تھے۔ البتہ اس کے جائز، مسنون یا مکروہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ جواز کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس فعل کو برقرار رکھا۔ سنت کے قائلین یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ سلام میں اصل اس کا مسنون ہونا ہے تو جب آپ ﷺ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سلام کرنے کے فعل کو برقرار رکھا تو یہ اس بات کی دلیل ٹھہری کہ نمازی کو سلام کرنا مسنون ہے۔

مکروہ ہونے کے قول کی بظاہر دو وجوہات ہو سکتی ہیں: (1) ایک یہ کہ سلام کرنے سے نمازی کو مشغول کرنا ہے۔ (2) دوسری یہ کہ ہو سکتا ہے کہ نمازی اچانک سلام سن کر بھولے سے جواب دے بیٹھے، یا اسے معلوم ہی نہ ہو کہ نماز میں سلام کلام منع ہے اور وہ جواب دے بیٹھے اور ڈر کے مارے جواب دے دینے کا بھی احتمال ہے جیسے سلام کرنے والا حاکم یا امیر ہو اور وہ حاکم کے ڈر سے نماز میں ہی وعلیکم السلام کہہ دے۔ چنانچہ جب نمازی کو سلام کرنا اس کی نماز کو باطل کر دینے کے محل میں ہے تو اسے سلام کرنا مکروہ ٹھہرا کہ جانے نتیجہ کیا نکلے۔ البتہ اقرب قول سلام کرنے کے مباح ہونے کا ہے، ہاں اگر کسی سے جواب دے دینے کا ڈر ہو تو اسے سلام نہ کیا جائے۔

◈ نماز میں حاجت کے وقت وہ حرکت بھی جائز ہے جو جنسِ صلوٰۃ میں سے نہ ہو۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حاجت کے وقت دستِ مبارک کو پھیلا کر سلام کا جواب دیا حالانکہ یہ حرکت جنسِ صلوٰۃ میں سے نہیں۔

◈ فعل پر قول کا اطلاق جائز ہے۔ جیسا کہ اس روایت يَقُوْلُ هٰكَذَا کے الفاظ ہیں کیونکہ یہاں قول سے مراد فعل ہے۔

نماز میں بچی یا بچہ اٹھا لینے کا حکم

223- وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ، فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا، وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا)).

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (اپنی لاڈلی نواسی) حضرت امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہما کو اٹھائے ہوئے بھی نماز ادا فرما لیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ سجدہ میں جاتے تو انہیں (زمین پر) رکھ دیتے اور جب (سجدہ سے قیام کی طرف) اٹھ کھڑے ہوتے تو (اٹھتے ہوئے) انہیں اٹھا لیتے تھے۔ [1]

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ . وَلِمُسْلِمٍ: ((وَهُوَ يَؤُمُّ النَّاسَ فِي الْمَسْجِدِ)).

یہ حدیث "متفق علیہ" ہے۔ جبکہ صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "جبکہ آپ ﷺ مسجد میں لوگوں کو نماز پڑھا رہے ہوتے تھے۔"

معرفة الصحابة:......سیدہ اُمامہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی بے حد لاڈلی نواسی تھیں اور یہ آپ ﷺ کی سب سے بڑی لختِ جگر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی نورِ نظر تھیں جن کے والد حضرت ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ ہیں۔ غزوۂ بدر میں گرفتار ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ مکہ لوٹ کر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ طیبہ بھیج دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا یہ

---

[1] صحيح البخاري: 516- صحيح مسلم: 543.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعدہ پورا کیا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے خاوند حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لے آئی تھیں اور حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ بعد میں مسلمان ہوئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ سال بعد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے پاس واپس بھیجا تھا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ہی وفات پا گئی تھیں۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی ایک کم سن بیٹی تھیں۔ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنی لختِ جگر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے مرض الوفات میں اٹھاتے تھے۔ کیونکہ اس دوران بچی کی والدہ کے لیے انہیں سنبھالنا مشکل تھا اور جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کے لوگوں کے مشکل اوقات میں ان کا ساتھ دیا کرتے تھے۔ اسی دوران کا یہ قصہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس لاڈلی نواسی کو نماز میں بھی اٹھائے رہتے تھے۔ چنانچہ قیام کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کندھے پر اٹھاتے اور رکوع اور سجدہ میں انھیں زمین پر رکھ دیتے تھے۔ کیونکہ اس دوران بچی کو کندھے پر اٹھائے رکھنا مشکل اور دشوار ہوتا تھا اور جب دوبارہ قیام کے لیے اٹھتے تھے تو ان کو پھر کندھے پر اٹھا لیتے تھے اور مسلم کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں لوگوں کی امامت کرا رہے ہوتے تھے۔

مضمون حدیث :......اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ نماز میں ننھے بچے کو اٹھا سکتے ہیں جس سے دو مسئلے مستفاد ہوئے: (1) ایک یہ کہ اتنی معمولی حرکت مبطلِ صلوٰۃ نہیں۔ (2) دوسرا یہ کہ اگرچہ بچہ حاملِ خبث ہوتا ہے لیکن اس کا اٹھانا مبطلِ صلوٰۃ نہیں۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ حکم اس نجاست کا ہے جو ظاہر اور مرئی ہو۔ لہٰذا جو نجاست مخفی اور غیر مرئی ہو اس کا کوئی حکم نہیں۔ مزید تفصیل ذیل میں آ جاتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ کس قدر شفقت اور محبت فرمایا کرتے تھے۔

◈ نماز میں عملِ یسیر جائز ہے۔ چنانچہ اگر عملِ یسیر مبطلِ صلوٰۃ ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نواسی سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا کو نماز کے دوران اپنے کندھے پر اٹھانے اور رکھنے اور دوبارہ اٹھانے کا عمل نہ کرتے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ جو عمل جنسِ صلوٰۃ میں سے نہ ہو اس کی پانچ قسمیں ہیں: (1) واجب (2) مستحب (3) مباح (4) مکروہ (5) اور حرام۔ چنانچہ:

⊙ ......اگر کسی فعل پر نماز کی اصلاح موقوف ہو وہ واجب ہوگا۔ جیسے نماز کے دوران جوتوں پر نجاست لگی دیکھے تو نماز میں ہی ان کو اتار کر خود سے علیحدہ کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ بقاءِ نجاست کے ساتھ نماز باطل ہو جاتی ہے۔

⊙ ......جس فعل پر کمالِ صلوٰۃ موقوف ہو وہ مستحب ہوتا ہے جیسے نماز کے دوران کسی عارضہ سے اگلی صف میں جگہ خالی ہوگئی تو پیچھے کھڑے آدمی کے لیے بڑھ کر اگلی صف میں جا کھڑا ہونا مستحب ہوگا۔ کیونکہ اگلی صف میں کھڑا ہونا کمالِ صلوٰۃ میں سے ہے۔

⊙ ......اور کوئی اکیلا امام کے بائیں جانب آ کر کھڑا ہو گیا تو امام کا اسے اپنی داہنی طرف کھڑا کرنا جائز اور مباح ہوگا گو کہ واجب اور مستحب نہ بھی ہو۔

⊙ ......کوئی نماز میں بلاضرورت اپنی ٹوپی، پگڑی، صافہ، چادر، قمیص یا عقال وغیرہ کو درست کرنے میں لگ گیا تو یہ مکروہ ہوگا، کیونکہ یہ کرنے کی ضرورت نہیں اور نماز میں بلاضرورت حرکت نماز میں نقص پیدا کر دیتی ہے۔ جو مکروہ ہے۔ البتہ اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ ہاں شدید کھجلی ہونے کی صورت میں کھجلی کر لینا نہ کرنے سے افضل ہے۔

⊙...... البتہ جب کسی عمل کو بلا ضرورت لگا تار کیا جائے تو یہ حرام ہوگا۔

◈ حرکت کے قلیل اور کثیر ہونے میں ضابطہ ''عرف'' اور ''عادت'' ہوگا۔ لہٰذا اگر کوئی نماز میں ایسی حرکات کثرت سے کرتا ہے جن کے کرنے کی نماز میں عادت نہیں تو اسے عملِ کثیر سمجھا جائے گا جو حرام اور مبطل صلوٰۃ ہوگا اور جو ایسا نہ ہو وہ عملِ قلیل ہے۔ یا یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جس حرکت کو دیکھنے والا کثیر سمجھے وہ کثیر ہے اور جسے دیکھنے والا قلیل سمجھے وہ قلیل ہے۔

◈ پس معلوم ہوا کہ معمولی حرکت جو حاجت کے تحت ہو جیسے تیز کھجلی کو ختم کرنا اور اسی طرح وہ زیادہ حرکت جو ضرورت کے تحت ہو جیسے نماز میں کوئی درندہ حملہ آور ہو جائے اور آدمی اس کو ہٹائے اور اس دوران عملِ کثیر ہو جائے تو یہ دونوں قسم کی حرکات جائز اور مباح ہوں گی۔

◈ معلوم ہوا کہ بچوں کو مسجد میں لے جا سکتے ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ سیدہ اُمامہ رضی اللہ عنہا کو مسجد لے جاتے تھے۔ البتہ یہ شرط ہے کہ بچے دوسروں کی ایذاء اور نماز میں تشویش کا اور مسجد کی تلویث کا سبب نہ بنتے ہوں وگرنہ لے جانا منع ہوگا۔

◈ نماز کے دوران بچہ اٹھا سکتے ہیں۔ البتہ اس باب میں احوط، اقرب اور راجح قول یہ ہے کہ اس بات کا اطمینان کر لیا جائے کہ بچوں کے جسم یا کپڑوں پر کوئی ظاہری نجاست نہ لگی ہوئی ہو۔ لہٰذا نبی کریم ﷺ کے سیدہ اُمامہ رضی اللہ عنہا کو نماز کے دوران اپنے کندھے مبارک پر اٹھانے کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ آپ ﷺ کو سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا کے کپڑوں اور جسم کے پاک ہونے کا قطعی علم تھا۔

نماز کے دوران موذی جانوروں کو مارنے کا حکم

224- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((اقْتُلُوا الْأَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلَاةِ: الْحَيَّةَ، وَالْعَقْرَبَ)). أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''دو کالی چیزوں کو نماز میں (بھی) مار دو (ایک) سانپ اور (دوسرا) بچھو۔''[1]

اس حدیث کو ائمہ اربعہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... اُقْتُلُوْا: یہ امر ہے، اس کے اباحت یا استحباب کے لیے ہونے میں جو اختلاف ہے وہ آگے آ جاتا ہے۔

اَلْاَسْوَدَیْنِ: دو کالی چیزیں۔ جس کی تفسیر خود حدیث میں سانپ اور بچھو کے ساتھ آئی ہے۔ اب بچھو تو سیاہ ہوتا ہے لیکن سانپ نہیں ہوتا لہٰذا ان دونوں کو اَسْوَدَیْنِ کہنا تغلیباً ہوگا جیسے شمس وقمر کو قَمَرَیْنِ یا شَمْسَیْنِ کہہ دینا اور اسی طرح ماں اور

---

[1] سنن ابی داود: 921- جامع الترمذی: 390- امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ سنن النسائی: 10/3- سنن ابن ماجہ: 1245- امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (869) اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (2351) نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ مسند احمد: 475/2- المستدرك للحاكم: 389/1- امام حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا راوی ضمضم بن جوس اہلِ یمامہ کے ثقات میں سے ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس کو ثقہ کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باپ دونوں کو اَبَــوَیْــنِ کہہ دینا بھی بطور تغلیب کے ہوتا ہے۔ یہ ارشاد ہر قسم کے سانپ اور بچھو کو شامل ہے چاہے وہ ہلاکت آفرین ہوں یا نہ ہوں۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر نماز کے دوران شدید ایذا یا ہلاکت کا اندیشہ ہو تو اس کے دفعیہ کے لیے کی جانے والی حرکت مبطل صلوٰۃ نہ کہلائے گی چاہے وہ قلیل ہو یا کثیر کیونکہ یہ حرکت ضرورت کے لیے ہے اور مشہور قاعدہ ہے کہ اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ ۔ یعنی ''ضرورتیں محظور وممنوع امور کو بھی جائز اور مباح کر دیتی ہیں۔''

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ نماز کے دوران اگر سانپ اور بچھو اس طور پر ظاہر ہوں کہ نمازی کو ان سے اپنی جان پر خوف اور اندیشہ ہونے لگے تو ان کو نماز کے دوران بھی مار سکتے ہیں اور ان کو مارنے کے لیے لاٹھی لینے اور لاٹھی سے مارنے وغیرہ کی جو حرکت کرنی پڑے وہ نماز میں مباح ہوگی۔ البتہ اُقْتُلُوْا میں مذکورہ امر استحباب کے لیے ہے اور قواعد شرعیہ بھی اسی کے مقتضی ہیں۔ کیونکہ ایک روایت میں ارشاد ہے کہ ''پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کو حل ہو یا حرم، مار دیا جائے۔''[1] پھر آپ ﷺ نے ان پانچ چیزوں میں سانپ اور بچھو کو بھی شمار فرمایا۔

◈ معلوم ہوا کہ جو شے اپنی خلقت وطبیعت میں موذی ہے جیسے سانپ اور بچھو وغیرہ، اس کو مار دینے کا حکم ہے چاہے وہ نماز میں بھی سامنے آ جائیں اور یہ حکم چھوٹے بڑے ہر قسم کے سانپ اور بچھو کو شامل ہے۔

◈ اس حدیث کے ظاہر سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ گھروں میں نکلنے والے سانپ کو بھی مار دیا جائے لیکن ایک حدیث میں اس کی تخصیص آئی ہے کیونکہ گھروں میں نکلنے والے سانپ عموماً جنات ہوتے ہیں جو سانپ کی شکل میں آئے ہوتے ہیں۔ چنانچہ عہد نبوی میں ایک نوجوان نے شب عروسی میں بستر پر بیٹھے سانپ کو نیزہ سے مار ڈالا۔ لیکن ساتھ ہی خود بھی مر گیا۔ راوی کا بیان ہے کہ ان میں سے پہلے کون مرا، اس کا اندازہ بھی نہ لگایا جا سکا۔[2] نبی کریم ﷺ نے جب یہ واقعہ سنا تو آئندہ کے لیے گھروں میں نکلنے والے سانپ کو مارنے سے منع فرما دیا۔[3] کیونکہ اس کے جن ہونے کا ڈر ہوتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ کیا پھر اسے یونہی چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ گھر میں عورتوں اور بچوں کو ڈراتا رہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں بلکہ وہ سانپ کو تین دفعہ للکار کر خبردار کرے گا کہ ''تیرے اس گھر میں باقی رہنے سے میرے گھر کا نقصان ہے۔'' لہٰذا تم میرا گھر چھوڑ کر چلے جاؤ۔ پس اگر تو وہ جن ہوا تو جان لے گا کہ اب اگر میں نہ لوٹا تو یہ مجھے مار ڈالے گا لہٰذا وہ چلا جائے گا اور اگر وہ پھر بھی نہ گیا تو اسے مار ڈالو کیونکہ وہ سانپ ہی ہے نہ کہ جن۔

◈ مذکورہ حدیث کے عموم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ چاہے وہ سانپ بچھو حملہ کرے یا نہ کرے دونوں صورتوں میں اس کو مارنا مباح ہوگا۔ کیونکہ اصل مقصود ان موذی جانوروں کا اتلاف ہے۔

◈ رب تعالیٰ نے جب اپنے پیغمبر کی زبانی ان موذی جانوروں کو مار دینے کا حکم دیا ہے تو پھر ان کے پیدا کرنے میں کیا

---

[1] صحیح البخاری: 3314- صحیح مسلم: 1198 .　[2] صحیح مسلم: 2236 .

[3] صحیح البخاری: 3312- صحیح مسلم: 2233 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکمت تھی؟ علماء نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ جیسے:

⊙ ...... ایک تو اس میں رب تعالیٰ کی قدرت کی نیرنگی کا بیان ہے کہ کسی کو موذی بنایا تو کسی کو نافع اور یہ رب تعالیٰ کی قدرت کے کامل ہونے کے مظاہر میں سے ہے۔

⊙ ...... انسان کو اپنی حقیقت کا ادراک ہو کہ بسا اوقات ایک چھوٹی سی شے کے ڈنک مارنے سے اسے شدید تکلیف کا حتیٰ کہ بسا اوقات موت تک کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے۔ یوں وہ خود کو بڑا نہ سمجھے۔

⊙ ...... موذیات کی تخلیق کی ایک حکمت یہ ہے کہ بندہ رب کی طرف ملتجی و متوجہ رہے اور اس کی پناہ کا طلب گار رہے۔

4۔ بَابُ سُتْرَةِ الْمُصَلِّيْ ...... نمازی کے سترہ کا بیان

تمہید: ...... سُترہ: ...... سترہ اس شے کو کہتے ہیں جسے نمازی نماز کے دوران اپنے سامنے رکھتا ہے تا کہ اس کے سامنے سے کوئی نہ گزرے اور بعض علماء نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ اس سے نمازی کی نظر اِدھر اُدھر گھومنے کی بجائے سترہ کے پیچھے تک مرتکز رہتی ہے۔ سترہ لغت میں ''آڑ'' کو کہتے ہیں۔

نمازی کے آگے سے گزرنے کا گناہ

225۔ عَنْ أَبِیْ جُهَیْمِ بْنِ الْحَارِثِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَوْ یَعْلَمُ الْمَارُّ بَیْنَ یَدَیِ الْمُصَلِّیْ مَاذَا عَلَیْهِ مِنَ الْإِثْمِ، لَكَانَ أَنْ یَّقِفَ أَرْبَعِیْنَ خَیْرًا لَّهُ مِنْ أَنْ یَّمُرَّ بَیْنَ یَدَیْهِ)).

حضرت ابوجُہیم بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والا اس بات کو جان لے کہ اسے اس بات کا کتنا گناہ ملے گا تو اس کا (نماز کے فارغ ہونے کے انتظار میں) چالیس (سال یا دن) تک کھڑے رہنا اس کے لیے نمازی کے آگے سے گزرنے سے بہتر ہو۔'' ❶

مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِیِّ، وَوَقَعَ فِی الْبَزَّارِ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ ((أَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا)).

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں اور ''مسند البزار'' میں ایک اور طریق سے ''چالیس سال'' کے الفاظ ذکر ہیں۔ ❷

غریب الحدیث: ...... **لَوْ:** یہ شرطیہ ہے۔

یَعْلَمُ: یہ فعلِ شرط ہے۔

لَكَانَ اَنْ یَّقِفَ: یہ جوابِ شرط ہے اور مذکورہ لام جوابِ شرط پر داخل ہونے والا حرفِ رابطہ ہے۔

اَنْ یَّقِفَ: یہ كَانَ فعل ناقص کا اسم ہے جو اَنْ مصدریہ کی وجہ سے مفرد کی تاویل میں ہے۔ ابن ہشام رحمہ اللہ نے ''مغنی اللبیب'' میں اس کے متعدد معانی ذکر کیے ہیں۔ ❸

---

❶ صحیح البخاری: 510۔ صحیح مسلم: 507۔

❷ مسند البزار: 3782۔ علامہ ہیثمی ''مجمع الزوائد'' (61/2) میں کہتے ہیں اس روایت کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

❸ مغنی اللبیب: 284/1۔ ابن ہشام رحمہ اللہ نے اس جگہ اَنْ یَّقِفَ کے پانچ معانی ذکر کیے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خَيْرًا: یہ کَانَ فعل ناقص کی خبر ہے۔ لہٰذا تقدیری عبارت یوں ہوگی: كَانَ وُقُوْفُهٗ خَيْرًا لَّهٗ .

اَرْبَعِيْنَ: صحیحین کی مذکورہ روایت میں اس کی تمیز مذکور نہیں کہ یہ چالیس سال ہیں یا دن یا ہفتے یا منٹ جبکہ "مسند البزار" میں اس کی تمیز "خَرِيْفًا" مذکور ہے۔ مراد سال ہے۔ ویسے خریف سال کے چار موسموں بہار، گرمی، سردی اور خزاں، میں سے خزاں یعنی پت جھڑ کے موسم کو کہتے ہیں لیکن جز بول کر کل مراد لینا لغتِ عرب میں عام ہے۔

البتہ یہاں یہ بطورِ مثال کے ذکر ہے نہ کہ بطورِ واقع کے۔ کیونکہ چالیس سال تک کوئی نماز میں رہ نہیں سکتا چہ جائیکہ کوئی اس کے ساتھ چالیس سال تک اس کی نماز کے ختم ہونے کے انتظار میں بھی کھڑا رہے اور اتنا طویل انتظار صرف اس کے سامنے سے گزرنے کے لیے ہو اور اس بات کے عملی طور پر وقوع پذیر نہ ہونے کو خود جنابِ رسول اللہ ﷺ بھی جانتے تھے۔ البتہ آپ ﷺ نے یہ بطورِ مثال اور مبالغہ کے فرمایا اور یہ مبالغہ نمازی کے آگے سے گزرنے کی ممانعت میں ہے۔

بَيْنَ يَدَيْهِ: نمازی کے آگے سے۔

مضمونِ حدیث :...... اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنے کا سخت گناہ ہے جو اس سے حرام ہونے کو مستلزم ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ گناہ کتنا بھاری ہے تو اس کے لیے چالیس سال تک نمازی کے فارغ ہونے کا انتظار کرنا اس کے آگے سے گزرنے سے سہل ہو۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ نمازی کے آگے سے گزرنا حرام ہے کیونکہ اس پر گناہ کا مرتب ہونا اس کے کبیرہ گناہ اور حرام ہونے کو مستلزم ہے۔

◈ یہ حکم مسجد میں کھڑے نمازی اور کھلے میدان میں نماز پڑھنے والے دونوں کے لیے ایک ہے۔ کیونکہ اَلْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ کے الفاظ عام ہیں۔

◈ چاہے وہ گزرنے والا نمازی کی نماز کو قطع کرے یا نہ کرے دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ یعنی حرام اور گناہ ہے۔

◈ اس حکم میں امام، منفرد، مقتدی سب ایک ہیں۔ کہ سب کے سامنے سے گزرنے کا گناہ ایک جیسا ہے کیونکہ حدیث میں "المصلی" کا لفظ مطلق ہے۔ اب امام اور منفرد کے حق میں تو یہ حکم صاف اور بے غبار ہے۔ البتہ مقتدی کا ایک روایت میں استثنا نظر آتا ہے۔ جیسا کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر منیٰ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مقتدیوں کے سامنے سے گزرے تھے۔ ❶ لیکن یہ استثنا بھی مطلق نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی مقتدیوں کے سامنے سے اس طور پر گزرا کہ انہیں رکوع اور سجدہ کرنے میں دقت پیش آئی تو یہ ناجائز ہوگا۔ اس تفصیل کے بعد یہ بھی ملحوظ رہے کہ بسا اوقات نمازی کے آگے سے گزرنے کی قرار واقعی حاجت پیش آجاتی ہے تب پھر نمازی کے آگے سے گزرنا جائز ہوگا۔ البتہ بلا ضرورت و حاجت حرام ہے۔

◈ احکامِ شرعیہ کو جہاں امر و نہی کے صیغوں سے اخذ کیا جاتا ہے وہیں ثواب و عقاب کے مرتب ہونے اور تحریم و ایجاب کے ذکر سے بھی حاصل کیا جاتا ہے۔

◈ مذکورہ حدیث سے کم از کم یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نمازی کے نماز سے فارغ ہونے تک کھڑا رہنا بہتر بلکہ واجب ہے۔

◈ معلوم ہوا کہ حسنات کی طرح سیئات میں بھی باہمی تفاضل ہے کہ بعض برائیاں دوسری بعض سے اشد یا اخف ہیں۔

---

❶ صحیح بخاری: 493، صحیح مسلم: 504.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ رہا نمازی کے آگے سے گزرنے سے اس کی نماز کا باطل ہونا تو اس کی تفصیل آگے چل کر آ جائے گی۔ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ .

سترہ کیسا ہو؟

226- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ عَنْ سُتْرَةِ الْمُصَلِّي ، فَقَالَ: ((مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ)) .

أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ .

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ غزوۂ تبوک کے دوران نبی کریم ﷺ سے نمازی کے سترہ کے بارے میں دریافت کیا گیا (کہ وہ کتنا اور کیسا ہو) تو آپ ﷺ نے فرمایا: "(سترہ) کجاوے کے پچھلے حصہ (میں ٹیک لگانے کے لیے لگے ڈنڈے) جتنا (اونچا ہو)۔" [1]

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :...... سُئِلَ : پوچھا گیا۔ یہاں نبی کریم ﷺ سے پوچھنے والا مذکور نہیں بلکہ مبہم ہے۔ مگر اس سے صحتِ روایت پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا کیونکہ مقصود حکم کی معرفت ہے۔ رہی صحابیٔ رسول کی معرفت تو گزشتہ صفحات میں بارہا ذکر کیا جا چکا ہے کہ صحابہ سب کے سب عدول ہیں اس لیے کسی صحابی کے نام کا معلوم نہ ہونا چنداں اہم نہیں۔

عَنْ سُتْرَةِ الْمُصَلِّي : یعنی کس چیز کو سترہ بنایا جائے اور اس کا طول و عرض کیا ہو۔ **مُؤْخِرَةُ الرَّحْلِ** : عوام اس کو شِدَاد کے نام سے یاد کرتی ہے۔ اونٹ کے کجاوے کے آخر میں ایک لکڑی سی باندھی ہوتی ہے جس کے ساتھ سوار ٹیک لگاتا ہے اس کو مُؤْخِرَةُ الرَّحْل یا شِدَاد کہا جاتا ہے۔ یہ تقریباً تین ہاتھ لمبی اور اس سے کم چوڑی ہوتی ہے۔ کامل ترین سترہ یہی ہے۔

مضمون حدیث :...... اس حدیث میں سترہ کے طول و عرض کی ایک تقریبی پیمائش کو ذکر کیا گیا ہے کہ سترہ کم از کم اتنا لمبا اور چوڑا ضرور ہو جتنی کجاوے کی پچھلی جانب لگی لکڑی ہوتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسائلِ دینیہ کے سیکھنے کے بے حد حریص تھے اور ان کی یہ حرص صرف علم کے حصول تک ہی محدود نہ تھی بلکہ اس پر عمل کرنا بھی مقصود ہوتا تھا۔

◈ سوال کا اسلوب بتلاتا ہے کہ سترہ کا حکم حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں مقرر تھا البتہ اس کی کیفیت کی تشفی باقی تھی۔ چنانچہ یہ سوال سترہ کی کیفیت کے بارے میں تھا جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے بھی جواب میں سترہ کا حکم نہیں بلکہ اس کی کیفیت کو بیان فرمایا۔

◈ کامل ترین سترہ وہ ہے جو کجاوے کی پچھلی لکڑی کے جیسا ہو۔

◈ سترہ کے فوائد کو تمہید میں بیان کر دیا گیا ہے۔

نماز میں اپنے آگے سترہ ضرور رکھا جائے

227- وَعَنْ سَبْرَةَ بْنِ مَعْبَدِ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لِيَسْتَتِرْ

حضرت سبرہ بن معبد الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "چاہیے کہ تم میں سے ایک نماز

[1] صحيح مسلم: 500

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ وَلَوْ بِسَهْمٍ)). أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ.

میں (اپنے آگے) سترہ ضرور رکھے چاہے تیر کا ہی سہی۔" ❶ اس حدیث کو حاکم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... لِيَسْتَتِرْ: اس میں لام امر کا ہے۔ کیونکہ مذکورہ فعل اس لام کی وجہ سے مجزوم ہے۔ اَلسَّهْم: تیر، جس کو کمان میں کھینچ کر دور پھینکا جاتا ہے۔ مراد انگلی کی موٹائی کے برابر کوئی چیز ہے۔ چنانچہ مُؤْخِرَةُ الرَّحْلِ کے مقابلہ میں تیر کافی باریک ہوتا ہے۔ گو لمبائی میں اس کے برابر یا اس سے زائد ہی ہو۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں اپنے آگے سترہ رکھ کر نماز ادا کرنے کی تاکید کا بیان ہے چاہے اس غرض کی تکمیل تیر جتنی باریک چیز کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ سترہ رکھنے کے وجوب میں علماء کا اختلاف ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ نماز میں سترہ رکھنا واجب نہیں کیونکہ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "جب تم سے کوئی کسی ایسی چیز کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرے جو اس کے لیے لوگوں سے آڑ بنے۔" ❷ کہ یہ الفاظ بتلاتے ہیں کہ آدمی کبھی تو کسی شے کو سترہ بنا کر نماز ادا کرتا ہے اور کبھی ایسا نہیں بھی کرتا۔ اسی طرح منیٰ میں نماز کی بابت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے یہ الفاظ ہیں: وَكَانَ النَّبِيُّ يُصَلِّيْ بِمِنًى إِلٰى غَيْرِ جِدَارٍ. ❸ علماء نے غَيْرِ جِدَارٍ کا مطلب غَيْرِ سُتْرَةٍ بیان کیا ہے۔ سترہ فرض اور نفل دونوں نمازوں کے لیے مشروع ہے۔

◈ سترہ چھوٹا بھی جائز ہے اور بڑا بھی۔ جیسا کہ وَلَوْ بِسَهْمٍ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے البتہ بڑا سترہ چھوٹے سے افضل ہے۔

کون سی چیزیں نمازی کی نماز کو قطع کر دیتی ہیں؟

230-228- وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((يَقْطَعُ صَلَاةَ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ الْمَرْأَةُ، وَالْحِمَارُ، وَالْكَلْبُ الْأَسْوَدُ)) الْحَدِيثُ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "مسلمان مرد کی نماز کو...... جبکہ اس کے آگے کجاوے کے پچھلے حصہ جیسی چیز نہ ہو...... عورت، گدھا اور کالا کتا قطع کر دیتے ہیں۔" الحدیث

وَفِيْهِ: ((الْكَلْبُ الْأَسْوَدُ شَيْطَانٌ)). أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

اور اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں: "کالا کتا شیطان ہوتا ہے۔" ❹ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

وَلَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ نَحْوُهُ دُوْنَ الْكَلْبِ.

صحیح مسلم میں ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایسی ہی ایک روایت مروی ہے۔ جس میں کتے کا لفظ نہیں۔ ❺

---

❶ المستدرك للحاكم: 382/1- حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔ مسند احمد: 404/3- مسند ابی یعلی: 941- المعجم الكبير للطبراني: 114/7- امام ابن خزیمہ (810) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور ابن سکن نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے جیسا کہ "تحفة المحتاج" (356/1) میں ہے۔

❷ صحیح البخاری: 509- صحیح مسلم: 505. ❸ صحیح البخاری: 136/1.

❹ صحیح مسلم: 510 ❺ صحیح مسلم: 511

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غریب الحدیث :...... یَقْطَعُ: یعنی نماز کو فاسد کر دیتی ہیں کیونکہ قطع کا معنی ہے عدمِ وصل۔ جیسا کہ رسی کو جب کاٹ دیا جاتا ہے تو اس کے ٹکڑے ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا نماز کے قطع کر دینے کا مطلب یہ ہوگا ان چیزوں کے گزرنے نے نماز کے اوّل کو اس کے آخر سے کاٹ دیا جو فسادِ صلوٰۃ کو مستلزم ہے۔ لہٰذا قطع کرنے کا معنی نماز کو فاسد کرنا ہوگا۔

صَلٰوۃَ الرَّجلِ: رجل کا لفظ اغلب کے اعتبار سے ہے ورنہ یہ حکم مرد اور عورت دونوں کے لیے ہے۔

اَلْمُسْلِمِ: یہ بھی واقع کا بیان ہے نہ کہ کسی قید کا۔ کیونکہ غیر مسلم کی نماز سرے سے واقع ہی نہیں ہوتی۔

بَیْنَ یَدَیْهِ: مراد نمازی کے قریب کسی چیز کا ہونا ہے۔ کیونکہ بَیْنَ یَدَیْهِ میں قرب و بعد دونوں کا احتمال ہے لہٰذا مراد نمازی کے قریب کی جگہ ہوگی نہ کہ اس سے بعید جگہ اور اس کی حد نمازی کے حال کے مطابق ہوگی اور وہ حد ہے جائے سجدہ جو آدمی کی قامت کے کوتاہ اور دراز ہونے کے اختلاف کے مطابق مختلف ہوگی۔ لہٰذا بَیْنَ یَدَیْهِ سے مراد ہر نمازی کی جائے سجدہ ہوگی۔

مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ: جبکہ گزشتہ روایت میں وَلَوْ بِسَهْمٍ کے الفاظ ہیں۔ لہٰذا یہ قید اکمل اور افضل کی ہوگی نہ کہ جواز یا عدمِ جواز کی۔ اَلْمَرْأَةُ: مراد بالغہ اور جوان عورت ہے۔ نابالغہ اس حکم میں داخل نہیں کیونکہ اس پر اَلْمَرْأَةُ کے لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اَلْکَلْبُ الْاَسْوَدُ: مراد مکمل کالا کتا ہے۔ لہٰذا کالا اور سفید یا دورنگا یا کالے کے سوا کسی بھی رنگ کا کتا اس حکم میں داخل نہ ہوگا۔

اَلْحِمَارُ: معروف ہے اور مطلق ہے۔ لہٰذا ہر رنگ کا اور ہر عمر کا گدھا اس حکم میں داخل ہے۔

اَلْکَلْبُ الْاَسْوَدُ شَیْطَانٌ: دراصل یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کتے تو سبھی ایک جیسے ہی ہوتے ہیں تب پھر کالے کتے اور دوسرے رنگوں کے کتوں میں کیا فرق ہے؟ تب اس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔

علماء نے اس کے مختلف معانی بیان کیے ہیں جو یہ ہیں:

- ...... شیطان کالے کتے کی صورت میں آتا ہے یا
- ...... کتوں میں سے کالا کتا شیطان ہوتا ہے یعنی سب سے زیادہ موذی اور مضر فطرت کا ہوتا ہے۔

مضمون حدیث :...... اس حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب نمازی کے آگے اس کی جائے سجدہ کے بقدر دُوری پر سترہ نہ ہو تو ان تین چیزوں کے سامنے سے گزرنے پر اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے جس کی تفصیل ذیل میں آ جاتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نماز نفل ہو یا فرض اور نمازی امام ہو، منفرد ہو یا مقتدی میں سے جو بھی ہو جب ان تین چیزوں میں سے کوئی چیز اس کے سامنے سے گزرے گی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ چاہے عورت قصداً گزری ہو یا غفلت کی بنا پر دونوں صورتوں کا حکم ایک ہے۔ کیونکہ حدیث مطلق ہے۔ البتہ دیگر قرائن سے مقتدی اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔
- معلوم ہوا کہ سترہ نماز کو باطل ہونے سے بچاتا ہے اور نابالغہ عورت کے گزرنے سے نمازی کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔
- رہا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ اعتراض کہ "تم لوگوں نے ہم عورتوں کو کتوں کے ساتھ ملا (کر سب کا حکم ایک کر) دیا، حالانکہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نبی کریم ﷺ کے سامنے لیٹی ہوتی تھی اور آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے۔"[1] تو اس کا جواب دو اعتبار سے ہے:

⊙ ...... قولِ رسول ﷺ کے معارض کسی کا قول نہیں ہو سکتا چاہے وہ کوئی بھی ہو۔

⊙ ...... دوسرا جواب یہ ہے کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اعتراض بے محل ہے کیونکہ حدیث میں مرور کا ذکر ہے جبکہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تو نبی کریم ﷺ کے سامنے تہجد کی نماز میں لیٹی ہوتی تھیں نہ کہ گزر رہی ہوتی تھیں۔

اور سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد کا کہ "تم لوگوں نے ہم عورتوں کو کتوں کے ساتھ ملا دیا۔" یہ جواب ہے کہ نبی کریم ﷺ کا قصد عورتوں کے مرتبہ کو گرانا نہیں تھا اور نہ عورتوں کو کتوں اور گدھوں جیسا قرار دینا تھا۔ لیکن چونکہ عورت کے سامنے سے گزرنے سے نمازی کا دل رب تعالیٰ کی ذات کے استحضار سے مشغول ہو سکتا تھا اس لیے عورت کو نمازی کے آگے سے گزرنے سے منع فرما دیا۔ ہر قسم کا گدھا نمازی کے آگے سے گزرے تو نماز خراب ہو جاتی ہے۔

◈ کتے کا کالا ہونا وصفِ اعتباری ہے نہ کہ وصفِ فردی۔ کیونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے یہی تو سوال کیا تھا کہ بالآخر کالے کتے ہی میں ایسا کون سا وصف ہے جو اس کے گزرنے سے نماز قطع ہو جاتی ہے، اس کے جواب میں نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ یہ شیطان کتا ہوتا ہے۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر کتا نرا کالا نہ ہو تو قاطع صلوۃ نہیں خواہ کسی بھی رنگ کا ہو اور چاہے یک رنگا ہو یا دو رنگا سب کا حکم ایک ہے۔

◈ معلوم ہوا کہ بعض کتے کتے بھی ہوتے ہیں اور شیطان فطرت بھی۔

◈ کالے کتے کا کیا شکار مباح نہ ہو گا کیونکہ وہ شیطان ہے۔ لہٰذا کالے کتے کو شکار کی غرض سے اور کسی بھی دوسری غرض سے پالنا جائز نہیں۔

◈ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احکام اور ان کے اسرار کے جاننے کے بے حد حریص تھے۔ جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کالے کتے کے قاطع صلوۃ ہونے کے راز کو معلوم کیا۔

◈ معلوم ہوا کہ شریعت کے جملہ احکام حکمت وعلت پر مبنی ہوتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ بعض احکام کی حکمت وعلت ہم بندوں کے علم میں آ جاتی ہے اور بعض کی نہیں۔

وَلِأَبِي دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ نَحْوُهُ دُونَ آخِرِهِ، وَ قَيَّدَ الْمَرْأَةَ بِالْحَائِضِ.

اور سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسی ہی حدیث مروی ہے۔ البتہ اس میں حدیث کا آخر مذکور نہیں اور اس روایت میں عورت کو حائض (یعنی بالغہ) کی قید کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔[2]

---

[1] صحیح البخاری: 514۔ صحیح مسلم: 512.

[2] سنن ابی داود: 703۔ سنن النسائی: 64/2۔ سنن ابن ماجه: 949۔ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (832) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ صحیح ابن حبان: 2387۔ صحیح ابن حبان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ الْمَرْأَةُ الْحَائِضُ وَ الْكَلْبُ. "نماز کو بالغہ عورت اور کتا قطع کر دیتے ہیں۔" اس روایت کے رفع اور وقف میں اختلاف ہے۔ (دیکھیں: نصب الراية: 78/2) امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس کے موقوف ہونے کو راجح قرار دیا ہے۔ (دیکھیں: سیر اعلام النبلاء: 594/10) ابن عبدالبر "التمہید" (168/21) میں لکھتے ہیں: اس باب میں مرفوعاً ... صحیح

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرح: ......امام موصوف ان روایات کو لے کر آئے ہیں حالانکہ صحیح مسلم کی پہلی روایت ان سب سے مستغنی کر دیتی ہے۔ تب پھر ان روایات کا لانا تقویت کے باب میں سے ہے۔ پھر مزید یہ کہ بعض روایات کے الفاظ کم اور بعض کے زیادہ ہیں۔ حائض سے مراد وہ عورت نہیں جسے بالفعل حیض آ رہا ہو بلکہ وہ عورت مراد ہے جو بالغ ہو چکی ہو اور اب اسے حیض آنے لگا ہو۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حیض کا آنا عورت کی بلوغت کی دیگر علامات میں سے ایک علامت ہے۔

سترہ کا فائدہ اور اس کا حکم

231,232۔ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ إِلَى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ ، فَأَرَادَ أَحَدٌ أَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْفَعْهُ ، فَإِنْ أَبَى فَلْيُقَاتِلْهُ ، فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ)).

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تم میں سے کوئی کسی ایسی شے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہو جو اس کے لیے لوگوں سے آڑ ہو اور کوئی (اس کے بعد) اس کے آگے سے گزرنے کا ارادہ کرے تو وہ اسے ہٹائے اور اگر وہ نہ مانے (اور اس کے باوجود بھی اس نمازی کے آگے سے گزرنے پر بضد ہو) تو وہ نمازی اس سے لڑے (یعنی تب اسے قوت اور شدت کے ساتھ دھکیلے اور ہٹائے) بے شک یہ تو شیطان (کے جیسا ضدی اور ہٹ دھرم) ہے۔'' [1]

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ . وَفِي رِوَايَةٍ: ((فَإِنَّ مَعَهُ الْقَرِيْنَ)).

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور (صحیح مسلم کی) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''بے شک اس کے ساتھ (اس کا شیطان) ساتھی ہے (جو اسے اس انتہائی برے عمل پر اکسا رہا ہے)۔'' [2]

غریب الحدیث: ......اِذَا: یہ شرطیہ ہے۔

اِلٰی شَیْءٍ یَسْتُرُہٗ مِنَ النَّاسِ: اس سے مراد ایسی چیز نہیں جو پورے بدن کی آڑ بنے بلکہ صرف اسی قدر سترہ ہی مراد ہے جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہے۔ کیونکہ سترہ سے مقصود پورے بدن کو اوٹ دینا نہیں بلکہ سترہ اور نمازی کے درمیان سے گزرنے والے کو گزرنے سے روکنا ہے۔

فَاَرَادَ اَحَدٌ: یہ فَا عاطفہ ہے، تب پھر اس جملہ کا گزشتہ فعل شرط صَلّٰی پر عطف ہوگا اور اَحَدٌ میں عموم بھی ہوگا کیونکہ جب نکرہ شرط کے تحت آتا ہے تو اس سے عموم مراد ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ حکم مرد عورت بالغ نابالغ سب کو شامل ہوگا۔

فَلْیَدْفَعْہُ: یہ جوابِ شرط ہے اور جب جوابِ شرط سات قسموں میں سے ایک ہو تو اس پر فَا کا آنا واجب ہوتا ہے جس کی تفصیل کتبِ نحو میں دیکھی جا سکتی ہے۔ جیسے جوابِ شرط کا جملہ اسمیہ، امر یا نہی میں سے ہونا، اسی طرح اگر جوابِ شرط استفہام ہو تو اس پر فَا کا داخل ہونا لازم ہوتا ہے۔ چونکہ مذکورہ جوابِ شرط فعلِ امر ہے لہٰذا اس پر فَا کا دخول واجب ہوا اور دفع کا معنی ہے ہٹانا اور پرے دھکیلنا۔

فَاِنْ اَبٰی: یہ فَا عاطفہ ہے اور اَبٰی کا معنی ہے نہ ماننا اور رد کرنا۔

---

❶ صحیح البخاری: 509 ❷ صحیح مسلم: 505، 506

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَلْيُقَاتِلْهُ: یعنی اگر ہٹانے سے بھی ہٹنے پر آمادہ نہ ہو تو تب اس کو قوت اور شدت کے ساتھ ہٹائے کہ فَلْيُقَاتِلْ سے یہی مراد ہے نہ کہ نماز میں دوسرے سے لڑ پڑنا مراد ہے جس کا نتیجہ دوسرے کے قتل پر جا نکلے۔ کیونکہ اس قسم کی بات پر کسی مسلمان کا خون مباح اور حلال نہیں ہو جاتا۔

فَاِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ: مذکورہ فا تعلیلیہ ہے اور یہ فَلْيُقَاتِلْ کی علت ہے۔ گویا کہ یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ ''بھلا یہ نمازی اس گزرنے والے سے کیوں لڑے گا؟'' تو اس کا جواب یہ ہے کہ ''اس لیے کہ وہ شیطان ہے'' کیونکہ اس نے ایک شخص کی نماز کو خراب کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ کام شیطان ہی کا تو ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کی نماز عبادت حتیٰ کہ ایمان تک خراب اور برباد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تب پھر مذکورہ جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کا نمازی کے آگے سے روکنے کے باوجود زبردستی گزرنے کا یہ فعل ایک شیطانی کام ہے۔

فَاِنَّ مَعَهُ الْقَرِيْنُ: یعنی اس کے ساتھ شیطانوں میں سے اس کا ایک ساتھی ہے اور وہی تو ہے جو اسے ایک نمازی کی نماز خراب کرنے پر اکسا رہا ہے۔

مضمونِ حدیث :...... مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جو سترہ کے اندر سے گزر کر کسی کی نماز خراب کرنا چاہے تو نمازی اسے ایسا کرنے سے روکے گا اور اگر وہ نرمی کے ساتھ روکنے سے نہیں رکتا تو اسے سختی کے ساتھ روکے گا۔ البتہ ایسا کرنے میں نوبت دست و گریبان تک نہ جا پہنچے اور دراصل اس مسئلہ کے ضمن میں یہ مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے کہ چونکہ یہ فعل اصلاحِ صلوٰۃ میں سے ہے لہٰذا یہ فعل اور حرکت عملِ کثیر نہ کہلائے گا اور نماز کو باطل کرنے والا بھی نہ ہوگا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ اِلٰى شَيْءٍ: یہ اسلوب بتلاتا ہے کہ نمازی کا اپنے آگے سترہ رکھنا لازم اور واجب نہیں کیونکہ آدمی کبھی اپنے آگے سترہ رکھتا ہے اور کبھی نہیں رکھتا۔ جس سے راجح قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں اپنے سامنے سترہ رکھنا واجب نہیں۔ [1]
- سترہ کا یہ فائدہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ نماز کو خراب ہونے سے بچاتا ہے جیسا کہ مذکورہ بات کی تمہید میں ذکر ہوا۔ البتہ سترہ کے ورے سے گزرنے میں کوئی حرج نہیں۔
- جو سترہ کے اندر سے گزرنا چاہے اسے اپنے سامنے سے گزرنے سے روکنا اور ہٹانا واجب ہے، یہ حکم فرض اور نفل دونوں نمازوں کے لیے یکساں ہے۔ کیونکہ گزرنے والا دراصل نماز کو خراب کرنا چاہتا ہے اور نماز کو فاسد ہونے سے بچانا واجب ہے۔
- گزرنے والا کس حد تک گزرے کہ اس کی مدافعت واجب ہوگی، تو اس کا مدار عرف پر ہے۔ عرف میں جس کو نمازی کے آگے سے گزرنے والا شمار کریں گے اس کی مدافعت واجب ہوگی۔ راجح قول یہ ہے کہ اگر کوئی جائے سجدہ سے ادھر کو گزرنا چاہے تو اسے روکا جائے گا۔
- یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کے آگے سترہ نہ ہو، اسے سامنے سے گزرنے والے کو روکنے کا بھی حق نہ ہوگا۔ کیونکہ حدیث میں

---

[1] دیکھیں: شرح العمدة لابن تيمية: 348/4۔ صاحب "المستوعب" کا قول ہے کہ سترہ رکھنا ہر حال میں واجب ہے۔ مرداوی نے "الانصاف" (261/5) میں یہ قول نقل کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مدافعت کو سترہ رکھے جانے کے ساتھ مقید کر کے ذکر کیا گیا ہے۔

◈ گزرنے کی ممانعت سے معلوم ہوا کہ اگر نمازی کے سامنے بیٹھے کسی شخص کو کچھ دیا یا اسے سلام کیا تو اس میں کوئی حرج نہ ہو گا۔ جبکہ نمازی کے پیچھے والے کو کچھ دینے میں بدرجہ اولیٰ کوئی حرج نہ ہو گا۔ لیکن اگر ایسا کرنے سے نمازی کو تشویش ہوتی ہو اور اس کی توجہ کے ارتکاز میں انتشار واقع ہوتا ہو تو ایسا بھی نہ کیا جائے گا۔

◈ اگر روکنے کے باوجود نہ رکنے والے سے سختی کرنے میں بات بڑھ جانے کا اندیشہ ہو، جیسے دونوں میں ہاتھا پائی کا امکان پیدا ہونے لگے تو اس گزرنے والے کو نہ روکا جائے گا کیونکہ باہم دست و گریبان ہونا بہر حال اتنا عملِ کثیر ہے کہ اس سے نماز کے باطل ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

◈ نبی کریم ﷺ کی یہ عادتِ شریفہ تھی کہ آپ ﷺ حکم کو علت کے ساتھ ملا کر ذکر فرماتے تھے جیسے یہاں مدافعت کی علت یہ بیان فرمائی کہ یہ گزرنے پر بضد آدمی شیطان کی اکساہٹ کا شکار ہو گیا ہے۔

◈ روکنے کے باوجود نہ رکنے والا شیطان یعنی شیطانی فعل کا مرتکب ہے۔

◈ اور قرین سے مراد شیطان ہے جو ظلم و عدوان اور کفر و عصیان کا حکم دیتا ہے۔

بطورِ سترہ زمین پر خط کھینچنا اور اس کا حکم

233- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ شَيْئًا ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَنْصِبْ عَصًا ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَلْيَخُطَّ خَطًّا ، ثُمَّ لَا يَضُرُّهُ مَنْ مَرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو وہ اپنے سامنے کچھ رکھ لے اور اگر وہ (کچھ) نہ پائے تو (اپنے ساتھ موجود) لاٹھی ہی کو گاڑ دے اور اگر (اس کے پاس) لاٹھی بھی نہ ہو تو پھر زمین پر ایک خط کھینچ دے۔ پھر اس کے بعد اس کے سامنے سے (یعنی اس بنائے سترہ کے ورے سے) گزرنے والا اسے کوئی نقصان نہ دے سکے گا۔“ [1]

أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَهْ ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ، وَلَمْ يُصِبْ مَنْ زَعَمَ أَنَّهُ مُضْطَرِبٌ ، بَلْ هُوَ حَسَنٌ .

اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس کو صحیح کہا ہے اور جس نے اس روایت کو مضطرب کہا ہے اس نے ٹھیک نہیں کہا۔ بلکہ (درست بات یہ ہے کہ) یہ روایت حسن ہے۔

غریب الحدیث:......إِذَا صَلّٰى: یہاں فعل بمعنی ارادۂ فعل کے ہے یعنی تم میں سے جو نماز پڑھنے کا ارادہ کرے۔

---

[1] سنن ابی داود: 689- سنن ابن ماجه: 943- مسند احمد: 249/2- صحيح ابن حبان: 2376- صحيح ابن خزيمة: 811- سنن البيهقي: 271/2- امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور ابن المدینی نے "الاستذکار" میں ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہوئے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ جبکہ ابن عیینہ، شافعی اور بغوی نے اس حدیث کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ ابن صلاح ہیں جنھوں نے اس روایت کو مضطرب کہا ہے۔ بیہقی کہتے ہیں: اس جیسے حکم کے بیان میں ایسی روایت لانے میں -ان شاء اللّٰه- کوئی حرج نہیں۔ (دیکھیں: المجموع: 217/3- التلخيص الحبير: 286/1- نصب الراية: 80/2)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَلْيَجْعَلْ تِلْقَاءَ وَجْهِهٖ شَيْئًا: مراد لاٹھی سے بڑی کوئی چیز ہے۔ جس کی دلیل مذکورہ روایت کے یہ اگلے الفاظ ہیں: فَإِنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيَنْصِبْ عَصًا کہ یہاں فَإِنْ لَّمْ يَجِدْ سے مراد اعلیٰ حالت سے ادنیٰ حالت کی طرف مڑنا ہے۔ تب پھر شَيْئًا کے نکرہ ہونے کے باوجود مراد کوئی ایسی چیز ہوگی جو عصا سے بڑی ہو۔ پھر اگر اتنی بڑی کوئی چیز نہ ملے تو پاس موجود لاٹھی کو گاڑ کر سیدھا کھڑا کر دے۔ نہ کہ زمین پر ڈال دے۔ کیونکہ فَلْيَنْصِبْ سے مراد اسے سیدھا کھڑا کرنا ہے۔

فَلْيَخُطَّ خَطًّا: اور اگر لاٹھی بھی نہ ہو تو زمین پر ایک خط کھینچ کر بے فکر ہو جائے گا۔ یہ خط عرضاً ہو۔ جبکہ بعض نے اس کو قوس نما کھینچنے کو افضل قرار دیا ہے۔ لیکن اس بارے حدیث مطلق ہے اور بے شک مراد عرضاً خط کھینچنا ہے۔ لیکن پھر بھی اس باب میں وسعت ہے۔

ثُمَّ لَا يَضُرُّ مَنْ مَرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ: مراد اس بنائے ہوئے سترہ سے درے گزرنا ہے۔

وَ لَمْ يُصِبْ مَنْ زَعَمَ اَنَّهٗ مُضْطَرِبٌ: امام ابن حجر رحمہ اللہ نے ان صاحب کا نام نہیں بتلایا جو اس روایت کو مضطرب سمجھتے ہیں تو یہ ابن صلاح رحمہ اللہ ہیں اور نام ذکر نہ کرنے کی دو وجوہات ہیں: (1) ایک تو اس کی ضرورت نہ تھی کیونکہ مقصود حکم کا بیان ہے۔ (2) اور دوسرے یہ کہ بسا اوقات کسی روایت کو مضطرب سمجھنے والا ایک ہوتا ہے، تب عدمِ تعیین سے عموم کا فائدہ لیا جاتا ہے کہ صرف ایک یہی نہیں بلکہ جو بھی یہ سمجھتا ہے غلط سمجھتا ہے۔

اَلْمُضْطَرِبُ: وہ حدیث جو ایک درجہ کی قوت و مرتبہ رکھنے والی مختلف صورتوں کے ساتھ مروی ہو۔ اس کیفیت کو اضطراب سے تعبیر کرتے ہیں چاہے راوی ایک ہی ہو، اور اختلاف دو یا تین مرتبہ روایت کرنے سے ہو یا راوی ایک سے زائد ہونے کی وجہ سے یہ اختلاف ہو۔ (علوم الحدیث، ص: 182...... نسیم)

مضمون حدیث:...... اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ نمازی کی پوری کوشش ہو کہ وہ اپنے سامنے کوئی نہ کوئی سترہ ضرور رکھے اور کچھ نہ ہو تو ایک لکیر ہی زمین پر کھینچ دے کہ یہ بھی سترہ کا فائدہ دے گی۔ چنانچہ اس کو دیکھ کر کوئی نماز کے آگے سے نہ گزرے گا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ اس روایت میں نمازی کے اپنے آگے سترہ رکھنے کا حکم بیان ہوا، چاہے وہ کھلے میدان میں ہو یا کسی چہار دیواری والی عمارت میں اور چاہے کسی کے آگے سے گزرنے کا خدشہ ہو یا نہ ہو دونوں کا حکم ایک ہے۔ اس باب میں ایک قول [1] یہ بھی ہے کہ اگر کسی کے گزرنے کا خدشہ نہ ہو تو سترہ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے صحیح یہ ہے کہ کسی کے گزرنے کا اندیشہ ہو یا نہ ہو نمازی اپنے آگے سترہ رکھے۔

◈ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف تدرج۔ چنانچہ آدمی کی پہلی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ وہ کسی حکم کے اعلیٰ ترین درجہ کو بجا لائے، اگر اس پہ دسترس ممکن نہ ہو تو پھر بتدریج نچلے درجات کی طرف آتا جائے۔

◈ اگر سترہ میں لاٹھی رکھنا پڑے تو افضل یہ ہے کہ اسے سیدھا گاڑے۔

◈ نمازی جب سترہ رکھے تو عین سامنے رکھے، دائیں بائیں نہ رکھے۔ اس کی دلیل تِلْقَاءَ وَجْهِهٖ کے الفاظ ہیں۔

◈ اگر لاٹھی بھی نہ ہو تو اس کی جگہ زمین پر ایک لکیر کھینچ دینا کفایت کرے گا اور لکیر کھینچنا یہ تیسرا مرتبہ اور درجہ ہے اور یہ بھی

[1] دیکھیں الروض المربع: 191/1۔ کشاف القناع: 382/1۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسی جگہ ممکن ہے جہاں زمین پر لکیر کھینچنے سے لکیر بن جاتی ہو جیسے ریتلی اور ترابی زمین۔ البتہ پکے فرش پر چونکہ لکیر کھینچنا ممکن بھی نہیں اس لیے بے سود بھی ہے اور شرع کسی بے سود بات کا حکم نہیں دیتی۔ تب پھر لکیر کھینچنے کا یہ حکم ریتلی اور ترابی زمین کے لیے ہوگا اور یہ لکیر عرضاً ہوگی نہ کہ طولاً جیسا کہ بیان ہوا۔

- پھر لکیر سے بھی مراد وہ اثر ہے جو یا تو زمین میں گڑھے کی صورت میں ظاہر ہو یا پھر زمین پر کسی ڈھیر کی صورت میں ظاہر ہو۔ تب پھر پکے فرش پر صرف ایک رنگ دار لکیر کھینچ دینا بے فائدہ ہوگا۔ کیونکہ یہ لکیر گہرائی یا اونچائی میں سے کسی بھی اثر کی حامل نہیں۔
- غرض جب سترہ نہ ہو تو جائے سجدہ جائے محترم شمار ہوگی۔ لہٰذا اس کے درے سے گزرنے والا مضر نہ ہوگا۔ تب پھر پکے فرش پر کھینچی گئی رنگ دار لکیر اس قدر فائدہ ضرور دے گی کہ اس کے اور نمازی کے درمیان گزرنا جائز نہ ہوگا۔

کیا کسی کے آگے سے گزرنے سے نماز قطع ہو جاتی ہے؟

234- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ شَيْءٌ، وَادْرَءُوا، مَا اسْتَطَعْتُمْ)).

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”نماز کو کوئی شے بھی قطع نہیں کرتی اور جہاں تک تم سے ہو سکے (آگے سے گزرنے والی چیز کو) دُور ہٹاؤ۔“ [1]

أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَفِي سَنَدِهِ ضَعْفٌ .

اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ اس کی اسناد میں ضعف ہے۔

غریب الحدیث:...... اَلصَّلٰوۃَ: یہ مفعولِ مقدم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

شَيْءٌ: یہ فاعلِ موخر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور یہ نکرہ ہے جو نفی کے تحت آیا ہے لہٰذا یہ عموم کا فائدہ دے رہا ہے۔

وَادْرَءُوْا: یعنی جو نمازی کے آگے سے گزرنے کا ارادہ کرے اس کو دفع کرو، ہٹاؤ اور دھکیل کر دُور کرو۔

مضمون حدیث:...... اس حدیث میں بنیادی طور پر دو مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

(1) نماز کو کوئی شے بھی قطع نہیں کرتی چاہے وہ عورت ہی ہو چہ جائیکہ گدھا اور کتا ہو۔

(2) دوسرا حکم یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو بھی نمازی کے آگے سے گزرنا چاہے اسے جہاں تک ہو سکے گزرنے سے منع کیا جائے اور روک کر ہٹایا جائے چاہے وہ کچھ بھی ہو، چاہے وہ شے نماز کو قطع کرتی ہو یا نہ قطع کرتی ہو۔

درایۃ الحدیث :...... امام ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف بتلایا ہے۔ تب پھر اس حدیث سے مذکورہ احکام ثابت نہ ہوں گے، پھر اس روایت کے متابعات اور شواہد بھی نہیں اس لیے یہ روایت ”حسن“ کے درجہ کو بھی نہیں پہنچتی۔ لہٰذا اس روایت پر عمل نہ کیا جائے گا۔ پھر فرض کیا کہ اگر یہ روایت صحیح لغیرہ یا حسن کے درجہ کو پہنچ بھی جاتی ہے، تب بھی یہ حدیث عام ہے اور جس روایت میں تین چیزوں سے نماز کے قطع ہونے کا ذکر ہے وہ اس روایت کی مخصص ہوگی۔ تب پھر یہ کہا جائے گا کہ ایک تو یہ حدیث صحیح نہیں اور اگر یہ صحیح بھی ہو تو عَامٌّ خَصَّ عَنْهُ الْبَعْضُ ہے اور اس میں وہ روایات تخصیص پیدا کر رہی ہیں جو

[1] سنن ابی داود: 917- اس حدیث کی روایت میں مجالد بن سعید ہے جو متکلم فیہ راوی ہے اور اس اسناد میں علی بن وداک بھی ہے جو ضعیف ہے، ابن حزم نے ”المحلی“ (13/4) میں اس کو ضعیف کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کتے گدھے اور عورت کے گزرنے پر نماز کے قطع ہو جانے کو بیان کرتی ہیں۔

5۔ بَابُ الْحَثِّ عَلَى الْخُشُوعِ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں خشوع و خضوع اختیار کرنے کی ترغیب

تمہید: حث کا معنی:...... حث اور حض دونوں لفظوں کا معنی ایک ہے۔ حث یہ تیز چلنے کے طلب کرنے کو کہتے ہیں۔

خشوع کی تفسیر

علماء نے نماز میں خشوع کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ یہ نماز میں طمانیت قلب کے ساتھ اعضاء و جوارح کے سکون کا نام ہے یعنی (1) ایک تو نماز میں دل حاضر ہو۔ (2) دوسرے اعضاء میں سکون ہو کہ وہ کسی بھی غیر ضروری اور عبث فعل میں مشغول نہ ہوں۔

نماز میں خشوع کا حکم

نماز میں اس کے واجب یا سنت ہونے میں علماء کا اختلاف [1] ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ سنت ہے البتہ یہ سنتِ مؤکدہ ہے۔ کیونکہ دراصل نماز کی روح یہی خشوع ہی تو ہے۔ جب خشوع نہ ہو تو نماز بے مغز اور بے روح ہے اور جس قدر خشوع کم ہو گا اتنا ہی ثواب بھی کم ہو گا۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے "القواعد النونية" میں خشوع کو واجب قرار دیا ہے اور اس کی تائید میں متعدد دلائل بھی پیش کیے ہیں لیکن ظاہر پھر بھی یہی ہے کہ خشوع تاکید کے ساتھ سنتِ مؤکدہ ہے اور جس کی نماز کا اکثر حصہ بے دھیانی اور وساوس سے معمور رہتا ہے اس کی نمازیں بے حد خطرے میں ہیں۔

نماز کوکھ پر ہاتھ رکھ کر ادا نہ کی جائے

235,236۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ مُخْتَصِرًا)).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ "آدمی نماز کو کوکھ پر ہاتھ رکھ کر ادا کرے۔" [2]

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ ، وَمَعْنَاهُ: أَنْ يَجْعَلَ يَدَهُ عَلَى خَاصِرَتِهِ .

یہ حدیث "متفق علیہ" ہے اور اس روایت کے الفاظ صحیح مسلم کے ہیں اور اختصار کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے ہاتھ کو اپنی کوکھ پر رکھ کر نماز ادا کرے۔

وَفِي الْبُخَارِيِّ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا: أَنَّ ذٰلِكَ فِعْلُ الْيَهُودِ .

اور صحیح بخاری رحمہ اللہ میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: کیونکہ کوکھ پر ہاتھ رکھنا یہ یہود کا اپنی نماز میں فعل ہے (کہ وہ لوگ اپنی عبادت کرتے وقت ایسا کرتے ہیں)۔ [3]

غریب الحدیث:...... نَهَى: نہی کا معنی ذکر کیا جا چکا ہے، نہی اصل میں فعل ہے یا ترک؟ تو اس بارے راجح قول یہ ہے کہ اگر تو فعل قلب سے متعلق ہو تو یہ فعل ہے اور اگر اعضا سے متعلق ہو تو یہ ترک ہے اور یہ توجیہ اس قول سے بہتر ہے کہ نہی

---

[1] دیکھیں: كشاف القناع: 392/1۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ "الفتاوى" (554/22) میں خشوع کے وجوب کی طرف مائل نظر آتے ہیں۔
[2] صحيح البخاري: 1219۔ صحيح مسلم: 545۔ [3] صحيح البخاري: 3458۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ ترک کے امتثال کو کہتے ہیں اور نہی میں اصل تحریم ہے۔ البتہ اگر دیگر قرائن ہوں تو یہ کراہت کے لیے بھی ہوتی ہے۔

اَنْ يُّصَلِّيَ الرَّجُلُ: رجل کا اطلاق بالغ مرد پر ہوتا ہے جیسے اِمْرَاَةٌ کا اطلاق بالغہ عورت پر ہوتا ہے اور رَجُلٌ کو خطاب اغلب کے اعتبار سے ہے کہ اکثر خطابات شرعیہ مردوں کو ہوتے ہیں کیونکہ ان کی مسئولیت عورتوں سے زیادہ ہے۔ البتہ اس حکم میں مرد اور عورت ایک ہیں۔

مُخْتَصِرًا: اختصار کی تفسیر خود امام ابن حجر رحمہ اللہ نے بیان فرما دی ہے کہ یہ نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے کو کہتے ہیں۔ یہ خاصرة سے ہے اور خاصرة یعنی کوکھ یہ پسلیوں سے نیچے کی اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں ہڈی نہیں ہوتی۔ (پنجابی میں جسے ''وکھی'' کہتے ہیں)

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث کا مضمون واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا ہے جس کو فقہاء کی اصطلاح میں تَخَصُّرٌ کہتے ہیں۔ اس ممانعت کی علت صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ یہ یہود بے بہبود کا فعل نامسعود ہے۔ رہی باب سے حدیث کی مناسبت تو وہ بھی واضح ہے کہ یہ حالت قلب کی غفلت کی علامت ہے کیونکہ یہود رب تعالیٰ کی عبادت بے حد غفلت کے ساتھ کرتے تھے اور غفلت خشوع کے منافی ہے۔ یوں حدیث کی باب سے مناسبت ظاہر ہوگئی کہ نماز میں خشوع کا تقاضا یہ ہے کہ یہود کی اس مبنی بر غفلت عادت سے مشابہت اختیار کرنے سے بچا جائے۔

کھانا پیش ہو جانے پر نماز پڑھنا منع ہے

237۔ وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا قُدِّمَ الْعَشَاءُ فَابْدَءُ وْا بِهِ قَبْلَ أَنْ تُصَلُّوا الْمَغْرِبَ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب شام کا کھانا پیش ہو جائے تو مغرب کی نماز ادا کرنے سے پہلے کھانا کھانے کی ابتدا کرو۔'' ❶ (یعنی تب پھر پہلے کھانا کھاؤ اور نماز بعد میں ادا کرو)۔

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:...... **اَلْعَشَاءُ:** وہ کھانا جو دن کے آخر میں کھایا جاتا ہے اور غَدَاء اس کھانے کو کہتے ہیں جو دن کے آغاز میں کھایا جاتا ہے۔

قُدِّمَ: چاہے یہ کھانا آدمی نے خود اپنے لیے رکھا ہو یا گھر والوں نے رکھا ہو۔

مضمون حدیث:...... اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب دن ڈھلے دن بھر کی بھوک کے بعد نماز سے قبل کھانا رکھا جائے تو بجائے مشوش قلب کے ساتھ نماز ادا کرنے کے، پہلے کھانا کھا کر قلب کو فارغ کر لیا جائے پھر حضور قلب کے ساتھ نماز ادا کی جائے۔ کیونکہ شدید بھوک کا اضطراب نماز میں خشوع کے منافی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ معلوم ہوا کہ شام کا کھانا عہد نبوی میں دن ڈھلنے پر مغرب سے کچھ پہلے کھایا جاتا تھا۔ البتہ یہ حکم ہر دور کے عرف اور عادت کے سپرد ہے، اصل مدار یہ ہے کہ اگر شدید بھوک کے عالم میں کھانا بھی آ جائے اور نماز بھی کھڑی ہو جائے تو پہلے کھانا کھا کر فارغ ہوا جائے تا کہ نماز میں خشوع متاثر نہ ہو۔ البتہ اگر ابھی کھانا لگا نہ ہو تو نماز پہلے ادا کی جائے۔

❶ صحيح البخاري: 672- صحيح مسلم: 557.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- معلوم ہوا کہ شریعتِ اسلامیہ بندوں کے حال کی بے حد رعایت کرتی ہے۔
- حدیث کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شدید بھوک کے عالم میں کھانا سامنے آ جانے سے جماعت سے رہ جانے کا اندیشہ ہو یا نہ ہو، بہر حال کھانے سے فارغ ہو کر نماز ادا کی جائے۔ البتہ نماز کا وقت ہی نکل جانا مراد نہیں، لہٰذا کھانے میں مشغول ہونے سے نماز قضا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو پہلے نماز ادا کی جائے۔
- اسی طرح حدیث کے ظاہر سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ آدمی پھر سیر ہو کر کھائے نہ کہ ایک یا دو لقمے کھائے۔ کیونکہ ایک دو لقمے اور زیادہ بھوک چمکا دیتے ہیں جس سے جی کے اضطراب میں اور اضافہ ہوتا ہے۔
- اسی پر قیاس کر کے دوسری صورتوں کا حکم بھی ہے کہ جس امر سے جی میں تشویش ہوتی ہو اس سے فراغت حاصل کیے بغیر نماز میں مشغول ہونا خشوع کے منافی ہے جیسے بول و براز کے زور کے وقت نماز پڑھنا درست نہیں۔ لہٰذا پہلے بول و براز سے فراغت حاصل کی جائے تب نماز ادا کی جائے۔ شدید سردی کے وقت کہ جب کپڑے تھوڑے ہوں تو پہلے سردی کے بچاؤ کا انتظام کیا جائے پھر نماز میں مشغول ہوا جائے۔

نماز میں بے کار کے کاموں میں لگنا خشوع کے منافی اور رب کی رحمت سے بے اعتنائی ہے

238,239- وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلَا يَمْسَحِ الْحَصٰى، فَإِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُهُ)).
رَوَاهُ الْخَمْسَةُ بِإِسْنَادٍ صَحِيْحٍ.
وَزَادَ أَحْمَدُ ((وَاحِدَةً أَوْ دَعْ)).

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تم میں سے کوئی نماز میں کھڑا ہو تو (فرش پر بچھی) کنکریوں کو نہ ہلائے کیونکہ (اس وقت رب تعالیٰ کی) رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔''[1]
اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔
اور امام احمد رحمہ اللہ نے یہ الفاظ مزید روایت کیے ہیں: ''ایک بار یا (اس کو) چھوڑ دے۔''[2]

غریب الحدیث: ......اَلْحَصٰى: مراد وہ کنکریاں ہیں جو مسجد کے فرش پر بچھائی جاتی تھیں۔ چنانچہ عہد نبوی ﷺ میں مسجد نبوی کے فرش پر چھوٹی چھوٹی کنکریاں بچھائی جاتی تھیں۔

فَإِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُهُ: یعنی جب آدمی اتنے سخت اور قدرے نوکیلے اور چبھنے والے فرش پر سجدہ کرنے کی تکلیف اٹھائے گا تو رحمتِ الٰہی بھی اس کی طرف متوجہ ہوگی یعنی اس کا یہ فعل رحمت الٰہی کے اس کی طرف متوجہ ہونے کا سبب بنے گا۔

مضمون حدیث: ......اس حدیث میں بنیادی طور پر دو مسائل بیان کیے گئے ہیں، جو یہ ہیں:

⊙ ......نماز کو جس قدر مشقت اور زحمت اٹھا کر ادا کیا جائے اسی قدر یہ نماز بندے پر نزولِ رحمت کا سبب ہوگی۔

---

[1] سنن ابی داود: 945۔ جامع الترمذی: 379۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ سنن النسائی: 6/3۔ سنن ابن ماجہ: 1027۔ مسند احمد: 149/5۔ امام ابن خزیمہ (914) اور امام ابن حبان (2273) نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور ان سب کے سب نے اس روایت کو ''عن ابی الاحوص عن ابی ذر رضی اللہ عنہ'' کے طریق سے روایت کیا ہے۔ ابو الاحوص اہل مدینہ کے شیخ ہیں جن کا نام معلوم نہیں۔ ابن معین نے ان کو ضعیف کہا ہے۔ (دیکھیں: علل الدارقطنی: 286/6)

[2] مسند احمد: 163/5۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⊙ ...... دوسرا یہ کہ جہاں تک ہو سکے نماز میں کوئی فالتو کام نہ کیا جائے کہ یہ بات نماز میں خشوع کے منافی ہے جیسا کہ خشوع کی اصطلاحی تعریف میں بتلایا گیا ہے کہ خشوع اعضاء کے سکون کا نام ہے اور حرکت اور وہ بھی بلاضرورت کہ یہ سکونِ اعضاء یعنی خشوعِ صلوٰۃ کے منافی ہے۔ لہٰذا اگر کنکریاں ہلانا ناگزیر ہی ہو جائے تو بس ایک بار ہلا کر بس کر دے اور اگر ہو سکے تو ہلائے ہی نہیں جیسا کہ مسند احمد کی روایت سے واضح ہوتا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ نماز میں بلاضرورت کوئی حرکت نہ کی جائے کہ یہ خشوع کے خلاف ہے۔ چنانچہ کنکریوں کو بھی ادھر ادھر نہ کیا جائے۔ بہت ضرورت ہو تو بس ایک دفعہ کر لیا جائے۔

◈ دورِ نبوی میں مسجد نبوی کے فرش پر کنکریاں بچھائی جاتی تھیں کہ مٹی کے فرش کی بہ نسبت کنکریاں زیادہ صاف ہوتی ہیں۔

◈ عبادت میں جس قدر مشقت و صعوبت بڑھتی جائے گی اجر و ثواب اور نزولِ رحمت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

وَفِي الصَّحِيْحِ عَنْ مُعَيْقِيْبٍ نَحْوُهُ بِغَيْرِ تَعْلِيْلٍ .

اور ایک صحیح روایت میں حضرت مُعَیقِیب رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی ایک روایت مروی ہے البتہ اس میں تعلیل مذکور نہیں۔ ❶

تنبیہ: ...... تعلیل سے مراد یہ جملہ ہے: ''کیونکہ (اس وقت رب تعالیٰ کی) رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔''

نماز میں دائیں بائیں دیکھنے کا حکم اور اس کی اقسام کا بیان

240,241- وَعَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ: ((سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْإِلْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ، فَقَالَ: ((هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الْعَبْدِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے (حکم کے) بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو چپکے سے اچک لینا ہے جو شیطان بندے کی نماز سے اچک لیتا ہے۔'' ❷ اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

وَلِلتِّرْمِذِيِّ عَنْ أَنَسٍ ـ وَصَحَّحَهُ ـ ((إِيَّاكَ وَالْإِلْتِفَاتَ فِي الصَّلَاةِ ، فَإِنَّهُ هَلَكَةٌ ، فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَفِي التَّطَوُّعِ)) .

اور امام ترمذی رحمہ اللہ کی روایت میں، جس کو انہوں نے صحیح کہا ہے، یہ الفاظ ہیں: کہ ''نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے بچو کیونکہ ایسا کرنا (باعثِ) ہلاکت (یعنی خیر کثیر سے محروم ہو جانا) ہے اور اگر یہ التفات ناگزیر ہی ہے تو پھر نفل نماز میں کیا جائے۔'' ❸ (نہ کہ فرض میں)

غریب الحدیث : ...... عَنِ الْإِلْتِفَاتِ: اِلْتِفَات اِدھر اُدھر دیکھنے کو کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ایک

---

❶ صحیح البخاری: 1207۔ صحیح مسلم: 546.　❷ صحیح البخاری: 751.

❸ جامع الترمذی: 589۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کو حسن اور غریب کہا ہے۔ علامہ منذری رحمہ اللہ ''الترغیب و الترهیب'' (209/1) میں کہتے ہیں اور بعض نسخوں میں ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ طبرانی نے ''المعجم الصغیر'' (101/2) اور ''المعجم الاوسط'' (5991) میں ایک طویل وصیت کے درمیان اس روایت کو نقل کیا ہے اور بعد میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے روایت کرنے میں مسلم انصاری متفرد ہے، یہ ثقہ تھے۔ ابن عبدالبر ''التمهید'' (391/17) میں اس حدیث کو دیگر متعدد احادیث کے ساتھ روایت کر کے کہتے ہیں۔ یہ ساری کی ساری احادیث شیوخ کی ان احادیث میں سے ہیں جن کے ساتھ استدلال نہیں کیا جاتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

التفاتِ بدنی اور دوسری التفاتِ قلبی۔ پھر التفاتِ بدنی کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک وہ ہے جو نماز کو باطل کر دیتی ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو مبطلِ صلوٰۃ نہیں۔ البتہ التفات کی یہ قسم نماز کو ناقص ضرور کر دیتی ہے۔ مذکورہ روایت میں التفاتِ بدنی کی یہی دوسری قسم مراد ہے جو خشوع کے خلاف ہونے کی وجہ سے نماز کو ناقص کر دیتی ہے۔

اِخْتِلَاس: یہ کسی شے کو چپکے سے اور دوسرے کی بے خبری میں لے لینے کو کہتے ہیں۔

فَإِنَّهُ هَلَكَةٌ: جامع ترمذی کے یہ الفاظ علت کا ذکر ہیں۔ لہٰذا یہ فا تعلیلیہ ہے اور هَلَكَةٌ سے مراد ہلاکت اور تباہی و بربادی نہیں بلکہ خیر کثیر سے محروم ہونا ہے۔

فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَفِي تَطَوُّعٍ: یہ جملہ کتبِ حدیث کی مراجعت کا محتاج ہے کہ آیا یہ زیادتی صحیح ہے یا نہیں؟ کیونکہ اصل فرض اور نفل کا برابر ہونا ہے الا یہ کہ کسی حکم میں دونوں میں سے کسی ایک میں استثنا ہو۔ (آگے شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں) میں تو اس جملہ کی مراجعت کر نہیں سکا۔ اس لیے اس کی مراجعت کر لی جائے۔

مضمونِ حدیث :......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ نماز میں ایسی ادنیٰ سے ادنیٰ حرکت سے بھی گریز کیا جائے جو نماز کے خشوع کے خلاف ہو۔ انہی میں سے ایک التفات ہے۔ یہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے کو کہتے ہیں۔ اس سے نماز ناقص ہو جاتی ہے۔ پھر اگر اس کے ساتھ گردن کا موڑنا بھی شامل ہو جائے تو یہ اور بھی زیادہ مُنْقِصِ صلوٰۃ ہے اور اگر اس کے ساتھ استدارِ صدر (یعنی دائیں بائیں گھوم جانا) بھی شامل ہو جائے تو یہ مبطلِ صلوٰۃ ہوگا۔ رہا گردن کا موڑنا تو اگر وہ اتنا ہو جائے کہ عملِ کثیر میں داخل ہو جائے تو یہ بھی نماز کو باطل کرنا ہوگا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مرد اور عورتیں سب کے سب علم کے بے حد حریص تھے جیسا کہ یہاں سوال کرنے والی ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔
- شیطان کسی قدر بندوں کے افعال و اعمال پر مسلّط رہتا ہے۔ گو وسوسہ ڈالنا تو اس کا کارِ منصبی ہے ہی۔ جس کی دلیل یہ الفاظ ہیں: هُوَ اِخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ .
- البتہ شیطان مومن کی نماز پر سیدھا حملہ نہیں کر سکتا، ہاں چپکے سے آ کر کوئی واردات کر جائے تو کر جائے جیسا کہ اختلاس کے معنی سے یہی معلوم ہوتا ہے۔
- نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے بچا جائے کہ شیطان مومن کی نماز میں اسی زینہ پر قدم رکھتے ہوئے اندر داخل ہوتا ہے۔

التفات کی اقسام اور احکام کو بیان کر دیا گیا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ التفاتِ قلبی یہ التفاتِ بدنی سے زیادہ اشد اور خطرناک ہے۔ کیونکہ یہ نماز کے ضیاع کا باعث بن جاتا ہے۔ التفاتِ قلبی کے مبطلِ صلوٰۃ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے، راجح قول یہ ہے کہ وسوسہ کا غلبہ بھی مُنْقِصِ صلوٰۃ تو ہے مگر مبطلِ صلوٰۃ نہیں۔ رہا التفاتِ بدنی تو اگر تو اس سے قبلہ سے استدارت (پھرنا) پایا جائے تو نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ استقبالِ قبلہ شرط ہے اور فواتِ شرط مبطلِ صلوٰۃ ہوتی ہے۔ البتہ جن صورتوں میں استقبالِ قبلہ کی شرط ساقط ہو جاتی ہے ان کا حکم اور ہے، وہ صورتیں اپنے مقام پر درج ہیں۔

- چونکہ شیطان انسان کا [illegible] دشمن ہے [illegible] کے لیے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہماری ہی ہلاکت وتباہی کا ذریعہ نہ بن جائے۔

نماز میں تھوکنے کا مسئلہ اور اس کے ضوابط کا بیان

242- وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ يُنَاجِيْ رَبَّهُ ، فَلَا يَبْصُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَمِيْنِهِ ، وَلٰكِنْ عَنْ شِمَالِهِ تَحْتَ قَدَمِهِ)).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تم میں سے کوئی نماز میں ہوتا ہے تو وہ (اس بات کو یاد رکھے کہ اب وہ) اپنے (خالق) پروردگار سے سرگوشی کر رہا ہے پس وہ (اس حال میں) نہ تو اپنے سامنے تھوکے اور نہ اپنے دائیں ہی تھوکے البتہ اپنے بائیں پاؤں تلے (تھوکے)۔'' ❶

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَفِيْ رِوَايَةٍ: ((أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ)).

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور ایک روایت میں (اَوْ کے کلمہ کے ساتھ) اَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ کے الفاظ ہیں۔

غریب الحدیث:......فِي الصَّلٰوةِ: یہ کلمہ عام ہے جو فرض اور نفل دونوں نمازوں کو شامل ہے۔

يُنَاجِي: مناجات یہ دوسرے کو چپکے سے کوئی بات کہنے کو کہتے ہیں (جسے اردو میں سرگوشی کرنا کہتے ہیں) کیونکہ آواز کی صفت میں سے ایک صفت اس کا نداء ہونا ہے۔ لہٰذا جب کسی کو دُور سے آواز دیں گے تو اسے ندا کہیں گے اور جب کسی سے قریب سے بات کریں گے تو اسے مناجات کہیں گے۔ اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ نَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا۝﴾ (مریم: 52)

''اور ہم نے اسے پہاڑ کی دائیں جانب سے آواز دی اور سرگوشی کرتے ہوئے اسے قریب کر لیا۔''

پس رب تعالیٰ سے مناجات پست آواز سے ہو نہ کہ بلند آواز سے۔

فَلَا يَبْصُقَنَّ: بُصَاق تھوک کو کہتے ہیں۔ یہ معروف ہے۔

بَيْنَ يَدَيْهِ: مراد سامنے سجدہ کی جگہ پر تھوکنے کی ممانعت ہے۔ لہٰذا تھوک جتنی قریب ہوگی اتنی ہی قبیح اور بدتر ہوگی۔ اس کے بعد داہنی جانب بھی تھوکنے کی ممانعت مذکور ہوئی، تب پھر اگر نماز میں آدمی تھوک پھینکنے پر مضطر ہو جائے تو کیا کرے؟ اس کو بیان کو فرماتے ہوئے فرمایا کہ ایسی صورت میں بائیں جانب اپنے پاؤں تلے تھوکے اور ایک روایت میں پاؤں تلے تھوکنے کا حکم اَوْ کے ساتھ آیا ہے۔ اس صورت میں وہ اپنے بائیں پاؤں تلے تھوکے تا کہ بائیں جانب تھوکنے کا اور پاؤں تلے تھوکنے کا، دونوں باتوں کا حکم جمع ہو جائے۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ نماز میں تھوکنا بھی منافی خشوع ہے۔ اس سے اجتناب کیا جائے اور اگر تھوکنا ناگزیر ہو جائے تو پھر تھوکنے کی قبیح ترین صورت سے سخت اجتناب کیا جائے اور وہ سامنے کو تھوکنا ہے کہ یہ سخت بے ادبی ہے کیونکہ اس وقت بندہ اپنے خالقِ حقیقی سے باتیں کر رہا ہوتا ہے اور داہنی جانب بھی نہ تھوکے کہ یہ داہنی جانب کے احترام کے خلاف ہے البتہ بائیں جانب تھوکے، پھر اس میں بھی کم ترین قبیح صورت اختیار کرے، وہ یہ کہ اپنے

❶ صحيح البخاري: 405- صحيح مسلم: 493.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قریب سے قریب حتیٰ کہ پاؤں تلے تھوکے تا کہ تھوک کسی کو نظر آ کر اس کی کراہت اور گھن کھانے کا سبب نہ بنے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نماز بے حد عظیم ترین عبادت ہے کہ یہ اللہ اور اس کے بندے کے درمیان تعلق کا ایک قوی ذریعہ ہے۔ اس میں بندہ اپنے پروردگارِ حقیقی سے باتیں کر رہا ہوتا ہے۔
- رب تعالیٰ کے لیے ربوبیت ثابت ہے اور یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔
- نماز میں سامنے تھوکنا منع ہے، یہ سخت ترین بے ادبی ہے جس کی تعلیل ایک روایت میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کی گئی ہے کیونکہ (اس وقت) اس کا پروردگار اس کے سامنے ہوتا ہے۔[1] جب ایک عام آدمی کے سامنے تھوکنا نہایت برا ہے تو اپنے خالق و مالک کے آگے تھوکنا کس قدر برا ہوگا؟ اس نہی کی بابت صحیح قول یہ ہے کہ یہ نہی تحریم کے لیے ہے نہ کہ کراہت کے لیے۔ لہٰذا نماز کے دوران قبلہ رُخ تھوکنا حرام ہوگا۔
- اگر کسی حکم کی علت عمل پر ابھارنے والی ہو تو اس کو حکم سے قبل بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔ جیسے حکم تو یہ ہے کہ ”نمازی نماز کے دوران اپنے آگے نہ تھوکے۔“ اور اس کی علت یہ ہے کہ ”اس وقت وہ اپنے پروردگار سے مناجات کر رہا ہوتا ہے۔“ لیکن چونکہ یہ علت ایسی لطیف تھی جو بندے کو عمل پر ابھارتی ہے اس لیے مذکورہ حدیث میں اسے حکم پر مقدم کر کے ذکر کیا گیا ہے۔
- چونکہ داہنی جانب نیکیاں لکھنے والا فرشتہ ہوتا ہے اس لیے داہنی جانب تھوکنا بھی منع ہے۔ البتہ چونکہ داہنی جانب تھوکنا سامنے تھوکنے سے ہلکا ہے لہٰذا یہ ممانعت کراہت کی ہوگی نہ کہ تحریم کی۔
- جناب رسول اللہ ﷺ کی یہ زبردست حکمت تھی کہ آپ ﷺ جہاں ایک بات سے منع فرماتے تھے، وہیں دوسری جانب جواز کا دروازہ بھی کھول دیتے تھے۔ چنانچہ اگر مضطر کو سامنے اور دائیں جانب تھوکنے سے منع فرمایا تو اس کے لیے بائیں جانب تھوکنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔
- معلوم ہوا کہ حاجت ہو تو نماز میں حرکت کرنا جائز ہے۔
- جب بائیں جانب تھوکنے کی اجازت ہے تو کیا روزہ دار کو نماز میں تھوک کا نگلنا حرام ہوگا؟ اس بارے علماء نے یہ تفصیل بیان کی ہے کہ اگر تو تھوک منہ تک آ گئی تھی تب نگلی تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ البتہ یہ قول محلِ نظر ہے۔[2] رہا نفسِ فعل تو علماء و فقہاء نے بلغم کے نگلنے سے منع فرمایا ہے چاہے کوئی روزہ سے ہو یا نہ ہو کیونکہ درحقیقت یہ ایک گندی چیز ہے جو جراثیم اور بیماریوں کا مرکب ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کا معدہ میں دوبارہ جانا اور بدن میں سرایت کرنا بیماری پھیلانے کے خدشات کا حامل ہے۔ اس لیے ایسا کرنا منع ہے۔
- معلوم ہوا کہ تھوک اور بلغم گندے ضرور ہیں البتہ ناپاک نہیں۔ وگرنہ نماز کے دوران اس کو پاؤں تلے پھینکنے کا حکم نہ ہوتا۔ کیونکہ اس صورت میں پاؤں کا اس سے آلودہ ہو جانا بدیہی ہے۔ لہٰذا اگر یہ نجس ہوتی تو نماز میں پاؤں کو اس سے آلودہ

---

1. السنن الکبری للنسائی: 8887۔ حافظ رحمہ اللہ نے ”التلخیص الحبیر“ (116/3) میں اس روایت کو حسن کہا ہے۔
2. الفروع لابن مفلح: 45/3۔ المبدع: 39/3۔ صاحب ”المغنی“ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی روایت میں یہ نقل کیا ہے کہ اگر کسی نے کھنکار نے [illegible] (17/3)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے کی اجازت نہ ہوتی۔ رہا یہ سوال کہ کیا پھر بدن سے نکلنے والی ہر شے پاک ہے؟ تو اس کا جواب باب النجاسات کے تحت مفصل گزر چکا ہے۔

- معلوم ہوا کہ مسجد میں ضرورت کے تحت تھوکنے کی اجازت ہے۔ کیونکہ مذکورہ حدیث میں کوئی استثنا مذکور نہیں۔ لہٰذا نمازی چاہے گھر میں ہو یا مسجد میں، اگر وہ تھوکنے پر مجبور ہو جائے تو اپنے بائیں پاؤں تلے تھوک سکتا ہے۔ البتہ بعض فقہاء نے مسجد کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا ہے۔

جو شے آدمی کی توجہ کو نماز میں خراب کرے اس کو دُور کرنا لازم ہے

243,244۔ وَعَنْهُ قَالَ: ((كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ رضي الله عنها سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا، فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ: ((أَمِيطِي عَنَّا قِرَامَكِ هَذَا، فَإِنَّهُ لَا تَزَالُ تَصَاوِيرُهُ تَعْرِضُ لِي فِي صَلَاتِي)). رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا دروازہ کا ایک پردہ تھا جس کے ذریعے وہ اپنے گھر کی جانب کا (یعنی گھر کے اندر کی جانب کا) پردہ کیا کرتی تھیں۔ پس آپ ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا: ''ہم سے اپنے اس پردے کو ہٹا دو کہ اس کی تصویریں میری نماز میں میرے آڑے آتی رہتی ہیں۔'' [1]

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... قِرَامٌ: دروازے پر لٹکانے کا باریک پردہ۔

سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا: کیونکہ جب پردہ دروازے پر ڈال دیا جاتا ہے تو باہر والے کو اندر کا منظر دکھائی نہیں دیتا۔

بَيْتِهَا: یعنی جس میں سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رہتی تھیں۔ یہ گھر ان کی مِلک میں تھا یہ اضافت مِلک پر دلالت کرتی ہے۔ اس بارے تفصیل گزشتہ صفحات میں ذکر کی جا چکی ہے۔

أَمِيطِي: یعنی ہٹا دو۔

تَصَاوِيرُهُ: یہاں تصاویر سے مراد محض نقوش اور لکیریں وغیرہ ہیں کیونکہ جس کپڑے میں حیوان کی تصویر ہو اس کو تو آپ ﷺ نے پھاڑ دینے کا حکم دیا تھا۔ معلوم ہوا کہ محض نقش و نگار پر نگاہ پڑنے نے بھی آپ ﷺ کے نماز میں خشوع کو متاثر کیا۔

مضمون حدیث:...... اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جو چیز بھی نماز میں جی کی توجہ اور خشوع میں خلل ڈالے، اس کو اہتمام سے نماز کی جگہ سے دُور کر دینا چاہیے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ گھروں کے دروازہ پر پردہ لٹکانا جائز ہے کیونکہ آپ ﷺ نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پردہ لٹکانے کو برقرار رکھا۔ البتہ اس کو ہٹانے کا حکم نماز میں آنے والے خلل کی وجہ سے دیا۔ لیکن یاد رہے کہ پردہ لٹکانے میں نمود و نمائش، زیبائش و آرائش اور اسراف و تبذیر کی حد تک پہنچنا جائز نہیں۔ ہاں گرمی سردی اور بارش وغیرہ سے بچنے کے لیے ڈالی جانے والی چادریں، قناتیں، ترپالیں اور لگائی جانے والے پلاسٹک کی شیٹیں وغیرہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔
- جو شے توجہ کھینچے اور دل کے خشوع میں خلل ڈالے، اس کی طرف منہ کرکے نماز ادا نہ کی جائے اور اگر ایسی شے کسی

[1] صحیح البخاری: 374

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے کے فعل کا نتیجہ ہو تو اس دوسرے سے اس فعل کے ازالہ کا مطالبہ کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ پردہ ہٹانے کا حکم دیا۔

◈ اسی بنا پر علماء نے مسجد کے قبلہ میں کچھ لکھنے سے منع کیا ہے اور اسے مکروہ جانا ہے قطع نظر اس سے کہ کیا لکھا ہے اور اگر لکھی جانے والی تحریر غیر شرعی بھی ہو تو یہ تاریکی پہ تاریکی ہوگا۔

◈ بعض مساجد میں محراب کی ایک جانب لفظ ''اللہ'' اور دوسری جانب لفظ ''محمد'' لکھا ہوتا ہے بلاشبہ یہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں نبی کریم ﷺ کو رب تعالیٰ کے ہم سر اور برابر بنانا ہے۔ چنانچہ بادی النظر سے دیکھنے سے یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ دونوں ذاتیں ہم پلہ اور برابر ہیں۔

◈ اسی طرح محراب کے اوپر ایسی آیت لکھنا بھی درست نہیں جس کا معنی اس جگہ کے اعتبار سے مستقیم نہ ہو جیسے محراب پر یہ آیت لکھنا درست نہیں: ﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا﴾ (آل عمران: 37) ''جب کبھی زکریا اس کے پاس عبادت خانے میں داخل ہوتا، اس کے پاس کوئی نہ کوئی کھانے کی چیز پاتا۔'' کیونکہ مذکورہ آیت میں محراب سے مراد جائے نماز ہے نہ کہ محراب کا وہ طاق جو محراب میں بنا ہوتا ہے۔ پھر محراب میں طاق بنانے کے جواز میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ ناجائز ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نصاریٰ کے مذابح کی طرح کے مذابح بنانے سے منع فرمایا ہے۔ ❶ علماء نے مذابح کی تفسیر محاریب سے کی ہے۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ حرام وہ محراب ہے جو نصاریٰ کے کلیسا کی محراب جیسی ہو۔ لہٰذا جو محراب کلیسا کی محراب کے جیسی نہ ہو، اس کا بنانا مکروہ نہیں اور نہ اس میں نماز ادا کرنا ہی مکروہ ہے۔

◈ رب تعالیٰ کے وہ اسماء لکھنا بھی بدرجہ اولیٰ منع ہوگا جو روایاتِ صحیحہ سے ثابت نہیں، یہی حکم حضرت رسالت مآب ﷺ کے غیر ثابت اسماء کے بارے میں بھی ہے۔

◈ نبی کریم ﷺ بھی ایک بشر تھے، آپ ﷺ بھی ایسی اشیاء سے متاثر ہو جایا کرتے تھے۔

◈ معلوم ہوا کہ وسوسہ کے غلبہ سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ جس کی دلیل لَا تَزَالُ تَعْرِضُ کے الفاظ ہیں کیونکہ لَا تَزَالُ کا لفظ استمرار پر دلالت کرتا ہے اور یہی راجح قول ہے۔ پھر وسوسہ کے غلبہ سے نماز کے بطلان کا قول کرنے میں امت پر مشقت بھی ہے۔

◈ نبی کریم ﷺ کا حسن اخلاق کہ آپ ﷺ نے اس پردہ کو خود نہ ہٹایا تا کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس سے جی کی گرانی نہ ہو۔

◈ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ منکر کی اطلاع صاحب منکر کو دے دی جائے تا کہ وہ اس کے ازالہ کا بندوبست کر سکے چنانچہ اس کو خود مٹانے سے بہتر اور اولیٰ دوسرے کے ذریعے اس کا ازالہ ہے۔

وَاتَّفَقَا عَلَى حَدِيثِهَا فِي قِصَّةِ أَنْبِجَانِيَّةِ أَبِي اور امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کی حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ کی چادر کے

---

❶ مصنف عبدالرزاق: 3903 اور حدیث (رقم: 3902) میں عبدالرزاق نے لیث سے روایت کیا ہے کہ اہل صلوٰۃ میں در آنے والا سب سے پہلا ... یہ ... انہیں بنانا تھا اور حسن بصری نے طاق میں نماز ادا کرنے کو مکروہ کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جَهْمٍ ، وَ فِيهِ: ((فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِي عَنْ صَلَاتِي)). قصہ پر مشتمل ''متفق علیہ'' حدیث میں یہ الفاظ ہیں: ''بے شک اس چادر نے مجھے میری نماز سے غافل کر دیا۔''❶

قصۂ حدیث :......انبجانیہ یہ موٹی چادر کو کہتے ہیں۔ قصہ یہ ہے کہ حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو ایک دھاری دار چادر ہدیہ میں پیش کی تھی۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ کی یہ عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ ہدیہ دینے والے کو بدلے میں کوئی ہدیہ ضرور دیا کرتے تھے، ممکن ہے کہ یہ انبجانی چادر آپ ﷺ نے اسی ہدیہ کے بدلے میں حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ کو دی ہو۔ تب پھر یہ اشکال ضرور ہوتا ہے کہ جب آپ ﷺ نے وہ دھاری دار چادر واپس فرمائی تو اپنی دی ہوئی اس انبجانی چادر کو کیونکر واپس لیا کہ ہدیہ دے کر واپس لینا منع ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ انبجانی چادر حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ کی ہی ہو۔ چنانچہ جب آپ ﷺ نے ان کی دی ہوئی دھاری دار چادر واپس فرمائی تو ان کی تالیفِ قلب کے لیے ان سے ایک دوسری چادر طلب فرمائی تاکہ وہ اپنے ہدیہ کے واپس ہو جانے پر دل گرفتہ نہ ہوں۔

مضمون حدیث :......مذکورہ حدیث میں بھی یہی مسئلہ مذکور ہے کہ جو شے نماز کی توجہ میں خلل پیدا کرے اسے نماز میں اپنے سے دُور کر دیا جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ نفیس اور عمدہ لباس پہن کر نماز ادا کر سکتے ہیں۔ تب پھر نماز کے علاوہ میں تو بدرجۂ اولیٰ پہن سکتے ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ کی دی ہوئی ایک نفیس دھاری دار چادر (خمیصہ) میں نماز ادا فرمائی تھی۔ البتہ اس کے واپس کرنے کی علت اس کا نفیس ہونا نہ تھی بلکہ نماز کی توجہ کا منتشر ہونا تھا۔
- نبی کریم ﷺ کا حسنِ اخلاق کہ جب آپ ﷺ نے حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ کی ''خمیصہ'' کو واپس فرمایا تو ان کی دلداری کے لیے ان سے انبجانیہ کو طلب فرما لیا۔ چاہے وہ حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ کی ہی تھی یا آپ ﷺ نے وہ پہلے ہدیہ میں دے رکھی تھی۔ کیونکہ اب آپ ﷺ کا مقصود ہدیہ واپس لینا نہ تھا بلکہ حضرتِ ابوجہم رضی اللہ عنہ کی تالیفِ قلب تھا۔
- اگر یہ معلوم ہو کہ سوال کرنے سے دوسرا خوش ہو گا تو اس سے سوال کر سکتے ہیں۔
- جو شے نماز کی توجہ خراب کرے اس کو پہن کر یا سامنے رکھ کر نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔
- نبی کریم ﷺ بھی (بتقاضائے بشر) دوسرے انسانوں کی طرح اشیاء سے متاثر ہو جایا کرتے تھے۔

نماز میں اوپر آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا منع ہے

245۔ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ يَرْفَعُونَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِي الصَّلَاةِ ، أَوْ لَا تَرْجِعُ إِلَيْهِمْ)).

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''لوگ نماز میں اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھانے سے باز آ جائیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی نگاہ (اچک لی جائے اور وہ) لوٹ کر ان کی طرف آئے ہی نہیں۔''❷

❶ صحیح البخاری: 373، صحیح مسلم: 556 ❷ صحیح مسلم: 428

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ مُسْلِمٌ . اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ......لَيَنْتَهِيَنَّ: بظاہر یہ فعل بغیر کسی ناصب کے منصوب نظر آتا ہے۔ لیکن دراصل یہ مبنی بر فتح ہے اور اس کی وجہ اس کے ساتھ نون تاکید کا متصل ہونا ہے جو حرف اور مبنی اصل ہے اور اس کا معنی ہے لَيَتْرُكُنَّ، اس جملہ میں تین تاکیدات جمع ہو گئی ہیں:

(1) ایک قسم، جو محذوف ہے، یعنی اس کی تقدیری عبارت یوں ہے: وَ اللّٰهِ لَيَنْتَهِيَنَّ .

(2) دوسرے جوابِ قسم کی لام جو تاکید کے لیے ہوتی ہے۔

(3) اور تیسرے نون ثقیلہ جو نونِ تاکید ہے۔

اَقْوَامٌ: یہ حکم مرد اور عورت سب کو شامل ہے۔

اَوْلَا تُرْجِعُ اِلَيْهِمْ: یہاں اَوْ "اِلَّا" کے معنی میں ہے۔ یعنی لوگ آسمان کی طرف نماز میں نگاہیں اٹھانا بند کر دیں ورنہ (یعنی اور اگر وہ ایسا نہ کریں گے۔ کیونکہ یہاں اَوْ بمعنی اِلَّا کی تقدیری عبارت یہ ہے: وَ اِنْ لَّا يَنْهِيَنَّ مِنْ كَذَا وَ كَذَا فَلَا تَرْجِعْ اِلَيْهِمْ اَبْصَارُهُمْ .) ❶

مضمون حدیث: ......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ نماز میں نگاہ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنا منع ہے کیونکہ اس سے ایک تو اعضاء کا سکون باقی نہیں رہتا، دوسرے دل کی توجہ بھی بٹتی ہے۔ لہٰذا یہ فعل خشوع صلوٰۃ کے خلاف ہوگا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے سے ڈرایا گیا ہے کیونکہ اس پر نگاہ کے اچک لیے جانے کا حکم مرتب ہوتا ہے۔ جو ایک وعید ہے اور وعید اس فعل کے حرام ہونے کو مستلزم ہے۔ بلکہ بعض نے تو اس فعل کو اکبر الکبائر میں شمار کیا ہے۔
- نگاہ کے آسمان کی طرف اٹھانے سے نماز کے باطل ہو جانے میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ ❷ اگرچہ "ظاہریہ" اس سے نماز کے باطل ہو جانے کے قائل ہیں لیکن صحیح اور جمہور کا قول نماز کے باطل نہ ہونے کا ہے۔
- اس باب میں آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھنے یا آنکھیں بند کر لینے، دونوں کا حکم ایک ہے۔
- اگر ہم کسی کو ایسا کرتے دیکھیں تو اس پر انکار کریں کیونکہ وہ ایک کبیرہ کا مرتکب ہو رہا ہے۔
- نماز کی تعظیم اور اس کے ادب کا تقاضا ہے کہ اسے کامل درجہ پر ادا کیا جائے۔
- اس حدیث میں رب تعالیٰ کی عظیم قدرت کا بھی بیان ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کوتاہی سے ڈرایا ہے، اسے کر دکھانا رب تعالیٰ کی قدرت میں ہے۔
- مذکورہ دھمکی سے ڈر کر نماز میں نگاہ نیچی رکھنا عین سنت، خشوع اور کمالِ صلوٰۃ میں سے ہے نہ کہ ریا اور دکھلاوا ہے۔
- تحریم سے باز آنے پر آخرت کے عذاب سے بچنے کے ساتھ ساتھ دنیا میں رب کی رضا اور آخرت میں ثواب بھی ملے گا۔

---

❶ دیکھیں: القاموس الوحید، ص: 140۔ اَوْ کا معنی (رقم 7) هٰذَا مَا سَنَحَ لِيْ وَ الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ . (نسیم)

❷ دیکھیں کشاف القناع: 370/1۔ مواهب الجليل: 550/1 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بول و براز کے زور کے وقت نماز ادا کرنا منع ہے

246۔ وَلَهُ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ، وَلَا هُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ)).

صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے: ''کھانا پیش ہو جانے کے وقت کوئی نماز نہیں اور نہ اس وقت (وہ نماز ادا کرے) جب وہ بول و براز کو دبا رہا ہو۔''[1]

غریب الحدیث:...... **لَا صَلٰوةَ**: یہ لَا نفی جنس کا ہے۔ لا کی بابت یہ ضابطہ گزشتہ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اول اس کو نفی وجود پر حمل کیا جاتا ہے، اگر یہ ممکن نہ ہو تو نفیِ صحت پر وگرنہ نفیِ کمال پر۔ یہاں مراد نفیِ کمال ہے۔ یعنی کھانا پیش ہو جانے پر پڑھی جانے والی نماز کامل نہیں ہوتی۔

بِحَضْـرَةِ الطَّعَامِ: حدیث (رقم 237) کے تحت اس پر مفصل کلام کیا جا چکا ہے۔ اس لیے مناسب تو یہ تھا کہ اس حدیث کو حدیث (رقم 237) کے بعد لایا جاتا۔ لیکن چونکہ مذکورہ حدیث ایک ہی باب سے متعلق ہے، اس لیے اس کو پہلے یا بعد میں ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ حدیث متعلقہ باب میں ہی ذکر کی جائے۔

وَ لَا وَ هُوَ يُدَافِعُهُ الْاَخْبَثَانِ: یہاں عبارت محذوف ہے جس کی تقدیر یہ ہے: وَ لَا يُصَلِّيْ وَ هُوَ يُدَافِعُهُ الْاَخْبَثَانِ. تب پھر ''و هو يدافع'' یہ جملہ حالیہ ہوگا اور یہ فعلِ محذوف کی ضمیر سے حال ہوگا۔

يُدَافِعُ: دبانا۔ اب بسا اوقات تو آدمی اخبثان کو دبا سکے گا اور بسا اوقات وہ اخبثان کے زور پر صبر نہ کر پائے گا اور نماز میں مضطرب رہے گا۔

اَخْبَثَان: مراد بول و براز ہے اور یہ اَخْبَثْ کی تثنیہ ہے جو خبث یعنی نجاست سے مشتق ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ بول و براز نجس اور غلیظ ہیں اور ان کے نجس ہونے پر نص بھی آئی ہے اور اجماع بھی ہے۔

مضمون حدیث:...... اس حدیث میں بھی دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ ایسی کسی حالت میں نماز ادا نہ کی جائے جس میں دل مضطر اور قلق کا شکار رہے۔ کیونکہ جی کا قلق و اضطراب نماز کے خشوع کے منافی ہے۔ اس کی دو صورتوں کو یہاں ذکر کیا گیا ہے:

(1)...... شدید بھوک کے وقت کھانا پیش کر دیا جائے تب نماز نہ پڑھی جائے۔ اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

(2)...... دوسرے جب بول و براز کا زور ہو اور آدمی ان پر صبر کرنے کی کوشش کرتے ہوئے نماز میں مشغول ہونے لگے کہ ان دونوں صورتوں میں نماز کا خشوع برباد ہو جاتا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- شریعتِ اسلامیہ نے نماز کے فعل کی عظمت کو اہتمام کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس بات کی بڑی تاکید کی ہے کہ دل و دماغ کو ہر قسم کے وساوس، اضطرابات اور قلقوں سے خالی کر کے نماز ادا کی جائے۔
- اب جن حضرات کے نزدیک خشوع واجب ہے جیسے شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ، تو ان کے نزدیک ان دونوں حالتوں میں ادا کی

[1] صحیح مسلم: 560

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانے والی نماز صحیح نہ ہوگی۔ لہٰذا نماز کو ان دونوں صورتوں سے فراغت کے بعد ادا کیا جائے چاہے جماعت بھی نکل جائے۔ البتہ وقت قضا کرنے کی اجازت نہیں جس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔ البتہ نماز کے مستحب اوقات کی رعایت بہرحال لازم ہے۔ لہٰذا اس کا پہلے سے اہتمام کر لیا جائے اور ان حاجات سے مستحب اوقات سے قبل ہی فارغ ہو لیا جائے۔ اسی طرح یہی حکم ریح کے دباؤ کا بھی ہے۔

- شریعتِ اسلامیہ نے آدمی کے خود اپنے حقوق کی بھی رعایت رکھی ہے۔
- یاد رہے کہ صرف بھوک کا احساس یا بول و براز کا احساس مانع صلوٰۃ نہیں بلکہ ان کا اشتداد یا دباؤ اور شدت مانع صلوٰۃ ہے جو دل کے شدید اضطراب کا باعث ہو کہ اس صورت میں خشوعِ صلوٰۃ کسی حال میں بھی باقی نہیں رہ سکتا۔
- اخبثان کی تعبیر بتلاتی ہے کہ بول و براز غلیظ ترین نجاستوں میں سے ہیں۔
- لَا صَلٰوۃَ میں نفیِ ابتدا ہے کہ نفی میں اصل یہی ہے۔ لیکن اگر اثنائے صلوٰۃ یہ عوارض طاری ہو جائیں تو بھی نماز کو جاری رکھنا منع ہوگا۔ تب پھر یہ نفیِ استمرار ہوگی۔ البتہ ان عوارض کے ظہور سے نماز باطل نہ ہوگی لہٰذا آدمی کو اختیار ہوگا چاہے تو لوٹ کر ان عوارض سے گلو خلاصی کر کے نئے سرے سے نماز شروع کرے اور چاہے تو اس نماز کو جاری رکھے۔ البتہ استمرارِ صلوٰۃ مکروہ ہوگا۔ کیونکہ یہ حالتیں خشوعِ صلوٰۃ کے منافی ہیں اور اگر ان عوارض کا دباؤ شدید ہو جائے تو استمرارِ صلوٰۃ میں خود اپنی جان کو کسی ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے لہٰذا اولیٰ یہ ہے کہ نماز ختم کر کے ان عوارض سے فراغت حاصل کرے، پھر نئے سرے سے نماز پڑھے۔

نماز میں جمائی آنے اور لینے کا حکم

247- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((التَّثَاؤُبُ مِنَ الشَّيْطَانِ ، فَإِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ)).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”جمائی (آنا) شیطان کی وجہ سے ہے پس جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو وہ جہاں تک ہو سکے (اس جمائی کو) دبائے۔“ ❶

رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالتِّرْمِذِيُّ ، وَزَادَ: ((فِي الصَّلَاةِ)).

اس روایت کو امام مسلم اور امام ترمذی دونوں نے روایت کیا ہے۔ البتہ امام ترمذی کی روایت میں فِي الصَّلٰوۃِ کے الفاظ زیادہ ہیں (یعنی جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آئے تو وہ جہاں تک ہو سکے اس کو دبائے)۔

غریب الحدیث: ...... اَلتَّثَاؤُبُ: یہ مبتدا ہے۔ یہ جمائی کو کہتے ہیں جو معروف ہے۔

مِنَ الشَّيْطَانِ: یہ خبر ہے۔ یعنی جمائی شیطان لے کر آتا ہے۔ یہاں مِنْ سببیہ ہے۔ یعنی جمائی آنے کا سبب شیطان ہوتا ہے۔ اِذَا تَثَاءَبَ: یعنی جب جمائی آئے۔

فَلْيَكْظِمْ: یعنی اسے دبائے اور روکے۔ معلوم ہوا کہ اگر آدمی جمائی کو دبا لے تو وہ نہ آئے گی۔

---

❶ صحیح مسلم: 2994۔ جامع الترمذی: 370۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَـا اسْتَـطَـاعَ: یعنی جہاں تک ہو سکے اسے دبائے۔ لیکن اگر وہ باوجود کوشش کے جمائی نہ روک سکے تو پھر کیا کرے؟ مذکورہ حدیث میں اس کا ذکر نہیں۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ''اس صورت میں وہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے۔'' ❶

فِي الصَّلٰوةِ: جامع الترمذی کی روایت کے یہ زائد الفاظ بتلاتے ہیں کہ نماز میں جمائی کا آنا شیطانی انگیخت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ کیونکہ جمائی سستی، بددلی، کاہلی اور جی کے بوجھل ہونے کی غمازی کرتی ہے اور یہ کیفیات نماز میں شیطانی اکساہٹ سے پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن بہتر ہے کہ اس بات کو اپنے عموم پر رکھا جائے یعنی جمائی سستی سے آتی ہے چاہے نماز میں ہو یا نماز سے باہر۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں بچے کے بار بار جمائی لینے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اب یہ سونا چاہتا ہے۔

مضمونِ حدیث :...... مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جمائی سستی کی آئینہ دار ہے اور سستی خشوع کے منافی ہے لہٰذا نماز میں جمائی کو روکا جائے کیونکہ نماز میں جمائی لینے پر شیطان ابھارتا ہے تاکہ نماز کا خشوع خراب ہو۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ شیطان کو انسانی بدن پر ایک گونہ تاثیر حاصل ہے، اسی لیے جمائی آتی ہے۔ جبکہ بدی پر آمادہ کرنا اور خیر سے گریزاں کرنے میں شیطانی تاثیر مسلَّم ہے جیسا کہ ایک حدیث میں اس کا ذکر ہے۔ ❷
- معلوم ہوا کہ شیطان کی عداوت نیکی سے روکنے میں اور طاعت میں سستی کرنے میں ظاہر ہوتی ہے۔
- جمائی کا غلبہ ہو تو جہاں تک ہو سکے اس کے روکنے اور دبانے کا حکم ہے۔ چنانچہ جو لوگ جمائی لیتے ہوئے عجب گھبرا دینے والی آوازیں نکالتے ہیں بلاشبہ وہ غلط اور خلافِ سنت کرتے ہیں۔
- مَـا اسْتَـطَاعَ کے کلمات بتلاتے ہیں کہ انسان کے لیے بھی اس کی بشریت کے مناسب مشیت و قدرت ثابت ہے اور اس میں مشہور بدعتی فرقہ ''جبریہ'' کا ردّ بھی ہے جیسا کہ پچھلے صفحات بارہا ذکر ہوا۔

6۔ بَابُ الْمَسَاجِدِ...... مساجد کا بیان

تمہید:...... مساجد یہ مسجد کی جمع ہے اس کا لغوی معنی ہے: ''جائے سجدہ''۔ اس کی دو قسمیں ہیں: (1) سجدہ ادا کرنے کی مخصوص جگہ جیسے معروف مساجد جو شہروں اور محلوں میں بنی ہوتی ہیں اور بلادِ اسلامیہ ان سے معمور ہیں۔ (2) ساری کی ساری زمین کہ زمین کے ہر حصہ پر سجدہ ادا کرنا جائز ہے سوائے ان مقامات کے جن کا استثنا نصوص میں آ گیا ہے۔ جن کو مفصّل بیان کیا جا چکا ہے۔

امام موصوف کا مذکورہ باب قائم کرنے سے مقصود ان خاص مساجد کے احکام و مسائل کو بیان کرنا ہے جو نماز ادا کرنے کے لیے مخصوص ہیں اور ان کو خاص شرعی ہیئت کے ساتھ قبلہ رو منبر و محراب اور منارہ کے ساتھ تعمیر کیا جاتا ہے۔ امام موصوف نے مساجد کی اہمیت اور ان کے تقدس و احترام کے پیشِ نظر ایک باب مستقل مساجد کے احکام و مسائل کو بیان کرنے کے لیے قائم کیا ہے۔ دوسرے نماز کے ساتھ مسجد کا تعلق بے حد گہرا ہے کیونکہ ایک تو نماز کو جماعت کے ساتھ قائم کرنا واجب ہے اور یہ قیام مساجد کے وجود پر موقوف ہے، دوسرے نماز کے لیے جگہ کا پاک ہونا شرط ہے تو مساجد میں نماز ادا کرنا لابدی اور ناگزیر ہوا۔ اب ذیل میں مساجد کے بارے میں چند روایات کو قارئینِ کرام کی نذرِ نظر کیا جاتا ہے۔

---

❶ صحیح البخاری: 2035 و صحیح مسلم: 2174 ❷ جامع الترمذی: 2988 و حسّنه الترمذی.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مساجد کو پاک اور صاف رکھنا واجب ہے

248- عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ : ((أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّوْرِ ، وَأَنْ تُنَظَّفَ وَتُطَيَّبَ)) .

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ''گھروں میں (یعنی محلوں میں) مساجد (یعنی نماز ادا کرنے کی مخصوص جگہیں) بنانے کا حکم ارشاد فرمایا، اور یہ کہ ان کو پاک، صاف اور معطّر رکھا جائے۔'' ❶

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ ، وَصَحَّحَ إِرْسَالَهُ .

اس حدیث کو امام ابوداؤد، امام احمد اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے مرسل ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔

غریب الحدیث :...... اَمَرَ: یہ دوسرے سے استعلاء کے طور پر طلبِ فعل کا نام ہے۔ علمائے بلاغت کا قول ہے کہ جب کوئی امر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہو تو اس سے مقصود فعل ہوتا ہے۔ مذکورہ حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان مساجد کا امر کس صیغہ کے ساتھ دیا۔ اس بارے اصل یہ ہے کہ قولِ صحابی رضی اللہ عنہ کو اس صیغہ پر محمول کیا جائے کہ اَمَرَ النَّبِيُّ اَنِ ابْنُوا الْمَسَاجِدَ . یعنی امر حقیقی پر محمول کیا جائے۔

اَلدُّوْر : یہ دَار کی جمع ہے، مراد گھر نہیں بلکہ محلے ہیں۔ یعنی اپنے اپنے محلوں میں مساجد تعمیر کرو۔ محلے کو دُوْر سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ وہ متعدد گھروں پر مشتمل ہوتا ہے۔

اَنْ تُنَظَّفَ: تَنْظِیْف سے مراد مساجد کو کوڑا کرکٹ اور گندگی سے صاف رکھنا ہے تو پھر نجاستوں سے پاک رکھنا تو بدرجۂ اولیٰ واجب ہوگا۔

تُطَیَّبَ: اس سے مساجد میں خوشبوئیں رکھنا بھی مراد ہو سکتا ہے جیسے مسجد کو مشک وغیرہ کی دھونی دینا اور تنظیف کے آثار کو مساجد سے دُور کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے۔ جیسے مسجد میں جھاڑو دیا تو اس کے نتیجے میں جو کوڑا جمع ہو جاتا ہے اس کو مسجد سے باہر پھینکنے کو تَطْیِیْب کہا گیا ہو۔

مضمونِ حدیث :...... اس حدیث میں بنیادی طور پر دو مسئلے بیان کیے گئے ہیں: (1) ایک یہ کہ مسلمانوں کا کوئی محلّہ، سوسائٹی، ٹاؤن اور آبادی مساجد کے وجود سے خالی نہیں ہونی چاہیے۔ (2) دوسرا یہ کہ مساجد کو ہر قسم کی گندگی، غلاظت اور نجاست سے پاک رکھنا واجب ہے۔ اسی میں مساجد کو خوشبو سے معطر رکھنا بھی شامل ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ نبی کریم ﷺ اس بات کے بے حد حریص تھے کہ امت کو اس عظیم ترین عبادت کے لیے ایک جگہ جمع کریں۔ اسی لیے مساجد کی تعمیر کرنے کا حکم دیا۔

---

❶ مسند احمد: 279/6- سنن ابی داود: 455- جامع الترمذی: 594- سنن ابن ماجه: 759- امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (1294) اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (1634) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ابو حاتم رحمہ اللہ نے بھی اس کے مرسل ہونے کو راجح قرار دیا ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم کی ''العلل'' (168/1) میں مذکور ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- مساجد کی تعمیر فرضِ کفایہ ہے۔ کیونکہ امر میں اصل اس کا وجوب کے لیے ہونا ہے اور تعمیرِ مسجد سے مقصود تحصیلِ مسجد ہے جو ایک، دو، تین، چار یا چند لوگوں کے بنانے سے باقی سب کی طرف سے کفایت کرتا ہے۔
- مساجد کی تعمیر کی بے حد فضیلت ہے جیسے ارشاد ہے: ''جس نے اللہ کے لیے ایک مسجد بنائی اللہ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔''[1]
- ہر محلّہ میں مسجد کا ہونا واجب ہے۔ البتہ یہ وجوب محلوں کے حجم کے اعتبار سے مختلف ہے۔ لہٰذا اگر تو ایک محلّہ چھوٹا ہے اور سب کے گھر قریب قریب ہیں تو ایک مسجد کافی ہے اور اگر محلّہ بڑا اور دور تک پھیلا ہے تو پھر آبادی کے گنجان ہونے کے اعتبار سے مساجد کا تعدد ہوگا۔
- مساجد کو صاف رکھنا مشروع ہے۔ لہٰذا نجاسات وغیرہ سے پاک رکھنا واجب جبکہ کوڑا کرکٹ سے صاف رکھنا مسنون ہے۔
- مساجد کو خوشبو سے معطّر رکھنا مشروع ہے۔
- مساجد کی تعمیر اگر فرض کفایہ ہے تو پھر ان کا احیاء واجب ہوگا لہٰذا مساجد کو باجماعت نمازوں سے آباد رکھنا واجب ہوگا۔
- امام ترمذی نے اس روایت کے مرسل ہونے کو صحیح کہا ہے۔ ارسال کی تعریف بیان کی جا چکی ہے۔ البتہ جب مرسل روایت اور موصول روایت میں تعارض ہو جائے تو موصول کو اختیار کرنا احوط ہے۔

قبروں کو مساجد بنانے کی حرمت کا بیان

249,250- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ، اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَزَادَ مُسْلِمٌ ((وَالنَّصَارَى)).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اللہ ان یہود کا ستیاناس کرے جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مساجد بنالیا۔''[2]
یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔ جبکہ صحیح مسلم کی روایت میں (یہود کے ساتھ ساتھ) نصاریٰ کا بھی ذکر ہے۔

یہود و نصاریٰ ملعون و مردود ہیں

ایک روایت میں ان پر ایسا کرنے کی وجہ سے لعنت بھی کی گئی ہے۔[3] قَاتَلَ سے مراد اَهْلَكَ ہے کیونکہ جس سے اللہ لڑے گا وہ ہلاک ہو کر رہے گا۔ کیونکہ جب یہ شخص شریعت کا معاند و مخالف ٹھہرا تو اس پر کی جانے والی بددعا کو مُقَاتَلَة سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے خود شریعت کے درپے ہونے والے سے مقاتلہ کیا جاتا ہے۔ یَهُوْد سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کا نام ہے۔ ان کے نام کی وجہ تسمیہ یا تو یہ ہے کہ ان کے ایک جدِ اعلیٰ کا نام یَهُوْذَا تھا جو معرب ہونے کے بعد یَهُوْد ہوگیا۔ یا پھر یہ نام هَادَ يَهُوْدُ سے مشتق ہے۔ جس کا معنی ہے لوٹنا اور ان کا یہ نام ان کے اس قول کی وجہ سے ہے: ﴿اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ﴾ (الاعراف: 156) ''بے شک ہم نے تیری طرف رجوع کیا۔'' اسی طرح ارشاد ہے:

﴿يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ (المائدة: 44)

---

[1] صحيح مسلم: 533. [2] صحيح البخاري: 437- صحيح مسلم: 530.
[3] صحيح البخاري: 435- صحيح مسلم: 531.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے انبیاء جو فرماں بردار تھے، ان لوگوں کے لیے جو یہودی بنے۔''

غرض یہود کے اس نام کی وجہ تسمیہ یہ دونوں باتیں ہی ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ یا تو یہ نام یہودا کے نام پر ہے یا پھر اس لیے کہ یہ لوگ بچھڑے کی عبادت سے تائب ہو کر رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہو گئے تھے۔ اس کے بعد ان پر اس لعنت و ہلاکت کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ اپنے پیغمبروں کی قبروں کو پوجنے لگے تھے، مراد ان کے پاس نمازیں ادا کرنا ہے۔ چاہے ان پر مساجد تعمیر کر کے یا چاہے ان کو مساجد میں دفن کر کے۔ صحیح مسلم کی روایت میں نصاریٰ کو بھی اس لعنت و ہلاکت میں شریک کیا گیا ہے۔ یہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار ہیں۔ ان کا یہ نام یا تو ان کے اس قول کی وجہ سے ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ﴾ (الصف: 14) ''ہم اللہ کے مددگار ہیں۔'' یا پھر ''ناصرہ'' نامی ایک شہر کی طرف نسبت کی وجہ سے نصاریٰ کہلاتے ہیں۔

مضمون حدیث :...... بنیادی طور پر اس حدیث میں قبروں کے پاس عبادت کرنے کی ممانعت کا ذکر ہے چاہے یہ نماز و عبادت کسی پہلے سے موجود قبر پر مسجد تعمیر کر کے ہو یا کسی میت کو مسجد میں دفن کر کے ہو۔ تب پھر خود ان قبروں کی طرف منہ کر کے اور پھر ان کی عبادت کے قصد سے نماز ادا کرنا کس قدر شدید منع ہوگا۔

وَلَهُمَا مِنْ حَدِيْثِ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا ((كَانُوْا إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا)) .

صحیحین میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ جب ان (یہود و نصاریٰ) میں سے کوئی نیک بندہ مر جاتا تھا تو یہ اس کی قبر پر مسجد بنا لیا کرتے تھے۔

وَفِيهِ: ((أُولَئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ)) .

اس روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''یہ (اللہ کے نزدیک) بدترین مخلوق ہیں۔''[1]

غریب الحدیث:...... وَ لَهُمَا: مراد امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ ہیں۔

كَانُوْا: اس کی ضمیر کا مرجع یہود و نصاریٰ ہیں۔

اَلرَّجُلُ الصَّالِحُ: یہ عام ہے چاہے وہ پیغمبر تھا یا محض رب کا نیک بندہ۔

بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا: مذکورہ روایت کے یہ الفاظ گزشتہ روایت کے ان الفاظ کی تفسیر بیان کرتے ہیں، جو یہ ہیں: اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ.

شِرَارُ الْخَلْقِ: مراد یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی نظروں میں یہ بدترین لوگ ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- شرک بے حد عظیم گناہ ہے کہ اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔
- شریعت نے اپنی حدود بالخصوص توحید کی حدود کی حفاظت کا بے حد اہتمام کیا ہے لہٰذا جو چیز بھی اس کی حدود کو پامال کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے اس کو سختی سے منع کر دیا گیا۔
- قبروں پر مساجد تعمیر کرنا حرام ہے کیونکہ حدیث میں ایسا کرنے والوں کو بدترین لوگ کہا گیا ہے۔ دوسرے ایسا کرنا یہود و

[1] صحیح البخاری، 427- صحیح مسلم، 528.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نصاریٰ کے فعل کے مشابہ ہے۔ پھر اس امت نے بھی ایسا ہی کر دکھایا اور آج مزارات و مشاہد اور مقابر شرک کے اڈے بن چکے ہیں۔

- قبر پر بنی ہوئی مسجد کو ڈھانا واجب ہے۔ کیونکہ جب قبر پر مسجد بنانا کبیرہ گناہ ٹھہرا تو ایسی مسجد کا ڈھانا بھی واجب ہوگا۔ کیونکہ کبیرہ کو باقی رکھنا جائز نہیں۔ دوسرے نبی کریم ﷺ نے مسجد ضرار کے ڈھادینے کا حکم دیا تھا۔ [1] حالانکہ وہ کسی قبر پر تعمیر نہ کی گئی تھی البتہ اس کے باقی رکھنے میں مسلمانوں کا ضرر تھا۔ تو جس مسجد کا بنانا ہی گناہ ہو اور وہ شرک جیسے عظیم ترین اور بدترین گناہ کا وسیلہ بھی ہو تو بھلا اس کے باقی رکھنے کا کوئی جواز کیونکر ہوسکتا ہے؟
- ایسی مسجد میں نماز کے صحیح یا غیر صحیح ہونے میں اختلاف ہے۔ جو حضرات ایسی مسجد میں نماز کے صحیح ہونے کے قائل ہیں ان کے دلائل یہ ہیں:

⊙ ...... حرام مسجد کا بنانا ہے جبکہ نماز ادا کرنا اس سے جدا ایک عمل ہے۔

⊙ ...... نبی کریم ﷺ سے قبروں پر مسجد بنانے کی ممانعت تو آئی ہے البتہ ان میں نماز ادا کرنے کی ممانعت مروی نہیں۔ یہ ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔

⊙ ...... جو علماء ایسی مساجد میں نماز کے غیر صحیح ہونے کے قائل ہیں ان کی دلیل کی تفصیل یہ ہے کہ ایسی مساجد میں نماز کی ممانعت بطریق لزوم ہے، وہ یوں کہ ایسی مساجد میں نماز صاحبِ قبر کی عبادت تک پہنچنے کا وسیلہ بن جاتی ہے جبکہ واقع میں ایسا ہی ہے لہٰذا یہ ممانعت وسائل کی ممانعت کے طور پر ہوگی اور یہی قول درستی کے زیادہ قریب ہے کہ قبروں پر بنی مساجد میں ادا کی جانے والی نماز غیر صحیح اور ان جگہوں میں نماز ادا کرنا حرام ہے۔ بالخصوص ان لوگوں کے حق میں یہ ممانعت و حرمت اشد ہے جو معاشرے میں مقتدا کی حیثیت رکھتے ہوں۔

- معلوم ہوا کہ جس طرح خیروں میں تفاضل ہوتا ہے، اسی طرح شرور میں بھی تفاضل ہوتا ہے۔ جو اصحابِ عمل کے درمیان تفاضل کو مستلزم ہے۔

کافر کے مسجد میں داخل ہونے کا حکم

251- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: ((بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْلًا ، فَجَائَتْ بِرَجُلٍ ، فَرَبَطُوْهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ)) . الْحَدِيثُ ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (غازیوں کے) گھڑ سواروں کا ایک دستہ (ایک مہم پر) روانہ فرمایا۔ وہ ایک آدمی گرفتار کر لائے اور اسے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔'' الحدیث [2]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

شرح: ...... مذکورہ قصہ حضرت ثمامہ بن اُثال حنفی رضی اللہ عنہ کا اور ان کے اسلام لے آنے کا ہے جس کو گزشتہ صفحات میں حدیث (رقم 105) کے تحت بمع فوائد مفصل بیان کر دیا گیا ہے۔ البتہ بعض دیگر فوائد کو ذیل میں رقم کیا جاتا ہے:

⊙ ...... خَیل: یہ اسم جمع ہے، گھڑ سواروں کی جماعت۔ اس لفظ کا واحد نہیں آتا۔

---

[1] دیکھیں: تفسیر ابن کثیر: 389/2. [2] صحیح البخاري: 462- صحیح مسلم: 1764.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⊙ ...... امیر کے لیے جائز ہے کہ وہ قیدی کو محض احسان کر کے اسے چھوڑ دے۔

⊙ ...... کافر کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے کیونکہ حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے جب مسجد میں باندھا گیا تھا تو اس وقت وہ کافر تھے۔

بعض علماء اس کے عدمِ جواز کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾

(التوبة: 28)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! بات یہی ہے کہ مشرک لوگ ناپاک ہیں، پس وہ اپنے اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔''

اب مساجد سب اللہ کے گھر ہیں تو جب مسجد حرام میں کافروں کا داخلہ منع ہے تو دوسری مساجد میں بدرجۂ اولیٰ منع ہوگا۔ رہی حدیث ثمامہ رضی اللہ عنہ، تو ان حضرات کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہ استدلال اور نسخ کا دعویٰ دونوں صحیح نہیں ہیں کیونکہ جو تعظیم و شرف مکہ کے حرم اور اس کی مسجد حرام کو حاصل ہے وہ دوسری مساجد کو حاصل نہیں۔ دوسرے نسخ کا دعویٰ تب درست ہوتا ہے جب ناسخ اور منسوخ دونوں کی تاریخ بالتعیین معلوم ہو اور دوسرے یہ کہ دونوں باتوں میں جمع متعذر ہو۔ چنانچہ جب ناسخ کا موخر اور منسوخ کا مقدم ہونا اور دونوں باتوں کا جمع ہونا متعذر ہو جائے تو نسخ واجب ہوتا ہے۔ اب یہاں تاریخ معلوم نہیں لہٰذا توقف واجب ٹھہرا۔ تب پھر کافر کا مسجد میں داخل ہونا صحیح ہوگا البتہ یہ اباحت مطلق نہیں بلکہ چند امور کے ساتھ مقید ہے، جو یہ ہیں:

⊙ ...... کافر مسجد کا محض نظارہ کرنے یا تصویریں بنانے داخل نہ ہو۔

⊙ ...... البتہ کسی مصلحت کے لیے داخل ہو تو جائز ہے۔ جیسے مسجد کی تعمیر و مرمت کے لیے داخل ہو۔

⊙ ...... مسلمانوں کے طریقِ عبادت پر مطلع ہونے کے لیے داخل ہو، تاکہ حق و باطل میں موازنہ کر سکے کہ اس غرض سے کافر کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہوگا۔

⊙ ...... کسی حاجت کے رفع کے لیے یا کسی ضرر سے بچنے کے لیے مسجد میں داخل ہو۔ جیسے مسجد میں ٹھنڈا پانی پینے کو آئے، یا طوفانِ باد و باراں سے بچنے کے لیے مسجد میں داخل ہو کہ ان اغراض سے کافر کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے۔ تاکہ اسے اسلام کی وسعت، کشادہ دلی، فراخ دلی، سماحت و رعایت اور حسنِ سلوک و رواداری وغیرہ جیسی عالی صفات کا اندازہ ہو۔

⊙ ...... معلوم ہوا کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ستون تھے۔

مسجد میں شعر گوئی کا حکم اور اس کے ضوابط کا بیان

252- وَعَنْهُ رضی اللہ عنہ ((أَنَّ عُمَرَ رضی اللہ عنہ مَرَّ بِحَسَّانَ يُنْشِدُ فِي الْمَسْجِدِ ، فَلَحَظَ إِلَيْهِ ، فَقَالَ : قَدْ كُنْتُ أُنْشِدُ فِيهِ ، وَفِيهِ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْكَ))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے جو (اس وقت) مسجد میں اشعار پڑھ رہے تھے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں کن اکھیوں سے (گویا کہ تنقیدی نظروں سے) دیکھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(حضرت حسان رضی اللہ عنہ بھانپ گئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ برا لگ رہا ہے) تو انہوں نے کہا: میں اس (مسجد) میں (اس وقت بھی) شعر پڑھا کرتا تھا جبکہ اس وقت اس (مسجد) میں آپ سے بھی بہتر ہستی موجود ہوتی تھی ❶ (یعنی میں اسی مسجد میں نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں بھی شعر پڑھا کرتا تھا تو جب آپ ﷺ برا نہ مناتے تھے تو آپ کو بھی اس کا برا نہ منانا چاہیے)۔

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ . یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:...... **يُنْشِدُ**: انشاد دوسرے کو شعر سنانے کو کہتے ہیں چاہے غناء کے ساتھ سنائے یا بغیر غناء کے۔ **فَلَحَظَ**: لحظ کسی کو گوشہ چشم سے یعنی کن اکھیوں سے دیکھنے کو کہتے ہیں۔ گویا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو تنقیدی نگاہوں سے دیکھا کہ وہ مسجد میں بیٹھے شعر گوئی کر رہے ہیں حالانکہ مسجد تو ذکر وعبادت کی جگہ ہے۔

هُوَ خَيْرٌ مِّنْكَ: مراد حضرت رسالت مآب ﷺ کا وجود باجود ہے۔

معرفة الصحابة: ......حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ زبردست شاعر اور بڑے ادیب تھے، انہیں جناب رسول اللہ ﷺ کا شاعر ہونے کا اعزاز حاصل ہے اس لیے شاعر رسول ﷺ کے موقر لقب سے نوازے گئے۔ انہوں نے کفار اشرار کی ہرزہ سرائیوں کے جواب میں جنابِ رسول اللہ ﷺ کا زبردست دفاع کیا اور آپ ﷺ کی شان میں کثرت کے ساتھ اشعار کہے۔

مضمون حدیث:......اس روایت میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ مسجد میں شعر پڑھنا جائز ہے۔ چنانچہ جب حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر ناراض ہوتے دیکھا تو اپنا دفاع کرتے ہوئے یہ کہا کہ اس بات پر نبی کریم ﷺ بھی کبھی ناراض نہ ہوئے تھے اور انہوں نے اس کو جائز رکھا تھا۔ تب پھر مسجد میں شعر گوئی کا جواز نبی کریم ﷺ کے اقرار کی بنا پر ہے۔ یاد رہے کہ یہ قصہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ مسجد میں چند شروط کے ساتھ شعر کہہ سکتے ہیں، جو یہ ہیں:

⊙ ......شعر کا موضوع مفید، صالح اور مبنی بر مصلحت ہو نہ کہ لہو ولعب، عشق ومحبت اور قصے کہانیوں پر مشتمل ہو، پس شعر کا مضمون حقائق پر مبنی ہو، نہ کہ خیالات، مفروضوں اور وہموں پر مشتمل ہو۔

⊙ ......اشعار کے ذریعے کسی کی ہجو نہ بیان کی جائے اور نہ کسی کی کردار کشی ہی کی جائے۔

⊙ ......شعر گوئی کرتے وقت مسجد کے کسی نمازی کو یا دیگر عبادات میں مشغول کسی شخص کو ایذا نہ پہنچے۔

⊙ ......جمگھٹا نہ لگا لیا جائے کہ جس سے مسجد کے نمازیوں میں تشویش پھیلے۔

◈ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ادب ولحاظ کہ سر کے اشارہ سے انکار نہ فرمایا بلکہ کن اکھیوں سے دل کی ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

❶ صحیح البخاری، ح: 453، وصحیح مسلم، ح: 2485.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس میں دوسرے کی قدر و منزلت کا جو لحاظ ہے وہ ظاہر ہے۔

- مسجد میں شعر گوئی کو خود نبی کریم ﷺ نے برقرار رکھا تھا جیسا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اس کی خبر دی۔
- اشارہ کی وجہ سے عمل جائز ہے بالخصوص جب کسی کے اشارہ کو فراست سے سمجھ لیا جائے تو اس کے منشا پر عمل جائز ہے۔
- حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حق گوئی میں لومۃ لائم کی ہرگز پروا نہ کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ناراضی کو دیکھ کر برملا کہہ دیا کہ ناراض ہونے کی ضرورت نہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو جائز رکھا تھا۔
- نبی کریم ﷺ کے قول اور فعل کی طرح آپ ﷺ کی تقریر بھی حجت ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اگر کسی بات کو دیکھ سن کر اس پر منع نہ کیا تھا تو یہ اس کے جواز کی دلیل ہے۔
- اس حدیث میں مساجد کی حرمت کا بھی بیان ہے جو ایک اٹل حقیقت ہے۔

مسجد میں گم شدہ شے کا اعلان کرنا

253۔ وَعَنْهُ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ سَمِعَ رَجُلًا يَنْشُدُ ضَالَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ: لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيْكَ، فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”جس نے کسی کو سنا کہ وہ مسجد میں (اپنی) گم شدہ شے کے بارے میں پوچھتا پھر رہا ہے تو وہ (سننے والا) یہ کہے: اللہ اسے اس کی گم شدہ شے نہ لوٹائے کیونکہ یہ مساجد ان باتوں کے لیے نہیں بنائی جاتیں۔“ [1]

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ...... رَجُلًا: یہ نکرہ ہے، مراد کوئی بھی آدمی ہے چاہے وہ عورت ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ مسجد میں اگر کوئی عورت گم شدہ شے کا اعلان کرتی پھر رہی ہے تو اس کا حکم بھی یہی ہے کہ اسے بددعا دی جائے۔

يَنْشُدُ ضَالَّةً: نَشَد يَانِشدان یہ گم شدہ شے کے تلاش کرنے اور اس کے بارے میں دوسروں سے پوچھنے کو کہتے ہیں اور ضالۃ یہ گم شدہ مویشی جیسے اونٹ بکری اور گائے وغیرہ کو کہتے ہیں۔ **لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيْكَ**: گو لفظوں کے اعتبار سے فعلِ ماضی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے یہ جملہ خبریہ ہے۔ لیکن معنی کے اعتبار سے دعا پر مشتمل ہونے کی وجہ سے یہ جملہ انشائیہ اور طلبیہ ہے۔ یعنی مسجد میں گم شدہ شے کا اعلان کرنے والے کو یہ بددعا دی جائے کہ اللہ کرے اس کی گم شدہ شے نہ ملے۔

فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا: اگر اسے جملہ تعلیلیہ مانیں تو مذکورہ فا تعلیلیہ ہوگی اور اگر اس فا کو عاطفہ مانیں تو اس کا عطف ”لا ردھا“ پر ہوگا اور دونوں جملے مل کر فلیقل قول کا مقولہ یا امر کا جواب امر ہوں گے۔ اس بارے قولِ فیصل یہ ہے کہ اگر تو سننے والا فراخ دلی سے سنے تو اس فا کو عاطفہ مانیں گے اور اگر وہ جھگڑا کرنے پر اتر آئے تو اس فا کو تعلیلیہ مانیں گے۔ غرض اس باب میں مقتضائے حال کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

---

[1] صحیح مسلم: 568.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون حدیث :......اس حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ مساجد میں گم شدہ چیزوں کا اعلان کرنا یا ان کی ڈھنڈیا مچانا منع اور حرام ہے، کیونکہ یہ مساجد کی غرض و غایت اور تعظیم و تشریف کے خلاف ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ مساجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنا حرام ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایسے شخص پر بددعا کرنے کو مباح قرار دیا ہے اور کسی پر بددعا عدوان ہوتی ہے جو کسی حال میں جائز نہیں۔ جس سے صاف معلوم ہوا کہ مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان خود عدوان ہے اسی لیے تو عدوان کے مقابل عدوان جائز ہوا۔

◈ یہی حکم لُقَطَة کا بھی ہے۔ لقطہ گری پڑی چیز کو کہتے ہیں۔ اس کا بھی مسجد میں اعلان کرنا منع ہے۔ لیکن بعض علماء نے لقطہ اور ضَالَّةٌ میں فرق کیا ہے کہ ضالہ کا مُنشِد اپنے مال کا طالب ہے جبکہ لقطہ کا مُنشِد دوسرے کے مال سے اپنی براءت کا طالب ہے اور وہ غیر کے حق میں محسن ہے اس لیے دونوں صورتوں میں فرق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اِنْشَادُ ضَالَّة کی ممانعت کی علت بہر حال یہاں بھی پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مساجد کی تعمیر ایسی باتوں کے لیے نہیں۔

◈ البتہ جو شے خود مسجد میں پڑی ملے تو مسجد والوں سے اس کی بابت دریافت جائز ہو گی کیونکہ وہ مسجد میں محصور چند لوگوں میں سے ہی کسی کی ہو گی۔ البتہ مسجد سے باہر ملی یا گم ہونے والی شے کا مسجد کے دروازے پر اعلان کر سکتے ہیں۔

◈ اب بعض علماء نے اس کو حرام کہا ہے اور یہی بدیہی قول اور ظاہر و راجح مذہب ہے۔ لہٰذا جنہوں نے اس کو مکروہ کہا ہے [1] وہ مذہب راجح نہیں۔

◈ گم شدہ شے کو مسجد میں کسی جگہ لٹکا دینے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس میں کسی اور کے اس شے کو لے جانے کا اندیشہ بھی ہے۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ اہلِ محلہ مسجد میں ملنے والی شے کو موذن یا امام کے حوالہ کر دیا کریں۔

◈ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مساجد کی تعمیر اور غرض کے منافی کسی کام کو مسجد میں کرنا منع ہو گا۔ چنانچہ مسجد میں لوگوں کو افطاری کروانا جائز ہو گا کیونکہ یہ خیر اور احسان ہے، دوسرے مسجد میں نفسِ اکل منع نہیں۔ ہاں اگر مسجد میں جمع ہو کر کھانا کھانے کی عادت کو مستقل اپنا لیا جائے تو یہ منع ہو گا کیونکہ یہ مسجد ہے، کوئی سرائے یا ہوٹل نہیں۔

◈ نبی کریم ﷺ کی یہ حسنِ تعلیم تھی کہ آپ ﷺ حکم کو علت سے ملا کر ذکر فرماتے تھے کیونکہ:

(1) اس سے ایک تو سننے والے کے جی کو اطمینان ہو جاتا ہے۔

(2) دوسرے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کے احکام مبنی بر حکمت و مصلحت ہیں۔

(3) تیسرے یہ کہ اگر وہ علت متعدی ہو اور اس پر قیاس ممکن ہو تو مزید احکام کا استنباط سہل ہو جاتا ہے۔

◈ لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيْكَ: یہ الفاظ بتلاتے ہیں کہ بسا اوقات گم شدہ شے کو رب تعالیٰ بندے تک از خود پہنچنے کا بندوبست فرما دیتے ہیں۔

مسجد میں بیع و شراء کا حکم

254۔ وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد

[1] دیکھیں: المبدع: 74/3، کشاف القناع: 216/4۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

((إِذَا رَأَيْتُمْ مَنْ يَبِيعُ ، أَوْ يَبْتَاعُ فِي الْمَسْجِدِ فَقُولُوا: لَا أَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَكَ)).

ہے: ''جب تم اسے دیکھو جو مسجد میں (کچھ) بیچ رہا ہے یا (کچھ) خرید رہا ہے تو اسے (یہ) کہو: ''اللہ تیری (اس) خرید وفروخت میں نفع نہ دے۔'' [1]

رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ ، وَحَسَّنَهُ .

اس حدیث کو امام نسائی اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

غریب الحدیث :......اِذَا رَأَيْتُمْ: اس رؤیت سے علم بھی مراد ہوسکتا ہے اور رؤیت بصریہ بھی مراد ہوسکتی ہے۔ دونوں احتمالات میں کوئی ظاہری تناقض نہیں۔ البتہ رؤیت سے علم مراد لینا اولیٰ ہے۔ کیونکہ اس مراد لینے میں عموم ہے تاکہ وہ نابینا بھی اس بات میں داخل ہو جائے جس نے آنکھوں سے دیکھا تو نہیں البتہ کسی کے بتلانے سے اس کے علم میں یہ بات آ گئی ہے۔

يَبِيعُ اَوْ يَبْتَاعُ: بَيْع میں آدمی سے سامان مانگا جاتا ہے جبکہ اِبْتَاع میں آدمی سامان طلب کرتا ہے بائع اور مشتری کی یہ تعریف زیادہ ابلغ ہے كَمَا لَا يَخْفٰى عَلٰى اَهْلِ الْعِلْمِ .

فَقُولُوا لَهُ: یہ امر سب کو شامل ہے۔ لیکن مراد جمع ہے نہ کہ مجموع۔ یعنی یہ مراد نہیں کہ جب چند لوگ مسجد میں خرید و فروخت ہوتے دیکھیں تو سب ہی یہ کہنے لگ جائیں کہ اللہ تجھے نفع نہ دے۔ بلکہ مراد جمع ہے۔ لہٰذا اگر کسی ایک نے بھی یہ کہہ دیا تو باقیوں کی طرف سے کفایت کر جائے گا۔ البتہ سب کے کہنے میں زجر زیادہ ہے۔

تِجَارَتَكَ: تجارت ان اموال کی خرید وفروخت کو کہتے ہیں جن سے نفع حاصل کیا جاتا ہے چاہے وہ کوئی شے بھی ہو۔

مضمون حدیث :......اس حدیث میں مسجد میں خرید وفروخت کرنے کو منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ امر مساجد کی غرض وغایت کے منافی ہے۔ اس لیے ایسا کرنے والے کو وہ بددعا دی جارہی ہے جو تجارت کے مقصود کے منافی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ نفسِ بیع وشراء جائز ہے۔ کیونکہ کسی چیز کے جزءِ خاص یا اس کے خاص زمان ومکان کی ممانعت ماعدا کے جواز کو مستلزم ہوتی ہے لہٰذا مساجد میں تجارت کی ممانعت بازاروں میں تجارت کے جواز کو مستلزم ہوگی۔
- مساجد میں بیع وشراء حرام ہے۔ چاہے ایجاب وقبول دونوں یا دونوں میں سے ایک تو مسجد میں ہو اور دوسرا مسجد سے باہر ہو جیسے ایجاب تو مسجد میں ہو اور قبول مسجد سے باہر ہو یا اس کے برعکس ہو کہ یہ تحریم وممانعت ان تینوں صورتوں کو شامل ہے۔
- مساجد میں بیع وشراء کی تحریم نفسِ بیع کے بطلان کو بھی مستلزم ہوگی کیونکہ جو عبادت یا معاملہ بھی منہی عنہ طریق پر واقع ہو وہ عبادت یا معاملہ باطل ہوتا ہے۔
- معلوم ہوا کہ بیع وشراء کے سوا، ہبہ، ابرائے دین، عقدِ نکاح، استیفائے دین، اقراض، استقراض وغیرہ عقود مسجد میں جائز ہوں گے۔
- اس باب میں ضابطہ یہ ہے کہ جو عقد عقدِ معاوضہ اور عقدِ مبادلہ ہو، وہ بیع کے حکم میں داخل ہو کر مسجد میں منع ہوگا اور جو عقد

---

[1] جامع الترمذی: 1321۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور غریب کہا ہے۔ السنن الکبری للنسائی: 10004۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عقدِ تبرع ہو یا اس میں معاوضہ و مبادلہ نہ ہو وہ مسجد میں جائز ہوگا۔

◈ اگر کسی کے پاس دس روپے تھے اور اس نے مسجد سے باہر کھڑے فقیر کو مسجد کے اندر سے پانچ روپے دینے کا ارادہ کیا اور دس روپے فقیر کو تھماتے ہوئے یہ کہا کہ پانچ روپے اللہ کے نام پر لے لو اور باقی کے پانچ روپے مجھے لوٹا دے تو یہ جائز ہو گا کیونکہ یہ مصارفہ (تبادلۂ نقود) ہے نہ کہ بیع یعنی عقدِ معاوضہ ہے۔ دوسرے اس میں اپنے مسلمان بھائی کی اعانت ہے نہ کہ اس سے نفع اٹھانا ہے۔

◈ اسی طرح جو لوگ چند کوڑیوں کے عوض مسجدِ حرام میں حاجیوں کو آبِ زم زم دیتے پھر رہے ہوتے ہیں، وہ بھی جائز ہے کیونکہ اس معاوضہ میں نفع مقصود نہیں ہوتا۔ البتہ تہمت سے بچنے کے لیے اولیٰ یہ ہے کہ یہ چند کوڑیاں بھی نہ لیں۔

مسجد میں حد قائم کرنے کا بیان

255۔ وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تُقَامُ الْحُدُوْدُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَلَا يُسْتَقَادُ فِيهَا)).

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ .

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''مساجد میں نہ تو حد قائم کی جائے اور نہ قصاص ہی لیا جائے۔'' ❶

اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ابوداود رحمہ اللہ نے اس کو ضعیف اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ......اَلْحُدُوْدُ: یہ حَدٌّ کی جمع ہے۔ اس کا لغوی معنی روکنا ہے۔ اسی سے زمین کی حدود کی اصطلاح ہے کیونکہ زمین کی حدود دوسرے کو ان میں دخل دینے سے روکتی ہیں۔ جبکہ اصطلاحِ شرح میں ''حد'' اس شرعی سزا کو کہتے ہیں جس کو خود شرع شریف نے گناہوں کی تکفیر کے لیے مقرر کیا ہوتا کہ ایک تو گناہ گار کا کفارہ ہو اور دوسرے دوسروں کو عبرت ہو اور وہ بھی اس گناہ سے باز آجائیں۔ حدود کل چار جرائم پر ہیں: (1) زنا (2) چوری (3) دوسرے پر بدکاری کی تہمت (4) اور ڈاکہ زنی۔ رہی شراب خوری کی حد، تو اس کے ''حد'' ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ شراب پینے کی سزا کو حد نہیں کہا جا سکتا۔

رہی قتل مرتد کی سزا، تو اس کو بھی ''حد'' کہنا غلط ہے کیونکہ اگر مرتد گرفتار ہونے کے بعد ارتداد سے توبہ کر لے تو اس کی سزا ختم ہو جاتی ہے جبکہ زنا وغیرہ کی حد عاصی پر قدرت پانے اور اس کے تائب ہونے کے باوجود رفع نہیں ہوتی۔ اسی طرح قصاص کو بھی حد کہنا غلط ہے کیونکہ قصاص بندے کا حق ہے جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (البقرة: 178)

''پھر جسے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی معاف کر دیا جائے تو معروف طریقے سے پیچھا کرنا ہے۔''

---

❶ مسند احمد: 434/3۔ سنن ابی داود: 4490۔ اس روایت کی اسناد میں محمد بن عبداللہ الشعیثی ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں: اس کی حدیث لکھی جائے گی لیکن اس سے استدلال نہ کیا جائے گا۔ اس روایت کی اسناد میں زفر بن وثیمہ بھی ہے، ابن قطان کہتے ہیں: یہ مجہول الحال ہے اور محمد بن عبداللہ الشعیثی اس سے روایت کرنے میں متفرد ہیں۔ ''تحفة المحتاج'' (571/2) میں ہے: ابن حبان نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے اور حافظ رحمہ اللہ ''التلخیص الحبیر'' (77/4) میں کہتے ہیں: اس روایت کی اسناد میں کوئی حرج نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جبکہ اقامت حد خالص حقوق اللہ میں سے ہے۔ پس واضح اور خالص حدود چار ہی ہیں جن کو اوپر بیان کیا گیا ہے۔

لَا تُقَامُ الْحُدُوْدُ فِي الْمَسَاجِدِ: کیونکہ اس میں مسجد کے گندا اور ناپاک ہونے کا ڈر ہے۔ دوسرے اس میں ''محدود'' (جس کو حد لگائی جائے) کے شور و غوغا اور واویلا کرنے سے بھی مسجد کے معنوی ماحول کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔

وَ لَا يُسْتَقَادُ: مراد قصاص لینا ہے کیونکہ یہ قَوَدٌ سے مشتق ہے جو قصاص بالسیف کو کہتے ہیں۔ لہٰذا چاہے قصاص بالنفس ہو یا مادون النفس دونوں مسجد میں منع ہوں گے۔

مضمون حدیث :......حدود و قصاص کا مساجد میں قائم کرنا منع ہے کیونکہ یہ دونوں امر مسجد کی تطہیر و تنظیف کے بھی خلاف ہیں اور مسجد کی تعظیم و تشریف کے بھی خلاف ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- حدود کا اثبات۔ کیونکہ مسجد میں اقامتِ حدود کی ممانعت خارجِ مسجد میں اقامت حدود کے اثبات کو مستلزم ہے۔
- حدود کو ہر اس شخص پر قائم کیا جائے گا جو حد کو واجب کر دینے والے کسی فعل کا مرتکب ہوگا چاہے ادنی ہو یا اعلیٰ، معزز ہو یا کم تر۔
- مساجد میں اقامت حدود حرام ہے۔
- قصاص کا ثبوت۔

مسجد میں مریضوں کی تیمارداری کا حکم

256- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ : ((أُصِيْبَ سَعْدٌ يَوْمَ الْخَنْدَقِ ، فَضَرَبَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَيْمَةً فِي الْمَسْجِدِ ، لِيَعُوْدَهُ مِنْ قَرِيْبٍ)) .

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں: خندق کے دن حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو زخم لگا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے مسجد نبوی میں ہی ان کا خیمہ لگوایا تاکہ پاس ہی سے ان کی عیادت کر سکیں۔ [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

معرفة الصحابه :......حضرت سعد رضی اللہ عنہ قبیلہ اوس کے سردار جنابِ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہیں جن کی اپنے قبیلہ میں بے حد عزت و فضیلت تھی۔ انہیں غزوۂ خندق میں رگِ اکحل میں ایک انجانا تیر آ لگا تھا۔ اس رگ میں زخم لگنے سے عموماً اتنا خون بہنے لگتا ہے کہ وہ بالآخر جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ بظاہر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہی توقع تھی کہ اس زخم کے لگنے کے بعد اب ان کا بچنا محال ہے۔ چنانچہ انہوں نے رب تعالیٰ سے اس بات کی دعا مانگی تھی کہ جب تک وہ بنی قریظہ کی بدعہدی کا، جو انہوں نے جنگ خندق میں کی تھی، بدانجام نہ دیکھ لیں انہیں موت نہ آئے۔ پھر رب کی شان کہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ دعا اس لیے مانگی تھی کہ انہیں خاص بنی قریظہ کی بدعہدی کا بے حد رنج تھا کیونکہ بنی قریظہ تو ان کے حلیف تھے۔

غریب الحدیث :......أُصِيْبَ : زخم لگنا۔ بالخصوص تیر لگنے سے ہونے والے زخم کو أُصِيْبَ وغیرہ کے صیغوں سے تعبیر کرتے ہیں۔

خَيْمَة : مراد ایک آدمی کے قیام کرنے کے بقدر خیمہ ہے۔

---

[1] صحیح البخاری: 463- صحیح مسلم: 1769 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فِي الْمَسْجِدِ: مراد مسجد نبوی ہے۔ کیونکہ اس میں الف لام عہدِ ذہنی کا ہے۔
لِيَعُوْدَهُ: اس پر داخل لام تعلیل کا ہے نہ کہ امر کا۔
مِنْ قَرِيْبٍ: یہاں موصوف محذوف ہے۔ یعنی: مِنْ مَكَانٍ قَرِيْبٍ.

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ مسجد میں خیمہ نصب کر سکتے ہیں بشرطیکہ جس کے لیے وہ خیمہ لگوایا جائے وہ اس کا اہل بھی ہو یعنی اس کا شمار قوم کی سربرآوردہ شخصیات اور معززین و شرفا میں ہوتا ہو، نہ کہ ہر کس و ناکس کے لیے لگایا جائے گا۔ دوسرے اس خیمہ سے نمازیوں کو اذیت نہ ہوتی ہو۔ تیسرے اس سے مسجد آلودہ نہ ہوتی ہو اور چوتھے اس خیمہ کی غرض بھی صحیح ہو جیسا کہ اس روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کی غرض ان کی قریب سے عیادت کرنا تھی۔

◈ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ اور فضیلت و منقبت بھی اس حدیث سے معلوم ہو گئی کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں اس خصوصیت سے نوازا۔

◈ امت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا شفیقانہ برتاؤ اور حسنِ سلوک۔

◈ معلوم ہوا کہ مریض کی عیادت مشروع ہے۔ البتہ یہ عیادت اس مریض کی ہے جو صاحبِ فراش ہو کر رہ گیا ہو اور جو ہلکے پھلکے مرض کے ساتھ لوگوں میں چلتا پھرتا اور آتا جاتا ہو اس کی عیادت کی کوئی ضرورت نہیں۔

◈ مریض قریب ہو تو اس کی عیادت بھی سہل ہو جاتی ہے۔

مسجد میں جہادی کھیلوں کا حکم

257- وَعَنْهَا قَالَتْ: ((رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَسْتُرُنِي، وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى الْحَبَشَةِ يَلْعَبُوْنَ فِي الْمَسْجِدِ)). اَلْحَدِيثَ.

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے جنابِ رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ مجھے (مردوں سے) اپنی اوٹ میں لے رہے تھے جبکہ میں (آپ ﷺ کی اوٹ سے) حبشیوں کو مسجد میں (جنگی مشقوں کے کھیل) کھیلتے دیکھ رہی تھی۔ [1] الحدیث۔

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث: يَسْتُرُنِي: یعنی مجھے اپنی اوٹ میں لے کر مردوں کی نگاہوں سے چھپا رہے تھے۔

اِلَى الْحَبَشَةِ: حبشہ افریقہ کا ایک علاقہ ہے۔ یہاں کے کچھ لوگ مسلمان ہو کر دین سیکھنے کے لیے مدینۂ نبویہ حاضرِ خدمت ہوئے تھے۔ یہ لوگ بڑے ماہر تیرانداز، نیزہ باز اور تلوار باز تھے۔ فنِ سپاہ گری میں طاق اور پہلوانی میں مشاق تھے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں ان فنون کے مظاہرے کی اجازت دی تھی۔

فِي الْمَسْجِدِ: مراد مسجد نبوی ہے۔ یہ عید کے دنوں کا قصہ ہے۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے کچھ کہنا چاہا تو نبی کریم ﷺ نے انہیں منع فرما دیا اور ارشاد فرمایا: ''انہیں کھیلنے دو تا کہ یہود کو اس بات کا علم ہو جائے کہ ہمارے دین میں وسعت ہے۔'' [2]

---

[1] صحيح البخاري: 5236- صحيح مسلم: 892 . [2] مسند احمد: 116/6 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون حدیث :......اس حدیث میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ مسجد میں تیراندازی وغیرہ جنگی مشقوں کے کھیلوں کا مظاہرہ کرنا جائز ہے البتہ سنت نہیں اور یہ جواز واباحت بھی دو باتوں کے ساتھ مشروط ہے: (1) اس کھیل سے مسجد اور اہلِ مسجد کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ (2) دوسرے اس کی غرض صحیح ہو اور وہ اعدائے اسلام پر اس بات کو واضح کرنا ہے کہ دینِ اسلام وسعت، سہولت، رعایت اور سماحت کا مذہب ہے۔ لہٰذا اس جواز کا مطلب یہ نہیں کہ عید جیسے موقع پر لوگ اسلحہ لے کر اسے چلانے مسجد جا پہنچیں۔ فافہم .

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ عید کے دنوں میں ایسے کھیل کھیلنا جائز ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس موقع پر اہلِ حبشہ کے کھیل کو برقرار رکھا۔ اس کے جواز کی دیگر شروط کو ذکر کیا جا چکا ہے۔

◈ اپنے اہل اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی بے حد شفقت اور حسنِ سلوک۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو وہ کھیل دیکھنے دیا اور بار بار یہ بھی دریافت فرماتے جاتے تھے کہ کیا تیرا جی بھر گیا؟

◈ ہمیں بھی اپنے اہل کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرنا چاہیے بالخصوص نوعمر بیٹیوں اور جوان بیبیوں کے ساتھ اس کی رعایت لازم ہے کہ انہیں شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ تفریح کے مواقع فراہم کیے جائیں۔

◈ نبی کریم ﷺ نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حبشیوں کو دیکھنے کو جائز رکھا تھا۔

مسجد میں مطلق خیمہ لگانا

258۔ وَعَنْهَا ((أَنَّ وَلِيْدَةً سَوْدَاءَ كَانَ لَهَا خِبَاءٌ فِي الْمَسْجِدِ ، فَكَانَتْ تَأْتِيْنِيْ فَتَحَدِّثُ عِنْدِيْ))۔ الْحَدِيْثُ .
مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ایک سیاہ فام کنیز کا مسجد نبوی میں خیمہ لگا ہوتا تھا، وہ میرے پاس آ کر میرے ساتھ باتیں کیا کرتی تھی۔ [1] الحدیث
یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:...... وَلِيْدَةً :مراد باندی اور کنیز ہے۔

سَوْدَاءَ: یہ واقع کا بیان ہے کہ وہ کنیز سیاہ فام تھی نہ کہ باندی کا وصفِ مقیّد ہے کہ باندی وہی کہلائے گی جو سیاہ فام ہو۔ چنانچہ باندی جس رنگ کی چاہے ہو، کوئی خاص رنگ شرط نہیں۔

اَلْخِبَاءُ: چھوٹا خیمہ

فَكَانَتْ تَأْتِيْنِيْ فَتَحَدِّثُ عِنْدِيْ: چونکہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مبارکہ مسجدِ نبوی کے پہلو میں تھا اور اس کا دروازہ مسجد پر کھلتا تھا اس لیے وہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں چلی جایا کرتی تھی۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی باندی کا کوئی کفیل اور مسکن نہ ہو تو وہ ضرورت کی بنا پر مسجد میں خیمہ لگا کر رہ سکتی ہے۔ البتہ یہ قضیہ معیّنہ ہے۔

تَنْبِيْه: ..... باہم گفتگو ناگزیر ہے کہ انسان انسانوں میں رہ کر ہی خوش رہتا ہے اور یہی اسلاف کا طرز بھی ہے، دوسرے انسان کا مدنی الطبع ہونا بھی اس بات کو مقتضی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو دوسروں سے گریزاں رہتا ہے، نہ خود بولتا ہے اور نہ

[1] صحيح البخاري: 439۔ یہ روایت ہمیں صحیح مسلم میں نہیں ملی۔ (المحققان)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسروں کو اپنے سے بولنے دیتا ہے اس کی طبیعت میں ایک فطری گھٹن ہوتی ہے۔ چنانچہ دوسروں سے بول چال سے جی میں فرحت وانبساط رہتی ہے۔ رہی وہ حدیث جس میں خیر کی بات کے سوا چپ رہنے کو ترجیح دی گئی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ خیر دو قسم کی ہے: (1) ایک وہ خیر ہے جو خود کلام میں موجود ہو جیسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور ذکر وتسبیح وغیرہ۔ (2) دوسری وہ خیر ہے جو خیر لغیرہ ہے اور یہ دوسروں کے ساتھ مباح کلام کرنا ہے جس میں ایک دوسرے کی خیر خیریت دریافت کرنا، غم گساری کرنا، کسی کی خوشی کے وقت اس کو مبارک باد دینا اور بیوی بچوں کا جی بہلانا وغیرہ داخل ہے۔ کیونکہ دوسروں کو خوش کرنا ان مطلوب باتوں میں سے ہے جن پر ثواب ملتا ہے۔

مسجد میں تھوکنے کی ممانعت کا بیان

259۔ وَعَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((الْبُصَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيْئَةٌ وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''مسجد میں تھوکنا برائی ہے اور اس (برائی) کا کفارہ اس تھوک کو دفن کر دینا ہے۔'' [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث :...... اَلْبُزَاقُ: یہ مصدر بھی ہے اور اسم بھی۔ یہ منہ کی گاڑھی لعاب کو کہتے ہیں چاہے وہ رینٹ ہو یا نہ ہو اور جو باریک اور پتلی ہو اس کو ریق کہتے ہیں۔

فِي الْمَسْجِدِ: مذکورہ الف لام استغراق کے لیے ہے لہٰذا یہ حکم ہر مسجد کو شامل ہے۔

خَطِيْئَةً: یعنی برائی۔

كَفَّارَتُهَا: یعنی اس کی ستاری اور معافی۔

دَفْنُهَا: یعنی اس کو زمین میں دبا دینا۔ یہ حکم بظاہر کچے فرش والی مساجد کے لیے ہے۔ لہٰذا جن مساجد کے فرش پکے ہوتے ہیں وہاں سے اس تھوک کو کھرچ کر ختم کر دینا اس برائی کا کفارہ ہوگا۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث واضح ہے کہ مسجد میں تھوکنا سخت بے ادبی ہے۔ کیونکہ اس فعل کو خطیئہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لہٰذا جیسے بن پڑے اس تھوک کو مسجد سے ہٹا دیا جائے جس کی تفصیل اوپر ذکر کی گئی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مساجد کا احترام کیا جائے اور مساجد کو ایسی گندی چیزوں سے بچا کر رکھا جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کو خطیئہ فرمایا ہے۔
- بسا اوقات ایک شے کا مداوا اس کی ضد سے بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ تھوک جو نظر آ رہی ہوتی ہے اس کا مداوا یہ ہے کہ اس کو دفن کر دیا جائے جو دکھائی دینے کی ضد ہے۔
- تھوک پاک ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے مسجد میں پڑی تھوک پر پانی گرانے کا حکم نہ دیا تھا۔
- مسجد میں تھوکنا سخت بے ادبی ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ بعض علماء نے اس کو حرام تک کہا ہے اور اس کا کفارہ اس کو دفن کر دینا یا ہٹا دینا ہے۔

---

[1] صحيح البخاري: 415۔ صحيح مسلم: 552.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ دورِ نبوی ﷺ میں مسجد نبوی ﷺ کا فرش کچا تھا جس کی دلیل مسجد میں تھوک کو دفن کر دینے کا حکم ہے۔ اس لیے جو لوگ فی زمانہ مساجد کے پکے فرشوں پر صفوں کی تحدید کے لیے لگائی جانے والی لکیروں یا علامتوں کو یہ کہہ کر بدعت ٹھہراتے ہیں کہ یہ علامات دورِ نبوی کی مسجد میں نہ تھیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس زمانے کا فرش ایسا تھا ہی نہیں کہ اس پر صفوں کی تحدید کی ایسی علامات بنائی جاسکتیں۔ پھر ہم بھی ان لکیروں کو بالذات عبادت نہیں کہتے بلکہ عبادتِ مقصودہ شرعیہ کا وسیلہ کہتے ہیں اور وہ ہے صفوں کا تسویہ۔ چنانچہ جب سے مساجد کے فرش پختہ ہوئے ہیں اور ان پر یہ لکیریں اور علامتیں مقرر کر دی گئی ہیں، ہمیں صفوں کو سیدھا کرنے کی مشقت سے راحت مل گئی ہے۔

◈ جس حدیث میں نماز کے دوران بائیں پاؤں تلے تھوکنے کا حکم ہے، مذکورہ حدیث اس کے معارض نہیں کیونکہ وہ حکم مسجد سے باہر کا ہے اور جو مسجد میں ہو وہ اپنے کپڑے یا دامن کے پلو میں تھوکے۔ یوں تینوں روایات میں کوئی تعارض نہ رہے گا۔

◈ معلوم ہوا کہ چھوٹی سی معصیت کو بھی خطیئہ کہہ سکتے ہیں۔

مساجد کی زیبائش و آرائش اور زیب و زینت کرنے کا حکم

260۔ وَعَنْهُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتَّى يَتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ)). أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ لوگ مساجد میں ایک دوسرے پر فخر (نہ) کرنے لگیں گے۔"[1]

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے سوائے امام ترمذی رحمہ اللہ کے اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث :...... لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ: قیامت معروف ہے۔ مراد یہ ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک کہ نوبت یہاں تک نہ پہنچ جائے گی۔

يَتَبَاهَى: ایک دوسرے پر فخر کرنا۔ یعنی لوگ ایک دوسرے پر اس بات میں فخر کریں گے کہ کس نے زیادہ خوبصورت اور زیب و زینت والی مسجد بنائی ہے۔

مضمون حدیث :......اس روایت میں مساجد کو باہم فخر و ریا اور نمود و نمائش کے طور پر مزین و آراستہ کرنے اور اس پر بے دریغ پیسہ بہانے کی مذمت بیان کی گئی ہے اور اسے قیامت آنے کی ایک علامت قرار دیا گیا ہے۔ جس کی تفصیل ذیل میں آجاتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ معلوم ہوا کہ قیامت قائم ہونے سے قبل یہ ہو کر رہے گا۔ البتہ مساجد کی تزئین و آرائش کو اشراط ساعہ میں اور قربِ قیامِ

---

[1] سنن ابی داود: 449۔ سنن النسائی: 32/2۔ سنن ابن ماجہ: 739۔ مسند احمد: 134/3۔ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (1322) اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (1613) نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور ضیاء مقدسی نے "المختارة" (2237) میں یہ روایت امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کے طریق سے روایت کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔ صحیح البخاری میں یہ روایت معلّق ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ "لوگ مساجد میں ایک دوسرے پر فخر تو کریں گے مگر اسے آباد نہ کریں گے، مگر کم۔" (دیکھیں: فتح الباری: 539/1)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیامت کی ایک علامت میں شمار کرنا صریح نہیں۔ لہٰذا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ جب سے لوگوں نے مساجد کی تزئین و آرائش کرنے میں ایک دوسرے کا مقابلہ شروع کر رکھا ہے تو یہ قربِ قیامت کی دلیل ہے کیونکہ خاص یہ باہمی تفاخر و مسابقت گزشتہ کئی صدیوں سے جاری ہے۔ لہٰذا اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ اشراطِ ساعہ میں سے ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ قیامت کے قائم ہونے سے قبل یہ بات بھی امت میں ظاہر ہو کر رہے گی۔

- قیامت کا اثبات۔
- اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے ایک معجزہ کا بھی بیان ہے اور وہ آپ ﷺ کی ایک سچی پیشین گوئی ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ پھر ایسا ہوا اور اب بھی ہو رہا ہے اور پہلے سے کہیں زیادہ ہو رہا ہے اور جانے آگے چل کر یہ پیشین گوئی کس کس صورت میں واقع بن کر سامنے آتی رہے گی۔
- مساجد کی تزئین و آرائش میں باہمی مفاخرت اور نمود و ریا غیر افضل ہے [1] کیونکہ آپ ﷺ نے اس کو ذم کے طور پر ذکر فرمایا ہے کہ ایسا تب ہوگا جب لوگوں کے ایمان کمزور پڑ جائیں گے۔
- لہٰذا جو لوگ سادہ مساجد بنواتے ہیں اور دوسرے ایسا کرنے کو برا جانتے ہیں اس حدیث میں ان ضعیف الاعتقاد لوگوں کا ردّ ہے۔ کیونکہ اصل مساجد کا اقامتِ صلوٰۃ کے لیے بنانا ہے نہ کہ ان کو باہمی مفاخرت کی آماج گاہ بنانا ہے۔

مساجد کی پختہ کاری کا بیان

261- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا أُمِرْتُ بِتَشْيِيْدِ الْمَسَاجِدِ)).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''مجھے مساجد کو پختہ بنانے کا حکم نہیں دیا گیا۔'' [2]

أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

اس حدیث کو امام ابوداوٗد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... مَا اُمِرْتُ: یہ امر دینے والی ذات رب تعالیٰ کی ہے۔

تَشْيِيْدُ الْمَسَاجِدِ: تَشْيِيْد مساجد کو پختہ بنانے کو کہتے ہیں کیونکہ شِيْدٌ چونا اور گچ وغیرہ کو کہتے ہیں جو پلستر کرنے کا مسالا ہوتا ہے اور مَسَاجِد میں الف لام استغراق کے لیے ہے۔ یہ مَسْجِدٌ کی جمع ہے اور مراد وہ خاص عمارت ہے جو نماز ادا

---

[1] بندہ عاجز مترجم ابوقیدار محمد آصف نسیم نے صادق آباد کے نواح میں واقع ایک قصبہ ''بھونگ شریف'' میں ایک مسجد کو خود دیکھا ہے جس کی تزئین و آرائش کا کام گزشتہ پچاس سال سے جاری ہے۔ وہ مسجد ''جائے اقامتِ صلوٰۃ'' سے زیادہ سیاحوں اور سیر کرنے والوں کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ بلاشبہ ایسی تزئین و آرائش مذکورہ حدیث میں ذکر کردہ مذمت کا قرار واقعی مصداق ہے۔

[2] سنن ابی داود: 448- امام ابن حبان (1615) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں کیونکہ امام ابوداوٗد نے اس حدیث کو ''عن سفيان بن عيينة، عن سفيان الثوری، عن ابی فزارة ......و هو راشد بن كيسان الكوفی'' کے طریق سے روایت کیا ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو یزید العاصری تابعی سے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو معلّق یعنی موقوف روایت کیا ہے نہ کہ مرفوع۔ کیونکہ اس حدیث کے مرسل یا موقوف میں یزید پر آ کر اختلاف ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حافظ رحمہ اللہ نے ''تغليق التعليق'' (238/2) میں اور ''فتح الباری'' (450/1) میں اس کو مفصل ذکر کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے کے لیے بنائی گئی ہو۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں مساجد کو غیر پختہ بنانے کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ اگر اس میں خیر ہوتی تو رب تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ کو ایسا کرنے کا حکم ارشاد فرماتے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مَا اُمِرْتُ: اس کلمہ سے یہ مستفاد ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو امر بھی کیا جاتا تھا اور نہی بھی۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ بھی رب تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندے ہیں کیونکہ رب تعالیٰ آپ ﷺ کو امر و نہی فرماتے تھے۔
- یہ بھی معلوم ہوا کہ پیغمبر ﷺ شریعت کو اپنے پاس سے بنا کر نہیں لاتے بلکہ پیغمبر ﷺ بھی رب تعالیٰ کے امر کے آنے کا انتظار فرماتے تھے۔ چنانچہ اگر امرِ الٰہی آ جاتا تو آپ ﷺ اس کو بجا لاتے وگرنہ رکے رہتے۔
- مساجد کو پختہ بنانا اچھا کام نہیں۔
- لہٰذا مساجد کا سادہ اور متواضع ہونا اولیٰ ہے اور یہ حکم تب ہے جب مسجد کو پختہ بنانے میں کسی محظور کا ارتکاب لازم نہ آتا ہو وگرنہ پختہ بنانا خلافِ اولیٰ نہیں بلکہ منہی عنہ ہوگا۔
- جب مساجد کو پختہ بنانا خلافِ اولیٰ ہے تو اس کو مزین و مرصع کرنا بدرجۂ اولیٰ مقصودِ شرع کے خلاف ہوگا۔

مسجد کو صاف ستھرا رکھنے کا اجر وثواب

262- وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((عُرِضَتْ عَلَیَّ أُجُوْرُ أُمَّتِیْ، حَتَّی الْقَذَاةَ یُخْرِجُهَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ)).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''مجھ پر (وحی کے ذریعے) اپنی امت کے اجر پیش کیے گئے حتیٰ کہ وہ تنکا (اور اس کا اجر بھی پیش کیا گیا) جسے آدمی مسجد سے نکال باہر پھینکتا ہے۔''[1] (تاکہ مسجد صاف ستھری رہے)۔

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَاسْتَغْرَبَهُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کو غریب کہا ہے اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:......عُرِضَتْ عَلَیَّ: یعنی مجھے وحی کے ذریعے اس بات کی خبر دی گئی کیونکہ اعمال تو روزِ قیامت پیش کیے جائیں گے اور یہ پیش کرنے والی ذات رب تعالیٰ کی ہے جس نے اپنے پیغمبر ﷺ کو اس کی امت کی نیکیوں اور ان کے ثوابوں کی خبر دی۔

---

[1] سنن ابی داود: 461۔ جامع الترمذی: 2916۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے اس حدیث کا ذکر امام بخاری رحمہ اللہ سے کیا تو انہوں نے اس کو "غریب" کہا۔ کیونکہ یہ حدیث "المطلب بن حنطب عن انس رضی اللہ عنہ" کے طریق سے ہے۔ علامہ ذہبی "تذکرۃ الحفاظ" (526/2) میں کہتے ہیں: ابن المدینی نے مطلب کے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سماع پر انکار کیا ہے۔ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (1297) نے اس روایت کو صحیح کہا۔ جبکہ ابن عبدالبر نے "التمہید" (161/4) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أُجُوْرَ أُمَّتِيْ: مرادان کی نیکیوں کے ثواب ہیں اور امت سے امتِ اجابت مراد ہے نہ کہ امتِ دعوت۔

اَلْقَذَاةُ: قَذَاۃٌ آنکھ میں پڑنے والے انتہائی چھوٹے اور باریک تنکے کو کہتے ہیں۔ مراد معمولی سی چیز ہے جیسے مسجد میں کاغذ کا کوئی ٹکڑا، مسواک کا چھلکا، کھجور کی گٹھلی، سوکھا تنکا، یا درخت کا پتا بکھرا پڑا ہو تو اس کو بھی اٹھا کر باہر پھینک دے۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں دراصل مبالغہ کے ساتھ یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ مساجد کو صاف رکھنے کا خوب اہتمام کیا جائے حتیٰ کہ اگر مسجد سے کسی معمولی سی چیز کو بھی اٹھا کر باہر پھینکا تا کہ مسجد صاف رہے تو رب تعالیٰ اس پر اجر و ثواب سے نوازے گا اور اس عمل کی اس قدر قدر دانی فرمائے گا کہ اپنے محبوب پیغمبر کو بھی اس بات کی خبر دے گا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- امت کے اجر کی خبر جناب رسول اللہ ﷺ کو رب تعالیٰ کے مطلع کرنے سے ہوئی۔ جیسا کہ عُرِضَتْ عَلَیَّ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ عالم الغیب نہیں۔
- اس حدیث میں مبالغہ کی حد تک مسجد کو صاف ستھرا رکھنے کی ترغیب ہے۔ کیونکہ یہ فعل باعثِ اجر و ثواب ہے۔
- یہیں سے مساجد کی تعظیم و تشریف کا بھی بخوبی اندازہ ہو گیا۔

تحیۃ المسجد کا بیان

263۔ وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو نہ بیٹھے یہاں تک کہ دو رکعت نماز پڑھ لے۔''[1]
یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:......**اَلْمَسْجِد:** مراد اصطلاحی مسجد ہے نہ کہ ہر ایک مصلّٰی۔

لَا يَجْلِسْ: یعنی جب وہ مسجد میں داخل ہو کر بیٹھنے کا ارادہ کرے تو جب تک دو رکعت نماز نہ پڑھ لے نہ بیٹھے۔ اہل علم کے ہاں ان دو رکعات کو تَحِيَّةُ الْمَسْجِد کہتے ہیں۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں تحیۃ المسجد کی مشروعیت کا اور اس کے وقت کا بیان ہے کہ یہ نماز مسجد میں داخل ہو کر بیٹھنے سے قبل ادا کی جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- تحیۃ المسجد مشروع ہے۔ البتہ اس کے وجوب یا استحباب میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک تحیۃ المسجد مستحب ہے۔ جو لوگ اس کے وجوب کے قائل ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ نہی میں اصل تحریم ہے۔ اب تحیۃ المسجد عبادت ہے اور عبادت میں نہی تحریم کے لیے ہوتی ہے۔ لہٰذا تحیۃ المسجد واجب اور اس کا ترک حرام ہو گا۔ جبکہ استحباب کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب اس سائل کو جس نے نمازوں کے بارے میں پوچھا تھا، یہ بیان فرمایا کہ ''اس پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔'' تو اس نے یہ سوال کیا کہ کیا میرے ذمے ان کے علاوہ بھی کوئی نماز ہے؟ اس پر

[1] صحيح البخاري: 1163- صحيح مسلم: 714.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''نہیں! ہاں جو نماز تم بطورِ نفل کے پڑھو۔'' ❶ پس آپ ﷺ کی یہ مذکورہ نفی فرائض پنجگانہ کے علاوہ سب نمازوں کو شامل ہے۔ غرض طرفین کے ہاں اپنے اپنے دلائل ہیں۔ البتہ راجح قول تحیۃ المسجد کے مستحب ہونے کا ہے۔ یاد رہے کہ یہ نماز سبب والی ہے۔ جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

- تحیۃ المسجد ہر وقت ادا کی جا سکتی ہے کیونکہ اِذَا دَخَلَ میں اِذَا ظرفِ زمان کے لیے ہے جو مطلق اور غیر مقید ہے۔ لہٰذا تحیۃ المسجد ہر وقت ادا کی جا سکتی ہے حتیٰ کہ اگر کوئی نمازِ فجر کے بعد یا نمازِ عصر کے بعد مسجد میں داخل ہوا ہے یا زوال کے وقت داخل ہوا تو وہ اس وقت بھی یہ نماز ادا کر سکتا ہے۔
- اگر مسجد داخل ہوتے ہی فرض نماز ادا کر لی تو یہ فریضہ تحیۃ المسجد کی طرف سے بھی کفایت کرے گا۔ کیونکہ دو رکعات نماز عند الدخول فی المسجد کا اطلاق فرض کی دو رکعات پر بھی ہوتا ہے۔
- یصلی رکعتین: ان کلمات سے یہ مستفاد ہوا کہ اگر کسی نے مسجد میں داخل ہو کر ایک رکعت نماز ادا کی تو یہ نماز تحیۃ المسجد نہ کہلائے گی اور اگر وہ ایک رکعت وتر کی نماز تھی تو تحیۃ المسجد کی طرف سے کفایت بھی نہ کرے گی۔ یہی حکم نماز مغرب کی تین رکعات کا بھی ہوگا۔ لیکن راجح قول یہ ہے کہ دو رکعات کا ارشاد اغلب کے اعتبار سے ہے۔ لہٰذا وتر کی ایک رکعت اور نمازِ مغرب کی تین رکعات بھی تحیۃ المسجد سے کفایت کر جائیں گی۔
- معلوم ہوا کہ لاری اڈوں، دفتروں، ریلوے اسٹیشنوں اور بورڈنگز وغیرہ میں بنے مصلے مسجد کے حکم میں چونکہ داخل نہیں اس لیے ان میں داخل ہونے پر تحیۃ المسجد بھی نہ ہوگی۔
- البتہ عیدگاہ مسجد کے حکم میں داخل ہے لہٰذا اس کے لیے تحیۃ المسجد بھی ہوگی۔ عیدگاہ کے مسجد ہونے کے دلائل صَلٰوۃُ الْعِیْدَیْنِ کے ابواب میں آ جائیں گے۔
- تحیۃ المسجد کا حکم مساجد کی تعظیم و تشریف کو بتلاتا ہے۔

7۔ بَابُ صِفَةِ الصَّلَاةِ ..... نماز ادا کرنے کے طریقہ کا بیان

تمہید: صفتِ صلوٰۃ سے مراد نماز کی ہیئتِ قولیہ و فعلیہ ہے۔ چونکہ کوئی بھی عبادت اخلاص اور سنت کی پیروی کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی لیے حضرات علمائے کرام ایسے ابواب اپنی کتابوں میں قائم کرتے چلے آئے ہیں اور سنت کی پیروی تب ہی ممکن ہے جب ہمیں کسی عبادت کا صحیح طریقہ معلوم ہوگا۔ اسی غرض سے امام موصوف نے نماز ادا کرنے کے مسنون طریقہ کو بیان کرنے کے لیے یہ باب قائم کیا ہے۔ باب کی ابتدا میں امام موصوف نے حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ذکر کی ہے کیونکہ اس باب میں یہ حدیث اصل کی حیثیت رکھتی ہے۔

نماز ادا کرنے کا صحیح طریقہ

264,265۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوْءَ، ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے (نماز کو صحیح ادا نہ کرنے والے سے) ارشاد فرمایا: ''جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو تو (پہلے) اچھی طرح وضو کرو، پھر

❶ صحیح البخاری: 46۔ صحیح مسلم: 11۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا ، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ، ثُمَّ افْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا)) .

قبلہ رو ہو کر کھڑے ہو جاؤ، پھر تکبیر (تحریمہ) کہو، پھر جتنا قرآن تمہیں آتا ہے، وہ پڑھو، پھر رکوع میں جاؤ یہاں تک کہ تم رکوع میں پر سکون ہو جاؤ، پھر (رکوع سے اپنا سر) اٹھاؤ یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدہ میں جاؤ، یہاں تک کہ تم سجدہ میں پر سکون ہو جاؤ، پھر (پہلے سجدہ سے سر) اٹھاؤ یہاں تک کہ تم (جلسہ میں) اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ، پھر (دوسرے) سجدہ میں جاؤ یہاں تک کہ تم سجدہ میں پر سکون ہو جاؤ (یوں ایک رکعت ہو گئی) پھر اپنی ساری کی ساری نماز میں (یعنی نماز کی ہر رکعت میں) ایسا ہی کرو۔'' ❶

أَخْرَجَهُ السَّبْعَةُ ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ .

اس حدیث کو ائمہ سبعہ نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

وَلِابْنِ مَاجَهْ بِإِسْنَادِ مُسْلِمٍ ((حَتَّى تَطْمَئِنَّ قَائِمًا)) .

اور سنن ابن ماجہ میں امام مسلم رحمہ اللہ کی اسناد کے ساتھ مروی اس روایت میں (حَتّٰی تَعْتَدِلَ قَائِمًا کی بجائے) حَتّٰی تَطْمَئِنَّ قَائِمًا کے الفاظ ہیں۔ (یہاں تک کہ تم اطمینان کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔) ❷

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں نماز ادا کرنے کا صحیح ترین طریقہ مذکور ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تعلیم فرمایا ہے۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

درایۃ الحدیث :...... امام موصوف رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کے پہلے حصہ کو، جو غالباً ایک سطر کے قریب ہے، حذف کر دیا ہے کیونکہ بظاہر اس حصہ کا مذکورہ باب سے کوئی تعلق نہ تھا۔ لیکن اگر امام موصوف اس حصہ کو بھی ذکر کر دیتے تو خوب تھا کیونکہ حدیث کا وہ حصہ بھی متعدد فوائد پر مشتمل ہے۔ وہ حصہ یہ ہے کہ

''ایک آدمی مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھنے لگا لیکن وہ نماز کو اطمینان کے ساتھ ادا نہ کر رہا تھا۔ نماز کے بعد اس نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا: ''لوٹ جاؤ اور (دوبارہ) نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔'' اس نے لوٹ کر نماز دوبارہ پڑھی اور آ کر سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دینے کے بعد دوبارہ یہی

❶ صحیح البخاری: 757- صحیح مسلم: 397- سنن ابی داود: 856- جامع الترمذی: 303- سنن النسائی: 124/2- سنن ابن ماجہ: 1060- مسند احمد: 437/2 .

❷ سنن ابن ماجہ: 1060 من طریق ابن ابی شیبۃ (257/1)- امام موصوف رحمہ اللہ نے ''التلخیص الحبیر'' میں یہ روایت ابن سکن اور ابن ابی شیبہ کی طرف منسوب کر کے ذکر کی ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں: شیخ الاسلام جلال الدین...... اطال اللّٰہ بقاءہ نے بتلایا ہے کہ یہ الفاظ سنن ابن ماجہ میں ہیں۔ حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن ماجہ والی سند کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔ البتہ ان الفاظ کو ذکر نہیں کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت ''صحیح مسلم'' (397) میں مکرر آئی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ارشاد فرمایا حتیٰ کہ ایسا تین بار ہوا۔ تب پھر اس آدمی نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے، میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا، پس آپ ﷺ ہی مجھے صحیح نماز سکھلا دیجیے۔ جس پر آپ ﷺ نے اسے یہ ارشاد فرمایا جو اوپر حدیث میں مذکور ہے۔ اس تمہید کے بعد اب پوری حدیث کا ایک اجمالی تجزیہ غریب الحدیث کے تحت ملاحظہ ہو:

غریب الحدیث:......**اِرْجِعْ فَصَلِّ**: اس جملہ میں کوئی اشکال نہیں۔

فَـاِنَّكَ لَـمْ تُصَلِّ: یہاں بالفعل نماز کی ادائیگی کے باوجود نماز کی نفی کی گئی ہے۔ لہٰذا یہ نفی وجود کی نفی نہیں جسے نفیِ حسی کہتے ہیں کیونکہ بالفعل نماز پائی گئی ہے۔ بلکہ یہاں نفیِ شرعی مراد ہے۔ جو یا تو صحت کی نفی ہے یا کمال کی۔ جس کی تفصیل آگے آ جاتی ہے۔

لَا اُحْسِـنُ غَيْرَ هٰذَا: بلاشبہ ایک صحابیِ رسول ﷺ سے یہ اسلوب بے حد عجیب ہے۔ جو کمال عاجزی اور ادبِ نبوی پر مشتمل ہے۔

وَ الَّـذِيْ بَـعَثَـكَ بِـالْحَقِّ: یہاں یارسول اللہ! نہیں کہا جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ مجھے اس کے بعد جو بھی ارشاد فرمائیں گے میں اس کا التزام کروں گا۔ کیونکہ آپ ﷺ سے سوائے حق کے اور کسی شے کا صدور ممکن ہی نہیں۔

فَـعَـلِّمْنِيْ: چنانچہ وہ صحابی رضی اللہ عنہ صرف اسی قدر کہہ کر خاموش نہیں رہے۔ بلکہ یہ عرض کیا کہ اب مجھے نماز کا صحیح طریقہ بھی تعلیم فرما دیجیے۔ تب آپ ﷺ نے یہ فرمایا:

اِذَا قُـمْـتَ اِلَى الصَّلٰوةِ: یہاں فعل سے ارادۂ فعل مراد ہے۔ یعنی جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو، اور فعل، ارادۂ فعل کے معنی میں اس وقت لیا جاتا ہے جب ایک تو ارادہ پختہ ہو اور دوسرے فوراً ہی فعل کر لینا بھی ہو۔

فَـاَسْبِغِ الْوُضُوْءَ: وضو کے اِسباغ اور لفظ وضو کی واؤ پر تین اعراب اور ان کے معانی کی بابت بَـابُ الْوُضُوْءِ میں مفصل کلام گزر چکا ہے۔

ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ: اس مقام پر نبی کریم ﷺ نے نماز کی صرف دو شرطوں کو ذکر فرمایا ہے: (1) وضو کا اسباغ (2) اور دوسری استقبالِ قبلہ۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ اس کو نماز ادا کرتے خود دیکھ رہے تھے اور آپ ﷺ نے بخوبی دیکھ لیا تھا کہ یہ شخص نماز کی دیگر شروط کو پورا کر رہا ہے اسی لیے آپ ﷺ نے دیگر شروط کو ذکر نہ فرمایا۔

فَكَبِّرْ: مراد تکبیرِ تحریمہ ہے۔

ثُـمَّ اقْـرَاْ مَـا تَيَسَّـرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ: یعنی تکبیرِ تحریمہ کے بعد جتنا قرآن تمھیں آتا ہے اس کو پڑھو۔ یہاں آپ ﷺ نے ثناء وغیرہ کا ذکر نہیں فرمایا اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں: (1) یا تو اس لیے کہ کہیں اس آدمی پر مطالبات کی کثرت نہ ہو جائے اور وہ کئی باتوں کو ایک دوسرے میں گڈمڈ نہ کر بیٹھے۔ (2) یا پھر اس لیے کہ ثناء واجب نہیں۔

مَـا تَيَسَّـرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ: تَيَسُّرْ یہ تَعَسُّرْ کی ضد ہے۔ مراد یہ ہے کہ جتنا قرآن تمہیں یاد ہے اور تم بسہولت پڑھ سکتے ہو، اس کو پڑھو تا کہ اس آدمی پر تیسیر اور سہولت ہو۔

ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا: رکوع یہ دوسرے کی تعظیم کے لیے کمر جھکا دینے کو کہتے ہیں۔ رکوع کی کس قدر مقدار واجب ہے اس کو آگے بیان کر دیا جائے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حَتّٰی تَطْمَئِنَّ: سے مراد استقرار ہے۔ کیونکہ یہ طمانیت سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے استقرار یعنی ٹھہراؤ، استحکام اور سکون۔

ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَعْتَدِلَ قَائِمًا: ابن ماجہ کی ایک روایت میں تَطْمَئِنَّ کے الفاظ ہیں۔ چنانچہ یہ دونوں لفظ ایک دوسرے پر محمول ہوں گے۔ کیونکہ نماز کے سب افعال ایک طرح کے اور ایک حد کے ہیں۔

ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا: سجدہ قیام سے زمین کی طرف اس طور پر گرنا ہے کہ آدمی رب ذوالجلال کے اجلال و تعظیم کے لیے اپنا ماتھا زمین پر ٹیک دے۔ یاد رہے کہ رَاکِعًا، قَائِمًا اور سَاجِدًا یہ تینوں کلمات حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں اور تینوں حال مخاطب کی ضمیروں سے ہیں۔

ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ جَالِسًا: مراد قاعدا ہے۔ مذکورہ روایت میں اس قعود و جلوس کی کیفیت مذکور نہیں۔ اس کے بعد دوسرے سجدہ کا ذکر ہے۔ آگے ارشاد ہے:

ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِيْ صَلٰوتِكَ كُلِّهَا: ذٰلِكَ اسم اشارہ ہے اور اس کا مشارٌ الیہ عَلٰی سَبِیْلِ التَّنَاوب قراءت، رکوع، قومہ یعنی رفع من الرکوع، سجدہ، دوسرا سجدہ اور جلسہ ہے۔

فِيْ صَلٰوتِكَ كُلِّهَا: مراد ہر آنے والی نماز ہے کہ اس معنی میں عموم ہے۔ یعنی اس نماز کی بھی اگلی ہر ہر رکعت میں ایسا کر اور آئندہ کی نمازوں میں بھی ایسا ہی کرنا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- حَتّٰی تَطْمَئِنَّ قَائِمًا: یہ ابن ماجہ کی روایت کے الفاظ ہیں۔ اس کی اسناد صحیح ہے اور یہ معنی حَتّٰی تَعْتَدِلَ قَائِمًا کے منافی نہیں لہٰذا اس روایت کو ائمہ سبعہ کی روایت پر محمول کیا جائے گا۔
- مذکورہ روایت کو حَدِیْثُ مُسِیْءِ صَلٰوۃِ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ نام صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی نہیں، اس لیے میں نے مذکورہ حدیث کے لیے یہ تعبیر اختیار نہیں کی کیونکہ اساءۃ قصد کر کے کی جاتی ہے جس کا ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے احتمال ممکن نہیں۔ اس لیے اس روایت کے لیے حَدِیْثُ الْجَاهِلِ فِي الصَّلٰوۃِ کی تعبیر اَولیٰ ہے۔
- معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے افعال و عبادات اور معاملات وغیرہ کی نگرانی فرمایا کرتے تھے۔
- سلام کرنا مشروع ہے اور چاہے تھوڑا سا وقفہ بھی گزرا ہو اس کا اعادہ کیا جائے۔ جیسا کہ ان صحابی رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اور سہ بارہ آ کر سلام کیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا تھا اور ایسے متکرر فی السلام کو سلام کا جواب دیا جائے گا۔
- اگر سلام غیر مشروع ہو تو اس کا جواب لازم نہیں۔ لہٰذا اگر کسی کو ایسی حالت میں سلام کیا جس حال میں اسے سلام کرنا مشروع نہیں تو مسلَّم علیہ پر اس کا جواب بھی لازم نہیں۔ جیسے قراءت میں مشغول آدمی کو سلام کرنا۔
- سوال کرنے سے قبل سلام کرنا لازم نہیں، لہٰذا جو پاس بیٹھا ہو اگر اس نے دوسرے سے کچھ پوچھنا ہے تو پوچھنے سے قبل سلام لازم نہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایسا کرنا ثابت نہیں۔
- کسی عمل کی اصلاح کے لیے اس کے فاسد عمل کو برقرار رکھنا جائز ہے البتہ اس میں یہ شرط ہے کہ تب مخاطب کو صحیح طریقہ ضرور بتلایا جائے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی رضی اللہ عنہ کی تیسری مرتبہ کی نماز کو برقرار رکھا اور صحیح طریقہ نماز کی تعلیم کے بعد اعادہ کا حکم نہ فرمایا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- لاعلمی میں کسی واجب کے ترک سے نماز کا اعادہ واجب نہیں۔ البتہ اگر وقت میں گنجائش ہو تو اعادہ کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔ غرض جب کسی انسان کو کسی شے کے واجب ہونے کا قطعی علم بھی نہ ہو اور وہ غفلتِ تام میں ہو نہ کہ تغافل میں جس میں قصد اور کوتاہی شامل ہوتی ہے، تو اسے فوت ہو جانے والے واجب کے اعادہ کو نہ کہا جائے گا۔
- حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حسنِ فہم کہ ان اعرابی صحابی رضی اللہ عنہ نے بھی جب قسم اٹھانے کا ارادہ کیا تو ایسے الفاظ کے ساتھ قسم اٹھائی جو بتلا رہے تھے کہ وہ حکم نبوت کے آگے سراپا تسلیم و رضا بننے کو بالکل تیار اور مستعد ہیں۔
- علم سیکھنے کے لیے کیے جانے والا سوال مذموم سوال کے زمرہ میں داخل نہیں۔ کیونکہ فَعَلِّمْنِيْ وغیرہ کے صیغوں میں مال کا مطالبہ اور مال کا سوال نہیں جو مذموم ہے۔
- ہر نماز کے لیے وضو مشروع ہے، چاہے پہلے سے ہو، یا اُسی وقت کیا جائے۔ کیونکہ وضو نماز کی صحت کے لیے شرط ہے۔
- جب کسی کو تفصیل معلوم ہو تو اجمال سے کام لے سکتے ہیں۔ جیسے آپ ﷺ نے بنا تفصیل بیان کیے اجمالاً صرف یہ فرمایا: ''وضو کو اچھی طرح کرو۔''
- نماز میں استقبالِ قبلہ شرط ہے۔
- نماز میں تکبیر تحریمہ واجب ہے اور اس کے لیے اَللّٰهُ اَكْبَرُ کے الفاظ شرط ہیں۔ لہٰذا اَللّٰهُ اَجَلُّ یا اَللّٰهُ اَعْظَمُ جیسے الفاظ تکبیر تحریمہ میں کافی نہ ہوں گے۔ غرض تکبیر تحریمہ کی مندرجہ ذیل شروط ہیں:
  - ...... تکبیر تحریمہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کے لفظوں کے ساتھ ہو۔
  - ...... الفاظ کی اسی ترتیب کے ساتھ ہو کہ پہلے لفظ اَللّٰه ہو پھر لفظ اَكْبَرُ ہو۔ لہٰذا اَكْبَرُ اَللّٰه کہنا جائز نہ ہوگا کیونکہ اذکار کے الفاظ توقیفی ہیں۔
  - ...... دونوں کلمات میں سے کسی پر مد یا کسی لفظ کے درمیان یا شروع میں الف یا ہمزہ کا اضافہ نہ ہو جس کی تفصیل بَابُ الْاَذَان میں بیان کی جا چکی ہے۔
- نماز میں حسبِ تیسیر زبان کے ساتھ قراءت واجب ہے۔ اس اجمال کی تفسیر دیگر احادیث میں آتی ہے کہ اس سے مراد قراءت فاتحہ ہے جو واجب ہے۔ جس کی تفصیل اپنے محل میں آ جائے گی۔
- مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ ان الفاظ سے شریعتِ اسلامیہ کا مبنی بر تیسیر و سماحت ہونا واضح ہوتا ہے۔
- رکوع واجب ہے جس کے وجوب پر قرآن و سنت کی متعدد نصوص دلالت کرتی ہیں۔ پس رکوع نماز کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔
- رکوع، قیام اور سجدہ میں طمانیت یعنی استقرار واجب ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے اس استقرار کو عمداً ترک کر دیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ اس نے ایک واجب کو ترک کر دیا ہے۔ اس استقرار کی مقدار میں علماء کے دو اقوال ہیں: ❶

(1) ایک قول یہ ہے کہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمُ کہنے کے بقدر استقرار واجب ہے۔

(2) جبکہ ایک قول یہ ہے کہ اگرچہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمُ کہنے کے بقدر استقرار واجب نہیں لیکن اگر کسی نے اس

❶ دیکھیں الفروع: 409/1۔ الانصاف للمرداوی: 113/2۔ کشاف القناع: 387/1۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جلدی رکوع ختم کرلیا تو اس کا استقرار باطل ہوگیا۔

- نماز کے رکوع وسجدہ میں جو جھک نہ سکے تو وہ جہاں تک ہو سکے جھکے۔ اس کی مزید تفصیل صَلٰوۃُ اَھْلِ الْاَعْذَارِ کے بیان میں آ جائے گی جس میں کبڑے وغیرہ کے احکام کو مفصل ذکر کیا جائے گا۔
- البتہ اس مقام پر اس قدر جان لینا ضروری ہے کہ جو رکوع وسجدہ کو کرنے سے قاصر ہو، وہ دونوں کا اشارہ کرے گا اور جہاں تک ہو سکے کمر جھکائے گا اور جس کی کمر رکوع جتنی پہلے ہی سے جھکی ہو، وہ رکوع کی نیت کرے گا۔
- رکوع سے سر اٹھا کر اتنا سیدھا کھڑا ہونا واجب ہے کہ استقرار حاصل ہو جائے۔ جس کی مقدار کی تفصیل بیان ہو چکی۔
- قومہ میں کوئی ذکر سوائے رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کے جو امام اور منفرد کہے گا، واجب نہیں۔ رہا مقتدی تو وہ رکوع سے قیام کی طرف اٹھتے ہوئے یہ ذکر کرے گا جبکہ قومہ میں پہنچ کر اور کوئی ذکر نہ کرے گا۔
- سجدہ اعضائے سبعہ پر ہوگا جن میں یدین قدمین، رکبتین اور پیشانی داخل ہے جبکہ ناک پیشانی کے تابع ہے۔
- جلسہ واجب ہے۔
- جلسہ میں ہیئت جلوس کیسی ہو؟ مذکورہ حدیث میں اس کو بیان نہیں کیا گیا۔ لیکن دیگر نصوص بتلاتی ہیں کہ تشہد کے جلوس میں اور جلسہ کے جلوس میں فرق ہے۔ لہٰذا اگر نماز میں دو تشہد ہیں تو پہلے تشہد میں افتراش اور دوسرے میں تورک ہوگا اور دونوں جلسوں میں ہاتھ رانوں پر ہوں گے اور راجح قول یہ ہے کہ دونوں ہاتھ کھلے ہوں گے۔
- ایک رکعت میں دو سجدے واجب ہیں اور یہ نماز کا رکن ہیں۔ لہٰذا اگر کسی نے بھول کر ایک سجدہ ترک کر کے نماز پوری کر دی تو نماز سجدۂ سہو ادا کرنے سے صحیح نہ ہوگی بلکہ نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔ کیونکہ سجدۂ سہو رکن کی طرف سے کفایت نہیں کرتا۔
- معلوم ہوا کہ غیر معلوم کو معلوم طرف پھیر سکتے ہیں جیسا کہ آپ ﷺ نے ایک رکعت ادا کرنے کا طریقہ بتلا کر باقی کی نماز کا اس کی طرف احالہ کرتے ہوئے فرمایا: ''پھر اپنی (باقی کی) ساری کی ساری نماز میں ایسا ہی کر۔''
- ابن ماجہ کی روایت میں تَطْمَئِنَّ کے الفاظ کو تَعْتَدِلَ کی تفسیر قرار دیں گے۔ کیونکہ بنا اطمینان کے صرف سیدھا کھڑا ہونا کافی نہیں۔

وَمِثْلُهُ فِيْ حَدِيْثِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعِ بْنِ مَالِكٍ عِنْدَ أَحْمَدَ وَابْنِ حِبَّانَ: ((حَتّٰى تَطْمَئِنَّ قَائِمًا))

اور مسند احمد اور صحیح ابن حبان میں حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی ایسا ہی مضمون آیا ہے۔ جس میں یہ الفاظ ہیں: ''یہاں تک کہ تو پرسکون کھڑا ہو جائے۔'' [1]

وَفِيْ لَفْظٍ لِأَحْمَدَ: ((فَأَقِمْ صُلْبَكَ حَتّٰى تَرْجِعَ الْعِظَامُ)).

اور مسند احمد میں یہ الفاظ ہیں: ''اپنی پیٹھ کو سیدھا کر دے یہاں تک کہ (بدن کی) ہڈیاں (اپنی جگہ) لوٹ آئیں۔'' [2]

وَلِلنَّسَائِيِّ وَأَبِيْ دَاوُدَ مِنْ حَدِيْثِ رِفَاعَةَ بْنِ

اور سنن نسائی اور سنن ابی داود میں حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ کی

---

[1] مسند احمد: 340/4۔ صحیح ابن حبان: 1787۔ علامہ منذری رحمہ اللہ "الترغیب و الترهیب" (201/1) میں ابن عبدالبر کا یہ قول نقل کرتے ہیں: یہ حدیث ثابت ہے۔

[2] مسند احمد: 340/4

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَافِعٍ: ((إِنَّهَا لَا تَتِمُّ صَلَاةُ أَحَدِكُمْ حَتَّى يُسْبِغَ الْوُضُوْءَ كَمَا أَمَرَهُ اللّٰهُ تَعَالَى، ثُمَّ يُكَبِّرَ اللّٰهَ تَعَالَى وَيَحْمَدَهُ وَيُثْنِيْ عَلَيْهِ)).

حدیث میں یہ الفاظ ہیں: ''بے شک تم میں سے ایک کی نماز پوری نہیں ہوتی، یہاں تک کہ وہ وضو کو اچھی طرح (نہ) کر لے جیسا کہ اسے رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے پھر رب تعالیٰ (کے نام) کی تکبیر کہے اور اس کی حمد بیان کرے اور اس کی ثنا کرے۔''

وَفِيهَا: ((فَإِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْآنٌ فَاقْرَأْ، وَإِلَّا فَاحْمَدِ اللّٰهَ، وَكَبِّرْهُ، وَهَلِّلْهُ)).

اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''پھر اگر تو تمہیں کچھ قرآن آتا ہے تو (اس کو نماز میں) پڑھ، وگرنہ رب تعالیٰ کی حمد، تکبیر اور تہلیل کہہ لے۔'' [1]

وَلِأَبِي دَاوُدَ: ((ثُمَّ اقْرَأْ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَبِمَا شَاءَ اللّٰهُ)).

اور سنن ابی داؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''پھر ام الکتاب کو اور جو اللہ کو منظور ہو اس کو پڑھ۔'' [2]

وَلِابْنِ حِبَّانَ: ((ثُمَّ بِمَا شِئْتَ)).

اور صحیح ابن حبان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''پھر جو تو چاہے۔'' (اس کو پڑھ)۔ [3]

شرح: ذیل میں ان روایات کے ان الفاظ کے فوائد کو رقم کیا جاتا ہے۔

غریب الحدیث: ..... **حَتَّى تَطْمَئِنَّ قَائِمًا:** ایک روایت کا متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہونا ثابت ہے۔ لہٰذا الفاظ کا یہ اختلاف باعث اشکال نہیں۔ چنانچہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تَعْتَدِلَ کے اور حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے تَطْمَئِنَّ کے الفاظ سنے ہوں۔ کیونکہ دُور اور قریب والے کے سننے میں فرق بدیہی امر ہے۔ پھر اس بات کا بھی احتمال ہے کہ تَعْتَدِلَ کی تفسیر تَطْمَئِنَّ کے الفاظ سے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہو۔ تب پھر سرے سے کوئی تناقض ہی نہ رہا کہ اعتدال سے مراد طمانیت ہے۔

فَأَقِمْ صُلْبَكَ: صُلْب ریڑھ کی ہڈی کو کہتے ہیں، مجازاً کمر مراد ہے۔

حَتَّى تَرْجِعَ الْعِظَامُ: علماء نے مسند احمد کی روایت کے ان الفاظ سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ جب آدمی رکوع سے اٹھے گا تو قومہ میں دونوں ہاتھوں کو چھوڑے رکھے گا۔ کیونکہ ہڈیوں کے رجوع سے مراد ان کا اپنی طبعی وضع پر لوٹ آنا ہے اور ہڈیوں میں دونوں ہاتھ بھی داخل ہیں لہٰذا ان کا اپنی وضع پر لوٹ آنا یہ یدین کا ارسال ہے۔ اس بارے ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد ہڈیوں کا اپنی اس ہیئت پر لوٹ آنا ہے جس پر وہ رکوع سے پہلے تھیں اور اس وقت ہاتھوں کی دونوں ہڈیاں ایک دوسرے کے اوپر تھیں۔ مراد یہ ہے کہ قومہ میں بھی آدمی دونوں ہاتھوں کو اسی طرح باندھ کر رکھے جس طرح رکوع میں جانے سے قبل قیام میں ان کو باندھ رکھا تھا۔ میرے نزدیک ظاہر قول یہی ہے۔ لیکن ہمارے شیخ عبدالرحمٰن رحمہ اللہ نے اس باب میں امام احمد رحمہ اللہ کی نص کو لیا ہے، وہ یہ کہ قومہ میں نمازی کو ارسال اور وضع یدین دونوں میں اختیار ہے۔ البتہ میں نے خود شیخ کو قومہ میں زیادہ ارسال کرتے دیکھا ہے۔

---

[1] سنن النسائی: 225/2- سنن ابی داود: 858- جامع الترمذی: 302- امام ترمذی نے اس روایت کو حسن اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (545) نے اس کو صحیح کہا ہے۔

[2] سنن ابی داود: 859.

[3] صحیح ابن حبان: 1787.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَا تَتِمُّ: یہ سنن نسائی اور سنن ابی داؤد کی روایت کے لفظ ہیں۔ لَا تَتِمُّ اور لَا تَصِحُّ اور لَا تُقْبَلُ کی تعبیروں میں فرق ہے۔ چنانچہ واجب و مستحب دونوں کو لے آنا تمامِ صلوٰۃ میں سے ہے۔

كَمَا اَمَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: رب تعالیٰ نے وضو کا حکم کس طرح دیا ہے، اس کا بیان اس آیت کریمہ میں ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (المائدۃ: 6)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھولو)۔''

- معلوم ہوا کہ نماز کی صحت کے لیے وضو شرط ہے اور اس میں وہی ترتیب واجب ہے جو مذکورہ آیت میں ذکر ہے۔
- معلوم ہوا کہ عضوِ مغسول پر مسح اور عضوِ ممسوح کا غسل جائز اور کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ ایسا کرنا کما امرہ اللہ کے مقتضیٰ کے خلاف ہے۔
- لہٰذا اگر کوئی عضوِ ممسوح کو دھو کر یہ کہے کہ غسل یہ مسح سے اکمل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود شریعت اس آدمی کے اس فعل سے کہیں زیادہ اکمل ہے۔ لہٰذا نفسِ شریعت کا امتثال واجب ہوگا۔
- سر کا مسح خود شریعت کی طرف سے رخصت ہے نا کہ غسل کا بدل ہونے کی وجہ سے رخصت ہے۔
- كَمَا اَمَرَهُ اللّٰهُ کے الفاظ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے امت کی اس بات کی طرف راہنمائی فرمائی ہے کہ وہ رب تعالیٰ کے اوامر و نواہی کو ہمہ وقت ملحوظ اور پیشِ نظر رکھیں۔
- تکبیر کے وجوب اور اس کے صیغوں کی بابت شروط کو ذکر کیا جاچکا ہے۔
- سنن نسائی اور سنن ابی داؤد کی روایت کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ تکبیر کے بعد اور قراءت سے قبل حمد وثنا بھی ہے جس کو ثنا یا دعائے استفتاح کہتے ہیں، جو معروف ہے اور وہ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ ...... اِلٰى آخِرِہٖ ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اسی دعا کے پڑھنے کو ارجح قرار دیا ہے۔ [1]
- اسی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: فَاِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْاٰنًا فَاقْرَأْ. یہاں قراءتِ قرآن کو مطلق اور مجمل ذکر کیا گیا ہے لہٰذا اس مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا اور وہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ہے جو واجب ہے۔ آگے روایت میں یہ الفاظ ہیں: وَ اِلَّا یعنی اگر تمہیں قرآن میں سے کچھ یاد نہیں فَاحْمَدِ اللّٰهَ وَ كَبِّرْهُ وَ هَلِّلْهُ تو پھر رب تعالیٰ کی حمد، تکبیر اور تہلیل بیان کر۔ یعنی پھر ان کلمات کو پڑھ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ.
- سنن ابی داؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ثُمَّ اقْرَأْ بِاُمِّ الْكِتَابِ وَ بِمَا شَاءَ اللّٰهُ. مذکورہ واؤ جمع کے لیے ہے یعنی ام الکتاب اور مَا شَاءَ اللّٰهُ کو جمع کرو۔ اُم الکتاب سے مراد سورۂ فاتحہ ہے۔ سورۂ فاتحہ کو اُم کہنے کی وجہ آگے آجائے گی۔
- آگے صحیح ابن حبان کی روایت میں بِمَا شَاءَ اللّٰهُ کی جگہ بِمَا شِئْتَ کے الفاظ ہیں اور مطلب دونوں کا ایک ہی ہے کیونکہ بندہ وہی چاہے گا جو رب تعالیٰ چاہے گا۔ یہ دونوں امر ایک دوسرے کو متلازم ہیں۔ مراد سورۂ فاتحہ کے سوا باقی قرآن میں سے پڑھنا ہے اور یہ بھی واجب ہے اور قراءت فاتحہ کی ہو یا باقی قرآن کی اس کا زبان اور ہونٹوں کی تحریک

[1] زاد المعاد: 205/1

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ کرنا واجب ہے جیسا کہ لفظ قراءت کا یہی مقتضی ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ خود کو سنانا بھی واجب ہے یا نہیں؟ تو بعض نے اس کو واجب قرار دیا ہے لیکن درست یہ ہے کہ نص عام ہے۔ لہٰذا جب کسی نے حروف پر مبنی قراءت کر لی تو چاہے خود کو سنائی دے یا نہ دے، اُس سے قراءت ثابت ہوگئی کیونکہ ایسا کرنے سے نفس قراءت ثابت ہوگئی ہے۔

◈ اس میں مشہور بدعتی فرقہ ''جبریہ'' کا بھی ردّ ہے جو بندے کے لیے قدرت ومشیت کے اثبات کے منکر ہیں۔

◈ قبلہ رُو ہونا واجب ہے اور صحتِ صلوٰۃ کی ایک شرط اور نماز کا رکن ہے۔ البتہ جن صورتوں میں استقبال قبلہ ساقط ہو جاتا ہے، ان کو استقبالِ قبلہ کے تحت بیان کیا جا چکا ہے۔

◈ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ: سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ قرآن کا پڑھنا ہی واجب ہے۔ لہٰذا قرآن کے ترجمہ کو کسی دوسری زبان میں نماز میں پڑھنا جائز نہ ہوگا۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر قرآن یاد نہیں تو کسی دوسری زبان میں کلمات ادا کرنے کی بجائے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھے۔

◈ ثُـمَّ فصل کا متقاضی ہے لہٰذا قراءت اور رکوع دونوں ایک دوسرے سے جدا ہونے چاہئیں۔ چنانچہ جو قراءت کو رکوع سے ملا دیتا ہے، وہ صحیح نہیں کرتا۔ اسے دوبارہ رکوع کرنا لازم ہوگا۔ لہٰذا قراءت تمام کر کے پھر رکوع میں جانا چاہیے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان ارکان کو حرف ثُمَّ کے ساتھ ایک دوسرے پر مرتب کیا ہے۔

◈ سجدہ رکوع سے اٹھنے کے بعد واجب ہے۔

◈ سجدہ کتنے اعضاء پر ہوگا اس کو بیان کیا جا چکا ہے۔

◈ مذکور روایات میں سجدہ میں جانے کا طریقہ مذکور نہیں۔ بدن کی فطری ساخت کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے دونوں گھٹنے زمین پر رکھے جائیں کیونکہ وہ بہ نسبت ہاتھوں کے زمین کے زیادہ قریب ہیں، پھر دونوں ہاتھ رکھے جائیں کیونکہ بہ نسبت چہرے کے ہاتھ زمین کے زیادہ قریب ہیں۔ پھر ماتھا اور ناک زمین پر رکھا جائے۔ بے شک یہ ترتیب جہاں بدن کی طبعی ساخت کے مطابق ہے وہیں سنت کے موافق بھی ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں اونٹ کے بیٹھنے کی طرح سجدہ میں جانے سے منع کیا گیا ہے [1] کیونکہ اونٹ گھٹنوں سے قبل اپنے ہاتھوں کو زمین پر پہلے رکھتا ہے۔

یاد رہے کہ چوپائے کی اگلی ٹانگیں بمنزلہ یدین کے اور پچھلی ٹانگیں بمنزلہ رکبتین کے ہیں۔ اسی طرح سجدے میں دونوں ہاتھوں کو درندوں کی طرح پھیلا کر بچھانے کی بھی ممانعت ہے۔ [2] اس کی مزید تفصیل آگے آ جائے گی۔

266- وَعَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ رضي الله عنه قَالَ: ((رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ إِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، وَإِذَا رَكَعَ أَمْكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ، ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهُ، فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ

حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو (نماز ادا کرتے) دیکھا (چنانچہ آپ ﷺ نے یوں نماز ادا فرمائی) کہ جب آپ ﷺ نے تکبیر کہی تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر اٹھایا اور

---

[1] سنن ابی داود: 840- سنن النسائی: 207/2- امام نووی رحمہ اللہ "المجموع" (381/3) میں لکھتے ہیں: اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔ (دیکھیں: فیض القدیر للمناوی: 373/1)

[2] صحیح مسلم: 498.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسْتَوَى حَتَّى يَعُودَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ ، فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا ، وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ ، وَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلَى رِجْلِهِ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْيُمْنَى ، وَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْأُخْرَى ، وَقَعَدَ عَلَى مَقْعَدَتِهِ)) .

جب آپ ﷺ رکوع میں گئے تو آپ ﷺ نے اپنے دونوں گھٹنوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے تھام لیا اور اپنی کمر کو جھکا (کر اسے سر کے برابر کر) لیا، پھر (رکوع سے) اپنا سر اٹھا کر سیدھے کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ ریڑھ کی ہر ہر ہڈی اپنی جگہ پر آ گئی اور جب آپ ﷺ نے سجدہ کیا تو آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر اس حال میں رکھا کہ نہ تو وہ بچھے ہوئے تھے (یعنی ہاتھوں کی کلائیاں بچھی ہوئی نہ تھیں) اور نہ آپ ﷺ نے ان کو بند کیا ہوا تھا (یعنی ہاتھوں کو سینے کی طرف ملایا ہوا نہ تھا) اور آپ ﷺ نے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رُو کر لیا تھا اور جب آپ ﷺ دو رکعات (ادا کرنے) پر بیٹھے تھے تو اپنے بائیں پاؤں (کو بچھا کر اس) پر بیٹھے اور داہنے کو کھڑا کر لیا تھا اور جب آخری رکعت میں بیٹھے تو اپنے بائیں پاؤں کو (داہنی طرف) باہر نکال دیا اور دوسرے (یعنی داہنے) پاؤں کو کھڑا کر لیا اور اپنی سرین پر بیٹھے۔ [1]

أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ .

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :...... جَعَلَ يَدَيْهِ: یہاں جَعَلَ کا معنی رَفَعَ ہے۔جیسا کہ ایک دوسری روایت میں اس کی یہی تفسیر آتی ہے۔

حَذْوَ: یہ حِذَاءٌ کے معنی میں ہے، یہ برابری کو کہتے ہیں۔اسی لیے جوتوں کو حَذَاءَیْنِ کہتے ہیں کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے برابر ہوتا ہے۔

مَنْكِبَيْهِ: یہ مَنْكِبٌ کی تثنیہ ہے۔مراد کندھا ہے۔اب ہاتھوں کو کندھوں کے برابر کرنے سے کیا مراد ہے: ہتھیلی کو کندھے کے برابر کرنا، یا انگلیوں کے پوروں کو کندھوں کے برابر کرنا، یا ہتھیلی کی جڑ کو کندھے کے برابر کرنا۔ روایات میں ان تینوں ہی باتوں کا تذکرہ ملتا ہے اور یہ عبادتِ متنوعہ کی قبیل سے ہے۔البتہ مناسب یہ ہے کہ اسے وسط پر محمول کیا جائے۔یعنی ہتھیلی کا کندھے کے برابر ہونا۔ رہا دوسرا مسئلہ کہ تکبیر کے لیے رفع یدین کرتے وقت انگلیاں کس حال میں ہوں، بند یا کھلی؟ تو اس کو دوسری روایات سے سمجھا جا سکتا ہے۔جیسا کہ آگے آ جائے گا۔

أَمْكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ: أَمْكَنَ سے مراد ضَمَّ ہے یعنی رکوع میں گھٹنوں کو ہاتھوں سے مضبوطی سے تھام لیا جائے۔ اس طور پر کہ ہاتھ بند ہو جائیں اور گھٹنے کی ہڈی ہاتھوں میں ہو۔

هَصَرَ ظَهْرَهُ: هَصْرٌ پست کرنے اور جھکانے کو کہتے ہیں۔مراد پیٹھ کو سر کے برابر سیدھا کرنا ہے۔لہٰذا پیٹھ نہ تو سر سے

[1] صحیح البخاري، 828.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوپر ہو اور نہ زیادہ دبی ہو۔

فَاِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ اسْتَوٰی: استواء کے متعدد معانی آتے ہیں مگر یہاں مراد اعتدال اور سیدھا کھڑا ہونا ہے۔

حَتّٰی یَعُوْدَ کُلُّ فَقَارٍ عَلٰی مَکَانِهٖ: کیونکہ جب آدمی معتدل کھڑا ہوتا ہے تو اس کی ریڑھ کی ہر ہر ہڈی اپنی جگہ پر آ جاتی ہے۔ چنانچہ رکوع میں جو ہڈیاں اپنی طبعی جگہ سے ہٹ گئی تھیں وہ قومہ میں سیدھا کھڑے ہونے سے اپنی جگہ لوٹ آتی ہیں۔

فَقَار: سر سے لے کر سرین کے قریب تک ہڈیوں کی جو ایک زنجیر ہوتی ہے اسے فَقَار کہتے ہیں۔ (اردو میں اسے ریڑھ کی ہڈیاں کہتے ہیں۔) بدنِ انسانی میں ان کی تعداد تینتیس ہے۔ سات گردن میں، بارہ کمر میں پسلیوں کے درمیان، پانچ پیٹ میں، پانچ سرین میں اور چار سرین کی جڑ میں ہوتی ہیں۔ [1]

غَیْرَ مُفْتَرِشٍ: اس سے مراد کلائیوں کو زمین پر نہ بچھانا ہے یعنی سجدہ میں صرف ہتھیلیوں کو زمین پر رکھے اور کلائیاں نہ بچھائے۔ بلکہ ان کو اٹھا کر سیدھا رکھے۔ البتہ وہ پیٹ اور پہلوؤں سے بھی جدا ہوں اور اتنی کھلی بھی نہ ہوں کہ ساتھ کے نمازی کو ان سے تکلیف پہنچے۔

وَ لَا قَابِضِهِمَا: یعنی ان ہاتھوں کو سینے کی طرف ملا کر نہ رکھے کہ اس طرح سجدہ زیادہ جم کر اور بشاشت اور طبعی انبساط کے ساتھ ہوتا ہے۔

وَ اسْتَقْبَلَ بِاَطْرَافِ اَصَابِعِ رِجْلَیْهِ الْقِبْلَةَ: تب پھر پاؤں کی نسبت سجدہ انگلیوں کے سروں پر ہوگا۔ کیونکہ پاؤں کی انگلیاں تب ہی قبلہ رخ ہو سکتی ہیں جب زمین پر ان کے سرے رکھے جائیں۔ اسی لیے امام نووی رحمہ اللہ نے سجدہ میں پاؤں کو سیدھا رکھنے کو کہا ہے۔ [2]

وَ اِذَا جَلَسَ فِی الرَّکْعَتَیْنِ: مراد پہلے تشہد میں بیٹھنا ہے جبکہ نماز رباعیہ یا ثلاثیہ ہو اور اگر نماز ثنائیہ ہو تو اس سے مراد آخری تشہد میں بیٹھنا ہوگا کیونکہ صلوۃ ثنائیہ کے حق میں پہلا تشہد ہی اس کا آخری تشہد ہے۔

جَلَسَ عَلٰی رِجْلِهِ الْیُسْرٰی وَ نَصَبَ الْیُمْنٰی: بائیں پاؤں پر بیٹھنا اس کو زمین پر بچھا دینے سے حاصل ہوگا۔ یوں پاؤں کا باطن تو سرینوں کو لگے لگا جبکہ اس کا ظاہر زمین کو چھو رہا ہوگا اور داہنے پاؤں کو کھڑا کرنا اس کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنے سے ہوگا۔

وَ اِذَا جَلَسَ فِی الرَّکْعَةِ الْاَخِیْرَةِ: مراد آخر تشہد میں بیٹھنا ہے۔

قَدَّمَ رِجْلَهُ الْیُسْرٰی: مراد بائیں پاؤں کو باہر کی طرف نکلنا ہے نہ کہ اس کو امام کی طرف یعنی قبلہ کی طرف آگے بڑھانا ہے اور یہ بائیں پاؤں کو دہنی طرف نکالنا ہوگا نہ کہ بائیں پاؤں کو بائیں طرف ہی نکالنا ہے کیونکہ اس طور پر پاؤں باہر نکالنے میں سخت تکلیف اور مشقت ہے۔

وَ نَصَبَ الْاُخْرٰی: اَلْاُخْرٰی سے مراد داہنا پاؤں ہے کہ اس کو کھڑا کر کے رکھے گا جس کی ہیئت اوپر مذکور ہو چکی ہے۔

وَ جَلَسَ عَلٰی مَقْعَدَتِهٖ: مراد سرینوں پر بیٹھنا ہے۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں بھی بنیادی طور پر نماز ادا کرنے کا طریقہ مذکور ہے۔ اس ضمن میں جو

---

[1] تکمیل القاموس الوحید، ص: 1246۔ (نسیم) [2] المجموع: 392/3.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فوائد معلوم ہوئے، ان کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- تکبیر تحریمہ مشروع ہے اور نماز کا رکن ہے اس کے الفاظ کی بابت تفصیل بیان ہو چکی ہے۔
- تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھانا مشروع ہے جس کی بابت قولِ وسط کو ذکر کر دیا گیا ہے۔ البتہ تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کے وقت ہاتھوں کی انگلیاں باہم ملی ہوں، کھلی نہ ہوں۔
- علماء نے تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کی درج ذیل دو حکمتیں ذکر کی ہیں:
  - ...... گویا کہ رفع یدین کر کے بندہ اپنے اور رب تعالیٰ کے درمیان حجاب کو ہٹا رہا ہے اور غفلتوں سے باہر آ رہا ہے۔
  - ...... دوسرے یہ کہ رفع یدین تکبیر کی زینت ہے اور یہ بات مشاہدہ میں ہے کہ ہاتھوں کو اٹھائے بغیر تکبیر ناقص سی لگتی ہے۔
- رکوع میں گھٹنوں کو ہاتھوں سے مضبوطی کے ساتھ تھامنا مسنون ہے۔ لہٰذا گھٹنوں پر لٹکے اور ڈھیلے ہاتھ رکھنا خلافِ سنت ہوگا۔
- رکوع میں کمر سیدھی ہو، نہ اونچی کہ کمان سی لگے اور نہ پست کہ ایک گڑھا سا لگے۔ لہٰذا رکوع میں کمر کو سر سے اونچا یا نیچا رکھنا خلافِ سنت ہوگا۔
- رکوع سے اٹھ کر قومہ میں آنا اور اعتدال کے ساتھ سیدھا کھڑا ہونا لازم ہے جس کو حدیثِ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں طمانیت کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔
- سجدہ میں کلائیوں کو زمین پر بچھانا غیر مشروع ہے بلکہ ایسا کرنے کی نہی وارد ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ ایسا کرنا کتوں وغیرہ درندوں کی طرح بازوؤں کو زمین پر رکھنا ہے۔ لہٰذا سنت یہ ہے کہ کلائیاں اوپر کو اٹھی ہوں جس کی حدود و قیود کو غریب الحدیث کے تحت ذکر کر دیا گیا ہے۔
- یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نماز میں حیوانات کی مشابہت اختیار کرنا منع ہے۔
- سجدہ میں پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ ہوں کہ سنت یہی ہے۔ البتہ اگر کسی نے پاؤں کی انگلیوں کے سرے زمین پر بچھا دیئے تو سجدہ بہرحال ہو جائے گا گو خلافِ سنت ہوگا۔
- سجدہ میں دونوں پاؤں کی ہیئت کیا ہو؟ دونوں ملے ہوں یا ان میں بالشت بھر کا فاصلہ ہو؟ تو اس بارے علماء کے دونوں اقوال ہیں۔ لیکن راجح قول یہ ہے کہ دونوں پاؤں کو اپنی طبعی حالت پر چھوڑ دے چنانچہ نہ ساتھ ملانے کا تکلف کرے اور نہ بالشت بھر کا فصل ہی کرے۔ لہٰذا دونوں میں فاصلہ ہر ایک کے بدن کی طبعی ساخت کے سپرد ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود بھی ہم یہ کہتے ہیں کہ ظاہر سنت دونوں پاؤں کو سجدہ میں ملا کر رکھنا ہے۔ جیسا کہ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آتا ہے کہ "جب میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ نہ پایا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (ٹٹول کر) ڈھونڈنے لگی تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ میں دونوں پاؤں کو کھڑا کیے ہوئے پایا کیونکہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین پر جب پڑا تھا تو وہ دونوں کھڑے تھے۔ [1] جو اس بات کی صاف دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں پاؤں مبارک ملے ہوئے تھے وگرنہ ایک عورت کا ہاتھ دو پاؤں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

[1] صحیح مسلم: 486

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جبکہ بعض علماء نے اس کی مزید حکمت یہ بھی لکھی ہے کہ دونوں پاؤں کو ملانا زیادہ ساتر ہے۔ غرض اگر تو یہ ثابت ہو تو دونوں پاؤں کو ملایا جائے وگرنہ اس قدر سنت ضرور ہے کہ سجدہ میں دونوں پاؤں کی انگلیوں کے سرے قبلہ رو ہوں۔

- پہلے قعدہ میں بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھے۔ اسے افتراش کہتے ہیں اور راجح قول یہ ہے کہ اس میں صرف اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ تک پڑھے۔ کیونکہ طویل دعا کا محل آخری تشہد ہے۔ جیسا کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں ارشاد ہے کہ اس کے بعد جو چاہے دعا پڑھ۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری تشہد خفیف پڑھتے تھے۔ [1] لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ پہلا تشہد خفیف اور مذکورہ شہادتین تک ہے۔ جیسا کہ مذہب حنابلہ میں مشہور ہے۔
- اگر کوئی عذر ہو تو تشہد میں چوکڑی مار کر بھی بیٹھ سکتے ہیں البتہ کتے کے جیسا بیٹھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔
- آخری قعدہ میں تورّک کرے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں اس کا مفصل طریقہ مذکور ہے اور غریب الحدیث کے تحت اس کی تفصیل ذکر کر دی گئی ہے۔ آخری تشہد میں تورک کرنے کی حکمت یہ ہے کہ

(1) ایک تو تورک دیکھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ نمازی اپنی نماز کے آخر میں ہے۔

(2) دوسرے آخری تشہد بہ نسبت پہلے کے طویل ہوتا ہے اور تورک بہ نسبت افتراش کے سہل اور آسان ہے۔

چنانچہ تورک میں بہ نسبت افتراش کے زیادہ دیر تک بیٹھنا آسان ہے۔

- مذکورہ تورّک صلوٰۃ رباعیہ یا ثلاثیہ میں ہے جن میں دو تشہد ہوتے ہیں۔ رہی صلوۃ ثنائیہ جس میں ایک ہی تشہد ہوتا ہے، تو اس میں تورّک کے مسنون ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک قول صلوٰۃ ثنائیہ میں بھی تورّک کرنے کا ہے کیونکہ طولِ تشہد اس نماز میں بھی ہے۔ جبکہ راجح قول صلوٰۃ ثنائیہ میں تورّک نہ ہونے کا ہے کیونکہ اگر اس نماز میں تورّک کے مسنون ہونے کی ایک علت موجود ہے تو دوسری بہر حال مفقود ہے اور وہ دو تشہدوں میں فرق کرنا ہے۔ لہٰذا صحیح قول یہ ہے کہ تورّک ہر اس نماز کے لیے مسنون ہے جس میں دو تشہد ہوں چاہے وہ نماز رباعیہ ہو یا چاہے ثلاثیہ ہو۔ تورّک کی چند اور بھی ہیئات مروی ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔
- ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حفظ کرنے کے کس قدر حریص تھے۔

دعائے استفتاح اور اس کے معانی

267- وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ رضي الله عنه: عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ((أَنَّهُ كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ، قَالَ: ((وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ- إِلَى قَوْلِهِ- مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے: ((وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ)) إِلَى قَوْلِهِ: ((مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ، اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ ،

[1] زاد المعاد: 245/1.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَنْتَ ، أَنْتَ رَبِّي وَأَنَا عَبْدُكَ)) إِلَى آخِرِهِ .

أَنْتَ رَبِّي وَأَنَا عَبْدُكَ إِلَى آخِرِهِ .)) ’’میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف پھیر دیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے ......اس قول تک......اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں ۔ اے اللہ تو بادشاہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو ہی میرا پالنہار ہے اور میں تیرا (محض) بندہ ہوں......دعا کے آخر تک......۔ ❶

رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ: ((إِنَّ ذَلِكَ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ)) .

اور صحیح مسلم کی ہی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ’’یہ رات کی نماز میں تھا۔‘‘ (یعنی آپ ﷺ یہ دعا تہجد کی نماز میں پڑھا کرتے تھے۔)

غریب الحدیث :......اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ: ان الفاظ کے ظاہر سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ آپ ﷺ یہ دعا نماز کے لیے کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کہنے سے قبل پڑھتے تھے۔ لیکن صحیح مسلم کی بعض روایات میں اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ کے بعد وَ كَبَّرَ کے الفاظ بھی ہیں۔ ان الفاظ کو صحیح مسلم کے شارحین نے نقل کیا ہے۔ لیکن یہ الفاظ صحیح مسلم میں مجھے نہیں ملے۔ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس دعا میں دونوں احتمال ہیں کہ یا تو آپ ﷺ نے یہ دعا تکبیر سے قبل پڑھی تھی، یا پھر تکبیر تحریمہ کہہ لینے کے بعد پڑھی تھی۔ چنانچہ اگر تو آپ ﷺ نے یہ دعا تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی تھی تو پھر استفتاح صلوٰۃ کی ایک دعا یہ بھی ہو گی اور اگر اس کو تکبیر سے قبل پڑھا تھا تب پھر اس دعا کو استفتاحِ صلوٰۃ کی دعاؤں میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔

وَجَّهْتُ: یعنی جَعَلْتُ .

وَجْهِيَ: وجه سے مراد حسّی وجه (یعنی ظاہری چہرہ) بھی ہے اور معنوی وجه (یعنی قلبی توجہ) بھی ہے۔ تب پھر مطلب یہ بنا کہ اے اللہ میں نے اپنا ظاہری اور باطنی وجود تیری طرف کر لیا ہے۔

لِلَّذِيْ فَطَرَ: یہ جہت کا بیان ہے کہ کس طرف چہرہ کیا ہے؟ تو اس ذات کی طرف کیا ہے جس نے زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور وہ رب تعالیٰ کی ذات ہے۔ جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (فاطر : 1) ’’جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔‘‘

فَطَرَ: علماء نے لکھا ہے کہ فَطَرَ کسی شے کا پہلی مرتبہ کرنا اور بنانا ہے، تب پھر فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَ الْاَرْضَ کا معنی یہ ہو گا کہ رب تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پہلے سے موجود کسی مثال اور نمونے کے بغیر پیدا کیا ہے۔ یعنی زمین اور آسمان کو اس صورت پر پہلی بار رب تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے۔ کتاب وسنت کی نصوص بتلاتی ہیں کہ زمین اور آسمان دونوں سات سات ہیں۔

اِلٰی قَوْلِهٖ: مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ: اس سے کس کا قول مراد ہے؟ تو اس سے رب تعالیٰ کا قول مراد ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ٥ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا

❶ صحيح مسلم: 771 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَo﴾ (الانعام: 162-163)

''کہہ دے بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے، جو جہانوں کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں حکم ماننے والوں میں سب سے پہلا ہوں۔''

تب پھر درست عبارت یوں ہے: اِلٰی قَوْلِهٖ: وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ .

وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ: ان الفاظ پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ کیونکر ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ آپ ﷺ سے قبل بھی ایک لاکھ سے زائد انبیاء و مرسلین علیہم السلام گزرے ہیں جو مسلمان تھے۔

اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ مراد اس امت کا سب سے پہلا مسلمان ہے۔ ایک جواب یہ ہے کہ یہاں اوّلیت صفت کے اعتبار سے مراد ہے نہ کہ زمانہ کے اعتبار سے۔ یعنی میں سب انسانوں سے زیادہ اسلام کی سبقت کرنے والا ہوں۔ تب پھر ہمیں یہ تاویل کرنے کی احتیاج نہیں رہتی کہ یہاں اولیت نسبتیہ مراد ہے۔ کیونکہ ہم یہ بات بالیقین جانتے ہیں کہ سب سے زیادہ شدت و سختی اور تاکید و اہتمام اور طاعت و انقیاد کے ساتھ اسلام کی طرف بڑھنے والے جنابِ رسول اللہ ﷺ ہی ہیں اور یہاں اوّلیت سے اوّلیتِ زمانی نہیں بلکہ اوّلیت حالیہ مراد ہے۔

اَللّٰهُمَّ: اس پر کتاب کے مقدمہ میں تفصیلی کلام گزر چکا ہے۔

اَنْتَ الْمَلِكُ: مراد وہ ہستی ہے جس کی بادشاہت، قدرت اور غلبہ سب کامل و تام اور شامل و عام ہو اور وہ صرف اور صرف رب تعالیٰ کی ذات ہے جو ملک الملوک ہے جس کے سوا کوئی حقیقی بادشاہ نہیں۔ اس کا تصرف بھی مطلق ہے اور غلبہ بھی کامل و مکمل ہے۔

لَا اِلٰهَ: اس کی ترکیب پر تفصیلی کلام مقدمہ کتاب میں گزر چکا ہے۔

اَنْتَ رَبِّيْ: اس میں رب تعالیٰ کی ربوبیت کا تحقق ہے۔

وَ اَنَا عَبْدُكَ: اس میں رب تعالیٰ کی الوہیت کا تحقق ہے۔ کیونکہ بندہ لامحالہ اپنے رب اور معبود کی منشا کے مطابق اس کی عبادت کرے گا۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں نماز کے شروع میں تکبیر سے قبل یا تکبیر کے بعد (علی حسبِ الاختلاف) مذکورہ دعا کے پڑھنے کا بیان ہے۔ لیکن چونکہ مذکورہ دعا رات کی نماز سے متعلق تھی نہ کہ ہر نماز سے متعلق اس لیے امام موصوف اس حدیث کو اختصار کے ساتھ لے کر آئے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مذکورہ دعا کے ساتھ بھی نماز کو شروع کر سکتے ہیں کیونکہ یہ دعا نبی کریم ﷺ سے وارد ہے۔
- زمین و آسمان کا خالق و مالک اللہ ہے۔
- نماز بالخصوص اور دیگر جملہ عبادات کو خالص اللہ ہی کے لیے ادا کیا جائے۔
- ربوبیت اور الوہیت صرف اللہ ہی کے لیے ثابت ہے۔
- آدمی کا جینا اور مرنا صرف اور صرف اللہ کے لیے ہی ہونا چاہیے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ زندگی اور موت کے اور مابعد الموت کے جملہ احوال کی اصلاح و درستی کا اختیار صرف اللہ ہی کے پاس ہے لہٰذا جملہ اصلاحِ احوال کی دعا بھی صرف اللہ ہی سے مانگی جائے۔

◈ نبی کریم ﷺ بھی رب تعالیٰ کے اوامر کے مکلّف ہیں۔

◈ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ ......اس دعا میں رب تعالیٰ کے لیے اخلاص کا بیان ہے۔

◈ نبی کریم ﷺ رب تعالیٰ کے معبود برحق ہونے کا اور اپنے محض بندہ ہونے کا اقرار فرمارہے ہیں۔ آپ ؐ سب سے زیادہ رب تعالیٰ سے ڈرنے والے اور اس کے عبادت گزار بندے تھے۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں یہ مضمون مذکور ہے۔ ❶

◈ نبی کریم ﷺ بھی اپنی جملہ حاجات میں رب ذوالجلال والاکرام کے حضور دستِ سوال دراز کرنے کے محتاج ہیں۔ چنانچہ اگر آپ ﷺ رب تعالیٰ کی ذات سے غنی ہوتے تو آپ ﷺ رب کے حضور دعا کے لیے ہاتھ نہ پھیلاتے۔ لیکن آپ ﷺ کا دعا مانگنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ رب تعالیٰ کے محتاج، نیاز منداور سوالی ہیں۔

◈ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ ...... یہ پوری دعا بے شمار فوائد پر مشتمل ہے لیکن امام موصوف نے اختصار کی غرض سے دعا کے باقی حصہ کو قلم انداز کر دیا ہے اس لیے ہم بھی امام موصوف کی پیروی میں اس دعا کے باقی مندرجات کی تفصیل کو قلم انداز کرتے ہیں۔

تکبیر تحریمہ کے بعد کی ایک دعا

268- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا كَبَّرَ لِلصَّلَاةِ سَكَتَ هُنَيْهَةً قَبْلَ أَنْ يَقْرَأَ ، فَسَأَلْتُهُ ، فَقَالَ: ((أَقُولُ : اللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ، اللّٰهُمَّ نَقِّنِي مِنْ خَطَايَايَ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ ، اللّٰهُمَّ اغْسِلْنِي مِنْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ)) .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب نماز کی تکبیر (تحریمہ) کہہ لیتے تھے تو قراءت شروع کرنے سے قبل کچھ دیر کے لیے ایک سکوت فرمایا کرتے تھے سو میں نے (جب) آپ ﷺ سے (اس سکوت کے بارے میں) دریافت کیا (کہ آپ ﷺ اس سکوت کے دوران کیا پڑھتے ہیں؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں (اس دوران) یہ دعا پڑھتا ہوں: ((اللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ ...... وَالْبَرَدِ .)) ❷ ''اے اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اتنا طویل فاصلہ کر دے جتنا طویل فاصلہ تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان کر دیا ہے (اور) اے اللہ! مجھے میری خطاؤں سے ایسا پاک صاف کر دے جیسا کہ سفید کپڑا میل کچیل سے پاک صاف کر دیا جاتا ہے (اور) اے اللہ! میری خطاؤں کو پانی سے اور برف سے اور اولوں سے دھو ڈال۔''

---

❶ دیکھیں: صحیح مسلم: 1110 عن عائشة رضي الله عنها.

❷ صحیح البخاری: 744- صحیح مسلم: 598.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث: ......إِذَا كَبَّرَ: مراد تکبیر تحریمہ ہے اور یہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہنا ہے۔ هُنَيْهَةً: یہ صیغہ صفت ہے اور اس کا موصوف محذوف ہے لہٰذا تقدیری عبارت ہے: سَكَتَ سُكُوْتًا هُنَيْهَةً. مراد تھوڑی دیر کے لیے خاموش رہنا ہے۔

قَبْلَ اَنْ يَقْرَأَ فَسَأَلْتُهُ: امام موصوف رحمہ اللہ نے اس مقام پر روایت حدیث میں اختصار سے کام لیا ہے اور کاش امام موصوف ایسا نہ کرتے۔ کیونکہ اس روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی مذکور ہے کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر اور قراءت کے درمیان جو سکوت فرماتے ہیں اس کے بارے میں مجھے خبر دیجیے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا پڑھتے ہیں؟ جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ میں اس دوران یہ دعا پڑھتا ہوں۔ یاد رہے کہ یہاں سکوت سے مراد آواز کا بلند نہ کرنا ہے۔

بَاعِدْ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ خَطَايَايَ: یعنی خطاؤں کو مجھ سے اتنا دُور کر دے جتنا مشرق اور مغرب کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے تاکہ میں خطا کر ہی نہ سکوں۔ بلاشبہ یہ بُعد کے بیان میں از حد مبالغہ ہے۔

خَطَايَا: یہ خَطِيْئَةٌ کی جمع ہے۔ خطا اس برائی کو کہتے ہیں جو آدمی جان بوجھ کر کرتا ہے۔

نَقِّنِيْ: یعنی مجھے ان خطاؤں سے جدا کر دے۔ جیسا کہ سفید کپڑا میل کچیل سے دُور کر کے پاک صاف کر دیا جاتا ہے۔ سفید کپڑے کا ذکر اس لیے فرمایا کیونکہ اس پر میل کا اثر دُور سے نظر آتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اغْسِلْنِيْ: دھونے کا مآل کار اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ میل کچیل کے اثر کو دُور کر دیتا ہے۔ دعا کی ان دو تعبیروں سے معلوم ہوا کہ کچھ خطائیں ایسی ہیں جو ابھی تک بندے سے سرزد نہیں ہوئی ہوتیں ان کے بارے یہ دعا مانگنے کی تعلیم فرمائی کہ اے اللہ انہیں مجھ سے دُور کر دے، اور خطاؤں کی دوسری قسم وہ ہے جو بندہ کر بیٹھتا ہے، ان کی بابت یہ دعا مانگنے کی تعلیم فرمائی کہ اے اللہ مجھے ان کے برے اثرات سے پاک صاف کر دے اور ان سے دھو دے۔ ذرا غور کیجیے کہ یہ کیسی بلیغ ترین طبعی ترتیب کا بیان ہے۔

بِالْمَاءِ وَ الثَّلْجِ وَ الْبَرَدِ: ماء: پانی۔ یہ معروف ہے۔

اَلثَّلْج: جما ہوا پانی جس کو برف کہتے ہیں۔ مراد وہ جما ہوا پانی ہے جو زمین پر جمے۔

اَلْبَرَد: آسمان سے برسنے والے اولے۔ یعنی وہ جما ہوا پانی جو آسمان میں تیرتے بادلوں میں جمے اور بعد میں جمی ہوئی شکل میں برسے جس کو عرف میں اولے کہتے ہیں۔ اب پانی تو میل کچیل کا ازالہ کرتا ہے اس کے ذکر میں کوئی اشکال نہیں۔ لیکن برف اور اولوں کے میل صاف کرنے میں بہر حال اشکال ہے۔ کیونکہ گرم پانی بہ نسبت برفیلے اور اولوں والے ٹھنڈے پانی کے زیادہ میل کچیل دُور کرتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مذکورہ قضیہ میلے کپڑے دھونے کا نہیں بلکہ گناہوں کے اثرات بد کو دھونے کا قضیہ ہے۔ گناہ اپنی فطری خاصیت میں گرم ہوتے ہیں اور ان کا انجام آتش جہنم ہوتا ہے اور کسی بھی شے کا علاج اس کی ضد سے کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے گناہوں کی میل کچیل کے دھونے کو برف اور اولوں سے دھونے کے ساتھ ذکر فرمایا۔

مضمون حدیث: ......اس حدیث میں دعائے استفتاح کا ذکر ہے۔ جب اس کو گزشتہ مذکورہ دعا کی طرف اضافت کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دعائے استفتاح کی کئی قسمیں ہیں جن میں سے ایک دعا یہ بھی ہے اور یہ عبادات کے تنوع میں سے ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نماز میں داخل ہوتے وقت تکبیرِ تحریمہ پڑھنا مشروع اور ارکانِ صلوٰۃ میں سے ایک رکن ہے۔
- دعائے استفتاح کو سراً پڑھنا مشروع ہے جیسا کہ سَكَتَ هُنَيْهَةً کے الفاظ بتلاتے ہیں۔
- سکوت کا اطلاق اس قول پر بھی ہوتا ہے جو سنائی نہ دے چاہے متکلم نے اس کا تکلم بھی کیا ہو۔
- نماز میں سرے سے کوئی سکوت نہیں بلکہ نماز ساری کی ساری ذکر ہے۔ ہاں کوئی ذکر جہری تو کوئی ذکر سری ہے۔
- حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جناب رسول اللہ ﷺ کا بے حد ادب کیا کرتے تھے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک سوال کرنے سے قبل وہ بات کہی جوان کے بے پناہ ادب اور جنابِ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عظمتِ احترام کو بتلاتی ہے۔ چنانچہ پہلے یہ عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں۔'' پھر اگلا سوال کیا۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ والدین کو نبی کریم ﷺ پر قربان کر سکتے ہیں۔
- نماز میں مذکورہ بالا دعاءِ استفتاح بھی مشروع ہے، اور گو کہ یہ قصہ جہری نماز کا ہے، اسی لیے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کے کچھ دیر خاموش ہونے پر تعجب ہوا تھا۔ لیکن اس دعا کا پڑھنا جہری اور سری دونوں نمازوں کے لیے ہے۔
- دعائے استفتاح تعددِ عبادات کے تنوع میں سے ہے۔ اس لیے سنت کی کامل اتباع یہ ہے کہ ان جملہ مروی دعاؤں میں سے کبھی ایک تو کبھی دوسری پڑھ لی جائے۔
- بندے کا گناہوں سے دُور ہونا بے حد عظیم امر ہے جیسا کہ اس دعا میں گناہوں سے مشرق ومغرب کی سی دُوری مانگنے کی تعلیم ہے۔ یہ دعا خطاؤں کے سرزد ہونے سے قبل کی ہے۔
- آگے یہ دعا مانگنے کی تعلیم ہے کہ اگر خطائیں سرزد ہو جائیں تو رب تعالیٰ ان کے برے اثرات سے نجات دے کر بندے کو پاک صاف کر دے۔
- جبکہ آخر میں پانی، برف اور اولوں سے گناہ دھو دینے کی دعا مانگنے کی تعلیم میں تنقیہ وتنظیف کی تمامیت ہے۔
- مذکورہ دعا سے جنابِ رسول اللہ ﷺ سے خطاؤں کے سرزد ہو جانے کا احتمال وامکان مستفاد ہوتا ہے لیکن یہ خطا بھی آپ ﷺ کے مرتبہ اور شان کے مطابق ہے نہ کہ مطلق خطا۔
- اگرچہ آپ ﷺ کے لیے اگلے پچھلے گناہوں کے معاف کر دیئے جانے کا وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ ایسی دعائیں مانگا کرتے تھے، تو اس کے دو فوائد ہیں:

  (1) ایک تو یہ کہ دعا بذاتِ خود ایک عبادت ہے۔

  (2) بسا اوقات یہی دعائیں عند اللہ گناہوں کی مغفرت کا سبب بن جاتی ہیں۔
- یہ بات حکمت میں سے ہے کہ ایک شے کا علاج، معالجہ اور مداوا اس کی ضد سے کیا جائے جیسا کہ غریب الحدیث کے تحت اس کی تفصیل گزری ہے۔

ایک اور دعائے استفتاح

269,270۔ وَعَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ (نماز کے شروع میں) یہ دعا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ ، وَبِحَمْدِكَ ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ ، وَتَعَالَى جَدُّكَ ، وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ .

پڑھا کرتے تھے: ((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ، ...... وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ .)) ❶ ''اے اللہ! تیری ذات پاک اور منزہ ہے اور میں تیری تقدیس بیان کرتا ہوں اور سارے کمالات اور خوبیاں تجھ میں ہیں میں تیری حمد بیان کرتا ہوں اور تیرا نام بڑا بابرکت ہے اور تیری شان بہت اعلیٰ ہے اور تو ہی معبودِ برحق ہے تیرے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں ہے۔''

رَوَاهُ مُسْلِمٌ بِسَنَدٍ مُنْقَطِعٍ . وَلِلدَّارَ قُطْنِيِّ مَوْصُولًا ، هُوَ مَوْقُوفٌ .

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے منقطع سند کے ساتھ اور امام دارقطنی نے موصولاً بیان کیا ہے۔ یہ روایت موقوف ہے۔

درایۃ الحدیث :...... عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ : یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دعا لوگوں کی تعلیم کے لیے جہراً پڑھا کرتے تھے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جنازہ کی قراءت کو جہراً کیا تھا اور بعد میں یہ فرمایا: میں نے ایسا اس لیے کیا تا کہ لوگ جان لیں کہ یہ سنت ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دعائے استفتاح جہراً پڑھا کرتے تھے، کیونکہ اس دعا میں رب تعالیٰ کی نری تعریف اور خالص اس کی حمد و ثنا ہے لیکن یہ ثنا دعا کو بھی متضمن ہے کیونکہ یہ ثنا کرنے والا رب تعالیٰ سے اجر و ثواب کا متمنی و طالب بھی ہے۔ لہٰذا یہ ثنا دعا بھی ہے۔

غریب الحدیث :...... سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ : ان کلمات میں رب تعالیٰ کو ہر قسم کے عیوب سے اور ہر اس صفت سے پاک اور منزہ قرار دیا گیا ہے جو اس کی مخلوق کے مماثل ہو۔ چنانچہ ان کلمات میں رب تعالیٰ کی تین باتوں سے تنزیہ کو بیان کیا گیا ہے۔

(1) رب تعالیٰ ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک ہے جیسے اندھا ہونا، بہرا ہونا اور گونگا ہونا وغیرہ کہ رب تعالیٰ ان سب باتوں سے پاک ہے۔

(2) رب تعالیٰ اپنی جملہ صفات میں کمی سے پاک ہے کہ اس کی جملہ صفات درجۂ کمال و تمام پر ہیں اس کی کسی صفت کو نقص اور کمی لاحق نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس کی قوت کو ضعف، اس کی قدرت کو عجز، اس کے علم کو جہل و نسیان وغیرہ میں سے کچھ بھی لاحق نہیں ہو سکتا۔ پس اس کی جملہ صفات ہر قسم کی کمی اور نقص سے پاک اور کامل و اکمل ہیں۔

(3) رب تعالیٰ ہر طرح سے اپنی مخلوق سے مماثلت و مشابہت سے پاک ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (الشوری: 11) ''اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔''

وَبِحَمْدِكَ : علماء نے اس کی تقدیری عبارت یوں بیان کی ہے وَبِحَمْدِكَ سَبَّحْتُ یعنی اے اللہ میں تیری حمد کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں۔ یوں یہ اللہ کی حمد اور ثنا دونوں ہوں گی۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہاں واؤ عطف کے لیے ہے اور یہ صفات کے ایک دوسرے پر عطف کے باب میں سے ہے۔ تب پھر اس کی تقدیری عبارت یہ ہوگی: وَمَعَ تَسْبِيحِيْ إِيَّاكَ أَحْمَدُكَ . ''اے اللہ میں تیری پاکی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ تیری حمد بھی بیان کرتا ہوں۔'' لہٰذا پہلے جملہ میں رب تعالیٰ کی

---

❶ صحیح مسلم: 399۔ سنن الدارقطنی: 300/1.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذات سے نقص کی نفی ہوگی تو اس جملہ سے رب تعالیٰ کے لیے کمال کا اثبات ہوگا۔ بلاشبہ یہ توجیہ پہلی توجیہ سے اکمل ہے۔

وَ تَبَارَكَ اسْمُكَ: یعنی رب ذوالجلال والاکرام کا ''اسم'' مبارک ہے، پس یہ نام جس چیز سے بھی مل جاتا ہے اسے بھی برکت والا بنا دیتا ہے۔ یہاں لفظ ''اسم'' مفرد اور مضاف ہے جو تعمیم کا فائدہ دے رہا ہے لہٰذا یہ حکم رب تعالیٰ کے سب ناموں کو شامل ہے چاہے وہ نام رب تعالیٰ کا ذاتی ہو یا صفاتی۔ اسی لیے ہم بندے رب تعالیٰ کے سب ناموں سے توسل کرتے ہیں ان کے ذریعے رب تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔ چنانچہ ہم بندے یا اللہ، یا رحمٰن، یا رحیم، یا لطیف، یا ودود وغیرہ کہہ کر اسے پکارتے ہیں۔ اس کے نام پر جانوروں کو ذبح کرتے ہیں، اسی کے نام سے اولادیں مانگتے ہیں۔

وَ تَعَالٰی جَدُّكَ: جَدٌّ غنا اور بے پرواہی کو کہتے ہیں یعنی رب تعالیٰ کا غنا بے حد بلند اور عظیم ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ ایک دعائے استفتاح یہ بھی ہے۔ لہٰذا کبھی یہ تو کبھی دوسری دعا پڑھ لی جائے۔
- گو کہ اس روایت کی اسناد منقطع ہے لیکن یہ دعا حضرت عمر رضی اللہ عنہ مانگا کرتے تھے جن کی اتباع کا حکم ہے۔ کیونکہ ان کا شمار ان خلفائے راشدین میں ہوتا ہے جن کی سنت کی پیروی کا حکم ہے۔ [1] لہٰذا جب حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی ایک سنت روایات میں ملے اور اس کے خلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت نہ ملے تو وہ حجت ہوگی۔
- لوگوں کی تعلیم کے لیے بسا اوقات نماز کی دعاؤں کو جہراً بھی پڑھ لینا چاہیے۔
- مذکورہ دعا میں رب تعالیٰ کی تسبیح، تقدیس، تنزیہ اور قدرت وعظمت کی بلندی اور صفاتِ کمالیہ وجلالیہ کا اثبات ہے۔
- رب تعالیٰ کی ذات سراپا برکات ہے لہٰذا اس کے سب نام بھی بابرکت ہیں۔
- معبود حقیقی وہی ایک اکیلا بلاشرکتِ غیرے ہے۔

استعاذہ اور اس کا معنی

وَنَحْوُهُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ مَرْفُوعًا عِنْدَ الْخَمْسَةِ، وَفِيهِ: وَكَانَ يَقُولُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ ((أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، مِنْ هَمْزِهِ، وَنَفْخِهِ، وَنَفْثِهِ)).

اور ائمہ خمسہ کے ہاں ایسی ہی ایک حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: اور تکبیر کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے: ((أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، مِنْ هَمْزِهِ، وَنَفْخِهِ، وَنَفْثِهِ.)) [2] ''میں شیطان مردود کے جنون، اس کی شیخی اور اس کی پھونک (اس کے اشعار) سے اس اللہ کی پناہ میں آتا ہوں جو سب کچھ سننے (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔''

---

[1] اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

[2] سنن ابی داود: 775۔ جامع الترمذی: 242۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس باب میں سب سے مشہور حدیث یہی ہے۔ اس کی اسناد میں محدثین کا کلام ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ سنن النسائی: 132/2۔ سنن ابن ماجہ: 804۔ مسند احمد: 50/3۔ (دیکھیں: نصب الرایۃ: 321/1)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غریب الحدیث :...... اَعُوْذُ: یہ اَعْتَصِمُ کے معنی میں ہے جس کا مطلب ہے، پناہ لینا، کسی کا دامن تھام لینا اور اس کے ساتھ لگ جانا تا کہ وہ اسے باعثِ خوف اور ناگوار امور سے بچائے۔

بِاللّٰهِ: یعنی میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

اَلسَّمِیْعِ: وہ ذات جو صفتِ سَمْع کے ساتھ متصف ہے۔ پھر رب تعالیٰ کا سمع دو قسم کا ہے ایک سمعِ اجابت اور دوسرا سمعِ ادراک۔ سَمِیْع کا صیغہ ان دونوں قسم کے سمع کو شامل ہے۔

اَلْعَلِیْم: علم والا۔ رب تعالیٰ کا علم ہر شے کو محیط ہے۔

اَلشَّیْطَان: یہ ابلیس ہے اور لفظ "شَیْطَان" شَطَنَ سے مشتق ہے۔ جس کا معنی ہے دُور ہونا اور اپنے ساتھی سے دوسرے رخ پر چلنا۔ چونکہ شیطان، رب رحمٰن کی رحمت سے دُور ہے اسی لیے اس کو شیطان کہا جاتا ہے اور مذکورہ دعا میں شیطان سے جنسِ شیطان مراد ہے نہ کہ وہ معین شیطان جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا۔ البتہ جنسِ شیطان مراد لینے میں وہ بھی اس میں داخل شمار ہو گا۔

اَلرَّجِیْم: یہ مَرْجُوْم کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے اور رَاجِم کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ فَعِیْلٌ کا صیغہ فاعل اور مفعول دونوں کے معنی میں آتا ہے۔ "رَجِیْم" یہ رَجْم سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے سنگ باری کرنا، دھتکارنا اور لعنت کرنا۔ لہٰذا جب یہ صیغہ فاعل کے معنی میں ہو گا تو مطلب یہ ہو گا کہ شیطان بنی آدم کو گناہوں کی طرف دھتکارتا اور ان پر آمادہ کرتا ہے اور مفعول کے معنی میں ہونے کا مطلب یہ ہو گا کہ اسے لعنت کر کے رب تعالیٰ کی رحمت سے دُور کر دیا گیا ہے اور اب یہ دھتکارا ہوا اور راندۂ درگاہ ہے۔ هَمْزِهٖ: هَمْز یہ جنون اور دیوانگی کو کہتے ہیں

نَفْخِهٖ: فَا کے سکون کے ساتھ، یہ بڑائی کرنے اور شیخی بگھارنے کو کہتے ہیں گویا کہ جب شیطان کسی میں ہوا بھرتا ہے اور اسے شہ دیتا ہے تو وہ شیخی، بڑائی اور تکبر سے بھر جاتا ہے۔

نَفْثِهٖ: ایک قول یہ ہے کہ نَفْث شعر کو کہتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد پھونک مارنا اور کسی کے جی میں کوئی بات ڈالنا ہے۔

بَعْدَ التَّكْبِيْرِ: یعنی تکبیر تحریمہ اور دعائے استفتاح کے بعد آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے تھے۔ ہم یہ مراد لینے کے اس لیے محتاج ہوئے کیونکہ استعاذہ یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ کا پڑھنا قراءت کے وقت ہوتا ہے اور قراءت تکبیر اور استفتاح کے بعد ہوتی ہے۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ روایت میں استعاذہ کا بیان ہے کہ قراءت شروع کرنے سے قبل رب رحمٰن سے شیطان مردود کے جملہ شرور و فتن سے پناہ مانگی جائے۔ استعاذہ کے احکام کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ کی جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مذکورہ دعا کو استعاذہ کہتے ہیں جس کو اصحابِ سنن نے روایت کیا ہے۔ البتہ صرف اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھنے پر بھی اکتفا کیا جا سکتا ہے۔ جمہور علماء کا مسلک اس دعا کے غیر واجب ہونے کا ہے۔ البتہ جو علماء استعاذہ کے وجوب کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٰمَنُوْا وَ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ○ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَی الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ○﴾

(النحل: 98-100)

''پس جب تو قرآن پڑھے تو مردود شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کر۔ بے شک حقیقت یہ ہے کہ اس کا ان لوگوں پر کوئی غلبہ نہیں جو ایمان لائے اور صرف اپنے رب پر بھروسا رکھتے ہیں۔ اس کا غلبہ تو صرف ان لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور جو اس کی وجہ سے شریک بنانے والے ہیں۔''

قراءتِ قرآن کے وقت استعاذہ کے وجوب کا قول بے شک قوی قول ہے۔ کیونکہ:

(1) ایک تو رب تعالیٰ نے استعاذہ کا حکم دیا ہے۔

(2) دوسرے استعاذہ کی وجہ سے شیطان تدبر قرآن کے درمیان حائل نہیں ہو سکتا۔

(3) تیسرے اس سے قراءت میں نشاط اور دوام حاصل ہوتا ہے۔

◈ یاد رہے کہ امورِ خفیّہ میں استعاذہ صرف اور صرف رب تعالیٰ کی ذات سے ہی ہوتا ہے کیونکہ امورِ حسّیہ میں غیر اللہ سے استعاذہ میں یہ شرط ہے کہ وہ بچانے پر قادر بھی ہو۔ لہٰذا قبر میں پڑے کسی شخص سے امورِ حسّیہ میں استعاذہ عقلاً، عرفاً اور شرعاً تینوں اعتبار سے غیر ممکن ہے لہٰذا مردوں سے استعاذہ شرک کی قبیل میں سے ہوگا جو منع اور حرام ہے۔ امورِ حسّیہ میں غیر اللہ سے استعاذہ کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ ایک دفعہ جب نبی کریم ﷺ نے فتنوں کا ذکر فرمایا تو ارشاد فرمایا: مَنْ وَّجَدَ مُعَاذًا فَلْیَعُذْ بِهٖ. ❶ ''(ان فتنوں کے دوران اگر) کسی کو کوئی جائے پناہ ملتی ہے تو وہ اس کی پناہ لے لے۔''

◈ رب ذوالجلال والاکرام کے لیے سمیع اور علیم کے اسمائے حسنیٰ ثابت ہیں۔

◈ شیطان سے بچا جائے، کیونکہ (1) ایک تو ہمیں اس سے پناہ مانگنے کا حکم ہے۔ (2) دوسرے شیطان ''رجیم'' ہے یعنی یہ بندوں کو گناہوں پر اکساتا ہے۔

◈ معلوم ہوا کہ ھمز، نفخ اور نفث یہ تینوں شیطانی وصف ہیں جو شیطان کے لیے ثابت ہیں، اگر اس میں یہ اوصاف نہ ہوتے تو ان سے پناہ مانگنے کا حکم بھی نہ ہوتا۔

◈ ھمز، نفخ اور نفث سے استعاذہ یہ استعاذۂ عامہ کے بعد استعاذۂ خاصہ کا بیان ہے۔

ان ہیئتوں اور صورتوں کا بیان جن کا اختیار کرنا نماز میں منع ہے

271- وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا، قَالَتْ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَسْتَفْتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيْرِ، وَالْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَكَانَ إِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَأْسَهُ، وَلَمْ يُصَوِّبْهُ، وَلٰكِنْ بَيْنَ ذٰلِكَ. وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَائِمًا، وَ إِذَا

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نماز کو تکبیر کے ساتھ اور قراءت کو الحمد للہ رب العالمین (یعنی سورۂ فاتحہ کی تلاوت) کے ساتھ شروع فرماتے تھے اور جب رکوع میں جاتے تھے تو سر مبارک کو نہ تو اوپر کو اٹھاتے اور نہ نیچے کو جھکاتے تھے۔ بلکہ درمیانی حالت میں رکھتے تھے (یعنی کمر کے بالکل متوازی) اور جب رکوع سے سر مبارک کو

❶ صحیح البخاری: 3601، صحیح مسلم: 2886

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ لَمْ يَسْجُدْ حَتَّى يَسْتَوِيَ جَالِسًا ، وَكَانَ يَقُوْلُ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ ، وَكَانَ يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ الْيُمْنٰى . وَكَانَ يَنْهَى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ ، وَيَنْهَى أَنْ يَفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ افْتِرَاشَ السَّبُعِ ، وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلَاةَ بِالتَّسْلِيْمِ)) .

اٹھاتے تھے تو سجدہ میں (اس وقت تک) نہ جاتے تھے جب تک کہ سیدھے کھڑے (نہ) ہو جاتے تھے اور جب (پہلے) سجدہ سے سر مبارک اٹھاتے تھے تو (دوسرا) سجدہ نہ کرتے تھے یہاں تک کہ سیدھے بیٹھ (نہ) جاتے تھے اور ہر دو رکعات (کے خاتمہ) پر التحیات پڑھتے تھے اور (اس وقت) آپ ﷺ اپنا بایاں قدم مبارک بچھا لیتے تھے اور دایاں قدم مبارک کھڑا کر لیتے تھے اور نبی کریم ﷺ عقبہ شیطان سے (یعنی شیطان کی طرح دونوں پاؤں کو پنجوں کے بل کھڑا کر کے ان کی ایڑیوں پر بیٹھنے سے) منع فرمایا کرتے تھے اور اس بات سے بھی منع فرماتے تھے کہ آدمی (سجدہ میں) اپنی دونوں بانہیں (یعنی کلائیوں کو کہنیوں تک) پھیلا کر زمین پر رکھ دے۔ جیسے درندے زمین پر اپنی کلائیاں بچھا کر بیٹھتے ہیں اور آپ ﷺ نماز کو اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰہ کہہ کر ختم فرماتے تھے۔ ❶

أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ ، وَلَهُ عِلَّةٌ .

اس حدیث کو امام مسلم ﷫ نے روایت کیا ہے اور اس روایت میں ایک علت ہے۔

غریب الحدیث:...... يَسْتَفْتِحُ: یعنی نماز کا آغاز اور اس کی ابتدا فرماتے تھے۔

بِالتَّكْبِيْرِ: یعنی اَللّٰہُ اَکْبَر کہہ کر اور اس کو تکبیرِ تحریمہ کہتے ہیں۔

اَلصَّلٰوۃ: یہ عام ہے لہٰذا یہ فرض، نفل اور حتیٰ کہ اس نماز کو بھی شامل ہے جس میں رکوع اور سجدہ نہ ہو اور وہ نمازِ جنازہ ہے۔

وَ الْقِرَاءَۃَ: اس کے اعراب دو طرح سے ہیں۔ اگر اس پر جر پڑھیں تو اس کا عطف لفظ اَلتَّكْبِيْر پر ہوگا اور اس کا عامل حرفِ جر بَا ہوگا اور اگر اس پر نصب پڑھیں تو اس کا عطف اَلصَّلٰوۃَ پر ہوگا اور اس کا عامل يَسْتَفْتِحُ کا فعل ہوگا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ: اَلْحَمْدُ پر رفع حکایت کے طور پر ہے جبکہ محل کے اعتبار سے یہ بَا حرفِ جر کی وجہ سے مجرور ہے۔ اس سورت کا نام فاتحہ ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کا افتتاح اسی سورت سے ہوتا ہے نہ کہ اس لیے کہ یہ سورت سب سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ سورۂ فاتحہ بے پناہ فضائل و برکات والی سورت ہے۔ کیونکہ:

- ...... یہ قرآنِ کریم کی سب سے عظیم سورت ہے۔
- ...... اسے ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھا جاتا ہے۔
- ...... اس میں برکت اور شفا ہے۔ لہٰذا یہ ایک عجیب دَم بھی ہے۔

---

❶ صحیح مسلم: 498- اس روایت میں علت یہ ہے کہ سیدہ صدیقہ ؓ سے روایت کرنے والے راوی ابو الجوزاء کے بارے میں ابن عبدالبر نے یہ کہا ہے کہ ان کا سماع سیدہ صدیقہ ؓ سے ثابت نہیں لہٰذا ان کی سیدہ صدیقہ ؓ سے روایت مرسل کہلائے گی۔ (دیکھیں: التمهيد: 205/20)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ كَانَ اِذَا رَكَعَ: مراد جناب رسول اللہ ﷺ کا رکوع فرمانا ہے۔

لَمْ يُشْخِصْ رَأْسَهٗ: اِشْخَاص بلند کرنے کو کہتے ہیں۔

وَ لَمْ يُصَوِّبْهُ: تَصْوِيْب جھکانے اور نیچا کرنے کو کہتے ہیں۔ یعنی آپ ﷺ رکوع میں سر مبارک کو نہ تو اٹھا کر رکھتے تھے اور نہ جھکا کر رکھتے تھے بلکہ کمر کے برابر رکھتے تھے اور دیگر روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنی کمر مبارک کو بھی سیدھا رکھتے تھے جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے اور دیگر دلائل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کمر اس قدر سیدھی ہوتی تھی کہ اگر اس پر پانی ڈال دیا جاتا تو ٹھہر جاتا۔

وَ كَانَ اِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوْعِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَائِمًا: یہاں تکبیر اور تسبیح وتحمید میں سے کسی کا ذکر نہیں کیونکہ راوی کا مقصد افعالِ صلوٰۃ کو بیان کرنا ہے۔

يَسْتَوِيَ: یہ يَعْتَدِلُ کے معنی میں ہے جس میں طمانیت لازم ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ یہاں سے یہ معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ رکوع سے اٹھنے کے بعد جب تک سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے اس وقت تک سجدہ میں نہ جاتے تھے۔ اسی طرح:

وَ كَانَ اِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ السَّجْدَةِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ جَالِسًا: ایک سجدہ سے اٹھ کر دوسرے سجدہ میں اس وقت تک نہ جاتے تھے جب تک دونوں سجدوں کے درمیان سیدھے بیٹھ نہ جاتے تھے۔

وَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ: یعنی فرائض کی صلوۃ رباعیہ یا ثلاثیہ میں ایسا کرتے تھے۔ چنانچہ تین یا چار رکعت والی نماز کے پہلے تشہد میں تو صرف التحیات پڑھتے تھے جبکہ دو رکعت والی نماز میں پورا التحیات آخر تک پڑھتے تھے جو درود اور دعا کو بھی شامل ہوتا تھا۔ لہٰذا "التحیة" کا یہ لفظ کل کو بعض سے تعبیر کرنے کی قبیل سے ہے، مراد سب التحیات ہیں۔

وَ كَانَ يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَ يَنْصِبُ الْيُمْنٰى: اس کی تفصیل حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں بیان ہو چکی ہے اسے افتراش کہتے ہیں جبکہ آخری التحیات میں تورّک مسنون ہے۔

وَ كَانَ يَنْهٰى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ: عقبۂ شیطان سے مراد وہ اِقعاء ہے جس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے اور یہ دونوں پاؤں پنجوں کے بل کھڑے کر کے اس کی ایڑیوں پر بیٹھنا ہے نا کہ مراد وہ اقعاء ہے جو کتے کی طرح بیٹھنا ہے۔ غرض عقبۂ شیطان کی ہیئت کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت جلسہ اور تشہدین میں ہے اور:

يَنْهٰى اَنْ يَّفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ اِفْتِرَاشَ السَّبُعِ: ان کلمات میں حالتِ سجدہ میں اس ہیئت کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت ہے۔ اس ہیئت کی تفصیل بیان ہو چکی اور یہ تشبیہ قباحت میں ہے کہ انسان کو حیوانوں وغیرہ کی مشابہت اختیار کرنے سے اور بالخصوص نماز جیسی عظیم عبادت میں ایسی مشابہتیں اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ ایک تو انسان حیوانوں سے افضل ہے دوسرے خاص نماز میں وہ اپنے رب سے مناجات کر رہا ہوتا ہے۔ اس لیے خاص نماز میں بے حد ادب و تعظیم والی ہیئت کو اختیار کرنے کا حکم ہے۔

وَ كَانَ يَخْتِمُ الصَّلٰوةَ بِالتَّسْلِيْمِ: یعنی نماز کو اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ کہہ کر ختم فرماتے تھے۔ اَلتَّسْلِيْم میں الف لام بیانِ حقیقت کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور عموم کے لیے بھی۔ اگر اسے بیانِ حقیقت کے لیے مانیں تب پھر نماز میں صرف ایک ہی سلام پھیرنا کافی ہو گا کیونکہ تسلیم صرف ایک سلام سے بھی حاصل ہو جاتی ہے اور اگر اس الف لام کو عہد کے لیے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مانیں تو مراد دو سلام ہوں گے۔

وَ لَهُ عِلَّةٌ: مذکورہ حدیث کی اسناد میں جو علت ہے اس کو تخریج حدیث کے ضمن میں بیان کر دیا گیا ہے۔

مضمون حدیث :......اس حدیث میں بنیادی طور پر دو مسائل بیان کیے گئے ہیں: (1) ایک تو اس حدیث میں قیام، قعود اور رکوع و سجود وغیرہ کی اشکال اور ہیئات کو ذکر کیا گیا ہے۔ (2) دوسرا مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ چونکہ نماز ایک بے حد اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اس لیے عبادت اور بندگی کی مکمل ترین تصویر ہونا چاہیے۔ چنانچہ نماز میں نامناسب ہیئتیں خصوصیت کے ساتھ منع ہیں جن میں استکبار یا بے پرواہی یا بدمنظری کی شان ہو یا پھر اس کی کسی بدفطرت مخلوق کی ہیئت سے مشابہت ہو۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ تعلق تھا اسی لیے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اہتمام کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جملہ حرکات و سکنات اور اشکال و ہیئات کو ضبط کیا۔ جس سے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علم کی وسعت کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔
- تکبیر تحریمہ مشروع اور رکنِ صلوٰۃ ہے۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعائے استفتاح، تعوذ اور تسمیہ کو جہراً نہ پڑھا کرتے تھے جس کی دلیل وَ الْقِرَاءَةَ بِـ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کے کلمات ہیں۔
- سورۂ فاتحہ کے بعد پڑھی جانے والی سورت یا آیات کو سورۂ فاتحہ پر مقدم نہ کیا جائے گا کہ یہ غیر مشروع اور غیر مسنون ہے اور اگر کسی نے بے پرواہی یا کھلواڑ کے طور پر ایسا کیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ البتہ اگر یہ تعمد کھلواڑ کے طور پر نہ ہو تو نماز باطل نہ ہوگی ہاں خطا ضرور ہوگی اور بھولے سے ایسا ہو جانے پر کچھ بھی ذمے نہ ہوگا۔ البتہ فاتحہ کے بعد سورت دوبارہ پڑھے گا۔ رہا ایسی صورت میں سجدۂ سہو، تو وہ مستحب ہوگا نہ کہ واجب۔ کیونکہ ایسے قول کو عمداً کرنے سے بھی نماز باطل نہیں۔ یعنی چاہے کسی سورت کو فاتحہ سے قبل عمداً پڑھا ہے تب بھی ہے تو وہ کلام اللہ ہی، لہٰذا اس سے نماز باطل نہ ہو گی۔ اس باب میں فقہاء نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے، جو یہ ہے: ''کسی بھی مشروع قول کو بے موقع اور بے محل لے آنے سے نماز باطل نہیں ہوتی البتہ اس میں سجدۂ سہو مستحب ہوتا ہے۔''
- نماز میں رکوع اور سجدہ مشروع اور ارکانِ صلوٰۃ میں سے ہیں۔
- رکوع کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ کمر سیدھی اور سر اس کے برابر ہو جیسا کہ گزشتہ حدیث میں بیان ہوا۔
- رکوع سے اٹھ کر سجدہ میں جانے سے قبل سیدھا کھڑا ہونا مشروع ہے اور یہ رفع جس کو فقہاء کی اصطلاح میں قومہ کہتے ہیں، نماز کا رکن ہے۔ لہٰذا اگر کوئی رکوع سے سیدھا سجدہ میں چلا گیا تو اس پر سجدہ سے اٹھ کر سیدھا کھڑا ہونا لازم ہوگا اور وہ سجدہ کا اعادہ کرے گا۔
- دونوں سجدوں کے درمیان سیدھا بیٹھنا واجب ہے۔ جس کو فقہاء کی اصطلاح میں جلسہ کہتے ہیں۔ یہ بھی نماز کے ارکان میں سے ہے۔
- ہر دو رکعت پر تشہد واجب ہے چاہے نماز ثنائی ہو یا ثلاثی اور رباعی۔ مذکورہ حدیث کے سیاق کا مقتضی تو یہ ہے کہ یہ تشہد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی رکن ہو۔ کیونکہ اس کو ارکانِ صلوٰۃ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن سنت ایک دوسرے کی تفسیر اور قید کو بیان کرتی ہے اس لیے ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے پہلا تشہد ترک کر دیا تو سجدۂ سہو کر کے اس کی تلافی فرمائی۔ ❶ جو اس بات کی دلیل ہے کہ پہلا تشہد واجب ہے نہ کہ رکن اور یہ حکم فرض اور نفل دونوں نمازوں کو اور تین رکعت والے وتروں کو بھی شامل ہے۔

◈ گزشتہ صفحات میں یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ پہلے تشہد میں افتراش اور دوسرے میں تورّک مسنون ہے کیونکہ دوسرا تشہد پہلے سے زیادہ طویل ہوتا ہے۔

◈ شیطان کی مشابہت اختیار کرنا ممنوع ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جلسۂ عقبہ کو شیطان کی طرف مضاف کر کے اس سے منع فرمایا ہے۔ جو اس کی قباحت کو بیان کرتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ مذکورہ حدیث میں صرف اس خاص ہیئت جلوس سے منع فرمایا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک روایت میں ارشاد ہے: ''جس نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی، وہ انہی میں کا شمار ہوگا۔'' ❷ جس میں عموم کا بیان ہے لہٰذا شیطان کی ہر قسم کی مشابہت اختیار کرنا منع ہوگا اور نہ کوئی مومن ایسا ہے جو شیطان کی مشابہت اختیار کر کے خوش ہو سکتا ہے۔

◈ نماز میں جانوروں اور درندوں کے جیسی بری وضعیں، ہیئتیں اور صورتیں اختیار کرنا منع ہے۔

◈ نبی کریم ﷺ کی فصاحت و بلاغت کی بے پناہ قوت کہ آپ ﷺ نے مختلف اعمال کی مختلف صورتوں کو مختلف اشیاء کے ساتھ تشبیہ دی، جو آپ ﷺ کی بے پناہ بلاغت اور تعبیر کے تنوع پر دلالت کرتی ہے۔ رہا درندوں کے ساتھ تشبیہ دینا تو علمِ بلاغت میں اس کو "تَشْبِيْهٌ لِلتَّقْبِيْحِ" کہتے ہیں نہ کہ تشبیہ قبیح کہتے ہیں۔

◈ نماز کو سلام کے صیغہ پر ختم کرنا مشروع ہے اور وہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ کے الفاظ ہیں۔

نماز میں رفع یدین کے مواقع اور اس کا طریقہ

272-274۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ، وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ)) .
مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نماز کو شروع فرماتے تھے اور جب رکوع (میں جانے) کے لیے تکبیر کہتے تھے اور جب رکوع سے اپنا سر مبارک اٹھاتے تھے تو اپنے دونوں مبارک ہاتھوں کو اپنے مبارک کندھوں کے برابر تک اٹھاتے تھے۔'' ❸
یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

وَفِي حَدِيْثِ أَبِي حُمَيْدٍ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ: ((يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ . ثُمَّ يُكَبِّرُ))

سنن ابی داوٗد میں حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: ''آپ ﷺ (ان مذکورہ مواقع پر) اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے یہاں تک کہ ان کو اپنے مبارک کندھوں کے برابر کر دیتے تب پھر تکبیر کہتے تھے۔'' ❹

---

❶ یہ روایت "باب سجود السهو" کے اول میں آجائے گی۔
❷ سنن ابی داود: 4031.
❸ صحیح البخاری: 735، صحیح مسلم: 390.
❹ سنن ابی داود: 730.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلِمُسْلِمٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رضی اللہ عنہ نَحْوُ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ ، لَكِنْ قَالَ : حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوعَ أُذُنَيْهِ)) .

اور صحیح مسلم میں حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما جیسی حدیث مروی ہے البتہ اس میں یہ الفاظ ہیں: ''یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے کانوں کی لو کے برابر کر دیا۔'' ❶

غریب الحدیث:...... حَذْوَ: اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

اِذَا افْتَتَحَ: اس سے مراد تکبیر تحریمہ کہنا ہے۔

وَ اِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوْعِ: مراد رکوع کے لیے تکبیر شروع کرتے وقت رفعِ یدین کرنا ہے۔

اِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ: یعنی جب آپ ﷺ رکوع سے اٹھ کر سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے تو رفعِ یدین کرتے تھے۔

مضمون حدیث:...... اس حدیث میں بنیادی طور پر یہ مسئلہ مذکور ہے کہ نماز میں تین مقامات پر رفعِ یدین ہے:

(1) تکبیر تحریمہ کہتے وقت (2) رکوع میں جانے کے لیے تکبیر شروع کرنے کے وقت

(3) اور رکوع سے اٹھ کر سیدھے کھڑے ہو جانے کے بعد رفعِ یدین کیا جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے افعال واقوال کو بڑی حرص اور تتبع کے ساتھ دیکھا کرتے تھے۔
- مقتدی امام کی طرف دیکھ سکتا ہے۔ کیونکہ ان تین مواقع پر رفعِ یدین کرنے کی خبر خود نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو نہ دی تھی بلکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس بات کو نماز کے دوران دیکھا تھا۔
- نماز میں رفعِ یدین مشروع ہے، رفعِ یدین میں ہاتھوں کو کہاں تک اٹھایا جائے گا اور رفعِ یدین کی کیا حکمت ہے اس بارے تفصیلی گفتگو کی جا چکی ہے۔
- رکوع میں جاتے وقت رفعِ یدین کرنا مشروع ہے، اسی طرح رکوع سے سر اٹھانے کے بعد سیدھے کھڑے ہو کر بھی رفعِ یدین کرنا مشروع ہے۔ ان مقامات کے علاوہ ایک صحیح حدیث میں چوتھے مقام کا بھی ذکر ہے جس کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں اور وہ پہلے تشہد سے اٹھ کر رفعِ یدین کرنا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے تشہد کے بعد والی نماز تشہد سے پہلے والی نماز سے مختلف ہوتی ہے۔ کیونکہ نماز کے دوسرے حصہ میں قراءت میں صرف سورۂ فاتحہ پر اکتفا کیا جاتا ہے، دوسرے اس کے رکوع اور سجدے بھی گزشتہ رکعات کے رکوع اور سجدوں سے ہلکے ہوتے ہیں۔ یوں گویا کہ نمازی ایک نئی نماز میں داخل ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ رفعِ یدین قیام میں معتدل کھڑے ہو جانے کے بعد کیا جائے گا نہ کہ تشہد سے اٹھتے وقت۔
- رفعِ یدین نماز کے جملہ انتقالات میں نہ کیا جائے گا چنانچہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں ہے کہ ''نبی کریم ﷺ سجدوں میں رفعِ یدین نہ کیا کرتے تھے۔'' رہی وہ حدیث جس میں یہ ذکر ہے کہ ''نبی کریم ﷺ ہر جھکنے کے وقت اور ہر اٹھنے کے وقت رفعِ یدین کیا کرتے تھے۔'' ❷ تو یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا یہ حدیث صحت میں حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہم پلہ نہیں۔

---

❶ صحيح مسلم: 391. ❷ العلل للدار قطني: 283/9- ابن حبان کہتے ہیں کہ اس روایت کی سند میں قلب اور متن میں نکارت ہے، المجروحين لابن حبان، ص: 304- العلل المتناهية: 426/1-

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے ابن قیم رحمہ اللہ کے بقول اس روایت میں راوی کو وہم ہوا ہے کیونکہ وہ کہنا تو یہ چاہتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جھکنے اور اٹھنے کے وقت تکبیر کہا کرتے تھے لیکن کہہ یہ بیٹھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جھکنے اور اٹھنے کے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے۔ ❶

◈ رفع یدین تکبیر سے پہلے ہو، یا بعد میں یا ساتھ ساتھ؟ تو یہ تینوں طریق ہی سنت ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان تینوں طریقوں سے تکبیر کہنا اور رفع یدین کرنا ثابت ہے۔

حالتِ قیام میں ہاتھ کہاں رکھے جائیں

275- وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ: ((صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ، فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرٰى عَلَى صَدْرِهِ)) .

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ پس (میں نے دیکھا کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر (ان کو) اپنے سینہ مبارک پر رکھا۔ ❷

أَخْرَجَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ .

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

شرح: ...... معیت سے یہاں معیتِ مکانی مراد ہے اور دونوں ہاتھوں کو سینے پر رکھنا، یہ نماز میں تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آتا ہے کہ لوگوں کو اس بات کا حکم دیا جاتا تھا کہ وہ نماز میں اپنے داہنے ہاتھ کو اپنی بائیں کلائی پر رکھیں اور یہ قیام میں ہوگا۔ رکوع سے پہلے بھی اور رکوع کے بعد بھی۔ اب حضرت سہل اور حضرت وائل رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یہ فرق ہے کہ یہ بات تو دونوں احادیث بیان کرتی ہے کہ نماز میں داہنے ہاتھ کو بائیں پر رکھا جائے گا لیکن کس جگہ رکھا جائے گا اس کو صرف حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث بیان کرتی ہے کہ یوں ہاتھ باندھ کر ان کو سینے پر رکھا جائے گا۔ اس باب میں سب سے عمدہ حدیث یہی ہے۔ البتہ اس باب میں اور بھی اقوال ہیں مثلاً:

(1) دونوں ہاتھوں کو باندھ کر ان کو جائے نحر یعنی گلے پر رکھا جائے۔ ❸

(2) ناف پر رکھا جائے۔

(3) ناف کے نیچے رکھا جائے۔ یوں یہ کل چار اقوال ہو گئے ایک قول حدیثِ وائل رضی اللہ عنہ کا اور مزید یہ تین اقوال پہلے قول کے قائلین کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ﴾ (الکوثر: 2) ''پس تو اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔''

ان حضرات کے نزدیک اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھو اور نماز میں ہاتھ کو نحر پر رکھو۔ بلاشبہ یہ استدلال لغت کے اعتبار سے بھی باطل ہے اور سنت سے بھی خالی ہے۔ جبکہ دوسرے اور تیسرے قول کے قائلین کا استدلال حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث سے ہے۔ ❹ جو ضعیف ہے۔ رہے وہ لوگ جو پورے قیام میں یا رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑتے ہیں، تو ان کا یہ

❶ زاد المعاد: 244/1.

❷ صحيح ابن خزيمة: 479.

❸ سنن البيهقي: 31/2- دیکھیں: خلاصة البدر المنير: 145/1.

❹ سنن ابی داود: 756- صاحب "الدراية" (128/1) نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے کیونکہ یہ حدیث عبدالرحمٰن بن اسحاق کوفی کی روایت سے ہے جن کو امام احمد نے ضعیف اور امام بخاری رحمہ اللہ نے محل نظر کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فعل سنت کے اعتبار سے درست نہیں ہے۔امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک رکوع سے اٹھنے کے بعد قومہ میں ہاتھ سینے پر باندھنے یا آزاد چھوڑ دینے میں اختیار ہے۔گویا کہ...... واللہ اعلم...... ان کے نزدیک بھی رکوع کے بعد ارسال صحیح نہیں ہے۔پس راجح قول رکوع سے پہلے بھی اور بعد میں بھی وضع الید علی الید کا ہے۔

قراءتِ فاتحہ کا حکم

276- وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ)).
مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَفِي رِوَايَةٍ لِابْنِ حِبَّانَ وَالدَّارَقُطْنِيِّ ((لَا تُجْزِئُ صَلَاةٌ لَا يُقْرَأُ فِيْهَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ))

- وَفِي أُخْرٰى لِأَحْمَدَ وَأَبِي دَاوُدَ، وَالتِّرْمِذِيِّ وَابْنِ حِبَّانَ: ((لَعَلَّكُمْ تَقْرَؤُوْنَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ؟)) قُلْنَا: نَعَمْ، قَالَ: ((لَا تَفْعَلُوْا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا)).

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے ام القرآن کی قراءت نہیں کی۔''[1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

اور صحیح ابن حبان اور سنن الدارقطنی کی روایت میں ہے کہ ''وہ نماز جائز نہیں ہوتی جس میں فاتحۂ کتاب کی تلاوت نہ کی جائے۔''[2]

مسند احمد، سنن ابی داود، جامع الترمذی اور صحیح ابن حبان کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (آپ ﷺ نے نماز کے بعد دریافت فرمایا:) ''شاید تم اپنے امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو؟'' ہم نے عرض کیا کہ جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا مت کرو (اپنے امام کے پیچھے قراءت نہ کیا کرو) سوائے فاتحۂ کتاب کے، کیونکہ اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے اس کی قراءت نہیں کی۔''[3]

غریب الحدیث:...... مذکورہ روایات میں ام القرآن اور فاتحۃ الکتاب سے مراد سورۂ فاتحہ ہے۔اس کی وجہ تسمیہ پر کلام کیا جا چکا ہے۔بنیادی طور پر ان تینوں روایات میں سورۂ فاتحہ کا حکم بیان کیا گیا ہے۔چنانچہ

⊙...... پہلی حدیث میں لَا صَلٰوۃَ کے الفاظ ہیں۔مذکورہ ''لا'' نفیِ جنس کا ہے اور یہاں نفی سے مراد صحت کی نفی ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی اور صَلٰوۃ کا لفظ ہر اس نماز کو شامل ہے جس کو نماز کہا جا سکتا ہے چاہے وہ فرض ہو یا نفل اور چاہے نمازِ جنازہ۔البتہ اس میں طواف داخل نہیں۔اس پر علماء کا اجماع ہے۔اسی طرح شکر اور تلاوت کے سجدے بھی اس میں داخل نہ ہوں گے کیونکہ ان میں قیام، رکوع اور قرآنِ کریم کی قراءت کے ساتھ ساتھ دیگر اذکارِ واجبہ موجود نہیں۔لہٰذا ان سجدوں پر بھی لفظِ صَلٰوۃ کا اطلاق نہ ہوگا۔ام القرآن: سورۂ فاتحہ کا یہ نام اس لیے ہے کیونکہ پورے قرآنِ کریم کے اہم اور عظیم معانی اسی سورت کی طرف لوٹتے ہیں۔چنانچہ اس میں توحید کی جملہ انواع کا ذکر ہے، اس میں انبیاء کرام علیہم السلام کے قصص کا

---

[1] صحیح البخاری: 756- صحیح مسلم: 394.

[2] صحیح ابن حبان: 1793- سنن الدارقطنی: 322/1- امام دارقطنی نے اس حدیث کو روایت کر کے اس کو صحیح کہا ہے۔

[3] مسند احمد: 313/5- سنن ابی داود: 822- جامع الترمذی: 311- صحیح ابن حبان: 1792.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حوالہ ہے۔ اس میں سعادت و طاعت و معصیت کے اعتبار سے سب لوگوں کی اقسام کا ذکر ہے اور اس میں دنیا و آخرت اور قیامت و معاد کا بھی ذکر ہے۔ بلاشبہ یہ سورت واقعی ''ام القرآن'' ہے۔

⊙...... دوسری روایت صحیح ابن حبان کی ہے جو اس باب میں صریح ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز جائز نہیں ہوتی۔ اگرچہ پہلی روایت میں مذکورہ نفی جنس کا لا نفی صحت پر دلالت کر رہا تھا لیکن امام موصوف اس دوسری روایت کو اس لیے لے کر آئے ہیں کیونکہ یہ عدمِ اجزاء اور نفی صحت پر صراحۃً دلالت کر رہی ہے۔

⊙...... تیسری روایت ایک نمازِ فجر کا قصہ ہے جس کے ختم ہونے کے بعد آپ ﷺ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ سوال کیا تھا کہ ''شاید تم اپنے امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو؟'' یہاں لَعَلَّكُمْ بمعنی كَأَنَّكُم ہے۔ پھر فرمایا سوائے فَاتِحَةُ الْكِتَاب کے امام کے پیچھے اور کچھ نہ پڑھا کرو اور اس حکم کی علت یہ بتلائی، کیونکہ جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔

مضمونِ حدیث:...... ان احادیث میں مذکورہ مضمون واضح ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ سورۂ فاتحہ بے حد فضیلت والی سورت ہے کیونکہ اس کے بغیر کوئی نماز درست بن کر ادا نہیں ہوتی۔ لہٰذا جو نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ لَا تُجْزِئُ کے الفاظ اس معنی پر دلالت کرتے ہیں۔

◈ اس حکم میں امام، منفرد اور مقتدی سب ایک ہیں۔ رہی وہ حدیث جس میں یہ ارشاد ہے: مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ. [1] ''جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔'' تو یہ حدیث مرسل ہے جس کی سند اور حکم دونوں صحیح نہیں۔

◈ اس حکم میں سری اور جہری دونوں نمازیں ایک ہیں۔

◈ نماز میں سورۂ فاتحہ کے واجب ہونے کی بابت علماء کا اختلاف ہے اور اس بارے چار اقوال ہیں:

(1) جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہوتی ہے ان کے نزدیک امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔ لہٰذا ان حضرات کے نزدیک اگر کوئی امام کے ساتھ ابتدائے نماز میں شریک ہو کر بھی سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اور سورۂ مزمل پڑھ کر باقی نماز پوری کر لے تو اس کی نماز صحیح ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک سورۂ فاتحہ سنت ہے نہ کہ واجب۔ لیکن اس قول میں جو بُعد ہے وہ اہلِ علم پر مخفی نہیں۔

(2) دوسرا قول یہ ہے کہ نماز سری ہو یا جہری، مقتدی پر بھی قراءتِ فاتحہ واجب ہے۔ ان حضرات کا استدلال مذکورہ احادیث کے عموم سے ہے۔ کیونکہ لَا صَلٰوةَ کے عموم میں سری اور جہری دونوں نمازیں داخل ہیں۔

(3) قراءتِ فاتحہ امام پر تو واجب ہے البتہ مقتدی پر واجب نہیں۔ ان حضرات کا استدلال اس آیتِ کریمہ سے ہے:

﴿وَ إِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝﴾ (الاعراف: 204)

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

---

[1] سنن ابن ماجه: 850- عن جابر رضی اللہ عنہ۔ امام بوصیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ ''التلخیص الحبیر'' (232/1) میں لکھتے ہیں: یہ حدیث صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے متعدد طرق سے مروی ہے اور وہ سب کے سب طرق معلول ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان حضرات کا یہ کہنا ہے کہ یہ ارشاد عام ہے اور مقتدی امام کے تابع ہے۔ دوسرے یہ کہ جہری نماز میں قراءت فاتحہ مقتدی پر کیونکر لازم کی جا سکتی ہے، حالانکہ اس نے خود اس کو سن کر اس پر آمین کہی ہے۔ لہٰذا امام کی قراءت اس کی قراءت ہوگی جیسے اس آیت میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو سیدنا ہارون علیہ السلام کی دعا قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾

(یونس : 88)

''اے ہمارے رب! بے شک تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں بہت سی زینت اور اموال عطا کیے ہیں، اے ہمارے رب! تاکہ وہ تیرے راستے سے گمراہ کریں، اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو مٹا دے اور ان کے دلوں پر سخت گرہ لگا دے، پس وہ ایمان نہ لائیں، یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔''

آگے ارشاد فرمایا:

﴿قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا﴾ (یونس : 89) ''بلاشبہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی۔''

کہ یہاں رب تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو سیدنا ہارون علیہ السلام کی دعا قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ دعا مانگنے والے صرف سیدنا موسیٰ علیہ السلام تھے جبکہ سیدنا ہارون علیہ السلام اس پر آمین کہہ رہے تھے۔ لیکن چونکہ وہ اس دعا کو سننے والے اور اس پر آمین کہنے والے تھے اسی لیے رب تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو سیدنا ہارون علیہ السلام کی دعا بھی قرار دیا۔ اسی طرح جو مقتدی جہری نماز میں امام کی قراءت سن کر اس پر آمین کہتا ہے تو امام کی قراءت مقتدی کی قراءت شمار ہوگی۔ بلاشبہ یہ قول اثر و نظر دونوں اعتبار سے بے حد قوی ہے۔

(4) اور چوتھا قول یہ ہے کہ قراءت فاتحہ امام، مقتدی اور منفرد تینوں پر واجب ہے۔ اس قول کے قائلین کا استدلال مذکورہ روایات کے عموم سے ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے نمازِ فجر کے بعد یہ فرمایا تھا کہ امام کے پیچھے صرف سورۂ فاتحہ پڑھا کرو کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں۔ بلاشبہ نزاع کے موقع پر یہ نص ہے۔

رہی سورۂ اعراف کی آیت اور اس سے استدلال اور اس کے نتیجہ میں جہری اور سری نماز میں فصل کرنا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت عام ضرور ہے۔ لیکن دیگر دلائل اس میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کے وجوب کی تخصیص کرتے ہیں تب پھر اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ''جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو ضرور دھیان سے سنو سوائے فاتحہ کے کہ اس کو خود بھی پڑھنا ناگزیر اور لازم ہے۔'' رہی یہ دلیل کہ اگر امام کی قراءت مقتدی کو قراءت سے مستغنی نہیں کرتی تب پھر امام کے جہری قراءت کا کیا فائدہ؟ تو اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس ہے جو نص کے مقابل ہے۔ لہٰذا ردّ اور غیر معتبر ہے۔ تب پھر ہم اللہ کو گواہ بنا کر یہ کہتے ہیں کہ اگر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی مذکورہ یہ حدیث نہ ہوتی جس میں آپ ﷺ نے صراحت کے ساتھ جلی حروف سے واضح اور عیاں کر کے بیان فرمایا ہے کہ امام کے پیچھے صرف ام القرآن پڑھو اور یہ واقعہ بھی نمازِ فجر کا ہے، تو ہم ضرور اس بات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے قائل ہوتے کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے کیونکہ اثر ونظر دونوں کے اعتبار سے یہ قول بے حد قوی ہے۔ لیکن اس نصِ جلی کے بعد ہمارا قول یہی ہے کہ مقتدی پر جہری نماز میں بھی قراءتِ فاتحہ واجب ہے۔ اس کی مزید تفصیل کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع کیا جائے جن میں مسبوق و مدرک مقتدی کے مسائل کو مفصل ذکر کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰه کے احکام

277۔ وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانُوْا يَفْتَتِحُوْنَ الصَّلَاةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ)).
مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نماز کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کے ساتھ شروع کیا کرتے تھے۔ ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

زَادَ مُسْلِمٌ: لَا يَذْكُرُوْنَ (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ) فِيْ أَوَّلِ قِرَائَةٍ وَلَا فِيْ آخِرِهَا.

صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں: یہ حضرات قراءت کے نہ تو اوّل میں اور نہ آخر میں ہی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ کو ذکر کیا کرتے تھے۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِأَحْمَدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنِ خُزَيْمَةَ: لَا يَجْهَرُوْنَ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ۔

اور مسند احمد، سنن النسائی اور صحیح ابن خزیمہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: یہ حضرات بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو جہراً نہ پڑھا کرتے تھے۔ ❷

وَفِيْ أُخْرٰى لِابْنِ خُزَيْمَةَ: ((كَانُوْا يُسِرُّوْنَ)).

اور صحیح ابن خزیمہ کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: یہ حضرات (بِسْمِ اللّٰه کو) سرًا پڑھا کرتے تھے۔ ❸

وَعَلٰى هٰذَا يُحْمَلُ النَّفْيُ فِيْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ، خِلَافًا لِمَنْ أَعَلَّهَا.

اور صحیح مسلم کی روایت کی نفی کو اسی معنی پر محمول کیا جائے گا (کہ لَا يَذْكُرُوْنَ کا مطلب لَا يَجْهَرُوْنَ ہے) بخلاف اس شخص کے جو اس روایت کو معلول کہتا ہے۔

شرح: ...... مذکورہ روایات میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ بسم اللہ کو نماز میں سراً پڑھا جائے گا یا جہراً؟ لیکن یہ اختلاف بھی دراصل اس اختلاف پر مبنی ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جزو ہے یا نہیں؟

لہٰذا اگر تو بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جزو ہے تو اس کو بھی باقی سورت کی طرح جہراً پڑھا جائے گا اور اگر یہ سورۂ فاتحہ کا جزو نہیں تو پھر اس کو دعائے استفتاح اور تعوذ کی طرح سرًا پڑھا جائے گا۔ اس اختلاف کی تفصیل درج ذیل ہے:

⦿ ...... امام شافعی رحمہ اللہ بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ کا جزو مانتے ہیں ❹ لہٰذا ان کے نزدیک باقی سورت کی طرح بسم اللہ کو بھی جہراً پڑھا جائے گا۔ کیونکہ ایک سورت کے بعض کو سراً اور بعض کو جہراً پڑھنا جائز نہیں۔

---

❶ صحیح البخاری: 743۔ صحیح مسلم: 399.

❷ مسند احمد: 179/3۔ سنن النسائی: 135/2۔ صحیح ابن خزیمۃ: 498.

❸ صحیح ابن خزیمۃ: 498.

❹ دیکھیں: المجموع: 279/3.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⊙ ...... امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جزو نہیں لہٰذا بسم اللہ کو دیگر سری اذکار کے ساتھ سراً پڑھا جائے گا اور یہی قول راجح ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک حدیث قدسی میں رب تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ کی ایک آیت إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کرنے کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے کہ "جب بندہ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کہتا ہے تو رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں، یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان نصفا نصف ہے اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو اس نے مانگا ہے۔"[1]

اب غور کریں تو یہ آیت تب نصف بنتی ہے جب اس سے قبل اور اس کے بعد کی آیات کی تعداد برابر ہو۔ چنانچہ اس کے بعد کی آیات کی تعداد تین ہے۔ جبکہ اس سے قبل کی آیات کو اگر بسم اللہ کے بغیر شمار کریں تب تو تین بنتی ہیں وگرنہ چار بنتی ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جز نہیں۔ چنانچہ پہلی تین آیات خالص اللہ کی ہیں، جبکہ چوتھی کے بعد کی تین آیتیں خالص بندے کے لیے ہیں اور یہی وہ چوتھی آیت ہے جو اللہ اور اس کے بندے کے درمیان نصف نصف ہے۔ اس لیے میرے نزدیک قطعی طور پر درست قول یہ ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جز نہیں۔ یہی راجح قول ہے۔ لہٰذا جہری نماز میں سورۂ فاتحہ کی طرح اس کو جہراً نہ پڑھا جائے گا۔

دوسرے اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ سورۂ فاتحہ کی آیات کی تعداد سات ہے۔ پس اگر ہم بسم اللہ کو فاتحہ کا جز مانتے ہیں تو سورۂ فاتحہ کا آٹھ آیات پر مشتمل ہونا لازم آئے گا۔ جو خلاف اجماع ہے۔

تیسرے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ فاتحہ کا ایک نام سبع مثانی[2] بھی ذکر فرمایا ہے جو اس بات کو مقتضی ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جز نہ ہو۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ روایات میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ میں داخل نہیں لہٰذا اس کو جہری نمازوں میں سراً پڑھا جائے گا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے استدلال جائز ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ کو جہراً نہیں پڑھا کرتے تھے۔

◈ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے استدلال جائز ہے اور حضرات شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے فعل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے ہوتے ہوئے بھی دو فوائد کے لیے استدلال کیا جا رہا ہے۔

(1) ایک یہ کہ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہوا۔ لہٰذا بسم اللہ کو سراً پڑھا جائے گا۔

(2) دوسرے یہ کہ بسم اللہ کے سراً پڑھنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔

◈ سورۂ فاتحہ کی فضیلت کہ اس کے بغیر کوئی نماز درست نہیں۔

◈ کل کا جز پر اطلاق جائز ہے۔ جس کی دلیل يَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوةَ کے الفاظ ہیں کہ یہاں صَلٰوۃ سے مراد قراءت ہے

---

[1] صحیح مسلم: 395 عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ.

[2] صحیح البخاری: 4474 عن ابی سعید بن المعلی رضی اللہ عنہ.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو نماز کا جز ہے۔لہٰذا یہاں کل بول کر جز مراد لیا گیا ہے۔

◈ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے اعراب بطور حکایت کے رفع کے ساتھ ہیں وگرنہ محل کے اعتبار سے یہ کلمات بَا حرف جر کی وجہ سے مجرور ہیں۔جس سے معلوم ہوا کہ حکایت کے طور پر ذکر کی جانے والی بات کے اعراب کو بدلا نہیں جاتا۔

درایة الحدیث:......صحیح مسلم کی روایت میں لَا یَذْکُرُوْنَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فِیْ اَوَّلِ قِرَاءَةٍ، وَلَا فِیْ اٰخِرِهَا کے الفاظ آتے ہیں،جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات نماز میں سرے سے بِسْمِ اللّٰهِ پڑھتے ہی نہ تھے،نہ سراً اور نہ جہراً لیکن اس سے مراد لَا یَجْهَرُوْنَ ہے جیسا کہ مسند احمد،سنن النسائی اور صحیح ابن خزیمہ کی روایات میں لَا یَجْهَرُوْنَ کا لفظ آتا ہے۔یوں یہ سب روایات ایک ہو جاتی ہیں۔لہٰذا یہ ذکر کی نفی نہیں بلکہ جہر کی نفی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حضرات بِسْمِ اللّٰهِ کو سراً پڑھا کرتے تھے۔کیونکہ اخص کی نفی اعم کے وجود پر دلالت کرتی ہے۔اس کو آگے صحیح ابن خزیمہ کی ایک دوسری روایت میں کَانُوْا یُسِرُّوْنَ کے الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات بِسْمِ اللّٰهِ پڑھتے تو تھے لیکن جہر کے ساتھ نہیں بلکہ اسرار کے ساتھ پڑھتے تھے۔اس بات کو امام ابن حجر رحمہ اللہ نے آخر میں جا کر ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے کہ صحیح مسلم کی روایت میں جس نفی کا ذکر ہے (جو لَا یَذْکُرُوْنَ میں ہے) اسے لَا یَجْهَرُوْنَ کے معنی پر محمول کیا جائے گا اور صحیح مسلم کی روایت کی یہ توجیہ اس روایت کو معلول قرار دینے سے بہتر ہے۔

راجح مذہب:......مذکورہ بالا ساری بحث کا خلاصہ دو امر ہیں:(1) بِسْمِ اللّٰهِ کو سراً پڑھا جائے گا۔(2) اور بِسْمِ اللّٰهِ سورۂ فاتحہ کا حصہ نہیں۔یہی راجح مذہب ہے،جس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث بھی ہے:

278۔ وَعَنْ نُعَیْمِ الْمُجْمِرِ، قَالَ: ((صَلَّیْتُ وَرَاءَ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ فَقَرَأَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، ثُمَّ قَرَأَ بِأُمِّ الْقُرْآنِ، حَتّٰی إِذَا بَلَغَ ((وَلَا الضَّالِّیْنَ)) قَالَ: آمِیْنَ وَیَقُوْلُ کُلَّمَا سَجَدَ، وَإِذَا قَامَ مِنَ الْجُلُوْسِ: اَللّٰهُ أَکْبَرُ، ثُمَّ یَقُوْلُ إِذَا سَلَّمَ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ إِنِّیْ لَأَشْبَهُکُمْ صَلَاةً بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ)).

حضرت نُعیم المُجمر سے روایت ہے،وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔پس انہوں نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی قراءت کی پھر ام القرآن کی قراءت کی یہاں تک کہ جب وَلَا الضَّآلِّیْنَ تک پہنچے تو آمین کہا اور وہ جب بھی سجدہ میں جاتے اور جلوس سے اٹھتے تھے تو اَللّٰهُ اَکْبَرُ کہتے۔پھر جب سلام کہہ لیا تو (ہمیں مخاطب کر کے) یہ فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بے شک میں تم سب سے زیادہ نبی کریم ﷺ کی نماز سے مشابہت رکھنے والا ہوں۔[1]

رَوَاهُ النَّسَائِیُّ وَابْنُ خُزَیْمَةَ.

اس حدیث کو امام نسائی اور امام ابن خزیمہ رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:......اَلْمُجْمِر: دھونی دینے والا۔کیونکہ جناب نعیم مسجد کو عود وغیرہ کی دھونی دیا کرتے تھے اس لیے ان کا لقب مُجْمِرْ پڑ گیا۔

فَقَرَأَ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ: ان الفاظ میں بسم اللہ کو سراً یا جہراً پڑھنے کا ذکر نہیں لیکن حدیث کے سیاق سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معلوم ہوتا ہے کہ یہ پڑھنا جہراً تھا۔

وَ لَا الضَّآلِّيْنَ: اسی طرح ان الفاظ سے بھی یہ مستفاد نہیں ہوتا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ''آمین'' کو سراً کہتے تھے یا جہراً۔ لیکن حدیث کا سیاق اس کے جہری ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

وَ يَقُوْلُ كُلَّمَا سَجَدَ وَ إِذَا قَامَ مِنَ الْجُلُوْسِ: یہاں جلوس سے پہلا قعدہ اور تشہد مراد ہے۔ مراد تکبیراتِ انتقالات کا کہنا ہے، ان کے واجب ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔

وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ: یہ قسم ہے گویا کہ جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس بات پر قسم اٹھائی کہ ان کی نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے سب سے زیادہ مشابہ ہے۔

نَفْسِيْ بِيَدِهٖ: یعنی میری جان پر رب تعالیٰ کو مکمل تصرف، قبضہ اور موت وحیات کا اختیار اور قدرت حاصل ہے۔

إِنِّيْ لَأَشْبَهُكُمْ: یہ جملہ جوابِ قسم ہے اور اس جملہ میں تین تاکیدات جمع ہیں:

(1) قسم (2) نونِ تاکید

(3) لامِ تاکید

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ قسم لوگوں کو اس بات پر ابھارنے کے لیے اٹھائی تھی تاکہ وہ بھی اسی طرح کی نماز پڑھا کریں جیسی وہ خود پڑھتے ہیں۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ روایت میں نماز میں بسم اللہ پڑھنے، آمین کہنے اور تکبیراتِ انتقالات کہنے کو ذکر کیا گیا ہے رہا بسم اللہ اور آمین کا جہر یا اسرار تو اس کو فوائد کے تحت بیان کر دیا جائے گا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ معلوم ہوا کہ بسم اللہ کو جہراً پڑھ سکتے ہیں۔ البتہ اس کے مسنون ہونے یا نہ ہونے میں احتمال ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی تعلیم کی غرض سے بسم اللہ کو جہراً پڑھا ہو۔ تو جب مذکورہ روایت میں یہ امر محتمل نکلا تو محتمل کو ہمیشہ محکم کی طرف پھیرا جاتا ہے اور اس باب میں محکم روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اپنی نمازوں میں بسم اللہ کو جہراً نہ پڑھا کرتے تھے۔ تب پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کو تعلیم اور ایضاح کے باب میں شمار کیا جائے گا۔

◈ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ کے بعد آمِيْن کہنا سنت ہے۔ آمِيْن اسم فعل ہے جو اَللّٰهُمَّ اسْتَجِبْ کے معنی میں ہے یعنی ''اے اللہ تو میری اس دعا کو قبول فرما!'' اسم فعل کی تعریف اور اس کے احکام کو بیان کر دیا گیا ہے۔

❶ سنن النسائی: 134/2۔ صحیح ابن خزیمۃ: 499۔ صحیح ابن حبان: 1797۔ المستدرك للحاکم: 357/1۔ امام حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے۔ ابن عبدالبر نے ''التمھید'' میں متعدد مقامات پر کتاب ''المعرفۃ'' کے حوالے سے حلوانی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نعیم مجمر بیس سال سے زیادہ عرصہ تک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہے تھے اور نعیم کی موطا امام مالک میں تین مسند احادیث ہیں جبکہ دو موقوف حدیثیں بھی ہیں۔ یہ سب کی سب روایات ہمارے نزدیک صحیح اور مسند ہیں۔ (دیکھیں: التمھید: 178/16) امام ابن حجر رحمہ اللہ نے ''تغلیق التعلیق'' (321/2) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ رہا یہ سوال کہ مقتدی کب آمین کہے؟ تو متعین قول یہ ہے کہ جب امام وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہہ لے تو مقتدی آمین کہہ دے اور اس کے آمین کہنے کا انتظار نہ کرے۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں آتا ہے کہ ''جب امام وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو۔'' ❶ رہی وہ روایت جس میں یہ ارشاد ہے کہ ''جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔'' ❷ تو اس سے مراد قربِ فعل ہے۔ یعنی جب امام آمین کہنے کے قریب ہو جائے اور محلِ تامین تک پہنچ جائے تو تم بھی آمین کہو اور محلِ تامین تک پہنچنا امام کا وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہنا ہے۔ یا پھر اس سے شروعِ فعل مراد ہے۔ یعنی جب امام آمین کہنا شروع کرے تو تم بھی آمین کہو، یہ مطلب نہیں کہ جب وہ آمین کہہ کر فارغ ہو جائے تو تم بھی آمین کہو۔ اس بارے یہ ضابطہ یاد رہے کہ جب ایک محتمل میں دو احتمال ہوں اور وہ محتمل ایک احتمال پر صراحۃً دلالت کر رہا ہو تو وہ احتمال متعین ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی الفاظِ حدیث اس احتمال پر صراحۃً دلالت کر رہے ہیں کہ آمین کہنے میں امام کی تامین کے اختتام کا انتظار نہ کیا جائے بلکہ جیسے ہی وہ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہے آمین کہہ دی جائے۔ تو یہی احتمال متعین اور راجح ہوگا۔

◈ تکبیراتِ انتقالات مشروع ہیں اور ان کی تین قسمیں ہیں:

(1) ایک وہ تکبیر ہے جس کے بغیر نماز قائم اور منعقد ہی نہیں ہوتی، یہ تکبیر رکنِ صلوٰۃ ہے اور یہ تکبیرِ تحریمہ ہے۔

(2) دوسری وہ تکبیر ہے جسے مسبوق امام کو رکوع میں دیکھ کر حالتِ قیام میں تکبیرِ تحریمہ کہنے کے بعد امام کے ساتھ رکوع میں ملنے کے لیے کہتا ہے۔ یہ دوسری تکبیر مستحب ہے نہ کہ واجب۔

(3) تیسری انتقالات کی تکبیریں ہیں جن کی بابت صحیح قول یہ ہے کہ وہ واجب ہیں۔ لہٰذا جو ان کو جان بوجھ کر ترک کرے گا اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور جس سے بھولے سے رہ گئیں اس پر سجدۂ سہو آئے گا۔

◈ دوسرے کے کہے بغیر بھی کسی بات کو پکا کرنے کے لیے از خود قسم اٹھا سکتے ہیں جیسا کہ یہاں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کسی کے کہے بغیر خود قسم اٹھائی۔

◈ **اِنِّيْ لَاَشْبَهُكُمْ**: یہ بے حد دقیق تعبیر ہے۔ مراد یہ ہے کہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی نمازیں بھی درست ہیں مگر میری نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بے حد قریب ہے۔ کیونکہ شبہ میں کلی مماثلت نہیں ہوتی بلکہ مقاربتِ تامہ ہوتی ہے۔ اسی لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں فرمایا کہ میری نماز بالتحقیق سنت ہے بلکہ یہ فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بے حد قریب ہے تاکہ کسی دوسرے کو لب کشائی کا موقع نہ ملے۔

کیا بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جز ہے؟

279- وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا قَرَأْتُمُ الْفَاتِحَةَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جب تم سورۂ فاتحہ پڑھو تو (اس کے

❶ صحيح البخاري: 782- صحيح مسلم: 415.

❷ صحيح البخاري: 780- صحيح مسلم: 410

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَاقْرَءُ وا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ، فَإِنَّهَا إِحْدٰى آيَاتِهَا)) .

رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَصَوَّبَ وَقْفَهُ .

ساتھ) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کو بھی (ملا کر) پڑھو کیونکہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے۔'' ❶

اس حدیث کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے روایت کر کے اس کے موقوف ہونے کو درست قرار دیا ہے۔

غریب الحدیث:...... وَ صَوَّبَ وَقْفَهُ: یعنی امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اس روایت کے موقوف ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھی جائے تو بسم اللہ کو بھی پڑھا جائے۔ مراد بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ کی طرح جہراً پڑھنا ہے۔ آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی علت یہ بیان فرماتے ہیں کہ کیونکہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے۔

درایۃ الحدیث:...... اگر ہم اس روایت کو صحیح مان لیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی عمل اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا دائمی عمل اس کے مخالف نظر آتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ روایت موقوف ہے اس لیے مرفوع روایت کے مقابل نہیں آ سکتی۔ تب پھر یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

قولِ صحابی کا حکم

قولِ صحابی رضی اللہ عنہ کے حجت ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ تفسیر کے باب میں قولِ صحابی رضی اللہ عنہ ہر حال میں حجت ہے۔ یہ حاکم رحمہ اللہ کا قول ہے اور تفسیری قول بمنزلہ مرفوع حدیث کے ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ قولِ صحابی مطلق حجت نہیں نہ تفسیر میں اور نہ غیر تفسیر میں کیونکہ سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی معصوم نہیں لہٰذا صحابی سے خطا کا صدور ممکن ہے۔ جبکہ بعض علماء نے اس بارے یہ فرق کیا ہے کہ علماء اور فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول حجت ہے نہ کہ دوسروں کا۔ کیونکہ فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول بہ نسبت دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے درستی کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی علماء نے فقیہ قولِ صحابی رضی اللہ عنہ کے حجت ہونے میں دو شرطوں کو مزید ذکر کیا ہے، جو یہ ہیں:

(1) ایک تو یہ کہ وہ قول کسی نص کے خلاف نہ ہو۔

(2) دوسرے یہ کہ وہ قول کسی دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ کے قول کے خلاف نہ ہو۔

خلاصہ:...... مذکورہ بالا تفصیل کے تناظر میں خلاصہ یہ ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جز نہیں، یہی درست قول ہے اور یہ ایک مستقل آیت ہے جس کے ذریعے قرآنِ کریم کی جملہ سورتوں کو شروع کیا جاتا ہے۔ سوائے سورۂ توبہ کے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ کو حذف کر دیا ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے۔

---

❶ سنن الدارقطنی: 312/1۔ دارقطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کے رجال ثقہ ہیں، سوائے نوح بن ابی بلال کے جو سعید مقبری کے واسطہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ کبھی اس کو مرفوع تو کبھی موقوف روایت کرتے ہیں۔ ابن سکن نے ''سنن الصحاح'' میں اس حدیث کو روایت کیا ہے جیسا کہ ''تحفة المحتاج'' (292/1) میں ہے۔ (دیکھیں: المجموع 284/3 للنووی) امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ جملہ احادیث ایک دوسرے کی مُعَاضِد ہیں جن کا حاصل ظنِ قوی ہے۔ کیونکہ بسم اللہ بہرحال قرآن کا حصہ ہے کیونکہ اس کو قرآن نے مصحف میں لکھا جاتا ہے۔ (دیکھیں: التحقیق لابن الجوزی: 346/1)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آمین کہنے کے احکام

280,281- وَعَنْهُ قَالَ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ أُمِّ الْقُرْآنِ رَفَعَ صَوْتَهُ وَقَالَ: آمِيْنَ)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَحَسَّنَهُ، وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ.

وَلِأَبِيْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيِّ مِنْ حَدِيْثِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ نَحْوُهُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب (نماز میں) ام القرآن کی قراءت سے فارغ ہوجایا کرتے تھے تو آواز بلند کر کے آمین کہا کرتے تھے۔ ❶

اس حدیث کو امام دارقطنی نے روایت کر کے حسن جبکہ امام حاکم نے روایت کر کے صحیح کہا ہے۔

اور سنن ابی داؤد اور جامع الترمذی میں ایسی ہی ایک حدیث حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ ❷

شــــرح: ......اس حدیث میں بھی اس امر کو ذکر کیا گیا ہے کہ نماز میں قراءتِ فاتحہ کے بعد بلند آواز سے آمین کہنا مستحب ہے لہٰذا امام بھی اور مقتدی بھی دونوں آمین کو آواز بلند کر کے ادا کریں گے۔ رہی یہ تفصیل کہ امام آمین کب کہے اور مقتدی کب کہے؟ تو اس کو گزشتہ میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ پست آواز سے آمین کہنے کا قول ضعیف ہے۔ راجح بلکہ متعین قول آمین کو بلند آواز سے کہنے کا ہی ہے۔ پھر آمین بالجہر کو تعلیم کے باب سے قرار دینا بھی درست نہیں۔ کیونکہ یہ بات تو آپ ﷺ انہیں نماز کے علاوہ اوقات میں بھی سمجھا سکتے تھے۔ اس غرض کے لیے نماز میں آواز بلند کرنے کی ضرورت نہیں تھی اور اگر یہ رفعِ صوت تعلیم کی غرض سے ہی تھا تو آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دعائے استفتاح اور رکوع وسجود کے اذکار بھی نماز میں رفعِ صوت کے ساتھ سکھلا دیتے؟

غرض ایسے عجیب وغریب جوابات کا ''سبب'' یا تو یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ پہلے ایک اعتقاد بنا لیتے ہیں، پھر اس کے لیے دلیل تلاش کرتے ہیں۔ چنانچہ جب یہ لوگ نصوص کو اپنے اعتقاد کے خلاف دیکھتے ہیں تو پھر بجائے ان نصوص پر عمل کرنے کے ان نصوص کا جواب دینے میں لگ جاتے ہیں۔

نماز میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کب ساقط ہوتی ہے؟

282- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ أَوْفَى رضي الله عنه قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: إِنِّيْ لَا أَسْتَطِيْعُ أَنْ آخُذَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْئًا، فَعَلِّمْنِيْ

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا: (اے اللہ کے رسول!) میں قرآن سے کچھ (پڑھ) لینے سے قاصر ہوں۔

---

❶ سنن الدارقطني: 335/1- امام دارقطنی کہتے ہیں: اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔ المستدرك للحاكم: 345/1- حاکم کہتے ہیں: یہ روایت شیخین رحمہما اللہ کی شرط پر صحیح ہے۔ اسی طرح امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (571) اور امام ابن حبان (1806) نے بھی اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ (دیکھیں: التمهيد: 14/7- المجموع: 320/3)

❷ سنن ابی داود: 932- جامع الترمذي: 248- امام ترمذی نے اس روایت کو حسن اور ابن حبان (1805) نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ سنن الدارقطني: 333/10- (دیکھیں: المحلى لابن حزم: 263/3) امام نووی رحمہ اللہ "المجموع" (320/3) میں کہتے ہیں: اس حدیث کی اسناد حسن ہے اور اس کے سب رجال ثقہ ہیں سوائے محمد بن کثیر العبدی کے۔ لیکن ان سے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی روایت لی ہے اور اس راوی کے شرف وفضیلت اور ثقاہت کے لیے یہی بات بس ہے کہ ان سے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت لی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَا يُجْزِئُنِي مِنْهُ، فَقَالَ: ((قُلْ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ)). الْحَدِيثَ.

سو آپ ﷺ مجھے کسی ایسی چیز کو سکھلا دیجیے جو مجھے (نماز کے دوران) قرآن (پڑھنے) کے بدلے کافی ہو جائے۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم (نماز میں قرآن کی جگہ یہ) کہہ لیا کرو: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ .... الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔'' الحدیث [1]

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ. وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَالْحَاكِمُ.

اس حدیث کو امام احمد، امام ابو داؤد اور امام نسائی ﷭ نے روایت کیا ہے۔ جبکہ امام ابن حبان، امام دارقطنی اور امام حاکم ﷭ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث :......لَا أَسْتَطِيعُ أَنْ آخُذَ مِنَ الْقُرْآنِ: أَنْ آخُذَ ''أَنْ أَقْرَأَ'' کے معنی میں ہے۔ البتہ یہ مراد نہیں کہ میں قرآن میں سے کچھ سیکھنے کی سکت نہیں رکھتا کہ عہدِ نبوی میں یہ امر بے حد بعید تھا۔

مَا يُجْزِئُنِي مِنْهُ: مذکورہ مِنْ بدلیت کے لیے ہے۔ یعنی عَلِّمْنِي مَا يُجْزِئُنِي بَدَلًا عَنْهُ. اس کی مثال یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنكُم مَّلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ﴾ (الزخرف: 60)

''اور اگر ہم چاہیں تو ضرور تمھارے عوض فرشتے بنا دیں، جو زمین میں جانشین ہوں۔''

کہ یہاں مِنْكُمْ ''بَدَلَكُمْ'' کے معنی میں ہے نہ کہ یہ مراد ہے کہ رب تعالیٰ تم میں سے بعض کو فرشتے بنا دے گا۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ: یہ رب تعالیٰ کی تسبیح ہے۔ سبحان کی صرفی و لغوی تحقیق بیان ہو چکی ہے۔

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ: اس میں رب تعالیٰ کی حمد کا بیان ہے۔ حمد کی معنوی تحقیق مقدمۂ کتاب میں بیان ہو چکی ہے۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ: یہ کلمۂ اخلاص ہے۔

اَللّٰهُ أَكْبَرُ: اس میں رب تعالیٰ کی عظمت، کبریائی اور بڑائی کا بیان ہے۔ اکبر اسم تفضیل کا صیغہ ہے اس کی نحوی تحقیق بیان ہو چکی ہے۔

وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ: حَوْلَ ''تَحَوُّلَ'' کے معنی میں ہے۔ یہ اسم مصدر [2] ہے کیونکہ یہ مصدر کے معنی پر دلالت کرتا ہے اور تقدیری عبارت یہ ہے: لَا تَحَوُّلَ وَ لَا قُوَّةَ عَلَى التَّحَوُّلِ إِلَّا بِاللّٰهِ. ''کوئی بدلنا نہیں اور نہ بدلنے کی کوئی قوت ہے سوائے اللہ کی مدد کے۔'' چنانچہ پہلے تَحَوُّل سے ارادہ اور دوسرے سے فعل مراد ہوگا اور اب مطلب یہ ہوگا کہ کسی میں بھی اس بات کی قوت اور قدرت نہیں کہ وہ ایک حال سے دوسرے حال میں چلا جائے۔ (جیسے بیماری سے صحت کی

---

[1] مسند احمد: 356/4۔ سنن ابی داود: 832۔ سنن النسائی: 143/2۔ صحیح ابن حبان: 1809۔ سنن الدارقطنی: 314/1۔ المستدرك للحاكم: 367/1۔ حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث امام بخاری ﷫ کی شرط پر ہے۔ امام نووی ﷫ ''المجموع'' (328/3) میں لکھتے ہیں لیکن یہ حدیث ابراہیم سکسکی کی روایت سے ہے، جو ضعیف ہے۔ جبکہ ہمیں حدیث مسیء الصلوۃ اس روایت سے مستغنی کر دیتی ہے۔

[2] اسم مصدر کی تعریف بیان ہو چکی ہے۔ (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرف، تنگی سے آسانی کی طرف، گمراہی سے ہدایت کی طرف، ہزیمت سے فتح کی طرف، دکھ تکلیف سے فرحت و سرور کی طرف، عسرت سے وسعت کی طرف۔غرض کسی میں بھی اس بات کی طاقت نہیں کہ وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہو سکے) سوائے رب تعالیٰ کی مدد کے۔'' کہ قلبِ احوال رب تعالیٰ کی اعانت کے بغیر ممکن نہیں۔لہٰذا یہاں بِاللّٰہِ میں بَا استعانت کے لیے ہوگی۔

اَلْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ: عَلِيٌّ وہ ذات جو بزرگی و مقام دونوں اعتبار سے بلندی والی ہو۔یعنی اس کی ظاہری جگہ بھی بلند ہو اور اسے معنوی بلندی و رفعت بھی حاصل ہو۔پس رب تعالیٰ ہر شے سے بلند، اس کے اوپر اور اس سے اونچا ہے اور وہ اپنی صفات کے اعتبار سے بھی ہر شے سے بلند ہے۔یوں یہ کلمہ حسّی علو کو بھی شامل ہے اور معنوی علو کو بھی شامل ہے۔

اَلْعَظِيْمُ: وہ ذات جو اپنی جملہ صفات میں عظمت و بزرگی والی ہو، اس کا علم، قدرت، سمع، بصر اور قوت وغیرہ سب کی سب صفات عظیم ہوں۔

اَلْحَدِيْثَ: یہ کلمہ فعلِ محذوف کی وجہ سے منصوب ہے یعنی اِقْرَءِ الْحَدِيْثَ.

مضمون حدیث :......اس حدیث میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ جو نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے سے قاصر ہو، یہ پانچ کلمات اسے قراءتِ فاتحہ سے کفایت کریں گے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ معلوم ہوا کہ جو قراءتِ فاتحہ سے عاجز ہو اس پر سے نماز میں قراءتِ فاتحہ ساقط ہو جاتی ہے۔البتہ ایسی صورت میں اس پر فاتحہ کا سیکھنا واجب ہوگا۔چنانچہ اگر اجرت کے بغیر کوئی سکھلانے پر آمادہ نہ ہو تو اس کو اجرت دے کر سیکھنا واجب ہو گا۔کیونکہ قراءتِ فاتحہ واجب ہے اور جس چیز کے بغیر واجب ادا نہ ہوتا ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔

◈ جو قرآن پڑھنے سے عاجز ہو اسے مذکورہ پانچ کلمات کفایت کر جاتے ہیں۔لیکن اگر کسی کو فاتحہ تو نہ آتی ہو، البتہ دیگر سورتیں آتی ہوں تو وہ ان پانچ کلمات کے بجائے ان سورتوں کو پڑھے گا۔یہی فقہاء کا قول ہے۔

◈ دین کے بارے میں ہر شخص کی دیانت پر اعتماد کیا جائے گا۔لہٰذا اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ میں فلاں فلاں دینی امر سے عاجز ہوں تو اس کو جھٹلایا نہ جائے گا بلکہ اس کے دین کے بارے اسے امین اور دیانت دار سمجھا جائے گا۔جس طرح نبی کریم ﷺ نے اس آدمی کی بات پر اعتماد فرمایا اور اس سے قسم نہ اٹھوائی۔

◈ معلوم ہوا کہ یہ کلمات سورۂ فاتحہ کی طرف سے کافی ہیں گو کہ تعداد میں سورۂ فاتحہ سے کم ہیں۔اس سے یہ ایک مفید قاعدہ بھی حاصل ہوا کہ ضروری نہیں کہ بدل، مبدل منہ کے مساوی ہی ہو۔شرع شریف میں اس کی متعدد مثالیں ہیں۔جیسے قسم کے کفارہ میں جو دس مسکینوں کو کھانا نہ کھلا سکے وہ تین دن کے روزے رکھے۔بے شک یہاں بدل اور مبدل منہ ایک دوسرے کے مساوی نہیں۔

◈ معلوم ہوا کہ تخلیہ یہ تحلیہ سے پہلے ہے یعنی منفی مثبت سے قبل ہے۔چنانچہ رب تعالیٰ کی پاکی اور تنزیہ اس کی حمد سے قبل ہے حتیٰ کہ کلمۂ اخلاص میں غیر سے الوہیت کی نفی رب تعالیٰ کے لیے الوہیت کے اثبات سے قبل ہے۔

◈ کلمۂ اخلاص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کیں سب سے افضل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ بندہ ایک حال سے دوسرے کی طرف رب تعالیٰ کی مدد کے بغیر نہیں لوٹ سکتا۔

نماز میں قراءت کی کیفیت کا بیان

283- وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رضي الله عنه قَالَ: ((كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي بِنَا فَيَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ، وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ أَحْيَانًا، وَيُطَوِّلُ الرَّكْعَةَ الْأُولَى، وَيَقْرَأُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمیں نماز پڑھایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نمازِ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعات میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھا کرتے تھے اور کبھی کبھی ہمیں ایک آیت سنا بھی دیا کرتے تھے اور (ان پہلی دو رکعات میں سے بھی) پہلی رکعت کو (دوسری رکعت سے) لمبا کر کے پڑھا کرتے تھے اور آخری دو رکعات میں (صرف) سورۂ فاتحہ ہی پڑھا کرتے تھے۔ [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث :......وَ سُوْرَتَيْنِ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں بیان فرمایا کہ آپ ﷺ پہلی دو رکعات میں سورۂ فاتحہ کے بعد کون سی دو سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ البتہ دیگر احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورتیں اوساط مفصّل میں سے ہوتی تھیں جیسے سورۃ الشّمس اور سورۃ اللّیل وغیرہ۔

يُسْمِعُنَا: یہ کلمہ بتلاتا ہے کہ آپ ﷺ ایسا ارادۃً کیا کرتے تھے۔ کیونکہ راوی نے یہ نہیں کہا کہ ''ہم سن لیا کرتے تھے۔'' بلکہ یہ کہا ہے کہ آپ ﷺ ہمیں سنا دیا کرتے تھے جو ارادہ اور قصد پر دلالت کرتا ہے۔

نُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولٰى: یعنی پہلی دو رکعات میں سے بھی پہلی کو دوسری سے طویل ادا فرمایا کرتے تھے۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں نماز ادا کرنے کی کیفیت کا بیان ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

⊙ ...... ایک تو پہلی دو رکعات میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ دو سورتوں کے بقدر تلاوت بھی ہوتی تھی جب کہ دوسری دو رکعات میں صرف سورۂ فاتحہ ہی ہوتی تھی۔

⊙ ...... دوسرے سورۂ فاتحہ کے بعد کی دو سورتیں اکثر اوساطِ مفصّل میں سے ہوتی تھیں۔

⊙ ...... تیسرے پہلی دو رکعات میں سے بھی پہلی رکعت بہ نسبت دوسری کے زیادہ طویل ہوتی تھی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات کے بے حد حریص ہوتے تھے کہ وہ سنت کو اور نبی کریم ﷺ کے جملہ اقوال و افعال اور احوال و کیفیات کو من وعن بلا کم و کاست روایت کیا کریں جس کی نہایت عمدہ مثال مذکورہ بالا روایت ہے جس میں نماز کی ہر رکعت کی کیفیت کو مفصّل بیان کیا گیا ہے۔

◈ معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں سری نمازوں میں کبھی کبھی کوئی ایک آیت جہراً بھی سنا دینی چاہیے۔

◈ شریعت کی یہ حکمت ہے کہ جب بھی عمل زیادہ ہو جائے تو اس میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صلوٰۃِ رباعیہ

[1] صحیح البخاری: 759- صحیح مسلم: 451.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں آخری دو رکعات پہلی دو رکعات سے خفیف ہوتی ہیں۔

◈ آخری دو رکعات میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنا مسنون ہے۔

ظہر اور عصر کی نماز میں قراءت کی مقدار

284- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه قَالَ: ((كُنَّا نَحْزُرُ قِيَامَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، فَحَزَرْنَا قِيَامَهُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ قَدْرَ: ((الٓمٓ تَنْزِيلُ)) السَّجْدَةِ. وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ قَدْرَ النِّصْفِ مِنْ ذٰلِكَ، وَفِي الْأُولَيَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلَى قَدْرِ الْأُخْرَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ، وَالْأُخْرَيَيْنِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ ذٰلِكَ)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم ظہر اور عصر کی نماز میں نبی کریم ﷺ کے قیام (کی مقدار) کو (شمار کرتے اور) اندازہ کیا کرتے تھے۔ پس ہم نے اندازہ کیا کہ آپ ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعات میں اَلٓمّٓ تَنۡزِیۡل ''اَلسَّجۡدَۃ'' کے بقدر اور آخری دو رکعات میں اس کے نصف کے بقدر قیام فرماتے ہیں اور عصر کی پہلی دو رکعات میں ظہر کی آخری دو رکعات کے بقدر اور عصر کی آخری دو رکعات میں اس کی پہلی دو رکعات کے نصف کے بقدر (قیام فرمایا کرتے تھے)۔ [1]

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ...... کُنَّا نَحۡزُرُ: حَزۡر تخمینہ لگانے اور اندازہ کرنے کو کہتے ہیں۔ البتہ حَزۡر چونکہ تخمینہ اور اندازہ ہوتا ہے لہٰذا حَزۡر کے بالمقابل مُتَیَقَّن کو ترجیح ہوگی۔

اَلٓمّٓ تَنۡزِیۡل: مراد سورۂ سجدہ ہے جو معروف ہے اور طوالِ مفصّل میں ہے ہے۔ بلکہ سورۂ سجدہ ''مفصل'' سے خارج ہے کیونکہ مفصل کی سورتیں چھوٹی ہیں۔ اسی لیے ان کو مفصل کا نام دیا گیا ہے اور چونکہ سورۂ سجدہ طویل ہے اس لیے یہ مفصل سے خارج ہے۔

مضمون حدیث: ...... اس حدیث میں نماز ظہر اور عصر کو ادا کرنے کی کیفیت کا بیان ہے کہ

⊙ ...... ایک تو ظہر کی پہلی دو رکعتیں بعد کی دو رکعات سے طویل اور ان سے دوگنی مقدار کی ہوتی تھیں اور یہ مقدار بقول حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سورۂ سجدہ کے بقدر ہوتی تھی اور بعد کی دو رکعات مقدار میں اس سے نصف ہوتی تھیں۔

⊙ ...... پھر عصر کی پہلی دو رکعات بہ نسبت بعد کی دو رکعات کے طویل ضرور ہوتی تھیں لیکن ظہر کی پہلی دو رکعات کی مقدار سے نصف ہوتی تھیں۔ جبکہ بعد کے دو رکعتیں خود عصر کی پہلی دو رکعات سے نصف مقدار کی ہوتی تھیں۔ یوں عصر کی سب سے زیادہ طویل رکعت ظہر کی سب سے مختصر رکعت کے برابر ہوتی تھی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ مجموعی طور پر نمازِ عصر نمازِ ظہر سے زیادہ مختصر ہوتی ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ یہی وہ وقت ہوتا ہے جب لوگ اپنے دن بھر کے کاروبار کو سمیٹنے میں لگے ہوتے ہیں جبکہ وقت بھی کم ہوتا ہے۔ اسی لیے شریعت نے اس نماز کو بھی مختصر کر دیا تاکہ لوگ رزق کی طلب میں بآسانی نکل سکیں۔ بلاشبہ یہ دینِ اسلام کی عبادت کے ساتھ ساتھ معاملات کی طرف بھی

[1] صحیح مسلم: 452

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بے حد رعایت وعنایت کی دلیل ہے۔

- گو شریعتِ اسلامیہ میں غلبۂ ظن کا بھی اعتبار ہے لیکن بعض احوال میں یقین لازم ہے۔ لہٰذا جن احکام میں یقین اصل ہے وہاں غلبۂ ظن معتبر نہ ہوگا اور جو احکام کسی اصل پر مبنی نہ ہوں ان میں آسانی کی خاطر غلبۂ ظن کا اعتبار ہوتا ہے۔
- حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلی دو رکعات چاہے ظہر کی ہوں یا عصر کی، ان دونوں میں قراءت ایک جیسی لمبی ہوگی۔ لیکن حدیثِ ابی قتادہ اس کے معارض ہے جس میں یقین کے ساتھ یہ ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی رکعت بہ نسبت دوسری کے زیادہ طویل ہوتی تھی۔ چنانچہ یہاں یقین ظن کے معارض ہے۔ لہٰذا ہم ظن کو چھوڑ کر یقین کو لیں گے۔ کیونکہ حدیثِ ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ میں اندازہ کرنے اور آیات کو شمار کرنے کا ذکر ہے جس میں بسا اوقات خطا بھی واقع ہوسکتی ہے۔ اب دونوں احادیث میں جمع کی صورت یوں پیدا کی جاسکتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر تو پہلی رکعت کو دوسری سے زیادہ طویل ادا فرمایا کرتے تھے لیکن کبھی کبھی دونوں رکعات کو متساوی بھی ادا کرلیا کرتے تھے۔

مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کی مقدار

285۔ وعن سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ: ((كَانَ فُلَانٌ يُطِيلُ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ، وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ. وَيَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ، وَفِي الْعِشَاءِ بِوَسَطِهِ وَفِي الصُّبْحِ بِطِوَالِهِ. فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رضي الله عنه: مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَحَدٍ أَشْبَهَ صَلَاةً بِرَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ هٰذَا)).

أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ.

حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ فلاں صاحب ظہر کی پہلی دو رکعات کو طویل کرتے اور عصر کی نماز میں تخفیف کرتے تھے اور مغرب کی نماز میں قصارِ مفصّل کی، عشاء کی نماز میں اوساطِ مفصّل کی اور فجر کی نماز میں طوالِ مفصّل کی قراءت کیا کرتے تھے۔ اس پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کسی ایسے آدمی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جس کی نماز ان صاحب سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مشابہ ہو۔ [1]

اس حدیث کو امام نسائی رحمہ اللہ نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :...... كَانَ فُلَانٌ: یہ فلاں کون تھے، ان کے نام کی تعیین مذکورہ روایت میں نہیں ملتی، یا تو حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والوں سے یہ نسیان سرزد ہوا ہے، یا پھر کسی اور وجہ سے۔ لیکن حکم بیان میں صحابی راوی کے نام کی عدمِ تعیین اور ابہام چنداں اہمیت کا حامل نہیں جیسا کہ اس بات کو بارہا بیان کیا جاچکا ہے۔

كَانَ يُطِيلُ الْأُولَيَيْنِ فِي الظُّهْرِ: ظہر اور عصر کی نمازوں کی قراءت کی مقداروں پر تفصیلی گفتگو ہوچکی ہے۔

وَيَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ: مفصّل وہ سورتیں ہیں جن میں سورتوں کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے فواصل [2] کی کثرت ہوتی ہے۔ علماء نے بیان کیا ہے کہ مفصّل یہ سورۂ ق سے لے کر آخر قرآن کریم تک کی سورتوں کو کہتے

---

[1] سنن النسائی: 167/2۔ مسند احمد: 300/2۔ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (520) اور امام ابن حبان (1837) نے اور امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (335/3) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (دیکھیں: فتح الباری: 248/2)

[2] فواصل یہ فاصلہ کی جمع ہے اور فاصلہ یہ فاصل کا مونث ہے۔ فاصل دو چیزوں کے درمیان فصل، حد اور آڑ کو کہتے ہیں۔ (القاموس الوحید، ص: 1236) م اور ... درمیان فصل ... (مترجم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ چنانچہ سورۂ قٓ سے لے کر عَـــمَّ تک طوال مفصّل ہے، سورۂ ضحیٰ سے لے کر آخر قرآن تک یہ قصار مفصل ہے اور ان کے درمیان کی سورتیں اوساط مفصّل ہیں۔ یہاں اعتبار غالب کا ہے لہٰذا اگر طوال کی کوئی سورت چھوٹی ہو یا قصار کی کوئی سورت لمبی ہو تو اس سے کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اعتبار اکثر اور غالب کا ہے۔

قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ ﷺ مَا صَلَّيْتُ ...... : تب پھر نمازِ فجر میں افضل یہ ہے کہ طوالِ مفصّل میں سے، مغرب کی نماز میں قصارِ مفصّل میں سے اور عشاء کی نماز میں اوساطِ مفصل میں سے قراءت کی جائے۔ اسی طرح ظہر اور عصر کی نمازوں میں بھی اوساطِ مفصّل میں سے قراءت کرنا افضل ہے۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ پانچوں نمازوں میں قراءت کی افضل مقدار کیا ہے۔ جس کی تفصیل اوپر بیان کر دی گئی ہے۔

286- وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ ﷺ قَالَ: ((سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو نمازِ مغرب میں سورۂ طور کی قراءت فرماتے سنا ہے۔ [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

قصۂ حدیث :...... حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے جب اس قراءت کو سنا تھا تو اس وقت وہ اسیرانِ بدر میں سے تھے۔ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''پس جب نبی کریم ﷺ اس آیت پر پہنچے: ﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَo﴾ (الطور: 35) ''یا وہ کسی چیز کے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں، یا وہ (خود) پیدا کرنے والے ہیں؟'' تو اس قدر قطعی، ناقابلِ تردید، قوی، پختہ اور مستحکم دلیل کو سن کر میرا دل اڑنے لگا حتیٰ کہ ایمان میرے دل میں داخل ہو گیا۔''

اس کے بعد حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے اور خوب ایمان لائے۔

مضمون حدیث :...... اس حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ نمازِ مغرب میں کبھی کبھی سورۂ طور اور اس جیسی طویل سورتوں کی قراءت بھی مستحب ہے۔

ایک اہم قاعدہ :...... ''شرح العمدۃ'' میں ابن دقیق العید نے اس بارے ایک اہم قاعدہ کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ یہ کہ اگر نبی کریم ﷺ کسی سورت کو دوام کے ساتھ قراءت فرمائیں تو یہ اس کے سنتِ معیّنہ ہونے کی دلیل ہے۔ جیسا کہ ہمارا یہ قول ہے کہ نمازِ جمعہ میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور سورۂ غاشیہ کی قراءت مسنون ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے نمازِ جمعہ میں ان دونوں سورتوں کی قراءت کا دوام فرمایا ہے۔ اسی طرح نمازِ عید میں بھی ان دونوں سورتوں کا اور سورۂ سجدہ کا پڑھنا سنت ہے اور جن سورتوں کو آپ ﷺ نے صرف ایک مرتبہ قراءت فرمایا ہے، ان کی قراءت ایک بار کرنا ہی سنت ہے۔

اس بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ نمازِ مغرب میں سورۂ طور کی قراءت کبھی کبھی کی جا سکتی ہے۔

تنبیہ :...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازِ مغرب کی بابت بسا اوقات اس قاعدہ سے باہر بھی آ سکتے ہیں وہ قاعدہ یہ ہے کہ نمازِ مغرب میں قصارِ مفصل کی قراءت مسنون ہے۔ جبکہ سورۂ طور طوالِ مفصّل میں سے ہے۔

---

[1] صحیح البخاری: 795- صحیح مسلم: 463

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جمعۃ المبارک کی نمازِ فجر کی قراءت کا بیان

287,288- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ((الٓمّٓ تَنْزِيلُ)) السَّجْدَةَ، وَ ((هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن نمازِ فجر میں الٓمّٓ تَنْزِیْلُ السَّجْدَۃ کی اور هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ کی قراءت کیا کرتے تھے۔ ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:...... **كَانَ يَقْرَأُ**: كَانَ فعلِ ناقص جب فعلِ مضارع کے ساتھ آئے تو دوام اور استمرار کے اغلب ہونے کے معنی کا فائدہ دیتا ہے۔

الٓمّٓ تَنْزِيلُ: نبی کریم ﷺ روزِ جمعہ کی نمازِ فجر کی پہلی رکعت میں پوری سورۂ السجدۃ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور اس کا سجدۂ تلاوت بھی ادا فرمایا کرتے تھے اور دوسری رکعت میں سورۂ دہر کی تلاوت فرماتے تھے کیونکہ ان دونوں سورتوں میں موضوع کے اعتبار سے مشابہت و یکسانیت ہے وگرنہ قلت و کثرت کے اعتبار سے دونوں سورتوں میں واضح فرق ہے۔ چونکہ تخلیق کی ابتداء اور قیامت کا قیام روزِ جمعہ کو ہے اسی مناسبت سے جمعہ کے دن کی نمازِ فجر میں سورۂ سجدہ کی قراءت عین حکمت ہے۔ کیونکہ اس سورت میں بھی انسان کے مبدا و منتہا اور ثواب و عتاب کو بیان کیا گیا ہے۔

تنبیہ:..... معلوم ہوا کہ روزِ جمعہ کو نمازِ فجر کی پہلی رکعت میں سورۂ سجدہ اور دوسری رکعت میں سورۂ دہر کی قراءت مستحب ہے۔

وَلِلطَّبَرَانِيِّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ: ((يُدِيمُ ذَلِكَ)).

اور طبرانی کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: آپ ﷺ اس پر دوام فرمایا کرتے تھے۔ ❷

شرح:...... مراد یہ ہے کہ یہ آپ ﷺ کا ہر جمعہ کے دن کا نمازِ فجر میں دستور تھا۔ ہمیں اس زیادتی کا یہ فائدہ حاصل ہوا کہ جو علماء اس بات کے قائل ہیں کہ ''مناسب یہ ہے کہ اس سورت کا روزِ جمعہ کی نمازِ فجر میں دوام نہ کیا جائے تاکہ لوگ اس کو واجب نہ سمجھ بیٹھیں۔'' تو ان کا یہ قول لائقِ اعتبار نہیں۔ کیونکہ جب نبی کریم ﷺ نے دوام فرمایا تو ہم بھی دوام کریں گے اور یہاں دوام سے اغلب اور اکثر مراد ہے۔ لہٰذا اگر مہینہ دو مہینہ میں ایک بار روزِ جمعہ کی نماز نمازِ فجر میں ان دونوں سورتوں کے علاوہ کسی سورت کی تلاوت کر لی تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

تنبیہ:..... ان روایات سے یہ پُر از حکمت نکتہ مستفاد ہوا کہ نبی کریم ﷺ وقت کے مناسب قراءت کیا کرتے تھے۔ البتہ اس کو مسنون کہنا محلِ نظر ہے۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جب قحط کے بعد بارش برسے تو اس آیت کی قراءت کی جائے جس میں بارش کو رحمت کہا گیا ہے اور شدید گرمی میں وہ آیت تلاوت کی جائے جس میں منافقوں کی اس بات کا ذکر ہے کہ گرمیوں میں جہاد میں نہ نکلو۔ وغیرہ۔ غرض اس بات کو مسنون نہیں کہا جا سکتا۔

---

❶ صحيح البخاري: 891- صحيح مسلم: 880.

❷ المعجم الصغير للطبراني: 178/2- ہیثمی رحمہ اللہ ''مجمع الزوائد'' (168/2) میں لکھتے ہیں: اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں۔ (دیکھیں فتح الباری: 378/2)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز میں تدبر کے ساتھ قراءت کرنے میں نبی کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ

289۔ وَعَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَمَا مَرَّتْ بِهِ آيَةُ رَحْمَةٍ إِلَّا وَقَفَ عِنْدَهَا يَسْأَلُ. وَلَا آيَةُ عَذَابٍ إِلَّا تَعَوَّذَ مِنْهَا)).

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک نماز پڑھی، پس آپ ﷺ (اس کی قراءت کے دوران) جس بھی آیتِ رحمت کے پاس سے گزرتے تو اس پر ٹھہر کر (رب تعالیٰ سے اس کی رحمت کا) سوال کرتے تھے اور جس بھی عذاب کی آیت کے پاس سے گزرتے تو (اس پر ٹھہر کر رب تعالیٰ کی) اس عذاب سے پناہ مانگتے تھے۔ ❶

أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ. وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ.

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

درایۃ الحدیث:...... یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی آتی ہے اس لیے مناسب تو یہ تھا کہ امام موصوف رحمہ اللہ اس مقام پر صحیح مسلم کی وہی روایت لے کر آتے جسے امام مسلم نے صَلٰوةُ اللَّيْلِ کے باب کے تحت ذکر کیا ہے اور آگے یہ ذکر ہے کہ اس رات نبی کریم ﷺ نے تہجد کی نماز میں پہلے سورۂ بقرہ، پھر سورۂ نساء اور پھر سورۂ آلِ عمران کی قراءت فرمائی۔ چنانچہ آپ ﷺ ٹھہر ٹھہر کر قراءت فرما رہے تھے اور جب کسی آیتِ رحمت پر سے گزرتے تو رب تعالیٰ سے اس کی رحمت کا سوال کرتے اور جب کسی آیتِ وعید پر سے گزرتے تو رب تعالیٰ کی پناہ مانگتے اور آیتِ تسبیح پر رب تعالیٰ کی پاکی بیان فرماتے۔ (هٰكَذَا فِيْ صَحِيْحِ مُسْلِمٍ)

کاش! امام موصوف صحیح مسلم کی مذکورہ روایت لے کر آتے تو اس میں حدیث الباب سے زیادہ مضمون تھا۔ دوسرے وہ حدیث زیادہ صحیح بھی تھی۔ چنانچہ یا تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت امام موصوف رحمہ اللہ کو روایتِ مسلم کا استحضار نہ رہا تھا یا پھر کوئی دوسرا سبب تھا جو ہم نہیں جانتے۔

مضمون حدیث:...... اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کی تہجد کی نماز کی کیفیت کا بیان ہے جس کو آپ ﷺ کمال خشوع وخضوع اور غور وتدبر کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ اس حدیث کو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان فرما رہے ہیں جبکہ تہجد کی نماز کو دیگر اصحاب رضی اللہ عنہم نے بھی بیان کیا ہے جیسے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما۔ غرض ان حضرات نے مختلف راتوں کی تہجد کی نماز کو روایت کیا ہے۔

آیتِ رحمت

جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ۝﴾ (المومنون: 118) ''اور تو کہہ اے میرے رب! بخش دے اور رحم کر اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم والا ہے۔'' (کہ ایسی آیات پر آپ ﷺ رب تعالیٰ سے اس کی رحمت مانگا کرتے تھے اور اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ کہہ کر دعا مانگا کرتے تھے۔)

---

❶ جامع الترمذی: 262۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے، یہ حدیث ''صحیح مسلم'' (772) میں بھی آتی ہے جیسا کہ اوپر خود شارح رحمہ اللہ اس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیت وعید وعذاب

جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ۝﴾ (المائدۃ: 10) ''اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہی بھڑکتی آگ والے ہیں۔'' کہ ایسی آیات پر آپ ﷺ عذابِ جہنم سے رب تعالیٰ کی پناہ مانگا کرتے تھے اور اَللّٰهُمَّ اَعِذْنِیْ مِنَ النَّارِ پڑھتے تھے۔

آیتِ تسبیح

جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ۝﴾ (الروم: 17) ''پس اللہ کی تسبیح ہے، جب تم شام کرتے ہو اور جب صبح کرتے ہو۔'' کہ ایسی آیات پر آپ ﷺ رب تعالیٰ کی پاکی بیان فرماتے تھے اور سُبْحَانَ اللّٰهِ پڑھتے تھے۔ البتہ جماعت کی صورت میں ان صیغوں کو جمع کے ساتھ بھی لا سکتے ہیں۔ یاد رہے کہ رکوع اور سجود کی تسبیحات کے علاوہ بھی قراءت کے اختتام کے وقت سبحان اللہ کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ گھر میں نفل نماز باجماعت ادا کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے تہجد کی نماز میں جو گھر میں اور نفل نماز تھی، شریک ہونے کو نبی کریم ﷺ نے برقرار رکھا۔ البتہ یہ کوئی مستقل سنت فعل نہیں، ہاں کبھی اس کا موقع ہو جائے تو حرج نہیں۔

◈ مناسب ہے کہ رحمت وعذاب کی آیات پر رب تعالیٰ سے اس کی رحمت کا سوال اور اس کے عذاب سے پناہ مانگنے کا سوال کیا جائے۔ اسی طرح آیتِ تسبیح پر اس کی پاکی بیان کی جائے۔ البتہ ایسا کرنا صرف نفل نماز اور تہجد کی نماز کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ نفل نماز کو لمبا کرنا مسنون ہے اور فرائض میں نمازیوں کی رعایت مسنون ہے۔

◈ نبی کریم ﷺ جب تہجد کی نماز میں امام ہوتے تھے تو جہری قراءت کیا کرتے تھے اسی طرح دعا اور تسبیح میں بھی جہر فرماتے تھے جبھی تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ سب سنا تھا۔

◈ نبی کریم ﷺ سب انسانوں سے زیادہ قوت وشدت اور کمال وتمامیت کے ساتھ رب تعالیٰ کی عبادت کرنے والے تھے جیسا کہ مذکورہ روایت سے معلوم ہوا۔

◈ سب کے سب بندے رب تعالیٰ کے محتاج ہیں اسی طرح بندہ ہونے کی حیثیت سے جناب رسول اللہ ﷺ بھی رب تعالیٰ کے کامل محتاج تھے۔ یہیں سے قبروں سے استغاثہ کے حرام اور شرک ہونے کا بھی بخوبی علم ہو گیا۔

◈ نبی کریم ﷺ قرآنِ کریم کو کمال خشوع کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتے تھے بالخصوص نمازِ تہجد میں، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت سے مستفاد ہوتا ہے۔ اسی طرح قرآنِ کریم میں زیادہ تدبر حاصل ہوتا ہے۔

رکوع اور سجود میں قراءت کرنا منع ہے

290- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَلَا وَإِنِّيْ نُهِيْتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا، فَأَمَّا الرُّكُوْعُ فَعَظِّمُوْا فِيْهِ الرَّبَّ، وَأَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''خبردار! (سن لو کہ) مجھے اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ میں رکوع یا سجدہ کی حالت میں (قرآنِ کریم کی) قراءت کروں۔ سو رہا رکوع تو اس میں (اپنے) رب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فِي الدُّعَاءِ ، فَقَمِنٌ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ)) . | کی عظمت کو بیان کرو اور رہے سجدے تو ان میں خوب دعا مانگو کہ (یہ حال) اس لائق ہے کہ اس میں تمہاری دعا قبول کی جائے۔'' ❶

رَوَاهُ مُسْلِمٌ . | اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ......آلَا: یہ کلمہ استفتاح ہے۔ (یہ جملہ کے شروع میں آتا ہے۔ اسے کلمۂ تنبیہ بھی کہتے ہیں ❷) یہاں یہ تنبیہ کے لیے ہے اسی لیے اس کے بعد واؤ آئی ہے اور اس سے قبل حدیث کا ایک حصہ امام موصوف رحمہ اللہ نے حذف بھی کر دیا ہے۔

وَ اِنِّـیْ: یہاں واؤ عطف کے لیے ہے کیونکہ اس سے قبل بھی حدیث کا حصہ ہے جسے امام موصوف نے حذف کر دیا ہے اور وہ یہ ہے: ((اِنَّـهٗ لَـمْ يَبْقَ مِنْ مُّبَشَّرَاتِ النُّبُوَّةِ اِلَّا الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُسْلِمُ اَوْ تُرٰى لَهٗ اِلَا وَ اِنِّي نُهِيْتُ ......)) ''بے شک نبوت کی خوش خبریوں میں سے (اب) کچھ باقی نہیں سوائے سچے خواب کے جس کو ایک مسلمان دیکھتا ہے یا اس کو دکھلایا جاتا ہے، سن لو کہ......''

نُهِيْتُ: یہاں روکنے والی ذات رب تعالیٰ کی ہے۔

رَاكِعًا اَوْ سَاجِدًا: یہ دونوں صیغے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں اور اَوْ تنویع کے لیے ہے۔

فَـاَمَّـا الـرُّكُوْعُ: (اَمَّا یہ ''حرف'' شرط یا تفصیل یا تاکید کے لیے آتا ہے اور یہاں یہ تفصیل کے لیے آیا ہے۔ اس کا معنی اردو میں ''لیکن''، ''رہا یہ کہ''، ''تو''، اور ''جہاں تک اس کا تعلق ہے'' وغیرہ کلمات کے ساتھ حسبِ موقع کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ بندہ عاجز مترجم نے اس جملہ کا ترجمہ ''سو رہا رکوع تو'' کے الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔) ❸

فَـعَظِّمُوْا فِيْهِ الرَّبَّ: کیونکہ رکوع اصل میں دوسرے کی تعظیم کے لیے کیا جاتا ہے۔ اس لیے رکوع کے مناسب یہی تھا کہ اس میں رب تعالیٰ کی تعظیم بیان کی جائے، مذکورہ روایت میں اجمال ہے اور اس میں ان کلمات کا بیان نہیں جن کے ساتھ رب تعالیٰ کی عظمت کو بیان کیا جائے۔ چنانچہ دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمُ کے عظیم کلمات ہیں جن کو رکوع میں ادا کیا جاتا ہے۔

اَلرَّبَّ: اس میں الف لام عہدِ ذہنی کا ہے کیونکہ رب تعالیٰ کی ذات ہر ایمان والے کے ذہن میں معلوم ہے۔ اس بنا پر یہ الف لام نہ تو عہد ذکری کے لیے ہے اور نہ عہد حضوری کے لیے ہی ہے۔

وَ اَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا فِي الدُّعَاءِ: البتہ یہ دعا واجب تسبیح کے ساتھ ہوگی اور وہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کے کلمات ہیں۔ سجدہ میں رب تعالیٰ کی صفتِ اعلیٰ کا ذکر اس لیے ہے کیونکہ بدنِ انسانی کا سب سے اعلیٰ عضو اس کا سر اور ماتھا ہے لہٰذا اس کا زمین پر رکھ دینا اس بات کی دلیل ہے کہ بندہ فرو سے فروتر ہے اور رب تعالیٰ بلند سے بلند تر ہے اور وہ نزول وغیرہ جیسی صفاتِ نقص سے پاک ہے۔

فَقَمِنٌ: قَمِنٌ کسی کام کے لائق اور اہل ہونے کو کہتے ہیں۔ یعنی حالتِ سجدہ اس بات کے لائق ہے کہ اس میں مانگی

---

❶ صحيح مسلم: 479.   ❷ القاموس الوحيد، ص: 130. (نسیم)

❸ دیکھیں: القاموس الوحيد، ص: 135، 136۔ (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانے والی دعا بارگاہِ الٰہی میں مقبول ومستجاب ہو۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں بنیادی طور پر دو باتوں کا بیان ہے:

(1) ایک یہ کہ قرآنِ کریم کی تلاوت رکوع یا سجدہ کی حالت میں منع ہے۔

(2) دوسری یہ کہ رکوع اور سجدہ میں رب تعالیٰ کی عظمت و بزرگی کو بیان کیا جائے جن کے مسنون صیغے معروف ہیں اور ان کو اوپر ذکر بھی کر دیا گیا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- جنابِ رسول اللہ ﷺ کی یہ حکمت تھی کہ جب آپ ﷺ ایک بات سے منع فرماتے تھے تو اس کی جگہ دوسری بات کو مباح فرما دیتے تھے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ رکوع اور سجدہ میں تلاوتِ قرآن منع ہے تو اس کی جگہ یہ تعلیم فرمائی کہ ان دونوں مواقع پر رب تعالیٰ کی تعظیم بیان کی جائے اور سجدہ میں خوب دعا مانگی جائے۔
- جب آدمی کو کسی بات کی اہمیت کے پیشِ نظر مخاطب کو اس پر متنبہ کرنا ہو تو مناسب ہے کہ وہ خطاب میں ایسے کلمات لے کر آئے جو مخاطب کو متنبہ اور مستعد کر دیں۔ جیسا کہ مذکورہ روایت میں نبی کریم ﷺ نے تنبیہ کی غرض سے الا کا کلمہ استعمال فرمایا ہے تنبیہ کے باب میں بے حد بلیغ ہے۔
- نبی کریم ﷺ بھی رب تعالیٰ کے بندے ہیں چنانچہ آپ ﷺ بھی ربانی امر و نہی کے مخاطب ہیں جیسا کہ وَ اِنِّیْ نُهِیْتُ کے کلمات بتلاتے ہیں۔
- جو احکام جناب رسول اللہ ﷺ کے لیے ثابت ہیں وہ آپ ﷺ کی امت کے لیے بھی ثابت ہیں اِلّا یہ کہ کہیں تخصیص کی دلیل ہو تو وہ حکم خاص صرف نبی کریم ﷺ کے لیے ہی ہو گا۔
- معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم بے حد عظیم ہے، اسی لیے رکوع اور سجدہ کی حالت میں اس کی تلاوت سے منع کیا گیا، کیونکہ ان دونوں حالتوں میں ایک گونہ تواضع ہے جو قرآنِ کریم کی عظمت و بلندی کے خلاف ہے۔
- معلوم ہوا کہ رکوع اور سجدہ میں تلاوت کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ خاص نماز میں اس کی ممانعت مروی ہے لہٰذا رکوع اور سجدہ میں تلاوت ممانعت کے ارتکاب کی وجہ سے نماز کو فاسد کر دے گی۔
- البتہ حالتِ سجدہ میں دعا کے طور پر کسی آیت کا پڑھنا جائز ہو گا جیسے سجدے میں کوئی آدمی یہ آیت تلاوت کرے تو جائز ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ﴾

(آل عمران: 147)

''اے ہمارے رب! ہمیں ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کام میں ہماری زیادتی کو بھی اور ہمارے قدم ثابت رکھ اور کافر لوگوں پر ہماری مدد فرما۔''

کیونکہ اس وقت اس آیت کو باعتبار دعا کے پڑھا گیا ہے۔

- اللہ تعالیٰ کے لیے رب کا اسم ثابت ہے۔ یاد رہے کہ لفظ رب قرآنِ کریم میں ہمیشہ اضافت کے ساتھ آیا ہے جیسے رَبِّ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلْعَالَمِیْنَ، رَبِّ السَّمٰوَاتِ وَ الْاَرْضِ وغیرہ۔ البتہ سنت میں یہ لفظ بغیر اضافت کے الف لام کے ساتھ اَلرَّبّ آیا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ روایت میں اَلرَّبّ کا لفظ بغیر اضافت کے اور الف لام کے ساتھ آیا ہے۔ پس لفظ رَبّ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے خالق پروردگار کو اور خود رب تعالیٰ نے اپنے آپ کو اس بزرگ ترین نام کے ساتھ پکارا ہے۔

- سجدہ میں خوب دعا مانگنی چاہیے اور خوب صدق و اخلاص اور قلب ولسان کے ساتھ مانگنی چاہیے۔ کیونکہ سجدہ میں مانگی جانے والی دعا کے قبول ہونے کی امید زیادہ ہے۔
- دعا جو چاہے مانگی جاسکتی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے دعا کو مطلق ذکر فرمایا ہے نہ کہ مقید، لہٰذا یہ دنیا و آخرت دونوں کی دعاؤں کو شامل ہے۔ اس لیے سجدہ میں یہ دعا بھی مانگ سکتے ہیں: اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ بَيْتًا وَّاسِعًا ''اے اللہ! مجھے ایک بڑا گھر دے۔'' وغیرہ۔
- بعض احوال اجابت کے زیادہ قریب ہوتے ہیں جیسے رکوع کی بہ نسبت سجدہ اجابتِ دعا کے زیادہ قریب ہے۔

رکوع وسجود کے اذکار اور ان کے معانی کا بیان

291- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهِ وَسُجُوْدِهِ: ((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے رکوع اور سجود میں یہ دعا مانگا کرتے تھے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ''اے اللہ! تیری ذات پاک ہے، میں تیری تقدیس بیان کرتا ہوں، اے ہمارے پروردگار اور میں تیری حمد کے ساتھ تیری خوبیوں کو بیان کرتا ہوں، اے اللہ تو مجھے بخش دے۔''

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث: ...... كَانَ يَقُوْلُ: یعنی آپ ﷺ رکوع اور سجدہ میں جا کر ان مواقع کی مسنون دعاؤں کے ساتھ ساتھ یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے۔

سُبْحَانَكَ، اَللّٰهُمَّ، وَ بِحَمْدِكَ: ان تینوں کلمات کی نحوی ترکیب اور معنی کی تفاصیل کو بیان کیا جا چکا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ: یعنی اے اللہ! تو مجھے بخش دے۔ مغفرت کا معنی بھی مفصّل ذکر کیا جا چکا ہے۔

سببِ حدیث: ...... روایات میں اس حدیث کا سبب یہ مذکور ہے کہ رب تعالیٰ نے جب نبی کریم ﷺ پر سورۂ نصر کو نازل فرمایا تو سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''اس سورت کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ یہ دعا ترک نہ فرمایا کرتے تھے۔'' کیونکہ اس سورت میں رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس بات کی خبر دی ہے کہ اب آپ ﷺ کا وقتِ اجل قریب آیا چاہتا ہے اس لیے اب تسبیح و استغفار کی کثرت کیجیے۔ اس سورت کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہی مطلب سمجھا اور جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی موافقت فرمائی۔ [2]

---

[1] صحيح البخاري: 817- صحيح مسلم: 484.
[2] صحيح البخاري: 3627 عن ابن عباس رضي الله عنهما.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون حدیث :......اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رکوع وسجود میں وہاں کی مسنون دعاؤں کے ساتھ ساتھ اس دعا کو بھی مانگا جا سکتا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ رکوع وسجود میں اس دعا کا مانگنا مستحب ہے۔اب سجدہ میں دعا مانگنا تو واضح ہے کیونکہ سجدہ تو ہے ہی محلِ دعا۔ جبکہ رکوع محلِ تعظیم باری تعالیٰ ہے۔لیکن تعظیم باری تعالیٰ اس سے دعا مانگنے کے منافی نہیں۔اس لیے رکوع میں بھی دعا مانگ سکتے ہیں۔لہٰذا رکوع میں یہ دعا مانگنا تعظیم فی الرکوع کے حکم کے حق میں مستثنیٰ کا درجہ رکھتی ہے۔
- رب تعالیٰ کی ذات وصفات ہر قسم کے نقص وعیب سے خالی اور ہر صفت کے کمال کی حامل ہے۔جیسا کہ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ کے کلمات سے تنزیہ اور وَ بِحَمْدِكَ کے کلمات سے کمالِ صفات مستفاد ہوتا ہے۔
- نبی کریم ﷺ بھی رب تعالیٰ کا بندہ ہونے کے ناطے رب ذوالجلال کے حضور استغفار کرنے کے محتاج ہیں جیسا کہ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ کے کلمات سے مستفاد ہوتا ہے۔اس کی مزید تفصیل بیان ہو چکی ہے۔
- البتہ اس مقام پر یہ بات ازحد ملحوظ رہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام ہر اس گناہ سے معصوم اور بری ہیں جو مقامِ رسالت ونبوت کے کمال کے منافی ہے۔جیسے چوری، جھوٹ، غیبت وغیرہ ممنوع اور حرام کام کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ان جیسے جملہ گناہوں سے بالکلیہ معصوم ہوتے ہیں۔لہٰذا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے استغفار کا مطلب ان جیسے کبائر سے معافی مانگنا نہیں بلکہ مراد ان اجتہادی خطاؤں سے معافی مانگنا ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے طلبِ حق وصواب میں سرزد ہو جاتی ہیں۔چنانچہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ۝﴾ (التوبة: 43)

''اللہ نے تجھے معاف کر دیا، تو نے انھیں کیوں اجازت دی، یہاں تک کہ تیرے لیے وہ لوگ صاف ظاہر ہو جاتے جنھوں نے سچ کہا اور تو جھوٹوں کو جان لیتا۔''

یہاں رب تعالیٰ نے ذنب کے ذکر سے قبل عفو کو ذکر فرمایا جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ذنب ایک اجتہادی خطا تھی نہ کہ یہ ذنب وہ ذنب تھا جو نبوت ورسالت دونوں کے منافی ہوتا ہے۔

تکبیراتِ انتقالات اور ان کے احکام

292- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْكَعُ، ثُمَّ يَقُوْلُ: ((سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ))، حِيْنَ يَرْفَعُ صُلْبَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ، ثُمَّ يَقُوْلُ وَهُوَ قَائِمٌ: ((رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ))، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَهْوِي سَاجِدًا، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ، ثُمَّ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب نماز ادا کرنے کے ارادہ سے کھڑے ہوتے تھے تو جب (قبلہ رو ہو کر نماز شروع کرنے کے لیے) کھڑے ہوتے تھے تو تکبیر کہتے، پھر جب رکوع میں جانے لگتے تو تکبیر کہتے، پھر جب رکوع سے اپنی پیٹھ کو اٹھا (کر سیدھا کر) تے تھے تو سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ پڑھتے، پھر حالتِ قیام میں رَبَّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ پڑھتے۔پھر جب سجدہ میں جانے کے لیے نیچے جانے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يُكَبِّرُ حِيْنَ يَسْجُدُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ ، ثُمَّ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا ، وَيُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ مِنَ الثِّنْتَيْنِ بَعْدَ الْجُلُوْسِ .

لگتے تو تکبیر کہتے، پھر جب (پہلے سجدہ سے) اپنا سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے، پھر جب (دوسرے) سجدہ میں جانے لگتے تو تکبیر کہتے، پھر جب (دوسرے سجدہ سے قیام کے لیے) اٹھتے تو تکبیر کہتے، پھر آپ ﷺ اپنی ساری کی ساری نماز میں (یعنی دو یا چار یا تین رکعات والی نماز کی ہر ہر رکعت میں) ایسا ہی کرتے تھے اور جب (پہلے تشہد کے) جلوس کے بعد دو رکعتوں سے (تیسری کے لیے) اٹھتے تو تکبیر کہتے تھے۔ ❶

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:...... **كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ**: یہ تکبیر تحریمہ کا بیان ہے۔ یہ نماز کا رکن ہے اس کے بغیر نماز منعقد نہیں ہوتی، اس کے جملہ صیغوں کا مفصل ذکر اور ان کے احکام کا بیان کیا جا چکا ہے۔

ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْكَعُ: یہ تکبیر رکوع کے لیے جھکتے وقت ہوگی۔ کیونکہ یہ تکبیر تکبیر انتقال ہے اسی لیے یہ ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف انتقال کے وقت ادا کی جائے گی۔

ثُمَّ يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ حِيْنَ يَرْفَعُ صُلْبَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ: یہ دعا کمر کو رکوع سے سیدھا کرتے وقت پڑھی جائے گی اور سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ سے مراد یہ ہے کہ جس نے بھی رب تعالیٰ کی حمد بیان کی رب تعالیٰ اس کی اس تحمید کو شرف قبولیت سے نوازے گا اور حمد کی ''استجابت'' دراصل اس حمد پر دیے جانے والا ثواب ہے۔ یعنی جو بھی رب تعالیٰ کی حمد بیان کرے گا رب تعالیٰ اسے اس پر ثواب عطا فرمائے گا۔ غرض یہ رب تعالیٰ کی ہے تو ثنا لیکن یہ ثنا دعا کو متضمن ہے جسے بندہ ثواب کی طلب و رغبت میں بیان کرتا ہے۔ اسی لیے وہ اس تحمید پر ثواب سے نوازا جاتا ہے۔

ثُمَّ يَقُوْلُ وَ هُوَ قَائِمٌ رَبَّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ: وَ هُوَ قَائِمٌ جملہ حالیہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ یہ دعا سیدھا ہو جانے اور معتدل و مطمئن کھڑے ہو جانے کے بعد پڑھے گا۔

رَبَّنَا: یہ منادی ہے اور یہاں حرف ندا یَا محذوف ہے۔ تقدیری عبارت یَا رَبَّنَا ہے۔

وَ لَكَ الْحَمْدُ: یہ جملہ معطوفہ ہے اور اس کا عطف ماقبل کے محذوف جملہ پر ہے۔ تقدیری عبارت یہ ہے: يَا رَبَّنَا أَثِبْنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ . ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں اجر و ثواب سے نواز اور سب تعریفیں تیرے ہی لائق ہیں۔'' تب پھر مذکورہ واؤ عاطفہ ہے نہ کہ حالیہ۔

ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَهْوِي سَاجِدًا: یہ تکبیر بھی چونکہ تکبیر انتقال ہے اس لیے یہ قیام اور سجدہ کے درمیان یعنی ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہوتے ہوئے ادا کی جائے گی۔

يَهْوِي: یَا کے فتح کے ساتھ، هَوَيَانٌ اوپر سے نیچے گرنے کو کہتے ہیں۔ یعنی آدمی جب قیام سے سجدے کے طرف نیچے جا رہا ہو تو یہ تکبیر کہے۔

---

❶ صحيح البخاري: 789۔ صحيح مسلم: 392.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سَاجِدًا: یہ یَهْوِیْ کی ضمیر سے حال ہے۔
ثُمَّ يُكَبِّرُ ...... حِيْنَ يَقُوْمُ مِنَ اثْنَتَيْنِ بَعْدَ الْجُلُوْسِ: اس جملہ میں دوسجدوں کی تکبیروں کے بعد سے لے کر نماز کے ختم تک کی دیگر تکبیروں کا بیان ہے۔
مضمون حدیث:......اس حدیث میں نماز کی سب رکعات میں کن کن مواقع پر تکبیر کہی جاتی ہے، ان کا مفصّل بیان ہے۔

تکبیراتِ انتقالات کی تفصیل اور ان کا حکم

نماز کا آغاز تکبیرِ تحریمہ سے ہوتا ہے جس کے رکن ہونے پر سب کا اتفاق ہے لہٰذا وہ فرض ہے اور اس کے بغیر نماز منعقد نہیں ہوتی۔ رہی باقی کی تکبیریں تو ان کے واجب یا سنت ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ جن کے نزدیک یہ تکبیریں سنت ہیں ان کے نزدیک ان تکبیروں کے عمداً ترک سے بھی نماز باطل نہیں ہوتی اور ایک قول یہ ہے کہ یہ تکبیریں واجب ہیں البتہ نماز کا رکن نہیں۔ لہٰذا اگر ان کو عمداً ترک کیا تو نماز باطل ہو جائے گی لیکن اگر ان کا ترک سہواً ہوا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ یہی قول راجح اور صحیح ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ یہ تکبیریں ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف انتقال کے وقت ادا کی جائیں گی۔ لہٰذا ان کا دو رکنوں کے مابین ہونا لازم ہوگا۔ کیونکہ لفظِ انتقال کا یہی مقتضیٰ ہے۔ چنانچہ قیام سے سجدہ کے لیے جاتے وقت یہ تکبیر اس وقت شروع کی جائے جب آدمی سجدہ میں جانے کے لیے متحرک ہوتا ہے اور اس وقت ختم کی جائے گی جب وہ سجدے میں پہنچنے والا ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر تو اس تکبیر کو سجدہ کے لیے حرکت کرنے سے قبل ہی پورا کر لیا یا سجدہ میں پہنچنے کے بعد کہا تو یہ اس شخص کی طرح ہوگا جس نے اس تکبیر کو ترک کر دیا ہو کہ یہی مشہور مذہب ہے۔ کیونکہ قیام میں ہی تکبیر کہنا یا سجدہ میں جا کر تکبیر کہنا یہ ان دونوں ارکان کے خاص اذکار میں ایک دوسرے ذکر کو داخل کرنا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم جانتے ہیں کہ اس قول کے اختیار کرنے میں ائمہ مساجد پر مشقت ہے چہ جائیکہ مقتدیوں پر بھی مشقت ہے۔ اس لیے اس باب میں راجح قول کی تفصیل یہ ہے:

⊙ ...... اگر کسی نے اس تکبیر کو دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کے لیے متحرک ہونے سے قبل کہنا شروع کر دیا لیکن جھکنے کی حالت میں اس تکبیر کو پورا کر لیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

⊙ ...... اسی طرح اگر دوسرے رکن میں پہنچ کر اس تکبیر کو پورا کیا تب بھی کوئی حرج نہیں۔

⊙ ...... لیکن اگر ساری تکبیر قیام میں ہی پوری کر لی اور پھر سجدہ میں گیا تو یہ جائز نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں اس نے دو محظورات کا ارتکاب کیا ہے:

(1) ایک ذکر مشروع کو بے محل ادا کرنا (2) دوسرا ذکر مشروع کو اپنے محل میں ترک کرنا

⊙ ...... اسی طرح اگر کسی نے دوسرے رکن میں پہنچ کر تکبیر کہی تو یہ بھی جائز نہ ہوگا کہ یہاں بھی گزشتہ مذکورہ دو محظورات کا ارتکاب ہے۔

◈ مذکورہ روایت کے ظاہر الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ تکبیریں ایک جیسی ہیں یعنی ایک دوسرے سے کم زیادہ نہیں۔ یہی راجح قول ہے اور اسی کو سنت بھی کہیں گے کیونکہ مذکورہ روایت میں ایک تکبیر کا دوسری سے فرق ذکر نہیں کیا گیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- معلوم ہوا کہ ارکانِ صلوٰۃ کی ادائیگی میں ہر نمازی کو حد درجہ احتیاط، تنبہ اور مستعدی کا مظاہرہ کرنا چاہیے تاکہ کوئی رکن بےمحل ادا نہ ہو جائے گا اور نہ کوئی رکن اپنے محل میں ادا کرنے سے رہ جائے۔
- امام رکوع سے اٹھتے وقت سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے گا جبکہ رَبَّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ قیام میں سیدھا کھڑے ہونے کے بعد کہے گا۔ یہی طریق منفرد کا بھی ہوگا اور رہا مقتدی تو اس بارے راجح قول یہ ہے کہ ''جب امام سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہتا ہوا اٹھے گا تو وہ رَبَّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ کہتا ہوا اٹھے گا'' کہ ایک حدیث میں صراحت کے ساتھ یہی آتا ہے۔ ❶
- رَبَّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ: یہ کلمات متعدد روایات کے تتبع کے بعد چار طرح سے ہیں:

(1) رَبَّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ جیسا کہ اس روایت میں ہے۔

(2) رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ. ❷ واؤ کے حذف کے ساتھ

(3) اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ. ❸ واؤ اور اَللّٰهُمَّ کے جمع کے ساتھ

(4) اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ. ❹ اَللّٰهُمَّ کے ذکر اور واؤ کے حذف کے ساتھ

غرض یہ چاروں صیغے سنتِ نبوی سے ثابت ہیں۔ اس لیے اس باب میں اولیٰ یہ ہے کہ کبھی ایک صیغہ تو کبھی دوسرا صیغہ کہہ لیا جائے۔

- تکبیرہ تحریمہ کو چھوڑ کر باقی کی چار رکعات میں (جبکہ نماز رباعیہ ہو) تکبیرات کی کل تعداد 21 ہے۔
- وَ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ مِنَ اثْنَتَيْنِ: یہاں حِيْنَ يَقُوْمُ سے مراد ''شروع فی الفعل'' ہے، یعنی جس وقت آدمی تیسری رکعت کے لیے اٹھنے لگے، اس وقت تکبیر کہنا شروع کرے۔ یاد رہے کہ تیسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت کہی جانے والی یہ تکبیر بھی واجب ہے اور تکبیرِ واجب کا حکم گزشتہ صفحات میں بیان کر دیا گیا ہے۔

رکوع سے کھڑے ہوتے وقت کے اذکار

293- وَعَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ قَالَ: ((اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ، مِلْءَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ ، وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ ، أَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ ، أَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ۔ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ۔ اللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ))

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ...... ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ. ''اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ساری حمد و ستائش تجھے ہی سزاوار ہے (اتنی کہ) جس سے آسمانوں اور زمین کی ساری وسعتیں بھر جائیں اور زمین و آسمان سے آگے جو سلسلۂ وجود تیری مشیت میں ہے اس کی بھی ساری وسعتیں بھر جائیں۔ اے (حمد و) ثناء اور (عظمت و) بزرگی والی ذات! (اور یہ تیری حمد و ثناء اور

---

❶ دیکھیں: صحیح البخاری: 689- صحیح مسلم: 418.

❷ دیکھیں: صحیح البخاری: 722- صحیح مسلم: 414.

❸ دیکھیں: صحیح البخاری: 7346 ❹ صحیح مسلم: 771.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعظیم و تمجید) بندہ جو کچھ کہتا ہے اس میں سے سب سے سچی بات ہے اور ہم سب کے سب تیرے بندے ہیں، اے اللہ! جو تو عنایت کر دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو روک دے اسے کوئی دینے والا نہیں اور تیرے مقابلے میں کسی غنا والے کا غنا اس کے کام نہیں آ سکتا)۔ ❶

رَوَاهُ مُسْلِمٌ . اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ: اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ......: بیان کیا جا چکا ہے کہ امام پہلے سمع اللہ لمن حمدہ پڑھے گا۔ مذکورہ روایت میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اس دعا کے بعد والے ذکر کو بیان کرنا چاہتے ہیں اور اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ میں کتنے صیغے ہیں ان کو تفصیلاً ذکر کیا جا چکا ہے۔

مِلْءَ السَّمٰوَاتِ ......: مِلْءُ الشَّيْءِ اس چیز کو کہتے ہیں جو دوسری شے کو بھر دے۔ علماء کا اس جملہ کے معنی میں اختلاف ہے۔ چنانچہ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر یہ دعا اور ذکر جسم ہوتے تو ساتوں آسمانوں اور زمینوں کو بھر دیتے۔ لیکن یہ قول محلِ نظر ہے کیونکہ بڑے اجسام کم مقدار میں بھی کسی شے کو بھر دیتے ہیں جبکہ اس شے کو چھوٹے اجسام زیادہ تعداد میں جا کر بھرتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی حمد زمین و آسمان کو بھر دینے والی یعنی اس ساری کی ساری مخلوق کو شامل ہے کیونکہ یہ سب اللہ کی مخلوق ہے اور ان کی تخلیق میں رب تعالیٰ کی ذات محمود ہے۔ کیونکہ اس بات پر رب تعالیٰ نے خود اپنی حمد بیان کی ہے کہ اس نے زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ﴾ (الانعام: 1) ''سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔'' بے شک یہ معنی زیادہ درست ہے کہ رب تعالیٰ کی حمد اپنے عظیم ہونے کی اور اپنی معنوی عظمت کی وجہ سے زمین و آسمان کی ہر شے کو شامل ہے۔

وَ مِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ: یعنی زمین و آسمان سے آگے جو سلسلۂ وجود رب تعالیٰ کی مشیت میں ہے اس کی بھی وسعتیں بھر دے۔ رہا یہ سوال کہ کیا رب تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کے بعد بھی کسی شے کی تخلیق کو چاہا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں! کیونکہ رب تعالیٰ نے کچھ چیزوں کو زمین و آسمان کی تخلیق سے قبل اور کچھ چیزوں کو ان کی تخلیق کے بعد پیدا کیا تھا۔ چنانچہ جنت دوزخ، زمین و آسمان کے بعد بنائے۔ البتہ زمین و آسمان سے قبل کی مخلوقات میں سے بعض کو ہم جانتے ہیں اور بعض کو نہیں جانتے۔

بَعْدُ: یہاں بعدیت باعتبار زمانہ کے ہے۔ لہٰذا اس کو زمین و آسمان کے فنا کے بعد کے زمانہ کے لیے ہی متعین ماننا صحیح نہیں بلکہ اس میں عموم ہے۔ لہٰذا یہ بعدیت حال یا وراء یا سوٰی کے معنی میں ہوگی اور سابق و لاحق دونوں بعدیت کو شامل ہوگی، یہی زیادہ صحیح معنی ہے۔

اَهْلَ الثَّنَاءِ وَ الْمَجْدِ: اَهْلَ فتح کے ساتھ منادی ہے اور یہاں حرفِ نداء محذوف ہے اور تقدیری عبارت يَا اَهْلَ

❶ صحیح مسلم: 477.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلثَّنَاءِ وَ الْمَجْدِ ہے۔لیکن اس پر ضم پڑھنا بھی جائز ہے اور یہ اعراب اور معنی دونوں اعتبار سے درست بھی ہوگا۔تب پھر یہ مبتدا محذوف کی خبر ہوگا اور تقدیری عبارت اَنْتَ اَهْلُ الثَّنَاءِ وَ الْمَجْدِ ہوگی۔البتہ اعراب کی پہلی توجیہ زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ کو اس وصف کے ساتھ پکارنا دراصل اس کے لیے اس صفت کا اقرار بھی ہے۔لہٰذا یہاں منادات اور اقرار دو باتیں ہیں جبکہ اس کو خبر ماننے میں صرف وصف کا اقرار ہے نہ کہ اس وصف کے ساتھ رب تعالیٰ کو پکارنے کا معنی بھی ہے اور علم بلاغت میں معانی کی کثرت بہ نسبت اس کی قلت کے زیادہ ابلغ ہے۔

اَهْلَ الثَّنَاءِ: یعنی اے ہمارے پروردگار! تو ہی ثناء اور حمد بیان کیے جانے کے لائق اور اہل ہے اور یہ صفاتِ کمالیہ کا تکرار ہے۔

اَلْمَجْدِ: مَجْدٌ عظمت و سلطان کو کہتے ہیں۔یعنی رب تعالیٰ سے بڑھ کر عظمت و سلطان والا اور کوئی نہیں اور نہ کسی کی سلطانی، سطوت، شوکت اور اقتدار رب ذوالجلال والاکرام سے زیادہ کامل ہے۔

اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ: اَحَقُّ یہ مضاف ہے، مَا موصولہ ہے اور قَالَ الْعَبْدُ صلہ ہے۔موصول صلہ مل کر اَحَقُّ صیغہ اسم تفضیل کا مضاف الیہ ہے اور یہ ترکیب اضافی مبتدا محذوف کی خبر ہے اور تقدیری عبارت یہ ہے: ذٰلِكَ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ . یعنی رب تعالیٰ کی ثنا و تحمید اور اس کی تمجید و تعظیم، بندہ جو کچھ کہتا ہے، اس سب میں سے سب سے سچی اور حال کے سب زیادہ موافق و مطابق بات ہے۔کیونکہ کسی بندے کی تعریف واقع کے مطابق اور سچی بھی ہوسکتی ہے اور خلافِ واقع اور جھوٹی بھی ہوسکتی ہے۔لیکن رب تعالیٰ کی تعریف کبھی باطل اور خلافِ واقع نہیں ہوسکتی۔

وَ كُلُّنَا لَكَ الْعَبْدُ: یعنی بندوں سمیت ساری کی ساری مخلوق رب تعالیٰ کی بندگی کرنے والی ہے اور یہ عبودیت و بندگی عبودیت کی دونوں قسموں عبودیتِ قدریہ اور عبودیت شرعیہ کو شامل ہے، جس کی تفصیل بیان کی جاچکی ہے۔

اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ: لَا مَانِعَ سے مراد جو تقدیر میں لکھا جاچکا ہے وہ ہے، کہ اس کو روکنے والا کوئی نہیں۔ چاہے کسی کی قوت و طاقت جہاں تک بھی پہنچ جائے لیکن وہ رب کی تقدیر میں لکھے کو ٹال اور روک نہیں سکتا۔رہے بعض وہ لوگ جو دوسروں کو اپنے مال میں سے کچھ نہیں دیتے تو دراصل یہ رب کی تقدیر کو نہیں روکتے بلکہ ان کے ہاتھوں دوسروں کو دیا جانا تقدیر میں لکھا ہی نہیں ہوتا۔

وَ لَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ: یعنی جب رب تعالیٰ کسی کی تقدیر میں کسی شے کے نہ ملنے کو لکھ دیں تو کوئی دوسرا اسے وہ شے دے نہیں سکتا۔بے شک منع و عطاء کے یہ جملہ امور صرف اور صرف رب تعالیٰ کے دست قدرت میں ہیں۔

وَ لَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ: اَلْجَدُّ غنا، قدرت، رزق اور مرتبہ کو کہتے ہیں۔مِنْ یہاں مقابل کے معنی کے لیے ہے۔یعنی کسی صاحب مرتبہ کا مرتبہ اور اس کا مال و منال اسے اللہ کے مقابلے میں کسی کام نہ آسکے گا۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں رکوع سے اٹھنے کے بعد کی ایک اور دعا مانگنے کا ذکر ہے جو سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کے بعد پڑھی جائے گی اور اس دعا کا مانگنا مستحب ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ رکوع سے اٹھنے کے بعد سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کے بعد یہ دعا مانگنا مستحب ہے۔

◈ لَكَ الْحَمْدُ: میں خبر مقدم ہے جو حصر کا فائدہ دے رہی ہے۔ اور اَلْحَمْدُ کا الف لام استغراق کے لیے ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ مطلق حمد صرف اللہ رب العزت ہی کو سزاوار ہے۔ البتہ بندوں کے اچھے کاموں پر ان کی حمد و تعریف جائز اور مقبول ضرور ہے لیکن مطلق نہیں کیونکہ

(1) ایک تو ان لوگوں کے خیر کے کام بہرحال کمال کے درجہ پر نہیں ہیں۔

(2) دوسرے یہ کہ بندے ہر خیر کے کام پر قادر نہیں۔

◈ زمینوں اور آسانوں کا اثبات اور یہ کہ ان کی تعداد سات سات ہے۔ آسمانوں کے سات ہونے پر قرآن کی متعدد نصوص دلالت کرتی ہیں جبکہ زمینوں کے سات ہونے پر سنت شاہد ناطق ہے۔ ❶

◈ معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کی اس زمین و آسمان کے درمیان رہنے والی مخلوق کے علاوہ بھی بے شمار مخلوق ہے جس کو صرف وہی جانتا ہے۔

◈ رب تعالیٰ کے لیے مشیت ثابت ہے۔

◈ رب تعالیٰ جملہ صفاتِ کمالیہ پر ثنا کیے جانے کا اہل ہے۔

◈ مجد و سلطان اللہ ہی کا ہے۔

◈ رب تعالیٰ کی یہ ثنا و تمجید بندے کی کہی باتوں میں سے سب سے سچی، صحیح اور درست بات ہے۔ کیونکہ بندہ سچی جھوٹی، مباح، مکروہ، حرام وغیرہ ہر قسم کی باتیں کر لیتا ہے۔ ان سب باتوں میں سے سب سے صحیح اور سچی بات وہی ہے جو رب تعالیٰ کی حمد و ثناء اور تمجید و تعظیم پر مشتمل ہو۔

◈ ساری کی ساری مخلوق رب تعالیٰ کا محض بندہ ہے۔

◈ بندوں کے سارے امور رب تعالیٰ کے سپرد ہیں کہ دینے والا اور روکنے والا حقیقت میں وہی ہے۔

◈ رب تعالیٰ کی قدرت کامل ہے کہ اس کے دینے اور روکنے کے آگے کسی کی پیش نہیں چل سکتی۔

◈ رب تعالیٰ کے سامنے کسی کی قوت و سلطنت، دولت و غنا، رتبہ و مرتبہ، علم و وجاہت غرض کچھ بھی کام نہ آسکے گا۔

سجدہ کرنے کا طریقہ و ہیئت اور اس کے احکام

294- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ: عَلَى الْجَبْهَةِ- وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى أَنْفِهِ- وَالْيَدَيْنِ، وَالرُّكْبَتَيْنِ، وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ)).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں (پھر آپ ﷺ نے ان سات ہڈیوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا یعنی) ماتھے پر......اور اپنے دستِ مبارک سے اپنی ناک مبارک کی طرف اشارہ فرمایا...... اور دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں (کی انگلیوں کے) کناروں (یعنی سروں) پر (سجدہ کروں)۔'' ❷

❶ دیکھیں: صحیح مسلم: 1610 عن سعید بن زید رضی اللہ عنہ - یہ روایت آگے آجائے گی۔

❷ صحیح البخاری: 812- صحیح مسلم: 490.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ . یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث :......اُمِرْتُ : چونکہ اس مقام پر ہمیں معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ کو امر کرنے والی ذات کون سی ہے، اس لیے اس ذات کا نام نہ لینے میں کوئی حرج نہیں اور امر کرنے والی وہ ذاتِ اقدس اللہ رب العزت کی ہے۔

عَلٰى سَبْعَةِ اَعْظُمٍ: ایک روایت میں عَلٰى سَبْعَةِ اَعْضَاءٍ کے الفاظ ہیں۔مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔

عَلَى الْجَبْهَةِ وَ اَشَارَ بِيَدِهٖ اِلٰى اَنْفِهٖ: یعنی اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ ناک چہرے اور ماتھے کا بعض ہے۔پس ناک مستقل بھی ہے اور ماتھے کے متصل بھی ہے۔مستقل اس اعتبار سے ہے کہ ناک اپنے سرے سے شروع ہو کر اپنی جڑ پر جا کر ختم ہو جاتی ہے اور متصل اس اعتبار سے ہے کہ ناک کی ہڈی ماتھے کی ہڈی سے ملی ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے ناک کو نہ تو مستقل قرار دیا اور نہ منفصل ہی قرار دیا بلکہ ماتھے کا نام لے کر اپنے دستِ مبارک سے ناک کی طرف اشارہ فرما دیا۔

وَ الْيَدَيْنِ: مراد کَفَّيْن یعنی ہتھیلیاں ہیں اور یہ قاعدہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب لفظِ یَد مطلق آئے تو اس سے مراد دونوں ہتھیلیاں (ہاتھ کے گٹے تک) مراد ہوتی ہیں۔

اَلرُّكْبَتَيْنِ: گھٹنے معروف عضو ہے۔گھٹنا یہ ران اور پنڈلی کے بیچ میں موجود ایک ہڈی کا نام ہے۔

اَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ: مراد پاؤں کی انگلیاں (اور ان کے بھی سرے مراد) ہیں۔

مضمونِ حدیث:......مذکورہ حدیث میں ان اعضاء سبعہ کا ذکر ہے جن پر سجدہ کرنا واجب ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مذکورہ اعضائے سبعہ پر سجدہ کرنا واجب ہے۔کیونکہ امر میں اصل اس کا وجوب کے لیے ہونا ہے۔دوسرے سجدہ کا کمال ان اعضائے سبعہ پر سجدہ کرنے سے ہی ثابت ہوتا ہے۔
- نبی کریم ﷺ بھی رب تعالیٰ کے بندے تھے اور آپ ﷺ کی طرف بھی اوامر ونواہی متوجہ ہوتے تھے۔
- ان سات اعضاء کو سات ہڈیاں کہہ کر پکارا گیا ہے کیونکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو واقعی یہ اعضاء اپنی خلقی ہیئت اور ساخت میں ہڈیاں ہی ہیں۔
- معلوم ہوا کہ صرف ماتھے پر سجدہ ناک کی طرف سے کفایت کر جاتا ہے لیکن صرف ناک پر سجدہ یہ ماتھے پر سجدہ کی طرف سے کفایت نہیں کرتا۔کیونکہ آپ ﷺ نے ماتھے کا نام تو صراحۃً لیا جبکہ ناک کی طرف صرف اپنے دستِ مبارک سے اشارہ فرمایا۔لہٰذا صرف ناک پر کیا جانے والا سجدہ پورا نہ ہوگا اور اگر کسی کے ماتھے پر کسی عذر یا مرض کی وجہ سے کوئی پٹی، پلستر یا جبیرہ وغیرہ ہو تو اس پر سجدہ کرنا جائز ہوگا۔
- سجدہ میں دونوں گھٹنوں کو زمین پر رکھنا واجب ہے، اسی طرح دونوں پاؤں کی انگلیاں بھی زمین پر رکھنا واجب ہے۔لہٰذا اگر کسی نے سجدے میں ایک گھٹنا یا ایک پاؤں اٹھا دیا تو سجدہ پورا نہ ہوگا۔یہی حکم ایک ہاتھ کو ہوا میں اٹھا دینے کا ہے البتہ صاحبِ عذر کا حکم اس سے مستثنیٰ ہے۔البتہ انگلیاں چاہے قبلہ رخ ہوں یا زمین سے لگی ہوں دونوں صورتوں میں سجدہ ادا ہو جائے گا۔ہاں اگر ان کو ہوا میں ہی اٹھا دیا تو سجدہ پورا نہ ہوگا۔
- اگر کسی مرض یا زخم وغیرہ کی وجہ سے کوئی ناک اور ہاتھ دونوں پر سجدہ نہ کر سکے تو ماتھے کو ٹیکنا تو ساقط ہو جائے گا البتہ دیگر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعضاء کا زمین پر رکھنا اب بھی لازم ہوگا۔ لہٰذا ایسا شخص اپنے دونوں پاؤں، دونوں گھٹنے اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھ کر جہاں تک ہو سکے سر کو زمین تک لے جائے گو زمین پر رکھنا ساقط ہے۔ رہا یہ قول کہ جب ماتھے پر سے سجدہ ساقط ہو جاتا ہے تو باقی کے اعضاء پر بھی واجب نہیں رہتا تو یہ قول ضعیف ہے۔ لہٰذا اس پر اس ارشاد باری تعالیٰ کہ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن: 16) ''سو اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو۔'' کی رُو سے حتی الامکان باقی اعضاء کو زمین پر رکھ کر سر کو زمین کے قریب تک لے جانا واجب ہوگا۔

◈ اگر کسی نے ہاتھ کی پوری انگلیاں نہ رکھیں تو گو کہ سجدہ ادا ہو جائے گا اور بعض عضو کا یہ سجدہ کل عضو کے سجدہ سے کافی ہو جائے گا لیکن اسے کامل سجدہ نہ کہیں گے۔ البتہ مثلاً ایک ہاتھ پورے کو اٹھا دینا درست نہ ہوگا اور دوسرا ہاتھ سجدہ میں اس کی طرف سے کفایت نہ کرے گا اور بعض کی کل کی طرف سے کفایت بھی نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ صورت سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا مصداق نہیں۔

◈ اگر سجدہ کی جگہ اور ماتھے کے درمیان کوئی شے حائل ہو جائے، تو اگر تو وہ حائل کوئی عضوِ بدن ہی ہے۔ جیسے زمین پر ہتھیلی رکھ کر اس پر سجدہ کرنا، تو اس صورت میں سجدہ جائز نہ ہوگا اور اگر وہ حائل مذکورہ اعضاء کے علاوہ کوئی چیز ہے جیسے رومال، ماتھے کا صافہ، سر کا عقالہ، پگڑی کا بل یا پلو وغیرہ، تو اگر تو یہ کسی حاجت کی بنا پر ہے تو سجدہ ادا ہو جائے گا لیکن اگر یہ حائل بلا حاجت وضرورت کے ہے تو یہ سجدہ مکروہ ہوگا۔ جیسے شدید گرمی میں پگڑی کے پلو کو زمین پر زمین کی تپش وحرارت سے بچنے کے لیے بچھا کر اس پر سجدہ کرنا کہ یہ حاجت کی وجہ سے جائز ہوگا وگرنہ مکروہ ہوگا۔ یہ تو حائل کی وہ قسمیں اور ان کا حکم تھا جو نمازی سے متصل تھیں۔ رہا وہ حائل جو نمازی سے منفصل ہو تو اگر تو وہ حائل خاص ماتھے کو حائل ہوتا ہو تو اس پر سجدہ مکروہ ہوگا کیونکہ اس میں روافض کی مشابہت ہے، جو خاکِ کربلا کی ایک ٹکیا بنا کر اسے خاص سجدہ کی جگہ رکھ کر نماز ادا کرتے ہیں اور اس ٹکیا پر سجدہ کرتے ہیں اور اگر وہ منفصل حائل ماتھے کے علاوہ دیگر اعضاء سجدہ کو بھی شامل ووسیع ہو تو اس پر سجدہ کرنا جائز ہوگا جیسے پاک زمین ہونے کے باوجود اس پر رومال، چٹائی، قالین، غالیچہ یا مصلی وغیرہ بچھا کر اس پر نماز ادا کرنا اور اس پر سجدہ کرنا کہ یہ جائز ہوگا کیونکہ ایک تو یہ حائل منفصل ہے دوسرے دیگر اعضاء سجدہ کو بھی وسیع ہے۔

◈ سجدہ کے جائز ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ سجدہ میں ماتھا ٹِک جائے اور ایک جگہ جم جائے۔ لہٰذا اگر کسی نے نرم گدے، فوم یا مخملی دبیز غالیچہ وغیرہ پر سجدہ کیا اور ماتھے کو صرف رکھ دینے پر اکتفا کیا اور اس کو مزید نہ دبایا تا کہ ماتھے میں استقرار اور جماؤ اور ٹیکنے کا معنی پیدا ہو جائے تو یہ سجدہ درست نہ ہوگا۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ پانی کی سطح پر ماتھا رکھ دینے سے سجدہ ادا نہیں ہوتا کیونکہ پانی میں ماتھے کا استقرار محال ہے۔ یہیں سے جہاز کے فرش پر سجدے کا جواز بھی معلوم ہو گیا کیونکہ اگرچہ جہاز ہوا میں ہوتا ہے لیکن جہاز کے فرش پر ماتھا ٹیکنے سے اس میں صفتِ استقرار پیدا ہو جاتی ہے۔

◈ سجدہ میں افضل یہ ہے کہ اسے پاؤں کی انگلیوں کے بطون پر کیا جائے لیکن اگر کسی نے پاؤں کی انگلیوں کے ظہر پر بھی سجدہ کر لیا تو کافی ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ بعض عضو پر سجدہ ہے اور ذکر کیا جا چکا ہے بعض عضو یہ کل عضو کی طرف سے کافی ہو جاتا ہے البتہ اس صورت میں سجدہ کامل نہیں ہوتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سجدہ میں دونوں بازو کھلے ہوں

295۔ وَعَنِ ابْنِ بُحَيْنَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا صَلَّى وَسَجَدَ فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى يَبْدُوَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن بُحَینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نماز پڑھتے تھے اور (نماز کے دوران) سجدہ میں جاتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو (یعنی اپنی دونوں بانہوں کو اس قدر) کھول دیتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی مبارک بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی۔ ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث :...... فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ: یہاں یَد سے مراد کَفّ ہے یا ذِرَاع یا عَضُد؟ تو یہاں ید سے مراد ذراع اور عضد دونوں ہیں نہ کہ صرف ہتھیلی۔ جس کی دلیل بغلوں کی سفیدی نظر آنا ہے جو تب ہی ممکن ہے جب ذراع اور عضد دونوں کھلے ہوں۔

یَد: یہ ہتھیلی کو کہتے ہیں جو کلائی کے گٹے پر ختم ہو جاتی ہے۔

ذِرَاع: یہ کلائی سے اوپر کے عضو کو کہتے ہیں جو کہنی پر جا کر ختم ہو جاتا ہے (اردو میں اسے مجازاً کلائی کہہ دیتے ہیں)۔

عَضُد: یہ کہنی سے لے کر کندھے کے جوڑ تک کے عضو کو کہتے ہیں (اسی عضو کو اردو میں بازو کہتے ہیں)۔

بَیَاضُ الْاِبِط: مراد بغلوں کے اندر کا حصہ ہے جو بہ نسبت دیگر اعضاء کے زیادہ صاف رنگ کا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ حصہ دھوپ اور ہوا سے بچا رہتا ہے۔ جبکہ دیگر اعضاء دھوپ اور ہوا کے معرض میں ہونے کی وجہ سے قدرے متاثر ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی رنگت بہ نسبت بغل کے اندر کی رنگت کے کم سفید ہوتی ہے۔

مضمون حدیث:...... سجدہ میں دونوں بازوؤں کو کھولا جائے۔ حتیٰ کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ سجدے میں دونوں بازوؤں کو اتنا کھولے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگے۔ اب ظاہر ہے کہ بدن پر اگر قمیص پہنی ہو تو بازو چاہے جتنے بھی کھول لیجیے بغلوں کی سفیدی تو کجا خود بغلیں بھی نظر نہیں آئیں گی۔ تب پھر اس سے مراد بازوؤں کو فقط اس قدر کھولنا ہے کہ اگر قمیص نہ پہنی ہوتی تو اتنے بازو کھول دینے سے بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی۔ دوسرے یہ حکم اس وقت ہے جب آدمی جماعت کی صف میں نہ ہو لہٰذا اگر صف میں ہوتے ہوئے اس قدر بازو کھولنے سے ساتھ والے نمازی کو تکلیف پہنچتی ہو اور اس کی نماز کی توجہ بھی بٹتی ہو تو اس قدر بازو کھولنا منع ہوگا۔ تب پھر یہ حکم صرف امام اور منفرد کے حق میں ہوگا۔ نہ کہ مقتدی کے حق میں بھی ہوگا کیونکہ دوسرے کی ایذاء کے پیشِ نظر سنت کا ترک دوسرے کو ایذا دے کر سنت کے ادا کرنے سے اولیٰ ہے۔

مذکورہ حدیث سے تیسرا اہم ترین فائدہ یہ حاصل ہوا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا بدنِ مبارک سفید رنگت اور خوش رنگ تھا۔

سجدہ میں کہنیاں اوپر کو اٹھی ہوں

296۔ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا سَجَدْتَ فَضَعْ كَفَّيْكَ، وَارْفَعْ مِرْفَقَيْكَ)).

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تو سجدہ کرے تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر رکھ دے اور اپنی دونوں کہنیوں کو اٹھا دے۔'' ❷

❶ صحيح البخاري: 390۔ صحيح مسلم: 495.
❷ صحيح مسلم: 494.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

شرح :...... مذکورہ حدیث میں سجدہ کا ایک اور ادب بیان کیا گیا ہے کہ دونوں ہتھیلیاں زمین پر رکھی ہوں جبکہ دونوں کہنیاں زمین پر بچھی نہ ہوں بلکہ اوپر کو اٹھی ہوں اور اگر اس کے ساتھ گزشتہ حدیث کو بھی ملا لیا جائے تو مطلب یہ بنے گا کہ یہ کہنیاں اوپر کو اٹھی بھی ہوں اور گزشتہ مذکورہ شروط کے ساتھ کشادہ بھی ہوں۔ البتہ یہ افضلیت کے باب سے ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے ایسے نہ کیا تو سجدہ پھر بھی ہو جائے گا۔

سجدہ میں انگلیاں ملی اور قبلہ رو ہوں:...... مذکورہ حدیث میں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ جب ہاتھ زمین پر رکھے ہوں تو انگلیاں کھلی ہوں یا ملی ہوں؟ صحیح یہ ہے کہ انگلیاں ملی ہوں اور قبلہ رُو ہوں، قبلہ سے پھری نہ ہوں۔

سجدہ میں ہاتھ کہاں رکھے ہوں؟...... اس بارے حدیث مبارکہ سے تین باتیں ملتی ہیں:

(1) کندھوں کے برابر ہوں (2) کانوں کے برابر ہوں (3) ماتھے کے برابر ہوں

چونکہ یہ تینوں باتیں حدیث میں ملتی ہیں لہٰذا اس امر میں وسعت ہے جو چاہے اختیار کرے اور افضل یہ ہے کہ ان تینوں طریقوں پر باری باری عمل کرے۔ کیونکہ جب ایک عبادت کی بابت متنوع روایات ملتی ہوں تو افضل یہ ہوتا ہے کہ ان سب مرویات پر گاہے گاہے عمل کرے۔ تا کہ

(1) ایک تو سنت کا تحقق ہو جائے۔

(2) دوسرے دوسری سنت کا محفوظ کرنا بھی ہو جائے۔

(3) تیسرے اکتاہٹ اور تنگ دلی نہ ہو۔

(4) چوتھے عبادت کے عبادت ہونے پر انتباہ حاصل ہو، تا کہ آدمی عبادت کی بابت خود کو ایک خود کار مشین نہ سمجھنے لگے جو ایک ہی نہج پر بس چلتی ہی رہتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ جناب رسول اللہ ﷺ کی اپنی امت پر بے حد شفقت و عنایت کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کے سامنے ان کی ضرورت و احتیاج کی ہر ہر بات کو بیان فرما دیا۔

◈ سجدے میں کہنیوں کو اٹھائے رکھنا سنت اور ہاتھوں کو زمین پر رکھنا واجب ہے، جیسا کہ گزشتہ میں ذکر ہوا۔

سجدوں اور رکوع میں انگلیاں رکھنے کا طریقہ

297- وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا رَكَعَ فَرَّجَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ، وَإِذَا سَجَدَ ضَمَّ أَصَابِعَهُ.

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب رکوع فرماتے تھے تو اپنی انگلیوں کو (گھٹنوں پر رکھتے وقت ان کو) کھول دیتے تھے اور جب سجدہ کرتے تھے تو اپنی انگلیوں کو (زمین پر رکھتے وقت ان کو) ملا دیتے تھے۔ ❶

---

❶ المستدرك للحاكم: 350/1- امام حاکم فرماتے ہیں: یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔ اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (642) امام ابن حبان (1920) اور امام دارقطنی (339/1) نے بھی روایت کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ الْحَاكِمُ . اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے۔

شرح ......رکوع کے طریقہ میں اس بات کو مفصل ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس وقت آدمی اپنی انگلیوں کو گھٹنوں کی ہڈیوں پر مضبوطی کے ساتھ کھول کر جمائے رکھے۔ تاکہ رکوع اور سجدہ کی حالت میں انگلیوں کی وضع میں فرق ہو جائے کیونکہ سجدہ میں انگلیاں باہم ملی ہوتی ہیں۔

نفل نماز میں قیام کرنے کی بجائے بیٹھ کر نماز ادا کرنے کا حکم

298- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يُصَلِّيْ مُتَرَبِّعًا)).

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ چہار زانو ہو کر (یعنی آلتی پالتی مار کر) نماز ادا فرما رہے تھے۔ ❶

رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ .

اس حدیث کو امام نسائی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... رَأَيْتُ: مراد رؤیت عینیہ ہے۔

مُتَرَبِّعًا: چہار زانو ہو کر بیٹھنا (جسے ہماری اردو میں آلتی پالتی مار کر بیٹھنا یا پھسکڑا مار کر بیٹھنا کہتے ہیں)۔

تَـرَبُّـعٌ: یہ پنڈلیوں اور رانوں کو ایک دوسرے میں داخل کر کے اوران کو چار بنا کر بیٹھنے کو کہتے ہیں کہ داہنی پنڈلی بائیں ران میں اور بائیں پنڈلی داہنی ران میں داخل کر کے بیٹھے۔

نفل نماز میں قیام کی جگہ چہار زانو ہو کر بیٹھنا:...... مذکورہ تربع سے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مراد قیام کی جگہ مذکورہ حالت میں بیٹھ کر نماز ادا کرنا ہے اور اس کی حکمت یہ ہے کہ تربع میں بہ نسبت قیام کے زیادہ راحت واطمینان ہے اور یہ حکم نفل نماز کا ہے کیونکہ قیام بہرحال بہ نسبت دوسرے ارکان کے زیادہ طویل ہوتا ہے۔ اس لیے راحت کی غرض سے نفل نماز میں قیام کی جگہ تربع کے ساتھ بیٹھ کر نماز ادا کرنا جائز ہے۔

البتہ فرض نماز میں قیام فرض ہے لہٰذا یہ حکم فرض نماز کا نہ ہوگا لیکن اگر فرض میں بھی قیام سے عذر اور عجز ہو تو تربع کے ساتھ بیٹھ کر نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر کھڑے ہونے میں جان پر خوف ہو جیسے دیوار قدِ آدم سے چھوٹی ہو اور کھڑے ہونے میں دشمن کے دیکھ لینے کا اندیشہ ہو تو فرض نماز کو بھی بیٹھ کر ادا کر سکتے ہیں۔ رہا ایسے امام کے پیچھے نماز کا حکم جو کسی عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز ادا کر رہا ہو تو اس کا تفصیلی حکم امامت کے باب میں آ جائے گا۔ پھر یہ آدمی قیام کے بعد رکوع میں بھی اسی حال میں رکوع کرے اور بعد کے قیام میں بھی اسی طرح چہار زانو بیٹھے کہ یہی راجح قول ہے البتہ بعد کے جلسات اور تشہد میں افتراش یا تورک کر کے بیٹھے۔ جن کے معنی بیان کر دیئے گئے ہیں۔

سجدوں کے درمیان دعا مانگنا

299- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ دونوں

❶ سنن النسائی: 224/3- امام نسائی کہتے ہیں: یہ روایت خطا ہے۔ صحیح ابن خزيمة: 978- المستدرك للحاكم: 389/1- امام حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے۔ امام بیہقی نے "السنن" (305/2) میں اس حدیث کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كَانَ يَقُولُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ: ((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي، وَارْحَمْنِي، وَاهْدِنِي، وَعَافِنِي، وَارْزُقْنِي)). رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَاللَّفْظُ لِأَبِي دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

سجدوں کے درمیان یہ دعا مانگا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي ...... ''اے اللہ! تو میری بخشش کر، اور مجھ پر رحم فرما، اور مجھے ہدایت سے نواز اور مجھے عافیت دے اور مجھے روزی عطا فرما۔'' ❶

اس حدیث کو ائمہ اربعہ نے روایت کیا ہے سوائے امام نسائی کے اور مذکورہ روایت کے الفاظ سنن ابی داؤد کے ہیں اور حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي: مغفرت بخشش کرنے کو کہتے ہیں۔ اس کے معانی کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔

وَ ارْحَمْنِي: رَحْمَةٌ: شفقت اور مہربانی۔

وَ اهْدِنِي: ہدایت کی علماء نے دو قسمیں بیان کی ہیں: (1) ہدایت توفیق (2) اور ہدایتِ علم و ارشاد۔ اب کوئی تو دونوں ہدایتوں سے محروم رہتا ہے اور کوئی ہدایت توفیق سے، گو اسے علم و ارشاد کی ہدایت نصیب بھی ہو جائے لیکن غالب یہ ہے کہ جسے ہدایت توفیق نصیب ہو جائے تو یہ توفیق علم و ارشاد کی توفیق بھی ساتھ لے آتی ہے۔ اس لیے بندہ جب بھی رب تعالیٰ سے ہدایت کی دعا مانگے تو دونوں ہدایتیں مانگے۔ پھر علم و ارشاد کی ہدایت ہر ایک کو دینے کو خود رب تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى﴾ (اللیل: 12) ''بلاشبہ ہمارے ہی ذمے یقیناً راستہ بتانا ہے۔'' کہ اس آیت میں، جو لام اور اِنَّ کی تاکیدات کے ساتھ موکد ہے، جس ہدایت کا ذکر ہے، وہ ہدایت علم و ارشاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۂ فاتحہ میں ہدایت کا ذکر بغیر کسی حرف کے واسطہ سے ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ (الفاتحۃ: 5) ''ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔'' اور اِهْدِنَا اِلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ نہیں فرمایا کیونکہ یہاں جس ہدایت کا ذکر ہے، وہ ہدایت توفیق ہے۔ اس لیے ایک بندہ مومن کو نماز میں اور نماز کے علاوہ اوقات میں رب تعالیٰ سے دونوں ہدایتیں اور بالخصوص ہدایت توفیق مانگنی چاہیے۔

وَ عَافِنِي: عافیت سے مراد قلب و جسم دونوں کی بیماریوں سے عافیت اور سلامتی مانگنا ہے۔ البتہ دل کی بیماریوں سے عافیت کا سوال زیادہ اہم ہے کہ دل کی بیماری کا خسارہ دنیا و آخرت دونوں میں بھگتنا پڑتا ہے۔ جبکہ بدن کی بیماری کے اثرات صرف دنیاوی زندگی تک محدود رہتے ہیں اور ان کی غایت و نہایت موت ہے۔ کوئی بیماری جتنی بھی لمبی اور اذیت ناک ہو، موت آ کر اس سے چھٹکارا دے دے گی۔ غرض بندہ ہونے کے ناطے ہمیں قلب و جسم دونوں کی بیماریوں سے عافیت کی دعا مانگنی چاہیے۔

وَ ارْزُقْنِي: رِزْقٌ لباس، پوشاک، خوراک، رہائش، نکاح، صحت، علم حتیٰ کہ دین اور ایمان تک کو شامل ہے۔ لہٰذا ہمیں رب تعالیٰ سے ایمان، عمل صالح، علم نافع کی بھی دعا مانگنی چاہیے جو اَرْزَاق میں سے سب سے اہم رِزْق ہے۔

مضمونِ حدیث:...... اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ دونوں سجدوں کے درمیان دعا مانگنا جائز ہے اور اس بارے افضل ان مسنون دعاؤں کا مانگنا ہے جو بے حد جامع اور وسیع ترین معانی کی حامل ہیں۔

---

❶ سنن ابی داود: 850- جامع الترمذی: 284- سنن ابن ماجه: 898- المستدرك للحاكم: 393/1- امام نووی ''المجموع'' (398/3) میں فرماتے ہیں: اس حدیث کی اسناد جید (عمدہ) ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ دونوں سجدوں کے درمیان کے جلسہ کو نبی کریم ﷺ نے دعائیں مانگنے کے لیے خاص کر رکھا تھا۔
- جناب رسول اللہ ﷺ بھی بندہ ہونے کے ناطے رب تعالیٰ کے ہر قسم کے رحم وکرم اور مغفرت وعنایت کے محتاج تھے۔
- جناب رسول اللہ ﷺ بھی رب تعالیٰ کے محض بندے تھے اور آپ ﷺ میں الوہیت، ربوبیت اور بے نیازی کی کوئی شان نہ تھی یہ شانیں صرف اور صرف رب تعالیٰ کی ہیں۔
- مغفرت، رحمت، عافیت اور رزق کی دعاؤں کو جمع کر کے مانگنا افضل ترین دعا ہے۔
- بندہ ہمہ وقت رب تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی عنایت کا محتاج ہے۔ اسی طرح عافیت، رزق اور مغفرت بھی بندے کی بڑی حاجات میں سے ہیں۔
- نبی کریم ﷺ بھی بدن کی عافیت اور دین وشریعت کی دعوت میں عافیت کے محتاج تھے۔
- نبی کریم ﷺ بھی رزق وروزی کے محتاج تھے۔
- نبی کریم ﷺ نے امت کو اس بات کی تعلیم دی ہے کہ وہ رب تعالیٰ کو ان جیسے جملوں کے ساتھ پکارا کرے۔
- اسی قدر دعا مسنون ہے۔
- اگر ان پانچ دعاؤں میں سے کسی ایک پر اقتصار کرنا ہو تو فقہاء نے لکھا ہے کہ تب پھر صرف مغفرت کی دعا پر اقتصار کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ مغفرت دنیا وآخرت کی نعمتوں میں سے سب سے اہم نعمت ہے۔

جلسۂ استراحت کا حکم

300- وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رضي الله عنه: ((أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّيْ ، فَإِذَا كَانَ فِيْ وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا)) .

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو نماز ادا کرتے دیکھا۔ پس جب آپ ﷺ اپنی نماز کے طاق عدد میں ہوتے تھے تو (اس کے ادا کرنے کے بعد) اٹھتے نہ تھے یہاں تک کہ (پہلے) سیدھے بیٹھ (نہ) لیتے تھے۔ [1]

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: رَأَى النَّبِيَّ: نبی کریم ﷺ کو نماز ادا فرماتے دیکھنا اس وقت تھا جب حضرت مالک رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے وفد کے ساتھ علم دین سیکھنے کے لیے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں مدینہ نبویہ میں حاضر ہوئے تھے۔ بظاہر یہ 9 ہجری عام الوفود کا قصہ ہے۔

فَإِذَا كَانَ فِيْ وِتْرٍ مِنْ صَلٰوتِهٖ: وتر طاق عدد کو کہتے ہیں۔ مراد صلوٰۃ ثنائیہ یا ثلاثیہ کی پہلی رکعت یا صلوٰۃ رباعیہ کی پہلی اور تیسری رکعت ہے۔

لَمْ يَنْهَضْ: یعنی قیام کے لیے کھڑے نہ ہوتے تھے۔

---

[1] صحيح البخاري: 823 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حَتّٰی یَسْتَوِیَ قَاعِدًا: استواء سے مراد استقرار ہے اور قاعدا یہ یستوی فعل سے حال ہے۔ یعنی پہلے سیدھے ہو کر بیٹھ جاتے پھر دوسری یا چوتھی رکعت کے لیے کھڑے ہوتے تھے۔

مضمونِ حدیث :...... مذکورہ حدیث میں اس بات کا بیان ہے کہ صلوٰۃ ثنائیہ کی پہلی رکعت کے بعد اور اسی طرح صلوٰۃ رباعیہ کی پہلی اور تیسری رکعت کے بعد اگلی رکعت کے لیے کھڑے ہونے سے قبل ایک دفعہ سیدھا ہو کر بیٹھنا سنت ہے۔ فقہاء کرام رحمہم اللہ کی اصطلاح میں اس جلسہ کو جلسۂ استراحت کہتے ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ نبی کریم ﷺ اگر ایک بات کا حکم نہ بھی دیں تب بھی اس کی اقتدا کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت مالک رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے جلسۂ استراحت کا ذکر بطور حکایت کے نہیں کیا بلکہ اقتدا کی غرض سے کیا ہے۔

◈ مذکورہ حدیث سے جلسۂ استراحت کے سنت ہونے پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ رہی وہ احادیث جن میں عدمِ جلوس کا ذکر ہے بظاہر وہ احادیث اس مذکورہ حدیث کے معارض ہیں۔ لیکن ان میں جمع کی صورت یوں بیان کی جا سکتی ہے کہ حدیث مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک کے آخری سالوں کا قصہ ہے۔ لہٰذا معتبر عمل وہ ہوگا جو آپ ﷺ نے اپنی آخری عمر میں کیا تھا۔ لیکن حنابلہ کا مشہور مذہب [1] یہ ہے کہ جلسۂ استراحت کو مطلق سنت قرار نہ دیا جائے۔ جب کہ بعض علماء نے ان دونوں قسم کی روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ اگر کوئی سجدہ سے سیدھا قیام کو اٹھنے میں دقت محسوس کرے تو وہ بدن کو قدرے راحت دینے کے لیے یہ جلسہ کر لے۔ وگرنہ نہیں۔ کیونکہ حضرت مالک رضی اللہ عنہ جب مدینہ نبویہ آئے تھے تو آپ ﷺ کا بدنِ مبارک عمر رسیدہ ہو جانے کی وجہ سے قدرے فربہ اور بھاری ہو گیا تھا۔ اس لیے آپ ﷺ یہ جلسۂ استراحت فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی حدیث میں جلسۂ استراحت کا صریح امر مذکور نہیں البتہ اس کا اثبات اور مشروعیت اس حدیث کے عموم میں داخل ہے کہ ''جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے دیکھو اسی طرح تم بھی نماز پڑھو۔'' [2] لہٰذا اگر کوئی کہولت، مرض یا گھٹنوں کے درد کی وجہ سے جلسۂ استراحت کا محتاج ہو تو اس کے لیے یہ جلسہ کرنا صحیح ہوگا وگرنہ نہیں۔ یہ قول راجح ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کا اور ان سے پہلے علامہ موفق رحمہ اللہ کا بھی اسی قول پر اعتماد ہے اور اسی قول کے ذریعے دلائل کا یہ تعارض رفع ہو کر ان میں جمع کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔

◈ یاد رہے کہ اس جلسہ کا کوئی مسنون ذکر نہیں کیونکہ یہ جلسہ غیر مقصود ہے پس اگر یہ جلسہ مقصود ہوتا تو اس کا کوئی مسنون و مشروع ذکر بھی ہوتا۔ لہٰذا دوسری رکعت کے لیے سجدہ سے سر اٹھاتے وقت تکبیر کہی جائے گی نہ کہ جب جلسۂ استراحت سے قیام کی طرف اٹھنے لگیں گے تو اس وقت کہی جائے گی۔

قنوت اور اس کے احکام

301- وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَنَتَ شَهْرًا بَعْدَ الرُّكُوعِ، يَدْعُوْا عَلٰى أَحْيَاءِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک ماہ تک رکوع سے اٹھنے کے بعد دعائے قنوت مانگتے رہے جس میں

---

[1] المغني: 311/1- كشاف القناع: 355/1- الانصاف للمرداوی: 457/2.

[2] اس کی تخریج بیان ہو چکی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ، ثُمَّ تَرَكَهُ.

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَلِأَحْمَدَ وَالدَّارَقُطْنِيِّ نَحْوُهُ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ، وَزَادَ ((فَأَمَّا فِي الصُّبْحِ فَلَمْ يَزَلْ يَقْنُتُ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا)).

آپ ﷺ عربوں کے چند قبائل پر بددعا فرماتے تھے پھر آپ ﷺ نے قنوت پڑھنا چھوڑ دی۔ ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

مسند احمد اور سنن دارقطنی میں بھی ایسی ہی ایک روایت ایک اور طریق سے مروی ہے جس میں یہ الفاظ زائد ہیں: اور رہی نمازِ فجر تو آپ ﷺ اس میں دعائے قنوت پڑھتے رہے یہاں تک کہ اس دنیا کو چھوڑ گئے۔'' ❷

غریب الحدیث:...... قُنُوت: قنوت اصل میں اخلاص اور آہ وزاری کے ساتھ دعا مانگنے کو کہتے ہیں۔ اس کا اطلاق مطلق سکوت پر، خاص دعائے قنوت پر (جو روایات میں اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيمَنْ هَدَيْتَ ...... کے الفاظ کے ساتھ مروی ہے) اور کسی بھی حادثہ، مصیبت، آفت یا بلا کے نازل ہونے پر مانگی جانے والی دعا پر بھی ہوتا ہے۔ مذکورہ حدیث میں قنوت سے یہی قنوت اور دعا مراد ہے جو ایک حادثہ کے پیشِ نظر تھی۔ میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ بعض علماء بوسنیا پر صلیبیوں کے فتنہ اور شورش کے وقت اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيمَنْ هَدَيْتَ والی دعائے قنوت پڑھا کرتے تھے۔ بلاشبہ اس دعا کا فتنہ بوسنیا کے ساتھ سرے سے کوئی تعلق نہیں۔

قصۂ حدیث:...... نبی کریم ﷺ مکہ میں موجود رہ جانے والے کمزور مسلمانوں کی جان خلاصی کے لیے یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ چنانچہ جب وہ لوگ ہجرت کر کے مدینہ آ پہنچے اور رب تعالیٰ نے ان کمزوروں کو کفار اشرار کے پنجۂ ظلم واستبداد سے نجات دے دی تو آپ ﷺ نے بھی یہ دعا مانگنا ترک فرما دی۔ یا پھر اس لیے ترک فرما دی کہ کہیں لوگ یہ دعا مانگنا سنتِ راتبہ نہ سمجھ لیں۔

قنوت کا مسئلہ:...... دعائے قنوت کو وتر کی نماز میں پڑھنا جائز ہے۔ البتہ فرائض میں کسی حادثہ، فتنہ یا مصیبت وآفت پر پڑھا جائے گا۔ رہا وتر میں قنوت کا پڑھنا تو اس پر بھی مداومت غیر مسنون ہے۔ لہٰذا قنوت وتروں میں صرف رمضان میں پڑھنا مسنون ہے۔ پھر اس میں دو اقوال ہیں:

(1) ایک قول یہ ہے کہ پورے رمضان میں قنوت پڑھنا مسنون ہے۔

(2) دوسرا قول یہ ہے کہ رمضان کے بھی آخری نصف میں قنوت پڑھنا مسنون ہے۔ رہی نمازِ تہجد تو آپ ﷺ نے تہجد میں قنوت نہیں پڑھی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی نماز تہجد کو روایت کرنے والوں میں سے کسی نے بھی آپ ﷺ کے تہجد میں قنوت پڑھنے کو روایت نہیں کیا۔

محلِ قنوت:...... فرائض میں قنوت صرف کسی حادثہ یا فتنہ کے سبب ہی پڑھی جائے گی اور جو شے کسی سبب کی وجہ سے مشروع ہو وہ سبب کے زوال پر از خود زائل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا فرائض میں نہ تو رکوع سے قبل قنوت مسنون ہے اور نہ رکوع کے

❶ صحيح البخاري: 4089- صحيح مسلم: 677.

❷ مسند احمد: 162/3- سنن الدارقطني: 39/2- ضیاء مقدسی رحمہ اللہ نے "المختارة" (129/6) میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے روایت کر کے اس کو صحیح کہا ہے۔ جن میں حافظ بلخی، امام بیہقی، امام دارقطنی رحمہ اللہ جیسے عباقرہ کا نام آتا ہے۔ (دیکھیں: المجموع: 466/3) البتہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس روایت کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (دیکھیں: الفتاوی: 374/22)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد ہی مسنون ہے۔ (البتہ جب مانگی جائے تو انہی مواقع پر مانگی جائے)۔

دعائے قنوت:...... یہ دعا نبی کریم ﷺ نے اپنے نواسہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو سکھلائی تھی۔ یہ پوری کی پوری دعا حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہی کی روایت سے آگے (رقم 304 کے تحت) آ رہی ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں دعائے قنوت کی مشروعیت کا ذکر ہے۔ البتہ یہ دعا رمضان کے وتروں میں مسنون ہے۔ جبکہ فرائض میں مصائب و آفات میں مانگنا مسنون ہے۔ چنانچہ جب تک وہ آفت باقی رہے گی دعائے قنوت مانگی جا سکتی ہے اور جب وہ آفت جاتی رہے گی تو یہ دعا مانگنا بھی چھوڑ دی جائے گی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مذکورہ حدیث میں ایک ماہ کا ذکر بیانِ واقع کے اعتبار سے نہ کہ یہ قید کا بیان ہے۔
- معلوم ہوا کہ جو بھی مسلمانوں کو ایذا دے گا اس پر بددعا جائز ہے چاہے وہ عرب ہو یا غیر عرب۔
- لیکن دعائے قنوت ہر مصیبت و آفت کے وقت نہ مانگی جائے گی۔ چنانچہ مشرکین نے ہر ہر موقع پر خوب خوب ستایا لیکن آپ ﷺ نے ہر ہر موقع پر بددعا نہ فرمائی۔ چنانچہ بدر، خندق، احزاب، احد کسی میں بھی دعائے قنوت نہ مانگی تھی۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہر آفت پر قنوت کی دعا نہ مانگی جائے گی۔
- پھر دعائے قنوت کون مانگے؟ علماء کے اس بارے متعدد اقوال ہیں۔ اس بارے مشہور مذہب یہ ہے کہ یہ دعا امامِ اعظم ہی مانگے گا جیسے سعودیہ عربیہ میں امامِ اعظم صرف عزت مآب شاہ فہد ہی ہیں نہ کہ کوئی اور لہٰذا جگہ جگہ ہر ہر مسجد میں دعائے قنوت کا انعقاد نہ کیا جائے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے دعائے قنوت مانگی تھی تو مدینہ نبویہ کی دوسری مساجد میں دعائے قنوت کا انعقاد نہ کیا گیا تھا۔ لیکن بہرحال یہ قول محلِ نظر ہے۔ البتہ جب امام جملہ مساجد میں قنوت کے انعقاد کی اجازت دے دے تو امام کے اجازت دینے کی وجہ سے ہر مسجد میں یہ دعا مانگنا مشروع ہو جائے گا۔
- ایک قول یہ ہے کہ مصیبت کے وقت ہر مسلمان دعائے قنوت مانگ سکتا ہے حتیٰ کہ آدمی گھر میں فرض پڑھ کر بھی دعائے قنوت پڑھ سکتا ہے کیونکہ یوں امیر اور امام کی مخالفت نہ ہوگی۔ البتہ مسجد میں امام کی اجازت کے بغیر ایسا نہ کیا جائے تاکہ مسجد کے نظم و نسق میں ابتری نہ پھیل جائے۔
- اگر لوگوں کو دعائے قنوت میں تحفظات ہوں تو امام مقتدیوں کی مصلحت کے پیشِ نظر یہ دعا ترک بھی کر سکتا ہے۔ اس امر میں الحمدللہ وسعت ہے۔
- سب سے اہم یہ ہے کہ جب بھی دعائے قنوت مانگی جائے تو اس قدر طویل نہ مانگی جائے کہ نمازی اکتا اور گھبرا اٹھیں۔
- نوازل و مصائب کے وقت قنوت صرف نماز فجر اور مغرب کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ اسے پانچوں نمازوں میں پڑھ سکتے ہیں۔
- مسند احمد اور سنن دارقطنی کے حوالہ سے مذکورہ اضافہ ضعیف ہے، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس پر شدید انکار کیا ہے کیونکہ جب یہ مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب قنوت کو ترک فرمایا تو مطلق ترک فرما دیا لہٰذا کسی کے لیے اس بات کا دعویٰ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنا ممکن نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس قنوت پر تادمِ واپسیں دوام فرمایا تھا۔ دوسرے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی یہ امر معروف نہ تھا ورنہ وہ حضرات اس کو ضرور روایت کرتے۔

302- وَعَنْهُ رضي الله عنه ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يَقْنُتُ إِلَّا إِذَا دَعَا لِقَوْمٍ أَوْ عَلَى قَوْمٍ)).

صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب ہی دعائے قنوت پڑھتے تھے جب آپ ﷺ نے (یا تو) کسی قوم کے لیے دعا کرنا ہوتی تھی یا اس پر بددعا کرنا ہوتی تھی۔ ❶

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

دعائے قنوت کا سبب

اس روایت میں دراصل قنوت کے سبب کا بیان ہے اور وہ یا تو کسی قوم کے لیے دعا کرنا ہے جیسے کمزوروں، ستم رسیدہ اور ظلم کی چکی میں پسنے والے مسلمانوں کے لیے دعا کرنا اور یا کسی قوم پر بددعا کرنا ہے جیسے کسی ظالم و جابر اور قاہر و مستبد قوم پر بددعا کرنا۔

وباؤں، سیلابوں اور زلزلوں میں قنوت کا حکم

یہ وہ امور ہیں جن کا تعلق کسی انسان سے نہیں یہ قدرتی آفات کہلاتی ہیں۔ اب قدرتی آفات پر قنوت کا حکم یہ ہے کہ ان مواقع پر قنوت نہ پڑھی جائے گی کیونکہ یہ امور دورِ نبوی میں بھی پیش آئے تھے مگر آپ ﷺ سے ان مواقع پر قنوت پڑھنا ثابت نہیں۔ اس بارے فقہاء کا بیان کردہ یہ قاعدہ ہمہ وقت ملحوظ و پیشِ نظر رہے کہ ہر وہ بات جس کا سبب دورِ نبوی میں پایا گیا ہو اور کسی مانع کے نہ ہونے کے باوجود اس سبب کے پائے جانے پر آپ ﷺ نے وہ فعل نہ کیا ہو تو دورِ نبوی کے بعد اس فعل کا کرنا بدعت قرار دیا جائے گا۔ یہ قاعدہ اس لائق ہے کہ اسے اپنی داڑھوں کے ساتھ مضبوطی سے تھام لیا جائے۔ چنانچہ جو لوگ آج میلاد کے نام پر نبی کریم ﷺ کی ولادت یا وفات کے جلوس نکالتے ہیں، مذکورہ قاعدہ ان کے اس فعل کے ردّ میں حجتِ قاطعہ ہے۔

نمازِ فجر میں قنوت کا حکم

303- وَعَنْ سَعْدِ بْنِ طَارِقِ الْأَشْجَعِيِّ رضي الله عنه قَالَ: ((قُلْتُ لِأَبِي: يَا أَبَتِ! إِنَّكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ أَفَكَانُوا يَقْنُتُونَ فِي الْفَجْرِ؟ قَالَ: أَيْ بُنَيَّ، مُحْدَثٌ)).

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا أَبَا دَاوُدَ.

حضرت سعد بن طارق اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ اے ابا جان! آپ نے جنابِ رسول اللہ ﷺ اور حضرات خلفائے راشدین کے پیچھے بھی نمازیں پڑھی ہیں، تو کیا یہ سب حضرات نمازِ فجر میں قنوت پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: اے میرے بیٹے! (یہ نمازِ فجر میں قنوت پڑھنا) بدعت (ہے)۔ ❷

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے سوائے امام ابوداود کے۔

غریب الحدیث: ......إِنَّكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَ أَبِي بَكْرٍ وَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ وَ

---

❶ صحيح ابن خزيمة: 620۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ "فتح الباري" (226/8) میں فرماتے ہیں کہ اس روایت کی اسناد صحیح ہے۔

❷ جامع الترمذي: 402۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ سنن النسائي: 204/2۔ سنن ابن ماجه: 1241۔ مسند أحمد: 394/6۔ ... (97/8) ... کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ : یہی وہ حضرات ہیں جن کے قول و فعل سے سنن کا صدور ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک روایت میں حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے فعل کو سنت کہا گیا ہے۔ ❶

اَفَکَانُوْا: یہ ہمزہ استفہامیہ ہے اور یہ استفہام استعلام (یعنی علم حاصل کرنے) کے لیے ہے۔ اور فا عاطفہ ہے۔ اب حرف عطف کے لیے صدرِ کلام ہوتا ہے۔ جبکہ یہاں ہمزہ استفہام صدارتِ کلام پر براجمان نظر آ رہا ہے۔ ایسی ترکیب میں علماء نحو کا اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہمزہ اپنے مناسب کسی محذوف کلام پر داخل ہے لہٰذا فَا عاطفہ اپنی جگہ صدرِ کلام پر ہی واقع ہے اور اس کی مثالیں کلامِ عرب میں کثیر ہیں۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَوَ لَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ﴾ (الروم: 9) ''اور کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں۔'' کہ یہاں بھی ہمزہ استفہامیہ کے بعد واؤ حرفِ عطف ہے۔ لہٰذا ہمزہ اپنے مناسب کلام محذوف پر داخل ہے اور صدر کلام واؤ کا ہی ہے۔

اَیْ: یہ حرفِ ندا ہے اور یہ قریب سے پکارنے کے لیے ہوتا ہے، اس لیے یہ یَا کا نائب ہے۔

بُنَیَّ: یہ اسم تصغیر ہے۔ تصغیر رأفت و مہربانی کے لیے بھی آتی ہے اور کسی کے چھوٹا ہونے کو بتلانے کے لیے بھی آتی ہے۔ مذکورہ تصغیر پدرانہ شفقت و رأفت کے اظہار کے لیے ہے۔

مُحْدَثٌ: یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیری عبارت یہ ہے: هُوَ مُحْدَثٌ. یہ فجر میں دعائے قنوت پر حد درجہ کا انکار ہے کہ اسے بدعت کہہ دیا۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ دورِ نبوی اور عہد خلفائے راشدین میں نمازِ فجر میں قنوت پڑھنے کا دستور نہ تھا اسی لیے حضرت طارق اشجعی رضی اللہ عنہ نے اسے بدعت قرار دے دیا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- حضرات اسلاف تحصیل علم کے بے حد حریص تھے کہ اولادیں والدین سے دین کے مسائل پوچھتی تھیں۔
- بیٹا باپ سے سوال کر سکتا ہے کہ یہ منع نہیں۔
- حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل حجت ہے۔
- اولاد کے ساتھ لطف و احسان اور شفقت و نرمی کا رویہ اپنایا جائے۔
- نمازِ فجر میں قنوت پڑھنا بدعت ہے۔
- کسی چیز کا حکم بیان کرنے کی بجائے اس کے ایسے وصف کو ذکر کر کے بھی اس سے ڈرایا اور اس سے بچنے پر آمادہ کیا جا سکتا ہے جو نفرت دلانے والا ہو۔ چنانچہ مذکورہ روایت میں حضرت طارق رضی اللہ عنہ نے نمازِ فجر میں قنوت کا حکم بیان کرنے کی بجائے اس کا ایسا وصف بیان کیا جو نفرت دلانے والا ہے۔ یعنی اسے بدعت کہا۔

دعائے قنوت

304,305۔ وَعَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہما قَالَ: ((عَلَّمَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَلِمَاتٍ أَقُوْلُهُنَّ

حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے (دعا کے) کچھ ایسے

❶ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِيْ. اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فِي قُنُوتِ الْوِتْرِ: ((اللّٰهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ، فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ، إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ)).

کلمات سکھلائے جن کو میں وتر کے قنوت میں پڑھتا ہوں، (اور وہ کلمات دعا یہ ہیں): اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ.......... ''اے اللہ! جن بندوں کو تو نے ہدایت فرمائی ہے ان کے ساتھ مجھے بھی ہدایت دے اور جن کو تو (دنیا و آخرت کی تمام بلاؤں سے سلامتی و) عافیت عطا فرمائے ان کے ساتھ مجھے بھی عافیت دے اور جن کا تو کارساز بنے، ان بندوں کے ساتھ تو میرا بھی متولی اور کارساز بن جا، اور مجھے ان تمام چیزوں میں برکت دے جو تو نے مجھے عطا فرما رکھی ہیں اور اپنے فیصلوں کے اثراتِ بد سے میری حفاظت فرما، سارے فیصلے تو ہی کرتا ہے اور تو ہی سارے احکام جاری کرتا ہے اور تجھ پر کسی کا حکم نہیں چلتا، بلاشبہ جس سے تیری دوستی ہو وہ ذلیل وخوار نہیں (وہ ہر حال میں معزز و محترم ہے) تو برکت والا ہے۔ تیری شان بلند ہے۔ اے میرے مالک اور پروردگار۔'' ❶

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ . وَزَادَ الطَّبَرَانِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ: ((وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ)).

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے اور طبرانی اور بیہقی نے (اس دعا میں) یہ کلمات مزید نقل کیے ہیں: وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ . ''جس کی عداوت پر (اے اللہ!) تو اتر آئے وہ (دنیا و آخرت میں کہیں) عزت نہیں پا سکتا۔ ❷

زَادَ النَّسَائِيُّ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ فِي آخِرِهِ: ((وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَى النَّبِيِّ)).

اور نسائی نے ایک اور طریق سے اس روایت کے آخر میں یہ کلمات نقل کیے ہیں: وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَى النَّبِيِّ . ''اور اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو (اپنی خاص) رحمت (و برکت) سے ڈھانپ لے۔'' ❸

معرفة الصحابة: ...... حسن بن علی رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کی لختِ جگر نورِ نظر سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے فرزند اور آپ ﷺ کے نواسے ہیں اور آپ اپنے بھائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ ❹ البتہ دونوں

❶ سنن ابی داود: 1425۔ جامع الترمذی: 464۔ سنن النسائی: 248/3۔ سنن ابن ماجہ: 1178۔ مسند احمد: 199/1.

❷ رواہ الطبرانی: 73/3۔ رقم الحدیث: 2701۔ سنن البیہقی: 209/2۔ امام بلقینی فرماتے ہیں: مجھے اس روایت کی اسناد میں کسی حرج کا علم نہیں۔ (دیکھیں: خلاصۃ البدر المنیر) اور فقہاء کی ایک جماعت نے اس اضافہ کو حسن کہا ہے۔ جیسے "المجموع" (460/3) میں ہے۔ البتہ قاضی ابو طیب کہتے ہیں: یہ اضافہ حسن نہیں۔ کیونکہ عداوت کی رب تعالیٰ کی طرف نسبت و اضافت نہیں کی جاتی۔ لیکن اصحاب شافعی رحمہ اللہ نے ابو طیب کے اس قول پر انکار کیا اور انہوں نے سورۂ ممتحنہ کے اول سے ابو طیب کے خلاف دلیل پکڑی ہے۔

❸ سنن النسائی: 248/3۔ صاحب "تحفۃ المحتاج" (409/1) کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔

❹ جامع الترمذی: 3768۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ روایت حسن اور صحیح ہے۔ ابن حبان (6959) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھائیوں میں سے افضل سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ہیں۔ چنانچہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی یہ خاص صفت بیان فرمائی کہ ''بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے اور عنقریب رب تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرا دے گا۔'' ❶ پھر ویسا ہی ہوا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا تھا۔ چنانچہ جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو امت نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے دستِ مبارک پر یہ کہہ کر بیعت کر لی کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فتنہ کے خوف سے خلافت سے دست بردار ہو جانا پسند فرمایا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی۔

غریب الحدیث :...... كَلِمَاتٍ اَقُوْلُهُنَّ فِيْ قُنُوْتِ الْوِتْرِ: ان کلمات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ کلمات قنوتِ وتر کے علاوہ ہیں کیونکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں فرمایا: اَقْنُتُ بِهِنَّ فِي الْوِتْرِ. یعنی کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چند کلمات سکھلائے ہیں کہ جن کے ذریعے میں قنوتِ وتر پڑھا کروں۔'' لیکن مراد اس جملہ سے دعائے قنوت ہی ہے جیسا کہ آگے مذکورہ دعا کے الفاظ بتلا رہے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ: یہاں ہدایت سے ہدایت علم وارشاد اور ہدایت توفیق وسداد دونوں مراد ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ''علم وعمل کی ہدایت'' مراد ہے۔

فِيْمَنْ هَدَيْتَ: یعنی جن لوگوں کو ہدایت دی ہے ان میں سے ایک مجھے بھی بنا دے۔

وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ: مُعَافَات ہر قسم کی ناگواریوں، ایذاؤں، دکھوں اور تکلیفوں سے سلامتی کا نام ہے جیسے امراض، ہموم وغموم، دشمنوں کی شماتت، ظالموں کا اعتداء وعدوان، بے رحموں کے ہاتھوں ذلت ورسوائی اور بے آبروئی وغیرہ کہ معافات ان سب سے سلامتی کا نام ہے اور یہ دنیا وآخرت کی ناگواریوں اور تکلیفوں دونوں سے سلامتی کو شامل ہے۔

وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ: ولایت سے یہاں ولایتِ خاصہ مراد ہے وگرنہ رب تعالیٰ کی ولایتِ عامہ بمعنی تدبیر وتصرف، ہر ایک کے لیے ہے۔ جبکہ ولایتِ خاصہ سے مراد رب تعالیٰ کی عنایت ورعایت اور اس کا خصوصی لطف وکرم ہے، چنانچہ رب تعالیٰ کی کسی کے ساتھ اس ولایتِ خاصہ اور کارسازی کی علامات میں سے نیکیوں پر اس کی اعانت اور ہدایت پر اس کی راہنمائی ہے۔ اور یہ اس پر رب تعالیٰ کا خاص لطف واحسان ہے۔

وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ: یعنی اے اللہ! تو نے مجھے جو علم وعمل، اولاد واحفاد اور مال ومنال سے نواز رکھا ہے اس سب میں برکت نازل فرما۔ کیونکہ جس شے میں بھی برکت آ جاتی ہے، وہ دوسری دگنی تگنی شے کے مقابلے میں بھی زیادہ اور مفید وبارآور ہوتی ہے۔ جبکہ جس شے سے بھی برکت کو نکال لیا جاتا ہے وہ شے بڑی سرعت کے ساتھ اپنا وجود کھو دیتی ہے اور آدمی اس سے نفع اٹھانے سے ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے۔

وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ: یعنی اے اللہ! تو نے جو بھی فیصلے کیے ہیں مجھے ان کے شر سے بچا کہ وہ مجھ پر وارد نہ ہوں اور اگر تیرے وہ فیصلے مجھ پر وارد ہوں تو مجھے ان کے ضرر سے بچا۔ پس شر سے بچاؤ کی دو صورتیں ٹھہریں:

(1) ایک یہ کہ وہ آدمی پر اترے ہی نہیں (2) دوسری یہ کہ اگر اترے تو ضرر نہ پہنچائے۔

وَقِنِيْ: اس میں واؤ عاطفہ اور قِ: وَقٰى يَقِيْ سے امر کا صیغہ ہے۔ جبکہ ''نون'' نونِ وقایہ ہے اور یائے متکلم کی ضمیر

❶ صحیح البخاری: 2704 عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفعول بہ کی ضمیر متصل ہے۔ یاد رہے کہ یہاں شر سے مراد مُقْضِیّ میں شر ہے نہ کہ قضا میں شر۔ کہ رب کی قضا سراپا خیر ہی خیر ہے۔ اس میں شر مخلوق اور مفعول کے اعتبار سے ہے۔ جیسے مرض کہ وہ مرض ہونے کے اعتبار سے تو شر ہے لیکن رب کی تقدیر کے اعتبار سے اس میں خیر ہے۔ وہ یوں کہ یہی مرض گناہوں کا کفارہ، رب کی یاد کا ذریعہ اور اس کے حضور الحاح وزاری کا سبب ہے۔ تبھی تو یہ مرض اجر وثواب اور بلندی درجات اور کفارۂ سیئات بھی ہے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ وَ الشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ . ❶ یعنی قضاء وقدر کے اعتبار سے شر کو رب تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کیا جائے گا۔

فَإِنَّكَ تَقْضِي وَ لَا يُقْضٰى عَلَيْكَ: یعنی تو جو چاہے حکم فرماتا ہے جبکہ کوئی تیرے خلاف ایک بھی حکم جاری نہیں کر سکتا۔ پس رب کا غیر ''حق یا باطل'' میں سے کسی بھی حکم کے نافذ کرنے کا اختیار نہیں رکھتا کیونکہ ان کے ہاتھ میں نفع یا ضرر میں سے کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللّٰهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهٖ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ﴾ (غافر: 20)

''اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور وہ لوگ جنھیں وہ اس کے سوا پکارتے ہیں کسی بھی چیز کا فیصلہ نہیں کرتے۔''

إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ: یعنی جس کا ولی رب تعالیٰ ہو جائے اسے کوئی ذلیل ورسوا نہیں کر سکتا اور یہاں ولایت سے ولایت خاصہ مراد ہے جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔

تَبَارَكْتَ: یعنی اے اللہ! تیری شان اتنی عظیم ہے کہ جس چیز پر تیرا نام آ جائے وہ شے سراپا برکت بن جاتی ہے تو خود رب تعالیٰ کی ذات کس قدر بابرکت ہوگی۔

وَ تَعَالَيْتَ: یعنی اے اللہ! تو ہر قسم کے نقص وعیب سے بلند وبرتر ہے۔ اسی طرح رب تعالیٰ ہر شے سے اونچا اور بلند ہے اور اسے علوّ ذاتی اور علو معنوی دونوں حاصل ہیں۔

وَ لَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ: طبرانی کی روایت میں وَ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ کے بعد ان کلمات کا اضافہ ہے۔ یعنی جس کا دشمن رب تعالیٰ ہو اسے کبھی عزت نہیں مل سکتی۔ عزت سے یہاں مراد غلبہ، قوت، رفعت، برتری اور دوسرے پر فتح ہے۔

وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَى النَّبِيِّ: یہ الفاظ سنن النسائی کے ہیں۔ یعنی اس دعا کو نبی کریم ﷺ پر درود پڑھ کر ختم کیا جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ یہ دعا بے حد اہم ہے، اسی لیے آپ ﷺ نے یہ دعا اپنے نواسے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو خود سکھلائی۔ یہ امر اس دعا کی فضیلت واہمیت کو بتلاتا ہے۔
- قنوتِ وتر میں یہ دعا پڑھنا مشروع ہے۔
- معلوم ہوا کہ قنوتِ وتر اس سے بھی وسیع تر ہے۔ کیونکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ أَقُولُهُنَّ فِي قُنُوتِ الْوِتْرِ کے الفاظ ارشاد فرماتے ہیں اور ''فی'' یہاں ظرفیت کے لیے ہے۔ اگرچہ احتمال اس معنی کا بھی ہے کہ دعائے قنوت یہی ہے لیکن راجح معنی وہی پہلا ہے کہ دعائے قنوت میں وسعت ہے۔ لہٰذا اس میں اضافہ کر سکتے ہیں جس میں نمازیوں کے حال کی رعایت بھی لازم ہے۔
- وتر کی نماز میں دعائے قنوت مشروع ہے۔ جس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا اس دعا کی تعلیم دینا ہے۔ لیکن مناسب یہ ہے

❶ صحیح مسلم: 770

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ اس دعا پر دوام نہ کیا جائے کیونکہ خود نبی کریم ﷺ سے اس پر دوام ثابت نہیں۔ یوں ہم سنتِ قولیہ اور فعلیہ دونوں پر عمل کر لیں گے۔

- انسان ہر قسم کی ہدایت کا محتاج ہے۔
- رب تعالیٰ کے افعال سے توسل جائز ہے۔ جس کی دلیل فِیْمَنْ هَدَیْتَ اور ایسے دیگر کلمات ہیں کہ یہ رب تعالیٰ کی ذات بابرکات سے صادر ہونے والے افعال سے توسل ہے جو جائز ہے۔
- ہر بندہ عافیت کا بھی محتاج ہے کیونکہ ہر انسان اس بات کا محتاج ہے کہ اس سے نقص جاتا رہے اور وہ کامل بن جائے۔ پس اَللّٰھُمَّ اهْدِنِیْ میں حصولِ کمال کی احتیاج کا اور وَ عَافِنِیْ میں زوالِ نقص کی احتیاج کا ذکر ہے۔
- بندہ برکت کا بھی محتاج ہے۔ لہٰذا وہ رب کی دَین اور اس کی عنایت وعطاء میں اُسی سے برکت کا بھی سوال کرے۔
- بندے کے پاس علم وعمل اور دولت واولاد وغیرہ میں سے جو بھی ہے، سب اسی رب کی دَین ہے۔ جس کی دلیل فِیْمَا اَعْطَیْتَ کے الفاظ ہیں۔
- رب تعالیٰ سے اس کی مخلوقات کے شر سے حفاظت کی دعا مانگی جائے۔ چاہے وہ جن ہوں یا انسان، انسان ہوں یا حیوان۔ قریب کے ہوں یا دُور کے۔
- معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کی مقضیات میں سے خیر بھی ہیں اور شر بھی اور اس میں رب تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ خیر کی پہچان شر کے وجود سے ہی ہوتی ہے۔ اگر اللہ کی سب مقضیات خیر ہی خیر ہوتیں تو ہمیں شر کی کبھی پہچان ہی نہ ہوتی۔ اگر اللہ کے سب بندے ہدایت پر ہوتے تو ہمیں مومن اور کافر کا فرق ہی معلوم نہ ہوتا۔ مثل مشہور ہے کہ چیزیں اپنی ضد کے ساتھ پہچانی جاتی ہیں۔
- رب تعالیٰ کو حکمِ مطلق حاصل ہے کہ وہ تو سب پر حکم چلاتا ہے مگر اس پر کسی کا حکم نہیں چلتا۔ بے شک یہ حکم کی سب سے اونچی مثال اور مرتبہ ہے جو صرف رب تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ کی سلطانی وقدرت تام ہے اس کے خلاف کسی کا حکم نہیں چلتا۔
- اللہ جس کا دوست، والی اور کارساز بن جائے وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا۔ البتہ اہلِ ایمان کو بسا اوقات عارضی اور نسبتی کمزوری ضرور ملتی ہے لیکن مآل کار عزت وآبرو اور فتح وسربلندی انہی کو حاصل ہوتی ہے۔
- یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کا کارساز اللہ بن جائے وہ دنیا وآخرت میں بھی ذلیل نہیں اور نہ وہ اپنی نگاہوں اور نہ غیروں کی نگاہوں ہی میں ذلیل ہوتا ہے۔ پھر وہ اپنے نفس امارہ پر بھی غالب رہتا ہے اور صرف اللہ کی فرمانبرداری والے کام ہی کرتا ہے اور اس کے برعکس جس کا دشمن اللہ ہو جائے اسے عزت ملنا محال ہے۔
- رب ذوالجلال سراپا خیر وبرکت ہے، وہ بڑا احسان والا ہے اور سب سے بلند وبرتر ہے۔ کائنات میں برکت کے جو بھی آثار ہیں سب اسی کی ذات کی بدولت ہیں۔
- صلوٰۃ کا معنی رحمت سے کرنا ضعیف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾ (البقرۃ: 157)

''یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے کئی مہربانیاں اور بڑی رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں صلوٰۃ کا رحمت پر عطف ہے جو ان کے درمیان مغایرت کو مقتضی ہے۔ لہٰذا صلوٰۃ سے مراد رحمتِ خاصہ ہوگی۔

وَلِلْبَيْهَقِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا دُعَاءً نَدْعُوْ بِهِ فِي الْقُنُوتِ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ)).

سنن بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمیں ایک دعا سکھلایا کرتے تھے جس کو ہم نمازِ فجر کی قنوت میں پڑھتے تھے۔ ❶

وَفِي سَنَدِهِ ضَعْفٌ.

اس روایت کی اسناد ضعیف ہے۔

شرح:...... مذکورہ روایت میں مطلق دعا کا ذکر ہے اور یہ وضاحت نہیں کہ وہ دعا کون سی ہے۔ سو جب دعا کا ذکر مطلق ہے تو ہم بھی جو چاہے دعا مانگ سکتے ہیں۔ البتہ نمازِ فجر کو دعا مانگنے کے ساتھ خاص کرنا ضعیف ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ فرائض میں قنوت نہ پڑھا کرتے تھے ہاں اس کا کوئی سبب ہوتا تو پڑھتے تھے۔ جس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔

سجدہ میں جاتے ہوئے گھٹنوں سے قبل دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھنے کا حکم

306-308- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ، فَلَا يَبْرُكْ كَمَا يَبْرُكُ الْبَعِيرُ، وَلْيَضَعْ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ)).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو وہ زمین پر اس طرح نہ بیٹھے جیسے اونٹ بیٹھتا ہے اور چاہیے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں گھٹنوں سے قبل رکھے۔'' ❷

أَخْرَجَهُ الثَّلَاثَةُ.

اس حدیث کو ائمہ ثلاثہ نے روایت کیا ہے۔

وَهُوَ أَقْوَى مِنْ حَدِيْثِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ: إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ)).

اور یہ حدیث حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے زیادہ قوی ہے (جس میں یہ ذکر ہے) کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ نے سجدہ فرمایا تو اپنے دونوں گھٹنوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے قبل (زمین پر) رکھا۔ ❸

أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ.

اس حدیث کو ائمہ اربعہ نے روایت کیا ہے۔

فَإِنَّ لِلْأَوَّلِ شَاهِدًا مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ، وَذَكَرَهُ الْبُخَارِيُّ مُعَلَّقًا مَوْقُوفًا.

کیونکہ پہلی روایت کا حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک شاہد ہے۔ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو معلّق اور موقوف بیان کیا ہے۔ ❹

---

❶ سنن البیہقی: 210/2۔ دیکھیں: التلخیص الحبیر: 248/1۔

❷ سنن ابی داود: 840۔ مسند احمد: 381/2۔ سنن النسائی: 207/2۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ''المجموع'' (381/3) میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی اسناد جید ہے۔

❸ سنن ابی داود: 838۔ جامع الترمذی: 268۔ سنن النسائی: 206/2۔ سنن ابن ماجہ: 882۔ مسند احمد: 316/4۔ علامہ خطابی لکھتے ہیں: یہ حدیث ''تقدیم یدین'' والی حدیث سے زیادہ ثابت ہے۔ (دیکھیں: خلاصۃ البدر المنیر: 131/1)

❹ صحیح ابن خزیمۃ: 627۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس اثر کو ''باب یھوی الی التکبیر'' میں معلقاً ذکر کیا ہے۔ (دیکھیں: تغلیق التعلیق: 326/2)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غریب الحدیث :...... فَلا یَبْرُكُ كَمَا یَبْرُكُ الْبَعِیْرُ: یعنی دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں سے قبل زمین پر نہ رکھے۔ کیونکہ اونٹ بیٹھتے وقت پہلے زمین پر اپنے دونوں ہاتھ رکھتا ہے پھر ٹانگیں رکھتا ہے۔ ہاتھ سے مراد اگلی ٹانگیں ہیں۔ یہ بات ذکر کی جا چکی ہے کہ چوپایوں کے حق میں ان کی اگلی دونوں ٹانگیں بمنزلہ ہاتھوں کے اور پچھلی دونوں ٹانگیں بمنزلہ قدموں کے ہیں۔

وَ لْیَضَعْ یَدَیْهِ قَبْلَ رُكْبَتَیْهِ: پھر یہ ارشاد فرمایا کہ جب وہ سجدہ کرنے زمین کی طرف جھکے تو گھٹنوں سے قبل دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھے۔

ایک تناقض اور اس کا جواب:...... ادنیٰ تامل کرنے پر بظاہر اس حدیث کے دونوں جملوں میں تناقض نظر آتا ہے۔ کیونکہ پہلے جملہ میں اونٹ کی طرح زمین پر بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے اور اونٹ کے بارے میں معروف اور مشاہد ہے کہ وہ بیٹھتے ہوئے پہلے اپنے دونوں اگلے پاؤں زمین پر رکھتا ہے جو بمنزلہ دونوں ہاتھوں کے ہیں۔ جبکہ دوسرے جملہ میں دونوں ہاتھوں کو زمین پر پہلے رکھنے کا حکم ہے اور یہ وہی بروکِ ابل ہی تو ہے جس کی پہلے جملہ میں ممانعت ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اس تناقض کے پیشِ نظر لکھتے ہیں کہ حدیث کا یہ آخری حصہ راوی سے منقلب ہو گیا ہے، یہ راوی بشر ہے جو صحیح اور غلط دونوں قسم کی باتیں کر جایا کرتا تھا۔ پس حدیث کے آخری جملہ کی درست عبارت یوں ہے وَ لْیَضَعْ رُكْبَتَیْهِ قَبْلَ یَدَیْهِ . جس کو قلب کر کے مذکورہ راوی رحمہ اللہ نے وَلْیَضَعْ یَدَیْهِ قَبْلَ رُكْبَتَیْهِ کہہ کر روایت کر دیا ہے۔

بلاشبہ علامہ موصوف رحمہ اللہ کی مذکورہ توجیہ قابلِ قبول ہے۔ بعض علماء نے مذکورہ تناقض کی یہ توجیہ پیش کی ہے کہ اونٹ کے گھٹنے اس کے اگلے قدم ہیں۔ لہٰذا حدیث کا آخری جملہ درست ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسی بات سے تو منع فرمایا ہے کہ اونٹ کی طرح ہاتھوں سے قبل گھٹنے نہ رکھو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہاں اونٹ کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ بیٹھنے کی ہیئت اور کیفیت میں مشابہت اختیار کرنے کی ممانعت ہے نہ کہ اعضاء کی بناوٹ اور ساخت میں مشابہت کی ممانعت ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے كَمَا یَبْرُكُ الْبَعِیْرُ فرمایا نہ کہ یہ فرمایا لا یَبْرُكْ عَلٰی مَا یَبْرُكُ الْبَعِیْرُ یعنی اونٹ کی طرح نہ بیٹھو۔ نہ کہ یہ فرمایا کہ ان اعضاء پر مت بیٹھو جن پر اونٹ بیٹھتا ہے۔ غرض علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی پیش کردہ توجیہ سے یہ ظاہری تناقض رفع ہو جاتا ہے۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ بالا بحث و توجیہ کے بعد مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ سجدے میں جاتے ہوئے اونٹ کی طرح پہلے دونوں ہاتھوں کو زمین پر نہ رکھا جائے۔ بلکہ پہلے گھٹنے اور پھر دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھا جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اجمال کے بعد تفصیل اَوْقَعُ فِی النفس ہوتی ہے کیونکہ اجمال سن کر نفس تفصیل کا مشتاق ہو جاتا ہے اس لیے اب وہ تفصیل کو زیادہ شوق سے سنتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں پہلے اجمالاً اونٹ کی طرح بیٹھنے سے منع کیا گیا پھر اس کی تفصیل بیان کی گئی۔
- ذکر کیا جا چکا ہے کہ نماز کی جملہ ہیئات ادب پر مبنی ہیں لہٰذا نماز میں حیوانوں اور چوپایوں کی مشابہت اختیار کرنا منع ہے۔
- اگرچہ امام موصوف رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کو جو حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے، حدیث وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے قوی قرار دیا ہے جس میں گھٹنوں کو ہاتھوں سے قبل زمین پر رکھنے کا ذکر ہے۔ کیونکہ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کا حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہد بھی ہے جس کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو موقوف اور معلّق ذکر کیا ہے۔ لیکن جب حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ توجیہ بیان کی جائے جو امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بیان کی ہے تو دونوں احادیث میں مطابقت وموافقت پیدا ہو جاتی ہے اور اس مذکورہ ترجیح کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

تشہد میں دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں اور رانوں پر رکھنے کی کیفیت کا بیان

309۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما ((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا قَعَدَ لِلتَّشَهُّدِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتِهِ الْيُسْرَى ، وَالْيُمْنَى عَلَى الْيُمْنَى ، وَعَقَدَ ثَلَاثًا وَّخَمْسِيْنَ ، وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ)) . رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهُ : وَقَبَضَ أَصَابِعَهُ كُلَّهَا ، وَأَشَارَ بِالَّتِيْ تَلِي الْإِبْهَامَ .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب تشہد کے لیے بیٹھا کرتے تھے تو اپنے بائیں ہاتھ کو بائیں گھٹنے پر اور دائیں ہاتھ کو دائیں گھٹنے پر رکھ لیتے تھے اور ترین کا حلقہ بناتے اور اپنی تشہد کی انگلی کے ساتھ اشارہ فرماتے تھے۔ ❶

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: اور آپ ﷺ اپنی سب انگلیوں کو بند کر لیتے تھے اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ فرماتے تھے۔

غریب الحدیث :......وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرَى : ہاتھوں کو گھٹنوں پر یہ رکھنا اپنی وضع پر ہوتا تھا۔ اس میں ہاتھ نیچے لٹکے ہوئے نہ ہوتے تھے۔

وَعَقَدَ ثَلَاثًا وَخَمْسِيْنَ : یہ عربوں کا محاورہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ ساری انگلیاں بند کر لیتے تھے۔ صرف شہادت کی انگلی کو اشارہ کرنے کے لیے کھڑا رکھتے تھے۔ جبکہ انگوٹھے کو بھی باقی کی تین انگلیوں کے ساتھ ملا لیتے تھے۔

وَاَشَارَ بِاَصْبُعِهِ السَّبَّابَةِ : مذکورہ روایت میں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ یہ اشارہ کرنا کب ہوتا تھا۔ آیا تمام تشہد میں یہ تحریکِ اصبع ہوتا تھا یا صرف دعا کے وقت ہوتا تھا؟ تو صحیح قول یہ ہے کہ انگلی کا یہ ہلانا اور اشارہ کرنا تشہد کی دعا کے وقت ہوتا تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ اس انگلی سے اشارہ کرتے رہتے تھے۔ اب انگلیوں کو بند کرنے کا ایک طریقہ تو یہ ہوا کہ انگوٹھے کو بھی باقی کی تین انگلیوں کے ساتھ بند کر لیا جائے۔ جبکہ ایک طریقہ یہ ہے کہ انگوٹھے کو درمیانی انگلی کے ساتھ ملا کر ایک حلقہ بنا لیا جائے اور باقی کی دو انگلیوں خنصر اور بنصر کو ملا کر رکھا جائے۔ جبکہ تشہد کی انگلی کھڑی رکھی جائے۔

مضمون حدیث :......مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ تشہد میں دونوں ہاتھوں کو اپنی وضع پر گھٹنوں کے اوپر رکھ دیا جائے کہ وہ نیچے کو لٹکے نہ ہوں جبکہ تشہد کے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا جائے اور اس کے بعد شہادت کا اشارہ جاری رکھا جائے جبکہ اشارہ کرتے وقت باقی کی انگلیوں کو مذکورہ بالا دونوں طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے بند کر لیا جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- تشہد میں ونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر مذکورہ وضع کے ساتھ رکھنا مشروع ہے البتہ دوسری کسی وضع سے رکھنا جائز تو ہوگا مگر افضل نہ ہوگا۔

❶ صحيح مسلم: 580.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ ایسا جلسہ میں بھی کیا جائے گا یعنی دوسجدوں کے درمیان جلوس میں بھی ایسا کیا جائے گا کیونکہ اگرچہ مذکورہ روایت میں صرف تشہد میں دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کا ذکر ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ عام کے بعض افراد کا حکم دوسرے عام افراد کے مناسب ہوتا ہے یعنی ان کے مخالف نہیں ہوتا۔ دوسرے دوسجدوں کے درمیان بیٹھنے کی ہیئت قعدہ میں بیٹھنے کی ہیئت کے جیسی ہے۔ اس لیے دونوں جگہ حکم ایک ہونے میں کوئی مانع نہیں۔ غرض یہ عام کے بعض افراد کا وہ حکم ذکر کرنا ہے جو دوسرے افراد کے مخالف نہیں۔ بلکہ ان کے مناسب ہے۔

تشہد کے صیغے اور ان کے معانی

310- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: الْتَفَتَ إِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ ((إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ: التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ، وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ! وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ)). ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ، فَيَدْعُوْ)).

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو (تشہد میں التحیات کی یہ دعا) پڑھے: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ .... عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ. ''ادب و تعظیم اور اظہارِ نیاز کے تمام کلمے اللہ ہی کے لیے ہیں اور تمام عبادات اور تمام صدقات اللہ ہی کے واسطے ہیں (اور میں ان کا نذرانہ اللہ کے حضور پیش کرتا ہوں) آپ پر سلام ہو اے نبی! اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔ سلام ہو ہم پر اور اللہ کے سب نیک بندوں پر۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں (وہی معبود برحق ہے) وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔'' پھر جو دعا اسے سب سے زیادہ پسند ہو وہ مانگے۔''[1]

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ الفاظ صحیح البخاری کے ہیں۔

وَلِلنَّسَائِيِّ: ((كُنَّا نَقُوْلُ قَبْلَ أَنْ يُفْرَضَ عَلَيْنَا التَّشَهُّدُ)).

سنن نسائی کی روایت میں یہ الفاظ (بھی) ہیں: ہم تشہد کے اپنے اوپر فرض ہونے سے قبل (یہ) دعا مانگا کرتے تھے۔[2]

وَلِأَحْمَدَ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَلَّمَهُ التَّشَهُّدَ، وَأَمَرَهُ أَنْ يُعَلِّمَهُ النَّاسَ)).

اور مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں تشہد سکھلایا اور انہیں اس بات کا حکم دیا کہ وہ یہ تشہد لوگوں کو بھی سکھلائیں۔[3]

درایۃ الحدیث:...... مذکورہ حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دو طرح سے مروی ہے: ایک وہ جو اوپر مذکور ہوا۔

---

[1] صحيح البخاري: 831- صحيح مسلم: 402.

[2] سنن النسائي: 40/3- سنن الدار قطني: 350/1- امام دارقطنی نے اس کی اسناد کو صحیح کہا ہے۔

[3] مسند أحمد: 382/1.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جبکہ دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: عَلَّمَنِی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ التَّشَهُّدَ وَ كَفِّي بَيْنَ كَفَّيْهِ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ. "نبی کریم ﷺ نے اس حال میں کہ میرا ہاتھ آپ ﷺ کے دونوں ہاتھوں میں تھا مجھے تشہد سکھلایا جس طرح کہ آپ ﷺ ہمیں قرآن کریم کی سورتیں سکھلایا کرتے تھے۔" یہ روایت مذکورہ پہلی روایت سے زیادہ بلیغ ہے جو نبی کریم ﷺ کی اس تشہد کی طرف بے حد عنایت کو بتلاتی ہے کیونکہ آپ ﷺ نے یہ التحیات حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں کو پکڑ کر انہیں سکھلائی تھی۔ جس میں مزید تاکید ان الفاظ سے پیدا ہوتی ہے کہ آپ ﷺ ہمیں یہ التحیات اس طرح سکھلاتے تھے جس طرح ہمیں قرآن کی سورتیں سکھلاتے تھے۔

غریب الحدیث:......اِذَا صَلّٰی: مذکورہ روایت میں اس التحیات پڑھنے کا مقام مذکور اور بیان نہیں ہے البتہ دیگر روایات میں مذکور ہے کہ اسے نماز کے پہلے اور دوسرے تشہد میں پڑھا جائے گا۔

فَلْيَقُلْ: مذکورہ لام لام امر ہے اور "فا" کے بعد مذکور ہونے کی وجہ سے ساکن ہے۔

اَلتَّحِيَّاتُ: اس میں الف لام استغراق کے لیے ہے۔ یہ تَحِيَّةٌ کی جمع ہے، تَحِيَّةٌ اکرام و تعظیم وغیرہ کو کہتے ہیں مراد جملہ قولی عبادات ہیں جو جملہ اذکار کو شامل ہیں۔

لِلّٰهِ: یہاں لام اختصاص اور استحقاق دونوں معانی کے لیے ہے کہ اللہ ہی جملہ عباداتِ قولیہ کا مستحق بھی ہے اور اَلتَّحِيَّاتُ صرف اللہ ہی کے ساتھ خاص بھی ہے اس میں عموم نہیں۔

وَ الصَّلَوَاتُ: مذکورہ واؤ حرف عطف ہے اور یہ جملہ کا جملہ پر عطف ہے نا کہ مفرد کا مفرد پر عطف ہے۔ لہٰذا مذکورہ لفظ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ تقدیری عبارت وَ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ ہے۔

وَ الطَّيِّبَاتُ: یہی نحوی توجیہ و ترکیب یہاں بھی ہے۔ یعنی اس جملہ کی تقدیری عبارت بھی وَ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ ہے۔

اَلصَّلَوَاتُ: یہ صَلٰوةٌ کی جمع ہے۔ لغت کے اعتبار سے اس میں دعا اور عبادتِ معروفہ (نماز) دونوں کا احتمال ہے کہ اللہ ہی اس بات کا سب سے زیادہ مستحق ہے کہ اسے پکارا جائے یا اس کی عبادت کی جائے۔ لیکن دلالتِ شرعیہ کی رُو سے اس کا دوسرا معنی ہی متعین ہے اور مراد جملہ عباداتِ فعلیہ شرعیہ ہیں۔ اس کی تائید دو باتوں سے ہوتی ہے:

(1) صلوۃ کا لغوی معنی اب معنی شرعیہ کی طرف بایں طور منتقل ہو چکا ہے کہ اب یہ معنی ایک حقیقتِ شرعیہ بن چکا ہے۔ اس لیے لفظِ صلوۃ کو اس کے شرعی معنی سے لغت کی طرف نقل کرنا ناجائز ہے۔ لہٰذا اب صلوۃ سے اس کا شرعی معنی ہی مراد ہوگا۔ کیونکہ جب بھی کوئی امر شارع علیہ الصلاۃ والسلام کی زبان سے لغت اور شرع کے درمیان دائر ہو تو اسے اس کے شرعی معنی پر ہی محمول کیا جاتا ہے۔

(2) دوسرے یہ تشہد نماز کے اندر ہے۔ لہٰذا مناسب یہی تھا کہ اس میں نماز کا ذکر بطورِ خاص کیا جاتا۔

اَلطَّيِّبَاتُ: یہ طَيِّبَةٌ کی جمع ہے۔ طیب خبیث کی ضد ہے اور ہر اس شے کی بھی ضد ہے جو نہ تو طیب ہو اور نہ خبیث ہی ہو۔ طیب کا اطلاق بے شمار چیزوں پر ہوتا ہے۔ البتہ اجمالاً اس سے مراد:

(1) یا تو اوصاف ہیں یعنی طیب اور پاکیزہ صفات اللہ ہی کو سزاوار ہیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا. ❶ "بے شک اللہ پاک ہے اور وہ سوائے پاک چیزوں کے اور کوئی چیز قبول نہیں فرماتا۔"

❶ صحیح مسلم: 1015

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(2) یا پھر افعال ہیں۔لہٰذا رب تعالیٰ کے تمام افعال طیب ہیں حتیٰ کہ بظاہر مضر باتیں بھی دراصل حکمت پر مبنی اور طیب ہیں۔

(3) یا پھر مراد طیب عمل ہے۔ کہ جملہ پاکیزہ اعمال کا سزاوار صرف اللہ ہی ہے اور اللہ کے حضور پاکیزہ عمل ہی پیش کیا جائے گا۔

غرض علماء نے اس سے مراد صدقات لیے ہیں جو پاکیزہ عمل میں سے ہے۔ چنانچہ ہر قسم کے صدقہ اور نذر و نیاز کا مستحق صرف اللہ ہی ہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ ..... نبی کریم ﷺ پر یہ سلام اپنے معروف معنی میں نہیں، اسی لیے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز میں یہ سلام جہراً نہ پڑھا کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ اس کا جواب بھی دیں۔ بلکہ یہاں سلام سے مراد سلامتی کی دعا ہے۔

اَيُّهَا النَّبِيُّ: یہ منادی ہے اور حرف نداء محذوف ہے۔ تقدیری عبارت یَا اَيُّهَا النَّبِيُّ ہے۔ لفظِ نبی کی تحقیق کتاب کے خطبہ میں بیان کی جا چکی ہے۔ اگرچہ آپ ﷺ کو رب تعالیٰ نے ہر موذی سے محفوظ فرما رکھا تھا، لیکن بسا اوقات اذی آئندہ کو پیش بھی ہوگی اسی لیے روزِ قیامت نبی کریم ﷺ صراط پر اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ ، سَلِّمْ .[1] ''اے اللہ تو بچا، تو بچا'' کی دعا مانگیں گے۔ دوسرے اس میں آپ ﷺ کی قبر مبارک پر دشمنوں کے عدوان و اعتداء سے سلامتی کی بھی دعا ہے تیسرے اس سے ایذائے معنوی بھی مراد ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی آپ ﷺ کی شریعت کو ایذا نہ پہنچائے۔

وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ: رحمت صفتِ وجودی ہے جبکہ سلامتی یہ صفتِ عدمی ہے۔ لہٰذا پہلے آپ ﷺ کے لیے صفتِ عدمی کی یعنی آپ ﷺ سے اذی کے انتفاء کی دعا مانگی جائے پھر صفتِ وجودی یعنی حصولِ رحمت کی دعا مانگی جائے۔ رہا یہ اعتراض کہ رحمت تو پہلے سے ہی نبی کریم ﷺ کے حق میں ثابت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دعا تاکید کے باب میں سے ہے۔

وَ بَرَكَاتُهٗ: برکت یہ خیرات کی زیادتی اور ان کے ثبوت کو کہتے ہیں۔ لفظ برکت یہ اَلْبِرْكَةُ سے ماخوذ ہے جو عموماً پانی کے بڑے تالاب کو کہتے ہیں، پس لفظ برکت میں اسی کثرت کا معنی ملحوظ ہے۔

وَ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ: اپنی ذات سے قبل جنابِ رسول اللہ ﷺ کے لیے دعا مانگے کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ہم پر ہماری جانوں سے بھی زیادہ حق ہے۔ دوسرے خود ہماری جانوں کے حقوق سے زیادہ نبی کریم ﷺ کے حقوق ہیں۔ غرض التحیات میں ایک عجیب ترتیب ہے کہ پہلے اللہ کے حق کو بیان کیا، پھر نبی کریم ﷺ کے حق کو، پھر اپنے حق کو، پھر اپنے سوا دوسروں کے حق کو بیان کیا جس کا ذکر وَ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ میں ہے اور اَلْعِبَادُ الصَّالِحُوْن اس امت اور گزشتہ امتوں کے سب صلحاء کو شامل ہے اور اس میں فرشتے اور جنات بھی شامل ہیں۔ بے شک یہ بے حد جامع اور بلیغ ترین جملہ ہے اور یہ دعا مانگنے پر زمین و آسمان کے سب بندے اس دعا میں شامل ہو جائیں گے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ: شہادت زبان کے اقرار اور دل کے اعتقاد دونوں کو شامل ہے۔ لہٰذا دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفا کافی نہ ہوگا۔ ان دونوں کا ہونا لازم ہے۔ تب پھر اَشْهَدُ کا مطلب یہ ہوگا کہ میں اس کا اپنی زبان سے اعتراف اور دل سے اعتقاد رکھتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** پر خطبہ کتاب میں سیر حاصل گفتگو کی جا چکی ہے۔

ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ اَعْجَبَهٗ اِلَيْهِ: لِيَتَخَيَّرْ میں لام اباحت کے لیے ہے۔ یعنی جو دعا اسے اچھی لگے وہ اختیار کرے۔

---

[1] صحيح البخاري: 806- صحيح مسلم: 182.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كُنَّا نَقُوْلُ قَبْلَ اَنْ يُفْرَضَ عَلَيْنَا التَّشَهُّدُ: یہ سنن نسائی کی روایت کے الفاظ ہیں لیکن کاش کہ امام موصوف پوری بات ذکر کر دیتے کہ تشہد کے فرض ہونے سے قبل کیا پڑھا جاتا تھا؟ تو جان لیجیے کہ تشہد کے فرض ہونے سے قبل حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ پڑھا کرتے تھے: اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ عِبَادِهٖ، اَلسَّلَامُ عَلٰى جِبْرِيْلَ، اَلسَّلَامُ عَلٰى مِيْكَائِيْلَ. ''اللہ پر اس کے بندوں کی طرف سے سلام ہو، جبرئیل پر سلام ہو، میکائیل پر سلام ہو۔'' جس پر نبی کریم ﷺ نے اس دعا سے منع فرما کر یہ التحیات تعلیم فرمایا اور فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ نہ کہو کیونکہ اللہ خود سلام ہے۔'' کیونکہ اللہ پر سلامتی بھیجنے میں اس بات کا وہم ہے کہ کہیں اللہ کو کوئی نقص اور ضرر لاحق ہونے کا احتمال تو نہیں کہ جس بنا پر بندے رب تعالیٰ کے لیے سلامتی کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو ہر قسم کے نقص اور ضرر سے پاک ہے۔

عَلَّمَهٗ: یہ مسند احمد کی روایت کے الفاظ ہیں اور مراد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں جن کو نبی کریم ﷺ نے یہ دعا سکھلا کر اس بات کا حکم دیا تھا کہ اب وہ اس دعا کو دوسروں کو بھی سکھلائیں تاکہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ یہ دعا خاص حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے لیے تھی۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں التحیات کے صیغے اور نبی کریم ﷺ کی اس دعا پر از حد عنایت کا ذکر ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- التحیات کی مشروعیت اور یہ کہ یہ دعا فرض ہے اور یہ دوسرے تشہد میں رکن ہے لہٰذا اگر کسی نے دوسرے تشہد میں یہ دعا ترک کر دی تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ البتہ پہلے تشہد میں واجب ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب آپ ﷺ پہلے تشہد کو بھول کر کھڑے ہو گئے تو آپ ﷺ نے اس پر سجدہ سہو کیا تھا۔
- نبی کریم ﷺ سنت کی حفاظت کے بے حد حریص تھے جیسا کہ دوسری روایت سے آپ ﷺ کی اس دعا پر بے حد عنایت اس امر کو بیان کرتی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پکڑ کر انہیں یہ دعا تعلیم فرمائی اور دوسروں کو سکھلانے کا بھی حکم دیا۔
- رب تعالیٰ کی تعظیم زبان، دل اور اعضاء و جوارح سب سے کی جائے جیسا کہ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَ الصَّلَوٰتُ وَ الطَّيِّبَاتُ کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ رب تعالیٰ کے لیے یہ تعظیمیں ثابت بھی ہیں اور وہ ان تعظیموں کا مستحق بھی ہے۔
- نماز کی اہمیت کہ خاص اسے نام لے کر ذکر فرمایا۔
- اللہ خود بھی طیب ہے اور طیب مال کو ہی قبول فرماتا ہے لہٰذا طیبات کا مستحق صرف وہی ہے۔
- اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ کے صیغوں کے ساتھ نماز میں نبی کریم ﷺ کو سلام پیش کرنا مشروع ہے جو دعا کے معنی میں ہے نہ کہ سلام کے معروف معنی میں۔ لہٰذا یہ دو ملنے والوں کے سلام کے جیسا نہیں بلکہ غائب کے حق میں دعا کرنے کے معنی میں ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ جب یہ دعا ہے تو اسے دعا کے مناسب صیغے کے ساتھ اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ کے الفاظ کے ساتھ کیوں نہیں لایا گیا تاکہ معنی اور عبارت میں تناسق پیدا ہو جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب بندہ اپنے جی میں رب تعالیٰ کی عظمت کا استحضار کرتا ہے اور نبی کریم ﷺ کی تعظیم رب تعالیٰ کی تعظیم سے ہے، تو گویا کہ نبی کریم ﷺ اس کے سامنے مستحضر ہو جاتے ہیں۔ دوسرے یہ التفات کلام کی قبیل سے ہے جو غائب کے صیغوں سے حاضر کے صیغوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی طرف انتقال ہوتا ہے۔

- نبی کریم ﷺ کو اذی پہنچنا ممکن ہے۔ جیسا کہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ کے الفاظ سے واضح ہے اور اللہ پر سلامتی بھیجنے کی ممانعت میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے اور غریب الحدیث کے تحت اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔
- نبی کریم ﷺ کے لیے نبوت ثابت ہے لہٰذا آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کفر ہے۔ اس کی دلیل أَيُّهَا النَّبِيُّ کے الفاظ ہیں۔
- نبی کریم ﷺ بھی سلامتی، رحمت اور برکت تینوں کے محتاج ہیں جیسا کہ اَلتَّحِيَّاتُ کے الفاظ بتلاتے ہیں اور اگرچہ آپ ﷺ کو یہ چیزیں حاصل ہیں لیکن ہمیں یہ دعائیں مانگنے کا حکم تاکید کے باب سے ہے۔ تب پھر ہم امتی تو ان باتوں کے بدرجۂ اولیٰ محتاج ہیں۔
- رب تعالیٰ کے لیے صفتِ رحمت ثابت ہے۔ (1) ایک تو اس معنی میں کہ رب تعالیٰ صفتِ رحمت والا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ﴾ (الكهف: 58) ”اور تیرا رب نہایت بخشنے والا، خاص رحمت والا ہے۔“ (2) دوسرے آثارِ رحمت کے معنی میں۔ جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ م بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ﴾ (الشورى: 28) ”اور وہی ہے جو بارش برساتا ہے، اس کے بعد کہ وہ ناامید ہو چکے ہوتے ہیں اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے۔“ غرض رب تعالیٰ کے لیے رحمت ان دونوں معانی میں ثابت ہے۔
- جو لوگ نبی کریم ﷺ کو حاجت روا، مشکل کشا، رازق وغیرہ گمان کیے بیٹھے ہیں، اس دعا میں ان سب کا ردّ ہے۔
- یہ رب تعالیٰ کا جنابِ رسول اللہ ﷺ پر احسان ہے کہ اس نے آپ ﷺ کی عمر مبارک، قول اور فعل سب میں برکت وسلامتی اتاری۔
- حصولِ برکت کا ایک بڑا ذریعہ یہ بھی ہے کہ جب بھی کوئی خیر کا کام شروع کیا جائے تو اس پر دوام کیا جائے گا۔
- برکت کی دعا مانگنے کا مطلب عمل سے معطل ہو کر بیٹھ جانا نہیں۔ لہٰذا عملی جدوجہد کرنا اور اسبابِ شرعیہ قطعیہ کا اختیار کرنا ہر حال میں واجب ہوگا۔ لہٰذا مثلاً نیک اولاد کی دعا کے لیے نکاح لازم وواجب ہے۔
- سَلَام یہ آفاتِ فکریہ اور جہل ونسیان سب سے سلامتی کا نام ہے۔
- معلوم ہوا کہ بندے پر سب سے زیادہ حق اللہ کا، پھر اس کے رسول کا، پھر اپنے اوپر اپنے آپ کا اور پھر اپنے اوپر دوسروں کا ہے۔
- اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا: یہ سلام امت اسلامیہ پر ہے کیونکہ یہ دعا مانگنے والا بھی امت کا ایک فرد ہے۔ جبکہ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد آس پاس کے لوگ ہیں جن میں وہ خود اور گھر والے اور اہل مسجد وغیرہ شامل ہیں۔
- دعا مانگنے کی ابتدا اپنے آپ سے کی جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے اپنے لیے دعا کی جائے۔
- صلاح نیکی اور تقویٰ کی اہمیت اور فضیلت کہ صلحاء کے لیے امت مسلمہ کا ہر فرد دعا کرتا ہے۔ (اے اللہ! ہمیں صالحین میں سے بنادے!) آمین
- وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ: معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کے بعض بندے غیر صالح بھی ہوتے ہیں (اے اللہ! ہمیں ان میں سے نہ بنانا! آمین) صَالِحِيْنَ کے لفظ کے عموم میں زمین آسمان کے جو فرشتے ہیں سب نیک بندے شامل ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ رب تعالیٰ کے لیے توحید کا اقرار قلب ولسان دونوں سے کرنا واجب ہے جیسا کہ لفظ اَشْھَدُ سے معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ شہادت کی تعبیر کمالِ یقین پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ شہادت میں اصل آنکھوں دیکھی بات پر گواہی دینا ہے جو یقین کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔

◈ رب تعالیٰ کے سوا بندے کے بنائے سب الٰہ باطل ہیں۔

◈ نبی کریم ﷺ کا حق بے حد عظیم ہے جس کی دلیل آپ ﷺ کے لیے رسالت وعبدیت کی شہادت دینے کا واجب ہونا ہے۔ معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ بندے ہیں نہ کہ معبود۔

◈ آپ ﷺ کے لیے رسالت ثابت ہے جس کی دلیل وَ رَسُوْلُهٗ کے الفاظ ہیں۔

◈ آپ ﷺ کے لیے نبوت ورسالت دونوں اوصاف ثابت ہیں۔ چنانچہ اول حدیث میں نبوت اور آخر حدیث میں رسالت کا اثبات ہے۔

◈ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا اس اَلتَّشَھُّد میں داخل نہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بعد میں من پسند دعا مانگنے کا حکم دیا ہے جو نبی کریم ﷺ پر درود بھی ہوسکتا ہے۔

◈ آدمی نماز میں جو چاہے دعا مانگ سکتا ہے جیسا کہ ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ امورِ دنیا کی دعا بھی مانگ سکتا ہے۔ بخلاف ان علماء کے جن کے نزدیک نماز میں امورِ دنیا کی دعا مانگنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے کہ یہ قول مذکورہ حدیث کے مقتضیٰ کے خلاف ہے۔

◈ آدمی نماز میں اپنے معمولات پر غور وفکر کرسکتا ہے چاہے یہ غور وفکر طویل ہو جائے یا مختصر ہو۔ کیونکہ یہ حدیث نفس ہے جو غیر موثر ہے۔ کیونکہ اس امر کا یعنی دُعا مانگنے کا تعلق نماز سے ہے۔ کیونکہ نماز میں سب سے محبوب چیز کی دعا مانگنے کا اختیار دیا گیا ہے اور اس بات کا فیصلہ غور وفکر کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔

◈ تشہد فرض ہے۔ اس کی دلیل سنن النسائی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: قَبْلَ اَنْ يُّفْرَضَ عَلَيْنَا التَّشَهُّدُ. البتہ پہلے اور دوسرے تشہد کے درمیان جو فرق ہے اسے غریب الحدیث کے تحت بیان کر دیا گیا ہے۔

◈ ایک عالم تلامذہ میں سے ذی استعداد کو دوسروں کی تعلیم پر مقرر کرسکتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس بات پر مقرر فرمایا تھا کہ وہ دوسرں کو یہ تشہد سکھلائیں۔

◈ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ علم کے ابلاغ میں توکیل جائز ہے۔

311۔ وَلِمُسْلِمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ: ((التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ)) إِلَى آخِرِهِ.

صحیح مسلم کی ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمیں تشہد (کے یہ صیغے) سکھلاتے تھے: اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ ...... الی آخرہ۔ [1]

شرح: ......گزشتہ روایت میں تشہد کے جو صیغے مذکور ہیں وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں جبکہ مذکورہ صیغے

[1] صحیح مسلم: 403.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں جو حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے صیغوں سے مختلف ہیں۔ چنانچہ بعض علماء نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی صیغوں کو لیا ہے کیونکہ وہ صیغے صحیحین میں ثابت ہیں لہٰذا وہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے قوی ہے کیونکہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما صرف صحیح مسلم میں مروی ہے۔ دوسرے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی صیغوں کے درمیان حرفِ عطف آیا ہے جو مغایرت کا مقتضی ہے جبکہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں مروی صیغے بغیر عطف کے ہیں لہٰذا حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ معانی کی کثرت کی بنا پر حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اعلیٰ ہے۔ اس لیے بعض علماء نے حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے صیغوں کو ترجیح دی ہے۔

لیکن اس بارے صحیح قول یہ ہے کہ جب تک دونوں روایات پر عمل ممکن ہے ترجیح کا کوئی قول کرنا صحیح نہیں۔ اب دونوں روایات کو جمع کرنے اور ان پر عمل کرنے کی صورت یہ ہے کہ کبھی ایک روایت کے صیغے پڑھ لیے جائیں تو کبھی دوسری روایت کے صیغے پڑھ لیے جائیں۔ اس باب میں قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی بابت مختلف نصوص وارد ہوں اور ان میں جمع ممکن ہو تو ترجیح کا قول نہیں کیا جاتا اور یہی قول صحیح اور راجح ہے کہ یہاں ترجیح نہیں بلکہ جمع ہے جس کی صورت اوپر مذکور ہے۔

جمع کا قول کرنے کے مندرجہ ذیل فوائد ہیں:

(1) اس میں سنت کی حفاظت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ صرف ایک تشہد پڑھتے ہیں جیسے مثلاً صرف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی صیغوں کو پڑھنے پر دوام کرتے ہیں، انہیں دوسرے مروی صیغوں کا مطلق علم نہیں ہوتا۔

(2) کبھی ایک صیغے اور کبھی دوسرے صیغوں کو پڑھنے میں قلب میں استحضار کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور آدمی کو یہ بات تازہ رہتی ہے کہ وہ رب تعالیٰ کے ساتھ مناجات کر رہا ہے۔ وگرنہ ایک ہی روایت کے صیغوں کو بار بار بلکہ تادمِ حیات پڑھتے رہنے سے وہ ایک خود کار مشین سی بن جاتا ہے کہ جسے متحرک کرتے ہی وہ بس چلتی جاتی ہے۔

(3) پھر اس میں مکلّف پر سہولت بھی ہے۔ کیونکہ جب عبادات میں تنوع ہو اور بعض بعض سے زیادہ سہل ہوں تو زیادہ سہل کو اختیار کرنے میں مکلّف پر سہولت ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی اس پر نص ہے [1] اور اکثر علماء کا بھی یہی مذہب ہے کہ جو عبادت متنوع وجوہ پر وارد ہو اس میں مناسب یہی ہے کہ کبھی ایک طرح سے اس کو ادا کیا جائے اور کبھی دوسری طرح سے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود

312۔ وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رضي الله عنه قَالَ: سَمِعَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ رَجُلًا يَدْعُوْ فِيْ صَلَاتِهِ، وَلَمْ يَحْمَدِ اللهَ، وَلَمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: ((عَجِلَ هٰذَا)) ثُمَّ دَعَاهُ، فَقَالَ: ((إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِتَحْمِيْدِ رَبِّهِ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ، ثُمَّ يُصَلِّيْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، ثُمَّ يَدْعُوْ بِمَا شَاءَ)).

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اپنی نماز میں اس حال میں دعا مانگتے سنا کہ نہ تو اس نے رب تعالیٰ کی حمد بیان کی اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہی بھیجا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس نے عجلت سے کام لیا ہے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو (نماز سے فارغ ہو جانے پر) بلایا اور ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے (اور وہ نماز کے آخری تشہد میں پہنچ جائے) تو پہلے رب تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرے

[1] الفتاوی: 335/22.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے، پھر جو چاہے دعا مانگے۔“ ❶

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالثَّلَاثَةُ ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ .

اس حدیث کو امام احمد اور ائمہ ثلاثہ ﷭ نے روایت کیا ہے جبکہ امام ترمذی، امام ابن حبان اور امام حاکم ﷭ نے اس کو صحیح کہا ہے۔

شرح: ..... مذکورہ حدیث مجمل ہے۔ اس لیے مناسب ہے کہ اس مجمل حدیث کو تشہد پر محمول کیا جائے جس کے اول میں رب تعالیٰ کی حمد وثنا، پھر نبی کریم ﷺ پر سلام اور اخیر میں اپنے اور صالحین کے لیے سلامتی کی دعا ہے۔ پھر اس کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود اور آخر میں دعا ہے۔ اور دعا میں بندے کو اختیار ہے کہ وہ جو چاہے مانگے، چاہے اس کا تعلق امورِ دنیا سے ہو یا امورِ آخرت سے۔ جیسا کہ اس کی تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔

313- وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ ﷛ قَالَ : قَالَ بَشِيرُ بْنُ سَعْدٍ : يَا رَسُولَ اللهِ! أَمَرَنَا اللهُ أَنْ نُصَلِّيَ عَلَيْكَ فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ ؟ فَسَكَتَ ، ثُمَّ قَالَ : ((قُولُوا: اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَالَمِينَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ)) . وَالسَّلَامُ كَمَا عَلِمْتُمْ)) .

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے (خدمتِ نبوی میں) عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! رب تعالیٰ نے ہمیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم آپ ﷺ پر درود بھیجا کریں تو (آپ ﷺ ہی ہمیں بتلا دیجیے کہ) ہم آپ ﷺ پر درود کیسے بھیجا کریں؟ اس پر نبی کریم ﷺ نے (کچھ دیر کے لیے) سکوت فرمایا، پھر ارشاد فرمایا: ”(جب) تم (لوگوں نے مجھ پر درود بھیجنا ہو تو یوں) کہا کرو: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ...... اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. ”اے اللہ! اپنی خاص عنایت ورحمت فرما حضرت محمد (ﷺ) پر اور آپ ﷺ کی آل پر جیسا کہ تو نے عنایت ورحمت فرمائی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور خاص برکت نازل فرما حضرت محمد (ﷺ) پر اور آپ ﷺ کی آل پر جیسا کہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سب جہانوں میں برکت نازل فرمائی۔ بے شک (اے اللہ!) تو ساری حمد وستائش کا سزاوار اور عظمت وبڑائی والا ہے۔“ اور (رہا مجھ پر) سلام (بھیجنا تو وہ ویسا ہی ہے) جیسا کہ تم جانتے ہو۔“ ❷

رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

وَزَادَ ابْنُ خُزَيْمَةَ فِيهِ : ((فَكَيْفَ نُصَلِّي

اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے (اپنی) اس روایت میں یہ الفاظ

❶ سنن ابی داود: 1481- جامع الترمذی: 3477- امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ سنن النسائی: 44/3- صحیح ابن حبان: 1960- المستدرك للحاكم: 354/1- حاکم کہتے ہیں یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔ مجھے اس میں کسی علت کا علم نہیں۔ جبکہ امام نووی رحمہ اللہ نے ”شرح صحیح مسلم“ (124/4) میں اس حدیث کو قوی کہا ہے۔ (دیکھیں: نصب الرایۃ: 425/1- المجموع: 429/3)

❷ صحیح مسلم: 405

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

زائد نقل کیے ہیں: ''پس جب ہم اپنی نماز میں آپ ﷺ پر درود بھیجیں تو آپ ﷺ پر درود کیسے بھیجیں؟'' ❶ عَلَيْكَ إِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا عَلَيْكَ فِي صَلَاتِنَا؟)).

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوالات کامل درجہ پر طاعت کرنے کے لیے ہوتے تھے

تشہد میں نبی کریم ﷺ پر سلام بھیجا جاتا ہے جس کے صیغوں کی تفصیل بیان ہو چکی۔ اس کے بعد آخری تشہد میں نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا جاتا ہے جس کا حکم رب تعالیٰ نے اس آیت میں دیا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَٰئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَٰأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

(الاحزاب: 56)

''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اس پر صلوٰۃ بھیجو اور سلام بھیجو، خوب سلام بھیجنا۔''

رب تعالیٰ کے اس امر کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کی تعلیم دی کہ وہ آپ ﷺ پر صلوٰۃ (یعنی درود) کیونکر بھیجا کریں۔ کیونکہ سلام کی تعلیم تو آپ ﷺ اس سے قبل انہیں دے چکے تھے جیسا کہ مذکورہ روایت میں بھی اس کی صراحت ہے اور درود کو وہ جانتے تھے اس لیے آپ ﷺ نے انہیں درود بھیجنا بھی تعلیم فرمایا۔ حضرت بشیر رضی اللہ عنہ عربی دان تھے اور وہ رب تعالیٰ کے کلام کو خوب سمجھتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ رب تعالیٰ کے اس حکم کو پورا کرنے کے لیے ان الفاظ کا کہہ دینا کافی تھا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ لیکن حضرت بشیر رضی اللہ عنہ دراصل درود کے صیغوں کے کمال کے طالب تھے۔ کہ جیسے نبی کریم ﷺ نے انہیں سلام کے کامل ترین صیغے سکھلائے تھے وگرنہ وہاں بھی اَلسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ کہہ دینا کافی تھا۔ ایسے ہی حضرت بشیر رضی اللہ عنہ یہاں بھی درود کے کامل ترین صیغوں کے سیکھنے کے طالب تھے۔ اس لیے یہ سوال کیا۔ پس حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کا سوال ان یہود کے سوال کی طرح نہ تھا جنہوں نے گائے کے ذبح کرنے کے حکم میں خوب کنج کاوی کی تھی، بلکہ یہ سوال طاعت کے درجۂ کمال کے حصول کے لیے تھا۔ جس پر نبی کریم ﷺ نے انہیں یہ درود سکھلایا۔

غریب الحدیث:...... اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ: صَلٰوةٌ عَلَى النَّبِيِّ کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے راجح قول یہ ہے کہ اس سے مراد رحمتِ خاصہ ہے جیسا کہ اس کی تفصیل ذکر کی جا چکی ہے۔ رہا یہ سوال کہ صَلٰوةٌ عَلَى النَّبِيِّ سے مراد چاہے رحمتِ خاصہ ہی ہو تب بھی صَلٰوةٌ مِّنَ اللّٰهِ سے مراد کیا ہے؟ تو اس بارے سب سے عمدہ قول جناب ابوالعالیہ کا ہے، وہ یہ کہ اس سے مراد رب تعالیٰ کا ملأ اعلیٰ میں اپنے بندے کی تعریف کرنا ہے، یعنی رب تعالیٰ فرشتوں میں اپنے بندے کی صفاتِ حمیدہ کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ جبکہ ہم بندوں کا نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنا، یہ رب تعالیٰ سے اس بات کی دعا کرنا ہے کہ وہ اپنے اس محبوب بندے کی ملأ اعلیٰ میں تعریف کرے۔ اسی طرح فرشتوں کی صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ رب تعالیٰ سے اس بات کا سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنے بندے کی ملأ اعلیٰ میں تعریف کرے۔ جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں آتا ہے کہ بندہ جب تک نماز کے انتظار میں رہتا ہے اَلْمَلَائِكَةُ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ ''فرشتے اس کے لیے رب کے حضور اس بات کا سوال

---

❶ صحيح ابن خزيمة: 711- صحيح ابن حبان: 1959- سنن الدارقطني: 354/1- امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کی اسناد حسن اور متصل ہے۔ المستدرك للحاكم: 401/1- حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہیں کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْهِ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَهٗ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْهُ. ''اے اللہ تو اس پر اپنی رحمتِ خاصہ نازل فرما، اے اللہ! تو اس کی بخشش فرما اور اے اللہ! تو اس پر رحم فرما۔''[1]

یہ روایت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ صلوٰۃ رحمت سے اخص ہے اور اس سے ابلغ ہے۔ یاد رہے کہ درود شریف کے بے پناہ فضائل ہیں بالخصوص جمعہ کے دن نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کے بے حد فضائل و مناقب ہیں۔

مُحَمَّدٍ: پھر یہ درود بھیجا کس ذات پر جائے؟ جی ہاں! یہ رب تعالیٰ کے سب سے محبوب بندے جناب محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ سید الانبیاء والمرسلین ﷺ ہیں۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کا صیغہ غلط ہے۔ کیونکہ ہم آپ ﷺ کو سید کہیں یا نہ کہیں آپ ﷺ پھر بھی سید ہیں۔ دوسرے آپ ﷺ خود کن صفاتِ حمیدہ کے مستحق ہیں اس کو سب سے زیادہ جاننے والے خود آپ ﷺ ہیں۔ لہٰذا سیدنا کا کلمہ پڑھنا درست نہ ہو گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مذکورہ کلمہ درود شریف میں تعلیم نہیں فرمایا۔

مُحَمَّدٍ: یہ آپ ﷺ کا اسم مبارک ہے۔ آپ ﷺ کے اس کے علاوہ بھی متعدد نام ہیں جیسے احمد۔ یہ دونوں نام قرآنِ کریم میں مذکور ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ (الفتح: 29)

''محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں کافروں پر بہت سخت ہیں۔''

اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ انہوں نے بنی اسرائیل کو نبی کریم ﷺ کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ﴾ (الصف: 6)

''اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں، جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہے۔''

نبی کریم ﷺ کے ''اسماء'' اعلام بھی ہیں اور صفات بھی۔ پس ذات پر دلالت کرنے کے اعتبار سے اعلام ہیں جبکہ معنی پر دلالت کرنے کے اعتبار سے اوصاف ہیں۔

آلِ مُحَمَّدٍ: بعض علماء نے آل سے مراد آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور قرابت داروں کو لیا ہے جبکہ بعض نے اس سے مراد آپ ﷺ کے سچے پیروکاروں اور آپ ﷺ کے دین کے طاعت گزاروں اور خدمت گاروں کو لیا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ لفظِ آل یہ کلماتِ مشترکہ میں سے ہے اور اس سے مذکورہ دونوں معانی ہی مراد لیے جاسکتے ہیں۔

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰۤى اِبْرَاهِيْمَ: مذکورہ کاف میں علماء نے بے حد طول بیانی اور کثرتِ کلام سے کام لیا ہے۔ اس عبارت پر علماء کا مشہور اشکال یہ ہے کہ مشبہ ہمیشہ مشبہ بہ سے ادنیٰ ہوتا ہے۔ اب یہاں پر نبی کریم ﷺ پر بھیجے جانے والے درود کو اس درود سے تشبیہ دی گئی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھیجا جاتا ہے۔ لہٰذا یہاں صَلٰوةٌ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ یہ مشبہ ہے اور صَلٰوةٌ عَلٰۤى اِبْرَاهِيْمَ علیہ السلام یہ مشبہ بہ ہے۔ حالانکہ یہ بات مسلّم ہے کہ نبی کریم ﷺ اشرف الخلائق ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مذکورہ کاف تشبیہ کے لیے نہیں بلکہ تعلیل کے لیے ہے اور مطلب یہ ہو گا کہ اے اللہ! تو اپنے نبی پر اپنی رحمتِ خاصہ بھیج کیونکہ تو نے ابراہیم علیہ السلام پر بھی تو اپنی رحمتِ خاصہ بھیجی ہے۔

---

[1] صحيح البخاري: 445۔ صحيح مسلم: 649.

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ: حَمِيْدٌ بروزنِ فَعِيْلٌ ہے یہ فاعل کے معنی میں بھی آتا ہے اور مفعول کے معنی میں بھی آتا ہے۔ پس فاعل کے معنی میں مراد حامد ہوگا۔ یعنی رب تعالیٰ اپنے بندوں میں سزاوارِ حمد کی تعریف بیان کرتا ہے اسی لیے رب تعالیٰ انبیاء وصالحین کی تعریف بیان فرماتے ہیں اور یہ محمود کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ ہر حال میں محمود ہے۔ غرض اس لفظ میں دونوں معانی کا احتمال ہے اور دونوں میں کوئی تناقض نہیں۔ یہی تاویل مَجِيْدٌ کے لفظ میں بھی ہے۔

وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ: برکت کا تفصیلی معنی بیان کردیا گیا ہے اور كَمَا بَارَكْتَ کی کاف میں وہی بحث ہے جو ابھی بیان ہوئی۔

تشہد کے بعد کی دعا اور اس کے احکام

314- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا تَشَهَّدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنْ أَرْبَعٍ، يَقُوْلُ: ((اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ، وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ)).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "جب تم میں سے ایک (نماز کا آخری) تشہد پڑھ لے تو وہ (دعا مانگے اور اپنی اس دعا میں) رب تعالیٰ کی چار چیزوں سے پناہ مانگے۔ پس وہ (دعا مانگتے ہوئے یہ) کہے: اے اللہ! میں عذابِ جہنم سے اور عذابِ قبر سے اور زندگی اور موت کی آزمائش سے اور مسیح دجال کی آزمائش سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔" ❶

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

یہ حدیث "متفق علیہ" ہے۔

وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ ((إِذَا فَرَغَ أَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ الْأَخِيْرِ)).

اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "جب تم میں سے کوئی آخری تشہد پڑھ کر فارغ ہو جائے۔"

غریب الحدیث: ......فَلْيَسْتَعِذْ: مذکورہ لام امر کا ہے اور امر میں اصل وجوب ہے۔ چنانچہ علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آدمی پر ہر نماز میں ان چار باتوں سے استعاذہ واجب ہے۔ حتیٰ کہ بعض نے اس کے وجوب کو صَلٰوةٌ عَلَى النَّبِيِّ کے وجوب سے زیادہ مؤکد قرار دیا ہے۔ جس کو اکثر علماء نے رکنِ صلوٰۃ تک کہا ہے اور تو اور مشہور تابعی امام طاؤس کے بیٹے نے جب نماز میں ان چار باتوں سے استعاذہ نہ کیا تو انہوں نے اپنے بیٹے کو نماز کے اعادہ کا حکم دیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ امام طاؤس رحمہ اللہ کے نزدیک یہ استعاذہ یا تو رکن تھا یا پھر واجب۔ اس لیے آدمی کو چاہیے کہ نماز میں اس دعا کو ترک نہ کرے کیونکہ (1) ایک تو خود نبی کریم ﷺ نے اس دعا کے مانگنے کا حکم دیا ہے۔ (2) دوسرے یہ دعا بے حد عظیم امور سے بچاؤ پر مشتمل ہے۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ: جہنم آگ ہے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جہنم تاریک اور چہرہ بگاڑ دینے والی ہے۔ اللہ اس سے پناہ دے کہ اس میں نہ نور ہے اور نہ خیر اور اس کا گڑھا بے حد گہرا ہے۔ اس کے عذاب تصور میں نہیں آتے اور نہ ان کی کوئی نظیر ہی ہے۔ وہم وخیال اس کی خوفناکی تک پہنچ نہیں سکتا۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے کہ بے شک جہنم کا

❶ صحيح البخاري: 1377- صحيح مسلم: 588.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عذاب بے ایمانوں کو ہمیشہ ملتا رہے گا۔ وہ جہنم میں مرنا چاہیں گے مگر انہیں موت نہ آئے گی۔

وَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ: ان کلمات میں قبر کے عذاب کا اثبات ہے کہ بے شک وہ ہے اور عذاب کے مستحق لوگوں کو پہنچ کر رہے گا۔ کتاب وسنت اور امت کا اجماع اس کے اثبات پر دلالت کرتا ہے۔ [1]

تنبیہ: یہ دعا آخری تشہد میں پڑھی جائے گی جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت اس تقیید کو بیان کرتی ہے کیونکہ پہلے تشہد میں تخفیف اور عدمِ اطالت ہے جبکہ دوسرے تشہد میں دعا مانگنے کا حکم ہے اور اس دعا سے بڑھ کر کوئی دعا نہیں جس کی تعلیم خود نبی کریم ﷺ نے دی ہے۔

315۔((وَعَنْ أَبِي بَكْرِ الصِّدِّيقِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: عَلِّمْنِي دُعَاءً أَدْعُو بِهِ فِي صَلَاتِي! قَالَ: قُلْ: ((اللّٰهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا، وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِي، إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: (اے اللہ کے رسول!) مجھے کوئی ایسی دعا سکھلا دیجیے جو میں اپنی نماز میں مانگتا رہوں۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم (اپنی نماز میں) یہ دعا مانگو: ((اللّٰهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي .... إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ .)) ''اے اللہ! میں نے خود اپنے اوپر بہت ہی ظلم کیا ہے اور تیرے سوا کوئی نہیں ہے جو گناہوں کو بخش سکتا اور معافی دے سکتا ہو، پس (اے میرے اللہ!) تو محض اپنی طرف سے اور اپنے فضل و کرم سے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور بس تو ہی بہت بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے اور بخشش و رحمت تیری ہی ذاتی صفت ہے۔'' [2]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

فرمائشِ صدیقی رضی اللہ عنہ پر تعلیم کی جانے والی دعا کی اہمیت

بے شک یہ دعا بے حد اہمیت کی حامل ہے جو نبی کریم ﷺ نے اپنے سب سے محبوب صحابی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوال کرنے پر تعلیم فرمائی ہے۔ اس لیے یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ یہ دعا بے حد جامع اور نفع مند ہے۔

تواضع اور کسرِ نفسی

جنابِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تواضع ملاحظہ کیجیے کہ باوجود سب سے افضل صحابی رضی اللہ عنہ ہونے کے نبی کریم ﷺ سے مزید تعلیم و ارشاد کی استدعا کر رہے ہیں۔ لہٰذا علم سیکھنے میں کسی بھی عار اور انکار سے کام نہ لینا چاہیے۔

غریب الحدیث: ...... اَدْعُوْ بِهٖ فِيْ صَلٰوتِيْ. یہ جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں مانگی جانے والی دعا

[1] شیخ رحمہ اللہ نے موت وحیات کی آزمائش اور مسیح دجال کے فتنہ کی شر انگیزی پر اس موقع پر کوئی کلام نہیں کیا۔ شاید آگے چل کر کسی مناسبت سے شیخ رحمہ اللہ کے قلم سے اس پر کچھ علمی تحقیقات سامنے آ جائیں۔ واللہ اعلم۔ (نسیم)

[2] صحيح البخاري: 834- صحيح مسلم: 2705 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سب سے افضل ہوتی ہے۔ کیونکہ نماز میں سجدہ ہے جس میں بندہ رب تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے [1] اور انہی سجدوں میں ہمیں خوب دعا مانگنے کا حکم بھی ہے۔ یہاں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ یہ دعا نماز میں کس موقع پر مانگی جائے گی۔ البتہ امام موصوف رحمہ اللہ کا طرزِ عمل بتلاتا ہے کہ یہ دعا نماز میں تشہد کے بعد مانگی جائے گی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دعا سجدہ میں بھی مانگی جاسکتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ ..... الی آخرہ : بے شک اس دعا میں اپنی خطاؤں کا اعتراف بھی ہے اور رب کے حضور سوال بھی اور اس کی بے پناہ حمد وثنا بھی۔ یوں یہ دعا ایک جامع ترین دعا ہے جو اعتراف، سوال اور ثنا جیسے اہم امور پر مشتمل ہے۔ کیونکہ دعا یا تو اعتراف اور حال کے ذکر کے لیے ہوتی ہے جیسا کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا میں اعتراف ہے۔ یا اس میں محض رب تعالیٰ کی ثنا ہوتی ہے۔ جیسا کہ وَ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ کہ اس میں رب تعالیٰ کی ثنا ہے یا اس میں دونوں باتیں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ فَاغْفِرْلِیْ اور وَ ارْحَمْنِی اور اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ میں دعا وسوال اور ثنا دونوں ہیں۔

ظَلَمْتُ نَفْسِیْ: انسان کے پاس اس کی جان رب تعالیٰ کی دی ایک امانت ہے جس کے حقوق کی رعایت رکھنا واجب ہے۔ اب بظاہر اپنے اوپر خود کوئی ظلم نہیں کرتا بلکہ دوسرا ہی اس پر ظلم کرتا ہے۔ تب پھر اپنے اوپر خود ظلم کرنے کا مطلب نفس کو اس کا حق ادا نہ کرنا ہوگا جس کی دو صورتیں ہیں: (1) یا تو یہ کسی واجب میں کوتاہی ہوگی۔ (2) یا پھر کسی حرام کا ارتکاب ہوگا۔ پس واجب میں کوتاہی کرنے والا اور رب تعالیٰ کی کسی حرمت کو پامال کرنے والا ہی اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہے۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ﴾ (الطلاق : 1)

''اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو یقیناً اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔''

وَ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ: یہ رب تعالیٰ کی ثنا ہے کہ اس کے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (آل عمران : 135) ''اور اللہ کے سوا اور کون گناہ بخشتا ہے؟''

فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ: مغفرت کا معنی بارہا بیان کیا جاچکا ہے۔ مذکورہ لفظِ مغفرت نکرہ ہے جس کی تنکیر تعظیم پر دلالت کررہی ہے۔ جس کی تعظیم میں مزید اضافہ مِنْ عِنْدِكَ کے کلمات سے ہورہا ہے۔ پس رب تعالیٰ کی طرف مغفرت کی اضافت یہ بتلاتی ہے کہ کریم کی طرف سے بخشش ومغفرت بے حد عظیم اور بہت بڑی ہوتی ہے۔

وَارْحَمْنِیْ: اس کا عطف فاغفرلی پر ہے کیونکہ بندہ دو باتوں میں رب تعالیٰ کی مدد کا محتاج ہوتا ہے:

(1) گزشتہ گناہوں کی معافی میں (2) دوسرے آئندہ کے لیے گناہوں سے سلامتی میں

ایک قول یہ ہے کہ مغفرت یہ مکروب کے زوال کا اور رحمت یہ مطلوب کے حصول کا نام ہے۔ غرض رحمت اور مغفرت ان دونوں توجیہات کو شامل ہے۔

اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ: یہ جملہ گویا کہ سابقہ مذکورہ دعا کی تعلیل کے درجہ میں ہے کیونکہ جب بندے نے دو باتوں یعنی مغفرت اور رحمت کا سوال کیا تو ان دونوں اسمائے حسنیٰ کو لاکر بندہ نے گویا کہ اس دعا کی وجہ بتلا دی کہ اس نے رب تعالیٰ سے مغفرت اور رحمت کا سوال اس لیے کیا ہے کیونکہ وہی تو ہے جو بخشتا ہے اور رحم فرماتا ہے۔ علمائے نحو کا قول ہے کہ مذکورہ

[1] صحیح مسلم: 482.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَنْتَ ضمیر فصل ہے، جس کے لانے کے تین فوائد ہوتے ہیں:

(1) تاکید (2) حصر (3) اور تمیز کہ خبر اور صفت میں تمیز ہو جائے۔

چنانچہ اس ضمیر کے ضمیر فصل نام رکھنے کی وجہ یہی ہے کہ یہ ضمیر خبر اور صفت میں فصل کر دیتی ہے۔ چنانچہ جب زَیْدٌ الْفَاضِلُ کہتے ہیں تو اَلْفَاضِلُ میں خبر اور صفت دونوں کے ہونے کا احتمال ہے۔ چنانچہ جب زَیْدٌ ھُوَ الْفَاضِلُ میں ھُوَ ضمیر فصل لے آئیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ مذکورہ لفظ اَلْفَاضِلُ خبر ہے نہ کہ صفت۔ ضمیر فصل کے بارے میں راجح قول یہ ہے کہ یہ حرف کے حکم میں ہوتی ہے جس کی اعراب میں کوئی جگہ نہیں ہوتی۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ دعا سکھلائی اس لیے بندہ کے لیے اس دعا کا مانگنا مناسب ہے۔ رہی حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ جس میں یہ ذکر ہے کہ تشہد کے بعد آدمی جو چاہے دعا مانگے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جو چاہے دعا مانگ سکتا ہے۔ لیکن اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ جو دعا خود نبی کریم ﷺ نے سکھلائی ہے اس سے بہتر اور کوئی دعا نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ماثورہ دعائیں زیادہ جامع اور زیادہ نافع ہوتی ہیں۔ البتہ اس دعا کو سجدہ میں بھی مانگ سکتے ہیں۔ جیسا کہ ایک روایت میں مذکور ہے کہ آدمی رب تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب حالتِ سجدہ میں ہوتا ہے۔

نماز کا سلام کرنے کا طریقہ اور اس کے احکام

316- وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، فَكَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، وَعَنْ شِمَالِهِ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ)).

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ صَحِيْحٍ .

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی، پس آپ ﷺ اپنی داہنی جانب یہ کہہ کر سلام پھیرتے تھے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَکَاتُهُ اور اپنی بائیں طرف (بھی یہ کہہ کر سلام پھیرتے تھے): اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَکَاتُهُ۔ [1]

اس حدیث کو امام ابوداوَد رحمہ اللہ نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

درایة الحدیث :...... یہ بات بہرحال جائے حیرت ہے کہ امام ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ حالانکہ اکثر محدثین نے مذکورہ حدیث میں وَ بَرَکَاتُهُ کے اضافہ کو ضعیف کہا ہے۔ البتہ اہل علم کے نزدیک یہ اسناد صحیح ہے جن میں امام موصوف رحمہ اللہ کا نام نامی بھی آتا ہے۔ پس اگر تو یہ حدیث صحیح ہے تو کبھی کبھی سلام کے مذکورہ اضافی کلمات بھی کہہ لینے چاہئیں۔ پھر خود سنن ابی داؤد کے نسخوں میں بھی اس حدیث کی بابت اختلاف ہے کہ بعض نسخوں میں صرف ایک سلام پھیرنے کا ذکر ہے اور بعض میں دو سلام پھیرنے کا۔ لیکن اس بارے مروی اکثر احادیث میں صرف اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ کے کلمات کے ساتھ سلام پھیرنے کا ہی ذکر ہے جن میں وَ بَرَکَاتُهُ کے کلمات کا اضافہ نہیں۔ اس لیے بعض علماء نے مذکورہ روایت کو شاذ قرار دیا ہے، دوسرے اس حدیث کے رواۃ میں بعض میں محدثین حضرات کا کلام بھی ہے۔ پس چونکہ مذکورہ حدیث کے متن اور سند دونوں میں اضطراب ہے اس لیے ان الفاظ تک اکتفا کرنا اولیٰ ہے جن میں حضرات محدثین کا اختلاف نہیں اور

[1] سنن ابی داود: 997، علامہ نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (442/3) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ کے کلمات ہیں۔

نماز کے بعد کے اذکار کا بیان

317۔ وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رضی اللہ عنہ ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ: ((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ ، وَلَهُ الْحَمْدُ ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ)) .

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے: ((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ...... مِنْكَ الْجَدُّ .)) ''اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ اکیلا اور یکتا ہے، اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں، اسی کی حکومت و فرمانروائی ہے اور وہی حمد و ستائش کا مستحق ہے اور ہر چیز پر اس کی قدرت ہے۔ اے اللہ! جو کچھ تو کسی کو دے دے کوئی اسے روک سکنے والا نہیں اور جس چیز کے نہ دینے کا تو فیصلہ کر لے اسے کوئی دے سکنے والا نہیں اور کسی سرمائے والے کو اس کا سرمایہ تجھ سے مستغنی نہیں کر سکتا۔'' ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

نماز کے بعد کا ذکر

نماز کے بعد ذکر کرنے کا حکم خود رب تعالیٰ نے دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ﴾ (النساء: 103)

''پھر جب تم نماز پوری کر لو تو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے یاد کرو۔''

پس سفر و حضر دونوں میں نماز کے بعد ذکر کرنے کا حکم خود نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔ کیونکہ مذکورہ بالا آیت صلوٰۃ خوف اور صلوٰۃ سفر کے سیاق میں آئی ہے۔ اس لیے سفر و حضر دونوں میں فرض نمازوں کے بعد مشروع اذکار مشروع ہوں گے۔ انہی مشروع اذکار میں سے ایک ذکر مذکورہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

غریب الحدیث:...... **لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ**: اس پر تفصیلی کلام گزر چکا ہے۔

وَحْدَهُ: یہ اثبات کی تاکید ہے۔

لَا شَرِيكَ لَهُ: اس میں نفی کی تاکید ہے۔ کیونکہ کلمۂ اخلاص دو باتوں کو متضمن ہے، ایک نفی اور ایک اثبات، ان دونوں کلمات میں اسی نفی و اثبات کی تاکید ہے۔

لَهُ الْمُلْكُ: یہ جملہ خبریہ ہے جس میں خبر مقدم ہے جو حصر پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی حکومت اور بادشاہی اسی ایک اکیلے اللہ ہی کی ہے۔

وَ لَهُ الْحَمْدُ: ترکیب میں یہ جملہ خبریہ بھی اور خبر کی تقدیم کے ساتھ حصر کے معنی کو متضمن ہے۔ حمد کے اصطلاحی معنی پر تفصیلی کلام گزر چکا ہے۔

---

❶ صحيح البخاري: 844- صحيح مسلم: 593.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ هُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ: رب تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ چاہے اس کا تعلق رب تعالیٰ کے اپنے افعال سے ہو یا خلق کے افعال سے ہو۔ پس رب تعالیٰ معدوم کو وجود بخشنے پر اور موجود کو معدوم کرنے پر قادر ہے۔ وہ ایک حال کو دوسرے حال میں تبدیل کرنے کی مطلق طاقت رکھتا ہے، اس کی قدرت کی کوئی حد نہیں۔

اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ ..... مِنْكَ الْجَدُّ: مذکورہ دعا کو اس بات کی تفصیل بیان کرنے پر ختم فرمایا کہ اس کی مِلک اور مُلک تام ہے۔ مذکورہ کلماتِ دعا پر حدیث (رقم 293) کے تحت مفصل کلام ذکر کیا جا چکا ہے۔

318- وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رضی اللہ عنہ ، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ يَتَعَوَّذُ بِهِنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ: ((اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ)) .

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر نماز کے بعد ان کلمات کے ذریعہ رب تعالیٰ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔ (وہ کلمات یہ ہیں:) ((اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ ..... مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ .)) ''اے اللہ! میں کنجوسی سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور بزدلی سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں نکمی عمر کی طرف لوٹا دیا جاؤں اور میں دنیا کے فتنہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میں قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''[1]

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ..... **كَانَ يَتَعَوَّذُ بِهِنَّ:** یہاں ''هن'' ضمیر لفظ اور رتبہ دونوں اعتبار سے مقدم ہے اور اس کا مرجع متاخر ہے۔ لیکن چونکہ معنی بالکل واضح ہے اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں۔

دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ: ''دُبُرَ'' اس میں دو معانی کا احتمال ہے: (1) نماز کے بعد (2) یا نماز کا آخر کیونکہ کسی شے کے اخیر کو بھی دُبُر کہہ دیتے ہیں۔

اس بارے راجح قول یہ ہے کہ جو تو ذکر ہو تو اس میں دُبُرَ الصَّلٰوةِ سے مراد مَا بَعْدَ الصَّلٰوةِ ہے اور جو دعا ہے تو اس میں دُبُرَ الصَّلٰوةِ سے مراد آخِرَ الصَّلٰوةِ ہے اور ترجیح کا قرینہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ذکر کو نماز ادا کر لینے کے بعد کرنے کو کہا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا﴾ (النساء: 103) ''پھر جب تم نماز پوری کر لو تو ذکر کرو۔'' چونکہ یہ ذکر ہے اس لیے نماز کے بعد ہے۔ پس جو تو ذکر ہو اس میں دُبُرَ الصَّلٰوةِ سے مراد مَا بَعْدَ الصَّلٰوةِ ہوگا جبکہ دعا میں دُبُرَ الصَّلٰوةِ سے مراد آخِرَ الصَّلٰوةِ ہوگا۔ اس بنا پر مشہور یہ ہے کہ ان چیزوں سے تعوذ نماز کے آخر میں ہوگا۔

مِنَ الْبُخْلِ: بُخْل یہ شحِ نفس کا نام ہے اور یہ مال کو اپنے محل پر خرچ کرنے سے روکنا ہے اور یہ برمحل عمل نہ کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ اسی لیے ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا وہی بخیل ہے۔''[2]

مِنَ الْجُبْنِ: جُبْن بزدلی۔ یہ جان کو اپنے محل پر خرچ کرنے سے روکنا ہے۔ گویا کہ جُبْن اور بُخْل دونوں میں شح اور منع کا معنی پایا جاتا ہے اور جُبْن شجاعت کی ضد ہے۔ یاد رہے کہ بے محل خرچ کرنے سے روکنے کو بخل نہیں کہتے بلکہ یہ اقتصاد و

---

[1] صحيح البخاري: 2822. [2] جامع الترمذي: 3546- السنن الكبرى للنسائي 8100.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعتدال اور میانہ روی ہے۔ چنانچہ شرعی حدود میں رہ کر خرچ کرنا بُخل نہ کہلائے گا۔ اسی طرح جس مقام پر پیش قدمی کرنی چاہیے وہاں سے پیچھے ہٹنا ہی جُبْن اور بزدلی ہے اور جو مقام پیش قدمی کا مقتضی نہ ہو وہاں آگے نہ بڑھنا جُبْن نہیں۔

اَرْذَلِ الْعُمُرِ: مراد ناقص اور ردی عمر ہے جس کا سبب یا تو کوئی عارضہ ہوتا ہے یا بڑھاپا ہوتا ہے۔ چنانچہ بڑھاپے میں جا کر آدمی کے قویٰ اور حواس سلامت نہیں رہتے اور آدمی بالکل نکما اور دوسروں پر بوجھ بن جاتا ہے جیسے ایک بچہ ہوتا ہے بلکہ بہت بوڑھا بچے سے بھی زیادہ بوجھ ہوتا ہے۔ کیونکہ بچے میں تو عقل کے اور اعضاء کے نقص کے زوال کی امید ہوتی ہے جبکہ بوڑھے میں یہ نقص اور زیادہ ترقی کرتا جاتا ہے۔

فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَ عَذَابِ الْقَبْرِ: دنیا کے فتنہ کو عذابِ قبر سے پہلے ذکر کیا۔ دنیا کا فتنہ دو باتوں کی طرف لوٹتا ہے: (1) ایک شبہات کی طرف (2) دوسرے شہوات کی طرف۔ کہ شبہات حق کو نگاہ سے اوجھل کر دیتے ہیں جس کا سبب بدعات کی کثرت اور پراگندہ افکار و نظریات ہوتے ہیں، چنانچہ شبہات میں پھنسا کسی جانور کی طرح چاروں طرف بھٹکتا پھرتا ہے۔ جبکہ شہوات معرفتِ حق کے باوجود انسان کو حق پر چلنے سے روکے رہتی ہیں۔ پس یہود و نصاریٰ شہوتِ نفس کے فتنہ میں مبتلا ہو کر حق پانے سے محروم رہے تھے۔ عذابِ قبر پر تفصیلی کلام کیا جا چکا ہے کہ عذابِ قبر کتاب و سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ عذابِ قبر میں اصل یہ ہے کہ یہ روح پر واقع ہوتا ہے۔ جبکہ بسا اوقات یہ عذاب بدن سے بھی جا ملتا ہے جو کہ دفن کے وقت ہوتا ہے۔

319- وَعَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِهِ اسْتَغْفَرَ اللّٰهَ ثَلَاثًا، وَقَالَ: ((اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ، تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تھے تو تین بار رب تعالیٰ سے (استغفر اللہ کہہ کر) استغفار فرماتے تھے اور (اس کے بعد) یہ دعا پڑھتے تھے: ((اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ.)) ''اے اللہ! تو ہی سلامتی والا ہے اور تیری ہی طرف سے سلامتی (ملتی) ہے، اے بزرگی و برتری اور تعظیم و اکرام والے! تو بڑی برکت والا ہے۔'' [1]

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

شرح: ... چونکہ یہ بھی ذکر ہے اس لیے یہ بھی نماز کے بعد ہوگا۔

غریب الحدیث:...... **اِسْتَغْفَرَ اللّٰهَ ثَلَاثًا:** یعنی آپ ﷺ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ کا کلمہ تین بار پڑھتے تھے۔ جس کا مطلب ہے کہ اے اللہ! میں تجھ سے مغفرت اور بخشش کا سوال کرتا ہوں۔ نماز کے بعد استغفار کی حکمت یہ ہے کہ آدمی کا کوئی فعل کمی اور کوتاہی سے خالی نہیں ہوتا لہٰذا اگر تو کسی نے نماز کو علی وجہ التمام ادا کیا ہے تو یہ استغفار اس پر مہر ہوگی اور اگر اس میں کوئی کمی کوتاہی رہ گئی تھی تو یہ استغفار اس کمی کوتاہی کے لیے کفارہ ہوگا۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ ..... وَ الْاِكْرَامِ: جملہ اذکار توقیفی ہیں لہٰذا ان میں وہی اضافہ درست ہوگا جس پر نص آئی ہو۔ اسی لیے مذکورہ دعا میں ''وتعالیت'' کا اضافہ نہ کیا جائے گا کیونکہ نص میں یہ الفاظ وارد نہیں۔

[1] صحیح مسلم: 591.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلسَّلَامُ: یعنی اے اللہ! تو ہر قسم کی کمی اور عیب سے منزہ اور پاک ہے۔ سَلَامٌ یہ فعال کے وزن پر صفتِ مشبہ کا صیغہ ہے اور صفت مشبہ ثبوت اور استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ بخلاف اسم فاعل کے کہ بسا اوقات وہ ثبوت اور استمرار کے معنی کے بغیر صرف معنی حدثی پر ہی ولالت کرتا ہے۔ اس بنا پر سلام کا صیغہ (جو صفتِ مشبہ ہے) اپنی معنویت میں "سَالِمٌ" کے صیغہ سے (جو اسم فاعل ہے) زیادہ بلیغ ہے۔ اسی لیے سلام رب تعالیٰ کا اسم بن کر واقع ہوا ہے۔

وَ مِنْكَ السَّلَامُ: یہاں سَلَامٌ بمعنی تَسْلِیْم ہے جیسے کَلَامٌ بمعنی تَکْلِیْم ہوتا ہے یعنی اے اللہ! سلامتی کا دیا جانا تیری ہی ذات سے ہے۔ تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہے سلامتی دے اور جس کو چاہے نہ دے۔ پس سلامتی کو صرف اور صرف اللہ ہی سے طلب کیا جائے گا۔ اسی حصری معنی پر خبر کی تقدیم ولالت کر رہی ہے۔

تَبَارَكْتَ: یہ بَرَكَةٌ سے ماخوذ ہے اور برکت خیر کثیر کو کہتے ہیں لہٰذا تَبَارَكْتَ کا معنی ہوگا "وہ ذات جو بے پناہ خیر والی ہے۔" یاد رہے کہ برکت رب تعالیٰ کی صفت ہے اس لیے رب تعالیٰ کے لیے مُبَارَك کا لفظ نہ بولا جائے گا۔ بلکہ رب تعالیٰ کی ذات مُبَارِك ہے جو خود بھی برکت والی ہے اور دوسروں کو بھی برکت دیتی ہے۔

ذَا الْجَلَالِ: ذَا صاحب کے معنی میں ہے اور جَلَال کا معنی ہے عظمت۔ یعنی رب تعالیٰ عظمت اور بڑائی والا ہے۔

اَلْإِكْرَامِ: اس کے دو معانی ہیں: (1) ایک یہ کہ رب تعالیٰ کی ذات اس بات کی اہل ہے کہ اس کی تعظیم اور اکرام کیا جائے۔ (2) دوسرا یہ کہ رب تعالیٰ اکرام کے لائق مخلوق کا اسے ثواب جزیل عنایت فرما کر اکرام فرماتا ہے۔ لہٰذا اکرام کا تعلق خالق اور مخلوق دونوں سے ہے۔

320۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ سَبَّحَ اللّٰهَ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ ، وَحَمِدَ اللّٰهَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ ، وَكَبَّرَ اللّٰهَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ ، فَتِلْكَ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ ، وَقَالَ تَمَامَ الْمِائَةِ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ ، لَهُ الْمُلْكُ ، وَلَهُ الْحَمْدُ ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ، غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ)).

رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى : أَنَّ التَّكْبِيْرَ أَرْبَعٌ وَّثَلَاثُوْنَ .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "جو آدمی بھی ہر نماز کے بعد تینتیس بار سُبْحَانَ اللّٰہ اور تینتیس بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اور تینتیس بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتا ہے اور یہ کلمات ننانوے ہو گئے اور اس نے سو کا عدد پورا کرنے کے لیے (ان کلمات کے بعد) ایک دفعہ یہ کہا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. تو اس کی (سب) خطائیں معاف کر دی جائیں گی چاہے وہ (اپنی کثرت میں) سمندر کی جھاگ کے برابر (ہی) ہوں۔" [1]

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

اور صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اَللّٰہُ اَکْبَر چونتیس بار کہے۔

غریب الحدیث:...... دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ: مراد فرض نمازیں ہیں۔

[1] صحیح مسلم: 597.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

وَ لَوْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ: مراد کثرت ہے۔ جیسے سمندر کی جھاگ کی کثرت کو صرف اللہ ہی شمار کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی کے گناہ اتنی کثرت سے ہوں کہ سوائے اللہ کے ان کو کوئی شمار نہ کر سکتا ہو تب بھی رب تعالیٰ ان کو معاف فرما دے گا۔

وَ فِي رِوَايَةٍ أُخْرٰى: یعنی اگر اللہ اکبر کو تینتیس کی بجائے چونتیس بار کہے تب بھی سو کا عدد پورا ہو جائے گا۔

سُبْحَانَ اللّٰه، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ: ان سب کلمات پر تفصیلی کلام گزر چکا ہے۔

غُفِرَتْ خَطَايَاهُ: حدیث کے ظاہر سے عموم مستفاد ہوتا ہے، لہٰذا چاہے وہ خطائیں کبیرہ گناہ بھی ہوں تو بھی ان اذکار کی برکت سے معاف ہو جائیں گی۔ یہ بعض علماء کا قول ہے۔ جبکہ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ جو احادیث بھی مغفرت سیئات اور کفارۂ ذنوب کی بابت وارد ہیں، وہ سب احادیث اجتنابِ کبائر کے ساتھ مقید ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں یہ قید صراحۃً مذکور بھی ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''پانچوں نمازیں، ایک جمعہ سے دوسرا جمعہ اور ایک رمضان سے دوسرا رمضان کفارۂ سیئات ہیں جب تک کہ ان کے درمیانی اوقات میں کبائر سے اجتناب کرتا رہے۔'' [1] چنانچہ جب فرائض کبائر کا کفارہ نہیں بن سکتے تو دیگر عبادات بدرجۂ اولیٰ نہیں بن سکتیں۔ اس لیے راجح قول یہی ہے کہ مذکورہ روایت میں گناہوں سے مراد صغیرہ گناہ ہیں۔ البتہ حدیث کے اطلاق سے کبیرہ کے معاف ہونے کی امید بھی کی جا سکتی ہے کہ اس کی رحمت بے پایاں ہے، وہ معاف کر سکتا ہے کبیرہ بھی اور صغیرہ بھی۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں بھی فرض نماز کے بعد کے چند اذکار مذکور ہیں، یہ اذکار دو طرح سے پڑھے جا سکتے ہیں: (1) ایک یہ کہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کو چونتیس بار پڑھ کر سو کا عدد پورا کیا جائے۔ (2) دوسرا یہ کہ سو کا عدد پورا کرنے کے لیے ان تین کلمات کو تینتیس تینتیس بار پڑھ کر ایک بار لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ ...... پڑھ لیا جائے۔ ان اذکار کو دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں کیونکہ یہ دونوں طریق حدیث میں مروی ہیں۔ پچھلے صفحات میں یہ قاعدہ بارہا ذکر کیا جا چکا ہے کہ وجوہِ متنوعہ پر وارد عبادات کو وارد طرق میں سے کسی طریق پر بھی ادا کر سکتے ہیں۔

321- وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَهُ: ((أُوْصِيْكَ يَا مُعَاذُ! لَا تَدَعَنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ أَنْ تَقُوْلَ: اللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ ، وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ)) .

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں (وصیت کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا: ''اے معاذ! میں تمہیں (ایک بات کی) وصیت کرتا ہوں، (وہ یہ کہ) ہر نماز کے بعد یہ دعا مانگنا ہرگز ترک نہ کرنا: اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِكَ . [2] ''اے اللہ! اس بات پر میری مدد فرما کہ میں تیرا ذکر کرتا رہوں اور تیرا شکر ادا کرتا رہوں اور اچھے طریق سے تیری عبادت کرتا رہوں۔''

---

[1] صحيح مسلم: 233.

[2] سنن ابي داود: 1522- سنن النسائي: 53/3- مسند احمد: 244/5- صحيح ابن خزيمة: 751- صحيح ابن حبان: 2020- المستدرك للحاكم: 407/1- حاکم نے اس روایت کو شیخین کی شرط پر کہا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ "المجموع" (450/3) میں کہتے ہیں: اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ بِسَنَدٍ قَوِيٍّ.

اس حدیث کو امام احمد، امام ابوداود اور امام نسائی رحمہ اللہ نے قوی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... **عَلٰی ذِكْرِكَ** : یہ ذکر قلبی اور ذکر لسانی دونوں کو شامل ہے۔

عَلٰی شُكْرِكَ : یہ قلب، زبان اور اعضاء و جوارح سب سے شکر ادا کرنے کو شامل ہے۔

عَلٰی حُسْنِ عِبَادَتِكَ : یہ شکر سے اخص ہے۔ کیونکہ شکر تو محض عبادت سے بھی حاصل ہو جاتا ہے جبکہ احسن عبادت نری عبادت سے اخص ہے جو شکر کو بھی شامل ہے۔ یاد رہے کہ احسن عبادت اخلاص اور سنت کی کامل متابعت سے ہی حاصل ہوتی ہے اور انہی دونوں باتوں کا فقدان عبادت میں سے...... اس کے عبادت ہونے کے باوجود...... حسن کو نکال دیتا ہے۔

دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ: مراد فرض نمازیں ہیں اور لفظ دُبُرِ کے محل کی بابت اختلاف اور اس کی تفصیل کو گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ **اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ**: ان امور میں اعانت باری تعالیٰ دنیا و آخرت کی سعادت کو شامل ہے۔ اس لیے ان امور میں اعانت کا سوال دراصل دنیا و آخرت کی سعادتوں میں اعانت کا سوال ہے اور یہ اس بات کا عنوان ہے کہ بندہ ہر حال میں اور دونوں جہانوں میں اپنے رب کا محتاج ہے۔

آیت الکرسی کی فضیلت اور اس کے معانی

322- وَعَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ قَرَأَ آيَةَ الْكُرْسِيِّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ، لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُولِ الْجَنَّةِ إِلَّا الْمَوْتُ)).

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی تو اسے جنت میں داخل ہونے سے سوائے موت کے اور کوئی چیز نہ روک سکے گی۔''❶

رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

اس حدیث کو امام نسائی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

وَزَادَ فِيْهِ الطَّبَرَانِيُّ: ((وَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ)).

اور امام طبرانی نے اس روایت میں یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں: ''اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (یعنی جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی اور قل ھو اللہ احد (کی سورت) کو پڑھا......)۔''

آیت الکرسی

آیت الکرسی یہ ہے:

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا

❶ السنن الكبرى للنسائي: 9928۔ صحيح ابن حبان: 2020۔ المعجم الكبير للطبراني: 114/8، رقم: 7532۔ المعجم الاوسط للطبراني: 8068۔ علامہ منذری ''الترهيب و الترهيب'' (299/2) میں لکھتے ہیں: اس حدیث کو نسائی اور طبرانی نے متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے جن میں سے ایک سند صحیح ہے اور ہمیں شیخ ابوالحسن فرماتے ہیں: وہ سند بخاری کی شرط پر ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾ (البقرۃ: 255)
''اللہ (وہ ہے کہ) اس کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ ہے، ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے، نہ اسے کچھ اونگھ پکڑتی ہے اور نہ کوئی نیند، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، کون ہے وہ جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرے، جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کرتے مگر جتنا وہ چاہے۔ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو سمائے ہوئے ہے اور اسے ان دونوں کی حفاظت نہیں تھکاتی اور وہی سب سے بلند، سب سے بڑا ہے۔''

رہی لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ والی آیت تو وہ آیت الکرسی میں سے نہیں۔

آیت الکرسی کی فضیلت:...... ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ ''کتاب اللہ میں سب سے عظیم آیت کون سی ہے؟'' تو انہوں نے عرض کیا کہ آیت الکرسی۔ اس پر آپ ﷺ نے ان کے سینہ پر اپنا دستِ مبارک مارتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اے ابوالمنذر! تمہیں تمہارا علم مبارک ہو۔'' ❶ یعنی آپ ﷺ نے اس بات پر مبارک دی کہ انہیں قرآنِ کریم کی سب سے عظیم آیت کا علم ہے، جس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ قرآنِ کریم کی سب سے عظیم آیت آیت الکرسی ہے۔

آیت الکرسی کے جملے:...... یہ آیت دس جملوں پر مشتمل ہے۔

آیت الکرسی کے معانی:...... آیت الکرسی کے جملوں کا اجمالی معنی ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

اللہ: یہ رب تعالیٰ کا اسم ذاتی ہے۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ: اس میں رب تعالیٰ کی توحید کا بیان ہے۔ بلاشبہ یہ سب سے عظیم کلمہ ہے جو ایک انسان زبان سے ادا کرتا ہے یعنی لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ. اسی ایک کلمہ کی تبلیغ کے لیے سب کے سب انبیاء و مرسلین مبعوث کیے گئے تھے اور اسی پیغامِ توحید کو لے کر رب تعالیٰ کی سب کتابیں نازل ہوئی ہیں۔ یہ کلمہ بے حد عظیم ہے جو توحید الوہیت کے اثبات کو اور رب تعالیٰ کے غیر سے الوہیت کی نفی کو بیان کرتا ہے۔

اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ: یہ دو وصف ایسے ہیں جو رب تعالیٰ کے سب اسمائے حسنیٰ کو ایک دوسرے سے جوڑتے ہیں۔ اسی لیے ایک روایت میں اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ کو اسم اعظم کہا گیا ہے۔ ❷ رب تعالیٰ کے یہ دونوں نام قرآنِ کریم میں تین جگہ آئے ہیں:

(1) آیت الکرسی میں: (یہ سورۂ بقرہ میں ہے)

(2) سورۂ آلِ عمران میں: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ (آل عمران: 2) ''اللہ (وہ ہے کہ) اس کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ ہے، ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے۔''

(3) سورۂ طٰہٰ میں: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ عَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ وَ قَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا﴾ (طٰہٰ: 111) ''اور سب چہرے اس زندہ رہنے والے، قائم رکھنے والے کے لیے جھک جائیں گے اور یقیناً ناکام ہوا جس نے بڑے

---

❶ صحيح مسلم: 810.

❷ سنن ابی داود: 1496۔ جامع الترمذی: 3478۔ مسند احمد: 461/6۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن اور صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظلم کا بوجھ اٹھایا۔''

اَلْحَیُّ: یعنی وہ ذات جو حیاتِ کاملہ کی مالک ہو جس کو نہ پہلے عدم ملا ہوا تھا اور نہ بعد میں ہی عدم آ ملے گا۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ پس رب تعالیٰ کی حیات ''کاملہ'' ہے اور رب تعالیٰ کی جملہ صفاتِ کمالیہ کو رب تعالیٰ کی یہ صفت متضمن ہے۔

اَلْقَیُّوْمُ: یہ فَیْعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ تب پھر اس کلمہ میں قیومیت کی کثرت کا معنی ہوگا۔ یعنی رب تعالیٰ قائم بنفسہ بھی ہے اور غیر کو بھی قائم رکھے ہوئے ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰی كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ﴾ (الرعد: 33)

''تو کیا وہ جو ہر جان پر اس کا نگران ہے جو اس نے کمایا۔''

اب ہر جان پر جو اُس نے کمایا ہے، اس کا نگران کون ہے؟ تو وہ اللہ ہے!

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ: اَلسِّنَةُ اونگھ کو کہتے ہیں اور یہ نیند کا مقدمہ اور اس کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ جبکہ نیند بدن کا راحت میں ڈوب جانا ہے۔ پس نیند عقل اور بدن دونوں کے لیے راحت ہے۔ نیند کے دوران انسان کا ارادہ اور حواس کلی اور جزئی دونوں طرح سے غائب ہو جاتے ہیں۔ جبکہ بدنی وظائفِ کار جزوی طور پر موقوف ہو جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے نیند بہر حال عیب اور نقص ہے اور رب تعالیٰ کی ذات اس عیب اور نقص سے بھی اور اس کے مقدمات سے بھی پاک اور منزہ ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ نوم کا اور نُعاس کا محتاج نہیں۔ کیونکہ اس کی حیات اور قیومیت اکمل ہے اور چونکہ ہماری حیات اور قیومیت ناقص ہے اس لیے ہم نیند کے محتاج ہیں تاکہ ہمارے بدن کو تعب و تکان سے راحت ملے۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ: اس جملہ میں رب تعالیٰ کی مِلک اور مُلک کے عموم پر اور رب تعالیٰ کے لیے اس کے اختصاص پر دلالت ہے اور یہ عموم مَا سے اخذ کیا گیا ہے۔ کیونکہ مذکورہ مَا اسم موصول ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے۔ جبکہ یہ مُلک اور مِلک ایک اکیلے اللہ ہی کے لیے ہے، اس کو خبر کے مقدم ہونے سے اخذ کیا گیا ہے کیونکہ خبر کی تقدیم حصر کا فائدہ دیتی ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ: مذکورہ مَنْ استفہامیہ اور انکار بمعنی نفی کے لیے ہے، یعنی کون ہے جس میں اس کے سامنے بدون اس کی اجازت کے کسی کے لیے سفارش کرنے کی سکت ہو؟ بے شک ایسا کوئی بھی نہیں۔ حتیٰ کہ اللہ کے رسول بھی اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کرنے کے مجاز نہیں اور ایسا رب تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کی وجہ سے ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کسی کو اس کے سامنے لب کشائی کی ہمت نہ ہوگی۔ جیسے بادشاہ کی ہیبت کی وجہ سے اس کی مجلس میں بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی اور بات ہوتی بھی ہے تو کم ہوتی ہے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ: یہ جملہ رب تعالیٰ کے علم کے عموم کو بتلاتا ہے۔

مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ: اس سے مراد زمانۂ مستقبل ہے۔

وَمَا خَلْفَهُمْ: اس سے مراد زمانۂ ماضی ہے۔ پس رب تعالیٰ مَا كَانَ اور مَا يَكُوْنُ سب سے واقف ہے اور اس کے علم نے سب کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ: ایک قول یہ ہے کہ یہاں عِلْم سے مراد معلوم ہے۔ پس عِلْم مصدر ہے جو یہاں اسم مفعول کے معنی میں ہے اور اب مطلب یہ بنے گا کہ رب تعالیٰ جن چیزوں کو جانتا ہے، یہ لوگ اس میں سے کسی بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بات کا اس کی مرضی کے بغیر احاطہ نہیں کر سکتے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم رب تعالیٰ کے اسماء وصفات اور افعال میں سے اسی کو جانتے ہیں جو اس کی مرضی ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ مذکورہ آیت ان دونوں معانی کو شامل ہے۔ پس ہم رب تعالیٰ کی معلومات میں سے اور اس کی ذات وصفات اور اسماء وافعال میں سے صرف وہی بات جانتے ہیں جو اس کی مرضی ہے۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ: کُرْسِی عرش کے علاوہ ہے اور عرش سے بہت چھوٹی بھی ہے۔ تب بھی یہ کرسی ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو سمائے ہوئے ہے اور یہ آسمان کتنے وسیع ہیں؟ پھر ہر دو آسمانوں کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ کوئی نہیں جانتا۔ البتہ ظاہر نگاہ بتلاتی ہے کہ یہ مسافت بے پناہ ہے جس کا ناپنا کسی بندہ بشر کے بس کی بات نہیں۔ لیکن یہ کرسی پھر بھی ان سب آسمانوں اور زمینوں کو سمائے ہوئے ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کرسی بے حد عظیم ہے، جبکہ رب تعالیٰ کا عرش اس سے بھی عظیم ہے، تو نہ جانے وہ کتنا عظیم ہوگا؟!!!

بے شک آیت کا یہ جملہ رب تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت کے کمال پر دلیل ہے۔

وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا: یؤدہ یعنی گراں بار نہیں۔ پس رب تعالیٰ کو ان آسمانوں اور زمینوں کی اور ان کے درمیان موجود بے شمار مخلوقات کی حفاظت و نگہداشت گراں اور بھاری نہیں جو اس کے علم اور قدرت کے کمال کو بتلاتی ہے۔ رب تعالیٰ کا زمینوں اور آسمانوں کا حافظ ہونا اس کی رحمت اور احسان کا کمال ہے۔

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ: جس رب کی یہ عظمت اور اس کی مخلوقات کی یہ وسعت اور اس کی صفات کی یہ عظمت ہو، وہ ذات کس قدر پاک اور لائق حمد وستائش ہے۔

اَلْعَلِيُّ: یعنی وہ اپنی ذات اور صفات سے بلند اور ہر شے سے اوپر ہے کوئی شے اس کے مقابل یا اوپر نہیں بلکہ ہر شے اس کے نیچے ہے۔

تنبیہ: ...... موت کے سوا اسے جنت میں داخل ہونے سے کوئی شے نہ روکے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص مر کر جنت میں داخل ہوگا۔

نبی کریم ﷺ کی نماز جیسی نماز سیکھنا واجب ہے

323- وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ)). رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''نماز پڑھو جیسے تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔'' [1]

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

قصۂ حدیث: ......حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے بیس افراد کے وفد کے ساتھ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے تھے اور بیس راتوں کے قریب مدینۂ نبویہ میں ٹھہرے۔ ان دنوں لوگ غزوۂ تبوک پر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ بے حد رحیم و شفیق تھے۔ پس جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہ وفد سارے کا سارا نوجوانوں پر مشتمل ہے اور اب انہیں اپنے گھر والوں کے پاس جانے کا اشتیاق ہو رہا ہے تو آپ ﷺ نے انہیں بلا کر چند وصیتیں فرمائیں اور رخصت فرما

[1] صحیح البخاری: 631

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا۔ انہی وصایا میں سے ایک وصیت یہی تھی جو اوپر متنِ حدیث میں مذکور ہے۔

غریب الحدیث:.... صَلُّوْا : یہ امر ہے اور امر اصل میں وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ ہم بھی اپنی نماز میں ہر وہ کام کریں جو نبی کریم ﷺ نے کیا تھا۔ لیکن بعض علماء اس کے معارضہ میں ''نماز میں خطا کر جانے والے صحابی'' کی حدیث کو پیش کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ نماز میں صرف وہی باتیں واجب ہیں جو نبی کریم ﷺ نے ان صحابی رضی اللہ عنہ کو بتلائیں تھیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نماز کے واجبات میں سے ہر بات ان صحابی رضی اللہ عنہ کو ضرور سکھلاتے کیونکہ انہوں نے خود صحیح نماز تعلیم کرنے کو عرض کیا تھا۔ اب چونکہ آپ ﷺ نے ان صحابی رضی اللہ عنہ کو اس حدیث میں مذکورہ باتوں کے سوا اور کسی بات کی تعلیم نہیں فرمائی تو معلوم ہوا کہ نماز میں صرف وہی باتیں ہی واجب ہیں جو آپ ﷺ نے انہیں تعلیم فرمائی تھیں۔

لیکن یہ دونوں باتیں ہی درست نہیں۔ نہ تو یہ بات درست ہے کہ مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے جو کچھ بھی کیا وہ واجب کیا اور نہ یہ بات ہی درست ہے کہ نماز میں خطا کر جانے والے صحابی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس بات پر استدلال کیا جائے کہ واجب وہی ہے جو آپ ﷺ نے انہیں بعد میں تعلیم فرمایا تھا۔ کیونکہ یہ دوسرا قول حضرتِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کی بنا پر ٹوٹ جاتا ہے کہ ''تشہد کے ہم پر فرض ہونے سے قبل ہم یہ کہا کرتے تھے۔'' یہ ارشاد اس باب میں واضح ہے کہ تشہد فرض ہے حالانکہ خطا کر جانے والے صحابی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کا ذکر تک نہیں۔ اسی طرح ایک صحیح اور محفوظ روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ''جتنا قرآن تمہیں یاد ہے وہ پڑھو۔''

پس ''نماز پڑھو جیسے تم لوگ مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو'' کہ اس میں کچھ چیزیں واجب اور کچھ غیر واجب ہیں، جن کے غیر واجب ہونے پر اجماع ہے۔

كَمَا رَأَيْتُمُوْنِي أُصَلِّيْ: یہ جملہ کیفیتِ صلوٰۃ کی طرف راجع ہوتا ہے کہ نماز کے اقوال، افعال اور اوقات میں نبی کریم ﷺ کا طریقہ کیا تھا۔

مضمون حدیث:.... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ نماز کے ادا کرنے میں سنن و واجبات کو ملحوظ رکھا جائے تاکہ ہماری نمازیں زیادہ سے زیادہ نبی کریم ﷺ کی نمازوں کے مشابہ ہو جائیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے فعل کی اقتدا جائز ہے۔ جس کی دلیل صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ کے الفاظ ہیں۔
- سب سے اہم بات یہ معلوم ہوئی کہ ہمیں نبی کریم ﷺ کی نماز جیسی نماز پڑھنے اور سیکھنے کا حکم ہے۔ لہٰذا ہم اپنی نمازوں کو احادیثِ نبویہ صحیحہ سے سیکھ کر اسی طریق سے ادا کیا کریں جس طریق سے نبی کریم ﷺ نے نماز ادا فرمائی۔

مریض کی نماز کا بیان

324- وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : ((صَلِّ قَائِمًا ، فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا ، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبٍ وَ إِلَّا فَأَوْمِ)).

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''نماز کھڑے ہو کر ادا کرو اور اگر تم (کھڑے ہونے کی) سکت نہ رکھو تو بیٹھ کر (نماز ادا کرو) اور اگر تم میں (بیٹھ کر نماز ادا کرنے کی بھی) سکت نہ ہو تو (اپنے) پہلو کے بل (لیٹ کر نماز

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور فرمایا:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن: 16) ''سو اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو۔''

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جب میں تم لوگوں کو کسی بات کا حکم دوں تو جہاں تک تم لوگوں سے ہو سکے اس کو بجا لاؤ۔'' رہا بعض علماء کا یہ قول کہ جب نمازی افعال کی ادائیگی سے عاجز آ جائے تو اس پر سے نماز ساقط ہو جاتی ہے تو اس قول کی کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ درست یہ ہے کہ تب پھر اس سے اقوال کا وگرنہ نیت کے ساتھ فعل کی ادائیگی کا مطالبہ ہوگا جس کی تفصیل اور اس کے دلائل اوپر مذکور ہو چکے ہیں۔ البتہ جب سر کا اشارہ نہ کر سکے تو آنکھ سے اشارہ کرے نہ کہ انگلی سے کہ اس بارے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔

325۔ وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ عَادَ النَّبِيُّ مَرِيْضًا فَرَآهُ يُصَلِّيْ عَلَى وِسَادَةٍ ، فَرَمَى بِهَا ، وَقَالَ : ((صَلِّ عَلَى الْأَرْضِ إِنْ اسْتَطَعْتَ ، وَإِلَّا فَأَوْمِ إِيْمَاءً ، وَاجْعَلْ سُجُوْدَكَ أَخْفَضَ مِنْ رُكُوعِكَ)) .

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک بیمار کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ پس آپ ﷺ نے اسے تکیہ پر نماز پڑھتے دیکھا (یعنی وہ نماز میں سجدے تکیہ پر سر رکھ کر ادا کر رہا تھا)۔ آپ ﷺ نے اس تکیہ کو لے کر پھینک دیا اور ارشاد فرمایا کہ ''اگر ہو سکے تو تم زمین پر نماز ادا کرو وگرنہ اشارہ سے نماز ادا کرو اور اپنے سجدے (کے اشارہ) کو اپنے رکوع (کے اشارہ) سے زیادہ جھکا کر کرو۔'' ❶

رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ ، وَصَحَّحَ أَبُوْ حَاتِمٍ وَقْفَهُ .

یہ حدیث امام بیہقی نے روایت کی ہے اور ابوحاتم نے اس کے موقوف ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔

اگر زمین پر سجدہ کرنے کی استطاعت نہ ہو تو اس کا حکم

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی زمین پر سجدہ نہ کر سکتا ہو تو اس کے سجدہ کرنے کے لیے کوئی تکیہ وغیرہ آگے نہ کیا جائے گا۔ چاہے یہ حدیث مرفوع ہو یا موقوف، یہی صحیح ہے۔ کیونکہ ہمیں عبادات وغیرہ میں تکلف اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے اور مذکورہ فعل بلاشبہ تکلف ہے۔ جب اللہ کی مہربانی سے عدمِ استطاعت کی صورت میں ہمیں اشارہ سے سجدہ کرنے کی اجازت ہے تو اس تکلف کی ہرگز بھی ضرورت نہیں۔ البتہ اگر سر میں شدید درد یا چکر آنے کی وجہ سے سر کے نیچے اس غرض سے تکیہ رکھا جائے کہ سر کو آرام ملے تو اس صورت میں کوئی حرج نہیں کیونکہ

(1) ایک تو اس صورت میں تکیہ بطور دوا دارو کے رکھا گیا ہے نہ کہ عبادت کی غرض سے۔

(2) دوسرے اس صورت میں سجدہ تکیہ پر ادا نہیں کیا جا رہا بلکہ تکیہ کو سر کے نیچے رکھا جا رہا ہے۔

❶ مسند البزار كما في مجمع الزوائد للهيثمي: 148/2۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ حلية الاولياء: 92/7۔ سنن البيهقي: 306/2۔ حافظ رحمہ اللہ "الدراية" (209/1) میں فرماتے ہیں: اس حدیث کے رواۃ ثقہ ہیں۔ ابوحاتم کہتے ہیں: یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ جب ان سے یہ کہا گیا کہ ابواسامہ یہ حدیث ثوری سے مرفوع روایت کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: وہ کچھ بھی نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ (دیکھیں: العلل لابن ابی حاتم: 113/1)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور فرمایا:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن : 16) ''سو اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو۔''

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جب میں تم لوگوں کو کسی بات کا حکم دوں تو جہاں تک تم لوگوں سے ہو سکے اس کو بجا لاؤ۔'' رہا بعض علماء کا یہ قول کہ جب نمازی افعال کی ادائیگی سے عاجز آ جائے تو اس پر سے نماز ساقط ہو جاتی ہے تو اس قول کی کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ درست یہ ہے کہ تب پھر اس سے اقوال کا وگرنہ نیت کے ساتھ فعل کی ادائیگی کا مطالبہ ہوگا جس کی تفصیل اور اس کے دلائل اوپر مذکور ہو چکے ہیں۔ البتہ جب سر کا اشارہ نہ کر سکے تو آنکھ سے اشارہ کرے نہ کہ انگلی سے کہ اس بارے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔

325۔ وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ عَادَ النَّبِيُّ ﷺ مَرِيْضًا فَرَآهُ يُصَلِّيْ عَلَى وِسَادَةٍ ، فَرَمَى بِهَا ، وَقَالَ : ((صَلِّ عَلَى الْأَرْضِ إِنِ اسْتَطَعْتَ ، وَإِلَّا فَأَوْمِ إِيْمَاءً ، وَاجْعَلْ سُجُوْدَكَ أَخْفَضَ مِنْ رُكُوْعِكَ)) .

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک بیمار کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ پس آپ ﷺ نے اسے تکیہ پر نماز پڑھتے دیکھا (یعنی وہ نماز میں سجدے تکیہ پر سر رکھ کر ادا کر رہا تھا)۔ آپ ﷺ نے اس تکیہ کو لے کر پھینک دیا اور ارشاد فرمایا کہ ''اگر ہو سکے تو تم زمین پر نماز ادا کرو وگرنہ اشارہ سے نماز ادا کرو اور اپنے سجدے (کے اشارہ) کو اپنے رکوع (کے اشارہ) سے زیادہ جھکا کر کرو۔'' ❶

رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ ، وَصَحَّحَ أَبُوْ حَاتِمٍ وَقْفَهُ .

یہ حدیث امام بیہقی نے روایت کی ہے اور ابوحاتم نے اس کے موقوف ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔

اگر زمین پر سجدہ کرنے کی استطاعت نہ ہو تو اس کا حکم

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی زمین پر سجدہ نہ کر سکتا ہو تو اس کے سجدہ کرنے کے لیے کوئی تکیہ وغیرہ آگے نہ کیا جائے گا۔ چاہے یہ حدیث مرفوع ہو یا موقوف، یہی صحیح ہے۔ کیونکہ ہمیں عبادات وغیرہ میں تکلف اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے اور مذکورہ فعل بلاشبہ تکلف ہے۔ جب اللہ کی مہربانی سے عدمِ استطاعت کی صورت میں ہمیں اشارہ سے سجدہ کرنے کی اجازت ہے تو اس تکلف کی ہرگز بھی ضرورت نہیں۔ البتہ اگر سر میں شدید درد یا چکر آنے کی وجہ سے سر کے نیچے اس غرض سے تکیہ رکھا جائے کہ سر کو آرام ملے تو اس صورت میں کوئی حرج نہیں کیونکہ

(1) ایک تو اس صورت میں تکیہ بطور دوا دارو کے رکھا گیا ہے نہ کہ عبادت کی غرض سے۔

(2) دوسرے اس صورت میں سجدہ تکیہ پر ادا نہیں کیا جا رہا بلکہ تکیہ کو سر کے نیچے رکھا جا رہا ہے۔

---

❶ مسند البزار کما فی مجمع الزوائد للهیثمی: 148/2۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ حلیة الاولیاء: 92/7۔ سنن البیهقی: 306/2۔ حافظ رحمہ اللہ ''الدرایة'' (209/1) میں فرماتے ہیں: اس حدیث کے رواۃ ثقہ ہیں۔ ابوحاتم کہتے ہیں: یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ جب ان سے یہ کہا گیا کہ ابواسامہ یہ حدیث ثوری سے مرفوع روایت کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: وہ کچھ بھی نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ (دیکھیں: العلل لابن ابی حاتم: 113/1)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درایة الحدیث :......امام موصوف صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ والی حدیث کے بعد ان دو احادیث کو یہ بتانے کے لیے لائے ہیں کہ مذکورہ حدیث کا عموم صرف انہی لوگوں کے ساتھ ہے جو نبی کریم ﷺ جیسی کیفیت کے ساتھ نماز ادا کر سکتے ہیں نہ کہ اس حدیث کا عموم مریضوں اور غیر مستطیع لوگوں کو بھی شامل ہے۔ لہٰذا مریض اور غیر مستطیع لوگ اسی طرح نماز ادا کریں گے جس کی ان میں قدرت ہوگی۔

نماز کا وجوب

آخر میں اس امر کی طرف تنبیہ ضروری ہے کہ مریض کی بھی جب تک عقل اور ہوش باقی ہے اس پر نماز ہرگز بھی ساقط نہیں۔ لہٰذا فرض کیا کہ اگر کوئی مریض ایسا ہو کہ نہ تو وضو کر سکے اور نہ تیمم اور نہ وہ اپنے بدن اور کپڑوں کو نجاست و جنابت سے ہی بچا سکے اسی طرح اس کا بستر بھی غیر طاہر ہو تب بھی وہ نماز ادا کرے گا۔ افسوس کہ دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ لوگ ہفتوں ہفتوں ہسپتالوں کے بستروں پر یہ سمجھ کر پڑے رہتے ہیں اور نماز نہیں پڑھتے کہ ہمارا بدن، کپڑے اور بستر سب ناپاک ہے حتیٰ کہ ہمارے لیے استقبال قبلہ بھی متعذر ہے۔ جان لیجیے! یہ کوئی عذر نہیں اور نہ ایسے اعذار سے نماز ساقط ہی ہوتی ہے۔ اس لیے جب تک ہوش باقی ہے جیسے بھی اور جس حال میں بھی بن پڑے نماز ادا کی جائے۔

8۔ بَابُ سُجُوْدِ السَّهْوِ وَغَيْرِهٖ ...... سجودِ سہو اور تلاوت و شکر وغیرہ کے دوسرے سجدوں کا بیان

تمہید: مذکورہ باب میں سجدوں کی تین انواع کا بیان ہے:

(1) سجدۂ سہو (2) سجدۂ شکر (3) اور سجدۂ تلاوت۔ سجدۂ سہو کا سبب نماز میں بھول جانا ہے، سجدۂ تلاوت کا سبب آیتِ سجدہ کی تلاوت کرنا ہے اور سجدۂ شکر کا سبب رب تعالیٰ کی طرف سے کسی نئی نعمت کا ملنا یا آدمی پر سے کسی مصیبت و پریشانی کا دُور ہونا ہے۔ سجدوں کی ان تینوں اقسام کا حکم آگے آ جائے گا۔ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ.

سجدۂ سہو ادا کرنے کا طریقہ

326۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ رضی اللہ عنہ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِهِمُ الظُّهْرَ ، فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ ، وَلَمْ يَجْلِسْ ، فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ ، حَتَّى إِذَا قَضَى الصَّلَاةَ ، وَانْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيْمَهُ كَبَّرَ وَهُوَ جَالِسٌ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ . ثُمَّ سَلَّمَ)).

حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) نبی کریم ﷺ نے انہیں ظہر کی نماز پڑھائی۔ پس آپ ﷺ پہلی دو رکعتوں پر (بھول کر) اٹھ کھڑے ہوئے اور (پہلے تشہد کے لیے) نہیں بیٹھے، اس پر لوگ بھی آپ ﷺ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ جب آپ ﷺ نماز پوری فرما چکے اور (اب) لوگ آپ ﷺ کے سلام پھیرنے کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ ﷺ نے (آخری تشہد میں) بیٹھنے کی حالت میں تکبیر کہی اور سلام پھیرنے سے قبل دو سجدے کیے، پھر (نماز کو ختم کرنے کے لیے) سلام پھیرا۔ [1]

---

[1] صحیح البخاری: 829۔ صحیح مسلم: 570۔ سنن ابی داود: 1034۔ جامع الترمذی: 391۔ سنن النسائی: 244/2۔ سنن ابن ماجہ: 1207۔ مسند احمد: 344/5۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَخْرَجَهُ السَّبْعَةُ وَهٰذَا اللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ .

اس حدیث کو ائمہ سبعہ نے روایت کیا ہے اور مذکورہ الفاظ صحیح بخاری کی روایت کے ہیں۔

وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ : ((يُكَبِّرُ فِي كُلِّ سَجْدَةٍ وَّهُوَ جَالِسٌ ، وَ سَجَدَ النَّاسُ مَعَهُ مَكَانَ مَا نَسِيَ مِنَ الْجُلُوسِ)) .

جبکہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: آپ ﷺ نے بیٹھنے کی حالت میں ہر سجدہ کے لیے تکبیر کہی اور جس جلوس (یعنی پہلے تشہد) کو آپ ﷺ (ادا کرنا) بھول گئے تھے اس کی جگہ آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کیا۔

معرفة الصحابة:......بُحَيْنَة حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام ہے جبکہ ان کے والد کا نام مالک ہے۔

غريب الحديث: ......قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَ لَمْ يَجْلِسْ : یعنی آپ ﷺ نے بھول کر پہلا تشہد ترک فرما دیا۔

فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ ..... الی آخرہ : اس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ آپ ﷺ دوسری رکعت پوری فرما کر بجائے پہلے تشہد کے لیے بیٹھنے کے تیسری رکعت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے جس پر لوگ بھی آپ ﷺ کے ساتھ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ پھر جب نماز میں سے صرف سلام پھیرنا ہی باقی رہ گیا تھا اور لوگ آپ ﷺ کے سلام پھیرنے کا انتظار کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے تکبیر کہہ کر دو سجدے کیے جس میں سجدہ میں جاتے اور اٹھتے وقت کی تکبیر بھی تھی۔ پھر ان سجدوں کے بعد آپ ﷺ نے سلام پھیرا۔

مضمون حديث:......مذکورہ حدیث میں سجدہ سہو کی وجہ کا اور اس کے ادا کرنے کا طریقہ مذکور ہے کہ سجدہ سہو تکبیر کہہ کر بغیر سلام پھیرے اور نماز کے خاتمہ کے سلام سے قبل ادا کیا جائے گا جس میں ہر دو سجدوں میں آتے اور جاتے تکبیر کہی جائے گی۔ پھر اس کے بعد سلام پھیر کر نماز کو ختم کر دیا جائے گا۔ اس کی مزید تفصیل فوائد کے تحت آ رہی ہے۔ جب کہ آپ ﷺ نے سہو کے یہ دو سجدے پہلا تشہد بھولنے کی وجہ سے کیے تھے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ پہلا تشہد نماز کا رکن نہیں وگرنہ اس کے ترک سے نماز باطل ہو جاتی اور اس بارے صحیح قول یہ ہے کہ یہ تشہد واجب ہے۔
- معلوم ہوا کہ اگر بھولے سے آدمی پہلے تشہد سے اٹھ کھڑا ہو تو وہ ساقط ہو جاتا ہے اس لیے اب وہ پہلے تشہد کی طرف نہ لوٹے گا اور اگر وہ لوٹے گا تو نماز میں اضافہ کرنے والا بنے گا۔ البتہ اس واجب کے ساقط ہونے کی تلافی سجدۂ سہو کر کے کی جائے گی۔
- رہا یہ سوال کہ کیا پھر لوٹنا حرام ہے؟ اور یہ حرمت کب ثابت ہوتی ہے؟ تو اس بارے علماء کا اختلاف ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ جب آدمی سیدھا کھڑا ہو جائے تو اب لوٹنا غیر مشروع اور حرام ہو گا چاہے اس نے قراءت شروع کی ہو یا نہ کی ہو۔ جیسا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ''اگر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا ہے تو اب نہ لوٹے اور اس پر سجدۂ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سہو لازم ہے۔''❶ البتہ اگر آدمی سیدھا کھڑا نہ ہوا ہو اور اسے پہلا تشہد یاد آ گیا ہو تو لوٹ جائے۔ البتہ سجدۂ سہو اب بھی لازم آئے گا۔ جس کی کم از کم صورت یہ ہے کہ اس کے سرین اس کی ایڑیوں سے جدا ہو گئے ہوں اگر پورا اٹھ کھڑا نہ ہو کہ اتنا اٹھنے پر اگر تشہد یاد آ جائے تو لوٹ آئے اور سجدہ سہو کرے۔ حدیث مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر تفصیلی کلام آگے آ رہا ہے۔

- پہلے تشہد کے ترک پر سجدۂ سہو واجب ہے۔
- سجدۂ سہو سلام پھیرنے سے قبل یعنی نماز کے اختتام سے قبل ہو گا جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے یہ سجدۂ سہو ادا فرمایا ہے اور چونکہ سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کرنا نبی کریم ﷺ سے مروی نہیں اس لیے نبی کریم ﷺ کے ارشاد: صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِي اُصَلِّيْ. کی رُو سے سجدۂ سہو سلام سے قبل واجب ہے جیسا کہ بعض علماء کا قول ہے اور یہ مسئلہ تخییر اور افضلیت کا بھی نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ سے صرف سلام پھیرنے سے قبل ہی سجدۂ سہو کرنا مروی ہے۔
- بھول جانے سے واجب مطلقاً ساقط نہیں ہوتا۔ لہٰذا یا تو اس کو ادا کرنا واجب ہوتا یا پھر اس کا بدل لانا لازم ہوتا ہے۔
- ترکِ واجب کی سجدۂ سہو سے تلافی بلاشبہ شریعتِ اسلامیہ کی آسانیوں میں سے ہے، ورنہ نماز کو باطل ہونا چاہیے تھا۔ لیکن یہ رب تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے سجدۂ سہو سے (نسیاناً) ترکِ واجب کی تلافی مقرر فرما دی۔
- معلوم ہوا کہ ارکانِ صلوٰۃ میں سے سب سے افضل سجدہ ہے کہ جس کو نماز میں ہونے والے نقصان کی تلافی کا ذریعہ مقرر کیا گیا ہے نہ کہ رکوع اور قیام وغیرہ کو۔

سلام کے بعد سجدۂ سہو کرنے کا اور اس کے حکم کا بیان

327- وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ: ((صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ إِحْدٰى صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ قَامَ إِلَى خَشَبَةٍ فِيْ مُقَدَّمِ الْمَسْجِدِ، فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهَا، وَفِي الْقَوْمِ أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ، فَهَابَا أَنْ يُكَلِّمَاهُ، وَخَرَجَ سَرَعَانُ النَّاسِ، فَقَالُوا: أَقُصِرَتِ الصَّلَاةُ))، وَرَجُلٌ يَدْعُوْهُ النَّبِيُّ ﷺ ذَا الْيَدَيْنِ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَنَسِيْتَ أَمْ قُصِرَتِ الصَّلَاةُ؟ فَقَالَ: ((لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ))، قَالَ بَلٰى قَدْ نَسِيْتَ، فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ كَبَّرَ، فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهِ، أَوْ أَطْوَلَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَكَبَّرَ، ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ فَكَبَّرَ، فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهِ،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نے دن ڈھلے کی دو نمازوں (یعنی ظہر اور عصر کی دو نمازوں) میں سے کسی ایک نماز کی (جس کی چار رکعات ہوتی ہیں) دو رکعات پڑھیں، پھر سلام پھیر دیا۔ پھر جائے سجدہ کے آگے گڑی ہوئی ایک لکڑی کی طرف اٹھ کھڑے ہوئے اور اس پر اپنا دستِ مبارک رکھ دیا۔ لوگوں میں جنابِ ابوبکر اور جناب عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، وہ دونوں حضرات جنابِ رسول اللہ ﷺ سے بات کرتے ہوئے ہیبت کھا رہے تھے۔ جبکہ جلد باز لوگ (مسجد سے) نکل گئے اور (باہم) گفتگوئیں کرنے لگے کہ کیا نماز آدھی کر دی گئی ہے؟ (انہی) لوگوں میں ایک صاحب تھے جن کو نبی کریم ﷺ (پیار سے) ''ذوالیدین'' کہہ کر پکارتے تھے (کیونکہ ان کے ہاتھ لمبے لمبے تھے)۔ پس انہوں نے (ذرا ہمت کر کے) عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ﷺ بھول گئے یا نماز

❶ یہ حدیث آگے آ رہی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَوْ أَطْوَلَ ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ)).

آدھی کر دی گئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز کو ہی آدھا کر دیا گیا ہے۔'' جنابِ ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ ﷺ بھولے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے (کھڑے ہوکر) دو رکعت نماز ادا فرمائی پھر سلام پھیرا، پھر تکبیر کہی پھر اپنے (نماز کے) سجدہ جتنا یا اس سے طویل سجدہ فرمایا، پھر سر اٹھایا اور تکبیر کہی پھر (دوبارہ) سجدہ میں سر رکھا اور تکبیر کہی اور اپنے (نماز کے) سجدہ جتنا یا اس سے طویل سجدہ فرمایا، پھر سجدہ سے سر اٹھایا اور تکبیر کہی۔ ❶

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ .
وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ : ((صَلَاةُ الْعَصْرِ)).

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ الفاظ صحیح بخاری کی روایت کے ہیں۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ''صَلٰوةَ الْعَصْرِ'' کے الفاظ ہیں (کہ یہ واقعہ نمازِ عصر کا ہے)۔

وَلِأَبِي دَاوُدَ فَقَالَ : ((أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ ؟)) فَأَوْمَؤُوا : أَيْ نَعَمْ . وَهِيَ فِي الصَّحِيحَيْنِ ، لٰكِنْ بِلَفْظِ : ((فَقَالُوا))

سنن ابی داود کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کیا ذوالیدین ٹھیک کہہ رہے ہیں؟'' لوگوں نے اشارہ سے عرض کیا کہ جی ہاں! ❷ یہ روایت صحیحین میں بھی ہے۔ لیکن وہاں اشارہ کرنے کی بجائے ''فَقَالُوْا'' کے الفاظ ہیں (یعنی لوگوں نے تکلم کرتے ہوئے عرض کیا کہ جی ہاں!)

وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ : ((وَ لَمْ يَسْجُدْ حَتَّى يَقَّنَهُ اللّٰهُ تَعَالَى ذٰلِكَ)).

اور سنن ابی داود ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''آپ ﷺ نے سجدۂ (سہو) نہ کیا یہاں تک کہ رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس بات کا یقین دلا دیا (کہ واقعی آپ ﷺ سے نسیان کا صدور ہوا ہے)۔ ❸

غریب الحدیث :...... اَلْعَشِيّ: یہ زوال سے مغرب تک کے وقت کو کہتے ہیں اور اس دوران دو نمازیں ہی فرض ہیں ایک ظہر کی اور دوسری عصر کی جس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ ان دونوں نمازوں میں سے کسی ایک نماز کا ہے۔ جبکہ صحیح مسلم کی روایت میں بالتعیین نمازِ عصر کا ذکر ہے۔ غرض خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صلوۃ رباعیہ میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا اور مسجد کے قبلہ میں گڑی ہوئی ایک لکڑی کی طرف اٹھے۔ اس پر بایاں ہاتھ رکھ کر ٹیک لگائی اور ہاتھ کی پشت پر رخسارِ مبارک رکھ دیا اور ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال دیں گویا کہ آپ ﷺ ناراض تھے۔ اس میں -وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ- راز یہ تھا کہ جب نماز پوری نہ ہوئی تھی تو آپ ﷺ کے جی میں ایک گھٹن سی پیدا ہو گئی تھی اور انشراحِ صدر حاصل نہ ہو رہا تھا۔ بلاشبہ یہ رب تعالیٰ

❶ صحیح البخاری: 482۔ صحیح مسلم: 573.

❷ صحیح البخاری: 714۔ صحیح مسلم: 573۔ سنن ابی داود: 1008. ❸ سنن ابی داود: 1012.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا اپنے خاص بندوں پر لطف و کرم ہوتا ہے کہ انہیں عبادت میں کسی قسم کی کمی ہو جانے پر ایک گھٹن سی محسوس ہوتی ہے اور یہی وہ کیفیت تھی جو نمازِ عصر کو دو رکعات ادا کرنے پر آپ ﷺ پر طاری ہوئی تھی۔

سَرَعَانُ النَّاسِ: مراد وہ لوگ ہیں جو نماز ادا کر کے جلدی جلدی مسجد سے نکل جانے کے عادی ہوتے ہیں۔ ان لوگوں نے مسجد سے نکل کر گفتگوئیں شروع کر دیں کہ کیا نماز قصر کر دی گئی ہے؟ اور کوئی یہ کہنے لگا کہ واقعی عصر کی نماز قصر کر دی گئی ہے۔ یہ تو جلد باز لوگوں کا حال تھا لیکن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب آپ ﷺ کے ساتھ مسجد میں ہی تھے البتہ نبی کریم ﷺ کی ہیبت کی وجہ سے کسی کو آپ ﷺ سے بات کرنے کی جرأت نہ ہو رہی تھی۔ رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حسنِ اخلاق سے بھی نوازا تھا اور آپ ﷺ پر ایک قسم کی ہیبت بھی طاری فرما دی تھی۔ یاد رہے کہ بادشاہوں سے طاری ہونے والی ہیبت میں ان کے ظلم، جبر و تسلط اور تمرد و سرکشی کے ساتھ ساتھ ان کی بے رحمی کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے جبکہ نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر طاری ہونے والی ہیبت میں آپ ﷺ کی بے پناہ تعظیم، ادب اور از حد محبت کا عنصر شامل ہوتا تھا۔

ذَا الْيُدَيْنِ: ان صحابی کے ہاتھ عام لوگوں سے زیادہ لمبے تھے اسی لیے نبی کریم ﷺ انہیں دل لگی کے طور پر ذو الیدین کہہ کر پکارتے تھے۔

اَنَسِيْتَ اَمْ قُصِرَتِ الصَّلٰوةُ؟ اللہ کی قسم! یہ منطق و فلسفہ اور علم کلام کے ماہر علماء ایسی عجیب عبارت اور ایسی بلیغ تقسیم چاہ کر بھی نہیں لا سکتے، جب کہ علوم نبوت سے فیض پانے والے ان صحابی رضی اللہ عنہ نے منطق و فلسفہ اور سبر و تقسیم وغیرہ پڑھے بغیر ہی ایسی جامع مانع اور بلیغ عبارت کہہ ڈالی۔ چنانچہ انہوں نے عرض کیا:

(1) اے اللہ کے رسول! کیا آپ ﷺ بھول گئے؟ (2) یا نماز کو قصر کر دیا گیا؟ اور چار رکعات کا حکم منسوخ کر کے نماز کو اس کی اسی پہلی حالت کی طرف لوٹا دیا گیا ہے؟ کہ ان دو باتوں کے سوا تیسری کسی بات کا امکان ہی نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی تیسری بات باقی ہے تو یہ ہے کہ ''یا کیا پھر آپ ﷺ نے قصداً ایسا کیا ہے؟'' معاذ اللہ کہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ گویا کہ ان صحابی نے جملہ ممکنات و احتمالات کا محض دو کلموں میں استیعاب کر دیا۔ بلاشبہ یہ ان صحابی رضی اللہ عنہ کے بے پناہ ادب اور کمال تعظیم کا اظہار ہے کہ اے اللہ کے رسول! ہم اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ ایسا آپ ﷺ نے قصداً کیا ہو، تو ہو نہ ہو یہی دو احتمالات ہیں، چنانچہ انہی دو کو خدمتِ نبوی میں گوش گزار کر دیا۔

لَمْ اَنْسَ وَ لَمْ تُقْصَرْ: البتہ جناب رسول اللہ ﷺ کے اس جواب پر لوگوں کو اشکال ہو سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ تو کذب بیانی اور دروغ بافی سے منزہ ہیں جبکہ آپ ﷺ یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ ان دونوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔ لیکن حضرت ذو الیدین رضی اللہ عنہ جان گئے کہ نبی کریم ﷺ کی تغیرِ حکم کی نفی ایک ایسا امر ہے جس کو نسیان لاحق نہیں ہوتا جبکہ صلوٰۃِ رباعیہ میں دو رکعت پر سلام پھیرنا ایک ایسا امر ہے جس کو نسیان لاحق ہو سکتا ہے تو انہوں نے کمال ادب سے عرض کیا: ''کیوں نہیں! البتہ آپ ﷺ بھول گئے ہیں۔''

اَصَدَقَ ذُو الْيُدَيْنِ: چونکہ نبی کریم ﷺ کو اول امر میں اس بات کا جزم و یقین تھا کہ دونوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی اس لیے فرما دیا کہ ''نہ تو میں بھولا اور نہ نماز ہی قصر ہوئی۔'' لیکن چونکہ آپ ﷺ سب سے زیادہ متواضع تھے اس لیے جب حضرت ذو الیدین رضی اللہ عنہ نے جزم کے ساتھ عرض کیا کہ ''کیوں نہیں! البتہ آپ ﷺ بھول گئے ہیں۔'' تو آپ ﷺ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے دوسرے نمازیوں کی طرف رجوع فرمایا کہ ''کیا ذوالیدین ٹھیک کہہ رہا ہے؟'' جس پر لوگوں میں سے بعض نے اشارہ سے اور بعض نے لفظوں کے ساتھ عرض کیا کہ جی ہاں! تب نبی کریم ﷺ پر یہ امر واضح ہو گیا کہ ذوالیدین کی بات ٹھیک ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر باقی کی دو رکعات ادا فرمائیں پھر سلام پھیر کر سجدہ سہو کیا پھر بعد میں سلام پھیر کر نماز کو ختم فرمایا۔

مضمون حدیث :......مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص نماز پوری ہونے سے قبل اس کو پورا گمان کر کے سلام پھیر دے پھر یاد آنے پر جب وہ نماز پوری کرنے لگے تو ترکِ واجب کی تلافی کے لیے کیے جانے والے سجودِ سہو سلام پھیر کر کرے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ عین یا تعیین کی جہالت سے حدیث کی صحت متاثر نہیں ہوتی جیسے یہاں ظہر اور عصر کی نماز میں سے کون سی نماز مراد ہے؟ صحیح بخاری کی روایت میں اس کی تعیین مذکور نہیں لیکن تعیین کی یہ جہالت صحتِ حدیث کے حق میں قادح نہیں۔ کیونکہ یہاں کلام دراصل درکِ حکم میں ہے۔ یاد رہے کہ رواۃ میں پایا جانے والا ایسا اختلاف وہ اضطراب شمار نہیں کیا جاتا جو حدیث کے ضعف کا موجب ہو۔
- نبی کریم ﷺ بھی دوسرے انسانوں کی طرح بھول سکتے ہیں جس کی دلیل حضرت ذوالیدین کا یہ کہنا ہے کہ بے شک آپ ﷺ بھول گئے اور آپ ﷺ نے ان کی اس بات کو برقرار رکھا اور اس پر نکیر نہ فرمائی۔
- اگر کسی نے نماز پوری کیے بغیر سلام پھیر دیا، پھر خود یاد آ گیا یا کسی نے یاد دلا دیا تو نماز کو پورا کرنا واجب ہوگا۔ پھر اگر تو اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہونے کے بعد یاد آیا ہے تو اس جگہ لوٹ آئے اور اس صورت میں پہلے آ کر اس جگہ بیٹھے گا پھر اٹھ کر باقی کی نماز پوری کرے گا۔ کیونکہ اس کا پہلا اٹھنا نماز ختم کرنے کے لیے تھا۔
- ایک اہم ترین فائدہ وہ ہے جو مضمونِ حدیث کے تحت بیان کیا گیا ہے۔
- سہو کے سجدے بھی نماز کے سجدوں کے جتنے ہوں گے بخلاف ان کے جن کا یہ گمان ہے کہ سہو کے سجدے ہلکے ہوں گے۔ اس کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ ہیں: ''پھر آپ ﷺ نے اپنی نماز کے سجدوں جیسے سجدے کیے۔'' البتہ یہ سجدے اَوْ اَطْوَلَ کے کلمات کی بنا پر نماز کے سجدوں سے لمبے نہ ہوں گے۔ کیونکہ لغتِ عربیہ میں یہ تعبیر ماسبق کی تحقیق کے لیے ہوتی ہے نہ کہ مابعد کے اثبات کے لیے۔
- سہو کے سجدوں میں بھی وہی دعا پڑھی جائے گی جو نماز کے سجدوں میں پڑھی جاتی ہے اور وہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی کے کلمات ہیں اور یہی کلمات تلاوت اور شکر کے سجدوں میں بھی پڑھے جائیں گے۔
- اگر نماز کے تمام کرنے سے قبل سلام پھیر دیا تو فرض نماز کو تو پورا کرنا واجب ہوگا البتہ نفل نماز پورا نہ کرنے پر باطل ہو جائے گی اور اس کا پورا کرنا واجب نہیں ہوتا۔
- مذکورہ صورت میں باقی کی نماز یاد آنے پر پوری کرنا اسی جگہ واجب ہوگا جہاں نماز کا پہلے کا حصہ ادا کیا تھا تاکہ اجزائے صلوٰۃ میں تجزّی و تبعّض لازم نہ آئے کہ کچھ نماز ایک جگہ اور کچھ نماز دوسری جگہ ہو کہ ایسا نہ کیا جائے بلکہ اسی جگہ لوٹ کر نماز پوری کی جائے جہاں پہلے کی نماز ادا کی تھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ مذکورہ صورت میں کلام کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی جیسا کہ اس واقعہ میں نبی کریم ﷺ ،حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا کلام کرنا اور بعد میں اسی گزشتہ نماز پر بنا کر کے باقی کی نماز ادا کرنا مذکور ہے۔ البتہ علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جب کوئی نماز سے سہواً سلام پھیر دینے کے بعد کلام کر لے تو نماز باطل ہوتی ہے یا نہیں؟ تو اس بارے علماء کے تین اقوال ہیں:

(1) ایک قول یہ ہے کہ نماز ہر حال میں باطل ہو جاتی ہے چاہے یہ کلام نماز کی مصلحت کے لیے ہو یا نہ ہو۔

(2) دوسرا قول یہ ہے کہ اگر تو وہ کلام خود نماز کی مصلحت کے لیے تھا تو نماز باطل نہ ہوگی وگرنہ ہو جائے گی چاہے وہ کلام تھوڑا سا ہی تھا۔

(3) جبکہ تیسرا اور درست قول یہ ہے کہ اگر کس نے یہ سمجھ کر سلام پھیر لیا تھا کہ اس کی نماز پوری ہو چکی ہے تو کلام سے نماز باطل نہ ہوگی چاہے وہ کلام نماز کی مصلحت کے لیے تھا یا نہیں تھا، تھوڑا تھا یا زیادہ تھا۔ کیونکہ یہ کلام نماز کے باقی ہونے سے لاعلم ہونے کی صورت میں صادر ہوا ہے اور جہل کے ساتھ کلام مبطلِ صلوۃ نہیں۔ چنانچہ حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ نے جب جہالت کی بنا پر نماز میں کلام کیا تھا تو نماز کے اختتام پر نبی کریم ﷺ نے نماز کے اعادہ کا حکم نہ دیا تھا۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں جہل کے ساتھ کلام سے نماز باطل نہیں ہو جاتی۔ اس لیے راجح قول یہ ہے کہ جب نسیان کی بنا پر کسی نے نماز سے سلام پھیرا تو جب تک اس کا نسیان باقی ہے وہ اس بات سے جاہل ہے کہ اس کی نماز باقی ہے تو اس دوران کا کلام "کلام مع الجهل" کہلائے گا جو مبطلِ صلوٰۃ نہیں۔

◈ جب آدمی کا گمان دوسرے کے گمان کے معارض آ جائے تو اس دوسرے کے گمان کی طرف رجوع لازم نہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ذوالیدین کے گمان کی طرف رجوع نہ فرمایا تھا کیونکہ آپ ﷺ کے گمان میں آپ ﷺ کی نماز پوری ہو چکی تھی۔ لیکن اگر دوسرے کے گمان میں کوئی وجہ ترجیح پیدا ہو جائے تو اس کی طرف رجوع لازم ہو جاتا ہے جیسا کہ جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ دیگر نمازی حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کے قول کی تائید کر رہے ہیں تو آپ ﷺ نے ان کے قول کی طرف رجوع فرمالیا۔

◈ اگر امام یا مقتدی یا منفرد نے نماز پوری کرنے سے قبل سلام پھیر دیا تو سجدۂ سہو بھی سلام پھیرنے کے بعد ادا کیا جائے گا اور سجود سہو کے بعد نماز کا سلام پھیرا جائے گا۔

سجدۂ سہو کے لیے تشہد پڑھنے کا حکم

328۔ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضي الله عنه. ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِهِمْ فَسَهَا، فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ تَشَهَّدَ، ثُمَّ سَلَّمَ)).

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) نبی کریم ﷺ نے انہیں نماز پڑھائی پس آپ ﷺ سے (نماز میں) سہو ہو گیا تو آپ ﷺ نے سہو کے دو سجدے کیے پھر تشہد پڑھی، پھر سلام پھیرا۔ [1]

[1] سنن ابی داود: 1039۔ جامع الترمذی: 395۔ المستدرك للحاكم: 470/1۔ سنن النسائی: 26/3۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ "تذكرة الحفاظ" (532/2) میں کہتے ہیں: یہ حدیث حسن اور غریب ہے اور شیوخ کی اپنے تلامذہ سے روایات میں سے ایک روایت ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ . وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ .

اس حدیث کو امام ابوداوٗد اور امام ترمذی ﷭ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی ﷫ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ جبکہ امام حاکم نے اس حدیث کو روایت کر کے اسے صحیح کہا ہے۔

شرح :...... یہ حدیث بتلاتی ہے کہ سجدۂ سہو کے بعد تشہد ہے جبکہ سجدۂ سہو سلام کے بعد ہو۔ لیکن صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ سجدۂ سہو کے بعد تشہد نہیں ہے کیونکہ تشہد نماز کے اخیر میں ہوتا ہے جبکہ سجدۂ سہو نماز کی تکمیل کے لیے ہوتا ہے نہ کہ مستقل نماز۔ اس لیے صحیح یہ ہے کہ سجدۂ سہو کے بعد کوئی تشہد نہیں اور اس کے بعد صرف سلام پھیرا جائے گا۔

سلام سے قبل سجدۂ سہو کرنے کا حکم

329- وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ ﷛ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : ((إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى ، أَثَلَاثًا أَمْ أَرْبَعًا ؟ فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ ، وَلْيَبْنِ عَلَى مَا اسْتَيْقَنَ ، ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ ، فَإِنْ كَانَ صَلَّى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهُ صَلَاتَهُ ، وَإِنْ كَانَ صَلَّى إِتْمَامًا لِأَرْبَعٍ كَانَتَا تَرْغِيْمًا لِلشَّيْطَانِ)) .

حضرت ابوسعید خدری ﷛ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”جب تم میں سے کسی ایک کو اپنی نماز میں شک ہو جائے اور اسے معلوم نہ ہو کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے، تین رکعات یا چار رکعات؟ تو وہ شک کو پھینک دے اور جس بات کا یقین ہو اس پر بنا کرے پھر سلام کرنے سے قبل دو سجدے کرے۔ پس اگر تو اس نے (واقع میں) پانچ رکعات پڑھی ہیں تو یہ دونوں سجدے اس کی نماز کو شفع بنا دیں گے اور اگر اس نے پوری نماز ادا کی ہوگی۔ تو یہ دونوں سجدے شیطان کی تذلیل کے لیے ہوں گے۔“ [1]

رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

اس حدیث کو امام مسلم ﷫ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... **كَمْ صَلّٰى اَثَلَاثًا اَمْ اَرْبَعًا**: مذکورہ صورت صلوٰۃِ رباعیہ کی بات ہے۔

فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ: طَرْحٌ کا معنی ہے پھینکنا۔ مراد ہے کالعدم قرار دینا۔

وَ لْيَبْنِ عَلٰى مَا اسْتَيْقَنَ: یعنی تین یا چار رکعات میں سے جو امر یقینی ہو اس پر اپنی نماز کی بنا کرے۔ اب تین یا چار میں سے یقینی بات تین رکعات ہیں کیونکہ رکعات کے چار ہونے میں شک ہے جبکہ ان کا تین ہونا یقینی امر ہے۔ پس یہاں شک کو پھینک دینے اور اسے کالعدم قرار دینے کا مطلب ہے زائد کو ترک کرنا۔ لہٰذا تین اور چار میں سے زائد چار ہے اور اسی چار میں شک ہے جبکہ تین کا یقین ہے۔

فَاِنْ كَانَ صَلّٰى خَمْسًا: مذکورہ ارشاد میں سجدۂ سہو کی مشروعیت کی حکمت کا بیان ہے، وہ یہ کہ اگر کسی کو نماز کی رکعات میں شک ہوا اور اس نے اقل کو لے کر نماز پوری کر دی لیکن واقع یہ ہو کہ اس نے زائد کا عدد پورا کیا تھا یعنی مثلاً تین اور چار رکعات میں شک ہوا اور کسی ایک طرف ظن کے غالب نہ ہونے کی صورت میں اس نے اقل یعنی تین رکعات کو اختیار کر لیا کیونکہ تین کا عدد بہر حال یقینی ہے لیکن اس کے حق میں واقع یہ تھا کہ اس نے چار ہی رکعات ادا کی تھیں۔ پس اب اقل اور یقینی

[1] صحیح مسلم: 571 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عدد پر بنا کرنے کی صورت میں اس کی کل رکعات پانچ ہو گئیں جو بظاہر طاق عدد ہے تو:

شَفَعْنَ لَهُ صَلٰوتَهُ: اس کے سہو کے یہ دو سجدے اس کی نماز کو شفع یعنی جفت بنا دیں گے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دو سجدے ایک کامل رکعت کا عوض بن جائیں گے اور معنوی طور سے یہ نماز چھ رکعات شمار ہو گی جو کہ شفع نماز ہے۔

وَ اِنْ كَانَ صَلّٰى تَمَامًا: اگر اس نے اقل پر بنا کر کے واقعی پوری نماز پڑھی ہو۔ یعنی اس نے اب تک ادا بھی تین رکعات ہی کی تھیں کہ اسے تین یا چار رکعات میں شک ہو گیا اور ظنِ غالب معدوم ہونے کی وجہ سے اس نے بنا تین رکعات پر کی تھی اور چوتھی رکعت ادا کر کے اس نے پوری نماز پڑھی تو سہو کے یہ دو سجدے شیطان کی تذلیل کے لیے ہوں گے۔ کیونکہ اسی شیطان نے اسے عبادت میں شک میں ڈالا تھا تو جب نمازی نے وہ کام کر لیا جو اس شک کی تلافی کر دے تو گویا کہ اس نے شیطان کو ذلیل و رسوا کر دیا۔

مضمون حدیث :......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر نماز کی رکعات کی تعداد میں شک ہو جائے تو اوّل تو ظنِ غالب پر عمل کرے اور اگر ظنِ غالب نہ ہو تو یقینی امر پر بنا کر کے نماز پوری کرے اور وہ اقل کا عدد ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نبی کریم ﷺ نے نماز کو شفع بنانے کو ملحوظ رکھا ہے۔
- شیطان انسان کا دشمن ہے اور اسے دشمن ہی بنا کر رکھنا چاہیے اور دشمن کو ذلیل کرنا عین حکمت اور عقل و شرع دونوں کے نزدیک مطلوب و مستحسن ہے۔ اس لیے آدمی کو چاہیے کہ وہ شیطان کو ذلیل و خوار کیے رکھے۔

سہو غلبہ ظن پر مبنی ہے

330,331- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: صَلّٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، فَلَمَّا سَلَّمَ قِيْلَ لَهُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! أَحَدَثَ فِي الصَّلَاةِ شَيْءٌ؟ قَالَ: ((وَمَا ذَاكَ؟)) قَالُوا: صَلَّيْتَ كَذَا وَكَذَا، قَالَ: فَثَنٰى رِجْلَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ بِوَجْهِهِ فَقَالَ: ((إِنَّهُ لَوْ حَدَثَ فِي الصَّلَاةِ شَيْءٌ أَنْبَأْتُكُمْ بِهِ، وَلٰكِنْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ أَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ، فَإِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ، وَإِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهِ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ، فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ، ثُمَّ لِيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ)).

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھائی۔ پس جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو خدمتِ اقدس ﷺ میں عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا نماز میں کوئی بات واقع ہو گئی ہے؟ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''وہ کیا بات ہے؟'' لوگوں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے اتنی اور اتنی نماز ادا کی ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے اپنے دونوں پاؤں کو موڑا اور قبلہ رُو ہوئے اور (سہو کے) دو سجدے کیے پھر سلام پھیرا، پھر روئے انور لوگوں کی طرف متوجہ فرمایا اور ارشاد فرمایا: ''بے شک اگر نماز میں کوئی نئی بات واقع ہوئی ہوتی تو میں تم لوگوں کو اس کے بارے میں (ضرور) بتلا دیتا، لیکن (بات یہ ہے کہ) میں بھی تم لوگوں کی طرح ایک بشر ہوں، میں (بھی) بھول جاتا ہوں جیسے تم لوگ بھول جاتے ہو۔ پس جب میں بھول جاؤں تو تم لوگ مجھے یاد دلا دیا کرو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جب تم میں سے کسی ایک کو اپنی نماز میں شک ہو تو وہ درستی کی سوچ بچار کرے اور اسی پر (اپنی نماز کو) پورا کرے (اور) پھر (بعد میں) دو سجدے کرے۔"❶

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

یہ حدیث "متفق علیہ" ہے۔

وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ: ((فَلْيُتِمَّ، ثُمَّ يُسَلِّمْ ثُمَّ يَسْجُدْ)).

اور صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: "پس وہ نماز کو پورا کرے پھر سلام کرے پھر سجدے کرے۔"

وَلِمُسْلِمٍ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ بَعْدَ السَّلَامِ وَالْكَلَامِ)).

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ "نبی کریم ﷺ نے سلام اور کلام کے بعد سہو کے دو سجدے کیے۔"

وَلِأَحْمَدَ وَأَبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ مَرْفُوعًا: ((مَنْ شَكَّ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَمَا يُسَلِّمُ)).

اور مسند احمد، سنن ابی داود اور السنن الکبری للنسائی میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ "جسے اپنی نماز میں شک ہو جائے تو وہ سلام کرنے کے بعد دو سجدے کرے۔"❷

وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث :......اَحَدَثَ فِي الصَّلٰوةِ شَيْءٌ: یہ نماز ظہر کا واقعہ تھا اور آپ ﷺ نے پانچ رکعات نماز پڑھا دی تھی۔ سلام کے بعد لوگوں نے یہ گمان کر کے سوال کیا تھا کہ شاید نماز کی رکعات میں اضافہ کر دیا گیا ہو، اسی لیے آپ ﷺ نے پانچ رکعات نماز پڑھا دی ہے۔ کیونکہ ابھی وہ وقت باقی تھا جس میں نسخ ہو سکتا تھا کیونکہ دورِ نبوی کے بارے میں رب تعالیٰ یہ فرماتے ہیں:

﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ﴾ (الرعد: 39) "اللہ مٹا دیتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے۔"

اس لیے اس بات کا امکان تھا کہ رب تعالیٰ نماز میں کسی چیز کا اضافہ فرما دیں۔

صَلَّيْتَ كَذَا وَ كَذَا: یعنی آپ ﷺ نے ظہر کی پانچ رکعات پڑھا دی ہیں۔

فَثَنّٰى رِجْلَيْهِ: مراد پاؤں کو موڑنا ہے۔

فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ: یہاں آپ ﷺ نے نماز کا سلام پھیر لینے کے بعد سجود سہو ادا فرمائے ہیں کیونکہ اس زیادتی کا علم آپ ﷺ کو نماز کے بعد ہوا تھا۔ لہٰذا یہاں سلام کے بعد سجود سہو ان کے مقتضی کے عدمِ علم کی بنا پر ہے۔

اِنَّهُ لَوْ حَدَثَ شَيْءٌ فِي الصَّلٰوةِ لَاَنْبَاْتُكُمْ: یہ بات ناممکن ہے کہ آپ ﷺ کو شرع کی کسی بات کا علم ہوا اور آپ ﷺ نے اس کو امت تک نہ پہنچایا ہو، کیونکہ ابلاغِ رسالت آپ ﷺ پر واجب تھا۔

---

❶ صحيح البخاري: 401- صحيح مسلم: 572.

❷ مسند احمد: 205/1- سنن ابي داود: 1033- السنن الكبرى للنسائي: 1171- صحيح ابن خزيمة: 1022- امام بیہقی فرماتے ہیں: اس حدیث کی اسناد میں کوئی حرج نہیں۔ (دیکھیں: سنن البيهقي: 336/2)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ: یہ ارشاد تواضع کے طور پر ہے کہ آپ ﷺ بھی رب تعالیٰ کے بندے ہیں جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ (الکھف : 110) ''کہہ دے میں تو تم جیسا ایک بشر ہی ہوں۔''

اَنْسٰی کَمَا تَنْسَوْنَ: کیونکہ نسیان بشر کی طبیعت اور فطرت میں ودیعت ہے۔

مضمون حدیث :......گزشتہ حدیث میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ اگر شک نماز کے دوران طاری ہو تو حکمت اسی میں ہے کہ سجود سہو کو سلام سے قبل ادا کیا جائے تاکہ آدمی نماز سے جب پھرے تو وہ اس کو پورا کر چکا ہو۔ جبکہ مذکورہ حدیث میں سجود سہو کے سلام کے بعد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نمازی کو نماز میں اضافہ کر دینے کا علم ہی سلام پھیرنے کے بعد ہوا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اگر آدمی نماز میں اضافہ کر بیٹھے جس کا علم اسے نماز کے بعد ہو تو وہ سجدۂ سہو کرے گا اور یہ نہ کہے گا کہ اس نے تو نماز کو کسی شک کے بغیر پورا کیا ہے۔ کیونکہ اسے نماز میں زیادتی کر جانے کا علم نماز کے بعد ہوا ہے نہ کہ نماز میں ہوا ہے۔
- معلوم ہوا کہ اگر نماز کے دوران ہی شک ہو جانے کے بعد نمازی کو اس بات کا علم ہو جائے کہ اس نے نماز میں کوئی کمی زیادتی نہیں کی تو اس پر کوئی سجدۂ سہو نہ ہوگا۔ حنابلہ کا مشہور مذہب یہی ہے۔ کیونکہ سجود شک کی تلافی کے لیے ہوتے ہیں اور شک اب رہا نہیں۔ بعض علماء نے اس صورت میں بھی سجدۂ سہو کے وجوب کا قول کیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس نے آخری رکعت کو بہر حال تردّد کے ساتھ ادا کیا ہے گو وہ تردّد بعد میں زائل بھی ہو گیا ہے۔ لیکن اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ظاہری فعل یہ بتلاتا ہے کہ اگر آدمی پر نماز کے دوران یہ ظاہر ہو جائے کہ اس نے جو کیا ہے وہ صحیح کیا ہے تو اس پر سجدہ سہو نہ آئے گا جیسے اگر اس پر یہ ظاہر ہو جائے کہ اس نے نماز میں کمی یا زیادتی کی ہے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔
- معلوم ہوا کہ نماز میں اضافہ اگر سلام سے قبل بھی معلوم ہو جائے تو بھی سجدۂ سہو سلام کے بعد ہی کرے گا۔ کیونکہ اس بارے قاعدہ یہ ہے کہ زیادتی کی صورت میں سجدۂ سہو کا محل سلام کے بعد ہے۔ کیونکہ اگرچہ نبی کریم ﷺ کو نماز میں اضافہ کر جانے کا علم نماز کے بعد ہوا تھا لیکن بعد میں آپ ﷺ نے یہ بھی تو نہیں فرمایا کہ زیادتی کی صورت میں سلام سے قبل سجدۂ سہو کرو جس سے معلوم ہوا کہ نماز میں زیادتی کر جانے کی صورت میں سجدۂ سہو کا محل سلام کے بعد ہے۔
- جنابِ رسول اللہ ﷺ بھی ایک بشر ہونے کے ناطے جملہ خصائص بشریہ کے مالک تھے جیسے کھانا، پینا، سونا جاگنا وغیرہ۔
- معلوم ہوا کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ بھی بھول سکتے ہیں۔
- معلوم ہوا کہ اگر امام سے نماز میں کوئی خطا واقع ہو جائے تو مقتدیوں پر واجب ہے کہ وہ امام کو اس خطا پر متنبہ کریں کیونکہ مقتدیوں کی نماز امام کی نماز سے جڑی ہوئی ہے۔ لہٰذا اگر وہ امام کو متنبہ نہ کریں تو امام کی نماز میں واقع ہونے والا خلل ان کی نماز تک بھی متعدی ہو جائے گا۔ اس کی دلیل یہ ارشادِ نبوی ہے: فَاِذَا نَسِیْتُ فَذَكِّرُوْنِیْ ، جو امر ہے اور امر میں اصل وجوب ہے۔
- جب نماز میں شک ہو جائے اور ایک بات راجح معلوم ہو اس صورت میں یقین پر نہیں...... جس کی تفسیر بیان کی جا چکی ہے بلکہ راجح پر عمل کرنا واجب ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''پس وہ درستی کی سوچ بچار کرے اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر اسی پر بنا کرے۔''

سجدۂ سہو کے ساقط ہونے کا بیان

332۔ وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ ، فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ ، فَاسْتَتَمَّ قَائِمًا ، فَلْيَمْضِ ، وَلَا يَعُودُ ، وَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَتِمَّ قَائِمًا فَلْيَجْلِسْ وَلَا سَهْوَ عَلَيْهِ)) .

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تم میں سے کسی کو (نماز میں) شک ہو جائے اور وہ دو رکعتوں پر (بجائے بیٹھنے کے) کھڑا ہو جائے اور پورا کھڑا ہو جائے تو (اب) وہ نماز کو جاری رکھے اور (تشہد کی طرف) لوٹے نہیں اور (نماز کے آخر میں سہو کے) دو سجدے کرے اور اگر وہ (ابھی) سیدھا (اور پورا) کھڑا نہیں ہوا تو بیٹھ جائے اور (اس صورت میں) اس پر کوئی سہو (کا سجدہ) نہیں۔'' ❶

رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَهْ وَالدَّارَقُطْنِيُّ ، وَاللَّفْظُ لَهُ ، بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ .

اس حدیث کو امام ابوداؤد، امام ابن ماجہ اور امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور یہ الفاظ سنن دارقطنی کے ہیں۔

پہلے تشہد سے اٹھ کھڑے ہونے کی صورتیں اور ان کے احکام

پہلے قعدہ کو بھول کر تیسری رکعت کو اٹھ کھڑا ہونے کی دو صورتیں ہیں جن کو اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے:

(1) پہلی صورت یہ ہے کہ وہ اٹھ کر سیدھا کھڑا ہو جائے تب اسے یاد آئے کہ اسے تو قعدہ میں بیٹھنا تھا۔ تو اب وہ نہ بیٹھے اور نماز کو جاری رکھے۔ البتہ نماز کے آخر میں سجدہ سہو کرے اور سلام پھیر کر نماز مکمل کر لے۔ کیونکہ یہ سجدہ نماز میں کمی کی تلافی کے لیے ہے اس لیے سلام سے قبل ہوگا اور ظاہر حدیث سے صحیح اور راجح قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ سیدھا کھڑا ہو چکا ہو تو نہ لوٹے چاہے اس نے سورۂ فاتحہ شروع کی تھی یا نہیں کی تھی۔ دونوں صورتوں کا حکم ایک ہی ہے۔ کیونکہ اب وہ ایک رکن میں پہنچ چکا ہے جس کا ترک حرام ہے جبکہ تشہد اوّل رکن نہیں، صرف واجب ہے۔ لہٰذا واجب کی تکمیل رکن کو ترک کر کے نہ کی جائے گی۔ یہیں سے اس قول کا غیر صحیح ہونا بھی معلوم ہو گیا کہ اگر تو قراءت شروع نہ کی تھی تو قعدہ کی طرف لوٹنا مکروہ ہے اور اگر قراءت شروع کر دی تھی تو قعدہ کی طرف لوٹنا حرام ہو گا کہ اس قول کی کوئی وجہ نہیں، درست قول وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

(2) دوسری صورت یہ ہے کہ ابھی وہ سیدھا کھڑا نہ ہوا تھا کہ اسے بیٹھنا یاد آ گیا تو لوٹ آئے اور مشروع طریقہ پر باقی کی نماز پوری کرے اور اس پر سجدۂ سہو بھی نہ آئے گا۔ کیونکہ ابھی وہ قیام کے رکن تک نہیں پہنچا۔ لہٰذا اس کا لوٹنا ترکِ رکن پر محمول نہ کیا جائے گا اور اس قدر انتقال کو جو اس نے کیا ہے کہ ابھی وہ پورا کھڑا نہیں ہوا غیر معتبر سمجھا جائے گا۔ کیونکہ ابھی تک اس نے کسی رکن کو شروع نہیں کیا اور یہ انتقال مقصود بالذات رکن نہیں۔ لہٰذا اسے کچھ نہ سمجھا جائے گا۔ گویا کہ اس نے ابھی تک نماز میں کسی

❶ سنن ابی داود: 1036۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں: میری اس کتاب میں جابر جعفی سے مروی یہی ایک حدیث ہے۔ سنن ابن ماجه: 1208۔ سنن الدارقطني: 378/1۔ (دیکھیں التلخیص الحبیر: 4/2)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قسم کے اضافہ کا یا کمی کا ارتکاب نہیں کیا لہٰذا اس پر سجدۂ سہو بھی نہ آئے گا۔ حدیث کا ظاہر اسی مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔

درایۃ الحدیث :......امام موصوف رحمہ اللہ نے اس حدیث کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ لیکن امام طحاوی رحمہ اللہ نے "شرح معانی الآثار" میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ لیکن اگر یہ حدیث ضعیف ہے تو اس صورت میں ہم فقہاء کے قول کی طرف رجوع کریں گے، وہ یہ کہ دوسری مذکورہ بالا صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوگا کیونکہ اس صورت میں بھی وہ نماز میں ایک امر زائد کا مرتکب ہوا ہے اور وہ پہلے قعدہ کو ترک کر کے اٹھنے کی طرف جانا ہے گو کہ وہ پورا کھڑا نہ بھی ہوا ہو، اور ہر اس زیادتی پر سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے کہ اگر آدمی اس کو قصداً کرے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی لیکن چونکہ اس سے اس زیادتی کا ارتکاب سہواً ہوا ہے اس لیے اس کی تلافی سجدۂ سہو سے ہوگی۔

البتہ اگر اس نے ابھی اٹھنے کی صرف تیاری ہی کی ہے اور ابھی تک وہ جلوس سے جدا نہیں ہوا جس کی علامت یہ ہے کہ اس کے دونوں سرین ابھی اس کی ایڑیوں سے جدا نہیں ہوئے تو وہ جم کر بیٹھ جائے اور نماز جاری رکھ کر مکمل کرے اور اس صورت میں اس پر سجدۂ سہو بھی واجب نہیں ہوا۔ کیونکہ اس سے کسی بھی درجہ میں نماز میں کسی امرِ زائد کا ارتکاب ثابت نہیں ہوا۔ لیکن اگر یہ حدیث بقولِ امام طحاوی کے صحیح ہے تو حجت ہے اور جو ابھی تک سیدھا کھڑا نہیں ہوا اور وہ لوٹ آئے تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ کے قول کے بعد کسی کا قول حجت نہیں اور اگر یہ حدیث ضعیف ہے تب پھر درست قول حضرات فقہاء کا ہے جس کی تفصیل اوپر مذکور ہے۔ ٥

امام اور مقتدی کے سہو کا حکم

333۔ وَعَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَيْسَ عَلَى مَنْ خَلْفَ الْإِمَامِ سَهْوٌ، فَإِنْ سَهَا الْإِمَامُ فَعَلَيْهِ وَعَلَى مَنْ خَلْفَهُ)).

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "جو امام کے پیچھے ہو اس پر کوئی سہو نہیں (یعنی اس کے سہو پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا) البتہ اگر امام سے سہو ہو جائے تو امام پر اور اس کے پچھلے مقتدیوں پر (سجدۂ) سہو واجب ہوگا۔" ❶

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ.

اس حدیث کو امام ترمذی اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

شرح : مذکورہ حدیث میں دو مسائل مذکور ہیں: (1) مقتدی کا سہو اور (2) امام کا سہو، ذیل میں ان دونوں مسائل کو علی الترتیب بیان کیا جاتا ہے۔

مقتدی کا سہو:......اگرچہ امام موصوف نے اس حدیث کی سند کو ضعیف کہا ہے لیکن اصولِ شرعیہ اس حدیث کے مضمون کی تائید کرتے ہیں کہ اگر مقتدی سے سجدۂ سہو کا موجب کوئی فعل سرزد ہو جائے تو امام اس کی طرف سے اس کے سہو کا تحمل کر لیتا

❶ یہ حدیث مجھے جامع الترمذی میں نہیں ملی۔ البتہ "سنن البیهقی" (352/2) اور "سنن الدار قطنی" (377/1) میں یہ حدیث موجود ہے۔ امام بیہقی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ نے "التلخیص الحبیر" (6/2) میں اس حدیث کو صرف امام دارقطنی کی طرف منسوب کیا ہے جبکہ ابن ملقن نے اس حدیث کو امام دارقطنی اور امام بیہقی دونوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ (دیکھیں خلاصۃ البدر المنیر: 163/1)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ البتہ اس باب میں مقتدی سے مبطلِ صلوٰۃ کسی فعل کا سرزد نہ ہونا شرط ہے۔ کیونکہ مقتدی امام کی متابعت کا مامور ہے۔ حتیٰ کہ اگر امام بھول کر پہلے تشہد سے کھڑا ہو جائے جو کہ واجب ہے، تو مقتدی پر بھی امام کی متابعت میں کھڑا ہونا لازم ہوگا اور وہ تشہد مقتدی پر سے ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر مقتدی سے موجب سجدۂ سہو کوئی فعل واقع ہوتا ہے تو امام کی متابعت سے اس پر سے وہ سجدۂ سہو ساقط ہو جائے گا۔ غرض امام کی متابعت میں مقتدی پر سے سجدۂ سہو کے ساقط ہونے کی دو شرطیں ہیں:

(1) مقتدی کے فعل سے صرف سجدۂ سہو ہی واجب ہوتا ہو۔

(2) مقتدی سے نماز کا کوئی رکن فوت نہ ہوا ہو۔

مقتدی پر سے سجدۂ سہو کے ساقط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ سجدۂ سہو ادا کرنے میں لگتا ہے تو وہ امام کی متابعت سے نکل جائے گا۔ البتہ اگر مقتدی سجودِ سہو کے موجب سے زیادہ کسی شے کو بھول جاتا ہے جیسے وہ سورۂ فاتحہ کی قراءت بھول جائے تو فاتحہ کے رکن ہونے کے قول پر۔ اور یہی قول صحیح ہے کہ قراءتِ فاتحہ رکنِ صلوٰۃ ہے۔ امام اس کی طرف سے سہو کا متحمل نہ ہو سکے گا اور اسے وہ رکعت ادا کرنا لازم ہوگا جس میں اس نے فاتحہ کی قراءت نہیں کی اور اب وہ اکیلا سجدۂ سہو کرے گا، جبکہ امام اس کے ساتھ سجدۂ سہو نہ کرے گا۔

امام کا سہو:...... دوسرا مسئلہ اس حدیث میں امام کے سہو کا ہے کہ امام سے سہو ہو جانے پر مقتدی پر بھی سجدۂ سہو لازم ہو گا۔ چاہے وہ سہو اس سے سرزد نہ ہوا ہو کیونکہ مقتدی پر امام کی متابعت واجب ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ دوسری رکعت میں شامل ہونے والے پر امام کے ساتھ تشہد اوّل میں بیٹھنا لازم ہوتا ہے اگرچہ مقتدی کے حق میں وہ تشہد صرف ایک رکعت بعد ہی ہے لیکن اس تشہد میں بیٹھنے کا یہ وجوب امام کی متابعت کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح جب امام چوتھی رکعت کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو یہ مسبوق مقتدی بھی ساتھ ہی کھڑا ہوتا ہے حالانکہ اس کے حق میں یہ تیسری رکعت ہوتی ہے اور پھر دو رکعات کے بعد تیسری رکعت کی طرف جانے سے قبل تشہد میں بیٹھنا واجب ہوتا ہے لیکن یہ مذکورہ مسبوق امام کی متابعت کے واجب ہونے کی وجہ سے اپنے حق میں ثابت تشہد اوّل کو ترک کر کے امام کے ساتھ اپنی تیسری رکعت کو کھڑا ہوگا۔ غرض اس حدیث میں دراصل امام کی متابعت کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔

ایک اہم مسئلہ: ...... اگر ایک مقتدی مسبوق ہو اور امام سے ایسا سہو ہوا ہو جس کے سجدے کا محل سلام کے بعد ہو تو آیا اب یہ مقتدی امام کی متابعت میں سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرے گا اور بعد میں اپنی فوت ہو جانے والی رکعات کو ادا کرے گا؟ یا وہ امام کے ساتھ سلام کیے بغیر سجدہ سہو کرے گا اور بعد میں اپنی باقی کی نماز ادا کرے گا؟ تو اس بارے علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ ایک قول یہ ہے کہ وہ انتظار کرے گا اور امام کے ساتھ سجدۂ سہو کر کے مَا فَاتَ کو قضا کرے گا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ انتظار نہ کرے گا کیونکہ سلام کرنے سے امام کی نماز مکمل ہو گئی اور اب متابعت بھی متعذر ہو گئی لہٰذا اب مسبوق جانے اور اس کی باقی کی نماز۔

رہا امام کی نماز کے تمام ہو جانے پر امام کے سہو کی بنا پر مسبوق پر بھی سجدۂ سہو کا واجب ہونا؟ تو اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ البتہ میرے نزدیک زیادہ راجح قول یہ ہے کہ اگر تو مسبوق نے بھی امام کے سہو کو پایا ہے تو وہ امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرے گا اور اگر اس نے امام کے سہو کو نہیں پایا تو اس کے ذمہ سجدۂ سہو نہ ہوگا۔ ہاں امام کے ساتھ یہ سجدہ کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

البتہ یہ سجدہ ایسے مسبوق پر واجب نہیں۔

سہو کے سجدے دو ہیں

334- وَعَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لِكُلِّ سَهْوٍ سَجْدَتَانِ بَعْدَ مَا يُسَلِّمُ)).

رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَهْ بِسَنَدٍ ضَعِيْفٍ.

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''ہر سہو کے دو سجدے ہیں جن کو وہ سلام پھیرنے کے بعد ادا کرے گا۔'' [1]

اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

شرح :......امام موصوف رحمہ اللہ نے سجود سہو سے متعلق یہ آخری روایت نقل کی ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ سے نماز میں جو سہو واقع ہوئے ان کا خلاصہ درج ذیل ملاحظہ ہو:

(1) دو رکعات پر آپ ﷺ تشہد اوّل کو ترک کر کے کھڑے ہو گئے۔

(2) ایک بار آپ ﷺ ایک رباعی نماز میں پانچ رکعات ادا فرما گئے۔

(3) اور ایک بار آپ ﷺ نے نمازِ عصر میں دو رکعات پر سلام پھیر دیا۔ ان تینوں صورتوں کے تفصیلی احکام گزشتہ صفحات میں ذکر کر دیئے گئے ہیں۔

خلاصہ : ......خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ بھی رب تعالیٰ کے ایک بندے تھے جن کو نسیان لاحق ہوتا تھا۔ دوسرے یہ کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہ تھے اور یہ دونوں باتیں ہی آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی شان و منصب میں کسی قسم کا نقص اور عیب نہیں اور آپ ﷺ رب تعالیٰ کا عرفان رکھنے والے اور اس کے اوامر ونواہی کو جاننے والے سب سے کامل بشر تھے۔

سجودِ تلاوت کا بیان

335- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: ((سَجَدْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي ((إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ)) وَ ((اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ (الانشقاق: 1) اور ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ (العلق: 1) میں سجدہ کیا ہے۔ [2]

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

سجودِ تلاوت

امام موصوف رحمہ اللہ یہاں سے سجود تلاوت اور ان کے احکام بیان کر رہے ہیں۔

سجود التلاوۃ : ......یہ ترکیب بظاہر اضافی ہے جو سببیت پر مشتمل ہے۔ یعنی ان سجدوں کا بیان ہے جن کا سبب تلاوت قرآن ہو۔ مراد آیت سجدہ کی تلاوت ہے۔ البتہ یہ عام مخصوص ہے۔ یعنی وہ سجدے جو مواضعِ تلاوت میں آئیں۔

---

[1] سنن ابی داود: 1038۔ سنن ابن ماجه: 1219۔ امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (164/4) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ اس حدیث کی سند میں اختلاف ہے۔ امام زیلعی رحمہ اللہ نے "نصب الرایة" (167/2) میں اس اختلاف کو مفصل ذکر کیا ہے۔

[2] صحیح مسلم: 578.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سجدۂ تلاوت کا حکم

سجدۂ تلاوت سنتِ موکدہ ہے۔ ان کا چھوڑ دینا مناسب نہیں۔ حتیٰ کہ بعض علماء نے ان کو واجب کہا ہے اور ان کے تارک کو گناہ گار قرار دیا ہے لیکن درست یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک مرتبہ خطبۂ جمعہ میں سورۂ نحل کی آیتِ سجدہ کو برسرِ منبر تلاوت کیا اور اتر کر اس کا سجدہ کیا۔ جبکہ اگلے جمعہ کے خطبہ میں اسی آیت کی دوبارہ تلاوت کر کے سجدہ نہ کیا اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''اللہ نے ہم پر سجود تلاوت کو فرض نہیں کیا ہاں ہم چاہیں تو کر سکتے ہیں۔'' (1) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں فرمائی تھی جس پر کسی نے نکیر نہ کی تھی جو اس بات کی دلیل ہے کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں۔ سجدۂ تلاوت کے چند دیگر احکام ذیل میں اختصار کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں:

(1) اگر کوئی نماز کے دوران آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو اس کا سجدہ کرے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں آیتِ سجدہ کی تلاوت پر سجدہ کرنا مذکور ہے۔

(2) سجدۂ تلاوت میں جاتے اور اس سے اٹھتے وقت تکبیر کہے۔

(3) آیتِ سجدہ کی سری اور جہری دونوں نمازوں میں تلاوت کر سکتے ہیں۔ جہری نمازوں میں آیتِ سجدہ کی تلاوت واضح ہے کہ اس کو مقتدی سن رہے ہوتے ہیں لہٰذا انہیں سجدۂ تلاوت کرتے ہوئے کوئی تشویش نہ ہو گی۔ البتہ سری نمازوں میں آیتِ سجدہ کی تلاوت کو بعض علماء نے مکروہ لکھا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہو گی:

(i) یا تو امام سجدہ کرے گا جس سے بظاہر مقتدیوں کو تشویش ہو گی۔

(ii) یا پھر وہ سجدۂ تلاوت کو ترک کرے گا جو درست نہیں۔

اس لیے امام احمد رحمہ اللہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ سری نمازوں میں امام کا آیت سجدہ کی تلاوت کرنا مکروہ ہے۔ جبکہ بعض علماء کے نزدیک سری نمازوں میں آیتِ سجدہ کی تلاوت میں کوئی کراہت نہیں۔ صحیح مذہب یہ ہے کہ سری نمازوں میں آیتِ سجدہ کی تلاوت مکروہ نہیں اور یہ کہ سجدۂ تلاوت کے ترک میں بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ راجح قول سجدۂ تلاوت کے غیر واجب ہونے کا ہے، البتہ سجدۂ تلاوت سنتِ مؤکدہ ہے۔

(4) سجدۂ تلاوت نماز کے سجدے کی طرح سات ہڈیوں پر ہو گا۔

(5) سجدۂ تلاوت میں بھی نماز کے سجدے کی طرح سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کا ذکر کیا جائے گا اور نماز کی طرح یہاں بھی یہ ذکر مکرر کرے گا۔

(6) آیتِ سجدہ کی تلاوت جب بھی کرے اسی وقت سجدۂ تلاوت کرنا بھی جائز ہو گا اور یہ مستحب ہے۔

(7) اگر آیتِ سجدہ کی تلاوت کے بعد سجدہ کرنا بھول گیا تو اگر تو قریب میں ہی یاد آ جائے تو سجدہ کر لے اور اگر کافی وقت گزر جائے تو نہ کرے۔ کیونکہ اس بارے علماء نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ جب سنت کا محل فوت ہو جائے تو وہ ساقط ہو جاتی ہے کیونکہ یہ سنت معلّق ہوتی ہے اپنے سبب کے ساتھ۔ پس جب سبب زائل ہو گیا تو سنت بھی زائل ہو گئی۔

---

(1) صحیح البخاری: 1077

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیاتِ سجدہ کی تعداد

معروف یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں آیات سجدہ چودہ ہیں جن میں سے دو آیات سورۂ حج میں ہیں۔ جبکہ ایک آیت سورۂ انشقاق میں اور ایک آیت سورۂ علق میں ہے جن کا ذکر مذکورہ حدیث میں ہے۔ دیگر آیات کا ذکر ذیل میں آ جاتا ہے۔

بعض آیاتِ سجدہ کا بیان

336- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: ((صٓ)) لَيْسَتْ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُوْدِ ، وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَسْجُدُ فِيْهَا .

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ سورۂ ”صٓ“ واجب سجدوں والی سورتوں میں سے نہیں۔ البتہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اس سورت میں (آیتِ سجدہ پر) سجدہ کرتے دیکھا ہے۔ [1]

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

سورۂ صٓ کی آیت سجدہ میں اختلاف اور راجح قول کا بیان

عَزَائِمُ السُّجُوْدِ سے مراد سجودِ موکدہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تعبیر سے بظاہر یہ لگتا ہے کہ سجود تلاوت واجب ہیں۔ لیکن اس بارے راجح قول بیان کر دیا گیا ہے کہ سجودِ تلاوت واجب نہیں بلکہ سنت ہیں۔ تب پھر عَزَائِمُ السُّجُوْدِ سے مراد ”سننِ موکدہ“ ہوگی۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو سورۂ صٓ کی آیتِ سجدہ پر سجدہ کرتے دیکھا ہے۔ بظاہر یہ سجدہ ”تلاوت“ کی وجہ سے تھا۔

حضرات علماء کرام کا سورۂ صٓ کی آیت سجدہ کی بابت اختلاف ہے کہ آیا اس کا سجدہ تلاوت کی وجہ سے ہے یا شکر کی وجہ سے؟ علماء اس باب میں دونوں طرف گئے ہیں لیکن درست یہ ہے کہ اس آیت کا سجدہ تلاوت کی وجہ سے ہے۔ اسی لیے اس آیت کا سجدہ بھی صرف اس آیت کی تلاوت کرنے پر ہے۔ مذکورہ آیت میں رب تعالیٰ کے ایک جلیل القدر پیغمبر سیدنا داؤد علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اسرائیلی روایات میں اس قصہ کی بابت ایک بے حد بے بنیاد اور مبنی بر خرافات روایت ملتی ہے جس کا ذکر بھی گستاخی سے خالی نہیں چہ جائیکہ اس کو ذکر کر کے اس پر کوئی علمی مباحثہ یا محاکمہ کیا جائے۔ (اس لیے بندہ عاجز مترجم ابوقیدار نسیم اس قصہ کو قلم انداز کرتا ہے۔ رب تعالیٰ ہمیں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کا قرار واقعی ادب اور ان کا اکرام و تعظیم نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین)

آیت سجدہ کی تلاوت کرنے والے کا، اسے غور سے سننے والے کا اور جس کے کان میں آیتِ سجدہ پڑ جائے، ان سب کے حکم کا بیان

337- وَعَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَجَدَ بِالنَّجْمِ)) .

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورۂ نجم (کی آیت سجدہ) کا سجدہ کیا۔ [2]

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

338- وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((قَرَأْتُ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں

---

[1] صحيح البخاري: 1069 . [2] صحيح البخاري: 1071 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عَلَى النَّبِيِّ ﷺ النَّجْمَ ، فَلَمْ يَسْجُدْ فِيْهَا)) .

نے نبی کریم ﷺ کو سورۂ نجم پڑھ کر سنائی (جس میں آیت سجدہ بھی شامل تھی) پس آپ ﷺ نے سورۂ نجم (کی آیت سجدہ سن کر بھی اس) پر سجدہ نہ کیا۔ [1]

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

آیاتِ سجدہ کا شمار

اب تک چار آیات سجدہ کو شمار کیا جا چکا ہے۔

(1) سورۂ انشقاق کی آیت سجدہ　(2) سورۂ علق کی آیتِ سجدہ

(3) سورۂ صٓ کی آیت سجدہ　(4) اور ایک سورۂ نجم کی آیتِ سجدہ　(نسیم)

آیتِ سجدہ پڑھنے اور سننے کا حکم:...... مذکورہ دو حدیثوں میں دراصل دو مسئلے ذکر کیے گئے ہیں:

(i) ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ نے سورۂ نجم کی آیتِ سجدہ کو تلاوت کر کے اس پر سجدہ کیا۔ اس لیے جو سورۂ نجم کی آیتِ سجدہ پر پہنچے اسے بھی سجدۂ تلاوت کرنا چاہیے۔

(i) دوسرا یہ کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے سورۂ نجم کی آیتِ سجدہ سن کر بھی سجدہ نہ کیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس آیت پر سجدہ نہ کیا جائے۔

اب سورۂ نجم مفصّل میں سے ہے۔ اس بنا پر بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ مفصّل کے سجدات کی مشروعیت منسوخ ہو گئی ہے۔ ان کی دلیل حدیثِ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورۂ نجم کی آیتِ سجدہ سن کر بھی اس پر سجدہ نہ کیا تھا اور یہ بات معلوم ہے کہ سورۂ نجم مکی اور ہجرت سے قبل کی ہے۔ جبکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ پڑھنا بعد از ہجرت کا واقعہ ہے اور احکام میں آخری امر کو لیا جاتا ہے۔ پس آخری امر سورۂ نجم کی آیتِ سجدہ پر سجدہ نہ کرنا ہوا۔ لیکن یہ استدلال محلِ نظر ہے کیونکہ سورۂ نجم کے قاری اس روایت میں حضرت زید رضی اللہ عنہ ہیں نہ کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ اور حجت پیغمبر کا فعل ہوتا ہے۔ اب چونکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے سجدہ نہ کیا تو آپ ﷺ نے بھی سجدہ نہ کیا۔ کیونکہ جب قاری سجدہ نہ کرے تو سننے والا بھی سجدہ نہیں کرتا۔ لہٰذا حضرت زید رضی اللہ عنہ کی حدیث کو لے کر نسخ کا قول کرنا ممکن نہیں۔ اس لیے درست قول یہ ہے کہ مفصّل کے سجدات کا کرنا مشروع ہے یعنی ان کی مشروعیت باقی ہے منسوخ نہیں ہوئی۔ پس حدیثِ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مفصّل کے سجدات کے منسوخ ہونے کی دلیل نہیں۔ بلکہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب قاری سجدہ نہ کرے تو سننے والا بھی سجدہ نہ کرے۔

قاری، مستمع اور سامع:...... سجدۂ تلاوت کی بابت حضرات علماء کی عبارات میں یہ تین الفاظ ملتے ہیں۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ ان کی تعریف اور ان سے متعلقہ احکام کو ذکر کیا جاتا ہے۔

قاری:...... اس کی تعریف واضح ہے۔ یعنی جو قراءت کرے۔

مستمع:...... اس سے مراد وہ آدمی ہے جو قراءت کرنے والے کی قراءت کو کان دھر کر اور دل متوجہ کر کے یعنی ہمہ تن گوش ہو کر سنے اور قاری کی متابعت بھی کرے۔

[1] صحيح البخاري: 1073، صحيح مسلم: 577

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سامع: .....اس سے مراد وہ شخص ہے جو قراءت کرنے والے کو دیکھے تو ضرور پر اس کی توجہ اس کی قراءت پر نہ ہو گو کان میں اس کی قراءت کی آواز پڑ بھی رہی ہو۔

اب آیتِ سجدہ کی تلاوت پر سجدۂ تلاوت میں قاری بطور اصل کے سجدہ کرے گا اور مستمع بطور فرع کے سجدہ کرے گا جبکہ سامع نہ تو اصل ہے اور نہ فرع، لہٰذا وہ آیت سن کر اور قاری کو سجدہ کرتے دیکھ کر بھی سجدہ نہ کرے گا۔ پھر قاری سجدہ کرے تو مستمع بھی سجدہ کرے گا اور اگر وہ سجدہ نہ کرے تو یہ بھی سجدہ نہ کرے جبکہ سامع دونوں صورتوں میں سجدہ نہ کرے گا چاہے قاری سجدہ کرے تب بھی نہیں اور چاہے نہ کرے تب بھی نہیں۔ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ.

339,340- وَعَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ رَحِمَهُ اللهُ قَالَ: ((فُضِّلَتْ سُوْرَةُ الْحَجِّ بِسَجْدَتَيْنِ)). رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ فِي الْمَرَاسِيْلِ.

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ سورۂ حج کو (دیگر آیاتِ سجدہ والی سورتوں پر) دو سجدوں (کے ہونے) کی وجہ فضیلت حاصل ہے۔ ❶

وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ مَوْصُوْلًا مِنْ حَدِيْثِ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، وَزَادَ: ((وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْهُمَا فَلَا يَقْرَأْهَا)).

اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے موصول روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ زائد ہیں: پس جس نے ان دو سجدوں کو نہ کیا تو اس نے سورۂ حج کی قراءت ہی نہیں کی۔ ❷

وَسَنَدُهُ ضَعِيْفٌ.

اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

341- وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّا نَمُرُّ بِالسُّجُوْدِ، فَمَنْ سَجَدَ فَقَدْ أَصَابَ، وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اے لوگو! ہم آیاتِ سجود پر سے گزرتے ہیں، پس جس نے (ان پر) سجدہ کیا تو اس نے درست کیا اور جس نے (ان پر) سجدہ نہ کیا اسے کوئی گناہ نہ ہوگا۔ ❸

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَفِيْهِ: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى لَمْ يَفْرِضِ السُّجُوْدَ إِلَّا أَنْ نَشَاءَ.

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں: ''بے شک رب تعالیٰ نے ہم پر سجود (تلاوت) کو فرض نہیں کیا ہاں ہم چاہیں (تو کر سکتے ہیں)۔ ❹

وَهُوَ فِي الْمُوَطَّأِ.

یہ روایت مؤطا میں مذکور ہے۔

شرح:...... یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سجود تلاوت واجب نہیں، کیونکہ جو امر بندے کی مشیت کے حوالے ہو، وہ واجب نہیں ہوا کرتا۔

---

❶ مراسیل ابی داود: 78- امام ابوداؤد کہتے ہیں: اس حدیث کو مسند روایت کیا گیا ہے جو صحیح نہیں۔ گویا کہ امام ابوداؤد حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی گزشتہ حدیث کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

❷ مسند احمد: 151/4- سنن ابی داود: 1402- جامع الترمذی: 578- امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے جبکہ ابن جوزی "التحقیق" (428/1) میں اس حدیث کو صحیح قرار دینے کی طرف مائل نظر آتے ہیں۔

❸ اس کی تخریج بھی گزری ہے۔ ❹ الموطا للامام مالک: 206/1.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تنبیہ: ......سورۂ حج کی یہ دو آیات سجدہ ملا کر اب تک چھ آیاتِ سجدہ کا بیان مکمل ہو گیا۔

سجود تلاوت کے لیے تکبیر کا بیان

342۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ عَلَيْنَا الْقُرْآنَ، فَإِذَا مَرَّ بِالسَّجْدَةِ كَبَّرَ وَسَجَدَ وَسَجَدْنَا مَعَهُ)).

رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ بِسَنَدٍ فِيهِ لِينٌ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمیں قرآن پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ پس جب آپ ﷺ آیتِ سجدہ پر سے گزرتے تھے تو تکبیر کہتے اور سجدہ کرتے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرتے۔ ❶

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں نرمی ہے۔

شرح: ......اس حدیث میں دو اہم مسائل بیان کیے گئے ہیں:

(1)......ایک یہ کہ جب قاری سجدہ کر لے تو سننے والے بھی سجدہ کریں۔ اس مسئلہ کی جملہ تفصیلات ذکر کر دی گئی ہیں۔

(2)......دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت کرتے ہوئے جھکتے وقت تکبیر کہی جائے گی۔

امام موصوف رحمہ اللہ نے اس حدیث کی سند کو نرم کہا ہے جو قوی کی ضد ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں ضعف ہے۔ چونکہ مذکورہ حدیث کی سند ضعیف ہے اس لیے بعض علماء کا قول ہے کہ سجدۂ تلاوت کے لیے تکبیر نہیں۔ جبکہ بعض کے نزدیک سجدۂ تلاوت کی دو تکبیریں ہیں، ایک سجدے میں جاتے ہوئے اور ایک سجدہ سے اٹھتے ہوئے۔ اس بارے علماء کے تین اقوال ہیں:

(i)......سجدہ تلاوت میں جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت تکبیر کہے اور سلام بھی پھیرے۔

(ii)......صرف سجدۂ تلاوت کرے جس میں نہ کوئی تکبیر ہو اور نہ سلام ہو۔

(iii)......جبکہ تیسرا قول متوسط ہے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے تو تکبیر کہے البتہ اٹھتے ہوئے تکبیر نہ کہے اور نہ سلام کرے۔ کیونکہ حدیث میں سجدہ میں جاتے ہوئے کی تکبیر کا تو ذکر ہے مگر اٹھتے وقت کی تکبیر کا اور سلام کا ذکر نہیں ملتا۔

یاد رہے کہ یہ مذکورہ اختلاف نماز سے باہر ہونے کے وقت کی بابت ہے۔ رہا نماز میں سجدۂ تلاوت کرنا تو اس میں سجدہ میں جاتے ہوئے اور سجدہ سے اٹھتے ہوئے دونوں وقت تکبیر کہنا لازم ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی نماز کو بیان کرنے والے جملہ راویانِ حدیث نے اس بات کو ضرور بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نماز میں سجدہ میں جاتے ہوئے اور سجدہ سے اٹھتے ہوئے ضرور تکبیر کہتے تھے اور اس عموم سے انہوں نے کسی چیز کو (جس میں سجدۂ تلاوت بھی شامل ہے) مستثنیٰ نہیں کیا۔

سجدۂ شکر کا بیان

343۔ وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضی اللہ عنہ، ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا جَاءَهُ أَمْرٌ يَسُرُّهُ خَرَّ سَاجِدًا لِلّٰهِ))

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب کوئی خوش کن بات پہنچتی تھی تو آپ ﷺ رب تعالیٰ کے حضور

---

❶ سنن ابی داود: 1413 من طریق عبدالرزاق۔ امام ابوداؤد کہتے ہیں: عبدالرزاق کہتے ہیں: امام ثوری یہ حدیث پسند کرتے تھے۔ امام ابوداؤد کہتے ہیں: امام ثوری کو یہ حدیث اس لیے پسند تھی کیونکہ وہ آیت سجدہ کا سجدہ تکبیر کہہ کر ادا کرتے تھے۔ اس حدیث کی اسناد میں عبداللہ العمری ہے جو ضعیف ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (73/4) میں ان کو ضعیف کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سجدے میں گر جایا کرتے تھے۔ ❶

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ .

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے سوائے امام نسائی کے۔

344- وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ ﷛ قَالَ: ((سَجَدَ النَّبِيُّ ﷺ ، فَأَطَالَ السُّجُوْدَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، وَ قَالَ: ((إِنَّ جِبْرِيْلَ أَتَانِي ، فَبَشَّرَنِي ، فَسَجَدْتُ لِلّٰهِ شُكْرًا)) .

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نے سجدہ کیا تو (خوب) طویل سجدہ کیا، پھر (سجدہ سے) اپنا سر اٹھا کر ارشاد فرمایا: ''جبرئیل (علیہ السلام) نے میرے پاس آ کر مجھے ایک خوش خبری سنائی ہے جس پر میں نے شکر ادا کرنے کے لیے رب کے حضور سجدہ کیا ہے۔'' ❷

رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ .

اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

345- وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ ﷛ ، ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ عَلِيًّا إِلَى الْيَمَنِ - فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ - قَالَ: فَكَتَبَ عَلِيٌّ بِإِسْلَامِهِمْ ، فَلَمَّا قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْكِتَابَ خَرَّ سَاجِدًا ، شُكْرًا لِلّٰهِ تَعَالَى عَلَى ذَلِكَ)) .

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا...... آگے طویل حدیث مذکور ہے جس میں آگے چل کر ذکر ہے: پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے اسلام لے آنے کی بابت ایک خط خدمتِ نبوی میں لکھا۔ جب آپ ﷺ نے خط پڑھا تو اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ میں گر گئے۔ ❸

رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ . وَأَصْلُهُ فِي الْبُخَارِيِّ .

اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل صحیح بخاری میں ہے۔

شرح :...... یہ تینوں احادیث سجدۂ شکر کی مشروعیت کو بتلاتی ہیں۔ علماء کا قول ہے کہ سجدۂ شکر نئی نعمت کے ملنے پر مشروع ہے۔ رہی پہلے سے چلی آتی نعمت تو اس کے لیے سجدۂ شکر مشروع نہیں کیونکہ یوں تو ہر انسان ہمہ وقت رب تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کے احاطہ میں ہے۔ نئی نعمت سے مراد اولاد کا ہونا، کامیابی کی خوشخبری ملنا، گم شدہ شے کا ملنا، مسلمانوں کی فتح کی خبر سننا وغیرہ ہے۔ غرض سجدۂ شکر نئی نعمت کے ملنے پر یا کسی مصیبت کے جاتے رہنے پر مشروع ہے۔ رہا سجدۂ شکر کے ادا کرنے کا طریقہ تو اس بابت بھی وہی قول ہے جو سجدۂ تلاوت کی بابت ہے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے تو تکبیر کہے البتہ اٹھتے ہوئے نہ تکبیر

---

❶ سنن ابی داود: 2774- جامع الترمذی: 1578- سنن ابن ماجه: 1394- امام حاکم رحمہ اللہ نے "المستدرک" (411/1) میں اس حدیث کو صحیح کہہ کر اس کے متعدد شواہد پیش کیے ہیں جبکہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ یہ حدیث بکار بن عبدالعزیز کی روایت سے ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں: میں امید کرتا ہوں کہ اس کی روایت میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ کیونکہ بکار اُن ضعیف راویوں میں سے ایک ہے جن کی حدیث لکھی جاتی ہے۔

❷ مسند احمد: 191/1- المستدرك للحاكم: 735/1- امام حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں: سجدۂ شکر کی بابت اس سے زیادہ صحیح کسی حدیث کو میں نہیں جانتا۔ ضیاء مقدسی نے "المختارة" (126/3) میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ "مجمع الزوائد" (287/2) میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں۔

❸ سنن البیهقی: 369/2- صحیح البخاری: 4349 مختصرًا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور نہ سلام اور سجدۂ شکر میں بھی مسنون ذکر صلوٰۃ ہی کیا جائے گا۔

9۔ بَابُ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ ..... نفلی نمازوں کا بیان

346۔ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ مَالِكٍ الْأَسْلَمِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ: ((سَلْ)) فَقُلْتُ: أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ، فَقَالَ: ((أَوَ غَيْرَ ذٰلِكَ)) فَقُلْتُ: هُوَ ذَاكَ، قَالَ: ((فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ)).

رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ربیعہ بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ (ایک موقع پر) نبی کریم ﷺ نے (مجھ سے خوش ہو کر) مجھے ارشاد فرمایا: ''مانگ (کیا مانگتا ہے)۔'' تو میں نے عرض کیا کہ (اے اللہ کے رسول!) میں جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت مانگتا ہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کیا اس کے علاوہ (بھی کسی بات کی تمنا ہے جس کا تم سوال کرنا چاہو؟)'' میں نے عرض کیا: (جی نہیں) بس یہی (میری خواہش ہے)۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تب (پھر) سجدوں کی کثرت سے تم اپنے بارے میری معاونت کرو۔'' [1]

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:..... بَابُ صَلٰوةِ التَّطَوُّعِ: یہ ایک شے کی اپنی نوع کی طرف اضافت کے باب میں سے ہے کیونکہ نفل نماز نفسِ نماز کی ایک نوع ہے۔ کیونکہ نماز کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں: (1) فرض نماز (2) اور نفل نماز نوافل کے مقرر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ یہ نوافل فرائض میں رہ جانے والی کمی بیشی کو پورا کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''روزِ قیامت فرائض کی نوافل کے ذریعے تکمیل کی جائے گی۔'' [2]

سَلْ: حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی ایک حاجت رفع کی تھی جس پر خوش ہو کر آپ ﷺ نے ان سے کسی چیز کے مانگنے کا مطالبہ فرمایا تاکہ ان کی خدمت کا انہیں صلہ عنایت فرما دیں۔ لیکن جنابِ ربیعہ بڑے بلند عزائم کے مالک تھے اس لیے یہ بڑا سوال کر دیا جس کا وزن ساری دنیا اور اس کی سب نعمتوں پر بھاری تھا۔ کیونکہ دنیا کی ساری نعمتیں بھی اس سوال کے آگے ازحد بے قیمت تھیں۔

اَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ:..... حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے جب جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت کا سوال کیا تو آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ٹھیک ہے، تمہارا یہ سوال پورا کیا جاتا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ ''اگر تم جنت میں میری رفاقت کے متمنی ہو تو پھر اپنی اس تمنا کی تکمیل کے لیے سجدوں کی کثرت سے میری مدد کرو۔''

مضمون حدیث:..... مذکورہ حدیث میں دو اہم باتوں کو بیان کیا گیا ہے: (1) ایک تو یہ کہ نجات کا مدار عمل پر ہے۔ (2) دوسری یہ کہ نفل نمازوں کو آخرت کی نجات میں خاص دخل اور تاثیر حاصل ہے کیونکہ فرائض تو محدود ہیں البتہ نمازوں کی کثرت صرف نوافل میں ہی ہو سکتی ہے۔

---

[1] صحيح مسلم: 489.

[2] سنن ابی داود: 864، جامع الترمذی: 413۔ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے جیسا کہ امام نووی نے "المجموع" (61/4) میں کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نبی کریم ﷺ کا حسنِ اخلاق اور جود و کرم کہ آپ ﷺ ہر ایک کی نیکی کا بدلہ دیا کرتے تھے اور یہ مشروع ہے کہ دوسرے کی نیکی کا اسے بدلہ دیا جائے۔
- اس حدیث سے حضرت ربیعہ بن مالک رضی اللہ عنہ کی بلند ہمتی کا بھی خوب اندازہ ہو گیا کہ انہوں نے دنیا کی کسی چیز کو نہ مانگا بلکہ آخرت کی ایک بے بدل نعمت مانگ لی اور وہ جنت میں جنابِ رسول اللہ ﷺ کی ابدی و سرمدی رفاقت و مصاحبت ہے۔
- نوافل کی کثرت کی فضیلت کہ اس کی برکت سے جنت میں رفاقتِ نبوی جیسی نعمت بھی نصیب ہو سکتی ہے۔
- نیک اعمال کرنے والا درحقیقت خود اپنے ساتھ نیکی، احسان اور بھلا کرنے والا ہوتا ہے۔

سننِ راتبہ کا بیان

347- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: ((حَفِظْتُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ عَشْرَ رَكَعَاتٍ: رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي بَيْتِهِ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ)).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے (دن رات کی فرض نمازوں کی سننِ موکدہ میں سے) دس رکعات کو یاد کیا ہے (جو یہ ہیں): دو رکعات ظہر سے پہلے اور دو اس کے بعد (یہ چار ہو گئیں) اور دو رکعات مغرب کے بعد اپنے گھر میں (یہ چھ ہو گئیں) اور دو رکعات عشاء کے بعد اپنے گھر میں (یہ آٹھ ہو گئیں) اور دو رکعات فجر (کی نماز) سے پہلے (یہ دس ہو گئیں)۔ [1]

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

وَفِي رِوَايَةٍ لَهُمَا: وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ فِي بَيْتِهِ.

اور صحیحین کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''اور دو رکعات نماز جمعہ کے بعد اپنے گھر میں۔''

وَلِمُسْلِمٍ: ((كَانَ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ لَا يُصَلِّي إِلَّا رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ)).

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: جب فجر طلوع ہو جایا کرتی تھی تو آپ ﷺ (فرض نماز سے پہلے) صرف دو ہلکی رکعات ادا فرمایا کرتے تھے۔ [2]

شرح :..... مذکورہ حدیث میں ان سنتوں کا بیان ہے جو فرائض کے ساتھ مقید ہیں۔ ان کو سننِ راتبہ یا سنن موکدہ کہتے ہیں۔ جن کی تعداد مذکورہ روایت کے مطابق دس ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سننِ موکدہ کی خوب حفاظت اور ان کا تاکید کے ساتھ اہتمام کیا جائے۔

---

[1] صحيح البخاري: 1180- صحيح مسلم: 729.

[2] صحيح مسلم: 723.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- ظہر کی سننِ موکدہ میں دو ظہر سے پہلے ہیں۔ مراد ان رکعات کا اذان اور اقامت کے درمیان ادا کرنا ہے اور دو ظہر کے بعد ہیں۔ یہ نماز ظہر سے لے کر نماز عصر کا وقت ہو جانے کے درمیان میں ادا کی جاتی ہیں۔
- نمازِ مغرب کے بعد بھی دو رکعات سننِ موکدہ ہیں جن کا وقت نماز عشاء کا وقت ہو جانے تک ہے۔
- دو رکعات سننِ مؤکدہ نمازِ عشاء کے بعد بھی ہیں۔ ان کو نمازِ عشاء کے بعد سے نصف شب تک ادا کیا جائے گا۔ کیونکہ نمازِ عشاء کا وقت نصف لیل تک ہوتا ہے۔
- دو رکعات نمازِ فجر سے پہلے سننِ موکدہ ہیں۔ نبی کریم ﷺ ان دو رکعات کو نمازِ فجر کی اذان کے بعد اور ان کو ہلکا ادا فرماتے تھے جیسا کہ دیگر روایات میں بھی ان دو رکعات کو ہلکا ادا کرنے کا ذکر ہے۔
- معلوم ہوا کہ نمازِ عصر کی کوئی سننِ موکدہ نہیں کہ جن کا نبی کریم ﷺ دوام فرماتے ہوں۔
- علماء کا قول ہے کہ اگر ظہر سے پہلے کی دو رکعات رہ جائیں تو ان کو ظہر کے بعد ادا کر لیا جائے۔ البتہ پہلے سننِ بعدیہ ادا کرے پھر سننِ قبلیہ کو ادا کرے۔ جیسا کہ ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہی ذکر ہے۔ [1]
- اور نمازِ فجر سے پہلے کی سننِ راتبہ اگر رہ جائیں تو ان کو نمازِ فجر کے بعد بھی اور آفتاب کے طلوع ہو کر ایک نیزا کے بقدر ہو جانے کے بعد بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔
- مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ ان سنن کو نبی کریم ﷺ اپنے گھر میں ہی ادا فرمایا کرتے تھے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سب نمازوں کی سننِ راتبہ کی بابت اس بات کی تصریح کرتے ہیں۔ البتہ نمازِ ظہر میں اس بات کی تصریح نہیں کی۔ لیکن جنابِ رسول اللہ ﷺ کے طریقۂ مبارکہ سے یہ بات معروف ہے کہ آپ ﷺ سننِ راتبہ کو اپنے دولت خانہ پر ہی ادا فرمایا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''آدمی کی سب سے افضل نماز وہ ہے جو وہ اپنے گھر میں ادا کرے سوائے فرض نماز کے۔'' [2] جس سے معلوم ہوا کہ نمازِ ظہر کی سننِ راتبہ کا بھی گھر میں ہی ادا کرنا افضل ہے۔ چاہے آدمی مکہ یا مدینہ میں ہی کیوں نہ رہتا ہو۔
- نماز فجر کی سننِ راتبہ میں تخفیف مسنون اور افضل ہے۔ نماز فجر کی سننِ موکدہ کی بابت تین باتیں خاص ہیں:

(1) ایک یہ کہ یہ سب سے افضل سننِ موکدہ ہیں۔

(2) دوسری یہ کہ ان کی تاکید سفر و حضر دونوں میں ہے۔

(3) تیسری یہ کہ ان میں مخصوص قراءت ہے۔ وہ یہ کہ اس کی پہلی رکعت میں قُل یا ایھا الکافرون کی اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص کی قراءت کی جائے۔ یا اس کی پہلی رکعت میں ﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ .... وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ (البقرة: 136) کی اور دوسری رکعت میں: ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ .... فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ (آل عمران: 64) کی قراءت کی جائے۔ اور چونکہ نمازِ فجر کی سننِ راتبہ میں نبی کریم ﷺ سے ان دونوں طرح سے قراءت کرنا ثابت ہے، اس لیے کبھی ایک طرح اور کبھی دوسری طرح قراءت کرنا افضل ہے۔ البتہ اگر

---

[1] سنن ابن ماجه: 1154۔ مسند احمد: 447/5.

[2] صحيح البخاري: 731۔ صحيح مسلم: [illegible]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی ان سنتوں میں ان دونوں قسم کی قراءت کے علاوہ قراءت کرے تب بھی جائز ہے اور اگر کوئی ان سنتوں میں صرف قراءتِ فاتحہ پر ہی اقتصار کر لے تو یہ بھی جائز ہے۔

◈ ظہر اور عشاء کی سنن راتبہ میں کیا پڑھے؟ اس بابت کوئی روایت نہیں ملتی۔ رہی نمازِ مغرب کی سنن راتبہ تو ان کی بابت بھی ایک روایت میں سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص کے پڑھنے کا ذکر ملتا ہے۔لیکن اس حدیث میں نظر ہے۔

348- وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يَدَعُ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْغَدَاةِ)).

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز ظہر سے قبل چار رکعات کو اور نمازِ فجر سے قبل دو رکعات کو نہ چھوڑا کرتے تھے۔ ❶

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

شرح:...... گزشتہ روایت میں نمازِ ظہر سے قبل سنن راتبہ کی تعداد دو مذکور ہے۔ جبکہ اس روایت میں ان کی تعداد چار رکعات مذکور ہے۔ اب دونوں میں سے کس روایت کو لیا جائے اور کس کو ترک کیا جائے تو ایک قول یہ ہے کہ حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کو لیا جائے گا کیونکہ اس میں زیادتیٔ علم ہے۔ جبکہ ایک قول حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو لینے کا بھی ہے کیونکہ وہ تاکید کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کہ ''میں نے نبی کریم ﷺ سے دس رکعات کو (خوب) یاد کیا ہے۔''

تب پھر راجح قول یہ ہے کہ کبھی دو کو اور کبھی چار رکعات کو پڑھ لیا جائے۔ البتہ کوئی دو پڑھے تو بھی ٹھیک ہے اور اگر کوئی چار رکعت پڑھے تو بھی ٹھیک ہے۔

نمازِ فجر کی سنن راتبہ کی فضیلت

349- وَعَنْهَا رضی اللہ عنہا قَالَتْ: ((لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ تَعَاهُدًا مِنْهُ عَلَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَلِمُسْلِمٍ: ((رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا)).

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ (سنن و) نوافل میں سے کسی نماز کا بھی اتنا اہتمام نہ فرمایا کرتے تھے جتنا کہ (نمازِ) فجر (سے پہلے) کی دو رکعات کا فرماتے تھے۔ ❷ یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''نمازِ فجر کی دو رکعت (سنت) دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔'' ❸

غریب الحدیث:...... عَلَى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ: یہاں نوافل سے مراد وہ نمازیں ہیں جو فرض نمازوں کے تابع ہیں اور وہ سنن راتبہ ہیں۔

رَكْعَتَا الْفَجْرِ: یہ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ رَكْعَتَا تثنیہ کا صیغہ ہے جس کی نون اضافت کی وجہ سے گر گئی ہے اور تثنیہ کے صیغہ کے اعراب حروف کے ساتھ آتے ہیں۔ چنانچہ تثنیہ کی حالتِ رفعی الف کے ساتھ جبکہ حالتِ نصبی اور جری یا ماقبل مفتوح کے ساتھ ہوتی ہے۔

---

❶ صحيح البخاري: 1182. ❷ صحيح البخاري: 1169- صحيح مسلم: 724.
❸ صحيح مسلم: 725.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون حدیث:......اس حدیث میں نمازِ فجر کی سنن موکدہ کی اہمیت و فضیلت کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ سنن رواتب میں سے سفر و حضر دونوں میں سب سے زیادہ اہتمام فجر کی دو رکعات سنت موکدہ کا فرماتے تھے۔

سنن و نوافل اور وتر کا سفر و حضر میں ادا کرنا:......رہے نوافل تو آپ ﷺ سفر میں بھی ان کو ادا فرماتے تھے۔ البتہ سنن راتبہ میں سے سفر میں صرف سنن فجر کا اہتمام فرماتے تھے اور رہے وتر تو اُن کا شمار رواتب میں سے نہیں ہوتا۔ پس اس باب میں یہ تفصیل سامنے آئی کہ وتر کا شمار رواتب میں سے نہیں لہٰذا ان کو مسافر بھی ادا کرے گا۔ سنن راتبہ وہ نمازیں ہیں جو فرائض کے تابع ہیں۔ نبی کریم ﷺ ان میں سے سفر میں صرف فجر کی سنن راتبہ کا اہتمام فرماتے تھے تو حضر میں تو بدرجۂ اولیٰ ان کا اہتمام فرماتے تھے۔ رہے دیگر رواتب تو ان کو مقیم ادا کرے جبکہ مسافر کو ان کے ترک کی اجازت ہے چاہے وہ سفر میں کسی جگہ پڑاؤ ڈالے ہوئے ہی ہو اور رہے نوافل جیسے چاشت، تہجد، تحیۃ المسجد، اشراق، استخارہ وغیرہ کے نوافل تو ان کی مشروعیت مسافر کے حق میں بھی باقی ہے لہٰذا وہ ان کو سفر میں بھی ادا کرے گا۔

نماز فجر کی دو رکعات سنت کی فضیلت:......صحیح مسلم کی روایت میں ان کو دنیا و مافیہا سے بہتر بتلایا گیا ہے۔ دنیا سے مراد ساری دنیا ہے جو ہر زمانہ اور ہر مکان کو شامل ہے۔ ان دو رکعات کی فضیلت ظاہر ہے کیونکہ ان کا ثواب باقی اور دائمی ہے جبکہ دنیا اور جو کچھ اس دنیا میں ہے وہ زائل ہو جانے والا ہے۔ مذکورہ دعدہ بھی ان دو رکعات کے ازحد موکد ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی کو یہ دو رکعات ترک نہیں کرنی چاہئیں اور اسے ان کو ادا کرنے کا حریص ہونا چاہیے۔

تنبیہ:......یاد رہے کہ جب فرض نماز کھڑی ہو جائے تو ان سنتوں کو ادا نہ کیا جائے چاہے اس بات کا یقین ہو کہ وہ امام کو پا لے گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب نماز کھڑی ہو جائے تو اس وقت فرض نماز کے سوا کوئی نماز نہیں۔''❶ لا صلوٰۃ میں لا اگرچہ نفی کا ہے لیکن یہ نفی نہی کے معنی میں ہے۔ اس بنا پر مذکورہ لا کی نفی صحت کی نفی ہوگی۔ لہٰذا فرض نماز کھڑی ہو جانے پر شروع کی جانے والی سنت نماز باطل ہوگی اور شروع کرنے والا بھی گناہ گار ہوگا۔ چنانچہ فرض نماز کھڑی ہو جانے پر فجر کی سنن راتبہ کو یا تو امامؒ کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کرے یا پھر آفتاب کے طلوع ہو کر ایک نیزہ کے بقدر بلند ہو جانے کے بعد ادا کرے۔

رات دن کی سنن راتبہ کی فضیلت

350- وَعَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: ((مَنْ صَلَّى اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ بُنِيَ لَهُ بِهِنَّ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ)).

رَوَاهُ مُسْلِمٌ. وَفِي رِوَايَةٍ: ((تَطَوُّعًا)).

سیدہ ام حبیبہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ ''جس نے دن رات میں (سنن راتبہ کی) بارہ رکعات ادا کیں اس کے لیے ان رکعات کے بدلے میں جنت میں ایک گھر بنایا جائے گا۔''❷

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور ایک روایت میں ''بطور نفل'' کے الفاظ ہیں۔

وَلِلتِّرْمِذِيِّ نَحْوُهُ، وَزَادَ: ((أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ

جامع الترمذی میں بھی ایسی ہی ایک روایت ہے جس میں یہ الفاظ زائد ہیں: ''چار رکعت ظہر سے پہلے، دو رکعت ظہر کے بعد، دو

❶ صحيح مسلم: 710 عن ابي هريرة رضي الله عنه. ❷ صحيح مسلم: 728.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْمَغْرِبِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ)).

رکعت مغرب کے بعد، دو رکعت عشاء کے بعد اور دو رکعت نماز فجر سے پہلے۔''

شرح: ..... مذکورہ روایت بھی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گزشتہ مذکورہ روایت کی تائید کرتی ہے کہ نمازِ ظہر سے قبل کی سنن راتبہ کی تعداد چار رکعات ہے۔ غرض ان بارہ رکعات کی پابندی کے بدلے میں جنت میں ایک گھر ملے گا جس کا وعدہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے جس میں خلاف ورزی کا کوئی امکان نہیں۔ رہیں ظہر کی چار سنن قبلیہ تو ان کو دو سلاموں کے ساتھ ادا کیا جائے گا۔ کیونکہ مذکورہ روایت اس باب میں مطلق ہے اور مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے۔ جس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: ''رات اور دن کی نماز دو دو رکعت ہے۔'' ❶ کہ اس ارشاد سے صرف وتر کی نماز اپنی بعض صفات کی وجہ سے مستثنیٰ ہے جس کی تفصیل نمازِ وتر کے بیان میں آ جائے گی۔

غرض مذکورہ فضیلت کی روشنی میں مناسب یہ ہے کہ آدمی دس رکعات پر اقتصار کرنے کی بجائے بارہ سنن راتبہ ادا کرنے کا اہتمام کرے۔

نمازِ عصر اور نمازِ مغرب سے قبل نفل نماز کا بیان

وَلِلْخَمْسَةِ عَنْهَا: ((مَنْ حَافَظَ عَلَى أَرْبَعٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَأَرْبَعٍ بَعْدَهَا، حَرَّمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى عَلَى النَّارِ)).

ائمہ خمسہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے): ''جس نے ظہر سے قبل کی چار رکعات کی اور ظہر کے بعد کی چار رکعات کی حفاظت کی (یعنی ان کو پابندی کے ساتھ ادا کرتا رہا) تو رب تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ پر حرام فرما دے گا۔'' ❷

351- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً صَلَّى أَرْبَعًا قَبْلَ الْعَصْرِ)).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو عصر سے قبل چار رکعات ادا کرتا ہے۔'' ❸

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَحَسَّنَهُ. وَابْنُ خُزَيْمَةَ، وَصَحَّحَهُ.

اس حدیث کو امام احمد، امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ جبکہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو روایت کر کے اس کو صحیح کہا ہے۔

---

❶ جامع الترمذی: 415- امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن اور صحیح کہا ہے۔

❷ سنن ابی داود: 1269- جامع الترمذی: 427- سنن النسائی: 265/3- سنن ابن ماجہ: 1160- مسند احمد: 426/6- امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (1190) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے جبکہ امام نووی رحمہ اللہ نے ''المجموع'' (9/4) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (دیکھیں: التلخیص الحبیر: 13/2)

❸ مسند احمد: 117/2- سنن ابی داود: 1271- جامع الترمذی: 430- صحیح ابن خزیمۃ: 1193- صحیح ابن حبان: 2453- امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

352,353- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيِّ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((صَلُّوْا قَبْلَ الْمَغْرِبِ ، صَلُّوْا قَبْلَ الْمَغْرِبِ ، ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: ((لِمَنْ شَاءَ)) ، كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً.

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِابْنِ حِبَّانَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى قَبْلَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ.

وَلِمُسْلِمٍ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ: ((كُنَّا نُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَرَانَا ، فَلَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا)) .

حضرت عبداللہ بن مغفل المزنی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”مغرب سے قبل (دو رکعت نفل) نماز پڑھو، مغرب سے قبل نماز پڑھو۔“ اور تیسری مرتبہ فرمایا: ”جو چاہے۔“ اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ (مبادا) لوگ اس نماز کو سنت بنا لیں۔ ❶

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

اور صحیح ابن حبان کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مغرب سے قبل دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم غروب آفتاب کے بعد (فرض نماز سے قبل) دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ آپ ﷺ ہمیں دیکھتے تھے، مگر نہ تو ہمیں (اس نماز کے پڑھنے کا) حکم دیتے تھے اور نہ ہمیں منع ہی فرمایا کرتے تھے۔ ❷

شرح:...... مذکورہ روایات میں بعض نوافل کا بیان ہے جن میں بعض سننِ راتبہ ہیں۔ ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

ظہر سے پہلے اور بعد میں چار رکعات:...... ظہر سے پہلے کی چار رکعات سے سننِ راتبہ بھی مراد ہو سکتی ہیں اور غیر راتبہ بھی مراد ہو سکتی ہیں۔ جبکہ بعد کی چار رکعات میں ظہر کی سننِ بعدیہ کی دو رکعات بھی شامل ہو سکتی ہیں۔ غرض جو ان آٹھ رکعات کی محافظت کرے یعنی ان کو برابر پڑھتا چلا آئے اور بلا عذر ان کا ناغہ نہ کرے تو رب تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ کو حرام فرما دے گا۔

عصر سے پہلے کی چار رکعات:...... دوسری روایت میں عصر سے پہلے کی چار رکعات کا ذکر ہے۔ اس ارشاد نبوی میں نظر ہے۔ لیکن اگر ہم اس روایت کو صحیح مان بھی لیں تب بھی یہ روایت عصر سے پہلے کی چار رکعات کے استحباب پر دلالت کرتی ہے جو سننِ راتبہ نہیں۔

مغرب سے پہلے کی دو رکعات:...... یہ دو رکعات اذان کے بعد اور اقامت سے پہلے ادا کی جائیں گی۔ اس بابت دو روایات مذکور ہیں جن میں سنت کی تینوں قسموں کا ذکر ہے:

(1)...... **قول**:...... یہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے دو مرتبہ اس نماز کے ادا کرنے کو فرمایا اور تیسری مرتبہ میں یہ فرمایا کہ جو چاہے۔ تا کہ کوئی اس کو سنت نہ سمجھ لے۔ یعنی اس کو سنتِ راتبہ نہ گمان کر لے۔

(2)...... **فعل**:...... یہ صحیح ابن حبان کی روایت میں ہے۔

(3)...... **اقرار**:...... یہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے۔

---

❶ صحيح البخاري: 1183. ❷ صحيح مسلم: 836.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سننِ راتبہ اور نفل میں فرق

ان روایات میں سننِ راتبہ اور نفل میں فرق بیان کیا گیا ہے۔ کہ سنتِ راتبہ وہ ہے جس کو التزام کے ساتھ وجوب کے اعتقاد کے بغیر ادا کیا جاتا ہے۔ جبکہ نفل ایک طاری اور عارضی شے ہے جس کا ادا کرنا جائز ہوتا ہے جبکہ اس کے ترک میں کوئی حرج بھی نہیں ہوتا۔ یہی حکم نمازِ مغرب سے قبل کی دو رکعات نماز کا ہے کہ اسے سنتِ راتبہ نہ بنا لیا جائے بلکہ گاہے گاہے ادا کیا جائے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے بھی اس نماز کا بدون دوام کے ادا کرنا منقول ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:...... بعض دیگر روایاتِ صحیحہ میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نمازِ مغرب کو آفتاب کے غروب ہوتے ہی جلدی ادا کر لیا کرتے تھے تو اب اُن روایات میں اور مذکورہ روایات میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے۔ تو ان دو قسم کی روایات میں جمع کی صورت یہ ہوگی کہ اذانِ مغرب اور اقامت کے درمیان ادا کی جانے والی یہ نفل نماز خفیف ہوگی نہ کہ طویل تاکہ نمازِ مغرب کی ادائیگی میں تعجیل بھی ثابت ہو جائے۔

فجر کی دو رکعت سنت میں تخفیف کا اور ان کے بعد پہلو کے بل لیٹنے کا بیان

354- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُخَفِّفُ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ، حَتَّى إِنِّي أَقُولُ: أَقَرَأَ بِأُمِّ الْكِتَابِ؟))

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نمازِ فجر سے پہلے کی دو رکعت نماز کو (اس قدر) ہلکا ادا فرماتے تھے یہاں تک کہ میں یہ کہہ اٹھتی کہ کیا آپ ﷺ نے (ان دو رکعات میں) سورۂ فاتحہ (بھی) پڑھی ہے؟ (یا نہیں)۔ ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

355- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَرَأَ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ ((قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ)) وَ ((قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ)))).

رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فجر کی دو رکعت (سنت) نماز (کی پہلی رکعت) میں قُلْ يَآ اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور (دوسری رکعت میں) قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے تھے۔ ❷

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

356- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ)).

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ جب فجر کی دو رکعت سنت نماز ادا فرما لیتے تھے تو (کچھ دیر کے لیے) اپنے داہنے پہلو کے بل لیٹ جاتے تھے۔ ❸

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

357- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: ((إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمُ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تم میں سے ایک نمازِ فجر سے

❶ صحيح البخاري: 1171- صحيح مسلم: 724.
❷ صحيح مسلم: 726.
❸ صحيح البخاري: 1160.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صَلَاةِ الصُّبْحِ فَلْيَضْطَجِعْ عَلَى جَنْبِهِ الْأَيْمَنِ)). رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ.

پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے تو وہ (کچھ دیر کے لیے) اپنے داہنے پہلو کے بل لیٹ جائے۔'' ❶

اس حدیث کو امام احمد، امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

شرح:...... مذکورہ روایات میں نماز فجر کی دو رکعت سنت کی بابت تین باتیں مذکور ہیں:

(1)...... ان دو رکعات میں خاص سورتوں کی قراءت

(2)...... ان دو رکعات کو ہلکا ادا کرنا۔ ان دونوں باتوں پر گزشتہ صفحات میں کلام کیا جا چکا ہے۔

(3)...... ان دو رکعات کے بعد کچھ دیر کے لیے اپنے داہنے پہلو کے بل لیٹ جانا۔ جیسا کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں نبی کریم ﷺ کا ان دو رکعات کے بعد داہنے پہلو کے بل لیٹنا مذکور ہے یہاں تک کہ موذن آ کر آپ ﷺ کو نماز کی اطلاع دیا کرتا تھا۔ یہ روایت نمازِ فجر سے قبل سنتوں کی ادائیگی کے بعد تھوڑی دیر کے لیے سو رہنے کی مشروعیت کو بتلاتی ہے۔ البتہ علماء کا اس بارے اختلاف ہے کہ یہ سونا ''مطلق سنت'' ہے یا تہجد پڑھنے والے کے لیے سنت ہے تاکہ اسے قدرے راحت مل جائے اور وہ زیادہ نشاط کے ساتھ فجر کی فرض نماز میں ادا کر سکے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس بارے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے کہ یہ سونا تہجد پڑھنے والے کے لیے سنت ہے اور جو قیام اللیل نہ کرے اس کے حق میں یہ سونا سنت نہیں۔

رہا یہ قول کہ جو فجر کی سنتوں کے بعد ذرا دیر کو سونے کے لیے نہ لیٹے تو اس کی فرض نماز باطل ہو جائے گی۔ یہ ابن حزم رحمہ اللہ کا قول ہے۔ بلاشبہ یہ قول بے دلیل اور بے حد عجیب بھی ہے۔ اس کی دلیل میں مذکورہ بالا حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کو پیش کیا جاتا ہے جس میں نماز سے قبل سنتوں کے بعد ذرا دیر کو سونے کا حکم ہے۔ لیکن امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اس باب میں صحیح آپ ﷺ کا فعل ہے نہ کہ قول۔ پھر اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ اس باب میں قولِ رسول ﷺ بھی صحیح ہے تب بھی ہم جناب ابن حزم رحمہ اللہ کی خدمت میں...... اللہ انہیں معاف فرمائے...... یہ عرض کریں گے کہ بھلا نمازِ فجر سے قبل سو جانے کے امر کا نفسِ نمازِ فجر سے کیا تعلق ہے؟

قیام اللیل یعنی تہجد کی نماز کا بیان

358- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ((صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى، فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلَّى رَكْعَةً وَاحِدَةً، تُوتِرُ لَهُ مَا قَدْ صَلَّى)).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ پس جب تم میں سے کسی ایک کو فجر طلوع ہو جانے کا اندیشہ ہو تو وہ ایک رکعت نماز ادا کر لے کہ یہ ایک رکعت، جو اس نے نماز ادا کی ہے،

❶ مسند احمد: 415/2۔ سنن ابی داود: 1261۔ جامع الترمذی: 420۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ ''المجموع'' (35/4) میں فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کو امام ابوداؤد نے صحیحین کی شرط والی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

اس کو وتر بنا دے گی۔"❶

یہ حدیث "متفق علیہ" ہے۔

وَلِلْخَمْسَةِ. وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ. بِلَفْظِ: ((صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنٰى مَثْنٰى)). وَقَالَ النَّسَائِيُّ: هٰذَا خَطَأٌ .

اور ائمہ خمسہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں جس کو امام ابن حبان نے صحیح کہا ہے کہ "دن اور رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔"❷

امام نسائی فرماتے ہیں: یہ خطا ہے۔

359- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((أَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ ، صَلَاةُ اللَّيْلِ)).

أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز (یعنی تہجد کی نماز) ہے۔"❸

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

شرح:......ان روایات میں تہجد کی نماز کا بیان ہے۔

نمازِ تہجد کا حکم

یہ نماز سنتِ موکدہ ہے اور دن کے "مطلق نوافل" سے افضل ہے۔ رہے دن کے "مقید نوافل" یعنی سننِ راتبہ تو وہ نمازِ تہجد سے بہر حال افضل ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرض نماز کے بعد تہجد کی نماز کو سب سے افضل قرار دیا ہے کیونکہ یہ نماز ریا سے بے حد دُور ہے۔ اس وقت بندہ اپنے رب کے ساتھ تنہا ہوتا ہے اور اس کی اس عبادت کی خبر سوائے اس کے خالق پروردگار کے اور کسی کو نہیں ہوتی۔ اس نماز میں دن کی نماز سے زیادہ خشوع بھی ہوتا ہے اور بندہ کے اعضاء اور قلب اس نماز کو زیادہ قوت اور بشاشت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

تہجد کی ہیئت

یہ نماز دو دو رکعات کر کے ادا کی جائے گی۔ یعنی ہر دو رکعات پر سلام پھیرا جائے گا۔ البتہ وتر کی نماز اس حکم سے مستثنیٰ ہے لہٰذا وتر تین ہوں یا پانچ یا سات تو ان میں افضل یہ ہے کہ سب کو ایک سلام اور ایک تشہد کے ساتھ ادا کرے۔ البتہ جب وتر نو ہوں تو بہتر ہے کہ ایک تشہد آٹھویں رکعت پر اور ایک تشہد نویں رکعت پر ادا کرے اور ایک سلام کے ساتھ ان نو رکعات کو ختم کرے اور جب وتر گیارہ رکعت ہو تو ان کو دو دو رکعت کر کے ادا کرے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کیا کرتے تھے۔ دن کی نفل نماز بھی اسی طرح دو دو رکعات ہے اور سوائے فرضِ رباعی کے اور کوئی نماز چار رکعت (یعنی دو تشہد اور ایک سلام کے ساتھ چار رکعت) نہیں۔

تہجد کی رکعات کی تعداد

اس بارے میں نبی کریم ﷺ سے کوئی روایت مروی نہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس بارے میں کسی معین عدد کا ذکر نہیں فرمایا کہ جس میں کمی بیشی نہ کی جا سکتی ہو۔ البتہ نبی کریم ﷺ کا فعلِ مبارک یہ ہے کہ آپ ﷺ تہجد کی نماز گیارہ

---

❶ صحيح البخاري: 990۔ صحيح مسلم: 749.

❷ مسند احمد: 26/2۔ سنن ابی داود: 1295۔ جامع الترمذی: 597۔ سنن النسائی: 227/3۔ سنن ابن ماجه: 1322۔ اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (1210) اور امام ابن حبان (2482) نے صحیح کہا ہے، جبکہ امام بیہقی نے اپنی "السنن" (487/2) میں اس حدیث کی بابت امام بخاری رحمہ اللہ کی تصحیح کو نقل کیا ہے۔

❸ صحیح مسلم: 1163.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکعات سے زیادہ ادا نہ فرماتے تھے۔ اس باب میں آدمی اپنی بشاشت اور نشاط کو ملحوظ رکھے اور مناسب یہ ہے کہ گیارہ رکعت سے تجاوز نہ کرے۔ البتہ مَثْنٰی مَثْنٰی کے الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ گیارہ کے عدد سے تجاوز کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ جو گیارہ سے زیادہ رکعات کو حرام کہتا ہے اس کا قول بھی بے دلیل ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ رمضان میں افضل گیارہ رکعات سے زیادہ نماز ادا کرنا ہے، اس کا قول بھی مردود ہے۔ اس کی مزید تفصیل کِتَابُ الصِّيَامِ میں نمازِ تراویح کے تحت آ جائے گی۔

نمازِ وتر کا بیان

360- وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رضي الله عنه أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((الْوِتْرُ حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ، مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوتِرَ بِخَمْسٍ فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوتِرَ بِثَلَاثٍ فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوتِرَ بِوَاحِدَةٍ فَلْيَفْعَلْ)).

رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَرَجَّحَ النَّسَائِيُّ وَقْفَهُ.

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''وتر کی نماز (کا ادا کرنا) ہر مسلمان پر حق (یعنی واجب) ہے، پس جو پانچ رکعات وتر ادا کرنا چاہے وہ پانچ ادا کر لے اور جو تین رکعات وتر ادا کرنا چاہے وہ تین رکعات ادا کر لے اور جو ایک رکعت وتر ادا کرنا چاہے وہ ایک رکعت ادا کر لے۔'' [1]

اس حدیث کو ائمہ اربعہ نے روایت کیا ہے سوائے امام ترمذی رحمہ اللہ کے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور امام نسائی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے موقوف ہونے کو راجح قرار دیا ہے۔

361- وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضي الله عنه قَالَ: لَيْسَ الْوِتْرُ بِحَتْمٍ كَهَيْئَةِ الْمَكْتُوبَةِ، وَلَكِنْ سُنَّةٌ سَنَّهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ.

رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ، وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ.

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز فرض نماز کی طرح واجب نہیں، البتہ یہ نماز سنت ہے جس کا نبی کریم ﷺ نے طریقہ جاری فرمایا ہے (یعنی جس کو نبی کریم ﷺ نے ادا فرمایا ہے)۔ [2]

اس حدیث کو امام نسائی اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ جبکہ امام حاکم نے اس حدیث کو روایت کر کے اس کو صحیح کہا ہے۔

نماز وتر کا حکم

یہ نوافل کا بیان چل رہا ہے جن میں سے ایک نماز وتر کی نماز بھی ہے۔ اس کے واجب یا سنت ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے اس کو واجب قرار دیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ارشاد نبوی ہے: ''وتر حق (یعنی واجب) ہے پس جو وتر نہ پڑھے

---

[1] سنن ابی داود: 1422- سنن النسائی: 238/3- امام نووی رحمہ اللہ ''المجموع'' (23/4) میں فرماتے ہیں: امام ابوداود رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ سنن ابن ماجہ: 1190- صحیح ابن حبان: 2407- المستدرك للحاكم: 444/1- امام حاکم نے اس روایت کو شیخین رحمہما اللہ کی شرط پر قرار دیا ہے۔

[2] جامع الترمذی: 454- امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ سنن النسائی: 229/3- مسند احمد: 115/1- المستدرك للحاکم: 442/1- حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ المختارة للضياء المقدسی: 137/2- ضیاء مقدسی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ ہم میں سے نہیں۔'' جبکہ دوسرے علماء کے نزدیک وتر واجب نہیں کیونکہ رب تعالیٰ نے صرف پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا میرے ذمہ ان کے علاوہ بھی کوئی نماز ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''نہیں! مگر جو تم نفل پڑھو۔'' جبکہ بعض علماء کا یہ قول ہے کہ نمازِ وتر اگرچہ فرض نہیں لیکن جو نمازِ تہجد پڑھنے کا عادی ہو اس کے حق میں وتر واجب ہیں شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا مختار قول بھی یہی ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ارشاد نبوی ہے: ''اپنی رات کی آخری نماز وتر کو بناؤ۔''[1]

البتہ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ وتر سنت ہے نہ کہ مطلق واجب اور اس بارے وارد اوامر کو استحباب پر محمول کیا جائے گا اور اس باب میں وارد لفظ ''حق'' کو تاکید کے معنی پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ دیگر نصوص اس بابت صریح ہیں کہ واجب نمازیں پانچ ہی ہیں۔ البتہ یہ سنت بے حد موکدہ ہے لہٰذا وتر کا ترک مناسب نہیں اور امام احمد رحمہ اللہ نے تو تارک وتر کو مردود الشہادۃ اور برا آدمی قرار دیا ہے۔ اس لیے وتر کی نماز کو اہتمام سے ادا کرنا چاہیے۔

www.KitaboSunnat.com

362- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہما ((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَامَ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ ، ثُمَّ انْتَظَرُوْهُ مِنَ الْقَابِلَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ ، وَقَالَ : إِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ يُكْتَبَ عَلَيْكُمُ الْوِتْرُ)) . رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ .

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نے ماہِ رمضان میں قیام اللیل فرمایا۔ پھر لوگ اگلی رات آپ ﷺ کا انتظار کرتے رہے مگر آپ ﷺ باہر تشریف نہ لائے اور (بعد میں) ارشاد فرمایا: ''مجھے اس بات کا اندیشہ ہوا کہ (مبادا) وتر کی نماز تم لوگوں پر فرض کر دی جائے۔''[2]

اس حدیث کو امام حبان رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

شرح:...... مشہور یہ ہے، جیسا کہ اس میں بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو اپنی امامت میں قیام اللیل کروایا، پھر اس کو اس ڈر سے چھوڑ دیا کہ مبادا یہ نماز لوگوں پر فرض ہو جائے۔ مذکورہ قیام سے ماہ رمضان کا قیام اللیل مراد ہے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو تین راتوں تک ماہِ رمضان کا قیام اللیل کروایا تھا پھر ترک فرما دیا۔ نبی کریم ﷺ کا یہ اندیشہ درست تھا کیونکہ بسا اوقات جب بندے ایک بات کا التزام کرنے لگتے ہیں تو رب تعالیٰ بھی ان پر اس بات کو فرض کر دیتے ہیں جیسا کہ بنی اسرائیل نے رہبانیت کی بنیاد رکھی اور اسے اپنے اوپر لازم کیا حالانکہ اسے رب تعالیٰ نے ان پر فرض نہ کیا تھا تو یہی رہبانیت ان پر لازم کر دی گئی۔

363,364- وَعَنْ خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِنَّ اللّٰـهَ أَمَدَّكُمْ بِصَلَاةٍ هِيَ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ)) ، قُلْنَا : ((وَمَا هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟)) قَالَ : ((الْوِتْرُ ، مَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى طُلُوْعِ الْفَجْرِ)) .

حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''رب تعالیٰ نے تم لوگوں کو ایک اور نماز مزید عطا فرمائی ہے جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔'' ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ کون سی نماز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (وہ نماز) وتر ہے جو نمازِ عشاء سے لے کر طلوع فجر تک ہے۔'' (یعنی وتر کی نماز کو اس سارے وقت کے

---

[1] صحيح البخاري: 472- صحيح مسلم: 749.

[2] صحيح ابن حبان: 2409- المختصر للمقريزي: 19- اس کتاب کے محقق نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوران پڑھا جا سکتا ہے)۔ [1]

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے، سوائے امام نسائی رحمہ اللہ کے اور امام حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

وَرَوَى أَحْمَدُ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ نَحْوَهُ.

اور امام احمد رحمہ اللہ نے ایسی ہی ایک روایت عن عمرو بن شعیب عن ابیہ، عن جدہ کی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ [2]

نماز وتر کا مسنون وقت

مذکورہ حدیث میں نمازِ وتر کا مسنون وقت بیان کیا گیا ہے کہ وہ نمازِ عشاء کے بعد سے لے کر طلوعِ فجر تک ہے اور جب آدمی کا ارادہ تہجد میں اٹھنے کا ہو تو وتر کا مستحب وقت نمازِ تہجد کے بعد کا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''اپنی رات کی آخری نماز وتر کو بناؤ۔'' لیکن اگر کوئی نمازِ عشاء کے بعد کی سننِ راتبہ نہ پڑھنا چاہے اور فرض کے بعد وتر پڑھ لے تو یہ بھی صحیح ہے۔ کیونکہ نماز عشاء کے بعد وتر کا وقت داخل ہو چکا ہوتا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی اپنے مشاغل کی بنا پر نماز عشاء سے قبل وتر پڑھے گا تو یہ نماز صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ نماز وتر کا وقت نمازِ عشاء کی ادائیگی کے بعد شروع ہوتا ہے نہ کہ اس سے پہلے، اگرچہ نماز عشاء کا وقت داخل بھی ہو چکا ہو۔

آگے اِلٰی طُلُوْعِ الْفَجْرِ کے الفاظ ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ فجر طلوع ہوتے ہی وتر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی کی آنکھ طلوعِ فجر کے بعد کھلی ہے تو وہ اس وقت وتر کی نماز ادا نہ کرے۔ کیونکہ اب وتر کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ البتہ ایک روایت میں اس بات کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ رات کو رہ جانے والی نماز کی دن چڑھے قضاء ادا فرمایا کرتے تھے۔

365,366- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((الْوِتْرُ حَقٌّ، فَمَنْ لَمْ يُوتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا)).

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''نمازِ وتر حق (یعنی از حد موکد) ہے پس جو وتر نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں۔'' [3]

أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ بِسَنَدٍ لَيِّنٍ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

اس حدیث کو امام ابوداود رحمہ اللہ نے نرم سند کے ساتھ روایت کیا ہے جبکہ امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

شرح:......اس حدیث پر (حدیث رقم: 360، 361 کے تحت) تفصیلی کلام کیا جا چکا ہے۔

وَلَهُ شَاهِدٌ ضَعِيفٌ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عِنْدَ

مسند احمد میں اس حدیث کا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک

---

[1] سنن ابی داود: 1418- جامع الترمذی: 452- سنن ابن ماجہ: 1168- المستدرك للحاکم: 448/1- امام بخاری رحمہ اللہ نے ''التاریخ'' (203/3) میں اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[2] مسند احمد: 180/2- سنن الدارقطنی: 31/2- امام دارقطنی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ (دیکھیں: المجروحین لابن حبان: 73/2)

[3] سنن ابی داود: 1419- مسند احمد: 357/5- المستدرك للحاکم: 448/1- اس حدیث کی سند میں ابوالمنیب العتکی ہے جو ضعیف ہے۔ (دیکھیں: الترغیب والترھیب للمنذری (230/1) ابن جوزی ''العلل'' (447/1) میں آتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَحْمَدَ .

ضعیف شاہد بھی ہے۔ ❶

367,368- وَعَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ: ((مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَزِيْدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً ، يُصَلِّيْ أَرْبَعًا ، فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ، ثُمَّ يُصَلِّيْ أَرْبَعًا ، فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ، ثُمَّ يُصَلِّيْ ثَلَاثًا ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوْتِرَ ؟ قَالَ: ((يَا عَائِشَةُ! إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ)) .

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں (قیام اللیل میں) گیارہ رکعات سے زیادہ نماز ادا نہ فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ چار رکعات ادا فرماتے۔ پس تم ان کی خوبصورتی اور طوالت کی بابت مت پوچھو، پھر آپ ﷺ چار رکعات (اور) ادا فرماتے (یہ آٹھ رکعات ہوگئیں) پس تم ان کی خوبصورتی اور طوالت کی بابت (بھی) مت پوچھو، پھر آپ ﷺ تین رکعات ادا فرماتے (یوں یہ کل گیارہ ہوگئیں)۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے خدمتِ نبوی میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ﷺ وتر ادا کرنے سے قبل سو بھی جاتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! بے شک میری دونوں آنکھیں تو سو جاتی ہیں مگر میرا دل نہیں سوتا۔'' ❷

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا عَنْهَا : ((كَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ عَشْرَ رَكَعَاتٍ ، وَيُوْتِرُ بِسَجْدَةٍ ، وَيَرْكَعُ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ ، فَتِلْكَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ)) .

اور صحیحین کی ہی ایک روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ رات کو دس رکعات ادا فرمایا کرتے تھے اور ایک رکعت وتر پڑھتے تھے اور (پھر فجر طلوع ہو جانے پر) نماز فجر کی دو رکعت نماز (سنت) ادا فرماتے تھے۔ پس (یوں) یہ تیرہ رکعات ہوئیں۔

شرح :......اس روایت میں بھی اس بات کا بیان ہے کہ آپ ﷺ رات کو گیارہ رکعات نماز ادا فرمایا کرتے تھے اور آپ ﷺ کا یہ معمول رمضان اور غیر رمضان دونوں میں یکساں تھا۔ رہا یہ سوال کہ آپ ﷺ یہ نماز کس طرح ادا فرماتے تھے چار چار رکعات کر کے یا دو دو رکعات کر کے؟ تو یُصَلِّيْ أَرْبَعًا کے الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ چار رکعات ایک سلام کے ساتھ پھر چار رکعات ایک سلام کے ساتھ اور پھر تین رکعات ایک سلام کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔

البتہ ان الفاظ میں یہ بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ چار رکعات ادا تو دو سلاموں کے ساتھ کرتے ہوں البتہ یہ چار رکعات اپنے حسن وخوبی اور طوالت میں ایک جیسی ہوتی ہوں جن کو یُصَلِّيْ أَرْبَعًا کے الفاظ کے ساتھ بیان فرما دیا۔ پس آپ ﷺ

❶ مسند احمد: 443/2- اس حدیث کی سند میں خلیل بن مرہ ہے۔ جس کو امام بخاری رحمہ اللہ اور ابو حاتم نے ضعیف کہا ہے۔ جبکہ ابو زرعہ کہتے ہیں: یہ صالح کا شیخ ہے۔ (دیکھیں: مجمع الزوائد: 240/2)

❷ صحیح البخاری: 1147- صحیح مسلم: 738.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہر دو رکعات پر سلام پھیرتے ہوں اور آخر میں تین رکعات وتر ایک سلام کے ساتھ ادا فرماتے ہوں۔ غرض ان الفاظ میں یہ دونوں احتمال موجود ہیں۔ البتہ ارشاد نبوی ﷺ: ''رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔'' دوسرے احتمال کی تائید کرتا ہے اور یہ دوسرا احتمال اقرب دکھائی دیتا ہے۔ رہا گیارہ سے کم یا زیادہ رکعات کا ادا کرنا تو اس کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا دل ہمہ وقت بیدار رہتا تھا:...... مذکورہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کا دل سوتے میں بھی بیدار رہتا تھا البتہ آپ ﷺ کی آنکھیں اشیاءِ محسوسہ سے سو رہتی تھیں اور رہیں وہ باتیں جن کا تعلق قلب سے ہوتا ہے تو ان کی طرف سے آپ ﷺ کا دل ہمہ وقت بیدار رہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک سفر میں آپ ﷺ بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ رات کے آخری حصہ میں شدید تکان کے بعد سو رہنے سے نمازِ فجر سے سوتے رہ گئے تھے۔ لیکن چونکہ آپ ﷺ کا دل بیدار رہتا تھا اس لیے علماء کا قول ہے کہ آپ ﷺ کو کبھی احتلام نہ ہوتا تھا اور نہ سونے سے آپ ﷺ کا وضو ہی ٹوٹتا تھا۔ کیونکہ احتلام شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور اس وقت ہوتا ہے جب دل سو جاتا ہے۔

نمازِ وتر کے طریقے

369- وَعَنْهَا قَالَتْ رضي الله عنها: ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ، يُوتِرُ مِنْ ذٰلِكَ بِخَمْسٍ ، لا يَجْلِسُ فِي شَيْءٍ إِلَّا فِي آخِرِهَا)).

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ رات کو تیرہ رکعات ادا فرماتے تھے۔ ان میں پانچ رکعات کے ساتھ وتر پڑھتے تھے اور ان میں صرف آخر میں بیٹھتے تھے۔ ❶

370- وَعَنْهَا رضي الله عنها قَالَتْ: ((مِنْ كُلِّ اللَّيْلِ قَدْ أَوْتَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ، وَانْتَهَى وِتْرُهُ إِلَى السَّحَرِ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِمَا .

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ نے رات کے ہر حصہ میں وتر کی نماز ادا فرمائی ہے پس آپ ﷺ کے وتر سحر تک (جا کر) ختم ہوتے تھے۔ ❷

یہ دونوں احادیث ''متفق علیہ'' ہیں۔

نماز وتر ادا کرنے کے مختلف طریقے

پہلی روایت میں یہ مذکور ہے کہ کبھی کبھی آپ ﷺ پانچ رکعات وتر ایک سلام اور ایک تشہد کے ساتھ ادا فرماتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ پانچویں رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھتے تھے۔ یہ وتر ادا کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ کیونکہ وتر ایک، تین، پانچ، سات، نو اور گیارہ رکعات بھی ہیں۔

تین رکعات وتر میں آدمی کو اختیار ہے، چاہے تو وہ دو رکعات پڑھ کر سلام پھیر دے، پھر تیسری رکعت کو تشہد اور سلام کے ساتھ ادا کرے اور چاہے تو تینوں رکعات کو اکٹھا البتہ ایک تشہد اور سلام کے ساتھ ادا کرے تاکہ دو تشہد کی صورت میں نمازِ وتر نمازِ مغرب کے مشابہ نظر نہ آنے لگے اور اگر پانچ رکعات وتر پڑھے تو سب کو ایک تشہد کے ساتھ ادا کرے۔ جیسا کہ اس

---

❶ اس روایت کو صرف امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی ''الصحيح'' (737) میں روایت کیا ہے۔ جیسا کہ امام موصوف رحمہ اللہ نے ''التلخيص الحبير'' (15/2) میں اس کو ذکر کیا ہے۔

❷ صحيح البخاري: 996- صحيح مسلم: 745.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایت میں مذکور ہے اور سات رکعات وتر بھی اسی طرح ادا کرے جیسا کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے اور جب وتر نو رکعات پڑھے تو آٹھ رکعات پر ایک تشہد اور ایک تشہد نویں رکعت پر کرے اور سلام پھیرے اور جب گیارہ رکعات وتر پڑھے تو ہر دو رکعت کو ایک سلام کے ساتھ ادا کرے اور آخر میں ایک رکعت وتر پڑھے جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ غرض نبی کریم ﷺ سے ان سب طریقوں کے ساتھ وتر کی نماز ادا کرنا وارد اور ماثور ہے۔ آدمی ان مذکورہ مروی طریقوں میں سے جس طرح بھی وتر پڑھے، ادا ہو جائیں گے۔

وتر کی نماز رات کے ہر حصہ میں جائز ہے:...... دوسری روایت میں یہ مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رات کے ہر حصہ میں وتر کی نماز ادا فرمائی ہے، اول شب میں بھی، وسطِ شب میں بھی اور اخیر شب میں بھی۔ یعنی آپ ﷺ نے گاہے گاہے رات کے ان تینوں اوقات میں نمازِ وتر ادا فرمائی ہے جس کا مدار طبیعت کی نشاط پر ہوتا تھا۔ البتہ آپ ﷺ نے اکثر اخیر شب میں وتر پڑھے ہیں۔

فَانْتَهٰی وِتْرُهُ اِلَی السَّحَرِ: یہ الفاظ اس بات کی دلیل ہیں نمازِ وتر کا وقت فجر طلوع ہو جانے پر ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

قیام اللیل اور وتروں کی ترغیب

371- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((يَا عَبْدَ اللّٰهِ! لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ، كَانَ يَقُوْمُ مِنَ اللَّيْلِ، فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا: ''اے عبداللہ! فلاں کے جیسا مت بننا کہ وہ رات کو قیام کیا کرتا تھا پھر اس نے قیام اللیل کرنا ترک کر دیا۔'' ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:...... **لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ:** وہ فلاں مذکورہ روایت میں مبہم ہے۔ ہوسکتا ہے کہ خود جنابِ رسول اللہ ﷺ کے کلام میں وہ صاحب مبہم رہے ہوں کہ ان صاحب کی پردہ پوشی خود جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جناب عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے کلام میں یہ ابہام باقی رہ گیا ہو جبکہ نبی کریم ﷺ نے تو ان صاحب کی تعیین فرما دی ہو۔ لیکن حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ نے ان صاحب کی پردہ پوشی کرتے ہوئے ان کا نام لینا پسند نہ کیا ہو۔ غرض صورت جو بھی رہی ہو مقصود حدیث کا حکم اور معنی ہے نہ کہ اس شخص کی تعیین۔ کیونکہ مذکورہ حدیث میں بیان کردہ کوئی حکم ان صاحب کی تعیین سے متعلق نہیں۔

مضمون حدیث:...... اس حدیث میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ آدمی کو کوئی عبادت معمول بنا لینے کے بعد اس کو ترک کر دینا مناسب نہیں۔ کیونکہ رب تعالیٰ کو وہ عمل محبوب ہے جس میں دوام ہو چاہے وہ عمل قلیل ہی ہو۔ کیونکہ معمول بنا لینے کے بعد کسی عمل کو ترک کر دینے سے دوسری عبادات میں بھی سہل انگاری پیدا ہونے لگتی ہے۔

372- وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَوْتِرُوْا يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ!

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اے قرآن والو! وتر پڑھا کرو۔

❶ صحيح البخاري: 1152- صحيح مسلم: 1159.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَإِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ)) . کیونکہ رب تعالیٰ کی ذات وتر ہے اور وہ وتر کو پسند کرتا ہے۔'' ❶

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ . اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:......يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ: مذکورہ حدیث میں خاص اہلِ قرآن کو وتر پڑھنے کو کہا گیا ہے کیونکہ یہ اہل قرآن ہی تو ہیں جو راتوں کو رب تعالیٰ کی کتاب کو اپنی عبادت میں تلاوت کرتے ہیں۔ جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ﴾ (الزمر: 9)

''(کیا یہ بہتر ہے) یا وہ شخص جو رات کی گھڑیوں میں سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے عبادت کرنے والا ہے، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے؟''

إِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ: وِتْرٌ سے مراد رب تعالیٰ کا یکتا اور اکیلا ہونا ہے جس کی الوہیت اور ربوبیت میں اور اس کے اسماء و صفات میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ يُحِبُّ الْوِتْرَ: اس میں رب تعالیٰ کے لیے صفت محبت کا اثبات ہے۔ رب تعالیٰ کی محبت کا تعلق اعمال، اماکن اور عاملین تینوں سے ہے۔ چنانچہ کتاب و سنت کی متعدد نصوص میں اس بات کا ذکر ہے کہ رب تعالیٰ کو فلاں فلاں بندے اور فلاں فلاں عمل اور فلاں فلاں جگہیں محبوب ہیں۔ اب رب تعالیٰ کے وتر کو پسند کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ بندہ ہر کام وتر ہی کرے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ رب تعالیٰ کو وتر محبوب ہے چنانچہ وہ جس چیز کو چاہے وتر پر شروع کرے اور جس چیز کو چاہے وتر پر پیدا کرے۔ چنانچہ زمینوں اور آسمانوں کی تعداد وتر ہے، جو سات ہے۔ نمازیں پانچ ہیں جو وتر ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ غرض ایتار عبادات میں ہے اور عبادات میں ایتار توقیفی ہے۔ لہٰذا جہاں جہاں ایتار وارد ہوگا وہیں وہیں ایتار مشروع ہوگا نہ کہ یہ مراد ہے کہ بندہ عبادات و معاملات میں جو بھی کرے وتر کرے۔

قیام اللیل میں آخری نماز وتر ہو

373- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((اجْعَلُوْا آخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا)) . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اپنی رات کی نماز کا اخیر نماز وتر کو بناؤ۔'' ❷

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

شرح:...... مذکورہ حدیث میں قیام اللیل میں آخری نماز وتر کو بنانے کا حکم ہے۔ چنانچہ جب آدمی تہجد سے فارغ ہو کر سونے کا ارادہ کرے تو اخیر میں وتر کی نماز ادا کرے۔ یہی افضل اور مامور بہ ہے۔ البتہ یہ حکم اس کے حق میں ہے جسے اخیر شب میں بیدار ہونے کا یقین ہو اور جسے اس بات کا یقین نہ ہو وہ نمازِ عشاء کے بعد ہی وتر پڑھ سکتا ہے۔ پھر اگر کسی نے سونے سے قبل وتر پڑھ لیے اور اخیر شب میں بھی آنکھ کھل گئی تو وہ تہجد پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ حدیث میں وتر کے بعد نماز نہ پڑھنے کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ اب وتر نہ پڑھے گا جیسا کہ آگے آ رہا ہے کہ ایک رات میں وتر دو بار نہ ہوں گے۔

---

❶ سنن ابی داود: 1416۔ جامع الترمذی: 453۔ امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ سنن النسائی: 228/3۔ سنن ابن ماجہ: 1169۔ مسند احمد: 110/1۔ صحیح ابن خزیمة: 1067۔ المستدرك للحاكم: 441/1۔ ضیاء مقدسی نے ''المختارة'' (138/2) میں اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

❷ صحیح البخاری: 472۔ صحیح مسلم: 749۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک رات میں وتر دو بار نہیں

374- وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ رضي الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((لَا وِتْرَانِ فِيْ لَيْلَةٍ)).

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے: ''ایک رات میں دو (بار) وتر نہیں۔'' ❶

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالثَّلَاثَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

اس حدیث کو امام احمد اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث :......لَا وِتْرَانِ: یہ تین کی نفی کو بھی شامل ہے کیونکہ دو کی نفی تین کی نفی کو شامل ہوتی ہے۔اس روایت میں ان لوگوں کا ردّ ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ جس نے اوّل شب میں ایک بار یہ گمان کر کے وتر پڑھ لیے کہ اخیر شب میں اس کی آنکھ نہ کھلے گی، لیکن کھل گئی تو اب نمازِ تہجد کے بعد وہ وتر دوبارہ پڑھے گا۔ چنانچہ پہلے وہ ایک رکعت پڑھ کر اول لیل کے وتر کو شفع بنادے گا پھر حسبِ توفیق تہجد پڑھ کر اخیر میں تہجد پڑھے گا کہ یہ قول ضعیف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اوّل لیل میں وتر پڑھ لینے والا اگر اخیر شب میں بیدار ہو گیا ہے تو اب وہ حسبِ توفیق دو دو رکعات نماز پڑھے گا۔ جبکہ اس کے پہلے کے وتر اپنی جگہ ادا باقی ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یہ تو فرمایا ہے کہ ''اپنی رات کی آخری نماز وتر کو بناؤ۔'' مگر یہ نہیں فرمایا کہ ''وتروں کے بعد کوئی نماز نہ پڑھو۔''

وتروں میں کی جانے والی قراءت کا بیان

375,376- وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضي الله عنه قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوْتِرُ ((بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى)) وَ ((قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ)) وَ ((قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ)).

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ وتر کی نماز (کی پہلی رکعت) میں **سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى** (الاعلی: 1) اور (دوسری رکعت میں) **قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ** (الکافرون: 1) اور (تیسری رکعت میں) **قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ** (الاخلاص: 1) پڑھتے تھے۔ ❷

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ: ((وَلَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِيْ آخِرِهِنَّ)).

اس حدیث کو امام احمد، امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے اور سنن النسائی کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں: ''اور وتروں کے آخر میں ہی سلام پھیرتے تھے۔''

وَلِأَبِيْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيِّ نَحْوُهُ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها، وَفِيْهِ: ((كُلُّ سُوْرَةٍ فِيْ

اور ایسی ہی ایک روایت سنن ابی داؤد اور جامع الترمذی میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: ہر سورت

---

❶ سنن ابی داود: 1439- جامع الترمذی: 470- امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ سنن النسائی: 229/3- مسند احمد: 23/4- صحیح ابن خزیمۃ: 1101- صحیح ابن حبان: 2449- امام ابن حجر رحمہ اللہ نے "الفتح" (481/2) میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

❷ سنن ابی داود: 1423- سنن النسائی: 244/3- مسند احمد: 123/5- المستدرك للحاکم: 282/2- امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَكْعَةٍ)). وَفِي الْأَخِيرَةِ ((قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ)) وَ ((الْمُعَوِّذَتَيْنِ)).

ایک رکعت میں اور آخری رکعت میں سورۂ اخلاص کے ساتھ معوذتین بھی پڑھتے تھے۔ ❶

شرح :......ان دونوں روایات میں اس بات کا بیان ہے کہ وتر کی تینوں رکعات میں کیا پڑھا جائے۔ البتہ وتروں میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کا وجوب ارشاد نبوی: ''اس کی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔'' کے عموم سے ثابت ہے۔ اب چونکہ وتر کی تینوں رکعات کی متعین قراءت وارد ہے اس لیے انہی سورتوں کی قراءت افضل ہے۔ رہی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا تو چونکہ اس میں ایک اضافہ مذکور ہے لہٰذا اگر کوئی وتروں کی تیسری رکعت میں سورۂ اخلاص کے ساتھ معوذتین کی قراءت بھی کرے تو خوب ہے وگرنہ کوئی حرج نہیں۔

نمازِ وتر کا اخیر وقت

377- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((أَوْتِرُوا قَبْلَ أَنْ تُصْبِحُوا)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''صبح ہو جانے سے پہلے (پہلے) وتر پڑھ لو۔'' ❷ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

وَلِابْنِ حِبَّانَ: ((مَنْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ وَلَمْ يُوتِرْ، فَلَا وِتْرَ لَهُ)).

اور صحیح ابن حبان کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: جس کی صبح نے (اسے) اس حال میں آ لیا (یعنی جس نے اس حال میں صبح کی) کہ اس نے (ابھی تک) وتر نہیں پڑھے تو اس کے کوئی وتر نہیں۔ (یعنی اب اس کے لیے وتروں کے ادا کرنے کا وقت نہیں رہا) ❸

شرح :......ان دونوں روایات میں یہ بات مذکور ہے کہ وتروں کا آخری وقت فجر کے طلوع ہو جانے تک ہے، اس کے بعد وتروں کے ادا کرنے کا وقت باقی نہیں رہتا۔ بخلاف ان علماء کے جن کے نزدیک فجر کے طلوع ہو جانے کے بعد نمازِ فجر سے قبل وتر ادا کر سکتے ہیں۔ جبکہ حدیث کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فجر طلوع ہو جانے کے بعد وتروں کا وقت باقی نہیں رہتا۔ رہا یہ سوال کہ جو رات کو اپنے وتر نہ پڑھے وہ کیا کرے؟ تو وہ وہی کرے جو نبی کریم ﷺ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی جب رات کی نماز نیند کے غلبہ یا کسی تکلیف کی وجہ سے رہ جاتی تھی جو کہ گیارہ رکعات ہوتی تھیں تو آپ ﷺ دن میں ایک رکعت اور ملا کر بارہ رکعات ادا کرتے تھے۔ چنانچہ جس کی عادت تین رکعات پڑھنے کی تھی تو وہ دن میں چار رکعات ادا کرے، پانچ کی عادت تھی تو چھ رکعات ادا کرے۔

یہ حدیث اور نبی کریم ﷺ کا فعلِ مبارک اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عباداتِ موقتہ جب اپنے وقت پر ادا ہونے سے رہ جائیں تو ان کو وقت کے بعد بھی ادا کرنا صحیح نہیں ہوتا جیسے کہ ان عبادات کو قبل از وقت ادا کرنا صحیح نہیں ہوتا۔

---

❶ سنن ابی داود: 1424- جامع الترمذی: 463- امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

❷ صحیح مسلم: 754.

❸ صحیح ابن حبان: 2408- صحیح ابن خزیمہ: 1092- المستدرك للحاكم: 443/1- امام حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

378۔ وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ نَامَ عَنِ الْوِتْرِ أَوْ نَسِيَهُ، فَلْيُصَلِّ إِذَا أَصْبَحَ أَوْ ذَكَرَ)).

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو وتر پڑھنے سے سورہے یا ان کو (ادا کرنا) بھول جائے تو جب صبح کرے یا جب یاد آئے تو (ان کو) ادا کرلے۔'' ❶

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے سوائے امام نسائی کے۔

شرح:...... مذکورہ حدیث میں رہ جانے والے وتروں کو صبح ہو جانے پر یا یاد آجانے پر ادا کرنے کا ذکر تو ہے مگر ان کی ادائیگی کی کیفیت مذکور نہیں، جس کا بیان نبی کریم ﷺ کے فعل میں ہے جس کی تفصیل اوپر مذکور ہو چکی ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ردّ

379۔ وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ خَافَ أَنْ لَا يَقُوْمَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ أَوَّلَهُ، وَمَنْ طَمِعَ أَنْ يَقُوْمَ آخِرَهُ فَلْيُوْتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ، فَإِنَّ صَلَاةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْدَةٌ، وَذٰلِكَ أَفْضَلُ)).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جسے اس بات کا ڈر ہو کہ وہ اخیر شب میں نہ اٹھے گا تو وہ شب کے اوّل میں ہی وتر پڑھ لے اور جسے اس بات کی امید ہو کہ وہ اخیر شب میں (بیدار ہو کر نماز کے لیے) اٹھ کھڑا ہوگا تو اخیر شب میں وتر پڑھے کیونکہ اخیر شب کی نماز میں (ملائکہ رحمت) حاضر کیے جاتے ہیں اور یہ افضل (نماز) ہے۔'' ❷

رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

شرح:...... مذکورہ حدیث میں بھی گزشتہ کی طرح کا مضمون ہے۔ البتہ ایک دوسری بات یہ مذکور ہے کہ اخیر شب میں رحمت کے فرشتے اترتے ہیں اور یہی وہ وقت ہوتا ہے جب ہر رات رب تعالیٰ اپنا نزول آسمانِ دنیا پر فرماتے ہیں اور طلوع فجر تک یہ ارشاد فرماتے رہتے ہیں کہ ''ہے کوئی جو مجھ سے دعا مانگے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ ہے کوئی جو مجھ سے سوال کرے کہ میں اسے عطا کروں؟ ہے کوئی جو مجھ سے بخشش مانگے کہ میں اسے بخش دوں۔''

یہ بات صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی نبی کریم ﷺ سے یہ سوال نہ کیا تھا کہ وہ کیا ہے جو آسمانِ دنیا پر اخیر شب میں اترتا ہے، رب تعالیٰ کی ذات؟ یا اس کا حکم؟ یا اس کی رحمت؟ یا اس کے حکم سے اترنے والا کوئی فرشتہ؟ غرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان میں سے کسی بھی بات کا سوال نہ کیا تھا کیونکہ یہاں نزول کو رب تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف مضاف کر کے بیان فرمایا ہے۔ اس لیے یہ امر پوچھے جانے کا محتاج نہیں اور بالکل واضح ہے، وہ یہ کہ علماء کا قول ہے کہ جن افعال کی بھی رب تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف نسبت فرمائی ہے، اس سے مراد خود رب تعالیٰ کی ذات ہی ہوتی ہے۔ جیسے زمین وآسمان کا پیدا کرنا، عرش پر مستوی ہونا، کہ یہاں مراد خود رب تعالیٰ کی ذات ہے۔

---

❶ سنن ابی داود: 1431۔ جامع الترمذی: 465۔ سنن ابن ماجہ: 1188۔ مسند احمد: 31/3۔ المستدرك للحاكم: 443/1۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو شیخین رحمہما اللہ کی شرط پر قرار دیا ہے۔

❷ صحیح مسلم: 755۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس تفصیل کی روشنی میں یہ قول از حد غلط ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رب تعالیٰ کے اسماء وصفات کو نہ سمجھے تھے اور اس باب میں انہوں نے خود کو کلی طور پر اللہ اور اس کے رسول کے سپرد کر دیا تھا جس کو ''تفویضِ کلی'' کہتے ہیں اور یہ کہ وہ حضرات صرف تلاوت کو جانتے تھے۔

بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ حضرات قرآنِ کریم کے معانی اور ارشاداتِ نبویہ کے کلمات کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ لہٰذا جو لوگ یہاں نزولِ باری تعالیٰ سے رحمت کے فرشتوں کا اترنا یا اس کی رحمت کا اترنا مراد لیتے ہیں، وہ اس نص ((اِنَّ اللّٰهَ يَنْزِلُ كُلَّ لَيْلَةٍ حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا .)) پر دو ظلم ڈھاتے ہیں اور اس نص کے حق میں دو جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔

(1) ایک یہ کہ وہ نص کو اس کے ظاہر سے پھیرتے ہیں جو بہت بڑا جرم ہے کیونکہ یہ کلمات کو ان کے مقامات سے پھیرنے کے زمرہ میں داخل ہے۔

(2) اور دوسرا جرم یہ کرتے ہیں کہ وہ ایک ایسا معنیٰ ثابت کرنے جا رہے ہوتے ہیں جس کو اللہ اور اس کے رسول نے بیان نہیں فرمایا۔

غرض اس میں دو اعتبار سے الحاد ہے، لفظ کے مدلول کی نفی اور غیر مدلول کا اثبات۔ یاد رہے کہ کلامِ الٰہی میں الحاد کوئی معمولی بات نہیں بلکہ بہت بڑا اور بھاری گناہ ہے۔ کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کے کلام میں تحریف یہودیانہ فعل کے مشابہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ (النساء: 46)

''وہ لوگ جو یہودی بن گئے، ان میں سے کچھ لوگ بات کو اس کی جگہوں سے پھیر دیتے ہیں۔''

اس لیے اس قسم کی باطل تاویلات سے بچنا از حد ضروری ہے۔

380۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ فَقَدْ ذَهَبَ وَقْتُ كُلِّ صَلَاةِ اللَّيْلِ ، وَالْوِتْرِ . فَأَوْتِرُوْا قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ)) . رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب فجر طلوع ہو جاتی ہے تو رات کی سب نمازوں کا اور وتر کا وقت جاتا رہتا ہے پس تم لوگ فجر طلوع ہونے سے قبل وتر پڑھ لیا کرو۔'' [1]

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

چاشت کی نماز کا بیان

381۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي الضُّحٰى أَرْبَعًا ، وَيَزِيْدُ مَا شَاءَ اللهُ)) . رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ چاشت کے چار رکعات نوافل پڑھا کرتے تھے اور اس سے زیادہ جتنی رب کی مرضی (اور توفیق) ہوتی پڑھتے تھے۔ [2]

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

[1] جامع الترمذی: 469۔ امام نووی نے "المجموع" (31/4) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

[2] صحیح مسلم: 719.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

382۔ وَلَهُ عَنْهَا أَنَّهَا سُئِلَتْ: ((هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي الضُّحٰى ؟ قَالَتْ : لَا ، إِلَّا أَنْ يَجِيْءَ مِنْ مَغِيْبِهِ)) ،

اور صحیح مسلم میں ہی سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت میں ہے کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ کیا نبی کریم ﷺ چاشت کی نماز پڑھا کرتے تھے؟ تو سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نہیں! ہاں جب آپ ﷺ سفر سے واپس تشریف لاتے تھے (تو ادا فرماتے تھے)۔" ❶

383۔ وَلَهُ عَنْهَا : ((مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي سُبْحَةَ الضُّحٰى قَطُّ ، وَإِنِّي لَأُسَبِّحُهَا)) .

اور صحیح مسلم میں سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ایک روایت میں ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو کبھی چاشت کی نماز پڑھتے نہیں دیکھا البتہ میں یہ نفل نماز پڑھتی ہوں۔ ❷

شرح: ...... مذکورہ بالا احایث میں چاشت کی نماز کا بیان ہے۔

چاشت کا حکم

چاشت کی نماز نبی کریم ﷺ کے امر اور فعل دونوں سے ثابت ہے۔ لہٰذا یہ نماز سنت ہے۔ فعل کا ذکر تو حدیث عائشہ میں ہے۔ جبکہ چاشت کی نماز کا امر متعدد احادیث میں آتا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہما کو یہ نماز ادا کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔ ❸

چاشت کی رکعات اور وقتِ ادا

چاشت کی نماز کم از کم دو رکعت ہے اور اس سے زیادہ جسے جتنی توفیق ہو وہ ادا کرسکتا ہے۔ چاشت کی نماز کا وقت سورج کے ایک نیزہ کے بقدر بلند ہو جانے کے بعد سے زوال سے کچھ پہلے تک ہے۔

چاشت کی ترغیب

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ "ہر دن میں جس میں آفتاب طلوع ہوتا ہے لوگوں کے ہر ہر جوڑ کے بدلے صدقہ واجب ہوتا ہے۔" جس میں آگے چل کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "پس ایک دفعہ سبحان اللّٰہ کہنا صدقہ ہے، ایک دفعہ الحمد للّٰہ کہنا صدقہ ہے، ایک دفعہ لا الٰہ الا اللّٰہ کہنا صدقہ ہے، ایک دفعہ اللّٰہ اکبر کہنا صدقہ ہے۔" اور آخر میں فرمایا: "اس شکر کی ادائیگی کے لیے وہ دو رکعات کافی ہیں جو آدمی چاشت کے وقت پڑھے۔" ❹

چاشت کی مشروعیت میں اختلاف کی تفصیل اور حکم

علماء کا اس کی مشروعیت میں یا خاص خاص لوگوں کے حق میں اس کی مشروعیت میں اختلاف ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ نماز صرف سفر سے لوٹنے والے کے حق میں مشروع ہے جس کی دلیل گزشتہ مذکورہ حدیثِ صدیقہ (رقم: 382) ہے۔ کہ یہ نماز صرف وہی ادا کرے گا جو سفر سے لوٹے گا اور بعض علماء نے حدیث (رقم 383) سے استدلال کرتے ہوئے اس نماز کو غیر مسنون قرار دیا ہے۔ جبکہ بعض علماء نے اس میں یہ تفصیل بیان کی ہے کہ جو تو تہجد پڑھتا ہو وہ یہ نماز

---

❶ صحيح مسلم: 717.　❷ صحيح مسلم: 718.

❸ دیکھیں: صحيح البخاري: 1981۔ صحيح مسلم: 721.　❹ یہ حدیث آگے "کتاب الجامع" میں آ رہی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ پڑھے اور جو تہجد نہ پڑھتا ہو وہ یہ نماز پڑھ لیا کرتے۔ ایک قول یہ ہے کہ چاشت کی نماز سنت ہے مگر اس پر مداومت نہ کی جائے۔ بلکہ اسے گاہے گاہے ادا کیا جائے۔ لیکن میرے نزدیک راجح قول اس نماز کے مسنون ہونے کا ہے اور میرے نزدیک اس کے ثبوت کے لیے وہی روایت کافی ہے جس میں چاشت کی دو رکعت کے ہر ہر جوڑ کی طرف سے صدقہ کرنے کے کافی ہو جانے کا ذکر ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

آخر میں ایک بات کی وضاحت باقی رہ جاتی ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک طرف تو سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ فرمائیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو کبھی یہ نماز ادا کرتے نہیں دیکھا اور دوسری طرف خود اس کو ادا بھی کریں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت سے مخالفتِ رسول کو اخذ کرنا صحیح نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ اس نماز کو اس کے محبوب ہونے کے باوجود اس لیے ترک فرما دیتے تھے کہ کہیں یہ نماز لوگوں پر فرض نہ ہو جائے۔ اس لیے اس کو ''ترک'' سے تعبیر فرما دیا وگرنہ...... معاذ اللہ...... سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مخالفتِ رسول کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

چاشت کی نماز کا افضل وقت

384- وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رضي الله عنه ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((صَلَاةُ الْأَوَّابِيْنَ حِيْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ)).
رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ .

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اوابین (بہت زیادہ توبہ کرنے والوں) کی نماز کا وقت وہ ہے جب (پتھریلی زمین اور) دیواریں سخت تپنے لگیں۔''[1]
اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

385- وَعَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ صَلَّى الضُّحٰى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً ، بَنَى اللّٰهُ لَهُ قَصْرًا فِي الْجَنَّةِ)).
رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاسْتَغْرَبَهُ .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو شخص چاشت کی بارہ رکعات نماز پڑھتا ہے تو رب تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک محل بنائے گا۔''[2]
اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کر کے اس کو غریب کہا ہے۔

386- وَعَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ: ((دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْتِيْ فَصَلَّى الضُّحٰى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ)).
رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ فِيْ صَحِيْحِهِ .

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ میرے گھر تشریف لائے اور چاشت کی آٹھ رکعات نماز ادا فرمائی۔[3]
اس حدیث کو امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

---

[1] یہ حدیث "جامع الترمذی" میں موجود نہیں۔ شاید امام موصوف سے سبقت قلم ہو گیا ہو، یہ حدیث "صحیح مسلم" (748) میں ہے جیسا کہ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے "باب صلوۃ الاوابین" میں اس کو ذکر کیا ہے۔

[2] جامع الترمذی: 473- امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے۔ سنن ابن ماجہ: 1380- حافظ رحمہ اللہ "فتح الباری" (54/3) میں فرماتے ہیں: اس حدیث کی اسناد میں ایسا کوئی راوی نہیں جس پر ضعیف ہونے کا اطلاق کیا جا سکے۔ جبکہ امام موصوف رحمہ اللہ نے ہی "التلخيص الحبير" (20/2) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

[3] صحیح ابن حبان: 2531 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرح: ان احادیث میں دو باتوں کو بیان کیا گیا ہے:

(1) چاشت کی نماز کی مشروعیت (2) اور یہ کہ چاشت کی نماز کو جتنا دن چڑھے ادا کیا جائے اتنا افضل ہے۔

درایۃ الحدیث:......امام موصوف رحمہ اللہ کا حدیث (رقم 384) کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ حدیث جامع الترمذی میں ہے، بے حد عجیب بات ہے کیونکہ یہ حدیث دراصل صحیح مسلم میں ہے۔ اس لیے اس بات کی تحقیق کر کے بلوغ المرام کے نسخہ پر اس بات کا حاشیہ دینا ضروری ہے کہ یہ حدیث دراصل صحیح مسلم میں ہے۔

10۔ بَابُ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ وَالْإِمَامَةِ......نماز با جماعت اور امامت کا بیان

389-387۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا یہ اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں ستائیس درجہ افضل ہے۔“ ❶

یہ حدیث ”متفق علیہ“ ہے۔

وَلَهُمَا عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: ((بِخَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ جُزْءًا))

اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں: ”پچیس گنا (افضل ہے)۔“ ❷

وَكَذَا لِلْبُخَارِيِّ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، وَقَالَ: ((دَرَجَةً)).

اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں (جزءًا کی بجائے) درجۃً کا لفظ ہے۔ ❸

نماز با جماعت

یہ اس نماز کو کہتے ہیں جس کو لوگ اکٹھے ہو کر ادا کریں۔ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ با جماعت نماز سب سے افضل اور بزرگ عبادت ہے۔

نماز با جماعت کا حکم

علماء کے اس بارے تین اقوال ہیں:

(1) یہ سنت موکدہ ہے۔ (2) فرض کفایہ ہے۔ (3) اور فرض عین ہے۔

لیکن ان اقوال کے باوجود اگر کوئی جماعت کو ترک بھی کر دے چاہے بلا عذر ہی ترک کرے، اس کی نماز باطل نہیں ہوتی۔

پھر ایک قول یہ بھی ہے کہ ”جماعت“ نماز کی صحت کی شرط ہے۔ اس قول کی رُو سے بلا عذر جماعت ترک کرنے والے کی نماز باطل ہو جائے گی۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مختار قول یہی ہے اور اسی قول کو امام احمد رحمہ اللہ نے بھی لیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بلا عذر جماعت ترک والا چاہے سو بار بھی نماز ادا کر لے اس کی نماز مقبول نہ ہو گی۔ یہ شخص اس شخص کی طرح ہے جو بلا وضو نماز ادا کرے۔ یعنی اس کی نماز صحیح نہ ہو گی اور یہ کہ آدمی پر جماعت کو طلب کرنا واجب ہے، پس وہ تلاش کرے کہ کس مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ہو رہی ہے اور وہاں جا کر نماز ادا کرے۔ لیکن راجح قول یہ ہے کہ با جماعت نماز فرض عین ہے لہٰذا

---

❶ صحیح البخاری: 645۔ صحیح مسلم: 650۔ ❷ صحیح البخاری: 647۔ صحیح مسلم: 649۔

❸ صحیح البخاری: 646۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ہر ایک پر واجب ہے۔ البتہ جماعت رہ جانے سے نماز باطل نہیں ہوتی جس کی دلیل مذکورہ حدیث ہے کہ اگر اکیلے کی نماز غیر صحیح ہوتی تو درجہ وفضیلت میں اس کا باجماعت نماز کے ساتھ موازنہ اور تقابل نہ کیا جاتا۔ اسی بنا پر ان مذکورہ احادیث کو (جن میں باجماعت نماز کی فضیلت مذکور ہے) معذور پر حمل کرنا محلِ نظر ہے جیسا کہ شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو کسی عذر کی وجہ سے باجماعت نماز سے رہ گیا اس کا پچیس یا ستائیس گنا اجر فوت ہو گیا۔

لیکن شیخ رحمہ اللہ کا یہ کلام محلِ نظر ہے۔ کیونکہ ارشاد نبوی ہے: ''جو بیمار ہو گیا یا سفر پر نکل گیا اس کے لیے اُسی عبادت کا اجر لکھا جائے گا جو وہ حالتِ صحت و اقامت میں ادا کیا کرتا تھا۔'' [1] یہ صحیح بخاری کی حدیث ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے والا اگر بیمار پڑ جائے اور اس وجہ سے جماعت میں حاضر ہونے سے رہ جائے تو اسے اسی طرح باجماعت نماز ادا کرنے کا پورا پورا ثواب ملتا اور لکھا جاتا رہے گا۔

غرض باجماعت نماز واجب اور فرض عین ہے، یہی درست قول ہے جس پر کتاب و سنت اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماعِ فعلی دلالت کرتا ہے۔

جماعت کے وجوب کی کتاب اللہ سے دلیل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۝﴾ (البقرة: 43)

''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔''

پھر رب تعالیٰ اپنے رسول سے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ وَلْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ﴾ (النساء: 102)

''اور جب تو ان میں موجود ہو، پس ان کے لیے نماز کھڑی کرے تو لازم ہے کہ ان میں سے ایک جماعت تیرے ساتھ کھڑی ہو اور وہ اپنے ہتھیار پکڑے رکھیں، پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو تمھارے پیچھے ہو جائیں اور دوسری جماعت آئے جنھوں نے نماز نہیں پڑھی، پس تیرے ساتھ نماز پڑھیں اور وہ اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار پکڑے رکھیں۔''

کہ جب حالتِ جنگ و قتال میں جماعت کا وجوب ہے تو حالتِ امن میں تو بدرجۂ اولیٰ باجماعت نماز واجب ہو گی۔

رہی سنت تو متعدد احادیث سے باجماعت نماز کا وجوب ثابت ہے جن میں سے ایک حدیث درج ذیل ہے:

جماعت کے وجوب کی سنت سے دلیل

390- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ

[1] صحيح البخاري: 2996

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْتَطَبَ، ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ، ثُمَّ أُخَالِفَ إِلَى رِجَالٍ لَا يَشْهَدُونَ الصَّلَاةَ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقًا سَمِينًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ)).

میرے جی میں یہ بات آتی ہے کہ (کسی دن) میں لکڑیاں چننے کا حکم دوں پس وہ (چن کر) جمع کر دی جائیں پھر نماز (کے لیے جمع ہو جانے) کا حکم دوں چنانچہ نماز کے لیے اذان دی جائے پھر میں کسی کو حکم دوں کہ وہ (میری جگہ) لوگوں کی امامت کرے پھر میں (امامت کا انتظام کرنے کے بعد) ان لوگوں کے پیچھے خود نکل جاؤں جو (جماعت کے ساتھ) نماز پڑھنے (مسجد میں) حاضر نہیں ہوئے اور ان لوگوں پر (یعنی ان لوگوں کی موجودگی میں) ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کہ اگر ان میں سے کسی کو اس بات کا علم ہو جائے کہ وہ ایک گوشت لگی ہڈی یا (بکری کے) دو خوبصورت کھر پائے گا تو عشاء پڑھنے ضرور آموجود ہو۔'' ❶

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ لفظ صحیح بخاری کی روایت کے ہیں۔

غریب الحدیث:...... وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِہِ: جناب رسول اللہ ﷺ اس بات کی اہمیت کو تاکید کے ساتھ بیان کرنے کے لیے بنا قسم کھلائے از خود قسم اٹھا رہے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے جماعت سے بلا عذر رہ جانے والوں کے گھروں کو جلا ڈالنے کا جو ارادہ فرمایا تھا اس کو دو باتوں کیساتھ موکد فرما رہے ہیں:

(1) قسم اٹھا کر (2) دوسرے لام تاکید کے ساتھ

فَیُحْتَطَبَ: یعنی وہ لکڑیاں چن کر جمع کر دی جائیں۔

فَیَؤُمَّ النَّاسَ: یعنی اپنی جگہ کسی کو امام بناؤں جو لوگوں کو نماز پڑھائے۔

أُخَالِفَ إِلَی رِجَالٍ: یعنی میں ان کے پیچھے جاؤں۔ رجال کے لفظ سے یہ بھی مستفاد ہو گیا کہ جماعت میں حاضر ہونا عورتوں پر واجب نہیں اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔ لَا یَشْهَدُونَ الصَّلَاةَ یہ الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ مسلمانوں کا جماعت میں حاضر ہونا واجب ہے اور یہ اجتماع مساجد میں ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ نماز کو باجماعت ادا کرنے کے لیے مساجد میں جمع ہونا واجب ہے۔ رہے وہ علماء جو اس بات کے قائل ہیں کہ اصل اقامت صلوٰۃ باجماعت ہے چاہے وہ گھروں میں ہی ہو لہٰذا مساجد میں نماز کی جماعت قائم کرنا فرض کفایہ ہے۔ تو ان کا یہ قول ضعیف ہے۔ گو یہ متعدد علماء کا قول ہے لیکن ان علماء کا یہ قول اس قول کو بھی جائز قرار دیتا ہے کہ آدمی عورت کے ساتھ بھی جماعت کو قائم کر سکتا ہے۔ اس لیے اگر ہم ان دونوں اقوال کو جائز قرار دے دیں تو گھر میں عورتوں بیوی بچوں اور ماؤں بہنوں کے ساتھ نماز باجماعت قائم ہونے لگے گی اس طرح رب تعالیٰ کے گھر یعنی مساجد معطل ہو کر رہ جائیں گی۔ غرض راجح قول یہ ہے کہ جو لوگ اکٹھے ہو کر اپنی اپنی جگہ پر نماز کو باجماعت قائم کرنے کا اہتمام کرتے ہیں یہ کافی اور جائز نہیں بلکہ ان سب کا مساجد میں آ کر نماز کو باجماعت ادا کرنا لازم ہے۔

❶ صحیح البخاری: 644۔ صحیح مسلم: 651.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ یہاں آگ سے جلا دینا مراد ہے۔ پھر مراد ان لوگوں کو ان کے گھروں سمیت جلا ڈالنا ہے یا ان کی موجودگی میں ان کے گھروں کو جلا کر برباد کر دینا ہے۔ مذکورہ الفاظ میں دونوں معانی کا ہی احتمال ہے جس کا ماحصل مال کو برباد کرنا ہے اور مال کو برباد کرنا کسی واجب کی بنا پر ہی جائز ہو سکتا ہے کیونکہ کسی کی حرمت کو کسی واجب کی وجہ سے ہی توڑا جا سکتا ہے نہ کہ کسی مباح شے کی وجہ سے۔ بلاشبہ یہ تعبیر اور وعید با جماعت نماز کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ اگر جماعت کا ترک ایک واجب کا ترک نہ ہوتا تو نبی کریم ﷺ ایک ممنوع اور حرام امر کا ارادہ نہیں کر سکتے تھے۔

رہے وہ لوگ جو جماعت کے وجوب کے قائل نہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہاں آپ ﷺ نے صرف ارادہ ہی فرمایا ہے نہ کہ عملاً ایسا کیا بھی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ ارادہ غیر موثر تھا تو اس کا ذکر بھی عبث اور لغو تھا اور نہ اس کی خبر دینے کا ہی کوئی فائدہ تھا۔ آپ ﷺ نے اسی لیے تو اس بات کی خبر دی تھی تاکہ لوگوں پر با جماعت نماز ادا کرنے کی اہمیت واضح ہو اور اس کی اہمیت اس درجہ تک ہے کہ سب سے زیادہ رحیم و کریم انسان بھی جماعت سے پیچھے رہ جانے والوں کے گھروں کو آگ تک لگا دینے کے لیے آمادہ ہے۔ بلاشبہ یہ امر بھی نماز با جماعت کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

عَرْقًا سَمِينًا: عرق ❶ اس ہڈی کو کہتے ہیں جس کا اکثر گوشت کھا لیا گیا ہو البتہ اس پر تھوڑا سا گوشت لگا رہ گیا ہو۔

مِرْمَاتَيْنِ: یہ مرماۃ ❷ کی تثنیہ ہے۔ مرماۃ یہ کھر کے دو حصوں کے درمیان والے گوشت کو یا دو پسلیوں کے درمیان کے گوشت کو کہتے ہیں۔

بہر حال یہ دونوں چیزیں معمولی اور حقیر ہیں۔ اس مثال میں دراصل یہ بتلایا جا رہا ہے کہ ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ ایک طرف تو نماز با جماعت جیسی عظیم اور افضل چیز سے بھی بے رغبت ہیں جبکہ دوسری طرف ان کی حرص و طمع کا عالم یہ ہے کہ اگر انہیں ایسی حقیر چیز ملنے کی بھی آس ہو تو عشاء کی نماز کو بھی دوڑے آئیں جس میں آتے ہوئے بہر حال مشقت کا سامنا بھی ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ اس وقت کے منافقوں کا حال تھا لیکن افسوس کہ آج ہم مسلمانوں کا حال بھی اس سے چنداں مختلف نہیں۔

جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں آنا واجب ہے

391- وَعَنْهُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَثْقَلُ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ وَصَلَاةُ الْفَجْرِ، وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''منافقوں پر سب سے زیادہ بھاری نماز (ایک) نمازِ عشاء اور (دوسری) نمازِ فجر ہے۔ اگر یہ لوگ جانتے ہوتے کہ ان دونوں نمازوں میں کیا (کیا اجر و ثواب اور برکت و فضیلت) ہے تو ان دونوں نمازوں میں ضرور آئیں چاہے گھٹنوں کے بل گھسٹ کر ہی آئیں۔'' ❸

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

---

❶ عرق: وہ ہڈی جس کا اکثر گوشت اتار لیا گیا ہو اور تھوڑا عمدہ باریک گوشت لگا رہ گیا ہو۔ (القاموس الوحید، ص: 1072) (نسیم)

❷ مرماۃ: جانور کا کھر۔ (القاموس الوحید، ص: 673) (نسیم)

❸ صحيح البخاري: 657- صحيح مسلم: 651.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

392۔ وَعَنْهُ قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ أَعْمٰى فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّهُ لَيْسَ لِيْ قَائِدٌ يَقُوْدُنِيْ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَرَخَّصَ لَهُ، فَلَمَّا وَلّٰى دَعَاهُ فَقَالَ: ((هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ؟)) قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَأَجِبْ)).

رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ایک نابینا شخص نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (میں ایک نابینا شخص ہوں، اس لیے خود آنے سے تو قاصر ہوں پھر) میری راہنمائی کرنے والا (بھی) کوئی نہیں جو میری راہنمائی کر کے مجھے مسجد تک لے آئے (اب آپ ﷺ بتلایئے کہ نماز باجماعت ادا کرنے کی بابت میرے لیے کیا حکم ہے)۔ اس پر آپ ﷺ نے اسے (جماعت میں شرکت نہ کرنے کی) رخصت عنایت فرما دی۔ پس جب وہ (لوٹنے کے لیے) مڑا تو آپ ﷺ نے اسے بلایا اور دریافت فرمایا کہ ''کیا تم نماز کی اذان کو سنتے ہو؟'' (یعنی کیا اذان کی آواز تم تک پہنچتی ہے)؟ اس نابینا نے عرض کیا: جی ہاں! (سنائی دیتی ہے)۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تب پھر تم (اذان کا) جواب دو (اور نماز ادا کرنے مسجد میں ضرور آؤ)۔'' ❶

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ منافقین ان لوگوں کو کہتے ہیں جو ظاہر میں اسلام ظاہر کرتے لیکن دل میں کفر رکھتے ہیں۔ منافق کا لفظ نفاق سے مشتق ہے جو ''نَافِقَاءُ الْيَرْبُوْعِ'' ❷ سے ماخوذ ہے۔ نافقاء یہ چوہے کے بل کے آخر میں ایک باریک جھلی یا چھلکا سا ہوتا ہے تاکہ جب وہ اپنی جان پر خطرہ محسوس کرے تو اس جھلی سے دوسرے بل میں جا گھسے۔ پس گویا کہ منافق - معاذ اللہ - اپنے جی کے کفر کو تو چھپاتا ہے اور زبانوں سے اپنا اسلام ظاہر کرتا ہے اور قسمیں کھا کھا کر اپنا مسلمان ہونا جتلاتا ہے لیکن وہ جھوٹا ہوتا ہے۔

نفاق پہلے پہلے غزوۂ بدر کے بعد کھل کر سامنے آیا تھا اور بعد میں پھیلتا ہی چلا گیا۔ یہ منافق نمازوں میں مسلمانوں کے ساتھ مساجد میں حاضر ہوتے تھے لیکن چونکہ ان کے دل میں رب تعالیٰ سے مناجات کرنے کی کوئی رغبت نہیں ہوتی تھی، اس لیے رب تعالیٰ کی طاعت اور بالخصوص نمازیں اور ان میں سے خاص دو نمازیں فجر اور عشاء کی ان پر بے حد بھاری ہوتی تھیں۔ ان دونوں نمازوں کے بھاری ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں نمازوں کے اوقات نیند کے ہوتے ہیں، دوسرے ان دونوں اوقات میں تاریکی ہوتی ہے، اسی لیے یہ منافق ان اوقات میں مساجد میں جانے سے ڈرتے تھے۔

---

❶ صحیح مسلم: 653.

❷ نَافِقَاءُ: جنگلی چوہے کے بل کے دو سوراخوں میں سے ایک (جنگلی چوہا ان میں سے ایک کو دکھاتا ہے اور دوسرے کو چھپاتا ہے۔ اسی سے نفاق کو نفاق کہا گیا ہے)۔ (القاموس الوحید، ص: 1687) اور یربوع ایک قسم کے جنگلی چوہے کو کہتے ہیں جس کی اگلی ٹانگیں چھوٹی اور پچھلی بڑی ہوتی ہیں۔ (القاموس الوحید، ص: 593) نسیم۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَا فِيهِمَا: اس "مَا" سے فجر اور عشاء میں آنے کا اجر اور نہ آنے کا وزر بھی مراد ہو سکتا ہے۔ یعنی اگر یہ منافق جان لیں کہ ان دونوں نمازوں میں اجر کتنا ہے اور ان نمازوں میں شرکت نہ کرنے کا گناہ کتنا ہے تو ان دونوں نمازوں میں ضرور آئیں چاہے گھٹنوں کے بل گھسٹ کر ہی آئیں اور پیچھے نہ رہیں۔ اب ان لوگوں نے تو یہ حدیث سن لی تھی تب بھی ان سے علم کی نفی کیوں کی گئی؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک آدمی کسی شے سے منتفع نہ ہو تو اس سے علم کی بھی نفی کر دی جاتی ہے۔ گویا کہ یہ اسے جانتا ہی نہیں کہ اگر جانتا ہوتا تو اس سے ضروری منتفع ہوتا۔ لہٰذا ان کا یہ علم جہل تام کے جیسا ٹھہرا۔

فَرَخَّصَ لَهُ: یعنی آپ ﷺ نے اس نابینا سے یہ ارشاد فرمایا کہ تم نہ آؤ کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

أَجِبْ: یہ امر ہے اور امر میں اصل وجوب ہے۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ﴾ (النور: 61) "نہ اندھے پر کوئی حرج ہے۔" کہ اس ارشاد میں عموم نہیں ہے بلکہ نابینا پر ان امور میں کوئی حرج نہیں جن کا اپنے اندھے پن کے ساتھ سرانجام دینا نابینا کے لیے متعذر ہو کہ ایسے امور کے ترک میں اندھے پر کوئی حرج نہیں۔ لہٰذا اندھے پن کی علت ان امور میں مؤثر ہوگی جن کا اندھے پن کے ہوتے ہوئے سرانجام دینا ممکن نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس نابینا کو راہنما کے نہ ہوتے ہوئے اور اس کے نابینا ہوتے ہوئے بھی اس صورت میں گھر میں نماز ادا کرنے کی اجازت نہ دی کہ اگر اذان سنائی دیتی ہے تو مسجد آنا پڑے گا۔ یعنی اس قدر مسافت کے حق میں جتنی میں اذان کان میں پڑ جائے نابینا ہونا کوئی عذر نہیں۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ دونوں روایات میں مسجد میں آکر نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی از حد تاکید کا بیان ہے کہ ایک روایت وعید پر مبنی ہے جو ترکِ واجب پر ہوتی ہے اور دوسری روایت عدمِ رخصت کے بیان پر مبنی ہے جو وجوب پر دلالت کرتی ہے کیونکہ رخصت واجب کے مقابل ہوتی ہے جبکہ مباح کے مقابل تخییر ہوتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- جب فجر اور عشاء کی نمازوں میں جماعت میں حاضر ہونا واجب ہے جن میں قدرے مشقت بھی ہے تو دیگر نمازوں میں تو بدرجہ اولیٰ حاضر ہونا واجب ہوگا۔
- نماز کوئی بھی ہو بہر حال منافق پر بھاری ہوتی ہے۔ البتہ فجر اور عشاء کی نمازیں زیادہ گراں ہوتی ہیں۔
- منافق کو اس کا کوئی بھی عمل کام نہیں آتا چاہے ظاہر میں وہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔
- جسے نماز ادا کرتے ہوئے جی میں گرانی محسوس ہو وہ اپنی فکر کرے کہ یہ اس کے جی میں نفاق کی ایک علامت کی دلیل ہے۔ لہٰذا وہ اپنا محاسبہ کر کے خود کو نفاق کی علامات سے دُور کرے۔
- ایمان والوں پر نماز ہلکی، سہل اور باعث بشاشت و نشاط ہوتی ہے کیونکہ وہ نماز سے محبت کرتے ہوتے ہیں۔ نماز ان کے جی کی راحت، دل کا اطمینان اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے۔
- نماز باجماعت فرضِ عین ہے نہ کہ فرضِ کفایہ وگرنہ اہل محلّہ کی نماز باجماعت اس نابینا کو جماعت سے کفایت کر جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ نابینا پر بھی جماعت کی نماز واجب ہے۔
- جو اذان نہ سنے اس پر جماعت میں حاضر ہونا واجب نہیں اور اس سے مراد جگہ کا مسجد سے اتنا دُور ہونا ہے کہ وہاں تک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اذان کی آواز کان میں نہ پہنچتی ہو۔

رہی لاؤڈ اسپیکر کی اذان تو وہ دُور تک پہنچ جاتی ہے۔اب جو لوگ حدیث کے ظاہر کو لیتے ہیں ان کے نزدیک لاؤڈ اسپیکر کی اذان سننے والے پر بھی مسجد میں آنا لازم ہے، چاہے وہ زیادہ مسافت پر ہی رہتا ہو اور اسے آنے میں مشقت بھی ہوتی ہو اور جن کے نزدیک اعتبار کسی آلہ کے بغیر کی معتاد آواز کا ہے، ان کے نزدیک اتنی دُور سے آنا لازم نہیں کہ جس میں مشقت ہوتی ہو۔

◈ اگر ارد گرد متعدد مساجد ہوں اور سب کی اذان کی آواز کانوں میں پڑتی ہو تو قریب کی مسجد میں جانے سے نماز باجماعت کی ادائیگی کا حکم پورا ہو جائے گا۔

اذان سننے پر مسجد میں حاضر ہونے کا حکم

393- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ)).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس نے اذان کی آواز سنی اور وہ پھر بھی (نماز باجماعت ادا کرنے) مسجد کو نہ آیا تو اس کی کوئی نماز نہیں سوائے (اس کے کہ وہ) کسی عذر کی وجہ سے (نہ آئے)۔''[1]

رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ، وَإِسْنَادُهُ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ، لَكِنْ رَجَّحَ بَعْضُهُمْ وَقْفَهُ.

اس حدیث کو ابن ماجہ، دارقطنی، ابن حبان اور حاکم (رحمہم اللہ) نے روایت کیا ہے۔ اس کی اسناد مسلم کی شرط پر ہے۔ **البتہ بعض** نے اس حدیث کے موقوف ہونے کو راجح قرار دیا ہے۔

شرح : اس حدیث کے رفع اور وقف میں علماء کا اختلاف ہے۔زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث **موقوف ہے۔ مذکورہ** حدیث کے ظاہر الفاظ سے اذان سننے پر مسجد میں حاضر ہونے کا وجوب مستفاد ہوتا ہے اور یہ کہ اگر کوئی **اذان سننے کے بعد مسجد** میں جا کر باجماعت نماز ادا نہیں کرتا تو اس کی نماز نہ ہوگی اور یہ مذکورہ نفی بظاہر صحتِ صلوٰۃ کی نفی ہے نہ کہ **کمالِ صلوٰۃ کی نفی ہے۔** ہاں اگر کسی کو کوئی عذر ہو تو اور بات ہے۔ **مذکورہ** الفاظ سے دو فوائد حاصل ہوئے:

⊙ ...... ایک یہ کہ باجماعت نماز صحتِ نماز کی شرط ہے۔ لہٰذا بلا عذر جماعت ترک کرنے والے کی **نماز درست نہ ہوگی۔** لیکن صحیح قول یہ ہے کہ ایسے شخص کی نماز تو ادا ہو جائے گی لیکن وہ گناہ گار ہوگا۔

⊙ ...... دوسرا یہ کہ اذان سن کر مسجد جانا لازم ہے چاہے جماعت کی نماز ملے یا نہ ملے۔ **البتہ اگر مسجد اتنی دُور ہو کہ وہاں** تک جانے میں مشقت ہو تو مسجد میں نہ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس باب میں صحیح قول یہ ہے کہ مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کرنا فرضِ عین ہے اور بنا عذر کے جماعت سے **پیچھے رہنا جائز نہیں۔**

فرض پڑھنے والے کی نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز کا حکم

394- وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ الْأَسْوَدِ رضي الله عنه أَنَّهُ صَلَّى

حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ **(ایک مرتبہ)** انہوں

---

[1] سنن ابی ماجه: 793- سنن الدارقطنی: 420/1- صحیح ابن حبان: 2064- المستدرك للحاكم: 373/1- امام بخاری رحمہ اللہ "التاریخ" (233/1) میں فرماتے ہیں: اس حدیث کا مرفوع ہونا صحیح نہیں۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "سیر اعلام النبلاء" (421/16) میں اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ جبکہ امام نووی "المجموع" (177/4) میں کہتے ہیں: اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی ضعیف اور مدلس ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةَ الصُّبْحِ ، فَلَمَّا صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ، إِذَا هُوَ بِرَجُلَيْنِ لَمْ يُصَلِّيَا ، فَدَعَا بِهِمَا ، فَجِيْءَ بِهِمَا ، تَرْعُدُ فَرَائِصُهُمَا ، فَقَالَ لَهُمَا: ((مَا مَنَعَكُمَا أَنْ تُصَلِّيَا مَعَنَا ؟)) قَالَا : قَدْ صَلَّيْنَا فِيْ رِحَالِنَا ، قَالَ: ((فَلَا تَفْعَلَا ، إِذَا صَلَّيْتُمَا فِيْ رِحَالِكُمَا ثُمَّ أَدْرَكْتُمَا الْإِمَامَ وَلَمْ يُصَلِّ ، فَصَلِّيَا مَعَهُ ، فَإِنَّهَا لَكُمَا نَافِلَةٌ)) .

نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی۔ جب نبی کریم ﷺ نماز پڑھا چکے تو کیا دیکھا کہ (پیچھے) دو آدمی (صفوں سے الگ تھلگ) کھڑے ہیں جنھوں نے (دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر) نماز نہ پڑھی تھی۔ سو نبی کریم ﷺ نے ان دونوں کو بلوایا پس وہ دونوں آدمی لائے گئے اس حال میں کہ ان کے کندھوں کا گوشت ❶ (مارے خوف کے) لرز رہا تھا۔ آپ ﷺ نے ان دونوں سے دریافت فرمایا کہ ”تم دونوں کو ہمارے ساتھ نماز ادا کرنے سے کس چیز نے روکا؟“ ان دونوں نے عرض کیا کہ ہم اپنے ٹھکانوں (یعنی اپنے گھروں) میں (فجر کی) نماز ادا کر چکے تھے (اس لیے دوبارہ نمازِ فجر ادا نہ کی)۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”(آئندہ) ایسا مت کرنا۔ جب تم دونوں اپنے گھروں میں نماز ادا کر لو پھر (مسجد میں آ کر) امام کو (اس حال میں) پا لو کہ اس نے (ابھی تک) نماز نہیں پڑھی تو اس کے ساتھ (بھی) نماز پڑھو کہ یہ (امام کے ساتھ والی) نماز تمہارے لیے نفل بن جائے گی۔“ ❷

رَوَاهُ أَحْمَدُ ، وَاللَّفْظُ لَهُ ، وَالثَّلَاثَةُ ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ حِبَّانَ .

اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ مسند احمد کے ہیں اور (اس حدیث کو) ائمہ ثلاثہ نے بھی روایت کیا ہے۔ جبکہ امام ترمذی اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ❸

395- وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَلَا تُكَبِّرُوْا حَتَّى يُكَبِّرَ ، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا ، وَلَا تَرْكَعُوْا حَتَّى يَرْكَعَ ، وَإِذَا قَالَ: ((سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ)) ،

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”بے شک امام تو اسی لیے مقرر کیا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتدا کی جائے۔ سو جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور تکبیر نہ کہو یہاں تک کہ امام تکبیر کہہ لے اور جب امام رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور تم رکوع نہ کرو یہاں تک کہ امام

---

❶ فرائص: یہ فریصة کی جمع ہے۔ فریصة کندھے اور سینے کے درمیان کے گوشت کو کہتے ہیں جو خوف کے وقت حرکت کرنے لگتا ہے یہ دونوں طرف ہوتا ہے جنھیں فریصعان کہا جاتا ہے۔ علم التشریح میں یہ سینے کے عضلات کا نام ہے۔ (القاموس الوحید، ص : 1219) تسیم

❷ سنن ابی داود: 575- جامع الترمذی: 219- امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ سنن النسائی 112/2- مسند احمد: 161/4- صحیح ابن خزیمة: 1638- صحیح ابن حبان: 2395- ابن سکن نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے جیسا کہ ”تحفة المحتاج“ (441/1) میں مذکور ہے۔

❸ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے اپنے درس میں یہ حدیث قراءت نہ فرمائی تھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَقُوْلُوْا: ((اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ)) وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا، وَلَا تَسْجُدُوْا حَتّٰى يَسْجُدَ، وَإِذَا صَلّٰى قَائِمًا فَصَلُّوْا قِيَامًا، وَإِذَا صَلّٰى قَاعِدًا فَصَلُّوْا قُعُوْدًا أَجْمَعِيْنَ)).

رکوع کرلے اور جب وہ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے تو تم اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور سجدہ نہ کرو یہاں تک کہ وہ سجدہ کرلے اور جب وہ کھڑا ہو کر نماز ادا کرے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز ادا کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے تو تم سب کے سب بیٹھ کر نماز ادا کرو۔''❶

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ، وَهٰذَا لَفْظُهُ، وَأَصْلُهُ فِي الصَّحِيْحَيْنِ.

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ امام ابوداؤد کی روایت کے ہیں۔ جبکہ اس روایت کی اصل صحیحین میں ہے۔

غریب الحدیث:...... إِنَّمَا: یہ کلمہ حصر کا فائدہ دیتا ہے جو إِنَّ حرفِ تاکید اور مَا کافہ پر مشتمل ہوتا ہے۔

جُعِلَ الْإِمَامُ: یہاں جَعْل سے جَعْلِ شرعی مراد ہے نا کہ جَعْل تقدیری۔ کیونکہ یہاں امام سے متعلق حکم شرعی کا بیان کرنا مقصود ہے نہ کہ امام کی تخلیق وتقدیر کو بیان کرنا مقصود ہے اور امام سے مراد نماز کا امام ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ خود اس کی تفسیر آگے بیان فرما رہے ہیں۔

لِيُؤْتَمَّ بِهِ: یعنی اس کی اقتدا کی جائے۔ اس اقتدا سے کون سی اقتدا مراد ہے؟ تو علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے صرف ظاہری اقتدا ہی مراد ہے جو اعضاء و جوارح میں جاری ہوتی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی اقتدا مراد ہے لہٰذا امام اور مقتدی کی نیت بھی ایک ہوگی اور مقتدی باطن میں یعنی نیت میں بھی امام کی اقتدا کرے گا۔ تب پھر اگر امام کی نیت نمازِ ظہر کی اور مقتدی کی نیت نمازِ عصر کی ہوئی تو یہ اقتدا درست نہ ہوگی۔ جبکہ پہلے قول کے مطابق مذکورہ صورت میں بھی اقتدا درست ہوگی۔ لیکن درست قول دوسرا ہے کہ امام کی اقتدا ظاہر و باطن دونوں میں کی جائے گی۔ جس کی دلیل آگے مذکورہ طویل تفسیر ہے۔

نفل پڑھنے کی فرض پڑھنے پڑھنے والے کے پیچھے نماز تو وہ درست ہوگی۔ لہٰذا اگر ایک دفعہ فرض پڑھ لینے کے بعد کسی دوسری مسجد میں فرض نماز مل جائے تو اس امام کے پیچھے نفل کی نیت سے اس نماز میں شریک ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ نیت کا کوئی اثر نہیں لہٰذا مذکورہ صورت میں نیت کے اختلاف کے باوجود یہ اقتدا درست ہے اور یہی قول ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا مختار قول ہے کہ آدمی کسی ایسے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے جو نیت اور افعال میں مختلف ہو۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں امام کی متابعت کے وجوب کو بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا امام کی تکبیر پر تکبیر کہی جائے اور اس کے رکوع سجدہ پر رکوع سجدہ کیا جائے اور قیام وقعود میں بھی اس کی متابعت کی جائے۔

متابعت امام واجب ہے

علماء نے عقلی تقسیم کے اعتبار سے اس کی چار صورتیں بیان کی ہیں: (1) مسابقت، (2) موافقت، (3) **متابعت** اور (4) تخلف، ذیل میں ان کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے:

(1) مقتدی امام سے سبقت کرے۔ چنانچہ اگر تو یہ سبقت تکبیر تحریمہ میں ہوئی ہے یعنی مقتدی نے سبقت کرتے ہوئے امام سے

❶ سنن ابی داود: 603۔ صحیح البخاری: 734۔ صحیح مسلم: 414.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلے تکبیر تحریمہ کہہ دی تو اقتدا کی نیت سے کہی اس تکبیر سے نماز منعقد نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ جماعت کی نیت سے نماز شروع کر رہا ہے۔ جبکہ امام نے ابھی تک نماز شروع ہی نہیں کی۔ لہٰذا جماعت کا تحقق نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نماز بھی متحقق نہ ہوگی۔ لہٰذا اب یہ نماز کو قطع کر کے دوبارہ نماز شروع کرے گا۔ اگر یہ مسابقت تکبیر تحریمہ کے علاوہ میں ہے تو نماز کے باطل ہونے یا نہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر مقتدی نے پورا ایک رکن امام سے پہلے ادا کر لیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ جیسے امام کے رکوع میں جانے سے پہلے ہی رکوع کر کے فارغ ہو جائے۔ البتہ اگر وہ رکن کی طرف صرف پہلے گیا ہے اور امام نے اسے اس رکن میں پا لیا ہے تو مشہور مذہب یہ ہے کہ اس سے نماز باطل نہ ہوگی اور امام کے آ ملنے کے بعد وہ اس رکن کو جاری رکھے۔ وگرنہ یہ لوٹ کر دوبارہ اس رکن میں داخل ہوگا جیسے امام سے پہلے اگر کوئی رکوع میں چلا گیا ہے تو قیام کی طرف لوٹ جائے اور دوبارہ رکوع میں جا کر امام سے جا ملے۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اگر رکن کی طرف سبقت قصداً ہے تو نماز باطل ہو جائے گی۔ جس کی دلیل صحیح بخاری کی ایک روایت میں مذکور وعید ہے کہ ”جو امام سے پہلے سجدہ سے سر اٹھائے اسے اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ مبادا رب تعالیٰ (اس کی شکل اور) اس کا سر گدھے جیسا بنا دے۔“ [1]

رہے دیگر اذکار جیسے قراءت اور تسبیحات تو ان کی بابت کسی کا قول نہیں کہ مقتدی کا ان میں امام سے متاخر ہونا لازم ہے۔

(2) دوسری صورت یہ ہے کہ مقتدی جملہ اقوال و افعال میں امام کے موافق ہو۔ اس صورت میں اگر تو یہ موافقت تکبیر تحریمہ میں ہے تو مقتدی کی نماز منعقد نہ ہوگی کیونکہ امام کا نماز میں دخول تکبیر تحریمہ کی تکمیل کے بعد متحقق ہوگا اور مقتدی کی اقتدا کا تحقق امام کی کی نماز کے انعقاد کے بعد ہوگا۔ پس اب اگر مقتدی نے بھی امام کے ساتھ ہی تکبیر کہہ ڈالی تو اس کا امام کی نماز میں داخل ہونا متحقق نہ ہوگا۔ کیونکہ ابھی تک تو خود امام کا امام ہونا متحقق نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا تکبیر تحریمہ میں موافقت کی صورت میں مقتدی کی نماز باطل ہو جائے گی۔

رہی تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر اقوال و افعال میں موافقت تو اس بارے دو اقوال ہیں ایک مکروہ ہونے کا اور دوسرا حرام ہونے کا۔ مشہور مذہب مکروہ ہونے کا ہے۔ البتہ حدیث کے ظاہر سے اس موافقت کا حرام ہونا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ مذکورہ حدیث میں حَتّٰی یُکَبِّرَ، حَتّٰی یَرْکَعَ اور حَتّٰی یَسْجُدَ کے الفاظ مذکور ہیں۔ جو اس بات کی دلیل ہیں کہ جملہ افعال و اقوال کو امام کے بعد ادا کرنا واجب ہے۔ لہٰذا صحیح یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر اقوال و افعال میں امام کی موافقت حرام ہے۔

(3) تیسری صورت متابعت کی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مقتدی ہر قول اور فعل کو امام کے اس قول اور فعل کو پورا کرنے کے فوراً بعد کرے۔ لہٰذا جیسے ہی امام تکبیر تحریمہ کہہ لے تو فوراً تکبیر تحریمہ کہے، جیسے ہی وہ رکوع میں پہنچے تو یہ بھی فوراً رکوع میں جا پہنچے۔ جس میں تاخیر نہ ہو کہ یہ افضل اور اولیٰ ہے اور حدیث کے مذکورہ الفاظ کا مقتضی بھی یہی ہے۔

(4) چوتھی صورت تخلف کی ہے۔ اگر تو یہ تخلف کسی عذر کی بنا پر ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جیسے کسی کو امام کی آواز سنائی نہ دی اور امام رکوع میں چلا گیا تو معلوم ہوتے ہی تکبیر کہہ کر یہ بھی رکوع میں چلا جائے۔

396- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] دیکھیں: صحیح البخاری: 691، صحیح مسلم: 427

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَأَى فِي أَصْحَابِهِ تَأَخُّرًا، فَقَالَ: ((تَقَدَّمُوْا فَائْتَمُّوا بِيْ، وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم میں پیچھے رہ جانے کو دیکھا تو فرمایا کہ ''آگے بڑھو اور میری اقتدا کرو اور تمہارے بعد والے (یعنی تمہارے پیچھے والے) تمہاری اقتدا کریں۔'' ❶

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

397- وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((احْتَجَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حُجْرَةً مُخَصَّفَةً، فَصَلَّى فِيهَا، فَتَتَبَّعَ إِلَيْهِ رِجَالٌ، وَجَاءُوْا يُصَلُّوْنَ بِصَلَاتِهِ، الْحَدِيثَ.

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (مسجد میں اپنے لیے) کھجور کے پتوں اور شاخوں والا ایک حجرہ بنایا جس میں آپ ﷺ نماز ادا فرماتے تھے۔ لوگوں نے آپ ﷺ کی جستجو کی اور آ کر آپ ﷺ کی نماز کی اقتدا کرنے لگے......الحدیث۔ ❷

وَفِيهِ: ((أَفْضَلُ صَلَاةِ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

اس روایت میں آگے چل کر ارشاد ہے: ''آدمی کی سب سے افضل نماز وہ ہے جو وہ اپنے گھر میں ادا کرتا ہے سوائے فرض نماز کے۔'' (کہ اس کا مسجد میں ہی ادا کرنا لازم اور فرضِ عین ہے)۔

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

398- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہما قَالَ: صَلَّى مُعَاذٌ بِأَصْحَابِهِ الْعِشَاءَ فَطَوَّلَ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((أَتُرِيدُ أَنْ تَكُوْنَ يَا مُعَاذُ فَتَّانًا؟ إِذَا أَمَمْتَ النَّاسَ فَاقْرَأْ بِ((وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا)) وَ((سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى)) وَ((اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ)) ((وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ (ایک دفعہ) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب کو عشاء کی نماز پڑھائی اور انہیں لمبی نماز پڑھائی جس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے معاذ! کیا تم (لوگوں کو) آزمائش میں ڈالنے والا بننا چاہتے ہو۔ (پس) جب تم لوگوں کی امامت کراؤ تو وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى اور اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ اور وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى کی قراءت کیا کرو۔'' ❸

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں۔

شرح: فَتَّانًا:......مراد لوگوں کو دین سے روکنا ہے۔ یعنی جب امام لمبی لمبی نمازیں پڑھائے گا تو لوگ مسجد آنا چھوڑ دیں گے کیونکہ اس صورت میں امام نے نماز کو غیر مشروع طریقے پر لمبا کیا ہے۔ جو ناجائز ہے۔ ہاں اگر کوئی اکیلا ہو تو جتنی چاہے لمبی نماز پڑھے۔

بیٹھ کر نماز پڑھانے والے امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کا حکم

399- وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا- فِي قِصَّةِ صَلَاةِ

سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حالتِ مرض میں نبی کریم ﷺ کے

❶ صحيح مسلم: 438. ❷ صحيح البخاري: 731- صحيح مسلم: 781.

❸ صحيح البخاري: 705- صحيح مسلم: 465.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِالنَّاسِ وَهُوَ مَرِيْضٌ۔ قَالَتْ: ((فَجَاءَ حَتّٰى جَلَسَ عَنْ يَسَارِ أَبِيْ بَكْرٍ، فَكَانَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ جَالِسًا، وَأَبُوْ بَكْرٍ قَائِمًا، يَقْتَدِي أَبُوْبَكْرٍ بِصَلَاةِ النَّبِيِّ ﷺ، وَيَقْتَدِي النَّاسُ بِصَلَاةِ أَبِيْ بَكْرٍ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

لوگوں کو نماز پڑھانے کے قصہ کی بابت مروی ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پس آپ ﷺ تشریف لائے یہاں تک کہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بائیں پہلو میں بیٹھ گئے۔ پس آپ ﷺ لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے جبکہ جنابِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے تھے (اور) جنابِ ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے جبکہ لوگ جنابِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے۔ [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

شرح :...... یہ قصہ نبی کریم ﷺ کے مرض الوفات کا ہے جس میں آپ ﷺ نے جنابِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی نیابت میں لوگوں کو نماز پڑھانے پر مامور فرمایا تھا۔ اسی دوران آپ ﷺ کو اپنی طبیعت میں ذرا تخفیف اور افاقہ محسوس ہوا تو تشریف لا کر جنابِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بائیں پہلو میں بیٹھ کر لوگوں کو نماز پڑھانے لگے۔ جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے۔ اب جنابِ ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی نماز کی اقتدا فرما رہے تھے کیونکہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کی آواز مبارک وہ سن رہے تھے جبکہ باقی لوگ جنابِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے کیونکہ انہیں تو جنابِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہی آواز سنائی دے رہی تھی۔ چونکہ یہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کی مرض الوفات کا قصہ ہے لہٰذا یہ حدیث اس حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متاخر ہے جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ اگر امام بیٹھ کر نماز ادا کرے تو تم بھی بیٹھ کر نماز ادا کرو۔ اس لیے علماء کا اس صورت میں اختلاف ہو گیا کہ جب امام بیٹھ کر نماز ادا کر رہا ہو تو مقتدی حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی رو سے بیٹھ کر نماز ادا کریں یا قصہ مرض الوفات کی بنا پر کھڑے ہو کر نماز ادا کریں؟

چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے عموم سے استدلال کر کے اس طرف گئے ہیں کہ اگر امام بیٹھ کر نماز ادا کرے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نماز ادا کرے۔ امام صاحب کے نزدیک ایسا حکم منسوخ نہیں ہوا کرتا کہ اس میں جماعت میں خلل ڈالنا ہے اور وہ امام کی بعض افعال میں عدمِ اقتدا ہے۔ جبکہ دیگر علماء نے مذکورہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی بنا پر حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کو منسوخ قرار دیا ہے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا آخری فعل ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حالتِ قیام میں نماز شروع کرائی تھی اس لیے ان پر قیام لازم تھا اور چونکہ نبی کریم ﷺ اثنائے صلوٰۃ میں تشریف لائے تھے اس لیے آپ ﷺ نے بیٹھ کر نماز ادا فرمائی اور اسی لیے آپ ﷺ نے دوسروں کو بحالتِ قیام نماز کی اجازت بھی دی کیونکہ انہوں نے ابتدائے صلوٰۃ حالتِ قیام میں کی تھی۔

میرے نزدیک امام احمد رحمہ اللہ کا جواب ہی متعین ہے کہ یوں جملہ دلائل بھی باہم متفق ہو جاتے ہیں۔ اس باب میں یہ قاعدہ یاد رہے کہ جب تک دلائل میں جمع کی صورت ممکن ہو نسخ کی طرف نہ جایا جائے گا۔ وگرنہ ہم دو میں سے ایک دلیل کو دوسری کی وجہ سے باطل کر دیں گے جو درست نہیں۔ اب درست قول یہ ہے کہ مقتدی پر اس حال میں نماز ادا کرنا واجب ہے

[1] صحيح البخاري: 713- صحيح مسلم: 418.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جس حال میں امام نے نماز شروع کی تھی۔ لہٰذا اگر امام نے نماز شروع تو قیام کی حالت میں کی تھی پھر کسی عذر کے لاحق ہونے کی وجہ سے وہ بیٹھ کر نماز ادا کرنے لگا تو مقتدیوں پر پھر بھی بحالتِ قیام نماز پوری کرنا واجب ہوگا۔

نماز میں مقتدیوں کی حالت کی رعایت لازم ہے

400- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا أَمَّ أَحَدُكُمُ النَّاسَ فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الصَّغِيرَ وَالْكَبِيرَ وَالضَّعِيفَ وَذَا الْحَاجَةِ، فَإِذَا صَلَّى وَحْدَهُ فَلْيُصَلِّ كَيْفَ شَاءَ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تم میں سے کوئی لوگوں کی امامت کرائے تو وہ نماز کو ہلکا پڑھائے کیونکہ لوگوں میں چھوٹے بڑے (بوڑھے) کمزور (ناتواں جیسے بیمار) اور حاجت مند (سبھی قسم کے) لوگ ہوتے ہیں اور جب وہ اکیلا نماز پڑھے تو جس طرح چاہے نماز پڑھے۔''[1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:...... فَلْيُخَفِّفْ: یعنی مشروع طریق سے کسی قسم کی کمی زیادتی کے بغیر نماز پڑھائے۔ کیونکہ امام مقتدیوں کی نماز کا نگران ہوتا ہے۔ رہی تخفیف تو اس کا مدار نمازیوں کا مزاج اور ذوق نہیں کہ اس طرح تو کوئی کچھ کہے گا اور کوئی کچھ بلکہ اس باب میں میزان و مدار جنابِ رسول اللہ ﷺ کا قول و فعل ہے۔ پس جس کی نماز تو موافق سنت ہوگی اس میں تخفیف پائی جائے گی پس جو نماز سنت سے کم ہوگی وہ تفریط کی حامل ہوگی اور جو نماز سنت سے زائد ہوگی وہ افراط کی حامل ہو گی۔ اس کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ ''میں نے نبی کریم ﷺ سے زیادہ ہلکی اور مکمل نماز کسی کے پیچھے نہیں پڑھی۔'' تب پھر فَلْيُخَفِّفْ سے مراد نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہوگا: ''صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ.''

فَإِنَّ فِيهِمُ الصَّغِيرَ: یہ جملہ مذکورہ حکم کی تعلیل کا بیان ہے کہ نمازیوں میں بچے، بوڑھے، ضعیف، بیمار اور خارجی حاجات اور کاموں والے سب قسم کے لوگ ہیں چنانچہ کوئی سخت مصروفیت سے وقت نکال کر نماز کو پہنچا ہوتا ہے۔ اس کی بھی رعایت لازم ہے۔

فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ: اگر کوئی اکیلا ہو تو جس طرح چاہے نماز ادا کرے۔ لیکن یاد رہے کہ اس اذن میں بھی اولیٰ اور افضل نماز وہ ہے جو نبی کریم ﷺ کی نماز جیسی ہو نہ کہ بہت زیادہ لمبی نماز افضل ہے گو جائز ہو۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ امام کو مقتدیوں کی رعایت کرنا لازم ہے اور اس باب میں مدار سنتِ نبویہ ہے۔

سمجھ دار کم سن کی امامت کا حکم

401- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ سَلَمَةَ قَالَ: قَالَ أَبِي: جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ حَقًّا، فَقَالَ ((إِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ أَحَدُكُمْ، وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْثَرُكُمْ قُرْآنًا)). قَالَ: فَنَظَرُوْا، فَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ أَكْثَرَ قُرْآنًا مِنِّي، فَقَدَّمُوْنِي،

عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے فرمایا: میں تم لوگوں کے پاس جنابِ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے آ رہا ہوں جن کی نبوت برحق ہے۔ پس آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک اذان کہے اور تم میں سے امامت وہ کرائے جسے قرآن زیادہ آتا ہو۔''

[1] صحيح البخاري: 703- صحيح مسلم: 467.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَأَنَا ابْنُ سِتٍّ أَوْ سَبْعِ سِنِيْنَ)).

میرے والد فرماتے ہیں کہ پس لوگوں نے (جب) دیکھا (اور جانچا پرکھا) تو (کیا دیکھا کہ) مجھ سے زیادہ قرآن کسی اور کو نہ آتا تھا۔ تو انہوں نے مجھے (ہی امامت کے لیے) آگے کر دیا حالانکہ اس وقت میں چھ یا سات سال کا (نوعمر بچہ) تھا۔ ❶

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

اس حدیث کو امام بخاری، امام ابو داؤد اور امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ...... اَبِیْ: حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے والد حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں دین و شریعت سیکھنے کے لیے حاضر ہونے والے وفد میں شامل تھے۔

حَـقًّـا: اس کلمہ سے گویا کہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برحق ہونے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے حق ہونے کی شہادت دی ہے۔

جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ حَقًّا فَقَالَ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آنے والے وفود کو چند ایام کے لیے اپنے پاس ٹھہراتے تھے تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و آداب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں حسب ضرورت دین بھی سکھلا سکیں۔ اسی بات کو بیان کرتے ہوئے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سچے رسول کے پاس سے تمہارے پاس آ رہا ہوں۔ انہوں نے ہمیں جو دین کی باتیں سکھلائی ہیں ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے۔

اِذَا حَـضَـرَتِ الصَّلٰوةُ: حضور صلوٰۃ نماز کا وقت داخل ہونے سے ثابت ہوتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اذان نماز کا وقت داخل ہونے پر ہی دی جائے گی اور قبل از وقت دی گئی اذان کالعدم ہوگی جس کا اعادہ وقت داخل ہونے پر واجب ہوگا۔

فَلْيُؤَذِّنْ اَحَدُكُمْ: یہ ارشاد اس بات کی دلیل ہے کہ اذان دینا فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جب نماز کا وقت داخل ہو جائے تو تم سب کے سب اذان دینے لگو بلکہ یہ فرمایا کہ تم سب کی طرف سے کوئی ایک اذان دے دے۔ اذان کے دیگر مسائل اذان کے باب کے تحت ذکر کر دیئے گئے ہیں۔

وَ لْيَؤُمَّكُمْ اَكْثَرُكُمْ قُرْآنًا: یہ ارشاد اس بات کی دلیل ہے کہ امامت کا زیادہ مستحق وہ ہے جسے قرآن زیادہ یاد ہو لہٰذا جسے بیس پارے یاد ہیں وہ اس شخص سے زیادہ امامت کا مستحق ہے جسے دس پارے یاد ہوں۔

فَلَمْ يَكُنْ اَحَدٌ اَكْثَرَ قُرْآنًا مِنِّيْ: غرض جب ان لوگوں نے اہل محلہ میں اس بات کی جستجو کی کہ زیادہ قرآن کسے یاد ہے تو وہ جناب سلمہ رضی اللہ عنہ نکلے جو اس وقت چھ سات سال کے بچے تھے۔ چنانچہ انہوں نے امامت کے لیے انہی کو آگے کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بستی کے پاس سے گزرنے اور آنے جانے والے قافلوں سے ملتے اور ان میں سے جس کسی کو جتنا قرآن یاد ہوتا تھا اتنا سیکھتے رہتے۔ یوں شدہ شدہ انہیں اہل محلہ میں سے سب سے زیادہ قرآن یاد ہو چکا تھا۔ جس کا علم امامت کے لیے موزوں آدمی تلاش کرتے وقت ہوا تھا۔ مذکورہ قصہ اس بات کی دلیل ہے کہ بچے کی امامت جسے تمیز اور شعور حاصل ہو، جائز ہے چاہے وہ خود بالغ نہ بھی ہوا ہو مگر وہ بالغوں کی امامت کرا سکتا ہے۔ چونکہ یہ قصہ دورِ نبوی کا ہے جو

❶ صحيح البخاري: 4302۔ سنن ابي داود: 587۔ سنن النسائي: 9/2.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نزولِ وحی کا زمانہ تھا، اس لیے یہ قصہ حجت ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ قصہ اس بات کی دلیل ہے اور اس میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ امامت کا زیادہ مستحق وہی ہے جو زیادہ قرآن جانتا ہو۔ چاہے وہ نابالغ ہی ہو اور وہ بالغوں کی امامت کرا سکتا ہے۔

امامت کے لیے زیادہ قرآن جاننے والے کو آگے کیا جائے گا

402۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ تَعَالَى فَإِنْ كَانُوْا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ ، فَإِنْ كَانُوْا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً ، فَإِنْ كَانُوْا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِلْمًا۔ وَفِي رِوَايَةٍ: ((سِنًّا))۔ وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ ، وَلَا يَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ عَلَى تَكْرِمَتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ)) . رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''لوگوں کی امامت وہ کرائے جو رب تعالیٰ کی کتاب کو زیادہ پڑھنے (یعنی جاننے) والا ہو، پس اگر وہ (سب کے سب) قراءت میں برابر ہوں تو جو اُن میں سے سنت کو زیادہ جاننے والا ہو، پھر اگر سنت (کے جاننے) میں وہ سب برابر ہوں تو جو ان میں سے ہجرت کرنے میں سب سے زیادہ قدیم ہو اور اگر وہ سب ہجرت کرنے میں (زمانہ کے اعتبار سے) برابر ہوں (یعنی سب نے ایک زمانہ میں ہجرت کی ہو) تو جو ان میں اسلام لانے میں زیادہ قدیم ہو اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جو عمر میں سب سے بڑا ہو اور کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کے دائرہ اختیار (یعنی اس کے حلقہ حکومت و سیادت) میں امامت نہ کرائے اور کوئی کسی دوسرے کے گھر میں اس کی عزت کی جگہ (یعنی اس کے بیٹھنے کی کسی خاص جگہ) پر اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔''❶ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... يَؤُمُّ الْقَوْمَ: یہ خبر ہے جو امر کے معنی میں ہے۔ علم بلاغت کی رُو سے جو خبر امر کے معنی میں ہو اس میں زیادہ تاکید ہوتی ہے۔

أَقْرَؤُهُمْ: کیا اس سے محض قراءت کی عمدگی مراد ہے یا مراد علم ہے؟ یعنی جو قرآن کے معانی کو زیادہ جانتا ہو یا قرآن کو زیادہ اور کثرت سے پڑھنے والا مراد ہے؟ تو گزشتہ حدیث میں اس کی تفسیر کثرتِ قراءت کے ساتھ گزر چکی ہے۔ البتہ یہ لفظ دیگر مذکورہ دونوں معانی کو بھی شامل ہے۔

أَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ: مراد لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے سنت کا زیادہ عالم ہونا ہے۔ لہٰذا جو سنت رسول ﷺ کا زیادہ اور اس کی فقہ کا زیادہ حامل ہو، قاریٔ قرآن کے بعد وہی امامت کا زیادہ مستحق بھی ہے۔ یہاں سے یہ بھی مستفاد ہو گیا کہ اگر کسی جگہ قرآن کا زیادہ قاری اور سنت کا زیادہ عالم دونوں جمع ہو جائیں تو امامت کا زیادہ مستحق قرآن کا زیادہ قاری ہو گا۔

فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً: ہجرت یہ بلادِ کفر سے بلادِ اسلام کی طرف منتقل ہو جانے کو کہتے ہیں چاہے وہ بلادِ کفر گاؤں ہو یا بستی،

❶ صحیح مسلم: 673.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قصبہ ہو یا شہر، ملک ہو یا برِاعظم۔ غرض جو ہجرت میں قدیم ہو قاریٔ قرآن کے اور عالم بالسنۃ کے بعد امامت کا زیادہ مستحق وہ ہے۔

فَاَقْدَمُهُمْ سِلْمًا: سلم سے مراد اسلام ہے اور ایک روایت میں سنا کا لفظ ہے یعنی اگر گزشتہ مذکورہ تین قسم کے افراد نہ موجود ہوں تو امامت کا زیادہ مستحق وہ ہے جو زیادہ قدیم الاسلام ہو یا زیادہ عمر والا ہو۔ غرض استحقاق امامت میں منصوص ترتیب یہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی ہے۔

وَ لَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلَ الرَّجُلُ فِيْ سُلْطَانِهِ: سلطان سے مراد حلقۂ قیاوت وسیادت ہے۔ لہٰذا امام مسجد اپنی مسجد کا سلطان ہے۔ لہٰذا اگر اس کی مسجد میں کوئی ایسا نمازی آ گیا جو اس سے زیادہ قرآن وسنت کا عالم یا قدیم الاسلام یا زیادہ عمر والا ہو تو پھر بھی امامت کا زیادہ مستحق مسجد کا مقررہ امام ہی ہوگا۔ لہٰذا وہ امام کی اجازت کے بغیر اس مسجد میں نماز نہیں پڑھا سکتا۔

مضمونِ حدیث:...... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی ایسی جگہ چند لوگ جمع ہو جائیں جہاں کوئی مقررہ امام نہ ہو تو اب امامت کے لیے کس کو آگے کریں گے؟ تو اس کی منصوص ترتیب اوپر مفصل ذکر کر دی گئی ہے۔ البتہ جہاں امام مقرر ہو تو ہر صورت میں امامت کا مستحق وہی ہے کیونکہ وہ اپنی مسجد کا سلطان ہے اور مذکورہ حدیث میں کسی کی سلطانی اور امارت وسیادت کے حلقہ میں بنا اس کی اجازت کے امامت کے لیے آگے بڑھنا منع ہے۔ یہی حکم کسی کے گھر میں جا کر اس کی خاص جگہ بیٹھنے کا ہے کہ صاحبِ خانہ کی اجازت کے بغیر اس کی خاص جگہ پر بیٹھنا منع ہے۔

403- وَلِابْنِ مَاجَهْ مِنْ حَدِيْثِ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ . ((وَلَا تَؤُمَّنَّ امْرَأَةٌ رَجُلًا ، وَلَا أَعْرَابِيٌّ مُهَاجِرًا ، وَلَا فَاجِرٌ مُؤْمِنًا)) .

سنن ابن ماجہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں مذکور ہے (کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے): ''اور کوئی عورت کسی مرد کی امامت نہ کرائے اور نہ کوئی بدوی کسی مہاجر کی (جو دیہات سے شہر ہجرت کر آیا ہو) اور نہ کوئی فاجر (وبدکار) کسی (نیکوکار) مومن کی (امامت کرائے)۔''[1]

وَإِسْنَادُهُ وَاهٍ .

اس حدیث کی اسناد کمزور ہے۔

غریب الحدیث:...... **لَا يَؤُمَّنَّ:** یہ نون تاکید کے ساتھ نہی کا صیغہ ہے جو تحریم کے لیے ہے۔

اَلْمَرْأَةُ رَجُلًا: عورت کسی حال میں بھی مرد کی امامت نہیں کرا سکتی چاہے وہ کسی بھی اعتبار سے مرد سے افضل ہو، جیسے قدیم الاسلام ہو، قدیم الہجرت ہو، معمر العمر ہو یا زیادہ قاریہ وعالمہ ہو۔ غرض عورت کسی بھی حال میں امامت کرانے کی مجاز نہیں۔

اَعْرَابِيٌّ مُهَاجِرًا: اعرابی سے مراد گاؤں اور دیہات کا رہنے والا اور مہاجر سے مراد وہ شخص ہے جو بستی یا گاؤں کو چھوڑ کر شہر آ بسا ہو۔ کیونکہ غالب یہ ہے کہ دیہات کے رہنے والے تعلیم وتعلم اور آداب وتہذیب میں شہریوں سے کم درجہ والے ہوتے ہیں۔

فَاجِرٌ مُؤْمِنًا: فاجر سے یہاں مراد کافر ہے کہ وہ کسی صاحب ایمان کی امامت کا مجاز نہیں۔ لہٰذا قادیانیوں اور اسی طرح دوسرے گمراہ اور کفریہ عقائد کے حامل لوگوں کے پیچھے نماز جائز نہ ہوگی۔ فاجر کا اطلاق کافر پر بھی ہوتا ہے اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ﴾ (المطففین: 7)

---

[1] سنن ابن ماجہ: 1081- اس حدیث کی اسناد میں عبداللہ العدوی ہے جسے امام وکیع نے متہم کہا ہے پھر اس اسناد میں علی بن زید بن جدعان بھی ہے جو ضعیف راوی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عبداللہ العدوی منکر احادیث لانے والا ہے۔ (دیکھیں: سنن البیہقی: 171/3)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''ہر گز نہیں ، بے شک نافرمان لوگوں کا اعمال نامہ یقیناً دائمی سخت قید کے دفتر میں ہے۔''

پس کسی کافر کے پیچھے نماز ادا کرنا صحیح نہ ہوگا۔

اِسْنَادُهُ وَاهٍ: "وَاهٍ" وَهِيَ يَهِيْ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔اس کا معنی کمزور ہونا ہے۔مراد سند کا ضعیف ہونا ہے۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں ان لوگوں کا بیان ہے جن کو امامت کرانے کی اجازت نہیں ،لہٰذا نہ تو ان کی امامت صحیح ہوگی اور نہ ان کے پیچھے نماز ہی درست ہوگی۔لہٰذا عورت امامت کی اہل نہیں۔اس کی امامت باطل اور اس کے پیچھے مردوں کی نماز بھی باطل ہوگی۔البتہ عورت صرف عورتوں کی امامت کرا سکتی ہے۔دیہاتی بوجہ کم علم ہونے کے اور امامت سے متعلقہ ضروری مسائل سے لاعلم ہونے کے شہریوں کی امامت کا اہل نہیں۔کافر کفر کی بنا پر امامت کا اہل نہیں کیونکہ اس کے کفر کی وجہ سے اس کی امامت کالعدم ہے۔ان مسائل کی مزید تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

عورت مردوں کی امامت کی اہل نہیں

اگرچہ مذکورہ حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن دیگر قواعدِ شرعیہ اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ منصبِ امامت رجولیت کا مقتضی ہے کیونکہ امامت امر وتنفیذ کو متضمن ہوتی ہے جس کا اہل شرع شریف میں مرد ہی ہے۔لہٰذا عورت کی امامت مردوں کے حق میں باطل ہوگی۔البتہ اگر کسی جگہ صرف عورتیں ہی ہوں تو عورتوں میں سے کوئی ایک عورت باقی عورتوں کی امامت کرا سکتی ہے۔

دیہاتی کی امامت کا حکم

چونکہ یہ حدیث ضعیف ہے لہٰذا یہ بات صحیح نہیں کہ دیہاتی کسی شہری کی امامت نہیں کرا سکتا۔البتہ شہری بہر حال امامت کا زیادہ مستحق وسزاوار ہے۔

کافر کی امامت کسی حال میں درست نہیں

یہ بات دیگر قواعد شرعیہ کی رو سے طے شدہ ہے کہ کافر امامت کا اہل نہیں۔کیونکہ کافر کی نماز ہی درست نہیں چہ جائیکہ امامت درست ہو کیونکہ امامت کی صحت صحتِ صلوٰۃ پر مبنی ہے۔تو جب اس کی نماز ہی درست نہیں تو امامت بدرجۂ اولیٰ غیر صحیح ہوگی۔

مسائل شتی

- سگریٹ نوش اور ریش تراش کی امامت غیر صحیح ہے کیونکہ یہ دونوں فاسق ہیں۔
- ملاوٹ کرنے والا ،سودخور، رشوت خور، حرام خور، شراب نوش کہ ان سب کی امامت بھی بوجہ فسق کے درست نہیں۔
- غیبت کرنے والا بھی فاسق ہونے کی وجہ سے امامت کا اہل نہیں، یہی حکم دروغ گو، بہتان تراش اور مردود الشہادۃ کا بھی ہے۔
- رہا یہ سوال کہ بھلا آج ان باتوں سے کون محفوظ، سلامت اور بچا ہوا ہے کہ اگر کوئی ریش تراش نہیں تو دروغ گوئی، بہتان تراشی، غیبت وغیرہ سے ہرگز بھی سلامت نہیں، تب پھر آج کل نمازوں کے لیے کسی امام کا ملنا جوئے شیر لانے کے مترادف ٹھہرے گا اور ان عیوب سے خالی امام چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے۔تب پھر کیا کیجیے؟

جی ہاں! اس باب میں راجح قول یہ ہے کہ فاسق کی امامت درست ہے۔ہاں عادل کے پیچھے نماز کے افضل ہونے میں بھی کوئی شک نہیں۔(البتہ فسق کی بابت یہ امر ملحوظ رہے کہ وہ فسق ''فسق مجاہر'' نہ ہو جیسے میخواری، چوری، غصب، ریش تراشی وغیرہ کہ ان جیسے لوگوں کو منصب امامت کی تفویض میں نماز کا استخفاف اور فرائض کی اہانت ہے کیونکہ یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگ کھلے فسق کے حامل ہیں۔نسیم)

◈ رہا نماز کے واجبات میں خلل ڈالنا تو ایسا اگر مقتدی اور منفرد بھی کرے گا تو نماز ان کی بھی درست نہ ہوگی چہ جائیکہ امام کی نماز درست ہوگی۔

صفوں کو سیدھا اور برابر کرنے کا اور ان کو ایک دوسرے کے قریب قریب رکھنے کا بیان

404۔ وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((رُصُّوا صُفُوفَكُمْ، وَقَارِبُوا بَيْنَهَا، وَحَاذُوا بِالْأَعْنَاقِ)).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اپنی صفوں کو ملا ملا کر رکھو (یعنی صفوں میں خوب مل مل کر کھڑے ہو اور درمیان میں جگہ خالی نہ چھوڑو) اور ان کو ایک دوسرے کے قریب قریب رکھو (یعنی دو صفوں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ رکھو بلکہ ہر پچھلی صف اگلی کے قریب قریب ہو) اور (اپنی) گردنوں کو (صفوں میں ایک دوسرے کے) برابر رکھو'' (یعنی سب مل کر اور سیدھے کھڑے ہوں کہ کوئی ایک کسی دوسرے سے آگے یا پیچھے نہ ہو)۔ [1]

رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... رُصُّوا صُفُوفَكُمْ: رَصٌّ ایک دوسرے کو ملانے، جوڑنے اور مضبوط کرنے کو کہتے ہیں۔ مراد خوب مل کر کھڑا ہونا ہے البتہ یہ مراد نہیں کہ آدمی ساتھ والے پر تنگی کرے اور اپنا بوجھ اس پر ڈالنے لگے۔ مذکورہ حدیث میں ایسا جڑنا مراد نہیں کیونکہ ایسا کرنے سے دوسرے نمازی کی توجہ کو مشغول کرنا ہے جو منع ہے۔

قَارِبُوا بَيْنَهَا: یعنی خود صفیں بھی ایک دوسرے کے قریب قریب ہوں، ان کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ ہو۔ لہٰذا پہلی صف امام کے قریب ہو اور دوسری صف پہلی کے قریب ہو۔ الی آخرہ۔ فقہاءؒ نے صفوں کے قریب ہونے کو مسنون قرار دیا ہے۔ لہٰذا صفوں میں زیادہ فاصلہ یا باہم انقطاع و انفصال خلافِ سنت ہے۔

حَاذُوا بِالْأَعْنَاقِ: حَاذُوا، مُحَاذَاةٌ سے امر کا صیغہ ہے۔ جس کا مطلب مساوات یعنی برابری ہے۔ یعنی ایک صف میں کھڑے نمازیوں کی گردنیں ایک دوسرے کے محاذات میں سیدھی ہوں آگے پیچھے نہ ہوں۔ یعنی سب نمازی ایک قطار میں سیدھے کھڑے ہوں اور جب گردنیں سیدھی ہوں گی تو باقی کا بدن از خود سیدھا ہوگا۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں صفوں کو سیدھا رکھنے پر زور دیا گیا ہے جسے تسویۃ الصفوف کہتے ہیں۔

تسویۃ الصفوف تین باتوں پر مشتمل ہوتا ہے:

(1) نمازی مل مل کر کھڑے ہوں جس کی شرعی حد اوپر بیان کی جا چکی ہے۔

---

[1] سنن ابی داود: 667۔ سنن النسائی: 92/2۔ صحیح ابن خزیمۃ: 1545۔ صحیح ابن حبان: 2166۔ ضیاء مقدسی نے "المختارۃ" (41/7) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ "المجموع" (198/4) میں فرماتے ہیں: ''یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(2) نمازی سیدھے کھڑے ہوں، ایک دوسرے سے آگے پیچھے نہ ہوں۔

(3) اور خود صفیں بھی ایک دوسرے کے قریب قریب ہوں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ صفوں میں مل مل کر کھڑا ہونا مشروع ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ مشروعیت استحباب پر محمول ہے لیکن حدیث کے ظاہر سے اس مشروعیت کا وجوب مستفاد ہوتا ہے کیونکہ یہاں امر مذکور ہے جو وجوب کے لیے ہوتا ہے دوسرے صفوں کے درمیان خالی جگہ چھوڑنے پر وعید بھی مروی ہے جو وجوب کی مؤید ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ صفوں کی خالی جگہوں پر شیطان بھیڑ کے چھوٹے بچے کی طرح گھس جاتا ہے۔ [1] تاکہ نمازیوں کی نماز برباد کر سکے اور ایک حدیث میں یہ وعید بھی آئی ہے کہ ''جس نے صف کو قطع کیا اللہ اسے کاٹ ڈالے۔'' [2] یہ دونوں وعیدیں صفوں میں مُرَاصَّہ پیدا کرنے کے وجوب کی دلیل ہیں۔ لہٰذا مل کر کھڑا ہونا وجوب کے طور پر مشروع ہے۔

◈ نماز میں صف بندی مشروع ہے جس کی دلیل رُصُّوْا صُفُوْفَكُمْ کے الفاظ ہیں۔

◈ صفوں کا ایک دوسرے کے قریب قریب ہونا مشروع ہے جس کی دلیل قَارِبُوْا بَيْنَهَا کے الفاظ ہیں اور یہاں امر استحباب کے لیے ہے کیونکہ اس کی مخالفت پر کوئی وعید مروی نہیں۔ رہی دو صفوں کے درمیان کی حد تو وہ محل سجود تک ہے۔ یعنی دوسری صف اتنے فاصلے پر بنائی جائے کہ اس صف کے نمازیوں کے سجدہ کی جگہ اگلی صف میں خلل نہ ڈالے۔

◈ صفوں کا سیدھا ہونا بھی مشروع ہے۔ یہاں دو باتیں مذکور ہیں:

(1) ایک محاذات (2) دوسری گردنوں کے ذریعے محاذات

رہی محاذات تو یہ واجب ہے کیونکہ اس بارے امر وارد ہے جو وجوب کے لیے ہے۔ دوسرے دیگر متعدد روایات بھی صفوں کے سیدھا ہونے کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور رہا گردنوں کے ذریعے محاذات تو یہ محاذات کے حصول کے وسیلہ کا ذکر ہے یعنی ایک نمازی کی گردن اپنے دائیں اور بائیں کے نمازیوں کے گردنوں کے بالکل برابر ہو۔

یاد رہے کہ گردنوں کا ذکر بطور مثال کے ہے نہ کہ بطور تعیین کے۔ لہٰذا اصل مقصود صفوں کا سیدھا کرنا ہوگا اس لیے اگر کوئی کبڑا ہو تو اس کی صف میں محاذات ٹخنوں کے ذریعے ہوگی اور غالب یہ ہے کہ ٹخنے سب کے برابر ہوتے ہیں ان میں خلاف نہیں پایا جاتا۔

◈ جماعت اور صف بندی سے اصل مقصود باہمی اتفاق واتحاد اور یگانگت و یک جہتی ہے جو صفوں کے تقارب، مساوات اور مُرَاصَّہ سے حاصل ہوتی ہے اور یہی جماعت کے مشروع کرنے کی اصل غرض و غایت ہے کہ امت مسلمہ میں باہمی الفت ومحبت اور اتفاق واتحاد پیدا ہو۔ کیونکہ صفوں کے اختلاف سے دلوں میں بھی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں وارد ہے۔ [3]

---

[1] یہ حدیث اسی باب میں آگے آ رہی ہے جس کا ایک جزو اوپر مذکور ہے۔

[2] سنن ابی داود: 666۔ السنن الکبری للنسائی: 893.

[3] صحیح مسلم: 432.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مردوں کے حق میں پہلی صف کی فضیلت کا بیان

405- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((خَيْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا، وَشَرُّهَا آخِرُهَا، وَخَيْرُ صُفُوْفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا، وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''مردوں کی سب سے بہتر صف پہلی اور سب سے بری آخری ہے اور عورتوں کی سب سے بہتر آخری اور سب سے بری پہلی صف ہے۔'' [1]

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:......خَيْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا: یہ جملہ خبریہ ہے جو مبتدا اور خبر پر مشتمل ہے جبکہ آگے جملوں کا جملوں پر عطف ہے اور صف اول سے مراد امام سے پچھلی پہلی صف ہے نہ کہ منبر سے متصل پہلی صف ہے اور یہی صحیح قول ہے۔ کیونکہ بعض مساجد میں منبر صفوں کے بیچ میں بھی ہوتا ہے جیسا کہ مسجد نبوی میں ہے۔ لہٰذا پہلی صف وہ ہوگی جو امام کے پیچھے ہو نہ کہ وہ ہوگی جو منبر سے متصل ہو۔

شَرُّهَا: آخری صف کو اس اعتبار سے شر کہا گیا ہے جب کوئی عمداً اگلی صف چھوڑ کر پچھلی صف میں کھڑا ہو وگرنہ من حیث المجموع نماز کی جملہ صفیں خیر کی حامل ہیں گو پہلی صف میں آخری صفوں کی نسبت زیادہ خیر ہے۔

خَيْرُ صُفُوْفِ النِّسَاءِ: یہ دونوں جملے بھی خبریہ ہیں۔ عورتوں کی صفوں میں خیر کا وجود مردوں کی صفوں میں پائی جانے والی خیر کے برعکس ہے اور یہاں بھی خیر اور شر میں وہی تفصیل ہے جو گزشتہ میں بیان ہوئی ہے۔

مضمون حدیث:......مذکورہ حدیث میں مردوں کو اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ آگے ہو کر اور امام کے بالکل قریب ہو کر نماز ادا کیا کریں تاکہ انہیں امام کی کامل متابعت اور قراءت کا کامل سماع حاصل ہو اور جو امام سے جتنا دُور ہوتا جائے گا اتنا خیر سے دُور ہوتا جائے گا کیونکہ اب وہ متابعت سے دُور اور قراءت کے سننے سے بعید ہوتا جائے گا۔

جبکہ عورتوں کو مردوں سے زیادہ سے زیادہ دُور رہ کر عبادت کرنے کی ترغیب ہے تاکہ مردوں سے اختلاط کم سے کم ہو کہ اس میں فتنہ سے اسی قدر دُور ہونا ہے جس قدر مردوں سے دُور ہونا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ اعمال میں بھی باہمی تفاضل ہوتا ہے۔
- شرع شریف نے مردوں کو پہلی صفوں میں آ ملنے کی ترغیب دی ہے۔ حتیٰ کہ ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ اگر لوگوں کو پہلی صف کا ثواب معلوم ہو جائے تو اسے پانے کے لیے باہم قرعہ ڈالا کریں۔ [2]
- عورتوں کے لیے مردوں سے دُور رہنے میں ہی عافیت و خیریت ہے حتیٰ کہ ادائے عبادت میں بھی مردوں سے دُوری افضل ہے۔ اسی لیے عورتوں کی آخری صف کو بہتر اور پہلی صف کو برا کہا گیا ہے۔ البتہ اگر عورتیں عورتیں ہی مل کر نماز ادا کر رہی ہوں تو وہاں بھی سب سے بہتر صف پہلی ہی ہوگی کیونکہ یہاں مردوں سے اختلاط کا اندیشہ نہیں۔

---

[1] صحیح مسلم: 440.

[2] صحیح البخاری: 615 و صحیح مسلم: 437.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ معلوم ہوا کہ شارع علیہ السلام نے عورتوں کو مردوں سے دُور رکھنے کا بے حد اہتمام کیا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی عورت اکیلی ہو تو وہ اکیلی صف میں کھڑی ہو جائے مردوں کی صف میں خالی جگہ دیکھ کر مردوں کے پہلو میں کھڑی نہ ہو۔

◈ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں میں بھی صف بندی مشروع ہے۔ چاہے وہ مردوں کی جماعت میں شریک ہوں یا اکیلی عورتیں ہی نماز پڑھ رہی ہوں۔

اکیلا مقتدی امام کی داہنی جانب کھڑا ہو

406- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: ((صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ، فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِرَأْسِي مِنْ وَّرَائِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِيْنِهِ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ (تہجد کی) نماز پڑھی پس میں آپ ﷺ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا تو آپ ﷺ نے میرے سر کو پیچھے سے پکڑ کر مجھے اپنی داہنی جانب کر لیا۔ [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث : ..... مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: یہاں معیت مصاحبت کے معنی میں ہے۔ یعنی آپ ﷺ کے ساتھ جماعت میں شریک ہو کر نماز پڑھی۔

ذَاتَ لَيْلَةٍ: مراد ایک رات ہے۔ جس کا یہ قصہ ہے۔

فَقُمْتُ: یعنی نبی کریم ﷺ کی نماز میں شریک ہو کر کھڑا ہو گیا۔

عَنْ يَسَارِهِ: مراد نبی کریم ﷺ کی بائیں جانب ہے۔

فَأَخَذَ: یہاں اَخَذَ سے مراد امساک اور قبض ہے۔ یاد رہے کہ یہاں اَخَذَ افعالِ مقاربہ [2] میں سے نہیں۔

مِنْ وَّرَائِي: اور اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سر کو پکڑ کر اپنے پیچھے سے گزارا تھا۔

فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِيْنِهِ: یعنی آپ ﷺ نے انہیں اپنی داہنی طرف لا کر اپنے محاذات میں ایک ہی صف میں کھڑا کر لیا۔

مضمونِ حدیث: مذکورہ حدیث میں تین اہم باتیں مذکور ہیں:

(1) جب مقتدی اکیلا ہو تو امام کی داہنی جانب کھڑا ہو۔

(2) اگر اکیلا مقتدی امام کی بائیں جانب کھڑا ہو جائے تو امام اسے اپنے پیچھے سے گزار کر اپنی داہنی طرف کر لے اور ایسا کرنا عمل کثیر نہ کہلائے گا۔ کیونکہ یہ فعل مصلحتِ صلوۃ کے لیے ہے۔

(3) جب صرف امام اور مقتدی ہوں تو دونوں ایک صف میں محاذات میں کھڑے ہوں گے جس کی مزید تفصیل فوائد کے تحت آ جاتی ہے۔

---

[1] صحیح البخاری: 117- صحیح مسلم: 763.

[2] افعال مقاربہ ان افعال کو کہا جاتا ہے جن کو اس بات پر دلالت کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے کہ خبر اپنے فاعل کے قریب ہو گئی ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں اور اَخَذَ افعال مقاربہ کی تیسری قسم میں سے ہے جو فعل کے اَخذ اور شروع ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ (هداية النحو (جديد)، ص: 157-158) (نعیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- امام کی نیت نہ بھی ہو تب بھی مقتدی جماعت کی نیت سے اس کی نماز میں داخل ہو سکتا ہے۔ اس باب میں صرف مقتدی کی نیت ہی امام کی نیت سے کفایت کر جاتی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مظہور مذہب یہی ہے لیکن ہمارے مذہب میں جماعت کے جواز کے لیے امام اور مقتدی دونوں کا نیت کرنا لازمی ہے۔ رہا یہ سوال کہ اس بات کا علم کہاں سے ہوا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ضرور ہی نیت کی تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نبی کریم ﷺ کی نماز میں داخل ہونا ان کی نیت کی دلیل ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ کا نماز میں تصرف یعنی انہیں پکڑ کر اپنی داہنی طرف کرنا یہ آپ ﷺ کی نیت کی دلیل ہے۔
- معلوم ہوا کہ نماز کے دوران ہی انفراد سے امامت کی طرف انتقال درست ہے۔ چنانچہ منفرد دورانِ نماز امام بن سکتا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جب نماز شروع فرمائی تھی تو اکیلے تھے جبکہ بعد میں آپ ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نماز میں داخل ہونے پر امامت کی نیت فرمالی تھی۔ جس کی دلیل اوپر مذکور ہو چکی ہے۔ اگرچہ اس بارے علماء کا اختلاف ہے لیکن صحیح قول یہی ہے کہ منفرد دورانِ صلوٰۃ امامت کی طرف منتقل ہو سکتا ہے۔
- مقتدی اکیلا ہو تو امام کی داہنی طرف کھڑا ہو گا۔
- اگر اکیلا مقتدی امام کی بائیں جانب کھڑا ہو جائے تو اس کو داہنی طرف کر دیا جائے۔ البتہ اسے داہنی طرف کرنا واجب ہے یا مستحب تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ جن کے نزدیک ایسا کرنا واجب ہے ان کے نزدیک امام کی داہنی طرف خالی ہونے پر بائیں طرف کھڑا ہونے سے مقتدی کی نماز باطل ہو جاتی ہے جبکہ اکثر علماء کے نزدیک ایسا کرنا مستحب ہے۔ لہٰذا امام کی داہنی طرف خالی ہونے کے باوجود بائیں طرف کھڑا ہونے سے نماز صحیح ضرور ہو جاتی ہے۔ البتہ داہنی طرف کھڑا ہونا افضل ضرور ہے۔
- معلوم ہوا کہ اکیلا مقتدی امام کے پیچھے بھی کھڑا ہو سکتا ہے کیونکہ جب نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے سے گھمایا تھا تو اس لحظہ وہ امام کے پیچھے اکیلے ہو گئے تھے، اگر امام کے پیچھے اکیلا کھڑے ہونے سے نماز باطل ہو جاتی تو اس لمحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نماز باطل ہو جاتی لیکن یہ استدلال دو اعتبار سے محل نظر ہے:

(1) جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما اس جگہ کھڑے نہ ہوئے تھے۔

(2) اور اگر بالفرض کھڑے بھی ہوئے تھے تو نماز کا ادنیٰ درجہ بھی ادا نہ کیا تھا جس میں قیام رکوع اور سجدے شامل نہ تھے۔

لہٰذا مذکورہ قصہ سے امام کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونے کے جواز پر استدلال محل نظر ہے۔

- جب صرف امام اور مقتدی ہوں تو دونوں ایک صف بنا کر کھڑے ہوں گے نہ کہ آگے پیچھے کھڑے ہوں جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔
- معلوم ہوا کہ نماز میں خود نماز کی مصلحت کے لیے حرکت کرنا جائز ہے۔
- نفل نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا جائز ہے۔ البتہ جن نمازوں میں جماعت مشروع ہے جیسے نمازِ استسقاء اور صلوٰۃ کسوف و خسوف تو ان میں جماعت واجب ہے، اسی طرح ماہِ رمضان میں قیام اللیل کی جماعت اور جن نمازوں میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جماعت مشروع نہیں جیسے تہجد کی نماز تو ان میں جماعت کا اہتمام تو بدعت ہوگا البتہ گاہے گاہے جماعت کے ساتھ اس نماز کو ادا کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

- بڑے بال رکھنا جائز ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سر کو ان کے بالوں سے پکڑا تھا۔

عورت اور بچے کا امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا بیان

407- وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ، فَقُمْتُ أَنَا وَيَتِيمٌ خَلْفَهُ ، وَأُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا)).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (ایک مرتبہ) نماز ادا فرما رہے تھے پس میں اور ایک یتیم لڑکا آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو گئے جبکہ ام سُلیم رضی اللہ عنہا ہمارے پیچھے کھڑی ہو گئیں۔ ❶

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ .

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

غریب الحدیث :...... صَلّٰى: نبی کریم ﷺ یہ نماز حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا کے گھر میں ادا فرما رہے تھے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی کھانے کی دعوت کی تھی۔ کیونکہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ سے بے حد محبت فرماتی تھیں اور آپ ﷺ کو اکثر کھانے پر مدعو کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ وہاں پہنچ کر آپ ﷺ نے ان کو نماز پڑھائی تھی۔

اَنَا وَ يَتِيمٌ خَلْفَهُ: یہ کل تین افراد تھے اور سنت یہ ہے کہ جب نمازی تین ہوں تو امام آگے کھڑا ہو گا جبکہ دونوں مقتدی پیچھے صف بنا کر کھڑے ہوں۔ نبی کریم ﷺ کا آخری فعل یہی ہے۔ جبکہ پہلے دو افراد امام کے دائیں بائیں کھڑے ہوا کرتے تھے لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا تھا۔ چونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس نسخ کا علم نہ تھا اسی لیے انہوں نے ایک موقع پر اسود اور علقمہ (اپنے دو تلامذہ) کو اپنے دائیں بائیں کھڑا کر کے نماز ادا کی تھی۔ ❷ لیکن یہ امر منسوخ ہے اور سنت دو مقتدیوں کا امام کے پیچھے کھڑے ہونا ہے۔

يَتِيمٌ: یتیم اس کو کہتے ہیں جس کا باپ مر گیا ہو اور وہ ابھی تک نابالغ ہو، یہی درست قول ہے۔

أُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا: ابن آجروم نے ''خلف'' کو ظرف ہونے کی بنا پر منصوب قرار دیا ہے جو محذوف کے متعلق ہو کر مبتدا کی خبر ہے۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں بھی نفل نماز کے کبھی کبھی باجماعت ادا کرنے کے جواز کا ذکر ہے اور دو اور اہم مسائل بھی مذکور ہیں: (1) اگر امام کے علاوہ دو مقتدی اور ہوں تو وہ دائیں بائیں کھڑے ہونے کی بجائے امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے۔ (2) عورت ہر حال میں مردوں کے پیچھے ہی کھڑی ہو گی چاہے مردوں کی صف میں جگہ باقی بھی ہو اور چاہے وہ خود اکیلی ہی صف میں کھڑی ہو۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی کریم ﷺ سے بے حد محبت تھی چاہے وہ مرد تھے یا خواتین اور چاہے وہ بچے تھے۔
- فتنہ سے امان ہو تو عورت بھی اجنبی مرد کی دعوت کر سکتی ہے۔ جیسے عورت بے حد بوڑھی ہو تو وہ اپنے پڑوسی کی دعوت

❶ صحيح البخاري: 727- صحيح مسلم: 658. ❷ صحيح مسلم: 534.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر سکتی ہے۔

◈ نبی کریم ﷺ کا حسنِ اخلاق کہ آپ ﷺ نے ایک خاتون کی دعوت قبول فرمائی۔

◈ کبھی کبھی نفل نماز بھی با جماعت ادا کر سکتے ہیں۔

◈ مقتدی دو ہوں تو امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔

◈ صف میں نابالغ بچے بھی کھڑے ہو سکتے ہیں اگر چہ علماء کا اس میں اختلاف ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ بچہ فرض اور نفل دونوں نمازوں میں صف میں کھڑا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جب بچہ امامت کرا سکتا ہے تو صف میں تو بدرجۂ اولیٰ کھڑا ہو سکتا ہے۔

◈ عورت ہر حال میں مردوں کے پیچھے ہی کھڑے ہوگی تاکہ مردوں سے اختلاط ہرگز نہ ہونے پائے۔

جماعت میں شامل ہونے کا طریقہ

408- وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ ؓ أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى النَّبِيِّ ﷺ ، وَهُوَ رَاكِعٌ ، فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى الصَّفِّ ثُمَّ مَشَى إِلَى الصَّفِّ ، فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ : ((زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا ، وَلَا تَعُدْ)) .

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

وَزَادَ أَبُو دَاوُدَ فِيهِ: فَرَكَعَ دُونَ الصَّفِّ ، ثُمَّ مَشَى إِلَى الصَّفِّ)) .

حضرت ابوبکرہ ؓ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ جب) وہ نبی کریم ﷺ کے پاس (مسجد نبوی) پہنچے جبکہ اس وقت نبی کریم ﷺ رکوع میں تھے تو وہ صف تک پہنچنے سے قبل ہی رکوع میں چلے گئے پھر (رکوع کی حالت میں ہی) صف تک چلتے گئے (اور نماز میں جا کر مل گئے) حضرت ابوبکرہ ؓ نے (نماز کے بعد) خدمت نبوی ﷺ میں (جب) اس بات کا ذکر کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تیری (نماز میں شامل ہونے کی) حرص کو اور زیادہ کرے، اور دوبارہ ایسا نہ کرنا۔'' [1]

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

امام ابوداؤد نے اس حدیث میں یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں: پس انہوں نے صف سے پہلے ہی رکوع کر لیا پھر صف تک (رکوع کی حالت میں ہی) چلتے ہوئے گئے۔

غریب الحدیث :...... اَبِیْ بَکْرَةَ ؓ : بکرۃ وزنی چیز کو کھینچنے والی چرخی کو کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ابوبکرہ ؓ طائف کے محاصرہ کے دنوں میں قلعہ کی فصیل سے ایک چرخی کے ذریعے نیچے اترے تھے، اسی دن سے ان کا نام ابوبکرہ پڑ گیا۔

وَ هُوَ رَاكِعٌ: یہ جملہ حالیہ ہے اور ''ھُوَ'' ضمیر ''اَلنَّبِیّ'' کے لفظ کی طرف راجع ہے۔ یعنی مذکورہ جملہ اَلنَّبِی سے حال ہے۔

فَرَكَعَ قَبْلَ اَنْ يَّصِلَ اِلَى الصَّفِّ: یہاں رکوع کرنے والے حضرت ابوبکرہ ؓ ہیں اور جب وہ صف تک پہنچنے سے قبل ہی رکوع میں چلے گئے تھے تو طبعی بات ہے کہ پھر رکوع کی حالت میں ہی چلتے چلتے صف تک پہنچے ہوں گے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: اَنَّهُ جَاءَ مُسْرِعًا يَسْعٰى قَدْ حَفَزَهُ النَّفَسُ [2] ''حضرت ابوبکرہ ؓ جلدی کے ساتھ چلتے ہوئے جب کہ آئے ان کا سانس پھولا ہوا تھا۔''

---

[1] صحيح البخاري: 783- سنن ابي داود: 684. [2] مسند احمد: 50/5.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب یہاں چار باتیں جمع ہوگئی ہیں:

(1) جلدی کرنا (2) صف تک پہنچنے سے قبل رکوع کر لینا

(3) نماز میں چلنا اور صف میں جا ملنا (4) رکوع میں امام کی موافقت کرنا

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان چاروں باتوں میں سے کون کون سی باتیں مشروع اور کون سی غیر مشروع ہیں۔ تاکہ مابعد مذکور ارشادِ نبوی لَا تَعُدْ (دوبارہ ایسا نہ کرنا) کا ان پر اطلاق کیا جا سکے۔

زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا: نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد انہیں نماز کے بعد فرمایا تھا۔ جب انہوں نے نماز کے بعد نبی کریم ﷺ کو اس بات کی خبر دی کہ انہوں نے مسجد میں داخل ہو کر آپ ﷺ کو رکوع میں دیکھ کر آپ ﷺ کو رکوع میں پانے کے لیے کیا کیا تھا، اور "حِرْصًا" زَادَ فعل کا مفعولِ ثانی ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔

لَا تَعُدْ: یہ "لا" ناہیہ ہے اور مذکورہ فعل نہی کا ہے۔ لَا تَعُدْ یہ "عَادَ يَعُوْدُ" سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ بعض لوگوں نے اس کلمہ کو لَا تُعِدْ (اَلْاِعَادَة) سے روایت کیا ہے جو روایت و درایت دونوں اعتبار سے غیر صحیح ہے۔ جبکہ بعض نے اس کو لَا تَعْدُ (عَدَا يَعْدُوْ) سے روایت کیا ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔ صحیح روایت اَلْعَوْدُ سے لَا تَعُدْ کا صیغہ ہے۔ جو اعادہ اور عَدْو (دوڑنا) دونوں کے عدم کو متضمن ہے۔ رہی یہ بات کہ مذکورہ ارشاد لَا تَعُدْ کی نہی گزشتہ مذکورہ چار امور میں سے کس امر کی طرف متوجہ ہے؟ تو اس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(1) پہلا امر ہے جلدی کرنا۔ تو یہ نہی اس کی طرف متوجہ ہے جس کی دلیل یہ ارشادِ نبوی ہے: ''جب نماز کھڑی ہو جائے تو (نماز کی طرف) چلتے ہوئے جاؤ، جلدی کرتے ہوئے نہ جاؤ۔'' [1] چنانچہ اسراع یعنی جلدی کرنا یہ "لَا تَعُدْ" کی نہی میں داخل ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ نماز کی صف تک پہنچنے سے قبل نماز میں داخل ہونا منع ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے صف بندی کا حکم دیا ہے جو واجب ہے۔ چنانچہ جب تک تسویۃ الصفوف (اپنی جملہ شروط کے ساتھ) حاصل نہ ہو جائے نماز کے لیے تکبیر نہ کہی جائے۔ لہٰذا آدمی اس بات کا مامور ہے کہ وہ تکبیر کہنے سے قبل صف میں داخل ہو اور اس کے بعد تکبیر کہے۔

(2) یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صف میں شامل ہونے سے قبل رکوع کرنا بھی منع ہوا کیونکہ جب اس وقت تکبیر کہنا منع ہے تو رکوع کرنا بدرجہ اولیٰ منع ہوگا۔ لہٰذا "لَا تَعُدْ" کی نہی اس صورت کو بھی شامل ہوئی۔

(3) تب پھر صف میں داخل ہونے سے قبل نماز شروع کر کے صف میں آ ملنا بھی منع ہوا کہ جب اس سے قبل نماز شروع کرنا منع ہے تو اس کے بعد چلنا بدرجہ اولیٰ منع ہوا۔

(4) رہی چوتھی بات کہ فاتحہ پڑھے بغیر نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز میں شامل ہونا تو یاد رہے کہ مذکورہ نہی اس صورت کو شامل نہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جتنی نماز تم پالو اس کو پڑھ لو۔'' مذکورہ صورت میں انہیں رکوع ہی مل رہا تھا چنانچہ انہوں نے بدون قراءتِ فاتحہ کے رکوع کر لیا جو درست ہے۔

پس ثابت ہوا کہ "لَا تَعُدْ" کی مذکورہ نہی پہلی تین صورتوں کو شامل ہے نہ کہ چوتھی صورت کو بھی شامل ہے۔

مضمونِ حدیث :...... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ صف میں پہنچ کر نماز کا شروع کرنا

---

[1] صحیح البخاری: 636۔ صحیح مسلم: 602۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واجب ہے۔ لہٰذا صف میں داخل ہونے سے قبل نہ تو نماز کی تکبیر کہی جائے اور نہ نماز کا کوئی رکن ہی ادا کیا جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نماز کے لیے جلدی کرنا منع ہے چاہے ہم امام کو رکوع کی حالت میں ہی کیوں نہ دیکھ لیں تب بھی سکون اور وقار کے ساتھ نماز کی طرف جانا واجب ہے چاہے امام رکوع سے اٹھ جائے۔ البتہ اس طرح جلدی کرنے میں کوئی حرج نہیں جو قبیح اور بدنما نہ ہو کہ حضرات فقہائے کرام نے اس کی رخصت دی ہے۔
- معلوم ہوا کہ جس نے امام کو رکوع میں پالیا اس نے رکعت کو پالیا۔ حضرات علماء کرام میں یہ مسئلہ بے حد معرکہ آراء ہے چنانچہ بعض کے نزدیک اس شخص نے رکعت کو نہیں پایا کیونکہ اسے قراءتِ فاتحہ میسر نہیں آئی جو رکنِ صلوٰۃ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے رکعت کو پالیا ہے۔ رہی قراءتِ فاتحہ تو وہ مقتدی کے حق میں سنت ہے نہ کہ واجب جبکہ بعض نے اس مسئلہ کی یہ تعبیر بیان کی ہے کہ رکوع پانے والے نے رکعت کو پالیا ہے اس لیے نہیں کہ اس کے حق میں قراءتِ فاتحہ غیر واجب تھی بلکہ اس لیے کہ اس کے حق میں قراءتِ فاتحہ ساقط تھی کیونکہ قراءت کا محل قیام تھا جو رہ گیا ہے۔

لیکن ان جملہ تعلیلات کے بالمقابل حدیث کا ظاہر یہ بتلاتا ہے کہ ایسے شخص نے رکعت کو پالیا ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے اسی لیے رکوع میں جا ملنے کے لیے جلدی کی تھی جیسا کہ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''میں رکعت کے فوت ہو جانے سے ڈر گیا۔''[1] جو اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے رکوع میں جا ملنے کے لیے ہی جلدی کی تھی اور نبی کریم ﷺ سے بھی یہ منقول نہیں کہ آپ ﷺ نے انہیں اس رکعت کی قضا کا حکم دیا ہو جب کہ آپ ﷺ خطا کر جانے والے کو اس کی خطا پر ضرور متنبہ کرتے تھے۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے رکوع کو پانے کے لیے ہی عجلت سے کام لیا تھا۔ لہٰذا جس نے رکوع کو پالیا اس نے رکعت کو پالیا کہ یہی راجح قول ہے۔

- نبی کریم ﷺ کا اپنے اصحاب کے ساتھ معاملہ بے حد نرمی اور شفقت والا تھا۔ کیونکہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے بلا شبہ ایک خطا کا ارتکاب کیا تھا جس کی دلیل ''لَا تَعُدْ'' کے الفاظ ہیں۔ لیکن جب آپ ﷺ کو ان کے نیک ارادے کا علم ہوا تو انہیں دعا دیتے ہوئے فرمایا: ''اللہ تیری (خیر کی) حرص کو اور زیادہ کرے'' اور دوبارہ ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔
- معلوم ہوا کہ مجتہد اگر خطا کر جائے تو گناہگار نہیں بلکہ ماجور ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ معذور ہوتا ہے۔
- جو کسی خطا کا لاعلمی میں ارتکاب کر بیٹھے اسے اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔
- نماز میں صف تک پہنچنے سے قبل داخل ہونا منع ہے۔
- معلوم ہوا کہ منفرد یعنی اکیلے کی صف کے پیچھے نماز جائز ہے۔
- اسباب کا اختیار کرنا جائز ہے جن میں سے ایک دعا بھی ہے۔
- نبی کریم ﷺ کے دعا دینے سے یہ بھی مستفاد ہوا کہ آپ ﷺ کسی کے نفع ونقصان کے مالک نہیں۔
- جو حرکت اصلاحِ صلوٰۃ کے لیے کی جائے وہ جائز ہوتی ہے۔
- کسی رکعت کے بعض کو منفرد ہو کر ادا کرنے سے کوئی منفرد نہیں کہلاتا۔

[1] فتح الباری: 268/2

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونے والے کی نماز کا حکم

409,410- وَعَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ رضی اللہ عنہ: ((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَأَى رَجُلًا يُصَلِّي خَلْفَ الصَّفِ وَحْدَهُ ، فَأَمَرَهُ أَنْ يُعِيْدَ الصَّلَاةَ)) . رَوَاهُ أَحْمَدُ ، وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ .

حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھتے دیکھا تو آپ ﷺ نے اسے نماز دہرانے کا حکم دیا۔ [1]

اس حدیث کو امام احمد، امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

درایۃ الحدیث :......علماء حدیث نے اس حدیث کی اسناد پر کلام کیا ہے۔ چنانچہ بعض نے اس حدیث کی اسناد کو مضطرب کہا ہے جو حدیث کو ضعیف بنا دیتا ہے اور ضعیف حدیث احکام کے بیان میں حجت نہیں ہوتی۔ حجت صحیح یا حسن حدیث ہی ہوتی ہے۔

جبکہ بعض علماء نے اس کی اسناد کو حسن یا صحیح کہا ہے۔ اِن دونوں صورتوں میں حدیث بہر حال حجت ہی رہتی ہے۔ فقہائے حنابلہ نے اس حدیث کو حجت کہا ہے اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ یہ حدیث یا تو حسن ہے یا اپنے شواہد کی وجہ سے صحیح ہے۔ رہا اس کا اضطراب تو اسے کسی ایک طریق اسناد کے ترجیح دینے سے دور کیا جا سکتا ہے یا پھر یہ اضطراب حدیث کی صحت میں مخل ہی نہیں۔ غرض امام احمد رحمہ اللہ کے اصحاب کے نزدیک یہ حدیث حجت ہے اور اس کا حکم نافذ ہے۔

غریب الحدیث:......وَحْدَهُ: یہ یُصَلِّیْ فعل کی ضمیر سے حال ہے اور حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

خَلْفَ الصَّفِّ: خَلْفَ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

فَأَمَرَهُ: مذکورہ فا سببیہ ہے۔ یعنی آپ ﷺ نے صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے کی وجہ سے اس کے اعادہ کا حکم دیا تھا۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ ایسی نماز کا اعادہ واجب، اس کا تفصیلی حکم ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے کی صورتیں اور ان کے احکام

صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے کی دو صورتیں ہیں: (1) یا تو اگلی صف مکمل ہوگی (2) یا پھر اگلی صف غیر مکمل ہوگی اور اس میں کھڑے ہونے کی جگہ ہوگی۔

دوسری صورت میں نماز کا بطلان واضح ہے کیونکہ اس صورت میں نمازی نے بلا عذر صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھی ہے۔ رہی صف کے مکمل ہونے کی صورت تو بعض علماء کے نزدیک اس صورت میں بھی نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اب چونکہ مذکورہ روایت میں احتمال داخل ہو گیا ہے تو استدلال بھی باطل ہو جائے گا۔ لہٰذا مذکورہ حدیث سے اس بات پر استدلال کرنا صحیح نہ ہوگا

---

[1] مسند احمد: 23/4۔ سنن ابی داود: 682۔ جامع الترمذی: 231۔ صحیح ابن حبان: 2201۔ سنن ابن ماجه: 1004۔ ابن عبدالبر "التمهيد" (269/1) میں کہتے ہیں: حدیث وابصہ رضی اللہ عنہ مضطرب ہے۔ حضرات محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ نے "الفتح" (268/2) میں امام احمد اور امام ابن خزیمہ رحمہما اللہ کی تصحیح کو نقل کیا ہے۔ امام نووی نے "المجموع" (256/4) میں ابن منذر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام احمد اور امام اسحاق کے نزدیک یہ حدیث ثابت ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے چاہے اگلی صف غیر مکمل ہی ہو۔

غرض اب ایک تو خود حدیث کی سند میں اختلاف ہے، دوسرے مذکورہ روایت میں صف کے تام یا غیر تام ہونے کا بھی احتمال ہے۔ اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان صاحب کو نماز کے اعادہ کا حکم صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے کی وجہ سے دیا تھا۔ یا اس کا سبب کوئی اور تھا کیونکہ یہ قضیہ شخصیہ معینہ ہے۔

لیکن اس استدلال میں بھی نظر ہے کیونکہ "فَاَمَرَهٗ" میں مذکورہ "فا" سببیہ ہے اور مذکورہ سبب کے ہوتے ہوئے ایک غیر موجود اور مقدر سبب کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ لہٰذا اعادۂ صلاۃ کا مذکورہ سبب صف کے تام اور غیر تام ہونے کے احتمالات میں دائر رہے گا۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے نزدیک راجح قول یہی ہے کہ نماز تب باطل ہو گی جب اگلی صف میں جگہ ہونے کے باوجود پچھلی صف میں نماز پڑھے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- جاہل کی تعلیم واجب ہے۔ چاہے اس تعلیم کا تعلق امر مستحب سے ہی ہو۔
- معلوم ہوا کہ اگر اگلی صف میں جگہ ہونے کے باوجود کوئی پچھلی صف میں نماز ادا کرتا ہے تو اس کی نماز باطل ہو گی لہٰذا یہاں اعادۂ صلوٰۃ کا امر وجوب کے لیے ہے نہ کہ استحباب کے لیے ہے۔
- معلوم ہوا کہ تسویۃ الصفوف واجب ہے کیونکہ اس کے ترک پر نماز کے اعادہ کا امر ہے اور امر وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

وَلَهُ عَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ: ((لَا صَلَاةَ لِمُنْفَرِدٍ خَلْفَ الصَّفِّ)).

وَزَادَ الطَّبَرَانِيُّ فِي حَدِيثِ وَابِصَةَ: ((أَلَا دَخَلْتَ مَعَهُمْ، أَوِ اجْتَرَرْتَ رَجُلًا ؟)).

صحیح ابن حبان میں حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں: "صف کے پیچھے اکیلے کھڑے کی کوئی نماز نہیں۔"[1]

اور امام طبرانی نے حدیث وابصہ رضی اللہ عنہ میں یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں: "تم ان کے ساتھ (یعنی اگلی صف والوں میں) داخل کیوں نہ ہو گئے یا (ان میں سے) کسی ایک کو (پیچھے) کیوں نہ کھینچ لیا۔" (کہ یوں تم دونوں دو ہو جاتے)۔[2]

غریب الحدیث: ...... وَ لَهٗ: مراد امام ابن حبان ہیں کیونکہ قریب تر تذکرہ انہی کا ہے۔

لَا صَلٰوةَ: مذکورہ "لا" نفی جنس کا ہے اور مذکورہ نفی وجودِ حسی کی نہیں بلکہ یہ نفی صحت کی نفی ہے اور جس نے اس نفی کو کمال

---

[1] صحیح ابن حبان: 2202۔ مسند احمد: 23/4۔ سنن ابن ماجه: 2003۔ سنن ابن ماجہ میں یہ روایت علی بن شیبان سے ہے نہ کہ طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے۔ شاید مذکورہ مقام پر امام موصوف رحمہ اللہ سے سبقت قلم ہو گیا ہو کیونکہ خود امام موصوف نے "فتح الباری" (213/2) میں اس بات کو صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ صحیح ابن حبان میں یہ حدیث علی بن شیبان سے ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ذکر کیا ہے کہ مذکورہ حدیث کی صحت میں نظر ہے، باوجود یکہ امام بوصیری نے "مصباح الزجاجة" میں لکھا ہے کہ اس جہت سے اس حدیث کی اسناد صحیح ہے جبکہ دوسرے طریق سے یہ حدیث منفرد کی بجائے فرد کے لفظ کے ساتھ آتی ہے۔

[2] رواه الطبراني: 145/22، رقم الحديث: 394۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے "مجمع الزوائد" (96/2) میں اس حدیث کو ابو یعلیٰ کی طرف منسوب کر کے اس کو ضعیف کہا ہے اور اس روایت میں امام موصوف رحمہ اللہ کے روایت کردہ الفاظ نہیں۔ البتہ یہ الفاظ "سنن البیهقی" (105/3) میں ہیں اور امام بیہقی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ جبکہ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے "تهذيب السنن" (266/2) میں اس حدیث کی تضعیف کو باطل قرار دیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی نفی پر محمول کیا ہے اس کا قول غیر مقبول ہے۔ کیونکہ نماز کے اعادہ کا حکم اس بات کی دلیل ہے کہ مذکورہ نفی صحتِ صلوٰۃ کی ہے نہ کہ کمالِ صلوٰۃ کی۔

اَلَا: یہ حرفِ تخصیص ہے جس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

دَخَلْتَ مَعَهُمْ: مراد دوسرے لوگ یعنی دوسرے نمازی ہیں۔ مذکورہ تعبیر اس بات کو مقتضی ہے کہ وہاں صف میں داخل ہونے کی گنجائش تھی۔ وگرنہ آپ ﷺ ایسا ہرگز نہ فرماتے۔

اَوِ اجْتَرَرْتَ اَحَدًا: اجترار کسی شے کے پیچھے کھینچنے کو کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اگر اگلی صف میں جگہ نہ تھی تو بجائے پچھلی صف میں اکیلے کھڑے ہونے کے اگلی صف سے کسی کو کھینچ کر پچھلی صف میں کیوں نہ کر لیا تاکہ پچھلی صف میں دو ہو جاتے۔

پچھلی صف میں نمازی کو کھینچنے کا حکم

حضرات محدثین نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ مذکورہ اضافہ ضعیف ہے۔ اس لیے علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جب اگلی صف میں جگہ نہ ہو تو وہاں سے کسی نمازی کو کھینچ کر پچھلی صف میں لے آنا جائز ہے یا نہیں؟

امام شافعی رحمہ اللہ اور حضرات فقہاء کی ایک جماعت نے اس حدیث کے صحیح ہونے کی شرط پر ایسا کرنے کو جائز کہا ہے۔ جبکہ امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے ایسا کرنے کو مکروہ کہا ہے اور پیچھے کھینچنے کو منع کیا ہے۔ البتہ آواز دے کر متنبہ کرنے کو جائز کہا ہے۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اگلی صف کے نمازی کو نہ تو کھینچ کر پیچھے لانا درست ہے اور نہ آواز دے کر متنبہ کرنا ہی درست ہے۔

کیونکہ اگلی صف کے نمازی کو پیچھے کھینچنے میں چند مفاسد ہیں، جو یہ ہیں:

- ⊙ ......اس نمازی کو افضل جگہ سے ہٹا کر مفضول جگہ پر لانا
- ⊙ ......اسے بلاوجہ تشویش میں ڈالنا
- ⊙ ......اگلی صف میں ایک خالی جگہ پیدا کرنا
- ⊙ ......اگلی صف میں جگہ خالی ہو جانے پر اس میں حرکت پیدا کرنا

پس جب تک شرع شریف کسی شے کے وجوب پر دلالت نہ کرے تب تک کسی شے میں تصرف ممنوع ہوگا۔

نماز کی طرف سکون اور وقار کے ساتھ جانے کا بیان

411- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا سَمِعْتُمُ الْإِقَامَةَ فَامْشُوْا إِلَى الصَّلَاةِ وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ وَالْوَقَارُ، وَلَا تُسْرِعُوْا، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا، وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تم اقامت (کی آواز کو) سنو تو نماز کی طرف چل پڑو اور تم پر (نماز کو جاتے ہوئے) سکون اور وقار لازم ہے اور (چلنے میں) عجلت سے کام نہ لو، پس جتنی نماز تم پا لو اس کو پڑھ لو اور جتنی نماز تم سے رہ جائے (اسے بعد میں) پورا کر لو۔'' [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

غریب الحدیث: ......إِذَا سَمِعْتُمُ الْإِقَامَةَ: مراد نماز کی اقامت ہے اور مذکورہ اِذَا شرطیہ ہے۔ لہٰذا مذکورہ جملہ شرطیہ ہوگا۔

[1] صحيح البخاري: 636- صحيح مسلم: 602.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَامْشُوْا: یہ "فا" جواب شرط کا ہے اور مذکورہ جملہ جوابِ شرط ہے۔ یعنی اقامت کی آواز سن کر نماز کی طرف مذکورہ قید والی چال کے ساتھ کہ جس میں عجلت نہ ہو نماز کی طرف چلو اور یہ حکم اس ارشاد باری کے منافی نہیں:

﴿يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (الجمعة: 9)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو۔"

گو کہ مذکورہ آیت کا ظاہر حدیث الباب کے ظاہر کے منافی نظر آتا ہے کہ آیت میں "اَلسَّعْی" کا حکم ہے جبکہ حدیث میں اَلْمَشْی کا حکم ہے۔ لیکن دراصل یہاں کوئی منافات نہیں کیونکہ آیت کریمہ میں جس سعی کا حکم ہے اس سے مراد جلدی کرنا اور نماز کو جا پہنچنا ہے نہ کہ تیز چلنا مراد ہے۔ یاد رہے کہ تیز چلنا اور نماز کو پہنچنے کے لیے جلدی کرنا دو الگ الگ باتیں ہیں۔

اَلسَّكِيْنَةُ: مذکورہ کلمہ کا "اَلْوَقَار" پر عطف ہے۔ دونوں معطوف مل کر مبتدا موخر ہیں جبکہ عَلَيْكُم خبر مقدم ہے یہ جملہ خبر یہ فَامْشُوْا فعل کی ضمیر سے حال ہونے کی وجہ سے نصب کے محل میں ہے۔ اس بنا پر "وَ السَّكِيْنَةُ" میں واؤ حالیہ ہوگی۔ رہا یہ سوال کہ سکینہ اور وقار، یہ دونوں لفظ مترادف ہیں یا متغایر؟ تو یاد رہے کہ عطف میں اصل مغایرت ہے لہٰذا یہ دونوں لفظ متغایر ہوں گے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ سکینہ کا تعلق اعضاء و جوارح سے ہے جبکہ وقار کا تعلق قلب اور اس کی کیفیات سے ہے۔ لہٰذا نہ تو اپنی حرکات و سکنات غیر مناسب رکھے اور نہ جی میں خجالت اور عجلت رکھے۔

وَ لَا تُسْرِعُوْا: مذکورہ "لا" ناہیہ ہے، اسی لیے مذکورہ فعل نونِ اعرابی کے ساقط ہونے کے ساتھ مجزوم ہے اور مراد چلنے میں تیزی سے کام نہ لینا ہے نہ کہ نماز کی تیاری میں جلدی کرنے کا منع ہونا ہے۔ کیونکہ چلنے میں جلدی کرنا یہ سکینہ اور وقار کے منافی ہے۔

فَمَا اَدْرَكْتُمُ الصَّلٰوةَ: مذکورہ "فا" تفریعیہ ہے اور "ما" شرطیہ ہے اور "اَدْرَكْتُمْ" فعل شرط ہے، جس کا جواب آگے "فَصَلُّوْا" کی صورت میں مذکور ہے۔ یعنی جتنی نماز تمہیں امام کے ساتھ ملے اتنی پڑھ لو۔

وَ مَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا: مذکورہ واؤ عاطفہ ہے اور باقی کی ترکیب گزشتہ جیسی ہے۔ یعنی جتنی نماز تم سے رہ جائے اسے بعد میں پورا کر لو۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں دراصل دو باتیں مذکور ہیں:

1۔ ایک یہ اقامت سنتے ہی نماز کی تیاری شروع کر دی جائے۔ یعنی نماز کی طرف چلنا شروع کر دیا جائے۔

2۔ دوسری یہ کہ نماز کی طرف سکون اور وقار کے ساتھ جایا جائے اور چلنے میں جلدی نہ مچائی جائے کہ یہ نماز کے ادب کے خلاف ہے۔ پس وقار اور سکینت کے ساتھ جانے سے جو نماز مل جائے وہ پڑھ لی جائے اور جتنی رہ جائے اسے بعد میں پورا کر لیا جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◇ معلوم ہوا کہ اقامت اتنی اونچی آواز سے ہو کہ مسجد کے باہر سے بھی سنائی دے جس کی دلیل "اِذَا سَمِعْتُمُ الْاِقَامَةَ" کے الفاظ ہیں۔ اس بنا پر اقامت کو بھی لاؤڈ اسپیکر پر کہنے میں کوئی حرج نہیں اور اس باب میں موجود نمازیوں کی قلت تعداد کو معیار نہ بنایا جائے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ اقامت کہنا مشروع ہے۔
◈ نماز کی طرف بے ادبی پر مبنی تیزی کے بغیر چل کر لیکن جلدی جانا مشروع ہے۔ لہٰذا چلنے میں سکینت اور وقار ہو۔
◈ معلوم ہوا کہ نماز بے حد عظیم الشان ہے اسی لیے اس کی طرف باادب ہو کر جایا جائے گا۔
◈ امام جس حال میں بھی ملے اس کے ساتھ نماز میں شامل ہو جایا جائے۔

جماعت میں لوگوں کی کثرت مستحب ہے

412۔ وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ ﷛ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((صَلَاةُ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ وَحْدَهُ، وَصَلَاتُهُ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ مَعَ الرَّجُلِ، وَمَا كَانَ أَكْثَرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ)).

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''ایک آدمی کی دوسرے ایک آدمی ساتھ (مل کر) نماز اس کی اکیلے کی نماز سے زیادہ اجر والی ہے، اور اس کی دو آدمیوں کے ساتھ نماز اس کی ایک آدمی کے ساتھ (مل کر ادا کی جانے والی) نماز سے زیادہ اجر والی ہے اور جو نماز جتنے زیادہ لوگوں والی ہو وہ رب تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے۔''[1]

اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے جبکہ امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... صَلٰوةُ: یہ مبتدا ہے۔

مَعَ الرَّجُلِ: یہ ظرف ہے جو ''حال'' کے متعلق ہے اور یہ ''اَلرَّجُل'' مضاف الیہ سے حال ہے۔

اَزْكٰى: یہ خبر ہے جو زکاۃ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے نمو اور بڑھوتری۔ مراد زیادہ اجر والی نماز ہے۔

وَ مَا كَانَ اَكْثَرَ: ''مَا'' شرطیہ ہے۔ ''اَكْثَرَ'' كَانَ کی خبر ہے اور اس کا اسم اس کی ضمیر ہے۔ كَانَ فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

فَهُوَ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ: فَا جواب شرط پر داخل ہونے والا حرف ہے۔ هُوَ مبتدا اور اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ خبر ہے۔ یہ جملہ خبر یہ جواب شرط ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نماز میں جتنے زیادہ نمازی ہوں وہ نماز اسی قدر افضل اور زیادہ اجر والی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ معلوم ہوا کہ جماعت صحت صلوۃ کی شرط نہیں کیونکہ تفضیل میں دونوں جانب فضل پایا جاتا ہے البتہ مفضل میں مفضل علیہ

---

[1] سنن ابی داود: 554۔ سنن النسائی: 1004/2۔ مسند احمد: 140/5۔ صحیح ابن حبان: 2056۔ المستدرك للحاكم: 375/1۔ امام حاکم فرماتے ہیں: یحییٰ بن معین، ابن المدینی اور محمد بن یحییٰ الذہلی جیسے ائمہ حدیث نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ عقیلی (116/2) کہتے ہیں: ابن عبدالبر ''التمھید'' (317/6) میں کہتے ہیں: یہ حدیث قوی نہیں اور امام نووی رحمہ اللہ نے ''المجموع'' (169/4) میں کہا ہے اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی ایسا بھی ہے جس کے حال کو ائمہ حدیث نے بیان نہیں کیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے زیادہ فضل پایا جاتا ہے۔ پس دو کی نماز سے ایک کی نماز سے زیادہ اجر والا ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ اجر اور زکاۃ اکیلے کی نماز میں بھی پائی جاتی ہے جو اس کی نماز کی صحت کی دلیل ہے جس سے ثابت ہوا کہ اکیلے کی نماز بھی درست ہوتی ہے وگرنہ وہ نماز اجر وزکوٰۃ کی حامل نہ ہوتی۔

- معلوم ہوا کہ جماعت واجب نہیں۔
- معلوم ہوا کہ جماعت دو افراد کے ساتھ بھی منعقد اور ثابت ہو جاتی ہے۔
- مَعَ الرَّجُلِ کے الفاظ سے ثابت ہوا کہ صرف ایک اکیلی عورت کے ساتھ جماعت کی نماز متحقق نہیں ہوتی۔ لہٰذا جماعت کے تحقق کے لیے ضروری ہے کہ امام کے علاوہ دوسرا مرد ضرور ہو۔
- جماعت میں جتنے لوگ زیادہ ہوں اتنی زیادہ وہ نماز اجر والی ہوگی۔

عورت کے اپنے گھر والوں کی امامت کرانے کا حکم

413۔ وَعَنْ أُمِّ وَرَقَةَ رضی اللہ عنہا: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَهَا أَنْ تَؤُمَّ أَهْلَ دَارِهَا)). رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں اس بات کا حکم دیا کہ ''وہ اپنے گھر والوں کی امامت کرا لیا کریں۔''[1] اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے جبکہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... اَنْ تَؤُمَّ: یعنی سیدہ ام ورقہ رضی اللہ عنہا ان کی امام بنا کریں۔

اَهْلَ دَارِهَا: بظاہر ان الفاظ سے گھر کے افراد مراد ہیں نہ کہ اہل محلّہ

درایۃ الحدیث:...... علماء کا اس حدیث کی صحت اور حکم میں اختلاف ہے۔ بعض نے اس حدیث کو عبدالرحمٰن بن خلاد کی روایت ہونے کی وجہ سے ضعیف کہا ہے، کیونکہ ابن خلاد مجہول ہے اور بعض نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور وہ کہتے ہیں ابن خلاد مجہول ضرور ہے لیکن اس کا حال معلوم کیا جا سکتا ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں عورت کی امامت کا ذکر ہے کہ وہ اہل خانہ کی امامت کرا سکتی ہے۔ اس کی تفصیل ذیل میں بیان کی جاتی ہے۔

عورتوں کی جماعت کا حکم

عورتوں کی جماعت مشروع ہے۔ لہٰذا وہ مردوں سے الگ اکیلے اپنی جماعت کرا سکتی ہیں۔ حنابلہ کا مشہور مذہب یہی ہے جبکہ بعض علماء کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں، اس لیے عورتوں کی جماعت کی مشروعیت کا حکم اس ضعیف حدیث سے ثابت نہ ہوگا اور اس کے استحباب کو بھی اس قوت کے ساتھ بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اصل یہ ہے کہ جماعت مردوں کے لیے مشروع ہے۔ اگر عورتوں کا جماعت سے نماز پڑھانا ثابت ہوتا تو تواتر کے ساتھ منقول بھی ہوتا۔ البتہ اگر عورتیں جماعت کرا لیں تو اس میں خیر ہے لہٰذا اس امر پر نکیر نہ کی جائے گی اور اگر عورتیں گھروں میں جماعت کا اہتمام نہیں کرتیں تو انہیں جماعت کرانے کی ترغیب بھی نہ دی جائے گی۔

[1] سنن ابی داود: 592۔ صحیح ابن خزیمۃ: 1676.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نابینا کی امامت کا حکم

414,415- وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ : ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَخْلَفَ ابْنَ أُمِّ مَكْتُومٍ ، يَؤُمُّ النَّاسَ ، وَهُوَ أَعْمَى)).

رَوَاهُ أَحْمَدُ ، وأَبُوْ دَاوُدَ.

وَنَحْوُهُ لِابْنِ حِبَّانَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو (مدینہ نبویہ پر) اپنا جانشین مقرر فرمایا کہ وہ (آپ ﷺ کی غیر موجودگی میں) لوگوں کی (نماز میں) امامت کراتے رہیں حالانکہ وہ نابینا تھے۔ [1]

اس حدیث کو امام احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

اور صحیح ابن حبان میں ایسی ہی ایک حدیث سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے (بھی) مروی ہے۔ [2]

معرفة الصحابة:...... حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا شمار نبی کریم ﷺ کے موذنوں میں ہوتا تھا۔ ان کے نام کے بارے میں دو اقوال ہیں: (1) ایک یہ کہ ان کا نام عبداللہ تھا (2) اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام عمر تھا۔

غريب الحديث :...... اِسْتَخْلَفَ : یہ استخلاف مدینہ نبویہ کا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں کئی بار اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا چنانچہ آپ ﷺ جب بھی کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تھے تو پیچھے لوگوں کے معاملات کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لیے کسی نہ کسی کو اپنا جانشین بنا جاتے تھے جن میں سے ایک حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

يَؤُمُّ النَّاسَ : یعنی ان کا امام بن کر انہیں نمازیں پڑھائیں۔

نَحْوُهُ: یعنی نَحْوَ هٰذَا الْحَدِيْثِ......نحو کا معنی مثل ہے، نحو، مثل، شبہ، وغیرہ سب کلمات کا معنی ایک ہے۔

وَهُوَ اَعْمٰى : یہ جملہ حالیہ ہے اور "يَؤُمُّ" کی ضمیر سے حال ہے جو "ابن ام مکتوم" کے لفظ کی طرف راجع ہے۔

مضمون حديث :...... مذکورہ حدیث میں دو اہم مسئلے بیان کیے گئے ہیں: (1) ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ جب بھی مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے تو مدینہ کے امور کا کسی کو نگران اور والی بنا کر جاتے تھے۔ (2) دوسرا یہ کہ نابینا امامت کرا سکتا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- حکم و ولایت میں نابینا کا استخلاف درست ہے۔ لہٰذا جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ قاضی کا بینا ہونا شرط ہے ان کا یہ قول ضعیف ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ نابینا قاضی اور حاکم بن سکتا ہے۔
- اسی طرح نابینا کی امامت بھی درست ہے۔
- مذکورہ حدیث میں حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت بھی معلوم ہو گئی کہ جناب رسول اللہ ﷺ ان پر کس

---

[1] سنن ابي داود: 595- مسند احمد: 192/3- ضیاء مقدسی نے "المختارة" (91/7) میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ البتہ اس حدیث کی اسناد میں عمران قطان ہے جس کو نسائی اور یحییٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے۔ امام احمد کہتے ہیں میں امید کرتا ہوں کہ یہ حدیث صالح ہو۔ جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان سے استشہاد کیا ہے۔

[2] صحيح ابن حبان: 2135.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدر اعتماد فرماتے تھے۔

◈ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آدمی کو اس کی ماں کی طرف منسوب کر کے بھی پکار سکتے ہیں۔

کس کا جنازہ اور کس کی امامت جائز ہے؟

416- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((صَلُّوْا عَلَى مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَصَلُّوْا خَلْفَ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ)). رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”جو لا الہ الا اللہ کا اقرار کرے اس کی نمازِ جنازہ پڑھو اور جو لا الہ الا اللہ کا اقرار کرے اس کے پیچھے نماز پڑھ لو۔“ [1] اس حدیث کو امام دارقطنی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

مضمون حدیث:...... اگرچہ مذکورہ حدیث کی اسناد صحیح نہیں لیکن یہ امر بہرحال ثابت ہے کہ لا الہ الا اللہ کہنے والے کی نماز جنازہ پڑھنا اس کا حق ہے اور یہ واجب ہے کیونکہ ”صَلُّوْا“ امر ہے جو وجوب کے لیے ہے۔ دوسرے کلمہ کا اقرار کرنے والے کے پیچھے نماز جائز ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ معلوم ہوا کہ جو زبان سے توحید و رسالت کا اقرار کر لے وہ مسلمان ہے اور اس کے لیے وہ تمام حقوق ثابت ہیں جو ایک سچے مسلمان کے ہوتے ہیں جن میں سے ایک مرنے کے بعد اس کی نمازِ جنازہ کا پڑھنا بھی ہے۔

◈ ہم ظاہر کے مکلف ہیں لہٰذا دلوں کا نفاق رب تعالیٰ کے سپرد ہو گا۔

◈ اگر قوی قرائن و دلائل سے کسی کا نفاقِ اعتقادی ثابت ہو جائے تو اس کی نماز جنازہ پڑھنا جائز نہ ہو گا۔ تب پھر کھلے کافر کا جنازہ بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہو گا۔ لہٰذا قادیانیوں اور دیگر کافر فرقوں کی نمازِ جنازہ ادا کرنا حرام ہے اور ایسا کرنے پر کفر کا اندیشہ ہے۔

◈ معلوم ہوا کہ فاسق کے پیچھے نماز جائز ہے۔ علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ فاسق کے پیچھے کسی حال میں بھی نماز جائز نہیں چاہے اس کا فسق عملی ہو یا اعتقادی اور چاہے اس کا تعلق اس کے اقوال سے ہی ہو۔ جبکہ بعض کے نزدیک فاسق کے پیچھے نماز جائز ہے لیکن صحیح قول پہلا ہے کیونکہ مذکورہ حدیث ضعیف ہے جس سے استدلال درست نہیں۔

امام جس حال میں بھی ملے اس کے ساتھ جماعت میں شامل ہو جائیے

417- وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ، وَالْإِمَامُ عَلَى حَالٍ، فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْإِمَامُ)).

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”جب تم میں سے ایک نماز کو آئے جبکہ اس وقت امام (قیام رکوع یا سجدہ میں سے) کسی ایک حال میں ہو تو وہ آنے والا بھی وہی کرے جیسا وہ امام کر رہا ہے۔“ [2]

---

[1] سنن الدارقطنی: 56/2- حلیۃ الاولیاء لابی نعیم: 320/1- علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے "التحقیق" (477/1) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

[2] جامع الترمذی: 591- امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ "التلخیص الحبیر" (42/2) میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف بھی ہے اور منقطع بھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ. اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :......إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ: یعنی جو امام کے ساتھ نماز پڑھنے کے ارادہ سے آئے۔ یہ جملہ شرطیہ ہے اور "إِذَا" حرف شرط ہے۔

وَ الْإِمَامُ عَلَى حَالٍ: یہ جملہ حالیہ ہے اور عَلٰی حَالٍ سے مراد قیام، رکوع اور سجدہ وغیرہ میں سے نماز کی کوئی ایک حالت ہے۔ (رہا یہ سوال یہ کہ مذکورہ جملہ کس سے حال ہے؟ تو یہ مقدر سے حال ہے تقدیری عبارت إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الصَّلٰوةَ إِلَى الْإِمَامِ ہے اور مذکورہ جملہ اسی لفظ "امام" سے حال ہے۔) (نسیم)

فَلْيَصْنَعْ: یہ جملہ جوابِ شرط ہے۔ اسی لیے اس کے ساتھ فَا ملی ہوئی ہے۔

كَمَا: یہ کاف تشبیہ کے لیے ہے۔ اس کے بعد مذکورہ "مَا" یا تو مصدریہ ہے یا موصولہ ہے۔ پس اگر تو مابعد کے جملہ میں کوئی ضمیر مذکور ہے جو اس "مَـا" کی طرف لوٹ رہی ہو تو اس کا موصولہ ہونا متعین ہو جائے گا کیونکہ صلہ کے جملہ میں کسی نہ کسی ضمیر کا اسم موصول کی طرف لوٹنا لازم ہے۔ لیکن چونکہ آگے "يَصْنَعُ الْإِمَامُ" میں سرے سے کوئی ضمیر ہی مذکور نہیں جو لوٹے تو اس "مَا" کا مصدریہ ہونا متعین ہو گیا۔ تب پھر تقدیری عبارت یوں ہو گی فَلْيَصْنَعْ كَصُنْعِ الْإِمَامِ. یعنی وہ امام کے فعل جیسا فعل کرے۔

مضمون حدیث:......حدیث کا مضمون واضح ہے جس کو گزشتہ میں بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ امام جس حال میں بھی ملے اس کے ساتھ نماز میں شامل ہو جانا چاہیے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ اکیلے نماز نہ پڑھی جائے۔
- امام ارکانِ صلوٰۃ کے علاوہ بھی کسی حال میں ملے جیسے قومہ، جلسہ وغیرہ تو اس میں بھی امام کے ساتھ شامل ہو جانا چاہیے۔
- علماء نے لکھا ہے کہ اگر تو امام کو آخری تشہد میں دیکھ کر کسی کو اس بات کا یقین ہو کہ وہ ساتھ کی مسجد میں جا کر جماعت کو پا سکتا ہے تو اسے دوسری مسجد میں جانے کی اجازت ہے اور اگر اس بات کا یقین نہ ہو تو اسی حالت میں جماعت میں شریک ہو جائے۔

11۔ بَابُ صَلَاةِ الْمُسَافِرِ وَ الْمَرِيضِ
مسافر اور مریض کی جماعت کا بیان

تمہید: ...صَلٰوةُ الْمُسَافِرِ: اس کلمہ میں ترکیب اضافی ہے اور یہ إِضَافَةُ الشَّيْءِ إِلَى نَوْعِهِ کی قبیل من سے ہے۔ کیونکہ مسافر اور مریض کی نماز اپنے احکام میں دیگر لوگوں کی نمازوں سے خاص ہوتی ہے۔

سفر کی حقیقت و معنی

سفر، نکلنے اور ظاہر ہونے کو کہتے ہیں اسی سے "اسفار الصبح" کی اصطلاح ہے کہ صبح کی سفیدی کے ظاہر ہونے اور ابھرنے کو اسفار کہا جاتا ہے۔ علماء لغت نے سفر کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ یہ محل اقامت کے چھوڑنے کو کہتے ہیں۔ قرآن کریم نے سفر کو سفر اور ضرب فی الارض کے دو ناموں سے یاد کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ﴾ (البقرة: 184) ''پھر تم میں سے جو بیمار ہو، یا کسی سفر پر ہو۔'' کہ اس آیت میں سفر کو سفر کہا گیا ہے۔ اور ارشاد ہے: ﴿وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ (النساء: 101) ''اور جب تم زمین میں سفر کرو۔'' یہاں سفر کو ''ضَرْبٌ فِي الْاَرْضِ'' کہہ کر پکارا گیا ہے۔

غرض مسافر وہ ہے جو محل اقامت کو چھوڑ دے اور جس نے ابھی تک صرف نیت ہی کی ہو جبکہ محل اقامت کو نہ چھوڑا ہو، اس کو مسافر نہیں کہتے۔ پس مسافر وہی کہلائے گا جو وطن اقامت چھوڑ کر زمین گھومنے نکل جائے۔ جبکہ مریض تندرست اور صحیح کی ضد ہے اور یہاں مرض سے مرضِ بدنی مراد ہے نہ کہ مرضِ قلبی۔

سفر میں نماز قصر کرنے کا حکم

418- عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ: ((أَوَّلُ مَا فُرِضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ، فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ وَأُتِمَّتْ صَلَاةُ الْحَضَرِ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اول (اول) نماز (دو) دو رکعت فرض کی گئی تھی۔ پھر سفر کی نماز تو (اسی طرح دو دو رکعت) برقرار رکھی گئی جب کہ حضر کی نماز (چار رکعت) پوری کر دی گئی۔ ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

وَلِلْبُخَارِيِّ: ثُمَّ هَاجَرَ، فَفُرِضَتْ أَرْبَعًا، وَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ عَلَى الْأَوَّلِ.

اور صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: پھر آپ ﷺ نے (مدینہ نبویہ) ہجرت فرمائی۔ پس (مدینہ نبویہ میں) چار رکعت نماز فرض کر دی گئی جبکہ سفر کی نماز پہلی صورت پر (یعنی دو رکعت) ہی برقرار رکھی گئی۔ ❷

وَزَادَ أَحْمَدُ: إِلَّا الْمَغْرِبَ، فَإِنَّهَا وِتْرُ النَّهَارِ، وَإِلَّا الصُّبْحَ، فَإِنَّهَا تَطُوْلُ فِيْهَا الْقِرَاءَةُ.

اور مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں: سوائے مغرب کی نماز کے کیونکہ وہ دن کے وتر ہیں اور سوائے صبح کی نماز کے کیونکہ اس میں لمبی قراءت کی جاتی ہے۔ ❸

غریب الحدیث :...... أَوَّلُ: یہ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ جملہ کا مقتضی یہ ہے کہ ''رَكْعَتَيْنِ'' کا لفظ خبر ہو اور حالت رفع میں یہ لفظ ''رَكْعَتَانِ'' ہو۔ لیکن تثنیہ کا یہ صیغہ حالت نصبی کے ساتھ ہے۔ تب پھر یہاں خبر حذف ہے اور تقدیری عبارت یہ ہے: أَوَّلُ مَا فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ فُرِضَتْ رَكْعَتَيْنِ کہ یہاں دوسرا فُرِضَتْ خبر ہے اور مذکورہ رَكْعَتَيْنِ کا لفظ فُرِضَتْ فعل محذوف کی ضمیر نائب فاعل سے حال ہے۔

فُرِضَتْ: فرض کا لغوی معنی ہے کاٹنا اور چھید کرنا۔ اصطلاحِ شرع میں کسی بات کا التزام کے طور پر حکم دینا فرض کہلاتا ہے۔ مذکورہ تعریف کی رو سے فرض اور واجب دونوں کا معنی ایک بنتا ہے اور یہی صحیح ہے۔ یہ امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ جبکہ بعض علماء کا قول ہے کہ فرض اور واجب میں فرق ہے۔ پس فرض وہ ہے جس کے دلائل اپنے ثبوت اور دلالت دونوں میں قطعی

---

❶ صحيح البخاري: 350، 1090- صحيح مسلم: 685. ❷ صحيح البخاري: 3935.
❸ مسند أحمد: 241/6

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں جبکہ جس کے دلائل اپنے ثبوت اور دلالت میں ظنی ہوں وہ واجب ہوتا ہے۔ لیکن درست یہ ہے کہ فرض اور واجب میں کوئی فرق نہیں کیونکہ دونوں کے امتثال میں اجر اور ترک میں گناہ ہے۔

اَلصَّلٰوۃُ: مراد فرض نماز ہے اور فرض نمازیں پانچ ہیں۔

رَکْعَتَیْنِ: اول اول سوائے نمازِ مغرب کے سب نمازیں دو دو رکعتیں فرض ہوئی تھی۔ دو دو رکعات کی یہ فرضیت ہجرت کرنے تک باقی رہی تھی۔ رہی ان کی فرضیت کی ابتدا تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ فرضیت ہجرت سے تین سال قبل ہوئی تھی۔ جبکہ بعض کے نزدیک ہجرت سے ایک سال قبل معراج کے موقعہ پر فرض ہوئی تھی۔

فَاُقِرَّتْ صَلٰوۃُ السَّفَرِ: پھر ہجرت کے بعد سفر کی نماز تو دو دو رکعت باقی رکھی گئی جبکہ حضر کی نماز کو چار رکعات کر دیا گیا۔ اس موقع پر یہ یاد رہے کہ عام لوگ سفر کی نماز کو قصر کہتے ہیں تو یہ نماز درحقیقت قصر نہیں بلکہ اب حضر کی نماز کے اعتبار سے اس نماز کو قصر کہتے ہیں جب کہ سفر کی نماز اب بھی اتنی ہے جتنی پہلے تھی۔ پس سفر کی نماز کو گھٹایا نہیں گیا کہ ہم اس کو قصر کہیں البتہ حضر کی نماز کو بڑھایا گیا ہے۔ اس تفصیل کی رو سے سفر کی نماز کو قصر کہنا اعتباری ہے نہ کہ حقیقی۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دراصل یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ فرض نماز دو مراحل سے گزری ہے۔

پہلا مرحلہ:...... جب سفر وحضر دونوں کی نماز مساوی تھی۔ چنانچہ حضر وسفر دونوں میں نمازِ پنجگانہ سوائے مغرب کی نماز کے دو دو رکعت ادا کی جاتی تھی۔

دوسرا مرحلہ:...... اس میں سفر کی نماز کو تو اتنا ہی باقی رکھا گیا البتہ حضر کی نماز کو پورا کر دیا گیا سوائے مغرب اور فجر کی نمازوں کے جیسا کہ مسند احمد کی روایت میں ذکر ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ سفر میں قصر نماز ادا کرنا مشروع ہے۔ البتہ اس مشروعیت کی نوعیت میں علماء کا اختلاف ہے اور اس بابت تین اقوال ہیں: (1) یہ مشروعیت واجب ہے۔ (2) یہ مشروعیت مستحب مؤکد ہے جس کے ترک میں کراہت ہے۔ (3) یہ مشروعیت محض مستحب ہے جس کا ترک مکروہ نہیں۔

اہل ظاہر اور امام ابوحنیفہ پہلے قول کی طرف گئے ہیں، ان حضرات کا استدلال مذکورہ حدیث صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہے جس کے ظاہر سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ سفر کی نماز فریضہ اولیٰ ہے۔ تو جیسے حضر میں پانچ رکعت نماز نہیں پڑھ سکتے ایسے ہی سفر میں چار رکعات نہیں پڑھ سکتے اور یہی قول بے حد قوی ہے۔ دوسرے قول کے قائلین کا بھی اسی حدیث سے استدلال ہے۔ البتہ اس بارے اختلاف کے پیش نظر یہ حضرات سفر میں قصر کے استحباب میں تاکید کے قائل ہیں تاکہ اختلاف علماء سے نکل جائیں۔ پس ان حضرات کے نزدیک سفر میں پوری نماز پڑھنا مکروہ ہے نہ کہ حرام۔ جبکہ تیسرے قول کے قائلین کا استدلال اس ارشاد باری تعالیٰ سے ہے:

﴿وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾ (النساء: 101)

''اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ نماز کچھ کم کر لو۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ یہاں جناح کی نفی ہے جو وجوب پر دلالت نہیں کرتی۔ لیکن یہ استدلال محل نظر ہے کیونکہ مذکورہ دلیل میں وجوب کی نفی کسی دوسری دلیل سے وجوب کے اثبات کو مانع نہیں۔

- مسافر کو پوری نماز ادا کرنا مناسب نہیں سوائے ایک صورت کے کہ جب وہ کسی مقیم کے پیچھے نماز ادا کر رہا ہو۔
- ہجرت کے بعد نماز کو چار چار رکعت کر دیا گیا سوائے مغرب اور فجر کی نماز کے جیسا کہ مسند احمد کی روایت میں آتا ہے۔ ہجرت کے وقت جناب رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک ترپن سال تھی۔
- مغرب کی نماز کو اس حکم سے دو وجہ سے مستثنیٰ کیا گیا ہے: (1) ایک یہ کہ یہ دن کی وتر نماز ہے۔ (2) دوسرے یہ کہ نمازِ مغرب کی مُنَاصَفَت (اُسے آدھا آدھا کرنا) ممکن نہ تھا۔
- جب کہ فجر کی نماز کو اس لیے مستثنیٰ کیا گیا کیونکہ اس میں طویل قراءت کی جاتی ہے۔

سفر میں روزہ نہ رکھنے کا حکم

419- وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْصُرُ فِي السَّفَرِ وَيُتِمُّ وَيَصُومُ وَيُفْطِرُ)).

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سفر میں نماز کو قصر بھی فرما لیتے تھے اور پورا بھی فرما لیتے تھے اور (اسی طرح سفر میں) روزہ رکھتے بھی تھے اور نہ بھی رکھتے تھے۔ [1]

رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ إِلَّا أَنَّهُ مَعْلُوْلٌ.

اس حدیث کو امام دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے رواۃ ثقہ ہیں البتہ یہ حدیث معلول ہے۔

وَالْمَحْفُوْظُ عَنْ عَائِشَةَ مِنْ فِعْلِهَا، وَقَالَتْ: إِنَّهُ لَا يَشُقُّ عَلَيَّ.

جبکہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے (اس باب میں) محفوظ روایت وہ ہے جس میں سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فعل مذکور ہے اور سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: بے شک مجھ پر (قصر نماز کو پورا ادا کرنا) گراں نہیں۔ [2]

أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ.

اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔

درایۃ الحدیث:...... مذکورہ حدیث میں دو جملے مذکور ہیں: (1) يَقْصُرُ وَيُتِمُّ (2) يَصُوْمُ وَيُفْطِرُ

ان میں سے دوسرا جملہ ثابت ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ رمضان المبارک میں متعدد بار سفر پر نکلے۔ آپ ﷺ نے اس دوران روزہ رکھا بھی اور اپنے اصحاب کی رعایت رکھتے ہوئے روزہ نہ بھی رکھا۔ پھر رمضان المبارک کے متعدد اسفار کے دوران آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم میں سے روزہ رکھنے والے بھی ہوتے تھے اور نہ رکھنے والے بھی۔ مگر آپ ﷺ کسی پر نکیر نہ فرمایا کرتے تھے۔ رہا پہلا جملہ تو وہ منکر ہے اور صحیح نہیں۔ یہ بات نبی کریم ﷺ سے محفوظ نہیں کہ آپ نے کبھی کسی سفر کے دوران پوری نماز ادا فرمائی ہو۔ بلکہ آپ ﷺ ہمیشہ قصر نماز ادا فرماتے تھے اور یہی مشہور اور معروف ہے۔

وَ الْمَحْفُوْظُ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا: محفوظ کے بالمقابل شاذ روایت ہوتی ہے تب پھر یہ پہلی روایت شاذ کہلائے گی۔

غریب الحدیث:...... اِنَّهُ لَا يَشُقُّ عَلَيَّ تب پھر سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فعل تاویل پر مبنی ہوگا۔ وہ یہ کہ

[1] سنن الدارقطنی: 189/2- امام دارقطنی فرماتے ہیں: اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔

[2] سنن البیہقی: 143/3- امام ابن حجر رحمہ اللہ "فتح الباری" (571/2) میں فرماتے ہیں: [illegible] اسناد صحیح ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ سمجھتی تھیں کہ سفر میں قصر کا حکم مشقت کی بنا پر ہے اور چونکہ آپ اتمام صلوۃ میں مشقت نہ سمجھتی تھیں اس لیے آپ سفر میں بھی پوری نماز پڑھتی تھیں۔ لیکن سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تاویل نص کے مقابلہ میں ہے اور جو تاویل نص کے مقابلہ میں ہو وہ کہنے والے پر رد ہوتی ہے چاہے وہ جو بھی ہو۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں دو اہم باتیں مذکور ہیں: (1) ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر میں بھی پوری نماز پڑھنا۔ لیکن حدیث کا یہ مضمون غیر صحیح اور منکر ہے اور محفوظ روایت کے بالمقابل شاذ ہے۔ (2) دوسرے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر میں کبھی کبھی روزہ نہ رکھنا۔ بلاشبہ یہ ثابت ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں روزہ افطار بھی فرما لیا کرتے تھے۔ یہ مضمون دیگر متعدد احادیث سے ثابت ہے۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر میں پوری نماز پڑھنا ثابت نہیں لہٰذا مذکورہ روایت کا یہ مضمون شاذ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں پوری نماز پڑھتے تھے۔
- **سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس تعلیل اور تاویل کے ساتھ سفر میں اتمام صلوٰۃ فرمایا کرتی تھیں کہ انہیں اس میں کوئی مشقت نہیں۔**
- معلوم ہوا کہ بسا اوقات بہت بڑا عالم بھی خطا کر جاتا ہے جیسا کہ سفر میں اتمام کے باب میں **سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا** جیسی فقیہہ، عالمہ اور فاضلہ بھی خطا کر گئی تھیں۔

رخصت، عزیمت اور معصیت کا حکم

420۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَى رُخَصُهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ تُؤْتَى مَعْصِيَتُهُ)).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''رب تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ اس کی رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسا کہ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ اس کی نافرمانی کی جائے۔''[1]

رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ.

اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

وَفِي رِوَايَةٍ ((كَمَا يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَى عَزَائِمُهُ)).

اور (صحیح ابن حبان کی) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''جیسا کہ رب تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اس کے عزائم کو ادا کیا جائے۔''[2]

غریب الحدیث:...... اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى: تعالیٰ حسی علو پر مشتمل ہے۔ یعنی رب تعالیٰ کے لیے کتاب و سنت اور اجماع کی دلالت سے علوِ ذاتی ثابت ہے اور عقل و فطرت بھی اس بات کو حق کہتی ہے۔ اور دلائلِ خمسہ اس بات پر متفق ہیں کہ رب تعالیٰ اپنی مخلوق سے بلند ہے اور اسے علوِ مطلق حاصل ہے، اسی طرح اسے علو معنوی بھی حاصل ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ ہر قسم کے نقص اور عیب سے اوپر، پاک اور منزہ ہے۔ يُحِبُّ: رب تعالیٰ کے لیے صفتِ محبت ثابت ہے۔ اس پر گزشتہ میں صفحات تفصیلی کلام کیا جا چکا ہے۔

[1] مسند احمد: 108/2، صحیح ابن خزیمہ: 590۔ صحیح ابن حبان: 2742۔ علامہ ہیثمیؒ مجمع الزوائد: 162/3 میں فرماتے ہیں: اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

[2] صحیح ابن حبان: 3568

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رُخْصُهُ: رُخَصٌ یہ رخصت کی جمع ہے۔ رخصت کا لفظی معنی سہولت ہے۔ رَخَّصَ لَهُ کا مطلب کسی کو کسی بات کی اجازت دینا اور اسے سہولت دینا ہے اور درست یہ ہے کہ رخصت کی اصطلاحی اور شرعی تعریف بھی یہی ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو احکام میں جو سہولتیں دی ہیں، بندے ان پر عمل کریں۔

كَمَا يَكْرَهُ: مذکورہ کاف تشبیہ کے لیے بھی ہوسکتا ہے، تب پھر معنی یہ ہوگا کہ رب تعالیٰ کی رخصتوں پر عمل کرنے سے محبت ایسی ہے جیسی اسے گناہوں کے کرنے سے کراہت ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ کاف تعلیل کے لیے ہو اور اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ چونکہ رب تعالیٰ کو اپنی نافرمانی ناپسند ہے اس لیے اسے اپنی دی گئی رخصتوں پر عمل کرنا پسند ہے۔ کراہت سے مراد بغض ہے کہ حقیقی کراہت بغض ہی کا نام ہے اور کراہت کی تاویل ارادۂ انتقام وعقوبت سے کرنا ناجائز اور نص کے ظاہر کے خلاف ہے۔

اَنْ تُؤْتٰی مَعْصِيَتُهُ: معصیت طاعت سے نکل جانے کو کہتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ ماموارت میں امر کی مخالفت کرنا اور منہیات میں منہی عنہ میں جا پڑنا معصیت ہے۔ البتہ علماء نے معصیت کا اطلاق حرام کے ارتکاب پر کیا نہ کہ کراہت کے ارتکاب پر۔ عَزَائِمُهُ: عَزَائِم، عَزِيْمَة کی جمع ہے جو مَعْزُوْمَة کے معنی میں ہے۔ یعنی یہ فعیل کا صیغہ مفعول کے معنی میں ہے۔ معزوم کسی موکد شے کو کہتے ہیں۔ اسی سے ''عزم'' کا لفظ ہے جس کا معنی ہے پختہ ارادہ اور عازم اس کو کہتے ہیں جس کا کسی بات کا پختہ ارادہ ہو۔ تب پھر عزیمت کا تعلق امور موکدہ سے ہوگا اور وہ فرائض و واجبات ہیں اور یہ ان امور میں عزائم ہیں جن کے کرنے کا حکم ہے جبکہ محرمات وہ عزائم ہیں جن کے ترک کا حکم ہے۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ روایت میں رخصتوں پر عمل کرنے کی ترغیب، معاصی سے اجتناب کرنے کی اور عزائم پر چلنے کی تاکید مذکور ہے اور سفر میں قصر نماز کا ادا کرنا رخصت اور حضر میں پوری نماز کا ادا کرنا عزیمت ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- رب تعالیٰ کے لیے علوِ ذاتی و وصفی اور محبت کی صفت ثابت ہے۔
- رب تعالیٰ کا اپنے بندوں پر جود وکرم بے پایاں و بے انتہا ہے کہ اس نے بندوں کو عبادات کی ادائیگی میں بھی رخصتوں سے نوازا ہے۔ چنانچہ مسافر کا قصر نماز ادا کرنا رب تعالیٰ کو محبوب ہے کہ یہ رخصت پر عمل ہے اور اسی بات کو بیان کرنے کے لیے یہ حدیث لائی گئی ہے۔
- مسافر کے لیے مشقت ہو یا نہ ہو اسے قصر نماز ادا کرنا افضل ہے۔ اسی طرح جمع بین الصلوتین کرنا بھی افضل ہے۔
- رب تعالیٰ کی معصیت کا ارتکاب رب تعالیٰ کو بے حد ناگوار اور مبغوض ہے۔

قصر کی مسافت کتنی ہے؟

421- وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا خَرَجَ مَسِيْرَةَ ثَلَاثَةِ أَمْيَالٍ، أَوْ ثَلَاثَةَ فَرَاسِخَ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ)).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب تین میل یا تین فرسخ کی مسافت پر نکل جاتے تھے تو دو رکعت (یعنی قصر) نماز ادا کرتے تھے۔ [1]

[1] صحیح مسلم: 691.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ مُسْلِمٌ . اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

مسافتِ قصر کی حد میں علماء کا اختلاف اور اس کا حکم

مذکورہ حدیث کے معنی اور حکم میں علماء کا اختلاف ہے۔

میل کی مقدار

امیال، میل کی جمع ہے۔ ایک میل تقریباً 1700 میٹر کا ہوتا ہے۔ بعض علماء نے میل کی حد یہ بیان کی ہے کہ جہاں پر جا کر آدمی کا وجود دیکھنے والے کی نظروں میں جھکنے اور اوجھل ہونے لگے کیونکہ میل میلان سے ہے اور زمین بھی جھکتی ہے۔ لہٰذا جہاں پر جا کر ایک آدمی کا وجود زمین کے جھکاؤ کی وجہ سے نگاہوں سے اوجھل ہو جائے وہ میل کہلائے گا۔ لیکن میل کا اندازہ کرنے کا یہ پیمانہ پیچیدہ ہے کیونکہ لوگوں کی قوتِ نظر میں بہرحال اختلاف ہے۔ لہٰذا درست قول یہ ہے کہ ایک میل کا اندازہ پیائش اور مساحت سے کیا جائے گا۔ پھر تین میل کی یہ مساحت بھی تقریبی ہوگی کیونکہ دورِ نبوی میں مساحت کی تعیین وتحدید کے وہ پیمانے میسر نہ تھے جو آج میسر ہیں۔

فرسخ کی مقدار

فراسخ، فرسخ کی جمع ہے۔ ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے تب پھر تین فرسخ نو میل بنے گا۔ اب قصر کی مسافت تین میل ہے یا نو میل جیسا کہ مذکورہ روایت میں یہ امر شک کے ساتھ مذکور ہے تو یہ شک راویٔ حدیث شعبہ کا ہے، لیکن ہم اس شک کی بنیاد پر پوری حدیث کو کالعدم قرار نہیں دے سکتے۔ اس کو تطبیق ہم یوں دے سکتے ہیں کہ میل فرسخ میں داخل ہوتا ہے۔ لہٰذا قصر مسافت تین فراسخ یعنی نو میل ہوگی۔ چنانچہ آپ ﷺ اتنی مسافت پر نکل جانے پر قصر نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔

قصر نماز کب شروع کرے؟

رہا یہ سوال کہ آیا آپ ﷺ اتنی مسافرت قطع کرنے کے ارادہ سے شہر سے نکلنے پر اور آبادی سے دُور ہو جانے پر قصر نماز ادا فرمایا کرتے تھے یا اتنی مسافت پر پہنچ کر اس کے بعد قصر نماز ادا فرمایا کرتے تھے؟ امام احمد کا مشہور مذہب دوسرا قول ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ درست قول اور معنی پہلا ہی ہے کہ جب آدمی اتنی مسافت قطع کرنے کے ارادہ سے شہر سے نکل کر آبادی سے دُور ہو جائے تو چاہے ابھی تک اتنی مسافت پر پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو، اس کے لیے قصر نماز ادا کرنا جائز ہو جاتا ہے۔

کیا قصر کے جواز کے لیے مسافت قصر تک کا سفر ضروری ہے؟

اس باب میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ آیا اتنی مسافت کا سفر ہی قصر کی شرط ہے یا یہ بات بطور واقع کے بیان کے مذکور ہے؟ تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اس طرف گئے ہیں کہ سفر میں قصر کے جواز کے لیے اتنی مسافت شرط نہیں اور حدیث الباب میں مذکورہ مسافت واقع کا بیان ہے نہ کہ جواز کی شرط۔ پس ان دونوں بزرگوں کے نزدیک سفر کی کوئی تحدید نہیں۔ چنانچہ جیسے ہی ایک شخص سفر کے ارادہ سے آبادی سے نکل کر دُور ہو جائے گا اس کے لیے قصر نماز جائز ہو جائے گی۔ چاہے وہ جتنی بھی مسافت کے سفر پر نکلا ہو۔

سفر میں کتنے دن تک قصر نماز جائز ہوتی ہے؟

422۔ وَعَنْهُ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ، فَكَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتَّى رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ نبویہ سے مکہ مکرمہ کی طرف (سفر پر) نکلے، پس آپ ﷺ (اس تمام عرصہ کے دوران) دو دو رکعت نماز ادا فرماتے رہے، یہاں تک ہم مدینہ نبویہ لوٹ آئے۔ ❶❷

یہ حدیث ''متفق علیہ'' اور یہ الفاظ صحیح بخاری کی روایت کے ہیں۔

423,425- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: ((أَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ: تِسْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا يَقْصُرُ))، وَفِي لَفْظٍ: بِمَكَّةَ، تِسْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انیس دن تک قیام فرمایا (جس میں) آپ ﷺ قصر نماز پڑھتے رہے۔ اور ایک روایت میں ''مکہ میں'' کے الفاظ بھی ہیں۔ ❸

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

وَفِي رِوَايَةٍ لِأَبِي دَاوُدَ: ((سَبْعَ عَشْرَةَ)). وَفِي أُخْرَى: ((خَمْسَ عَشْرَةَ)).

اور سنن ابی داود کی ایک روایت میں ''سترہ دن'' ❹ کا جبکہ دوسری روایت میں ''پندرہ دن'' ❺ (کے قیام فرمانے) کا ذکر ہے۔

وَلَهُ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ: ((ثَمَانِيَ عَشْرَةَ)).

سنن ابی داود میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''اٹھارہ دن'' کا ذکر ہے۔ ❻

وَلَهُ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ: ((أَقَامَ بِتَبُوكَ عِشْرِينَ يَوْمًا يَقْصُرُ الصَّلَاةَ)).

اور سنن ابی داود میں ہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تبوک میں بیس دن قیام فرمایا (جس میں) آپ ﷺ قصر نماز ادا فرماتے رہے۔ ❼

وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ؛ إِلَّا أَنَّهُ اخْتُلِفَ فِي وَصْلِهِ.

اس حدیث کے سب رواۃ ثقہ ہیں البتہ اس حدیث کے موصول ہونے میں اختلاف ہے۔

سفر میں جمع بین الصلوتین کرنے کا حکم

426- وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ،

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب زوال آفتاب سے قبل سفر کے لیے کوچ

---

❶ شیخ رحمہ اللہ نے اس مقام پر ابن مفلح کی "کتاب الفروع" (47/2) سے صلوۃ المسافر کی بحث پڑھ کر سنا دینے پر ہی اکتفاء کیا تھا۔ اس لیے ہمارے معزز قارئین بھی "الفروع" اور دیگر کتب فقہیہ سے اس بحث کو دیکھ لیں۔

❷ صحیح البخاری: 1081- صحیح مسلم: 693.

❸ صحیح البخاری: 1080.

❹ سنن ابی داود: 1230.

❺ سنن ابی داود: 1231.

❻ سنن ابی داود: 1229.

❼ سنن ابی داود: 1235- مسند احمد: 295/3- صحیح ابن حبان: 2749- امام ترمذی رحمہ اللہ "علل لابی طالب" (ص: 95) میں فرماتے ہیں: میں نے اس حدیث کے بارے میں امام بخاری سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث ابن ثوبان سے مرسل مروی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ابن ابی شیبہ (208/2) نے اس مرسل روایت کو نقل کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلَى وَقْتِ الْعَصْرِ ، ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا ، فَإِنْ زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَّرْتَحِلَ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ)).

فرماتے تھے تو نماز ظہر کو عصر کے وقت تک موخر فرماتے تھے، پھر اتر کر دونوں نمازوں کو جمع کرتے تھے اور اگر آپ ﷺ کے کوچ فرمانے سے قبل آفتاب ڈھل چکا ہوتا تھا تو آپ (پہلے) ظہر کی نماز ادا فرماتے پھر (کوچ فرمانے کے لیے سواری پر) سوار ہوتے تھے۔ ❶

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

وَفِي رِوَايَةِ الْحَاكِمِ فِي الْأَرْبَعِيْنَ : بِالْإِسْنَادِ الصَّحِيحِ : صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ ثُمَّ رَكِبَ .

اور امام حاکم کی ''الاربعین'' میں صحیح اسناد کے ساتھ مروی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: تو آپ ﷺ ظہر اور عصر کی نماز (کو اکٹھا کرکے) ادا فرماتے، پھر سوار ہوتے تھے۔ ❷

وَلِأَبِي نُعَيْمٍ فِي مُسْتَخْرَجِ مُسْلِمٍ: ((كَانَ إِذَا كَانَ فِي سَفَرٍ فَزَالَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعًا ، ثُمَّ ارْتَحَلَ)).

اور ابونعیم نے ''مستخرج مسلم'' میں ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے: نبی کریم ﷺ جب سفر میں ہوتے تھے اور (کوچ سے قبل) آفتاب ڈھل جاتا تھا تو آپ ظہر اور عصر دونوں نمازوں کو اکٹھا ادا کرکے کوچ فرماتے تھے۔ ❸

غریب الحدیث :...... كَانَ إِذَا ارْتَحَلَ: كَانَ متعدد معانی کے لیے آتا ہے۔ اکثر یہ استمرار کا فائدہ دیتا ہے۔ کبھی اس سے زمانہ مراد ہوتا ہے اور کبھی مراد نہیں بھی ہوتا اور کبھی صرف كَانَ کے اسم کا اس کی خبر کے ساتھ متصف ہونا مراد ہوتا ہے۔

اِرْتَحَلَ: مراد سواری پر سوار ہونا ہے۔

قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ: یعنی آفتاب کے ڈھلنے سے قبل۔

اَخَّرَ الظُّهْرَ .....: کیونکہ زوال سے قبل چلنے کی صورت میں ظہر کو عصر تک موخر کرکے دونوں نمازوں کو اکٹھا ادا کرنے میں زیادہ سہولت ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ عصر کا وقت داخل ہونے پر دونوں نمازوں کو جمع کرکے ادا فرماتے تھے۔ کیونکہ ظہر کا وقت داخل ہونے سے قبل دونوں نمازوں کو جمع کرکے ادا کرنا ممکن نہیں۔

فَإِنْ زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ .....: مذکورہ متفق علیہ حدیث کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زوال آفتاب کے بعد سفر شروع کرنے کی صورت میں آپ ﷺ صرف ظہر کی نماز پڑھ کر سفر شروع فرماتے تھے۔ جبکہ ''الاربعین للحاکم'' اور ''المستخرج لابی نعیم'' کی روایات کی روشنی میں آپ ﷺ اس صورت میں ظہر اور عصر

---

❶ صحیح البخاری: 1111- صحیح مسلم: 704.

❷ فتح الباری: 583/2- الجامع الصغیر للسیوطی، ص: 203- امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علامہ علائی فرماتے ہیں: میں نے ''الاربعین'' کے متعدد نسخوں میں اسی طرح ''عصر'' کے لفظ کا اضافہ دیکھا ہے۔ اس اضافہ کی سند جید ہے۔

❸ المستخرج لابی نعیم: 294/2.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دونوں نمازوں کو پڑھ کر کوچ فرماتے تھے۔ تاکہ اس کے بعد رات تک آپ ﷺ کو اترنا نہ پڑے اور رات کو اکٹھا فرودش ہو کر مغرب اور عشاء کی نمازوں کو ادا کر لیا جائے یوں سفر کا ایک معتدبہ حصہ لگاتار اور پیہم طے ہوتا رہے۔

جمع بین الصلوتین کا حکم اور اس کی تفصیل

مذکورہ حدیث جمع بین الصلوتین کے باب میں اصل کا درجہ رکھتی ہے۔ اب یہ بات معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پانچوں نمازوں کے اوقات کو (ان کے اوّل کو بھی اور آخر کو بھی) مفصل بیان کر دیا ہوا ہے۔ جمع بین الصلوتین کی بات علماء تین طرف گئے ہیں:

(1) بعض علماء نے مزدلفہ اور عرفہ کے سوا جمع بین الصلوتین کو ہرگز بھی جائز نہیں رکھا اور ان کے نزدیک ان دونوں مواقع پر بھی جمع کا سبب نسکِ حج ہے نہ کہ سفر۔

(2) بعض علماء نے اس باب میں بے حد توسع سے کام لیا ہے حتیٰ کہ انہوں نے بلا عذر بھی جمع کو جائز رکھا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک نمازِ پنجگانہ کی بابت مروی توقیت علی سبیل الافضلیت ہے نہ کہ علی سبیل الوجوب۔

(3) جبکہ بعض علماء نے اس باب میں بیچ بیچ کا قول اختیار کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اگر تو جمع کا کوئی شرعی عذر ہو تو جمع جائز ہے وگرنہ ہر نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا واجب ہے۔ بلاشبہ یہ قول راجح اور درست ہے۔

جمع تقدیم وتاخیر

رہا یہ سوال کہ جمع میں تقدیم افضل ہے یا تاخیر؟ تو اس باب میں افضل صورت وہ ہے جس میں سہولت ہو۔ جمع کا حکم خود تیسیر پر مبنی ہے لہٰذا اس کی وہی صورت افضل ہوگی جس میں آسانی ہو۔

حضر میں جمع کی صورتیں

رہا یہ سوال کہ کیا حضر میں بھی کسی کو جمع کی اجازت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس کسی کو بھی کسی عذر اور بیماری کی وجہ سے نماز کے ادا کرنے میں مشقت ہو، اسے جمع کی اجازت ہے، جیسے سلسل البول کا مریض کہ اسے ہر نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنا مشکل ہے۔ اسی طرح مستحاضہ کہ نبی کریم ﷺ نے اسے جمع کی اجازت دی ہے جس کی تفصیل استحاضہ کے باب میں گزر چکی ہے۔ اسی طرح دودھ پلانے والی عورت کے لیے بھی جمع جائز ہے کیونکہ اسے ہر نماز کے لیے کپڑے پاک رکھنا اور کرنا مشکل ہے۔ یاد رہے کہ اس باب میں سب سے زیادہ مبنی بر وسعت مذہب امام احمد کا ہے۔ اسی طرح بارش کے عذر کی وجہ سے جمع جائز ہے تاکہ نمازیوں کو دونوں نمازوں کی جماعت میسر آ سکے۔ اسی طرح جہاں سفر پر نکلے چند لوگ شہر پہنچنے پر متفرق ہونے لگیں اور انہیں معلوم ہو کہ اپنے گھروں کو جا کر سب اکیلے اکیلے نماز پڑھیں گے تو جماعت پانے کی غرض سے بھی انہیں جمع کرنا جائز ہے۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ شرعی عذر کی وجہ سے جمع بین الصلوتین جائز ہے اور شرعی عذر متعدد ہیں جیسے: سفر، نسک حج، مرض، استحاضہ، ارضاع اور ادراک جماعت وغیرہ۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- سفر جاری رکھنے کی غرض سے جمع بین الصلوتین جائز ہے۔
- جمع کی وہ صورت افضل ہے جس میں آسانی ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ نبی کریم ﷺ کی اپنے رفقائے سفر کے ساتھ نرمی، شفقت اور رعایت۔
◈ مذکورہ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سفر میں بھی نماز کو باجماعت ادا کرنا مشروع اور واجب ہے۔
◈ یاد رہے کہ دو نمازوں کو جمع کر کے ادا کرتے وقت پہلی نماز کا سلام پھیرنے سے قبل جمع کی نیت کرنا شرط نہیں۔ یہی صحیح اور درست مذہب ہے۔

ان نمازوں کا بیان جن کو باہم جمع کر کے ادا نہیں کر سکتے

427- وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ، فَكَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيْعًا وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ جَمِيْعًا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں نکلے۔ پس آپ ﷺ (اس سفر کے دوران) ظہر اور عصر کو اکٹھا کر کے اور مغرب اور عشاء کو جمع کر کے ادا فرمایا کرتے تھے۔ [1]

''اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

قصۂ حدیث:...... غزوۂ تبوک نو ہجری میں ہوا تھا۔ تبوک شام کی حدود پر واقع ایک مشہور مقام کا نام ہے۔ نبی کریم ﷺ کو اس بات کی خبر ملی کہ رومیوں نے مسلمانوں پر یلغار کرنے کے لیے شامی حدود پر فوجیں جمع کرنا شروع کر دی ہیں۔ آپ ﷺ نے رومیوں کی سرکوبی کے لیے اس غزوہ کا ارادہ فرمایا اور وقت اور حالات کے شدید نامساعد ہونے اور مسافت کے از حد بعید ہونے کے باوجود آپ ﷺ بھرپور تیاری کر کے تبوک کے مقام پر جا پہنچے۔ مسلمانوں کو اس شان کے ساتھ آتے دیکھ کر رومیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور انہوں نے بدونِ قتال کے پسپائی اختیار کر لی اور آپ ﷺ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کامیاب و کامران مدینہ نبویہ لوٹ آئے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں بھی سفر میں جمع بین الصلوتین کے جواز کا ذکر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے تبوک کے مقام پر بیس دن قیام فرمایا اور نمازوں کو جمع کر کے ادا فرماتے رہے۔ البتہ مذکورہ روایت میں اس بات کی تفصیل ذکر نہیں کہ یہ جمع تقدیم کی صورت تھی یا جمع تاخیر کی۔ بظاہر جب جس صورت میں بھی سہولت رہی ہوگی، آپ ﷺ نے اسی کو اختیار فرمایا ہوگا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ سفر جتنا بھی طویل ہو، مسافر کے لیے جمع کرنا جائز ہے۔
◈ معلوم ہوا کہ عصر اور مغرب کو عشاء اور فجر کو اور فجر اور ظہر کو جمع کر کے ادا نہ کیا جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ دن کی نمازوں اور رات کی نمازوں کو جمع کر کے ادا کرنا جائز نہیں۔
◈ دن کی نمازیں ظہر اور عصر ہیں اور رات کی نمازیں مغرب اور عشاء ہیں۔
◈ رہی فجر کی نماز تو اگرچہ وہ دن کی نماز ہے لیکن اسے عشاء کے ساتھ ملا کر ادا نہ کیا جائے کیونکہ عشاء رات کی نماز ہے اور نہ ظہر کی نماز کے ساتھ ملا کر ہی ادا کیا جائے گا۔ کیونکہ اگرچہ ظہر بھی دن کی نماز ہے لیکن دونوں نمازوں کے اوقات باہم

---

[1] صحیح مسلم: 706.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملے ہوئے نہیں ہیں لہٰذا فجر کی نماز اپنے محل پر رہے گی۔

ایک مسافت قصر کا بیان

428- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تَقْصُرُوا الصَّلَاةَ فِيْ أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعَةِ بُرُدٍ، مِنْ مَكَّةَ إِلَى عُسْفَانَ)). رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ، وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ مَوْقُوفٌ، كَذَا أَخْرَجَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''چار برید سے کم کی مسافت میں نماز کو قصر کر کے ادا نہ کرو، جو مکہ سے عسفان (تک کی مسافت) ہے۔''❶ اس حدیث کو امام دارقطنی نے ضعیف اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ اسی طرح امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔❷

درایۃ الحدیث:...... امام موصوف رحمہ اللہ کا اس حدیث کو ضعیف کہنا محل نظر ہے۔ کیونکہ مذکورہ حدیث کا ایک راوی متروک ہے۔ لہٰذا یہ حدیث ضعیف نہیں بلکہ منکر ہے۔ لہٰذا یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے کبھی بھی مروی نہیں ہو سکتی۔ صحیح وہی ہے جو شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ سفر کی زمان و مکان دونوں کی تحدیدگی بابت کوئی صحیح روایت نہیں ملتی۔ یہ امر عرف اور عادت کی طرف راجع ہے۔ لہٰذا عرف میں لوگ جسے سفر کہتے ہیں، وہ سفر کہلائے گا اور جسے وہ سفر نہیں کہتے اسے سفر نہ کہا جائے گا۔ اسی لیے امام موصوف نے اس حدیث کے موقوف ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔

سفر میں قصر کرنے والوں کی فضیلت

429- وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((خَيْرُ أُمَّتِي الَّذِيْنَ إِذَا أَسَاؤُوْا اسْتَغْفَرُوْا، وَإِذَا سَافَرُوا قَصَرُوْا وَأَفْطَرُوْا)).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''میری امت کے سب سے بہتر لوگ وہ ہیں کہ جب وہ کوئی برائی کر بیٹھتے ہیں تو استغفار کرتے ہیں اور جب وہ سفر میں نکلتے ہیں تو (نماز) قصر اور (روزہ) افطار کرتے ہیں۔''❸

أَخْرَجَهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ، وَهُوَ فِي مُرْسَلِ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عِنْدَ الْبَيْهَقِيِّ مُخْتَصَرًا.

امام طبرانی رحمہ اللہ نے یہ حدیث ''المعجم الاوسط'' میں ضعیف سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ ''سنن البیھقی'' میں یہ روایت اختصار کے ساتھ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے مرسل مروی ہے۔❹

---

❶ سنن الدارقطنی: 378/1- اس حدیث کی اسناد میں اسماعیل بن عیاش ہے جو ضعیف ہے اور عبدالوہاب بن مجاہد بھی ہے جو اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ ابن جوزی رحمہ اللہ نے ''التحقیق'' (493/1) میں اسی طرح کہا ہے۔

❷ مجھے یہ حدیث ''صحیح ابن خزیمة'' میں نہیں ملی۔ البتہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی ''المسند'' (ص ۲۵) میں اور امام شافعی رحمہ اللہ کے طریق سے امام بیہقی نے ''السنن'' (137/3) میں یہ حدیث روایت کی ہے۔ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے ''المجموع'' (277/4) میں کہا ہے۔

❸ المعجم الاوسط للطبرانی: 6558- علامہ ہیثمی ''مجمع الزوائد'' (157/2) میں کہتے ہیں: مذکورہ حدیث کی اسناد میں ابن لہیعہ ہے جو متکلم فیہ راوی ہے۔

❹ مسند الشافعی، ص: 25- دیکھیں: التلخیص الحبیر: 51/2.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرح : ...... اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس کا مضمون دیگر روایات سے بہر حال ثابت ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے متقیوں کا ایک وصف یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ وہ گناہ کر بیٹھنے پر استغفار کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَ مَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَ لَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ (آل عمران : 135)

''اور وہ لوگ کہ جب کوئی بے حیائی کرتے ہیں، یا اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں، پس اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا اور کون گناہ بخشتا ہے؟ اور انھوں نے جو کیا اس پر اصرار نہیں کرتے، جب کہ وہ جانتے ہوں۔''

مریض کی نماز اور اس کا طریقہ

430- وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَتْ بِيْ بَوَاسِيْرُ فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الصَّلَاةِ، فَقَالَ: ((صَلِّ قَائِمًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبٍ)). رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے بواسیر تھی (جس کی وجہ سے مجھے نماز پڑھنے میں بے حد دقت ہوتی تھی) سو میں نے نبی کریم ﷺ سے (بواسیر کے عارضہ کی صورت میں) نماز (ادا کرنے) کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کھڑے ہو کر نماز ادا کرو اور اگر (کھڑے ہو کر نماز ادا) نہ کر سکو تو بیٹھ کر (ادا کر لو) اور اگر (بیٹھ کر نماز ادا) نہ کر سکو تو پہلو کے بل (لیٹ کر نماز ادا کر لو)۔'' [1]

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :...... بَوَاسِيْر : یہ بَاسُوْر کی جمع ہے۔ یہ بواسیر کے مسّہ کو کہتے ہیں۔ یہ جمع منتہی الجموع فَوَاعِيْل کے وزن پر ہے۔ یہ مقعد سے متعلق ایک بیماری کا نام ہے۔ زمانہ قدیم میں اس بیماری کا علاج تقریباً ناممکن تھا اور اسے دائمی امراض میں سے سمجھا جاتا تھا جو آدمی کے مرنے کے ساتھ ہی ختم ہوتے تھے۔ بعض حکماء نے اس کے علاج میں بواسیر کے مسہ کے کاٹنے کو حرام لکھا ہے کیونکہ اس زمانہ میں بواسیر کا مسّہ کاٹنا بسا اوقات مریض کی موت کا سبب بن جاتا تھا۔ لیکن چونکہ فی زمانہ اس کا آپریشن ممکن اور بے ضرر ہو گیا ہے اس لیے بواسیر کا مسّہ کاٹنا حرام نہ ہو گا۔

فَسَأَلْتُ عَنِ الصَّلٰوةِ: یعنی اس مرض کے ہوتے ہوئے نماز کیونکر ادا کی جائے۔ مذکورہ سوال حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی علم کی حرص کو بتلاتا ہے۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ کو اس مرض کے دَرد و اَلم اور اس کے ہوتے ہوئے نماز کی مشقت کی وجہ سے مسئلہ کی تعیین میں اشکال ہو گیا تھا۔ جس پر نبی کریم ﷺ نے انہیں بتلایا کہ وہ نماز کیونکر ادا کریں۔ چنانچہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر یا پہلو کے بل لیٹ کر جس طرح بھی ہو سکے ادا کر لیں۔

صَلِّ قَائِمًا: یہ امر ہے اور امر وجوب کے لیے ہے۔ لیکن چونکہ یہاں امر ایک سوال کے جواب میں ہے، اس لیے اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر تو سوال کسی امر واجب سے متعلق ہو تو جواب میں مذکور امر وجوب کے لیے ہو گا اور اگر سوال کسی امر غیر

---

[1] صحیح البخاری: 1117.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واجب سے متعلق ہوتو جواب میں مذکورامر ارشاد کے لیے ہوگا نہ کہ وجوب کے لیے۔

فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ: استطاعت کس کو کہتے ہیں اور اس کی حد کیا ہے؟ اس کو حدیث (رقم 324) کے تحت تفصیلاً بیان کر دیا گیا ہے۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ نماز کسی حال میں بھی معاف اور ساقط نہیں۔ اسے جیسے بھی بن پڑے ادا کرے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مریض کی عیادت مشروع ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ یہ سوال و جواب اس وقت ہوا تھا جب آپ ﷺ حضرت عمران رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔
- اگر مقصود علم کی نشر و اشاعت ہو تو ان باتوں کو بھی صراحۃً بیان کرنا جائز ہے جن کے ذکر میں طبعی حیا یا خجالت آڑے آتی ہے چنانچہ اسی بنا پر حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے اپنی بواسیر کا صراحۃً تذکرہ کر دیا تھا گو طبیعت ایسے مرض کے اظہار سے نفور و گریز کرتی ہے۔
- حضرت عمران رضی اللہ عنہ کا سوال حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی علم کی حرص کو بتلاتا ہے۔
- آدمی کو چاہیے کہ اسے جب کوئی نئی بات پیش آئے تو اس بارے رب تعالیٰ کا حکم دریافت کرے۔
- مریض پر بھی اصل کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ہی واجب ہے اور اس سے مراد فرض نماز ہے، رہی نفل نماز تو اس کے بارے میں پہلے تفصیل سے بتلایا جا چکا ہے کہ اسے بلا عذر بھی بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔
- یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نماز میں قیام واجب ہے چاہے کسی لاٹھی یا دیوار کا سہارا لے کر ہی کھڑا ہوا جائے۔
- اور بیٹھ کر نماز وہ پڑھے گا جو قیام سے عاجز ہو اور جو اس سے بھی عاجز ہو وہ پہلو کے بل لیٹ کر نماز ادا کرے گا۔
- رب تعالیٰ کی شریعت احکام و مسائل میں آسانیوں پر مبنی ہے۔

نماز مریض پر سے بھی ساقط نہیں

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز مریض پر سے بھی ساقط نہیں۔ چنانچہ مریض بھی جیسے بن پڑے نماز ادا کرے گا۔ رہا یہ سوال کہ جو عجز کے ان درجاتِ ثلاثہ سے بھی عاجز ہو جائے وہ کیا کرے؟ اس بارے ایک قول یہ ہے کہ اس پر سے نماز ساقط ہو جائے گی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان تین درجات کے بعد کوئی چوتھا درجہ ذکر نہیں فرمایا۔ لہٰذا جو پہلو کے بل لیٹ کر بھی نماز ادا نہ کر سکے اس پر سے نماز ساقط ہو جائے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ ایسے مریض پر سے بھی نماز ساقط نہ ہو گی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے پہلو کے بل لیٹ کر نماز ادا کرنے کا حکم تو دیا ہے لیکن اس حالت میں نماز کیسے ادا کرنی ہے اس کو بیان نہیں فرمایا۔ لہٰذا اس حال میں اس سے جیسے بھی بن پڑے نماز ادا کرے گا۔ چنانچہ سر کے اشارے سے ادا کر سکتا ہے تو اسی طرح سہی، یہ ممکن نہ ہو تو آنکھ کے اشارہ سے ادا کرے گا اور اگر آنکھ کے اشارے سے بھی ادا نہ کر سکا تو دل سے نماز ادا کرے گا۔ اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

غرض مریض کے جب تک ہوش باقی ہیں اور عقل سلامت ہے وہ جس طرح بھی بن پڑے نماز ادا کرے گا۔ البتہ انگلی کے اشارے سے نماز پڑھنے کا طریق کہاں سے رائج ہو گیا، بندہ کو اس بابت کوئی روایت نہیں مل سکی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

431- وَعَنْ جَابِرٍ ﷺ قَالَ: عَادَ النَّبِيُّ ﷺ مَرِيْضًا، فَرَآهُ يُصَلِّيْ عَلَى وِسَادَةٍ فَرَمَى بِهَا، وَقَالَ: ((صَلِّ عَلَى الْأَرْضِ إِنِ اسْتَطَعْتَ، وَإِلَّا فَأَوْمِ إِيْمَاءً، وَاجْعَلْ سُجُودَكَ أَخْفَضَ مِنْ رُكُوْعِكَ)).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک بیمار کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ پس آپ ﷺ نے اسے تکیہ پر نماز پڑھتے دیکھا (یعنی وہ نماز میں تکیہ پر سر رکھ کر سجدے کر رہا تھا)۔ آپ ﷺ نے اس تکیہ کو لے کر پھینک دیا اور ارشاد فرمایا کہ ''اگر ہو سکے تو تم زمین پر نماز ادا کرو ورنہ اشارہ سے نماز ادا کرو اور اپنے سجدے (کے اشارہ) کو اپنے رکوع (کے اشارہ) سے زیادہ جھکا کر کرو۔'' ❶

رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَصَحَّحَ أَبُوْ حَاتِمٍ وَقْفَهُ.

اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے اور امام ابوحاتم نے اس کے موقوف ہونے کو درست قرار دیا ہے۔

تَنْبِيْه: اس حدیث پر حدیث رقم 325 کے تحت مفصل کلام ذکر کیا جا چکا ہے۔

432- وَعَنْ عَائِشَةَ ﷺ قَالَتْ: ((رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّيْ مُتَرَبِّعًا)).

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ چہار زانو ہو کر (یعنی آلتی پالتی مار کر) نماز ادا فرما رہے تھے۔ ❷

رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

اس حدیث کو امام نسائی نے روایت کیا ہے اور امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

12- بَابُ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ ......نماز جمعہ کا بیان

تمہید: صَلٰوةُ الْجُمُعَةِ: یہ ترکیب اضافی ہے اور یہ ایک شے کی اس کے زمانہ کی طرف اضافت کی قبیل سے ہے۔ یعنی وہ نماز جس کو جمعہ کے وقت میں ادا کیا جاتا ہے۔

جمعہ کے دن کی وجہ تسمیہ

اس دن کو جمعہ کا دن اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس دن دور نزدیک سب جگہوں کے لوگ نماز کے لیے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ جبکہ اس دن کی دوسری وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس دن میں بعض ایسی آیات کونیہ جمع ہوئی ہیں اور جمع ہوں گی جو کسی اور دن میں نہ جمع ہوئی ہیں اور نہ ہوں گی۔ جیسے:

❶ مسند البزار كما في مجمع الزوائد للهيثمي: 148/2- علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ حلية الاولياء: 92/7- سنن البيهقي: 306/2- حافظ رحمہ اللہ ''الدراية'' (209/1) میں فرماتے ہیں: اس حدیث کے رواۃ ثقہ ہیں۔ ابوحاتم کہتے ہیں: یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ جب ان سے یہ کہا گیا کہ ابو اسامہ یہ حدیث ثوری سے مرفوع روایت کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: وہ کچھ بھی نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ (دیکھیں: العلل لابن ابی حاتم: 113/1)

❷ سنن النسائي: 224/3- امام نسائی کہتے ہیں: یہ روایت خطا ہے۔ صحیح ابن خزیمة: 978- المستدرك للحاكم: 389/1- امام حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے۔ امام بیہقی نے ''السنن'' (305/2) میں اس حدیث کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔
تنبیہ: اس حدیث پر شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے حدیث (رقم 300) کے تحت تفصیلی کلام کیا ہے اسے وہاں دیکھ لیا جائے۔ (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⊙ ......اس دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔

⊙ ......اسی دن انہیں جنت میں داخل بھی کیا گیا اور اسی دن وہاں سے نکالا بھی گیا۔

⊙ ......اسی دن قیامت قائم کی جائے گی۔ غرض انہی خصائص کی وجہ سے اس دن کا نام یوم الجمعہ رکھ دیا گیا۔

قرآنِ کریم میں ''یوم الجمعہ'' کا ذکر

سورۂ جمعہ میں بعینہٖ انہی الفاظ کے ساتھ اس دن کا ذکر آتا ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ﴾ (الجمعة: 9)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے۔''

یوم الجمعہ کے علاوہ قرآنِ کریم میں ''یوم السبت'' کا بھی ذکر ہے لیکن وہاں اس دن کا ذکر توبیخ اور ملامت کے طور پر کیا گیا ہے ''یوم الجمعہ'' کی طرح مدح اور منقبت کے طور پر نہیں۔

جمعہ کی نمازیں ترک کرنے پر وعید و تحذیر

433,434- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہم، أَنَّهُمَا سَمِعَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ عَلَى أَعْوَادِ مِنْبَرِهِ: ((لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ، أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلَى قُلُوْبِهِمْ، ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان دونوں حضرات نے جناب رسول اللہ ﷺ کو منبر نبوی کی لکڑیوں پر (یعنی برسرِ منبر) یہ ارشاد فرماتے سنا کہ ''(جمعہ چھوڑنے والے) لوگ (یا تو اپنی) جمعوں کو چھوڑنے (کی اس عادت) سے باز آ جائیں وگرنہ رب تعالیٰ ان کے دلوں پر (ان کی اس بدعادت کی نحوست سے) مہر لگا دے گا پھر وہ لوگ غافلوں میں سے (ہی) ہو جائیں گے۔'' ❶

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :......رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ: مذکورہ ترضّی میں هُمْ ضمیر جمع کی ہے جبکہ سند میں مذکور راوی دو ہیں، ایک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دوسرے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ سند میں تیسرے صحابی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی تو ذکر ہے اس لیے هُمْ جمع کی ضمیر لے کر آئے ہیں۔ يَقُوْلُ عَلَى أَعْوَادِ مِنْبَرِهِ: مذکورہ جملہ حالیہ ہے نہ کہ ''سَمِعَا'' فعل کا مفعولِ ثانی اور یہ جملہ فعل کے مفعول لفظ رَسُوْلَ اللّٰهِ سے حال ہے۔ کیونکہ سَمِعَ کا تعلق شیٔ محسوس سے ہے، اس لیے یہ رؤیت بصریہ کی طرح ایک مفعول کو نصب دیتا ہے نہ کہ افعالِ قلوب کی طرح دو مفعولوں کو نصب دیتا ہے۔ اس لیے فعل سماع کے مفعول کے مابعد مذکور جملہ مفعولِ ثانی نہیں بلکہ جملہ حالیہ ہوتا ہے۔ أَعْوَادِ مِنْبَرِهِ: أَعْوَاد یہ عُوْد کی جمع ہے۔ یہ لکڑی کو کہتے ہیں اور منبر کسی اونچی جگہ کو کہتے ہیں یہ لفظ نبر سے ماخوذ ہے جو ارتفاع اور اوپر اٹھنے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ اعوادِ منبر سے مراد وہ لکڑیاں ہیں جن سے منبر تیار کیا گیا تھا، یہ لکڑیاں غابہ نامی جگہ سے حاصل کی گئی جھاؤ سے بنائی گئی تھیں۔ جن کو انصار کی ایک خاتون رضی اللہ عنہا کے غلام نے نبی کریم ﷺ کے لیے بنایا تھا۔ اس کی تین سیڑھیاں تھیں۔ یہ منبر دورِ نبوی میں اور حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں اور جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے ابتدائی زمانہ میں مدینہ نبویہ میں ہی تھا۔

---

❶ صحیح مسلم: 865

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض مورخین کی رائے ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ مبادا یہ روافض کی دسیسہ کاریوں میں سے نہ ہو کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں مروان سے اس بات کا مطالبہ کیا تھا کہ وہ منبر رسول ﷺ کو مدینہ نبویہ سے شام منتقل کر دے۔ کہتے ہیں کہ جب مروان نے منبر رسول کو اکھاڑنا چاہا تو مدینہ نبویہ پر اس قدر اندھیرا چھا گیا کہ دن میں بھی تارے نظر آنے لگے۔ یہ دیکھ کر مروان نے کہا کہ میں منبر نبوی کو اکھاڑنا اور اسے شام لے جانا نہیں چاہتا البتہ میں تو اس کی سیڑھیوں میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ مروان نے منبر نبوی ﷺ کو چھ سیڑھیوں والا بنا دیا۔ یہ منبر اسی طرح چھ سیڑھیوں والا ہی رہا یہاں تک کہ 654ھ میں مسجد نبوی میں آتشزدگی کا واقعہ پیش آیا، پھر اس کے بعد یہ منبر مسجد سمیت جل کر شہید ہو گیا۔ اس غم ناک واقعہ کے بعد سے اب تک ہر خلیفہ آکر اپنا منبر بنواتا آیا ہے۔

لَيَنْتَهِيَنَّ: مذکورہ لام جوابِ قسم اور تاکید کے لیے ہے، کیونکہ اس کے تاکید کے لیے ہونے کی چاروں شرطیں یہاں موجود ہیں جو یہ ہیں:

(1) یہ کلام موجب یعنی مثبت ہے۔

(2) مذکورہ کلام قسم پر مبنی ہے۔

(3) مذکورہ فعل مضارع کا صیغہ اور زمانہ مستقبل کے لیے ہے۔

(4) مذکورہ لام اور فعل کے درمیان فصل نہیں۔

لہٰذا مذکورہ لام کا تاکید کے لیے ہونا واجب ہے۔

اَقْوَامٌ: یہ نکرہ ہے جس کی تعیین جنابِ رسول اللہ ﷺ نے حسب عادتِ شریفہ بیان نہیں فرمائی، کیونکہ ایسے مواقع میں کسی کی تعیین واقع میں اس کی تجریح ہوتی ہے جو مقصود بالذات نہیں۔ مقصود حق و باطل کا بیان ہے کہ حق کا امتثال اور باطل سے اجتناب کیا جائے۔

عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ: اَلْوَدْعُ، وَدَعَ يَدَعُ سے مصدر ہے اور مذکورہ مصدر یہاں فاعل کی ضمیر کی طرف مضاف ہے اور اَلْجُمُعَات یہ مصدر کا مفعول بہ ہے۔

اَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ: مذکورہ اَوْ، اِلَّا کے معنی میں ہے اور خَتَم یہاں طبع یعنی مہر لگانے اور نقش کرنے کے معنی میں ہے۔ ختم کی مثال جیسے برتن پر کسی چیز کا گہرا نشان لگانا۔ غرض ختم یعنی مہر لگانے کا مقصود کسی امر میں توثیق کی تاکید پیدا کرنا ہوتا ہے اور دلوں پر مہر لگانے کا مطلب -معاذ اللہ- یہ ہے کہ دل کو کسی غلاف میں بند کر کے اس پر بایں طور مہر لگانا ہے کہ اس تک خیر کا کوئی امر نہ پہنچ سکے۔

ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ: یہ نتیجہ کا بیان ہے۔

مضمونِ حدیث:...... مذکورہ حدیث میں جہاں جمعہ کو ترک کر دینے پر شدید وعید کا ذکر ہے، وہیں جمعہ کو اہتمام سے ادا کرنے کی زبردست تاکید بھی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- ترکِ جمعہ پر شدید تحذیر و وعید۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- جمعہ کا ترک کرنا کبائر میں سے ہے۔ کیونکہ وعید ہمیشہ کبیرہ گناہ پر آتی ہے۔
- معلوم ہوا کہ جمعہ فرضِ عین ہے کیونکہ اگر جمعہ فرض کفایہ ہوتا تو حاضرین کے ادا سے تارکین کی طرف سے کفایت ہو جاتی اور ان کی طرف وعید متوجہ نہ ہوتی۔
- منبر پر خطبہ دینا مشروع ہے۔
- مناسب ہے کہ احکامِ عامہ کو اعلانیہ بیان کیا جائے۔
- خطبوں میں موقع کی مناسبت سے احکام کو بیان کیا جائے۔
- مذکورہ حدیث میں مشہور گمراہ فرقہ ''جبریہ'' پر رد ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ انسان مجبور محض ہے۔ اس کی دلیل لَيَنْتَهِيَنَّ کے الفاظ ہیں، جو بندہ کے لیے مشیت کو ثابت کرتے ہیں
- اسباب کا اثبات کہ ترکِ جمعہ دلوں پر مہر لگ جانے کا سبب ہے۔
- رب تعالیٰ معصیت کے اِقدام پر بدلہ دیتا ہے۔
- معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر سے غافل ہونا مذموم ہے۔
- اپنے خطبوں میں کسی کا نام لے کر تعیین نہ کی جائے۔

نمازِ جمعہ کے وقت کا بیان

435- وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رضي الله عنه قَالَ: ((كُنَّا نُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، ثُمَّ نَنْصَرِفُ وَلَيْسَ لِلْحِيطَانِ ظِلٌّ نَسْتَظِلُّ بِهِ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

وَفِي لَفْظٍ لِمُسْلِمٍ: كُنَّا نُجَمِّعُ مَعَهُ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ نَرْجِعُ، نَتَتَبَّعُ الْفَيْءَ.

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کیا کرتے تھے، پھر ہم اس حال میں لوٹتے تھے کہ (ابھی تک) دیواروں کا (اتنا) سایہ نہ ہوتا تھا کہ جس کا سایہ لیا جا سکے۔ [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

جبکہ صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ جمعہ ادا کیا کرتے تھے جب آفتاب ڈھل جاتا تھا پھر ہم سایوں کو تلاش کرتے ہوئے لوٹتے تھے۔ [2]

نماز جمعہ کب ادا کی جائے؟

ان دونوں احادیث میں اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ نماز جمعہ ادا کرنے کا وقت کون سا ہے۔ اس قدر بات تو راجح ہے کہ نمازِ جمعہ کا وقت بعد از زوال ہے البتہ علماء کا اس امر میں اختلاف ہے کہ نماز جمعہ زوال کے معاً بعد ہے یا ظہر کی نماز کی طرح اس کو بھی ٹھنڈا کر کے ادا کیا جائے؟ جمہور علماء کا قول نماز جمعہ کو زوال کے بعد ادا کرنے کا ہے۔ ان علماء کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں نمازوں کے اوقات کا بیان ہے۔ چنانچہ وہ احادیث جہاں ظہر کے وقت کو شامل ہیں، وہیں نماز جمعہ کو بھی

---

[1] صحيح البخاري: 4168- صحيح مسلم: 1078.

[2] صحيح مسلم: 860.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شامل ہیں۔ لہٰذا صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ نمازِ جمعہ زوال کے بعد ہی ادا کرنا درست ہے۔ جبکہ بعض علماء اور امام احمد رحمہ اللہ نماز جمعہ کے قبل از زوال ادا کے جواز کے بھی قائل ہیں۔ پھر ان حضرات میں بھی اس بابت اختلاف ہے کہ زوال سے قبل جمعہ زوال سے تھوڑا پہلے جائز ہے یا اس وقت بھی جائز ہے جب آفتاب طلوع ہو جانے کے بعد ایک نیزے کے بقدر بلند ہو جاتا ہے۔ گویا یہ کل تین اقوال ہو گئے:

(1) نماز جمعہ آفتاب کے طلوع کے بعد ایک نیزہ کے بقدر بلند ہو جانے پر بھی جائز ہے۔

(2) زوال سے کچھ پہلے بھی جائز ہے۔ (3) زوال کے بعد بھی جائز ہے۔

غور سے دیکھا جائے تو اس باب میں مذکور روایات تیسرے قول کی مؤید ہیں۔ جیسا کہ مذکور ہے کہ جمعہ کے بعد یہ حضرات سایوں کو تلاش کرتے کرتے گھروں کو لوٹتے تھے اور سایہ سے مراد وہ سایہ ہے جس کا سایہ لیا جا سکے۔ لہٰذا یہاں نفسِ سائے کی نفی مراد نہیں۔ دوسرے دورِ نبوی میں گھروں کی دیواریں زیادہ اونچی نہ ہوا کرتی تھیں، اس لیے ان کا سایہ بھی اس قدر بڑا نہ ہوتا تھا۔ غرض یہ روایات اس بات کی مؤید ہیں کہ دورِ نبوی میں جمعہ زوال کے بعد ادا کیا جاتا تھا اسی لیے یہ حضرات واپسی پر کسی بڑے سائے کو ذرا دیر کو اس کے نیچے ستانے کو ڈھونڈتے جاتے تھے۔

436- وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: مَا كُنَّا نَقِيلُ وَلَا نَتَغَدَّى إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ.

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم جمعہ کی نماز کے بعد ہی قیلولہ کیا کرتے تھے اور دوپہر کا کھانا کھایا کرتے تھے۔[1]

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ، وَفِي رِوَايَةٍ: فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ.

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''دورِ نبوی میں۔''

غریب الحدیث:...... **مَا كُنَّا نَقِيلُ**: قَيل اور قَيْلُوْلَة یہ دوپہر کی نیند کرنے کو کہتے ہیں۔

وَلَا نَتَغَدَّى: غَدَاء کرنا۔ غَدَاء (ناشتہ، دوپہر کا کھانا)[2] یہ دن کے شروع میں کھانا کھانے کو کہتے ہیں۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعہ کے دن دوپہر کا کھانا اور دن کا آرام نمازِ جمعہ کے بعد کیا کرتے تھے۔ اس کی مزید تفصیل ذیل میں آ جاتی ہے۔

زوال سے قبل جمعہ کا حکم

امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس حدیث کا مقتضی یہ ہے کہ جمعہ زوال سے قبل ہو کیونکہ قیلولہ عند الزوال ہوتا ہے اسی طرح غداء بھی وہ کھانا ہوتا ہے جو دن کے شروع میں کھایا جاتا ہے۔ یہ دونوں امور اس بات کو مقتضی ہیں کہ جمعہ زوال سے قبل ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ قیلولہ اس نیند کو کہتے ہیں جو ظہر کے بعد ہو اور وَلَا نَتَغَدَّى کا مطلب یہ ہے کہ اس کھانے کو نمازِ جمعہ کی وجہ سے ظہر کے بَعْد تک موخر کرتے تھے۔ یہ قول ان کا ہے جن کے نزدیک جمعہ قبل از زوال جائز نہیں۔ لیکن یہ قول محلِ نظر ہے کیونکہ اگر قیلولہ ہوتا ہی دوپہر کے بعد ہے تب پھر یہ کہنا کہ ''ہم قیلولہ جمعہ کے بعد ہی کیا کرتے تھے''، بے سود ٹھہرے گا۔ کیونکہ یہ بات تو جمعہ کے دن اور باقی کے دنوں میں بھی معلوم ہے کہ قیلولہ ظہر اور جمعہ کے بعد ہی ہوتا ہے۔

[1] صحیح البخاری: 939۔ صحیح مسلم: 859۔ [2] القاموس الوحید، ص: 1157۔ (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لیے درست قول وہ ہے جس کی طرف حنابلہ کے بعض علماء وفقہاء گئے ہیں کہ جمعہ زوال سے قبل بھی ادا کرنا جائز ہے۔البتہ اس باب میں مشہور قول یہ ہے کہ نماز جمعہ آفتاب کے ایک نیزہ کے بقدر بلند ہو جانے سے لے کر عصر تک جائز ہے، تب پھر یہ کسی نماز کا طویل ترین وقت ہے۔

درایۃ الحدیث :......فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: ان الفاظ کے لانے کا فائدہ یہ ہے کہ اب یہ حدیث حکم کے اعتبار سے مرفوع کہلائے گی۔

کتنے افراد کے ہونے سے جمعہ منعقد ہو جاتا ہے؟

437- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَـخْـطُبُ قَائِمًا ، فَجَاءَتْ عِيْرٌ مِنَ الشَّامِ ، فَانْفَتَلَ النَّاسُ إِلَيْهَا ، حَتَّى لَمْ يَبْقَ إِلَّا اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) نبی کریم ﷺ کھڑے ہو کر (جمعہ کا) خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ (اس دوران) شام کا قافلہ آ پہنچا۔پس لوگ اس قافلے کی طرف پھر گئے (یعنی چلے گئے) حتیٰ کہ (آپ ﷺ کے ساتھ) صرف بارہ آدمی رہ گئے۔ [1]
اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:......**يَخْطُبُ**: یہ کَانَ فعل ناقص کی خبر ہے۔یعنی آپ ﷺ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔

قَائِمًا: یہ يَخْطُبُ کی ضمیر سے حال ہے۔

اَلْعِيْرُ [2]: یہ بوجھ لدے اونٹوں کو کہتے ہیں۔اکثر یہ بوجھ غلہ ہوتا ہے۔مراد غلہ کا تجارتی قافلہ ہے۔

مِنَ الشَّامِ: مراد نفس ملک شام ہے نا کہ جہت شمال۔

فَانْفَتَلَ النَّاسُ: یعنی لوگ قافلہ کی طرف پھر گئے۔

اِثْنَا عَشَرَ رَجُلًا: رَجُلًا یہ تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قصۂ حدیث:......شام سے مدینہ نبویہ آنے والا یہ قافلہ غلہ سے لدے اونٹوں والا تھا۔ان دنوں اہل مدینہ کو غلہ کی بہت احتیاج بھی تھی۔چنانچہ جیسے ہی انہیں غلہ کے قافلہ کی آمد کی خبر ہوئی تو اس کی طرف پھر گئے۔

مضمون حدیث:......مذکورہ حدیث میں دو اہم باتیں مذکور ہیں:

(1) ایک یہ کہ جمعہ بارہ افراد ہوں تو ان کے ساتھ بھی قائم ہو جاتا ہے۔

(2) دوسری یہ کہ ابھی تک حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ سمجھتے تھے کہ یوں خطبہ چھوڑ کر چلے جانے میں کوئی حرج نہیں۔لیکن اگر ان حضرات کو اس کی ممانعت کا علم ہوتا تو وہ ایسا کبھی نہ کرتے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ اس روایت میں یہ مذکور نہیں کہ مسجد میں رہ جانے والے وہ بارہ افراد کون تھے؟ تو لامحالہ یہ اجل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جن میں حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ضرور تھے کہ ان حضرات کی شان سے اسی بات کی توقع نہ تھی۔

---

[1] صحيح مسلم: 863.

[2] عِيْرٌ: اونٹوں، خچروں اور گدھوں کا قافلہ جس پر غلہ وغیرہ لادا جائے۔(القاموس الوحيد، ص: 1146) (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ جمعہ کا خطبہ کھڑے ہو کر دینا مشروع ہے اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے:

﴿وَتَرَكُوكَ قَآئِمًا﴾ (الجمعة: 11) ''اور تجھے کھڑا چھوڑ جاتے ہیں۔''

◈ معلوم ہوا کہ اذان ہو جانے کے بعد کسی بھی غرض سے مسجد سے باہر نکلنا مذموم ہے۔

◈ رہا یہ سوال کہ جمعہ کا انعقاد کم از کم کتنے افراد سے ہوتا ہے؟ تو ایک قول یہ ہے کہ کم از کم بارہ افراد ہوں تو جمعہ منعقد ہو جاتا ہے۔ ان حضرات کی دلیل مذکورہ روایت ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جمعہ کے انعقاد کے لیے کم از کم چالیس افراد شرط ہیں۔ رہے بارہ افراد، تو یہ ایک اتفاقی واقعہ تھا، دوسرے ممکن ہے کہ وہ لوٹ آئے ہوں۔ تیسرے یہ کہ اس اتفاقی واقعہ میں تعداد بارہ سے کم بھی رہ سکتی تھی تب بھی حکم وہی رہتا۔ لیکن یہ دونوں جواب محل نظر ہیں کیونکہ حدیث کا ظاہر یہ بتلاتا ہے کہ وہ لوگ نہ لوٹے تھے اگر وہ لوٹے ہوتے تو حدیث میں اس کا ذکر ضرور ہوتا۔

لہٰذا اصل یہ ہے کہ وہ لوگ لوٹے نہ تھے۔ دوسرے جو امر بطور اتفاق کے واقع ہو وہ زیادہ سے زیادہ اباحت پر دلالت کرتا ہے نہ کہ تشریع پر۔ اس لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ بارہ سے بھی کم رہ جاتے تو تب بھی نبی کریم ﷺ اپنا خطبہ جاری رکھتے۔

◈ رہا یہ سوال کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو خطبہ میں اکیلے چھوڑ کر چلے جانا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بلند مقام و مرتبہ کے بظاہر منافی نظر آتا ہے؟ تو اس کا سب سے عمدہ جواب یہ ہے کہ مذکورہ آیت اس واقعہ کے بعد نازل ہوئی تھی اور جب خطبہ کا سماع واجب کر دیا گیا اور خطبہ شروع ہونے پر اٹھنے سے منع کر دیا گیا تو پھر کبھی کسی صحابی سے ایسا کوئی واقعہ دوبارہ پیش نہیں آیا۔

◈ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سورۂ جمعہ کی ان آیات کے نازل ہونے کے بعد خطبہ میں حاضر ہونا اور اس کا سننا اب واجب ہے۔

جمعہ کی ایک رکعت پانے کا حکم

438- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنْ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ وَغَيْرِهَا فَلْيُضِفْ إِلَيْهَا أُخْرَى، وَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُهُ)).

رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ وَالدَّارَقُطْنِيُّ، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ، لٰكِنْ قَوَّى أَبُو حَاتِمٍ إِرْسَالَهُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس نے نمازِ جمعہ اور (کسی) دوسری نماز کی ایک رکعت کو پا لیا تو وہ اس کے ساتھ ایک اور رکعت ملائے اور (ایسا کرنے سے) اس کی (جمعہ کی) نماز پوری ہو جائے گی۔''[1]

اس حدیث کو امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام دارقطنی نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ سنن دارقطنی کے ہیں۔ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے لیکن ابو حاتم نے اس روایت کے مرسل ہونے کو قوی قرار دیا ہے۔

---

[1] سنن النسائي: 557- سنن ابن ماجه: 1123- سنن الدارقطني: 12/2- ابو حاتم کہتے ہیں: اس حدیث کی سند اور متن دونوں میں خطا ہے یہ تو "عن الزهري عن ابي سلمة عن ابي هريرة" کے طریق سے مروی ہے۔ العلل لابن ابي حاتم: 172/1- اس روایت کو خود امام ابن حجر رحمہ اللہ نے "التلخيص الحبير" (14/2) میں نقل کیا ہے۔ (دیکھیں: التحقيق: 507/1)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درایۃ الحدیث :...... مذکورہ حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے جمعہ کی ایک رکعت جماعت سے پائی اور ساتھ دوسری رکعت بھی ملالی تو اس کی نماز پوری ہوگئی کیونکہ جمعہ کی نماز کی دو رکعات ہی ہوتی ہیں۔ مذکورہ روایت کی اتنی حد تک بات تو درست ہے البتہ "وَغَيْرَهَا" کے الفاظ بظاہر غیر محفوظ اور شاذ ہیں اور اگر یہ الفاظ محفوظ بھی ہوں تو پھر ان کو صلوٰۃ ثنائیہ پر محمول کیا جائے گا نہ کہ ثلاثیہ یا رباعیہ پر، کیونکہ دوسری رکعت کے ملانے سے نماز کا پورا ہو جانا صلوٰۃ ثلاثیہ اور رباعیہ میں غیر مستقیم ہے۔ اب ہمارے پاس دو ہی صورتیں ہیں: (1) یا تو ہم ان الفاظ کو غیر محفوظ اور شاذ قرار دیں۔ (2) یا پھر ان الفاظ کو صلوٰۃ ثنائیہ پر محمول کریں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- دوسری رکعت کے ملانے کے حکم سے یہ امر معلوم ہوا کہ وہ رکعت اس نماز کی آخری رکعت ہوگی کیونکہ کسی چیز کی طرف اضافت اس کی تکمیل کے لیے ہوتی ہے اور کسی شے کی تکمیل اس کا آخر ہوتی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ حکم صلوۃ ثنائیہ کا ہی ہے۔
- جس نے ایک رکعت کو پالیا اس نے پوری نماز کو پالیا اور یہ بندوں پر رب تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے بعض کے ادراک کو کل کا ادراک قرار دے دیا۔
- معلوم ہوا کہ بعض نماز پالینے کے بعد اس کو پورا کرنا واجب ہوتا ہے اور اب اس نماز سے نکلنا جائز نہیں۔
- مذکورہ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا جمعہ کے خطبہ میں شامل ہونا نماز جمعہ کی صحت کی شرط نہیں۔
- یہیں سے یعنی حدیث کے مفہوم سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جمعہ کی ایک رکعت سے کم پانے والا اب دوسری ملا کر جمعہ کو دو رکعت ادا نہ کرے گا بلکہ اس پر واجب ہے کہ اب وہ چار رکعت نماز پڑھے اور اس میں ان لوگوں کا بھی ردّ ہے جو اس بات کے قائل ہیں جمعہ کے دن جمعہ کے وقت کا فرض "نمازِ جمعہ" ہی ہے حتیٰ کہ عورتوں پر گھروں میں بھی جمعہ فرض ہے۔ بلاشبہ یہ قول بے حد ضعیف ہے۔

خطبہ کھڑے ہو کر دیا جائے

439۔ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضي الله عنه: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَخْطُبُ قَائِمًا، ثُمَّ يَجْلِسُ، ثُمَّ يَقُومُ فَيَخْطُبُ قَائِمًا، فَمَنْ أَنْبَأَكَ أَنَّهُ كَانَ يَخْطُبُ جَالِسًا فَقَدْ كَذَبَ)).

أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے (چنانچہ خطبہ کا پہلا حصہ کھڑے ہو کر مکمل فرماتے) پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے اور کھڑے ہو کر خطبہ دیتے۔ پس جو تمہیں یہ بتلائے کہ نبی کریم ﷺ بیٹھ کر خطبہ دیا کرتے تھے تو (جان لینا کہ) وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ [1]

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

درایۃ الحدیث :...... مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنابِ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے دَور میں یہ بات لوگوں کا موضوع بحث بنی ہوئی تھی کہ خطبہ بیٹھ کر دیا جائے یا کھڑے ہو کر دیا جائے۔ اسی لیے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے تاکید کے ساتھ دوبار یہ ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ لہٰذا جو یہ کہے کہ آپ ﷺ بیٹھ کر خطبہ دیا کرتے تھے تو یا تو وہ

[1] صحيح مسلم: 862.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غلط کہہ رہا ہے جس کا منشا لاعلمی ہوتا ہے یا پھر وہ قصداً جھوٹ بول رہا ہے۔یعنی وہ خلاف واقع کی خبر دے رہا ہے۔

خطبہ میں کھڑے ہونے کا حکم

علماء کے اس حکم میں اختلاف ہے۔ایک قول اس کے وجوب کا ہے لہٰذا جو بیٹھ کر خطبہ دے گا اس کا خطبہ لغو ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دینے پر مداومت فرمائی ہے اور کسی بھی خطبہ کو بیٹھ کر نہیں دیا جو وجوب کی دلیل ہے۔جبکہ جمہور کے نزدیک کھڑے ہو کر خطبہ دینا افضل ہے نہ کہ واجب۔لہٰذا بیٹھ کر خطبہ دینے سے بھی خطبہ ادا ہو جائے گا۔(اگرچہ وہ سنت طریقہ کے مطابق نہیں ہوگا)

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نبی کریم ﷺ ہمیشہ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔البتہ خطبہ سے قبل اذان کے وقت اور دو خطبوں کے درمیان بیٹھا کرتے تھے۔
- کھڑے ہو کر خطبہ دینا بہرحال واجب نہیں بیٹھ کر بھی خطبہ دے سکتے ہیں البتہ افضل کھڑے ہو کر خطبہ دینا ہی ہے۔کیونکہ مجرد فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا۔البتہ اگر وجوب کا کوئی قرینہ ہو تو وہ وجوب پر دلالت کرتا ہے وگرنہ فعل کو افضل اور اکمل پر محمول کیا جائے گا۔
- "فَمَنْ اَنْبَأَكَ" ان الفاظ سے معلوم ہو کہ دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں بعض لوگ اس بات کے بھی قائل رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ بیٹھ کر خطبہ دیا کرتے تھے۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس روایت میں اس بات کو غلط قرار دے رہے ہیں۔

نبی کریم ﷺ خطبہ کیسے دیا کرتے تھے

440- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضي الله عنه قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ، وَعَلَا صَوْتُهُ، وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ، حَتَّى كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُوْلُ: ((صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ))، وَيَقُوْلُ: ((أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ، وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے تو آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں اور آواز بلند ہو جاتی تھی اور آپ ﷺ سخت غضبناک ہو جایا کرتے تھے یہاں تک کہ (یوں محسوس ہونے لگتا تھا) گویا کہ آپ ﷺ (ہمیں) کسی لشکر سے ڈرا رہے ہیں (جو بس حملہ آور ہوا ہی چاہتا ہے اور) آپ ﷺ (گویا کہ یہ) فرما رہے ہیں: دشمن تم لوگوں پر صبح کے وقت اور (یا) شام کے وقت حملہ آور ہونے والا ہے اور آپ ﷺ (اپنے خطبہ میں) یہ ارشاد فرماتے: "اما بعد! بے شک سب سے بہتر بات اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہتر سیرت (جناب) محمد (ﷺ) کی سیرت ہے اور سب سے بری باتیں نئی نئی (نکالی اور بنائی جانے والی) باتیں ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"[1]

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

[1] صحيح مسلم: 867.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ: ((كَانَتْ خُطْبَةُ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ الْجُمُعَةِ: يَحْمَدُ اللّٰهَ وَيُثْنِيْ عَلَيْهِ، ثُمَّ يَقُوْلُ عَلَى إِثْرِ ذٰلِكَ، وَقَدْ عَلَا صَوْتُهُ)).

اور صحیح مسلم کی ہی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: جمعہ کے دن نبی کریم ﷺ کا خطبہ یوں ہوتا تھا کہ (پہلے) آپ ﷺ رب تعالیٰ کی حمد وثنا بیان فرماتے، پھر اس کے بعد یہ ارشاد فرماتے جبکہ آپ ﷺ کی آواز بلند ہو چکی ہوتی تھی۔

وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ: ((مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ)).

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (حمد وثنا کے بعد آپ ﷺ خطبہ میں یہ ارشاد فرماتے تھے): ''جسے اللہ ہدایت سے نواز دے، اسے کوئی بہکانے والا نہیں اور جسے اللہ بے راہ کر دے، اسے کوئی راہ پر لانے والا نہیں۔''

وَلِلنَّسَائِيِّ: ((وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ)).

اور سنن نسائی کی روایت میں (وَ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کے بعد) یہ الفاظ ہیں: ''اور ہر گمراہی نذر آتش ہے۔'' ❶

غریب الحدیث: ......**اِذَا خَطَبَ:** یہ الفاظ مطلق ہیں لہٰذا یہ جمعہ اور غیر جمعہ دونوں مواقع کے خطبوں کو شامل ہیں۔

اِحْمَرَّتْ عَيْنَاهُ: اور ایسا انفعال اور غضب کی شدت کی وجہ سے تھا۔

عَلَا صَوْتُهُ: کیونکہ جس قدر آدمی شدت اور غضب میں آتا ہے اسی قدر آواز بلند ہوتی جاتی ہے۔

مُنْذِرُ جَيْشٍ: منذر ڈرانے والے کو کہتے ہیں کیونکہ انذار اس خبردار کرنے کو کہتے ہیں جو تخویف یعنی ڈرا وا دینے کے ساتھ ملا ہو اور جیش چار سو یا زیادہ تعداد پر مشتمل لڑنے والے دستے کو کہتے ہیں۔

صَبَّحَكُمْ وَ مَسَّاكُمْ: یہ الفاظ خود نبی کریم ﷺ خطبہ میں ارشاد نہ فرماتے تھے بلکہ یہ راوی کے توصیفی الفاظ ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ اس طرح خطبہ دیا کرتے تھے جیسے آپ ﷺ حملہ کرنے والے کسی لشکر سے ڈرا رہے ہو جو صبح کو یا شام کو بس حملہ کرنے ہی والا ہے۔

اَمَّا بَعْدُ: اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے کہ اَمَّا یہ مَهْمَا اسم شرط کا نائب ہے۔ جبکہ فعل شرط محذوف ہے، تقدیری عبارت یہ ہے: مَهْمَا يَكُنْ مِنْ شَيْءٍ. پس مَهْمَا اسم شرط اور يَكُنْ مِنْ شَيْءٍ فعل شرط اور اسم شرط پر مشتمل ہے اور بَعْدُ ظرف ہے جو مبنی بر ضم ہے کیونکہ اس کا مضاف الیہ محذوف ہے۔ اس کی تقدیری عبارت یہ ہے: بَعْدَ مَا ذَكَرْتُ.

فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ: یہ جواب شرط ہے۔ خَيْر دراصل اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس کی الف اس لفظ کے کثرتِ استعمال کی وجہ سے تخفیف کی غرض سے حذف کر دی جاتی ہے۔

كِتَابُ اللّٰهِ: مراد قرآن کریم ہے۔ کیونکہ قرآنِ کریم سے زیادہ دلوں کو سدھارنے والا اور کوئی کلام نہیں ہے۔

وَ خَيْرَ الْهَدْيِ: اَلْهَدْي طریق، سنت اور عمل کو کہتے ہیں (اور اردو میں عموماً اس لفظ کا ترجمہ سیرت سے کیا جاتا ہے) جو اخلاق وعبادات اور معاملات سب کو شامل ہے۔

هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ: حتیٰ کہ آپ ﷺ کی سیرت گزشتہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام سے بھی بہتر ہے اور اس میں قادیانیت،

❶ سنن النسائی: 189/3.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہائیت اور تیجانیت جیسے سب گمراہ فرقوں کی بھی نفی ہے۔اسی لیے اس کے فوراً بعد فرمایا:

وَ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا: ان سے وہ شر امور مراد ہیں جن کا تعلق دین و عبادت سے ہے کہ بدعات سب سے بری باتیں ہیں اور رہے دنیا کے امور تو ان میں سے نت نئی چیزوں میں سے جو خیر ہیں، وہ خیر ہیں اور جو شر ہیں وہ شر ہیں۔شر بھی خیر کی طرح اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس کی الف کو تخفیف کی غرض سے کثرتِ استعمال کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔

وَ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ: بدعت وہ ہوتی ہے جو دین میں ایجاد کی جائے۔ یہ اس قول، فعل یا عقیدہ کو کہتے ہیں جو دورِ نبوی میں موجود نہ تھا اور بعد میں اس کو ایجاد کر کے عبادت کی غرض سے کیا جانے لگا ہو اور بدعت اس لیے ضلالت اور گمراہی ہے کیونکہ وہ دورِ نبوی میں موجود نہ تھی۔ ضلالت کو ضلالت اسی لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ ہدایت کی ضد ہے اور یہ صراطِ مستقیم سے انحراف کو کہتے ہیں۔

وَ فِيْ رِوَايَةٍ لَّهُ كَانَتْ خُطْبَةُ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ الْجُمُعَةِ: پہلی روایت میں مطلق خطبہ کا ذکر تھا جبکہ اس روایت میں اس خطبہ کو يَوْمَ الْجُمُعَةِ کے ساتھ مقید کر کے ذکر کیا گیا ہے۔

وَ يَحْمَدُ اللّٰهَ وَ يُثْنِيْ عَلَيْهِ: معلوم ہوا کہ آپ ﷺ خطبہ سے قبل رب تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمایا کرتے تھے۔حمد و ثنا کا تفصیلی معنی گزشتہ میں بارہا ذکر کیا جا چکا ہے۔

مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ: یہ بھی صحیح مسلم ہی کی ایک اور روایت کے الفاظ ہیں۔

مَنْ: یہ شرطیہ ہے اسی لیے اس کے مابعد مذکور فعل مجزوم ہے۔

فَلَا مُضِلَّ لَهُ: مذکورہ فَا جوابِ شرط کا حرف ہے اور مذکورہ جملہ جوابِ شرط ہے اور یہ لَا لائے نفی جنس ہے۔ مُضِلَّ اس کا اسم اور لَهُ جار مجرور اس کی خبر کے متعلق ہیں۔

مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ: یہ ہدایت رب تعالیٰ کے علم و قدرت کے ذریعے ہدایت دینے کو بھی شامل ہے اور بلاواسطہ ہدایت دینے کو بھی شامل ہے۔ پس رب تعالیٰ جسے ہدایت مقدر فرما دے اسے کوئی بے راہ کرنے والا نہیں۔ چنانچہ نہ تو کوئی اسے ہدایت سے پھیر سکتا ہے اور نہ ہٹا سکتا ہے۔

وَ مَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ: مذکورہ جملہ ترکیبِ نحوی کے اعتبار سے گزشتہ کی طرح ہی ہے۔البتہ اپنے معنی کے اعتبار سے گزشتہ جملہ کے برعکس ہے۔یعنی رب تعالیٰ نے جس کے مقدر میں گمراہی رکھ دی ہے اسے کوئی سیدھے راستے پر لانے والا نہیں۔

وَ كُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ: یہ سنن النسائی کی روایت کے الفاظ ہیں اور یہ کلماتِ نبویہ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کے بعد کے ہیں۔ یہاں نبی کریم ﷺ نے كُلَّ صَاحِبِ بِدْعَةٍ فِي النَّارِ یا كُلَّ بِدْعَةٍ فِي النَّارِ نہیں فرمایا۔کیونکہ یہ درست ہے کہ بدعت خلافِ حق کو ہی کہتے ہیں اور ہر خلافِ حق بات کا انجام کار آتشِ نار ہی ہے لیکن کیا ہر صاحبِ بدعت بھی آتشِ جہنم کی نذر ہو گا یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں سوائے اس صورت کے کہ کوئی بدعتِ مکفرہ کا ارتکاب کرے۔ کہ ایسا شخص واصل جہنم ہو گا۔ البتہ جس نے بدعتِ مکفرہ کا ارتکاب نہ کیا اس کا مرتکب جہنم میں جائے گا مگر ہمیشہ کے لیے نہیں۔ وہ صرف عقوبت کا مستحق ہو گا۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کس کیفیت کے ساتھ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرماتے تھے اور یہ کہ آپ ﷺ کا خطبہ مبارکہ کن اہم ترین باتوں پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔ جن کی کچھ تفصیل اوپر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیان ہو چکی ہے اور کچھ ذیل میں فوائد کے تحت آ رہی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- جناب رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرماتے وقت اپنے قول وفعل دونوں سے متاثر ہوتے تھے چنانچہ طبیعت پر غضب طاری ہو جاتا تھا اور آواز بلند ہو جاتی تھی۔ اسی لیے ایک خطیب کو بھی نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں ایسے ہی خطبہ دینا چاہیے۔
- خطبہ میں اَمَّا بَعْدُ کا کلمہ استعمال کرنا چاہیے۔
- معلوم ہوا کہ قرآن کریم اپنے الفاظ، معانی، تاثیر اور حال ہر اعتبار سے سب سے بہتر ہے۔
- خَيْرَ الْحَدِيْثِ کے کلمات میں قرآنِ کریم کی قراءت اور اس سے تمسک کرنے کی ترغیب ہے۔
- معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی سیرت، اسوۂ حسنہ اور قدوۂ مبارکہ ہی سراپا خیر ہے۔
- معلوم ہوا کہ دوسرے طریق جتنے بھی بہتر ہوں سیرتِ نبویہ بہر حال اور بلاشک ان سب سے بہتر ہے۔
- بدعات بدترین امور ہیں۔ ان میں خیر بھی مفقود ہے اور ان کا انجام بھی برا ہے اور مزید برآں یہ کہ بدعات گمراہی بھی ہیں جن کا انجام جہنم ہے۔
- معلوم ہوا کہ بدعات کی پانچ، چھ یا تین اقسام بیان کرنا باطل ہے۔

جمعہ کی نماز کو لمبا کرنا جبکہ خطبہ کو مختصر کرنا مستحب ہے

441- وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ ﷺ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِنَّ طُوْلَ صَلَاةِ الرَّجُلِ، وَقِصَرَ خُطْبَتِهِ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهِ)).

رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے: ''بے شک آدمی کی نماز (جمعہ) کا طویل ہونا اور اس کے خطبہ کا مختصر ہونا اس کی فقاہت کی علامت ہے۔'' [1]

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... طُوْلَ صَلٰوةِ الرَّجُلِ: مراد نمازِ جمعہ ہے۔

وَ قِصَرَ خُطْبَتِهٖ: مراد الفاظ کا کم ہونا ہے۔ مَئِنَّةٌ: مَئِنَّةٌ اثر یا علامت کو کہتے ہیں۔

مِنْ فِقْهِهٖ: فقہ کا لغوی معنی سمجھنا ہے۔ اصطلاحِ شرع میں رب تعالیٰ کے دین کے سمجھنے کو فقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (اور ہماری اردو زبان میں دین کی سوجھ بوجھ کو عموماً فقاہت کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔)

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جمعہ کا خطبہ مختصر مگر جامع اور مانع ہو تا کہ سننے والوں کو یاد بھی رہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ''بہترین بات وہ ہے جو مختصر اور مدلل ہو۔'' جبکہ جمعہ کی نماز طویل ہو کیونکہ خطبہ کی ترغیب کا مقصود بھی عبادت میں کمال پیدا کرنا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ دین کی سوجھ بوجھ میں لوگوں کے احوال مختلف ہیں۔

[1] صحیح مسلم: 869.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- لوگوں کے احوال کی رعایت کی جائے اس لیے خطبہ کو مختصر کرنے کی ترغیب ہے۔
- خطبہ صرف مرد لوگ ہی دیں گے۔ عورت کی تقریر اور خطبہ منع ہے۔ الا یہ کہ کہیں کوئی عورت صرف عورتوں میں ہی کسی دینی مصلحت کی بنا پر خطبہ دے تو جائز ہوگا۔

خطبہ میں سورۂ ''ق'' کی قراءت کا بیان

442- وَعَنْ أُمِّ هِشَامِ بِنْتِ حَارِثَةَ بْنِ النُّعْمَانِ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا أَخَذْتُ ((ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ)) إِلَّا عَنْ لِسَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَؤُهَا كُلَّ جُمُعَةٍ عَلَى الْمِنْبَرِ إِذَا خَطَبَ النَّاسَ)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ام ہشام بنت حارثہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے سورۂ ق کو جناب رسول اللہ ﷺ کی زبانی ہی یاد کیا ہے۔ آپ ﷺ ہر جمعہ میں جب لوگوں میں خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو منبر پر اس کی قراءت فرماتے تھے۔ ❶
اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

شرح: گزشتہ روایت میں خطبہ کو مختصر کرنے کی ترغیب ہے جبکہ مذکورہ روایت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ آپ ﷺ خطبہ کو طویل فرمایا کرتے تھے کیونکہ آپ ﷺ لوگوں میں خطبہ دیتے ہوئے سورۂ ق کی قراءت فرمایا کرتے تھے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ خطبہ صرف سورۂ ق کی قراءت پر ہی مشتمل نہ ہوتا تھا۔ سو بظاہر ان دونوں روایات میں تعارض لگتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جیسا خطبہ ہی خطبہ کے قصر کی میزان ہے۔ کیونکہ بعض لوگ پون گھنٹا اور بعض تو گھنٹا تک کا خطبہ دیتے ہیں ان کے بالمقابل سورۂ ق کی قراءت پر مشتمل خطبہ مختصر ہی ہے۔ پس اس جیسے مسائل کو امور نسبتیہ کہیں گے۔ لیکن اس کے باوجود خطیب کو چاہیے کہ وہ خطبہ مختصر ہی دے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ دور نبوی میں عورتیں بھی جمعہ کی نماز میں حاضر ہوتی تھیں۔ لیکن مذکورہ حدیث بالتعیین ہی اس بات پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ بسا اوقات خطبہ کا سماع مسجد میں حاضر ہوئے بغیر بھی ممکن ہوتا ہے۔ لہٰذا گو مذکورہ حدیث بالتعیین اس بات پر دلالت نہیں کرتی لیکن بہر حال اس بات کا احتمال ضرور ہے کہ عورتیں دور نبوی میں جمعہ کی نماز میں حاضر ہوتی تھیں۔
- جمعہ کے خطبہ میں سورۂ ق کی قراءت مشروع ہے جس پر نبی کریم ﷺ کا فعل دلالت کرتا ہے کیونکہ مذکورہ سورت میں خلق کی ابتدا، اس کی انتہا، حیات کا مبدا و منتہیٰ، اخبار و قصص اور قیامت اور آخرت کا نہایت بلیغ بیان ہے۔ غرض اس سورت میں تقریر بھی ہے اور توبیخ بھی۔
- رہا یہ سوال کہ کیا واقع میں بھی آپ ﷺ ہر جمعہ کو اس سورت کی قراءت فرمایا کرتے تھے تو دیگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد کثرت اور غالب قراءت ہے نہ کہ ہر جمعہ کی قراءت ہے۔

خطبہ کے دوران کلام کرنے کا حکم

443,444- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ تَكَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس نے جمعہ کے دن (کسی

❶ صحيح مسلم: 872.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَهُوَ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا، وَالَّذِي يَقُولُ لَهُ: أَنْصِتْ، لَيْسَتْ لَهُ جُمُعَةٌ)).

دوسرے سے) کوئی بات کی جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ اس گدھے کی مثال جیسا ہے جس نے کتابوں کا بوجھ اٹھا رکھا ہو، اور جس نے اس (بات کرنے والے) سے یہ کہا کہ ''خاموش رہو'' تو اس کا جمعہ نہیں۔''❶

رَوَاهُ أَحْمَدُ بِإِسْنَادٍ لَا بَأْسَ بِهِ.

اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے ایسی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں کوئی حرج نہیں۔

وَهُوَ يُفَسِّرُ حَدِيثَ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي الصَّحِيحَيْنِ مَرْفُوعًا. ((إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ: أَنْصِتْ، يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ)).

اور یہ حدیث صحیحین میں مروی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس مرفوع حدیث کی تفسیر کرتی ہے: ''جب تم نے اپنے ساتھی سے جمعہ کے دن امام کے خطبہ کے دوران (جو کسی دوسرے سے بات کر رہا تھا) یہ کہا کہ ''خاموش رہو'' تو تم نے (بھی) ایک لغو کام کیا۔''❷

غریب الحدیث: ......**وَ الْإِمَامُ يَخْطُبُ:** یہ جملہ حالیہ ہے اور یہ تَكَلَّمَ کی ضمیر فاعل سے حال ہے اور حال ذوالحال جملہ شرطیہ ہیں کیونکہ مَنْ تَكَلَّمَ میں مَنْ شرطیہ ہے۔

فَهُوَ كَمَثَلِ الْحِمَارِ: یہ جملہ جوابِ شرط ہے اور چونکہ یہ جملہ اسمیہ ہے اس لیے اس کے ساتھ فا آئی ہے۔

مَثَل: یہ صفت کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے اور شبہ کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے۔ قرآنِ کریم میں یہ لفظ ان دونوں معانی میں استعمال ہوا ہے۔

يَحْمِلُ أَسْفَارًا: یہ جملہ اَلْحِمَار سے حال بھی ہوسکتا ہے کیونکہ اَلْحِمَار معرفہ ہے لیکن علمائے بلاغت کا قول ہے کہ ایسی تراکیب میں جہاں معرف باللام میں الف لام جنس کے لیے ہو، مابعد کا جملہ حال نہیں بلکہ صفت ہوتا ہے۔ کیونکہ جہاں الف لام جنس کے معنی پر دلالت کرتا ہو وہ کلمہ لفظوں میں معرفہ ہونے کے باوجود معنی کے اعتبار سے نکرہ ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی اَلْحِمَار پر گو کہ الف لام ہے اور لفظوں میں یہ کلمہ معرفہ ہی ہے لیکن چونکہ یہ الف لام جنس کے لیے ہے اس لیے معنی کے اعتبار سے یہ لفظ نکرہ ہی ہے۔ لہٰذا مابعد کا جملہ حال نہیں بلکہ صفت ہوگا۔ (کیونکہ ذوالحال کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے معرفہ ہو)۔

اَلْأَسْفَار: یہ سِفْر یا سَفْر کی جمع ہے، یہ کتاب کو کہتے ہیں۔ گدھے پر چاہے ایک کتاب لدی یا ایک بوجھ کتابوں کا لدا ہو اس کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں، وہ ان کتابوں سے مطلق مستفید نہیں ہوسکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر قرآنِ کریم کی پیروی فرمائی ہے۔ مراد وہ لوگ ہیں جو جاننے کے باوجود علم اور احکام سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ بیان کیا جا چکا ہے کہ تشبیہ میں چار باتوں کا ہونا لازم ہے: (1) مشبہ (2) مشبہ بہ (3) اداۃِ تشبیہ (4) وجہ تشبیہ

مذکورہ جملہ میں جملہ اطرافِ تشبیہ مذکور ہیں سوائے وجہِ تشبیہ کے اور وہ عدمِ انتفاع ہے۔ جو مقدر اور محذوف ہے۔ یعنی

---

❶ مسند احمد: 230/1۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے ''مجمع الزوائد'' (184/2) میں اس حدیث کو مجالد بن سعید کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

❷ صحیح البخاری: 934۔ صحیح مسلم: 851.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسے گدھا اپنے اوپر لدی کتابوں سے نفع نہیں پاتا، اسی طرح خطبہ کے دوران کسی دوسرے سے بات کرنے والا بھی اپنے اوپر پڑھے جانے والے خطبہ سے منتفع نہیں ہوتا۔

وَ الَّذِیْ یَقُوْلُ لَهٗ: یہ واوٴ استینافیہ اور اَلَّذِیْ اسم موصول ہے جو اپنے صلہ یَقُوْلُ لَهٗ سے مل کر مبتدا ہے اور لَیْسَتْ لَهٗ جُمُعَةٌ یہ جملہ ''خبر'' ہے۔

اَنْصِتْ: یہ قول کا مقولہ ہے اور یہ اُسْکُتْ کے معنی میں نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ''خطبہ کی طرف متوجہ ہو جاوٴ۔''

لَیْسَتْ لَهٗ جُمُعَةٌ: مذکورہ نفی کمال کی نفی ہے نہ کہ وجود یا صحت کی نفی کیونکہ جب خود خطبہ میں حضوری جمعہ کی نماز کی شرط نہیں تو اس میں خلل صحتِ جمعہ کی نفی کا سبب کیسے ہو سکتا ہے؟

لَا بَأْسَ بِهٖ: کسی اسناد کی ایسی تعبیر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسی سند تصحیح کے قریب ہے۔

لَغَوْتَ: مراد خطبہ کے ثواب کا باطل ہونا ہے۔

مضمونِ حدیث :...... مذکورہ حدیث اور دوسری روایت میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ خطبہ کو پوری توجہ اور کامل خاموشی کے ساتھ سننا چاہیے نہ تو خود کسی سے بات کرنی چاہیے اور نہ کسی بات کرنے والے کو روکنا ہی چاہیے کہ دونوں صورتوں میں جمعہ کے خطبہ کا اور خود جمعہ کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مذکورہ دونوں روایات سے جمعہ کے دن امام کے خطبہ کے دوران بات کرنے کی تحذیر معلوم ہوئی۔ جس کی دلیل خطبہ کے دوران بات کرنے والے کو کتابوں سے لدے گدھے کے ساتھ تشبیہ دینا ہے اور یہ تشبیہ تقبیح اور تنفیر کے لیے ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ تنفیر و تحذیر کی غرض سے انسان کو کسی حیوان کے ساتھ تشبیہ دے سکتے ہیں۔
- جنابِ رسول اللہ ﷺ کی حسنِ تشبیہ کہ آپ ﷺ نے خطبہ سے نفع نہ اُٹھانے والے کو اس گدھے سے تشبیہ دی جو اپنے اوپر لدی کتابوں سے مستفید نہیں ہوتا۔
- معلوم ہوا کہ خطبہ کے دوران کسی دوسرے کو خاموش کرانا وغیرہ بھی ممنوع ہے۔ البتہ یہ تحریم بات کے ذریعے منع کرنے کو تو شامل ہے لیکن اشارہ کے ساتھ منع کرنے کو شامل نہیں۔
- معلوم ہوا کہ خطبہ کے دوران کسی کے سلام کا جواب دینا بھی لازم نہیں۔ یہی حکم چھینکنے والے کی تحمید کا دعا سے جواب دینے کا بھی ہے کہ وہ لازم نہیں۔ یعنی خطبہ کے دوران تشمیت عاطس لازم نہیں۔
- البتہ خطبہ کے دوران جنابِ رسول اللہ ﷺ کے اسم گرامی آنے پر آپ ﷺ پر درود پڑھنا اس ممانعت میں داخل نہیں کیونکہ اس کا تعلق خود خطبہ سے ہے نہ کہ کسی امر خارج سے۔ اسی طرح کسی دعا پر آمین کہنا بھی ممنوع نہیں۔ البتہ اس میں یہ شرط ہے کہ ایسا کرنے سے کسی دوسرے کی توجہ کو منتشر نہ کرے۔ یعنی ہلکی آواز سے کہے۔
- یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دو خطبوں کے دوران بات بھی کر سکتے ہیں اور سلام کا جواب اور تشمیت عاطس بھی دے سکتے ہیں۔
- یوم الجمعہ کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی خطبہ جمعہ کے دن کے علاوہ کا ہو تو اس کے دوران بات کر سکتے ہیں البتہ کامل استفادہ کی غرض سے یہاں بھی خاموشی اور متوجہ ہو کر سننا مناسب ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ رہے استسقاء، عیدین اور کسوف وخسوف کے خطبے تو فقہاء کرام نے عیدین کے خطبہ کو جمعہ کے خطبہ کا حکم دیا ہے۔ لیکن اس میں حاضری واجب نہیں۔ لہٰذا نماز عید کے بعد اگر کوئی جانا چاہے تو جا سکتا ہے۔ [1] جبکہ جمعہ میں حاضر ہونا لازم ہے۔ تو جس خطبہ میں حضوری شرط نہیں اس کا سننا کیسے واجب ہو سکتا ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ عیدین کے خطبہ میں ایسی طرح سے بات نہ کرے کہ کسی دوسرے کی تشویش کا باعث بنے۔ یہی تفصیل استسقاء اور کسوف اور خسوف کے خطبوں میں بھی ہے۔

خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد ادا کرنے کا حکم

445- وَعَنْ جَابِرٍ رضي الله عنه قَالَ: ((دَخَلَ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ، فَقَالَ: صَلَّيْتَ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: ((قُمْ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ایک آدمی جمعہ کے دن (مسجد میں) داخل ہوا جبکہ نبی کریم ﷺ (اس وقت جمعہ کا) خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے (ان صاحب سے) دریافت فرمایا: ''کیا تم نے (مسجد میں داخل ہو کر تحیۃ المسجد کی) نماز ادا کی ہے؟'' ان صاحب نے عرض کیا کہ نہیں۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اٹھو اور (پہلے) دو رکعت نماز پڑھو۔'' (پھر اس کے بعد خطبہ سننے بیٹھو)۔ [2]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث :...... دَخَلَ رَجُلٌ: مذکورہ روایت میں یہ صاحب مبہم ہیں۔ البتہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ان کا نام ''سلیک غطفانی'' مذکور ہے۔ یاد رہے کہ صحابی رسول ﷺ کے نام کے مبہم ہونے سے نفسِ حدیث کی صحت پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔

وَ النَّبِيُّ يَخْطُبُ: یہ جملہ حالیہ ہے اور یہ رَجُلٌ سے حال ہے اور مذکورہ خطبہ جمعہ کا تھا۔

صَلَّيْتَ: اگرچہ لفظوں میں یہ جملہ خبریہ ہے لیکن معنی کے اعتبار سے یہ انشائیہ ہے کیونکہ یہ جملہ استفہام پر مبنی ہے اور حرف استفہام یہاں محذوف ہے۔

قَالَ: لَا: یہاں حرفِ نفی کا فعل محذوف ہے اور تقدیری عبارت یہ ہے: لَمْ أُصَلِّ.

قُمْ: یہ قَامَ يَقُوْمُ قِيَامًا سے فعل امر ہے۔

فَصَلِّ: یہ بھی فعل امر ہے۔

رَكْعَتَيْنِ: یہاں نبی کریم ﷺ نے یہ نہیں ارشاد فرمایا کہ یہ دو رکعات ہلکی ہوں یا لمبی؟ البتہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ ﷺ نے ان دونوں رکعات کو ہلکا کر کے ادا کرنے کا حکم ارشاد فرمایا تھا تاکہ وہ صاحب نماز سے جلدی فارغ ہو کر خطبہ سن سکیں۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث دراصل تحیۃ المسجد کی ادائیگی کی تاکید کا بیان ہے حتیٰ کہ خطبہ کے ہوتے ہوئے بھی اس نماز کو ترک نہ کیا جائے گا۔

---

[1] شیخ رحمہ اللہ کی یہ رائے محل نظر ہے۔ نماز عید خطبے کے بغیر مکمل نہیں ہوتی اور اس خطبے کی بھی اسی طرح اہمیت ہے جیسے خطبہ جمعہ کی ہے۔ یہ خطبہ سننا اور اس میں حاضری ضروری ہے۔ (ناشر) [2] صحيح البخاري: 931- صحيح مسلم: 875.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اگر کوئی خطبہ کے دوران جمعہ کو پہنچے تو اسے ڈانٹا نہ جائے گا۔
- خطیب خطبہ کے دوران دوسرے سے بات کر سکتا ہے جیسا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس قصہ میں دورانِ خطبہ دوسرے سے کلام فرمایا۔ البتہ دوسرے کسی کو بات کرنا منع ہے کیونکہ دوسرا جب بات کرے گا تو خطبہ جاری ہوگا جبکہ خطیب جب بات کرے گا تو خطبہ روک کر کرے گا لہٰذا لامحالہ خطیب کے بات کرتے وقت خطبہ جاری نہ ہوگا۔
- کسی منکر پر نکیر کرنے سے قبل مناسب ہے کہ معاملہ کی تفصیل معلوم کر لی جائے۔ جیسے آپ ﷺ نے ان صاحب کو کچھ بھی حکم ارشاد فرمانے سے قبل دریافت فرمایا کہ کیا تم نے نماز ادا کر لی ہے تب حسبِ صورت آپ ﷺ نے ان صاحب کو حکم ارشاد فرمایا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے سے بڑے کو ''نہیں'' کے لفظ کے ساتھ جواب دے سکتے ہیں اور یہ جواب بے ادبی پر محمول نہ ہوگا جیسا کہ ان صاحب نے نبی کریم ﷺ کو ''نہیں'' کے ساتھ جواب عرض کیا تھا۔
- امام خطبہ بھی دے رہا ہو تب بھی مسجد میں داخل ہونے پر تحیۃ المسجد ادا کی جائے گی۔
- گو بظاہر قُـــمْ کے الفاظ نفل نماز میں بھی قیام کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ امر میں اصل وجوب ہے۔ لیکن بعض دوسرے دلائل نفل میں قیام کے عدمِ وجوب پر دلالت کرتے ہیں جس کی کافی تفصیل نوافل کے ذکر میں بیان کی جا چکی ہے۔
- تحیۃ المسجد واجب ہے۔ کیونکہ اسے خطبہ چھوڑ کر بھی ادا کرنے کا حکم ہے اور ایک واجب سے کسی دوسرے واجب کی وجہ سے ہی مشغول ہوا جاتا ہے۔ لیکن اکثر علماء تحیۃ المسجد اور اسی طرح نماز کسوف وخسوف اور نماز استسقاء وغیرہ کے عدمِ وجوب کی طرف گئے ہیں کیونکہ یہاں وجوب کے حکم کا ایک صارف موجود ہے اور وہ حدیث اعرابی ہے کہ جب اس اعرابی نے یہ دریافت کیا تھا کہ ''کیا مجھ پر ان پانچ نمازوں کے علاوہ بھی کوئی نماز ہے؟'' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: ''نہیں۔'' اس کا جواب یہ ہے کہ علماء تو اور بھی کئی نمازوں کے وجوب کے قائل ہیں حالانکہ حدیث اعرابی میں ان کا بھی ذکر نہیں جیسے عیدین کی نماز کہ بعض اسے فرضِ عین اور بعض فرض کفایہ مانتے ہیں۔ لہٰذا جو نماز بھی ذات الاسباب ہو گی وہ سبب کے پائے جانے کے وقت واجب ہوگی۔
- رکعتین کے لفظ سے ظاہریہ اس طرف گئے ہیں کہ اگر کسی نے مسجد میں داخل ہو کر ایک رکعت وتر کی نماز ادا کی تو اس نے یہ حکم ادا نہیں کیا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے دو رکعت ادا کرنے کا حکم دیا ہے جبکہ اس نے ایک رکعت ادا کی ہے۔ جبکہ دوسرے علماء کا قول ہے یہ حکم بطور اغلب کے ہے اور قید اغلبی کا کوئی مفہوم نہیں ہوا کرتا لہٰذا اگر کسی نے شرعی نماز ادا کر لی تو اس نے تحیۃ المسجد کا حکم ادا کر دیا چاہے وہ شرعی نماز ایک رکعت ہی ہو۔

جمعہ اور عیدین میں کون سی سورتیں پڑھی جائیں؟

446۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ فِيْ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ سُوْرَةَ الْجُمُعَةِ وَالْمُنَافِقِيْنَ)).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز جمعہ (کی پہلی رکعت) میں سورۂ جمعہ اور (دوسری رکعت میں) سورۂ منافقون کی قراءت فرمایا کرتے تھے۔ [1]

---

[1] صحیح مسلم: 879۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

نماز جمعہ میں قراءت کی جانے والی سورتیں

مذکورہ روایت سے بظاہر ہر جمعہ میں ان دونوں سورتوں کی قراءت کی ہمیشگی معلوم ہوتی ہے کیونکہ کَانَ جب فعل مضارع کے ساتھ آتا ہے تو عموماً استمرار کا فائدہ دیتا ہے۔ لیکن یہاں مراد اغلب اور اکثر ہے نا کہ دوام۔

سورۂ جمعہ کے انتخاب کی وجہ

جناب رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن اس سورت کی قراءت اس لیے فرماتے تھے کیونکہ اس سورت میں توحید، بندوں پر رب تعالیٰ کے انعامات، نبی کریم ﷺ کی بعثت، آپ ﷺ کی مخالفت کی تحذیر، نماز جمعہ اور اس میں حاضر ہونے کا وجوب اور دیگر اہم مضامین مذکور ہیں۔

سورۂ منافقون کے انتخاب کی وجہ

رہی سورۂ منافقون تو اس کے قراءت فرمانے کی وجہ مدینہ نبویہ میں منافقین کی کثرت اور جمعہ اور جماعت میں ان کی حاضری تھی۔ اسی لیے اس سورت کی قراءت بھی موقع کے لحاظ سے بے حد مناسب تھی کیونکہ سورۂ منافقون میں اخلاقِ ذمیمہ کی مذمت، اہل اسلام اور اسلام کی عزت، مال وغیرہ میں لگ کر اللہ، رسول اور آخرت کو بھولنے کی تحذیر وغیرہ جیسے اہم مضامین مذکور ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ نمازِ جمعہ میں ان دونوں سورتوں کی قراءت اور وہ بھی کامل سورتوں کی قراءت مستحب ہے۔ چنانچہ کسی ایک سورت کو دونوں رکعات میں پڑھنا گو جائز ہو مگر غیر مستحب ہوگا۔
- احوال کی رعایت اور زیادہ مناسب امر کا اختیار مناسب ہے۔
- بظاہر سورۂ منافقون کو سورۂ جمعہ کے بعد پڑھا جائے۔ البتہ آپ ﷺ نے بسا اوقات نماز کی رکعات میں سورتوں کو توالی کے لحاظ کے بغیر بھی پڑھا ہے۔

447- وَلَهُ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ: ((كَانَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ: بِ ((سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ)).

صحیح مسلم میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عیدین (کی) اور جمعہ (کی نمازوں کی پہلی رکعت) میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی کی اور (دوسری رکعت میں) هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ کی قراءت فرمایا کرتے تھے۔ ❶

غریب الحدیث:...... وَ لَهُ: مراد صحیح مسلم ہے۔

كَانَ يَقْرَأُ: مذکورہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ کَانَ فعل مضارع کے ساتھ ہمیشہ دوام کا ہی فائدہ نہیں دیتا۔ کیونکہ اگر کَانَ فعل مضارع کے ساتھ ہمیشہ ہی دوام کا فائدہ دیتا ہو تو مذکورہ دونوں روایات میں صریح تعارض لازم آتا ہے۔

فِي الْعِيدَيْنِ: مراد عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہے۔ اسلام میں تین ہی عیدیں ہیں، دو یہ اور تیسری عید روزِ جمعہ کی ہے۔ پس

❶ صحیح مسلم: 878.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

آپ ﷺ عیدوں کے ان تینوں مواقع پر مذکورہ دونوں سورتوں کی قراءت فرمایا کرتے تھے اور یہ قراءت علی الدوام نہیں بلکہ اکثر اور اغلب کے اعتبار سے تھی۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى: اس آیت کے مذکورہ حدیث میں اعراب محل کے اعتبار سے ہیں۔ یعنی یہ آیت مفرد کی تاویل میں اس جگہ حرف کی وجہ سے مجرور ہے۔ یہی تاویل هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ میں بھی ہے۔ ان دونوں سورتوں کی ان مواقع پر قراءت کی مناسبت ظاہر ہے۔ یہ دونوں سورتیں لوگوں کو وعظ و نصیحت بھی کرتی ہیں اور انہیں حلال لذتوں سے لطف اندوز ہونے سے بھی نہیں روکتیں۔

تنبیہ:...... معلوم ہوا کہ ان تینوں مواقع پر ان دونوں سورتوں کی قراءت بھی مسنون ہے۔ لہٰذا کبھی ان دونوں سورتوں کی قراءت کی جائے اور کبھی سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون کی قراءت کی جائے۔

اگر جمعہ کے دن عید بھی آ جائے تو؟

448- وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الْعِيدَ، ثُمَّ رَخَّصَ فِي الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: ((مَنْ شَاءَ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيُصَلِّ)).

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ (ایک دفعہ جمعہ کے دن عید آ گئی تو) نبی کریم ﷺ نے (پہلے) عید کی نماز ادا فرمائی پھر (جب جمعہ کا وقت ہوا تو) آپ ﷺ نے جمعہ (کے ادا کرنے میں) رخصت عنایت فرمائی (یعنی سہولت دی) پھر ارشاد فرمایا: ''جو (جمعہ کی) نماز ادا کرنا چاہے وہ (یہ) نماز ادا کر لے۔''[1]

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے سوائے امام ترمذی رحمہ اللہ کے اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... رَخَّصَ: یعنی سہولت عنایت فرمائی۔ کیونکہ اس دن عید اور جمعہ دونوں اکٹھے ہو گئے تھے۔

مَنْ شَاءَ أَنْ يُصَلِّيَ: مراد نمازِ جمعہ ہے۔

فَلْيُصَلِّ: مذکورہ لام اگرچہ امر کا ہے لیکن یہ اباحت کے لیے ہے کیونکہ یہ ''لام'' مشیت کے جواب میں ہے اور جو امر مشیت کے متعلق ہو، وہ اباحت کے لیے ہوتا ہے۔ جبکہ بسا اوقات ایسے امر سے تہدید یعنی دھمکی بھی مراد ہوتی ہے جیسے اس ارشاد باری تعالیٰ میں مشیت کے متعلق امر اباحت کے لیے نہیں بلکہ تہدید کے لیے ہے۔ ارشاد ہے:

﴿فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (الكهف: 29)

''پھر جو چاہے سو ایمان لے آئے اور جو چاہے سو کفر کرے۔''

یاد رہے کہ فَلْيُصَلِّ میں لامِ امر کی وجہ سے جزم حرفِ علت کے گرنے کی صورت کے ساتھ ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ جب عید جمعہ کے دن آ گئی تو نبی کریم ﷺ

---

[1] سنن ابی داؤد: 1070، سنن النسائی: 3/194، سنن ابن ماجہ: 1310، مسند احمد: 4/372، صحیح ابن خزیمہ: 1464۔ امام نووی ''المجموع: 4/412'' میں فرماتے ہیں: اس حدیث کی اسناد جید (عمدہ) ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے عید کی نماز ادا فرمانے کے بعد جمعہ کی نماز میں رخصت عنایت فرمائی۔ اس کی مزید تفصیل ذیل میں آ جاتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اگر عید جمعہ کے دن آ جائے تو جمعہ میں حاضر ہونے یا نہ ہونے میں رخصت ہے۔
- یہ اباحت عید کی نماز میں حاضر ہونے والے کے لیے ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد عید کے حاضرین سے فرمایا تھا۔ لہٰذا جو جمعہ کے دن آنے والی عید میں حاضر نہ ہوا سے جمعہ میں حاضر ہونا لازم ہوگا۔
- مناسب ہے کہ لوگوں کے سامنے رب تعالیٰ کی رخصتیں بیان کی جائیں اور یہ نہ کہا جائے کہ جمعہ افضل ہے۔
- معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے عبادات کے باب میں بندوں پر بے حد سہولتیں فرما رکھی ہیں۔
- بعض علماء نے "فمن شاء ان یصلی فلیصل" کے الفاظ سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اس روز ظہر کی نماز بھی ساقط ہے۔ لیکن ان حضرات کا یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ دوسرے دلائل یہ بتلاتے ہیں کہ جب جمعہ ذمہ میں نہ رہے تو ظہر کی نماز وقتیہ نماز بن کر ذمہ میں واجب رہتی ہے اور وہ کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہوتی۔
- بلاشبہ یہ قول مذکورہ ذیل تین اقوال میں سے متوسط قول ہے:

(1) اگر جمعہ کے دن عید آ جائے تو بھی جمعہ ساقط نہیں ہوتا۔ (2) اس دن جمعہ اور ظہر دونوں ساقط ہو جاتے ہیں۔

(3) جبکہ تیسرا قول یہ ہے کہ اس دن اگر جمعہ ادا نہ کرنے میں رخصت ہے تو نمازِ ظہر بہر حال فریضۂ وقتیہ بن کر واجب رہے گی اور یہ رخصت اس کو ہے جو عید کی نماز میں آئے، اور جو عید کی نماز میں نہ آئے اس پر جمعہ ہی واجب ہوگا۔ امام احمد کا مشہور مذہب یہی ہے اور یہی قول درستی کے زیادہ قریب ہے۔

نمازِ جمعہ کے بعد نوافل ادا کرنے کے احکام

449- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيُصَلِّ بَعْدَهَا أَرْبَعًا)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "جب تم میں سے ایک جمعہ ادا کر لے تو چاہیے کہ وہ جمعہ کے بعد چار رکعات ادا کرے۔"[1]

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ......اِذَا صَلّٰی: مراد جمعہ کی نماز ادا کر کے فارغ ہو جانا ہے اور مذکورہ "اذا" شرطیہ ہے۔

فَلْيُصَلِّ: مذکورہ فا شرط کے جواب میں ہے۔ اسے رابطۂ جواب کہتے ہیں اور مذکورہ فعل جواب شرط ہے۔ یاد رہے کہ جوابِ شرط شرط کے فوراً بعد ہوتا ہے۔ یہ امر اس بات کی دلیل ہے کہ مذکورہ چار رکعات نمازِ جمعہ کے فوراً بعد ادا کی جائیں گی۔ بظاہر یہ امر وجوب کے لیے ہے لیکن دیگر قرائن اس امر کے استحباب کے لیے ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

اَرْبَعًا: بظاہر یہ چار رکعات ایک سلام کے ساتھ ہوں گی۔ جبکہ ایک قول ایک ایک سلام کے ساتھ ان کو دو دو رکعات کر کے ادا کرنے کا بھی ہے۔ پہلا قول حدیث کے ظاہر سے ثابت ہے، جبکہ دوسرے قول کی دلیل یہ ضابطہ ہے کہ احادیث مطلقہ کو احادیث مقیدہ پر محمول کیا جائے گا۔ اب یہاں چار رکعات کا ذکر مطلق ہے جبکہ ایک روایت میں ارشاد ہے کہ "دن کی نماز دو دو رکعت ہے۔"[2]

---

[1] صحیح مسلم: 881. [2] اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لہٰذا اس مطلق کو مذکورہ مقید پر محمول کیا جائے گا اور ان چار رکعات کو دو دو کر کے دو سلاموں کے ساتھ ادا کیا جائے گا۔
غرض اس حدیث میں نمازِ جمعہ کے بعد چار رکعات ادا کرنے کی ترغیب ہے۔

فرائض اور نوافل کو ایک دوسرے سے جدا رکھا جائے

450۔ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَهُ: ((إِذَا صَلَّيْتَ الْجُمُعَةَ فَلَا تَصِلْهَا بِصَلَاةٍ، حَتّٰى تَتَكَلَّمَ أَوْ تَخْرُجَ، فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَنَا بِذٰلِكَ: أَنْ لَا نُوْصِلَ صَلَاةً بِصَلَاةٍ حَتّٰى نَتَكَلَّمَ أَوْ نَخْرُجَ)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تم نماز جمعہ ادا کر چکو تو اس کو کسی دوسری نماز کے ساتھ (مباشرۃً) مت ملانا یہاں تک کہ (یا تو کسی سے) بات کر لو یا (مسجد سے) نکل جاؤ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ ''ہم کسی (فرض) نماز کو کسی دوسری (نفل) نماز کے ساتھ نہ ملایا کریں یہاں تک کہ (یا تو کسی سے) بات کر لیں یا (پھر مسجد سے) نکل جائیں۔''[1]
اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :...... حَتّٰى تَتَكَلَّمَ: یعنی نماز جمعہ کے بعد بلکہ کسی بھی فریضہ کے بعد فوراً کوئی نماز ادا نہ کی جائے یہاں تک کہ کلام کر کے فرض نماز اور مابعد کی نماز میں فصل کر لیا جائے۔ کلام سے بظاہر "کلام الآدمیین" اور اذکار دونوں مراد ہیں۔ یعنی یہاں عموم مراد ہے۔ پس کلامِ آدمیین سے فصل حاصل ہونا تو ظاہر ہے جبکہ نماز کے بعد کے اذکار سے بھی جن کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے کہ وہ اذکار کون کون سے ہیں۔ فرض اور نفل میں فاصلہ حاصل ہو جاتا ہے۔

اَوْ نَخْرُجَ: مراد مسجد سے نکل جانا ہے۔

فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَنَا: یہ مذکورہ قول کی دلیل ہے۔

بِذٰلِكَ: یہ اسم اشارہ ہے اور یہ مبہم پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی نبی کریم ﷺ نے کس بات کا حکم ارشاد فرمایا ہے، وہ مبہم ہے۔

اَلَّا نُوْصِلَ صَلٰوةً بِصَلٰوةٍ: یہ مذکورہ اسم اشارہ کا عطفِ بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جس بات کا حکم ارشاد فرمایا تھا وہ یہ ہے کہ ہم ایک نماز کو دوسری نماز کے ساتھ نہ ملائیں۔

صَلٰوةً: یہ نکرہ ہے جو نفی کے سیاق میں ہے، جو عموم کا فائدہ دے رہا ہے۔ لہٰذا یہ لفظ فرض اور نفل دونوں نمازوں کو شامل ہوگا۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک نماز کے بعد فوراً دوسری نماز ادا نہ کی جائے بلکہ کلام، ذکر یا خروج وغیرہ کے ذریعے ایک نماز کو دوسری نماز سے جدا کر دیا جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- دین کی تبلیغ لازم ہے، اسی لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شریعت کا ایک حکم حضرت سائب رضی اللہ عنہ کو بیان کیا۔
- مسائلِ علمیہ میں قرآن کے بعد سنت سے استدلال کیا جائے جیسا کہ جنابِ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مسئلہ بیان کر کے اس کے استدلال میں نبی کریم ﷺ کے حکم کو پیش کیا۔

[1] صحیح مسلم: 883.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ افضل یہ ہے کہ ایک نماز کو دوسری نماز کے ساتھ نہ ملایا جائے اور ان میں کلام، ذکر یا خروج وغیرہ کے ذریعے فصل کیا جائے۔ تاکہ فرض اور نفل میں التباس نہ ہو جائے اور کوئی ناسمجھ فرائض میں اضافہ کی جسارت نہ کر بیٹھے۔

◈ مذکورہ روایت میں گویا کہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نوافل کا غیر مسجد میں ادا کرنا افضل ہے۔

جمعہ کے دن نہانے کی اور خوشبو لگانے کی فضیلت کا بیان

451- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنِ اغْتَسَلَ ، ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ ، فَصَلَّى مَا قُدِّرَ لَهُ ، ثُمَّ أَنْصَتَ حَتَّى يَفْرُغَ الْإِمَامُ مِنْ خُطْبَتِهِ ، ثُمَّ يُصَلِّي مَعَهُ ، غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى وَفَضْلُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ)) . رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ’’جس نے (جمعہ کے دن) غسل کیا، پھر جمعہ (پڑھنے) کو آیا اور جو مقدر (میں توفیق) تھی اتنی نماز پڑھی پھر خاموش بیٹھ رہا (اور غور سے خطبہ سنتا رہا) یہاں تک کہ امام اپنے خطبہ سے فارغ ہو گیا، پھر اس نے امام کے ساتھ نماز ادا کی تو اس کے اس جمعہ کے اور دوسرے جمعہ کے درمیان کے گناہ بخش دیئے گئے اور تین دن اور کے بھی (گناہ بخش دیئے گئے)۔‘‘ [1]
اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... مَنِ اغْتَسَلَ: مذکورہ مَنْ شرطیہ ہے اور مابعد کے معطوف جملے ثُمَّ يُصَلِّي مَعَهُ تک سب شرط ہیں اور غُفِرَ لَهُ جواب شرط ہے۔ مذکورہ شرط چند باتوں پر مشتمل ہے جن کی قدرے تفصیل درج ذیل ہے:

(1) مَنِ اغْتَسَلَ: مراد غسل جنابت ہے کیونکہ یہاں غسل کا ذکر مطلق ہے اور شارع علیہ السلام کی زبان سے کوئی بات مطلق ذکر ہو تو اس کو پہلے حقیقتِ شرعیہ پر محمول کیا جاتا ہے جو یہاں غسلِ جنابت ہے، وگرنہ اسے حقیقتِ لغویہ پر محمول کیا جاتا ہے، جو یہاں مفقود ہے۔ (2) ثُمَّ اَنْصَتَ: تاکہ امام کا خطبہ غور سے سن سکے۔

(3) فَصَلّٰی مَا قُدِّرَ لَهُ : مَا قُدِّرَ: یہ فعل فاعل کے معلوم ہونے کی وجہ سے مجہول ہے اور وہ فاعل رب تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات ہے۔ مراد امور و اشیاء کی تقدیر ہے جو رب تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دی تھی۔

(4) حَتّٰی يَفْرُغَ الْإِمَامُ مِنْ خُطْبَتِهِ: مراد دونوں خطبوں سے امام کا فارغ ہو جاتا ہے۔ البتہ دونوں خطبوں کے درمیان بات کرنا منع نہیں جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

(5) ثُمَّ يُصَلِّي مَعَهُ: مراد نماز جمعہ ہے۔ حتیٰ کہ اسے ادا کر لے۔

غُفِرَ لَهُ: یہ بھی مجہول فعل ہے جس کے فاعل کے معلوم ہونے کی وجہ سے اسے مجہول لایا گیا ہے اور بخش دینے والی وہ ذات رب تعالیٰ کی ہے۔

مَا بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰی: یہ دوسرا جمعہ کون سا ہے؟ آئندہ کا یا گزشتہ؟ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ اس سے مراد گزشتہ جمعہ ہے کیونکہ گناہوں کا تحقیقی وجود ماضی میں پایا جاتا ہے نہ کہ مستقبل میں اور حدیث کے ظاہر

[1] صحیح مسلم: 857.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تمام جمع ادا کرنا لازم ہیں کہ گزشتہ اور آئندہ کے جمعے پڑھے گا تو یہ فضیلت حاصل ہوگی۔

وَ فَضْلُ ثَلاثَةِ اَيَّامٍ: یوں یہ کل دس دن ہو گئے۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں نمازِ جمعہ کے لیے غسل کر کے اور اسے مذکورہ بالا آداب کے ساتھ ادا کرنے کی ترغیب ہے اور اس بات کی بشارت ہے کہ اس پر جمعہ سے جمعہ تک کے اور تین دن مزید کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ جمعہ کے لیے غسل کرنے کی بے حد فضیلت ہے۔
- معلوم ہوا کہ جمعہ سے پہلے سنتیں نہیں۔
- یہ بھی معلوم ہوا کہ بندے کے افعال بھی مقدر ہیں جس میں مشہور گمراہ فرقہ قدریہ پر رد ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ رب تعالیٰ نے بندے کے افعال مقدر نہیں کیے بلکہ بندہ اپنے افعال کی ایجاد اور مشیت میں مستقل بالذات ہے۔
- خطبہ کو خاموشی اور توجہ کے ساتھ سننے پر گناہوں کی بخشش کا وعدہ ہے۔
- مناسب ہے کہ جمعہ کا خطیب امام ہی ہو جس کی دلیل حَتّٰـی يَفْرُغَ الْإِمَامُ مِنْ خُطْبَتِهِ کے الفاظ ہیں۔ اسی لیے علماء کا قول ہے کہ خطبہ وہی دے جو نماز پڑھانے کا ذمہ دار ہو۔
- رب تعالیٰ کا کرم بے حد وسیع اور بے پایاں ہے کہ اس نے اتنی معمولی کاوشوں پر بھی بخشش اور مغفرت کے دروازے کھول رکھے ہیں۔

جمعہ کے دن کی مستجاب الدعا گھڑی کون سی ہے؟

452۔ وَعَنْهُ رضي الله عنه أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ذَكَرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: ((فِيْهِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ، وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي يَسْأَلُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ)). وَأَشَارَ بِيَدِهِ: يُقَلِّلُهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نے جمعہ کے دن کا ذکر فرمایا تو (اس کی مناسبت سے) ارشاد فرمایا: ''جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ جس مسلمان بندے کو بھی حسنِ اتفاق سے وہ گھڑی نصیب ہو جائے جبکہ وہ (اس وقت) کھڑا نماز پڑھ رہا (اور اسے اس گھڑی میں اس بات کی توفیق مل جائے کہ) وہ رب تعالیٰ سے (اس گھڑی میں) کسی بات کا سوال کرے تو رب تعالیٰ اسے وہ شے ضرور عطا فرماتا ہے۔'' اور آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اشارہ کر کے اس گھڑی کو (بہت) تھوڑا بتلایا۔ (یعنی اشارہ سے یہ بتلایا کہ وہ گھڑی تھوڑی سی ہے)۔ ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ: ((وَهِيَ سَاعَةٌ خَفِيفَةٌ)).

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''وہ گھڑی تھوڑی

❶ صحيح البخاري: 935- صحيح مسلم: 852.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سی ہے۔''

453,454- وَعَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ رضي الله عنه قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : ((هِيَ مَا بَيْنَ أَنْ يَجْلِسَ الْإِمَامُ إِلَى أَنْ تُقْضَى الصَّلَاةُ)) .

حضرت ابو بردہ اپنے والد ماجد (حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے: ''وہ گھڑی امام کے (خطبہ کے لیے) بیٹھنے سے لے کر نماز کے پورا ہونے تک کے درمیان میں ہے۔'' [1]

رَوَاهُ مُسْلِمٌ ، وَرَجَّحَ الدَّارَقُطْنِيُّ أَنَّهُ مِنْ قَوْلِ أَبِي بُرْدَةَ .

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ امام دارقطنی نے اس بات کو راجح قرار دیا ہے کہ یہ ابو بردہ کا قول ہے۔ [2]

وَفِي حَدِيْثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ عِنْدَ ابْنِ مَاجَهْ .

اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن سلام کی حدیث میں (بھی اس ساعت کا تذکرہ) ہے۔ [3]

وَعَنْ جَابِرٍ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ: ((أَنَّهَا مَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ وَغُرُوْبِ الشَّمْسِ)) .

سنن ابی داود اور سنن النسائی [4] میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''وہ گھڑی نماز عصر اور غروبِ آفتاب کے درمیان ہے۔''

وَقَدِ اخْتُلِفَ فِيهَا عَلَى أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِيْنَ قَوْلًا أَمْلَيْتُهَا فِي شَرْحِ الْبُخَارِيِّ .

(امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں) اس گھڑی (کی تعیین) میں چالیس تک مختلف اقوال ہیں میں نے شرح بخاری میں ان کو املاء کروا دیا ہے۔ [5]

غریب الحدیث:...... عَنْ اَبِي بُرْدَةَ عَنْ اَبِيهِ: ابو بردہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند ہیں۔

فِيهِ سَاعَةٌ: مراد ایک زمانہ ہے نہ کہ دن رات کے چوبیس گھنٹوں کا ایک گھنٹہ مراد ہے۔

لَا يُوَافِقُهَا: یعنی حسن اتفاق سے کسی کی نماز اس گھڑی کے موافق آ جائے۔

وَ هُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي: یہ جملہ حالیہ ہے اور عَبْدٌ مُسْلِمٌ سے حال ہے۔

يَسْأَلُ اللّٰهَ شَيْئًا: یہ بھی جملہ حالیہ اور حالِ ثانی ہے۔ شَيْئًا نکرہ اور نفی کے تحت ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے۔

اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ: یعنی اگر کسی میں یہ تین شروط پائی جائیں، جو یہ ہیں:

(1) اس مسلمان کو حسن اتفاق سے وہ اجابت کی گھڑی میسر آ جائے۔

(2) اس وقت وہ نماز میں ہو۔

---

[1] صحيح مسلم: 853. [2] العلل للدارقطني: 212/7.

[3] سنن ابن ماجه: 1139- امام بوصیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ اسناد صحیح ہے اور اس کے رجال صحیح کی شرط پر ثقہ ہیں۔

[4] سنن ابی داود: 1048- سنن النسائی: 99/3- المستدرك للحاكم: 414/1- امام حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث مسلم شریف کی شرط پر ہے۔ علامہ منذری ''الترغيب و الترهيب'' (285/1) میں کہتے ہیں: یہ حدیث ویسی ہی ہے جیسا کہ امام حاکم نے کہا ہے جبکہ امام ابن حجر ''الفتح'' (420/2) میں فرماتے ہیں: اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔

[5] فتح الباري: 2/416-420 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

(3) اور اس وقت وہ رب تعالیٰ سے کسی بات کا سوال بھی کرے، تو رب تعالیٰ اسے وہ شے ضرور عطا فرماتے ہیں۔

البتہ بارگاہِ الٰہی سے یہ اجابت چند مزید شروط کے ساتھ مقید ہے، جو یہ ہیں:

(1) ایک تو یہ کہ اس دعا میں کسی پر ظلم و زیادتی نہ ہو۔ کیونکہ اگر دعا میں اعتداء ہوا تو وہ دعا قبول نہ ہوگی چاہے وہ دعا اجابت کی گھڑی میں ہی کیوں نہ مانگی جائے۔ دعا میں اعتداء یہ ہے کہ آدمی ایسی بات کی دعا مانگے جو اس کے لیے حلال نہ ہو، جس کی تین صورتیں ہیں:

(i) وہ دعا شرعاً ممکن نہ ہو جیسے کوئی معاذ اللہ اس بات کی دعا مانگے کہ اے اللہ! مجھے نبی بنا دے، کہ یہ دعا پوری ہونا شرعاً ممکن نہیں۔

(ii) یا وہ دعا تقدیری طور پر ممکن نہ ہو جیسے کوئی یہ دعا مانگے کہ اے اللہ زمینوں اور آسمانوں کی بادشاہی مجھے بخش دے۔ کہ یہ بات تقدیری طور پر ممکن نہیں۔

(iii) یا وہ ایسی شے کی دعا مانگے جو شرعاً حرام ہو، جیسے کوئی یہ دعا مانگے کہ اے اللہ! آج کہیں سے شراب دلا دے۔

کہ یہ تینوں صورتیں دعا میں اعتداء کی ہیں۔

(2) دوسری شرط یہ ہے کہ آدمی اس دعا مانگنے میں ظالم نہ ہو کہ ظالم کی دعا مقبول نہیں ہوتی۔

(3) تیسری شرط یہ ہے کہ دعا مانگنے والے کا کھانا پینا اور پہننا حلال ہو۔

(4) چوتھی شرط یہ ہے کہ دعا مانگنے والا دیر سویر کی صورت میں مایوس نہ ہو۔

اَعْطَاهُ: یہ فعل مطلق ہے جو فوری طور پر اور تاخیر دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ اسی طرح اس دعا کے دنیا میں پورا کرنے کو یا آخرت میں ذخیرہ کرنے کی دونوں صورتوں کو بھی شامل ہے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ رب تعالیٰ سوال پورا کرنے کی بجائے اس سے بہتر دے دے یا اس کے بدلے کسی مصیبت اور بلا کو دُور کر دے کہ یہ سب صورتیں بھی استجابت کو شامل ہیں۔

وَ اَشَارَ بِيَدِهٖ يُقَلِّلُهَا: آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے یہ اشارہ کس طرح فرمایا؟ یہ امر مبہم ہے لیکن اس ابہام سے مقصود پر کوئی زد نہیں آتی۔ غرض آپ ﷺ نے کوئی اس طرح اشارہ فرمایا جس سے حاضرین مجلس کو یہ سمجھ آیا کہ قبولیت کی یہ گھڑی مختصر سی ہے زیادہ لمبی نہیں۔

وَ قَدِ اخْتُلِفَ فِيْهَا عَلٰى اَكْثَرَ مِنْ اَرْبَعِيْنَ قَوْلًا: رہا یہ سوال کہ مقبولیت کی یہ گھڑی کون سی ہے؟ تو اس کی تعیین میں حضرات علماء کرام رحمہم اللہ میں زبردست اختلاف ہے حتیٰ کہ اس بابت اقوال کی تعداد چالیس تک ہے۔ البتہ یہ چالیس اقوال اصولی طور پر دو قسم میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں:

(1) اقوال کی ایک قسم کا ماحصل یہ ہے کہ استجابت کی یہ گھڑی پہلے تھی پھر اس کی تعیین کو اس طرح اٹھا لیا گیا جس طرح لیلۃ القدر کی تعیین کو اٹھا لیا گیا۔ لہٰذا اب یہ گھڑی موجود نہیں۔

(2) جبکہ دوسری قسم کے اقوال کا ماحصل یہ ہے کہ مقبولیت کی یہ گھڑی اب بھی موجود ہے اور یہی قول درست اور راجح ہے۔ گو اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ گھڑی جمعہ کے دن کے کس وقت میں ہے لیکن یہ اختلاف چنداں درخور اعتناء نہیں۔

البتہ زیادہ امید یہ ہے کہ یہ گھڑیاں دو ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(i) نماز عصر کے بعد سے لے کر غروبِ آفتاب تک جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔

(ii) دوسری گھڑی امام کے خطبہ کے لیے بیٹھنے سے لے کر نمازِ جمعہ کی ادائیگی تک ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو بردہ کی روایت میں ہے۔

درایۃ الحدیث:...... اگر چہ اس دوسرے قول کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے لیکن امام دارقطنی رحمہ اللہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ قول ابو بردہ پر موقوف ہے جبکہ بعض علماء نے اسے بعض صحیفوں سے اخذ کیا ہوا قول قرار دیا ہے۔ غرض اس روایت کے مرفوع یا موقوف ہونے میں تعارض ہے۔ لیکن علم حدیث کی روشنی میں یہ تعارض کسی حدیث میں علت کا ہونا نہیں۔ لہٰذا جب کسی روایت کا مرفوع ہونا صحیح ہو تو اس کا موقوف مروی ہونا اس کے معارض باور نہیں کیا جاتا۔ تب پھر ان دونوں اقوال میں سے جن میں ایک قول مرفوع ہے اور دوسرا مرفوع لیکن کبھی موقوف ہے زیادہ راجح قول دوسرا ہے یعنی مقبولیت کی یہ گھڑی امام کے خطبہ کے لیے بیٹھنے سے لے کر نماز کے اختتام تک ہے اور اس کے چند اسباب ہیں، جو یہ ہیں:

(1) ایک تو یہ فرض نماز میں لوگوں کے جمع ہونے کا وقت ہے اور لوگوں کے اجتماع کا دعا کی اجابت میں بڑا اثر ہے۔

(2) دوسرے اس تمام وقت میں آدمی یا تو نماز کے انتظار میں ہوتا ہے یا پھر خود نماز میں ہوتا ہے۔

(3) تیسرے یہ وقت فرض نماز نمازِ جمعہ کی ادائیگی کا وقت ہے جو بلاشبہ اس دن کا سب سے افضل وقت ہے۔

غرض جمعہ کے دن محتاط قول یہ ہے کہ ان دونوں اوقات میں دعا مانگنے کا اہتمام کیا جائے کیونکہ ان اوقات کا مقبولیت کے اوقات ہونا ارجی، اغلب اور راجح ہے۔

جمعہ کم از کم کتنے لوگوں سے منعقد ہوتا ہے؟

456- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: ((مَضَتِ السُّنَّةُ أَنَّ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ فَصَاعِدًا جُمُعَةً)).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ (جمعہ کے انعقاد میں) سنت یہ جاری رہی ہے کہ ہر چالیس یا اس سے زیادہ لوگوں پر جمعہ (قائم کرنا واجب) ہے۔ [1]

رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

اس حدیث کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ضعیف اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

درایۃ الحدیث:...... جب ایک صحابی رضی اللہ عنہ یہ کہے کہ ''یہ بات سنت ہے'' تو اس سے مراد سنت نبوی ہوتی ہے۔ علماء مصطلح الحدیث کا قول ہے کہ یہ تعبیر رفع کے حکم میں ہے اور اس سنت سے وہ سنت مراد نہیں جو فقہاء کے نزدیک واجب کے بالمقابل ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے مراد وہ سنت ہے جو ایک صحابی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں جس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہوتا ہے جو واجب اور سنت اور مستحب کو بھی شامل ہوتا ہے۔

غریب الحدیث:...... فِي كُلِّ: یہ جار مجرور خبرِ مقدم ہیں۔

جُمُعَةً: یہ إِنَّ کا اسم مؤخر ہے۔ اسی لیے اس کے اعراب نصب کے ساتھ ہیں کیونکہ إِنَّ کا اسم منصوب ہوتا ہے۔

---

[1] سنن الدار قطنی: 3/2- عبد العزیز القرشی اس حدیث کے روایت کرنے میں متفرد ہے جو ضعیف ہے۔ امام بیہقی نے ''السنن'' (177/3) میں یہی کہا ہے۔ (دیکھیں: التحقیق لابن الجوزی: 500/1)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَصَاعِدًا: یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

جمعہ کتنے لوگوں سے منعقد ہوتا ہے؟

مذکورہ حدیث میں اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ کم از کم چالیس یا اس سے زیادہ لوگ ہوں تو جمعہ قائم کیا جائے گا۔ علماء کا اس عدد میں اختلاف ہے اور اس بابت علماء کے دس اقوال ملتے ہیں۔ البتہ مشہور اقوال تین ہیں:

(1) یہ تعداد کم از کم تین کی ہو۔ (2) یا کم از کم بارہ افراد ہوں۔ (3) یا کم از کم چالیس افراد ہوں۔

جو علماء چالیس کی تعداد کے قائل ہیں ان کا استدلال مذکورہ بالا حدیث سے ہے جو ضعیف ہے جس سے استدلال و استناد جائز نہیں اور جو علماء بارہ کی تعداد کی قائل ہیں ان کا استناد صحیح مسلم کی اس روایت سے ہے ❶ جس میں شام کے تجارتی قافلہ کے آنے پر لوگوں کے عین خطبہ کے دوران قافلہ کی طرف چلے جانے اور پیچھے صرف بارہ افراد کے رہ جانے کا قصہ ذکر ہے۔ اس حدیث پر (رقم 437 کے تحت) مفصل بحث کی جا چکی ہے کہ یہ حدیث جمعہ کے انعقاد کے لیے بارہ کے عدد کے شرط ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔

پس راجح قول تین کے عدد کا ہے کہ جمعہ کے انعقاد کے لیے امام سمیت کم از کم تین افراد کا ہونا شرط ہے۔ کیونکہ تین کا عدد جمع کے سب سے کم عدد پر دلالت کرتا ہے اور اس عدد سے جمع کا معنی حاصل ہو جاتا ہے اور کتاب و سنت اور لغت کے اعتبار سے اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ تین کا عدد جمع پر دلالت کرتا ہے۔

خطیب کا اہل ایمان کے لیے استغفار کرنا

457۔ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَسْتَغْفِرُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ)).

رَوَاهُ الْبَزَّارُ بِإِسْنَادٍ لَيِّنٍ.

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر جمعہ کو ایمان والے مردوں اور عورتوں کے لیے مغفرت کی دعا مانگا کرتے تھے۔ ❷

اس حدیث کو بزار نے نرم اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... **كَانَ يَسْتَغْفِرُ**: مذکورہ كَانَ استمرار پر دلالت کرتا ہے اور مراد اغلب اور اکثر ہے اور استغفار مغفرت طلب کرنے کو کہتے ہیں خواہ اپنے لیے ہو اور خواہ دوسروں کے لیے۔

لِلْمُؤْمِنِينَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ: یعنی آپ ﷺ ایمان والے مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے اور معجم کبیر کی روایت کے مطابق آپ ﷺ مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے استغفار فرمایا کرتے تھے۔ ایمان اور اسلام میں جو فرق ہے اس کی تفصیل مشہور اور متداول کتب تفسیر میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یاد رہے کہ جب جمع مذکر کے صیغہ کو مطلق ذکر کیا جاتا ہے تو وہ ذکور اور اناث دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ کیونکہ اگرچہ اکثر احکام مردوں کے متعلق ہی ہوتے ہیں لیکن عورتیں ان احکام میں بالتبع شامل ہوتی ہیں۔

فِي كُلِّ الْجُمُعَةِ: مذکورہ حدیث مطلق ہے کیونکہ اس میں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ اہل ایمان کے لیے یہ

---

❶ دیکھیں حدیث رقم: 437 کتاب هذا۔ (نسیم)

❷ اخرجه البزار كما في مجمع الزوائد: 191/2۔ اس حدیث کی سند میں خالد السمتی ہے جو ضعیف ہے۔ المعجم الكبير للطبراني: 264/7، رقم الحديث: 7079۔ اس روایت میں وَ لِلْمُسْلِمِينَ وَ الْمُسْلِمَاتِ کے الفاظ زیادہ ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استغفار خطبہ میں فرماتے تھے یا نمازِ جمعہ میں۔ بظاہر یہ دعا خطبہ میں ہوتی تھی۔

درایۃ الحدیث :......نرم اسناد والی حدیث اس حدیث کو کہتے ہیں جو ضعیف اور حسن کے بین بین ہوتی ہے۔ البتہ غالب یہ ہے کہ نرم اسناد والی حدیث ضعیف کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ کیونکہ لین حدیث قوی حدیث کی ضد ہوتی ہے۔

مضمون حدیث :......مذکورہ حدیث میں جمعہ کے خطبہ اور نماز میں اہل ایمان و اسلام مردوں اور عورتوں کے لیے مغفرت کی دعا مانگنے کا ذکر ہے۔ البتہ یہ استغفار مستحب ہے نہ کہ واجب، کیونکہ (1) ایک تو یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ ذکر ہوا۔ (2) دوسرے یہ فعل مجرد کے ذکر پر مشتمل ہے جو وجوب پر دلالت نہیں کرتا۔ اس لیے استغفار پر مشتمل کلمات کو جمعہ کے خطبات میں بالدوام نہ پڑھنا چاہیے تا کہ اس دعا کے واجب ہونے کا گمان نہ ہونے لگے۔ جیسا کہ بعض عامی لوگوں کا خیال ہے کہ جمعہ کے پہلے خطبہ کو ان کلمات پر ختم کرنا واجب ہے:

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَ لَكُمْ وَ لِكَافَّةِ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرُوْهُ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ .

کہ اس دعا کا التزام و دوام لازم نہیں۔

تنبیہ:...... رہا یہ سوال کہ کیا خطبہ میں والیانِ امر کے لیے بالخصوص دعا مانگنا لازم اور ضروری ہے یا نہیں؟ تو امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میری دعا ضروری قبول ہوتی ہے تو میں ان والیانِ امر کے لیے ضرور دعا مانگا کرتا۔ کیونکہ ان کے سدھار میں امت کا سدھار ہے۔ بلاشبہ یہ بات صحیح ہے۔ البتہ اس قدر ادب ضروری ہے کہ دعا ایسے صیغوں کے ساتھ مانگی جائے جو چھوٹے بڑے سب والیانِ امر کو شامل ہو اور سننے والا یہ نہ سمجھے کہ یہ دعا صرف موجودہ سلطانِ اعظم، یا وزیر اعظم کے لیے ہی مانگی جا رہی ہے۔

خطبہ میں قرآن کی آیات پڑھنے کا بیان

458- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ فِي الْخُطْبَةِ يَقْرَأُ آيَاتٍ مِنَ الْقُرْآنِ ، يُذَكِّرُ النَّاسَ)).

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ، وَأَصْلُهُ فِيْ مُسْلِمٍ .

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ (اپنے) خطبہ میں قرآنِ کریم کی (بعض) آیات کی قراءت فرمایا کرتے تھے (جن میں) لوگوں کو (وعظ و) تذکیر فرمایا کرتے تھے۔ ❶

اس حدیث کو امام ابوداود رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل صحیح مسلم میں ہے۔ ❷

غریب الحدیث:...... آیاتٍ: چونکہ یہ جمع مونث سالم کا صیغہ ہے اس لیے اس کی حالت نصبی لفظی کسر کے ساتھ ہے۔

اَصْلُهٗ فِیْ مُسْلِمٍ: شاید امام موصوف کا اشارہ گزشتہ مذکورہ حدیث (رقم 442) کی طرف ہے جو سیدہ ام ہشام بنت حارثہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

مضمون حدیث:......مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ لوگوں کی اصلاح اور وعظ و تذکیر کے لیے حسب احوال خطبہ جمعہ میں قرآن کریم کی آیات بھی پڑھا کرتے تھے۔ البتہ جمعہ کی نماز میں انہی

❶ سنن ابی داود: 1094. ❷ صحیح مسلم: 862.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورتوں کی قراءت مسنون ہے جو احادیث میں مروی ہیں جن کا تفصیلی بیان گزشتہ میں گزر گیا ہے۔

ان لوگوں کا بیان جن پر سے جمعہ ساقط ہے

459۔ وَعَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ، إِلَّا أَرْبَعَةً: مَمْلُوْكٌ وَامْرَأَةٌ وَصَبِيٌّ وَمَرِيْضٌ)).

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جماعت کے ساتھ جمعہ ادا کرنا ہر مسلمان کے ذمہ ''حق واجب'' ہے سوائے چار کے (جو یہ ہیں): (1) غلام (2) عورت (3) بچہ اور (4) مریض۔'' ❶

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ، وَقَالَ: لَمْ يَسْمَعْ طَارِقٌ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ.

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ امام ابوداؤد کہتے ہیں: حضرت طارق نے یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے نہیں سنی۔

وَأَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ مِنْ رِوَايَةِ طَارِقٍ الْمَذْكُوْرِ عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى.

اور امام حاکم نے یہ حدیث "عن طارق بن شهاب رضی اللہ عنہ عن ابی موسی رضی اللہ عنہ" کے طریق سے روایت کی ہے۔ ❷

درایۃ الحدیث:......سنن ابی داؤد کی روایت کے مطابق یہ حدیث مرسل ہے جبکہ مستدرک حاکم کی روایت کی رو سے یہ حدیث متصل ہے۔ دونوں صورتوں میں حدیث حجت ہے۔ کیونکہ متصل روایت تو حجت ہے ہی جبکہ صحابی رضی اللہ عنہ کی مرسل روایت بھی حجت ہوتی ہے۔

غریب الحدیث:...... **اَلْجُمُعَة**: مراد نماز جمعہ ہے۔

حَقٌّ وَاجِبٌ: واجب یہ لفظ حق کی صفت ہے جبکہ معنوی اعتبار سے یہ حق کی تاکید ہے کیونکہ حق اس شے کو کہتے ہیں جو واجب اور ثابت ہو۔ **عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ**: لہٰذا اس حکم سے کافر خارج ہو گیا۔ کیونکہ کافر حکم جمعہ کا مخاطب نہیں۔

فِيْ جَمَاعَةٍ: یہ ادائے جمعہ کا بیان ہے کہ جمعہ اکیلے ادا کرنا درست نہیں۔ لہٰذا جمعہ کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے۔

إِلَّا أَرْبَعَةً: یہاں مراد چار اشخاص نہیں بلکہ چار اوصاف ہیں۔ مراد یہ ہے کہ جو لوگ ان چار صفات میں سے کسی ایک صفت کے بھی حامل ہوں گے ان پر سے جمعہ ساقط ہو گا۔

مَمْلُوْكٌ: مراد غلام ہے۔ غلام پر جمعہ واجب نہیں کیونکہ وہ اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہوتا ہے۔ البتہ اگر وہ غلام بعض حصہ میں غلام اور بعض میں آزاد ہو اور آقا اور غلام میں ایک ایک دن مقرر ہو یعنی غلام ایک دن آقا کی خدمت کرتا ہو اور بعض حصہ آزاد ہونے کی وجہ سے ایک دن خدمت نہ کرتا ہو اور اتفاق سے جو دن غلام کا ہو وہ جمعہ کا نکل آئے تو ایسے غلام پر اس دن جمعہ واجب ہو گا جو اس کی باری کا نکل آیا ہو۔ کیونکہ اس دن کا مالک وہ خود ہے۔

وَامْرَأَةٌ: عورت پر جمعہ واجب نہیں کیونکہ عورت جمعہ اور جماعت کی اور مردوں کے ساتھ اجتماع کی اور ان کے ساتھ اکٹھے ہونے کی اہل نہیں۔ **وَصَبِيٌّ**: کیونکہ وہ مکلف نہیں اور ان تین قسم کے لوگوں میں سے ایک ہیں جو مرفوع القلم ہیں۔

وَمَرِيْضٌ ❸: کیونکہ وہ جمعہ میں حاضر ہونے کی استطاعت نہیں رکھتا۔

---

❶ سنن ابی داود: 1067۔ امام ابوداؤد کہتے ہیں: حضرت طارق رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث جناب رسول اللہ ﷺ سے خود نہیں سنی۔ لہٰذا یہ حدیث مرسل ہے۔ لیکن مرسل صحابی رضی اللہ عنہ حجت ہوتی ہے۔ ❷ المستدرك للحاكم: 425/1. ❸ اسی حکم میں قیدی بھی داخل ہے۔ (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جمعہ فرضِ عین ہے اور ہر مسلمان پر اس کا ادا کرنا واجب ہے۔ البتہ چار قسم کے لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ غلام، عورت، بچہ اور مریض۔ ذیل میں ہر ایک پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی جاتی ہے۔

غلام پر سے جمعہ کے ساقط ہونے کا حکم

غلام پر جمعہ ایک مانع کے پائے جانے کی وجہ سے ساقط ہے اور وہ مانع ہے آقا کی خدمت کی مشغولی۔ لہٰذا اگر آقا اسے جمعہ پڑھنے کی اجازت دے دے تو مانع کے زائل ہو جانے کی وجہ سے اس پر جمعہ واجب ہو جائے گا جبکہ بعض کے نزدیک غلام پر سے جمعہ کی شرط فوت کی وجہ سے ساقط ہے اور وہ یہ ہے کہ غلام جمعہ کی امامت کا اہل ہی نہیں اور نہ اس کے ذریعے انعقادِ جمعہ کے لیے مشروط عدد کی تکمیل ہی ہوتی ہے اور یہ کہ غلام پر سرے سے جمعہ واجب ہی نہیں چاہے آقا اسے جمعہ ادا کرنے کی اجازت بھی دے دے۔ ان دونوں مذاہب کے برعکس ظاہریّہ کے نزدیک غلام کے مومن ہونے اور اس ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کی وجہ سے ہر حال میں جمعہ واجب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (الجمعة: 9)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو۔''

پس غلام بھی دوسرے مومنوں کی طرح مکلّف ہے، دوسرے اللہ کا حق بندے کے حق پر مقدم ہے اس لیے بھی غلام پر جمعہ ہر حال میں واجب ہے۔ پس یہ کل تین اقوال ہو گئے:

1۔ غلام پر سے جمعہ ایک مانع کی وجہ سے ساقط ہے اور وہ آقا کی خدمت کی مشغولی ہے۔ لہٰذا اگر آقا اجازت دے دے تو مانع کے جاتے رہنے کی وجہ سے غلام پر بھی جمعہ واجب ہو جائے گا۔ بے شک یہ قول سب سے معتدل بھی ہے اور راجح بھی۔

2۔ غلام پر سے جمعہ شرط کے فوت ہو جانے کی وجہ سے ساقط ہے۔ لہٰذا آقا اجازت بھی دے دے تو جمعہ واجب نہ ہو گا کیونکہ وہ سرے سے ادائے جمعہ کا مکلّف و اہل ہی نہیں۔

3۔ تیسرا قول ظاہریہ کا ہے کہ غلام پر جمعہ مطلق واجب ہے ان کے نزدیک مذکورہ حدیث ضعیف ہے اور حضرات محدثین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

لیکن صحیح اور راجح قول پہلا ہی ہے۔

عورت اور بچے پر سے جمعہ کے ساقط ہونے کا حکم

ان دونوں پر سے جمعہ کے سقوط فواتِ شرط کی وجہ سے ہے کیونکہ عورت جمعوں کی اور مردوں کے ساتھ اکٹھا ہونے کی اہل نہیں جبکہ بچہ سرے سے احکام کا مکلّف ہی نہیں۔ چنانچہ ان دونوں کے ذریعے جمعہ کے انعقاد کا مشروط عدد بھی پورا نہیں ہوتا اور نہ یہ دونوں جمعہ قائم کرنے کے اہل ہیں۔

مریض پر سے جمعہ کے ساقط ہونے کا حکم

مریض پر سے جمعہ ایک مانع کے وجود کی وجہ سے ساقط ہوتا ہے اور وہ ہے مرض کا عذر۔ یہی وجہ ہے کہ اگر وہ اس عذر کے باوجود جمعہ میں آ حاضر ہو تو اس کا جمعہ اسے وقتیہ فریضہ کی طرف سے کافی ہو جائے گا اور وہ جمعہ کے انعقاد کا عدد بھی پورا کر دے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گا۔ البتہ مرض میں یہ شرط ہے کہ وہ مشقت کا باعث ہو۔ چنانچہ معمولی مرض حضوریٔ جمعہ کے ساقط ہونے کا سبب نہ بنے گا۔

مسافر پر جمعہ کے وجوب کا حکم

460- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَيْسَ عَلَى مُسَافِرٍ جُمُعَةٌ)).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''مسافر پر کوئی جمعہ نہیں۔'' (یعنی مسافر پر جمعہ واجب نہیں)۔ ❶

رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

اس حدیث کو امام طبرانی نے ضعیف اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

درایۃ الحدیث کی روشنی میں مسافر پر جمعہ کے وجوب کا حکم

اگرچہ اس حدیث کی اسنادی حیثیت یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن معنی کے اعتبار سے یہ حدیث نبی کریم ﷺ کی سیرت و سنت کے موافق ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ سے اسفار میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ باجماعت جمعہ ادا کرنا مروی نہیں۔ پس مسافر پر نہ تو جمعہ واجب ہے، نہ مشروع ہے اور نہ اس کا جمعہ ادا کرنا درست ہے کیونکہ اگر سفر میں جمعہ واجب اور مشروع ہوتا تو نبی کریم ﷺ اپنے اسفار میں اس کو ضرور ادا فرماتے۔ البتہ اگر مسافر کسی شہر میں پڑاؤ ڈالے اور چند دنوں کے لیے مقیم ہو اور وہ روز جمعہ کی اذان بھی ~~سنے تو~~ مشہور مذہب یہ ہے کہ اگر تو وہ اتنے دنوں کے لیے مقیم ہو گیا ہے کہ اسے پوری نماز ادا کرنا لازم ہو چکا ہے تو اس پر جمعہ واجب ہو گا وگرنہ نہیں۔

خطیب خطبہ دیتے ہوئے نمازیوں کی طرف رخ کرے اور نمازی خطیب کی طرف متوجہ ہوں

461,462- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا اسْتَوَى عَلَى الْمِنْبَرِ اسْتَقْبَلْنَاهُ بِوُجُوهِنَا)).

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب (خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے) منبر پر آ کر سیدھے تشریف فرما ہو جایا کرتے تھے تو ہم لوگ اپنے چہرے آپ ﷺ کی طرف کر لیا کرتے تھے۔ ❷

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ، قَالَ التِّرْمِذِيُّ: لَا يَصِحُّ فِي هٰذَا الْبَابِ شَيْءٌ.

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ضعیف اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس باب میں کوئی حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔

وَلَهُ شَاهِدٌ مِنْ حَدِيثِ الْبَرَاءِ عِنْدَ ابْنِ خُزَيْمَةَ.

اور صحیح ابن خزیمہ میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث جامع الترمذی کی اس حدیث کا شاہد ہے۔ ❸

غریب الحدیث:...... اِذَا اسْتَوٰی: یعنی جب منبر پر چڑھ کر آپ ﷺ اس پر تشریف فرما ہو جاتے تھے۔

اِسْتَقْبَلْنَاهُ بِوُجُوهِنَا: یعنی تب ہم اپنے چہرے آپ ﷺ کی طرف کر لیا کرتے تھے۔ تاکہ چہروں اور دلوں میں

❶ المعجم الاوسط للطبرانی: 818۔ امام طبرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کو نافع سے صرف ان کے بیٹے عبداللہ نے روایت کیا ہے اور ابوبکر حنفی اس حدیث کی روایت میں متفرد ہیں۔

❷ جامع الترمذی: 509۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: منصور کی حدیث کو ہم صرف محمد بن فضل بن عطیہ کی حدیث سے ہی جانتے ہیں جو ضعیف ہے اور اس باب میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔ (دیکھیں: العلل للدارقطنی: 139/5۔ المجروحین لابن حبان: 278/2).

❸ مذکورہ حدیث کو ابن خزیمہ رحمہ اللہ کے طریق سے امام بیہقی نے "السنن" (198/3) میں روایت کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یکسانیت پیدا ہو جائے۔ کیونکہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ خطیب کو توجہ سے دیکھنا دل کی توجہ کا قوی ذریعہ ہے۔

شَاهِدٌ: شاہد اس حدیث کو کہتے ہیں جس کا متن دوسری حدیث کے متن کے الفاظ میں مطابق ہو جبکہ متابع اس حدیث کو کہتے ہیں جو دوسرے الفاظ کے ساتھ دوسری حدیث کے مطابق ہو۔

درایة الحدیث:...... اگرچہ مذکورہ حدیث اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے لیکن معنی کے اعتبار سے قوی ہے۔ البتہ علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ حکم انہی نمازیوں کے ساتھ خاص ہے جو خطیب کے قریب بیٹھے ہیں۔ دوسرے یہ کہ نمازی دُور ہو یا قریب اسے خطبہ کے دوران قبلہ سے منہ موڑنا جائز نہیں۔ ہاں دُور کے نمازی کے حق میں اس حکم سے عدول قبلہ سے پوری طرح مڑنے سے جبکہ قریب کے نمازی سے اس حکم سے عدول معمولی مڑنے سے ثابت ہوگا۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں یہ اہم مسئلہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب خطیب خطبہ کے لیے بیٹھ جائے تو نمازی حتی الامکان اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہوں اور دائیں بائیں دیکھنے سے اجتناب کریں کہ ایسا کرنا حضوریٔ قلب میں خلل کا باعث ہے۔

خطبہ کے دوران مقتدیوں اور امام کے التفات کا حکم

چونکہ امام مقصود ہے اس لیے مقتدیوں کو تو خطبہ کے دوران دائیں بائیں دیکھنا درست نہ ہوگا۔ رہا امام تو چونکہ وہ قاصد نہیں اس لیے وہ صرف سامنے دیکھے گا اور لوگ اسے دیکھیں گے کیونکہ وہ مقصود ہے اور وہ دائیں بائیں نہ دیکھے گا۔ جناب رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے معروف یہی ہے۔ جبکہ بعض کے نزدیک خطیب کا دائیں بائیں دیکھنا مستحسن ہے۔ البتہ معلم کا دائیں بائیں التفات اچھی بات ضرور ہے۔

خطیب کا عصا یا کمان کا سہارا لے کر خطبہ دینا

463- وَعَنِ الْحَكَمِ بْنِ حَزْنٍ رضي الله عنه قَالَ: ((شَهِدْنَا الْجُمُعَةَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَامَ مُتَوَكِّئًا عَلَى عَصًا أَوْ قَوْسٍ)).

حضرت حکم بن حزن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ جمعہ کی نماز میں حاضر تھے پس آپ ﷺ (خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے) کسی لاٹھی یا کمان کا سہارا لیے کھڑے (ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے) تھے۔ ❶

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ .

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... شَهِدْنَا: یہ الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرت حکم رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے ساتھ وفد کی صورت میں خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے تھے۔

فَقَامَ مُتَوَكِّئًا عَلَى عَصًا أَوْ قَوْسٍ: مذکورہ اَوْ شک کے لیے ہے اور یہ شک راوی کی طرف سے ہے اور یہ راوی خود حضرت حکم رضی اللہ عنہ بھی ہو سکتے ہیں یا ان سے روایت کرنے والا راوی بھی ہو سکتا ہے۔

---

❶ سنن ابی داود: 1096- مسند احمد: 212/4- اس حدیث کی اسناد میں شہاب بن خراش ایک مختلف فیہ راوی ہے۔ اکثر نے اس کی توثیق بیان کی ہے۔ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے (1452 میں) اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ابن سکن نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (دیکھیں: خلاصة البدر المنير: 216/1) جبکہ امام موصوف نے "التلخيص الحبير" (64/2) میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُتَوَكِّئًا: یہ اَلتَّوَكُّأُ سے ہے جس کا معنی سہارا لینا ہے۔ کیونکہ سہارا لینے سے آدمی زیادہ جم کر اور بشاشت کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے اور اس صورت میں تکلف بھی کم ہوتا ہے۔

عَلٰى عَصًا اَوْ قَوْسٍ: بعض روایات میں اَوْ سَيْفٍ کا اضافہ بھی ہے۔ لیکن یہ الفاظ نبی کریم ﷺ سے وارد نہیں۔ وارد عصا اور قوس کے الفاظ ہی ہیں۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرماتے وقت عصا یا قوس وغیرہ کا سہارا لیا کرتے تھے۔ ابن قیم رحمہ اللہ کا قول ہے کہ آپ ﷺ کا یہ سہارا لینا منبر کے بنائے جانے سے قبل کا ہے۔ منبر بن جانے کے بعد خطبہ کے دوران آپ ﷺ کسی چیز کا سہارا نہ لیا کرتے تھے۔ ❶ پھر علماء کا یہ قول بھی ہے کہ خطبہ کے وقت لاٹھی وغیرہ کا سہارا لینا مسائل تعبدیہ میں سے نہیں بلکہ اس کا تعلق آدمی کے احوال سے ہے۔ لہٰذا اگر خطیب مریض، ضعیف یا سن رسیدہ ہے تو وہ لاٹھی وغیرہ کا سہارا لے گا اور جو خطیب جوان، قوی اور تندرست ہو، اسے خطبہ دیتے وقت لاٹھی وغیرہ کا سہارا لینے کو نہ کہا جائے گا۔ جبکہ خطبہ دیتے وقت تلوار ہاتھ میں لینا تو بالکل ہی ناپسندیدہ ہے کیونکہ تلوار کا ذکر وارد نہیں۔ کیونکہ اس میں لوگوں کو خوف زدہ کرنا ہے۔ جبکہ خطبہ لوگوں کو ڈرانے کا موقع نہیں۔ کیونکہ سامنے دشمن نہیں بلکہ اپنے ہمدرد و غم خوار مسلمان بھائی ہیں۔ اس لیے تلوار لے کر خطبہ دینے کا قول محل نظر ہے۔ اسی طرح جن فقہاء کا یہ قول ہے کہ تلوار لینے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ دین تلوار سے پھیلا ہے، یہ قول بھی محل نظر ہے۔ کیونکہ تلوار ضرورت کے وقت اٹھائی جاتی ہے جبکہ دعوت و تعلیم کے موقع پر تلوار کی مطلق ضرورت نہیں اور یہ دین دعوت سے پھیلا ہے نہ کہ تلوار سے۔

غرض خلاصہ یہ ہے کہ خطبہ دیتے وقت ہاتھ میں لاٹھی یا کمان لینا سنت نبویہ ضرور ہے لیکن بقول ابن قیم رحمہ اللہ ایسا منبر کے بننے سے قبل تک تھا۔ اس پر خطبہ کے وقت ہاتھ میں لاٹھی لینے کو بـابُ الحاجة میں سے قرار دیا جائے گا کہ اگر تو لاٹھی وغیرہ لینے کی ضرورت ہے تو لے وگرنہ نہیں۔

13۔ بَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ ......نمازِ خوف کا بیان

تمہید: ''صلوۃ الخوف'' کے الفاظ سے اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا﴾ (البقرۃ: 239) ''پھر اگر تم ڈرو تو پیدل پڑھ لو یا سوار۔''

اور یہ اِضَافَةُ الشَّيْءِ اِلٰى سَبَبِهٖ کی قبیل سے ہے یعنی وہ نماز جس کا سبب خوف ہو، اس کا بیان اور یہ اضافت باعتبار صفت کے ہے نہ کہ اس کی مشروعیت کے اصل کے اعتبار سے۔ یعنی اپنی اصل کے اعتبار سے تو نماز ہر حال میں مشروع ہی ہے چاہے خوف ہو یا نہ ہو البتہ اس خاص طریق کی نماز کا سبب خوف ہے لہٰذا یہ اِضَافَةُ الشَّيْءِ اِلٰى سَبَبِهٖ کی قبیل سے ہے۔

صلوۃ الخوف کی شروط

نمازِ خوف کی مشروعیت کی بنیادی شرط یہ ہے کہ یہ نماز ایسے قتال کے وقت ہو جو مباح ہو، لہٰذا اگر تو وہ قتال حرام ہوا تو اس وقت یہ نماز مشروع نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ نماز نمازیوں پر تخفیف کے لیے مشروع کی گئی ہے، پس جب قتال ہی حرام ہوگا تو ان مقاتلین اور نمازیوں پر یہ تخفیف غیر مناسب ہوگی۔ نماز خوف ادا کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ ذیل میں ان میں سے ایک طریقہ درج کیا جاتا ہے۔

❶ زاد المعاد: 1/189-190

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمازِ خوف ادا کرنے کا پہلا طریقہ

464- عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ رضی اللہ عنہ عَمَّنْ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ ذَاتِ الرِّقَاعِ صَلَاةَ الْخَوْفِ: ((أَنَّ طَائِفَةً مِنْ أَصْحَابِهِ ﷺ صَفَّتْ مَعَهُ، وَطَائِفَةٌ وِجَاهَ الْعَدُوِّ، فَصَلَّى بِالَّذِيْنَ مَعَهُ رَكْعَةً، ثُمَّ ثَبَتَ قَائِمًا، وَأَتَمُّوا لِأَنْفُسِهِمْ، ثُمَّ انْصَرَفُوْا فَصَفُّوْا وِجَاهَ الْعَدُوِّ، وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْأُخْرَى، فَصَلَّى بِهِمُ الرَّكْعَةَ الَّتِي بَقِيَتْ، ثُمَّ ثَبَتَ جَالِسًا، وَأَتَمُّوْا لِأَنْفُسِهِمْ، ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ)).

حضرت صالح بن خوات رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے غزوۂ ذات الرقاع کے دن نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز خوف ادا کی تھی، روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے آپ ﷺ کے ساتھ صف باندھی جبکہ ایک جماعت نے دشمن کے سامنے صف باندھی۔ پس آپ ﷺ نے اپنے ساتھ والی جماعت کو ایک رکعت نماز پڑھائی پھر آپ ﷺ تو کھڑے رہے جبکہ ان لوگوں نے اپنی نماز (یعنی دوسری رکعت) خود پوری کی، پھر نماز پوری کر کے ان لوگوں نے تو دشمنوں کے سامنے صف باندھ لی اور دوسری جماعت آ گئی (اور آپ ﷺ کے پیچھے نماز کی صف بنا لی)۔ آپ ﷺ نے انہیں رہ جانے والی (یعنی دوسری) رکعت پڑھائی، پھر آپ ﷺ بیٹھے رہے جبکہ ان لوگوں نے اپنی (باقی کی) نماز خود پوری کی۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں سلام پھروایا۔ ❶

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَهَذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ.

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں۔

وَوَقَعَ فِي الْمَعْرِفَةِ لِابْنِ مَنْدَهْ، عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَنْ أَبِيهِ.

اور ابن مندہ کی "المعرفة" میں یہ روایت "عن صالح بن خوات عن ابیه" کے طریق سے مروی ہے۔ ❷

غریب الحدیث:...... عَمَّنْ صَلَّى: یہاں راوی صحابی کا نام مبہم ہے جس سے صحت حدیث پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب عدول ہیں۔

يَوْمَ ذَاتِ الرِّقَاعِ: رِقَاعٌ: یہ رُقْعَةٌ کی جمع ہے یہ چمڑے وغیرہ کے ٹکڑوں اور کپڑے کی دھجیوں کو کہتے ہیں۔ اس غزوہ کا یہ نام اس لیے پڑ گیا تھا کیونکہ اس میں بہت زیادہ چلنے کی وجہ سے لوگوں کے پیر پھٹ گئے تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے پیروں کی حفاظت کے لیے ان پر چمڑے کے ٹکڑے اور کپڑوں کی دھجیاں لپیٹ لی تھیں۔

صَلٰوةَ الْخَوْفِ: یہ مفعول بہ ہے نا کہ مفعول مطلق۔ کیونکہ فعل صلوة اس پر واقع ہوا ہے۔ جبکہ مفعول مطلق فعل کے دو مدلولوں میں سے ایک پر دلالت کرتا ہے اور وہ معنی ہے۔

اَنَّ طَائِفَةً: طائفة کا لفظ محل رفع میں ہے اور اَنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے لفظوں میں منصوب ہے۔

وَ طَائِفَةٌ وِجَاهَ الْعَدُوِّ: وِجَاهٌ یہ مقابل اور سامنے کو کہتے ہیں اور ''عدو'' سے مراد کافر ہے۔ کیونکہ کافر ہی بلاشبہ

---

❶ صحیح البخاری: 4130- صحیح مسلم: 842.

❷ دیکھیں: التلخیص الحبیر: 2/83 ... 127/1 ... 122/7

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کا دشمن ہے۔ آگے نماز خوف ادا کرنے کا ایک طریقہ مذکور ہے جس کی صورت یہ ہے:

نماز خوف ادا کرنے کی پہلی صورت

وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دو جماعتوں میں تقسیم فرما دیا اور انہیں نماز شروع کرنے سے قبل ہی سمجھا دیا کہ دونوں جماعتوں نے یہ نماز کس طرح پوری کرنی ہے وگرنہ وہ حضرات اس بات کو از خود کیسے جان سکتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک جماعت کو تو دشمن کے سامنے کھڑا کر دیا جو انہیں حملہ آور ہونے سے روکے رہے جبکہ دوسری جماعت کو آپ ﷺ نے پوری ایک رکعت پڑھا دی۔ پھر آپ ﷺ دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہو کر کھڑے ہی رہے۔ یہاں تک کہ اس جماعت نے اپنے طور پر اپنی دوسری رکعت پوری کر لی اور قیام، رکوع، سجدہ، تشہد اور سلام کر کے دشمن کے سامنے جا کھڑے ہوئے جبکہ دوسری جماعت نے آ کر اس دوسری رکعت میں آپ ﷺ کے پیچھے نماز کی نیت باندھ لی۔ اس تمام عرصہ کے دوران آپ ﷺ کھڑے قراءت کرتے رہے۔ البتہ کسی روایت سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ ﷺ کیا قراءت فرماتے رہے البتہ اتنا ضرور ہے کہ آپ ﷺ خاموش کھڑے نہیں رہے تھے۔ غرض یہ دوسری جماعت آ کر تشہد تک نماز میں شریک ہوئی پھر آپ ﷺ تو تشہد میں ہی بیٹھے رہے جبکہ اس دوسری جماعت نے اٹھ کر دوسری رکعت کو قیام رکوع اور سجدہ کے ساتھ پورا کیا اور تشہد میں آپ ﷺ کے ساتھ شامل ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ نے بھی سلام پھیرا اور اس جماعت نے بھی سلام پھیرا۔ یہاں دونوں جماعتوں کو ایک ایک خیر ملی۔ چنانچہ پہلی جماعت کو آپ ﷺ کے ساتھ تکبیر تحریمہ ملی تو دوسری کو آپ ﷺ کے ساتھ سلام پھیرنا نصیب ہوا۔ سبحان اللہ! کیا خوب عدل ہے۔

یاد رہے کہ نماز کے اس طریق میں نماز کے مخالف متعدد امور حاصل ہوئے لیکن مصلحت اور اجتماع کی غرض سے وہ معاف ہیں۔

نمازِ خوف کے مذکورہ طریقہ کی شروط

نمازِ خوف کے مذکورہ طریقہ کی پہلی شرط یہ ہے کہ دشمن قبلہ کی جانب نہ ہو۔ چنانچہ اگر دشمن قبلہ کی جانب ہو تو نمازِ خوف ادا کرنے کا طریقہ دوسرا ہو گا جو آگے آ رہا ہے۔ اس طریقہ سے نماز اس وقت ادا کی جائے گی جب دشمن دائیں بائیں یا پیچھے ہو۔

نمازِ خوف کا مذکورہ طریقہ قرآن کے ظاہر کے موافق ہے۔ اسی لیے امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یوں تو نمازِ خوف کی بابت مروی سب طریقے ہی صحیح ہیں البتہ میں اس طریق کو پسند کرتا ہوں جو حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے کیونکہ وہ قرآن کے ظاہر کے موافق ہے اور وہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ﴾ (النساء: 102)

''اور جب تو ان میں موجود ہو، پس تو ان کے لیے نماز کھڑی کرے تو لازم ہے کہ ان میں سے ایک جماعت تیرے ساتھ کھڑی ہو اور وہ اپنے ہتھیار پکڑے رکھیں، پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو تمھارے پیچھے ہو جائیں اور دوسری جماعت آئے جنھوں نے نماز نہیں پڑھی، پس تیرے ساتھ نماز پڑھیں اور وہ اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار پکڑے رکھیں۔''

درایة الحدیث :......ابن مندہ کی تصریح کے بعد مبہم راوی کی تعیین میں بظاہر تعارض واقع ہو گیا ہے کہ مسلم کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایت میں راوی مبہم ہے جبکہ ابن مندہ کی روایت میں وہ راوی حضرت صالح رضی اللہ عنہ کے والد ہیں۔ تب پھر جمع کی صورت یہ ہو گی کہ یہ روایت حضرت صالح رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور ان کے والد سے بھی مروی ہے اور تعارض کی صورت میں جمع کو مقدم کرنا اولی ہے نہ کہ ترجیح کو کہ اس صورت میں دو میں سے ایک روایت کا الغاء لازم آتا ہے۔

تنبیہ:......سورۂ نساء کی مذکورہ آیت غور سے پڑھنے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ نماز خوف کا مذکورہ طریقہ اس آیت کے ظاہر کے موافق ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نمازِ خوف میں نماز میں اسلحہ اٹھانا واجب ہے البتہ درست قول یہ ہے کہ اسلحہ اٹھائے بغیر بھی یہ نماز درست ہو جاتی ہے۔
- معلوم ہوا کہ عین قتال کے وقت بھی با جماعت نماز ادا کرنا واجب ہے تو حالت امن میں تو بدرجہ اولیٰ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا واجب ہوگا۔
- مذکورہ روایت سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن تدبیر بھی معلوم ہوگئی۔
- معلوم ہوا کہ نمازِ خوف کی دوسری رکعت پہلی سے زیادہ لمبی ہو گی۔ بخلاف باقی کی نمازوں کے کہ ان میں پہلی رکعت دوسری کی نسبت زیادہ لمبی ہوتی ہے۔
- حاجت کے وقت جماعت سے اکیلے نماز ادا کر سکتے ہیں جیسا کہ یہاں پہلی جماعت نے دوسری رکعت کو اکیلے ادا کیا تھا۔
- امام کو چاہیے کہ وہ رعایا میں عدل کرے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پہلی جماعت کو اپنے ساتھ تکبیر تحریمہ میں جبکہ دوسری کو سلام پھیرنے میں شریک کیا۔
- معلوم ہوا کہ دونوں جماعتیں امام کے ساتھ تھیں۔ پہلی جماعت حکماً ساتھ تھی کیونکہ اس نے ایک رکعت کو پایا تھا جبکہ دوسری جماعت حقیقت اور حکم دونوں اعتبار سے امام کے ساتھ تھی۔
- اپنے امن اور خوف کے جملہ امور میں حزم و احتیاط اختیار کرنا لازم و واجب ہے۔

نمازِ خوف ادا کرنے کا دوسرا طریقہ

465۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ: ((غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قِبَلَ نَجْدٍ ، فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ، فَصَافَفْنَاهُمْ ، فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ، فَصَلَّى بِنَا ، فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَعَهُ ، وَأَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّ ، وَرَكَعَ بِمَنْ مَعَهُ ، وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ، ثُمَّ انْصَرَفُوا مَكَانَ الطَّائِفَةِ الَّتِي لَمْ تُصَلِّ ، فَجَاؤُوْا ، فَرَكَعَ بِهِمْ رَكْعَةً ، وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ، ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ ، فَرَكَعَ لِنَفْسِهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نجد کی جانب ایک غزوہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوا۔ پس (ایک جگہ) ہمارا دشمن سے سامنا ہوا تو ہم نے ان کے سامنے صفیں بنا لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی۔ چنانچہ ایک جماعت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (نماز میں) کھڑی ہو گئی جبکہ دوسری جماعت دشمن کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ والوں کے ساتھ دو سجدوں سمیت ایک رکعت ادا فرمائی۔ پھر یہ لوگ اس جماعت کی جگہ چلے گئے جس نے (ابھی تک ایک رکعت) نماز (بھی) نہیں پڑھی تھی، پس وہ لوگ آئے تو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ)).

آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بھی دو سجدوں سمیت ایک رکعت نماز پڑھائی۔ پھر سلام پھیرا، پھر ان (دونوں) میں سے ہر ایک (جماعت کا ہر فرد) کھڑا ہوا اور اس نے اپنی ایک رکعت ادا کی اور دو سجدے کیے۔ (اور سلام پھیرا)۔ [1]

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

غریب الحدیث:......غَزَوْتُ: غزوہ اور سریہ کا فرق ذکر کر دیا گیا ہے۔

قِبَلَ نَجْدٍ: نجد کی جانب اور یہ ظرف مکان ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ نجد کی بابت علماء نے لکھا ہے کہ یہ جزیرۂ حجاز کے بلند مقامات کا نام ہے۔ اس کی حدود مغرب، عراق اور اس کے گرد و نواح کا خطہ، شام اور اس کے آس پاس کا علاقہ اور یمن وغیرہ ہیں۔ گو یہاں یہ مذکور نہیں کہ یہ کس غزوہ کا ذکر ہے لیکن اہم بات حکم کا بیان ہے نہ کہ غزوہ کی تعیین۔

فَوَازَيْنَا: یہ قَابَلْنَا کے معنی میں ہے۔ یعنی کسی کے مقابل اور سامنے ہونا۔

اَلْعَدُوَّ: مراد کفار ہیں۔

فَصَافَفْنَاهُمْ: یعنی ہم نے دشمن کا رخ کر کے صفیں باندھ لیں۔

اس کے بعد نمازِ خوف ادا کرنے کا دوسرا طریقہ مذکور ہے جس کی صورت یہ ہے:

نمازِ خوف ادا کرنے کی دوسری صورت

مذکورہ قصہ میں پہلی جماعت ایک رکعت ادا کرنے کے بعد لوگوں کی جگہ چلی جاتی ہے جو دشمن کے سامنے جمے کھڑے تھے جبکہ وہ لوگ آ کر آپ ﷺ کے پیچھے دوسری رکعت ادا کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ اس دوران وہ پہلی جماعت حکم کے اعتبار سے ابھی تک نماز میں ہی ہے۔ نبی کریم ﷺ دوسری رکعت پوری فرما کر سلام پھیر دیتے ہیں۔ پھر یہ دوسری جماعت پہلے کھڑے ہو کر اپنی دوسری رکعت ادا کر کے اپنی نماز پوری کرتی ہے اور سلام پھیرتی ہے اور پہلی جماعت کی جگہ چلی جاتی ہے اور دشمن کے سامنے دوبارہ صف بستہ ہو جاتی ہے جبکہ پہلی جماعت لوٹ کر اپنی دوسری رکعت پوری کر کے سلام پھیرتی ہے۔

نماز خوف ادا کرنے کا یہ دوسرا طریقہ پہلے طریقہ سے یکسر مختلف ہے کہ اس صورت میں پہلی جماعت ایک رکعت کے بعد ہی نماز کی حالت میں دشمن کے سامنے جا کھڑی ہوتی ہے۔ ایسا کرنے میں ایک تو قبلہ کی جہت سے روگردانی بلکہ بسا اوقات اس سے پیٹھ پھر جاتی ہے، پھر آنے اور جانے میں نماز میں عمل کثیر بھی حاصل ہوتا ہے اور ایسا ہی دوسری جماعت کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ لیکن یہ سب ضرورت و حاجت کی وجہ سے معاف ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ نماز میں جو حرکت ضرورت کی وجہ سے ہو، وہ جائز ہوگی۔
- معلوم ہوا کہ ضرورت کی وجہ سے اگر استقبالِ قبلہ بھی فوت ہو جائے تو جائز ہوگا۔
- مذکورہ صورت میں دوسری جماعت نے نماز کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد پورا کیا ہے، جبکہ پہلی صورت میں دوسری

[1] صحيح البخاري: 942- صحيح مسلم: 839.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جماعت نے اپنی نماز پوری کر لینے کے بعد امام کے ساتھ سلام پھیرا ہے۔ اس کی نظیر شریعت کے بقیہ احکام میں نہیں ملتی۔ جبکہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد نماز کا پورا کرنا قواعدِ شرعیہ کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو نماز تم سے رہ جائے اسے (امام کے سلام پھیرنے کے بعد) پورا کرلو۔''

◈ رہا یہ سوال کہ اگر ہم نمازِ خوف کے ان دو مذکورہ طریقوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا چاہیں تو کس کو ترجیح دیں؟ تو جواب یہ ہے کہ پہلا طریقہ ارجح ہے کیونکہ اس طریقہ کی متعدد ایسی نمایاں خوبیاں ہیں جو دوسرے طریقہ میں نہیں پائی جاتیں۔ جیسے:

(i) پہلا طریقہ قرآن کے ظاہر کے زیادہ موافق ہے اسی لیے امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک نمازِ خوف کا مختار طریقہ پہلا ہے۔

(ii) دوسرے پہلے طریقہ میں نماز متعدد خارج از صلوٰۃ افعال سے محفوظ رہتی ہے۔

نمازِ خوف ادا کرنے کا تیسرا طریقہ

466-468۔ وَعَنْ جَابِرٍ رضي الله عنه قَالَ: ((شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةَ الْخَوْفِ ، فَصَفَّفْنَا صَفَّيْنِ ، صَفٌّ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ، وَالْعَدُوُّ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ ، فَكَبَّرَ النَّبِيُّ ﷺ وَكَبَّرْنَا جَمِيْعًا ، ثُمَّ رَكَعَ وَرَكَعْنَا جَمِيْعًا ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ وَرَفَعْنَا جَمِيْعًا ، ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُوْدِ وَالصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ ، وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِيْ نَحْرِ الْعَدُوِّ ، فَلَمَّا قَضَى السُّجُوْدَ وَقَامَ الصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ)) ، فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ .

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں (ایک) نمازِ خوف میں جنابِ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حاضر تھا۔ پس ہم نے دو صفیں بنائیں ایک صف (نماز ادا کرنے کے لیے) رسول اللہ ﷺ کے پیچھے (اور دوسری صف پہلی کے پیچھے) جبکہ اس وقت دشمن ہمارے اور قبلہ کے درمیان تھا، سو آپ ﷺ نے تکبیر کہی تو ہم سب نے بھی تکبیر کہی، پھر آپ ﷺ نے رکوع کیا تو ہم سب نے بھی رکوع کیا، پھر آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا تو ہم سب نے بھی (رکوع سے) سر اٹھائے، پھر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے پیچھے والی صف سجدے میں نیچے چلی گئی جبکہ پچھلی صف دشمن کے سامنے کھڑی رہی (اور سب کے ساتھ سجدے میں نہ گئی)۔ پس جب آپ ﷺ نے سجدے ادا کر لیے تو آپ ﷺ کے پیچھے والی صف کھڑی ہوگئی...... آگے پوری حدیث ذکر ہے۔ ❶

وَفِيْ رِوَايَةٍ : ((ثُمَّ سَجَدَ وَسَجَدَ مَعَهُ الصَّفُّ الْأَوَّلُ ، فَلَمَّا قَامُوْا سَجَدَ الصَّفُّ الثَّانِيْ ثُمَّ تَأَخَّرَ الصَّفُّ الْأَوَّلُ ، وَتَقَدَّمَ الصَّفُّ الثَّانِيْ)) ، وَذَكَرَ مِثْلَهُ . وَفِيْ أَوَاخِرِهِ: ((ثُمَّ سَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ وَسَلَّمْنَا جَمِيْعًا)) .

اور (صحیح مسلم کی) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: پھر آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ پہلی صف نے بھی سجدہ کیا اور جب یہ سب لوگ (سجدے ادا کر کے دوسری رکعت کے لیے) کھڑے ہو گئے تو دوسری صف نے سجدہ کیا۔ پھر پہلی صف پیچھے ہٹ گئی اور دوسری صف آگے بڑھ گئی ...... آگے گزشتہ کی طرح حدیث ہے اور اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: پھر نبی کریم ﷺ نے سلام کیا تو ہم سب نے بھی سلام کیا۔ ❷

❶ صحیح مسلم: 840. ❷ دیکھیں گزشتہ تخریج۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

وَلِأَبِي دَاوُدَ، عَنْ أَبِي عَيَّاشٍ الزُّرَقِيِّ مِثْلُهُ، وَزَادَ: إِنَّهَا كَانَتْ بِعُسْفَانَ .

سنن ابی داود میں حضرت ابو عیاش زرقی رضی اللہ عنہ سے ایسی ہی حدیث مروی ہے جس میں یہ الفاظ زائد ہیں: یہ غزوہ مقامِ عسفان میں ہوا تھا۔ [1]

غریب الحدیث:......وَ الْعَدُوُّ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْقِبْلَةِ: یہ جملہ حالیہ ہے اور یہ غَزَوْنَا کی فاعل کی ضمیر سے حال ہے۔ فَكَبَّرَ النَّبِيُّ: مراد تکبیر تحریمہ ہے۔ اس کے بعد نمازِ خوف ادا کرنے کا طریقہ مذکور ہے جو یہ ہے:

نمازِ خوف ادا کرنے کی تیسری صورت

یہ صورت وہ ہے جس میں دشمن قبلہ کی جہت میں سامنے ہو، اس میں پہلے دو صفیں بنائی جائیں گی۔ ایک امام کے پیچھے اور دوسری پہلی کے پیچھے، پھر سب مل کر تکبیر تحریمہ کہیں گے پھر سب مل کر رکوع کریں گے اور سب مل کر رکوع سے سر اٹھائیں۔ جبکہ اس تمام عرصہ میں یہ لوگ دشمن کو بھی دیکھتے رہیں گے۔ یاد رہے کہ اب تک کی نماز میں کوئی محذور لازم نہیں آتا۔

لیکن جب سجدہ کرنے کی نوبت آئی تو اگلی صف تو سجدے میں چلی گئی جبکہ پچھلی صف دشمن پر نظر رکھے کھڑی رہی تاکہ وہ انہیں سجدے میں دیکھ کر بے خبر سمجھ کر دھاوا نہ بول دے۔ پھر سجدے کر کے آپ ﷺ اور پچھلی صف والے اٹھ کھڑے ہوئے اور پچھلی صف والے جنھوں نے ابھی تک پہلی رکعت کے دو سجدے ادا نہ کیے تھے، سجدہ میں چلے گئے۔ جب یہ لوگ سجدے کر کے فارغ ہو گئے تو یہ لوگ اگلی صف میں اور اگلی صف والے پچھلی صف میں چلے گئے۔ ایسا کرنے میں دراصل عدل کی رعایت ہے تاکہ پوری نماز میں اگلی صف والے ہی اگلی صف میں نہ رہیں۔ پھر دوسری رکعت اسی ترتیب سے ادا کی جس ترتیب سے پہلی رکعت ادا کی گئی اور آخر میں سب نے مل کر سلام پھیرا۔

مذکورہ صورت کی شروط

یہ نمازِ خوف ادا کرنے کے تیسرے طریقہ کا بیان تھا۔ یہ طریقہ بھی جائز ہے۔ لیکن علماء نے اس طریقہ کے جواز کی دو شرطیں بیان کی ہیں:

(1) دشمن قبلہ کی جہت میں ہو۔ (2) دوسری شرط یہ ہے کہ نماز کے دوران پیٹھ پیچھے سے دشمن کی کمک پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر اس بات کا اندیشہ ہو تو پھر نماز خوف کو گزشتہ مذکورہ دو طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ پر ادا کیا جائے گا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- جنابِ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم میں عدل قائم فرمانے کے بے حد متمنی تھے۔
- جہاں تک ہو سکے امام کی متابعت واجب ہے۔ چنانچہ مذکورہ صورت میں چونکہ رکوع سے سر اٹھانے تک متابعت ممکن تھی تو سب نے یہ متابعت کی۔

---

[1] سنن ابی داود: 1236 من طریق سعید بن منصور۔ سنن سعید بن منصور: 1367/4۔ سنن النسائی: 176/3۔ مسند احمد: 60/4۔ صحیح ابن حبان: 2876۔ المستدرك للحاكم: 487/1۔ امام حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے۔ سنن البیہقی: 256/3۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ معلوم ہوا کہ کسی عذر کی وجہ سے جتنی نماز میں آدمی امام کی اقتدا سے رہ جائے، اسے بعد میں ادا کرلیا جائے۔

◈ اگلی صف تک بڑھنا اور پچھلی صف تک ہٹنا جائز ہے۔

نمازِ خوف ادا کرنے کا چوتھا طریقہ

وَلِلنَّسَائِيِّ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِطَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ صَلَّى بِآخَرِينَ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ)).

وَمِثْلُهُ لِأَبِي دَاوُدَ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ.

سنن النسائی میں ایک اور طریق سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے (ایک موقع پر) اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو نمازِ (خوف) کی دو رکعات پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا۔ پھر دوسرے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی پھر سلام پھیر دیا۔[1] سنن ابی داود میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی ایک حدیث مروی ہے۔[2]

نمازِ خوف ادا کرنے کی چوتھی صورت

نماز خوف ادا کرنے کا یہ چوتھا طریقہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو دو حصوں میں تقسیم کر کے پہلے ایک جماعت کو دو رکعات پڑھا کر سلام پھیرا جبکہ اس دوران دوسری جماعت دشمن کے سامنے کھڑی رہی۔ پھر آپ ﷺ نے دوسری جماعت کو دو رکعت نماز پڑھا کر سلام پھیرا۔ مذکورہ صورت میں ہر جماعت کے امام کے پیچھے از اول تا آخر مکمل نماز ادا کرنے کا ذکر ہے۔ مذکورہ صورت میں دونوں جماعت کی نماز قواعد شرعیہ میں سے کسی چیز کے مخالف نہیں سوائے ایک بات کے وہ یہ کہ دوسری جماعت کے حق میں امام متنفل ہے کیونکہ وہ اپنا فریضہ پہلی جماعت کے ساتھ ادا کر چکا ہے۔ اگرچہ مذہب حنابلہ میں متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز درست نہیں لیکن امام احمد رحمہ اللہ نے صلوٰۃ خوف کے باب میں اس صورت کو لیا ہے جو ان کے مذہب میں ایک استثنا ہے اور وہ استثنا صلوٰۃ خوف کا ہے کہ اس نماز میں مفترض کی نماز متنفل کے پیچھے بھی ادا ہو جاتی ہے۔

رہا یہ اختلاف کہ واقعی متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز کا حکم کیا ہے تو اس کو نوافل کے باب میں مفصل ذکر کیا جا چکا ہے۔

بہر حال یہ نمازِ خوف ادا کرنے کی چوتھی صورت کا بیان ہے جو جائز ہے۔

نمازِ خوف ادا کرنے کا پانچواں طریقہ

469,470۔ وَعَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى صَلَاةَ الْخَوْفِ بِهٰؤُلَاءِ رَكْعَةً، وَبِهٰؤُلَاءِ رَكْعَةً، وَلَمْ يَقْضُوا)).

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک موقع پر) نبی کریم ﷺ نے انہیں (یعنی ایک جماعت کو) نمازِ خوف کی ایک رکعت پڑھائی اور انہیں (یعنی دوسری جماعت کو) ایک رکعت پڑھائی۔ جبکہ ان (دونوں جماعتوں کے) لوگوں نے (بعد میں اپنی ایک ایک رکعت کی) قضا ادا نہ کی۔“[3]

---

[1] سنن النسائی: 175/3۔ [2] سنن ابی داود: 1248۔

[3] مسند احمد: 406/5۔ سنن ابی داود: 1246۔ سنن النسائی: 168/3۔ صحیح ابن خزیمۃ: 1343۔ صحیح ابن حبان: 1452۔ المستدرك للحاكم: 485/1۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ .

اس حدیث کو امام احمد، امام ابو داؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

وَمِثْلُهُ عِنْدَ ابْنِ خُزَيْمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما .

اور صحیح ابن خزیمہ میں ایسی ہی ایک حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ ❶

نمازِ خوف ادا کرنے کی پانچویں صورت

نمازِ خوف ادا کرنے کی یہ پانچویں صورت ہے کہ امام مجاہدین کو دو جماعتوں میں تقسیم کر کے دونوں کو ایک ایک رکعت پڑھائے اور بعد میں وہ جماعتیں اپنی رہ جانے والی ایک ایک رکعت کی قضا ادا نہ کریں۔ یوں امام کی تو دو رکعات نماز ہو جائے گی جبکہ مقتدیوں کی دو جماعتوں کی ایک ایک رکعت بنے گی۔ علماء کا اس صورت کے جواز میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ دشمن کے خوف کا رکعات کے عدد کے کم کرنے میں کوئی دخل نہیں۔ اس بنا پر یہ روایت ضعیف اور غیر مقبول ٹھہرے گی۔

جبکہ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ روایت صحیح ہے اور یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک صحیح حدیث میں وارد ہے کہ ''نمازِ خوف ایک رکعت، نمازِ سفر دو رکعت اور نمازِ حضر چار رکعت ہے۔'' ❷ لہٰذا نمازِ خوف کا یہ طریقہ بھی صحیح اور جائز ہے اور ضرورت کے وقت کے اپنے احکام ہوتے ہیں۔ اس باب میں امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نمازی خوف کے سب طریق درست ہیں۔ لہٰذا صحیح مذہب یہ ہے کہ خوف کی بنا پر نماز کی رکعات کی تعداد میں بھی کمی کی جا سکتی ہے۔

تنبیہ: ..... امام موصوف رحمہ اللہ نے اس باب میں نمازِ خوف کے ادا کے فقط پانچ طریقے نقل کیے ہیں۔ جبکہ اس بابت وارد طرق کی تعداد اٹھارہ تک جاتی ہے۔ پس اس بارے صحیح مذہب یہ ہے کہ ان سب طریقوں میں سے حسب مصلحت وصورت اور حسب ضرورت کسی بھی طریقہ کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔

مسائل شتی

ذیل میں قارئین کرام کے افادۂ علمی کی غرض سے خوف، قتال اور گھمسان کے رن کی صورتوں سے متعلق چند متفرق مسائل ذکر کیے جاتے ہیں:

⊙ ..... جب گھمسان کا رن پڑ جائے اور دشمن سے دست بدست لڑائی شروع ہو جائے تو امن حاصل ہونے تک نماز کو موخر کیا جائے گا۔ جیسا کہ غزوۂ خندق میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازوں کو موخر کیا تھا، اس بارے یہی مذہب اور راجح قول ہے۔

⊙ ..... جب بارش جیسے عذر کی وجہ سے جمع بین الصلوتین جائز ہے تو قتال میں جس میں مشقت از حد زیادہ ہے، جمع بین الصلوتین بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی۔

⊙ ..... سفر وحضر کی بابت درست قول یہ ہے کہ صلوٰۃ الخوف دونوں حالتوں میں جائز ہے لیکن اس نماز کے جواز کی علت سفر نہیں بلکہ خوف ہے۔ لہٰذا خوف اگر حضر میں حاصل ہو تو اس میں بھی یہ نماز جائز ہوگی۔

---

❶ صحیح ابن خزیمة: 1344.

❷ صحیح مسلم: 687.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

471- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((صَلَاةُ الْخَوْفِ رَكْعَةٌ عَلَى أَيِّ وَجْهٍ كَانَ)).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''نمازِ خوف ایک رکعت ہے چاہے جو حال بھی ہو۔'' ❶

رَوَاهُ الْبَزَّارُ بِإِسْنَادٍ ضَعِيْفٍ.

اس حدیث کو امام بزار رحمہ اللہ نے ضعیف اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

شرح :...... مذکورہ حدیث بھی اگر چہ نمازِ خوف کی پانچویں صورت کے ذکر پر مشتمل ہے لیکن اس حدیث کا متن منکر ہے۔ لہٰذا یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ مذکورہ حدیث نبی کریم ﷺ کی سیرت اور قواعدِ شرعیہ کے خلاف ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ ہر حال میں نمازِ خوف ایک رکعت ہی نہ پڑھا کرتے تھے۔ لہٰذا عمل کے اعتبار سے بھی یہ حدیث شاذ ہوگی اور قواعدِ شرعیہ کے اعتبار سے بھی شاذ ہوگی۔ غرض اس حدیث کے ناقابل استدلال ہونے کی تین وجوہات یہاں جمع ہوگئی ہیں:

(1) ایک تو یہ شاذ ہے۔

(2) دوسرے اس کے متن میں نکارت ہے اور یہ قواعد شرعیہ کے بھی مخالف ہے۔

(3) تیسرے اس کی اسناد ضعیف ہے۔

472- وَعَنْهُ مَرْفُوْعًا ((لَيْسَ فِيْ صَلَاةِ الْخَوْفِ سَهْوٌ)).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ ''نمازِ خوف میں سہو (کا حکم) نہیں ہے۔'' ❷

أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيْفٍ.

اس حدیث کو امام دارقطنی نے ضعیف اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

شرح :...... مذکورہ روایت بھی گزشتہ روایت کی طرح شاذ ہے اور مطلب یہ نہیں کہ نمازِ خوف میں کسی سے سہو نہیں ہوتا بلکہ یہ مطلب ہے کہ نمازِ خوف میں سہو ہو جانے سے سجدۂ سہو لازم نہیں آتا۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اگر اس نماز میں بھی سہو کا باعث پایا جاتا ہے تو سجدۂ سہو لازم آئے گا۔

14- بَابُ صَلَاةِ الْعِيْدَيْنِ ...... عیدین کی نمازوں کا بیان

تمہید:...... مذکورہ اضافت (صلوۃ العیدین) ایک شے کی اپنے سبب اور وقت کی طرف اضافت کی قبیل میں سے ہے۔ یعنی وہ نماز جو عیدین کے وقت میں ان کے سبب کی وجہ سے پڑھی جاتی ہے اس کا بیان۔

عید کی مشروعیت

عِيْدَيْنِ:...... یہ عید کی تثنیہ ہے۔ عید ہر اس شے کا نام ہے جو کسی بھی مناسبت سے لوٹ لوٹ کر اور بار بار آئے۔ شریعت میں فقط تین ہی عیدیں ہیں: (1) عید الفطر (2) عید الاضحیٰ (3) اور نماز جمعہ۔ ان کے سوا شریعت میں کوئی عید نہیں۔ ان کے علاوہ عیدوں کے نام پر جتنے بھی جشن منائے جاتے ہیں شرع شریف کے نزدیک وہ سب ناجائز ہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عید امورِ شرعیہ میں سے ہے لہٰذا عیدیں وہی معتبر ہوں گی جن کا علم شریعت کے ذریعے

❶ اخرجه البزار كما في مجمع الزوائد للهيثمي: 196/2- اس حدیث کی اسناد میں محمد بن عبدالرحمان بیلمانی ہے جو بے حد ضعیف ہے۔

❷ سنن الدار قطنی: 58/2- امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کے روایت کرنے میں عبدالحمید السری متفرد ہے جو ضعیف ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ نبویہ تشریف لائے اور ان لوگوں کو دو دن عید کے نام پر خوشی مناتے دیکھا تو ارشاد فرمایا: ''رب تعالیٰ نے تمہیں ان دو دنوں کے بدلے میں اس سے بہتر (عید کے) دن دے دیئے ہیں: عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔'' یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ اسلام میں ان دو عیدوں کے سوا اور کوئی عید باقی نہیں رکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ شریعت اسلامی میں عیدیں صرف تین ہی ہیں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کیا ہیں؟

473- عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((الْفِطْرُ يَوْمَ يُفْطِرُ النَّاسُ، وَالْأَضْحَى يَوْمَ يُضَحِّي النَّاسُ)).

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''(عید) الفطر وہ دن ہے جس میں لوگ روزہ رکھنے کو ختم کرتے ہیں اور (عید) الاضحیٰ وہ دن ہے جس میں لوگ (اللہ کے لیے حلال اور منصوص جانوروں کی) قربانی کرتے ہیں۔'' ❶

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :...... يَوْمَ: اس کے اعراب کو دو طرح سے پڑھ سکتے ہیں۔ ایک نصب کے ساتھ، تب پھر یہ خبر محذوف کا ظرف ہوگا اور تقدیری عبارت یہ ہوگی: اَلْفِطْرُ كَائِنٌ يَوْمَ يُفْطِرُ النَّاسُ. دوسرے رفع کے ساتھ، تب پھر لفظ یوم ہی خبر ہوگا۔ چنانچہ جب خود ظرف مقصود ہو، نہ کہ اس میں کسی شے کا وقوع مقصود ہو تو اس پر عامل کے عمل کا واقع ہونا جائز ہوتا ہے۔ البتہ زیادہ فصیح اس کا خبر محذوف کا ظرف ہونا ہے۔

اَلنَّاسُ: یہاں یہ لفظ عام ہے لیکن مراد خاص ہے۔ یعنی مراد مومنین مخلصین متبعین سنت ہیں۔ رہے کافر تو ان کی احکام شرعیہ کی موافقت یا مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ فطر اور اضحیٰ کا دن وہ ہے جس میں لوگ فطر اور قربانی کریں۔ اس کی مزید تفصیل ذیل میں آ جاتی ہے۔

شرعی عید کب ثابت ہوتی ہے؟

حدیث کے مذکورہ الفاظ کی تفسیر میں علماء دو طرف گئے ہیں:

(1) عید کا دن۔ چاہے وہ فطر کا ہو یا اضحیٰ کا۔ وہ ہے جس میں لوگ فطر اور اضحیٰ کریں۔ چنانچہ عند اللہ لوگوں کے عید کرنے پر عید کا دن اور اس کا حکم ثابت ہو جائے گا۔ چاہے وہ خطا پر ہی ہوں۔ یعنی چاہے شوال اور ذی الحجہ کے ثبوت میں تقدیم وتاخیر ہی ہو جائے تب بھی عند اللہ وہ دن عید کا ہی شمار ہوگا اور یہ خطا مضر نہ ہوگی۔ (2) دوسرا معنی یہ ہے کہ جب لوگ عید کریں تو اس پر بھی عید کرنا لازم ہے۔ چاہے اس کی رائے لوگوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ ان دونوں تعبیروں میں جو فرق ہے وہ اہل علم پر واضح ہے۔

صحیح مذہب یہ ہے کہ مذکورہ حدیث کی یہ دونوں تفسیریں صحیح ہیں۔ چنانچہ اگر لوگوں نے غلطی سے روزہ نہ رکھا اور عید کر لی، جب کہ بعد میں ظاہر ہوا کہ ابھی تو شوال داخل نہ ہوا تھا تو اس دن روزہ نہ رکھنے پر انہیں شرعاً کوئی نقصان نہ ہوگا۔ البتہ اس دن کی قضا

❶ جامع الترمذی: 802- امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور غریب ہے۔ (دیکھیں: المجموع للنووی: 281/8)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھنے یا نہ رکھنے دونوں کا احتمال ہے۔ اور دوسرے قول کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کی ابتداء میں جب لوگ روزہ رکھیں تو یہ بھی روزہ رکھے چاہے اس نے رمضان کا چاند نہ بھی دیکھا تھا اور اگر لوگوں نے تیس رمضان کو روزہ رکھا تو یہ بھی روزہ رکھے چاہے اس نے شوال کا چاند دیکھ بھی لیا تھا۔ چنانچہ اگر وہ قاضی کے پاس جا کر شوال کی شہادت دے اور قاضی اس کی شہادت قبول نہ کرے تو اسے بھی دوسرے لوگوں کی طرح روزہ رکھنا لازم ہوگا۔

درایة الحدیث :......علماء کا اس حدیث کے موقوف یا مرفوع ہونے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض نے اس حدیث کو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر موقوف کہا ہے البتہ اس کا ایک شاہد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہے۔ ❶

جب کسی عذر کی وجہ سے پہلے دن عید ادا نہ کی جائے تو دوسرے دن عید ادا کرنے کے حکم کا بیان

474- وَعَنْ أَبِيْ عُمَيْرِ بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه عَنْ عُمُوْمَةٍ لَهُ مِنَ الصَّحَابَةِ ، ((أَنَّ رَكْبًا جَاؤُوْا فَشَهِدُوْا أَنَّهُمْ رَأَوُا الْهِلَالَ بِالْأَمْسِ ، فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يُفْطِرُوْا وَإِذَا أَصْبَحُوْا أَنْ يَغْدُوْا إِلَى مُصَلَّاهُمْ)) .

ابو عمیر بن انس اپنے صحابہ چچاؤں سے روایت کرتے ہیں کہ (ایک دفعہ) ایک کارواں (مدینہ نبویہ سفر سے واپس) آیا۔ پس انہوں نے اس بات کی شہادت دی کہ انہوں نے کل شام (شوال کا) چاند دیکھا ہے، اس پر نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کو اس بات کا حکم دیا کہ ''وہ (اس دن کا) روزہ نہ رکھیں اور یہ کہ جب وہ (اگلے دن کی) صبح کریں تو اپنی عیدگاہ کی طرف نکلیں۔'' ❷

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ ، وَهَذَا لَفْظُهُ ، وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ .

اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ سنن ابی داؤد کی روایت کے ہیں اور اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔

غریب الحدیث :...... **عُمُوْمَةٍ**: یہ عَمٌّ کی جمع ہے۔ یعنی چچے۔ یہ سب کے سب صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ اس لیے ان کے اسمائے گرامی کے ابہام سے حدیث کی صحت پر کوئی اثر مرتب نہ ہوگا کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب عدول ہیں۔

رَكْبًا: رَکْب دس یا اس سے زیادہ سواروں کے کارواں کو کہتے ہیں۔ یہ راکب کی اسم جمع ہے۔ کیونکہ اس کا انہی لفظوں سے واحد نہیں آتا۔ یہ کارواں بھی مجہول ہے جس نے مدینہ نبویہ آکر شوال کا چاند دیکھنے کی شہادت دی تھی۔ لیکن چونکہ یہ سب حضرات بھی صحابہ رضی اللہ عنہم تھے اس لیے ان کے اسمائے گرامی کی جہالت بھی مضر نہیں۔

بِالْأَمْسِ: مراد گزشتہ شام ہے۔

اَلْهِلَالَ: مراد شوال کا چاند ہے۔

---

❶ سنن ابی داود: 2324- جامع الترمذی: 697- سنن ابن ماجه: 1660- امام نووی رحمہ اللہ نے ''المجموع'' (32/5) میں اس روایت کو حسن کہا ہے۔

❷ مسند احمد: 57/5- سنن ابی داود: 1157- سنن الدار قطنی: 170/2- امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کی اسناد حسن ہے، امام ابن حزم رحمہ اللہ نے ''المحلی'' (92/5) میں، امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''السنن'' (316/3) میں اور دوسرے حضرات نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے البتہ ابن قطان نے اس حدیث کو معلول کہا ہے۔ امام ذہبی ''المیزان'' (408/7) میں کہتے ہیں: ابن منذر اور ابن حزم وغیرہ نے ابوعمیر کی حدیث کو صحیح کہا ہے ... ابوعمیر کی توثیق ہے واللہ اعلم ... سنن النسائی 180/3

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَشَهِدُوْا: ان حضرات نے یہ شہادت اگلے روز دن کے وقت آ کر دی تھی، جب عید کی نماز ادا کرنے کا وقت نکل گیا تھا۔ جبکہ گزشتہ شام مدینہ نبویہ کا مطلع ابر آلود تھا اس لیے کوئی ایک بھی چاند نہ دیکھ سکا تھا۔ اس لیے اہل مدینہ نے اس دن کا روزہ رکھا ہوا تھا اور انہوں نے اس دن عید کی نماز ادا نہ کی تھی۔

فَأَمَرَهُمْ: بظاہر حدیث کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے روزہ نہ رکھنے کا اور عید گاہ جا کر عید کی نماز ادا کرنے کا یہ حکم انہی قافلہ والوں کو دیا تھا۔ لیکن ایک روایت میں "فَأَمَرَ النَّاسَ" کے الفاظ بھی آتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ حکم سب اہل مدینہ کو دیا تھا۔ کیونکہ ان لوگوں کی شہادت سے یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ آج یکم شوال ہے۔ لہٰذا اس دن روزہ رکھنا جائز نہیں تھا۔

اِلَى مُصَلَّاهُمْ: کیونکہ مدینہ منورہ کی عید گاہ خارج مدینہ تھی۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں تین اہم مسئلے بیان کیے گئے ہیں:

(1) ایک یہ کہ جب مطلع ابر آلود ہو تو تیس دن پورے کیے جائیں گے۔ (2) دوسرا یہ کہ جب بھی چاند دیکھنے کی شہادت مل جائے عید یا رمضان وغیرہ کا حکم ثابت ہو جائے گا۔ چاہے یہ شہادت اگلے دن ہی ملے۔ پس جیسے ہی شہادت مل جائے تو شوال ہو جانے کی صورت میں روزہ نہ رکھنا واجب ہو گا اور رمضان ہو جانے کی صورت میں روزہ رکھنا واجب ہو گا۔ (3) تیسرا یہ کہ جب یکم شوال کے دن کسی عذر کی وجہ سے عید کی نماز اپنے وقت پر ادا نہ کی جا سکے تو اسے اگلے دن اپنے مسنون و مستحب وقت میں ادا کیا جائے گا۔ اس کی مزید تفصیل ذیل میں فوائد کے تحت بیان کی جاتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- جب انتیس تاریخ کو مطلع ابر آلود ہو جائے تو تیس دن پورے کرنا واجب ہوتے ہیں، چاہے کوئی بھی مہینہ ہو۔ یہ حکم اسلامی تقویم کے ہر مہینہ کو شامل ہے۔ لہٰذا اگر رمضان کا چاند ابر کی وجہ سے نظر نہ آئے تو اگلے دن روزہ نہ رکھنا واجب ہو گا۔
- اگر عید کا علم اس کے مسنون و مستحب وقت کے نکل جانے کے بعد ہو تو اسے اگلے دن تک موخر کیا جائے گا۔ البتہ اگر عید کا علم اس کے وقت میں ہی ہو جائے تو اسے فی الفور ادا کیا جائے گا کیونکہ اب تاخیر کا کوئی جواز نہیں۔ لہٰذا مطلق اگلے دن موخر کرنے کا قول بلاوجہ ہے۔
- یاد رہے کہ کسی عذر کی وجہ سے اگلے دن ادا کی جانے والی عید کی یہ نماز ادا ہو گی نہ کہ قضا۔ کیونکہ ایسا کرنے کا حکم خود نبی کریم ﷺ نے دیا ہے اور جس بات کا بھی حکم اللہ اور اس کا رسول ﷺ دیں وہ ادا ہوتی ہے نہ کہ قضا۔ اس بنا پر ہم یہ کہیں گے کہ دوسرے دن ادا کی جانے والی اس عید کی نماز کی بابت صحیح قول یہ ہے کہ یہ ادا کہلائے گی۔
- معلوم ہوا کہ عید کی نماز ادا کرنا واجب ہے۔ جس کی دلیل فَأَمَرَهُمْ کے الفاظ ہیں اور امر میں اصل یہ ہے کہ وہ وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

پھر بعض علماء نے حدیث اعرابی کو دلیل بنا کر اسے سنت کہا ہے۔ ان کے نزدیک عید کی نماز نہ فرضِ عین ہے اور نہ فرض کفایہ بلکہ صرف سنت ہے اور بعض علماء نے اس نماز کو فرضِ کفایہ کہا ہے کیونکہ یہ اسلام کے ظاہری شعائر میں سے ہے۔ لہٰذا یہ فرض کفایہ ہو گی جیسا کہ اذان ظاہری شعائر اسلامیہ کا ذریعہ ہے لہٰذا اذان فرضِ کفایہ ہے۔ جبکہ شیخ الاسلام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس نماز کو فرضِ عین قرار دیا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حیض والیوں اور پردہ نشین دوشیزاؤں تک کو عید گاہ جانے کا حکم دیا ہے جو اس کے وجوب علی العین کی دلیل ہے۔ اقرب الی الصواب قول شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا ہی ہے۔ اس لیے درست یہ ہے کہ عید کی نماز ہر شخص پر واجب ہے۔

- عید کی نماز عید گاہ میں ادا کرنا مستحب ہے۔ اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے: اَنْ یَغْدُوْا اِلٰی مُصَلَّاھُمْ. لہٰذا افضل یہ ہے کہ عید کی نماز کسی کھلے میدان میں ادا کی جائے۔
- عید کی نماز کو جلد ادا کرنا افضل ہے۔ اس کی دلیل اَنْ یَـغْـدُوْا کے الفاظ ہیں البتہ یہ الفاظ عید الفطر کو تاخیر سے ادا کرنے کے منافی نہیں کیونکہ یہاں تاخیر سے مراد وقتِ ادا سے تاخیر ہے کہ نماز کو اس کے وقت سے موخر نہ کیا جائے۔
- گواہ کو پیچیدہ سوالات کر کے حیران و پریشان کرنا مناسب نہیں لہٰذا اس سے یہ نہ پوچھا کہ تم نے کب چاند دیکھا، وہ کیسا تھا، کیا وقت تھا، کس جگہ دیکھا کس جانب دیکھا، وہ افق سے کتنا اونچا کتنا نیچا تھا۔ باریک تھا یا موٹا تھا، وغیرہ وغیرہ۔ البتہ اگر شہادت دینے والا متہم بالکذب ہو تو اور بات ہے۔ اسی طرح اگر اس کا ضبط غیر تام ہونا مشہور ہو تو اس سے بھی چاند دیکھنے کی بابت تحری کی جائے گی۔ اسی طرح اگر خود قاضی کو شہادت میں شک ہو جائے تو وہ بھی تحری و تعیین کے لیے سوالات کر سکتا ہے اور یہ حکم ہر شہادت کا ہے۔

عید الفطر کو جانے سے قبل چند کھجوریں کھانا مسنون ہے

475- وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَغْدُوْ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَأْكُلَ تَمَرَاتٍ)).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فطر کے دن (عید کی نماز ادا کرنے) صبح کو نہ نکلتے تھے یہاں تک کہ طاق تعداد میں چند کھجوریں (نہ) تناول فرما لیتے۔ [1]

أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ مُعَلَّقَةٍ- وَوَصَلَهَا أَحْمَدُ: ((وَيَأْكُلُهُنَّ أَفْرَادًا)).

جبکہ صحیح بخاری کی ایک معلق روایت میں جس کو امام احمد رحمہ اللہ نے موصول روایت کیا ہے، یہ الفاظ ہیں: ''اور آپ ﷺ ان (چند طاق) کھجوروں کو ایک ایک کر کے تناول فرماتے تھے۔'' [2]

غریب الحدیث:...... **لَا يَغْدُوْ**: اَلْغَدْوَۃُ دن کے اول کو کہتے ہیں۔

يَوْمَ الْفِطْرِ: مراد اَلْفِطْرُ مِنْ رَمَضَانَ ہے اور یہ عید کے دن کو کہتے ہیں۔

تَمَرَاتٌ: یہ تَمْرَۃٌ کی جمع ہے جس کا اطلاق کم از کم تین کھجوروں پر ہوتا ہے۔

مُعَلَّقَةٌ: معلق اس روایت کو کہتے ہیں جس کی اسناد کے اول کو حذف کر دیا گیا ہو۔ علماء کا کہنا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ جب کسی روایت کو معلق پر جزم کے ساتھ روایت کرتے ہیں تو یہ اس روایت کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

وَصَلَهَا أَحْمَدُ: یعنی امام احمد رحمہ اللہ نے اس روایت کو ''المسند'' میں موصول روایت کیا ہے۔

---

[1] صحيح البخاري: 953.

[2] صحيح البخاري، العيدين، باب الأكل يوم الفطر قبل الخروج، قبل حديث: 953، ومسند أحمد: 126/3، وتغليق التعليق: 374/2.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَفْـرَادًا: مراد ایک ایک کر کے کھانا ہے نہ کہ دو دو یا تین تین کر کے کھانا۔ لیکن صحیح بخاری رحمہ اللہ میں اَفْـرَادًا کی بجائے وِتْرًا کا لفظ ہے اور ان دونوں باتوں میں فرق ہے۔ کیونکہ فرد یہ جمع کی ضد ہے جبکہ وتر یہ شفع کی ضد ہے۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ عید الفطر کی نماز کو جانے سے قبل چند کھجوریں کھالی جائیں اور ان کو وتر عدد میں کھایا جائے لہٰذا دہ کھجوریں تین، پانچ، سات یا نو وغیرہ ہوں۔

عید الفطر میں پہلے اور عید الاضحیٰ میں بعد میں کھانا مسنون ہے

476- وَعَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ، وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْأَضْحَى حَتّٰى يُصَلِّيَ)).

ابن بریدہ اپنے والد ماجد (حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ عید الفطر کے دن نبی کریم ﷺ (نماز ادا کرنے کے لیے) نہ نکلا کرتے تھے یہاں تک کہ (کچھ) تناول فرما لیتے تھے اور عید الاضحیٰ کے دن (کچھ) تناول نہ فرماتے تھے یہاں تک کہ نماز ادا فرما لیتے تھے۔ [1]

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث :...... حَتّٰى يَطْعَمَ: نوع کے اعتبار سے یہاں اجمال ہے کہ آپ ﷺ کیا تناول فرماتے تھے اور کتنا تناول فرماتے تھے۔ جبکہ سابقہ روایت میں اس اجمال کا نوع اور عدد دونوں اعتبار سے بیان ہے کہ وہ کھجوریں ہوتی تھیں جن کو آپ ﷺ طاق عدد میں تناول فرماتے تھے۔ یہ آپ ﷺ کا عید الفطر میں دستور تھا کہ آپ ﷺ عید کی نماز کے لیے جانے سے قبل کھجوریں تناول فرماتے تھے جبکہ عید الاضحیٰ (یعنی عید قربان) میں آپ ﷺ کا معمول اس کے برعکس تھا۔ چنانچہ فرمایا:

لَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْأَضْحَى حَتّٰى يُصَلِّيَ: عید قربان کے دن آپ ﷺ جب تک نماز ادا نہ فرما لیتے تھے کچھ تناول نہ فرماتے تھے اور ایک روایت میں اگرچہ اس میں محدثین کا کلام ہے یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ اپنی قربانی کے جانور سے تناول فرماتے تھے۔ [2] جبکہ بعض روایات میں قربانی کے جانور کی کلیجی کا بھی ذکر ہے۔

مضمون حدیث :...... اس حدیث میں یہ مضمون زائد مذکور ہے کہ عید قربان کے دن نماز ادا کر لینے کے بعد کچھ کھانا چاہیے اور اگر وہ اپنی قربانی کا گوشت ہو اور بالخصوص اس کی کلیجی ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- عید الفطر کے دن کچھ کھا کر عید کو جانا مسنون ہے جس میں حکمت یہ ہے کہ اس بات کو ثابت کرنے میں جلدی کی جائے کہ آج واقعی روزہ نہیں کیونکہ اس دن روزہ نہ رکھنا واجب اور رکھنا حرام ہے۔ لہٰذا اس دن جو شخص جانے سے قبل کچھ

---

[1] مسند احمد: 352/5- جامع الترمذی: 542- امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ جبکہ امام ابن خزیمہ (1426) اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (2812) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ابن قطان کہتے ہیں: میرے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔ امام زیلعی نے "نصب الرایة" (208/2) میں یہی بیان کیا ہے۔

[2] سنن الدار قطنی: 45/2- اس روایت کو بھی ابن قطان نے صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھائے گا، وہ اس بات پر دلالت کرنے میں جلدی کرے گا کہ آج روزہ نہیں۔ جیسے آفتاب کے ڈوبتے ہی روزہ دار روزہ کھولنے میں جلدی کرتا ہے تاکہ یہ بتلا دے کہ اب روزہ ختم ہو گیا ہے۔

- عید الفطر کے دن کھانے میں جلدی عبادت پر نشاط میں معاون ہے۔
- رہی کھجوروں کی تخصیص تو اس بابت دو اقوال ہیں:

(1) آپ ﷺ کے پاس اکثر کھجوریں ہی کھانے کو میسر ہوتی تھیں۔

(2) دوسرا قول یہ ہے کہ کھجوریں کھانے کا حکم علی سبیل التعبد ہے۔

لیکن درست یہ ہے کہ کھجوروں کی تخصیص میں یہ دونوں علتیں ہی درست ہیں۔

- البتہ بعض نے اس باب میں طبی کلام کر کے ثابت کیا ہے کہ کھجوروں کے بے شمار طبی فوائد ہیں جن کے پیش نظر عید الفطر کو جانے سے قبل خالی پیٹ ان کا کھانا افضل ہے۔
- وتر یعنی طاق عدد کی تخصیص اس لیے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات خود بھی وتر ہے اور اسے وتر کا عدد محبوب ہے۔
- معلوم ہوا کہ احادیث ایک دوسرے کے اجمال کو واضح کرتی ہیں جیسا کہ گزشتہ حدیث کا بیان اس حدیث کے اجمال کو دُور کر رہا ہے۔
- عید قربان میں نماز کے بعد کھانے کا حکم اس لیے ہے کیونکہ ہم اس دن اپنی قربانیوں کے کھانے کے مامور ہیں۔ چنانچہ یہ کھانا امر تعبدی بھی ہے اور مشروع بھی، لہٰذا افضل یہ ہے کہ عید قربان کے دن نماز کے بعد ہمارے پیٹ میں وہ کھانا سب سے پہلے جائے جس کے کھانے کے ہم مامور ہیں اور وہ ہے اپنی قربانی کا گوشت۔
- اسی لیے قربانی جلدی کرنے کا حکم بھی ہے۔

عورتوں کے نمازِ عید کے لیے نکلنے کا حکم

477۔ وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ الْعَوَاتِقَ وَالْحُيَّضَ فِي الْعِيدَيْنِ، يَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِينَ، وَتَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ الْمُصَلَّى)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ہمیں اس بات کا حکم دیا گیا کہ ہم عیدین میں کنواری دوشیزاؤں اور حیض والیوں کو (عیدگاہ کی طرف) نکالیں (تاکہ) وہ خیر اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں جبکہ حیض والیاں عیدگاہ سے جدا رہتی تھیں۔ [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

معرفة الصحابة:...... سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا ایک نہایت جلیل القدر صحابیہ رضی اللہ عنہا اور جفاکش، چاک و چوبند، سرگرم، فعال اور مستعد خاتون تھیں۔ سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کے جنگ و امن دونوں حالات میں زبردست کارنامے ہیں۔ چنانچہ سیدہ موصوفہ رضی اللہ عنہا فوت ہونے والی خواتین کو غسل دیتیں، انہیں کفن پہناتیں، غزوات میں زخمیوں کی دوا دارو کرتیں اور مریضوں کی تیمارداری بھی کیا کرتی تھیں۔

غریب الحدیث:...... أُمِرْنَا: یہ مجہول فعل ہے اور یہاں امر دینے والے خود جناب رسول اللہ ﷺ ہیں۔

[1] صحیح البخاري: 974۔ صحیح مسلم: 890

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ جب ایک صحابی رضی اللہ عنہ ایسا صیغہ استعمال کرتا ہے تو مراد جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں۔

اَلْعَوَاتِق: یہ عَاتِقَۃٌ کی جمع ہے۔ عاتقہ بالغ اور کنواری لڑکی کو یا قریب البلوغ نوعمر دوشیزہ کو کہتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ عاتقہ ان شریف زادیوں کو کہتے ہیں جو اپنی ضروریات کی خرید و فروخت کے لیے بازاروں میں نہیں نکلتیں اور نہ بلاوجہ لوگوں کے سامنے آتی ہیں چاہے پردہ میں ہی ہوں۔

اَلْحُیَّض: یہ حائض کی جمع ہے۔ حائض اس عورت کو کہتے ہیں جس کو حیض آنا شروع ہو گیا ہو اور اب وہ بالغہ ہو چکی ہو گو ابھی بالفعل اسے حیض نہ آ رہا ہو اور جسے بالفعل حیض آ رہا ہو اسے حائضہ کہتے ہیں۔

یَشْهَدْنَ الْخَیْرَ: مراد وہ خیر ہے جو عیدین کی نماز پڑھ کر حاصل ہوتی ہے۔

دَعْوَۃَ الْمُسْلِمِیْنَ: کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جہاں امام اپنے خطبہ، نماز اور بعد کی دعا کے مواقع پر دعائیں مانگتا ہے۔

وَ یَعْتَزِلُ الْحُیَّضُ الْمُصَلّٰی: مذکورہ واؤ استینافیہ ہے، اس بنا پر یَعْتَزِلُ پر رفع کے اعراب ہوں گے۔ جبکہ اس پر نصب کے اعراب بھی جائز ہیں۔ تب پھر اس کا اَنْ تَخْرُجَ پر عطف ہو گا اور مصلّٰی سے مراد عیدگاہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے نکل کر عیدین کی نمازیں ادا فرمایا کرتے تھے۔

مضمون حدیث ...... مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ عید کی نماز ادا کرنے کے لیے گھروں سے نکلنے کا حکم سب لوگوں کو ہے حتی کہ پردہ نشین خواتین، کنواری دوشیزاؤں اور حیض والیوں کو بھی عیدگاہ کی طرف نکلنے کا حکم ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نماز عید واجب ہے اس بارے علماء کے اختلاف کی تفصیل کو گزشتہ میں ذکر کر دیا گیا ہے۔
- معلوم ہوا کہ امر رائے اور تدبیر والے کو کرنا چاہیے جیسا کہ یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ امر سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا جیسی سمجھ دار، صاحب رائے اور مستعد و سرگرم خاتون کو کیا ہے۔
- معلوم ہوا کہ عیدگاہ مسجد کے حکم میں داخل ہے۔ کیونکہ حیض والیوں کو عیدگاہ سے الگ رہنے کا حکم ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ عیدگاہ کو مسجد کا حکم حاصل ہے۔ البتہ حنابلہ کی اس بات پر نص ہے کہ جنازہ گاہ مسجد کے حکم میں نہیں۔
- نیکی اور دعا کے مواقع پر مسلمانوں کے جمع ہونے میں برکت اور خیر کی امید ہوتی ہے۔ چنانچہ اجتماعی مواقع پر دعا کی قبولیت کی امید زیادہ ہوتی ہے۔
- معلوم ہوا کہ بالغ خواتین لوگوں کے اجتماعات میں شریک ہو سکتی ہیں۔

عید کا خطبہ نماز کے بعد مشروع ہے

478- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم، وَأَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ يُصَلُّوْنَ الْعِيْدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما عیدین کی نمازوں کو (ان کے) خطبوں سے قبل ادا کیا کرتے تھے۔ [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

---

[1] صحیح البخاری: 963، صحیح مسلم: 884.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عیدین کا خطبہ نماز کے بعد ہے

مذکورہ حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عیدین کا خطبہ نماز کے بعد ہے بخلاف جمعہ کی نماز کے کہ اس کا خطبہ نماز سے قبل ہے۔ اگر چہ اس امر کے بیان کے لیے نبی کریم ﷺ کے فعل مبارک کا ذکر کافی تھا لیکن حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا ذکر اس بات کا فائدہ دینے کے لیے کیا جاتا ہے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہوا۔ دوسرے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ حضرات خلفائے راشدین کا عمل بھی حجت ہے۔ عیدین اور جمعہ کی نمازوں کے خطبوں میں اس فرق کی حکمت یہ ہے کہ جمعہ کا خطبہ راجح قول کے مطابق نمازِ جمعہ کی صحت کی شرط ہے اور شرط کا مشروط پر مقدم ہونا واجب ہوتا ہے۔ اس لیے جمعہ کا خطبہ پہلے ہونا لازم ہے۔ جبکہ عیدین کا خطبہ سنت ہے۔ پس عیدین کی نمازیں اس خطبہ کے بغیر بھی صحیح ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ تو ان خطبوں میں حضوری شرط ہے اور نہ ان کا سننا لازم ہے۔ اسی لیے نماز کے بعد لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ چاہیں تو لوٹ جائیں اور چاہیں تو خطبہ سننے کو بیٹھ جائیں۔

کیا عیدین کا خطبہ ایک ہے؟

مذکورہ روایت میں "الخطبة" واحد کا کلمہ مذکور ہے۔ جس میں دو احتمال ہیں:

(1) یہاں جنس مراد ہے جو دو خطبوں کو بھی شامل ہے۔ (2) یا لفظ کا ظاہری معنی مراد ہے۔

بظاہر یہاں اس لفظ کا ظاہری معنی مراد ہے اور دیگر متعدد احادیث بھی اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ عیدین کا خطبہ ایک ہے بخلاف نمازِ جمعہ کے کہ اس کے خطبے دو ہیں۔ لیکن ابن ماجہ کی ایک روایت بتلاتی ہے کہ آپ ﷺ عیدین کے دو خطبے دیا کرتے تھے جن کے درمیان بیٹھا کرتے تھے۔ [1] لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، اس لیے الخطبة میں الف لام بیان حقیقت کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے کہ عیدین کا خطبہ ایک ہی ہوتا تھا۔

منشائے حدیث

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث مندرجہ ذیل اغراض کے لیے روایت کی تھی:

(1) احیاءِ سنت کہ مذکورہ حدیث روایت کرنے سے پہلی غرض یہی تھی۔

(2) بعض امراء و خلفاء کے اس اجتہاد کو باطل قرار دینا کہ عید کا خطبہ مقدم کرنے سے لوگ اسے غور سے سنتے بھی ہیں اور خیر کو سیکھتے بھی ہیں۔ بلاشبہ یہ استحسان تھا لیکن یہ استحسان باطل ہے کیونکہ اسے نص باطل ٹھہرا رہی ہے۔ لہٰذا مروان بن حکم جیسے امراء کا خطبۂ عید کو مقدم کرنا ان کا غلط اور باطل اجتہاد تھا۔ کیونکہ ایک تو اس میں سنت کی مخالفت تھی دوسرے اس میں شعائر کی تغییر تھی، جو گناہ ہے۔ لہٰذا یاد رہے کہ شرع کے ہوتے ہوئے استحسان بے محل ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ خطبہ سننے والے عوام میں سے کتنوں کو یہ سمجھ اور شعور حاصل ہو سکتا ہے کہ خطبہ کی یہ تقدیم سنت نہیں بلکہ استحسان ہے۔ پس لوگ بہر حال یہی سمجھیں گے کہ عید کا خطبہ مقدم کرنا بھی شرع اور سنت ہے اور اس رائے کے باطل ہونے میں کوئی شک نہیں۔

عیدین کے خطبہ کا حکم

عیدین کا خطبہ مشروع اور نماز کے بعد ہے۔

---

[1] دیکھیے: سنن الکبریٰ للبیہقی 109/3، امام ابن خزیمہ (1446) ... [illegible]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عید کی نماز دو رکعت ہے جس سے پہلے اور بعد میں کوئی نفل نماز نہیں

479- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى يَوْمَ الْعِيدِ رَكْعَتَيْنِ، لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهُمَا وَلَا بَعْدَهُمَا)).

أَخْرَجَهُ السَّبْعَةُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عید کی نماز (ہمیشہ) دو رکعت ادا فرمائی اور نہ ان (دو رکعتوں) سے پہلے اور نہ ان کے بعد (کوئی نفل) نماز پڑھی۔ [1]

اس حدیث کو ائمہ سبعہ نے روایت کیا ہے۔

مضمون حدیث :......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ عید کی نماز سے پہلے کوئی نماز ادا کی جائے۔ نہ بعد میں۔ کیونکہ عید کی نماز سے قبل خود عید کی نماز کی طرف جلدی ہوتی ہے اور عید کی نماز کے بعد خطبہ عید میں توجہ اور دھیان ہوتا ہے، خواہ خطبہ دینے میں اور خواہ خطبہ سننے میں، غرض خطبہ کا اشتغال عید کے بعد نماز کی ادائیگی میں مانع ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ مشہور مذہب یہی ہے کہ عید کی نماز سے پہلے بھی اور بعد میں بھی نفل نماز پڑھنا غیر مسنون ہے۔ یہ بات مذکورہ حدیث سے ازحد واضح ہے۔ رہا یہ سوال کہ یہ حکم خاص امام کے لیے ہے یا مقتدیوں کے لیے بھی ہے؟ تو بعض علماء نے اسے صرف امام کے ساتھ خاص رکھا ہے کیونکہ لوگ امام کے منتظر ہوتے ہیں۔ لہٰذا امام کا نوافل میں لگنا درست نہیں۔ جبکہ مقتدی کے لیے امام کے آنے تک نوافل مشروع ہیں جیسا کہ نماز جمعہ میں امام کے آنے تک مقتدی کے لیے نوافل میں لگنا جائز ہوتا ہے۔ دوسرے مذکورہ روایت میں صرف نبی کریم ﷺ کی نماز کو حکایت کیا گیا ہے نہ کہ مقتدیوں کی نماز کو بھی۔ لہٰذا مذکورہ روایت میں مقتدیوں کے عید سے قبل نماز نفل میں مشغول ہونے کی کوئی ممانعت مروی نہیں۔ پس مقتدی امام کے آنے تک نوافل پڑھ سکتا ہے۔ پھر اس نماز کی حیثیت نمازِ ظہر کی سنت قبلیہ جیسی نہیں، ہاں یہ نماز محض مستحب ہے۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ مقتدی جب نماز اور خطبہ سے فارغ ہو جائے تو عیدگاہ میں نوافل پڑھ سکتا ہے۔ اس قول کے دلائل بھی وہی ہیں جو گزشتہ قول کے ہیں۔ لہٰذا جب نہی مروی نہیں تو اصل اباحت ہے۔ بعض علماء نے اس باب میں تحیۃ المسجد پر اقتصار کرنے کو افضل قرار دیا ہے۔ ان علماء کا استدلال حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فعل سے ہے کہ اگر عید کی نماز سے قبل یا بعد میں نماز افضل ہوتی تو یہ حضرات ضرور اس نماز کی طرف مسابقت و مبادرت کرتے۔ پھر عیدگاہ میں عید کی نماز سے قبل تحیۃ المسجد کا جواز اور اباحت بھی دیگر دلائل سے ثابت ہے نہ کہ اس مذکورہ حدیث سے۔ پھر بسا اوقات نماز میں لگنے سے یا تو عید کی نماز کا اول رہ جاتا ہے یا پوری نماز ہی رہ جاتی ہے۔ اس لیے میرے نزدیک سب سے عمدہ قول عیدگاہ میں صرف تحیۃ المسجد پر اقتصار کرنے کا ہے۔

◈ معلوم ہوا کہ عید کی نماز دو رکعت ہے۔ اور یہ کہ فرض کی ادائیگی تحیۃ المسجد سے کفایت کر جاتی ہے۔ اس باب میں علماء نے ایک قاعدہ بیان کیا ہے، وہ یہ کہ جب ایک طرح کی دو عبادتیں جمع ہو جائیں اور دونوں میں کوئی دوسری کی قضا یا تابع نہ ہو تو اس صورت میں ایک عبادت کی ادائیگی دوسری سے کفایت کر جاتی ہے۔

---

[1] صحيح البخاري: 989- صحيح مسلم: 884.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمازِ عید کے لیے نہ تو اذان ہے اور نہ اقامت اور نہ اس سے قبل یا بعد میں کوئی نفل نماز ہے

480۔ وَعَنْهُ رضی اللہ عنہ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى الْعِيدَ بِلَا أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ)).

أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَأَصْلُهُ فِي الْبُخَارِيِّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عید کی نماز اذان اور اقامت کے بغیر ادا فرمائی۔ [1]

اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل صحیح بخاری میں ہے۔

شرح:...... مذکورہ روایت کا مضمون واضح ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- عیدین کے لیے نہ تو اذان ہے اور نہ اقامت۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ عید کی نماز واجب نہیں۔ کیونکہ نماز کے وجوب کے لیے یہ شرط نہیں کہ اس کے لیے اذان اور اقامت بھی مشروع ہو۔ بسا اوقات ایک نماز اذان اور اقامت کے بغیر بھی واجب ہو جاتی ہے۔ جیسے نذر کی نماز اور طواف کا دوگانہ۔
- اسی طرح درست قول یہ ہے کہ نمازِ عید کے لیے اعلان کرنا بھی مشروع نہیں، اگر ایسا کرنا مشروع ہوتا تو ضرور منقول بھی ہوتا۔ جبکہ حنابلہ کے بعض علماء عید کی نماز کے لیے اَلصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ کا اعلان کرنے کے قائل ہیں۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ ایک تو یہ نبی کریم ﷺ سے مروی نہیں، دوسرے مروی روایات اس کی نفی کرتی ہیں۔
- البتہ اگر عید کا ثبوت متاخر ہو تو اس کی اطلاع دینا جائز ہوگا کیونکہ اس اطلاع اور اعلان کا ایک سبب ہے۔

عیدگاہ سے گھر پہنچ کر نوافل پڑھنے کا حکم

481۔ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ شَيْئًا، فَإِذَا رَجَعَ إِلَى مَنْزِلِهِ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ)).

رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نمازِ عید سے قبل (نوافل میں سے) کوئی نماز نہ پڑھتے تھے۔ پس جب آپ ﷺ (نماز اور خطبہ سے فارغ ہو کر) اپنے دولت کدہ پر پہنچتے تھے تو دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔ [2]

اس حدیث کو امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے حسن اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

درایة الحدیث:...... امام موصوف رحمہ اللہ کے نزدیک اس حدیث کی اسناد حسن ہے جبکہ بعض علماء نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے ان کا قول ہے کہ یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے صحیح ثابت نہیں ہے۔ گو کہ یہ حدیث گزشتہ مذکورہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے منافی نہیں۔ لیکن اکثر محدثین حضرات نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ تب پھر عید کی نماز کے بعد گھر پہنچ کر دو رکعت ادا کرنے کا حکم یہ ہے کہ اگر تو اس روایت کا ثبوت صحیح ہے تو یہ دوگانہ نماز نمازِ عید کی سنت راتبہ ہوگی۔

---

[1] سنن ابی داود: 1147۔ صحیح البخاری: 960۔ صحیح مسلم: 886۔

[2] سنن ابن ماجه: 1293۔ امام بوصیری رحمہ اللہ نے "مصباح الزجاجة" میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کو امام حاکم نے "المستدرك" (437/1) میں روایت کر کے کہا ہے کہ یہ سنت صحیح اسناد کے ساتھ ثابت اور قوی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمازِ عید عیدگاہ میں ادا کی جائے

482- وَعَنْهُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى، إِلَى الْمُصَلَّى، وَأَوَّلُ شَيْءٍ يَبْدَأُ بِهِ الصَّلَاةُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُومُ مُقَابِلَ النَّاسِ- وَالنَّاسُ عَلَى صُفُوفِهِمْ- فَيَعِظُهُمْ وَيَأْمُرُهُمْ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن (ان کی نمازوں کو ادا کرنے کے لیے) عیدگاہ کی طرف نکلا کرتے تھے اور (وہاں پہنچ کر) آپ ﷺ سب سے پہلے جس چیز سے آغاز فرماتے تھے، وہ نماز ہوتی تھی (یعنی عیدگاہ پہنچ کر سب سے پہلے آپ ﷺ نماز ادا فرماتے تھے) پھر نماز ادا فرما کر لوگوں کے سامنے کھڑے ہو جاتے تھے جبکہ لوگ (ابھی تک) اپنی صفوں میں (بیٹھے) ہوتے تھے۔ پس آپ ﷺ انہیں وعظ فرماتے اور امر (ونہی) فرماتے تھے۔ [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:......**اِلَى الْمُصَلّٰى**: مراد عیدگاہ ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

اَوَّلُ شَيْءٍ: یہ مبتدا ہے۔

اَلصَّلٰوةُ: یہ خبر ہے اور مراد عید کی نماز ہے نہ کہ نفل نماز۔

ثُمَّ يَنْصَرِفُ: یعنی نماز کو پورا فرما لیتے۔ پھر اس کے بعد نماز سے جدا ہوتے تھے۔

ثُمَّ يَقُوْمُ مُقَابِلَ النَّاسِ: اس طور پر کہ روئے مبارک لوگوں کی طرف اور پیٹھ مبارک قبلہ کی جانب ہوتی تھی۔

وَ النَّاسُ عَلٰى صُفُوْفِهِمْ: چنانچہ نہ تو کوئی آپ ﷺ کی طرف کھڑا ہوتا اور نہ آپ ﷺ کے گرد کوئی حلقہ بنایا جاتا اور ایسا اس لیے ہوتا تھا تا کہ نہ تو بھیڑ بنے اور نہ شور وغل ہو۔ مذکورہ جملہ مُقَابِلَ النَّاسِ میں اَلنَّاس سے حال ہے۔

فَيَعِظُهُمْ: رب تعالیٰ کی شان ہے کہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ جمے ہوتے تھے اور رب تعالیٰ آپ ﷺ کی آواز میں ایسی برکت فرما دیتے تھے کہ آپ ﷺ کی آواز کو سب لوگ صاف صاف سنتے تھے۔ موعظت اس اعلام اور خبر دینے کو کہتے ہیں جو ترغیب وترہیب سے ملی ہو۔

وَ يَأْمُرُهُمْ: آپ ﷺ کی یہ موعظت اور امر حال اور مقام کے مطابق ہوتا تھا۔

مذکورہ حدیث کا مضمون واضح ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ عیدین کی نمازیں شہر سے نکل کر کھلے میدانوں میں ادا کی جانا مشروع ہے اور یہ حکم دوسرے شہروں کی طرح مکہ اور مدینہ کو بھی شامل ہے۔
- عیدگاہ میں عید کے دن سب سے پہلے صرف عید کی نماز ادا کی جائے گی۔
- معلوم ہوا کہ خطبہ دیتے وقت خطیب کا منہ مقتدیوں کی طرف ہو، اس دوران قبلہ کی طرف پیٹھ ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

---

[1] صحيح البخاري: 956- صحيح مسلم: 889.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ عیدگاہ میں منبر لے جانا غیر مسنون ہے۔جس کی دلیل ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُوْمُ مُقَابِلَ النَّاسِ کے الفاظ ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ منبر تھا ہی نہیں اس لیے آپ ﷺ نماز ختم فرما کر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔

عید کی نماز میں کتنی تکبیریں ہیں؟

483- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ: ((التَّكْبِيرُ فِي الْفِطْرِ سَبْعٌ فِي الْأُولَى، وَخَمْسٌ فِي الْآخِرَةِ، وَالْقِرَاءَةُ بَعْدَهُمَا كِلْتَيْهِمَا)).
أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ.
وَنَقَلَ التِّرْمِذِيُّ عَنِ الْبُخَارِيِّ تَصْحِيحَهُ.

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''عید الفطر کی پہلی رکعت میں سات تکبیریں ہیں اور دوسری میں پانچ تکبیریں ہیں اور دونوں کی دونوں (رکعتوں میں ان زائد) تکبیروں کے بعد قراءت ہے۔''[1]
اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔
اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ سے اس حدیث کی تصحیح کو نقل کیا ہے۔

درایۃ الحدیث:......''عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده'' سند کے اس حصہ کی تفسیر میں علماء کے متعدد اقوال ہیں، راجح قول کی بنا پر اس قدر سند کی تفسیر یہ ہے:

عَنْ اَبِيْهِ: اس سے مراد عمرو کے والد شعیب ہیں۔

عَنْ جَدِّهٖ: اس سے مراد عمرو کے والد کے دادا یعنی عمرو کے پردادا ہیں۔تب پھر عمرو کے دادا یعنی شعیب کے والد ''محمد'' ہیں اور عمرو کے پردادا یعنی شعیب کے دادا، وہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما ہیں اور اس حدیث کو عمرو اپنے والد جناب شعیب سے اور شعیب اپنے دادا جناب عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔اب علماء کا اختلاف عَنْ اَبِيْهِ کے کلمات میں نہیں کہ وہ تو شعیب ہیں جو ظاہر ہیں۔اختلاف عَنْ جَدِّهٖ کے کلمات میں ہے کہ آیا اس سے مراد عمرو کے دادا ہیں یا شعیب کے دادا؟ چنانچہ بعض علماء نے جَدِّهٖ کی ضمیر کو عمرو کی طرف لوٹایا ہے تب پھر اس سے مراد ''محمد'' ہیں جو شعیب کے والد ہیں اور بعض کے نزدیک اس ضمیر کا مرجع شعیب ہے تب پھر مراد عمرو کے پردادا اور شعیب کے دادا ابومحمد عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں۔

اب اگر جَدِّهٖ کی ضمیر کا مرجع عمرو ہو تب پھر یہ حدیث مرسل ہو گی کیونکہ عمرو کے دادا اور شعیب کے والد جناب ''محمد'' نے نبی کریم ﷺ کو نہیں پایا اور دوسری صورت میں یہ حدیث منقطع ہو گی کیونکہ عمرو تو اپنے والد شعیب سے روایت کر رہے ہیں جبکہ شعیب اپنے دادا جناب عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کر رہے ہیں جبکہ بیچ میں اپنے والد ''محمد'' کو واسطہ نہیں بنا رہے اور شعیب کی اپنے دادا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔لہٰذا بیچ کے واسطہ محمد کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ حدیث منقطع کہلائے گی۔غرض پہلی توجیہ کی صورت میں یہ حدیث مرسل ہے جبکہ دوسری توجیہ کی صورت میں یہ حدیث منقطع ہے اور حدیث مرسل ہو یا منقطع دونوں صورتوں میں صحیح نہیں ہوتی۔کیونکہ بیچ میں ایک واسطہ مجہول ہے جبکہ حدیث کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کی سند متصل ہو۔

---

[1] سنن ابی داود: 1151۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''العلل لابی طالب'' (ص 93) میں امام بخاری رحمہ اللہ سے اس حدیث کی تصحیح نقل کی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده" کی اسناد اہل علم کی نظر میں

علامہ ذہبی رحمہ اللہ جیسے محققین کی نظر میں یہ سند حجت ہے کیونکہ ان کے نزدیک جناب شعیب نے اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو پایا ہے تب پھر یہ سند متصل ہوگی اور بعض علماء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ شعیب کے والد جناب محمد اپنے برخوردار کو یتیم چھوڑ کر راہئ ملکِ عدم ہو گئے تھے جس کے بعد شعیب کی پرورش ان کے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ تب پھر یہ حدیث متصل ہے جس میں کوئی اشکال نہیں اور سند کے اتصال کی وجہ سے یہ حدیث صحیح ہے۔ پس یہ حدیث شعیب اپنے دادا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کر رہے ہیں یہی راجح قول ہے کہ اس سند کا آخری راوی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ اور امام ابن معین رحمہم اللہ جیسے لوگوں کو پایا ہے، وہ اور ان کے سب اصحاب مذکورہ سند سے دلیل لیتے اور استدلال کرتے ہیں۔

عیدین کی تکبیروں کی تعداد میں علماء کا اختلاف اور راجح قول

فِی الْفِطْرِ: اس سے مراد صلوۃ الفطر ہے اور یہی حکم صلوۃ الاضحیٰ کا بھی ہے۔ غرض اس حدیث میں بنیادی طور پر یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ عیدین کی پہلی رکعت کی تکبیریں سات ہیں جبکہ دوسری رکعت کی تکبیریں پانچ ہیں اور دونوں رکعات میں قراءت ان زائد تکبیروں کے بعد ہوگی۔ اب علماء کا اس باب میں اختلاف ہے کہ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ سمیت کل تکبیریں سات ہیں یا اس کے بغیر سات ہیں؟ اگر تو تکبیر تحریمہ سمیت یہ تکبیریں سات ہیں تب پھر پہلی رکعت میں زائد تکبیروں کی تعداد چھ ہوگی اور اگر تکبیر تحریمہ ان زائد تکبیروں سے خارج ہے تو زائد تکبیریں سات اور پہلی رکعت میں کل تکبیریں آٹھ ہو جائیں گی۔ جبکہ دوسری رکعت میں زائد تکبیریں پانچ ہیں۔

رہی قیام کی تکبیر تو وہ کسی حال میں بھی ان پانچ تکبیروں میں شامل نہیں کیونکہ وہ تکبیر سجدے سے قیام کی طرف اٹھتے ہوئے کہی جاتی ہے نہ کہ قیام میں پہنچ کر کہی جاتی ہے۔ تب پھر ایک احتمال کے مطابق کل زائد تکبیریں گیارہ اور دوسرے احتمال کے مطابق کل زائد تکبیریں بارہ ہیں۔

اس تفصیل کے بعد علماء میں خود اس حدیث کی بابت اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض کے نزدیک یہ حدیث مرسل یا منقطع ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عیدین کی تکبیروں کی بابت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مرفوع روایت مروی نہیں اور جو مروی ہے ان کی حیثیت آثار کی ہے۔ جبکہ بعض کے نزدیک یہ حدیث حسن ہے۔ رہی امام ترمذی رحمہ اللہ کی نقل کردہ امام بخاری رحمہ اللہ کی تصحیح تو اس پر مناقشہ کرتے ہوئے شارح رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ تصحیح جامع ترمذی میں مذکور نہیں (البتہ "علل الترمذی لابی طالب" میں مذکور ہے) ہاں اسے امام بیہقی نے امام ترمذی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ وہ امام بخاری رحمہ اللہ کی تصحیح نقل کرتے ہیں۔ اسی لیے علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

لیکن مشہور مذہب امام احمد رحمہ اللہ کا یہی ہے کہ یہ کل گیارہ زائد تکبیریں ہیں چھ پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں۔

تکبیراتِ زائدہ کے احکام

- ...... یہ تکبیریں مشروع ہیں۔
- ...... ان تکبیروں میں کچھ پڑھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں البتہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ہے کہ ان کے دوران حمد و ثنا پڑھے اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے۔ ❶

⊙ ...... چونکہ اس باب میں کوئی صریح سنت نہیں اس لیے ان تکبیرات کے وقت رفع یدین کی بابت بھی اختلاف ہے۔ لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان تکبیروں میں رفع یدین کرنا مروی ہے۔ ❷ اس لیے اولیٰ ان تکبیروں کے وقت رفع یدین کرنا ہے۔ البتہ رفع یدین نہ کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔

نمازِ عید میں نبی کریم ﷺ کی قراءت

484- وَعَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ رضي الله عنه قَالَ: ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْأَضْحٰى وَ الْفِطْرِ بِ ((قٓ))، وَ ((اقْتَرَبَتْ)).

أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ (کی نمازوں کی پہلی رکعت) میں سورۂ ق اور (دوسری رکعت میں) اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ کی قراءت فرمایا کرتے تھے۔ ❸

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

شرح:...... مذکورہ حدیث میں نبی کریم ﷺ کا اکثر اور اغلب معمول یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ عیدین کی پہلی رکعت میں سورۂ ق کی اور دوسری رکعت میں سورۂ قمر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ سورۂ ق کے مضامین کا تعارف گزشتہ میں گزر گیا ہے۔ جبکہ سورۂ قمر میں گزشتہ قوموں کے احوال اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلانے کے برے انجام کا ذکر ہے۔

تنبیہ:...... معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ لوگوں کے احوال کی رعایت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ یہ دونوں سورتیں عیدین کی نمازوں میں تو پڑھتے تھے کیونکہ ان سے قبل خطبہ نہیں البتہ جہاں تک ہم جانتے ہیں ان سورتوں کو آپ ﷺ جمعہ کی نماز میں نہ پڑھتے تھے کیونکہ یہ دونوں سورتیں لمبی ہیں جبکہ جمعہ کی نماز سے قبل خطبہ بھی ہے۔ پس خطبہ اور لمبی سورتوں کا جمع ہو جانا لوگوں پر مشقت کا باعث بن سکتا ہے اس لیے آپ ﷺ ان سورتوں کی تلاوت نماز جمعہ میں نہ فرماتے تھے۔

عید کی نماز کو آتے اور جاتے وقت راستہ بدلنا اور راستے میں تکبیر پڑھنا

485,486- وَعَنْ جَابِرٍ رضي الله عنه قَالَ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْعِيدِ خَالَفَ الطَّرِيْقَ)).

أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

وَلِأَبِيْ دَاوُدَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ نَحْوُهُ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب عید کا دن ہوتا تھا تو نبی کریم ﷺ (آتے اور جاتے وقت) راستہ بدلتے تھے۔ ❹

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

اور سنن ابی داؤد میں ایسی ہی ایک روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ ❺

---

❶ المقصد الارشد: 38/2. ❷ سنن البيهقي: 44/4.

❸ صحيح مسلم: 891. ❹ صحيح البخاري: 986.

❺ سنن ابی داود: 1156- سنن ابن ماجہ: 1299- اس حدیث کی اسناد میں عبدالرحمٰن العمری ہے جو ضعیف ہے جیسا کہ امام بوصیری نے کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرح :...... مذکورہ حدیث کا مضمون واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ خاص عیدین کی نمازوں کو آتے جاتے وقت راستہ بدلتے تھے۔ لیکن چونکہ اس باب میں صرف نبی کریم ﷺ کا فعل ہی منقول ہے اس لیے مجرد فعل سے وجوب پر استدلال نہ کیا جائے گا البتہ سنت کی اقتدا میں اسے مستحب ضرور کہیں گے۔ یاد رہے کہ عیدین کو آتے اور جاتے راستے کا یہ بدلنا اتفاق کی قبیل سے نہیں وگرنہ اغلب اور اکثر ایک ہی راستے سے آنے جانے کا اتفاق ہوتا۔ آنے جانے میں راستے کے بدلنے سے قصد کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کا آتے جاتے راستہ بدلنا منافقوں کو غصہ دلانے کے لیے تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ راستہ بدلنے سے مقصود فقراء کے احوال کی جستجو تھا تاکہ ان کی ہمدردی اور غم گساری کی جا سکے۔ راجح قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کے راستہ بدلنے سے یہ سب امور ہی مقصود اور مراد ہو سکتے ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- عیدین کی نماز کو آتے اور جاتے وقت راستہ بدلنا مشروع ہے جس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا فعل ہے۔
- یہ راستہ بدلنا متعدد حکمتوں پر مشتمل تھا جن کو اوپر بیان کر دیا گیا ہے۔
- مذکورہ حکم کو عیدین تک بس رکھنا ہی اصل ہے لہٰذا راستہ بدلنے میں عیدین تک اقتصار منصوص ہے۔ نمازِ جمعہ کو اس پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا۔

اسلام میں خوشی منانے کے دو دن

487- وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِيْنَةَ، وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمَا، فَقَالَ: ((قَدْ أَبْدَلَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا: يَوْمَ الْأَضْحَى وَيَوْمَ الْفِطْرِ)).

أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ- وَالنَّسَائِيُّ بِإِسْنَادٍ صَحِيْحٍ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر) مدینہ نبویہ تشریف لائے۔ جبکہ اہل مدینہ کے دو دن (خوشی منانے کے) تھے جن میں وہ کھیلا کرتے تھے تو (یہ دیکھ کر) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''رب تعالیٰ نے تمہیں ان دو دنوں کے بدلے میں ان سے بہتر دو دن دے دیئے ہیں (ایک) عید الاضحیٰ کا دن اور (دوسرا) عید الفطر کا دن۔''[1]

اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہ اللہ نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :...... قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ: مراد مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ نبویہ تشریف لے جانا ہے۔ ہجرت سے قبل عرب مدینہ کو یثرب کہہ کر پکارتے تھے۔ پھر کتاب و سنت میں اس کو مدینہ کہہ کر پکارا جانے لگا۔ قرآنِ کریم میں یثرب کا لفظ بطور حکایت کے آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يَٰٓأَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ﴾ (الاحزاب: 13)

''اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا اے یثرب والو! تمہارے لیے ٹھہرنے کی کوئی صورت نہیں۔''

---

[1] سنن ابی داود: 1134- سنن النسائی: 179/3- مسند احمد: 103/3- المستدرك للحاكم: 434/1- امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح مسلم کی شرط پر ہے۔ (المختارة للضياء المقدسی: 275/5).

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلْمَدِيْنَة: لغت میں مدینہ اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں لوگ جمع ہوں۔لیکن اب یہ لفظ مدینہ کا ''علم'' بن گیا ہے۔پس اب مدینہ علم ہے جو اس مدینہ پر غالب آ گیا ہے جہاں نبی کریم ﷺ ہجرت فرما کر تشریف لائے تھے۔جیسا کہ ابن مالک کا قول ہے۔ ❶

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ عید کے دن کھیلنے میں کوئی حرج نہیں۔البتہ اس کھیل کا شرعی حدود کے اندر ہونا شرط ہے۔لہٰذا لازم ہے کہ اس کھیل میں کوئی حرام پہلو نہ ہو۔
- معلوم ہوا کہ سال میں عید کے نام پر خوشی انہی دنوں میں منائی جائے گی جن کو شریعت نے ایامِ عید کے طور پر مقرر کیا ہے جس کی تفصیل ذکر کی جا چکی ہے۔
- یہ بات جنابِ رسول اللہ ﷺ کی دعوت الی اللہ کی حسن ترتیب میں سے تھی کہ جب آپ ﷺ کسی کو کسی حرام بات سے روکتے تھے تو اس کے بدلے میں کسی مباح امر کی اجازت بھی دیتے تھے۔جیسا کہ مذکورہ روایت میں ہے۔

عیدگاہ کی طرف پیدل جانے کا بیان

488۔ وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((مِنَ السُّنَّةِ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الْعِيْدِ مَاشِيًا)). رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عید (گاہ) کی طرف (عید کی نماز کے لیے) پیدل نکلنا سنت ہے۔ ❷
اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کر کے اسے حسن کہا ہے۔

غریب الحدیث :......مِنَ السُّنَّةِ: مراد سنت نبویہ ہے اور ایسی روایت کا حکم مرفوع روایت کا ہوتا ہے۔البتہ یہاں سنت مستحبہ مراد ہے نا کہ واجبہ۔لہٰذا عیدگاہ کی طرف پیدل چل کر جانا مستحب ہوگا اور مِنَ السُّنَّةِ کے الفاظ یہ خبر مقدم ہے۔
اَنْ يَخْرُجَ: یہ مبتدا موخر ہے کیونکہ اَنْ ناصبہ جب فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے تو اسے مصدر کی تاویل میں مفرد بنا دیتا ہے۔
مَاشِيًا: یہ يَخْرُجَ فعل کی ضمیر فاعل سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مذکورہ حدیث کا مضمون واضح ہے۔
- عیدگاہ کی طرف پیدل جانا مستحب ہے اور یہی افضل ہے۔
کیونکہ پیدل چلنے سے اٹھنے والے ہر قدم پر اجر ملے گا۔
دوسرے پیدل چلنے والے میں بہ نسبت سوار کے خشوع زیادہ ہوتا ہے۔
تیسرے پیدل جانے سے راستوں میں ٹریفک اور گاڑیوں کا اژدھام نہیں ہو پاتا۔

بارش وغیرہ کے عذر کی وجہ سے مسجد میں عید کی نماز ادا کرنے کا حکم

489۔وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ: ((أَنَّهُمْ أَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِي يَوْمِ عِيْدٍ، فَصَلَّى بِهِمُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) عید کے دن لوگوں کو بارش نے آ لیا، اس پر نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو عید

---

❶ دیکھیں: الفیة ابن مالك کی شرح، رقم البیت: 111.

❷ جامع الترمذی: 530- سنن ابن ماجه: 1296- امام موصوف نے "فتح الباری" (451/2) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

النَّبِيُّ ﷺ صَلَاةَ الْعِيْدِ فِي الْمَسْجِدِ)). کی نماز مسجد میں (ہی) پڑھادی۔ ❶

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ لَيِّنٍ. اس حدیث کو امام ابوداود نے نرم اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

شرح :...... مذکورہ حدیث کا مضمون واضح ہے کہ بارش وغیرہ کے عذر کی وجہ سے عید کی نماز مسجد میں ادا کر سکتے ہیں اور لَیِّن کی تعریف پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ عید کی نماز میں اصل اس کا کھلے میدان میں ادا کرنا ہے۔ عید کی نماز مسجد میں تو کسی عذر کی وجہ سے ہی ادا کی جائے گی۔
- یہ عذر بارش، طوفان، خوف، تاریکی، سخت سردی یا گرمی اور دشمن یا کسی درندے وغیرہ سے جان کا خوف بھی ہوسکتا ہے کہ ان اعذار کی وجہ سے عید کی نماز کو مسجد کے اندر ادا کرنا جائز ہے۔
- عید کی نماز کھلے میدان میں ادا کی جائے یا کسی عذر وغیرہ کی وجہ سے مسجد میں ادا کی جائے، دونوں صورتوں میں عید کی نماز حسب عادت ہی ادا کی جائے گی۔

15۔ بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوْفِ ...... نماز کسوف ❷ کا بیان

تمہید:...... صَلٰوةُ الْكُسُوْفِ: یہ اِضَافَةُ الشَّيْءِ اِلٰى سَبَبِهٖ کی قبیل سے ہے۔ یعنی اس نماز کا بیان جس کے ادا کیے جانے کا سبب کسوف یعنی آفتاب کا گہنا جانا ہو۔ اس موقع پر کسوف اور خسوف دو لفظ بولے جاتے ہیں۔ **ایک قول** یہ ہے کہ دونوں الفاظ کا معنی جدا جدا ہے۔ چنانچہ آفتاب کے گہنا جانے کو کسوف اور چاند کو گرہن لگ جانے کو خسوف کہا جاتا ہے جیسا کہ چاند گرہن کے لیے قرآن کریم میں بھی خسوف کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ o وَخَسَفَ الْقَمَرُ o﴾ (القیامۃ: 7-8)

''پھر جب آنکھ پتھرا جائے گی۔ اور چاند گہنا جائے گا۔''

لیکن زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ یہ دونوں لفظ مترادف اور ہم معنی ہیں۔

کسوف کا اصطلاحی معنی

فقہاء نے کسوف کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ یہ سورج یا چاند کی روشنی کے غائب یا کم ہو جانے کو کہتے ہیں۔ البتہ آفتاب یا ماہتاب کی روشنی کا یہ غائب یا کم ہو جانا بادل، گرد وغبار وغیرہ کے عام اسباب کی وجہ سے نہ ہو کہ اسے کسوف یا خسوف نہیں کہا جاتا ہے۔

کسوف اور خسوف کا سبب

سبب پھر اگر تو چاند کے زمین اور آفتاب کے درمیان حائل ہونے کی وجہ سے آفتاب کی روشنی غائب یا کم ہو جائے تو

---

❶ سنن ابی داود: 1160۔ اس حدیث کی اسناد میں عیسیٰ بن عبدالاعلی بن ابی فروہ ہے۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں: یہ راوی تقریباً غیر معروف ہے اور یہ حدیث منکر ہے۔ (میزان الاعتدال: 379/5) یہ حدیث "سنن ابن ماجہ" (1313) اور "المستدرك للحاكم" (435/1) میں بھی ہے۔ حاکم کہتے ہیں اس حدیث کی اسناد صحیح ہے اور اس کا ایک راوی ابویحییٰ تیمی صدوق ہے۔ مجروح راوی تو اس کا بیٹا یحییٰ بن عبیداللہ ہے۔

❷ کُسُوْف: آفتاب کو گرہن یا گہن لگنا۔ جب چاند کے سورج اور زمین کے درمیان حائل ہو جانے کی وجہ سے آفتاب کی روشنی غائب یا کم ہو جائے تو اسے کسوف کہتے ہیں جبکہ چاند کو گرہن لگنے کو خسوف کہا جاتا ہے۔ (القاموس الوحید، ص: 1406) (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے سورج گرہن کہتے ہیں اور زمین کے آفتاب اور ماہتاب کے بیچ میں حائل ہو جانے کی وجہ سے اگر ماہتاب کی روشنی غائب یا کم ہو جائے تو اسے چاند گرہن کہتے ہیں۔

گرہن لگنا کب ممکن ہے؟

مذکورہ بیان سبب کی رو سے آفتاب گرہن قمری مہینہ کے صرف آخری ایام میں ہی لگ سکتا ہے کیونکہ ان ایام میں چاند کا زمین اور آفتاب کے درمیان حائل ہونا ممکن ہوتا ہے اور چاند گرہن صرف ان راتوں میں ہی لگ سکتا ہے جب چاند مکمل ہوتا ہے اور یہ تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کی قمری راتیں ہیں کیونکہ ان راتوں میں چاند آفتاب سے زیادہ سے زیادہ دور ہوتا ہے کیونکہ چاند جتنا جتنا سورج کے قریب آتا جاتا ہے اس کی روشنی کم پڑتی جاتی ہے اور جتنا جتنا چاند سورج سے دُور اور اس کے بالمقابل آتا جاتا ہے اس کی روشنی بڑھتی جاتی ہے اور جتنا جتنا چاند سورج سے دُور ہوتا جاتا ہے اتنا ہی زمین کے ان دونوں کے درمیان حائل ہونے کا امکان بڑھتا جاتا ہے جو چاند کو گرہن لگنے کا سبب ہے۔

گرہن لگنے کے سبب کی نوعیت

مذکورہ بالا توجیہ سے یہ ثابت ہوا کہ سورج اور چاند کو گرہن کا لگنا ایک حسی اور فلکی سبب کی وجہ سے ہوتا ہے جس کو حساب کے ذریعے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ البتہ سورج اور چاند کو گرہن لگنے کا ایک سبب شرعی بھی ہوتا ہے جس کو صرف وحی کے ذریعے ہی معلوم کیا جا سکتا ہے اور وہ انبیاء ومرسلین کے واسطے سے ہی ممکن ہے جس کی صورت اب ممکن نہیں رہی کیونکہ نبی کریم ﷺ کے بعد وحی اور انبیاء ومرسلین کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔

سورج اور چاند کو گرہن لگنے کی شرعی وجہ کی غرض

گرہن کی شرعی وجہ کی غرض رب تعالیٰ کا بندوں کو اپنی نشانیاں دکھا کر ڈرانا ہے۔

گرہن لگنے کی کیفیت

گرہن پوری زمین پر بھی لگ سکتا ہے اور زمین کے بعض حصہ پر بھی لگ سکتا ہے۔

نماز کسوف اور اس میں دعا مانگنے کی مشروعیت کا بیان

490,491- عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيْمُ، فَقَالَ النَّاسُ: انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيْمَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ، لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُمَا فَادْعُوا اللّٰهَ وَصَلُّوْا حَتَّى تَنْكَشِفَ)).

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ دور نبوی میں ایک دفعہ اس دن آفتاب گہنا گیا جب (نبی کریم ﷺ کے فرزند ارجمند) سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ تو لوگوں میں گفتگو میں ہونے لگیں کہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات پر تو آفتاب بھی گہنا گیا ہے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے (لوگوں کے دلوں کے اس غلط عقیدہ کو درست کرنے کے لیے) ارشاد فرمایا: ''بے شک آفتاب اور ماہتاب رب تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، یہ دونوں کسی کی موت اور زندگی کی وجہ سے نہیں گہناتے پس جب تم ان دونوں کو (گہناتے) دیکھو تو رب تعالیٰ سے دعا مانگنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اور نماز پڑھنے میں لگ جاؤ۔ یہاں تک کہ (ان دونوں کو لگنے والا) گہن کھل جائے۔'' ❶

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ: ((حَتَّى تَنْجَلِيَ)).

اور صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''یہاں تک کہ (سورج اور چاند میں سے جس کو گہن لگا ہے اور اس کی روشنی غائب یا مدہم ہو گئی ہے) وہ (گرہن کے ختم ہو جانے کی وجہ سے) روشن ہو جائے۔''

وَلِلْبُخَارِيِّ مِنْ حَدِيثِ أَبِي بَكْرَةَ رضی اللہ عنہ: ((فَصَلُّوا، وَادْعُوا حَتَّى يَكْشِفَ مَا بِكُمْ)).

اور صحیح بخاری میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: ''پس تم لوگ نماز پڑھو اور دعا مانگو یہاں تک کہ جس مصیبت میں تم گرفتار ہو وہ کھل جائے ❷ (یعنی دُور ہو جائے)۔''

غریب الحدیث:...... **عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ**: عہد سے مراد زمانہ ہے کیونکہ انسان اس زمانہ میں جی رہا ہوتا ہے اور وہ اس زمانہ کو جانتا ہوتا ہے۔

يَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ: یہ نبی کریم ﷺ کے فرزند ارجمند، نورِ نظر اور لختِ جگر جناب ابراہیم رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے جد امجد رب جلیل کے خلیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے نام نامی اسم سامی پر ان کا نام بھی ابراہیم رضی اللہ عنہ رکھا تھا۔ آپ ﷺ کو ان کے وفات پا جانے کا بے حد غم ہوا تھا حتیٰ کہ آپ ﷺ کی مبارک آنکھوں سے فرطِ غم کی وجہ سے آنسو بہنے لگے تھے۔ ❶

فَقَالَ النَّاسُ: لوگوں نے یہ بات کہ جناب ابراہیم رضی اللہ عنہ کے وفات پا جانے سے سورج گہنا گیا ہے، لوگوں میں مشہور اس عقیدہ کی بنا پر کہی تھی کہ سورج اور چاند کو کسی عظیم آدمی کے مرنے یا پیدا ہونے پر ہی گرہن لگتا ہے۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کے لختِ جگر کے وفات پا جانے کا حادثہ بھی عظیم ہونے سے کم نہ تھا اس لیے لوگوں میں یہ بات گردش کرنے لگی کہ چونکہ آج جنابِ ابراہیم رضی اللہ عنہ وفات پا گئے ہیں اس لیے ان کی وفات کے غم میں نڈھال ہو کر آفتاب کو بھی گرہن لگ گیا ہے۔

اِنَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ: آيَاتٌ، آيَةٌ کی جمع ہے جس کی تثنیہ آيَتَانِ ہے آیت نشانی کو کہتے ہیں اور یہاں آیت سے آیت کونیہ مراد ہے۔

لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَ لَا لِحَيَاتِهٖ: چنانچہ ان دونوں کو گرہن لگنا امور فلکیہ میں سے ہے جو ایک امر حسی ہے جس کو احوال ارضیہ میں سے کسی بات کے حدوث کا یا اس کا سبب قرار نہیں دیا جا سکتا۔

وَ لَا لِحَيَاتِهٖ: کے کلمات پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ عرب صرف اس بات کے قائل تھے کہ کسی عظیم شخص کے مرنے پر سورج یا چاند کو گرہن لگتا ہے۔ البتہ کسی کے پیدا ہونے پر گہن لگنے کے وہ قائل نہ تھے۔ تب پھر آپ ﷺ نے عربوں کے اس باطل عقیدہ کے رد میں وَ لَا لِحَيَاتِهٖ کے کلمات کیوں ارشاد فرمائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلمات بطور عموم کے ارشاد

❶ صحيح البخاري: 1043- صحيح مسلم: 915. ❷ صحيح البخاري: 1063.
❸ صحيح البخاري: 1303- صحيح مسلم: 2316.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمائے کہ جہاں کسی کے مرنے پر ان دونوں کو گرہن نہیں لگتا وہیں کسی کی زندگی بھی ان کے گہنا جانے کا سبب نہیں۔

فَاِذَا رَاَیْتُمُوْهُمَا: مراد رؤیت بصریہ ہے اور مراد ان دونوں کو گرہن لگتے دیکھنا ہے۔ تب پھر یہاں مذکورہ فعل کا مفعول ثانی مقدر ہوگا اور تقدیری عبارت یوں ہے: فَاِذَا رَاَیْتُمُوْهُمَا کَاسِفَیْنِ.

فَادْعُوا اللّٰهَ: اس وقت اللہ سے یہ دعا مانگی جائے کہ اے اللہ! تو اس گرہن کو ختم فرما جو تیری ناراضی کی ایک نشانی ہے اور تو ہمیں معاف فرما کر ہم سے راضی ہو جا۔ تب پھر دعا میں استغفار بھی شامل ہے جیسا کہ ایک روایت میں اس موقع پر استغفار کرنے کا ذکر ہے۔

وَ صَلُّوْا: بظاہر یہ حکم مطلق ہے لیکن اس کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔ لہٰذا اس سے مراد وہ معروف اور مشروع نماز ہوگی جس کو نمازِ کسوف کہتے ہیں جس کا تفصیلی ذکر آگے آ رہا ہے۔

حَتّٰی تَنْجَلِیَ: یہ الفاظ گویا کہ پہلی روایت کے الفاظ حَتّٰی تَنْکَشِفَ کی شرح اور تفسیر ہیں کیونکہ انجلاء کا مطلب انکشاف ہی ہے۔ یعنی کھلنا، واضح ہونا اور روشن ہونا۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں اسلام کے ایک اہم عقیدہ کا بیان اور جاہلیت کے ایک باطل عقیدہ کا رد ہے۔ وہ یہ کہ زمین و آسمان کی کسی نشانی کو دیکھ کر رب تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا جائے اور دعا و استغفار اور نماز میں مشغول ہوا جائے۔

دوسرے یہ کہ زمین و آسمان کے نظام کی تدبیر صرف اور صرف اللہ جل جلالہ کے ہاتھ میں ہے۔ ان میں واقع ہونے والے کسی تغیر کا سبب صرف اسی کا حکم اور امر ہے۔ لہٰذا زمینی احوال میں سے کسی بات کا حدوث یا تغیر اس کا سبب ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ یہ ایک باطل عقیدہ ہے جس کا آپ ﷺ نے بھرپور اور مدلل رد فرمایا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- رب تعالیٰ کی حکمت میں ایک باطل عقیدہ کا رد طے تھا اس لیے تکوینی طور پر جناب ابراہیم رضی اللہ عنہ کی موت سورج گرہن کے دن ہوئی۔
- جناب رسول اللہ ﷺ کو بھی بحیثیت رب تعالیٰ کا ایک بندہ بشر ہونے کے اولاد کی جدائی کا غم سہنا پڑا، اسی طرح آپ ﷺ نے دوسرے انسانوں کی طرح متعدد مصائبِ دنیویہ کا سامنا فرمایا۔
- اولاد کا نام ''ابراہیم'' رکھنا مستحب ہے۔
- جناب ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کا یہ واقعہ جاں گداز دس ہجری میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ شریعتِ اسلامیہ نے باطل عقائد کا رد بتدریج کیا ہے کہ ایک باطل عقیدہ کی بازگشت ابھی باقی تھی جس کو آپ ﷺ نے ہمیشہ کے لیے ختم فرما دیا۔
- باطل کا رد واجب ہے چاہے اس کے قائل بے شمار لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔
- رب تعالیٰ کی نشانیاں بے شمار ہیں جن میں سے دو نشانیاں آفتاب و ماہتاب ہیں۔
- احوال ارضیہ کو نظامِ فلکی کی تغیر میں کوئی تاثیر مطلق حاصل نہیں۔
- آفتاب اور ماہتاب کو گرہن کا اگرچہ حساب فلکی ہے لیکن لہٰذا اگر فلکی حساب سے وہ وقت یا دن گرہن کا نہ بھی بنتا ہو تب بھی نماز

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور دعا میں لگ جانا چاہیے۔

- گرہن کے اثر کا ظاہر اور بین ہونا شرط ہے جس کی دلیل فَاِذَا رَأَيْتُمُوْهُمَا کے الفاظ ہیں۔ لہٰذا اتنا معمولی گرہن شرعاً معتبر نہ ہوگا جو صرف کسی رصد گاہ کی طاقتور دور بین سے ہی نظر آ رہا ہو۔
- رہے ارضی و سماوی حوادث جیسے زلزلے، سیلاب، طوفان، غضب کی بارشیں، قحط، وبائیں وغیرہ، ان میں بھی نماز پڑھنے یا نہ پڑھنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ خلافِ عادت جو بھی دل دہلا دینے والا واقعہ رونما ہو اس میں نماز پڑھنا مسنون ہوگا۔ یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ نماز صرف گرہن کی وجہ سے ہے۔ جبکہ ایک قول یہ ہے کہ گرہن کے علاوہ صرف زلزلوں میں یہ نماز پڑھی جائے گی جبکہ دیگر حوادث میں نہ پڑھی جائے گی۔ میرے نزدیک اولیٰ نص تک اقتصار کرنا ہی ہے۔
- معلوم ہوا کہ آفتاب یا ماہتاب کو گرہن لگنے کے وقت نماز اور دعا مشروع ہے۔ اس کی مشروعیت میں کسی کا بھی اختلاف مروی نہیں۔ البتہ اس نماز کے سنت یا واجب ہونے میں علماء کا اختلاف ضرور ہے۔ چنانچہ اس بارے میں تین اقوال ہیں:

(1) یہ نماز فرض عین ہے۔

(2) فرض کفایہ ہے (یہ دونوں احتمال اس نماز کو واجب تسلیم کرنے پر ہیں)۔

(3) یہ نماز صرف سنت ہے۔

البتہ دعا کے واجب ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ اگرچہ جمہور علماء نے اس نماز کو سنت کہا ہے لیکن میں اس کے فرض عین یا فرض کفایہ ہونے میں متردد ہوں۔ البتہ میرے نزدیک یہ نماز واجب ضرور ہے۔ لہٰذا اس نماز کو سنت تسلیم کرنا ضعیف ہے۔

- یہ نماز اور دعا گرہن کے کھل جانے تک جاری رہے گی اور مَا بِكُمْ کے کلمات بتلاتے ہیں کہ یہ نشانی بندوں کے حق میں ربانی تخویف ہے۔

نمازِ کسوف میں جہری قراءت کی جائے گی

492- وَعَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَهَرَ فِي صَلَاةِ الْكُسُوفِ بِقِرَاءَتِهِ، فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي رَكْعَتَيْنِ، وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَهَذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ.

وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ: فَبَعَثَ مُنَادِيًا يُنَادِيْ: ((الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ)).

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نمازِ کسوف میں جہری قراءت فرمائی اور اس کی دو رکعات کو چار رکوعوں اور چار سجدوں کے ساتھ ادا فرمایا۔ [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں۔ اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: پس آپ ﷺ نے ایک منادی کو بھیجا کہ وہ (لوگوں میں) اَلصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ کی ندا کرے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں چار اہم مسئلے بیان کیے گئے ہیں:

(1) نماز کسوف میں قراءت جہری ہے۔ (2) نماز کسوف کی رکعات دو ہیں۔

---

[1] صحيح البخاري: 1046- صحيح مسلم: 901.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(3) نمازِ کسوف کی ہر رکعت میں دو دو رکوع ہیں۔

(4) اور نماز کسوف کی لوگوں میں اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ کہہ کر منادی کی جائے گی۔

نماز کسوف میں قراءت جہری ہے

آفتاب گرہن ہمیشہ دن کو لگتا ہے۔ آپ ﷺ نے نماز کسوف کو دن میں ادا فرمایا مگر اس کے باوجود اس میں جہری قراءت فرمائی۔ اس بارے علماء نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے کہ دن کی ہر وہ نماز جس میں سب لوگ جمع ہوں اس میں جہری قراءت کی جائے گی جیسے جمعہ، عید اور اسی طرح کسوف کی نمازیں۔ کیونکہ اس سے لوگ زیادہ متنبہ اور بیدار ہوتے ہیں۔

نماز کسوف کی دو رکعات میں چار رکوع ہیں

اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ فِیْ رَکْعَتَیْنِ: بعض علماء نے اس کو شبہ تنافر قرار دیا ہے۔ یعنی یہ تنافر کی ایک قسم ہے جس میں طرفین ایک دوسرے سے دُور ہوتے ہیں وہ یوں کہ بھلا دو رکعات میں چار رکعات کیونکر ممکن ہو سکتی ہیں، چنانچہ یہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے دُور ہیں۔ اس لیے بعض نے اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ کو اَرْبَعَ رُکُوْعَاتٍ پر محمول کیا ہے، یعنی مراد دو رکعات میں چار رکوع ہیں اور ان دونوں باتوں میں کوئی تناقض و تنافر نہیں۔

نماز کسوف کے لیے منادی مشروع ہے

نماز کسوف کے لیے اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ کے الفاظ کے ساتھ منادی کرائی جائے گی۔ جَامِعَۃٌ پر خبر ہونے کی وجہ سے رفع بھی جائز ہے اور نصب بھی۔ تب پھر پہلا کلمہ بھی مفعول ہوگا اور جامع کا کلمہ فعل محذوف اُحْضُرُوْا کا مفعول ثانی ہوگا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نمازِ کسوف میں جہری قراءت مشروع ہے۔
- نماز کسوف کی ہر رکعت میں دو رکوع مشروع ہیں۔
- اصح قول یہ ہے کہ نماز کسوف میں بھی سجدے اپنی اصل پر رہیں گے اور وہ ہر رکعت میں دو سجدے ہیں۔
- احکام تشریعیہ میں حکمت یہ ہے کہ وہ علت یا سبب کے مناسب ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب سورج کا گرہن لگنا خلافِ عادت تھا تو اس کے لیے نماز بھی وہ مشروع کی گئی جس کی کوئی نظیر نہیں۔ تاکہ شرع اور قدر میں مناسبت پیدا ہو نہ کہ تناقض و تنافی۔
- نمازِ کسوف کے لیے "اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ" کے الفاظ کے ساتھ منادی کرانا مشروع ہے اور لامحالہ اس میں تکرار بھی ہوگا کیونکہ منادی نے گلی گلی پھرنا ہے اور ہر گلی کے لوگوں کو اس نماز کی اطلاع دینے کے لیے ان کلمات کو بار بار کہنا ہے۔
- نمازِ کسوف کا پہلا رکوع رکن جبکہ دوسرا سنت ہے، یہی اصح قول ہے۔ تب پھر جس نے پہلا رکوع پایا، رکعت پانے والا وہ کہلائے گا نہ کہ دوسرا رکوع پانے والا۔ البتہ جس کی پہلی یا دوسری رکعت رہ گئی، وہ اسے دونوں رکوعوں سمیت قضا ادا کرے گا۔

نماز کسوف ادا کرنے کا طریقہ

493-496- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: ((انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَصَلّٰی، فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا، نَحْوًا مِنْ قِرَاءَةِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا، ثُمَّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ (ایک دفعہ) نبی کریم ﷺ کے عہد میں آفتاب کو گرہن لگ گیا۔ پس آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی اور اس میں سورۂ بقرہ کی قراءت کرنے کے بقدر طویل قیام فرمایا۔ پھر طویل رکوع فرمایا، پھر رکوع

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا ، وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا ، وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ ، ثُمَّ سَجَدَ ، ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا ، وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا ، وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ ، ثُمَّ رَفَعَ ، فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا ، وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا ، وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ سَجَدَ ، ثُمَّ انْصَرَفَ ، وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ : ((صَلَّى حِيْنَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ فِي أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ)).

سے سر اٹھا کر طویل قیام فرمایا جو پہلے قیام سے کم تھا، پھر (دوبارہ) طویل رکوع فرمایا جو پہلے رکوع سے کم تھا، پھر (رکوع سے سر اُٹھا کر) سجدہ کیا، پھر (دونوں سجدوں سے فارغ ہوکر) طویل قیام کیا جو قیام سے کم تھا، پھر طویل رکوع کیا، جو پہلے رکوع سے کم تھا۔ رکوع سے سر اٹھا کر طویل قیام کیا جو (اس سے) پہلے والے قیام سے کم تھا۔ پھر طویل رکوع کیا جو (اس سے) پہلے والے رکوع سے کم تھا۔ پھر رکوع سے سر اٹھایا، پھر سجدہ کیا، پھر نماز ختم کی۔ جبکہ اس دوران آفتاب (کا گرہن) کھل چکا تھا۔ پس آپ ﷺ نے (اس کے بعد) لوگوں میں خطبہ ارشاد فرمایا۔ ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: **جب آفتاب گہنا گیا** تو آپ ﷺ نے آٹھ رکوعوں کو چار سجدوں میں (یعنی دو رکعت نماز کو آٹھ رکوعوں اور چار سجدوں کے ساتھ) ادا فرمایا۔

غریب الحدیث:...... **اِنْخَسَفَ الشَّمْسُ:** آفتاب گرہن کا یہ واقعہ وہی ہے جس کا ذکر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی گزشتہ روایت میں ہے۔ **نَحْوًا مِّنْ قِرَاءَةِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ:** اور یہ تقریباً اڑھائی پاروں پر مشتمل ہے۔ پھر یہ بھی معلوم اور بدیہی امر ہے کہ آپ ﷺ کی قراءت بے حد عمدہ، ترتیل کے ساتھ اور غور و تدبر والی ہوتی تھی۔ تب پھر صرف پہلی رکعت کا یہ قیام تقریباً اڑھائی گھنٹہ پر مشتمل تھا۔

ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا: یہ پہلی رکعت کا پہلا رکوع تقریباً پہلے قیام جتنا تھا۔ **وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ:** کیونکہ پہلے طویل قیام اور تقریباً اتنی ہی دیر کے رکوع کے بعد اب لوگ قدرے تھک چکے تھے۔ اس لیے آپ ﷺ نے دوسرے قیام میں تخفیف فرمائی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نماز کے آخر تک بتدریج تخفیف فرماتے رہے جیسا کہ بیان ہوا۔

ثُمَّ سَجَدَ: مذکورہ روایت میں دونوں رکعات کے دو دو سجدوں کی کیفیت مذکور نہیں۔ دیگر روایات سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ یہ سجدے بھی معمول سے ہٹ کر طویل تھے۔

ثُمَّ انْصَرَفَ: اس نماز کی مذکورہ پوری کیفیت میں تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز تقریباً چار گھنٹوں یا اس سے زیادہ وقت پر مشتمل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض کمزور اس دوران غش کھا کر گر پڑے تھے جیسا کہ دیگر روایات سے مستفاد ہوتا ہے۔

وَفِي رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ: صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق نمازِ کسوف کی ہر رکعت میں چار چار رکوع تھے۔

درایۃ الحدیث:...... حضرات محدثین کے نزدیک یہ قاعدہ مقرر ہے کہ متفق علیہ، اس روایت کی نسبت راجح ہے جس کے روایت کرنے میں صرف امام مسلم متفرد ہوں۔ لہٰذا متفق علیہ نمازِ کسوف کی ہر رکعت میں دو رکوعوں کا ہونا ہی مذکور ہے۔

---

❶ صحيح البخاري: 1052- صحيح مسلم: 907.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر یہ امر بھی معلوم ہے کہ سورج کو گرہن لگنے کا واقعہ دور نبوی میں صرف ایک بار ہی پیش آیا ہے۔ لہٰذا محفوظ روایت متفق علیہ ہو گی جبکہ صحیح مسلم کی منفرد روایت شاذ کہلائے گی۔ پس راجح قول نماز کسوف کی دو رکعات میں چار رکوعوں اور چار سجدوں کا ہوگا۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں نمازِ کسوف کے ادا کرنے کا طریقہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے اس نماز کو کس قدر رقوت، ہمت اور صبر کے ساتھ ادا فرمایا تھا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- جناب رسول اللہ ﷺ ...... میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں...... کی نماز اور عبادت میں اس قدر ہمت بتلاتی ہے کہ واقعی آپ ﷺ اس منصب کے اہل تھے کہ رب تعالیٰ آپ ﷺ کے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف فرما دے۔
- یہ بھی علی وجہ الاتم ثابت ہو گیا کہ واقعی آپ ﷺ ہی سب سے زیادہ رب تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے۔
- جہر کی تصریح بتلاتی ہے کہ نماز کسوف میں لوگوں کی کثیر تعداد شریک تھی۔
- چاہے مشقت بھی ہو مگر نمازِ کسوف کو خوب طویل ادا کیا جائے تاکہ سنت کی اتباع اور شریعت کی تطبیق نصیب ہو۔
- مذکورہ روایت نماز کسوف کے ادا کرنے کا تفصیلی طریقہ بیان کرتی ہے۔
- معلوم ہوا کہ نمازِ کسوف میں خطبہ نماز کے بعد ہے۔
- نماز کسوف میں مناسب یہ ہے کہ اس میں بتدریج تخفیف کی جائے۔ چنانچہ اس کا ہر رکن گزشتہ سے خفیف ہونا چاہیے۔
- گزشتہ میں یہ تفصیل بیان کی جا چکی ہے نماز کسوف کی ہر رکعت کے دو رکوعوں میں سے پہلا رکوع رکن اور دوسرا سنت ہے۔
- ذیل میں نماز کسوف کو ادا کرنے کے طریقہ کی بابت مروی چند دیگر روایات کو بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ مِثْلُ ذَلِكَ.

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی ایک حدیث مروی ہے۔ ❶

وَلَهُ عَنْ جَابِرٍ: ((صَلَّى سِتَّ رَكَعَاتٍ بِأَرْبَعِ سَجَدَاتٍ)).

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کے یہ الفاظ ہیں: ''نبی کریم ﷺ نے چھ رکوعوں کو چار سجدوں کے ساتھ ادا فرمایا۔'' ❷

وَلِأَبِي دَاوُدَ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ: ((صَلَّى فَرَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ، وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، وَفَعَلَ فِي الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذَلِكَ)).

اور سنن ابی داؤد میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: نبی کریم ﷺ نے نماز (کسوف) ادا فرمائی۔ پس آپ ﷺ نے (ایک رکعت میں) پانچ رکوع اور دو سجدے کیے اور دوسری رکعت میں بھی ایسے ہی کیا۔ ❸

شرح :...... اگر ایک رکعت میں پانچ رکوع ہوئے تو پھر دونوں رکعتوں میں دس رکوع ہوئے۔ علماء نے دو سے لے کر

---

❶ صحیح مسلم: 908.

❷ صحیح مسلم: 904.

❸ سنن ابی داود: 1182۔ المستدرك للحاكم: 481/1۔ حاکم کہتے ہیں کہ شیخین نے ابوجعفر رازی کو چھوڑ دیا ہے اور اس سے کوئی حدیث، روایت نہیں کی۔ حالانکہ ائمہ حدیث کے نزدیک اس کا حال اچھا ہے۔ اس حدیث کے متعدد الفاظ ہیں، اور اس کے رواۃ صادق ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو [illegible] (227/2) [illegible] ضعیف کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھ رکوعوں تک کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ سب اعداد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور ایسی روایات حکم کے اعتبار سے مرفوع ہوتی ہیں کیونکہ ان میں رائے کا کوئی دخل اور گنجائش نہیں ہوتی۔ اسی لیے علماء کا قول ہے کہ جب ایک صحابی رضی اللہ عنہ کسی فعل کو عبادت جان کر لے تو اس میں رائے کا کوئی دخل نہیں ہوتا اور وہ فعل اور قول مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتا ہے۔ جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نمازِ کسوف کی ہر رکعت میں تین تین رکوع کرنا مروی ہے۔ یوں اس روایت کے مطابق نمازِ کسوف کی دو رکعات میں چھ رکوع اور چار سجدے ہوں گے۔

تنبیہ:..... رکوعات کا یہ اختلاف بطور تخییر اور رغبت کے ہے۔ لہٰذا دو رکوعوں سے زیادہ کا اختیار ہے جس کا انحصار طبیعت کی نشاط اور بشاشت پر ہے۔ گویا کہ نمازِ کسوف کی طوالت و اختصار کا مدار مقتضائے حال پر ہوگا۔

تیز ہوا چلنے پر دعا میں مصروف ہو جانا

497- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((مَا هَبَّتِ الرِّيحُ قَطُّ إِلَّا جَثَا النَّبِيُّ ﷺ عَلَى رُكْبَتَيْهِ، وَقَالَ: ((اللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً، وَلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا)) .

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب بھی ہوا (ذرا تیز) چلنے لگتی تھی تو جناب رسول اللہ ﷺ (مارے خوف کے گڑگڑاتے ہوئے رب کے حضور) گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے تھے اور یہ دعا مانگنے لگتے تھے: ((اللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً، وَلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا .)) ''اے اللہ! اس ہوا کو رحمت (والی) بنا اور اسے عذاب (والی) نہ بنا۔'' ❶

رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَالطَّبَرَانِيُّ .

اس حدیث کو امام شافعی اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:..... هَبَّتْ: یہ تَحَرَّكَتْ کے معنی میں ہے۔ مراد ہوا کا چلنا ہے۔

قَطُّ: یہ مبنی بر ضم ظرف ہے اور یہاں نصب کے محل میں ہے۔

جَثَا: یہ گھٹنوں کے بل بیٹھنے کو کہتے ہیں۔

عَلٰى رُكْبَتَيْهِ: یہ خوف زدہ کے بیٹھنے کی حالت ہوتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً: مراد چلنے والی ہوا کو باعثِ رحمت بنانا ہے۔ مونث کی ضمیر بتلاتی ہے کہ ہوا عربی زبان میں مونث ہے۔ ❷

---

❶ مسند الشافعی، ص: 81۔ کتاب الام للشافعی: 253/1۔ المعجم الکبیر للطبرانی: 213/11، رقم الحدیث: 11533۔ اس حدیث کی روایت میں ایک راوی حسین بن قیس ہے جس کا لقب حنش ہے۔ یہ متروک راوی ہے۔ جبکہ حصین بن نمیر نے اسے ثقہ کہا ہے۔ مذکورہ روایت کے باقی کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ جیسا کہ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے ''المجمع'' (135/1-136) میں اس کی تصریح کی ہے۔

❷ اس بارے میں یہ قاعدہ یاد رہے کہ مونث کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں: (1) لفظی جس میں مونث کی کوئی علامت لفظوں میں موجود ہو اور وہ علامات تین ہیں: تا، الف مقصورہ اور الف ممدودہ۔ (2) مونث معنوی، یہ وہ لفظ ہے جو مونث ہونے پر تو دلالت کرے مگر اس میں تانیث کی کوئی علامت موجود نہ ہو۔ اس کی چار قسمیں ہیں: (1) وہ اعلام جو اناث کے لیے ہوں (2) وہ اسماء جو ذاتِ اناث کے ساتھ خاص ہوں۔ (3) شہروں اور قبیلوں کے نام۔ (4) اور جوڑا جوڑا اعضاء۔ پھر عربی زبان میں مونث معنوی کے بعض کلمات ایسے بھی ہیں جو ان مذکورہ قواعد کے تحت داخل نہیں۔ ان میں سے ایک قسم ہواؤں کے سب قسم کے نام ہیں کہ وہ بھی مونث معنوی کے تحت داخل ہیں جیسے: ریح، صبا، قبول، جنوب، دبور، صرصر، عاصف، شمال، هیف، حرور اور سموم وغیرہ۔ (دیکھیں: المنجد العربی فی الاعلام، دیباچہ، ص: ي، بیان الموصوف، المذکر و المؤنث) (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ لَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا: کیونکہ بعض ہوائیں رحمت تو بعض حامل عذاب ہوتی ہیں۔

ہواؤں کا حکم

ہوائیں رب تعالیٰ کی نشانیاں ہیں اور ان کا تصرف خالص رب تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ ان کی شدت وخفت، حرارت و برودت، ان میں موجود خیر و شر، نفع و نقصان اور رحمت و عذاب سب کا سب رب تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ نبی کریم ﷺ ہواؤں کے شر سے، ان میں موجود شر سے اور جس غرض کے لیے وہ بھیجی جاتی ہیں ان کے شر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ [1] نبی کریم ﷺ نے ہواؤں کو برا بھلا کہنے سے منع فرمایا ہے۔ [2] کیونکہ وہ خالص رب تعالیٰ کے حکم کے غلام اور اس کے امر کی مامور ہیں اس لیے ان ہواؤں پر لعنت کرنا کسی کے لیے بھی حلال نہیں۔ کیونکہ ان پر لعنت کرنا معاذ اللہ گویا کہ ان کے بھیجنے والے پر لعنت کرنا ہے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں ہواؤں کو رب تعالیٰ کی ایک نشانی بتلایا گیا ہے اس لیے تیز ہواؤں کو چلتا دیکھ کر رب تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار میں لگ جانا چاہیے اور رب تعالیٰ سے ان ہواؤں کے شر سے پناہ مانگنی چاہیے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس سے مراد تیز ہوائیں ہوں گی۔
- معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ ﷺ رب تعالیٰ سے بے حد ڈرنے والے تھے۔
- معلوم ہوا کہ جسے رب تعالیٰ کا جتنا عرفان نصیب ہوتا جاتا ہے وہ اتنا ہی رب تعالیٰ کی ذات سے ڈرنے والا بنتا چلا جاتا ہے۔
- یہ ہوائیں خالصتاً رب تعالیٰ کے امر کے تابع ہیں۔ اسی کے امر سے خوشی لاتی ہیں اور عذاب بھی اسی کے امر سے لاتی ہیں۔
- معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے گزشتہ کئی قوموں کو ہواؤں کے ذریعے عذاب بھیج کر ہلاک فرمایا تھا۔

زلزلوں کے آنے پر نماز پڑھنے کا حکم

498,499- وَعَنْهُ رضی اللہ عنہ: أَنَّهُ صَلَّى فِيْ زَلْزَلَةٍ سِتَّ رَكَعَاتٍ، وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ، وَقَالَ: ((هٰكَذَا صَلَاةُ الْآيَاتِ)).

رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ.

وَذَكَرَ الشَّافِعِيُّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ رضی اللہ عنہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) زلزلہ کے آنے پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے چھ رکوعوں اور چار سجدوں کے ساتھ (دو رکعت) نماز پڑھی اور (یہ بیان کر کے) فرمایا کہ (رب تعالیٰ کی کونی و آفاقی) نشانیوں (کے دیکھنے پر ادا) کی (جانے والی) نماز اسی طرح (ادا کی جاتی) ہے۔ (کہ اس کی دو رکعتیں ہوں اور ہر رکعت میں تین رکوع اور دو سجدے ہوں)۔ [3]

اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔

اور ایسی ہی ایک روایت امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ

---

[1] صحیح مسلم عن عائشة رضی اللہ عنہا: 899.

[2] جامع الترمذی: 2252- السنن الکبری للنسائی: 10769 عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ.

[3] سنن البیهقی: 343/3- امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ روایت صحیح ہے اور آگے یہ حدیث ذکر کی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِثْلَهُ دُونَ آخِرِه. سے روایت کی ہے۔ البتہ اس کے آخر میں مذکورہ بالا جملہ (کہ نشانیوں کی نماز ایسے ادا کی جاتی ہے) موجود نہیں۔ ❶

غریب الحدیث:...... عَنْهُ: مراد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔

فِي الزَّلْزَلَةِ: زلزلہ زمین کے زبردست ہلنے، جھنجھوڑ دیئے جانے اور لرزا دینے کو کہتے ہیں۔

مضمون حدیث:...... حدیث کا مضمون واضح ہے کہ جب زلزلہ آئے تو رب تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا جائے اور نماز پڑھی جائے۔

زلزلہ کا حکم

زلزلہ رب تعالیٰ کے حکم سے آتا ہے اور زلزلہ چند لحات میں ہی بستیوں کی بستیوں کو تہس نہس کر کے رکھ دیتا ہے۔ رب تعالیٰ زلزلہ کے ذریعے بسا اوقات نافرمان قوموں کو عذاب دے کر تباہ و برباد اور ہلاک کر دیتا ہے اور بسا اوقات لوگوں کو اس کے ذریعہ توبہ و استغفار کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ تاریخ انسانی بتلاتی ہے کہ زلزلوں سے آج تک ہونے والی ہلاکتوں کی تعداد بے حد اور بے حساب ہے۔ رہا یہ سوال کہ کیا زلزلہ کے آنے پر کسوف کی طرح نماز ادا کی جائے یا نہیں؟ تو علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض کا قول یہ ہے کہ نماز صرف کسوف اور خسوف کے ساتھ ہی خاص ہے۔ لہٰذا زلزلہ کے آنے پر نماز ادا نہ کی جائے گی۔ کیونکہ اس بارے نص آ گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ ''سورج اور چاند رب تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جن کے ذریعے رب تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتے ہیں۔'' پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ دورِ نبوی میں سورج کو گرہن لگنے کے علاوہ آندھیاں بھی آئیں اور زلزلہ کا واقعہ بھی پیش آیا مگر آپ ﷺ سے زلزلہ کی نماز پڑھنا مروی نہیں۔ لہٰذا صرف کسوف کی نماز پڑھی جائے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ کسوف کے ساتھ ساتھ زلزلہ کی بھی نماز پڑھی جائے گی کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زلزلہ کی نماز کا پڑھنا وارد اور مروی ہے اور جب کسی صحابی کے فعل کی بابت کسی دوسرے کا اختلاف مروی نہ ہو تو وہ فعل حجت ہوتا ہے۔ جبکہ ایک قول یہ ہے کہ ہر نشانی کے دیکھنے پر نماز پڑھی جائے گی سوائے اس صورت کے جس کی بابت معین سنت مروی ہو جیسے آندھی وغیرہ کے چلنے پر صرف استعاذہ اور استغفار اور اس آندھی کی خیر کا سوال کرنا ہی مروی ہے، لہٰذا اس کے لیے کوئی نماز نہ ہوگی جبکہ دوسرے وہ امور جن کو دیکھ کر لوگ خوف زدہ ہو جائیں ان کے لیے نماز پڑھی جائے گی۔ جیسے رات میں چاند کی روشنی کے علاوہ کوئی تیز روشنی نظر آئے یا دن میں تاریکی چھا جائے یا زمین سے گڑگڑانے کی ہیبت ناک آوازیں آنے لگیں یا آسمان سے دل دہلا دینے والی کڑک سنائی دینے لگے تو ان امور کے لیے بھی نماز ادا کی جائے گی کیونکہ یہ جملہ امور خلاف عادت ہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

16۔ بَابُ صَلَاةِ الْإِسْتِسْقَاءِ ...... نماز استسقاء کا بیان

تمہید: استسقاء کا معنی:...... صَلَاةُ الْإِسْتِسْقَاءِ: یہ إِضَافَةُ الشَّيْءِ إِلَى سَبَبِهِ کی قبیل سے ہے۔ یعنی وہ نماز جو استسقاء کی وجہ سے پڑھی جائے، اس کا بیان۔

اِسْتِسْقَاء: یہ سُقْيَا یعنی سیرابی کے طلب کرنے کو کہتے ہیں۔ یعنی جب بارشیں نہ ہونے کی وجہ سے زمینیں بنجر اور ویران

❶ کتاب الام للشافعی: 168/7.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونے لگیں، اس وقت ان کی سیرابی، ہریالی اور خوشحالی کو طلب کرنے کے لیے پڑھی جانے والی نماز کو نمازِ استسقاء کہتے ہیں۔

نمازِ استسقاء کی حکمت وعلت

استسقاء کے لیے نماز اس لیے پڑھی جاتی ہے کیونکہ بارشیں صرف اور صرف اللہ ہی برساتا ہے، اس لیے نماز پڑھ کر اسی سے بارش برسانے کی دعا مانگی جائے اور استسقاء کے لیے نماز کی مشروعیت اس لیے ہے کیونکہ نماز قبولیتِ دعا کے اسبابِ قویہ میں سے ہے۔ پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ زمینوں سے غلے اگانے میں بارش کو تاثیر اصلیہ حاصل نہیں۔ غلے بھی رب تعالیٰ کے حکم سے ہی اگتے ہیں۔ اگر رب تعالیٰ کا امر نہ ہوگا تو بارشوں کے باوجود بھی غلے نہ اگیں گے جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ''قحط بارش کا نہ ہونا نہیں بلکہ قحط تو یہ ہے کہ بارش ہونے کے باوجود غلے نہ اگیں۔'' ❶ رب تعالیٰ اس مصیبت سے ہمیں عافیت نصیب فرمائے۔

استسقاء کی صورتیں

استسقاء کی مندرجہ ذیل متعدد صورتیں ہیں:

(1) سب لوگ انفرادی طور پر اپنی اپنی نمازوں میں بارش برسنے کی دعا کریں۔

(2) جمعہ کے خطبہ میں بارش برسنے کی دعا مانگی جائے جیسا کہ حدیث انس رضی اللہ عنہ میں آتا ہے۔

(3) کسی بھی جگہ بارش کی دعا مانگ لی جائے۔ (4) عیدگاہ کی طرف نکل کر بارش کی دعا مانگی جائے۔

استسقاء کی مشروعیت

ایک موقع پر خود حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش برسنے کی دعا مانگنے کی استدعا کی تھی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی جس پر اتنی بارش برسی کہ لوگوں کو اپنی چھتیں ٹپکنے کا اندیشہ ہونے لگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا مانگنا استسقاء کی مشروعیت کی دلیل ہے۔

نمازِ استسقاء کے طریقہ اور اس کے خطبہ کا بیان

500- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ مُتَوَاضِعًا، مُتَبَذِّلًا، مُتَخَشِّعًا، مُتَرَسِّلًا، مُتَضَرِّعًا، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، كَمَا يُصَلِّي فِي الْعِيدِ، لَمْ يَخْطُبْ خُطْبَتَكُمْ هَذِهِ))

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ (ایک دفعہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (نمازِ استسقاء ادا کرنے کے لیے نکلے تو) بڑی عاجزی و تواضع کے ساتھ، معمولی کپڑوں میں (خوف و خشیت اور خشوع (و خضوع) کے ساتھ دھیمے دھیمے چلتے (اور اللہ سے) گریہ و زاری کرتے ہوئے نکلے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عیدگاہ پہنچ کر) دو رکعت نماز ادا کی جیسے عید میں نماز ادا فرماتے تھے (اور اس کے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے اس خطبہ کی طرح خطبہ نہ دیا۔ ❷

❶ صحيح مسلم: 2904.

❷ سنن ابی داود: 1165- جامع الترمذی: 558- امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ سنن النسائی: 156/3- سنن ابن ماجه: 1266- مسند احمد: 355/1- امام ابن خزیمہ (1408) اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (2862) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ المستدرك للحاكم: 474/1- امام حاکم کہتے ہیں: اس حدیث کے رواۃ میں سے کسی ایک کی بابت بھی، میں نہیں جانتا کہ اس کی طرف کسی قسم کی جرح منسوب کی گئی ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَأَبُوْ عَوَانَةَ وَابْنُ حِبَّانَ . اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی، امام ابو عوانہ اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... مُتَوَاضِعًا: یہ اور اس کے بعد مذکورہ کلمات سب حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں اور یہ اَلنَّبِيُّ کے لفظ سے حال ہیں۔ متواضع بن کر نکلنے سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ رب کے حضور ایک عاجز بندہ بن کر نکلے نہ کہ شاہوں کی طرح کروفر اور ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ نکلے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے اردگرد حشم وخدام کی بھیڑ نہ تھی بلکہ آپ ﷺ ایک عام آدمی بن کر بارش کی دعا مانگنے نکلے۔

مُتَبَذِّلًا: مراد عام کپڑے پہننا ہے۔ کیونکہ یہ موقع تضرع وابتہال اور گریہ وزاری کا تھا نہ کہ زیب وزینت اور تجمل وآرائش کے ساتھ فرحت وانبساط اور طرب وسرور کا موقع تھا۔

مُتَخَشِّعًا: یعنی آپ ﷺ کی صورت وہیئت اور حرکات وسکنات سے خشوع وخضوع ٹپک رہا تھا نہ کہ غفلت ولاپروائی۔ جب ظاہر بدن کا یہ حال تھا تو دل میں خشوع کا ہونا بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

مُتَرَسِّلًا: یعنی آپ ﷺ ٹھہر ٹھہر کر دھیمے دھیمے چل رہے تھے نہ کہ عجلت اور سرعت کے ساتھ۔

مُتَضَرِّعًا: تضرع، یہ رب کے حضور رونے اور گڑگڑانے کو کہتے ہیں۔ جس میں بندہ اپنے پروردگار کے سامنے اپنے فقر و احتیاج اور حاجت وضرورت کو پیش کرتا ہے۔

فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ كَمَا يُصَلِّي فِي الْعِيْدِ: جس سے معلوم ہوا کہ اس نماز میں بھی عید کی نماز کی طرح زائد تکبیریں تھیں ورنہ رکعتین کے لفظ سے مدعا کا بیان پورا ہو گیا تھا۔

لَمْ يَخْطُبْ خُطْبَتَكُمْ هٰذِهِ: ان الفاظ میں نبی کریم ﷺ کے خطبہ کی طرف اشارہ ہے جس کی حقیقت ہمیں معلوم نہیں اور نہ حضرات شارحین رحمہم اللہ نے اس کی کوئی تفسیر ہی بیان کی ہے۔ لگتا یوں ہے کہ دور نبوی کے بعد لوگوں نے لمبے لمبے خطبے دینا شروع کر دیئے تھے جن سے لوگ تنگ ہو جاتے تھے۔ یا پھر یہ مراد ہے کہ بعد کے زمانہ میں لوگوں نے اپنے خطبوں میں غیر مسنون دعائیں مانگنا شروع کر دی تھیں۔ غرض یہاں خطبہ کی مطلق نفی نہیں بلکہ راوی کے عہد میں رائج خطبوں سے مشابہت کی نفی ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ چونکہ رب تعالیٰ سے ایک سوال کرنا ہے اس لیے سائلانہ رنگ اختیار کیا جائے جس میں اپنی احتیاج، ضرورت اور حاجت کو ظاہر کیا جائے۔ لہٰذا بارش کی دعا مانگتے وقت عاجزی وزاری کی شان نمایاں ہو، نہ کہ بڑائی اور بے نیازی کا رنگ غالب ہو، دوسرے نماز استسقاء دو رکعت ہے اور یہ نماز عید کی نماز کی طرح زائد تکبیروں پر مشتمل ہے اور اس کے بعد خطبہ بھی مشروع ہے۔ البتہ خطبہ میں غیر مسنون امور سے گریز کیا جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نماز استسقاء کے لیے عیدگاہ یا کسی کھلے میدان کی طرف باہر نکلنا مشروع ہے۔ جس کی دلیل خَرَجَ کے الفاظ ہیں۔
- نمازِ استسقاء کے لیے عاجزی تواضع اور گریہ وزاری کے ساتھ نکلا جائے۔
- نمازِ استسقاء دو رکعت مشروع ہے اور اسے نمازِ عید کی طرح زائد تکبیروں کے ساتھ ادا کیا جائے گا۔
- نماز استسقاء کا خطبہ مختصر ہو تا کہ لوگ اکتا نہ جائیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ معلوم ہوا کہ لوگوں میں تبدیلی دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہی آ گئی تھی جس کی دلیل لَمْ يَخْطُبْ خُطْبَتَكُمْ هٰذِهِ کے الفاظ ہیں۔

◈ اہل علم پر لازم ہے کہ وہ خلافِ سنت امور پر لوگوں کو متنبہ کرتے رہا کریں جیسا کہ یہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما غیر مسنون خطبہ پر لوگوں کو متنبہ کر رہے ہیں۔

نمازِ استسقاء میں دعا کا بیان

501,503- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: شَكَا النَّاسُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قُحُوْطَ الْمَطَرِ، فَأَمَرَ بِمِنْبَرٍ، فَوُضِعَ لَهُ فِي الْمُصَلَّى، وَوَعَدَ النَّاسَ يَوْمًا يَخْرُجُوْنَ فِيْهِ، فَخَرَجَ حِيْنَ بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ، فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَكَبَّرَ وَحَمِدَ اللّٰهَ، ثُمَّ قَالَ: ((إِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدْبَ دِيَارِكُمْ، وَقَدْ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ أَنْ تَدْعُوْهُ، وَوَعَدَكُمْ أَنْ يَّسْتَجِيْبَ لَكُمْ، ثُمَّ قَالَ: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ))، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ، اَللّٰهُمَّ أَنْتَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ. أَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ، وَاجْعَلْ مَا أَنْزَلْتَ عَلَيْنَا قُوَّةً وَبَلَاغًا إِلَى حِيْنٍ)). ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ، فَلَمْ يَزَلْ حَتّٰى رُئِيَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ، ثُمَّ حَوَّلَ إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ، وَقَلَبَ رِدَاءَهُ، وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَنَزَلَ، فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، فَأَنْشَأَ اللّٰهُ تَعَالَى سَحَابَةً، فَرَعَدَتْ، وَبَرَقَتْ ثُمَّ أَمْطَرَتْ)).

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (ایک دفعہ) لوگوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کے حضور بارشوں کے نہ ہونے کی شکایت کی۔ اس پر آپ ﷺ نے (عیدگاہ میں) منبر (لے جا کر رکھ دینے) کا حکم دیا۔ چنانچہ اسے آپ ﷺ کے لیے عیدگاہ میں رکھ دیا گیا۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے ایک دن کا وعدہ فرما لیا (یعنی ایک دن طے کر لیا) جس میں وہ سب (بارش کی دعا مانگنے کے لیے) نکلیں گے۔ پس آپ ﷺ آفتاب کا کنارہ ابھرتے ہی نکل کھڑے ہوئے (اور سب لوگوں کو لے کر مصلّٰی پہنچے) اور (وہاں پہلے سے رکھ دیئے گئے) منبر پر تشریف فرما ہو گئے۔ آپ ﷺ نے تکبیر کہی اور رب تعالیٰ کی حمد بیان کی پھر ارشاد فرمایا: ''تم لوگوں نے اپنے علاقوں کے بنجر ہو جانے کی (اور قحط زدہ ہو جانے کی مجھ سے) شکایت کی ہے اور اللہ نے تم لوگوں کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ تم اس سے دعا مانگو اور تم لوگوں سے اس بات کا وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہاری دعا (ضرور) قبول کرے گا۔'' پھر آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ...... وَبَلَاغًا إِلَى حِيْنٍ.)) ''سب تعریفیں اسی اللہ کو سزاوار ہیں جو سب جہانوں کا پروردگار ہے، بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے، فیصلے کے دن کا مالک ہے، (اس) اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اے اللہ! اللہ تو ہی ہے، تیرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، تو بے نیاز ہے، جبکہ ہم (حاجت مند، نیاز مند اور) فقیر ہیں، تو ہم پر بارش نازل فرما اور جو تو ہم پر نازل فرمائے اسے ہمارے لیے ایک مدت تک قوت اور حاجت برآری کا ذریعہ بنا دے۔'' پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ کو اٹھایا۔ آپ ﷺ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اسی طرح اٹھائے رکھا یہاں تک کہ آپ ﷺ کی مبارک بغلوں کی سفیدی دکھائی دینے لگی۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی پیٹھ مبارک کو لوگوں کی طرف پھیر دیا اور اپنی چادر کو ہاتھوں کو اٹھائے ہوئے ہی پلٹا، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور منبر سے اتر کر دو رکعت نماز پڑھائی۔ پس (دیکھتے ہی دیکھتے) رب تعالیٰ نے بادلوں کی ایک ٹکڑی پیدا فرمائی۔ وہ ٹکڑی گرجنے، چمکنے لگی اور پھر برسنے لگی۔ ❶

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ، وَقَالَ: غَرِيْبٌ، وَإِسْنَادُهُ جَيِّدٌ.

اس حدیث کو امام ابو داوَد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد عمدہ ہے۔

غریب الحدیث :......شَكَا النَّاسُ: شکایت کرنا، شکایت کسی تک اپنا شکویٰ لے جانے کو کہتے ہیں اور یہ پہنچنے والی تکلیف کے اس کے سامنے ذکر کرنے کو کہتے ہیں جو اس تکلیف کو دُور کر سکے۔ چاہے خود کر سکے یا کسی وسیلہ اور ذریعہ سے ہی دُور کر سکے۔ چنانچہ یہاں لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے بارش نہ ہونے کی شکایت اس لیے نہ کی تھی کہ آپ ﷺ بارش برسا سکتے تھے بلکہ اس لیے کی تھی کہ آپ ﷺ کی دعا کے سبب سے یہ تکلیف دُور ہو جائے گی۔

قُحُوْطَ: یہ قَحَطَ يَقْحُطُ کا مصدر ہے جس کا معنی ہے کہ رکنا اور بند ہونا۔ مراد بارش کا بند ہونا ہے۔

مِنْبَر: اس کی لغوی تحقیق بیان کر دی گئی ہے۔

بِالْمُصَلّٰى: مراد عیدگاہ ہے۔

وَ وَعَدَ النَّاسَ يَوْمًا: آپ ﷺ نے یہ تو نہ طے فرمایا تھا کہ وہ دن کون سا ہوگا۔ البتہ یہ ضرور طے فرمایا تھا کہ کسی ایک دن دعا مانگنے نکلیں گے۔ تاکہ لوگ نکلنے کے لیے تیار رہیں۔

حِيْنَ بَدَا: بَدَا ظاہر ہونے کو کہتے ہیں۔ مراد سورج کا طلوع ہونا اور اس کی ٹکیہ کے ابھرنے کا شروع ہونا ہے۔

حَاجِبُ الشَّمْسِ: ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد آفتاب کی ضیاء ہے۔ کیونکہ آفتاب کی ضیاء نگاہ کو آفتاب کے دیکھنے سے روک دیتی ہے۔ (هكذا ذكره فى القاموس المحيط للفيروز آبادى) بعض نے اس کا معنی سورج کی ٹکیہ بھی لیا۔ لیکن اگر اس سے مراد آفتاب کی روشنی ہو تو مراد آفتاب کا اس قدر بلند ہو جانا ہوگا کہ جب اس کی روشنی نگاہوں کو چندھیانے لگے اور وہ آفتاب کی ٹکیہ کے دیکھنے سے آڑ بن جائے۔

فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ: معلوم ہوا کہ نمازِ استسقاء میں خطبہ نماز سے قبل ہے۔

فَكَبَّرَ: یعنی آپ ﷺ نے اللہ اکبر کہا۔

وَ حَمِدَ اللّٰهَ: یعنی اَحْمَدُ اللّٰهَ کہا یا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا۔

---

❶ سنن ابي داود: 1173۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ (991) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ المستدرك للحاكم: 476/1۔ حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ "المجموع" (86/5) میں کہتے ہیں: اس حدیث کی اسناد جید ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جَدْبَ دِيَارِكُمْ: حدیث کے اول میں قُحُوْط کا ذکر ہے جبکہ یہاں نبی کریم ﷺ جَدْبَ الْاَرْضِ کا ذکر فرما رہے ہیں۔ جَدْبَ کہتے ہیں زمین کے کچھ نہ اگانے اور بنجر ہو جانے کو۔ معلوم ہوا کہ بسا اوقات بارشیں ہونے کے باوجود بھی زمین کچھ نہیں اگاتی۔ پس قحط میں اعتبار بارشوں کے نہ ہونے کا نہیں بلکہ زمینوں کے غلہ نہ اگانے کا ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے مقصود کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

وَ قَدْ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَدْعُوْهُ: اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (غافر: 60) ''اور تمھارے رب نے فرمایا مجھے پکارو، میں تمھاری دعا قبول کروں گا۔'' اسی طرح سورہ بقرہ (آیت: 186) اور سورۂ اعراف (آیت: 55) میں بھی رب تعالیٰ کے حضور نیازمندی کرتے ہوئے دعا مانگنے کا ذکر ہے۔ غرض قرآنِ کریم ﷺ میں یہ مضمون متعدد بار آیا ہے کہ اپنی حاجتیں اسی اللہ سے مانگو۔

وَ وَعَدَكُمْ اَنْ يَّسْتَجِيْبَ لَكُمْ: یہ وعدہ اس آیت میں مذکور ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (غافر: 60) ''اور تمھارے رب نے فرمایا مجھے پکارو، میں تمھاری دعا قبول کروں گا۔'' استجابت کا یہ وعدہ سورۂ بقرہ (آیت: 186) میں بھی مذکور ہے۔ رہا یہ سوال کہ استجابت کا یہ وعدہ مطلق ہے یا نہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ وعدہ مطلق ہے۔ لہٰذا یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا البتہ اس کی چند شروط ہیں جنہیں مفصل ذکر کر دیا گیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ: اس کے بعد آپ ﷺ نے سورۂ فاتحہ کی ان تین آیات کی تلاوت فرمائی۔ کیونکہ رب تعالیٰ کی حمد و ثنا میں یہ آیات بلیغ ترین ہیں۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی لغوی اور معنوی تحقیق کو کتاب ہذا میں متعدد مقامات پر ذکر کر دیا گیا ہے۔

يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ: اگر تو فعل سے مراد وہ فعل ہے جو رب تعالیٰ خود کرتے ہیں تو اس سے ارادۂ شرعی و کونی دونوں مراد ہیں اور اگر فعل سے مراد مخلوق میں سے کسی کا فعل ہے تو اس سے ارادۂ کونیہ مراد ہے۔ رہا ارادۂ شرعیہ تو بسا اوقات مخلوق اس کو نہیں بھی کرتی۔ اس کی تفصیل بارہا بیان کی جا چکی ہے۔

اَللّٰهُمَّ: یہ یَا اَللّٰهُ کے معنی میں ہے۔

اَنْتَ اللّٰهُ: یہ جملہ خبریہ ہے جو حصر کا فائدہ دے رہا ہے کیونکہ یہاں جملہ کے دونوں اطراف مبتدا اور خبر معرفہ ہیں اور جب مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو مراد حصر ہوتا ہے۔ (لہٰذا اس کا ترجمہ بھی حصر کے ساتھ ''اللہ تو ہی ہے'' کہہ کر کیا جائے گا۔ جیسا کہ بندہ عاجز مترجم نے اس کا یہی ترجمہ لکھا ہے۔)

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ: یہ جملہ گزشتہ حصر کی تاکید مزید ہے۔

اَنْتَ الْغَنِيُّ: یعنی اللہ ہر ایک سے اور ہر چیز سے غنی، بے پروا اور بے نیاز ہے، رب تعالیٰ اپنی ذات سے اپنی سب مخلوقات سے بے پروا ہے۔

وَ نَحْنُ الْفُقَرَاءُ: نبی کریم ﷺ نے رب تعالیٰ کے غنا اور ہم بندوں کے فقر و احتیاج کو مطلوب تک پہنچنے کا وسیلہ بنایا ہے۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چاہے ہم غنی بھی ہوں تب بھی ہم رب تعالیٰ کے محتاج ہیں جس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ (فاطر: ۱۵)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اے لوگو! تم ہی اللہ کی طرف محتاج ہو اور اللہ ہی سب سے بے پروا، تمام تعریفوں کے لائق ہے۔''

اَنْزِلْ عَلَیْنَا الْغَیْثَ: یہ فعل بمعنی دعا کے ہے اور یہاں اِنْزَال کا مادہ اس لیے استعمال فرمایا کیونکہ بارش آسمانوں سے اترتی ہے۔ آپ ﷺ نے ''مطر'' کی بجائے غیث کا لفظ ذکر فرمایا کیونکہ غیث کا معنی ہے سختی کا دور کرنا اور بارش کبھی برستی تو ہے مگر وہ بندوں کی مصیبت دُور نہیں کرتی، اس لیے آپ ﷺ نے ''مطر'' کی بجائے غیث کا لفظ استعمال فرمایا۔ مراد یہ ہے کہ اے اللہ! ہم پر ایسی بارش برسا جو ہماری سختی اور مصیبت کو دُور کر دے۔

قُوَّةً وَ بَلَاغًا: یعنی وہ بارش تیری طاعت کرنے میں ہماری قوت بنے اور بلاغ اس شے کو کہتے ہیں جو انسان کی حاجت کو پہنچے یعنی اس کو دُور کر دے۔ (تب پھر بَلَاغًا کا فصیح ترجمہ حاجت روا ہوگا یعنی اے اللہ ہم پر ایسی بارش برسا جو تیری فرمانبرداری کرنے میں ہماری قوت و طاقت بنے اور ہماری حاجت روا بھی بنے) اور اس سے مراد پانی اور غلے ہیں کہ جن سے ہماری خوراک اور غذا کا بندوبست ہوتا ہے۔

رَفَعَ یَدَیْهِ: آپ ﷺ نے ایسا دعا میں مبالغہ کرنے کے لیے کیا تھا۔

بَیَاضُ اِبْطَیْهِ: اس کا معنی بیان کیا جا چکا ہے۔

ثُمَّ حَوَّلَ اِلَی النَّاسِ ظَهْرَهٗ: تب پھر آپ ﷺ کا قبلہ رُو ہونا لازم آیا۔

قَلَّبَ رِدَاءَهٗ وَ هُوَ رَافِعٌ یَدَیْهِ: وَ هُوَ رَافِعٌ یَدَیْهِ یہ جملہ حالیہ ہے اور یہ قَلَّبَ فعل کی ضمیر سے حال ہے اور مراد یہ ہے کہ چادر پلٹنے کے بعد بھی آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے رکھے تھے۔

مضمون حدیث:...... یہ نماز استسقاء ادا کرنے کے ایک طریقہ کا بیان ہے جس کی تفصیل اوپر مذکور ہو چکی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اہل صلاح و تقویٰ کے سامنے اپنے دکھ درد اور رنج و تکلیف کو بیان کیا جا سکتا ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ یہ خالق پروردگار کی شکایت اور اس کا شکوہ نہیں۔
- نمازِ استسقاء کے لیے مناسب ہے کہ امام یا خطیب لوگوں سے ایک دن طے کر لے کہ اس دن سب نکل کر بارش کی دعا مانگیں گے اور صحیح قول یہ ہے کہ آپ ﷺ نے لوگوں کو اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم نہیں دیا تھا۔
- نماز استسقاء میں خطبہ قبل از نماز اور برسر منبر ہوگا بخلاف نماز عید کے کہ اس کا خطبہ بدون منبر کے اور نماز کے بعد ہوتا ہے۔
- مناسب ہے کہ نمازِ استسقاء عیدگاہ میں ادا کی جائے جس کی دلیل "بِالْمُصَلّٰی" کے الفاظ ہیں۔
- نماز استسقاء دن کے شروع میں پڑھی جائے کہ افضل اور سنت یہی ہے البتہ رات کو بھی یہ دعا مانگی جا سکتی ہے۔
- خطیب کو چاہیے کہ وہ خطبہ میں لوگوں کو دلاسا دے اور ان کی ہمت بندھائے جس کی دلیل شَکَوْتُمْ جَدْبَ دِیَارِکُمْ کے الفاظ ہیں۔
- لوگوں کو اللہ کے احکام یاد دلائے جائیں جس کی دلیل وَ قَدْ اَمَرَکُمُ اللّٰهُ اَنْ تَدْعُوْهُ کے الفاظ ہیں۔
- معلوم ہوا کہ دعا مانگنے کا امر اور اس کی قبولیت کا وعدہ بھی رب تعالیٰ نے کیا ہے۔
- خطبہ کو رب تعالیٰ کی حمد و ثنا سے شروع کیا جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کی ربوبیت عام اور مبنی بر رحمت ہے۔
- معلوم ہوا کہ روزِ قیامت کی حاکمیت و بادشاہت رب تعالیٰ کی ہی ہے اور ان الفاظ میں قیامت اور معاد کا اثبات بھی ہے اور روزِ قیامت جزاء و سزا کا بھی اثبات ہے۔
- معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کے سوا ہر شے مخلوق اور رب تعالیٰ کی محتاج ہے۔ رب اور خالق صرف اللہ رب العالمین ہی ہے اور الٰہ بھی وہی ایک اکیلا یکتا بلا شرکت غیرے ہے۔
- رب تعالیٰ کے ارادہ کی راہ میں کوئی شے مانع اور حائل نہیں اور رب تعالیٰ کا ہر فعل، ارادہ اور مشیت مبنی بر حکمت ہے۔ اس بات کا اعتقاد رکھنا واجب ہے۔
- دعا میں بھی توحید کا تکرار اور اعادہ مستحب ہے۔
- اپنے فقر و احتیاج کا اظہار دعا کی قبولیت میں قوی اثر رکھتا ہے۔
- غنی مطلق صرف اور صرف اللہ ہی ہے۔ جبکہ ساری کی ساری مخلوق سراپا محتاج اور اسی کی محتاج ہے۔
- دعا کے وقت رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور اس کی صفاتِ جمالیہ و کمالیہ کا توسل مستحب ہے۔
- دعا اس چیز کی مانگی جائے جس میں دنیا و آخرت کا فائدہ ہو۔ لہٰذا کسی کے ضرر کی دعا مانگنا حرام ہے اسی طرح دعا میں کسی پر ظلم و زیادتی کرنا بھی حرام ہے، جس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔
- مناسب یہ ہے کہ دعا میں تکرار ہو۔
- دعائے استسقاء میں رفع یدین مستحب ہے اور اس میں مبالغہ مطلوب ہے جس کی دلیل حَتّٰی رُئِيَ بَيَاضُ اِبْطَيْهِ کے الفاظ ہیں اور اس میں اس بات کا بھی اثبات ہے کہ رب تعالیٰ اوپر اور ہر شے سے اوپر ہے۔
- اور سوائے خطبہ استسقاء کے اور کسی خطبہ میں رفع یدین نہ کیا جائے۔
- بَيَاضُ اِبْطَيْهِ کے الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدمی کو اپنے ناخنوں زیر ناف بالوں اور بغلوں کے بالوں کا خیال رکھنا چاہیے لہٰذا ان کو بروقت دور کرتے رہنا چاہیے تا کہ نظافت و پاکیزگی حاصل رہے۔
- معلوم ہوا کہ بغلیں ستر میں داخل نہیں۔
- خطبہ استسقاء میں رخ نمازیوں کی طرف ہو۔
- اس قصہ میں رب تعالیٰ کی قدرت اور نبی کریم ﷺ کے ایک معجزہ کا بھی بیان ہے کہ دعا کے ختم ہوتے ہی رب تعالیٰ کی قدرت سے بادل ظاہر ہو کر گرجنے، چمکنے اور برسنے لگے تھے۔
- سبب کی طرف اضافت جائز ہے۔
- معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے اسباب کو مسببات سے مربوط کر رکھا ہے۔

نمازِ استسقاء میں چادر پلٹنا اور جہری قراءت کرنا

وَقِصَّةُ التَّحْوِيْلِ فِي الصَّحِيْحِ مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ، وَفِيْهِ: ((فَتَوَجَّهَ إِلَى

ایک صحیح حدیث میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے چادر پلٹنے کا قصہ مذکور ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: پھر آپ ﷺ قبلہ کی طرف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْقِبْلَةِ يَدْعُو، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيهِمَا بِالْقِرَاءَةِ)). متوجہ ہو کر دعا مانگنے لگے پھر آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی جس میں جہری قراءت فرمائی۔ ❶

شرح:...... مذکورہ صحیح حدیث بتلاتی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ دعا نماز سے قبل اور قبلہ رو ہو کر مانگی تھی۔ پھر دو رکعت نماز پڑھی تھی۔ تب پھر سنن ابی داؤد کی گزشتہ مذکورہ حدیث زیادہ تفصیل پر مشتمل ہے جبکہ صحیح بخاری کی حدیث میں جملہ تفصیل مذکور نہیں۔ اس کی تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ استسقاء کی نوبت متعدد بار آئی تھی لہٰذا صحیح کی روایت میں بھی نماز استسقاء کا ایک طریقہ مذکور ہے اور یہی راجح قول ہے کہ اس باب میں سنت میں تنوع ہے۔ چنانچہ استسقاء میں کبھی تو خطبہ نماز سے قبل ہوگا اور کبھی نماز کے بعد۔ البتہ حدیث عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ میں ایک زائد بات یہ ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے نمازِ استسقاء میں جہراً قراءت فرمائی۔ سنت نبوی میں تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے دن کی تمام اجتماعی نمازوں میں جہری قراءت فرمائی تھی جیسا کہ گزشتہ میں اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔

وَلِلدَّارَقُطْنِيِّ مِنْ مُرْسَلِ أَبِي جَعْفَرٍ الْبَاقِرِ: ((وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ لِيَتَحَوَّلَ الْقَحْطُ)). اور سنن الدارقطنی میں ابو جعفر باقر رحمہ اللہ کی ایک مرسل روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں: اور آپ ﷺ نے اپنی چادر کو پلٹا تاکہ (اس سے یہ نیک فال لی جاسکے کہ اس چادر کے پلٹنے کی طرح) قحط بھی پلٹ جائے۔ ❷

غریب الحدیث:...... **اَلْبَاقِر**: یہ بَقَرَ فِي الْعِلْمِ وَالْمَالِ سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے علم و دولت میں ترقی کرنا۔ چنانچہ باقر وسیع العلم اور صاحب ثروت کو کہا جاتا ہے۔ امام ابو جعفر رحمہ اللہ کو ان کی وسعت علمی اور علمی عبقریت کی بنا پر باقر کے موقر لقب کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔ گویا کہ انہوں نے علم کو خوب چرا، خوب سمویا اور اس کی تہہ تک جا پہنچے۔

لِيَتَحَوَّلَ الْقَحْطُ: یہ چادر کے پلٹنے کی حکمت کا بیان ہے۔ رہا یہ سوال کہ چادر کے پلٹنے کو قحط کے پلٹنے اور بدلنے میں کیونکر تاثیر حاصل ہے؟ تو علماء نے اسے ''نیک فال'' لینے کے باب سے قرار دیا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نیک فال لینے کو پسند فرماتے تھے جبکہ بدفالی کو ناپسند فرماتے تھے۔ ❸

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث کا مضمون واضح ہے کہ نمازِ استسقاء کی دعا میں چاہے وہ نماز سے قبل ہو یا بعد میں نیک فالی کے طور پر چادر بھی پلٹی جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ چادر ظاہری لباس ہے، اس کے پلٹنے میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اب ہم اپنے باطنی لباس کو بدل کر اسے لباسِ تقویٰ بنا دیں گے اور رب تعالیٰ کی نافرمانیاں چھوڑ کر تقویٰ اختیار کریں گے۔

◈ چادر پلٹنا سنت نبوی ہے۔ اس کی اقتدا میں سنت نبوی کی اتباع نصیب ہوتی ہے۔

---

❶ صحيح البخاري: 1024.

❷ سنن الدارقطني: 66/2۔ المستدرك للحاكم: 473/1۔ حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ سنن البيهقي: 351/3.

❸ صحيح البخاري: 5756۔ صحيح مسلم: 2224 بلفظ: "وَيُعْجِبُنِي"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ چادر پلٹنا ایک نیک فال ہے کہ رب تعالیٰ اسی طرح قحط کو بھی پلٹ دے اور خشک سالی کو ہریالی اور سرسبزی و شادابی میں بدل دے۔

دعائے استسقاء میں رفع یدین مشروع ہے

504- وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ، وَالنَّبِيُّ ﷺ قَائِمٌ يَخْطُبُ ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ، وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ، فَادْعُ اللّٰهَ يُغِيْثُنَا ، فَرَفَعَ يَدَيْهِ ، ثُمَّ قَالَ: ((اللّٰهُمَّ أَغِثْنَا ، اللّٰهُمَّ أَغِثْنَا ، اللّٰهُمَّ أَغِثْنَا))، فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ . وَفِيْهِ الدُّعَاءُ بِإِمْسَاكِهَا .

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) جمعہ کے دن ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا جبکہ نبی کریم ﷺ اس وقت کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ پس اس شخص نے (داخل ہو کر) عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مال (مویشی) ہلاک ہو گئے اور چارہ/ غلہ نہ ہونے سے اونٹ اس قدر دبلے ہو گئے کہ آمد و رفت اور بار برداری کے قابل نہیں رہے اس بنا پر آمد و رفت کا سلسلہ منقطع اور) راستے ویران ہو گئے ہیں۔ سو آپ ﷺ اللہ سے دعا کیجیے کہ وہ ہم پر بارش برسائے (تاکہ زندگی کی سرد پڑتی یہ رونق بحال ہو اور ایک بار پھر ہریالی ہو اور خوشی کی چہل پہل ہو) اس پر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا پھر ان الفاظ کے ساتھ دعا مانگی: ((اللّٰهُمَّ أَغِثْنَا ، اللّٰهُمَّ أَغِثْنَا ...)) ''اے اللہ! ہم پر بارش برسا، اے اللہ ہم پر بارش برسا......'' [1] آگے حدیث مذکور ہے۔ جس میں آگے چل کر اسی بارش کو روک دینے کی دعا مانگنے کا بھی ذکر ہے۔

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث :...... **وَ النَّبِيُّ قَائِمٌ يَخْطُبُ**: مذکورہ جملہ حال ہونے کی وجہ سے نصب کے محل میں ہے۔ **اَلنَّبِيُّ**: یہ مبتدا ہے۔ **قَائِمٌ**: یہ خبر ہے۔

يَخْطُبُ: یہ خبر ثانی بھی ہو سکتی ہے اور قائم کی ضمیر مستتر سے حال بھی ہو سکتا ہے (تب پھر اسے علمائے نحو کی اصطلاح کے مطابق حال متداخل کہیں گے۔ حال متداخل اسے کہتے ہیں جو خود کسی حال میں پائے جانے والے ذوالحال سے حال ہو۔ نسیم)

هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ: یہاں مال سے مراد وہ مال ہے جس کی بقا کا انحصار گھاس، چارہ اور پانی پر ہو جیسے اونٹ، گائے اور بکریاں وغیرہ۔ جبکہ غلے، کھیتیاں، پھل اور میوے بھی مذکورہ مال کے مصداق میں داخل ہیں کیونکہ ان کی بقا کا انحصار پانی پر ہے۔ چنانچہ پانی کی قلت سے کھیتیوں کا ویران اور بنجر ہو جانا بدیہی امر ہے۔

اِنْقَطَعَتِ السُّبُلُ: سبل سے مراد راستے یعنی آمد و رفت اور نقل و حمل کے راستے ہیں اور ان کے منقطع اور کٹنے کا مطلب یہ ہے کہ مناسب اور پورا چارہ نہ ملنے کی وجہ سے بار برداری کے جانور اس قدر دبلے اور کمزور ہو گئے ہیں کہ اب وہ تجارتی سفروں

---

[1] صحيح البخاري: 1014- صحيح مسلم: 897.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور آمد و رفت کا ذریعہ بننے کے قابل نہیں رہے اس لیے راستے ویران پڑے ہیں جن میں بس گرد اڑتی ہی دکھائی دیتی ہے اور چارے کی قلت بارشوں کی قلت کی وجہ سے ہے اس لیے اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ ہمارے لیے بارش کی دعا فرمائیے۔

فَادْعُ اللّٰهَ: کیونکہ ایک اللہ ہی تو ہے جو سب کا اور سب احوال میں ملجا و ماوی ہے، وہی تو ہے جو سب کی سنتا اور سب کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔

يُغِيثُنَا: بظاہر ان الفاظ کے اعراب پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ جوابِ امر ہونے کی وجہ سے یہاں جزم آنا چاہیے تھا جبکہ ان الفاظ پر رفع ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جوابِ امر ہے ہی نہیں بلکہ یہ سائل کے مقصود کا بیان ہے۔ اس بنا پر یہ جملہ استینافیہ کہلائے گا۔

اَغِثْنَا: یہ جملہ دعائیہ ہے۔ اگرچہ ترکیب نحوی کے اعتبار سے امر ہے۔ پس یہ اَزِلْ عَنَّا الشِّدَّةَ ''ہم سے اس سختی کو دور فرمائیے۔'' کے معنی میں ہوگا۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث کا مضمون واضح ہے کہ استسقاء کا ایک طریقہ یہ بھی ہے جیسا کہ تمہید میں بیان ہوا کہ بارش کی دعا منبر پر ہوتے ہوئے بھی مانگی جا سکتی ہے جس میں نہ تو چادر کا پلٹنا ہو، نہ خطبہ اور نہ اس کے لیے خاص استسقاء کی نماز ہی ہو۔ دوسری اہم بات اس حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ استسقاء کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مشروع ہے۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ ضرورت کے وقت خطیب سے بات کر سکتے ہیں جس کی تفصیل آگے آ جاتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ خطیب کے ساتھ ضرورت پڑنے پر دوران خطبہ بھی بات کر سکتے ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان صاحب رضی اللہ عنہ کے بات کرنے کو برقرار رکھا اور نبی کریم ﷺ کا اقرار بھی آپ ﷺ کے قول اور فعل کی طرح حجت اور سنت ہے اور رہی ضرورت تو حدیث میں مذکورہ قصہ بتلاتا ہے کہ وہ صاحب سخت خشک سالی ہونے کی وجہ سے اس موقع پر بات کرنے پر مجبور تھے کیونکہ وہ دور سے آئے تھے۔
- خطبہ کھڑے ہو کر دینا مشروع ہے۔ جس کی دلیل وَ هُوَ قَائِمٌ کے الفاظ ہیں۔
- چونکہ یہ جمعہ کے روز کا قصہ ہے اس لیے معلوم ہوا کہ جمعہ کے لیے خطبہ دینا مشروع ہے اور خطبہ کے بغیر جمعہ صحیح نہیں۔
- بطور شکوہ اپنا حال کسی کے سامنے بیان کرنا جائز ہے جیسا کہ ذکر ہوا۔
- اشیاء کو ان کی ضد سے پہچانا جاتا ہے، بارش کتنی بڑی نعمت ہے، اس کا اندازہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے مال مویشیوں کے ہلاک ہو جانے اور راستوں کے ویران ہو جانے سے ہوتا ہے۔
- زندہ صلحا کی دعا سے توسل کرنا جائز ہے۔ اگرچہ اس میں دوسرے کا تزکیہ ہے لیکن اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ دوسرا اس کا اہل ہو۔ البتہ دوسرے کی دعا سے توسل جائز ہے نہ کہ مشروع۔ لہٰذا افضل یہ ہے کہ آدمی نے جو دعا بھی مانگنی ہے، وہ رب تعالیٰ سے بلا واسطہ خود مانگے۔ رہے یہ صحابی رضی اللہ عنہ کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی دعا سے توسل کیوں کیا؟ تو:

(1) اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی دعا سب انسانوں سے زیادہ مستجاب تھی۔

(2) دوسرے اس مسئلہ کا تعلق سب مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ پس بارش ہونے کی منفعت سب کو حاصل ہوتی تھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا مشروع ہے۔ البتہ سوائے استسقاء کے خطبہ کے دوران ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ذکر اور کسی موقع پر نبی کریم ﷺ سے منقول نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب بشر بن مروان نے جمعہ کے خطبہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا شروع کیا تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر شدید نکیر فرمائی تھی۔ [1]

◈ دعا سے فارغ ہو کر چہرے پر ہاتھ پھیرنا مشروع نہیں کیونکہ کسی روایت میں ایسا کرنا مذکور نہیں۔ جو علماء اس فعل کے مسنون ہونے کے قائل ہیں ان کا استدلال ضعیف احادیث سے ہے۔ امام موصوف رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ ان ضعیف احادیث کا مجموعہ اس کے حسن لغیرہ ہونے کا مقتضی ہے جیسا کہ ''بلوغ المرام'' میں امام موصوف اس قول پر عمل پیرا نظر آتے ہیں۔ لیکن شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف احادیث ایک دوسرے کو قوی نہیں بناتیں۔ اس بنا پر دعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنا بدعت ہوگا۔

◈ دعا کو حمد و ثنا اور صلوۃ علی النبی کے بغیر بھی شروع کرنا جائز ہے جیسا کہ اس قصہ میں مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مباشرۃً یہ دعا مانگی کہ ''اے اللہ! ہم پر بارش برسا۔''

◈ مذکورہ حدیث کے بقیہ حصہ میں اس بات کا بیان ہے کہ پھر رب تعالیٰ کی قدرت سے خوب بارش برسی جو اگلے جمعہ تک جاری رہی حتیٰ کہ لوگ گھبرا اٹھے اور حاضر ہو کر اب اس بات کی دعا مانگنے کی درخواست کی یہ بارش تھم جائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آدمی جہاں نعمتوں کے فقدان کا تحمل نہیں کرسکتا، وہیں نعمت کی ارزانی بھی اس کی قوتِ تحمل سے باہر ہے۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بارش بند ہونے کی مطلق دعا بھی کر سکتے ہیں۔

◈ رب تعالیٰ نے جنابِ رسول اللہ ﷺ کی دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازا جو بلاشبہ آپ ﷺ کے صدق کی ایک عظیم دلیل ہے۔

◈ یہیں سے رب تعالیٰ کے لیے صفت سمع کا بھی اثبات ہوتا ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے یہ دعا سنی اور اسے قبول فرمایا۔

◈ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا مانگنے والے کے ساتھ سامعین حضرات بھی ہاتھ اٹھا سکتے ہیں جیسا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا۔

◈ معلوم ہوا کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ عالم الغیب نہ تھے وگرنہ آپ ﷺ کو خشک سالی کے ان اثرات کا از خود علم ہو جاتا۔

توسل کی اقسام اور ان کے احکام

505۔ وَعَنْهُ رضی اللہ عنہ أَنَّ عُمَرَ رضی اللہ عنہ كَانَ إِذَا قُحِطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ، فَقَالَ: ((اللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا ، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا فَيُسْقَوْنَ .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب لوگ قحط کا شکار ہو جاتے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جناب عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگا کرتے تھے اور یوں دعا مانگتے تھے: اے اللہ! (جب تک ہمارے رسول ﷺ زندہ رہے تو) ہم اپنے رسول ﷺ کے وسیلہ سے تجھ سے بارش کی دعا مانگا کرتے تھے اور تو ہم پر بارش برساتا تھا اور اب (جبکہ نبی کریم ﷺ ہم میں

[1] دیکھیں: صحیح مسلم: 874۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں رہے اور وفات پا کر تیرے جوارِ رحمت میں چلے گئے ہیں تو اب) ہم اپنے رسول ﷺ کے چچا رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے تجھ سے بارش کی دعا مانگتے ہیں پس تو (اب بھی) ہم پر (اسی طرح) بارش برسا (جس طرح پہلے ہمارے رسول ﷺ کے وسیلہ سے ہم پر بارش برساتا تھا)۔ پس لوگوں پر بارش ہونے لگتی۔ ❶

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کی ہے۔

غریب الحدیث:......**قُحِطُوْا**: یہ قَحَطَ يَقْحُطُ سے مشتق ہے اور قحط کا معنی ذکر کر دیا گیا ہے۔

اِسْتَسْقٰى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ: کیونکہ جناب عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے چچا اور آپ ﷺ کے سب سے زیادہ قریب تھے۔ چنانچہ اگرچہ جناب علی رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے افضل لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے چچازاد تھے جبکہ جناب عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے چچا تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَسْتَسْقِيْ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا: یعنی ہم لوگ نبی کریم ﷺ کی دعا کے واسطے سے بارش مانگا کرتے تھے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ کی زندگی میں ایسا کیا کرتے تھے کہ وہ آپ ﷺ کے ذریعے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ **تَوَسَّلُ**: یہ ایک شے کے ذریعے دوسری شے تک پہنچنے کو کہتے ہیں۔

توسل کی اقسام

پہلی قسم:......رب تعالیٰ کی رضا و رضوان اور اس کی جنت تک پہنچنے کے لیے توسل۔ یہ توسل ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ذریعے ہوتا ہے جس کی دلیل رب تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ﴾ (الاسراء: 57)

''وہ لوگ جنھیں یہ پکارتے ہیں، وہ (خود) اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں، جو ان میں سے زیادہ قریب ہیں۔''

یہ وہ حقیقی وسیلہ ہے جس کے اختیار کرنے کو ہر ایک پر فرض اور لازم کیا گیا ہے اور کوئی فردِ مومن اس توسل کے اختیار کرنے سے مستغنی نہیں۔ یہ توسل مشروع ہے چنانچہ آدمی ایمان اور عمل صالح کو رب تعالیٰ کی رضا، اس کی جنت اور اس کی مغفرت کے حصول اور اس تک وصول کا ذریعہ بنا سکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا﴾ (آل عمران: 57)

''اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک آواز دینے والے کو سنا، جو ایمان کے لیے آواز دے رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ تو ہم ایمان لے آئے، اے ہمارے رب! پس ہمیں بخش دے۔''

اسی طرح غار میں پھنس جانے والے تین آدمیوں کا قصہ بھی اس توسل کے مشروع ہونے کی دلیل ہے جنہوں نے اپنے اپنے عمل صالح کا واسطہ دے کر رب تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ وہ ان لوگوں کو اس مصیبت سے نجات دے دے۔ یاد رہے کہ رب تعالیٰ کے اسماء و صفات کے ذریعے دعا مانگنا بھی ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ذریعے توسل اختیار کرنے میں داخل ہے۔

❶ صحيح البخاري: 1010.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری قسم:......توسل کی دوسری قسم یہ ہے کہ آدمی اپنی دعا مانگنے سے قبل کسی چیز کو وسیلہ بنائے تاکہ وہ وسیلہ اس کی دعا کے مستجاب ہونے کا ذریعہ بن سکے۔ لیکن یہ یادر ہے کہ یہ توسل دعا میں ہے نہ کہ عبادت میں۔ کیونکہ عبادت کے ذریعے توسل یہ ہے کہ اسے اس عبادت کے ذریعے جہنم سے نجات اور جنت کی نعمت ملے۔ جبکہ یہ توسل دعا میں ہے۔

تیسری قسم:......توسل کی تیسری قسم اپنی حالت زار کو واسطہ بنا کر دعا مانگنا ہے۔ جیسا کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے اسی طرح توسل اختیار کر کے دعا مانگی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ﴾ (القصص: 24)

''اے میرے رب! بے شک میں، جو بھلائی بھی تو میری طرف نازل فرمائے، اس کا محتاج ہوں۔''

چوتھی قسم:......توسل کی چوتھی قسم یہ ہے کہ آدمی رب تعالیٰ کے کسی نیک بندے کی دعا کو وسیلہ بنا کر دعا مانگے۔ جیسا کہ گزشتہ حدیث میں آنے والے صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے واسطہ سے بارش مانگی تھی۔

پانچویں قسم:......توسل کی پانچویں قسم یہ ہے کہ مخلوقات میں سے کسی ذات کے وسیلہ سے دعا مانگی جائے جیسے کوئی یوں دعا مانگے کہ ''اے اللہ! ہم تیرے نبی کے واسطہ سے یعنی اس کی ذات کے واسطے سے تجھ سے دعا مانگتے ہیں۔'' بلاشبہ اس طرح وسیلہ اختیار کرنا ناجائز ہے کیونکہ توسل ایک شے کے ذریعہ دوسری شے تک پہنچنے کا نام ہے۔ جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود کسی کو اس کے مقصود تک نہیں پہنچا سکتے۔ رہی وہ حدیث جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے توسل کا ذکر ہے تو وہ حدیث ضعیف ہے۔ [1]

چھٹی قسم:......توسل کی چھٹی قسم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومرتبہ کو وسیلہ بنا کر دعا مانگنا ہے جیسے کوئی یہ کہے: ''اے اللہ! میں تیری طرف تیرے نبی کے اس جاہ ومرتبہ کو وسیلہ بنا کر توسل کرتا ہوں جو تیرے نزدیک ہے۔'' صحیح مذہب یہ ہے کہ توسل کی یہ قسم بھی ناجائز ہے۔ کیونکہ دراصل یہ وسیلہ ہی نہیں۔ کیونکہ وسیلہ وہ ہوتا ہے جو کسی دوسری شے تک پہنچا دے۔ جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جاہ ومرتبہ بلاشبہ بے حد عظیم ہے لیکن صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ومرتبہ کسی کے لیے نافع نہیں۔ حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی فرما دیا تھا کہ میں روزِ قیامت تیرے کچھ کام آنے والا نہیں۔ غرض صحیح قول یہ ہے کہ توسل بجاہ النبی ناجائز اور حرام ہے۔

تنبیہ:......غرض توسل کی یہ کل چھ اقسام ہیں جن میں سے بعض جائز اور بعض منع ہیں اور رہا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ میں مذکور توسل، تو وہ رب تعالیٰ کے فعل سے توسل ہے اور یہ دراصل رب تعالیٰ کی صفات سے توسل ہے کیونکہ رب تعالیٰ کا فعل بھی اس کی ایک صفت ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

رہا یہ اعتراض کہ مذکورہ روایت میں اس بات کا تو ذکر ہی نہیں کہ پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بارش کی دعا مانگی تھی؟ تو بظاہر یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات سے توسل ٹھہرا جو کہ ناجائز ہے؟ تو اس کے دو جواب ہیں:

(1) صحیح بخاری کے علاوہ دوسری روایات میں اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دعا مانگنے کا ذکر ہے۔

(2) خود صحیح بخاری کی روایت کا معنی بھی اسی بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بعد میں دعا مانگی تھی کیونکہ

[1] دیکھیں: جامع الترمذی: 3578

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس بات سے غرض ہی یہ تھی کہ جناب عباس رضی اللہ عنہ اب ان کے لیے بارش کی دعا مانگیں جس کی دلیل اِنَّـا كُنَّا نَسْتَسْقِيْ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا کے الفاظ ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے ذریعے توسل کیا کرتے تھے، تو اسی طرح یہاں بھی توسل حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا کے ذریعے تھا۔

بارش برسنے کے وقت کیا کیجیے!

506- وَعَنْهُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَصَابَنَا- وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ - مَطَرٌ، قَالَ: فَحَسَرَ ثَوْبَهُ حَتَّى أَصَابَهُ مِنَ الْمَطَرِ، وَقَالَ: ((إِنَّهُ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِرَبِّهِ)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ (ایک دفعہ) ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ہم پر بارش برسنے لگی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے سر پر ڈالا ہوا) اپنا کپڑا کھول دیا یہاں تک کہ بارش آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گرنے لگی۔ (تب) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ اپنے رب کے پاس سے ابھی ابھی آئی ہے۔'' [1]

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :......وَ نَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: یہ جملہ حالیہ ہے اور اَصَابَنَا میں جمع متکلم کی ضمیر منصوب متصل سے حال ہے۔

اَصَابَنَا مَطَرٌ: یعنی ہم پر بارش برسنے اور اترنے لگی۔ اَصَابَ، اَلْاِصَابَةُ سے بھی ہو سکتا ہے اور اَلصَّوْبُ بمعنی نزول سے بھی ہو سکتا ہے اور یہ دونوں معانی ہی درست ہیں۔

فَحَسَرَ ثَوْبَهُ: حَسر اٹھانے اور کھولنے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدن مبارک سے کپڑا ہٹا کر اسے کھول دیا تاکہ بارش کے تازہ تازہ قطرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدنِ مبارک پر گریں۔

اِنَّهُ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِرَبِّهِ: یعنی اسے رب تعالیٰ نے ابھی ابھی پیدا کیا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کے قطروں سے اپنا بدنِ مبارک تو بھگویا مگر دوسروں کو ایسا کرنے کا حکم نہ دیا جو اس کے مستحب ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف فعل کسی چیز کے وجوب پر دلالت نہیں کرتا۔ جیسا کہ بارہا ذکر ہوا۔

مضمون حدیث :......مذکورہ حدیث میں بارش کے متبرک ہونے کا یہ پہلو بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ برستی ہے تو اس وقت تازہ تازہ پیدا کی گئی ہوتی ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رب ذوالجلال کی محبت اور اشتیاق میں اس کی ابھی ابھی پیدا کی گئی ایک چیز کو اپنے بدن پر لیا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ **اِنَّهُ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِرَبِّهِ**: اس میں علتِ لازمہ کا بیان ہے نہ کہ علت متعدیہ کا۔ لہٰذا ہر نئی اگنے اور پیدا ہونے والی چیز کو چھونا مشروع نہیں۔ کیونکہ ایسا تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نہ کیا تھا۔ لہٰذا یہ علت اپنے معلول تک مقصور رہے گی اور متعدی نہ ہو گی۔ یعنی یہ حکم صرف بارش کے قطروں کو چھونے کی حد تک محدود ہے اور وہ مستحب ہے نہ کہ واجب جیسا اوپر ذکر ہوا۔

---

[1] صحیح مسلم: 898.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ یہیں سے اصولِ دین کا یہ قاعدہ بھی معلوم ہو گیا کہ رب تعالیٰ کے فعل میں تجدد ہے اور وہ جو چاہے کرتا ہے اور یہ تجدد باعتبار مفعول کے ہے۔ یعنی یہ تجدد اس نئی شے کو پیدا کرنے کے اعتبار سے ہے نہ کہ کسی قدیم شے کو پیدا کرنے کے اعتبار سے ہے۔ رہی رب تعالیٰ کی اصل صفت خلق تو وہ ہر حال میں قدیم اور رب تعالیٰ کی ذات کو لازم ہے۔ وہ ہمیشہ سے خالق تھا، ہے اور رہے گا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ رب تعالیٰ باپ کو پہلے اور اس کے بیٹے کو بعد میں پیدا کرتا ہے اور وہ دن کو رات کے پیچھے لاتا ہے۔ لیکن یہ سب کا سب مخلوق ہے جس کی تخلیق میں تجدد ہے۔

◈ یہیں سے رب تعالیٰ کے لیے افعالِ اختیاریہ کا قیام بھی ثابت ہوا جو اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے بخلاف اشاعرہ اور متعدد متکلمین کے جو اس کا انکار کرتے ہیں اور اس بات کو رب تعالیٰ کے حق میں ناممکن قرار دیتے ہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ فعل حادث حادث سے ہی ممکن ہے نہ کہ قدیم سے۔ جبکہ رب تعالیٰ حادث نہیں قدیم ہے۔ یہ دلیل کمزور ہی نہیں بلکہ مردہ ہے۔ ذرا بتلایئے کہ آپ کتاب وسنت میں مذکور ان بے شمار افعالِ اختیاریہ کا کیا کریں گے جو رب تعالیٰ کے حق میں ثابت ہیں جن کو خود رب تعالیٰ نے اپنے لیے ثابت کیا ہے اور ان کو ﴿إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾ (ھود: 107) کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔ بھلا ہم ایک کمزور دلیل کی وجہ سے جس کو عقل وشرع دونوں باطل قرار دیتے ہیں، ان قطعی نصوص کا انکار کیونکر کر سکتے ہیں۔ بے شک جو ذات قدیم ہے اور صفات کاملہ کے ساتھ متصف بھی ہے وہ اس بات پر بدرجۂ اولیٰ قادر ہے کہ وہ جب چاہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس کی مزید تفصیل کو کتب علم الکلام میں ملاحظہ کیا جائے۔

◈ **حَسَرَ ثَوْبَهُ:** اس میں دو باتوں کا احتمال ہے: (1) آپ ﷺ نے اوپر سے کپڑا ہٹایا۔ (2) آپ ﷺ نے نیچے سے کپڑا ہٹایا۔ بظاہر یہ احتمال اولیٰ ہے کہ آپ ﷺ نے سر مبارک کے اوپر پڑی کسی چادر وغیرہ کو ہٹایا تھا (اور بندہ عاجز مترجم نے بھی اسی احتمال کو ملحوظ رکھ کر ترجمہ کیا ہے)۔

◈ مذکورہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ رب تعالیٰ ہر شے کا جہاں خالق ہے چاہے وہ جماد ہے یا حیات، وہیں ہر جماد اور حیات شے کا رب بھی ہے۔

بارش دیکھنے پر دعا مانگنا

507- وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا رَأَى الْمَطَرَ قَالَ: ((اللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا)). أَخْرَجَاهُ.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بارش (ہوتی) دیکھتے تھے تو یہ دعا مانگتے تھے: ((اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا.)) ''اے اللہ! اس بارش کو نازل ہونے والی (یعنی برسنے والی اور) نفع رساں بنا۔'' ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث :...... صَيِّبًا: یہ صَابَ يَصُوبُ صَوْبًا سے فَيْعَلٌ کے وزن پر صفت کا صیغہ ہے۔ اس کی اصل صَيْوِبٌ ہے ماقبل کی یا کی وجہ سے واؤ کو یا میں بدل دیا پھر یا کو یا میں مدغم کر دیا اور یا کی مناسبت سے اس پر کسرہ دے دیا گیا یوں یہ لفظ صَيِّبًا ہو گیا۔ نحوی ترکیب کے اعتبار سے یہ فعل مقدر اِجْعَلْ کا مفعول اول ہے۔ صوب کا معنی ہے نازل ہونا،

❶ صحيح البخاري: 1032- صحيح مسلم: 899.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اترنا اور برسنا یعنی اے اللہ! یہ جو بادل نظر آ رہے ہیں ان کو برسنے والا بنا۔

نَافِعًا: یہ فعل مقدر کا مفعول ثانی ہے اور دراصل اس میں دعا کے مقصود کا بیان ہے۔ آپ ﷺ نے نافع کو مطلق رکھا اور اس بات کی تعیین نہیں فرمائی کہ یہ نافع بہائم کے لیے ہو یا انسانوں کے لیے یا پھر کھیتوں اور کھلیانوں کے لیے ہو۔ تو عدم ذکر عموم کو مقتضی ہے۔ لہٰذا اس دعا میں عموم ہے اور نافع کی قید اس لیے لگائی کہ بسا اوقات بارش برسنے کے باوجود قحط نہیں جاتا تو یہ دعا مانگی کہ اے اللہ! اس بارش کو برسا بھی اور اس میں برکت ڈال کر اس کو نافع بھی بنا۔

508- وَعَنْ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَعَا فِي الْاِسْتِسْقَاءِ: ((اللّٰهُمَّ جَلِّلْنَا سَحَابًا كَثِيفًا، قَصِيفًا، دَلُوقًا، ضَحُوكًا، تُمْطِرُنَا مِنْهُ رَذَاذًا، قِطْقِطًا، سَجْلًا، يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ)).

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے استسقاء میں یہ دعا مانگی: ((اللّٰهُمَّ جَلِّلْنَا سَحَابًا ...... يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ.)) ''اے اللہ! تو ہمیں ڈھانپ دے ایسے بادلوں سے جو گھنے، (تہ بہ تہ اور گھنگھور ہوں) سخت گرجنے والے، زور و شور سے آنے والے (یعنی بڑی تیزی سے آنے اور چھا جانے والے اور) بڑے چمکنے والے ہوں، جن سے تو ہم پر ایسی بارش برسا جو (حجم کے اعتبار سے) ہلکی، (اور کیفیت کے اعتبار سے) لگا تار (ہو کہ جس کی جھڑی لگی ہو جبکہ کمیت کے اعتبار سے) بہت زیادہ ہو اے عظمت اور تکریم والے۔'' ❶

رَوَاهُ أَبُو عَوَانَةَ فِي صَحِيحِهِ.

اس حدیث کو امام ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :...... مذکورہ حدیث میں بے حد نادر قلیل الاستعمال، فصیح اور از حد بلیغ الفاظ لائے گئے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ آپ ﷺ سب سے زیادہ فصیح اللسان اور بلیغ تھے۔

جَلِّلْنَا: جَلَّلَ يُجَلِّلُ سے ہے جس کا معنی ہے عام کرنا اور ڈھانپنا۔ یعنی اے اللہ! تو ان بادلوں کو ہمارے لیے ایسا بنا دے جیسے اونٹوں اور چوپایوں کا جَلٌّ (جھول) ہوتا ہے جسے سردی اور گرمی سے بچانے کے لیے ان کے منہ پر ڈالا جاتا ہے۔ یعنی جیسے اس جھول نے جانور کا منہ ڈھانپا ہوتا ہے ایسے ہی تو ہمیں بھی ان بادلوں سے ڈھانپ دے۔ یہ معنی اس بات کو مقتضی ہے کہ وہ بادل قریب ہوں نہ کہ دُور اور بادل جتنے قریب ہوتے ہیں، ان سے برسنے والی بارش اس قدر زیادہ حاصل ہوتی ہے۔

كَثِيفًا: یہ سَحَابًا کی صفت اول ہے اور مابعد کے کلمات بھی اسی سَحَابًا کی صفات ہیں۔ یہ گھنے تہ بہ تہ اور گھنگھور بادلوں کو کہتے ہیں جن میں بارش بہت زیادہ ہوتی ہے۔ عموماً گھنے اور گہرے بادل سورج کی روشنی کو چھپا دیتے ہیں لہذا خود بھی سیاہ ہوتے ہیں۔

قَصِيفًا: وہ بادل جو بہت حد گرجتے ہوں۔ بادلوں میں جتنی زیادہ بارش ہوتی ہے، اتنے ہی زیادہ وہ گرجتے بھی ہیں۔ یاد رہے کہ گرج اور شے ہے اور بادلوں سے گرنے والی بجلی جسے صَاعِقَةٌ کہتے ہیں (اور اُردو میں کڑک کہتے ہیں) وہ اور شے ہے۔ یہ سَحَابًا کی صفت ثانی ہے۔

---

❶ صحیح ابی عوانة: 129/1.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دَلُوْقًا: دلوق تیزی سے نکلنے اور سخت یورش کرنے کو کہتے ہیں۔ مراد تیزی سے چھا جانے والے بادل ہیں جو آن کی آن میں افق کو ڈھانپ کر خوب برسیں اور ہر طرف جل تھل کر دیں۔ اس صفت میں بھی بادلوں کے قریب ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ بادلوں کی تیزی کا مشاہدہ زیادہ تر اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب وہ قریب ہوں، بادل جس قدر دُور ہوتے جائیں گے اسی قدر ان کی رفتار حدِ مشاہدہ سے باہر نکلتی جائے گی اور بادلوں کے قریب ہونے کی منفعت کو ابھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ یہ کلمہ سَحَابًا کی صفت ثالث ہے۔

ضَحُوْكًا: یہ ضَحِكَ السَّحَابُ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے بادلوں میں بجلی کا چمکنا اور جھلملانا، جبکہ ضَحُوْكٌ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ مراد بے حد چمکنے والے بادل ہیں۔ یاد رہے کہ جن بادلوں میں گرج اور چمک جتنی زیادہ ہوتی ہے اتنے ہی زیادہ وہ برسنے والے بھی ہوتے ہیں۔ یہ کلمہ سَحَابًا کی صفت رابع ہے۔

تُمْطِرُنَا مِنْهُ رَذَاذًا: یہ جملہ خبریہ ہے جو سَحَابًا کی صفت خامس ہے۔ رَذَاذٌ اس بارش کو کہتے ہیں جو برسنے میں ہلکی ہو۔ یعنی اس کے قطرے چھوٹے چھوٹے ہوں، بڑے بڑے اور اولوں پر مشتمل نہ ہوں کیونکہ چھوٹے چھوٹے قطروں والی بارش نافع ہوتی ہے جبکہ موٹی اور اولوں والی بارش تکلیف دہ بھی ہوتی ہے اور نقصان دہ بھی۔ رَذَاذًا کا کلمہ موصوف محذوف سَحَابًا کی صفت اول ہے۔

قِطْقِطًا: یہ قَطْقَطَتِ السَّمَاءُ سے مشتق ہے جس کا معنی بارش کا مسلسل ہونا اور اس کی جھڑی لگ جانا ہے۔ چنانچہ قِطْقِطٌ لگاتار بارش اور جھڑی کو کہتے ہیں۔ یہ برسنے والا بارش کی کیفیت کا بیان ہے اور مذکورہ کلمہ موصوف محذوف کی صفت ثانی ہے۔

سَجْلًا: یہ کسی چیز کی وسعت اور کثرت کو کہتے ہیں۔ مذکورہ کلمہ میں بارش کی کمیت کا بیان ہے کہ وہ بارش خوب ہو اور یہ کلمہ موصوف محذوف کی صفتِ ثالث ہے۔

ذَا: یہ اسمائے سِتَّہ مُکَبَّرہ میں سے ہے جس کی حالت نصبی الف کے ساتھ آتی ہے۔ چونکہ اس پر حرفِ ندا یَا داخل ہے اس لیے منادیٰ ہونے کی وجہ سے یہ منصوب ہے۔ ذُوْ ''صاحب'' اور ''والا'' کے معنی میں آتا ہے۔

الْجَلَالِ: مراد عظمت اور بزرگی ہے۔

الْإِكْرَامِ: مراد تکریم ہے۔ پھر یہ مصدر فاعل کے معنی میں ہے یا مفعول کے معنی میں؟ تو یہاں دونوں معانی ہی مراد ہیں۔ وہ ذات اپنے اولیاء کو ثواب و جزاء، عطا کر کے اور نواز کر ان کی تکریم بھی کرتی ہے اور وہ ذات خود بھی اس لائق ہے کہ اس کی طاعت و فرمانبرداری اور عبادت کر کے اس کی تعظیم و تکریم کی جائے۔

مضمون حدیث :...... مضمونِ حدیث واضح ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے کس طرح مختلف اسالیب و عناوین اور متعدد تعبیرات سے رب تعالیٰ سے بارش اور اس کی زیادہ سے زیادہ خیر و برکت اور منفعت و مصلحت کو طلب کیا ہے اور متعدد پیرایوں سے بارش کے ہر قسم کے شر، ضرر اور نقصان سے پناہ مانگی ہے۔ اس لیے ہم بندوں کو بھی چاہیے کہ ہم بھی جب کسی چیز کی رب تعالیٰ سے دعا مانگیں تو اس کی پوری پوری خیر اور برکت مانگیں اور اس کے شر سے ہر قسم کی پناہ مانگیں۔

تنبیہ :...... معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کی ذات بے حد و حساب خزانوں کی مالک ہے، اس سے جتنا بھی مانگا جائے کم ہے، ہماری ساری مانگیں اور مرادیں پوری کر کے بھی اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں آتی۔ رب تعالیٰ سوال کیے جانے سے کبھی نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دکھاتا، ہاں بندے مانگتے مانگتے ضرور تھک جائیں۔اس لیے رب تعالیٰ سے جب بھی مانگیں فقیر اور محتاج بن کر خوب خوب مانگیں۔

گزشتہ امتوں میں استسقاء کی مشروعیت کا بیان

509- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: خَرَجَ سُلَيْمَانُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَسْتَسْقِي، فَرَأَى نَمْلَةً مُسْتَلْقِيَةً عَلَى ظَهْرِهَا رَافِعَةً قَوَائِمَهَا إِلَى السَّمَاءِ، تَقُولُ: ((اللّٰهُمَّ إِنَّا خَلْقٌ مِنْ خَلْقِكَ، لَيْسَ بِنَا غِنًى عَنْ سُقْيَاكَ، فَقَالَ: ((ارْجِعُوْا فَقَدْ سُقِيتُمْ بِدَعْوَةِ غَيْرِكُمْ)).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''(ایک مرتبہ رب تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر سیدنا) سلیمان علیہ السلام بارش کی دعا مانگنے باہر (کھلے میدان کی طرف) نکلے تو (راستے میں) ایک چیونٹی کو دیکھا جو پیٹھ کے بل چت لیٹے (اور) اپنے پیروں کو آسمان کی طرف اٹھائے یوں دعا مانگ رہی تھی: ''اے اللہ! ہم (چیونٹیاں) بھی تیری مخلوقات میں سے ایک (ضعیف اور کمزور) مخلوق ہیں، ہمیں بھی (دیگر مخلوقات کی طرح) تیری بارش کے بغیر چارہ نہیں۔ (پس تو ہم پر بارش برسا)۔'' اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے (اپنے ساتھ جانے والوں سے) فرمایا: ''لوٹ چلو! (اب تمہارے دعا مانگنے کی ضرورت نہیں رہی) کہ تمہیں اپنے علاوہ ایک مخلوق کی دعا سے بارش سے بہرہ ور کر دیا گیا ہے۔ (یعنی اب تم پر تمہاری دعا کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک اور مخلوق کی دعا کی برکت سے بارش برسے گی)۔'' [1]

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔ جبکہ امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو (روایت کر کے) اس کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... فَرَأَى: مراد رؤیت بصریہ ہے۔

نَمْلَةً: چیونٹی۔ یہ نَمْلٌ کی واحد ہے۔ چیونٹی کا شمار ان حشرات میں ہوتا ہے جو سب سے زیادہ باہمت، وقت کی پابند، نظم و ضبط کی عادی اور ہر کام کو بروقت بلکہ قبل از وقت کر لینے کی عادی ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سخت سردیوں میں بھی اپنی خوراک جمع کر رہی ہوتی ہے جب ہر طرف ٹھک مری کا راج ہوتا ہے۔ چیونٹی کا تدبر بھی مشہور ہے۔ چنانچہ چیونٹی اناج کے دانہ کو کھا کر کھر بیج دیتی ہے جس سے وہ اگنے کے قابل نہیں رہتا اور یوں وہ خراب بھی نہیں ہوتا۔ پھر اگر بارش اس کے بلوں میں گھس کر اس کے ذخیرہ کردہ اناج واشیاء کو گیلا کر دے تو ہم دیکھتے ہیں کہ بعد میں چیونٹی اس اناج کو دھوپ میں ڈال کر سکھا رہی ہوتی ہے۔

مُسْتَلْقِيَةً: یہ نَمْلَةٌ کی صفتِ اول ہے۔

رَافِعَةً قَوَائِمَهَا اِلَى السَّمَاءِ: یہ مُسْتَلْقِيَةً کی صفتِ کاشفہ بھی ہو سکتی ہے اور نَمْلَةً کی صفت ثانیہ بھی ہو سکتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا خَلْقٌ مِّنْ خَلْقِكَ: یہ چیونٹی جیسی حقیر مخلوق کا بھی رب تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار ہے۔

---

[1] امام ابن حجر رحمہ اللہ نے "التلخیص الحبیر" (2/97) میں اس حدیث کی "سنن الدارقطنی" (2/66) کی طرف نسبت کی ہے۔ المستدرک: 1/473.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَيْسَ بِنَا غِنًى عَنْ سُقْيَاكَ: یہ رب تعالیٰ کے حضور اپنی فقیری اور احتیاج کا اعتراف ہے اور چیونٹیاں بارش کی یوں محتاج ہیں کہ بارشوں سے غلے اگیں گے جن سے ان کی بھی خوراک کا انتظام ہو جائے گا۔

اِرْجِعُوْا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ ارشاد اپنے ساتھ جانے والوں سے فرمایا تھا۔

فَقَدْ سُقِيتُمْ بِدَعْوَةِ غَيْرِكُمْ: مراد چیونٹی کی دعا ہے۔ اس بنا پر بِدَعْوَةِ پر داخل ہونے والی "با" سببیہ ہوگی۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں بنیادی طور پر دو باتیں ذکر کی گئی ہیں:

(1) ساری کی ساری انسانیت از اول تا آخر رب تعالیٰ کی محتاج تھی، ہے اور رہے گی۔ اس لیے پہلی امتیں بھی رب تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگنے نکلا کرتی تھیں۔

(2) رب تعالیٰ انسانوں سمیت ساری مخلوقات حتیٰ کہ جمادات تک کا بھی رب ہے اور چیونٹی جیسی حقیر مخلوق کو پالنے والا بھی وہی ہے اور انسانوں کی طرح وہ بھی بارش کی محتاج ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مذکورہ واقعہ نبی کریم ﷺ کے نبی برحق ہونے کی دلیل ہے کیونکہ آپ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر نہ تو بنی اسرائیل سے ہوئی اور نہ پہلی کتابوں کو پڑھ کر ہوئی کیونکہ آپ ﷺ تو اُمی تھے۔ تب پھر لامحالہ آپ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر وحی سے ہوئی۔ جو آپ ﷺ کے نبی برحق ہونے کی دلیل ہے۔
- گزشتہ امتوں میں بھی بارش کی دعا مانگنا مشروع تھا۔ جس کی دلیل خَرَجَ يَسْتَسْقِيْ کے الفاظ ہیں۔ البتہ یہ ضروری نہیں کہ ان کا طریقہ بھی وہی رہا ہو جیسا امت محمدیہ کا استسقاء کا طریقہ ہے۔
- معلوم ہوا کہ بے زبان جانور تک اپنے خالق و پروردگار کو جانتے ہیں۔ جیسے یہ چیونٹی چت لیٹے اپنے خالق پروردگار سے اپنی حاجت مانگ رہی تھی۔
- معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کی ذات مطلق ہر شے کے اوپر ہے۔ جس کی دلیل اس چیونٹی کا آسمان کی طرف اپنے سب پیر اٹھا کر رب تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگنا ہے۔
- معلوم ہوا کہ حشرات بھی بولتے ہیں البتہ ہم لوگ ان کی زبان نہیں سمجھتے۔ جبکہ رب تعالیٰ نے سیدنا سلیمان علیہ السلام کو اس بات کی قوت بخشی تھی کہ وہ جانوروں اور پرندوں کی بولیاں سمجھ لیتے تھے۔ ان دونوں باتوں کی دلیل علی الترتیب درج ذیل ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ﴾ (الاسراء: 44)

"اور کوئی بھی چیز نہیں مگر اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے اور لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔"

اور فرمایا:

﴿عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَ اُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ﴾ (النمل: 16)

"ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی اور ہمیں ہر چیز میں سے حصہ دیا گیا ہے۔"

- معلوم ہوا کہ بسا اوقات انسان کو اپنا مطلب دوسرے کی دعا سے بھی حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ یہاں چیونٹی کے دعا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مانگنے سے انسانوں کو بھی بارش نصیب ہوگئی۔ اسی لیے سیدنا سلیمان علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو لوٹ جانے کو فرمایا تھا۔

- یہیں سے علماء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ استسقاء کے لیے معصوم بچوں اور بے گناہوں کو بھی لے کر نکلا جائے کیونکہ ان کی دعا قبولیت کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ چیونٹی غیر مکلف تھی جو بارش کی دعا مانگ رہی تھی۔
- علماء نے لکھا ہے کہ استسقاء کے لیے جانوروں اور چوپایوں کو ساتھ لے کر نہ نکلا جائے۔ کیونکہ مذکورہ چیونٹی راستے میں ملی تھی نہ کہ ساتھ نکلی تھی۔ اس لیے جانوروں کو ان کے طویلوں میں ہی باندھ رکھا جائے۔ اگر انہیں قحط کی وجہ سے بھوک اور پیاس کی شدت ہوگی تو وہ اپنے طویلوں میں دعا مانگ لیں گے۔
- رب تعالیٰ کے لیے اس کی صفتِ خلق کا اثبات۔ جس کی دلیل چیونٹی کے یہ الفاظ ہیں: إِنَّا خَلْقٌ مِنْ خَلْقِكَ .
- اپنی حاجت ذکر کر کے توسل کرنا جائز ہے جیسا کہ توسل کی اقسام میں اس کا مفصل ذکر ہو چکا ہے۔
- اسباب کا اثبات، کیونکہ بِدَعْوَةِ غَيْرِكُمْ میں ''با'' سببیہ ہے۔ معلوم ہوا کہ دعا بارش برسنے کا سبب ہے وگرنہ بارش تو اللہ ہی نازل فرماتا ہے۔

دعا میں ہاتھ اٹھانے کا حکم

510- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَسْقَى فَأَشَارَ بِظَهْرِ كَفَّيْهِ إِلَى السَّمَاءِ)).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے (ایک موقع پر) بارش کی دعا مانگی۔ پس آپ ﷺ نے اپنی ہتھیلیوں کی پشت کو آسمان کی طرف کیا۔ [1]

أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ .

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

شرح : ..... اِسْتَسْقٰی: کا معنی اس باب کی ابتدا میں تمہید کے تحت بیان کر دیا گیا ہے۔ یہاں اصولی طور پر یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے بارش کی دعا مانگتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا۔ البتہ اس کی کیفیت کی توجیہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ جس کی قدرے تفصیل درج ذیل ہے:

فَأَشَارَ بِظَهْرِ كَفَّيْهِ إِلَى السَّمَاءِ: اس کی شرح میں علماء کے دو اقوال ہیں:

(1) ایک یہ کہ دعا مانگتے وقت آپ ﷺ نے اپنی ہتھیلیوں کی پشت کو آسمان کی طرف کر لیا۔

(2) دوسرا یہ کہ آپ ﷺ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے میں اس قدر مبالغہ فرمایا گویا کہ آپ ﷺ اپنی ہتھیلیوں کی پشت سے آسمان کی طرف اشارہ فرما رہے تھے۔

پہلے قول کے قائلین کا استدلال ایک ضعیف حدیث سے ہے، ان لوگوں نے دعا مانگنے کی دو قسمیں کر دی ہیں:

(1) ایک یہ کہ اگر تو کسی مصیبت کے دور کرنے کے لیے دعا مانگنی ہے تو ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کر کے دعا مانگی جائے (بندہ عاجز مترجم کی ناقص فہم کے مطابق مراد ہاتھوں کو الٹا کر کے دعا مانگنا ہے۔)

(2) اور اگر دعا کسی منفعت کے حصول کے لیے مانگنی ہے تو ہاتھوں کی اندر کی جانب سے دعا مانگی جائے۔ گویا کہ نفع کا طالب دعا مانگتے وقت ہاتھ پھیلائے کھڑا ہے کہ اے اللہ! جو مانگا ہے وہ میرے ہاتھوں میں ڈال دے۔

---

[1] صحيح مسلم: 896 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن یہ قاعدہ اس بنا پر ٹوٹ جاتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ بھی تو یہاں بارش جیسی نافع شے طلب فرما رہے تھے۔ اسی لیے شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جملہ احوال میں ہاتھوں کو الٹا کر کے دعا مانگنا غیر مشروع ہے۔ اس بنا پر راجح اور صحیح قول دوسرا ہے کہ یہاں دراصل دعا مانگتے وقت ہاتھوں کے اٹھانے میں مبالغہ مراد ہے۔ جیسے کہ آپ ﷺ ہتھیلیوں کی پشت سے آسمان کی طرف اشارہ فرما رہے تھے۔ متعدد دیگر روایات بھی اس قول کی موید ہیں چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس قدر اوپر ہاتھ اٹھائے کہ آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ پس اصح قول یہ دوسرا ہی ہے اور ہاتھوں کو الٹا کر کے دعا مانگنا ہر حال میں غیر مشروع اور غیر ثابت ہے۔

17۔ بَابُ اللِّبَاسِ ......لباس کے احکام کا بیان

تمہید:......"باب اللباس" کے ذکر کا صحیح محل:...... اکثر علماء لباس کا بیان نماز کی شروط میں کرتے ہیں اس لیے زیادہ مناسب یہی تھا کہ "باب اللباس" کو شروطِ صلوٰۃ کے تحت ذکر کیا جاتا۔ لیکن چونکہ سترِ عورت کے بغیر نماز نہیں اس لیے اس کا ترک درست نہ تھا اس لیے کتاب الصلوۃ کے آخر میں اس کا ضرور ہی ذکر کر دیا۔

لباس کی اقسام

لباس کی دو قسمیں ہیں: (1) حسی اور مادی (2) معنوی اور روحانی۔ جیسا کہ اس ارشاد باری میں اس تقسیم کی طرف اشارہ ہے:

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَ رِيْشًا وَ لِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾

(الاعراف : 26)

"اے آدم کی اولاد! بے شک ہم نے تم پر لباس اتارا ہے، جو تمھاری شرمگاہوں کو چھپاتا ہے اور زینت بھی اور تقویٰ کا لباس! وہ سب سے بہتر ہے۔"

پھر حسی لباس کی بھی دو قسمیں ہیں:

(1) لباس ضروری، اور یہ ستر کا چھپانا ہے جس کا ذکر لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ میں ہے۔

(2) لباسِ زینت و کمال، اس کا ذکر وَ رِيْشًا میں ہے۔ یہ بابِ ضرورت میں سے نہیں بلکہ کمال اور زینت میں سے ہے۔

جبکہ لباس کی دونوں کی دونوں قسمیں رب تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔

لباس کی مشروعیت کی حکمت

چونکہ خلقی طور پر انسانی بدن ننگا ہوتا ہے جو اون اور بالوں وغیرہ سے ڈھکا اور چھپا نہیں ہوتا جیسے کہ دوسرے چوپایوں کے بدن پر پر، بال، اون، روئیں اور مچھلیوں کے پنکھ جیسی چیزیں ہوتی ہیں (اسی میں گھوڑوں کی ایال، دنبوں کی چکتی اور بعض برفانی جانوروں کی پیٹھ اور پیروں اور کھروں کے اوپر اگنے والے گھنے بال اور ریشم بھی داخل ہیں جبکہ سروں کے سینگ اور کلغی اور مور کے پنکھ بھی اس کی نہایت عمدہ مثال ہیں)۔ اسی لیے انسان حسی لباس کا محتاج ہوتا ہے اور چونکہ انسان شعور، ادراک، عقل، خرد، فہم اور سوجھ بوجھ کا بھی مالک ہوتا ہے جو انسان کے علاوہ دوسرے حیوانات کو حاصل نہیں اس لیے وہ تکالیف شرعیہ کا بھی مکلف اور ہدایت کا سیدھا راستہ پانے کا محتاج بھی ہوتا ہے۔ اس لیے انسان کو معنوی لباس یعنی تقویٰ و ہدایت کی حسی لباس سے کہیں زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکم کے اعتبار سے لباس کی اقسام

لباس میں اصل ''حلت'' ہے۔جس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ (البقرة : 29)

''وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے سب تمھارے لیے پیدا کیا۔''

زمین کی چیزوں سے بنائی جانے والی ایک چیز لباس بھی ہے جو اس آیت کے عموم کے تحت داخل ہے۔تو جب لباس میں اصل حلت تھی تو علماء کو اس بات کی حاجت پیش آئی کہ وہ ان نصوص کو ذکر کریں جو یہ بتلائیں کہ کون کون سا لباس حرام ہے۔کیونکہ حرام لباس مباح لباس سے کم ہیں۔اسی لیے علماء نے تحریم کے دلائل ذکر کیے۔پھر کوئی تحریم عارضی تو کوئی دائمی ہے اور کوئی عام تو کوئی خاص ہے۔عارضی تحریم کی مثال حلال کپڑے پر کسی جاندار کی تصویر بنا دینا ہے۔چنانچہ اگر اس کو ختم کر دیا جائے تو یہ حرمت رفع ہو جائے گی۔عام تحریم کی مثال تصویر والا کپڑا ہے جو عورت مرد اور نابالغ بچہ سب کے لیے حرام ہے۔(لازم تحریم کی مثال سور کی کھال سے بنا لباس ہے جو ہر وقت حرام ہے۔نسیم) غرض حکم کے اعتبار سے لباس کی کل پانچ قسمیں ہوئیں:

(1) مباح (2) دائمی حرام (3) عارضی حرام

(4) عام حرام (5) اور خاص حرام

زنا، شراب اور گانوں کی حرمت کا بیان

511- عَنْ أَبِيْ عَامِرِ الْأَشْعَرِيِّ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَيَكُوْنَنَّ مِنْ أُمَّتِيْ أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَ وَالْحَرِيْرَ)).

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ، وَأَصْلُهُ فِي الْبُخَارِيِّ.

حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''میری امت میں ایسے لوگ ضرور ہوں گے جو دیبا اور ریشم کو حلال ٹھہرائیں گے۔''[1]

اس حدیث کو امام ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل صحیح بخاری میں ہے۔

غریب الحدیث:...... لَيَكُوْنَنَّ: چونکہ یہاں فعل مضارع کے ساتھ نون تاکید متصل ہے اس لیے یہ کلمہ مبنی بر فتح ہے نہ کہ منصوب کیونکہ مذکورہ فعل سے قبل کوئی ناصب ذکر نہیں۔

اَقْوَامٌ: یہ قَوْمٌ کی جمع ہے۔قوم کے لفظ کا اطلاق بنیادی طور پر مردوں پر ہوتا ہے۔جیسا کہ اس آیت میں قوم کے لفظ کا مردوں پر اطلاق کرنے کے بعد عورتوں کا ذکر الگ سے کیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ﴾ (الحجرات : 11)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کوئی قوم کسی قوم سے مذاق نہ کرے، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ کوئی عورتیں دوسری عورتوں سے، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔''

البتہ جب اس لفظ کو نساء کے بغیر ذکر کیا جائے تو مراد عموم ہوتا ہے تب پھر یہ لفظ مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہوتا

[1] صحیح البخاري: 5590- سنن ابي داود: 4039.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ (ھود: 25)

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا، بے شک میں تمھارے لیے صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔''

مِنْ اُمَّتِیْ: مراد امتِ اجابت ہے نہ کہ امتِ دعوت جیسا کہ بارہا ذکر ہوا۔

یَسْتَحِلُّوْنَ: اِسْتِحْلَالٌ یہ کسی شے کو حلال ٹھہرانا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: (1) یا تو اعتقادی طور پر کسی حرام کو حلال ٹھہرایا جاتا ہے تب پھر ایسے شخص نے کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ لیکن مذکورہ روایت میں یہ استحلالِ اعتقادی مراد نہیں۔ (2) یا لاپروائی اور غفلت کے طور پر کسی کو حرام ٹھہرایا جاتا ہے۔ یہاں یہی مراد ہے کہ آدمی ایک حرام کا ارتکاب اپنی غفلت اور لاپروائی سے کرے جیسے کہ اس کے نزدیک ایسا کرنا حلال ہی ہو۔

اَلْخَزَّ: یہ ریشم کی ایک قسم ہے جس میں ریشم کے دھاگوں میں اُون کا دھاگا ملا ہوتا ہے۔ (غالباً اسی کو دِیْبَا کہتے ہیں) تب پھر الحریر سے مراد خالص ریشم ہوگا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ریشم کی ہر قسم مردوں پر حرام ہے جس کی تفصیل آگے آجاتی ہے۔ یہ سنن ابی داود کی روایت کے الفاظ ہیں جبکہ صحیح بخاری میں اس لفظ کی جگہ ''اَلْحِرَ'' کا لفظ آتا ہے، یہ شرم گاہ کو کہتے ہیں تب پھر مراد وہ شرم گاہ ہوگی جس سے استمتاع حلال نہ ہو اور یہ محارم اور دوسرے کے نکاح یا عدت میں موجود عورت کی شرمگاہ سے استمتاع ہے جو صریح حرام اور زنا ہے۔ غرض مراد یہ ہے کہ اس امت میں آگے چل کر وہ لوگ بھی آئیں گے جو زنا کو حلال سمجھیں گے۔

اَلْخَمْرَ: مراد شراب ہے اور یہ صحیح بخاری کی روایت میں مذکور ہے۔ خمر کی تعریف اور حکم گزر چکا ہے۔

اَلْمَعَازِفَ: اسی طرح صحیح بخاری کی روایت میں ایک لفظ مَعَازِف بھی ہے۔ یہ مِعْزَفٌ کی جمع ہے۔ یہ موسیقی کے کسی بھی قسم کے آلہ کو کہتے ہیں جس سے کوئی ساز، راگ، سُر یا دُھن بجائی اور بنائی جاتی ہو۔ اس بنا پر یہ لفظ جملہ آلاتِ موسیقی کو شامل ہے۔ البتہ اس سے دف مستثنیٰ ہے جس کی تفصیل اپنے مقام پر آجائے گی۔

مضمون حدیث :...... سنن ابی داود اور صحیح بخاری کی ان دونوں روایات میں عیش پرستوں، ناز پروروں، عشوہ پردازوں اور شراب و شباب اور عیش و طرب کے دلدادوں پر شدید نکیر کی گئی ہے جن کو سوائے مستی و سرور میں بدمست رہنے کے اور کسی بات کا نہ غم ہے اور نہ پروا اور انہیں اس بات کی مطلق فکر نہیں کہ وہ حرام کاموں میں ڈوبے ہیں یا رب کی مرضیات میں لگے ہیں؟ وہ تو بس لذت کام و دہن اور دل و دماغ کی فرحت و سرور میں مستغرق ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ زنا، شراب، گانے اور خالص مردوں کے لیے ریشم حرام ہیں۔ ان سب باتوں کی حرمت پر امت کا اجماع ہے۔
- شراب ہر برائی کی جڑ ہے۔
- زنا کسی بھی معاشرے کے خاندانی، معاشرتی اور سماجی نظام کو درہم برہم کر دیتا ہے، جبکہ اس کے ساتھ ساتھ زنا بدکار کے اعصابی اور عضلاتی نظام کو بھی تباہ و برباد کر دیتا ہے۔
- علماء نے گانے کو زنا کی سیڑھی یا اس کا منتر قرار دیا ہے۔ چنانچہ گانا دل کی دنیا برباد اور اخلاق کو گھن لگا دیتا ہے۔ گانوں کے رسیا کان دلوں کو نفاق کی آماج گاہ اور گانا بدن کے ہر ہر جوڑ کو موسیقی کی دھنوں کا ترجمان بنا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گانوں کے دلدادوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ چلتے پھرتے ہوئے بے خودی کے عالم میں اپنی انگلیاں سر اور بدن کے مختلف اعضاء تھرکاتے چل رہے ہوتے ہیں۔ جبکہ زبان نغمہ سرا، دل اس میں مگن اور دماغ اس میں مستغرق ہوتا ہے۔ اسی لیے امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر گانا دلوں میں نفاق پیدا کرتا ہے تو ذرا جائے تعجب نہیں۔ بے شک ایسا دل اللہ کی یاد سے خالی، مردہ، افسردہ، پژمردہ، بے کیف، بے روح اور اُڑا اُڑا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت میں لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے مراد گانا قرار دیا ہے اور وہ اس بات پر اللہ کی قسم بھی کھایا کرتے تھے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا﴾ (لقمن: 6)

''اور لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو غافل کرنے والی بات خریدتا ہے، تاکہ جانے بغیر اللہ کے راستے سے گمراہ کرے اور اسے مذاق بنائے۔''

- مذکورہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ بھی ہے۔ کیونکہ مذکورہ حدیث دراصل ایک پیشین گوئی ہے اور پیغمبر کی پیشین گوئی ہر حال میں واقع ہو کر رہتی ہے جو اس کے سچا ہونے کی دلیل اور معجزہ ہوتی ہے۔
- ریشم کو مستثنیٰ کر کے مذکورہ حرمتیں عورتوں کو بھی شامل ہیں جیسا کہ ''اَقْوَامٌ'' کا عموم اس کو مقتضی ہے۔
- معلوم ہوا کہ ایک دنیا ان چیزوں میں لگ جائے گی جیسا کہ ''اَقْوَامٌ'' کے لفظ سے مستفاد ہوتا ہے۔
- امام موصوف رحمہ اللہ اس حدیث کو مذکورہ باب کے تحت اس مناسبت سے لائے ہیں کہ اس میں حرام لباس کی ایک نوع کا ذکر ہے۔
- البتہ یاد رہے کہ مذکورہ حدیث سے اصلی ریشم مراد ہے جو ریشم کے کیڑے کے بنائے دھاگوں سے بنایا جاتا ہے۔ رہا مصنوعی ریشم تو دراصل وہ ریشم ہی نہیں، اس کی صرف صورت ریشم جیسی ہوتی ہے۔ لہٰذا مصنوعی ریشم اس ارشاد باری تعالیٰ کے عموم میں داخل ہو کر حلال ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ (البقرة: 29) ''وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے سب تمھارے لیے پیدا کیا۔''

البتہ اس کے باوجود ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ اس مصنوعی ریشم سے بھی اجتناب اولیٰ ہے کہ اس میں زنانہ پن کا میلان اور اس کی طرف رغبت کا گمان ہے۔

ریشم کا پہننا اور اس پر بیٹھنا حرام ہے

512- وَعَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ نَشْرَبَ فِيْ آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَأَنْ نَأْكُلَ فِيْهَا وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ وَأَنْ نَجْلِسَ عَلَيْهِ)).

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ ہم سونے چاندی کے برتنوں میں پئیں اور یہ کہ ان میں کھائیں اور (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں) ریشم اور دیباج کے پہننے سے اور اس بات سے (منع فرمایا) کہ ہم ریشم (کے بنے کسی گدے، تکیے، غالیچے یا بستر) پر بیٹھیں۔ ❶

❶ صحیح البخاري: 5837- و عند مسلم (2067) باختلاف.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ . اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... دِيْبَاجٌ: وہ قیمتی ریشمی کپڑا جس کا تانا اور بانا دونوں ریشم کا ہو۔ [1]

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے اور ریشم کا لباس پہننے اور اسے کسی دوسرے استعمال میں لانے کی حرمت کا بیان ہے۔ بَابُ الْآنِيَةِ میں برتنوں کے تفصیلی احکام ذکر کر دیئے گئے ہیں۔

ذیل میں ریشم کے چند احکام بیان کیے جاتے ہیں:

ریشم پہننے کی ممانعت اور اس کے استعمال پر وعید کا بیان

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ "یہ ان کا لباس جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔" [2]

ریشم کے استعمال کے احکام

ریشم کا استعمال دو طرح پر ہے: (1) ایک اس کا پہننا تو یہ مردوں کے لیے بالاتفاق حرام اور عورتوں کے لیے بالاتفاق جائز ہے۔ (2) ریشم کو اوڑھنا اور بچھانا تو یہ بالاتفاق مردوں کے لیے تو حرام ہے ہی لہٰذا کسی ریشمی چادر یا بستر پر بیٹھنا مردوں کو حرام ہوگا۔

البتہ عورتوں کے ریشمی چادروں وغیرہ پر بیٹھنے کے حرام ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کے نزدیک عورتوں کے لیے بھی ریشمی چادر پر بیٹھنا حرام ہے کیونکہ ریشمی بچھونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جبکہ بعض علماء نے ایک حدیث کے عموم سے عورتوں کے لیے اس کو مباح قرار دیا ہے۔ اب جن علماء نے حدیث کے ظاہری الفاظ کو لیا ہے انہوں نے عورتوں کے ریشم پر بیٹھنے کو پہننے کی طرح مباح قرار دیا ہے اور جنہوں نے اس کے معنی کو دیکھا ہے تو انہوں نے ریشم کے بچھونے پر بیٹھنے کی عدم احتیاج کو دیکھتے ہوئے عورتوں کے لیے بھی اس کو منع قرار دیا ہے۔ اولیٰ اور محتاط قول یہی ہے کہ عورتیں ریشم کو پہننے کے سوا اس کے دیگر استعمالات سے اجتناب کریں۔

کون سا ریشم حرام ہے

(1) اس سے مراد ریشم کے کیڑے کا بُنا ہوا کپڑا ہے۔

(2) پھر جس کپڑے کا تانا بانا دونوں ریشم کے ہوں، اس کا استعمال حرام ہوگا۔

(3) جس کپڑے میں اکثر ریشم ہو وہ حرام ہوگا۔

(4) جس کپڑے میں ایک ہی جگہ چار انگلی کے برابر اکٹھا ریشم لگا ہو، وہ بھی حرام ہوگا۔

(5) البتہ جس کپڑے میں غیر ریشم اکثر ہو اور ریشم کے بعض متفرق ٹکڑے لگے ہوں اس کا استعمال جائز ہوگا۔

ریشم کی کتنی مقدار مباح ہے

513- وَعَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ إِلَّا مَوْضِعَ إِصْبَعَيْنِ أَوْ ثَلَاثٍ أَوْ أَرْبَعٍ)) .

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ریشم پہننے سے منع فرمایا سوائے دو یا تین یا چار انگلی کے برابر (ریشم) کے (کہ اتنا ریشم برتنا مباح ہے جبکہ وہ کسی دوسرے

---

[1] القاموس الوحيد، ص: 497 (نسيم)

[2] صحيح البخاري: 948، صحيح مسلم: 2068

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کپڑے میں لگا ہو)۔ ❶

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ .

یہ حدیث "متفق علیہ" ہے اور اس روایت کے یہ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔

غریب الحدیث :...... نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: نَهٰى کا کلمہ یہ حکم میں لَا تَلْبَسُوْہ کے جیسا ہے اور یہی اصل ہے۔ کیونکہ اس کلمہ کا قائل ایک صحابیٔ رسول ہے جو عربی زبان کے جملہ اسالیب اور نبی کریم ﷺ کی مراد کو بخوبی جانتے ہیں۔

عَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ: یہ حکم عام ہے جو شلوار قمیص، رومال، صافہ، عمامہ سر بند وغیرہ سب کو شامل ہے اور بظاہر یہ حکم مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے۔ لیکن عورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جس کا بیان آگے آ رہا ہے۔

اِلَّا مَوْضِعَ اِصْبَعَيْنِ اَوْ ثَلَاثٍ اَوْ اَرْبَعٍ: یہاں اَوْ شک کے لیے نہیں بلکہ تنویع کے لیے ہے۔ جس کو بسا اوقات تخییر کا نام بھی دے دیتے ہیں۔ تب پھر اس تعبیر سے دو باتیں مستفاد ہوئیں:

(1) اگر ریشم پانچ انگلیوں کے برابر یا اس سے زیادہ ہوگا تو اس کا استعمال جائز نہ ہوگا۔

(2) اور دو انگلیوں سے کم ریشم بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔

رہا یہ سوال کہ اعتبار کس انگلی کا ہے کہ کسی کی انگلی پتلی، کسی کی موٹی اور کسی کی لمبی تو کسی کی چھوٹی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مراد متوسط انگلی ہے۔

مضمون حدیث:...... مضمونِ حدیث واضح ہے کہ ریشم کا استعمال مذکورہ نہایت معمولی مقدار کے سوا جائز نہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ ریشم کی جملہ انواع، دیبا، اطلس، استبرق، کم خواب، خز وغیرہ سب کا استعمال ناجائز ہے۔ پہننا بھی اور برتنا بھی، مردوں کے لیے تو یہ ممانعت عام ہے البتہ عورتوں کے لیے پہننے کا استثنا ہے۔
- معلوم ہوا کہ چار انگلی کے بقدر ریشم مباح ہے اس سے زیادہ نہیں۔
- معلوم ہوا کہ کسی دوسرے کپڑے پر اس قدر ریشم کا پیوند لگانا جائز ہے۔

کسی مرض یا عذر کی وجہ سے ریشم پہننے کا حکم

514- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ : ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَخَّصَ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ ، وَالزُّبَيْرِ فِيْ قَمِيْصِ الْحَرِيْرِ فِيْ سَفَرٍ ، مِنْ حِكَّةٍ كَانَتْ بِهِمَا)) .

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جناب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور جناب زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو ایک سفر میں جس میں ان دونوں حضرات کو خارش کی بیماری لگ گئی تھی ریشم کی قمیص (پہننے) کی رخصت عنایت فرمائی تھی۔ ❷

یہ حدیث "متفق علیہ" ہے۔

غریب الحدیث:...... رَخَّصَ: رخصت دینا، رخصت اور عزیمت کا معنی تفصیلاً ذکر کیا جا چکا ہے۔

---

❶ صحيح البخاري: 5828- صحيح مسلم: 2069.

❷ صحيح البخاري: 2919- صحيح مسلم: 2076.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَمِيصِ الْحَرِيْرِ: یہ دو بازوؤں والے کپڑے کو کہتے ہیں۔ مذکورہ اضافت مِنْ کی تقدیر کے ساتھ ہے یعنی "قَمِيصٍ مِّنَ الْحَرِيْرِ"۔

فِيْ سَفَرٍ: یہ کسی قید کا نہیں بلکہ واقع کا بیان ہے۔ مِنْ حِكَّةٍ: حِكَّةٌ کھجلی کی بیماری کو کہتے ہیں اور یہاں مِنْ سببیہ ہے۔ جو لبسِ حریر کے جواز کی تعلیل کو بیان کر رہا ہے۔ کھجلی میں ریشم پہننے کی اجازت اس لیے عنایت فرمائی کیونکہ ریشم کو کھجلی کو آرام دینے میں ایک خاص تاثیر حاصل ہے۔

تَنْبِيْه:...... مذکورہ حدیث کا مضمون واضح ہے کہ آپ ﷺ نے خارش جیسے ایک مرض کی وجہ سے ریشمی قمیض کے استعمال کی اجازت عنایت فرمائی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ معلوم ہوا کہ ریشم پہننے کی ممانعت اس کے نجس اور ناپاک ہونے کی وجہ سے نہیں۔ کیونکہ اگر ریشم نجس ہوتا تو اوّل تو عورتوں کو بھی اس کے استعمال کی اجازت نہ ہوتی، دوسرے اس کے پہننے کا نہ تو کوئی فائدہ ہوتا اور نہ اس کے استعمال سے شفا ہی ملتی۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے کسی حرام اور ناپاک شے میں شفا رکھی ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ سے شراب کو بطور دوا کے استعمال کرنے کی بابت سوال کیا گیا تو فرمایا کہ "یہ تو بیماری ہے نہ کہ دوا۔" غرض معلوم ہوا کہ مردوں پر ریشم کا استعمال ایک خارجی معنی کی وجہ سے ہے اور وہ ہے تن آسانی، نازک اندامی، نزاکت پسندی اور آرام پرستی جیسی مذموم صفات کا ریشم کے استعمال سے حاصل ہونا، جو مردوں کی خلقی اور جبلی صفات جیسے تن دہی، جفاکشی، درویشی، مجاہدہ، بہادری، فاقہ کشی، صبر و ہمت اور راہِ جہاد میں مصیبت و مشقت کو سہنا حتیٰ کہ جان تک دے دینے کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ریشم مردوں کے لائق ہی نہیں البتہ عورتوں جیسی ضعیف اور نازک مخلوق کے مناسب ہے۔

◈ یہی وجہ ہے کہ ریشم کی حرمت دائمی نہیں کہ جس میں اباحت صرف اشد ضرورت کے وقت ہی ہوتی ہے جیسے بھوک سے جاں بلب کے لیے خنزیر کھانے کی اباحت۔ چنانچہ ریشم کسی عذر یا مرض وغیرہ کی حاجت کی وجہ سے مباح ہے جیسے کھجلی کی بیماری کہ اس میں ریشم کا استعمال جائز ہے۔

◈ ریشم کی اباحت کے لیے کسی عذر یا بیماری کا سفر میں ہونا لازم نہیں۔ لہٰذا سفر کا ذکر بطور واقع کے بیان کے ہے نہ کہ حکم کی قید کا بیان ہے۔

◈ اور یہاں اعتبار الفاظ کے عموم کا ہے نہ کہ سبب کے خصوص کا۔ لہٰذا یہ اباحت اور رخصت صرف انہی دو جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہما کے لیے ہی نہ تھی بلکہ یہ رخصت سب کے لیے عام ہے۔

مردوں کو ریشم ہدیہ میں دے سکتے ہیں البتہ شرط یہ ہے کہ ان کو پہننے کے لیے نہ دیا جائے

515- وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((كَسَانِي النَّبِيُّ ﷺ حُلَّةَ سِيَرَاءَ، فَخَرَجْتُ فِيهَا، فَرَأَيْتُ الْغَضَبَ فِيْ وَجْهِهِ، فَشَقَقْتُهَا بَيْنَ نِسَائِيْ))

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک دھاری دار ریشمی پوشاک عنایت فرمائی۔ پس میں (بعد میں) اس پوشاک میں (یعنی اس کو پہن کر) نکلا تو میں نے رخِ انور پر غصے کے آثار دیکھے تو میں نے (لوٹ کر پہلے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے اتارا پھر) اسے پھاڑ کر اپنے گھر کی عورتوں میں تقسیم کر دیا۔ ❶

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَهٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ. یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں۔

معرفة الصحابة :...... جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ :...... اہل بیت میں سے افضل اور نبی کریم ﷺ کے عزیز ترین قرابت دار تھے۔ جناب علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت قرابت رسول کی وجہ سے بھی تھی اور ان خاص صفاتِ حمیدہ اور خصائل ستودہ کی وجہ سے بھی تھی جو جنابِ علی رضی اللہ عنہ کا ہی خاصہ تھیں۔ کیونکہ اگر افضلیت کی وجہ صرف قرابت ہی ہوتی تو جناب عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ضرور ان سے افضل ہوتے۔ کیونکہ جنابِ عباس رضی اللہ عنہ تو نبی کریم ﷺ کے چچا تھے جبکہ جناب علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے چچا زاد تھے اور ظاہر ہے چچا بھتیجے سے افضل اور اقرب ہوتا ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ جنابِ علی رضی اللہ عنہ کو بعض ایسے نمایاں اور ممتاز فضائل و مناقب حاصل تھے جن میں جنابِ عباس رضی اللہ عنہ شریک نہ تھے اور جب افضلیت اور بڑائی کا معیار فضائل و مناقب ہی ٹھہرے تو اسی لیے جناب صدیق اکبر، جناب فاروق اعظم اور جناب ذوالنورین رضی اللہ عنہم کو جنابِ علی رضی اللہ عنہ پر برتری اور فضیلت حاصل ہے، البتہ قرابتِ رسول کا مستقل حق اور برتری ہے اسی لیے جو لوگ قرابتِ رسول کی فضیلت و بزرگی کو نہیں مانتے ہم اہل سنت والجماعت ان کو نہیں مانتے، ہم نہ ان سے محبت کرتے ہیں اور نہ ان لوگوں سے کوئی تعلق رکھتے ہیں جو قرابتِ رسول کی فضیلت و منقبت کے منکر ہیں۔

غریب الحدیث :...... كَسَانِيْ: یعنی عنایت فرمایا۔ چونکہ جناب علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے اس حلہ کے بھیجنے سے یہ سمجھے کہ شاید آپ ﷺ مجھے یہ حلہ پہنانا چاہتے ہیں اس لیے كَسَانِيْ سے تعبیر کیا۔ وگرنہ خود ہی پہننے کو عنایت فرمانے کے بعد ناراض ہونے سے تعارض لازم آتا ہے جو رفع ہے۔ کیونکہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سمجھا تھا، نہ کہ نبی کریم ﷺ نے پہننے کو دیا تھا۔ حُلَّةً سِيَرَاءَ: حُلَّةٌ ❷ عمدہ پوشاک کو کہتے ہیں۔ اس سے دو ایک جیسے کپڑے بھی مراد ہوتے ہیں، پس ایک کپڑے پر ہر دوسرے کپڑے کو حُلّہ کہتے ہیں۔

سِيَرَاءَ: یہ ریشم کی دھاری دار چادر کو کہتے ہیں اور وہ کپڑا جس میں تسموں کی طرح ریشم کی لکیریں پڑی ہوں۔ سِيَرَاءُ، اَلسَّيْرُ مِنَ الْجِلْدِ سے ماخوذ ہے۔ یہ لمبے تراشے ہوئے چمڑے کے ٹکڑے اور تسمے کو کہتے ہیں اس کی جمع سُيُوْرٌ آتی ہے۔ سیراء کی وجہ تسمیہ یہی ہے کیونکہ اس میں بھی ریشم کی ڈوریاں اور تسمے لگے ہوتے ہیں۔ اس لغوی تحقیق کے بعد اب كَسَانِيْ حُلَّةً سِيَرَاءَ کی نحوی ترکیب و تحقیق ملاحظہ ہو۔

كَسَا:...... یہ فعل ماضی کا صیغہ ہے۔

نِيْ:...... یائے متکلم کی ضمیر مفعول بہ اول ہے۔ اور اس پر داخل نون ''نون وقایہ'' ہے۔

حُلَّةً سِيَرَاءَ: یا تو دونوں میں اضافت ہے تب پھر یہ مرکب اضافی مفعولِ ثانی ہوگا اور یہاں اضافت ''مِنْ'' کے ساتھ ہوگی یعنی حُلَّةً مِنْ سِيَرَاءَ اور سِيَرَاءَ کے غیر منصرف ہونے کی وجہ سے اس کی حالت جری لفظی فتح کے ساتھ ہوگی۔

⊙ ...... یا پھر دونوں میں ترکیب توصیفی ہے کہ حلۃ موصوف اور سیراء صفت اور یہ مرکب توصیفی دوسرا مفعول ہوگا۔

---

❶ صحيح البخاري: 2614۔ صحيح مسلم: 2071. ❷ حُلَّةٌ: صاف اور نئے کپڑوں کا جوڑا۔ ایک ہی قسم کے دو کپڑے اور کبھی اس کا اطلاق چادر اور ازار پر بھی ہوتا ہے۔ (القاموس الوحيد، ص: 371) (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَخَرَجْتُ فِيهَا: یعنی فِی لُبْسِهَا یعنی میں اس کو پہن کر نکلا۔

فَرَأَيْتُ الْغَضَبَ فِي وَجْهِهِ: یہاں ایجاز بالحذف ہے۔ یعنی ایک جملہ حذف کر کے عبارت میں ایجاز و اختصار لایا گیا ہے۔ پس تقدیری عبارت یوں ہے: فَخَرَجْتُ فِيهَا فَرَآنِيْ فَغَضِبَ فَرَأَيْتُ الْغَضَبَ فِي وَجْهِهِ. یعنی پہلے نبی کریم ﷺ مجھے اس لباس میں دیکھ کر ناراض ہوئے تب میں نے آپ ﷺ کے روئے مبارک پر ناراضی دیکھی۔

فَشَقَقْتُهَا بَيْنَ نِسَائِيْ: یعنی میں نے اس حلہ کو پھاڑ دیا اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ اسے گھر کی خواتین کی اوڑھنیاں بنا دیا۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث سے دو اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(1) ریشم بذاتِ خود ناپاک نہیں لہٰذا اس کا ہدیہ مردوں کو بھی دے سکتے ہیں البتہ ہدیہ دینے میں اس بات کا ارادہ نہ ہو کہ جسے ہدیہ دیا ہے وہ اسے خود بھی پہنے۔

(2) ریشم کا استعمال کسی مرد کو بھی جائز نہیں حتیٰ کہ پیغمبر کے عنایت فرمانے سے بھی اس کا پہننا حلال نہیں ہو جاتا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اگر ایک شے کسی دوسرے کو حلال ہو تو وہ شے اسے بھی ہدیہ کی جا سکتی ہے جو مہدی الیہ (جسے ہدیہ دیا گیا ہے اس) کے لیے حلال نہ ہو۔ جیسے ریشم جو مردوں کو حلال نہیں، انہیں اس غرض سے دیا جا سکتا ہے کہ وہ اس ریشم کو عورتوں کو جا کر دے دیں کیونکہ ان کے لیے ریشم کا استعمال جائز ہے۔
- اگر رب تعالیٰ کی حرمتیں پامال ہو رہی ہوں تو غصہ ہونا مستحب ہے۔ چنانچہ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ غصہ مذموم صفت نہیں البتہ اس کا بے محل استعمال مذموم ہے اور ایک حدیث میں جو ارشاد ہے کہ لَا تَغْضَبْ [1] تو اس سے یہی بے محل غصہ مراد ہے۔
- معلوم ہوا کہ کسی اور غرض اور منفعت کی خاطر ایک صحیح الاستعمال کپڑا پھاڑنا جائز ہے۔
- اگرچہ نسائی کے لفظ سے متعدد ازواج کا گمان ہوتا ہے لیکن یہ بات متفق علیہ ہے کہ جناب علی رضی اللہ عنہ نے دورِ نبوت میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا کسی اور خاتون سے شادی نہ کی تھی۔ اس لیے متعین احتمال یہ ہے کہ اس لفظ سے گھر کی دیگر خواتین مراد ہیں۔

عورتوں کے لیے سونے اور ریشم کے حلال ہونے کی حکمت

516- وَعَنْ أَبِي مُوسَى رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((أُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيرُ لِإِنَاثِ أُمَّتِي، وَحُرِّمَ عَلَى ذُكُورِهَا)). رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ.

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال ٹھہرایا گیا ہے ان کو میری امت کے مردوں پر حرام کیا گیا ہے۔'' [2] اس حدیث کو امام احمد، امام نسائی اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے

---

[1] صحيح البخاري: 6116.

[2] مسند احمد: 392/4- سنن النسائي: 161/8- جامع الترمذي: 1720- امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ جبکہ امام ابن حبان (250/12) نے اس حدیث کو معلول اور غیر صحیح کہا ہے۔ دیکھیں: العلل للدارقطني: 241/7.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث :...... أُحِلَّ : یہ لفظ فعل ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ جب ایسا کلمہ جناب رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمائیں تو مراد رب تعالیٰ کی ذات اقدس ہوتی ہے۔ یعنی سونے اور ریشم کو عورتوں کے لیے حلال اور مردوں کے لیے حرام رب تعالیٰ نے کیا ہے۔ لِإِنَاثِ أُمَّتِيْ : امت سے امتِ اجابت مراد ہے نہ کہ امت دعوت اور إناث یہ أُنثٰی کی جمع ہے جو بالغہ اور نابالغہ دونوں کو شامل ہے۔ عورت کو زیب و زینت اور آرائش و زیبائش کی فطری احتیاج ہوتی ہے کہ اس سے خاوند کی محبت حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے خاوند کے لیے بجنا دھجنا عورت کے لیے مشروع ہے، اسی مشروع غرض کے لیے عورت کے لیے سونا اور ریشم حلال ہے اور یہی اس کی اباحت کی غرض و مصلحتِ خاصہ ہے۔ کیونکہ خاوند، بیوی کو بنا سنورا دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ یہیں سے مردوں پر سونے اور ریشم کے حرام ہونے کی وجہ بھی ظاہر ہوگئی جس کو گزشتہ میں مفصل ذکر کر دیا گیا ہے۔

عَلَى ذُكُورِهَا: معلوم ہوا کہ مردوں کے لیے ریشم اور سونا حرام ہے۔ اسی طرح نابالغ مردوں پر بھی۔ کیونکہ مذکورہ حرمت کا تعلق ذکورت سے ہے نا کہ بلوغ سے۔ چنانچہ بچوں کو بھی ریشم پہنانا یا سونے کی کوئی چیز ڈالنا منع ہوگا۔ البتہ بچیوں کے لیے جائز ہوگا جیسا کہ بالغ عورتوں کے لیے جائز ہوتا ہے۔

تنبیہ:...... مذکورہ حدیث کا مضمون واضح ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ تحلیل وتحریم کے احکام میں شریعت نے حکمت کو ملحوظ رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مردوں کے لیے ریشم اور سونا حرام ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں رجولیت اور ذکورت کے مناسب نہیں۔

◈ عورتوں کے لیے سونے اور ریشم کی حلت کا یہ حکم بالغہ اور نابالغہ دونوں کو شامل ہے۔

◈ أُحِلَّ کے کلمات بتلاتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ اپنے رب کے ساتھ کس قدر ادب کو ملحوظ رکھتے تھے کہ آپ ﷺ نے تحلیل وتحریم کا یہ حکم اپنی ذات کی طرف منسوب نہیں فرمایا۔ دوسرے کسی حکم کی رب تعالیٰ کی ذات کی طرف نسبت اسے اور زیادہ موکد اور اقرب الی الاجابت بنا دیتی ہے۔

◈ عورتوں کے لیے سونے کے استعمال کی اجازت کا عموم سونے کے بنے حیوانات کی شکل والے لاکٹس کو شامل نہ ہوگا کیونکہ ان کا حکم مجسمات کا ہے جن کی تحریم دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔

رب تعالیٰ کو یہ بات محبوب ہے کہ وہ اپنے بندے پر اپنی عطا کردہ نعمتوں کو دیکھے

517۔ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ إِذَا أَنْعَمَ عَلَى عَبْدِهِ نِعْمَةً ، أَنْ يَرَى أَثَرَ نِعْمَتِهِ عَلَيْهِ)) .

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”بے شک رب تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ جب وہ اپنے کسی بندے پر کسی نعمت کی ارزانی فرمائے تو وہ اس بندے پر اپنی اس نعمت کا اثر دیکھے۔“ ❶

---

❶ سنن البيهقي: 271/3۔ مسند احمد: 438/4۔ اس روایت کا ایک شاہد جامع الترمذی میں بھی ہے۔ امام حاکم نے ”المستدرك“ (150/4) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (دیکھیں: فتح الباري: 260/10) .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ.
اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔

رب تعالیٰ کی نعمتوں کی اقسام اور ان کے احکام

یہ رب تعالیٰ کے کرم واحسان کا کمال ہے کہ وہ خود ہی نعمتیں بھی دیتا ہے پھر اپنے بندوں پر ان نعمتوں کو دیکھ کر خوش بھی ہوتا ہے۔ نعمتوں کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں:

(1) دینی نعمت (2) دنیاوی نعمت

دینی نعمت:...... یہ ایمان، علم اور علم پر عمل ہے۔ اس لیے بندے پر واجب ہے کہ ایمان کی نعمت نصیب ہونے پر رب تعالیٰ کا شکر گزار رہے اور اس نعمت ایمان کے ثمرات دکھائے جن کو دیکھ کر رب تعالیٰ خوش ہو اور وہ ثمرات اعمالِ صالحہ کا امتثال اور معاصی ونواہی سے اجتناب ہیں۔ ایمان میں دل کی درستگی ہے اور دل کی درستگی میں سارے بدن کی درستگی ہے۔ پس ایمان، علم اور عمل سب سے افضل دینی نعمتیں ہیں جن کا لازمی ثمرہ معاصی سے اجتناب ہے۔

دنیاوی نعمت:...... یہ مال و دولت، آل اولاد، حسب ونسب، جاہ ومنصب اور عزت وشہرت وغیرہ ہے۔ لہٰذا مال کی نعمت نصیب ہو تو آدمی عمدہ لباس پہنے، اسی طرح اس کا رہن سہن بھی عمدہ ہو تا کہ اس پر اللہ کی نعمتوں کے آثار نظر آئیں۔ چنانچہ مالی فراوانی کے باوجود بوسیدہ، کٹا پھٹا جھوٹا موٹا لباس پہننا، معمولی کھانا کھانا، نکمے سے گھر میں رہنا اور کھٹارہ گاڑی لیے پھرنا رب تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر نہ ہوگا۔ رہا تواضع کے طور پر گھٹیا لباس پہننے کا مستحب ومندوب ہونا تو یہ تب ہے جب آدمی فقراء اور تنگدست لوگوں میں رہتا ہو کہ ان کے درمیان عمدہ لباس پہننے میں خود اپنے دل میں ایک گونہ عجب اور خود پسندی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ خود فقراء اور ناداروں کی دل شکنی بھی ہے۔ مذکورہ حدیث کو باب اللباس کے تحت لانے کی مناسبت بالکل ظاہر ہے کہ لباس نماز کی شروط میں سے ہے اور عمدہ لباس رب تعالیٰ کو محبوب ہے۔

تنبیہ:...... مذکورہ روایت میں رب تعالیٰ کی صفتِ محبت کا اثبات ہے جس پر بارہا مفصل کلام گزر چکا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نعمتیں عطا کرنا بلاشبہ رب تعالیٰ کا کرم ہے اور انہی نعمتوں کو دیکھ کر خوش ہونا اس کا مزید احسان اور لطف وکرم ہے۔
- معلوم ہوا کہ انسان اللہ کو مانے یا نہ مانے مگر وہ اس کا بندہ اور اس کی مخلوق ضرور ہے۔ اسی لیے عَلٰى عَبْدِهٖ فرمایا۔
- اللہ نے دیا ہو تو عمدہ لباس پہنے جو اس کے غنا کے مناسب حال ہو کہ نہ تو اس میں بخل ہو اور نہ اسراف اور نہ تبذیر ہی ہو کہ یہ امر اس کی نعمتوں کی شکر گزاری ہے۔

ریشمی اور زرد رنگ میں رنگے کپڑے کو پہننا منع ہے

518- وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ: ((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ لُبْسِ الْقَسِّيِّ وَالْمُعَصْفَرِ)).

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے (ریشم کی ایک خاص قسم) قَسِّي (کے پہننے) سے اور زرد رنگ میں رنگے کپڑے (کے پہننے) سے منع فرمایا ہے۔ [1]

رَوَاهُ مُسْلِمٌ.
اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم: 2078

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غریب الحدیث:......نَهْی: یہ تعبیر کسی چیز کی تحریم کے لیے ہوتی ہے۔ کیونکہ نہی میں اصل حرمت ہے۔ البتہ چونکہ یہ حرمت ریشم سے متعلق ہے اس لیے یہ حرمت صرف مردوں کے حق میں ہوگی نہ کہ عورتوں کے حق میں بھی ہوگی۔

اَلْقَسِّيِّ: یہ ریشم کی ایک قسم ہے۔ ❶

اَلْمُعَصْفَر: وہ کپڑا جو عُصْفُر ❷ میں رنگا ہو۔ بظاہر یہ حکم اور ممانعت مردوں اور عورتوں دونوں کو عام ہے۔ لیکن علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ حکم اور ممانعت بھی مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ عورتیں زرد رنگ کا لباس پہنا کرتی ہیں۔ اس میں بعض کپڑے کا زرد رنگ کا رنگا ہونا یا پورے کپڑے کا رنگا ہونا دونوں کا حکم ایک ہے۔

519۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ: رَأَى عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ ثَوْبَيْنِ مُعَصْفَرَيْنِ، فَقَالَ: أُمُّكَ أَمَرَتْكَ بِهٰذَا؟)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ (ایک موقع پر) نبی کریم ﷺ نے مجھ پر زرد رنگ میں رنگے دو کپڑے دیکھے تو (تنبیہ کے طور پر) ارشاد فرمایا: ''کیا تمہاری ماں نے ان کپڑوں (کے پہننے) کو کہا ہے؟'' ❸

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:......رَاٰی عَلَيَّ: مراد رویتِ عین ہے۔

اُمُّكَ اَمَرَتْكَ بِهٰذَا؟: اُمُّكَ یہ مبتدا ہے اور یہاں حرف استفہام مقدر ہے اور تقدیری عبارت یوں ہے۔ ءَ اُمُّكَ. آگے اَمَرَتْكَ بِهٰذَا؟ یہ پورا جملہ اس مبتدا کی خبر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد اس لیے فرمایا تھا کیونکہ زرد رنگ میں رنگا لباس تو عورتوں کا ہوا کرتا ہے نہ کہ مردوں کا۔ بلاشبہ اس ارشاد میں جو سرزنش اور بلیغ توبیخ ہے وہ اہل علم پر پوشیدہ نہیں اور مراد ناقص تربیت کی طرف اشارہ تھا کہ کیا تمہاری ماں نے تمہیں اتنا بھی نہ سمجھایا تھا کہ ایسا لباس تو عورتیں پہنا کرتی ہیں۔

تَنْبِيْه: ...مضمون حدیث واضح ہے کہ ریشم اور زرد رنگ مردوں پر منع ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- منکر پر انکار واجب ہے۔
- معلوم ہوا کہ زرد، سبز اور سرخ وغیرہ شوخ رنگوں کا استعمال عورتوں کے لیے جائز ہے۔
- عموماً ماؤں کی تربیت ناقص ہوا کرتی ہے جس کی دلیل اُمُّكَ اَمَرَتْكَ بِهٰذَا کے الفاظ ہیں۔ اس لیے مردوں کو اپنی اولادوں اور زیردستوں کی تربیت پر خاص توجہ دینا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے سات سال کے بچہ کی حضانت کی بابت یہ قول کیا ہے کہ اگر وہ اپنی ماں کو اختیار کرتا ہے تو وہ صرف رات کو اس کے پاس رہے گا جبکہ دن باپ کے پاس ہی گزارے گا۔

ریشم سے کپڑے کو ترپنا جائز ہے

520۔ وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رضی اللہ عنہما: ((أَنَّهَا أَخْرَجَتْ جُبَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، مَكْفُوْفَةَ

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کا جبہ مبارک نکالا، جس کا گریبان، آستین اور (آگے

---

❶ اَلْقَسِّيِّ: مصر اور شام میں تُسر کے بنے جانے والے کپڑے جن پر ترنج کی شکلیں بنی ہوتی تھیں۔ (القاموس الوحید، ص: 1310) (نسیم) ❷ عُصْفُر ایک زرد رنگ کی بوٹی جس سے رنگائی کی جاتی ہے۔ (القاموس الوحید، ص: 1089) (نسیم) ❸ صحیح مسلم: 2077.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْجَيْبِ وَالْكُمَّيْنِ وَالْفَرْجَيْنِ بِالدِّيْبَاجِ)). رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ، وَأَصْلُهُ فِي مُسْلِمٍ.

پیچھے کے) چاک (یعنی شگاف) کو دیبا سے بخیہ کیا گیا تھا۔ ❶ اس حدیث کو امام ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل صحیح مسلم میں ہے۔

وَزَادَ: ((كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ رضي الله عنها حَتَّى قُبِضَتْ، فَقَبَضْتُهَا، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَلْبَسُهَا، فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضَى نَسْتَشْفِي بِهَا)).

اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں: وہ جبہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہا یہاں تک کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وفات پا گئیں۔ تب وہ جبہ میں نے اپنے قبضہ میں لے لیا۔ یہ جبہ جناب رسول اللہ ﷺ پہنا کرتے تھے۔ ہم مریضوں کے لیے اس جبہ کو دھویا کرتے تھے کہ اس (کی دھوون) سے (مریضوں کو) شفا ملتی تھی۔

وَزَادَ الْبُخَارِيُّ فِي الْأَدَبِ الْمُفْرَدِ: ((وَكَانَ يَلْبَسُهَا لِلْوَفْدِ وَالْجُمُعَةِ)).

امام بخاری رحمہ اللہ نے "الادب المفرد" میں یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں: نبی کریم ﷺ یہ جبہ وفود کی ملاقات اور جمعہ کی ادائیگی کے لیے زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ ❷

غریب الحدیث:...... اَلْجَیْبِ: گریبان۔ قمیص اور جبہ وغیرہ کا وہ حصہ جہاں سے سر کو گزار کر قمیص وغیرہ کو بدن پر پہنا جاتا ہے۔

اَلْکُمَّیْنِ: آستین۔ یہ معروف ہے۔

اَلْفَرْجَیْنِ: فَرْجٌ کی تثنیہ۔ فرج یہ درز، شگاف، پھٹن اور سوراخ کو کہتے ہیں۔ یہاں جبہ کے آگے اور پیچھے کا وہ چاک مراد ہے جس کی وجہ سے جبہ میں کشادگی اور پہن کر چلنے میں سہولت ہو جاتی ہے اور مذکورہ چاک کو فرج اس لیے کہتے ہیں کہ یہ دونوں جوانب سے دامن کے نیچے سے اوپر ایک حد تک ایک پھٹن ہوتی ہے۔

مَكْفُوفَةٌ: یہ کَفَّ الثَّوْبَ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ کف الثوب یہ کپڑے کو ترپنے اور اسے بخیہ کرنے کو کہتے ہیں۔ کپڑے کی ترپائی کرنا معروف ہے۔

دِیْبَاجٌ: ریشم کی ایک قسم۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جبہ کا کالر، آستین اور دامن کی درز ریشم کی ہونا جائز ہے۔ کیونکہ ان جگہوں میں لگنے والا ریشم بے حد کم ہوتا ہے اور یہ ایک جگہ چار انگلی سے کم ہوتا ہے۔ پس یہ گزشتہ مذکورہ حدیث عمر رضی اللہ عنہ میں بیان کیے گئے استثنا: اِلَّا مَوْضِعَ اِصْبَعَیْنِ اَوْ ثَلَاثٍ اَوْ اَرْبَعٍ کے تحت داخل ہے۔

زَادَ: مراد امام مسلم ہیں جن کی روایت میں یہ عبارت زائد ہے۔

حَتّٰی قُبِضَتْ: مراد سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا وفات پا جانا ہے۔ رہا یہ اشکال کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے متروکات تو صدقہ ہوتے ہیں تب پھر یہ جبہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس کیونکر رہا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بطور تملیک کے نہ تھا بلکہ بطور تبرک

❶ سنن ابی داود: 4054۔ اس حدیث کی اسناد میں مغیرہ بن زیاد موصلی ایک مختلف فیہ راوی ہے۔ صحیح مسلم: 2069۔

❷ الادب المفرد: 348۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بعد یہ جبہ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے پاس رہا حالانکہ سیدہ اسماء سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وارثہ نہ بنتی تھیں۔ چنانچہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس بھی یہ جبہ لوگوں کی نفع رسانی کے لیے رہا۔ چنانچہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا اس کی دھوون مریضوں کو پلاتی تھیں جس سے انہیں شفا نصیب ہو جاتی تھی اور خود جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جبہ وفود کے لیے استقبال کے اور ادائے جمعہ جیسے اہم دینی مواقع پر زیب تن فرمایا کرتے تھے۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں یہ اہم مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ کالر، آستین اور دامن کے چاک پر ریشم کا بخیہ کرنا جائز ہے کیونکہ یہ بے حد معمولی مقدار میں ہوتا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ پر ریشم کا بخیہ اس کے اس قدر استعمال کے جواز کی دلیل ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ کے کالر (یعنی گریبان کے حلقہ) آستینوں اور چاک پر ریشم کا بخیہ ہونا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو برقرار رکھنا اس کے استعمال کے جواز کی دلیل ہے۔
- جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار وتبرکات سے شفا حاصل کرنا جائز ہے۔ رب تعالیٰ سے اُمید ہے کہ ان میں شفا ہوگی۔
- وفود اور اہم شخصیات کی ملاقات کے لیے بہتر لباس پہننا مستحب ہے۔ کیونکہ ایسا کرنا جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارمِ اخلاق میں سے ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3

كِتَابُ الْجَنَائِزِ

جنازے کے احکام ومسائل کا بیان

تمہید:...... جَنَائِز: یہ جَنَازَةٌ کی جمع ہے۔ اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے فتح کے ساتھ اور کسر کے ساتھ۔ چنانچہ جَنَازَة جیم کے فتح کے ساتھ میت کو کہتے ہیں اور جِنَازَة جیم کے کسرہ کے ساتھ اس تختے یا چارپائی کو کہتے ہیں جس پر میت کو رکھ کر جنازہ گاہ کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ جبکہ بعض نے دونوں کو ایک قرار دیا ہے۔ بہرحال جنائز مُردوں کو کہتے ہیں۔ لیکن واقع یہ ہے کہ وہ اب بھی زندہ ہیں البتہ ان کی حیات کا ہمیں ادراک نہیں ہاں انہیں دارِ دنیا سے دارِ آخرت کی طرف منتقل کیا جا رہا ہے تاکہ وہاں اپنے سب کیے کہے کا انہیں بدلہ (جزا یا سزا کو) دیا جائے۔

موت کو یاد کرنے کی ترغیب

521- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ: الْمَوْتِ)).

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''لذتوں کو قطع کرنے والی شے کو اکثر یاد کیا کرو جو موت ہے۔'' [1]

اس حدیث کو امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔ جبکہ امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث: ...... أَكْثِرُوا ذِكْرَ ......: یعنی اپنے جی میں یاد کرو اور مراد آپس میں موت کا تذکرہ کرنا بھی

---

[1] جامع الترمذی: 2307۔ سنن النسائی: 4/4۔ سنن ابن ماجه: 4258۔ صحیح ابن حبان: 2992۔ المستدرك للحاكم: 357/4۔ امام حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ "المجموع" (95/5) میں کہتے ہیں: اس حدیث کی جملہ اسانید صحیح اور بخاری اور مسلم کی شرط پر ہیں جبکہ امام دارقطنی نے اس حدیث کو مرسل کہہ کر معلول قرار دیا ہے جیسا کہ "التلخیص الحبیر" (101/2) میں ہے۔ اس باب میں متعدد دیگر روایات بھی ہیں۔ (دیکھیں: المعجم الاوسط للطبرانی: 5780)۔ الترغیب و الترهیب: 118/4۔ امام منذری نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ المختارة للضیاء المقدسی: 76/5۔ علامہ مقدسی کہتے ہیں: اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوسکتا ہے۔

هَاذِمِ: یہ هَدَمَ الشَّیْءَ سے مشتق ہے۔ جس کا معنی ہے جلدی سے کاٹنا۔

اَللَّذَّاتِ: مراد دُنیا کی لذتیں ہیں۔

اَلْمَوْتِ: چنانچہ موت کی یاد دل کو دنیا کی ناپائیداری بے ثباتی اور عدم استقلال کا یقین دلاتی ہے۔ تب پھر آدمی کو ہر لذت بے لذت، عارضی اور سطحی لگنے لگتی ہے اور آدمی اپنا دل دنیا میں زیادہ نہیں لگاتا۔ بلاشبہ یہ حقیقت ہے اور موت کا استحضار آدمی کو رب تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بھی روکتا ہے۔

مضمونِ حدیث:...... مذکورہ حدیث میں موت کو کثرت کے ساتھ یاد کرنے کا حکم ہے تاکہ آدمی دنیا کی چکا چوند اور ظاہری چمک دمک اور عارضی لذتوں میں گم ہو کر ہی نہ رہ جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- موت کو یاد کرکے خود کو نصیحت کرتے رہنا چاہیے اور کسی چیز کی یاد کی کثرت اس کی تیاری میں مدد معاون ثابت ہوتی ہے۔
- موت کی یاد ہر لذت کے احساس کو کافور کر دیتی ہے۔ لہٰذا ایک مومن دنیاوی لذتوں کی بجائے آخرت کی نعمتوں اور لذتوں کی یاد میں مستغرق رہنے لگتا ہے۔

موت کی تمنا کرنا ناپسندیدہ ہے

522- وَعَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ((لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ نَزَلَ بِهِ، فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ مُتَمَنِّيًا، فَلْيَقُلْ: اللّٰهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي، وَتَوَفَّنِي مَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”تم میں سے کوئی خود کو پہنچنے والی تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا ہرگز بھی نہ کرے اور اگر اس نے موت کی تمنا کرنی ہی ہے (یعنی موت کو ضرور مانگنا ہے) تو پھر یوں دعا کرے: ”اے اللہ! جب تک زندگی میرے لیے خیر (کا باعث) ہے تو مجھے (اس وقت تک) زندہ رکھ اور جب موت میرے لیے خیر (کا باعث) ہو تو مجھے (اس وقت) تو موت دے دینا۔“ [1]

یہ حدیث ”متفق علیہ“ ہے۔

غریب الحدیث:...... لَا يَتَمَنَّيَنَّ: تَمَنِّي: یہ ایک ایسی شے کے طلب کرنے کو کہتے ہیں جس کا حصول بعید یا دشوار ہو۔ تمنی اور رجاء میں فرق معروف ہے کہ تمنی کسی بعید الحصول شئے کے مانگنے کو کہتے ہیں جبکہ رجاء کسی قریب الحصول شے کی طلب کو کہتے ہیں۔ مذکورہ لا نہی کا ہے اور نون تاکید کے اتصال کی وجہ سے مذکورہ فتح نصب کا نہیں بلکہ بنی ہونے کا ہے۔ مراد یہ ہے کہ کوئی مومن کسی مصیبت یا تکلیف سے تنگ آ کر دل یا زبان سے یہ دعا نہ مانگے کہ اے اللہ! مجھے موت دے دے، اب میں جینا نہیں چاہتا۔

لِضُرٍّ: مذکورہ لام تعلیل کا ہے۔ یعنی نازل ہونے والی کسی تکلیف کی وجہ سے کوئی موت کی دعا نہ کرے، چاہے یہ تکلیف

[1] صحيح البخاري: 6351- صحيح مسلم: 2680.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بدن میں ہو، یا اہل و عیال میں، یا مال دکان تجارت میں۔ اسی طرح اس تکلیف کا تعلق انسان کے دین و مذہب اور ایمان و عقیدہ سے ہو یا سماج و معاشرہ سے، غرض کسی بھی قسم کی پہنچنے والی تکلیف کی وجہ سے آدمی کو موت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے۔

فَلْيَقُلْ: اور اگر کوئی کسی مصیبت سے اس قدر دلگیر اور پریشان ہو گیا ہے کہ اسے مزید جینا دوبھر لگ رہا ہو تو وہ تب بھی موت کی صریح تمنا نہ کرے بلکہ یوں دعا مانگے کہ ''اے اللہ! جب تک یہ زندگی میرے لیے خیر ہے مجھے زندہ رکھ اور جب مر جانا ہی میرے لیے بہتر ہو تو مجھے موت دے دے۔''

اَحْيِنِيْ: یہ فعل دعا ہے نہ کہ امر اصطلاحی کیونکہ بندہ کے لیے اپنے خالق پروردگار کو کسی بات کا امر کرنا ممکن نہیں۔

مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِّيْ: مذکورہ ''ما'' مصدریہ اور ظرفیہ ہے۔ کیونکہ ایک تو یہ اپنے مابعد کو مصدر کی تاویل میں کر رہا ہے، دوسرے یہ مصدر کو ظرف کے معنی میں بنا رہا ہے اور تقدیری عبارت یہ ہوگی: اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مُدَّةَ كَوْنِ الْحَيَاةِ خَيْرًا لِّيْ. ''اے اللہ! تو مجھے میری مدتِ حیات کے میرے لیے خیر ہونے تک زندہ رکھ۔''

وَ تَوَفَّنِيْ مَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ: مذکورہ جملہ کی بھی وہی ترکیب ہے جو گزشتہ جملہ کی ہے۔ ہم بندوں کو یہ دعا مانگنے کا حکم اس لیے ہے کیونکہ ہمیں اس بات کی مطلق خبر نہیں کہ خیر ہمارے زندہ رہنے میں ہے یا مر جانے میں۔ اس لیے اس امر کو رب تعالیٰ کی عالم الغیب ذات کے سپرد کر کے اسی سے اس بارے خیر کو مانگا جائے۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے دوسرے کے لیے درازیٔ عمر کی دعا کرنے کو مکروہ لکھا ہے کہ نہ جانے اس کی لمبی زندگی اس کے لیے باعثِ خیر ہے یا شر۔ (چنانچہ یوں دعا دینا مندوب ہے: اللہ تمہیں نیک زندگی عطا فرمائے۔ یا اللہ تیری زندگی میں برکت دے یا اللہ تجھے اپنی رضا والی زندگی دے وغیرہ وغیرہ۔ نسیم)

مضمون حدیث: ...... اس حدیث میں صبر نہ کرنے کی مذمت بیان کی گئی ہے کہ تکالیف اور مصائب و شدائد سے گھبرا کر موت کی تمنا کر اٹھنا بے صبری، جلد بازی، پست ہمتی اور بزدلی کی دلیل ہے اور یہ جملہ صفات مذموم ہیں۔ اس لیے صریح موت کی تمنا کرنا رب تعالیٰ کی ذات سے بڑا بھاری شکوی اور گلہ کرنا ہے جو منع ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مصائب و شدائد کے نزول کے وقت ہمت، حوصلہ، صبر، ثبات، استقلال، پامردی اور عزم کا مظاہرہ کیا جائے اور بے صبری و کم ہمتی کا اظہار نہ کیا جائے لہٰذا صبر کرنا واجب اور بے صبری حرام ہے۔
- یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تکالیف کے وقت موت کی تمنا کرنا حرام ہے اور موت کی تمنا کسی حال میں بھی درست نہیں لہٰذا مضرتِ نازلہ کی قید اغلبی ہو گی نہ کہ قید حصری کہ عام حالات میں موت کی تمنا جائز نہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ آدمی موت کی تمنا عموماً کسی تکلیف کی وجہ سے کرتا ہے۔ وگرنہ موت کی تمنا کرنا ہر حال میں حرام ہے۔
- اگر موت کی تمنا ناگزیر ہی ہو جائے جو کہ ایک نادر الوقوع حالت ہے تب پھر آدمی وہ دعا مانگے جس کی تعلیم اس حدیث میں دی گئی ہے۔
- معلوم ہوا کہ بندوں کو آنے والے کسی پل کی خبر نہیں جس کی دلیل مذکورہ دعا کی تعلیم ہے۔
- معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کو ما کان اور ما یکون سب کی خبر ہے۔ اسی لیے سب امور کو رب تعالیٰ کے علم ازلی کے سپرد کر دینے کا حکم ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ معلوم ہوا کہ بسا اوقات موت حیات سے بھی زیادہ باعث سعادت ہوتی ہے۔

◈ البتہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب آدمی کو اپنے ایمان، عقیدہ اور دین میں ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ موت کی تمنا کر سکتا ہے کہ اے اللہ! اس سے قبل کہ میں اپنے دین میں کسی فتنہ میں مبتلا کیا جاؤں تو مجھے ایمان پر خاتمہ نصیب فرما دے۔ چنانچہ سیدہ مریم علیہا السلام کا یہ کہنا کہ

﴿يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا٥﴾ (مریم: 23)

''اے کاش! میں اس سے پہلے مر جاتی اور بھولی بھلائی ہوتی۔''

اور یہ ارشاد نبوی کہ ''اے اللہ! اگر تو نے اپنے بندوں کو کسی آزمائش میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا ہے تو مجھے اپنی طرف کسی فتنہ میں مبتلا کیے بغیر قبض کر لے (یعنی موت دے دے)۔''[1] اور سیدنا یوسف علیہ السلام کی یہ دعا کہ:

﴿اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ٥﴾ (یوسف: 101)

''دنیا اور آخرت میں تو ہی میرا یار و مددگار ہے، مجھے مسلم ہونے کی حالت میں فوت کر اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔''

یہ تینوں باتیں اسی استثنا میں داخل ہیں کہ جب دین میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو موت کی دعا کر سکتے ہیں۔ یوں ان دونوں باتوں میں کہ ایک طرف تو موت کی تمنا کرنا منع ہے جبکہ دوسری طرف موت کی تمنا کرنے کے جواز کا بھی ذکر ہے، جمع اور تطبیق کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

مومنانہ موت کی ایک علامت

523- وَعَنْ بُرَيْدَةَ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((الْمُؤْمِنُ يَمُوْتُ بِعَرَقِ الْجَبِيْنِ)).

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''مومن کو اس حال میں موت آتی ہے کہ اس کی پیشانی عرق آلود ہوتی ہے۔''[2]

رَوَاهُ الثَّلَاثَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

اس حدیث کو ائمہ ثلاثہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... اَلْمُؤْمِنُ: یہ مبتدا ہے۔ یَمُوْتُ: یہ خبر ہے۔

بِعِرَقِ الْجَبِيْنِ: اس میں با مصاحبت و ملابست کے لیے ہے اور تقدیری عبارت یوں ہوگی۔ اَلْمُؤْمِنُ يَمُوْتُ وَ جَبِيْنُهٗ فِيْ عِرَقٍ. (اسی لیے بندہ عاجز مترجم نے بھی حال کا ترجمہ کیا ہے۔) (نسیم) یعنی مومن کو اس حال میں موت آتی ہے کہ اس کی پیشانی عرق آلود ہوتی ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں ایمان پر موت واقع ہونے کی ایک علامت مذکور ہے۔ اللہ ہم سب کو

---

[1] جامع الترمذي: 3233- امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور غریب کہا ہے۔

[2] جامع الترمذي: 982- سنن النسائي: 5/4- سنن ابن ماجه: 1452- مسند احمد: 350/5- صحيح ابن حبان: 3011- المستدرك للحاكم: 513/1- امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح جبکہ امام حاکم نے اسے شیخین کی شرط پر کہا ہے اور امام ترمذی فرماتے ہیں: ہمیں قتادہ کے عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے سماع کا علم نہیں۔ اس باب سے متعلق ایک روایت ''المعجم الاوسط للطبرانی'' (1507) میں بھی ہے جس کے سب رجال ثقہ ہیں۔ جیسا کہ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے ''مجمع الزوائد'' (325/2) میں کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسی موت نصیب کرے۔(آمین)

عرق آلود پیشانی کے ساتھ موت آنے کا مطلب

علماء نے اس کے دو معانی بیان کیے ہیں:

(1) ایک مطلب یہ ہے کہ مومن پر عالم نزع کی شدت کی وجہ سے پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے۔

(2) جبکہ علماء نے اس بات کا دوسرا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ مومن بندہ خود کو رب تعالیٰ کی عبادت و طاعت میں تھکاتا رہتا ہے حتیٰ کہ اسی عالم میں اس کی موت ہو جاتی ہے۔ ماتھے پر چمکتا پسینہ اسی زندگی بھر کی تکان کی علامت ہوتا ہے۔ مذکورہ روایت کے الفاظ میں ان دونوں معانی کا احتمال ہے اور ان دونوں معانی میں بظاہر کوئی تعارض بھی نہیں کہ جس کی وجہ سے دونوں میں جمع، تطبیق یا ترجیح کی کوئی صورت اختیار کرنی پڑے۔ بعض علماء نے اس حدیث کا ایک تیسرا مطلب بھی بیان کیا ہے کہ مومن موت کے وقت اپنے رب سے حیا کھا رہا ہوتا ہے اور حیا کے وقت پسینہ آنا اہل مروت کے ہاں معروف ہے۔

جان کنی کی حالت میں شہادت کی تلقین

524- وَعَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ وَأَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہما قَالَا: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَقِّنُوْا مَوْتَاکُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالْأَرْبَعَةُ.

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اپنے مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ (پڑھنے) کی تلقین کیا کرو۔''[1]

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ اور ائمہ اربعہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... لَقِّنُوْا: یہ تلقین سے امر ہے۔ تلقین کسی دوسرے کو کسی بات کی پیروی کرنے کے لیے کہنے کو کہتے ہیں۔

مَوْتَاکُمْ: مَوْتٰی، مَیِّتٌ کی جمع ہے اور میت مردے اور مرے ہوئے کو کہتے ہیں۔ لیکن یہاں مراد وہ ہے جس پر عالم نزع طاری ہو اور اس کی روح نکل جانے کے آثار اس پر ظاہر ہو رہے ہوں۔ یہاں یہ لفظ مَا یَکُوْنُ کے اعتبار سے ہے۔ یعنی وہ شخص جس کی موت عنقریب ہونے والی ہو، وہ مراد ہے۔

مضمون حدیث: ...... مضمونِ حدیث واضح ہے کہ جس پر عالم نزع طاری ہوا سے لا الہ الا اللہ کی تلقین یعنی اس کے پڑھنے کو کہا جائے تا کہ اس کا خاتمہ ایمان اور توحید پر ہو۔

تلقین کا حکم

یاد رہے کہ تلقین کا یہ حکم بطور وجوب کے نہیں بلکہ بطور استحباب کے ہے۔ کیونکہ حضرات علماء میں سے کوئی بھی تلقین کے وجوب کا قائل نہیں رہا۔ اور ''کم'' ضمیر کا مرجع مسلمان ہیں نہ کہ کفار۔ لیکن کفار کو لا الہ الا اللہ کہنے کو کہا جائے گا جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کو مرنے کے وقت یہ فرمایا تھا کہ ''اے میرے چچا! تم لا الہ الا اللہ کہہ لو کہ یہ ایسا کلمہ ہے جس کی وجہ سے میں رب کے حضور تیرے لیے جھگڑوں گا۔''[2] اہل علم کا بیان ہے کہ اس باب میں مومن اور کافر میں فرق ہے۔

---

[1] صحیح مسلم: 916- سنن ابی داود: 3117- جامع الترمذی: 976- سنن النسائی: 5/4 . سنن ابن ماجہ: 1445 .

[2] صحیح البخاری: 4675 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ جب تم کسی مومن کو لا الہ الا اللہ کہنے کا امر کرو گے تو ہو سکتا ہے کہ جان کنی کے اس عالم میں اسے یہ امر ناگوار گزرے اور وہ لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دے۔ بلکہ بسا اوقات وہ کوئی بری بات بھی کہہ بیٹھتا ہے...... اللہ ہم سب کو عافیت بخشے...... اس کے بالعکس کافر کو اس کلمہ کا امر کیا جائے گا کیونکہ اگر تو اس نے کہہ لیا تو کامیاب رہا اور اگر انکار کیا تو پہلے بھی تو کافر ہی تھا۔ غرض موت کے عالم میں مومن کو تو تلقین کی جائے گی جبکہ کافر کو امر کیا جائے گا۔ یہی راجح قول ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مرنے والے کو لا الہ الا اللہ کی تلقین مشروع ہے۔
- یہ تلقین مومنوں کو کی جائے گی نا کہ کافروں کو، البتہ کافروں کو اس کا امر کیا جائے گا۔
- معلوم ہوا کہ یہ کلمہ توحید بے حد فضیلت والا ہے چنانچہ دنیا چھوڑنے والے کو اسی کلمہ کی تلقین کی جاتی ہے کیونکہ ایک روایت میں ارشاد ہے: ''جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں جائے گا۔'' [1]
- معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو نفع بخش امور میں ایک دوسرے کا معاون اور مددگار ہونا چاہیے۔

جان دینے والے کے پاس سورۂ یٰسٓ کی قراءت کرنے کا حکم ہے

525- وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ ﷺ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((اقْرَئُوا عَلَى مَوْتَاكُمْ يٰسٓ)). رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اپنے مرنے والوں کے پاس سورۂ یٰس کی قراءت کیا کرو۔'' [2] اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔ جبکہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

شرح: ...... یہاں بھی یہی حکم ہے کہ جو مسلمان جان کنی کے عالم میں ہو اس کے پاس بیٹھ کر سورۂ یٰس کی قراءت کی جائے جسے وہ سنے۔ اس حدیث کے صحیح یا غیر صحیح ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ جن کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے وہ کہتے ہیں کہ مرنے والے کے پاس اس سورت کی قراءت کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے میت پر موت کی سختی آسان ہو جاتی ہے۔ اس بات کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنے مشائخ اور اسلاف سے نقل کیا ہے کیونکہ سورہ یٰس میں جنت کا ذکر اور اس کی طرف شوق دلانے کی ترغیب ہے اور جن کے نزدیک یہ حدیث غیر صحیح ہے وہ اس بات کے قائل ہیں کہ مرنے والے کے پاس سورۂ یٰس کی قراءت بدعت ہے۔

---

[1] سنن ابی داود: 3116- مسند احمد: 233/5- علامہ البانی رحمہ اللہ نے "ارواء الغلیل" (687) میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

[2] سنن ابی داود: 3121- عمل الیوم و اللیلۃ للنسائی: 1074- سنن ابن ماجہ: 1448- مسند احمد: 26/5- صحیح ابن حبان: 3002- المستدرک للحاکم: 565/1- ان سب بزرگوں نے یہ حدیث حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ "التلخیص الحبیر" (105/4) میں فرماتے ہیں: ابن قطان نے اس روایت میں اضطراب اور وقف کی دو علتیں بیان کی ہیں۔ ابوبکر بن العربی نے امام دارقطنی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو ضعیف الاسناد اور مجہول المتن قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس باب میں کوئی صحیح روایت مروی نہیں۔ امام احمد نے "المسند" (104/2) میں کہا ہے: ہمیں ابومغیرہ نے، وہ کہتے ہیں ہمیں صفوان نے، وہ کہتے ہیں مجھے چند مشائخ نے بیان کیا ہے کہ وہ حضرت غضیف بن حارث الثمالی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیٹھے تھے، اس وقت ان پر جان کنی کا سخت عالم طاری تھا۔ چنانچہ وہ فرمانے لگے: کیا تم میں سے کسی کو سورۂ یٰس یاد ہے؟ اس پر صالح بن شریح نے سورہ یٰس کی قراءت شروع کر دی۔ پس جب انہوں نے سورہ یٰس کی چالیس آیات تلاوت کر لیں تو ان کی روح پرواز کر گئی۔ صفوان کہتے ہیں: وہ مشائخ فرمانے لگے کہ جب مرنے والے کے پاس سورہ یٰس کی قراءت کی جاتی ہے تو اس پر موت کی سختی ہلکی ہو جاتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "الاصابۃ" (187/3) میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میت کی آنکھیں بند کر دینے کا حکم

526- وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ ؓ قَالَتْ: دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى أَبِيْ سَلَمَةَ، وَقَدْ شَقَّ بَصَرُهُ، فَأَغْمَضَهُ، ثُمَّ قَالَ: ((إِنَّ الرُّوْحَ إِذَا قُبِضَ اتَّبَعَهُ الْبَصَرُ))، فَضَجَّ نَاسٌ مِنْ أَهْلِهِ، فَقَالَ: ((لَا تَدْعُوْا عَلَى أَنْفُسِكُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُؤَمِّنُ عَلَى مَا تَقُوْلُوْنَ))، ثُمَّ قَالَ: ((اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَبِيْ سَلَمَةَ، وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ فِي الْمَهْدِيِّيْنَ وَافْسَحْ لَهُ فِيْ قَبْرِهِ، وَنَوِّرْ لَهُ فِيْهِ وَاخْلُفْهُ فِيْ عَقِبِهِ)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

سیدہ ام سلمہ ؓ سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ (میرے پہلے خاوند) ابوسلمہ ؓ کے پاس (ان کے مرنے کے بعد) تشریف لائے۔ جبکہ اس وقت ان کی آنکھیں کھلی تھیں تو آپ ﷺ نے ان کی آنکھیں بند کر دیں۔ پھر ارشاد فرمایا: ''جب روح قبض کی جارہی ہوتی ہے تو نگاہ اس کا پیچھا کرتی ہے۔'' اس پر ابوسلمہ ؓ کے گھر والے اونچی آواز سے رونے لگے۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اپنے لیے خیر کی دعا مانگو کہ فرشتے تمہاری دعاؤں پر آمین کہتے ہیں۔'' پھر ارشاد فرمایا: ''اے اللہ! تو ابوسلمہ کی بخشش فرما، اور ہدایت یافتہ لوگوں میں اس کے درجات کو بلند فرما اور اس کی قبر کو اس پر کشادہ فرما اور اسے اس کے لیے روشن فرما اور ان کے پس ماندگان میں تو ان کا خلیفہ ہو جا۔'' [1]

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ...... **أُمِّ سَلَمَةَ:** یہ ام المومنین زوجہ رسول سیدہ ام سلمہ ؓ ہیں۔

شَقَّ بَصَرُهُ: یعنی ان کی آنکھیں بے حد کھلی تھیں جو ایک ہی جانب دیکھ رہی تھیں، کیونکہ جب روح نکلتی ہے تو نگاہ اس کا پیچھا کرتی ہے۔ کہتے ہیں کہ روح ناک کے نتھنوں سے نکل کر بدن سے جدا ہوتی ہے جس کو جاتے دیکھ کر نگاہ اس کا پیچھا کرتی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایک نوع کی حیات مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔

إِنَّ الرُّوْحَ إِذَا قُبِضَ: معلوم ہوا کہ لفظ روح لفظوں کے اعتبار سے مذکر ہے اسی لیے اس کے لیے قُبِضَ مذکر کا صیغہ ذکر فرمایا۔

اِتَّبَعَهُ بَصَرُهُ: مراد میت کی نگاہ ہے کہ وہ روح کا پیچھا کرتی ہے۔ یعنی اسے نکلتے اور آسمانوں کی طرف جاتے ہوئے دیکھتی ہے۔ **فَضَجَّ النَّاسُ:** اَلضَّجّ زور سے رونے، شور کرنے اور آواز نکالنے کو کہتے ہیں۔

مِنْ أَهْلِهِ: مراد حضرت ابوسلمہ ؓ کے اہل خانہ ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جب روح نکلنے کا ذکر فرمایا تو ان کے گھر والے ان کے مرنے کی خبر سن کر رونے لگے جیسے عموماً اس موقع پر لوگ کیا کرتے ہیں۔

لَا تَدْعُوْا عَلَى أَنْفُسِكُمْ: اس میں دو معانی کا احتمال ہے:

(1) میت کے لیے کچھ کہنا۔ کیونکہ میت بھی تو انہی میں سے ہے۔

(2) خود کو کوسنا اور بددعا دینا جیسا کہ جاہلیت میں لوگ کسی عزیز کے مرنے پر ایسی باتیں کیا کرتے تھے۔ (اور آج بھی اس کا دستور ہے جیسے خاوند کے مرنے پر یہ کہنا: ہائے میں لٹ گئی، میں برباد ہوگئی، تو مجھے کس کے سہارے چھوڑے جا رہا ہے...... وغیرہ وغیرہ)۔ بظاہر دوسرا احتمال اقرب ہے کیونکہ مرنے والے کو کوسنا بعید یا متعذر ہے۔

---

[1] صحیح مسلم: 920۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِلَّا بِخَیْرٍ: یعنی بری بری دعائیں نہ مانگو۔ بلکہ صرف خیر کی باتیں کرو اور خیر کو ہی مانگو۔

فَاِنَّ الْمَلَائِکَةَ تُؤَمِّنُ عَلٰی مَا تَقُوْلُوْنَ: یہ گزشتہ ارشاد کی علت کا بیان ہے اور ملائکہ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو میت کی روح قبض کرنے آتے ہیں جبکہ کراماً کاتبین بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ بظاہر پہلا احتمال بعید ہے کیونکہ روح قبض کرنے کے لیے آنے والے فرشتے تو اپنے کام میں مشغول ہوتے ہیں لہٰذا قوی احتمال یہ ہے کہ یہ کراماً کاتبین ہیں یا پھر وہ فرشتے مراد ہیں جو صرف مرنے والے کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔ بہر حال فرشتے جو بھی رہے ہوں ان کی آمین ہماری دعاؤں کو چاہے وہ بددعائیں ہی ہوں، اجابت وقبولیت کے قریب تر کر دیتی ہے۔ اس لیے سب سے عمدہ کلمہ یہ کہنا ہے: اَللّٰھُمَّ اَجِرْنَا فِیْ مُصِیْبَتِنَا وَ اخْلُفْ لَنَا خَیْرًا مِنْھَا۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ سَلَمَةَ: یہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا مقتضی تھا اور خوش بختی اے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ! تیرے لیے کہ تجھے جنابِ رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں سے حصہ نصیب ہوا۔

وَ ارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِی الْمَهْدِيِّيْنَ: یہ رفعِ درجات جنت میں ہے اور فِیْ یہاں مَعَ کے معنی میں ہے یعنی مَعَ الْمَهْدِيِّيْنَ۔ رہا یہ سوال کہ یہ مہدیین کون ہیں؟ تو یہ انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں جن پر رب تعالیٰ کا انعام ہوا ہے، اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ○﴾ (الفاتحة: 6-7)

تب پھر منعم علیہم وہ لوگ ہیں جن کو صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب ہوئی ہے۔

وَ افْسَحْ لَهٗ فِیْ قَبْرِهٖ: اِفْسَحْ یعنی وسیع کر دے۔ اگرچہ بظاہر حسی رؤیت کے اعتبار سے قبر کی جگہ تنگ ہوتی ہے لیکن مومن کے لیے رب تعالیٰ اس کو حد نگاہ تک وسیع کر دیتے ہیں۔ اس بات کا تعلق امور آخرت سے ہے اس لیے اس دنیا میں کسی کو اس کا عیاناً مشاہدہ ہونا لازم نہیں۔

وَ نَوِّرْ لَهٗ فِیْهِ: قبر میں بظاہر اندھیرا ہوتا ہے لیکن رب تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اس کے لیے روشن فرما دیتے ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے لیے اس بات کی دعا مانگی ہے۔

وَ اخْلُفْهُ فِیْ عَقِبِهٖ: عَقِب مراد پس ماندگان ہیں جیسے بیوی بچے۔ مراد یہ ہے کہ ان کے پس ماندگان میں تو ان کا خلیفہ ہو جا۔ سبحان اللہ یہ کس قدر عظیم دعائیں ہیں۔ چنانچہ یہ سب دعائیں قبول ہوئیں اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے بعد جنابِ رسول اللہ ﷺ جیسا شوہر نصیب ہوا۔

مضمونِ حدیث:...... مذکورہ حدیث میں دو اہم مسائل بیان کیے گئے ہیں:

(1) میت کی آنکھیں اگر کھلی ہوں تو ان کو بند کر دیا جائے کہ یہ میت کی تکریم میں سے ہے۔

(2) مرنے والے پر رونے دھونے اور واویلا کرنے کی بجائے اس کے لیے اور اپنے لیے خیر کی دعائیں مانگی جائیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ نبی کریم ﷺ بیماروں کی عیادت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ حسب دستور آپ ﷺ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کرنے ہی تشریف لائے تھے لیکن تشریف لانے پر معلوم ہوا کہ وہ تو وفات پا چکے ہیں جس کی دلیل ان کی اوپر کی طرف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٹھی ہوئی نگاہیں تھیں۔

- میت کی آنکھیں اگر کھلی ہوں تو بند کر دی جائیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا۔
- روح دکھائی دیتی ہے اسی لیے تو نگاہ اس کا پیچھا کرتی ہے۔
- روح نکل جانے کے بعد بھی بدن میں ایک گونہ ادراک و احساس باقی ہوتا ہے اسی لیے تو نگاہ روح کا پیچھا کرتی ہے۔
- مرنے والے کے پاس صرف خیر کی دعائیں مانگی جائیں۔
- فرشتوں کا وجود ثابت ہے۔
- یہ رب تعالیٰ کی اپنے بندوں پر عنایت ہے کہ اس نے بندوں کی دعاؤں پر آمین کہنے کو فرشتے مقرر کر رکھے ہیں۔

میت کو ایک چادر سے ڈھانپ دیا جائے

527۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حِينَ تُوُفِّيَ، سُجِّيَ بِبُرْدٍ حِبَرَةٍ)).

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی جب وفات ہوگئی تو آپ ﷺ کو ایک دھاری دار یمنی چادر سے ڈھانپ دیا گیا۔ [1]

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:...... سُجِّيَ: یعنی ڈھانپ دیا گیا اور یہ چادر کپڑوں سمیت آپ ﷺ کے بدنِ مبارک پر ڈالی گئی تھی۔ حِبَرَة: یہ یمن سے آنے والی ایک دھاری دار چادر ہوتی تھی جو نبی کریم ﷺ کو بے حد پسند تھی۔

مضمون حدیث:...... مضمون حدیث واضح ہے کہ جب تک میت کی تجہیز و تکفین اور غسل وغیرہ نہیں ہو جاتا، اسے ایک چادر سے ڈھانپ دیا جائے کہ یہ بات بھی میت کی تکریم میں سے ہے۔

تنبیہ:...... معلوم ہوا کہ میت کو ڈھانپنا مشروع ہے جیسا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جنابِ رسول اللہ ﷺ کی میت کے ساتھ کیا تھا اور نبی کریم ﷺ کے بعد حضرات خلفائے راشدین کا فعل بھی حجت اور سنت ہے۔

میت کو بوسہ دینے بیان

528۔ وَعَنْهَا: ((أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ رضي الله عنه قَبَّلَ النَّبِيَّ ﷺ بَعْدَ مَوْتِهِ)).

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ (کی میت) کو بوسہ دیا۔ [2]

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

قصۂ حدیث:...... قصہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی جس دن وفات ہوئی تھی، اس دن صبح کو آپ ﷺ کی حالت بہت بہتر تھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے بیمار ہو جانے کے دن سے اب تک مدینہ میں ہی ٹھہرے ہوئے تھے۔ چنانچہ اس دن آپ ﷺ کی صحت میں ظاہری افاقہ دیکھ کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مطمئن ہو گئے اور مدینہ سے باہر سنح کے مقام پر واقع اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اسی دن چاشت کے وقت جنابِ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ

[1] صحيح البخاري: 5814- صحيح مسلم: 942 [2] صحيح البخاري: 4455

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اطلاع پاتے ہی فوراً پہنچے۔ درِ اقدس میں داخل ہو کر دیکھا کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کے جسد مبارک کو ایک چادر سے ڈھانپا ہوا ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چادر ہٹائی، روئے انور کو بوسہ دیا اور فرطِ محبت وغم میں رو پڑے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- میت کو اس کے مرنے کے بعد بوسہ دے سکتے ہیں، اس کی دلیل جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فعل ہے جو حجت ہے۔ البتہ اس میں یہ شرط ہے کہ میت اس شخص کی ہو جس کو اس کی زندگی میں بھی بوسہ دینا جائز تھا جیسے بیوی، اولاد، دوست احباب وغیرہ لہٰذا اجنبیہ کی میت کو بوسہ دینا جائز نہ ہوگا۔
- معلوم ہوا کہ میت اپنے ظاہر کے اعتبار سے پاک ہوتی ہے۔

میت کا قرض جلد ادا کر دیا جائے

529- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتَّى يُقْضَى عَنْهُ)).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''مومن کی روح اس کے قرض کے ساتھ لٹکی (یعنی اٹکی) رہتی ہے، یہاں تک کہ قرض کو اس کی طرف سے ادا کر دیا جائے۔''[1]

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَحَسَّنَهُ.

اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے۔

غریب الحدیث:...... **نَفْسُ الْمُؤْمِنِ**: مراد مومن کی روح ہے۔ **مُعَلَّقَةٌ**: مراد عذاب میں اٹکے رہنا ہے۔ **بِدَيْنِهِ**: دَیْن ہر اس شے کو کہتے ہیں جو کسی کے ذمہ ثابت ہو، چاہے وہ قرض ہو یا مبیع کا ثمن یا مبیع یا اجرت یا مہر یا خلع کا عوض ہو اور یہی دَین کی شرعی تعریف بھی ہے۔

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں یہ اہم ترین مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ مرنے سے پہلے پہلے اپنے ذمہ سب واجب رقوم اور اشیاء کو ادا کر دیا جائے وگرنہ مرنے کے بعد روح قرض میں اٹکی رہتی ہے اور دوسری اہم ترین بات یہ ذکر کی گئی ہے کہ مرنے والے کے ترکہ سے سب سے پہلے اس کے ذمہ کے واجبات کو ادا کیا جائے۔ (چاہے وہ بجلی، گیس، پانی اور ٹیلی فون وغیرہ کے بل ہی کیوں نہ ہوں۔[نسیم])

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مذکورہ حدیث میں عذابِ قبر کا اثبات ہے۔
- معلوم ہوا کہ قرض کا معاملہ بے حد اہم اور نازک ہے۔ اسی لیے قرض مرنے سے قبل ہی ادا کر جانا چاہیے کہ ورثا کو اس بات کی فکر کم بلکہ ہوتی ہی نہیں کہ میت کا قرض بھی ادا کر دینا چاہیے یا نہیں۔ حالانکہ میت کے ورثاء کو ترکہ میں سے ادائے دین کے

---

[1] جامع الترمذي: 1079 و حسنه- سنن ابن ماجه: 2413- مسند احمد: 440/2- مسند الطيالسي: 2390- سنن الدارمي: 262/2- امام ابن حبان نے (3061 میں) اور امام حاکم نے (26/2 میں) اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد ہی کچھ لینا جائز ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ﴾ (النساء: 11) ''اس وصیت کے بعد جو وہ کر جائے، یا قرض (کے بعد)۔'' قرض کی اسی اہمیت کے پیش نظر نبی کریم ﷺ مقروض میت کا جنازہ نہ پڑھاتے تھے اور ایک حدیث میں تو یہاں تک ارشاد ہے کہ ''شہادت فی سبیل اللہ ہر گناہ کا کفارہ بن جاتی ہے سوائے قرض کے۔''

- ◇ دَین کا کلمہ بندوں کے اور رب تعالیٰ کے دونوں کے دَین کو شامل ہے۔ جیسے کسی کے ذمہ کوئی کفارہ تھا تو اس کو بھی ادا کیا جائے گا۔ اس کی دلیل یہ ارشاد نبوی ہے: ''اللہ کا دَین ادا کیے جانے کا زیادہ مستحق ہے۔'' ❶

اگر مُحرِم مر جائے تو اس کی میت کو خوشبو نہ لگائی جائے

530۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِي الَّذِي سَقَطَ عَنْ رَاحِلَتِهِ، فَمَاتَ: ((اغْسِلُوْهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَكَفِّنُوْهُ فِي ثَوْبَيْهِ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے (سفرِ حج کے دوران) اپنی سواری سے گر کر مر جانے والے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ''اسے بیری کے پتوں ملے پانی سے غسل دو اور اسے اس کے (احرام کے) دو کپڑوں میں ہی کفن بھی دے دو۔ (یعنی احرام کے کپڑوں کو ہی کفن بنا دو)۔'' ❷

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

قصۂ حدیث: ...... یہ حجۃ الوداع کے موقع پر وقوف عرفہ کے دن کا قصہ ہے جب ایک صحابی رسول ﷺ اپنی سواری سے ایسے گرے کہ وہیں ان کی موت ہوگئی لازمی بات ہے کہ اس وقت وہ حالتِ احرام میں تھے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ سے ان کے بارے میں فتویٰ پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا جو اوپر مذکور ہے۔

غریب الحدیث: ...... اِغْسِلُوْهُ: مذکورہ ضمیر ذکر کی گئی میت کی طرف لوٹ رہی ہے۔

اَلسِّدْرِ: یہ بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ مراد بیری کے پتے ہیں کہ ان کو کوٹ کر پانی میں ملایا جائے، پھر ان کے ساتھ جوش دیئے پانی سے میت کو غسل دیا جائے۔ کیونکہ بیری کے پتے جھاگ بناتے ہیں جو صفائی کرنے میں زیادہ مؤثر ہے۔

وَكَفِّنُوْهُ فِيْ ثَوْبَيْهِ: دونوں جگہ ضمیر میت کی طرف راجع ہے اور ثَوْبَيْهِ سے مراد احرام کی چادر اور تہبند ہے۔

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ محرم کو بھی غسل اور کفن دیا جائے گا۔ البتہ اسے خوشبو نہ لگائی جائے گی اور اسے احرام کے کپڑوں میں ہی کفن دینا اولیٰ ہے۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کم از کم کفن دو کپڑے ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- ◇ وقوف عرفہ کے دوران بھی عالم سے مسئلہ پوچھا جا سکتا ہے جیسا کہ اس قصہ میں لوگوں نے وقوفِ عرفہ کے دن نبی کریم ﷺ سے مسئلہ پوچھا تھا۔
- ◇ معلوم ہوا کہ حادثات دورِ نبوی میں بھی پیش آتے تھے۔

❶ صحیح البخاری: 1852۔ ❷ صحیح البخاری: 1265۔ صحیح مسلم: 1206۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- میت کو غسل دینا واجب ہے اور یہ غسل محرم کو بھی دیا جائے گا۔ جس کی دلیل اِغْسِلُوْهُ کے الفاظ ہیں۔ کیونکہ امر میں اصل وجوب ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مطلق غسل واجب ہے جس میں تین یا پانچ وغیرہ کے عدد کی تعیین واجب نہیں۔
- پانی نہ ملنے کی صورت میں میت کو تیمم کرا کے دفن کر دیا جائے گا تا کہ پانی کے مہیا ہونے کے انتظار میں میت خراب نہ ہونے لگے۔
- کسی پاک شے کے مل جانے سے پانی کی طہوریت متغیر نہیں ہوتی جیسا کہ بیری کے پتے ملانے سے پانی کی طہوریت ختم نہیں ہوتی۔
- بیری ملے پانی سے میت کو غسل دینا مشروع ہے اور اس کا استعمال محرم کے لیے بھی جائز ہے۔
- میت کو کفن دینا واجب ہے جس کی دلیل كَفِّنُوْهُ فِيْ ثَوْبَيْهِ کے الفاظ ہیں۔
- میت کی تغسیل و تکفین فرض کفایہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس بات کا امر نہ تو سب کو دیا تھا اور نہ خود ہی ان امور کو سرانجام فرمایا۔
- معلوم ہوا کہ محرم میت کو غسل دے سکتا ہے۔
- معلوم ہوا کہ تغسیل و تکفین ادائے دَین پر مقدم ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے میت کے مقروض ہونے یا نہ ہونے کو دریافت فرمائے بغیر ہی اسے نہلانے اور کفنانے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔
- محرم کو احرام کے کپڑوں میں ہی کفنانا مشروع ہے۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفن کا تین کپڑوں پر مشتمل ہونا لازم نہیں۔ لیکن چونکہ یہ حکم خاص ہے لہٰذا خاص سے عام پر استدلال کرتے ہوئے یہ نہ کہا جائے گا کہ جو بھی جس حال میں مرے، اسے اسی حال میں دفن کر دیا جائے گا۔
- اگر میت کا ترکہ ہو تو اس میں سے ہی اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا جائے گا۔
- سواری پر سوار ہو کر اس کو کھڑا کرنا جائز ہے جبکہ سواری میں اس کے تحمل کی سکت ہو۔
- حج کے دوران مر جانے والے کے باقی کے نسک پورے نہ کرائے جائیں گے چاہے وہ فرائض ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اب وہ مکلّف ہی نہیں رہا۔
- محرم روزِ قیامت تلبیہ کہتے ہوئے اٹھے گا۔
- میت کو خوشبو لگانا مشروع ہے کیونکہ آپ ﷺ نے محرم میت کو خوشبو لگانے سے منع فرمایا تھا جو اس بات کی دلیل ہے کہ لوگ میت کو خوشبو لگایا کرتے تھے اور آپ ﷺ انہیں منع نہ فرمایا کرتے تھے۔ اسی لیے مُحرِم میت کو خوشبو لگانے سے منع فرمایا۔

میت کو غسل دیتے وقت اسے ننگا کرنے کا بیان

531۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: لَمَّا أَرَادُوْا غُسْلَ النَّبِيِّ ﷺ، قَالُوْا: ((وَاللّٰهِ! مَا نَدْرِيْ نُجَرِّدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَمَا نُجَرِّدُ مَوْتَانَا أَمْ لَا؟)). اَلْحَدِيْثَ.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب لوگوں نے نبی کریم ﷺ کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے تھے کہ آیا رسول اللہ ﷺ کو بھی ہم اپنے دوسرے مردوں کی طرح (اس وقت) ننگا کریں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں؟......الحدیث۔ ❶

رَوَاهُ أَحْمَدُ ، وَأَبُو دَاوُدَ.

اس حدیث کو امام احمد اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:......وَ اللّٰهِ مَا نَدْرِيْ: یہ ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دے رہے تھے۔ ان میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

نُجَرِّدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: اس کی وجہ یہ تھی کہ رب تعالیٰ نے ان غسل دینے والوں پر نیند طاری کر دی تھی اور اسی دوران انہوں نے ایک غیب کی آواز سنی کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی قمیص سمیت غسل دو۔'' چنانچہ ان حضرات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کے اوپر سے ہی پانی ڈالا اور بدن مبارک کو مَل کر غسل پورا کر لیا۔

مضمون حدیث:......مذکورہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل کے وقت دوسرے مرنے والوں کی طرح ننگا نہ کیا گیا تھا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ میت کو غسل دیتے وقت اس کے کپڑے اتارنا مشروع ہے۔ البتہ اس کے پوشیدہ اعضاء کو چھپایا جائے گا کہ یہ واجب ہے۔ تاکہ غسل دینے والوں کی وہاں نگاہ نہ پڑے۔

◈ بغیر دوسرے کے کپڑے بھی قسم اٹھا سکتے ہیں۔

میت کو غسل دینے کا مشروع طریقہ

532۔ وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ وَنَحْنُ نُغَسِّلُ ابْنَتَهُ ، فَقَالَ: ((اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ ذٰلِكَ ، بِمَاءٍ وَسِدْرٍ ، وَاجْعَلْنَ فِي الْآخِرَةِ كَافُوْرًا ، أَوْ شَيْئًا مِنْ كَافُوْرٍ)) فَلَمَّا فَرَغْنَا آذَنَّاهُ ، فَأَلْقَى إِلَيْنَا حِقْوَهُ فَقَالَ: ((أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ)).

سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر (سیدہ زینب رضی اللہ عنہا) کو غسل دینے کی تیاری کر رہے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان کو تین بار یا پانچ بار یا اگر مناسب سمجھو تو اس سے زیادہ بار بیری ملے پانی سے غسل دینا اور آخری غسل میں کافور یا کافور میں سے کچھ ملا دینا۔'' پس جب ہم (غسل دے کر) فارغ ہو گئے تو ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع بھجوائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تہبند بھجوائی اور ارشاد فرمایا کہ ''اس کو ان کا تحتانی کپڑا بنا دینا۔'' ❷

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

وَفِي رِوَايَةٍ: ((ابْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا ، وَمَوَاضِعِ

صحیحین کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''(غسل کو) ان کی داہنی

---

❶ مسند احمد: 267/6۔ سنن ابی داود: 3141۔ امام ابن حبان (6627) نے اور امام حاکم (61/3) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔ (دیکھیں: المجموع: 125/5)

❷ صحیح البخاری: 1259۔ صحیح مسلم: 39/939 عن ام عطیة رضی اللہ عنہا.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْوُضُوْءِ مِنْهَا)).

اطراف سے اور ان کے مقامات وضو سے شروع کرنا۔''

وَفِیْ لَفْظٍ لِلْبُخَارِیِّ: فَضَفَّرْنَا شَعْرَهَا ثَلَاثَةَ قُرُوْنٍ فَأَلْقَیْنَاهَا خَلْفَهَا)).

اور صحیح بخاری کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں: ''سو ہم نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بالوں کی تین لٹیں بنا دیں اور ان کو ہم نے سیدہ رضی اللہ عنہا کی پیٹھ پیچھے ڈال دیا۔''

غریب الحدیث:..... **وَ نَحْنُ نَغْسِلُ:** یہ جملہ حالیہ ہے اور یہ عَلَيْنَا میں جمع متکلم کی ضمیر مجرور متصل سے حال ہے۔

اِبْنَتَهُ: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین بنات طاہرات، سیدہ زینب، سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن کی وفات ہوئی تھی۔ صحیح قول یہ ہے کہ مذکورہ قصہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں آتا ہے۔

دَخَلَ عَلَيْنَا: بظاہر یہ کسی حجرہ میں غسل دیا جا رہا تھا۔ جہاں تشریف لے جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے گفتگو فرمائی تھی۔

ثَلَاثًا اَوْ خَمْسًا اَوْ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ: مذکورہ اَوْ یہاں تخییر کے لیے ہے۔

اِنْ رَاَيْتُنَّ ذٰلِكَ: یہاں رؤیت سے رؤیت قلبیہ مراد ہے اور اس قید کا تعلق تینوں باتوں سے ہے۔ یعنی اگر تم مناسب سمجھو تو تین دفعہ یا پانچ دفعہ یا اس سے زیادہ دفعہ غسل دے دینا۔

مضمون حدیث: ..... مضمون حدیث واضح ہے کہ میت کو ایک دفعہ سے لے کر جتنا مناسب ہو اتنی بار غسل دیا جا سکتا ہے جس کی مزید تفصیل آگے آ جاتی ہے۔ دوسرے غسل دینے میں ابتدا اعضائے وضو سے اور داہنی جانب کے اعضاء سے کی جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- میت کو غسل دینے میں اصل نظافت کو ملحوظ رکھنا ہے، اس لیے مناسب ہو تو سات بار سے زیادہ بھی غسل دے سکتے ہیں۔
- جن باتوں کا تعلق خاص عورتوں سے ہو، اس میں عورت کی رائے پر عمل جائز ہے۔
- میت کو بیری ملے پانی سے غسل دینا جائز ہے۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر پانی میں کوئی پاک شے مل جائے تو اس سے اس کی طہوریت متاثر نہیں ہوتی۔
- میت کو کافور ملے پانی سے نہلانا مستحب ہے۔ کافور ایک قسم کے کیمیاوی نمک کے جیسا ہوتا ہے جس کو کوٹ کر پانی میں ملایا جاتا ہے جس سے پانی خوشبودار ہو جاتا ہے۔
- **اَوْ شَيْئًا مِنْ كَافُوْرٍ:** یہ الفاظ تقلیل پر دلالت کرتے ہیں کہ پانی میں ملائی جانے والی کافور کی مقدار تھوڑی ہو۔
- ایک روایت میں ذکر ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا حکم دیا تھا کہ جب تم غسل دے چکو تو مجھے خبر کرنا۔ اسی لیے غسل سے فارغ ہو کر ان خواتین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ غسل دے دیا گیا ہے۔
- **اَلْحِقْوُ:** یہ تہبند کو کہتے ہیں اور اس کا یہ نام اس لیے ہے کہ اسے حِقْو (یعنی کوکھ، کمر) پر باندھا جاتا ہے۔
- غسل دینے میں ابتدا داہنے اعضاء سے کی جائے اور پہلے وضو کے مقامات دھوئے جائیں جو چار ہیں:

(1) چہرہ (2) دونوں ہاتھ کہنیوں تک

(3) سر (4) اور دونوں پیر ٹخنوں سمیت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غسل دینے کا مفصل طریقہ

◈ علماء نے لکھا ہے کہ پہلے میت کو نہلانے والے تختہ پر ڈالا جائے، پھر میت کا تھوڑا سا سر اٹھا کر اس کے پیٹ کو نرمی سے ملا جائے تاکہ اس کے پیٹ میں اگر کوئی گندگی اور آلائش نکلنے والی ہو تو باہر نکل آئے۔ پھر ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ کر میت کی شرمگاہ کو صاف کرے اور اگر کوئی گندگی باہر نکلی ہے تو اسے صاف کر دے۔ پھر اس کپڑے کو پھینک دے اور کوئی دوسرا چیتھڑا ہاتھ پر لپیٹ کر اسے گیلا کر لے جس سے میت کے دانت اور اس کے نتھنوں کو صاف کرے۔ البتہ اسے کلی نہ کرائے اور اسی طرح میت کا استنشاق بھی نہ کرے۔ یعنی اس کی ناک میں پانی نہ ڈالے۔ کیونکہ میت کے منہ اور نتھنوں میں ڈالے جانے والے پانی کو نکالنا بے حد مشکل ہوتا ہے۔ دوسرے بسا اوقات یہ پانی پیٹ میں داخل ہو کر اندر کے مواد کو از سر نو متحرک کر دیتا ہے جس سے میت کے دوبارہ گندہ ہو جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔ پھر میت کا چہرہ دھوئے، پھر پہلے اس کا داہنا ہاتھ دھوئے، پھر بایاں ہاتھ دھوئے، پھر اس کے سر کو دھوئے پھر دونوں پاؤں دھوئے۔ اس کے بعد ایک بار سارے بدن کو دھوئے جس میں پہلے اس کے دائیں پہلو پر پانی ڈالے، پھر بائیں پہلو پر پانی ڈالے۔ پھر اس کے کانوں کو گیلے کپڑے سے صاف کرے۔ یہ ایک دفعہ کا غسل ہو گیا۔ اب اگر تو میت صاف ہو گئی ہے تو دوبارہ غسل دینے کی احتیاج نہیں، وگرنہ دوبارہ غسل دے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اگر تو میت کے بدن کی دھوون میں چکنائی باقی ہو تو مطلب ہے کہ ابھی اس کا بدن ستھرا نہیں ہوا لہٰذا اسے دوبارہ نہلایا جائے گا اور اگر اس کے بدن کی دھوون میں دسومت اور چکنائی محسوس نہیں ہوتی تو مطلب ہے کہ اب میت کا بدن صاف ہو گیا ہے اور مزید نہلانے کی ضرورت باقی نہیں۔

◈ معلوم ہوا کہ عورت کے بالوں میں کنگھی تو نہ کی جائے گی البتہ اس کی تین مینڈھیاں بنا کر ان کو پیٹھ پیچھے کر دیا جائے گا۔

◈ جناب رسول اللہ ﷺ اپنی لخت جگر کے غسل کی بابت بے حد پریشان تھے۔ اسی لیے فرمایا تھا کہ غسل پورا ہوتے ہی مجھے خبر دینا۔

◈ معلوم ہوا کہ آدمی بیٹی، ماں اور بہن کے غسل میں شریک نہ ہو گا۔ ہاں خاوند اپنی دوسری بیوی کے ساتھ یا آقا اپنی باندی کے ساتھ مل کر بیوی کو غسل دے سکتا ہے۔ اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ عورت کے غسل میں ان عورتوں کا موجود ہونا بھی مکروہ ہے جن کی غسل دینے میں کوئی ضرورت نہیں۔ یہی حکم مرد کو غسل دیتے وقت غیر ضروری مردوں کا بھی ہے۔ پس مردوں کو بقدر ضرورت مرد اور عورتوں کو بقدر ضرورت عورتیں ہی غسل دیں گی۔

◈ نبی کریم ﷺ کے آثار حسیہ سے تبرک جائز ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے اپنی چادر کفن میں شامل کرنے کے لیے بھجوائی تھی۔

◈ عورت کے لیے وہ کپڑا استعمال کرنا جائز ہے جسے مرد استعمال کرتا ہو۔ البتہ اسے مردوں کی ہیئت کے ساتھ نہ استعمال کرے گی۔ بس بدن پر لپیٹ دیا جائے گا۔ جیسے نبی کریم ﷺ کی چادر کو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بدن پر بس لپیٹ دیا گیا تھا۔

◈ معلوم ہوا کہ عورتوں کے لیے مینڈھیاں بنانا اور چٹیا بنانا وغیرہ جائز ہے۔

◈ میت کو غسل دینے میں داہنی طرف سے ابتدا کرنا مشروع ہے اور اس میں بھی پہلے مواقع وضو کو دھویا جائے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میت کو کفن دینے کے احکام

533- وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: ((كُفِّنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ سُحُولِيَّةٍ مِنْ كُرْسُفٍ، لَيْسَ فِيهَا قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جناب رسول اللہ ﷺ کو تین اونی سحولی سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا۔ جن میں نہ تو کوئی قمیص تھی اور نہ کوئی عمامہ ہی تھا۔ [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث :...... كُفِّنَ: تکفین کسی شے کے ڈھانپنے کو کہتے ہیں۔ کفن کو کفن اس لیے کہتے ہیں کہ یہ میت کے بدن کو ڈھانپ لیتا ہے اور مجہول کا صیغہ اس بات کی تعبیر ہے کہ میت کو کفن دوسرے لوگ دیں گے۔

فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ: اَثْوَاب یہ ثوب کی جمع ہے۔ یہ کپڑے کے ٹکڑے کو کہتے ہیں چاہے وہ سلا ہو یا اَن سلا ہو۔

سُحُولِيَة: سحول یمن کی ایک بستی ہے جہاں کا بنا سوتی کپڑا بہت مشہور تھا۔ اسی بستی کی طرف منسوب ہو کر یہ کپڑا سحولیہ کہلاتا تھا۔ نبی کریم ﷺ کو یمنی کپڑے بے حد پسند تھے، اسی لیے آپ ﷺ کو کفن بھی یمنی کپڑے میں دیا گیا تھا۔

مِنْ كُرْسُفٍ: کرسف روئی اور اون کو کہتے ہیں۔ یہ مِنْ بیانیہ ہے اور یہ خَاتَمٌ مِنْ فِضَّةٍ کی قبیل میں سے ہے۔

مضمونِ حدیث:...... مذکورہ حدیث سے تین اہم باتیں معلوم ہوئیں:

(1) کفن تین کپڑوں میں بھی دے سکتے ہیں۔

(2) کفن اَن سلا ہو لہٰذا اس میں قمیص یا عمامہ جیسا کوئی کپڑا نہ ہو جو سلا ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ کفن میں زندہ لوگوں کے لباس کے جیسی شان نہ ہو۔

(3) کفن کا سوتی ہونا زیادہ بہتر ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- کفن کے کپڑے دو ہو یا تین، مگر ان میں قمیص یا عمامہ جیسا کوئی کپڑا سلا ہوا نہ ہو کہ مشروع کفن یہی ہے۔ لہٰذا جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ یہاں مراد یہ ہے کہ کفن کے کپڑے تو تین تھے جن میں قمیص اور عمامہ نہ تھا جبکہ یہ دونوں کپڑے الگ سے تھے۔ یوں یہ کل پانچ کپڑے ہو گئے، تو ان کا یہ قول جمہور کے خلاف اور بلا دلیل ہے۔
- قمیص اور عمامہ کی نفی میں دراصل اس بات کی نفی ہے کہ میت کے کفن میں زندہ لوگوں کے لباس کے جیسی شان نہ ہو۔
- کفن دینے کا طریقہ:...... علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ پہلے کفن کے کپڑوں کو خوشبو کی دھونی دی جائے۔ پھر تینوں کپڑوں کو ایک دوسرے کے اوپر تہ بہ تہ رکھ دیا جائے، پھر ان کے اوپر میت کو رکھ دیا جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے سب سے اوپر والے کپڑے کے داہنی طرف کو میت پر لپیٹا جائے پھر اس کے اوپر اس کی بائیں طرف کو لپٹا جائے۔ پھر باقی کے دو کپڑوں کو بھی یکے بعد دیگرے اسی طرح لپیٹا جائے۔ البتہ یہ تینوں کپڑے سر کی طرف قدرے زیادہ ہوں۔ پھر ان تینوں کپڑوں کو سر سے، درمیان سے اور پیروں کی طرف سے باندھ دیا جائے تاکہ میت کو لے جاتے اور قبر میں اتارتے وقت کفن کھل نہ جائے۔ البتہ جب میت کو قبر میں اتار لیا جائے تو اس پر سے ان تینوں گرہوں کو کھول دیا جائے۔

[1] صحیح البخاری: 1264۔ صحیح مسلم: 941.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- کفن کا سفید ہونا مستحب ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔
- مُحرم اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ اس کے کفن کے کپڑے دو ہوں گے جو دراصل اس کے احرام والے کپڑے ہوتے ہیں۔
- کفن اتنا بڑا ضرور ہو کہ سارے بدن کو ڈھانپ لے۔ اس کی دلیل كُفِّنَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ کے الفاظ ہیں۔ کیونکہ فِيْ ظرفیت کے لیے ہوتا ہے اور ظرف کے لیے ضروری ہے کہ وہ مظروف کو محیط ہو۔ لہٰذا کفن جو کہ میت کے لیے ظرف ہے، اس کا مظروف کو یعنی میت کو محیط ہونا لازم ہے۔ پس کفن کا میت کو ڈھانپا ہوا ہونا ضروری ہے۔

535- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: لَمَّا تُوُفِّيَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أُبَيٍّ جَاءَ ابْنُهُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: ((أَعْطِنِيْ قَمِيصَكَ أُكَفِّنْهُ فِيهِ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب (رئیس المنافقین) عبداللہ بن ابی کی وفات ہوگئی تو اس کے (مومن) بیٹے (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ) نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کی کہ (اے اللہ کے رسول!) مجھے اپنی قمیص عنایت فرمائیے کہ میں اس میں اپنے والد کو کفن دے سکوں۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے ان کو اپنی قمیص (اس غرض کے لیے) مرحمت فرمادی۔ [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:...... لَمَّا تُوُفِّيَ: لَمَّا حرفِ شرط ہے اور تُوُفِّيَ یہ فعل مجہول کا صیغہ ہے۔ اس کا معروف پڑھنا صحیح نہیں۔ لہٰذا تَوَفّٰی فُلَانٌ کہنا جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ بندے کی جان قبض کی جاتی ہے نا کہ وہ جان قبض کرتا ہے۔

عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أُبَيٍّ: اس کا پورا نام عبداللہ بن ابی بن سلول ہے۔ سلول اس کی دادی کا نام تھا۔ معاذ اللہ عبداللہ بن ابی بدترین اور مشہور ترین منافق تھا جبکہ اس کا اپنا بیٹا جس کا نام بھی عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا خیار مومنین میں سے تھا۔ یہ خبیث چونکہ بظاہر خود کو مسلمان کہتا تھا اور نبی کریم ﷺ بھی منافقوں کے ساتھ ان کے ظاہر پر معاملہ فرماتے تھے اسی لیے جب اس کے بیٹے نے آ کر آپ ﷺ سے آپ ﷺ کی قمیص مانگی تاکہ اس میں اپنے باپ کو کفن دے سکیں تو آپ ﷺ نے انہیں اپنی قمیص عنایت فرمادی۔ کیونکہ ہم پر منافقوں کے ساتھ ان کے ظاہر کے مطابق معاملہ کرنا واجب ہے۔ جبکہ ان کا باطن اللہ کے سپرد ہو گا۔ اگرچہ آپ ﷺ کی یہ قمیص بطور تبرک کے حاصل کی گئی تھی جو اس کے ظاہر اسلام کو دیکھ کر دے دی گئی تھی لیکن عبداللہ بن ابی کے منافق ہونے کی وجہ سے حقیقت یہ ہے کہ وہ قمیص اس کے آخرت میں کچھ بھی کام نہ آسکی۔ کیونکہ منافق دراصل کافر ہوتا ہے اور مرنے کے بعد کسی کافر کو کسی کی شفاعت کام نہ آئے گی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ ﷺ بے حد کریم تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے کبھی کسی سائل کو ردّ نہ کیا تھا۔ بشرطیکہ اس کا سوال جائز ہوتا۔
- آپ ﷺ کا عبداللہ بن ابی کے لیے اپنی قمیص عنایت فرمانا دراصل اس کے ایک احسان کا بدلہ تھا، وہ یہ کہ اس نے آپ ﷺ کے چچا جناب عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کو اس وقت اپنی قمیص دی تھی جب وہ بدر کے قیدیوں میں قید

[1] صحیح البخاري: 1269، صحیح مسلم: 2774.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو کر آئے تھے۔ ❶

◈ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی کی نیکی کا نیکی کے ساتھ ہی بدلہ دینا چاہیے۔ اگر چہ وہ منافق ہی کیوں نہ ہو۔

◈ معلوم ہوا کہ منافقوں کے ساتھ بظاہر مسلمانوں کا سا معاملہ کیا جائے گا چاہے ان کا نفاق مشہور ہی ہو۔

◈ معلوم ہوا کہ کفن میں قمیص ہو تو بھی جائز ہے۔ لہٰذا قمیص میں دفن کرنا جائز ہو گا۔

◈ معلوم ہوا کہ قرابت کی محبت کو دینی مودت و محبت میں سے شمار نہ کیا جائے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے والد کے لیے اس غرض کے لیے قمیص مانگی تھی کہ اس کی برکت سے اس پر سے عذاب میں تخفیف ہو جائے گی اور یہ اس طبعی اور فطری محبت کا مقتضی تھی جو ایک بیٹے کو اپنے باپ سے ہوتی ہے۔ لہٰذا قرابت کی محبت اور شے ہے اور دین کی محبت اور شے ہے۔

سفید کپڑوں میں کفن دینا مستحب ہے

535۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((الْبَسُوْا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ ، فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ ، وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ)).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”اپنے کپڑوں میں سے سفید کپڑوں کو پہنو کہ یہ تمہارے سب سے بہتر کپڑے ہیں اور اپنے مردوں کو (بھی) ان میں کفن دو۔“ ❷

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ.

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے سوائے امام نسائی کے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

سفید کپڑے پہننے کا اور سفید کفن دینے کا حکم

اِلْبَسُوْا: اگر چہ یہ امر ہے لیکن یہ بطور وجوب کے نہیں بلکہ بطور ارشاد کے ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید کے علاوہ دوسرے رنگوں کے کپڑے بھی پہنے ہیں۔ اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی دوسرے رنگوں کے کپڑے پہنے ہیں۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو زرد اور سرخ رنگ کے کپڑے پہننے سے منع فرمایا ہے جس کا بیان گزر چکا ہے۔ یہی حکم کفن دینے کا بھی ہے کہ سفید کپڑوں میں کفن دینا مشروع اور مستحب ہے۔ البتہ دوسرے رنگ کے کپڑوں میں بھی کفن دے سکتے ہیں۔

غریب الحدیث:...... مِنْ ثِيَابِكُمْ: مذکورہ مِنْ بیانِ جنس کے لیے ہے۔

اَلْبَيَاض: یہ صفت ہے اور اس سے مراد موصوف یعنی اَلْأَبْيَض ہے۔

فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ: یہ مذکورہ حکم کی علت کا بیان ہے۔ لہٰذا مذکورہ فا سببیہ ہوگی۔

وَ كَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ: یہ محل استدلال ہے اور موتاکم میں نسبت قرابت کا نہیں بلکہ نسبت جنس کا بیان ہے۔ لہٰذا

---

❶ صحیح البخاری: 3008۔ صحیح مسلم: 2773.

❷ سنن ابی داود: 3878۔ جامع الترمذی: 994۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ سنن ابن ماجه: 1472۔ امام ابن حبان (5423) اور امام حاکم (354/1) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ امام حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔ ابن قطان نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (دیکھیں: التلخیص الحبیر: 69/2).

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر مرنے والا رشتہ دار نہ بھی ہو تو بھی اس کو سفید کپڑوں میں کفن دینا قابل تعریف ہوگا۔ دوسرے مرنے والا رشتہ دار نہ بھی ہو تب بھی اس کو کفن دینا فرضِ کفایہ ہوگا جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان ہوا۔

مضمون حدیث: ......مضمون حدیث واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ کو زندوں اور مردوں دونوں کے لیے سفید لباس پسند تھا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- زندوں اور مردوں کے لیے سفید لباس کا حکم حکم ارشاد ہے نہ کہ حکم وجوب۔
- اگرچہ سفید کپڑوں میں کفن دینا مشروع ہے لیکن اس کے علاوہ رنگ کے کپڑے میں بھی کفن دینا جائز ہے۔ البتہ کفن کے کپڑے کا حرام نہ ہونا شرط ہے۔ لہٰذا ریشم کے کپڑے میں کفن دینا یا تصویروں والے کپڑے میں کفن دینا جائز نہ ہوگا۔
- سفید کپڑوں کا یہ حکم ارشاد مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے عام ہے۔

کفن دینے میں ''احسان'' مستحب ہے

536۔ وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا كَفَّنَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُحْسِنْ كَفَنَهُ)).

رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تم میں سے ایک اپنے بھائی کو کفن دے تو اس کے کفن میں ''احسان'' کرے۔'' [1]

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ......أَخَاهُ: یہاں بھائی سے دینی بھائی مراد ہے۔

فَلْيُحْسِنْ كَفَنَهُ: کفن میں احسان دو قسم کا ہے:

(1) ایک یہ کہ میت کا واجب کفن دے۔ (2) دوسرا یہ کہ میت کو واجب کفن سے زائد دے۔ یہ سنت ہے۔

غرض کفن میں احسان وہ ہے جو شرع کے موافق ہو، نہ کہ مہنگا کفن دینا میت کے ساتھ احسان ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- جو شے بھی شریعت کے موافق ہو، وہ حسن ہے اور ہر وہ شے بری ہے جو مخالف شرع ہو۔
- اپنی گفتگو میں ایسے الفاظ لائے جائیں جو دوسرے کے دل میں محبت و مودت کو پیدا کریں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے أَخَاهُ کا کلمہ استعمال فرمایا جو محبت کو کھینچتا ہے۔

ایک قبر میں متعدد کو دفن کرنے کا اور اس بات کا بیان کہ ایسی صورت میں دفن کرنے میں کس کو مقدم کیا جائے

537۔ وَعَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُدٍ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، ثُمَّ يَقُوْلُ: ((أَيُّهُمْ أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ؟)) فَيُقَدِّمُهُ فِي اللَّحْدِ، وَلَمْ يُغَسَّلُوْا وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ)).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ احد کے شہیدوں میں دو (دو) کو ایک کفن میں جمع فرماتے۔ پھر دریافت فرماتے کہ ''ان (دونوں) میں سے قرآن کو زیادہ لینے والا (یعنی پڑھنے والا) کون ہے؟'' پس (جب آپ ﷺ کو بتلا دیا

[1] صحیح مسلم، 943.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتا کہ زیادہ قرآن والا فلاں ہے تو) آپ ﷺ اس کو قبر میں (اتارنے میں) مقدم فرماتے اور احد کے شہیدوں کو نہ تو غسل دیا گیا تھا اور نہ ان کی نمازِ جنازہ ہی ادا کی گئی تھی۔ ❶

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... كَانَ النَّبِيُّ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ: مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایسا کرنے کا حکم ارشاد فرمایا تھا نہ کہ یہ مراد ہے کہ آپ ﷺ نے خود ایسا کیا تھا۔

مِنْ قَتْلَى أُحُدٍ: قَتْلَى، قَتِيلٌ کی جمع ہے اور قَتِيلٌ صیغہ صفت ہے جو مفعول کے یعنی مقتول کے معنی میں ہے۔

فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ: اس کے دو معانی ہو سکتے ہیں:

(1) ایک یہ کہ ایک کفن کو پھاڑ کر دو ٹکڑے کر کے دونوں میتوں پر لپیٹ دیا گیا تا کہ دونوں کے بدن ایک دوسرے کو نہ چھوئیں۔

(2) دوسرا یہ کہ دونوں میتوں کو ایک ہی کفن میں اس طرح لپیٹا گیا کہ دونوں کے بدن ایک دوسرے سے لگ رہے تھے۔

بظاہر اقرب پہلا معنی ہے۔ جبکہ ظاہر الفاظ سے اقرب دوسرا معنی لگتا ہے۔

أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ: أَخْذًا: یہ أَكْثَرُ کی تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:...... يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ: ان الفاظ کا مقتضی یہ ہے کہ دفن کا یہ معاملہ دو دو کے درمیان آیا ہو جبکہ أَيُّهُمْ کے لفظ کا تقاضا یہ ہے کہ یہ معاملہ دو سے زیادہ کے درمیان پیش آیا ہو کیونکہ یہ لفظ جمع پر دلالت کرتا ہے۔ تو اس اشکال کے دو جواب ہیں:

(1) ایک یہ کہ ان الفاظ میں ایک اور روایت کی طرف اشارہ ہے جس میں يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ وَالثَّلَاثَةِ کے الفاظ آتے ہیں۔

(2) دوسرا یہ کہ یہاں اقلِ جمع کا بیان ہے۔ کہ جمع کا کم از کم اطلاق دو پر ہوتا ہے۔

فَيُقَدِّمُهُ فِي اللَّحْدِ: دو میں ایک کی تقدیم سے بظاہر یہ معنی راجح معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک کفن دو میں پھاڑ کر تقسیم کیا گیا تھا تب ہی تو ایک کو دوسرے پر مقدم کرنا ممکن ہوا تھا۔

وَلَمْ يُغَسَّلُوا وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِمْ: چنانچہ نہ تو کسی نے از خود اور نہ کسی نے جنابِ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ہی شہدائے احد کو غسل دیا تھا، اسی طرح ان کی نمازِ جنازہ بھی ادا نہ کی گئی تھی۔ رہا آخیر عمر میں جنابِ رسول اللہ ﷺ کا قبرستان کی طرف نکل کر شہدائے احد کی نمازِ جنازہ ادا کرنے کا ذکر تو وہ میت کی نمازِ جنازہ نہ تھی کیونکہ وہ تو اس کی موت کے وقت ہی پڑھی جاتی ہے۔ اسی لیے علماء نے اس نماز کو رخصت ہونے والے کی دعا کے جیسا قرار دیا ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں بنیادی طور پر پانچ اہم مسائل بیان کیے گئے ہیں:

(1) ضرورت کے وقت ایک کفن کو دو میں بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(2) ضرورت کے وقت ایک قبر میں ایک سے زائد میتوں کو بھی دفن کیا جا سکتا ہے۔

---

❶ صحيح البخاري: 1343.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(3) جب ایک قبر میں ایک سے زیادہ میتوں کو دفن کیا جائے تو تدفین میں تقدیم کا معیار ''دین'' ہوگا نہ کہ کوئی اور معیار ہو گا۔ لہٰذا جسے زیادہ قرآن یاد ہوگا اور وہ اسے زیادہ پڑھتا بھی تھا، اسے پہلے قبر میں اتارا جائے۔

(4) شہید کو اس کے کپڑوں میں ہی دفن کیا جائے گا۔

(5) اور شہید کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھی جائے گی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- بلاضرورت ایک قبر میں دو یا زیادہ کو دفن کرنا حرام ہے۔ البتہ ضرورت کے وقت ایسا کر سکتے ہیں جیسے دباؤں سے مرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہو، یا قبر کھودنے والے لوگ کم ہوں یا قبر کے کھودنے کے آلات کی کمی ہو وغیرہ تو ان صورتوں میں ایک قبر میں ایک سے زیادہ کو دفن کرنا جائز ہے۔
- مذکورہ حدیث سے قرآن کی عظمت اور زیادہ قرآن پڑھنے اور یاد کرنے والے کی فضیلت بھی معلوم ہوگئی۔
- شہید کا بے حد رتبہ ہے حتیٰ کہ اسے اس کے انھی خون آلود کپڑوں میں دفن کیا جائے اور اس کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھی جائے گی کہ اس میں بھی شہید کی تکریم ہے۔ کیونکہ نمازِ جنازہ ایک سفارش ہے جبکہ شہید کے سب گناہ معاف ہو چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے اسے نمازِ جنازہ کی اور مسلمانوں کی طرف سے بخشش کی سفارش کی احتیاج باقی نہیں رہ گئی ہوتی۔
- چونکہ نبی کریم ﷺ نے کسی شہید کی تفصیل دریافت نہ فرمائی تھی اس لیے صحیح مذہب یہ ہے کہ شہید چاہے جنبی بھی ہو تب بھی اسے غسل نہ دیا جائے گا۔

زیادہ مہنگا کفن بنانا مکروہ ہے

538۔ وَعَنْ عَلِيٍّ رضي الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: ((لَا تَغَالُوْا فِي الْكَفَنِ، فَإِنَّهُ يُسْلَبُ سَرِيْعًا)). رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے: ''کفن میں حد سے نہ بڑھو (لہٰذا نہ تو بہت زیادہ کپڑا ہو اور نہ زیادہ مہنگا کپڑا ہو) کیونکہ کفن بہت جلدی چھین لیا (اور زبردستی لے لیا) جاتا ہے۔''[1]

اس حدیث کو امام ابوداود رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ...... **لَا تَغَالُوْا:** یعنی میت کے کفن میں غلو کرنے میں حد نہ کردو۔

فَإِنَّهُ يُسْلَبُ سَرِيْعًا: یہ مذکورہ حکم کی علت کا بیان ہے۔ لہٰذا مذکورہ ''فا'' سببیہ ہوگی اور مطلب یہ ہے کہ دفن ہونے کے بعد بہت جلد زمین کے حشرات اور خود زمین کے اثرات اس کفن کو فنا کر دیتے ہیں۔

سَرِيْعًا: یہ قید نسبتی ہے جس کا انحصار زمین کی نوعیت پر ہے چنانچہ کسی زمین میں کفن بہت جلد خراب ہو کر ختم ہو جاتا ہے اور کسی میں نسبتاً تاخیر سے ختم ہوتا ہے۔

مضمون حدیث: ...... قبر میں میت اور اس کا کفن چونکہ مرضِ زوال و فنا میں ہے، اس لیے شریعت کے نزدیک کفن کا زیادہ قیمتی، نفیس اور گراں بنانا غیر پسندیدہ ہے۔ لہٰذا کفن میں نہ تو اسراف ہو اور نہ تبذیر۔ پس نہ تو مہنگا ہو اور نہ زیادہ ہلکا۔

---

[1] سنن ابی داود: 3154۔ سنن البیهقی: 403/3۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ''المجموع'' (152/5) میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ کفن کی نہ تو کمیت میں زیادتی ہو اور نہ کیفیت میں۔

◈ جنابِ رسول اللہ ﷺ کی یہ زبردست حکمت اور حسن تعلیم تھا کہ آپ ﷺ احکام کو ان کی علل کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا کرتے تھے۔

زوجین کا ایک دوسرے کو غسل دینے کا بیان

539۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا: لَوْ مُتِّ قَبْلِي لَغَسَّلْتُكِ)). الْحَدِيْثَ.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا کہ ''(اے عائشہ!) اگر تم مجھ سے پہلے فوت ہو گئی تو تمہیں غسل میں خود دوں گا......الحدیث۔'' [1]

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

اس حدیث کو امام احمد اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:......**لَوْ**: یہ حرف شرط ہے جو صرف ماضی پر داخل ہوتا ہے لہٰذا یہ فعل کو جزم نہیں دیتا (البتہ اس وقت یہ شرط ہوتی ہے کہ یہ اگر کے معنی میں ہو اور دو مثبت فعلوں پر داخل ہو تب پھر یہ ان دونوں کو منفی کے معنی میں کر دے گا اور اگر دو منفی فعلوں پر داخل ہو تو ان کو مثبت بنا دے گا۔ [2] [نسیم]) اور حرف شرط کے داخل ہونے کی وجہ سے مذکورہ جملہ فعل شرط ہوگا۔

مُتِّ: اس کلمہ کو میم کے ضم اور کسر دونوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں کیونکہ یہ اجوف واوی (مَاتَ يَمُوْتُ) اور اجوف یائی (مَاتَ يَمِيْتُ) دونوں سے آتا ہے۔

لَغَسَّلْتُكِ: یہ جواب شرط ہے، اسی لیے اس پر لام داخل ہوا۔

مضمون حدیث:......امام موصوف یہ حدیث یہ بتلانے کے لیے لائے ہیں کہ خاوند اور بیوی ایک دوسرے کی میت کو غسل دے سکتے ہیں کیونکہ اگر یہ حرام ہوتا تو نبی کریم ﷺ اس بات کی آرزو ہی نہ فرماتے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ معلوم ہوا کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جنابِ رسول اللہ ﷺ کی محبوب ترین زوجہ تھیں۔

◈ معلوم ہوا کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ عالم الغیب نہ تھے۔ اسی بنا پر آپ ﷺ کو یہ معلوم نہ تھا کہ پہلے آپ ﷺ کی وفات ہوگی یا سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی۔

◈ بیوی سے محبت کی جائے۔

◈ وفات کے بعد بیوی کے بائنہ ہو جانے کے باوجود اس کو غسل دینے کا جواز بعض متعلقات کے باقی رہ جانے کی وجہ سے

---

[1] مسند احمد: 228/6۔ السنن الکبری للنسائی: 7079۔ سنن ابن ماجہ: 1465۔ صحیح ابن حبان: 6586۔ امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (115/5) میں ابن اسحاق کے عنعنہ کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ امام بوصیری رحمہ اللہ "الزوائد" میں فرماتے ہیں: اس کی اسناد کے رجال ثقہ ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث مختصراً ذکر کی ہے۔ (دیکھیں: صحیح البخاری: 5666)۔

[2] دیکھیں القاموس الوحید، ص: 1504۔ (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، جیسے وراثت کہ بیوی کے ساتھ وراثت کا تعلق اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔

- یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بیوی بدرجہ اولیٰ خاوند کو غسل دے سکتی ہے کیونکہ اس کے حق میں تو خاوند کی زوجیت کا حق باقی ہوتا ہے اور وہ عدت ہے جو خاوند کی زوجیت کے حق کی وجہ سے واجب ہوتی ہے۔
- رہی باندی تو اگر تو آقا اس کے ساتھ مباشرت کرتا تھا تو مرنے کے بعد وہ بیوی کی طرح ہے کیونکہ وہ اس کا فراش (یعنی بستر) تھی اور اگر وہ کسی دوسرے کے نکاح میں تھی یا آقا اس کے ساتھ مباشرت نہ کرتا تھا تو اسے غسل نہ دے گا۔

540۔ وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ رضی اللہ عنہا: ((أَنَّ فَاطِمَةَ رضی اللہ عنہا أَوْصَتْ أَنْ يُغَسِّلَهَا عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ)).

رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ .

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ نے (مرتے وقت) اس بات کی وصیت کی تھی کہ (مرنے کے بعد) انہیں غسل (ان کے خاوند) جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ دیں۔ [1]

اس حدیث کو امام دارقطنی نے روایت کیا ہے۔

شرح :......اس حدیث سے بھی زوجین کے ایک دوسرے کو غسل دینے کا جواز معلوم ہوتا ہے اور یہ کہ مرنے والا غسل دینے والے کے لیے کسی بات کی وصیت کر سکتا ہے۔

حد میں مارے جانے والے کی نمازِ جنازہ

541۔ وَعَنْ بُرَيْدَةَ رضی اللہ عنہ فِي قِصَّةِ الْغَامِدِيَّةِ الَّتِي أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِرَجْمِهَا فِي الزِّنَا۔ قَالَ: ((ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَصُلِّيَ عَلَيْهَا وَدُفِنَتْ)).

رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے غامدیہ کے قصہ کی بابت، جنہیں نبی کریم ﷺ نے زنا کی وجہ سے رجم کر دینے کا حکم ارشاد فرمایا تھا، مروی ہے، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر نبی کریم ﷺ نے ان (کی نمازِ جنازہ پڑھنے) کے بارے میں حکم ارشاد فرمایا تو ان کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور انہیں دفن کر دیا گیا۔ [2]

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

قصۂ حدیث :......غَامِد: یہ قبیلہ جہینہ کی ایک ذیلی شاخ ہے۔ اسی لیے جناب بریدہ رضی اللہ عنہ نے ان کو غامدیہ (قبیلہ غامد کی طرف نسبت کر کے) ذکر کیا۔ جبکہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت میں ان کو جہینہ قبیلہ کی ایک خاتون کہہ کر ذکر کیا گیا ہے۔ اس بنا پر دونوں روایات ایک خاتون کے بارے میں ہیں اور یہ ایک قصہ ہے نہ کہ دو۔ خدا کی اس نیک بندی نے حالت حمل میں آ کر خدمت نبوی میں اپنے گناہ کا اعتراف کیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں توبہ و استغفار کرنے اور خود کی پردہ پوشی کرنے کی وصیت و نصیحت فرما کر واپس چلے جانے کو ارشاد فرمایا۔ اس پر وہ عرض کرنے لگیں کہ اے اللہ کے رسول! کیا

---

[1] سنن الدارقطنی: 79/2۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو منکر کہا ہے۔ پھر اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن نافع بھی ہے۔ جس کی روایت کے بارے میں ابن معین کہتے ہیں کہ وہ کچھ بھی نہیں اور ایک مرتبہ فرمایا کہ ان کی حدیث لکھی جائے گی اور امام نسائی نے ان کو متروک کہا ہے۔ (دیکھیں: التحقیق فی احادیث الخلاف لابن الجوزی: 6/2)

[2] صحیح مسلم: 1695.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ مجھے ماعز کی طرح واپس کرنا چاہتے ہیں؟ گویا کہ اس نیک بندی نے خود کو گناہ سے پاک کرنے کا عزم مصمم کر لیا تھا۔ اس پر جب آپ ﷺ کو ان کے حاملہ ہونے کا علم ہوا تو وضع حمل اور بچہ کے دودھ چھڑانے کے وقت تک کے لیے واپس فرما دیا۔ غرض جب اس نیک بندی نے بچہ جنم دیا اور بچہ بھی دودھ چھڑانے کی عمر کو پہنچ گیا تو آپ ﷺ نے اس کو رجم کر دینے کا حکم ارشاد فرمایا اور بعد میں اس کی توبہ کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''اس (اللہ کی بندی) نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کو اہل مدینہ کے ستر آدمیوں میں بھی بانٹا جائے تو انہیں کافی ہو۔'' [1]

مضمون حدیث: ......اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کسی پر حد جاری کی جائے اور حد کی وجہ سے وہ وفات پا جائے تو اس کی نماز جنازہ بھی ادا کی جائے گی اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن بھی کیا جائے گا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مذکورہ روایت میں اختصار ہے جبکہ حدیث عمران بن حصین رضی اللہ عنہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ کی اس نیک بندی کی نمازِ جنازہ خود پڑھائی تھی۔
- معلوم ہوا کہ زنا کفر نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے غامدیہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ پڑھی تھی۔ البتہ اس کو حلال سمجھنا کفر اور اس کا ارتکاب کبیرہ گناہ ہے۔ لہٰذا اس سے توبہ واجب ہے اور شہادت سے یا خود اپنے اقرار سے ثابت ہو جانے پر اس کی سزا میں یہ تفصیل ہے کہ اگر تو زانی شادی شدہ تھا تو اسے رجم کیا جائے گا وگرنہ سو کوڑے اور جلا وطنی کی سزا دی جائے گی جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ کا حکم

542۔ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: ((أُتِيَ النَّبِيَّ ﷺ بِرَجُلٍ قَتَلَ نَفْسَهُ بِمَشَاقِصَ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص کو (یعنی اس کی میت کو) لایا گیا جس نے (چاقو یا بھالے وغیرہ کے) چوڑے پھل کی مدد سے خودکشی کر لی تھی تو آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی۔ [2]
اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ......أُتِيَ بِرَجُلٍ: یہ جِيءَ بِهِ کے معنی میں ہے۔ یعنی لایا گیا اور وہ مردہ حالت میں تھا۔ یعنی ایک آدمی کی میت لائی گئی۔

بِمَشَاقِصَ: مذکورہ ''با'' کی بابت راجح قول یہ ہے کہ یہ استعانت کے لیے ہے، گو کہ یہ ''با'' سببیہ بھی ہو سکتی ہے اور مَشَاقِص، مِشْقَصٌ کی جمع ہے یہ چوڑے پھل والے چاقو یا پھالے یا بھالے اور چوڑے پھل والے نیزے کو کہتے ہیں۔

قَتَلَ نَفْسَهُ: واللہ اعلم ان صاحب کی خودکشی کا سبب کیا بات ہوئی۔ لیکن بہر حال ان صاحب نے خودکشی کر لی تھی جو حرام اور سخت کبیرہ گناہ ہے اور ایک صحیح حدیث میں خودکشی کرنے والے کے لیے عذابِ جہنم کی وعید بھی ہے۔ چنانچہ اگر اس نے کسی چاقو وغیرہ سے خودکشی کی تھی تو وہ جہنم میں ہمیشہ چاقو سے خود کو قتل کرتا رہے گا۔

[1] صحیح مسلم: 1696 .
[2] صحیح مسلم: 978 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں خودکشی کرنے پر سخت وعید مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ بھی نہ پڑھی تھی۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل ذیل میں آ جاتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ خودکشی کرنے والے پر کفارہ کے واجب ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ مشہور مذہب یہ ہے کہ کفارہ واجب ہوگا جو اس کے ترکہ سے نکالا جائے گا۔ لیکن صحیح قول کفارہ کے واجب نہ ہونے کا ہے۔

◈ خودکشی کرنے والا مخلد فی النار ہے جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں آتا ہے اور یہ بہت بڑا معاشرتی اور دینی جرم ہے۔

◈ صاف اور صریح قول یہ ہے کہ خود تو آپ ﷺ نے خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہ پڑھی تھی جیسا کہ سنن نسائی کی ایک روایت کے یہ الفاظ اس کی تائید کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''رہا میں! تو میں تو اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھوں گا۔'' ❶ پس دوسروں نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی تھی۔ کیونکہ اگر دوسروں نے بھی اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی ہوتی تو فَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ فعل مجہول کا صیغہ روایات میں مروی ہوتا۔

◈ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خودکشی کی تقبیح اور تنفیر کے لیے امام کو خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ نہ پڑھنی چاہیے۔ البتہ اگر امام اس کی نمازِ جنازہ پڑھ لے تو اس بارے دو اقوال ہیں: (1) ایک یہ کہ یہ حرام ہے۔ (2) دوسرا یہ کہ یہ مکروہ ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس باب میں مصلحت کی رعایت لازم ہے۔ لہٰذا اگر تو مصلحت جنازہ نہ پڑھنے میں ہو تو نہ پڑھے اور اگر مصلحت اس میں ہو کہ جنازہ پڑھا جائے تو پڑھ لے۔

◈ خودکشی کبیرہ گناہ ہے کیونکہ اس پر وعید آئی ہے۔ البتہ صحیح قول یہ ہے کہ خودکشی کرنے والا مخلد فی النار نہ ہوگا بلکہ وہ رب تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہوگا۔

قبر پر نماز جنازہ ادا کرنے کا حکم

543۔ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضي الله عنه فِيْ قِصَّةِ الْمَرْأَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ۔ قَالَ: فَسَأَلَ عَنْهَا النَّبِيُّ ﷺ، فَقَالُوْا: مَاتَتْ، فَقَالَ: ((أَفَلَا كُنْتُمْ آذَنْتُمُوْنِيْ؟ فَكَأَنَّهُمْ صَغَّرُوْا أَمْرَهَا، فَقَالَ: ((دُلُّوْنِيْ عَلَى قَبْرِهَا)). فَدَلُّوْهُ فَصَلَّى.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مسجد نبوی کو جھاڑو دینے والی عورت کے قصہ کی بابت مروی ہے کہ (جب وہ عورت چند دن نظر نہ آئی) تو آپ ﷺ نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ تو وفات پا گئی ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم لوگوں نے مجھے کیوں نہ خبر کی؟'' گویا کہ انہوں نے اس عورت کے معاملہ کو چھوٹا سمجھا تھا پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اس کی قبر کی طرف راہنمائی کرو۔'' چنانچہ لوگوں نے اس عورت کی قبر بتلائی تو آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ ❷

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

وَزَادَ مُسْلِمٌ: ثُمَّ قَالَ: ((إِنَّ هٰذِهِ الْقُبُوْرَ مَمْلُوْءَةٌ

اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں: پھر آپ ﷺ نے

---

❶ سنن النسائي: 66/4. ❷ صحيح البخاري: 1337، صحيح مسلم: 956.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظُلْمَةً عَلَى أَهْلِهَا، وَإِنَّ اللّٰهَ يُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلَاتِي عَلَيْهِمْ))۔ فرمایا: ''بے شک یہ قبریں اپنے قبر والوں پر تاریکی سے بھری ہوتی ہیں اور رب تعالیٰ میری ان پر دعا کرنے سے ان قبروں کو ان قبر والوں کے لیے روشن فرما دیتے ہیں۔''

درایة الحدیث :...... یہ مرد تھا یا عورت تھی، احادیث میں اس بابت اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض روایات میں مرد کا اور بعض میں عورت کا ذکر ہے۔ پھر بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ دو قصے ہیں اگرچہ قصہ کے متعدد ہونے سے کوئی امر مانع نہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ دونوں روایات کا مخرج اور سیاق ایک ہے۔ جو قصہ کے ایک ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ قصہ تو ایک ہے لیکن رواۃ کا صاحبِ قصہ کے نام میں اختلاف ہے اور ایسا اختلاف صحتِ حدیث کے حق میں چنداں مضر نہیں اور ایسے اضطراب کو حدیث کے حق میں ضعف تصور نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ ایسا اختلاف مقصودِ حدیث میں کوئی خلل نہیں واقع کرتا اور مقصود حدیث کا خلاصہ ہے۔

غریب الحدیث :...... **تَقُمُّ**: یہ قمامہ کے صاف کرنے کو کہتے ہیں اور قمامہ کوڑا کرکٹ کو کہتے ہیں جس کا نجس اور غلیظ ہونا ضروری نہیں۔ **اَلْمَسْجِدَ**: یہاں الف لام عہد ذہنی کا ہے مراد مسجد نبوی ہے۔

فَسَأَلَ عَنْهَا: گویا کہ آپ ﷺ نے اسے غیر موجود پایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اس جھاڑو دینے والی خاتون کی خیر خبر کی اطلاع رکھتے تھے۔

أَفَلَا آذَنْتُمُونِي؟ **أَفَلَا** استفہام ہے۔ یہ استفہام زجر و توبیخ کے لیے بھی ہو سکتا ہے کیونکہ ان لوگوں نے آپ ﷺ کو اس خاتون کے وفات پا جانے کی اطلاع نہ دی تھی۔ جبکہ یہ استفہام تعظیم کے لیے بھی ہو سکتا ہے کہ وہ عورت مسجد کی خادمہ ہونے کی وجہ سے تعظیم و تکریم کے لائق تھی۔

أَفَلَا: اس میں ہمزہ تو استفہامیہ ہے جبکہ فَـــا عاطفہ ہے اور اس کا معطوف علیہ مقدر ہے۔ یہ ترکیب گزشتہ صفحات میں مفصل ذکر کی جا چکی ہے۔ **آذَنْتُمُونِي**: یہ أَعْلَمْتُمُونِي کے معنی میں ہے۔

فَكَأَنَّهُمْ صَغَّرُوا أَمْرَهَا: یعنی ان لوگوں نے اس خاتون کو اتنا معمولی سمجھا کہ اس کے مرنے کی نبی کریم ﷺ کو خبر دینے کی بھی ضرورت نہ سمجھی۔

دُلُّونِي عَلَى قَبْرِهَا: چونکہ اس امر کے مخاطب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، اس لیے ان کے حق میں یہ امر وجوب کے لیے تھا کیونکہ اس امر کے جواب میں ''نا'' کہنا بہت بڑی بات تھی۔ اس لیے امر کی بابت مخاطب اور غیر مخاطب کے فرق کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔

فَصَلَّى عَلَيْهَا: جبکہ وہ خاتون قبر میں دفن تھیں۔ **إِنَّ هٰذِهِ الْقُبُورَ**: اَلْقُبُورَ، هٰذِهِ سے بدل ہے اور یہ مبتدا ہے۔

مَمْلُوءَةٌ: یہ خبر ہے۔ **ظُلْمَةً**: یہ مَمْلُوءَةٌ کی تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

يُنَوِّرُهَا: یعنی رب تعالیٰ ان قبروں میں روشنی کر دیتا ہے۔

بِصَلَاتِي عَلَيْهِمْ: صلوۃ سے مراد دعا ہے۔ کیونکہ یہاں نبی کریم ﷺ نے سب قبروں پر نمازِ جنازہ نہ پڑھی تھی لہٰذا یہاں صلوۃ کو دعا پر محمول کریں گے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون حدیث: ......مذکورہ حدیث میں مسجد کی خدمت کرنے کی فضیلت مذکور ہے کہ ان لوگوں کی بڑی شان ہے۔ دوسرے یہ کہ نبی کریم ﷺ کی دعا سے قبر والوں پر رب تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے اور آپ ﷺ کی دعا ان کی قبروں کے روشن ہونے کا ذریعہ ہے۔ تیسرے اس حدیث میں قبر پر نماز کا مسئلہ بھی مذکور ہے جس کی تفصیل ذیل میں آ جاتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مسجد کو صاف ستھرا اور کوڑا کرکٹ سے پاک رکھنا مشروع ہے۔
- مساجد کی کیفیت ایسی ہونی چاہیے کہ جس سے نمازیوں کو سہولت اور راحت ملے۔
- معلوم ہوا کہ عورت بھی مسجد کی خدمت کر سکتی ہے۔
- معلوم ہوا کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کی خیر خبر رکھتے تھے۔
- قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے۔ اس کی دلیل فَصَلَّى عَلَيْهَا کے الفاظ ہیں۔ البتہ علماء نے اس میں یہ شرط رکھی ہے کہ اسے دفن کی خبر نہ ہو اور اسے اس دن جنازہ پڑھنا ممکن نہ ہو سکا ہو۔ رہے وہ لوگ جن کو خبر ہو، مگر وہ جنازہ پڑھنے نہ جائیں تو ان کے لیے اگلے دن یا جنازہ کے بعد قبر پر جنازہ پڑھنا غیر مشروع ہوگا۔ کیونکہ مشروع حاضر میت پر جنازہ پڑھنا ہے۔
- رہا یہ سوال کہ جواز کی صورت میں کب تک قبر پر نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے؟ تو ایک قول ایک ماہ تک کی مدت کا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یہ نماز ایک ماہ بعد پڑھی تھی۔ [1] لہٰذا ایک ماہ کے بعد قبر پر نمازِ جنازہ غیر مشروع ہوگی۔ لیکن ہم اس دلیل کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ایک ماہ بعد نماز کا یہ واقعہ اتفاقاً تھا نہ کہ قصداً اور اس بارے یہ قاعدہ علماء کے ہاں طے ہے کہ جو باتیں آپ ﷺ سے اتفاقاً واقع ہوئی ہیں وہ قاعدہ شرعیہ نہیں بن سکتیں۔ اس باب میں اور بھی متعدد اقوال ہیں جیسے:

(1) ہمیشہ پڑھ سکتے ہیں۔

(2) جب تک لاش گلنے سڑنے سے محفوظ رہے، اس کی نماز جنازہ اس کی قبر پر پڑھ سکتے ہیں۔

یہ اقوال محل نظر ہیں۔ میرے نزدیک قوی ترین قول یہ ہے کہ اگر تو میں قبر والے کے مرنے کے وقت اس پر نماز جنازہ پڑھنے کا اہل ہوں تو میں اس کی قبر پر بھی نماز جنازہ پڑھ سکتا ہوں اور اگر میں قبر والے کے مرنے پر اس پر نماز جنازہ پڑھنے کا اہل نہیں تھا تو اب اس کی قبر پر بھی نمازِ جنازہ نہ پڑھوں گا۔ مثلاً جو لوگ میرے پیدا ہونے سے پہلے مر گئے تو اس وقت میں ان پر نماز پڑھنے کا اہل ہی نہ تھا کیونکہ میں اس وقت پیدا ہی نہ ہوا تھا۔ اسی طرح اگر کوئی میری نابالغی کی عمر میں مر گیا تو اس پر بھی میں نماز جنازہ نہ پڑھوں گا۔ کیونکہ اس وقت میں نماز کا اہل ہی نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اب ہمارے لیے جناب رسول اللہ ﷺ سمیت سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبروں پر نماز جنازہ پڑھنا مشروع نہیں کیونکہ یہ سب حضرات ہمارے پیدا ہونے سے صدیوں قبل وفات پا چکے ہیں۔ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ.

- دوسروں کو کسی کے مرنے کی اطلاع دینا جائز ہے۔ البتہ واویلا کر کے، قمیص پھاڑ کر، سینہ کوبی کرتے اور منہ نوچتے ہوئے کسی کی موت کی خبر دینا عہد جاہلیت کا دستور ہے جو منع ہے۔
- اچھا کام کرنے والے کی اس خوبی کو سراہا جائے تا کہ دوسرے لوگوں میں بھی اس کی رغبت ہو۔ چونکہ وہ عورت مسجد کو جھاڑ دیتی

---

[1] جامع الترمذی: 1037 مرسلا من سعید بن المسیب۔ امام بیہقی (48/4) کہتے ہیں: مرسل روایت صحیح ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی، اسی لیے آپ ﷺ نے اس کے بارے میں استفہام تعظیم کرتے ہوئے اس کے اس کام کو دوسروں کے سامنے سراہا۔

- قبر پر نماز پڑھتے ہوئے اسے قبلہ کے سامنے رکھا جائے نہ کہ اپنے دائیں یا بائیں اور نہ اپنے پیچھے ہی رکھا جائے۔
- معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ عالم الغیب نہ تھے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے اس عورت کی قبر کا پتا دریافت فرمایا تھا۔
- جو ایک دفعہ کسی کی نماز جنازہ پڑھ چکا ہو، وہ اس کی قبر پر دوبارہ اس کا جنازہ پڑھے گا یا نہیں؟ اس بارے علماء کا اختلاف ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ جانے والوں کے جنازہ پڑھنے یا نہ پڑھنے کی بابت دونوں باتوں کا احتمال ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ ان حضرات نے نماز جنازہ نہ پڑھی تھی۔ کیونکہ اگر ان حضرات نے بھی نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی ہوتی تو وہ اس بات کو ضرور نقل کرتے۔ اس لیے جو کسی میت کی ایک دفعہ نماز جنازہ پڑھ چکا ہو اس کے لیے اس کی نماز جنازہ دوبارہ پڑھنا غیر مشروع ہوگا۔ پھر ایک قول یہ ہے کہ جنازہ کا اعادہ مطلق جائز ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ کسی سبب سے اعادہ جائز ہے۔ جیسے ایک ایسی جماعت جنازہ پڑھ رہی ہو جس نے ابھی تک میت پر جنازہ نہ پڑھی تھی تو یہ بھی ان کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مختار قول ہے اور یہی صحیح قول ہے۔
- اس بنا پر جس نے ابھی تک میت کا جنازہ نہیں پڑھا، وہ اس کی قبر پر اس کے جنازہ کا اعادہ کر سکتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے کیا تھا۔
- کبھی قبروں میں صالحین کی قبروں کی نسبت کے اعتبار سے ظلمت ہوتی ہے۔ اس لیے اپنے عمل پر فریفتہ نہ رہنا چاہیے بلکہ رب سے اپنی بخشش اور مغفرت کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔
- دعا مرنے والوں کو فائدہ دیتی ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ ان کے لیے دعا فرماتے تھے۔
- **فَاِنَّ اللّٰهَ یُنَوِّرُهَا:** معلوم ہوا کہ خیر کا حصول اور مضرت کا دفعیہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں بھی نہیں۔ یہ سب اللہ کے پاس ہی ہے۔
- اسباب کا اثبات۔ جس کی دلیل بِصَلٰوتِیْ عَلَیْهِمْ کے الفاظ ہیں کیونکہ یہاں ''با'' سببیہ ہے۔
- جب آدمی قبرستان میں ہو تو ترغیبی و ترہیبی مضامین کا تذکرہ کرنا مناسب ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے قبرستان میں قبروں کے تاریک ہونے کا ذکر فرمایا تھا۔
- جب مسجد کی صفائی کرنے والا اس قدر تکریم کا مستحق ہے تو بلاشبہ مسجد کو گندا کرنے والا اہانت کا مستحق ٹھہرے گا۔

نوحہ کر کے کسی کے مرنے کی خبر دینے کی ممانعت کا بیان

544۔ وَعَنْ حُذَیْفَةَ رضی اللہ عنہ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ یَنْهٰی عَنِ النَّعْيِ)).

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی کے مرنے کی خبر کا (زمانۂ جاہلیت کی طرح) اعلان کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ [1]

---

[1] مسند احمد: 406/5۔ جامع الترمذی: 986۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ سنن ابن ماجہ: 1476۔ امام ابن حجر "فتح الباری" (117/3) میں کہتے ہیں: اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ ، وَحَسَّنَهُ . اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... اَلنَّبِيّ: یہ لفظ اِنَّ کا اسم ہے۔ كَانَ: یہ اِنَّ کی خبر ہے۔

يَنْهٰى: یہ كَانَ کی خبر ہے اور صحابی رضی اللہ عنہ کا ایسا قول نہی کے معنی کو متضمن ہوتا ہے لہٰذا یہ قول راوی کے قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا تَنْعُوْا مَوْتَاكُمْ کے کہنے کی طرح ہے۔

عَنِ النَّعْيِ: اَلنَّعْيِ خبر وفات اور کسی کے مرنے کے اعلان اور اشتہار کو کہتے ہیں۔ پھر اگر تو اس پر داخل ہونے والا الف لام بیان حقیقت کے لیے ہوگا تو یہ نہی نفس نَعْی پر وارد ہوگی۔ تب پھر خود جناب رسول اللہ ﷺ کے نجاشی کی موت کی خبر دینے پر اور اسی طرح مسجد کی صفائی کرنے والی خاتون کی بابت یہ ارشاد فرمانے کہ ”تم لوگوں نے مجھے اس کی خبر کیوں نہ دی؟“ پر اشکال وارد ہوگا۔ لیکن اگر اس الف لام کو عہد ذہنی کا مانیں تو مراد دورِ جاہلیت میں موت کی اطلاع دینے کے رائج طریق کی ممانعت ہوگی۔ چنانچہ جاہلیت میں لوگ سروں میں خاک ڈالتے، واویلا کرتے، سینہ کوبی کرتے، منہ نوچتے، گریبان چاک کرتے بازاروں میں نکل جاتے تھے اور نوحہ کرتے چیختے چلاتے مرنے والے کی خبر دیتے تھے۔ پس مذکورہ حدیث میں ممانعت مرنے کی اس طرح خبر دینے کی ہے۔

مضمون حدیث:...... مضمون واضح ہے کہ اسلام نے جاہلیت کی ہر ہر رسم کو مٹایا ہے حتیٰ کہ کسی کے مرنے کی جاہلانہ طریقوں سے خبر دینے سے منع فرمایا ہے۔

تنبیہ:...... دہائیاں دے کر کسی کے مرنے کی خبر کی تشہیر کرنا حرام ہے۔ کیونکہ نہی میں اصل تحریم ہے جیسے امر میں اصل وجوب ہے۔ اکثر علماء اصول کا مذہب یہی ہے۔

غائبانہ نماز جنازہ کا حکم

545- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَعَى النَّجَاشِيَّ فِي الْيَوْمِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ ، وَخَرَجَ بِهِمْ إِلَى الْمُصَلَّى ، فَصَفَّ بِهِمْ ، وَكَبَّرَ عَلَيْهِ أَرْبَعًا)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نجاشی کے مرنے کی خبر اسی دن دے دی تھی جس دن اس کی وفات ہوئی تھی اور آپ ﷺ اپنے اصحاب کو لے کر عیدگاہ کی طرف نکلے۔ ان کی صف بندی کی، پھر نجاشی کی نماز جنازہ کی چار تکبیریں کہیں۔ [1] یہ حدیث ”متفق علیہ“ ہے۔

غریب الحدیث:...... نَعْی: مذکورہ حدیث میں کسی کے مرنے کی اطلاع دینے کے جواز کا ذکر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ گزشتہ روایت میں جو ممانعت ہے، وہ زمانہ جاہلیت میں رائج جاہلانہ طریق کی ہے نہ کہ نفس اعلان کرنے کی۔ بلاشبہ یہ آپ ﷺ کا ایک عظیم معجزہ تھا کہ آپ ﷺ نے ہزاروں میل کے فاصلہ پر ہوتے ہوئے بھی بغیر کسی واسطہ کے نجاشی کے مرنے کی خبر اسی دن دے دی جس دن وہ فوت ہوا تھا۔ بلاشبہ ایسا رب تعالیٰ کی وحی سے تھا۔

اَلنَّجَاشِي: یہ افریقہ کے ملک حبشہ کا بادشاہ تھا جس کا نام اصحمہ اور لقب نجاشی تھا۔ مذکورہ نجاشی ہی وہ نجاشی ہے کہ جس

---

[1] صحيح البخاري: 1246- صحيح مسلم: 951.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے دو دفعہ حبشہ ہجرت کر آنے والے حضرات مہاجرین کو پناہ دی، ٹھکانہ دیا اور ان کا بے حد اکرام واعزاز کیا۔ نجاشی مشرف بہ اسلام ہو گیا لیکن شرفِ صحابیت کو نہ پہنچ سکا تھا۔ البتہ نجاشی کا شمار اجل تابعین بلکہ اکمل التابعین میں ہوتا ہے کیونکہ نجاشی نے تابعی ہونے کے باوجود دورِ نبوی کو پایا ہے۔ نجاشی نے اسلام لا کر جنابِ رسالت مآب کی خدمت میں بیش قیمت تحائف بھی بھیجے۔ بلکہ انہوں نے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا حق مہر بھی بھیجا تھا۔ نجاشی نے اپنے وطن میں ہی وفات پائی تھی۔ معلوم نہیں کہ وہاں اس کا جنازہ پڑھنے والے لوگ تھے بھی یا نہیں؟ اغلب یہ ہے کہ نجاشی کے حواری اور مصاحب نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ نہ جانتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اسی دن اس کے مرنے کی اطلاع بھی دی اور اسے اپنا بھائی بھی کہا۔

فِي الْيَوْمِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ: یہ نَعْی فعل کے متعلق ہے۔

خَرَجَ بِهِمْ إِلَى الْمُصَلّٰى: علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ مصلّٰی عید کا تھا یا جنازہ کا تھا۔ لیکن چونکہ ذکر نماز جنازہ کا ہے اس لیے بعض شارحین کے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ اس سے مراد جنازہ گاہ ہو۔ لیکن میرے نزدیک اقرب یہ ہے کہ مراد عیدگاہ ہو تاکہ نجاشی کے امر کو شایانِ شان سراہا جا سکے۔

فَصَفَّ بِهِمْ: یہ صفیں نماز کی صفوں کی طرح تھیں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ''میں تیسری یا چوتھی صف میں تھا۔'' ❶ جو نمازیوں کی کثرت کی دلیل ہے۔

فَكَبَّرَ عَلَيْهِ أَرْبَعًا: نمازِ جنازہ میں کتنی تکبیریں ہیں اس کی تفصیل آگے آ جاتی ہے۔

مضمونِ حدیث:...... مذکورہ حدیث میں غائبانہ نماز جنازہ کے جواز کو بیان کیا گیا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مذکورہ حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نجاشی شاہ حبشہ کی فضیلت ومنقبت اور نبی کریم ﷺ کی اس پر رعایت وعنایت کس قدر تھی۔
- معلوم ہوا کہ سلطان، امیر اور حاکم نیکوکار ہو تو رب تعالیٰ کے ہاں اس کا بڑا رتبہ ہے۔
- شر وفساد کی جگہ اکیلے آدمی کے نیک ہونے کی بھی بے حد فضیلت ہے۔ جیسا کہ نجاشی شاہِ حبشہ شر وفساد کی سرزمین پر صاحب ایمان اور نیکوکار تھا۔
- اگرچہ مذکورہ حدیث سے غائبانہ نماز جنازہ کی مشروعیت اور جواز کا بھی علم ہوا لیکن علماء کا اس بارے اختلاف ہے چنانچہ اس بابت علماء کے مندرجہ ذیل اقوال ہیں:

(1) غائبانہ نماز جنازہ ہر ایک کی ادا کی جا سکتی ہے چاہے وہ کوئی عام آدمی ہو یا خاص۔

(2) غائبانہ نماز جنازہ صرف اسی کی جائز ہے جس کے بارے میں ہمیں اس بات کا یقین ہو کہ اس کی نماز جنازہ کسی نے ادا نہیں کی۔

(3) غائبانہ نماز جنازہ صرف اس کی جائز ہے جو کوئی سربرآوردہ شخصیت ہو اور اس کا امت کی صلاح وفلاح اور عامۃ الناس کی نفع رسانی میں ایک نمایاں کردار رہا ہو۔ جیسے کوئی مشہور اور جید عالم، مسلمانوں کا کوئی عظیم راہنما، کوئی بڑا مصلح وغیرہ۔

---

❶ صحیح البخاری: 1317.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی میں امراء وسلاطین مسلمین بھی داخل ہیں۔

اب اگر چہ معتدل اور اصلح قول یہی ہے لیکن صحیح قول دوسرا ہی ہے کہ غائبانہ نمازِ جنازہ صرف اسی کی ادا کرنا جائز ہے جس کے بارے میں ہمیں اس بات کا حتمی علم ہو جائے کہ دیارِ غیر میں کسی نے بھی اس کی نمازِ جنازہ ادا نہیں کی۔

- مذکورہ قصہ میں نبی کریم ﷺ کے ایک معجزہ کا بھی بیان ہے کہ آپ ﷺ پر ہزاروں میل دُور کا ایک امرِ الٰہی سے منکشف کر دیا گیا۔
- معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ عیدگاہ میں بھی ادا کی جا سکتی ہے۔
- نماز جنازہ میں صف بندی مشروع ہے۔
- نماز جنازہ کے لیے بھی وضو، طہارتِ بدن و مکان اور استقبالِ قبلہ وغیرہ شرط ہے۔
- نمازِ جنازہ کی چار تکبیریں مشروع ہیں۔

جنازہ میں نمازیوں کی کثرت کی فضیلت

546۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: ((مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوتُ، فَيَقُومُ عَلَى جَنَازَتِهِ أَرْبَعُونَ رَجُلًا، لَا يُشْرِكُونَ بِاللّٰهِ شَيْئًا، إِلَّا شَفَّعَهُمُ اللّٰهُ فِيهِ)).

رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ''جو مسلمان بھی فوت ہو جاتا ہے اور اس کی نماز جنازہ چالیس ایسے آدمی ادا کریں جو اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراتے ہوں تو رب تعالیٰ اس مرنے والے کی بابت ان کی شفاعت کو ضرور قبول فرماتے ہیں۔ [1]

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :...... مَا مِنْ: یہ مَا نافیہ اور مِنْ زائدہ ہے۔ یعنی لفظوں میں تو زائدہ ہے البتہ معنی کے اعتبار سے ''مِنْ'' زائدہ تاکید کی زیادتی کے لیے آتا ہے۔

رَجُلٍ مُسْلِمٍ: رَجُلٍ مبتدا ہے اور مُسْلِمٍ اس کی صفت ہے البتہ مُسْلِمٍ کو رفع کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں، تب پھر یہ لفظ محل کے اعتبار سے صفت ہوگا جبکہ مُسْلِمٍ کا لفظ اعراب کے اعتبار سے صفت ہے۔ یاد رہے کہ مُسْلِمٍ کی قید سے کافر خارج ہو جائے گا کہ اسے کسی کی بھی سفارش مرنے کے بعد کام نہ آئے گی۔

يَمُوتُ: معنی کے اعتبار سے یہ جملہ رَجُلٍ کی صفت ہے۔

فَيَقُومُ: یہ يَمُوتُ پر عطف ہے۔ تب پھر مذکورہ فا عاطفہ ہے۔

أَرْبَعُونَ رَجُلًا: رَجُلًا، أَرْبَعُونَ کی تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ بظاہر یہ عدد بطور تحدید کے ہے نہ کہ مبالغہ کے۔

لَا يُشْرِكُونَ بِاللّٰهِ شَيْئًا: یہ جملہ رجلا کی صفت ہے۔ اس میں شرک اصغر و اکبر دونوں کی نفی شامل ہے۔ کیونکہ مشرک کی تو نماز ہی صحیح نہیں۔ چہ جائیکہ اس کی نماز کسی کے لیے سفارش بھی بن سکے۔ پس کافر اور مشرک شافع نہیں بن سکتے۔

إِلَّا شَفَّعَهُمُ اللّٰهُ فِيهِ: یہ رَجُلٍ مُسْلِمٍ کی خبر ہے اور مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ ان لوگوں کی اس میت کے حق میں

[1] صحیح مسلم: 948

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شفاعت کو قبول فرماتے ہیں۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں اس مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی مسلمان کے جنازہ میں چالیس صاحبِ ایمان شریک ہوجائیں تو رب تعالیٰ ان کی شفاعت قبول کر کے اس میت کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ غیر مسلم کی شفاعت غیر نافع ہے اور خود غیر مسلم کے حق میں بھی کسی کی شفاعت نافع نہیں۔
- بظاہر یہ بشارت عورت کے شریک ہونے کو بھی شامل ہے۔ لہٰذا اگر کسی کے جنازہ کی تعداد عورتوں کو ملا کر چالیس بنتی ہوتی تو بظاہر یہ بشارت اس صورت کو بھی شامل ہے کیونکہ جو بات مردوں کے حق میں ثابت ہوتی ہے وہ عورتوں کے حق میں بھی ثابت ہوتی ہے الا یہ کہ استثنا کی کوئی دلیل ہو۔
- جنازہ میں نمازیوں کی کثرت مشروع ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ سفارشیں اکٹھی ہوں۔
- معلوم ہوا کہ دعا بھی شفاعت میں سے ہے۔
- شریعت کے بیان کردہ اعداد توقیفی ہیں۔ لہٰذا بظاہر انتالیس کی شفاعت غیر مضمون ہوگی گو ممنوع نہ بھی ہو اور دونوں باتوں میں فرق یہ ہے کہ چالیس کے عدد پر مغفرت و بخشش کی ضمانت ہے جبکہ اس سے کم عدد پر بخشش ممنوع تو نہیں البتہ امکان بخشش نہ ہونے کا بھی ہے۔
- چالیس کے عدد کو شفاعت میں جو تاثیر حاصل ہے، اس کی حکمت رب تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔
- توحید کی فضیلت
- میت کے لیے دعا میں اخلاص پیدا کرنا مشروع ہے۔
- اگر کسی جنازہ کے بارے میں معلوم ہوجائے کہ وہ کافر کا جنازہ ہے تو اس کے جنازہ میں شریک ہونا حرام ہوگا۔ کیونکہ غیر مسلم کی سفارش کرنا رب تعالیٰ کے ساتھ مذاق ہے۔

عورت کے جنازہ میں امام کہاں کھڑا ہو؟

547۔ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رضي الله عنه قَالَ: ((صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى امْرَأَةٍ مَاتَتْ فِيْ نِفَاسِهَا، فَقَامَ وَسَطَهَا)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے ایک عورت کی نمازِ جنازہ پڑھی جو حالتِ نفاس میں انتقال کر گئی تھی۔ پس آپ ﷺ اس کے وسط میں کھڑے ہوئے۔ [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:...... صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ: کیونکہ نماز جنازہ کو صف بندی کر کے ادا کرنا مشروع ہے۔

فِيْ نَفَاسِهَا: یہ فِيْ ظرفیت کے لیے بھی ہوسکتا ہے اور سببیت کے لیے بھی۔ چنانچہ اگر اسے ظرفیت کے لیے مانیں تو تقدیری عبارت یہ ہوگی: مَاتَتْ وَهِيَ نُفَسَاءُ. اور اگر اسے سببیت کے لیے مانیں تو تقدیری عبارت یوں ہوگی۔ مَاتَتْ

[1] صحيح البخاري: 1332۔ صحيح مسلم: 964.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسَبَبِ نَفَاسِهَا .

وَسَطَهَا: یعنی اس کے درمیان۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ عورت کے جنازہ میں امام اس کے سینہ کے سامنے نہیں بلکہ اس کے وسط میں کھڑا ہوگا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نمازِ جنازہ میں صف بندی مشروع ہے اس کی دلیل وَرَاءَ النَّبِيِّ کے الفاظ ہیں اور یہ صف بندی فرض نماز کی صف بندی کی طرح ہوگی۔
- نفاس کی قید اتفاقی ہے۔ لہٰذا یہ مطلب نہیں کہ امام اسی عورت کے ہی وسط میں کھڑا ہوگا جو نفاس میں فوت ہوئی ہو۔ لہٰذا اس وصف کو وصف طردی کہیں گے۔
- معلوم ہوا کہ اگر جنازہ عورت کا ہو تو امام کے لیے اس کے وسط میں کھڑا ہونا مشروع ہے۔
- یہ بھی معلوم ہوا کہ نفاس میں مر جانے والی عورت کی بھی نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ میدانِ کارزار کے علاوہ میں شہادت کی موت مر جانے والوں کی نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی۔ لہٰذا جل مرنے، غرق ہو جانے اور گر کر یا دب کر مر جانے والوں کی نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی۔

مساجد میں نمازِ جنازہ ادا کرنے کا حکم

548۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((وَاللّٰهِ لَقَدْ صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى ابْنَيْ بَيْضَاءَ فِي الْمَسْجِدِ)) . رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ اللہ کی قسم! نبی کریم ﷺ نے بیضاء کے دو بیٹوں کا جنازہ مسجد میں پڑھا تھا۔ [1] اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... وَ اللّٰهِ لَقَدْ صَلّٰی: یہ جملہ قسمیہ ہے جس میں تین تاکیدات ہیں:

(1) قسم (2) لام تاکید (3) اور قَدْ جو تحقیق کے لیے آتا ہے۔

فِي الْمَسْجِدِ: چونکہ فی ظرفیت کے لیے ہے لہٰذا یہ جنازہ نفسِ مسجد میں ادا کیا گیا تھا، جو مظروف ہے۔

کیا مساجد میں جنازہ ادا کیا جا سکتا ہے؟

مذکورہ حدیث میں دراصل ان لوگوں پر انکار ہے جو مساجد میں جنازوں کی ادائیگی پر انکار کرتے تھے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اس سے مسجد کے گندا ہو جانے کا خدشہ رہتا ہے۔ اسی لیے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تین تاکیدات لا کر یہ بیان کرنا پڑا کہ مساجد میں نماز جنازہ ادا کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے خود مسجد میں نماز جنازہ ادا فرمائی تھی۔ انکار کرنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ ظرف کا مظروف صلوٰۃِ رسول ہے نہ کہ میت۔ لہٰذا جنازہ تو خارجِ مسجد تھا جبکہ نبی کریم ﷺ نمازِ جنازہ مسجد میں ادا فرما رہے تھے۔ لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ خلاف ظاہر بھی ہے اور سیاقِ حدیث کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تو یہ حدیث اس بات کے اثبات کے لیے لائی ہیں جس کا بعض لوگ انکار کرتے تھے اور وہ تھی

[1] صحیح مسلم: 973.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسجد میں نمازِ جنازہ کا جواز۔ پس معلوم ہوا کہ مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنا جائز ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ فتویٰ کو قسم کھا کر بیان کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ اگر ضرورت ہو تو فتویٰ کو قسم کھا کر بیان کیا کیجیے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ يَسْتَنْبِؤُنَكَ اَحَقٌّ هُوَ قُلْ اِيْ وَ رَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ﴾ (یونس : 53)

''اور وہ تجھ سے پوچھتے ہیں کیا یہ سچ ہی ہے؟ تو کہہ ہاں! مجھے اپنے رب کی قسم! یقیناً یہ ضرور سچ ہے۔''

◈ مساجد میں بھی نمازِ جنازہ ادا کر سکتے ہیں جس کے دلائل مذکور ہو چکے۔

◈ معلوم ہوا کہ ماں کی طرف بھی نسبت جائز ہے جیسا کہ یہاں ''بیضاء کے بیٹے'' مروی ہے۔ بیضاء ان کی والدہ کا نام تھا البتہ اس میں مخاطب کا ناراض نہ ہونا شرط ہے۔

نمازِ جنازہ میں تکبیروں کی تعداد کا بیان

549- وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ: ((كَانَ زَيْدُ بْنُ أَرْقَمَ يُكَبِّرُ عَلَى جَنَائِزِنَا أَرْبَعًا، وَإِنَّهُ كَبَّرَ عَلَى جَنَازَةٍ خَمْسًا، فَسَأَلْتُهُ، فَقَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُكَبِّرُهَا)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالْأَرْبَعَةُ.

حضرت ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمٰن سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ہمارے جنازوں میں چار تکبیریں پڑھا کرتے تھے اور (ایک دفعہ) انہوں نے ایک جنازہ کی پانچ تکبیریں پڑھ دیں تو میں نے ان سے (اس بارے) پوچھ لیا۔ اس پر انہوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ (جنازوں پر) پانچ تکبیریں (بھی) پڑھتے تھے۔ ❶

اس حدیث کو امام مسلم اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:..... عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ تابعی ہیں۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ ہیں۔

عَلٰى جَنَائِزِنَا: یہ اضافتِ نسبت ہے لیکن یہ نسبتِ قرابت نہیں بلکہ نسبت بلد ہے۔ یعنی ہمارے شہر کے جو جنازے ان پر پیش کیے جاتے تھے، وہ ان کی نماز جنازہ پڑھ دیا کرتے تھے۔

يُكَبِّرُهَا: هَا ضمیر کا مرجع خَمْسًا ہے نا کہ اَلْخَامِس۔

مضمون حدیث:..... نجاشی کے جنازہ کے واقعہ میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے جنازہ کی چار تکبیریں پڑھی تھیں جبکہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جنازہ کی پانچ تکبیریں بھی پڑھی ہیں۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ کی پانچ تکبیریں بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔ اس بات کو اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کی مزید تفصیل ذیل میں آ جاتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ جو عبادات متعدد وجوہ پر مروی ہوں انہیں کبھی ایک طرح تو کبھی دوسری طرح ادا کرنا چاہیے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مختار

❶ صحیح مسلم: 957- سنن ابی داود: 3197- جامع الترمذی: 1023- سنن النسائی: 72/4- سنن ابن ماجہ: 1505.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذہب یہی ہے۔ جس کی دلیل حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا فعل ہے کہ کبھی تو وہ جنازہ میں چار تکبیریں پڑھتے تو کبھی پانچ۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طرح نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہے۔

- البتہ نمازِ جنازہ میں اکثر چار تکبیریں ہی پڑھی جائیں گی۔ لیکن یاد رہے کہ پانچ تکبیروں کا حکم منسوخ نہیں۔
- حضرت عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کا فوراً سوال کرنا حضرات تابعین کی علم میں حرص کی دلیل ہے۔
- عادت سے ہٹ کر جو بات بھی ہو وہ محلِ سوال ہے۔ کیونکہ بسا اوقات عادت سے گھٹانے یا بڑھانے کی صورت میں آدمی خطا کا بھی شکار ہو جاتا ہے۔ اسی لیے عادت سے ہٹی ہوئی بات کی بابت پوچھ لینا چاہیے۔
- حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنت کا اظہار جہاں قول سے کیا کرتے تھے وہیں فعل سے بھی کیا کرتے تھے۔
- نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں بھی مشروع ہیں کیونکہ پانچ تکبیریں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ادا کی ہیں۔ تب پھر پہلی تکبیر میں فاتحہ، دوسری میں صلوۃ علی النبی، تیسری میں دعا، چوتھی میں بھی دعا اور پانچویں میں سکوت ہوگا، پھر دعا ہوگی۔

550۔ وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ ، أَنَّهُ كَبَّرَ عَلَى سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ سِتًّا، وَقَالَ: ((إِنَّهُ بَدْرِيٌّ)).

رَوَاهُ سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، وَأَصْلُهُ فِي الْبُخَارِيِّ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت سہل بن حُنیف رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ میں چھ تکبیریں پڑھی تھیں اور (اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے) فرمایا کہ یہ بدری (صحابی رضی اللہ عنہ) ہیں۔ [1]

اس حدیث کو سعید بن منصور نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل صحیح بخاری میں ہے۔

غریب الحدیث:......اِنَّهُ بَدْرِیٌّ: علماء نے اس کے دو مطلب بیان کیے ہیں:

(1) ایک یہ کہ ایسا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے کیا تھا لہٰذا انہوں نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ کے بدری صحابی ہونے کی وجہ سے ان کی نمازِ جنازہ میں چھ تکبیریں پڑھیں۔

(2) دوسرا یہ کہ ہوسکتا ہے کہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارک رہی ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کی نماز جنازہ میں چھ تکبیریں کہا کرتے تھے۔

پس اگر تو یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ثابت ہے تو پھر یہ دوسرا احتمال متعین ہے۔ وگرنہ اصل عدم ہے لہٰذا راجح احتمال پہلا ہی ہوگا کہ یہ جنابِ علی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا اور چونکہ جناب علی رضی اللہ عنہ حضرات خلفائے راشدین میں سے ہیں جن کی اتباع کا ہمیں حکم ہے، اس لیے بدری صحابہ کے جنازوں میں چھ تکبیریں جائز ہوں گی۔ البتہ فی زمانہ یہ ممکن نہیں رہا کیونکہ اہل بدر کو گزرے صدیاں گزر چکی ہیں۔

مضمون حدیث:......مذکورہ حدیث میں جنازہ کی چھ تکبیروں کا جواز مذکور ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فعل اس بات کی دلیل ہے کہ جنازہ کی تکبیریں چار سے زیادہ بھی جائز ہیں۔

---

[1] مصنف عبدالرزاق: 6399۔ المستدرك للحاكم من طريق عبدالرزاق: 462/3۔ سنن البيهقي: 36/4 من طريقه أيضًا۔ صحيح البخاري: 4004۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ اگر کوئی آدمی کوئی ایسا فعل کرے جس پر اس سے سوال ہوسکتا ہو تو اسے اپنے فعل کی وجہ سوال کیے جانے پر بیان کر دینی چاہیے تاکہ یا تو اس فعل کی مشروعیت کو یا غیر حرام ہونے کو بیان کر کے اپنے پر سے تہمت کا شبہ دور کر دے۔

نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کا بیان

551- وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُكَبِّرُ عَلَى جَنَائِزِنَا أَرْبَعًا، وَيَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِي التَّكْبِيْرَةِ الْأُوْلَى)).

رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيْفٍ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمارے جنازوں میں چار تکبیریں کہتے تھے اور پہلی تکبیر میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کرتے تھے۔ ❶

اس حدیث کو امام شافعی رحمہ اللہ نے ضعیف اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

552- وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَوْفٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلَى جِنَازَةٍ، فَقَرَأَ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ، فَقَالَ: لِتَعْلَمُوْا أَنَّهَا سُنَّةٌ)).

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

طلحہ بن عبداللہ بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک جنازہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے پڑھا تو انہوں نے (اس میں) سورۂ فاتحہ کی قراءت کی پھر (جنازہ سے فارغ ہو کر) فرمایا: (میں نے فاتحہ کی قراءت) اس لیے (کی ہے تا) کہ تم لوگ جان لو کہ یہ سنت ہے۔ ❷

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

درایۃ الحدیث :...... مذکورہ دونوں احادیث میں سے پہلی حدیث صریح مرفوع جبکہ دوسری حکماً مرفوع ہے۔ لیکن صریح مرفوع حدیث ضعیف ہے جیسا کہ امام موصوف نے اس کی خود صراحت کر دی ہے۔ لیکن امام موصوف نے اس کے معاً بعد ایک حکماً مرفوع لیکن صحیح حدیث ذکر کر دی ہے اور اس کی تائید اس حدیث کے عموم سے بھی ہوتی ہے: ''اس کی نماز نہیں جس نے ام القرآن (سورۂ فاتحہ) کی تلاوت نہیں کی۔'' کیونکہ نمازِ جنازہ بھی نماز میں داخل ہے۔ تب پھر نماز جنازہ بھی اس حدیث کے عموم میں داخل ہوگی۔

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کا حکم

امام موصوف نے یہاں تین دلائل سے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کو ثابت کیا ہے، جو یہ ہیں:

(1) ایک صریح صحیح مرفوع حدیث کا عموم۔

(2) ایک ضعیف الاسناد مرفوع حدیث کا خصوص۔

(3) صحیح بخاری کی ایک حکماً مرفوع صحیح حدیث کا خصوص۔

یہ تینوں دلائل نماز جنازہ میں فاتحہ کی قراءت کی مشروعیت کو بتلاتے ہیں۔

غریب الحدیث :...... عَلَى جَنَائِزِنَا أَرْبَعًا: اس بات کے دیگر متعدد شواہد بھی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جنازوں میں اکثر چار تکبیریں پڑھا کرتے تھے۔ جیسے نجاشی کے جنازہ کے قصہ والی گزشتہ مذکورہ روایت جس میں چار تکبیریں پڑھنے کا

---

❶ كتاب الام للشافعي: 270/1- سنن البيهقي من طريق الشافعي: 39/4- اس حدیث کی اسناد میں عبداللہ بن عقیل ضعیف ہے۔

❷ صحيح البخاري: 1335.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذکر ہے۔

وَ يَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ: اس کے جواز کے تین دلائل اوپر مذکور ہو چکے ہیں۔

فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولٰى: اس روایت میں اس بات کی تعیین ہے کہ فاتحہ کی قراءت پہلی تکبیر میں ہوگی۔ اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے اور حدیث ابن عباس میں جو صحیح ہے۔قراءت فاتحہ کی تعیین مذکور نہیں۔لیکن قیاس اور معنی اس ضعیف حدیث کی تائید کرتے ہیں۔ قیاس یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز میں قراءت فاتحہ سے قبل کسی قسم کی قراءت نہ کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں اس کی تصریح ہے۔ اس لیے تکبیراتِ جنازہ میں مناسب یہی ہے کہ قراءتِ فاتحہ پہلی تکبیر میں ہی ہو اور سورۂ فاتحہ کا معنی بھی اسی بات کو مقتضی ہے کہ سورۂ فاتحہ کی قراءت پہلی تکبیر میں ہو، تاکہ دوسری نمازوں کی طرح نمازِ جنازہ کا افتتاح بھی سورۂ فاتحہ سے ہو۔

لِتَعْلَمُوْا اَنَّهَا سُنَّةٌ: مذکورہ لام تعلیل کا ہے، نہ کہ امر کا اور سنت کا معنی بارہا ذکر کیا جا چکا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی قراءت اور پہلی تکبیر کے بعد اس کی قراءت مشروع ہے اور صریح اور حکماً مرفوع روایات مل کر اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی قراءت مشروع ہے۔ عالم کو زیبا اور مناسب یہی ہے کہ لوگوں کو جن باتوں کے جاننے کی احتیاج ہے، ان کو جہراً بیان کرے۔

نماز جنازہ میں میت کے لیے دعا کرنے کا بیان

553۔ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى جِنَازَةٍ فَحَفِظْتُ مِنْ دُعَائِهِ: ((اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، وَارْحَمْهُ، وَعَافِهِ، وَاعْفُ عَنْهُ، وَأَكْرِمْ نُزُلَهُ، وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ، وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ، وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهِ، وَأَهْلًا خَيْرًا مِنْ أَهْلِهِ، وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ، وَقِهِ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَعَذَابَ النَّارِ)).

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی۔ پس مجھے آپ ﷺ کی دعا سے (جو آپ ﷺ نے اس جنازہ میں میت کے لیے مانگی تھی) یہ یاد ہے: ((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، وَارْحَمْهُ ...... وَعَذَابَ النَّارِ)) ''اے اللہ! تو اسے بخش دے، اس پر رحم فرما اسے عافیت دے، اس سے درگزر فرما، اس کی باعزت مہمانی فرما، اس کی قبر کو اس کے لیے کشادہ فرما دے اور (جہنم کی آگ اور اس کی سوزش و جلن کی بجائے) پانی سے اور برف سے اور اولوں سے اس کو نہلا دے۔ (اور ٹھنڈا اور پاک فرما دے) اور گناہوں (کی گندگی) سے اسے (پاک) صاف فرما دے جس طرح سفید کپڑے کو میل (کچیل) سے صاف کر دیا جاتا ہے اور اسے اس کے (دنیا کے) گھر کے بدلے (آخرت میں) اچھا گھر اور اس کے گھر والوں کے بدلے اچھے گھر والے اور اس کی بیوی کے بدلے اچھی بیوی دے اور اسے جنت میں داخل فرما

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اسے قبر کے فتنہ اور جہنم کے عذاب سے بچا۔'' ❶

رَوَاهُ مُسْلِمٌ . اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:......**حَفِظْتُ مِنْ دُعَائِهِ:** مذکورہ مِنْ تبعیضیہ ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے چند مزید دعائیں بھی مانگی تھیں جن میں سے ایک دعا یہ ہے۔ بے شک یہ زبردست دعائیں ہیں کہ جن کو سن کر راوی حدیث حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ اس بات کی تمنا کرنے لگے کہ کاش یہ جنازہ میرا ہوتا۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهُ وَ ارْحَمْهُ: اللهم اور مغفرت کے معانی کو گزشتہ صفحات میں بارہا ذکر کیا جا چکا ہے۔ رہی ''رحمت'' تو یہ مغفرت سے بھی اوپر کے درجہ کی ایک چیز ہے کیونکہ رحمت عقوبات کے ازالہ کے بعد ہوتی ہے گویا کہ رحمت مرہوب کے زوال کے بعد مطلوب کے حصول کا نام ہے۔

وَ عَافِهِ وَ اعْفُ عَنْهُ: عَافِ، مُعَافَاة اور عَافِيَة سے امر کا صیغہ ہے۔ عافیت آفات و بلایا سے حفاظت کو کہتے ہیں۔ مراد گناہوں کی وجہ سے حاصل ہونے والے عذاب سے حفاظت ہے۔

اُعْفُ: یہ عَفَا يَعْفُوْا سے امر کا صیغہ ہے۔ جب یہ عَنْ کے ساتھ آتا ہے تو مراد معاف کرنا اور درگزر کرنا ہوتا ہے یعنی فعل واجب کے امتثال میں جو کوتاہی ہوئی ہے، اے اللہ! اس سے درگزر فرما۔ نبی کریم ﷺ نے بخشش اور معافی کے لیے دو اسلوب اس لیے اختیار فرمائے کیونکہ گناہوں کے اسباب دو باتیں ہیں: (1) فعل حرام کا ارتکاب (2) امر واجب کا ترک

پس عَافِهِ سے مراد یہ ہے کہ اے اللہ تو اس کو حرام کے ارتکاب کے آثار یعنی عقوبت و سزا سے بچا اور وَ اعْفُ عَنْهُ سے مراد یہ ہے کہ اے اللہ! واجبات کے امتثال میں اس سے جو کمی کوتاہی ہوئی ہے تو اس سے درگزر فرما۔

وَ اَكْرِمْ نُزُلَهُ: نُزُل: مہمان کے اکرام کے طور پر اسے پیش کیے جانے والے کھانے کو کہتے ہیں (دوسرے لفظوں میں نزل مہمانی کو کہتے ہیں۔ [نسیم]) تب پھر مطلب یہ ہوگا کہ اے اللہ! تو اپنے پاس آنے والے اس مہمان کی مہمانی عزت و شرافت والی کر اور اس سے مراد میت کو کثرت کے ساتھ ثواب عطا فرمانا ہے۔

وَ وَسِّعْ مُدْخَلَهُ: اسے میم کے ضم اور فتح دونوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔ اگر میم پر ضم ہو تو مراد باب افعال سے ظرف مکان کا صیغہ ہوگا اور اگر میم پر فتح ہو تو پھر یہ ثلاثی مجرد باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ظرف مکان کا صیغہ ہوگا۔ بہر حال دونوں صورتوں میں مطلب جائے دخول ہے جس سے مراد ''قبر'' ہے کیونکہ مرنے کے بعد آدمی کو اسی جگہ میں داخل کیا جاتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! تو اس کی قبر کو وسیع، کھلا اور کشادہ کر دے۔ لیکن اس کشادگی کا تعلق آخرت سے ہے جو امور غیبیہ میں سے ہے نہ کہ دنیا سے، جو امور حسیہ میں سے ہے۔ پس قبر کا کشادہ ہو جانا امور غیبیہ میں سے ہے جس کا مشاہدہ ہر ایک کو ہو جانا لازم نہیں۔

بِالْمَاءِ وَ الثَّلْجِ وَ الْبَرَدِ: تاکہ اس کے گناہوں کو دھو کر اسے پاک صاف کر دیا جائے۔ رہا یہ سوال کہ میل کو دور کرنے میں گرم پانی کو زیادہ تاثیر حاصل ہے جبکہ یہاں برف اور اولوں کو صاف کرنے کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں گناہوں کی میل دھونا مقصود ہے اور گناہوں کا انجام آتش جہنم ہے۔ لہٰذا آتش جہنم کی سوزش کو ختم کرنے کے مناسب برف اور اولوں کی ٹھنڈک ہے نہ کہ گرم پانی۔

---

❶ صحيح مسلم: 963.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ نَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ: یعنی جب اس میت کو خطاؤں اور گناہوں سے دھو دیا جائے گا تو وہ دھلے اور اجلے سفید کپڑے کی مانند ہو جائے گی۔

یہاں کَاف تشبیہ کا ہے اور مَا مصدریہ ہے۔لہٰذا تقدیری عبارت یوں ہو گی کَتَنْقِيَةِ الثَّوْبِ الْأَبْيَضِ مِنَ الدَّنَسِ ، یعنی اس میت کو گناہوں اور خطاؤں سے سفید کپڑوں کو میل کچیل سے صاف کرنے کے جیسا صاف کر دے، اور سفید کپڑے کا ذکر اس لیے کیا کہ اس پر میل کچیل کا معمولی سا اثر بھی واضح نظر آتا ہے۔لہٰذا جب سفید کپڑا صاف دکھائی دے تو جان لو کہ اسے خوب اچھی طرح صاف کیا گیا ہے اور دَنَس جو کہ حسی میل کچیل ہے، اسے کپڑے کی مناسبت سے ذکر کیا گیا ہے جو کہ حسی ہے نہ کہ گناہوں کی مناسب سے جو کہ معنوی ہیں۔

اَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ: یعنی اِجْعَلْ لَهٗ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ جس دار سے اس میت کو منتقل کیا جا رہا ہے یہ دارِ دنیا ہے جو عقلی اور بدنی ہموم وغموم، مصائب وآلام، افکار و وساوس اور خدشات وحوادث کا مرکز ہے۔یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ہر اچھی چیز کسی نہ کسی کمی، عیب، خرابی، برائی اور بدصورتی سے ملی ہوئی ہے۔ ❶ بلاشبہ اس میں رب تعالیٰ کی عظیم حکمت ہے کہ اس نے اس دنیا کو نہ تو سارے کا سارا خوبصورت بنایا ہے اور نہ سارا بدصورت ہی بنایا ہے۔البتہ آخرت میں جنت ہی وہ جگہ جس میں ہمیشہ ہمیشہ کا آرام، راحت، بے غمی اور بے فکری ہے۔

اس کے بعد سنیے! اور جس دار کی طرف اس میت کو منتقل کیا جا رہا ہے وہ قبر ہے۔تب پھر لامحالہ قبر اس دنیا سے بہتر ہے وگرنہ نبی کریم ﷺ اس بات کی دعا نہ مانگتے۔لہٰذا جب کسی کی قبر حدِ نگاہ تک کشادہ کر دی جاتی ہے تو بلاشبہ وہ اس دنیا سے بہتر ہوتی ہے جس میں وہ چین کی نیند سو جاتا ہے، جنت کے جھونکوں کے مزے لیتا ہے، وہاں کے میووں سے محظوظ اور پانیوں سے سیراب ہوتا ہے اور اب قیامت کو ہی اس راحت سے اٹھنا ہے۔

وَ اَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ: اہل: آدمی کے اہل ان کو کہتے ہیں جن سے وہ مانوس ہوتا ہے اور جن کے پاس جا کر وہ ٹھکانہ پکڑتا ہے۔بلاشبہ یہ اس کے والدین اور بیوی بچے ہیں جن سے انسان مانوس اور خوش ہوتا ہے۔نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان بھی برحق ہے کہ مرنے والا اس دنیا کے اہل سے دارِ آخرت کے اہل کی طرف منتقل ہو رہا ہوتا ہے اور یہ "جنت النعیم" میں ہو گا۔

وَ زَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ: یعنی رب تعالیٰ اس میت کو دنیا کے زوج سے بہتر زوج دے۔لغتِ عربیہ میں زوج کا لفظ معروف ہے جس کا اطلاق مرد اور عورت دونوں پر ہوتا ہے۔البتہ اس پر یہ اشکال ضرور ہوتا ہے کہ قیامت کے دن یہ دنیاوی زوج، عورت اور اولاد آدمی کے ساتھ ہو گی، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ﴾

(غافر : 8)

"اے ہمارے رب! اور انھیں ہمیشہ رہائش والی ان جنتوں میں داخل کر جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کو بھی جو ان کے باپ دادوں اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے لائق ہیں۔"

---

❶ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

دریں دنیا کسے بے غم نہ باشد　　　دگر باشد بنی آدم نہ باشد (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو اس کا جواب یہ ہے ابدال کی دو قسمیں ہیں: (1) اِبدالِ اَعیان (2) اِبدال اَوصاف۔ چنانچہ ردی پیسہ دے کر مبیع خریدنا یہ ابدالِ اعیان کی مثال ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ﴾ (الفرقان: 70)

''تو یہ لوگ ہیں جن کی برائیاں اللہ نیکیوں میں بدل دے گا۔''

یہ ابدالِ اعیان کی مثال ہے کہ سیآت کو حسنات بنا دیا جائے گا۔ جبکہ ابدال اوصاف ایک ہی عین کی صفات کا بدل جانا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ﴾ (ابراھیم: 48)

''جس دن یہ زمین اور زمین سے بدل دی جائے گی اور سب آسمان بھی۔''

اس آیت میں زمین و آسمان کی جس تبدیلی کا ذکر ہے یہ تبدیلی اوصاف ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِo وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِo﴾ (المعارج: 8-9)

''جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا۔ اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔''

اسی طرح زمین کو کوٹ کر برابر کر کے چٹیل میدان بنا دیا جائے گا۔ البتہ جنت کی وہ بیویاں جو حوریں ہیں بلاشبہ یہ دنیا کی بیویوں کے علاوہ اور ان سے بہتر بھی ہیں۔ یہ ابدال اعیان کی مثال ہو گی جبکہ دنیا کی بیویوں کے اوصاف بدل کر انہیں جنت میں دنیا سے بہتر عورتیں بنا دیا جائے گا۔ یہ ابدالِ اوصاف کی مثال ہو گی۔

وَ اَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ: جنت معروف ہے۔ یہ آخرت میں اکرام واعزاز کا گھر اور رب تعالیٰ کی مہمانی کی جا ہے۔ یہ جگہ باغوں اور نہروں والی ہو گی۔ بلاشبہ یہ متقیوں کا گھر اور صالحین کا ٹھکانا ہے۔

وَقِهِ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَ عَذَابَ النَّارِ: قِهِ، وَقٰى يَقِىْ سے امر قِ ہے اور ھا ضمیر منصوب متصل کی ضمیر ہے جو پہلا مفعول ہے اور فِتْنَةَ الْقَبْرِ یہ دوسرا مفعول ہے۔

فِتْنَةَ: یہ اختبار، امتحان، آزمانے اور جانچنے اور پرکھنے کو کہتے ہیں اگرچہ اس لفظ کے اور بھی معانی ہیں لیکن یہاں اختبار اور امتحان ہی مراد ہے۔

فتنۂ قبر: یہ میت سے قبر میں تین سوالوں کے کرنے کو کہتے ہیں جو یہ ہیں:

(1) تیرا رب کون ہے؟ (2) تیرا دین کیا ہے؟ (3) تیرا نبی کون ہے؟

یہ سوالات ہر دفن ہونے والے سے کیے جاتے ہیں۔ نابالغ اور مجنون سے سوالات کیے جانے یا نہ کیے جانے کی بابت دو اقوال ہیں۔ البتہ شہید کارزار اس اختبار اور امتحان سے مستثنیٰ ہے۔ تب پھر انبیائے کرام علیہم السلام کا مستثنیٰ ہونا بدرجۂ اولیٰ ہو گا کیونکہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام بہر حال شہیدوں سے اولیٰ اور افضل ہیں۔

عَذَابَ النَّار: یہاں اضافت فی کے معنی میں ہے۔ یعنی جہنم میں دیئے جانے والے عذاب سے بچا۔

نَارٌ: یہ رب تعالیٰ نے کافروں کو عذاب دینے کے لیے ایک جگہ بنائی ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ﴾ (آل عمران : 131)

"اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔"

جہنم کی یہ آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا زیادہ بھڑک دار ہے۔ اللہ ہم سب کو نارِ جہنم سے بچائے۔ آمین

مضمون حدیث :......اس حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ نمازِ جنازہ میں میت کے لیے دعا مانگنا مشروع اور مسنون ہے اور اس کے لیے ان دعاؤں کا انتخاب کیا جائے جن کا ذکر احادیث میں آتا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مناسب ہے کہ میت کے لیے یہ دعا مانگی جائے کیونکہ یہ دعا نبی کریم ﷺ نے مانگی ہے۔
- دعا کے سب محتاج ہیں حتیٰ کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی دعا کے محتاج ہیں۔
- نبی کریم ﷺ کسی کے نفع کے مالک نہیں، وگرنہ آپ ﷺ دعا نہ مانگتے۔
- قبر کا عذاب اور نعیم دونوں ثابت ہیں۔ اسی طرح جنت اور دوزخ بھی ثابت ہیں اور قبر کا فتنہ بھی ثابت ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔
- آخرت کا اثبات اور یہ کہ سب نے اس دنیا سے آخرت کی طرف منتقل ہونا ہے۔
- دعا اونچی آواز سے مانگی جائے کیونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ دعا سنی تھی۔
- معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے علاوہ بھی دعائیں مانگیں تھیں جیسا کہ مِنْ تبعیضیہ سے معلوم ہوا۔

نماز جنازہ میں مسلمانوں کے لیے دعا کرنا

554- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا صَلَّى عَلَى جِنَازَةٍ، يَقُوْلُ: ((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا ، وَمَيِّتِنَا ، وَشَاهِدِنَا ، وَغَائِبِنَا ، وَصَغِيْرِنَا ، وَكَبِيْرِنَا ، وَذَكَرِنَا ، وَأُنْثَانَا ، اَللّٰهُمَّ! مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ ، وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيْمَانِ ، اَللّٰهُمَّ! لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ، وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهُ)).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب کوئی جنازہ پڑھتے تھے تو اس میں یہ دعا مانگتے تھے: ((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا .... وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهُ.)) "اے اللہ! ہمارے زندوں کی اور ہمارے مردوں کی، ہمارے موجودوں (یعنی حاضروں) کی اور ہمارے غیر موجودوں کی، ہمارے چھوٹوں کی اور ہمارے بڑوں کی، ہمارے مردوں کی اور ہماری عورتوں کی بخشش فرما۔ اے اللہ! جسے تو ہم میں سے زندہ رکھے اسے اسلام پر زندہ رکھ اور جسے تو (اس دنیا سے) اٹھائے اسے ایمان پر اٹھا۔ اے اللہ! تو ہمیں اس (میت کے موت کے اجر) سے (آخرت میں) محروم نہ رکھ اور اس کے بعد تو ہمیں (اس دنیا میں) بے راہ نہ کر۔" ❶

---

❶ سنن ابی داود: 3201- جامع الترمذی: 1024- امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ سنن ابن ماجہ: 1498- عمل الیوم و اللیلۃ للنسائی: 179- اس حدیث کو امام ابن حبان (3070) اور امام حاکم (358/1) نے صحیح کہا ہے۔ البتہ یہ حدیث صحیح مسلم میں نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالْأَرْبَعَةُ.

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ اور ائمہ اربعہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:......اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا: نَا جمع متکلم کی یہ ضمیر مسلمانوں کی طرف راجع ہے نہ کہ ساری امت کی طرف۔ کیونکہ ساری امت میں کفار و مشرکین بھی داخل ہیں جن کے لیے بخشش کی دعا بے سود اور ناجائز ہے۔

وَ شَاهِدِنَا: مراد موجودین ہیں۔ وَ غَائِبِنَا: مراد غیر موجود ہیں۔

وَ صَغِيْرِنَا: یعنی نابالغ۔ وَ كَبِيْرِنَا: مراد بالغ ہیں۔

وَ ذَكَرِنَا وَ اُنْثَانَا: دو متقابل جنس مراد ہیں۔ صغیر و کبیر، حي و میت اور شاہد و غائب کے ذکر کے بعد اس کے ذکر کی احتیاج نہ تھی۔ لیکن چونکہ یہ دعا کا مقام ہے جس میں بسط و تفصیل مناسب ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعبیر بدل بدل کر دعا مانگی۔

مَنْ اَحْيَيْتَهُ: مَنْ شرطیہ ہے اور اَحْيَيْتَهُ جملہ شرطیہ ہے۔

فَاَحْيِهِ: یہ جواب شرط ہے جو اِجْعَلْ کے معنی میں ہے۔

عَلَى الْإِسْلَامِ: یعنی اسے اسلام پر قائم رکھ۔

وَ مَنْ تَوَفَّيْتَهُ: اس کی ترکیب گزشتہ کی طرح ہے اور تَوَفَّيْتَ کا معنی ہے قَبَضْتَ۔ وفات کا اطلاق روح کے موت کی وجہ سے بدن سے الگ ہونے پر بھی ہوتا ہے اور نیند کی وجہ سے بدن سے الگ ہونے پر بھی ہوتا ہے۔ البتہ یہاں وفات سے مراد موت ہے۔

عَلَى الْإِيْمَانِ: مراد قلب و جوارح میں اسلام پر موت ہے۔ چونکہ اسلام کا اطلاق ظاہر شریعت پر ہوتا ہے اس لیے حیاۃ کے ساتھ اسلام کو ذکر فرمایا جبکہ موت کے مناسب ایمان کا حال ہے اور ایمان باطن کے یقین کو کہتے ہیں اس لیے موت کے ذکر کے ساتھ ایمان کو ذکر فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُ: اجر سے مراد وہ ثواب ہے جو میت کی مصیبت کو جھیلنے پر حاصل ہوتا ہے۔ البتہ اجر سے مراد اُس عمل کا ثواب نہیں جو میت نے کیے ہیں۔ کیونکہ یہ اس کے عمل ہیں جن میں ہمارا کوئی حق اور دخل نہیں۔

وَ لَا تُضِلَّنَا بَعْدَهُ: چاہے مرنے والا عالم دین تھا یا عامی آدمی۔ بہر حال ہمیں یہ دعا مانگنی چاہیے کہ اے اللہ! اس مرنے والے کے بعد ہمیں بے راہ نہ کر دینا۔

تَنْبِيْه: مذکورہ حدیث میں میت کے لیے مانگی جانے والی ایک اور دعا کا ذکر ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- میت کے لیے یہ دعا مانگنا بھی مناسب ہے اور اس بارے وسعت ہے کہ پہلے گزشتہ دعا مانگے یا یہ۔
- میت کے لیے زیادہ سے زیادہ دعا مانگنا مستحب ہے کہ اس میں ایک تو زیادہ اجر ہے اور دوسرے اس میں دعا میں زیادہ الحاح وزاری ہے۔
- معلوم ہوا کہ کسی کا نفع و نقصان سوائے اللہ کے کسی کے ہاتھ میں نہیں حتیٰ کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں بھی نہیں۔
- دعا اس احساس و ادراک پر مبنی ہے کہ ساری کی ساری قدرت ایک اکیلے اللہ کے ہاتھ میں ہے۔
- اسلام اور ایمان میں فرق ہے جیسا کہ غریب الحدیث کے تحت ذکر ہوا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- بے شک جنازہ پڑھنے والوں کو بھی میت کی تجہیز وتکفین کا اور اس کے مرنے کے صدمہ کو سہنے کا اجر ملتا ہے۔
- زندہ فتنوں کی زد میں رہتا ہے۔ اس لیے مرتے دم تک فتنوں سے بچنے کی دعا مانگتے رہنا چاہیے۔ اس کی دلیل وَ لَا تُضِلَّنَا بعدہ کے الفاظ ہیں۔

میت کے لیے پرخلوص دعا مانگنے کا حکم

555۔ وَعَنْهُ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ)).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تم کسی میت کا جنازہ پڑھو تو اس کے لیے خلوص کے ساتھ دعا مانگو۔'' [1]

رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

شرح:...... مذکورہ حدیث میں میت کے لیے دعا میں اخلاص کا حکم ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں: (1) تعیین کر کے یہ اخلاص ہو۔ تب پھر مراد یہ ہوگی کہ خاص اس میت کے لیے ہی دعا مانگو کیونکہ آخر کو یہ نمازِ جنازہ اسی میت کے لیے ہی تو ہے۔ لہٰذا اس جنازہ میں دعا کا زیادہ مستحق یہی مرنے والا ہے۔ (2) اخلاص کی دوسری صورت یہ ہے کہ یہ اخلاص صفت کے ساتھ ہو یعنی صدقِ دل اور حضوریٔ قلب کے ساتھ خالص اللہ کو راضی کرنے کے لیے یہ دعا ہو۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ رب تعالیٰ غافل اور بے پروا دل کی دعا قبول نہیں فرماتا۔ پس یہاں یہ دونوں باتیں ہی مراد ہو سکتی ہیں۔

جنازہ کو جلدی جلدی قبرستان لے جانا مستحب ہے

556۔ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((أَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَةِ، فَإِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَيْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا إِلَيْهِ، وَإِنْ تَكُ سِوَى ذٰلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهُ عَنْ رِقَابِكُمْ)).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی کریم ﷺ سے بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جنازہ کو (غسل اور تکفین کے بعد) جلدی لے چلو۔ پس اگر تو یہ میت نیک ہوئی تو جس چیز کی طرف (یعنی قبر کی طرف) تم اسے لیے جا رہے ہو وہ (قبر اس کے لیے) خیر ہے اور اگر بات اس کے علاوہ ہے (یعنی لے جائی جانے والی وہ میت نیک نہیں) تو (یہ میت) ایک برائی ہے (جسے تم نے کندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔ پس) تم لوگ (تیز چل کر جلدی) اسے اپنے کندھوں سے اتار دو گے۔'' [2]

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:...... اَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَةِ: یہ جلدی کرنا میت کو نہلانے اور کفنانے کو بھی شامل ہے اور جلدی لے جا کر جنازہ پڑھنے اور جلد دفنانے کے امر کو بھی شامل ہے۔

---

[1] سنن ابی داود: 3199۔ صحیح ابن حبان: 3077۔ سنن ابن ماجه: 1497.

[2] صحیح البخاری: 1315۔ صحیح مسلم: 944.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَاِنْ تَكُ صَالِحَةً: یہ عام کے بعد خاص کا ذکر ہے اور جب عام کے بعد خاص کو ذکر کیا جاتا ہے تو مذکورہ حکم عام اور خاص دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ مذکورہ جملہ شرطیہ ہے اور اس میں اِنْ شرطیہ ہے اور یہ جملہ پہلے مذکورہ حکم کی علت کا بیان بھی ہے۔ پس اگر تو میت نیک ہو تو وہ کہتی ہے: ''مجھے جلدی لے چلو، مجھے جلدی لے چلو۔''

فَخَيْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا اِلَيْهِ: یعنی تم اسے خیر کی طرف لے جارہے ہو، مراد قبر کا جنت نظیر ہونا اور قیامت کے بعد جنت ہے اور یہ جملہ جواب شرط ہے۔ خَيْرٌ مبتدا محذوف ذٰلِكَ کی خبر ہے اور تُقَدِّمُوْنَهَا اِلَيْهِ یہ خیر کی صفت ہے۔

وَ اِنْ تَكُ سِوَى ذٰلِكَ: یہاں نبی کریم ﷺ نے صالحہ کے بالمقابل طالحہ (بری میت) نہیں فرمایا جو آپ ﷺ کی حسن تعبیر میں سے ہے۔ یہ بھی جملہ شرطیہ ہے۔

فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهُ عَنْ رِقَابِكُمْ: یہاں بھی آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ''پھر وہ ٹھکانا برا ہے جس کی طرف تم اسے لیے جارہے ہو۔'' کیونکہ ہمارے لیے مناسب نہیں کہ ہم اپنے مسلمان بھائی کو کسی شر کی طرف لے جاکر پہنچا آئیں۔ البتہ شر سے خلاصی حاصل کرنا ہر ایک کا حق ہے۔ جس کا ہر ایک کو حکم ہے اور یہ قول صحیح ہے۔ بلاشبہ یہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کی بلاغت میں سے ہے۔ یہ بھی جوابِ شرط ہے اور اس کی ترکیب گزشتہ کی طرح ہے۔

مضمون حدیث: ......اس حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جنازہ کو جلدی اٹھا کر اپنے ٹھکانے پر پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ لہٰذا تجہیز وتکفین کے انتظام میں بلاضرورت تاخیر نہ کی جائے اور قبرستان کی طرف لے جاتے ہوئے خواہ مخواہ آہستہ نہ چلا جائے۔ تاکہ رحمت کی مستحق میت جوارِ رحمت میں جا پہنچے اور دوسری صورت میں جلدی اس کے بار سے سبکدوش ہوا جاسکے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- میت کو جلدی لے جانا مشروع ہے۔ البتہ اتنا تیز نہ چلا جائے کہ ساتھ چلنے والوں کو مشقت ہو یا میت کا کفن کھل جانے کا اندیشہ ہو۔ یا اگر میت مجروح تھی تو اس کے زخم کھل جانے اور ان سے خون وغیرہ کے بہہ جانے کا ڈر ہو۔
- نبی کریم ﷺ کی حکیمانہ تعلیمات میں سے یہ امر ہے کہ آپ ﷺ حکم کو اس کی علت کے ساتھ ملا کر ذکر فرماتے تھے۔
- مذکورہ حدیث سے قبر کی بھلائی یعنی اس کی فراخی اور کشادگی اور اس کے عذاب کا اثبات بھی ہوتا ہے۔
- معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں نیک بھی ہیں اور برے بھی۔

جنازہ میں شریک ہونے اور نمازِ جنازہ ادا کرنے کی فضیلت کا بیان

557۔ وَعَنْهُ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ شَهِدَ الْجَنَازَةَ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا فَلَهُ قِيْرَاطٌ، وَمَنْ شَهِدَهَا حَتّٰى تُدْفَنَ فَلَهُ قِيْرَاطَانِ قِيْلَ: وَمَا الْقِيْرَاطَانِ؟ قَالَ: ((مِثْلُ الْجَبَلَيْنِ الْعَظِيْمَيْنِ)) .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو کسی جنازہ میں حاضر (یعنی شریک) ہوا (اور اس وقت تک ساتھ رہا) یہاں تک کہ اس کی نمازِ جنازہ ادا کر لی گئی تو اسے ایک قیراط ثواب ملے گا اور جو کسی جنازے میں شریک ہوا (اور اس وقت تک موجود رہا) یہاں تک کہ اس کی (نمازِ جنازہ کے بعد اس کی) تدفین (بھی) کر دی گئی تو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَلِمُسْلِمٍ ((حَتَّى تُوضَعَ فِي اللَّحْدِ)).

558- وَلِلْبُخَارِيِّ أَيْضًا مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ: ((مَنْ تَبِعَ جِنَازَةَ مُسْلِمٍ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا، وَكَانَ مَعَهَا حَتَّى يُصَلَّى عَلَيْهَا وَيُفْرَغَ مِنْ دَفْنِهَا، فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيْرَاطَيْنِ، كُلُّ قِيْرَاطٍ مِثْلُ جَبَلِ أُحُدٍ)).

اسے دو قیراط ثواب ملے گا۔'' عرض کیا گیا کہ (اے اللہ کے رسول!) یہ دو قیراط کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(یہ ثواب کی ایک مقدار ہے جو) دو عظیم پہاڑوں جتنی ہے۔''❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

''یہاں تک کہ میت کو لحد میں رکھ دیا جائے۔''

اور صحیح بخاری میں ہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں: ''جو آدمی بھی ایمان (کی صفت کے ساتھ) اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازہ کے ساتھ گیا اور (اس وقت تک) جنازہ کے ساتھ رہا یہاں تک کہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھ لی گئی اور اس کی تدفین سے (بھی) فارغ ہو لیا گیا تو بے شک وہ دو قیراط (کے بقدر ثواب) لے کر لوٹے گا (اور) ہر قیراط احد پہاڑ کے جتنا ہے۔''❷

غریب الحدیث:......مَنْ شَهِدَ: شَهِدَ، حَضَرَ کے معنی میں ہے اور مذکورہ مَنْ شرطیہ اور یہ جملہ شرطیہ ہے۔

حَتّٰى يُصَلَّ عَلَيْهَا: مذکورہ ''حتی'' غایت کے لیے ہے نہ کہ تعلیل کے لیے۔

فَلَهُ قِيْرَاطٌ: یہ جملہ جوابِ شرط ہے۔

وَ مَنْ شَهِدَهَا: اس کی ترکیب اور معنی بھی گزشتہ کی طرح ہے۔

حَتّٰى تُدْفَنَ: یعنی قبر میں دفن کر دیا گیا اور ترکیب حسب سابق ہے۔

فَلَهُ قِيْرَاطَان: یہ جملہ بھی جوابِ شرط ہے۔

قِيْلَ: وَ مَا الْقِيْرَاطَانِ: اس قول کے قائل جنابِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

مضمونِ حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں جنازہ میں شرکت کی ترغیب اور اس کا ثواب مذکور ہے جو شرکت کے اختلاف کے اعتبار سے مختلف ہے۔ پس جنازہ میں شرکت جس قدر زیادہ ہوگی، اسی قدر اجر بھی زیادہ ملے گا۔

قیراط کی تحقیق

علمائے فرائض نے قیراط کی دو تعریفیں بیان کی ہیں:

(1) یہ چوبیسواں حصہ ہے۔ (2) یہ بیسواں حصہ ہے۔

بعض علماء کا قول یہ ہے کہ مراد اہل میت کو ملنے والے اجر کا چوبیسواں حصہ ہے، لیکن یہ قول باطل ہے۔ جس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

(1) قیراط کو کسی شے کا چوبیسواں یا بیسواں حصہ کہنا ایک جدید اصطلاح ہے اور کتاب وسنت کی مرادات کو کسی حادث اور

❶ صحیح البخاري: 1325- صحیح مسلم: 945. ❷ صحیح البخاري: 47.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جدید اصلاح پر اتارنا ممکن نہیں بلکہ باطل ہے کیونکہ یہ شریعت کی نئی تعریفات وضع کرنے کے مترادف ہے۔

(2) دوسرے اس میں اس دور کے لوگوں سے قرآن وسنت کی دلالت کو سلب کرنا ہے جس دور میں یہ نازل ہوا تھا۔ اس لیے قیراط کی صحیح ترین تفسیر وہی ہے جو خود جناب رسول اللہ ﷺ نے سوال کیے جانے پر بیان فرمائی ہے جو اوپر متن حدیث میں مذکور ہے۔ لہٰذا نبوی تفسیر کے ہوتے ہوئے کسی دوسری تفسیر کو درخورِ اعتناء نہ سمجھا جائے گا۔

دو قیراط کا اجر کب ملتا ہے؟

زیادہ اجر جنازے میں کہاں تک شریک ہونے پر ملتا ہے تو اس بارے مذکور روایات میں کل تین باتیں ذکر ہیں، جو یہ ہیں:

(1) ایک روایت میں تدفن کا لفظ ہے۔ (یہ روایت متفق علیہ ہے)

(2) ایک روایت میں حتی توضع فی اللحد کے الفاظ ہیں۔ (یہ صرف صحیح مسلم کے الفاظ ہیں)

(3) اور ایک روایت میں و یفرغ من دفنها کے الفاظ ہیں (یہ صرف صحیح بخاری کے الفاظ ہیں۔)

اب قبر میں میت کا رکھ دینا تدفین کو شامل نہیں۔ تدفین کا معنی فراغت کو شامل ہے۔ تب پھر غایت تدفین کر کے اس سے فراغت ہوگی اور یہی وہ غایت ٹھہرے گی جس پر دوہرا اجر ملے گا جو دو قیراط ہے اور وہ دو دفعہ احد پہاڑ جتنا اجر ہے۔ یہیں سے ہمیں امام موصوف کے ان متعدد روایات کے لے آنے کا سبب بھی معلوم ہوگا۔ اب دہرے اجر کی اس غایت کی تعیین کے بیان کے بعد ایک بحث اور بھی باقی رہ جاتی ہے جس کا مبنیٰ یہ قاعدہ ہے کہ ہر غایت کا ایک مُـغَـيًّـا ضرور ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ مُـغَـيًّـا کیا ہے؟ دوسرے یہ بھی ملحوظ رہے کہ مُـغَـيًّـا کے وجود کے بغیر غایت کا وجود درست نہیں۔ تو اس بارے علماء کا اختلاف ہے۔ البتہ قبل اس کے کہ ہم اختلاف کو ذکر کریں، مُـغَـيًّـا کی تعیین کر لیں۔ مُـغَـيًّـا سے مراد غایت سے قبل شے کا وجود ہے۔ اب یہاں غایت تدفین سے فراغت ہے۔ تو مُغَيًّا جنازہ میں شرکت سے لے کر تدفین تک کے مراحل ہوں گے۔

چنانچہ ایک قول یہ ہے کہ حدیث کے ظاہر الفاظ کو دیکھتے ہوئے جنازہ کے ساتھ اس وقت سے شریک ہونا ضروری ہے جب وہ اپنے گھر سے نکلتا ہے۔ لہٰذا یہ دہرا اجر اسے ہی ملتا ہے جو ابتدا سے شریک ہو کر تدفین سے فراغت تک ساتھ رہے اور اگر یہ اجر صرف جنازہ کی نماز میں شرکت پر ملتا ہوتا تو نبی کریم ﷺ بھی صرف جنازہ کی نماز پڑھنے کا ہی ذکر فرماتے۔ جبکہ ابتدا سے شرکت ایک امر زائد ہے اور اکثر عمل کم عمل کے مساوی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہ دوہرا اجر اسے ہی ملے گا جو جنازہ کے ساتھ ابتدا میں بھی شریک رہے اور جنازہ پڑھ کر تدفین سے فراغت تک بھی ساتھ رہے۔

جبکہ بعض علماء کا قول ہے کہ مذکورہ روایت میں امر مقصود نمازِ جنازہ کی ادائیگی ہے۔ کیونکہ بسا اوقات ایک آدمی تجہیز و تکفین میں بھی شریک ہوتا ہے اور جنازہ کو کندھا دے کر قبرستان تک بھی جاتا ہے لیکن نمازِ جنازہ میں شریک نہیں ہو پاتا۔ تب پھر مقصود نمازِ جنازہ میں شرکت ٹھہری۔ رہا ماقبل کا ذکر تو وہ بطور وسیلہ کے ہے کہ تجہیز و تکفین اور جنازہ کے ساتھ مشایعت یہ نماز جنازہ میں شرکت کا وسیلہ ہے۔ لیکن اس اختلاف کے باوجود دہرا اجر بہر حال اسے ہی ملتا ہے جو جنازہ کی مشایعت سے لے کر تدفین سے فراغت تک جنازہ کے ساتھ رہا ہو۔ واللہ اعلم۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ مذکورہ روایات میں اس عظیم اجر کو حاصل کرنے کے لیے جنازوں میں اہتمام کے ساتھ شریک ہونے کی ترغیب ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- البتہ یہ اجر نمازِ جنازہ کے پڑھنے پر مرتب ہوتا ہے۔
- معلوم ہوا کہ عمل کے مختلف ہونے سے اجر بھی مختلف ہو جاتا ہے۔
- دو قیراط کا اجر کسے ملتا ہے؟ یہ وہ شخص ہے جو ابتدا سے لے کر تدفین سے فراغت تک جنازہ کے ساتھ رہے۔
- حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نیکیوں کے حصول کی حرص۔ اسی لیے جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بڑے اشتیاق سے اس بات کا سوال کیا کہ دو قیراط کیا ہیں؟
- مذکورہ روایت میں اہل تفویض کا بھی ردّ ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ کتاب و سنت کی وہ نصوص جن کا تعلق رب تعالیٰ کے اسماء و صفات سے ہے، ہمیں ان کا کوئی معنی معلوم نہیں، اس لیے ہم پر واجب ہے کہ ہم ان کے علم کو اللہ کی طرف تفویض کر دیں۔ یعنی اللہ کے سپرد کر دیں۔ بلاشبہ یہ قول باطل ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بقول اہل بدعت و الحاد کے جملہ اقوالِ باطلہ میں سے بدترین قول یہی تفویض کا قول ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو کہ زبدۂ رسالت تھے، انہوں نے ہر اس بات کا معنی اور مطلب پوچھا تھا جو انہیں سمجھ میں نہ آیا تھا، نہ کہ انہوں نے ان مواقع پر تفویض سے کام لیا تھا۔ چنانچہ مذکورہ قصہ میں بھی یہی بات ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو قیراط کا مطلب سمجھ میں نہ آیا تو انہوں نے اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیا۔
- مذکورہ حدیث سے تفسیر معقول کا جواز بھی معلوم ہو گیا، یعنی موعود کی تفسیر موجود اور مشہود کے ساتھ کرنا جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیراط کی تفسیر جو کہ موعود ہے جبل عظیم کے ساتھ کی جو کہ مشہود اور موجود ہے۔
- جنازۂ مسلم کی قید سے معلوم ہوا کہ یہ اجر کسی کافر کے جنازہ میں شریک ہونے سے نہ ملے گا۔ گویا کہ یہ روایت گزشتہ روایت کی قید ہے جس میں صرف مَنْ تَبِعَ الْجَنَازَةَ کے الفاظ ہیں کہ وہاں بھی جنازہ سے مراد مسلمان کا جنازہ ہے نہ کہ کسی کافر کا جنازہ۔
- مذکورہ قید سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی کافر کا جنازہ نہ پڑھا جائے گا۔
- دو قیراط کا اجر اسے ملے گا جو جنازہ کے گھر سے نکلنے سے لے کر تدفین سے فراغت تک جنازہ کے ساتھ رہے گا۔
- اس حدیث میں اس بات کی بھی ترغیب ہے کہ ایک مسلمان کا ہر عمل ایمان اور احتساب کی صفت کے ساتھ ہونا چاہیے۔

جنازہ میں کس طرح چلا جائے؟

558- وَعَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ: ((أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ، يَمْشُونَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ)).

سالم اپنے والد ماجد (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو (جنازوں میں شرکت کرتے) دیکھا ہے کہ یہ حضرات جنازہ کے آگے (آگے) چلا کرتے تھے۔ [1]

---

[1] سنن ابی داود: 3179۔ جامع الترمذی: 1007۔ سنن النسائی: 56/4۔ سنن ابن ماجہ: 1482۔ مسند احمد: 8/2۔ صحیح ابن حبان: 3045۔ ابن عبدالبر "التمہید" (83/12) میں کہتے ہیں: یہ حدیث "الموطأ" میں مرسل مروی ہے۔ جبکہ کچھ لوگوں نے یہی حدیث امام مالک رحمہ اللہ سے موصول بھی روایت کی ہے۔ اس کے بعد ابن عبدالبر نے ان حضرات کو شمار کر کے ان کی اسانید کو ذکر کیا ہے، پھر کہتے ہیں: یہ سب اسانید متصل ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (233/5) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ، وَأَعَلَّهُ النَّسَائِيُّ وَطَائِفَةٌ بِالْإِرْسَالِ.

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے جبکہ امام نسائی نے اس حدیث کو معلول اور حضرات محدثین کی ایک جماعت نے اس روایت کو مرسل قرار دیا ہے۔

غریب الحدیث:...... عَنْ اَبِيْهِ: جناب سالم کے والد ماجد جلیل القدر صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

رَاَى النَّبِيَّ ﷺ: مراد رؤیت بصریہ ہے۔

وَ هُمْ يَمْشُوْنَ: یہ جملہ حالیہ ہے۔ کیونکہ رَاٰی سے جب رؤیت بصریہ مراد ہو تو اس وقت وہ صرف ایک مفعول کو نصب دیتا ہے۔ البتہ جب یہ افعالِ قلوب میں سے ہو تو دو مفعولوں کو نصب دیتا ہے۔

اَمَامَ الْجَنَازَةِ: مراد جنازہ کے آگے چلنا ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جنازہ کی مشایعت کرنے والے جنازہ کے آگے بھی چل سکتے ہیں۔

درایۃ الحدیث:...... بعض محدثین نے اس حدیث میں یہ علت بیان کی ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ جو حدیث کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے۔ لہٰذا جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ مذکورہ روایت کی اسناد سے ساقط ہونے والا راوی کون ہے، تب تک یہ حدیث ضعیف کہلائے گی۔ پس اگر تو ساقط راوی مقبول ہے تو یہ روایت بھی مقبول ہو گی وگرنہ نہیں۔

جنازہ کے شرکاءِ جنازہ میں کہاں چلیں؟

مذکورہ حدیث میں دراصل یہی مسئلہ مذکور ہے۔ اب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تو یہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ اور حضرات شیخین کو جنازہ کے آگے آگے چلتے دیکھا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ سب حضرات اکٹھے ہی آگے ہوں یا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان حضرات کو متفرق اوقات میں علی الانفراد جنازہ میں آگے آگے چلتے دیکھا ہو۔

حضرات علماء نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ شریک جنازہ ایک سفارشی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے سفارشی کا آگے آگے ہونا ہی بہتر ہے۔

اب اس مسئلہ کی بابت مروی جملہ احادیث کی اسانید میں کلام اور ضعف ہے۔ البتہ اس باب میں ایک حدیث حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس میں کوئی حرج نہیں، اس کی اسناد مقبول ہے۔ اس روایت میں یہ مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''سوار تو جنازہ کے پیچھے چلے البتہ پیادہ جہاں چاہے چلے۔''[1] لہٰذا پیادے کو اختیار ہو گا کہ وہ جنازہ کے دائیں بائیں آگے پیچھے جہاں مرضی چلے۔ البتہ سوار جنازہ کے پیچھے چلے گا تاکہ اس کی سواری ساتھ چلنے والوں کے لیے کسی وقت کا باعث نہ بنے۔ کیونکہ جانور کبھی بدک بھی جاتا ہے اور بسا اوقات بھیڑ دیکھ کر ان پر چڑھ بھی دوڑتا ہے۔ اسی متوقع ایذا سے بچنے کے لیے سوار کے لیے مشروع جنازہ کے پیچھے چلنا ہے۔ غرض سوار کے تو پیچھے چلنے پر نص آ گئی ہے جبکہ پیادہ کے بارے میں یہ امر وسعت پر مبنی ہے جیسا کہ حدیث مغیرہ میں آیا ہے۔

---

[1] جامع الترمذی: 1031۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ سنن النسائی: 55/4.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عورتوں کی جنازوں میں شرکت کی ممانعت کا بیان

559۔ وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رضي الله عنها قَالَتْ: ((نُهِينَا عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ، وَلَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ہمیں (یعنی ہم عورتوں کو) جنازوں کے ساتھ جانے سے منع کیا گیا۔ البتہ یہ بات ہم پر لازم نہ تھی۔ [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:...... نُهِينَا: دورِ نبوی میں امر ونہی کا صدور بالخصوص امور شرعیہ سے متعلق امر ونہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہوتا تھا۔ اسی لیے علماء کا کہنا ہے کہ ایک صحابی کے امرنا یانهینا کہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ امر ونہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔ لہٰذا ایسے کلمات پر مبنی حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگی۔

عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ: مراد جنازہ کی مشایعت ہے۔

وَ لَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا: یہ امر عزیمت یعنی لازم دواجب نہ تھا۔

عورتوں کے جنازوں کے ساتھ جانے کا حکم

جنازوں اور میتوں کی بابت عورتوں سے متعلقہ دو امور ہیں: (1) ایک زیارتِ قبور (2) دوسرا اتباع جنائز۔ مذکورہ مسئلہ زیارتِ قبور کے علاوہ ہے۔ اب عورتوں کا جنازوں کے ساتھ جانا دو طرح کا ہے۔

(1) ایک یہ کہ عورتیں جنازہ کے ساتھ جا کر جنازہ پڑھ کر لوٹ آئیں اور مقصد صرف نماز جنازہ میں شرکت ہو۔

(2) دوسرا یہ کہ عورتیں جنازہ کے ساتھ قبرستان تک جائیں اور قبرستان میں داخل بھی ہوں۔ یہ امر نہی کے اعتبار سے پہلے امر سے اشد ہے۔ کیونکہ یہ امر عورت کے زیارتِ قبور کو شامل ہے۔ جبکہ صحیح یہ ہے کہ عورتوں پر زیارت قبور حرام ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ [2] البتہ جو عورت زیارتِ قبور کے ارادہ سے جنازہ میں شامل نہ ہوئی ہو، وہ اس لعنت میں داخل نہیں۔

اب لَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا کی تعبیر سے معلوم ہوا کہ یہ ممانعت تحریم کے طور پر نہیں بلکہ صرف کراہت کے طور پر ہے۔ جبکہ دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی منہیات کی دو قسمیں ہیں عزیمت اور غیر عزیمت۔ اس بنا پر یہ معلوم ہوا کہ ہر نہی علی الاطلاق تحریم کے لیے نہیں ہوتی۔ چنانچہ نہی کبھی تحریم کے لیے تو کبھی کراہت کے لیے بھی ہوتی ہے۔ یہ ہے وہ تقسیم جس کی طرف سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے اشارہ فرمایا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ عورتوں کا جنازہ کے ساتھ جانا حرام تو نہیں البتہ اس میں کراہت ضرور ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ مذکورہ حدیث سے شریعت کی یہ اصل معلوم ہوئی کہ عورتوں اور مردوں کے احکام میں شرع شریف نے فرق کیا ہے۔ لہٰذا عورتوں کو تو جنازہ کے ساتھ جانا منع ہے جبکہ مردوں کے لیے جنازہ لے کر جانا اور دفن تک ساتھ رہنا مشروع ہے۔

◈ تشریع میں شرع شریف کی اپنی حکمت ہے۔ پس عورتوں کو ساتھ جانے کی ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ عورتوں سے فتنہ کا،

---

[1] صحيح البخاري: 1278- صحيح مسلم: 938.

[2] سنن ابي داود: 3236- جامع الترمذي: 320- امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بے صبری کا، رونے دھونے کا اور گریہ ونوحہ کرنے کا اندیشہ ہے، اس لیے عورت جنازہ کے ساتھ جانے کے قابل ہی نہیں۔

◈ معلوم ہوا کہ جب نہی مطلق ہو تو اس سے عزیمت مراد ہوتی ہے۔ البتہ اگر کوئی قرینہ ہو تو غیر عزیمت بھی مراد ہو سکتی ہے۔

◈ نُهِينَا: اگر ایسی تعبیر کسی تابعی کی ہو تو وہ روایت موقوف حدیث کے حکم میں ہوتی ہے جو حجت نہیں ہوتی اور اگر یہ تعبیر کسی صحابی کی ہو تو وہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتی ہے۔

جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم

560۔ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُومُوا، فَمَنْ تَبِعَهَا فَلَا يَجْلِسْ حَتَّى تُوضَعَ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تم کسی جنازہ کو (آتے) دیکھو تو (اس کے احترام میں) اٹھ کھڑے ہو۔ پس (اس کے بعد) جو تو اس جنازہ کے ساتھ چل دیا وہ نہ بیٹھے یہاں تک کہ جنازہ رکھ دیا جائے۔'' [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:......إِذَا رَأَيْتُمْ: یہ جملہ شرطیہ ہے اور اذا حرف شرط ہے جبکہ رؤیت سے رؤیت بصریہ مراد ہے۔

فَقُومُوا: یہ جواب شرط ہے اور یہ کھڑے ہو جانے کا حکم محض دیکھ لینے پر ہے نا کہ جنازہ کے پاس یا بالمقابل آ جانے پر ہے اور یہ امر وجوب کے لیے ہے۔ رہا یہ سوال کہ آدمی کب تک کھڑا رہے۔ تو یہاں اس آدمی کے بیٹھنے کی غایت کا بیان تو ہے جو جنازہ دیکھ کر ساتھ چل دے کہ وہ جنازہ کے کندھوں سے رکھ دیے جانے پر بیٹھ جائے۔ یعنی چاہے تو وہ اس وقت بیٹھ سکتا ہے اور رہا وہ آدمی جو ساتھ نہ جائے، تو وہ کب بیٹھے؟ مذکورہ حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ البتہ ایک دوسری روایت میں یہ ذکر ہے کہ جب جنازہ گزر جائے تو یہ بیٹھ سکتا ہے۔ [2]

فَمَنْ تَبِعَهَا: معلوم ہوا کہ جنازہ دیکھنے کے بعد اٹھ کر کھڑے ہونے کا حکم تو سب کے لیے ہے۔ البتہ ساتھ چلنے نہ چلنے کا اختیار ہے۔ لہٰذا جو چاہے ساتھ چلا جائے اور جو نہ جانا چاہے نہ جائے۔

حَتَّى تُوضَعَ: چاہے اس سے زمین پر رکھ دیا جانا مراد ہو یا لحد میں رکھ دیا جانا مراد ہو، کہ مذکورہ حدیث میں دونوں باتوں کا احتمال ہے اور حتی یہاں غایت کے لیے نہ کہ تعلیل کے لیے اور یہ دونوں حکم کہ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو جانا اور ساتھ جانے والے کا جنازہ زمین پر رکھ دیے جانے تک نہ بیٹھنا، کہ یہ دونوں حکم میت کے احترام کے پیش نظر ہیں۔ دوسرے اس میں نفس کو تنبیہ بھی ہے کہ مآل کار ہر ایک کا انجام یہی ہے۔ اس لیے جنازہ دیکھ کر اپنی باتوں اور کاموں میں لگے رہنا کسی طور پر بھی مناسب اور زیبا نہیں۔

مضمون حدیث:......مذکورہ حدیث میں یہ اہم ترین مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جنازہ دیکھ کر اس کے احترام میں کھڑے ہو جانا چاہیے کیونکہ یہ میت اس وقت اپنے خالق پروردگار کے سامنے پیش ہونے والی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو جانا مشروع ہے کیونکہ اس بات کا امر ہے۔

---

[1] صحيح البخاري: 1310- صحيح مسلم: 959.
[2] مسند احمد: 265/2- شرح معاني الآثار للطحاوي: 487/1.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- جنازہ دیکھ کر آدمی اپنے انجام کو بھی سوچے اور اس بات پر نفس کو متنبہ کرے کہ ہر نفس کا انجام یہی موت ہے۔
- پاس سے گزرتے جنازہ کے ساتھ جانے یا نہ جانے کا تو اختیار ہے البتہ دیکھ کر کھڑے ہو جانے کا حکم سب کے لیے ہے۔
- معلوم ہوا کہ میت کو کندھا دینا اور اس کی نماز اور تدفین وغیرہ میں شریک ہونا فرضِ عین نہیں۔
- جنازہ کے ساتھ جانے والے کے لیے بیٹھنے کی ممانعت جنازہ کے زمین پر رکھ دیئے جانے تک ہے۔ البتہ جو ساتھ نہ جائے وہ جنازہ کے گزر جانے پر بیٹھ سکتا ہے۔

میت کو قبر میں اتارنے کا طریقہ

561- وَعَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ يَزِيْدَ رضی اللہ عنہ أَدْخَلَ الْمَيِّتَ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيِ الْقَبْرِ، وَقَالَ: ((هٰذَا مِنَ السُّنَّةِ)).

أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ.

ابو اسحاق سے روایت ہے کہ (ایک موقع پر صحابی رسول ﷺ) حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ نے میت کو قبر کی پیروں کی جانب سے داخل کیا (یعنی قبر میں اتارا) اور (اس کے بعد) فرمایا: یہ بات سنت میں سے ہے۔ ❶

اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... **أَبُوْ إِسْحَاق**: مشہور تابعی ہیں۔ یہ سبیعی اور ہمدانی ہیں۔

عبدالله بن يزيد رضی اللہ عنہ: یہ صحابی رسول ہیں۔

مِنَ السُّنَّةِ: مراد نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب طریقہ ہے جو سنت، مستحب اور واجب سب کو شامل ہے۔

تنبیہ:...... مذکورہ حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ میت کو قبر میں قبر کی پیروں کی جانب سے اتارا جائے گا۔ تاکہ قبر میں سب سے پہلے میت کا سر اتارا جائے۔ کیونکہ سر اشرف الاعضاء ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنازہ پڑھاتے ہوئے بھی امام میت کے سر کے پاس کھڑا ہوتا ہے۔ غرض واللہ اعلم کہ میت کو قبر کے پیروں کی طرف سے داخل کرنے کی حکمت یہ ہے کہ انسان کی قیادت اس کی جبین کی جانب سے ہوتی ہے۔

جبکہ بعض اہل علم نے سنن ابی داؤد کی اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ اسی لیے حنفیہ کا مذہب میت کو قبر کی قبلہ کی جانب سے عرضاً قبر میں داخل کرنے کا ہے۔ اس لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ میت کو قبر کے پیروں کی طرف سے ہی داخل کرنے کا حکم وجوب کے طور پر نہیں حتیٰ کہ اگر اس جانب کوئی قبر ہو تو ہم شدید مشقت اٹھا کر بھی اسی طرف سے قبر میں اتاریں۔ لہٰذا اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو تب بھی قبر کے پیروں کی طرف سے میت کو قبر میں اتارنا مستحب ہوگا (واجب نہیں)۔

562- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا وَضَعْتُمْ مَوْتَاكُمْ فِي الْقُبُوْرِ، فَقُوْلُوْا: بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ)).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”جب تم اپنی میتوں کو قبروں میں اتارنے لگو تو یہ دعا پڑھو ”بِسْمِ اللّٰهِ وَ عَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔“ (ہم اس بندے کو) اللہ کے نام کے ساتھ اور رسول

❶ سنن ابی داود: 3211- اس حدیث کو امام بیہقی نے ”السنن“ (4/54) میں اور امام ابن حزم نے ”المحلی“ (4/178) میں صحیح قرار دیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ ﷺ کے طریقہ پر (قبر میں اتارتے ہیں)۔"❶

أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَأَعَلَّهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِالْوَقْفِ.

اس حدیث کو امام احمد، امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔ امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ جبکہ امام دارقطنی نے اس حدیث میں "وقف" کی علت بیان کی ہے۔

غریب الحدیث :......**اِذَا وَضَعْتُمْ**: مراد مباشرت فی الفعل ہے۔ یعنی جب تم میت کو قبر میں رکھنے لگو۔ مذکورہ اِذَا حرف شرط اور یہ فعل جملہ شرطیہ ہے۔ **فَقُوْلُوْا**: یہ جواب شرط ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ: یہ قول کا مقولہ ہے اور یہ دونوں جار مجرور فعل محذوف کے متعلق ہیں۔ یہ فعل حسب سیاق مقدر مانا جاتا ہے۔ لہٰذا یہاں اسی تقدیر یہ ہوگی اَضَعُ بِسْمِ اللّٰہِ یعنی میں اس میت کو اللہ کے نام پر قبر میں اتارتا ہوں۔

وَ عَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ: یہ بھی فعل محذوف کے متعلق ہے اور اس کا گزشتہ فعل مقدر پر عطف ہے۔ تقدیری عبارت دَفَنَّاهُ عَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ہوگی۔ یعنی "ہم نے اس میت کو رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر دفن کیا ہے" اور ملت سے مراد دین ہے اور ملت پر دفن کرنے کا مطلب ہے میت کو قبر میں سنت کے مطابق اتارنا اور قبر میں اسے قبلہ رُو رکھنا۔

درایة الحدیث :......مذکورہ حدیث موقوف ہے اور کسی حدیث کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ شذوذ اور ہر قسم کی علت قادحہ سے خالی ہو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مذکورہ حدیث کو رفع کرنے والا کون ہے؟ کیا یہ کوئی ثقہ راوی ہے کہ جس نے ایک موقوف حدیث کو مرفوع کر دیا۔ تب پھر یہ زیادتی کہ جس نے ایک موقوف حدیث کو مرفوع بنا دیا، ایک ثقہ کی طرف سے ہو گی اور ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہے۔ اسی لیے حضرات محدثین کا قول ہے کہ جب کسی حدیث کے رفع اور وقف میں تعارض ہو جائے اور رفع کسی ثقہ راوی کی طرف سے ہو تو یہ رفع اعلال نہ کہلائے گا اور اس حدیث کو لیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں علم کی زیادتی ہے، دوسرے یہ زیادتی حدیث کے وقف کے منافی نہیں۔ لہٰذا اس حدیث کو معلول قرار دینا صحیح نہیں۔

مضمونِ حدیث:......مذکورہ حدیث میں میت کو قبر میں اتارتے وقت کی ایک دعا کا ذکر ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مناسب ہے کہ میت کو قبر میں اتارتے وقت مذکورہ بالا دعا پڑھی جائے اور یہ دعا بالخصوص میت کو قبر میں رکھنے والے پڑھیں گے۔ لہٰذا صرف آس پاس کھڑے لوگوں کا یہ دعا پڑھنا کافی نہ ہوگا۔
- مناسب ہے کہ ہر کام کرتے وقت اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ ہم ہر کام میں نبی کریم ﷺ کے طریقہ کے تابع ہیں۔

میت کو بھی ان باتوں سے اذیت پہنچتی ہے جن سے زندہ لوگوں کو اذیت پہنچتی ہے

563,564- وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُوْلَ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا

❶ مسند احمد: 27/2- سنن ابی داود: 3213- جامع الترمذی: 1046- السنن الکبری للنسائی: 10927- سنن ابن ماجه: 1550- امام بیہقی فرماتے ہیں: اس حدیث کے رفع میں ہمام بن یحییٰ متفرد ہیں جبکہ شعبہ اور ہمام نے اسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف قرار دیا ہے۔ لیکن ہمام ایک ثقہ اور حافظ راوی ہے۔ اس کی زیادتی مقبول ہوگی۔ (دیکھیں: سنن البیہقی: 55/4) لیکن علامہ بیہقی رحمہ اللہ کا یہ کلام محل نظر ہے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے (3109 میں) اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے کہ یہ روایت شعبة عن قتادة کے طریق سے مرفوع ہے۔ (دیکھیں: التلخیص الحبیر: 129/2)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهِ حَيًّا)).

رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ.

وَزَادَ ابْنُ مَاجَهْ مِنْ حَدِيْثِ أُمِّ سَلَمَةَ: ((فِي الْإِثْمِ)).

ارشاد ہے: ''مردہ کی کوئی ہڈی توڑنا یہ (گناہ ہونے میں) اس کی زندگی میں اس کی ہڈی توڑنے کے جیسا ہے۔'' ❶

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے ایسی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے جو صحیح مسلم کی شرط پر ہے۔ امام ابن ماجہ نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ((فِي الْإِثْمِ)) ''گناہ ہونے میں'' کے الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں (یعنی مردہ کی ہڈی توڑنا گناہ میں ایسا ہی جیسے اس کی زندگی میں اس کی ہڈی توڑنا) ❷

غریب الحدیث :...... كَسْرُ: یہ مبتدا ہے۔ كَكَسْرِهٖ: یہ خبر ہے۔ حَيًّا: یہ ھا ضمیر سے حال ہے۔ بِإِسْنَادٍ عَلٰى شَرْطِ مُسْلِمٍ: یعنی اس اسناد کے رجال مسلم کے رجال ہیں۔ دوسرے امام مسلم کی شرط کے مطابق حدیث کی روایت میں راویان حدیث میں صرف معاصرت شرط ہے، لقاء شرط نہیں۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں میت کی کسی بھی قسم کی اہانت واذیت کی ممانعت کو نہایت بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ مردہ کو کوئی بھی تکلیف دینا ایسا ہی ہے جیسے اسے زندہ ہونے کی حالت میں تکلیف دینا ہے۔ لہٰذا حرمت اور احترام کے اعتبار سے مردوں کو تکلیف دینا حرام ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کی جان مال اور عزت وآبرو مرنے کے بعد بھی اسی طرح معصوم مصئون ہے جیسا کہ اس کی حیات میں بھی۔ موت کسی مسلمان کی کرامت کو ختم نہیں کرتی۔ ایک مسلمان کی کرامت اور عزت ابدی ہے۔
- معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد کسی میت کے کسی عضو کو نقصان پہنچانا حرام ہے۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دورِ حاضر میں رائج مرنے کے بعد اپنے اعضاء کو وقف کر دینے کا طریق غلط اور حرام ہے۔ کیونکہ ایسی وصیت اس عضو کو میت سے جدا کر دینے کو مستلزم ہے جو ناجائز ہے۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر کا اس قدر کشادہ ہونا لازم ہے کہ میت کو اس میں اچھی طرح سے لٹایا جا سکے اور اس کے اعضاء اس طور پر خم نہ ہوں کہ جس سے کسی عضو کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہو اور معاذ اللہ ایسا کرنا بھی سخت حرام ہے کہ قبر کی جگہ تنگ ہونے کی صورت میں اس کے بعض اعضاء کو توڑ مروڑ کر میت کو قبر میں زبردستی پورا کر دیا جائے۔
- اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی حادثہ میں میت کا کوئی عضو کٹ کر الگ ہو گیا ہو تو اس کو میت کے ساتھ جوڑ کر دفن کیا جائے

❶ سنن ابی داود: 2307۔ سنن ابن ماجه: 1616۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ (3167) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے "التاریخ" (149/1) میں اس حدیث کے موقوف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ "المجموع" (263/5) میں فرماتے ہیں: امام ابوداؤد نے اس حدیث کو صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا البتہ اس اسناد کے ایک راوی سعد بن سعید انصاری کو جو یحییٰ بن سعید انصاری کا بھائی ہے، اکثر ائمہ محدثین نے ثقہ جبکہ امام احمد رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے۔ جبکہ امام مسلم نے ان سے حدیث لی ہے جو سعد سے روایت لینے کے باب میں کافی ہے۔ ابن دقیق العید نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ جیسا کہ "كشف الخفاء" (144/2) میں ہے اور ابن قطان نے بھی اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ (دیکھیں: التلخيص الحبير: 54/3)

❷ سنن ابن ماجه: 1617۔ امام بوصیریؒ نے مصباح الزجاجۃ: 55/2 میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جیسے زندہ کے کسی عضو کے کٹ جانے کی صورت میں اسے باقی بدن کے ساتھ جوڑ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

◈ سنن ابن ماجہ کی روایت کے مذکورہ اضافہ سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ مردہ کی ہڈی توڑنے میں اس طرح ضمان نہیں آتا جس طرح زندہ کی ہڈی توڑنے میں ضمان آتا ہے۔البتہ ایسا کرنا گناہ ضرور ہے۔

قبر کے لحد اور شق ہونے کا بیان

565,566۔ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ ﷺ قَالَ: ((الْحَدُوْا لِيْ لَحْدًا ، وَانْصِبُوْا عَلَيَّ اللَّبِنَ نَصْبًا ، كَمَا صُنِعَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ (اپنے مرض الوفات میں اپنے اہل خانہ کو اپنی تدفین کی بابت وصیت کرتے ہوئے) فرماتے ہیں کہ میرے لیے بغلی قبر بنانا اور (اس کو بند کرنے کے لیے) میرے اوپر کچی اینٹیں کھڑی کرنا جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ کیا گیا تھا۔ [1]

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:......**اَلْحِدُوْا:** یہ بابِ افعال سے ثلاثی مزید فیہ کا باب ہے۔اس کا معنی ہے کسی کے لیے لحد کھودنا اور کسی کو لحد میں دفن کرنا۔یہیں سے یہ معلوم ہوا کہ قبر بنانے کے دو طریقے ہیں۔ایک لحد بنانا (جس کو بغلی قبر کہتے ہیں) اور ایک شق بنانا۔لحد یہ قبر کی قبلہ کی جانب ایک گڑھا بنانے کو کہتے ہیں اور لحد کو لحد اسی لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ قبر کی ایک جانب مائل ہوتی ہے (اور لحد کا لفظی معنی بھی یہی ہے کہ یہ کسی کی طرف مائل ہونے کو کہتے ہیں اور ملحد کو بھی ملحد اسی لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ بے دینی کی طرف مائل ہوتا ہے)۔

وَ انْصِبُوْا عَلَيَّ اللَّبِنَ نَصْبًا: اور یہ ضروری ہے کیونکہ قبر پر اینٹیں تبھی ٹھہر سکتی ہیں جب ان کو کھڑا کر کے لگایا اور اگر ان کو بچھا کر لگانے کی کوشش کریں گے تو وہ میت پر گر جائیں گی۔دوسرے اس طرح خود اینٹ بھی ٹوٹنے سے محفوظ رہتی ہے۔

كَمَا صُنِعَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ: اور ایسا آپ ﷺ کی تدفین کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عباس، حضرت علی اور دیگر حاضرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا تھا۔

مضمون حدیث:......مذکورہ حدیث میں قبر کے بہتر اور افضل طریقہ کا ذکر ہے اور وہ ہے بغلی قبر بنانا اور اسے کچی اینٹوں سے بند کرنا۔البتہ اگر زمین بہت نرم ہو کہ بغلی قبر نہ ٹھہر سکتی ہو تو دوسرے طریقہ سے قبر بنانا افضل ہوگا اور وہ ہے شق کا طریقہ۔بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں دونوں طرح سے قبروں کو بنایا جاتا تھا۔لیکن افضل طریقہ پھر بھی لحد کا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ مرنے والا اپنے ساتھ کیے جانے والے موت کے بعد کے امور کی نسبت کوئی وصیت کر سکتا ہے۔

◈ افضل قبر لحد ہے نا کہ شق۔البتہ ضرورت کے وقت قبر کو شق بھی بنایا جا سکتا ہے۔شق قبر کے عین وسط میں ایک گھڑا کھودنے کو کہتے ہیں۔

◈ قبر کو کچی اینٹوں سے پاٹا جائے اور ان کو کھڑا کر کے لگانا بہتر اور افضل ہے۔لہٰذا اینٹوں کو بچھا کر نہ لگایا جائے۔

◈ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فعل حجت ہے کیونکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے قبر بنانے کی بابت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے

[1] صحیح مسلم:966۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فعل سے استدلال کیا تھا۔

وَلِلْبَيْهَقِيِّ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نَحْوُهُ، وَزَادَ: ((وَرُفِعَ قَبْرُهُ عَنِ الْأَرْضِ قَدْرَ شِبْرٍ)).

اور سنن بیہقی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایسی ہی ایک حدیث مروی ہے۔ البتہ اس میں یہ الفاظ زائد ہیں: اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی قبر کو بالشت بھر زمین سے اوپر بنایا گیا تھا۔ ❶

وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

شرح:...... بلاشبہ یہ امر دو وجہ سے ضروری ہے چاہے اس بارے سنت نہ بھی مروی ہو:

(1) یہ وہی مٹی ہے جہاں اب میت پڑی ہے، اسی میت کو رکھنے کے لیے وہ جگہ کھود کر یہ مٹی نکالی گئی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس مٹی کو اسی جگہ لوٹایا جائے جہاں سے اسے کھود کر نکالا گیا ہے۔

(2) دوسرے خود آدمی اپنی اصلی خلقت میں مٹی ہی ہے اس لیے بھی اس کھودی گئی ساری کی ساری مٹی کو دبایا جائے گا۔ البتہ اس مٹی کے ساتھ دوسری مٹی نہ ملائی جائے کیونکہ اس کی نہی مروی ہے۔ کیونکہ اس سے قبر بلاوجہ زیادہ اونچی ہو جائے گی یوں ایک قبر دوسری قبروں کو بھی اونچا اور پختہ بنانے کا ذریعہ بن جائے گی جو کہ ممنوع ہے۔

قبروں کو پختہ بنانے اور ان پر کوئی تعمیر کرنے کی ممانعت کا بیان

567۔ وَلِمُسْلِمٍ عَنْهُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: ((نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ، وَأَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ، وَأَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ)).

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ "قبر کو گچ سے پختہ بنایا جائے اور یہ کہ اس پر بیٹھا جائے اور یہ کہ اس پر کوئی تعمیر کی جائے۔" ❷

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... نَهَى رَسُولُ اللهِ: یہ تعبیر جب کسی صحابی رسول ﷺ کی ہو تو وہ روایت صریح مرفوع روایت کے حکم میں ہوتی ہے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بارہا بیان ہوا۔ لہٰذا یہ روایت قولِ رسول لَا تُجَصِّصُوا الْقُبُوْرَ کے مترادف ہوگی۔

اَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ: یہ ممانعت قبر کو اندر اور باہر دونوں طرف سے گچ یا اور کسی مسالہ کے ذریعے پختہ بنانے کو شامل ہے۔ کیونکہ ایک تو یہ قبر کو پختہ بنانے میں مبالغہ ہے، دوسرے یہ کفر وشرک کے پھیلنے کا ذریعہ بھی ہے جس کا مشاہدہ اس زمانہ میں عام ہے کہ پختہ قبریں اعتقادی اور غیر اعتقادی شرکیہ رسوم کی آماج گاہ بنی ہوئی ہیں۔

وَ اَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ: یہ ممانعت اس وقت ہے جب اس بات کا یقین ہو کہ اس قبر میں کوئی میت سلامت موجود ہے اور عَلَيْهِ کی تعبیر بتلاتی ہے کہ قبر قدرے اونچی ہو جس کی شرعی مقدار کو گزشتہ حدیث میں بیان کر دیا گیا ہے کہ وہ ایک بالشت بھر ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔

وَ اَنْ يُبْنٰى عَلَيْهِ: یہ ممانعت چھوٹی بڑی ہر قسم کی تعمیر کو شامل ہے۔ چاہے وہ پر شکوہ ہو یا سادہ، فنِ تعمیر کا شاہکار ہو یا عامیانہ۔

❶ سنن البیہقی: 3/410۔ صحیح ابن حبان: 6235۔ امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

❷ صحیح مسلم: 970۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمونِ حدیث:...... مذکورہ حدیث میں تین اہم باتیں بیان کی گئی ہیں:

(1) قبروں کو پختہ نہ بنایا جائے۔ (2) ان کے اوپر کسی قسم کی کوئی تعمیر نہ کی جائے۔ یہ دونوں امور قبروں کی بابت غلو کرنے کی ممانعت کو شامل ہیں۔ (3) اور یہ کہ قبروں پر بیٹھنا منع ہے۔ اس میں قبروں کی اہانت کی ممانعت کا بیان ہے۔ یوں آپ ﷺ نے اس حدیث میں غلو اور اہانت دونوں کی ممانعت کو جمع فرما دیا۔ یہاں آپ ﷺ نے دونوں جوانب کو ملحوظ فرمایا کہ ایک طرف تو قبروں کے احترام کو شرک کی طرف جانے سے روک دیا تو دوسری طرف شرک سے بچنے کی خاطر قبروں کی اہانت سے بھی منع فرما دیا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ قبروں کو پختہ بنانا حرام ہے کیونکہ نہی میں اصل تحریم ہے۔ اسی طرح قبروں پر بیٹھنا اور ان پر کوئی عمارت بنانا بھی حرام ہے۔
- قبروں کی پختہ کاری شرک کا دروازہ کھولنے کا ایک قوی ذریعہ ہے۔ یہیں سے وسائل کا اعتبار بھی ثابت ہوا۔ لہٰذا شرک تک پہنچنے کا ہر ذریعہ حرام ہوگا۔
- رہا یہ سوال کہ آج جن جن قبروں پر قبے، گنبد، مقبرے، مشاہد و مزارات بنے ہوئے ہیں، ان کا حکم کیا ہے؟ تو انہیں بلا تاخیر ڈھا دینا واجب ہے کیونکہ حرام کو برقرار رکھنا جائز نہیں۔ پس نہ تو نئے قبے اور گنبد بنانے جائز ہیں اور نہ گزشتہ قبوں کو باقی رکھنا ہی جائز ہے۔
- رہی قبروں کی حفاظت تو وہ ان پر عمارتیں بنائے بغیر بھی ممکن ہے۔
- قبروں کی بے توقیری اور اہانت حرام ہے۔ لہٰذا ان پر بیٹھنا، ان پر پاؤں رکھنا، ان پر بول و براز کرنا حتیٰ کہ دو قبروں کے درمیان بھی بول و براز کرنا حرام ہے۔ کیونکہ یہ قبروں کے احترام کے خلاف ہے۔

تدفین کے بعد قبر پر مٹی ڈالنا

568- وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ رضي الله عنه: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى عَلَى عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ، وَأَتَى الْقَبْرَ، فَحَثَى عَلَيْهِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ، وَهُوَ قَائِمٌ)).
رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ.

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور (پھر ان کی تدفین کے بعد) ان کی قبر پر تشریف لائے اور کھڑے کھڑے تین مٹھیاں مٹی کی ان پر ڈالیں۔ [1]
اس حدیث کو امام دارقطنی نے روایت کیا ہے۔

معرفة الصحابة:...... حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ حضرات مہاجرین میں سے ہیں، بدر میں شریک ہوئے۔ اس کے ایک سال بعد سنہ 2 ہجری میں وفات پا گئے۔ بقول مؤرخین کے حضرات مہاجرین میں سے مدینہ نبویہ میں طبعی وفات پانے والے پہلے صحابی یہی ہیں۔ ہجرت حبشہ کی سعادت سے بھی بہرہ ور ہوئے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کی نمازِ جنازہ

[1] سنن الدارقطنی: 76/2۔ امام بیہقی نے "السنن" (410/3) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ جبکہ امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (251/5) میں اس حدیث کو جید قرار دیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑھائی اور ان کی قبر پر ایک پتھر بطور نشانی کے رکھ کر فرمایا: ''ان کے اہل خانہ میں سے مرنے والوں کو ان کے پاس دفن کرنا۔'' ❶ جس سے معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی نگاہوں میں اس جلیل القدر صحابی کی کس قدر عظمت تھی اسی لیے آپ ﷺ نے ان کی قبر پر کھڑے ہو کر اپنے دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ مٹی سے بھر کر ان کی قبر پر ڈالا۔

درایۃ الحدیث :......اگر چہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس کے دیگر متعدد شواہد بتلاتے ہیں کہ اس کی ایک اصل ضرور ہے۔ لہٰذا تدفین میں شریک ہونے والے کے لیے مناسب ہے کہ وہ میت پر تین مرتبہ مٹھی بھر کر مٹی ڈالے۔

مضمون حدیث: ......مذکورہ حدیث میں تدفین کے بعد قبر پر تین مرتبہ مٹی ڈالنے کی مشروعیت کا ذکر ہے۔ رہا کھڑے ہو کر مٹی ڈالنا تو یہ قید اتفاقی ہے نا کہ صفت مقصودہ۔ البتہ بیٹھ کر مٹی نہ ڈالے، لہٰذا کھڑے ہو کر یا جھکے جھکے ڈال دینے میں کوئی حرج نہیں۔

تدفین کے بعد میت کے لیے بخشش کی دعا مانگنا

569۔ وَعَنْ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ، وَقَالَ: ((اسْتَغْفِرُوْا لِأَخِيْكُمْ وَسَلُوْا لَهُ التَّثْبِيْتَ، فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ)).

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب کسی میت کی تدفین سے فارغ ہو جاتے تو اس کے پاس کھڑے ہو کر فرماتے: ''اپنے بھائی کے لیے بخشش (کی دعا) مانگو اور اس کے لیے (فرشتوں کے سوالات کے آگے) ثابت قدمی (کی دعا) مانگو کہ اس وقت اس سے سوال کیا جا رہا ہے۔'' ❷

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور امام حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث :...... كَانَ إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ: آپ ﷺ میت کو خود دفناتے تھے یا آپ ﷺ کے حکم سے اسے دفنایا جاتا تھا۔ یہاں دونوں باتوں کا احتمال ہے۔ کیونکہ جو بات آپ ﷺ کے حکم سے کی جاتی تھی گویا کہ اس کے کرنے والے آپ ﷺ ہی تھے۔

إِذَا فَرَغَ: یہ جملہ شرطیہ ہے اور مابعد کے جواب شرط سے مل کر یہ كَانَ فعل ناقص کی خبر ہے۔

وَقَفَ عَلَيْهِ: یہ جواب شرط ہے اور عَلٰی یہاں عِنْدَ کے معنی میں ہے کیونکہ جب قبر پر بیٹھنا منع ہے تو اس پر کھڑا ہونا بدرجہ اولیٰ منع ہوگا۔ اگر چہ مذکورہ حدیث میں اس بات کی تحدید نہیں کہ آپ ﷺ قبر کی کس جانب کھڑے ہو کر یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ تو بظاہر آپ ﷺ میت کی سر کی جانب کھڑے ہو کر یہ دعا مانگتے تھے۔ **اِسْتَغْفِرُوْا لِأَخِيْكُمْ**: یعنی اس کے لیے مغفرت مانگو۔

وَ اسْئَلُوْا لَهُ التَّثْبِيْتَ: یعنی اس کے لیے اس بات کی دعا مانگو کہ رب تعالیٰ اسے ثابت قدم رکھے۔

فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْئَلُ: یہ گزشتہ مذکورہ حکم کی علت کا بیان ہے تب پھر مذکورہ فا تعلیلیہ ہے۔ یعنی میت جب دفن ہو چکتی ہے تب اس سے سوالات کیے جاتے ہیں۔ مذکورہ حدیث میں اس بات کا بیان نہیں کہ یہ سوال کون کرتا ہے اور وہ سوالات ہیں کیا؟

---

❶ كتاب الام للشافعي رحمه الله: 277/1 من مرسل محمد بن جعفر.

❷ سنن ابی داود: 3221۔ المستدرك للحاكم: 526/1۔ امام نووی ''المجموع'' (251/5) میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد جید ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سوالات کرنے والے دو فرشتے ہوتے ہیں جو تین باتوں کا، رب کا، دین کا اور نبی ﷺ کا سوال کرتے ہیں۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں دو باتیں مذکور ہیں:

(1) میت کے دفن کر دیئے جانے کے فوراً اس کے پاس کھڑے ہو کر اس کے لیے مغفرت اور ثابت قدمی کی دعا مانگی جائے۔

(2) قبر میں ہر ایک سے سوالات کیے جائیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ قبر میں سوالات کا کیا جانا ثابت، صریح، صحیح اور واضح ہے۔

◈ قبر پر آ کر مٹی ڈالی جائے اور بیٹھ کر ہی نہ ڈالی جائے۔ ◈ میت کے لیے دعا مانگنا جائز ہے۔

◈ میت کے لیے دعا اس کی تدفین کے فوراً بعد مانگی جائے اس کی دلیل اَلْآنَ کے الفاظ ہیں اور یہ دعا کھڑے کھڑے مانگی جائے۔ اس کی دلیل وَقَفَ عَلَيْهِ کے الفاظ ہیں۔ (قبرستان سے نکل کر چالیس یا ستر قدم کے فاصلے پر آ کر دُعا مانگنا صریح بدعت ہے۔) بسا اوقات اپنے مسلمان بھائیوں کی دعا سے بھی مرنے والے کو قبر میں ثابت قدمی حاصل ہوتی ہے اور یہ امر مسلمانوں کے درمیان اخوت اور بھائی چارہ کو بھی بتلاتا ہے۔

◈ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد میں کہ ''اس سے اب سوال کیا جا رہا ہے'' آپ ﷺ کے ایک معجزہ کا بیان بھی ہے، وہ یہ کہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی یہ امر منکشف کر دیا گیا تھا۔ وگرنہ قبر کے جملہ احوال عالم برزخ کے ہیں جو امورِ غیبیہ میں سے ہیں۔

◈ معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ بھی کسی کے نفع ونقصان کے مالک نہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بھی فرمانِ الٰہی ہے۔

قبر کے پاس کھڑے ہو کر میت کو تلقین کرنے کا بیان

570,571- وَعَنْ ضَمْرَةَ بْنِ حَبِيبٍ - أَحَدِ التَّابِعِينَ - قَالَ: ((كَانُوْا يَسْتَحِبُّوْنَ إِذَا سُوِّيَ عَلَى الْمَيِّتِ قَبْرُهُ، وَانْصَرَفَ النَّاسُ عَنْهُ، أَنْ يُقَالَ عِنْدَ قَبْرِهِ: يَا فُلَانُ! قُلْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، يَا فُلَانُ! قُلْ: رَبِّيَ اللّٰهُ، وَدِيْنِي الْإِسْلَامُ، وَنَبِيِّيْ مُحَمَّدٌ)). رَوَاهُ سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ مَوْقُوْفًا.

وَلِلطَّبَرَانِيِّ نَحْوُهُ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ أُمَامَةَ مَرْفُوْعًا مُطَوَّلًا.

ایک جلیل القدر تابعی حضرت ضمرہ بن حبیب سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب میت کی قبر کو برابر کر دیا جاتا تھا اور لوگ اس سے لوٹنے لگتے تھے تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میت کی قبر کے پاس ان الفاظ کو کہنا پسند فرماتے تھے کہ ''اے فلاں! کہہ لا الہ الا اللہ- ایسا وہ تین بار کہتے- اے فلاں! کہہ کہ میرا رب اللہ ہے، میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی جناب محمد ﷺ ہیں۔ ❶

سعید بن منصور نے اس حدیث کو موقوف روایت کیا ہے۔

اور امام طبرانی نے بھی ایسی ہی حدیث حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مطول اور مرفوع روایت کی ہے۔ ❷

غریب الحدیث:...... عَنْ ضَمْرَةَ: غیر منصرف ہونے کی وجہ سے اس کی حالت جری لفظی فتح کے ساتھ ہے۔

❶ مجھے یہ حوالہ نہیں ملا۔ البتہ حافظ رحمہ اللہ نے "التلخیص الحبیر" (136/2) میں اس حدیث کو سعید بن منصور کی طرف منسوب کیا ہے۔

❷ المعجم الکبیر للطبرانی: 249/8، رقم الحدیث: 7979۔ امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (267/5) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كَانُوْا يَسْتَحِبُّوْنَ: یہیں سے امام ابن حجر رحمہ اللہ کے اَحَدُ التَّابِعِيْنَ کا لفظ لانے کا فائدہ معلوم ہو گیا کیونکہ اس کے بعد مذکور لفظ كَانُوْا سے یہ مستفاد ہوا کہ اس سے مراد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور یہی ظاہر ہے گو احتمال تابعین کے ہونے کا بھی ہے۔

درایۃ الحدیث:...... مذکورہ حدیث ضعیف ہے جسے امام موصوف رحمہ اللہ سابقہ صحیح حدیث کے بعد لے کر آئے ہیں تاکہ صحیح حدیث سے استناد کر سکیں۔ اب پہلی حدیث میں یہ مذکور ہے کہ لوگ دعا مانگنے کے بعد لوٹتے تھے، جبکہ اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ لوگوں کے لوٹ جانے کے بعد میت کے لیے دعا اور تلقین کی جاتی تھی۔ تب پھر یہ دوسری حدیث پہلی کے مخالف ہو گی اور دونوں میں تطبیق کی کوئی صورت نہ ہو گی۔ لہٰذا اس دوسری حدیث کے ضعف کو پہلی صحیح حدیث سے استناد کر کے دور نہ کیا جا سکے گا اور اس حدیث کا ضعف برقرار رہے گا۔

پھر قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہ یہ بھی مستقیم نہیں۔ کیونکہ مرنے کے بعد کوئی عبادت نہیں۔ جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ''مرنے کے بعد آدمی کے عمل ختم ہو جاتے ہیں سوائے تین باتوں کے......'' ❶ اور مذکورہ قول ان تین باتوں میں داخل نہیں۔

رہا میت کے لیے رب تعالیٰ سے تثبیت کا سوال تو وہ اس بات کے امر کو متضمن نہیں کہ ہم ضرور قبر کی میت کو لا الہ الا اللہ کی ہی تلقین کریں۔ لیکن اس میں بھی یہ سوال بہرحال باقی رہتا ہے کہ اس بات کو کون جانتا ہے کہ عین اس وقت میت سے یہ سوال ہو رہا ہے کہ ذرا بتلا کہ تیرا رب کون ہے؟ کہ ہم اسے یہ تلقین بھی کر سکیں کہ تو کہہ کہ ''میرا رب اللہ ہے۔'' تاکہ سوال اور جواب میں زمانی تطابق پیدا ہو سکے۔ پھر یہ سوال بھی اپنی جگہ پر ہے کہ کیا مردے سنتے بھی ہیں؟ کیونکہ سماع موتی کا مسئلہ بہرحال علماء میں اختلافی ہے اور کسی ایک جانب کی تعیین کے لیے کسی فریق کے پاس کوئی حتمی اور قطعی دلیل موجود نہیں۔

غرض مذکورہ حدیث اسنادی اعتبار سے بھی ضعیف ہے اور درایتی اعتبار سے بھی سقیم ہے اور نبی کریم ﷺ کے فعل سے ظاہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے میت کے لیے استغفار کرنے کا حکم تو دیا ہے البتہ تلقین کا حکم ثابت نہیں۔

عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت کا حکم

572,573۔ وَعَنْ بُرَيْدَةَ بْنِ الْحُصَيْبِ الْأَسْلَمِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا)).

رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

زَادَ التِّرْمِذِيُّ: ((فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْآخِرَةَ)).

حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''میں نے (اس سے قبل) تم لوگوں کو قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا تھا تو اب (میں تمہیں اس کی اجازت دیتا ہوں سو) تم لوگ قبروں کی زیارت کر لیا کرو۔'' ❷

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے (اپنی روایت میں) یہ الفاظ زائد روایت کیے ہیں: ''کیونکہ قبریں آخرت کو یاد دلاتی ہیں۔'' ❸

غریب الحدیث:...... **كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ:** اس سے مراد پہلے کی ممانعت ہے۔

فَزُوْرُوْهَا: یہ نہی کے بعد امر ہے۔ اس پر مفصل کلام آگے آ رہا ہے۔

---

❶ صحیح مسلم: 1631 عن ابی ہریرۃ. ❷ صحیح مسلم: 977.

❸ جامع الترمذی: 1054.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْآخِرَةَ: اگر چہ یہ جامع الترمذی کے الفاظ ہیں لیکن صحیح مسلم میں بھی اس روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ ''یہ قبریں موت کو یاد دلاتی ہیں۔'' مذکورہ جملہ گزشتہ امر کی علت ہے۔ للہذا فانہا میں فا تعدیہ ہوئی اور بے شک یہ بات درست ہے کہ قبریں دیکھ کر یہ یاد آتا ہے کہ یہ وہی لوگ تو ہیں جو کل تک اسی زمین کی پیٹھ پر ہمارے ساتھ چلتے پھرتے تھے، مگر آج نہیں ہیں اور آج وہ اپنے اپنے عمل کے سپرد ہیں۔ اسی طرح ایک دن آئے گا کہ ہم بھی نہ رہیں گے۔

زیارتِ قبور کا حکم

یہ حدیث بتلاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلے پہلے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو زیارتِ قبور سے منع فرما رکھا تھا۔ کیونکہ آپ ﷺ کو ان حضرات پر شرک کا خوف تھا۔ کیونکہ قبروں کی زیارت بسا اوقات شرک کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ کیونکہ زیارتِ قبور چار احوال سے خالی نہیں:

(1) یا تو اہل قبور کے لیے دعا کی جائے گی۔ یہ مشروع اور نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔

(2) یا پھر اللہ سے اہل قبور کے وسیلے سے دعا مانگے گا۔ یہ بدعت اور حرام ہے۔ چاہے صاحب قبر پیغمبر ہی کیوں نہ ہو۔

(3) یا پھر قبروں کے پاس اللہ سے دعا مانگے گا۔ اگر تو یہ دعا اس عقیدہ سے مانگ رہا ہے کہ یہاں مانگی جانے والی دعا مساجد اور گھر میں مانگی جانے والی دعا سے افضل ہے تو یہ بھی ایک مکروہ بدعت اور فاسد اعتقاد ہے۔ کیونکہ قبر کے پاس مانگی جانے والی دعا کی دیگر دعاؤں پر کوئی برتری اور فوقیت نہیں۔

(4) یا پھر خود قبر والوں سے دعا مانگے گا۔ بلاشبہ اس صورت کے شرکِ اکبر ہونے میں کوئی تردّد نہیں اور یہ فعل ملت سے خارج کر دینے والا ہے اور اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾

(المومنون: 117)

''اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے، جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں تو اس کا حساب صرف اس کے رب کے پاس ہے۔ بے شک حقیقت یہ ہے کہ کافر فلاح نہیں پائیں گے۔''

پس چونکہ ابتدائے اسلام میں زیارت قبور سے شرک کا دروازہ کھلنے کا اندیشہ تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا۔ لیکن بعد میں جب دلوں میں ایمان مستحکم ہو گیا تو آپ ﷺ کو لوگوں کے شرک میں مبتلا ہونے کا ڈر جاتا رہا اس لیے اب آپ ﷺ نے انہیں قبروں کی زیارت کرنے کی اجازت دے دی۔

نہی کے بعد امر کا حکم

علماء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ نہی کے بعد کے امر کا حکم کیا ہے؟ چنانچہ بعض نے اسے اباحت کے لیے کہا ہے۔ لیکن درست یہ ہے کہ نہی کے بعد دراصل نہی کا رفع اور منہی عنہ کے حکم کو اس کے پہلے حکم کی طرف لے جانا ہے۔ پس اگر تو وہ پہلا حکم مستحب تھا تو اب بھی مستحب ہے اور اگر وہ غیر مستحب تھا تو وہ اب بھی غیر مستحب ہے۔ ادنیٰ تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ حدیث میں ذکر کردہ امر استحباب کے لیے ہے۔ کیونکہ اس امر کی تعلیل فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْآخِرَةَ بیان کی گئی ہے۔ اس بنا پر زیارتِ قبور کا حکم مستحب ہوگا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں زیارتِ قبور کے مباح ہونے کو بیان کیا گیا ہے۔ البتہ یہ اباحت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ زیارتِ قبور کے وقت دورِ جاہلیت کی کسی رسم کی یاد تازہ نہ کی جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مذکورہ روایت میں احکام کے نسخ کا اثبات ہے جس کی دلیل کُنْتُ نَهَيْتُكُمْ کے الفاظ ہیں۔
- نسخ یہ بندوں کی مصالح کے لیے ہے نہ کہ رب تعالیٰ پر کسی امر کے مخفی ہونے کی وجہ سے ہے جیسا کہ روافض کا عقیدہ ہے۔
- احکام رب تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں اور حکم کا مدار اس کی علت پر ہے۔
- حکم شرعی کے معلوم ہونے پر اس کی طرف لوٹنا واجب ہے۔
- زیارتِ قبور مشروع اور مباح ہے۔
- ایک مسلمان کو آخرت اور موت کا ہر وقت استحضار کرتے رہنا چاہیے۔ اس لیے ایسے افعال کا سرانجام دینا مناسب ہے جو آخرت کو یاد دلائیں جیسے قبروں کی زیارت۔
- موت اور قبر امورِ آخرت میں داخل ہیں اور یہ روزِ آخرت پر ایمان رکھنے میں سے ہے۔
- بظاہر یہ حکم مردوں اور عورتوں دونوں کو داخل ہے کیونکہ خطاب میں اصل عموم ہے چاہے اس میں خطاب مردوں کو ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ مردوں کو خطاب تغلیباً ہے، کیونکہ مرد حضرات ہی اہل حل وعقد ہوتے ہیں۔ پس قرآن کریم میں خطاب کی توجیہ مردوں کی طرف ان کی شرافت، فضیلت اور اہلیت کی بنا پر ہے۔ لیکن امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس قول کو ردّ کیا ہے اور عورتوں کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور اس کے متعدد دلائل بھی ذکر کیے ہیں۔ [1] جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

زَادَ ابْنُ مَاجَهْ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ: ((وَتُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا)). اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: ''اور قبریں دنیا سے بے رغبت کرتی ہیں۔'' [2]

شرح: ...... سنن ابن ماجہ کی اس روایت کو ساتھ ملانے سے زیارتِ قبور کے کل تین فوائد ہو گئے:

(1) قبریں آخرت کو یاد دلاتی ہیں۔ (2) قبریں موت کو یاد دلاتی ہیں۔

(3) قبریں دنیا سے دل اٹھا دیتی ہیں۔

علماء نے زهد فی الدنیا کی متعدد تعریفات بیان کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ زهد فی الدنیا یہ دنیا سے منہ موڑنا اور اس کے لیے کوئی عمل نہ کرنا ہے۔ رہا دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کے لیے کوئی عمل کرنا تو وہ زهد فی الدنیا کے منافی نہیں۔ لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں۔ غرض ہمارا کوئی کام دنیا کے لیے نہ ہو بلکہ آخرت کے لیے ہو۔ البتہ یہ مراد نہیں کہ ہم سرے سے کچھ کریں ہی نہ اور مسجد کے کسی گوشے کے کھونٹے بن کر سب سے بیزار دُور اور نفور ہو جائیں۔ بلکہ ہم جو کریں وہ آخرت کو سامنے رکھ کر اور اس کے حصول کے لیے کریں کہ اصل زہد یہی ہے۔

---

[1] الفتاوی: 333/24.

[2] سنن ابن ماجه: 1571- امام بوصیری رحمہ اللہ نے "مصباح الزجاجة" (42/2) میں اس حدیث کو حسن کہا ہے اور امام منذری رحمہ اللہ "الترغیب و الترهیب" (189/4) میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

574- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه ((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَعَنَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ)).
أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ [1]
اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث: ......لَعَنَ : یہ لعنت کرنے کی دعا ہے۔ لعنت کسی کے دفع اور دُور کرنے اور دھتکارنے کو کہتے ہیں۔ مراد رب تعالیٰ کی رحمت سے دُور کرنا ہے۔ ایک روایت میں هُنَّ مَلْعُوْنَاتٌ کے الفاظ بھی ہیں۔ یہ خبر ہے۔ دونوں صورتوں میں یہ لعنت ہے جو کبائر پر آتی ہے۔

زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ : یہ مونث کا صیغہ ہے۔ جبکہ نفس زیارت کا معنی صرف ایک دفعہ زیارت کرنے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جس عورت نے ایک مرتبہ بھی قبروں کی زیارت کی وہ اس وعید میں داخل ہو جائے گی۔

یاد رہے کہ لَعَنَ یہ نہی نہیں ہے اور نبی کریم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا: كُنْتُ لَعَنْتُكُمْ فَزُوْرُوْهَا . ''یعنی میں نے تم پر لعنت کی تھی سو اب تم قبروں کی زیارت کر لیا کرو۔'' کہ ہم یہ کہہ سکیں کہ پہلی حدیث دوسری کی ناسخ ہے۔ یہیں سے ہمیں امام ابن حجر رحمہ اللہ کے عمدہ اسلوب کا بھی اندازہ ہو گیا کہ وہ مذکورہ حدیث کو بعد میں لائے ہیں۔ جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دوسری حدیث پہلی کی مخصص ہے نہ کہ پہلی حدیث دوسری کی ناسخ ہے۔ جیسا کہ غور کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ پہلی حدیث میں عموم ہے اور مذکورہ حدیث میں تخصیص ہے اور پہلی حدیث میں نہی ہے جس میں لعنت شامل نہیں جبکہ دوسری میں صرف لعنت ہے جو نہی کو شامل نہیں۔ ان دونوں باتوں میں جو فرق ہے وہ اہل علم پر مخفی نہیں۔

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ عورتوں پر قبروں کی زیارت منع ہے اور اس پر لعنت آئی ہے جو اس کے کبیرہ گناہ ہونے کی دلیل ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- عورتوں کا زیارتِ قبور کرنا کبائر میں سے ہے۔
- ایک روایت میں زَوَّارَات مبالغہ کا صیغہ آیا ہے۔ تو جب ایک دفعہ زیارت کرنے والی ملعونہ ہے تو زیارتِ قبور میں مبالغہ اور کثرت کرنے والی تو بدرجہ اولیٰ ملعونہ ہو گی۔

نوحہ کرنا کبیرہ گناہ ہے

575- وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه قَالَ: ((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ النَّائِحَةَ وَالْمُسْتَمِعَةَ)).

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (میت پر) نوحہ کرنے والی پر اور (اسی مجلس میں بیٹھ کر نوحہ کرنے والی کے نوحہ کو) سننے والی پر (دونوں پر)

---

[1] جامع الترمذی: 1056- امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور صحیح کہا ہے۔ سنن ابن ماجہ: 1576- صحیح ابن حبان: 3178- مسند احمد: 442/3 عن حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ - و سنن ابن ماجہ: 1574 - اس روایت کے بارے میں امام بوصیری رحمہ اللہ "الزوائد" میں کہتے ہیں: اس اسناد کے رجال صحیح کے رجال اور ثقہ ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لعنت کی ہے۔ ❶

أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ.

اس حدیث کوامام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... لَعَنَ: اس پر مفصل کلام گزر چکا ہے۔

اَلنَّائِحَةَ: یہاں دو باتیں ہیں: (1) ایک نوحہ (2) اور دوسرا ندب۔ نَدْب میت کی خوبیاں اور اس کے محاسن بیان کر کے رونے کو کہتے ہیں جبکہ نوحہ یہ گریہ وادیلا کر کے رونے کو کہتے ہیں۔

نَوْح: اصل میں کبوتری اور فاختہ کے کوکو کرنے کو کہتے ہیں جبکہ نیاحہ یہ چلا چلا کر رونے اور ماتم کرنے کو کہتے ہیں، چونکہ کبوتری اور فاختہ کی کوکو رونے کی آواز کے مشابہ ہوتی ہے اس لیے گریہ اور ماتم کو بھی نوح اور نیاحہ کہا جانے لگا۔ اب نائحہ سے مراد وہ عورت ہے جو میت پر کھڑی ہو کر زور زور سے روئے چلائے اور بین ڈالے، نبی کریم ﷺ نے ایسی عورت پر لعنت کی ہے کیونکہ یہ بین ڈالنا اس کے بے صبرا ہونے کو بتلاتا ہے، دوسرے اس کے بَین کو سن کر دوسروں کے ہاتھ سے بھی صبر کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔ یوں ایسی عورت دوسروں کے بھی گناہ گار ہونے کا ذریعہ بنتی ہے۔

اَلْمُسْتَمِعَةُ: کان دھر کر سننے والی نہ کہ وہ عورت جس کے کان میں نہ چاہتے ہوئے بھی بَین کی آوازیں پڑ رہی ہوں اور اسے ان آوازوں سے بیزاری اور ناگواری بھی ہو۔ گویا کہ وہ کوئی پاس سے گزرنے والی عورت ہو کہ ایسی عورت گناہ گار نہ ہوگی۔ البتہ جو عورت کان دھر کر نوحہ سنے وہ بھی اس وعید میں داخل ہے کیونکہ ایک طرح سے یہ عورت اس نوحہ کرنے والی کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ میت پر بَین ڈالنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے اور یہ فعل موجب لعنت ہے اور جو اس ملعون فعل کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھے، بیٹھ کر سنے اور اس فعل کی حوصلہ افزائی کرے وہ بھی برابر کا گناہ گار ہے۔ عورتوں کا ذکر قید اتفاقی ہے کیونکہ عموماً عورتیں ہی بَین ڈالتی ہیں۔ وگرنہ یہ فعل مردوں پر بھی حرام ہے۔

تَنْبِیْه:...... معلوم ہوا کہ کفر سے کم درجہ کے گناہ پر بھی لعنت کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ نوحہ کرنا اور اسے سننا کفر نہیں۔ اس کے باوجود ان پر لعنت کرنے کا جواز ہے۔

576۔ وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: ((أَخَذَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ لَا نَنُوْحَ)).

سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہم سے اس بات کا عہد لیا تھا کہ ہم عورتیں (مرنے والوں پر) نوحہ نہ کیا کریں گی۔ ❷

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:...... اَخَذَ: مراد عہد لینا ہے۔ یہاں مفعول بہ محذوف ہے۔ یہ صلح حدیبیہ کے بعد کا قصہ ہے جب نبی کریم ﷺ نے ان خواتین سے متعدد باتوں کا عہد لیا تھا جن میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ یہ عورتیں میتوں پر بین نہ ڈالا کریں گی۔

---

❶ سنن ابی داود: 4753۔ السنن الکبری للنسائی: 2128۔ حاکم رحمہ اللہ نے (93/1 میں) اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ جبکہ امام قیم نے "تهذیب السنن" (316/8) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

❷ صحیح البخاری: 1306۔ صحیح مسلم: 936

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نوحہ کرنے سے میت کو عذاب ہونے کا بیان

577,578- وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((الْمَيِّتُ يُعَذَّبُ فِي قَبْرِهِ بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَلَهُمَا نَحْوُهُ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رضی اللہ عنہ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''میت کو اس کی قبر میں اس کے اوپر کیے جانے والے نوحہ کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔'' ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

صحیحین میں ایسی ہی ایک حدیث حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ ❷

غریب الحدیث:...... **اَلْمَیِّت**: یہ مبتدا ہے اور اس لفظ میں عموم ہے۔

یُعَذَّب: یہ خبر ہے۔

بِمَا نِیحَ عَلَیْهِ: مذکورہ بَا سببیہ ہے۔

مَا: یہ اسم موصول بھی ہوسکتا ہے تب پھر تقدیری عبارت بِالَّذِیْ نِیْحَ عَلَیْهِ ہوگی اور مَا مصدریہ بھی۔ تب پھر تقدیری عبارت بِالنَّوحِ عَلَیْهِ ہوگی۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب میت کے اہل اس پر نوحہ کرتے ہیں تو اسے قبر میں اس نوحہ کرنے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ نوحہ جس طرح نوحہ کرنے والے اور سننے والے کے لیے باعث لعنت ہے اسی طرح خود میت کے لیے بھی موجب عذاب ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کسی نفس کے گناہ کا بوجھ دوسرا نہ اٹھائے گا۔ جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ (فاطر: 18)

''اور کوئی بوجھ اٹھانے والی (جان) کسی دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔''

اس لیے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد کے لوگوں کو اس حدیث پر یہ اشکال ہوا کہ بھلا نوحہ کرنے والے کے گناہ کا بوجھ وہ میت کیونکر اٹھائے جس کا اس فعل میں کوئی عمل دخل نہیں۔ اسی لیے سیدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث کا انکار کیا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ تم لوگ (یعنی جناب ابن عمر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) جھوٹ تو نہیں بولتے لیکن کبھی کبھی سننے میں بھی تو خطا ہو جاتی ہے۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جناب عمر رضی اللہ عنہ اور جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف سننے میں وہم اور خطا کی نسبت فرمایا کرتی تھیں (کیونکہ صحیح مسلم ❸ میں جناب عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی ایک حدیث مروی ہے)۔ غرض یہ بات جملہ شرائع میں متفق علیہ ہے کہ ایک کے گناہ کا بوجھ دوسرا نہ اٹھائے گا۔ تب پھر یہ بات کیونکر صحیح ہے کہ روئیں تو میت کے اہل خانہ اور اس کی پاداش میں عذاب قبر میں پڑی میت بھگتے؟

---

❶ صحیح البخاری: 1292- صحیح مسلم: 927.
❷ صحیح البخاری: 1291- صحیح مسلم: 933.
❸ صحیح مسلم: 927.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ واقعہ ایک یہودن کا قرار دیا ہے کہ اسے ایک مرنے والے یہودی پر روتے دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ "یہ تو رو رہی ہے جبکہ اسے قبر میں (اپنے کفر کی وجہ سے) عذاب ہو رہا ہے۔"[1]

سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ فرماتی ہیں کہ یہ مذکورہ حدیث قرآنِ کریم کے خلاف ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا رواۃ کو وہم کا شکار کہنا بے محل ہے کیونکہ ثقہ رواۃ میں اصل ان کا عدمِ وہم ہے۔ بالخصوص جناب عمر، جناب ابن عمر اور جناب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم جیسے رواۃ میں وہم معدوم ہے اور رہا سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہودن کے واقعہ سے استدلال تو وہ ہماری سر آنکھوں پر ہے۔ بلاشبہ یہ استدلال برحق ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ پھر نبی کریم ﷺ نے کسی اور موقع پر کچھ نہ کہا ہو......!! اور یہی وہ دوسری بات ہو جس کو ان تینوں جید صحابہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہو۔ تب پھر ان روایات کو قصوں کے تعدد پر محمول کیا جائے گا اور سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اس آیت کو لے کر ان احادیث کا ردّ صحیح نہ ہوگا۔

لیکن اس سب کے باوجود اشکال اپنی جگہ پر باقی ہے۔ تب پھر اس اشکال کا جواب کیا ہے؟ تو یہاں دو پہلو ہیں:

(1) ایک یہ جن کے نزدیک یہ حدیث ردّ ہے، وہاں جمع کی ضرورت ہی نہیں۔ جیسے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک یہ حدیث ردّ ہے۔

(2) اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ جن کے نزدیک یہ حدیث ردّ نہیں انہوں نے آیت کریمہ، یہودن کے واقعہ اور ان احادیث میں جمع کی کوشش کی ہے۔ ان علماء نے ان نصوص میں جمع کی جو صورتیں بیان کی ہیں، وہ یہ ہیں:

پہلا قول:...... مذکورہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے جو اپنے بعد اپنے اوپر نوحہ کرنے کی وصیت کر گیا ہو۔ پس چونکہ گناہ کی وصیت بھی گناہ ہے اس لیے اس پر عمل کرنے کی وجہ سے اسے گناہ اور عذاب ہوگا کیونکہ وہ خاص اس گناہ سے توبہ کیے بغیر مرا ہے۔ بلاشبہ یہ تعلیل عمدہ ہے۔

دوسرا قول:...... یہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے جس کے گھر والے عموماً مرنے والوں پر خوب نوحہ کرنے اور بین ڈالنے کے عادی رہے ہوں اور اسے ان کی اس عادت کا علم ہو اور وہ جانتا ہو کہ یہ میرے مرنے پر بھی بین ڈالنے میں کوئی کمی نہ چھوڑیں گے، پھر بھی وہ انہیں ایسا کرنے سے منع کیے بغیر مر گیا۔ تب پھر گویا کہ اسے ان کی یہ نوحہ وزاری پسند تھی اور وہ اس پر راضی تھا اور گناہ پر راضی ہونا خود گناہ ہے۔ جس پر عذاب بدیہی ہے۔ دوسرے یہاں منکر پر انکار کے ترک کا گناہ بھی ہے۔

تیسرا قول:...... وہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہے کہ مراد کافر کی میت ہے کہ اسے قبر میں عذاب ہونا بدیہی ہے۔

چوتھا قول:...... یہاں عذاب سے عذاب کی دو قسموں یعنی عذابِ عقوبت اور عذابِ غیر عقوبت میں سے دوسری قسم مراد ہے جس میں بس ایک گونہ دکھ اور الم کا احساس ہوتا ہے نہ کہ عذاب اور تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔

غرض ان مذکورہ بالا توجیہات کی روشنی میں یہ اشکال رفع اور آیت کریمہ اور احادیث مبارکہ میں تطبیق پیدا ہو جاتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ جو احادیث قرآن کے ظاہر کے خلاف ہوں ان کو بدون تحقیق وتثبت کے قبول نہ کیا جائے گا۔ لہٰذا جہاں قرآن کریم اور حدیث میں جمع کی صورت پیدا نہ ہو سکے تو اسے راوی کے وہم پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ قرآنِ کریم ہر قسم کی خطا سے

[1] صحیح البخاری: 1289- صحیح مسلم: 932.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاک ہے پس راوی کا وہم میں مبتلا ہونا قرآن کریم میں کسی معنوی غلطی کے امکان سے بہت ہی ہلکی بات ہے۔

- نوحہ سے سخت گریز کیا جائے کہ یہ خود بھی باعث لعنت ہے اور میت کے لیے بھی بعض صورتوں میں باعث عذاب ہے۔
- معلوم ہوا کہ میت کو اہل خانہ کے افعال کا ایک گونہ احساس ہوتا ہے۔
- معلوم ہوا کہ اسباب ثابت ہیں جیسا کہ نوحہ، یہ میت کی تعذیب کا سبب ہے۔

میت پر رونا جائز ہے جو نوحہ نہیں

579- وَعَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ: ((شَهِدْتُ بِنْتًا لِلنَّبِيِّ ﷺ تُدْفَنُ، وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ عِنْدَ الْقَبْرِ، فَرَأَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدْمَعَانِ)). رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کی ایک لخت جگر کی تدفین میں شریک ہوا جبکہ نبی کریم ﷺ قبر کے پاس تشریف فرما تھے۔ پس میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ ❶

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ......شَهِدْتُ بِنْتًا لِّلنَّبِيِّ: یہ سیدہ ام کلثوم زوجہ خلیفہ راشد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے جو نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں وفات پا گئی تھیں۔

تُدْفَنُ: یہ جملہ حالیہ ہے۔

وَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ عِنْدَ الْقَبْرِ: یہ جملہ بھی حالیہ ہے (لیکن یہ حال متداخل نہیں۔ کیونکہ پہلا حال بِنْتًا سے ہے اور یہ دوسرا حال لفظِ النَّبِيِّ سے ہے۔)

تَدْمَعَانِ: یہ عَيْنَيْهِ سے حال ہے۔

مضمون حدیث: ......مذکورہ حدیث میں میت پر ممنوعہ نوحہ کے بغیر صرف رونے کے جواز کا ذکر ہے۔ چاہے یہ رونا تدفین سے قبل ہو یا بعد میں۔ کیونکہ صدمے پر رونا فطری اور طبعی ہے اور شریعت انسان کے فطری اور طبعی جذبات پر کوئی پابندی نہیں لگاتی۔ یہی وجہ ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ اپنی لخت جگر کے فراق پر اشکبار تھے۔

دوسری اہم بات اس حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ صرف رونے سے میت کو عذاب نہیں ہوتا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- میت پر جیسے دفن سے قبل رونا جائز ہے، ویسے ہی اس کی تدفین کے بعد بھی رونا جائز ہے۔
- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ ﷺ بے حد رقیق القلب تھے۔
- قبر کے پاس بیٹھنا جائز ہے۔
- عین تدفین کے وقت حاضرین کو وعظ کرنا غیر مشروع ہے، وگرنہ نبی کریم ﷺ بھی حاضرین کو اس موقع پر ضرور وعظ فرماتے۔
- میت کے غیر قریبی رشتہ دار کا بھی قبر میں میت کو اتارنا جائز ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے سب سے قریبی رشتہ دار تھے کہ آپ ﷺ ان کے والد ماجد تھے۔ مگر اس کے باوجود سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی قبر میں آپ ﷺ

❶ صحيح البخاري: 1285.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خود نہ اترے تھے بلکہ آپ ﷺ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو قبر میں اترنے کا حکم دیا تھا۔

◈ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کو غیر محرم بھی قبر میں اتار سکتا تھا۔ کیونکہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے محرم نہ تھے۔

رات کو تدفین کی ممانعت کا بیان

580۔ وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((لَا تَدْفِنُوْا مَوْتَاكُمْ بِاللَّيْلِ إِلَّا أَنْ تَضْطَرُّوْا)).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اپنے مرنے والوں کی تدفین رات کو نہ کرو سوائے اس کے کہ تم (ایسا کرنے پر) مجبور ہو جاؤ۔''[1]

أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ.

اس حدیث کو امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

وَأَصْلُهُ فِيْ مُسْلِمٍ، لٰكِنْ قَالَ: ((زَجَرَ أَنْ يُّقْبَرَ الرَّجُلُ فِي اللَّيْلِ. حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهِ)).

اس حدیث کی اصل صحیح مسلم میں ہے لیکن وہاں یہ الفاظ ہیں کہ (حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں): نبی کریم ﷺ نے اس بات سے روکا کہ آدمی کو رات میں قبر میں اتارا جائے (یعنی دفن کیا جائے) یہاں تک کہ اس پر نمازِ (جنازہ) پڑھ لی جائے۔[2]

غریب الحدیث:...... **لَا**: یہ ناہیہ ہے اسی لیے مابعد مذکورہ فعل نونِ اعرابی کے حذف کے ساتھ مجزوم ہے۔

بِاللَّيْلِ: مذکورہ بَا ظرف کا ہے۔ لہٰذا یہ ''بَا'' فِيْ ظرفیہ کے معنی میں ہے۔

إِلَّا أَنْ تَضْطَرُّوْا: یہ عموم احوال سے استثنا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ کسی بھی حال میں میت کو رات کے وقت دفن نہ کرو، مگر یہ کہ تم لوگ ایسا کرنے پر مجبور ہو جاؤ۔ غرض یہ استثنا احوال کے عموم سے ہے کیونکہ اضطرار ایک حالت ہے نہ کہ کوئی انسان یا شخص کہ ہم اسے جنس کہہ سکیں۔

وَ أَصْلُهُ فِيْ مُسْلِمٍ: صحیح مسلم میں یہ قصہ مذکور ہے کہ ایک صاحب رات کو وفات پا گئے۔ لوگوں نے انہیں کفنا کر رات کو دفن کر دیا جس پر نبی کریم ﷺ نے آئندہ کے لیے رات کو دفن کرنے سے روک دیا۔

حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهِ: ان الفاظ کا یہ مطلب نہیں کہ دن کو بدون نمازِ جنازہ کے بھی دفن کر دیا کرو۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ اس کی نمازِ جنازہ اچھی طرح ادا کرو۔

www.KitaboSunnat.com

مضمونِ حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ میت کو رات کے وقت دفن کرنا منع ہے۔ لیکن حدیث میں اس کی دو علتیں بیان کی گئی ہیں جن کا ذکر صحیح مسلم کی روایت میں ہے۔ اس لیے زیادہ مناسب تو یہ تھا کہ امام موصوف رحمہ اللہ اس مقام پر صحیح مسلم کی روایت لے کر آتے۔ غرض وہ دو علتیں یہ ہیں:

(1) رات کو دفن کی ممانعت اس لیے ہے تاکہ دن کی روشنی میں کفن اچھی طرح دیا جا سکے۔ کیونکہ ان لوگوں نے رات کے اندھیرے کی وجہ سے پورا پورا کفن ہی دیا تھا۔

(2) اس ممانعت کی دوسری علت یہ ہے کہ بہ نسبت رات کے دن کو نمازِ جنازہ خوب اچھی طرح ادا کی جا سکتی ہے۔

---

[1] سنن ابن ماجہ: 1521۔ [2] صحیح مسلم: 943۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- میت کو دفنانے میں صفتِ احسان کی رعایت ضروری ہے، جس کا بیان گزر چکا ہے۔
- جنازہ میں لوگ کثرت کے ساتھ ہوں، اس لیے دن کو تدفین اور نمازِ جنازہ عمل میں لائی جائے تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ جنازہ میں شریک ہوسکیں۔
- معلوم ہوا کہ رات کی تدفین بامر مجبوری ہے۔ لہٰذا اگر نہلانے میں یا کفنانے میں یا نمازِ جنازہ میں لوگوں کے جمع ہونے میں کسی قسم کی تقصیر کا اندیشہ ہو تو زیادہ مناسب یہ ہے کہ میت کو دن میں دفنایا جائے۔ تب پھر معلوم یہ ہوا کہ رات کو دفنانے کی ممانعت ان تقصیرات کے سرزد ہونے کے اندیشہ کی بنا پر ہے۔ لہٰذا اگر رات کو بھی ان امور میں تقصیر نہ ہونے دی جائے تو میت کو رات کو بھی دفنا سکتے ہیں اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس ممانعت کی یہی توجیہ سمجھی تھی۔ چنانچہ مسجد میں جھاڑو دینے والی کی تدفین رات کو ہوئی تھی لیکن نبی کریم ﷺ نے ایسا کرنے سے منع نہ فرمایا تھا اور تو اور خود جنابِ رسول اللہ ﷺ کی تدفین اور سیدنا ابوبکر اور دیگر متعدد اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تدفین بھی رات کو ہی ہوئی تھی۔ پس معلوم ہوا کہ یہ ممانعت تجہیز وتکفین وغیرہ میں تقصیر کے اندیشہ کی وجہ سے ہے نہ کہ مطلق۔

اہل میت کی غم خواری مستحب ہے

581۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا جَاءَ نَعْيُ جَعْفَرٍ۔ حِيْنَ قُتِلَ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اصْنَعُوا لِآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا ، فَقَدْ أَتَاهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ)).

حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب (مدینہ منورہ میں میرے والد ماجد) حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ان کے قتل ہو جانے پر پہنچی تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو کیونکہ انہیں ایسی خبر پہنچی ہے جو انہیں (کھانا پکانے وغیرہ جیسی باتوں سے) مشغول کر دے گی (اور آج وہ کھانا پکانے کی طرف توجہ نہ کر سکیں گے)۔“ ❶

أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ .

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے سوائے امام نسائی رحمہ اللہ کے۔

معرفة الصحابة :...... عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ: مشہور جلیل القدر صحابی رسول، نبی کریم ﷺ کے چچازاد جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ غزوۂ موتہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ شہید ہو گئے تھے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے لشکر کے امیر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لشکر کی امارت سنبھالی اور شہید ہوئے تھے۔ اس غزوہ میں ان کے دونوں بازو دشمنوں نے کاٹ دیئے تھے، جن کے بدلے میں رب تعالیٰ نے انہیں جنت میں دو پر عطا فرمائے تھے جن کے ساتھ وہ جنت میں اڑتے پھرتے تھے۔ اس بات کی خبر جناب

---

❶ سنن ابی داود: 3132۔ جامع الترمذی: 998۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ سنن ابن ماجۃ: 1610۔ مسند احمد: 205/1۔ المستدرك للحاكم: 372/1۔ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ "مسند احمد" (370/6) میں ضعیف اسناد کے ساتھ اس حدیث کا ایک شاہد حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی حدیث سے بھی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ نے وحی کے ذریعہ دی تھی۔ اسی لیے ان کا لقب ''طیار'' پڑ گیا تھا۔

غریب الحدیث:...... **نَعْيُ جَعْفَرٍ:** نَعْی کسی کے مرنے کی خبر دینے کو کہتے ہیں۔ اس پر مفصل کلام گزر چکا ہے۔

اِصْنَعُوْا: یہ امر ہے اور اس میں خطاب آپ ﷺ کے اپنے گھر والوں کو ہے۔

لِآلِ جَعْفَرٍ: مراد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر والے ہیں۔

فَقَدْ اَتَاهُمْ: اس میں مذکورہ امر کی تعلیل کا بیان ہے۔ تب پھر مذکورہ فا تعلیلیہ ہو گی۔

مضمون حدیث:...... میت کے اہل خانہ کے لیے اپنے عزیز کی موت کا صدمہ بے حد گراں ہوتا ہے، اس عالم میں انہیں کھانے پکانے کا خیال نہیں رہتا۔ اس حدیث میں اہل میت کی اسی غم خواری کرنے کو بیان کیا گیا ہے کہ مرگ والے دن کھانا پکوا کر ان کے ہاں بھیج دیا جائے۔ (لیکن افسوس کہ آج معاشرے کا چلن اس کے بالکل برعکس ہے کہ آج کل اہل میت آنے والوں اور پرسا دینے والوں کو کھانا پیش کرنے میں لگے ہوتے ہیں۔ [نسیم])

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نبی کریم ﷺ کی حسبِ موقع سب کی حسنِ رعایت۔
- اہل میت کو مرگ والے دن کھانا پکا کر بھجوانا مسنون ہے۔
- البتہ یہ حکم تب ہے جب اہل میت کو اپنے عزیز کے مرنے کا اس قدر صدمہ بھی ہو کہ انہیں کھانے پکانے کا ہوش نہ رہے۔ ہاں اگر انہیں خود بھی اپنے عزیز کے مرنے کا اس قدر صدمہ اور اہتمام نہ ہو تو ان کو کھانا پکوا کر بھجوانا ضروری نہیں۔
- دراصل اس حدیث میں ایک مسلمان معاشرے کی ایک نہایت اہم بنیاد کو ذکر کیا گیا ہے اور وہ ہے خوشی غمی میں ایک دوسرے کی ہمدردی و غم خواری اور ایک دوسرے کا تعاون۔

قبروں کی زیارت کرنے کے آداب

582- وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُهُمْ إِذَا خَرَجُوْا إِلَى الْمَقَابِرِ أَنْ يَقُوْلُوْا: ((السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ، نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

سلیمان بن بریدہ اپنے والد ماجد (حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ) سے بیان کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب قبرستان جاتے تھے تو نبی کریم ﷺ انہیں یہ دعا پڑھنے کی تعلیم فرمایا کرتے تھے: ((اَلسَّلَامُ عَلَى أَهْلِ الدِّيَارِ .... وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ.)) ''تم پر سلام ہو، ان گھر والو! مومنوں میں سے اور مسلمانوں میں سے اور ہم ان شاء اللہ تم سے آ ملنے والے ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے عافیت مانگتے ہیں۔'' ❶ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... **اِذَا خَرَجُوْا:** ترکیب کے اعتبار سے اس میں دو احتمال ہیں:

(1) ایک یہ کہ یہ اِذَا شرطیہ ہو تب پھر تقدیر عبارت یوں ہو گی: كَانَ يُعَلِّمُهُمْ اَنْ يَقُوْلُوْا اِذَا خَرَجُوْا. تب پھر

❶ صحیح مسلم: 975.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِذَا خَرَجُوْا شرط مؤخر اور کَانَ یُعَلِّمُهُمْ جزائے مقدم ہوگی اور مذکورہ اِذَا فعل یُعَلِّمُهُمْ کے متعلق نہ ہوگا۔

(2) دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ اِذَا فعل یُعَلِّمُهُمْ کے متعلق ہو، تب پھر یہ شرط کے معنی میں نہ ہوگا بلکہ حِیْنَ ظرف کے معنی میں ہوگا اور تقدیری عبارت یوں ہوگی: کَانَ یُعَلِّمُهُمْ حِیْنَ یَخْرُجُوْنَ مَعَهٗ اِلَی الْمَقَابِرِ اَنْ یَقُوْلُوْا۔ یعنی حِیْنَ اپنے مابعد کے ساتھ مل کر یُعَلِّمُهُمْ کا ظرف جبکہ اَنْ یَقُوْلُوْا یہ یُعَلِّمُهُمْ کا مفعول بہ ہوگا اور مابعد کا جملہ دعائیہ قول کا مقولہ ہوگا۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ: یہ جملہ خبریہ دعائیہ ہے اور السلام کا مطلب ہے ہر آفت سے سلامتی جس میں عذاب قبر سے سلامتی بھی داخل ہے۔

اَهْلَ الدِّیَارِ: اَهْلَ یہ حرف ندا محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اور اَهْلَ الدِّیَار یہ منادی ہے۔ یہ ندا منادی مل کر جملہ ندائیہ ہوا اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یہ جواب ندا ہے۔

اَلدِّیَارِ: یہ دار کی جمع ہے دیار یہ محل اقامت کو کہتے ہیں۔ پس دنیا والوں کے رہنے کے مکانات قصور جبکہ مر جانے والوں کے جائے اقامت قبور ہیں۔

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُسْلِمِیْنَ: یہ مِنْ بیانیہ ہے اور یہ اَهْل کا بیان ہے نا کہ الدِّیَار کا اور مُسْلِمِیْنَ کا مُؤْمِنِیْنَ پر عطف تغایر کا فائدہ دے رہا ہے۔

وَ اِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی بِکُمْ لَاحِقُوْنَ: بِکُمْ یہ لَاحِقُوْنَ کے متعلق ہو کر اِنَّ کی خبر ہے اور نَا ضمیر منصوب متصل اِنَّ کا اسم ہے جبکہ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ یہ اِنَّ کے اسم اور خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور یہ جاملنا ایمان اور اسلام پر ہے نا کہ دنیا چھوڑنے کے اعتبار سے ہے۔

اَلْعَافِیَةَ: اس سے بدن وقلب اور روح وجسد سب کی، ہر قسم کے اسقام وآفات سے عافیت مراد ہے۔ اسی طرح یہ عافیت دنیاوی مصائب، قبر کے عذاب اور فتنہ اور آخرت کی سختی اور جہنم کے عذاب سے بھی عافیت کو شامل ہے اور یہ سوال سوالِ استجداء (یعنی عطیہ اور بخشش مانگنے کا سوال) ہے۔

مضمونِ حدیث:...... مذکورہ حدیث میں قبرستان جانے کے مندرجہ ذیل آداب مذکور ہیں:

(1) اہل قبر کو سلام کیا جائے۔ (2) ان کے لیے مسنون دعا اور عافیت مانگی جائے۔

(3) اور اس بات کا بھی استحضار کیا جائے کہ عنقریب ہم بھی انہی قبروں میں زمین کے نیچے پڑے ہوں گے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ اپنے اصحاب کی تعلیم وتربیت کا بے حد اہتمام فرمایا کرتے تھے اور آپ ﷺ امت کی بے حد خیر خواہی فرماتے تھے۔
- یہ دعا قبرستان پہنچ کر پڑھی جائے نہ کہ گھر سے قبرستان کے ارادے سے نکلتے وقت یا راستے میں پڑھی جائے۔
- معلوم ہوا کہ قبریں دیار یعنی رہنے کی جگہیں ہیں اور یہ وہ ٹھکانے ہیں جہاں آخر کار ہر زندہ نے جا پہنچنا ہے۔
- اسلام اور ایمان میں جو فرق ہے وہ واضح ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ معلوم ہوا کہ جہاں اسلامی حکومت ہو وہ دار الاسلام ہے چاہے اس میں کافر بھی رہتے ہوں اور چاہے وہ کثرت کے ساتھ بھی ہوں۔ ◈ ہر زندہ بالآخر مرے گا۔

◈ معلوم ہوا کہ مرنے والوں میں سے بعض کا ایمان اور عمل کامل اور بعض کا ناقص ہوتا ہے اس کی دلیل مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُسْلِمِيْنَ کے الفاظ ہیں۔

◈ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ کی بابت متعدد اقوال ہیں:

(1) ایک یہ کہ یہ رب تعالیٰ کے اس ارشاد کی پیروی میں ہے:

﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ (الکھف: 23-24)

''اور کسی چیز کے بارے میں ہرگز نہ کہہ کہ میں یہ کام کل ضرور کرنے والا ہوں۔ مگر یہ کہ اللہ چاہے۔''

(2) ایک قول یہ ہے کہ یہ بطور تبرک کے کہا گیا ہے۔ لیکن یہ قول محل نظر ہے کیونکہ صرف تبرک کے طور پر کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔

(3) اور ایک قول یہ ہے کہ یہ حال یا مکان کی بنا پر بطور تعلیق کہا گیا ہے۔ یعنی تم لوگ ایمان اور اسلام پر مرے ہو تو میں بھی ان شاء اللہ ایمان اور اسلام پر ہی مروں گا۔

◈ اہل قبور کے لیے دعا مانگنا مشروع ہے۔

◈ اہل قبور کو مخاطب کر کے کلام کرنا جائز ہے۔ اس کی دلیل ''السلام علیکم'' کے الفاظ ہیں۔

◈ مناسب ہے کہ اپنے کاموں کو رب تعالیٰ کی مشیت کے سپرد کر کے سرانجام دیا جائے۔

◈ خود اپنے لیے پہلے دعا مانگنا مشروع ہے جس کی دلیل نَسْئَلُ اللّٰهَ لَنَا وَ لَكُمْ کے الفاظ ہیں کہ ان میں پہلے اپنے لیے دعا ہے پھر دوسروں کے لیے ہے۔

◈ دعا میں اقتصار جائز ہے۔ یاد رہے کہ اختصار اور اقتصار میں یہ فرق ہے کہ اختصار یہ الفاظ کے کم ہونے اور معانی کے شمول کو کہتے ہیں جبکہ اقتصار یہ بعض معانی پر بس کر دینے اور بعض معانی کے حذف کر دینے کو کہتے ہیں۔ جیسے یہ کہنا کہ ''اے اللہ! میرے چھوٹے بڑے، ظاہری خفیہ ہر قسم کے گناہ معاف کر دے۔'' تو یہ بسط و تفصیل ہے، اس کی جگہ یہ کہنا کہ ''اے اللہ! میرے گناہ معاف کر دے۔'' یہ اختصار ہے کہ الفاظ کی قلت کے باوجود شمول باقی ہے۔ جبکہ یہ کہنا کہ ''اے اللہ سب مسلمانوں کے گناہ معاف کر دے۔'' یہ بسط ہے اور اس کی بجائے یہ کہنا کہ ''اے اللہ! میرے اور میرے بھائی کے گناہ معاف کر دے۔'' یہ اقتصار ہے کہ اس میں بعض معانی کا حذف ہے۔

◈ نبی کریم ﷺ دوسرے بندوں کی طرح رب تعالیٰ سے عافیت کے محتاج ہیں۔

◈ رہی قبروں کی زیارت کی مشروعیت تو وہ سابقہ حدیث سے ثابت ہے نا کہ اس حدیث سے۔

583۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِقُبُوْرِ الْمَدِيْنَةِ ، فَأَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهِ فَقَالَ: ((السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ! يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ، أَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْأَثَرِ)).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ (ایک دفعہ) نبی کریم ﷺ مدینہ نبویہ کی (چند) قبروں کے پاس سے گزرے تو رخ انور کو قبر والوں کی طرف متوجہ کر کے ارشاد فرمایا: ((السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ ...... وَنَحْنُ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِالْأَثَرِ .)) ''اے قبر والو! السلام علیکم! اللہ ہماری اور تمہاری بخشش کرے، تم ہم سے آگے جانے والے ہو اور ہم تمہارے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔'' ❶

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ، وَقَالَ : حَسَنٌ .

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کر کے اسے حسن کہا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ قبرستان کے پاس سے گزرنے والے کے لیے یہ دعا مانگنا مشروع ہے چاہے اس کا ارادہ زیارتِ قبور کا نہ بھی ہو۔

◈ اس دعا کے پڑھتے وقت اہل قبور کی طرف منہ کرنا مسنون ہے۔

◈ معلوم ہوا کہ قبرستان جا کر زیارتِ قبور کی بابت متعدد دعائیں مروی ہیں۔ لہٰذا آدمی کو اختیار ہوگا کہ وہ ان میں سے جو چاہے دعا پڑھے۔

◈ آدمی کو چاہیے کہ خود کو اپنی اصل منزل قبر اور آخرت کے لیے تیار کرے۔

مردوں کو برا بھلا کہنے کی ممانعت کا بیان

584,585- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ ، فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوا)) .

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ عَنِ الْمُغِيرَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نَحْوَهُ ، لٰكِنْ قَالَ : ((فَتُؤْذُوا الْأَحْيَاءَ)) .

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''مرنے والوں کو برا بھلا مت کہو کیونکہ انہوں نے جو کچھ آگے بھیجا تھا وہ اس کو پہنچ چکے ہیں۔'' ❷

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

ایسی ہی ایک حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے لیکن اس میں یہ ارشاد ہے کہ ''اس سے تم زندوں کو تکلیف دو گے۔'' ❸

غریب الحدیث:...... **لَا تَسُبُّوا**: اَلسَّبُّ: کسی کے عیب کے ذکر کرنے کو کہتے ہیں۔ پس اگر تو یہ عیب بیانی کسی کے منہ پر ہو تو سب ہے اور اگر پیٹھ پیچھے ہو تو غیبت ہے اور اگر خلاف واقع ہو تو تہمت ہے۔

اَلْاَمْوَاتِ: اب چونکہ یہ سب و شتم مُردوں کو ہے جو غیر موجود ہیں لہٰذا سب اموات غیبت کے زمرہ میں داخل ہوگی۔ اَلْاَمْوَات پر داخل الف لام عہد کا ہے جو عموم کا فائدہ دے رہا ہے۔ لہٰذا یہ مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے مردوں کو شامل ہوگا۔ چنانچہ کافر کو بھی اس کے مرنے کے پیچھے گالی نہ دینی چاہیے۔

فَاِنَّهُمْ اَفْضَوْا اِلٰى مَا قَدَّمُوْا: یہ مذکورہ حکم کی علت کا بیان ہے۔ لہٰذا مذکورہ ''فا'' تعلیلیہ ہوگی۔ مراد اپنے آگے بھیج

---

❶ جامع الترمذي: 1053- یہ حدیث قابوس بن ابی ظبیان کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔

❷ صحيح البخاري: 1393 .

❸ جامع الترمذي: 1982- مسند احمد: 252/4- امام ابن حبان (3022) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اس حدیث میں حضرات محدثین کا اختلاف ہے جسے امام دارقطنی نے "العلل" (126/7) میں ذکر کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے اچھے یا برے عمل تک پہنچنا ہے اور یہ ممانعت اس لیے ہے کہ اب ان مردوں کو گالی دینا بے سود ہے۔ کیونکہ وہ اپنے اچھے یا برے انجام کو پہنچ چکے ہیں۔ لہٰذا اگر تو ان کا انجام نیک ہے تو یہ گالی ان تک پہنچنے والی نہیں اور وہ ہماری گالی سے ورے ہیں اور اگر وہ برے انجام کو پہنچے ہیں تو ہمارا گالی دینا بے فائدہ ہے۔

فَتُؤْذُوا الْأَحْيَاءَ: یہ سبِ اموات کی ممانعت کی دوسری علت کا بیان ہے۔

مضمون حدیث: ......اس حدیث میں مر جانے والوں کو برا بھلا کہنے کی ممانعت کا بیان ہے کہ ایک تو یہ کام بذاتِ خود عبث اور بے کار ہے دوسرے اس سے ان کے زندہ قرابت داروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ بظاہر یہ ممانعت مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے مر جانے والوں کو شامل ہے۔ لیکن بعض علماء نے یہ ممانعت خاص مسلمانوں کے مُردوں کے حق میں قرار دی ہے۔ لہٰذا کافروں کے مُردوں کو سب و شتم کرنا جائز ہو گا۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ابولہب کو لعنت کرنے کا ذکر ہے۔ ❶ اب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے چچا پر لعنت کر رہے ہیں اور جنابِ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فعل ایسے امور میں حجت ہے۔ پس کافر کو گالی دینا جائز ہوا کیونکہ اس کی ایسی عزت نہیں جس کی حرمت بھی ہو۔ البتہ پھر بھی حدیث کا ظاہر اس کے جواز کا انکار ہی کرتا ہے۔ ہاں ان وجوہات سے مردہ کافر پر لعنت جائز ہے:

⊙ ......تاکہ لوگوں کے اس کے شدید کفر سے ڈرایا اور بچایا جائے۔

⊙ ......یا غرض اس کا حال بیان کرنا ہو۔ کیونکہ اب مقصود زندوں کی خیر خواہی ہے۔

⊙ ......اور یہ کہ دفن سے قبل کافر کو برا بھلا کہنے کا جواز ہے۔

◈ جنابِ رسول اللہ ﷺ حکم کو علت کے ساتھ ملا کر ذکر فرماتے تھے جو آپ ﷺ کی حسن تعلیم کی دلیل ہے۔

الحمد للہ کتاب الجنائز تمام ہوئی۔

❶ صحیح البخاری: 1394

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4

كِتَابُ الزَّكٰوةِ

زکوٰۃ کے احکام و مسائل کا بیان

تمہید:... حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ نماز کے بیان کے بعد زکوۃ کا بیان کیا کرتے ہیں کیونکہ نماز کے بعد سب سے زیادہ موکد رکن اسلام زکوۃ ہی ہے۔

زکوۃ کا مفہوم

زکوۃ کا لغوی معنی:......لغت میں زکوۃ کسی چیز کی نشوونما اور اس کے بڑھنے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ جب کھیتی بڑی ہو کر لہلہانے لگتی ہے تو عرب کہتے ہیں: زَكَى الزَّرْعُ . ''کھیتی نے نشوونما پائی اور وہ بڑھی۔''

زکوۃ کا شرعی و اصطلاحی معنی:...... یہ رب تعالیٰ کی عبادت کی غرض سے معین مال میں سے ایک شرعاً معین حصہ کو ایک معین جہت میں خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔

زکوۃ کا فائدہ

زکوۃ ادا کرنے کا فائدہ بالکل ظاہر ہے۔ چنانچہ زکوۃ کا اجر زکوۃ دینے والے کو بھی ملتا ہے اور لینے والے کو بھی ملتا ہے۔ دینے والے کو جو فائدہ حاصل ہوتا ہے اس کا ذکر اس ارشاد باری تعالیٰ میں ہے:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ (التوبۃ: 103)

''ان کے مالوں سے صدقہ لے، اس کے ساتھ تو انھیں پاک کرے گا اور انھیں صاف کرے گا۔''

پس زکوۃ دینے سے آدمی کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور اسے ظاہری و باطنی تزکیہ و تطہیر ملتی ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ''صدقہ خطا کو ایسے مٹا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔'' [1]

پھر رب تعالیٰ اس مال میں بے پناہ برکت عطا فرماتے ہیں جس کی زکوۃ ادا کر دی جاتی ہے۔ جبکہ زکوۃ ادا نہ کرنے سے بسا اوقات وہ مال دنیا میں ہی ہلاکت و فنا کی نذر ہو جاتا ہے۔ پھر مال ایک محبوب شے ہے جسے رب تعالیٰ کے نام پر دینے سے

[1] جامع الترمذی: 2616۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ السنن الکبری للنسائی: 11394.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آدمی کو ایمان کا کمال ملتا ہے اور رہا لینے والے کو فائدہ تو وہ بدیہی ہے۔ بلاشبہ زکوٰۃ کا نظام ایک مسلم معاشرے کی اخلاقی، اقتصادی اور روحانی صلاح وفلاح کا قوی ذریعہ ہے۔

زکوٰۃ کی فرضیت

زکوٰۃ کب فرض ہوئی، مکہ مکرمہ میں یا مدینہ نبویہ میں؟ تو اکثر علماء کا قول ہے کہ زکوٰۃ سنہ 2 ہجری میں روزوں کی فرضیت کے بعد مدینہ نبویہ میں فرض ہوئی تھی۔ ایک قول مکہ میں زکوٰۃ فرض ہونے کا بھی ہے جبکہ ایک قول نو ہجری میں زکوٰۃ فرض ہونے کا بھی ہے۔ لیکن تحقیقی قول یہ ہے کہ زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں ہی فرض ہوگئی تھی البتہ اس کے اصول اور انصاب کی تفصیل مدینہ نبویہ میں فرض ہوئی تھی۔ چنانچہ سورۂ انعام میں جو کہ مکی سورت ہے، رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ (الانعام: 141)

''اور اس کا حق اس کی کٹائی کے دن ادا کرو۔''

غرض زکوٰۃ فرض تو مکہ میں ہوئی البتہ اس کے تفصیلی احکام مدینہ نبویہ میں بیان کیے گئے۔ رہا نو ہجری میں زکوٰۃ کی فرضیت کا قول تو وہ غیر صحیح ہے۔ ہاں نو ہجری میں زکوٰۃ کا تیسرا مرحلہ ضرور طے ہوا تھا اور وہ تھا عاملین زکوٰۃ کو سونا چاندی، جانوروں اور پھلوں وغیرہ کی زکوٰۃ اکٹھا کرنے کے لیے روانہ کرنا۔

زکوٰۃ کا حکم

زکوٰۃ کتاب وسنت کی نص اور امت کے اجماع سے فرض ہے۔ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو زکوٰۃ کے فرض ہونے کو جانتا ہو اور پھر بھی اس کا انکار کرے تو وہ کافر ہے۔ کیونکہ وہ اس صورت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کرنے والا بن جاتا ہے جو صریح کفر ہے۔ اور جو جانتا ہو اور نومسلم ہو، وہ جاننے کے بعد بھی اگر اس کے انکار پر اڑا رہے تو وہ بھی کافر شمار ہوگا۔ البتہ جو اس کی فرضیت کا قائل ہونے کے باوجود محض نفس کے غلبہ اور لاپرواہی کی وجہ سے اسے ادا نہ کرتا ہو، تو بعض علماء نے جن میں امام احمد رحمہ اللہ بھی ہیں، ایسے شخص کو بھی کافر کہا ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ اسلام کا ایک رکن ہے اور ایسے شخص کو تارکِ صلوٰۃ کے ملحق کیا جائے گا۔ البتہ جمہور علماء کے نزدیک ایسا شخص کافر تو نہیں البتہ سخت کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے۔

قہراً زکوٰۃ لینے کا حکم

رہا یہ سوال کہ جو سستی اور غفلت کی وجہ سے زکوٰۃ نہ دے تو کیا اس سے زکوٰۃ زبردستی وصول کی جاسکتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں! ایسے آدمی سے زکوٰۃ زبردستی وصول کی جائے گی۔ البتہ ایسی صورت میں بھی جو رب کا حکم سمجھ کر زکوٰۃ ادا کرے گا وہ عنداللہ بھی بری ہو جائے گا اور جو اسے تاوان سمجھ کر دے گا تو وہ عنداللہ بری نہ ٹھہرے گا۔

(اب ذیل میں سب سے پہلے زکوٰۃ کی فرضیت کی حدیث ملاحظہ کیجیے!)

زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے

586۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما: أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا رضی اللہ عنہ إِلَى الْيَمَنِ۔ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ۔ وَفِيْهِ: ((أَنَّ اللّٰهَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِيْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن (کا عامل بنا کر) بھیجا...... آگے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما طویل حدیث ذکر فرماتے ہیں جس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَمْوَالِهِمْ، تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ ، فَتُرَدُّ فِي ، فُقَرَائِهِمْ)).

میں یہ ہے کہ (نبی کریم ﷺ نے انہیں وصیت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:) ''بے شک رب تعالیٰ نے ان پر ان کے مالوں میں زکوٰۃ کو فرض کیا ہے جو ان کے مال داروں سے لی جائے گی اور ان کے فقیروں میں لوٹا دی جائے گی۔'' ❶

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ .

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ الفاظ صحیح بخاری کی روایت کے ہیں۔

غریب الحدیث :...... **بَعَثَ** : یعنی بھیجا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجے جانے کا یہ قصہ نبی کریم ﷺ کی وفات سے ایک سال قبل ربیع الاول سنہ 10 ہجری کا ہے جب انہیں داعی، معلم اور عامل وحاکم بنا کر یمن بھیجا گیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں اہل یمن کو دین کی دعوت دینے، ان کی دینی تعلیم وتربیت کرنے اور ان کے درمیان اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے کرنے کے لیے بھیجا تھا۔

فَذَكَرَ الْحَدِيثَ : یعنی یہ ایک طویل حدیث ہے جو متعدد اہم مطالب ومعانی پر مشتمل ہے۔ جن میں سے ایک میں زکوٰۃ کی فرضیت کا بھی بیان ہے۔

صَدَقَةً : مراد فرض زکوٰۃ ہے نہ کہ نفلی صدقہ۔ کیونکہ قَدِ افْتَرَضَ کی تعبیر نفلی صدقہ کے لیے نہیں ہوتی اور زکوٰۃ کو بھی صدقہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ مالِ زکوٰۃ دینے والے کے صدقِ ایمان کی دلیل ہوتا ہے۔ یہی ایمان ہی تو ہے کہ جس کی وجہ سے اس کے لیے اپنی محبوب ترین چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

تُؤْخَذُ : یہ فعل مجہول کا صیغہ ہے۔ لہٰذا اس کو وصول کرنے والا یا تو خود امام ہوگا یا پھر اس کا مقرر کردہ عامل زکوٰۃ۔

مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ : ''اغنیاء'' غنی کی جمع ہے۔ غنی اسے کہتے ہیں جس کے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے اس قدر مال ہو جو اسے دوسرے سے مستغنی کر دے۔ غنی کا اصل مطلب تو یہی ہے لیکن زکوٰۃ کے باب میں غنی سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے سال بھر کی ضروریات کا خرچ موجود ہو۔ لہٰذا یہاں غنی سے مراد وہ ہے جس کے پاس زکوٰۃ کا نصاب موجود ہو جس کی تفصیل آگے آ جاتی ہے۔ اور اَغْنِيَائِهِمْ میں اضافت اضافت جنس ہے نہ کہ اضافت قوم، لہٰذا اس سے اَغْنِيَاءُ الْمُسْلِمِيْنَ کا عموم مراد ہوگا نہ کہ صرف یمن کے اغنیاء ہی مراد ہوں گے۔ لہٰذا زکوٰۃ سب اغنیاء سے لی جائے گی۔

فَتُرَدُّ فِي فُقَرَائِهِمْ : تب پھر فقراء میں بھی عموم مراد ہوگا اور تُرَدُّ سے مراد لوٹانا ہے اور یہاں رَدّ کو فِیْ کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے نہ کہ اِلٰی کے ساتھ کیونکہ فِیْ میں ظرفیت کا معنی ہے جو وصول کے معنی میں ابلغ ہے۔ لہٰذا فِی بہ نسبت اِلٰی کے وصولِ زکوٰۃ کے معنی پر دلالت کرنے میں ابلغ ہے اور فُقَرَاء، فَقِيْرٌ کی جمع ہے۔ فقیر کی تفسیر میں علماء کا قول یہ ہے کہ فقر ایک نسبتی امر ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس اپنے اہل وعیال کے لیے سال بھر کا خرچ نہ ہو۔ چونکہ زکوٰۃ بھی سال گزرنے پر واجب ہوتی ہے اسی لیے فقر کے اثبات میں بھی سال بھر کا اعتبار کیا گیا ہے۔ یہاں بھی فُقَرَاءِهِمْ کی اضافت اضافت جنس ہے۔ گو راجح قول یہی ہے لیکن اس کے باوجود علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ چنانچہ ایک قول یہ ہے کہ جہاں کے اغنیاء سے زکوٰۃ لی گئی ہے، اسے تقسیم بھی وہیں کے فقراء میں کیا جائے گا۔ البتہ اگر وہاں کوئی مستحق زکوٰۃ نہ ملے تو زکوٰۃ

❶ صحيح البخاري: 1395- صحيح مسلم: 19.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے علاقہ کے فقراء کو دی جا سکتی ہے۔لیکن راجح قول کے مطابق ایک شہر کی زکوۃ کو دوسرے شہر منتقل کیا جا سکتا ہے۔

مضمون حدیث: ......امام موصوف نے کتاب الزکوۃ کو اس حدیث سے شروع کیا ہے جس میں یہ اصولی مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ زکوۃ فرض اور ارکان اسلام میں سے ہے۔اس کے بعد دو اہم مسائل بیان کیے گئے ہیں:

(1) زکوۃ مال داروں پر فرض ہے۔ مال دار سے کیا مراد ہے اس کی تفصیل آگے آتی جائے گی۔

(2) زکوۃ کو تنگ دستوں اور ناداروں میں تقسیم کیا جائے گا۔

اور ساتھ ہی یہ مسئلہ بھی مذکور ہے کہ راجح قول کے مطابق ایک شہر کی زکوۃ وہیں کے لوگوں میں تقسیم کی جائے گی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- داعیانِ اسلام کا بلاد وامصار میں بھیجنا مشروع ہے جس کی دلیل بَعَثَ مُعَاذًا کے الفاظ ہیں۔البتہ مسلمانوں پر تبلیغ دین فرضِ کفایہ ہے۔لہٰذا اولیانِ امر پر اشاعتِ اسلام کے لیے داعیوں کو بھیجنا واجب ہوگا۔
- معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ ﷺ اشاعت اسلام کے بے حد حریص تھے۔
- دعوت اسلام میں تدریج لازم ہے لہٰذا پہلے اہم ترین کو پھر اس کے بعد کے اہم امر کو لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے گا۔
- معلوم ہوا کہ شہادتین کے بعد سب سے موکد حکم نماز کا ہے۔زکوۃ کی تاکید نماز کے بعد ہے۔
- معلوم ہوا کہ زکوۃ فرض ہے جس کی دلیل اِفْتَرَضَ کے الفاظ ہیں۔
- اِنَّ اللّٰهَ قَدِ افْتَرَضَ کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ احکام کی تشریع اور فرضیت خالص رب تعالیٰ کی ذات کے سپرد ہے۔
- زکوۃ پر لفظ صدقہ کا اطلاق بھی جائز ہے۔جیسا کہ اس حدیث میں زکوۃ کو صدقہ کہہ کر پکارا گیا ہے۔
- معلوم ہوا کہ زکوۃ مال میں واجب ہے جس کی دلیل فِیْ اَمْوَالِهِمْ کے الفاظ ہیں جس کی تفصیل آگے آ جاتی ہے۔
- یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرض زکوۃ کے واجب ہونے کو مطلق منع نہیں کرتا کیونکہ زکوۃ مال میں فرض ہے جبکہ قرض مال میں واجب نہیں ہوتا بلکہ یہ آدمی کے ذمہ ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مال کے تلف ہونے کی صورت میں زکوۃ تو ساقط ہو جاتی ہے لیکن قرض ساقط نہیں ہوتا۔پس قرض ذمہ میں واجب ہوتا ہے جبکہ زکوۃ مال میں واجب ہوتی ہے۔لہٰذا دین زکوۃ کے فرض ہونے میں مانع نہیں۔اس مسئلہ کی مزید تفصیل فوائد کے بعد رقم کی جاتی ہے۔

- معلوم ہوا کہ عامل، والی اور حاکم کے لیے اغنیاء سے زکوۃ لینا جائز ہے۔گو غنی خود بھی ادا کر سکتا ہے۔
- زکوۃ کو دوسرے شہر کے فقراء تک منتقل کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔راجح قول تو یہی ہے کہ ایک شہر کی زکوۃ دوسرے شہر منتقل نہ کی جائے۔لیکن ضرورت کے وقت ایسا کرنا جائز بھی ہے۔اس اختلاف کا مبنی فُقَرَاءِ هِمْ میں اضافت کی قسم کی تعیین میں ہے۔پس جن کے نزدیک یہ ''اضافت قوم'' ہے ان کے نزدیک مالِ زکوۃ کا انتقال جائز نہیں اور جن کے نزدیک یہ اضافت جنس ہے اور فقراء سے مراد فقراء مسلمین ہیں ان کے نزدیک زکوۃ کا انتقال جائز ہے۔
- معلوم ہوا کہ زکوۃ کو اس کے مصارف ثمانیہ میں سے صرف ایک مصرف اور صنف میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔جیسا کہ یہاں صرف فقراء کا ذکر ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرض وجوب زکوٰۃ میں مانع نہیں

اس مسئلہ کی تمہید کو فوائد کے تحت بیان کر دیا گیا ہے۔ علماء کے اس باب میں تین اقوال ہیں:

(1) پہلا قول [1] یہ ہے کہ جس کے ذمہ ایسا دَین ہو جو مالِ نصاب کو کم کر دیتا ہو، اس کے ذمہ کوئی زکوٰۃ نہیں چاہے وہ زکوٰۃ اموالِ ظاہرہ میں واجب ہوتی ہو اور چاہے اموالِ باطنہ میں۔ یہ حنابلہ کا مشہور مذہب ہے۔

(2) دوسرا قول یہ ہے کہ زکوٰۃ مال میں ہر حال میں واجب ہے چاہے وہ مال ظاہر ہو یا باطن اور چاہے آدمی مقروض ہی ہو۔ یہ قول راجح ہے کیونکہ دلائل شرعیہ اسی قول کے مؤید نظر آتے ہیں۔

(3) تیسرا قول یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تفصیل ہے، وہ یہ کہ اگر تو زکوٰۃ اموالِ ظاہری میں واجب ہے تو دَین اس میں مانع نہیں اور اگر زکوٰۃ اموالِ باطنہ میں واجب ہے تو دَین اس میں مانع ہے۔ [2]

ضروری ہے کہ اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کی تفصیل وتعریف بھی ذکر کر دی جائے، جو مندرجہ ذیل ہے:

اموالِ باطنہ: ...... یہ ان اموال کو کہتے ہیں جو تجوریوں اور دفینوں میں محفوظ کر کے رکھا جاتا ہے جن کو ہر ایک نہیں دیکھ سکتا جیسے درہم، دینار، سونا چاندی، روپیہ پیسہ، زیورات وغیرہ۔

اموالِ ظاہرہ: ...... یہ ان اموال کو کہتے ہیں جو چھپائے نہیں چھپ سکتے، وہ سب پر عیاں ہوتے ہیں اور خواہ نہ خواہ سب ان کو دیکھ سکتے ہیں جیسے مال مویشی، غلے، میوے، کھیتیاں، باغات اور بساتین وغیرہ۔

مذکورہ تینوں اقوال کے دلائل اپنے مقام پر شرح وبسط کے ساتھ مذکور ہیں البتہ راجح قول دوسرا ہی ہے۔

چوپایوں کی زکوٰۃ

587۔ وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيْقَ رضی اللہ عنہ كَتَبَ لَهُ: هٰذِهِ فَرِيْضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِيْ فَرَضَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ وَالَّتِيْ أَمَرَ اللّٰهُ بِهَا رَسُوْلَهُ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے (اپنی خلافت کے زمانہ میں) انہیں (چوپایوں کی زکوٰۃ کی بابت یہ دستاویز اور پروانہ) لکھ کر دیا کہ یہ (جانوروں کی زکوٰۃ کی بابت) وہ فرض صدقہ ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے اور جس کا اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے، (یہ) کہ

فِيْ كُلِّ أَرْبَعٍ وَعِشْرِيْنَ مِنَ الْإِبِلِ فَمَا دُوْنَهَا الْغَنَمُ:

⊙ [3] ہر چوبیس یا اس سے کم اونٹوں (کی زکوٰۃ) میں بکری دینا واجب ہے۔ (جس کی تفصیل یہ ہے کہ) ہر پانچ اونٹوں میں ایک بکری (دینا) واجب ہے۔

فِيْ كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ، فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَعِشْرِيْنَ إِلَى خَمْسٍ وَثَلَاثِيْنَ، فَفِيْهَا بِنْتُ مَخَاضٍ أُنْثَى، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ فَابْنُ لَبُوْنٍ ذَكَرٌ.

⊙ پس جب اونٹ پچیس ہو جائیں تو پینتیس تک میں ایک بنتِ مخاض مادہ آتی ہے اور اگر (زکوٰۃ میں ادا کرنے کے لیے) بنتِ مخاض نہ ہو تو ایک ابنِ لبون نر (واجب ہوتا) ہے

---

[1] دیکھیں: المبدع: 299/2۔ [2] دیکھیں: الدر المختار: 481/6۔

[3] بندہ عاجز مترجم نے طلباء کی سہولت کے لیے ہر ہر نصاب کو الگ الگ سطر میں لکھا ہے۔ (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَّثَلَاثِيْنَ إِلَى خَمْسٍ وَّأَرْبَعِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتُ لَبُونٍ أُنْثَى

⊙ اور جب یہ چھتیس ہو جائیں تو پینتالیس تک ایک بنت لبون مادہ (دینا) واجب ہے۔

فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَّأَرْبَعِيْنَ إِلَى سِتِّيْنَ ، فَفِيْهَا حِقَّةٌ طَرُوْقَةُ الْجَمَلِ ،

⊙ اور جب یہ چھیالیس ہو جائیں تو ساٹھ تک میں ایک حقہ (دینا) واجب ہے جونر اونٹ کی جفتی کے قابل ہوگئی ہو۔

فَإِذَا بَلَغَتْ وَاحِدَةً وَّسِتِّيْنَ إِلَى خَمْسٍ وَّسَبْعِيْنَ فَفِيْهَا جَذَعَةٌ ، فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَّسَبْعِيْنَ إِلَى تِسْعِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتَا لَبُوْنٍ ،

⊙ اور جب یہ اکسٹھ ہو جائیں تو پچھتر تک میں ایک جذعہ آتا ہے

⊙ اور جب یہ چھہتر ہو جائیں تو نوے تک میں دو بنت لبون (دینا) واجب ہیں

فَإِذَا بَلَغَتْ إِحْدَى وَتِسْعِيْنَ إِلَى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ ، فَفِيْهَا حِقَّتَانِ طَرُوْقَتَا الْجَمَلِ ،

⊙ اور جب یہ اکانوے ہو جائیں تو ایک سو بیس تک میں دو حقہ (دینا) واجب ہیں جونر اونٹ کی جفتی کے قابل ہوگئی ہوں۔

فَإِذَا زَادَتْ عَلَى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ ، فَفِي كُلِّ أَرْبَعِيْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ ، وَفِي كُلِّ خَمْسِيْنَ حِقَّةٌ ،

⊙ اور جب یہ ایک سو بیس سے زیادہ ہو جائیں تو (اگلے) ہر چالیس میں ایک بنت لبون اور ہر پچاس میں ایک حقہ (دینا) واجب ہے۔

وَمَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ إِلَّا أَرْبَعٌ مِنَ الْإِبِلِ فَلَيْسَ فِيْهَا صَدَقَةٌ إِلَّا أَنْ يَّشَاءَ رَبُّهَا . وَفِي صَدَقَةِ الْغَنَمِ ،

⊙ اور جس کے پاس صرف چار اونٹ ہوں تو ان میں کوئی زکوۃ (واجب) نہیں ہاں ان کا مالک (جو دینا) چاہے (وہ دے دے۔) (یہ تو اونٹوں میں زکوۃ کی تفصیل ہے۔ جبکہ بکریوں میں زکوۃ کی تفصیل یہ ہے):

فِي سَائِمَتِهَا: إِذَا كَانَتْ أَرْبَعِيْنَ إِلَى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ شَاةٌ ،

⊙ اور چرنے والے بکریوں میں (زکوۃ کے وجوب کی تفصیل یہ ہے) کہ جب بکریاں ایک سو بیس ہو جائیں تو (ان میں) ایک بکری (دینا واجب) ہے۔

فَإِذَا زَادَتْ عَلَى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ إِلَى مِائَتَيْنِ فَفِيْهَا شَاتَانِ ،

⊙ اور جب یہ ایک سو بیس سے زائد ہو جائیں تو دو سو تک میں دو بکریاں (دینا) واجب ہیں۔

فَإِذَا زَادَتْ عَلَى مِائَتَيْنِ إِلَى ثَلَاثِمِائَةٍ ، فَفِيْهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ ،

⊙ اور جب یہ دو سو سے زائد ہو جائیں تو تین سو تک میں تین بکریاں (دینا) واجب ہیں۔

فَإِذَا زَادَتْ عَلَى ثَلَاثِمِائَةٍ ، فَفِي كُلِّ مِائَةٍ ، شَاةٌ

⊙ اور جب یہ تین سو سے زیادہ ہو جائیں تو (اگلے) ہر سو میں ایک بکری (دینا) واجب ہے۔

فَإِذَا كَانَتْ سَائِمَةُ الرَّجُلِ نَاقِصَةً عَنْ أَرْبَعِيْنَ شَاةً ، شَاةً وَّاحِدَةً . فَلَيْسَ فِيْهَا صَدَقَةٌ ، إِلَّا أَنْ يَّشَاءَ رَبُّهَا ،

⊙ اور جب آدمی کی چرنے والی بکریوں کی تعداد چالیس سے ایک بکری بھی کم ہو تو ان میں کوئی زکوۃ (واجب) نہیں ہاں ان کا مالک جو (دینا) چاہے (وہ دے دے)۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ ،

⊙ اور زکوٰۃ کے (واجب ہو جانے کے) ڈر سے (دو) متفرق (نصابوں) کو یکجا نہ کیا جائے اور نہ (دو) جمع (نصابوں) کو متفرق کیا جائے۔

وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ ،

⊙ اور جو (مویشی) دو شریکوں کے ہوں (اور دونوں کے مویشی ملانے سے نصاب پورا ہوتا ہو اور اس پر زکوٰۃ آتی ہو تو وہ دونوں زکوٰۃ نکال دینے کے بعد) انصاف کے ساتھ ایک دوسرے پر رجوع کریں گے۔

وَلَا يُخْرَجُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ ، وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ ، وَلَا تَيْسٌ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْمُصَّدِّقُ ،

⊙ اور (بکریوں اور اونٹوں دونوں کی) زکوٰۃ میں بہت بوڑھی اور عیب والی بکری (جیسے لنگڑی، کانی اور دیوانی وغیرہ) اور نر بکرے کو نہ دیا جائے، ہاں اگر عامل زکوٰۃ (اس نر بکرے کو لینا) چاہے (تو یہ جائز ہے۔ یاد رہے کہ یہ استثنا صرف نر بکرے سے ہے جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے)۔

وَفِي الرِّقَةِ : فِي مِائَتَيْ دِرْهَمٍ ، رُبْعُ الْعُشْرِ ،

⊙ اور چاندی کے دو سو درہموں میں چالیسواں حصہ (زکوٰۃ دینا) واجب ہے (اور یہ دو سو دراہم ہونے کی صورت میں پانچ دراہم بنتے ہیں)۔

فَإِنْ لَمْ تَكُنْ إِلَّا تِسْعِينَ وَمِائَةً فَلَيْسَ فِيهَا صَدَقَةٌ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا ،

⊙ اور اگر اس کے پاس (چاندی کے صرف) ایک سو نوے دراہم ہی ہوں تو ان میں کوئی زکوٰۃ (واجب) نہیں ہاں جو دراہم کا مالک (دینا) چاہے (دے دے)۔

وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةُ الْجَذَعَةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ جَذَعَةٌ ، وَعِنْدَهُ حِقَّةٌ ، فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْحِقَّةُ ، وَيَجْعَلُ مَعَهَا شَاتَيْنِ إِنِ اسْتَيْسَرَتَا لَهُ ، أَوْ عِشْرِينَ دِرْهَمًا ،

⊙ اور جس کے پاس موجود اونٹوں کی زکوٰۃ ''جذعہ'' بنتی ہو، جبکہ اس کے پاس (دینے کو) جذعہ (تو) موجود نہ ہو ہاں (البتہ) اس کے پاس حقہ ہو (جو زکوٰۃ میں مطلوب واجب اونٹ کی عمر سے چھوٹی عمر کا ہوتا ہے) تو اس سے وہ حقہ ہی لے لیا جائے گا اور وہ اگر میسر ہوں تو ان کے ساتھ دو بکریاں دے گا یا (بکریاں نہ ہونے کی صورت میں اس حقہ کے ساتھ) بیس درہم (دے گا)۔

وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ الْحِقَّةِ ، وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ الْحِقَّةُ ، وَعِنْدَهُ الْجَذَعَةُ ، فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْجَذَعَةُ ، وَيُعْطِيهِ الْمُصَّدِّقُ عِشْرِينَ دِرْهَمًا أَوْ شَاتَيْنِ)) .

⊙ اور جس کے پاس موجود اونٹوں کی زکوٰۃ حقہ بنتی ہو جبکہ اس کے پاس (دینے کو) حقہ نہ ہو ہاں (البتہ) اس کے پاس جذعہ ہو (جو زکوٰۃ میں مطلوب اونٹ کی عمر سے بڑی عمر کا ہوتا ہے) تو اس سے وہی جذعہ لے لیا جائے گا اور عامل زکوٰۃ اسے بیس درہم یا دو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بکریاں (واپس) دے گا۔ [1]

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

قصۃ حدیث :...... جنابِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پہلے خلیفہ تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے عاملین کو لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ چنانچہ مذکورہ قصہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ہے جنہیں خلیفۂ رسول ﷺ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عاملِ زکوٰۃ بنا کر بحرین بھیجا تھا اور ساتھ ہی ایک دستاویز لکھ کر دی جس میں زکوٰۃ کے متعدد فرائض لکھے تھے، یہ وہی فرائض تھے جو نبی کریم ﷺ نے اللہ کے حکم سے لکھوائے تھے۔

(مذکورہ حدیث متعدد نہایت قیمتی مسائل کے ذکر پر مشتمل ہے۔ اس لیے بندہ عاجز غریب الحدیث کو ایک نوع کے مسائل کے تحت ذکر کرتا جائے گا۔ البتہ مسائل کے ذکر سے قبل چند تمہیدی باتوں کی لغوی تحقیق ذیل میں ملاحظہ ہو۔)

غریب الحدیث :...... **هٰذِهٖ فَرِيْضَةُ الصَّدَقَةِ**: هٰذِهٖ اسم اشارہ ہے جس کا مشارٌ الیہ بعد میں لکھوایا گیا فریضۂ زکوٰۃ کا پروانہ ہے اور فَرِيْضَةٌ بمعنی مَفْرُوْضَةٌ ہے۔ یعنی یہاں فَعِيْلٌ صیغۂ صفت اسم مفعول کے معنی میں ہے۔

فَرَضَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: یہ کلمات اس بات کی دلیل ہیں کہ مذکورہ حدیث مرفوع ہے۔

وَ الَّتِيْ اَمَرَ اللّٰهُ بِهَا رَسُوْلَهٗ ﷺ: مذکورہ واو عاطفہ ہے اور یہ عطف ''عطفِ صفات'' کے باب سے ہے۔ کیونکہ یہاں مذکورہ امر ایک ہی ہے اور وہ ہے ''فریضۂ زکوٰۃ''۔ جس کی پہلی صفت یہ ہے کہ اسے رسول اللہ ﷺ نے فرض فرمایا تھا اور عطف کے واسطہ سے اس کی دوسری صفت یہ مذکور ہے کہ اس فریضہ کا حکم جنابِ رسول اللہ ﷺ کو رب تعالیٰ نے دیا تھا، پس چونکہ یہ فریضہ رب تعالیٰ کے حکم سے تھا، اس لیے فرمایا: وَ الَّتِيْ اَمَرَ اللّٰهُ بِهَا رَسُوْلَهٗ. غرض عطف میں اصل تو یہ ہے کہ یہ اعیان میں ہو، لیکن عطف صفات میں بھی واقع ہوتا ہے اور ان الفاظ سے یہ بھی مستفاد ہوا کہ تشریع میں جنابِ رسول اللہ ﷺ مستقل نہیں ہیں بلکہ امر ونہی کرنے والی ذات رب تعالیٰ کی ہے۔

(اب ذیل میں ترتیب وار چوپایوں سے متعلق مسائلِ زکوٰۃ ملاحظہ کیجیے:)

اونٹوں کی زکوٰۃ

فِيْ كُلِّ: یہ جار مجرور خبر مقدم ہیں۔

الْغَنَمُ: یہ مبتدا موخر ہے۔

بِنْتُ مَخَاضٍ اُنْثٰى: اُنْثٰى ''بِنْتٌ'' کی تاکید ہے۔ مَخَاضٌ حاملہ اونٹنی کو کہتے ہیں (کیونکہ مَخَاض دردِ زِہ کو کہتے ہیں جو بوقت ولادت ہوتا ہے۔ پس مخاض سے مراد حاملہ اونٹنی ہے۔ اور بِنْتُ مَخَاضٍ اونٹنی کا وہ مادہ بچہ کہلائے گا جو ایک سال کا ہو کر دوسرے سال میں لگ گیا ہو۔ [2])

فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ: مذکورہ كَانَ تامہ ہے اور یہ لَمْ تُوْجَدْ کے معنی میں ہے۔

فَابْنُ لَبُوْنٍ ذَكَرٌ: ذَكَرٌ یہ اِبْنٌ کی تاکید ہے۔ ابن لبون اونٹنی کا وہ نر بچہ ہے جو دو سال کا ہو کر تیسرے سال میں لگ گیا ہو اور یہ نام اس لیے ہے کہ عموماً اس عرصہ میں اونٹنی دوسرا بچہ دے کر فارغ ہو چکی ہوتی ہے اور اس کا دودھ اترا ہوتا ہے اور بنت

---

[1] صحیح البخاري: 1454.
[2] دیکھیں: القاموس الوحید، ص: 1529-1530. (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

لبون اونٹنی کے دو سالہ مادہ بچے کو کہیں گے جو تیسرے سال میں لگ گیا ہو۔

حِقَّةٌ: یہ حِقٌّ کی مونث ہے۔ یہ اونٹنی کے اس بچہ کو کہتے ہیں جو تین سال کا ہو کر چوتھے سال میں لگ گیا ہو اور اسے حقہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اتنی عمر کا بچہ اب لدان، بار برداری اور سواری کے قابل ہو جاتا ہے۔ یہ تو مذکر کے اعتبار سے ہے۔ جبکہ مونث ہونے کے اعتبار سے اس کی صفت یہ ہے کہ وہ نر اونٹ کی جفتی کے قابل ہو گیا ہوتا ہے۔

طَرُوْقَة: یہ فَعُوْلَة کے وزن پر صفت کا صیغہ ہے جو مَفْعُوْلَة کے معنی میں ہے۔ یعنی اگر نر اونٹ جفتی کے ارادہ سے اس پر آنا چاہے تو اس کی جفتی کو برداشت کر سکے۔ پس اس سے کم عمر کا مادہ اونٹ جفتی کا متحمل نہیں ہوتا۔

جَذَعَةٌ: یہ اونٹ کے اس چار سالہ مادہ بچے کو کہتے ہیں جو پانچویں سال میں لگ گیا ہو۔

طَرُوْقَتَا الْجَمَلِ: یہاں تثنیہ کی نون اضافت کی وجہ سے گر گئی ہے۔

اِلَّا اَنْ يَشَآءَ رَبُّهَا: یہ استثنا منقطع کی مثال ہے۔ کیونکہ واجبات بندے کی مشیت کے سپرد نہیں ہوتے۔ لہٰذا اگر ہم اسے استثنا متصل قرار دیں (جس میں مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ دونوں کی جنس ایک ہوتی ہے) تو مطلب یہ بنے گا کہ "ان اونٹوں میں کوئی صدقہ نہیں مگر یہ کہ اگر مالک چاہے تو ان میں صدقہ واجب ہوگا۔ اور یہ درست نہیں۔ کیونکہ واجبات بندوں کی مشیت کے سپرد نہیں ہوتے۔ تب پھر مطلب یہ بنے گا کہ اگر اونٹوں کا مالک چاہے تو ان اونٹوں میں سے بھی صدقہ نکال دے جن میں صدقہ دینا واجب نہیں اور یہ استثنا منقطع کی مثال ہے۔

(کیونکہ مستثنیٰ منقطع میں مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ دونوں کی جنس ایک نہیں ہوتی۔) چنانچہ یہاں مستثنیٰ منہ چار اونٹ ہیں جن میں صدقہ واجب نہیں اور مستثنیٰ صدقہ دینا ہے لہٰذا دونوں کی جنس ایک نہ ہوئی۔ (اس لغوی نحوی اور صرفی تحقیق و تفصیل کے بعد اب اونٹوں میں زکوٰۃ کی تفصیل ترتیب وار ملاحظہ ہو)۔

⊙ ..... کم از کم جتنے اونٹوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ پانچ ہیں۔ لہٰذا پانچ سے کم اونٹوں میں کوئی زکوٰۃ نہیں۔ ہاں اگر ان کا مالک کچھ صدقہ دینا چاہے تو دے سکتا ہے اور عاملِ زکوٰۃ کے لیے اس کا لینا جائز ہوگا۔

⊙ ..... جب اونٹ پانچ ہو جائیں تو ان کی زکوٰۃ اونٹوں کی جنس سے نہیں بلکہ بکری سے دی جائے گی لہٰذا پانچ اونٹوں میں ایک بکری واجب ہوگی۔

⊙ ..... اونٹوں کی زکوٰۃ میں بکری دینے کا یہ وجوب چوبیس اونٹوں تک رہے گا۔ لہٰذا جب اونٹ پچیس ہو جائیں گے تو اب زکوٰۃ میں بکری نہیں بلکہ اونٹ کی ہی جنس سے ایک اونٹ دیا جائے گا جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

⊙ ..... چوبیس تک ہر پانچ اونٹوں میں ایک بکری واجب ہوگی۔ یوں چوبیس اونٹوں میں چار بکریاں آئیں گی۔

یعنی پانچ میں ایک..... دس میں دو..... پندرہ میں تین..... اور بیس میں چوبیس تک چار بکریاں واجب ہوں گی۔

⊙ ..... دو فریضوں کے مابین کی تعداد ماقبل کے فریضہ کے تابع ہوگی۔ لہٰذا چھ سے نو تک کے چار اونٹ پانچ کے تابع ہوں لہٰذا ان میں بھی ایک ہی بکری آئے گی۔ اسی طرح گیارہ سے چودہ تک کے چار اونٹ ماقبل کے تابع ہوں گے اور سولہ سے انیس تک کے اونٹ پندرہ کے اور اکیس سے چوبیس تک کے اونٹ بیس کے تابع ہوں گے۔

یاد رہے کہ دو فریضوں کے مابین کی اس تعداد کو جو ماقبل کے فریضہ کے تابع ہوتی ہے اسے "وقص" کہتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⊙ ...... اونٹوں کی تعداد جتنی بھی ہو اور ان میں چاہے بکری واجب ہو یا اونٹ، رہا یہ سوال کہ وہ اونٹ یا بکری کس قسم کی ہو تو جس نوعیت کے اونٹ ہوں گے اسی نوعیت کی بکری یا اونٹ زکوٰۃ میں دی جائے گی۔ چنانچہ اگر اونٹ عمدہ ہیں تو زکوٰۃ میں بکری اور اونٹ بھی عمدہ دیا جائے گا اور اگر اونٹ ردی نوعیت کے ہیں تو زکوٰۃ میں بکری اور اونٹ بھی ردی قسم کا دیا جائے گا نہ کہ عمدہ قسم کا لیا جائے گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ''(زکوٰۃ میں) لوگوں کے عمدہ (عمدہ) مالوں (کے لینے) سے بچو۔''

⊙ ...... جب اونٹ پچیس ہو جائیں تو ان میں ایک بنت مخاض واجب ہوگی۔ اگر دینے کو وہ نہ ہو تو ایک ابن لبون لیا جائے گا اور یہ فریضہ پینتیس اونٹوں تک رہے گا۔ یعنی چھبیس سے پینتیس تک کے دس اونٹ اسی فریضہ کے تابع رہیں گے۔ دوسرے لفظوں میں یہاں وقص کی تعداد دس اونٹ ہے۔

⊙ ...... جب اونٹ چھتیس ہو جائیں تو ان میں ایک بنت لبون واجب ہوتی ہے اور یہ فریضہ پینتالیس اونٹوں تک رہے گا اور یہاں وقص کی تعداد نو اونٹ ہے۔ اگرچہ ابن لبون اور بنت لبون دونوں عمر میں ایک ہیں لیکن ابن لبون کم تعداد کے اونٹوں میں اور بنت لبون زیادہ تعداد کے اونٹوں میں واجب ہوتی ہے کیونکہ جانوروں کے حق میں ذکورت ایک نقص ہے جبکہ انوثت ایک وصفِ زائد ہے۔ لہٰذا ناقص نصاب میں ناقص جانور اور زائد نصاب میں زائد وصف والا جانور واجب ہوگا۔

⊙ ...... اور جب اونٹ چھیالیس ہو جائیں تو ان میں ایک حقہ واجب ہوگا جو نر اونٹ کی جفتی اور سواری و بار برداری کے قابل ہو۔ یہ فریضہ ساٹھ انوٹوں تک رہے گا اور یہاں وقص کی تعداد چودہ اونٹ ہے۔

⊙ ...... اور جب اونٹ اکسٹھ ہو جائیں تو ان میں ایک جذعہ واجب ہوگا اور یہ فریضہ پچھتّر اونٹوں تک رہے گا۔ یہاں بھی وقص کی تعداد چودہ اونٹ ہے۔

⊙ ...... جب اونٹ چھہتر ہو جائیں تو ان میں دو بنت لبون آتے ہیں۔ یہ فریضہ نوے اونٹوں تک رہے گا۔ یہاں بھی وقص کی تعداد چودہ اونٹ ہے۔

⊙ ...... جب اونٹ اکانوے ہو جائیں تو ان میں دو حقہ واجب ہوتے ہیں جو سواری، بار برداری اور جفتی کے قابل ہوں۔ یہ فریضہ ایک سو بیس اونٹوں تک جاری رہتا ہے۔ یہاں وقص کی تعداد انتیس اونٹ ہے۔

⊙ ...... معلوم ہوا کہ فریضہ کے وجوب میں بنت مخاض متکرر نہ ہوگا، اسی طرح جذعہ بھی متکرر نہ ہوگا۔ ہاں بنت لبون اور حِقاق متکرر ہوں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ جس فریضہ کا تکرار ہوتا ہے وہ اوسط عمر کے ہیں کیونکہ بنتِ مخاض سب سے کم عمر کا فریضہ ہے اور جذعہ سب سے بڑی عمر کا فریضہ ہے جبکہ بنت لبون اور حقہ ان دونوں کے درمیان متوسط عمروں کے فریضے ہیں۔

⊙ ...... اب تک کے فرائض میں مفروض میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ پس جب اونٹ ایک سو اکیس ہو جائیں تو مفروض میں استقرار پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اونٹ ایک سو بیس سے زیادہ ہو جائیں تو اگلے ہر چالیس میں ایک بنت لبون اور ہر پچاس میں ایک حقہ واجب ہوگی۔ اب ذیل میں بکریوں کی زکوٰۃ کی تفصیل ملاحظہ ہو):

بکریوں کی زکوٰۃ

فِيْ صَدَقَةِ الْغَنَمِ: صدقہ سے مراد فرض زکوٰۃ ہے جیسا کہ گزشتہ میں بیان ہوا اور لفظ غنم بھیڑ، بکری اور دنبے سب کو شامل ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فِيْ سَائِمَتِهَا: یہ فِیْ صَدَقَةِ الْغَنَمِ سے بدل ہے اور یہ بدل کی چار اقسام میں سے بدل اشتمال ❶ ہے۔

سَائِمَةٌ ❷: وہ جانور جو چرے اور اسے چارہ نہ ڈالا جائے۔ اس میں سال بھر چرنے کی شرط نہیں کہ یہ نادر ہے کیونکہ خزاں کے موسم میں جانوروں کو بہرحال چارہ ڈالنا پڑتا ہے۔ لہٰذا مراد سال کے اکثر حصہ میں چرنا ہوگا۔ پس یہاں اکثر کے لیے کل کا حکم ہے۔ لہٰذا اگر نصف سال یا اس سے زیادہ ان بکریوں کو چارہ ڈالا جاتا رہا تو ان میں زکوٰۃ نہ آئے گی۔ پس چرنے کے اعتبار سے بکریوں کی کل چار قسمیں ہوئیں:

(1) پورا سال چرنے والی بکریاں۔ (2) سال کا بعض حصہ چرنے والی بکریاں۔ (۳) سال کا نصف حصہ چرنے والی بکریاں۔ (4) اور سال کا اکثر حصہ چرنے والی بکریاں۔ ان میں سے صرف پہلی اور چوتھی قسم کی بکریوں میں زکوٰۃ آئے گی جبکہ دوسری اور تیسری قسم کی بکریوں میں زکوٰۃ نہ آئے گی۔ کیونکہ پورا یا اکثر سال چرنے والی بکریوں میں زکوٰۃ کا وجوب واضح ہے۔ رہی نصف سال چرنے والی بکریاں تو ان میں موجب اور مانع دونوں برابر برابر جمع ہو گئے ہیں۔ سو اعتبار مانع کا ہوگا کیونکہ اصل اعتبار براءت (یعنی زکوٰۃ کے ذمہ نہ ہونے) کا ہے۔ لہٰذا مانع کو موجب پر غالب کریں گے۔ جبکہ سال کے بعض حصہ میں چرنے والی بکریوں میں مانع زکوٰۃ موجب پر غالب ہے جو واضح ہے۔

تنبیہ: ...... بظاہر سائمہ کی شرط مذکورہ حدیث میں صرف بکریوں کے بارے میں ہی ہے لیکن بعض دیگر روایات میں جن میں حضرت بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے، اونٹوں میں بھی زکوٰۃ کے وجوب کے لیے ان کا سائمہ ہونا شرط مذکور ہے۔ پھر قیاس جلی بھی اونٹوں میں زکوٰۃ کے وجوب کی بابت ان کے سائمہ ہونے کی شرط کو مقتضی ہے کیونکہ اونٹوں کو چارہ وغیرہ ڈال کر پالنا بہ نسبت بکریوں کے زیادہ مشکل اور مشقت کا باعث ہے، لہٰذا چارہ ڈال کر پالے جانے والے اونٹوں میں زکوٰۃ کا واجب نہ ہونا بدرجۂ اولیٰ ہوگا۔

اِذَا كَانَتْ اَرْبَعِيْنَ ......: یہ جملہ شرطیہ ہے۔ شَاةٌ: یہ مبتدا موخر ہے۔

فِيْ صَدَقَةِ الْغَنَمِ فِيْ سَائِمَتِهَا: یہ خبر مقدم ہے۔ مبتدا اپنی خبر مقدم سے مل کر جملہ خبریہ ہوا اور یہ جواب شرط ہوگا۔

نَاقِصَةً: یہ اِذَا كَانَتْ فعل ناقص کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

شَاةً وَاحِدَةً: یہ نَاقِصَةً صیغہ اسم فاعل کا مفعول بہ ہے اور یہ پورا جملہ اپنے اسم اور خبر سے مل کر شرطیہ ہے۔

فَلَيْسَ فِيْهَا صَدَقَةٌ: یہ جملہ جواب شرط ہے۔

اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ رَبُّهَا: یہ بھی استثنا منقطع ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

---

❶ بدل الاشتمال بدل کی وہ قسم ہے جس میں تابع اور متبوع کے درمیان کوئی ملابست اور تعلق ہو جیسے یہاں غنم جو متبوع ہے اس کی طرف سائمہ کی ایسی ملابست ہے جو تابع اور متبوع میں ایک نسبت پیدا کر رہی ہے اور بدل الاشتمال میں دونوں میں سے ایک، دوسرے پر مشتمل ہوتا ہے۔ پس بدل الاشتمال وہ بدل ہوگا جو نہ تو مبدل منہ کا کل ہو اور نہ اس کا بعض۔ اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: التسهيل السامي: 1/526-528. (نسیم)

❷ سَامَ يَسُوْمُ سَوْمًا جانور کے چرنے کو کہتے ہیں۔ پس سوم مویشی کا جہاں چاہے چرنے کا نام ہے۔ (القاموس الوحيد، ص: 827) صاحب "بحر الرائق" نے اصمعی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ سائمہ ان مویشیوں کو کہتے ہیں جن کو چرنے کے لیے چراگاہوں میں بھیجا جاتا ہے اور انہیں گھر میں چارہ نہیں ڈالا جاتا۔ (معدن الحقائق: 1/197 حاشية)۔ علامہ نسفی رحمہ اللہ نے اس کی تعریف یوں بیان کی ہے کہ یہ وہ چوپائے ہیں جو سال کا اکثر حصہ چر کر گزران کرتے ہیں۔ (معدن: 1/197)۔ علامہ حنیف گنگوہی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: سائمہ لغت میں چرنے والے جانور کو کہتے ہیں، شرعاً سائمہ وہ جانور ہے جو سال کے اکثر حصہ میں مباح چرائی پر اکتفاء کرے۔ (معدن: 1/197) (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(مذکورہ لغوی اور نحوی تحقیق کے بعد بکریوں کی زکوٰۃ کی تفصیل ترتیب وار ملاحظہ ہو:)

⊙...... جانور چاہے بکری ہو یا اونٹ، ان میں زکوٰۃ کے وجوب کے لیے ان کا سائمہ ہونا شرط ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

⊙...... اونٹ یا بکری میں زکوٰۃ کے وجوب کے لیے شرط ہے کہ جانور سال یا سال کا اکثر حصہ مباح چرائی پر گزران کرے۔ لہٰذا اگر آدھا سال یا سال کے بعض حصہ میں چرائی کی تھی تو ان جانوروں میں زکوٰۃ نہ آئے گی۔

⊙...... اگر کسی کے پاس چالیس سے کم بکریاں ہوں تو ان میں زکوٰۃ نہ آئے گی۔ ہاں بکریوں کا مالک اپنی خوشی سے کچھ دینا چاہے تو اس سے لیا جا سکتا ہے۔

⊙...... اگر بکریاں چالیس ہوں تو ان میں ایک بکری زکوٰۃ واجب ہوگی اور یہ فریضہ ایک سوبیس بکریوں تک باقی رہے گا اور یہاں وقص کی تعداد اسی بکریاں ہے۔

⊙...... اور جب بکریاں ایک سو اکیس ہو جائیں تو ان میں دو بکریاں واجب ہوں گی۔ یہ فریضہ دو سو بکریوں تک باقی رہے گا اور یہاں وقص کی تعداد اناسی بکریاں ہے۔

⊙...... اور جب بکریاں دو سو ایک ہو جائیں تو ان میں تین بکریاں واجب ہوں گی۔ یہ فریضہ تین سو بکریوں تک باقی رہے گا اور ان میں وقص کی تعداد ننانوے بکریاں ہوں گی۔

⊙...... پھر تین سو کے بعد ہر سو پر ایک بکری واجب ہوگی اور وقص کی تعداد ہر اگلے سو کے درمیان ننانوے ہوگی۔

بکریوں اور اونٹوں کے وقص میں فرق اور اس کی وجہ

معلوم ہوا کہ بکریوں میں وقص کم ہے اور زیادہ زیادہ تعداد پر جا کر ہے۔ کیونکہ بکریاں سستی اور آسانی سے میسر آنے والا جانور ہیں۔ جبکہ اونٹوں میں وقص زیادہ اور کم کم تعداد پر ہے کیونکہ اونٹ بڑا جانور بھی ہے اور قیمتی بھی ہے۔

زکوٰۃ سے بچنے کے لیے حیلوں اور تدبیروں کے اختیار کرنے کی مذمت کا بیان

معلوم ہوا کہ اجتماع اور افتراق زکوٰۃ میں موثر ہے۔ اس لیے مذکورہ حدیث میں زکوٰۃ سے بچنے کے لیے دو حیلے اختیار کرنے کی مذمت بیان کی گئی ہے، جو یہ ہیں:

(1) دو متفرق نصابوں کو ایک کر دینا۔ یا (2) ایک نصاب کو متفرق کر دینا۔

ذیل میں اس کی تفصیل مثال دے کر واضح کی جاتی ہے۔ البتہ یہ یاد رہے کہ مذکورہ مسئلہ کا تعلق صرف چرنے والے جانوروں سے ہی ہے۔ لہٰذا سونا چاندی، روپیہ پیسہ متفرق ہو یا مجتمع، زکوٰۃ کے فرض ہونے یا نہ ہونے میں موثر نہیں۔ یعنی ان کو متفرق یا مجتمع کر دینے سے زکوٰۃ کے فرض ہونے یا نہ ہونے پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ پس جب بھی ان کا نصاب پایا جائے گا زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ اب ذیل میں سائمہ جانوروں سے متعلق دونوں باتوں کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دو متفرق نصابوں کو ایک کرنے کی مثال

اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک شخص کے پاس چالیس بکریاں "مکہ مکرمہ" میں ہوں اور چالیس "مدینہ منورہ" میں ہوں۔ اب ان بکریوں کے ان دو شہروں میں ہونے پر اس پر دو بکریاں واجب ہوتی ہیں۔ پس اس نے اس سے بچنے کے لیے دونوں جگہوں کی بکریوں کو ایک جگہ جمع کر دیا اور یہ کل اسی بکریاں ہو گئیں جن پر صرف ایک بکری زکوٰۃ آتی ہے۔ بے شک ایک بکری مزید زکوٰۃ میں دینے سے بچنے کے لیے ایسا کرنا ناجائز ہو گا۔ کیونکہ واجب کو ساقط کرنے میں یہ حیلہ اختیار کرنا موثر نہ ہو گا۔ کیونکہ اگر یوں حیلے موثر ہونے لگتے تو جو چاہتا اپنے پر سے واجبات کو ساقط کرنے لگتا۔

ایک نصاب کو متفرق کرنے کی مثال

اس کی مثال بھی بڑی سادہ ہے کہ جیسے ایک شخص کے پاس ایک جگہ چالیس بکریاں تھیں جن پر زکوٰۃ میں ایک بکری واجب ہوتی تھی۔ مگر اس نے اس ایک بکری کے واجب ہونے سے بچنے کے لیے ان بکریوں کو بیس بیس کر کے دو متفرق جگہوں میں رکھ دیا کہ یہ بھی ناجائز ہے۔

چوپایوں میں شراکت اور ان پر زکوٰۃ کے وجوب کا بیان

مَا كَانَ: مذکورہ مَا شرطیہ ہے اس لیے یہ جملہ شرطیہ ہے اور کَانَ یہاں وُجِدَ کے معنی میں ہے کیونکہ آگے مَا کا بیان آ رہا ہے۔ **مِنْ خَلِيْطَيْنِ:** یہ مِنْ بیانیہ ہے اور یہ مَا شرطیہ سے بیان ہے۔ خَلِيْطَيْنِ سے مراد شَرِيْكَيْنِ ہے۔ تب پھر تقدیری عبارت یہ ہو گی: مَا وُجِدَ مِنْ خَلِيْطَيْنِ.

فَاِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ: یہ جوابِ شرط ہے۔ مراد ایک دوسرے پر لوٹنا ہے اور یہ تعبیر اس بات کی دلیل ہے کہ جب دو آدمی اپنے مویشی اکٹھے کریں گے اور وہ اکٹھے مویشی نصاب کو پہنچتے ہوں تو اس اختلاط کی وجہ سے دونوں پر یعنی اس مشترکہ مال پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔ جس کا وہ بعد میں ایک دوسرے سے حساب کریں گے۔

بِالسَّوِيَّةِ: مراد برابری نہیں بلکہ انصاف ہے۔ چنانچہ یہ مطلب نہیں کہ اگر ایک کی بکریاں صرف دس تھیں اور دوسرے کی تیس اور اکٹھے کرنے پر جب زکوٰۃ میں ایک بکری واجب ہوئی تو اس کی قیمت دونوں پر برابر یعنی آدھی آدھی آئے گی۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ اس صورت میں دونوں پر یہ قیمت انصاف کے ساتھ آئے گی۔ لہٰذا دونوں کے اموال کا تناسب دیکھ کر بکری کی قیمت کو دونوں پر تقسیم کیا جائے گا۔ جیسے یہاں مذکورہ مثال میں دونوں کے اموال میں ایک اور تین کی نسبت ہے۔ لہٰذا اگر بکری کی قیمت مثلاً دو ہزار روپے بنتی ہے تو اس قیمت کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ دس بکریوں والے کے ذمہ ہوں جبکہ باقی کے تین حصے تیس بکریوں والے کے ذمہ ہوں گے۔

(اس لغوی اور نحوی تحقیق کے بعد اب ذیل میں شرکت کی اقسام اور ان کے احکام درج کیے جاتے ہیں:)

جمہور اہل علم کے نزدیک اس مسئلہ کا تعلق بھی خاص چوپایوں کے ساتھ ہی ہے۔ اب چوپایوں میں شرکت دو طرح سے ہو گی:

(1) ایک یہ کہ یہ شرکت "شیوع" کے طور پر ہو، وہ یوں کہ کل چوپائے دو آدمیوں کے درمیان آدھے آدھے ہوں اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کل تعداد نصاب کو پہنچتی ہو تو اس پر زکوٰۃ آئے گی اور وہ زکوٰۃ دونوں پر برابر آئے گی۔ جبکہ اگر اسی نصاب کو دونوں میں تقسیم کر دیا جائے تو کسی پر بھی زکوٰۃ نہ آئے۔ جیسے کل بکریاں چالیس ہوں، بیس ایک کی اور بیس ایک کی۔ اب چالیس مشترک ہوں تو زکوٰۃ آئے گی جبکہ اگر اس چالیس کو دونوں میں بیس بیس برابر تقسیم کر دیں تو دونوں میں سے کسی پر بھی زکوٰۃ نہ آئے گی۔

(2) دوسری قسم یہ ہے کہ یہ شرکت ''شرکت اوصاف'' ہو۔ وہ یوں کہ دونوں میں سے ہر ایک کا مال متمیز و ممتاز اور دوسرے کے مال سے جدا اور عیاں ہو، البتہ چرنے، دودھ دوہنے، جفتی کرانے اور رات ٹھہرنے یعنی باڑے میں مشترک ہوں۔ اب اگر کل مال نصاب کو پہنچتا ہو تو زکوٰۃ واجب ہو گی اور وہ زکوٰۃ دونوں میں سے ہر ایک پر اوصاف کے اعتبار سے واجب ہو گی۔ لیکن اگر دونوں اپنا اپنا حصہ الگ کر لیں تو دونوں میں سے کسی پر بھی زکوٰۃ نہ آئے گی۔

البتہ شرکتِ شیوع اور شرکت اوصاف میں صرف ایک دقیق فرق ہے، گو حکم دونوں کا ایک ہی ہے، کہ شرکت شیوع میں مال دو کے درمیان مشترک ہوتا ہے گو دونوں میں سے ہر ایک کو بالتعیین اپنے مال کی خبر نہیں ہوتی۔ جبکہ شرکت اوصاف میں دونوں میں سے ہر ایک کا مال دوسرے سے جدا اور ممتاز ہوتا ہے۔ البتہ دونوں میں اشتراک صرف جانوروں کے چرنے، رہنے، دوہنے، جفتی کرانے اور چراگاہ میں اکٹھا پھرنے کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ غرض یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ چوپایوں میں شرکت ثابت اور جائز ہے اور اس پر زکوٰۃ کا وجوب نصاب کے اعتبار سے ہوگا اور بعد میں زکوٰۃ میں ادا کیے جانے والے جانور کی قیمت دونوں میں سے کس کے ذمے کتنی ہوگی، اس کا انحصار دونوں کے مالِ اشتراک کے تناسب پر ہوگا۔

زکوٰۃ میں کیسا جانور دیا جائے؟

اس کے بعد حدیث میں اس بات کا بیان ہے کہ زکوٰۃ چاہے اونٹوں کی ہو یا بکریوں کی، اس میں دیا جانے والا چوپایہ چاہے بکری ہو یا اونٹ، وہ کیسا ہو!!

هَرِمَةٌ ❶: عمر رسیدہ، بوڑھا جانور۔

ذَاتُ عَوَارٍ: مراد عیب والا جانور ہے۔ عَوَار اور عَوَر یہ عیب کو کہتے ہیں۔ **تَيْسٌ**: یہ نر بکرے کو کہتے ہیں۔

اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ الْمُصَّدِّقُ: مصدق سے مراد عامل زکوٰۃ ہے اور مذکورہ استثنا صرف نر بکرے سے ہے۔ جس کی تفصیل ذیل میں آ جاتی ہے۔

(اس لغوی صرفی اور نحوی تفصیل کے بعد حدیث کے اس حصہ سے مستنبط ہونے والے مسائل مندرجہ ذیل ہیں:)

⊙ ...... زکوٰۃ میں بہت بوڑھا جانور دینا جائز نہیں۔ کیونکہ ایک تو اس کے گوشت کی غذائیت اور لذت و افادیت خراب ہو چکی ہوتی ہے، دوسرے وہ جانور نر ہو تو جفتی کے اور اگر مادہ ہو تو نسل کشی کے قابل نہیں رہ گیا ہوتا۔ پس مستحقین زکوٰۃ کو بہت بوڑھا جانور دینا ان پر ظلم اور ان کی حق تلفی ہے۔ لہٰذا ایسا جانور نہ تو زکوٰۃ میں نکالنا جائز ہے اور نہ عاملِ زکوٰۃ کو ایسا جانور قبول کرنا ہی شرعاً جائز ہوگا۔

❶ هرم: اس چوپائے یا انسان کو کہتے ہیں جو بہت بوڑھا اور عمر کی آخری منزل کو پہنچ گیا ہو۔ (القاموس الوحید: 1760) (تنیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⊙ ..... زکوٰۃ میں عیب والا جانور دینا بھی جائز نہیں جیسے اندھا، کانا، لنگڑا، لاغر، اپاہج وغیرہ کہ ایسے جانور سے بھی عموماً استفادہ ممکن نہیں ہوتا۔ لہٰذا ایسے جانور کو نہ دینا جائز ہے اور نہ عامل زکوٰۃ کو ایسا جانور وصول کرنا جائز ہوگا۔

⊙ ..... زکوٰۃ میں نر جانور بھی نہ نکالا جائے گا اور نہ لیا ہی جائے گا۔ کیونکہ ذکورت بہ نسبت انوثت کے ایک گونہ نقص ہے اور اس کے قبول کرنے میں دراصل اہل زکوٰۃ کی حق تلفی ہے۔ کیونکہ بسا اوقات کسی کے لیے مادہ جانور بہ نسبت نر کے زیادہ مفید ہوتا ہے۔ ہاں البتہ اگر عامل زکوٰۃ اس کو لینا چاہے تو درست ہے اور یاد رہے کہ مذکورہ استثنا صرف مذکر جانور کی بابت ہے۔ کیونکہ عیب والا جانور اور بہت بوڑھا جانور جب زکوٰۃ میں دینا جائز ہی نہیں تو بھلا عاملِ زکوٰۃ کو یہ حق کیونکر حاصل ہوسکتا ہے کہ وہ ناجائز بات پر راضی ہو جائے۔ کیونکہ ولایات کے باب میں جوامر مشیت کی طرف عائد ہوتا ہے اس میں اصلح اور انفع کی رعایت لازم ہے اس لیے عامل زکوٰۃ کو عیب والا جانور قبول کرنا خیانت شمار ہوگا کیونکہ اس نے اس باب میں اصلح وانفع کی رعایت نہیں کی۔

رہا یہ سوال کہ پھر نر جانور کے قبول کرنے میں مصلحت کا وہ کون سا پہلو ہے جس کی بنا پر عامل زکوٰۃ کو اس کا قبول کر لینا جائز ٹھہرے گا؟ تو فقہاء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ جواز تب ہے، جب وہ نر جفتی کرنے کے لائق ہو، البتہ ایک مزید شرط ہم یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ خود عامل زکوٰۃ کے پاس مادہ بکریاں بھی ہوں اور وہ اس نر جانور سے جفتی کرا کے مستفید ہو سکتا ہو۔ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے اس جواز کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس کی ذکورت کے نقص کی جفتی کی اہلیت کے ذریعے تلافی ہو جائے گی۔

⊙ ..... مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوگیا جہاں ان جانوروں کا لینا اس لیے جائز نہیں کہ اس میں اہل زکوٰۃ کی حق تلفی ہے، وہیں عامل زکوٰۃ کو واجب زکوٰۃ سے اعلیٰ جانور لینا بھی جائز نہ ہوگا کیونکہ اس میں زکوٰۃ ادا کرنے والے کی حق تلفی ہے اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت بھی فرمائی تھی کہ ''لوگوں کے عمدہ مالوں کو زکوٰۃ میں لینے سے بچنا۔''

چاندی کی زکوٰۃ

اَلرِّقَةُ: یہ را کے کسر اور قاف غیر مشدد کے فتح کے ساتھ ہے جیسے عِـدَّةٌ۔ اس کی اصل وَرَقٌ یا وَرِقٌ ہے۔ یہ چاندی کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں آتا ہے:

﴿فَابْعَثُوٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ﴾ (الکھف : 19)

''پس اپنے میں سے ایک کو اپنی یہ چاندی دے کر شہر کی طرف بھیجو۔''

پھر ''و'' کلمہ کو تخفیف کی غرض سے حذف کر دیا گیا اور اس کے عوض میں آخر میں تَـا تانیث لے آئے یوں یہ لفظ وَرِقٌ سے رِقَةٌ بن گیا۔

وَ فِـی الـرِّقَةِ فِیْ مِائَتَیْ دِرْهَمٍ: فِـیْ مِائَتَیْ دِرْهَمٍ یہ فِی الرِّقَةِ سے بدل ہے اور بظاہر یہ بدل البعض ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ چاندی دوسو درہموں کو بھی شامل ہے اور اس سے کم زیادہ کو بھی شامل ہے۔ غرض یہ بدل اور مبدل منہ خبر مقدم ہیں اور **رُبُعُ الْعُشْرِ**: یہ مبتدا موخر ہے اور یہ کسی چیز کے چالیسویں حصہ کو کہتے ہیں کیونکہ عشر یعنی دسواں، یہ کسی دس کے ایک کو کہتے ہیں اور ربع یعنی چوتھائی یا چار میں کا ایک ہوتا ہے تب پھر ربع العشر یہ چالیسواں حصہ کہلائے گا۔

(اس لغوی، صرفی اور نحوی تحقیق کے بعد چاندی کی زکوٰۃ کی تفصیل یہ ہے:)

⊙...... دوسو درہم چاندی میں چالیسواں حصہ یعنی پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہوگی۔

⊙...... اگر کسی کے پاس دوسو سے کم درہم ہوں چاہے ایک سو ننانوے درہم ہی ہوں، ان میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ اس باب میں حدیث صریح ہے۔ ہاں اس صورت میں آدمی خود کچھ دینا چاہے تو لینا جائز ہوگا۔

⊙...... مذکورہ حدیث میں چاندی میں زکوٰۃ کے وجوب کو، یعنی چاندی کے نصاب کو عدد کے ساتھ معلّق کیا گیا ہے۔ جبکہ صحیح مسلم کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک صحیح حدیث میں اسے وزن کے ساتھ معلّق کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ''پانچ اوقیہ سے کم وزن چاندی میں زکوٰۃ واجب نہیں۔''[1] اسی لیے علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ لیکن اکثر اہل علم کے نزدیک اس باب میں معتبر وزن ہے نہ کہ عدد۔ اس کی تفصیل آگے حدیث (رقم 599،600) کے تحت آ رہی ہے۔

مفروض جانوروں کی منصوص عمریں نہ ہونے کی صورت میں کیا کیجیے

وَ مَنْ بَلَغَتْ: یعنی وَجَبَتْ ...... وَ مَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةُ الْجَذَعَةِ سے لے کر آخر تک دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی کے ذمہ ایک عمر کا جانور بنتا ہو لیکن اس کے پاس یا تو اس سے کم عمر کا جانور ہو یا پھر زیادہ عمر کا جانور ہو تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ مذکورہ حدیث میں اس کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں:

(1) ایک یہ کسی کے ذمہ جذعہ زکوٰۃ میں دینا واجب ہوتا ہو...... یہ اونٹ کا وہ چار سالہ مادہ بچہ ہے جو پانچویں سال میں لگ گیا ہو...... لیکن اس کے پاس جذعہ نہ ہو بلکہ اس سے کم عمر کا جانور حقہ ہو...... یہ اونٹنی کا وہ تین سالہ مادہ بچہ ہے جو چوتھے سال میں لگ گیا ہو...... تو عامل زکوٰۃ اس سے اسی حقہ کو لے لے گا اور واجب جانور کی عمر کے فرق کو پورا کرنے کے لیے ساتھ میں دو بکریاں یا بیس درہم لے گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حقہ کے بعد جذعہ واجب ہونے کے درمیان ''وقص'' کی تعداد 14 اونٹ ہیں کیونکہ حقہ چھیالیس اونٹ ہونے پر واجب ہوتا ہے جب کہ جذعہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب اونٹ اکسٹھ ہو جائیں۔

اب اگر اونٹ پانچ ہوں تو ایک بکری واجب ہوتی ہے، اور دس ہو جائیں تو دو بکریاں واجب ہوتی ہیں اور اگر اونٹ پندرہ ہوں تو ان میں تین بکریاں واجب ہوتی ہیں لیکن اگر اونٹ چودہ ہوں تو دو ہی بکریاں واجب ہوتی ہیں۔

پس ان دونوں اونٹوں میں وقص کی تعداد جب چودہ ہے اور چودہ اونٹوں کی زکوٰۃ دو بکریاں ہوتی ہے تو اسی وقص کی کمی کو دو بکریاں دے کر پورا کیا جائے گا۔

لیکن یہ دو بکریاں ہی لینا لازم نہیں کہ اگر نہ ہوں تو آدمی بازار سے خرید کر دے گا، بلکہ اگر موجود ہوں تو دے دے گا ورنہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کی جگہ بیس درہم دے کر اس کمی کو پورا کرے گا۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دورِ نبوی میں ایک متوسط درجہ کی بکری تقریباً دس درہم تک آ جاتی تھی۔ تو گویا کہ یہ دو بکریوں کی قیمت ہی ہوئی اور دراصل یہ اسی وقص کی زکوٰۃ ہی ہوئی۔

غرض خلاصہ یہ ٹھہرا کہ جذعہ واجب ہونے پر اگر حقہ دیا تو عمر کی اس کمی کی تلافی دو بکریاں یا ان کے برابر قیمت یعنی بیس درہم دے کر پوری کی جائے گی۔

(2) دوسری صورت اس کے برعکس ہے اور اب صدقہ دینے والا جو زائد قیمت کا جانور دے گا اس کی تلافی عامل صدقہ دو بکریاں یا بیس درہم واپس دے کر پوری کرے گا۔

درایۃ الحدیث:......رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: صحیح بخاری میں یہ حدیث ایک جگہ مذکور نہیں بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حسب عادت اس حدیث کو اسانید یا ابواب کے اعتبار سے متعدد مقامات پر متفرق ذکر کیا ہے لیکن امام موصوف نے اس کو ایک جگہ ذکر کر کے خوب کیا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حدیث لکھ کر دینے سے معلوم ہوا کہ حدیث کی کتابت کی ابتدا دورِ نبوی میں ہی ہو گئی تھی۔ جبکہ خلفائے راشدین کے دور میں بھی احادیث کو کثرت کے ساتھ لکھا گیا تھا۔

◈ معلوم ہوا کہ ذہن میں موجود کسی شے کی طرف بھی اشارہ کر سکتے ہیں کہ جس کا مشارٌ الیہ خارج میں موجود نہ ہو۔ جس کی دلیل هٰذِهِ فَرِيْضَةُ الصَّدَقَةِ کے الفاظ ہیں کہ یہ هٰذِهِ (اسم اشارہ) کتابت سے قبل ہے۔

◈ معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے فریضہ کے جملہ احوال، انواع، اوصاف اور مقادیر سب کو شریعت نے خود واجب کیا ہے۔ ان کی تعیین وتفصیل میں بندوں میں سے کسی کو اختیار نہیں۔

◈ فرض کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی کر سکتے ہیں۔ جس کی دلیل اَلَّتِيْ فَرَضَهَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ کے الفاظ ہیں۔

◈ معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی احکام کو فرض اور واجب کرتے ہیں اور امر و نہی بھی کرتے ہیں۔ البتہ یاد رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امر و نہی کرنے اور فرض و واجب ٹھہرانے میں مستقل نہیں بلکہ یا تو وحی کے ذریعے احکام صادر فرماتے ہیں یا پھر رب تعالیٰ کے اقرار سے۔

◈ معلوم ہوا کہ جو بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرض فرماتے ہیں، وہ مسلمانوں پر اسی طرح واجب اور فرض ہوتی ہے جس طرح رب تعالیٰ کسی حکم کو فرض فرماتے ہیں۔

◈ چوپایوں کی اصناف، اوصاف اور مقادیر کے واجب کرنے میں شریعت نے حکمت کو ملحوظ رکھا ہے۔

◈ چوپایوں یعنی چرنے والے منصوص جانوروں کی زکوٰۃ میں وقص ثابت ہے۔

---

❶ اخرجہ مسلم: یہ حدیث آگے کتاب النکاح، باب الصداق میں آ رہی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- چوپایوں کو الگ سے بھی رکھ سکتے ہیں اور ان میں شرکت بھی جائز ہے۔
- ایک خاص حد تک فریضہ کو لے جانے کے بعد شریعت فریضہ کو ایک خاص مقدار پر ٹھہرا لیتی ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ فریضہ کے بڑھاتے جانے میں صاحب زکوٰۃ پر مشقت ہے اور مشقت کے رفع کے لیے فریضہ میں استقرار پیدا کیا جاتا ہے۔
- معلوم ہوا کہ زکوٰۃ واجب نہ بھی ہو تب بھی آدمی صدقہ میں مال نکال سکتا ہے۔ اس کی دلیل اِلَّا اَنْ یَشَاءَ رَبُّهَا کے الفاظ ہیں۔
- یاد رہے کہ شراکت کا فریضہ کے وجوب میں اثر صرف چرنے والے جانوروں میں ہے جبکہ باقی کے اموال میں شرکت وجوبِ زکوٰۃ میں موثر نہیں۔
- معلوم ہوا کہ باربرداری والے اور سواری کے استعمال میں لائے جانے والے چوپایوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں اسی طرح جو جانور غیر سائمہ ہوں ان پر بھی زکوٰۃ نہیں۔
- دو شریک مالِ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اس کی قیمت کی تقسیم کی بابت ایک دوسرے کی طرف انصاف کے ساتھ رجوع کریں گے اور ہر ایک جانور کی قیمت میں اپنا حصہ اسی تناسب سے ڈالے گا جس تناسب سے مالِ مشترک میں اس کے جانور ہوں گے۔
- زکوٰۃ کی مد میں غیر نافع اور عیب والا جانور دینا حرام ہے۔
- نر بکرے کو زکوٰۃ میں دینا منع ہے۔ اس کی باقی کی تفصیل ذکر کر دی گئی ہے۔
- زکوٰۃ صرف نصاب پورا ہونے پر ہی واجب ہوتی ہے نصاب سے کم میں کوئی زکوٰۃ نہیں۔
- اگر زکوٰۃ میں واجب جانور کی جگہ اس سے کم یا زیادہ عمر والا جانور ملتا ہو تو اسی کو لے کر اس کی قیمت کی کمی کی تلافی یا زیادتی کی ادئیگی کر دی جائے گی۔ جس کی تفصیلی صورتیں مذکور ہو چکی ہیں۔
- احکام شرعیہ میں بندوں پر تیسیر اور سہولت مطلوب ہے جس کی دلیل اِنِ اسْتَيْسَرَتَا کے الفاظ ہیں۔

گائیوں کی زکوٰۃ کا نصاب

588۔ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ ﷺ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ كُلِّ ثَلَاثِينَ بَقَرَةً ، تَبِيعًا أَوْ تَبِيعَةً ، وَمِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ مُسِنَّةً ، وَمِنْ كُلِّ حَالِمٍ دِينَارًا أَوْ عَدْلَهُ مَعَافِرِيًّا)).

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں یمن بھیجا اور (بھیجتے ہوئے) اس بات کا حکم دیا کہ (وہاں پہنچ کر) وہ (زکوٰۃ کی مد میں) ہر تیس گائیوں میں ایک تبیع یا تبیعہ [1] لیں اور ہر چالیس (گائیوں) میں سے ایک مسنہ [2] (لیں) اور ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کے برابر (قیمت کے)

---

[1] تبیع یا تبیعہ: گائے کا ایک سالہ بچھڑا یا بچھڑی۔ (المعدن الحقائق: 198/1) (تمیم)

[2] مُسِنّ: وہ بچھڑا جو دو سال کا ہو گیا ہو۔ (معدن الحقائق: 198/1) گائے بکری وغیرہ کا وہ بچہ جس کے اگلے دانت نکل آئے ہوں۔ (القاموس الوحید: 812) ہماری عامی اردو میں اس کو "دوندا" کہتے ہیں۔ (تمیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معافری کپڑے (لیں)۔ ❶

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ، وَاللَّفْظُ لِأَحْمَدَ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَأَشَارَ إِلَى اخْتِلَافٍ فِي وَصْلِهِ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ مسند احمد کی روایت کے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور ذکر کیا ہے کہ اس حدیث کے موصول ہونے میں ائمہ محدثین کا اختلاف ہے۔ جبکہ امام ابن حبان رحمہ اللہ اور امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... بَقَرَةٌ ❷: یہ عدد کی تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

تَبِيعًا: یہ يَأْخُذُ فعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یہ گائے کے اس کم سن بچھڑے کو کہتے ہیں جس کی عمر ایک سال ہو اور اس کی مونث تَبِيعَةٌ ہے (اور اتنی عمر کے بچھڑے اور بچھیا کو اس لیے تبیع اور تبیعہ کہتے ہیں کیونکہ یہ دودھ پینے کے لیے مادہ کے پیچھے پیچھے ہوتے ہیں۔ [نسیم])

اَلْمُسِنَّةَ: گائے کا وہ مادہ بچہ جو دو سال کا ہو گیا ہو (اور اس کے سامنے والے دانت نکل آئے ہوں۔ [نسیم])

حَالِمٌ: مراد بالغ ہے۔ ہر بالغ سے ایک دینار لینے کا حکم جزیہ کی بابت ہے۔

دِينَارًا: یہ سونے سے بنی اور سونے میں ڈھلی نقدی کو کہتے ہیں۔ ہماری زبان میں اسے گنی کہتے ہیں (اور اردو میں دینار کو اشرفی کہا جاتا ہے۔ ❸) اور دِينَارًا بھی مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

اَوْ عَدْلَهُ:...... عدل، یہ کسی شے کے مساوی، مماثل اور برابر کو کہتے ہیں۔

مُعَافِرِيًّا: یہ بھی فعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور مُعَافِرِيّ یا خود کپڑے کا نام ہے یا اس کی صفت ہے اور یہ اس کپڑے کو کہتے ہیں جو یمن کے ایک علاقہ مُعَافِر میں بنتا ہے۔ پس صفت ہونے کی صورت میں اس کا موصوف ثَوْبًا محذوف ہوگا۔ یعنی ثَوْبًا مُعَافِرِيًّا.

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں دو اہم باتیں بیان کی گئی ہیں:

(1) گائیوں میں زکوٰۃ کا نصاب (2) اور ذمیوں پر واجب ہونے والا جزیہ اور اس کی مقدار۔ ان دونوں مسائل کی تفصیل ذیل میں فوائد کے تحت آ جاتی ہے۔

درایۃ الحدیث:...... اگرچہ مذکورہ حدیث کے موصول ہونے میں اختلاف ہے لیکن اس میں ذکر کردہ احکام

---

❶ سنن ابی داود: 1576۔ جامع الترمذی: 623۔ سنن النسائی: 25/5۔ سنن ابن ماجہ: 1803۔ مسند احمد: 230/5۔ امام ابن خزیمہ (2268)، امام ابن حبان (4886) اور امام حاکم (398/1) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

❷ البقر: یہ بَقَرَ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے پھاڑنا۔ بَقَرَ بَطْنَهُ. "اس نے اس کا پیٹ پھاڑ دیا۔" (المغرب) بیل کو بقر اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ ہل چلاتے ہوئے زمین کو پھاڑ دیتا ہے۔ بَاقُوْرٌ، بَيْقُوْرٌ، اَبْقُوْرٌ اور بَقَر سب کا معنی ایک ہے بقر اسم جنس ہے جس کا واحد بَقَرَةٌ آتا ہے جس کا اطلاق نر اور مادہ دونوں پر ہوتا ہے پس بَقَرَةٌ میں تا وحدت کی ہے نہ کہ تانیث کی جیسے تَمْرَةٌ میں بھی تا وحدت کی ہے نہ کہ تانیث کی۔ (معدن الحقائق: 198/1) (نسیم)

❸ دیکھیں فیروز اللغات اردو، ص: 97۔ (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''متفق علیہ'' ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- گائیوں میں زکوٰۃ کے واجب ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ البتہ ان میں زکوٰۃ کے وجوب میں بھی ان کا سائمہ ہونا شرط ہے لٰہذا جو گائیں غیر سائمہ ہوں گی، ان میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔
- گائیں اگر تیس ہوں تو ان میں زکوٰۃ ہوتی ہے، تیس سے کم میں کوئی زکوٰۃ نہیں چاہے وہ انتیس ہی ہوں۔ جو فقہاء اونٹ پر قیاس کر کے پانچ گائیوں میں بھی زکوٰۃ کے وجوب کے قائل ہیں، ان کا قیاس قیاس مع الفارق ہے۔ دوسرے نص کے ہوتے ہوئے قیاس کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہی صحیح قول ہے۔
- تیس گائیوں میں ایک یک سالہ مادہ یا نر گائے کا بچہ واجب ہوتا ہے جس کو تبیع یا تبیعہ کہتے ہیں۔
- گائیں جب چالیس ہو جائیں تو ان میں ایک دو سالہ مادہ بچہ واجب ہوتا ہے جس کو مسنہ کہتے ہیں۔
- معلوم ہوا کہ مذکر کا ذکر مونث کے ذکر کی طرف سے کافی ہو جاتا ہے۔
- جزیہ شرعاً ثابت ہے جس کی دلیل مِنْ کُلِّ حَالِمٍ دِیْنَارًا کے الفاظ ہیں۔
- نابالغ پر کوئی جزیہ نہیں کیونکہ وہ قتال کا اہل نہیں اس لیے اسے جزیہ کا مکلّف بھی نہ بنایا جائے گا۔
- جزیہ کی مقدار ایک دینار ہر زمانہ میں لازم نہیں۔ صحیح قول یہ ہے کہ جزیہ کی مقدار ہر زمانہ کی اقتصادی ترقی اور خود جزیہ دینے والے کی معاشی اور مالی حالت کو دیکھ کر بدلی جا سکتی ہے۔
- بظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جزیہ ہر کافر پر ادا کرنا لازم ہے اور یہی صحیح ہے۔ اگرچہ اکثر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ جزیہ صرف اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ پر ہی واجب ہے جبکہ دوسرے کفار کے لیے یا تو اسلام ہے یا پھر قتال ہے۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ جو کافر بھی قتال سے رک کر جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائے اس سے جزیہ قبول کیا جائے گا اور ان پر اسلام قبول کرنا لازم نہ ہوگا۔ البتہ جو نہ تو اسلام لائیں اور نہ جزیہ ہی دیں ان سے قتال کیا جائے گا۔
- جزیہ کے ادا کرنے میں کافروں پر آسانی اور سہولت ہے کہ چاہیں تو سونا دے دیں اور چاہے تو کپڑے دے دیں۔
- شریعت میں تقویم یعنی اشیاء کی قیمت لگانے کا حکم ہے نہ کہ صرف اندازوں کا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ یا تو وہ ایک دینار دیں یا ایک دینار کی قیمت کے برابر کپڑے دیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ دینار دیں یا کپڑے دیں۔

589- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ **صدقات کی وصولی کے لیے عاملین کو روانہ کرنا مشروع ہے**

جَدِّهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((تُؤْخَذُ صَدَقَاتُ الْمُسْلِمِيْنَ عَلَى مِيَاهِهِمْ)).

رَوَاهُ أَحْمَدُ.

وَلِأَبِي دَاوُدَ: ((لَا تُؤْخَذُ صَدَقَاتُهُمْ إِلَّا

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''مسلمانوں سے زکوٰۃ ان کے پانیوں (کے گھاٹوں) پر ہی وصول کی جائے گی۔''[1]

اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔

اور سنن ابی داوٗد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''مسلمانوں سے

[1] مسند احمد: 184/2 باسنادٍ صحیحٍ.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فِيْ دُوْرِهِمْ)). زکوٰۃ ان کے گھروں (یعنی محلوں اور قبیلوں) میں ہی وصول کی جائے گی۔'' ❶

غریب الحدیث:......عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّه: اس کی مفصل تحقیق گزر چکی ہے۔

مِيَاهِهِمْ: مِيَاهٌ یہ ماء کی جمع ہے مراد موارد یعنی مویشیوں کے پانی پینے اور ستانے کے گھاٹ ہیں۔ چنانچہ عامل زکوٰۃ ان جگہوں پر جا کر بیٹھ جائے گا اور جو بھی اپنے اپنے جانور لے کر آتا جائے گا اس کا حساب کتاب کر کے اس سے زکوٰۃ لیتا جائے گا۔ عاملِ زکوٰۃ کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ایک جگہ بیٹھ جائے اور یہ کہے کہ سب آتے جائیں اور زکوٰۃ دیتے جائیں بلکہ اسے خود ہر ایک کے گھاٹوں پر جا جا کر زکوٰۃ وصول کرنی چاہیے۔

تُؤْخَذُ: یہ جملہ لفظوں میں خبریہ ہے لیکن معنی کے اعتبار سے یہ امر ہے۔

اِلَّا فِيْ دُوْرِهِمْ: سنن ابی داود کی یہ روایت مسند احمد کی روایت سے زیادہ عام ہے۔ کیونکہ یہ کلمات جانوروں کی اور دیگر اشیاء کی زکوٰۃ وصول کرنے کو بھی شامل ہے۔ جیسے غلے، میوے، پھل، کھیتیاں، سونا چاندی، سامانِ تجارت وغیرہ۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عاملینِ زکوٰۃ کو قرب و جوار اور گرد و نواح کے علاقوں میں بلکہ دُور دراز کے بلاد و امصار میں بھی بھیجنا مشروع ہے اور دوسرا اہم مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ عاملِ زکوٰۃ خود ہر جگہ پہنچے گا، نہ کہ ایک جگہ بیٹھ کر سب کو طلب کرے گا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ عاملین زکوٰۃ کو زکوٰۃ کی وصولی کے لیے بھیجنا مشروع ہے۔

◈ اور یہ کہ عاملِ زکوٰۃ ہر جگہ خود پہنچے گا۔

غلاموں، خدام اور گھوڑوں پر زکوٰۃ نہیں

590۔ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِيْ عَبْدِهِ وَلَا فِيْ فَرَسِهِ صَدَقَةٌ)).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''مسلمان پر اس کے (خدمت کے لیے رکھے) غلام اور اس کے گھوڑے میں (جو سواری کے لیے رکھا ہو) کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔'' ❷

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

وَلِمُسْلِمٍ: ((لَيْسَ فِي الْعَبْدِ صَدَقَةٌ إِلَّا صَدَقَةُ الْفِطْرِ)).

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''(مسلمان کے) غلام میں سوائے فطر کے اور کوئی صدقہ (واجب) نہیں ہے۔'' ❸

غریب الحدیث:......لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ: عَلَى الْمُسْلِمِ کے کلمہ کا کوئی مفہوم مخالف نہیں ہے کیونکہ صحیح قول یہ ہے کہ کافر سے زکوٰۃ کا مطالبہ اور اس پر اس کا کوئی محاسبہ نہیں ہے اور مسلم کے لفظ سے خطاب کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان ہی

---

❶ سنن ابی داود: 1591۔ اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔ کما فی تحفة المحتاج: 49/2.

❷ صحیح البخاری: 1464. ❸ صحیح مسلم: 982.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادائے زکوٰۃ کا مکلف ہے۔

فِيْ عَبْدِهٖ: مذکورہ اضافت اضافت اختصاص اور تملک ہے۔ یعنی وہ غلام جو خاص کسی کی ملک میں ہو۔

وَ لَا فِيْ فَرَسِهٖ: یہاں بھی اضافت اختصاص و تملک ہے۔ مراد وہ خاص گھوڑا ہے جو کسی کی ملک میں ہو اور وہ اس پر سواری کرتا ہو اور اس پر راہِ خدا میں جہاد کرتا ہو۔ **صَدَقَةٌ:** مراد فرض زکوٰۃ ہے۔ کیونکہ عَلٰی وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

إِلَّا صَدَقَةُ الْفِطْرِ: یہ صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں۔ صَدَقَةُ الْفِطْرِ کے اِعراب میں دو وجوہ ہیں: رفع اور دوسرے نصب۔ کیونکہ یہاں مستثنیٰ منہ تام ہے جس کے مستثنیٰ میں اعراب کی دونوں صورتیں جائز ہوتی ہیں۔

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں دو اہم ترین مسائل مذکور ہیں: (1) غلام، حشم و خدم اور گھر دکان کے نوکر چاکر میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ (2) البتہ غلام کا صدقہ فطر ادا کرنا آقا کے ذمہ لازم ہوتا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- گھوڑوں اور غلاموں میں زکوٰۃ واجب نہیں جبکہ ان کو تجارت کی غرض سے نہ رکھا ہو۔ اس میں گھوڑوں کے سائمہ اور غیر سائمہ ہونے دونوں کا حکم ایک ہے۔
- معلوم ہوا کہ خاص اپنے مصالح کے لیے رکھی چیزوں میں زکوٰۃ نہیں کہ اس میں مسلمان کے لیے آسانی ہے۔ یہیں سے روزمرہ کی استعمال کی چیزوں جیسے بستر، بچھونے، برتن، اٹھنے بیٹھنے کا سامان، لباس، پوشاک اور دیگر اثاثۃ البیت وغیرہ میں بھی زکوٰۃ کے واجب نہ ہونے کا علم ہوگیا۔ البتہ سونے چاندی اور ان سے بنا زیور اور نقدیاں اس عموم سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کے استثنا کی خاص دلیل آ گئی ہے۔
- البتہ مذکورہ حدیث سامانِ تجارت میں زکوٰۃ کے واجب ہونے کی نفی نہیں کرتی۔ لہٰذا سامانِ تجارت میں زکوٰۃ واجب ہو گی۔ بخلاف ظاہریہ کے جو گھوڑوں اور سامان میں زکوٰۃ کے عدمِ وجوب کے قائل ہیں چاہے یہ دونوں چیزیں تجارت کی غرض سے ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن ان کا یہ قیاس دو وجہ سے باطل ہے:

  (1) ایک یہ کہ قیاس کرنا خود ان کے مذہب میں بھی باطل ہے۔

  (2) دوسرے مذکورہ حدیث میں اختصاص کی اضافت بتلاتی ہے کہ عدمِ وجوب کا یہ حکم سامانِ تجارت کو شامل نہیں۔
- یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گائے، بیل، اونٹ وغیرہ میں سے جو جانور بار برداری، کھیتی باڑی اور سواری وغیرہ میں استعمال ہوتے ہوں، ان میں زکوٰۃ واجب نہیں، چاہے وہ سائمہ ہی ہوں۔ کیونکہ اب یہ مواشیٔ عاملہ بن گئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ کاموں میں جوتے جانے والے چوپایوں کو مباح چارہ چرنے کا موقع غالب امکان یہ ہے کہ ملتا ہی نہیں۔

امام زکوٰۃ جبراً بھی لے سکتا ہے اور زکوٰۃ روکنے والے کو سزا دے گا

591- وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((فِيْ كُلِّ سَائِمَةِ إِبِلٍ: فِيْ أَرْبَعِيْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ ، لَا تُفَرَّقُ إِبِلٌ عَنْ حِسَابِهَا ، مَنْ أَعْطَاهَا مُؤْتَجِرًا بِهَا ، فَلَهُ

حضرت بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”(مباح) چارہ چرنے والے اونٹوں کے ہر چالیس اونٹوں میں ایک بنت لبون (زکوٰۃ کی مد میں) واجب ہوتی ہے (اور) اونٹوں کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَجْرُهَا ، وَمَنْ مَنَعَهَا فَإِنَّا آخِذُوْهَا وَشَطْرَ مَالِهِ ، عَزْمَةً مِنْ عَزَمَاتِ رَبِّنَا ، لَا يَحِلُّ لِآلِ مُحَمَّدٍ مِنْهَا شَيْءٌ)).

ان کے (اس) شمار سے متفرق نہ کیا جائے (جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو۔یعنی اگر ایک تعداد پر زکوٰۃ آتی ہے تو زکوٰۃ سے بچنے کے لیے اس تعداد کو متفرق کر کے کم نہ کیا جائے کہ یہ جائز نہیں اور) جس نے اجر کا طالب بن کر (یعنی بنیتِ ثواب) زکوٰۃ ادا کی تو اس کو اس زکوٰۃ کا اجر ملے گا اور جس نے اس زکوٰۃ کو روکا، تو ہم اس زکوٰۃ کو لے کر رہیں گے اور ساتھ (بطورِ جرمانہ کے) اس کا آدھا مال بھی (لیں گے، بلاشبہ یہ) ہمارے پروردگار کے حقوقِ واجب (موکدہ) میں سے ایک حق واجب (ہے، اور بے شک) آلِ محمد (ﷺ) کو زکوٰۃ کی کوئی شے (لینا بھی) حلال نہیں۔'' ❶

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ ، وَعَلَّقَ الشَّافِعِيُّ الْقَوْلَ بِهِ عَلَى ثُبُوتِهِ .

اس حدیث کو امام احمد، امام ابوداود اور امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے مذکورہ حکم کا قول اس حدیث کے ثابت ہونے پر معلق کیا ہے۔

درایۃ الحدیث:......حضرات محدثین کا "بهز بن حكيم عن ابيه عن جده" کی اسناد والی حدیث میں اختلاف ہے کہ یہ ترجمہ مقبول ہے یا نہیں؟ چنانچہ بعض نے اس ترجمہ کو ضعیف کہا ہے۔ اس ترجمہ کی تضعیف کا سبب یہ حدیث ہے۔ کیونکہ ان حضرات نے مال کے ساتھ عقوبت دینے پر انکار کیا ہے۔ اسی لیے ان حضرات نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

ان علماء کا کہنا ہے کہ اگر بہز کی یہ حدیث نہ ہوتی تو ان کی حدیث حسن یا موقوف ہوتی۔ لیکن امام احمد اور امام اسحاق بن راہویہ نے بہز کی حدیث کو قبول کر کے اسے صحیح کہا ہے۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ یہ حدیث ان میں طعن کا سبب نہیں۔ کیونکہ اس حدیث کا متن منکر نہیں۔ کیونکہ شریعت میں مالی غرابت کی متعدد امثلہ ونظائر موجود ہیں، لہٰذا ایسی بات کے روایت کرنے کی وجہ سے کسی راوی میں قدح، جرح اور تعلیل بیان نہیں کی جا سکتی۔

امام ابن قیم فرماتے ہیں: اس بات کی بنا پر جنابِ بہز میں قدح کرنا ''دوران'' (دَور) کہلائے گا۔ جبکہ اہل علم کے نزدیک ''دَور'' ❷ باطل ہے۔ وہ یوں کہ ہم نے اس حدیث کو راوی کی وجہ سے اور راوی کو حدیث کی وجہ سے باطل قرار دیا، بلاشبہ اس پر ''دور'' کی تعریف صادق آتی ہے جو باطل ہے۔ اس لیے صحیح وہی ہے جو امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ اس بات کی

❶ سنن ابی داود: 1575۔ سنن النسائی: 16/5۔ المستدرك للحاكم: 398/1۔ مسند احمد: 4/5۔ صحيح ابن خزيمة: 2266۔ امام بیہقی نے ضعیف اسناد کے ساتھ امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر یہ حدیث ثابت ہوتی تو ہم یہ قول اختیار کرتے (کہ مانعین زکوٰۃ پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد جرمانہ بھی عاید کیا جائے گا)۔ اس کے بعد امام بیہقی فرماتے ہیں: جرمانہ عائد کرنے کے اس حکم کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اوائلِ اسلام میں جائز تھا جبکہ بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ (دیکھیں: سنن البيهقي: 105/4)

❷ دَور: یہ ایک شے کو ایک ایسی دوسری شے پر موقوف کرنا ہے جو خود اسی پہلی شے پر موقوف ہو۔ اسے دور کہتے ہیں۔ جیسے الف موقوف ہے ب پر اور ب موقوف ہے الف پر۔ کہ یہ دور ہے جو باطل ہے۔ دیکھیں: التعريفات للجرجاني ، رقم الاصطلاح: 695، ص: 76۔ (نعیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نا پر راوی پر طعن جائز نہیں ہے اور یہ کہ مذکورہ حدیث قواعد شرعیہ کے مطابق ہے، جس کی تفصیل آگے آجاتی ہے۔

غریب الحدیث :...... فِیْ کُلِّ سَائِمَةِ اِبِلٍ: سائمہ کا معنی گزشتہ میں مفصل بیان کر دیا گیا ہے۔ مذکورہ حدیث سابقہ حدیث انس رضی اللہ عنہ کے لیے گویا کہ قید کا بیان ہے کیونکہ وہاں اونٹوں کی زکوۃ میں مطلق اونٹوں کا ذکر ہے جبکہ یہاں ساتھ میں یہ شرط بھی مذکور ہے کہ ان اونٹوں کا سائمہ ہونا بھی شرط ہے۔

فِیْ اَرْبَعِیْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ: یہ مسئلہ مفصل ذکر کیا جا چکا ہے جہاں اس کی لغوی وضاحت اور ترکیب و تحقیق بھی ذکر کر دی گئی ہے۔

لَا تُفَرَّقُ اِبِلٌ عَنْ حِسَابِهَا: مراد اس حساب اور شمار کو متفرق کرنا ہے جس پر زکوۃ واجب ہوتی ہو۔ یہ مسئلہ اپنی تمام صورتوں سمیت مفصل ذکر کر دیا گیا ہے۔

مَنْ اَعْطَاهَا: مراد زکوۃ واجبہ ادا کرنا ہے۔

مُؤْتَجِرًا بِهَا فَلَهٗ اَجْرُهَا: مراد طَالِبًا الْاَجْرَ ہے۔ یہ بابِ افتعال کا صیغہ ہے جس میں طلب کا معنی پایا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جو رب تعالیٰ کی خوشنودی اور اس سے اجر و ثواب کی نیت و ارادہ کے ساتھ زکوۃ دیتا ہے، اسے زکوۃ دینے پر اجر و ثواب ملے گا اور جو ریاکاری، دکھلاوے اور نام و نمود کے لیے زکوۃ ادا کرتا ہے، حاکم اور عامل کے جبر کے ڈر سے زکوۃ دیتا ہے کہ اگر زکوۃ نہ دوں گا تو وہ زبردستی لے لے گا تو ایسے شخص کا فریضہ تو ادا ہو جائے گا مگر اسے زکوۃ دینے کا اجر اور رب تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی نہ ملے گی۔

وَ مَنْ مَنَعَهَا: یعنی جو زکوۃ روک دے اور ادا نہ کرے۔

فَـاِنَّـا: مذکورہ ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے اور جمع کا صیغہ یا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے عاملین کے اعتبار سے ہے یا پھر خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ کریمہ کے اعتبار سے ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلطنت و اختیار حاصل تھا اور جمع کی یہ ضمیر اِنَّ کا اسم ہے۔

آخِذُوْهَا: یہاں جمع مذکر کی علامت نونِ اعرابی اضافت کی وجہ سے ساقط ہے اور یہ اِنَّ کی خبر ہے۔

وَ شَطْرَ مَالِهٖ: مذکورہ واؤ واوِ معیت ہے جو مَعَ کے معنی میں ہے۔ پس تقدیری عبارت یہ ہوگی فَـاِنَّا آخِذُوْهَا مَعَ شَطْرِ مَالِهٖ. تب پھر "شطر ماله" نحوی اصطلاح کی رو سے مفعول معہ کہلائے گا۔ جبکہ مذکورہ واؤ عاطفہ بھی ہو سکتی ہے اور اس کا عطف هَا ضمیر مجرور متصل پر ہوگا اور اب شَطْرِ مَالِهٖ کے اعراب جر کے ہوں گے اور تقدیری عبارت یہ ہوگی فَـاِنَّا آخِذُوْهَا وَ شَطْرِ مَالِهٖ کہ لفظِ شَطْرَ پر جر ہوگا اور شطر کا معنی ہے نصف اور آدھا۔ مراد یہ ہے کہ جو زکوۃ کو روکے گا اس سے زکوۃ تو جبراً لی ہی جائے گی البتہ روکنے کے جرم کی سزا یہ دی جائے گی کہ مالِ زکوۃ کے ساتھ بطورِ مالی تاوان اور جرمانہ کے اس کا آدھا مال بھی بحقِ بیت المال المسلمین کے لے لیا جائے گا اور یہی قول صحیح ہے۔ لہٰذا جو لوگ اس تاوان سے بھاگنے کے لیے اس حدیث میں تحریف کے قائل ہیں، ان کا قول صحیح نہیں۔ کیونکہ دراصل یہ تعزیر ہے۔ تو جب بدن میں تعزیر ثابت اور جائز ہے تو صحیح قول یہ ہے کہ یہ تعزیر مال میں بھی ثابت ہے۔

رہا یہ سوال کہ بطورِ تعزیر اور تاوان کے جو آدھا مال لیا جائے گا، اس سے کل مال مراد ہے یا صرف مالِ زکوۃ مراد ہے؟ تو مذکورہ الفاظ میں دونوں باتوں کا ہی احتمال ہے۔ البتہ کل مال مراد لینے میں تاوان کی مقدار بہت بڑھ جاتی ہے اور مسلمان کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مال میں اصل حرمت ہے اس لیے راجح قول یہ ہے کہ اس سے مراد مالِ زکوٰۃ کا نصف ہے۔

عَزْمَةً مِنْ عَزَمَاتِ اللّٰهِ [1]: عَزْمَةً کے اعراب میں دو روایتیں ہیں۔ نصب کے ساتھ بھی اور رفع کے ساتھ بھی۔ رفع کی روایت کے لحاظ سے یہ مبتدا محذوف کی خبر ہوگی اور تقدیری عبارت هِيَ عَزْمَةٌ ہوگی۔ جبکہ نصب کی روایت ہونے کی صورت میں اسے ماقبل کے مضمون کی تاکید ہونے کی بنا پر منصوب کہا جائے گا اور اسے ماقبل کے جملہ کے لیے مصدر موکد کہیں گے اور عَزْمَةً بمعنی اَكِيْدَةً ہوگا اور تقدیری عبارت یہ ہوگی: فَاِنَّا آخِذُوْهَا اَخْذًا مُؤَكَّدًا کہ ''ہم اس زکوٰۃ کو لے کر رہیں گے کہ یہ لینا پکا ہے۔''

لَا يَحِلُّ: یعنی حرام ہے۔ کیونکہ مطلق حلت کے بالمقابل مطلق حرمت ہوتی ہے۔ لہٰذا لَا يَحِلُّ یہ يَحْرُمُ کے کہنے کے جیسا ہے۔

لِاٰلِ مُحَمَّدٍ ﷺ: مراد جنابِ رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار ہیں نہ کہ آپ ﷺ کے پیروکار، چاہے جتنے بھی صادق اور متقی پیروکار ہی کیوں نہ ہوں۔ لہٰذا مالِ زکوٰۃ کے حرام ہونے کے اس حکم میں آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی داخل نہ ہوں گے۔ کیونکہ اگر ہم اس سے آپ ﷺ کے پیروکار مراد لیں گے تو مذکورہ حدیث کا معنی غیر مستقیم ٹھہرتا ہے کیونکہ تب پھر کسی بھی مسلمان کو زکوٰۃ لینا جائز نہ ٹھہرے گا اور صرف کفار ہی زکوٰۃ کے مال کے مستحق ٹھہریں گے۔ جبکہ اس بات کا قائل کوئی بھی نہیں۔ رہا یہ سوال کہ آلِ محمد ﷺ سے جب قرابت دار مراد ہونا بالتاکید متعین ہوگا تب پھر قرابت دار سے کون کون مراد ہیں؟ تو صحیح قول یہ ہے کہ اس سے مراد صرف بنو ہاشم ہیں نہ کہ بنو مطلب۔ لہٰذا آلِ مطلب کے لیے مالِ زکوٰۃ حلال ہوگا۔

رہی ازواجِ مطہرات کے اس حکم میں داخل ہونے کی بحث تو واقع یہ ہے کہ اس بحث کی سرے سے ضرورت ہی نہیں کیونکہ اب یہ بات ممکن ہی نہیں کہ ازواجِ مطہرات میں سے کسی کو زکوٰۃ دی جا سکے کیونکہ جملہ ازواجِ مطہرات رب ذوالجلال کے جوارِ رحمت میں جا چکی ہیں۔ البتہ یہ بات حقیقی اور منصوص ہے کہ ازواجِ مطہرات جنابِ رسول اللہ ﷺ کی آل میں داخل ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ ....﴾ (الاحزاب: 33-34)

''اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کے زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کر دے اے گھر والو! اور تمھیں پاک کر دے، خوب پاک کرنا۔ اور تمھارے گھروں میں اللہ کی جن آیات اور دانائی کی باتوں کی تلاوت کی جاتی ہے، انھیں یاد کرو۔''

مضمونِ حدیث:...... مذکورہ حدیث میں بنیادی طور پر چند مسائل ذکر ہیں جو یہ ہیں:

(1) اونٹوں میں زکوٰۃ واجب ہے جن کا سائمہ ہونا شرط ہے۔ ان کے نصاب کا مفصل بیان گزر چکا ہے۔

---

[1] عَزْمَةً مِنْ عَزَمَاتِ اللّٰهِ: حق واجب۔ دیکھیں: القاموس الوحید، ص: 1079۔ (تمیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(2) رب کی رضا کے لیے زکوٰۃ دینے سے اجر بھی ملتا ہے۔

(3) ریا کاری سے زکوٰۃ دینے سے آدمی اجر سے محروم رہتا ہے۔

(4) زکوٰۃ روکنے والے سے جبراً زکوٰۃ وصول کی جائے گی اور بطور جرمانہ کے مالِ زکوٰۃ کا نصف بھی ساتھ لیا جائے گا۔

(5) آلِ رسول ﷺ پر زکوٰۃ کا مال حلال نہیں جو بنو ہاشم اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں۔

(6) زکوٰۃ روکنے والے سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم تاکیدی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ ہر عمل میں اخلاص لازم ہے جو اس کے عند اللہ مقبول اور ماجور ہونے کی شرطِ اول ہے۔ اس کی دلیل مُؤْتَجِرًا بِهَا کے الفاظ ہیں۔

◈ اجر کی نیت کرنا عبادت کے کمال میں نقص نہیں۔ جو لوگ ثواب کی نیت سے عبادت کرنے کو ناقص عبادت کہتے ہیں، وہ درستی سے دُور ہیں۔ رب تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ وصف بیان فرمایا ہے کہ وہ رب تعالیٰ کی خوشنودی چاہنے کے لیے عبادت کیا کرتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ (الفتح : 29)

''محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت رحم دل ہیں، تو انھیں اس حال میں دیکھے گا کہ رکوع کرنے والے ہیں، سجدے کرنے والے ہیں، اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا ڈھونڈتے ہیں۔''

◈ اخلاص سے عبادت کرنے والے کے اجر کا ذمہ دار خود اللہ ہے اس کی دلیل جناب رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ مبارکہ ہیں فَلَهُ أَجْرُهَا.

◈ معلوم ہوا کہ واجب زکوٰۃ روکنا حرام ہے کیونکہ زکوٰۃ روکنے پر عقوبت کا بیان ہے جو اس فعل کے حرام ہونے کی دلیل ہے۔

◈ معلوم ہوا جس طرح تعزیر بدنی جائز ہے اسی طرح تعزیر مالی بھی جائز ہے جس کی دلیل فَإِنَّا آخِذُوْهَا وَ شَطْرَ مَالِهِ. کے الفاظ ہیں۔

◈ معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کی شریعت عدل پر مبنی ہے جس کی دلیل عَزْمَةٌ مِنْ عَزَمَاتِ اللّٰهِ کے الفاظ ہیں۔ اس سے مراد واجباتِ شرعیہ ہیں کیونکہ جو بات رب تعالیٰ اپنے اوپر واجب فرماتے ہیں، وہ عزیمت ہوتی ہے۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ شریعت کو رب تعالیٰ سے لیتے ہیں۔

◈ آلِ محمد ﷺ کے لیے زکوٰۃ لینا اور انہیں زکوٰۃ کا مال دینا دونوں باتیں ناجائز ہیں۔ آلِ محمد ﷺ کی تفصیل و تعیین غریب الحدیث کے تحت بیان ہو چکی ہے۔ معلوم ہوا کہ حلت کی نفی کسی شے کی تحریم کو مستلزم ہے۔

◈ مفتی اور عالم کے لیے کسی بات کو دلیل کے ثابت ہونے کے ساتھ معلق کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث کا قول کرنے کو اس حدیث کے ثابت ہونے کے ساتھ معلق کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ کی شروط

592,593- وَعَنْ عَلِيٍّ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا كَانَتْ لَكَ مِائَتَا دِرْهَمٍ، وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ، فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ، وَلَيْسَ عَلَيْكَ شَيْءٌ حَتّٰى يَكُوْنَ لَكَ عِشْرُوْنَ دِيْنَارًا، وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ، فَفِيْهَا نِصْفُ دِيْنَارٍ، فَمَا زَادَ فَبِحِسَابِ ذٰلِكَ، وَلَيْسَ فِيْ مَالٍ زَكَاةٌ حَتّٰى يَحُوْلَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ)).

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تیرے پاس (چاندی کے) دو سو درہم ہوں اور ان پر ایک سال بھی گزر چکا ہو تو ان میں پانچ درہم (زکوٰۃ) واجب ہے اور (سونے کی بابت زکوٰۃ کا یہ حکم ہے کہ سونے میں) تم پر کوئی شے واجب نہیں ہے یہاں تک کہ تیرے پاس بیس دینار ہو جائیں اور ان پر ایک سال بھی بیت جائے کہ تب ان میں نصف دینار (زکوٰۃ) واجب ہے۔ پس جو (سونا اور چاندی اس مذکورہ نصاب کی تعداد سے) زیادہ ہو جائے تو (ان کی زکوٰۃ) اسی کے حساب سے ہوگی اور کسی مال میں (چاہے وہ سونا چاندی ہو یا درہم و دینار اور چاہے وہ مویشی ہوں یا مالِ تجارت) کوئی زکوٰۃ (واجب) نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر (پورا ایک) سال (نہ) گزر جائے۔ [1]

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ، وَهُوَ حَسَنٌ، وَقَدِ اخْتَلَفُوْا فِيْ رَفْعِهِ.

اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث حسن ہے البتہ اس حدیث کے مرفوع ہونے میں اختلاف ہے۔

درایۃ الحدیث:......امام موصوف رحمہ اللہ نے یہاں دو باتیں ذکر کی ہیں:

(1) ایک یہ کہ یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔

(2) دوسری یہ کہ اس حدیث کے مرفوع ہونے میں اختلاف ہے۔

گزشتہ صفحات میں یہ بات متعدد بار ذکر کی جا چکی ہے کہ جب کسی حدیث کے رفع اور وقف میں اختلاف ہو اور حدیث کو مرفوع روایت کرنے والا راوی ثقہ ہو تو وہ روایت مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے اور رافع راوی کا اضافہ مقبول ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک تو رفع میں ثقہ راوی کا اضافہ ہوتا ہے دوسرے اس لیے کہ رفع اور وقف میں کوئی تنافی و تضاد نہیں۔ مذکورہ حدیث میں چند مسائل مذکور ہیں جو سونے اور چاندی کے نصابِ زکوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کی شروط کے بیان پر مشتمل ہیں، ذیل میں ان کو ترتیب وار بیان کیا جاتا ہے۔

چاندی کا نصاب

چاندی جب تک دو سو درہم نہ ہو جائے اس میں کوئی زکوٰۃ نہیں چاہے وہ دراہم ایک سو ننانوے ہی کیوں نہ ہو۔ اب دو سو

---

[1] سنن ابی داود: 1573۔ علامہ زیلعی رحمہ اللہ نے امام نووی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث حسن یا صحیح ہے۔ دیکھیں: نصب الرایۃ: 328/2۔ علامہ ضیاء مقدسی رحمہ اللہ نے "المختارۃ" (154/2) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ امام موصوف رحمہ اللہ اپنی تصنیف لطیف "التلخیص الحبیر" (156/2) میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد میں کوئی حرج نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دراہم، یہ ایک سو چالیس مثقال وزن کے برابر ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایک اسلامی درہم ایک مثقال کا ساتواں حصہ ہوتا ہے۔ جبکہ ایک مثقال چار گرام کا ہوتا ہے۔ یوں چاندی کا نصاب پانچ سو پچانوے گرام بنا۔

سونے کا نصاب

سونا جب تک بیس دینار نہ ہو جائے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور ایک دینار یہ ایک مثقال وزن کے برابر ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی کے پاس بیس مثقال وزن کے برابر سونا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وزن کے اعتبار سے ''درہم'' دینار سے ہلکا ہوتا ہے۔ ہاں حجم کے اعتبار سے بسا اوقات چاندی کا سکہ سونے کی اشرفی سے بڑا بھی ہوتا ہے لیکن اعتبار حجم کا نہیں بلکہ وزن کا ہے۔

سونے چاندی کی زکوٰۃ کی شروط

(1) اگر چاندی دو سو دراہم سے کم اور سونا بیس دینار سے کم ہو تو ان میں زکوٰۃ نہیں۔

(2) اگر سونے چاندی کا نصاب پورا ہو تو جب تک ان پر پورا ایک سال نہ گزر جائے ان میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ لہٰذا سال سے پہلے ان اشیاء پر زکوٰۃ نہیں اور سال گزرنے کی یہ شرط مویشیوں کی زکوٰۃ میں بھی ہے۔

(3) چاندی کی زکوٰۃ دو سو درہم میں پانچ درہم اور بیس دینار میں آدھا دینار ہے جو سونے چاندی کے مذکورہ نصابوں کا چالیسواں حصہ بنتا ہے۔

(4) سونے اور چاندی میں سے جس کا بھی نصاب پورا ہوگا، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ لہٰذا مذکورہ حدیث میں لَيْسَ عَلَيْكَ شَيْءٌ سے مراد سونے کا نصاب ہے۔

(5) سال سے قمری سال مراد ہے جو دراصل عالمی سال ہے نہ کہ شمسی سال جو کہ وضعی اور وہمی سال ہے۔

سال گزرنے کی شرط کی حکمت

زکوٰۃ اصل میں اموالِ نامیہ پر واجب ہوتی ہے اور کسی چیز کی نمو اور نشوونما کا اندازہ چند دنوں یا مہینوں میں نہیں لگایا جا سکتا۔ لہٰذا اس کے لیے کوئی معتبر عرصہ ہونا لازم ہے۔ پس اگر اس زمانہ کی تعیین دو سال سے کی جائے تو اس میں مستحقین زکوٰۃ کی حق تلفی ہے اور اگر چند ماہ کی جائے تو اس میں اصحابِ مال کا ضرر ہے۔ اس لیے سال کا عرصہ فریقین کے حق میں بے حد مناسب ٹھہرتا ہے۔

نصاب سے زیادہ مال میں زکوٰۃ کے وجوب کا ضابطہ

سونے چاندی کا نصاب بیان ہو چکا جس میں اصل یہ ضابطہ مستفاد و مستنبط ہوتا ہے کہ زکوٰۃ نصابِ زکوٰۃ کے چالیسویں حصہ پر واجب ہوتی ہے۔ یہیں سے نصاب سے زائد مال پر زکوٰۃ کے وجوب کا قاعدہ بھی اخذ کیا جائے گا۔ وہ یوں کہ نصاب سے جو مال بھی زیادہ ہوگا اس زائد کی قیمت کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ اس زائد مال میں واجب ہوگی۔ لہٰذا اگر کسی کے پاس دو سو ایک درہم ہوں تو دو سو میں تو پانچ درہم واجب ہوں گے جو دو سو کا چالیسواں حصہ ہے جبکہ زائد ایک درہم میں ایک درہم کا چالیسواں حصہ واجب ہوگا۔ ایسا ہی دیناروں میں بھی ہوگا۔ اسی ضابطہ کو حدیث شریف میں فَمَا زَادَ فَبِحِسَابِ ذٰلِكَ کے الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غلوں اور پھلوں کی زکوٰۃ کی شرط

سال گزرنے کی مذکورہ شرط سونے چاندی اور مویشیوں میں تو معتبر ہے، البتہ غلوں، پھلوں اور میووں میں نہیں، ان میں ان کے پک کر کٹنے تک کا زمانہ شرط ہے۔ لہٰذا جب بھی فصل پک کر کٹ جائے گی یا پھل پک کر اتار لیا جائے گا، اس میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی چاہے یہ عرصہ چار ماہ یا چھ ماہ کا ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ (الانعام: 141)

''اور اس کا حق اس کی کٹائی کے دن ادا کرو۔''

پس پھلوں، میووں اور غلوں میں زکوٰۃ کے وجوب کا وقت ان کا یوم حصاد ہے جو مختلف غلوں اور پھلوں میووں میں مختلف ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ وَ لَيْسَ فِيْ مَالٍ زَكٰوةٌ میں مَالٍ کے لفظ کے عموم سے دو باتوں کی تخصیص ہوگئی۔

(1) ایک یہ کہ مال سے صرف مالِ نامی مراد ہے۔

(2) اور مالِ نامی سے بھی غلے اور میوے وغیرہ مستثنیٰ ہیں۔

مال مستفاد میں زکوٰۃ کا حکم

وَلِلتِّرْمِذِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما: ((مَنِ اسْتَفَادَ مَالًا ، فَلَا زَكَاةَ عَلَيْهِ حَتَّى يَحُوْلَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ)).

جامع الترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جسے (سال کے دوران) کوئی مال (مزید) ملا (یعنی اسے موجود مال کا فائدہ اور نفع ملا یا وہ زائد مال وراثت ہبہ یا کسی اور صورت کے ذریعہ ملا) تو اس مال پر کوئی زکوٰۃ (واجب) نہ ہوگی، یہاں تک کہ اس پر سال (نہ) گزر جائے۔ ❶

وَالرَّاجِحُ وَقْفُهٗ.

راجح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔

غریب الحدیث :......مَنِ اسْتَفَادَ مَالًا: یعنی اسے اپنے مال کا نفع اور فائدہ ملا اور مذکورہ مَنْ شرطیہ اور یہ جملہ شرطیہ ہے اور مَالًا میں نکرہ ہونے اور شرط کے سیاق کے تحت ہونے کی وجہ سے عموم ہے۔ لہٰذا لفظ مال سونا، چاندی، روپیہ پیسہ، مال مویشی، غلوں، میووں، پھلوں اور سامان تجارت سب کو شامل ہے۔

مالِ مستفاد کی اقسام اور ان پر زکوٰۃ واجب ہونے کی صورتیں اور احکام

حَتّٰى يَحُوْلَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ: بظاہر مالِ مستفاد میں زکوٰۃ کے وجوب کے لیے بھی حولانِ حول کی شرط لازم لگتی ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ مالِ مستفاد میں حولانِ حول کے شرط ہونے کا انحصار خود مالِ مستفاد کی اقسام پر ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(1) اگر تو مالِ مستفاد غیر جنس سے ہو تو اس میں زکوٰۃ کے وجوب کے لیے حولانِ حول شرط ہوگا۔ جیسے پاس تو چاندی تھی لیکن نفع میں سونا ملا یا وہ سونا ترکہ یا ہبہ میں ملا، اس مستفاد سونے کو چاندی کے نصاب میں ضم نہ کیا جائے گا۔ تو اب اس مستفاد سونے پر زکوٰۃ کے واجب ہونے کے لیے ایک سال کا گزرنا شرط ہے۔ کیونکہ اس مستفاد سونے کو چاندی کے نصاب میں ضم نہ کیا جائے گا۔

❶ جامع الترمذی: 631۔ سنن البیهقی: 103/4۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(2) یا پھر وہ مالِ مستفاد خود موجود مال سے نمو کی بنا پر ملا ہو یا اس کا نفع ملا ہو تو اس میں حولانِ حول کی شرط نہ ہوگی۔ جیسے کسی کی بکریاں نصاب کے بقدر تھیں۔ سال کے دوران متعدد بکریوں نے بچے جن دیئے۔ اسی طرح کسی کو اپنے دو سو درہم کا سال کے دوران نفع ملا تو ان جنم لینے والی بکریوں اور نفع میں ملنے والے دراہم کو پاس موجود بکریوں اور چاندی کے نصاب میں شامل کیا جائے گا اور اس مالِ مستفاد پر زکوۃ کے وجوب کے لیے حولانِ حول شرط نہ ہوگا۔

(3) مالِ مستفاد کی تیسری صورت یہ ہے کہ وہ ہو تو پاس موجود مال کی جنس میں سے ہی لیکن موجود مال خود بقدرِ نصاب نہ ہو اور نصاب مالِ مستفاد کے ملانے سے مکمل ہوتا پس اس مستفاد مال کو نصاب کی تکمیل کے لیے موجود مال کے ساتھ ملایا گیا ہو نا کہ سال کی تکمیل کے لیے۔ جیسے کسی کے پاس دس دینار تھے جن پر زکوۃ نہیں آتی۔ اُن پر چھ ماہ گزرے تھے کہ اسے ترکہ سے دس دینار اور مل گئے تو اب یہ کل بیس دینار ہو گئے جو کہ سونے کی زکوۃ کا نصاب ہے۔ تو اب ان دس مستفاد دیناروں کو نصاب کی تکمیل کے لیے ملایا جائے گا نہ کہ سال کی تکمیل کے لیے۔ لہٰذا اب ان بیس دیناروں پر چھ ماہ کے بعد ایک سال مزید گزرنے پر زکوۃ واجب ہوگی۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ جب بھی نصاب مکمل ہوگا زکوۃ کا وجوب تکمیل نصاب کے ایک سال بعد ہوگا۔ اس بنا پر مذکورہ حدیث میں بظاہر جو عموم معلوم ہو رہا تھا، اس میں تخصیص ہوگی جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

رہی اس تقسیم کی دلیل تو اس کا ایک اجمالی تجزیہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

(1) مالِ مستفاد چاہے نمو کا نتیجہ ہو یا نفع ہو، یا تو وہ موجود مال کی جنس میں سے ہوگا یا غیر جنس میں سے ہوگا۔ پس اگر تو وہ نفس مال میں سے ہے تو اس کی فرع کہلائے گا اور فرع حکم میں اصل کے تابع ہوتی ہے اور دونوں کا حکم ایک ہوتا ہے۔

(2) اموالِ زکوۃ کی بابت وارد نصوص بتلاتی ہیں کہ عاملینِ زکوۃ زکوۃ وصول کرتے وقت اس بات کی تفصیل دریافت کیا کرتے تھے کہ یہ نمو (بڑھوتری) یا نفع سال پورا ہونے کے بعد ملا ہے یا دوران سال ملا ہے۔

(3) تیسرے اگر مالِ مستفاد کو مستقل مال مان لیا جائے تو اس کی الگ سے زکوۃ دینے میں خود صاحب مال کو دقت ہے کہ جیسے جیسے اور جب جب اور جتنا جتنا نفع ملتا جائے وہ اس کا الگ الگ حساب اور کھاتہ بناتا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ بے حد مشکل اور دشوار ہے۔

(4) چوتھے نفع اور مالِ مستفاد کو موجود مال کی فرع قرار دینے میں مستحقین زکوۃ کی مصلحت ومنفعت بھی ہے۔

کھیتی باڑی اور بار برداری کے کام میں لائے جانے والے بیلوں اور گائیوں کی زکوۃ کا حکم

594- وَعَنْ عَلِيٍّ ﷺ قَالَ: ((لَيْسَ فِي الْبَقَرِ الْعَوَامِلِ صَدَقَةٌ)).

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ (کھیتی باڑی وغیرہ کے) کام میں لائے جانے والے بیلوں (اور گائیوں) میں کوئی زکوۃ نہیں۔ ❶

رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ، وَالرَّاجِحُ وَقْفُهُ أَيْضًا.

اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام دارقطنی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کا بھی موقوف ہونا راجح ہے۔

❶ سنن ابی داود: 1572- سنن الدارقطنی: 103/2- المحلی لابن حزم: 70/6- ابن قطان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ دیکھیں: خلاصۃ البدر المنیر: 292/1.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غریب الحدیث:...... صَدَقَةٌ: یہ لَیْسَ فعل ناقص کا اسم موخر ہے اور مراد فرض زکوٰۃ ہے۔
اَلْبَقَرِ الْعَوَامِلِ: عَوَامِلُ یہ عَامِلَةٌ کی جمع ہے۔ عَامِلَةٌ کھیتی باڑی اور بار برداری کے کام میں لائے جانے والے بیلوں اور گائیوں کو کہتے ہیں۔

وَ الرَّاجِحُ وَقْفُهُ أَيْضًا: یعنی راجح قول یہ ہے کہ یہ جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ گزشتہ صفحات میں اس بات کو بارہا ذکر کیا جا چکا ہے کہ اگر تو کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا قول ایسا ہو کہ اس میں عقل یعنی قیاس کا کوئی دخل نہ ہو سکتا ہو تو وہ قول حدیث مرفوع کے حکم میں داخل ہوتا ہے اور اگر اس میں عقل و قیاس کا دخل ممکن ہو تو وہ قول حدیث مرفوع کے حکم میں داخل نہ ہو گا۔ چونکہ مذکورہ قول کو اس حدیث نبوی کہ ”آدمی کے غلاموں اور گھوڑوں میں کوئی زکوٰۃ نہیں۔“ پر قیاس کیا جا سکتا ہے تو مذکورہ قول حدیث مرفوع کے حکم میں داخل نہ ہو گا اور جب کوئی قولِ صحابی حدیث مرفوع کے حکم میں داخل نہ ہو تو وہ قول اس قاعدہ کے تحت داخل ہوتا ہے کہ قولِ صحابی حجت ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر اور خلیفہ راشد صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول حجت ہوتا ہے کیونکہ ہمیں حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے قول و فعل کی اتباع اور پیروی کا حکم ہے۔ بالخصوص جبکہ قیاس صحیح بھی اس قول کی تائید کرتا ہو اور وہ قیاس اوپر ذکر کر دیا گیا ہے۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جو چوپائے اور آلات آدمی کی ذاتی مصلحت اور تجارت و زراعت کے حصول میں بطورِ ذریعہ اور سبب کے استعمال ہوتے ہوں ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ چوپائے اور یہ آلات (جیسے فیکٹری، مل وغیرہ کی مشینیں) بذاتِ خود تجارت کی غرض سے نہیں۔ لہٰذا ان کا شمار اموالِ نامیہ میں نہ ہو گا اور ان میں زکوٰۃ واجب نہ ہو گی۔

تنبیہ:...... معلوم ہوا کہ وہ چوپائے جن کو کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے، جیسے کھیتی باڑی اور بار برداری کے بیل اور گائیں، اسی طرح بار برداری کی گاڑیوں میں جوتے جانے والے گھوڑے، گدھے اور خچر وغیرہ کہ ان میں کوئی زکوٰۃ نہیں۔ اسی حکم میں فیکٹریوں اور ملوں میں لگائی جانے والی مشینری بھی داخل ہے کیونکہ ان مشینوں کے ذریعے اموالِ تجارت کو تیار کیا جاتا ہے نہ کہ خود ان کی تجارت کی جاتی ہے۔ پس ان مشینوں پر بھی زکوٰۃ واجب نہ ہو گی۔ البتہ جو فیکٹریاں انہی مشینوں کو تجارت اور فروخت کی غرض سے تیار کرتی ہیں تو اس وقت یعنی ان مشینوں کی تنصیب سے قبل ان کی خرید و فروخت پر زکوٰۃ آئے گی کیونکہ اس میں وہ مالِ تجارت ہوتی ہیں نہ کہ آلۂ عمل۔

نابالغ بچے کے مال میں زکوٰۃ کا حکم

595,596- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ وَلِيَ يَتِيمًا لَهُ مَالٌ فَلْيَتَّجِرْ لَهُ، وَلَا يَتْرُكْهُ حَتَّى تَأْكُلَهُ الصَّدَقَةُ)).

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”جو شخص اپنے کسی ایسے یتیم کا والی (اور نگران و نگہبان) بنا جس کا مال بھی ہو تو چاہیے کہ وہ (اس کے مال کی) اس کے لیے تجارت کرے (یعنی وہ اس مال کو پڑا پڑا ضائع نہ ہونے دے بلکہ اسے تجارت وغیرہ میں لگا کر کارآمد اور نفع بخش بنائے) اور اسے (یوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی بے کار) نہ چھوڑ دے کہ (واجب) صدقہ اسے کھا تا جائے۔ (کہ اس پر زکوۃ لگتی اور کٹتی رہے حتیٰ کہ وہ مال پڑا پڑا ختم ہو جائے)۔"❶

رَوَاهُ التِّـرْمِذِيُّ وَالدَّارَقُطْنِيُّ، وَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ.

اس حدیث کو امام ترمذی اور امام دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد ضعیف ہے۔

وَلَهُ شَاهِدٌ مُرْسَلٌ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ.

مسند الشافعی میں اس کا ایک مرسل شاہد بھی ہے۔

غریب الحدیث :......مَنْ وَلِيَ يَتِيمًا: مَنْ یہ شرطیہ ہے لہٰذا یہ جملہ شرطیہ ہوگا۔یتیم کی تعریف گزر چکی ہے اور وَلِيَ سے مراد اس کے امور اور مال جائیداد کا ولی ونگہبان ہونا ہے۔

لَهُ مَالٌ: یہ جملہ خبریہ ہے اور يَتِيمًا کی صفت ہے۔

فَلْيَتَّجِرْ لَهُ: مذکورہ فَا جواب شرط پر داخل ہے لہٰذا مذکورہ جملہ جواب شرط ہوگا اور یہ لام امر کا ہے اور لَهُ میں هَا مجرور متصل کی ضمیر يَتِيمًا کی طرف راجع ہے اور مذکورہ لَام تعلیل کا ہے یعنی وہ والی یتیم کے لیے اور اس کی منفعت ومصلحت کے لیے اس کے مال کو تجارت میں لگائے۔اَلْاِتِّجَار: یہ مال میں نفع کے حصول کی غرض سے تصرف کرنے کو کہتے ہیں۔

وَ لَا يَتْرُكْهُ: اس کا فَلْيَتَّجِرْ پر عطف ہے۔

حَتّٰى تَأْكُلَهُ: مراد صدقہ کا اس مال کو ختم کر دینا ہے۔بظاہر ان الفاظ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ صدقہ دینے سے مال ختم ہو جاتا ہے جبکہ ایک روایت میں ارشاد نبوی ہے کہ "صدقہ دینے سے مال میں کوئی کمی نہیں آتی۔"❷ بظاہر ان دونوں روایات میں تعارض لگتا ہے۔لیکن ان دونوں احادیث میں جمع کی صورت پیدا ہوسکتی ہے جس سے یہ ظاہری تعارض رفع ہو جائے گا۔وہ یوں کہ نقص کی خود دو قسمیں ہیں: (1) ایک نقصِ عین (2) اور دوسری نقصِ معنی۔

اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ صدقہ دینے سے مال میں نقصِ عین واقع ہوتا ہے البتہ اس سے مال میں نقصِ معنی واقع نہیں ہوتا۔چنانچہ حدیث الباب میں مذکورہ نقص سے نقصِ عین مراد ہے جبکہ صحیح مسلم میں جس نقص کی نفی ہے وہ نقصِ معنی ہے، تب پھر دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہ رہا۔

مضمون حدیث :......مذکورہ حدیث میں یتیموں کے اموال کی نگرانی کی سخت تاکید مذکور ہے۔لہٰذا جو کسی یتیم کا والی ہو وہ اس کے جملہ امور کا ازحد خیال رکھے بالخصوص اس کے مال کو ضائع ہونے سے ہر صورت میں بچائے۔لہٰذا اسے تجارت میں لگا کر نفع بخش بنائے اور ایسا نہ کرے کہ کھا پی کر اور اس کی زکوۃ ادا کرتے کرتے اس کو ختم ہی کر دے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ معلوم ہوا کہ مذکورہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ ایک تو اس کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے۔دوسرے جو حدیث اس کی

❶ جامع الترمذی: 641۔ سنن الدارقطنی: 109/2۔ اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے جیسا کہ امام موصوف نے متن کتاب میں ذکر کیا ہے کیونکہ اس کی اسناد کا ایک راوی مثنیٰ بن صباح ضعیف ہے۔جبکہ "مسند الشافعی" (ص 92) میں اس کا ایک مرسل شاہد بھی مذکور ہے۔

❷ صحیح مسلم: 2588 عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہد ہے، وہ بھی مرسل ہے۔

- معلوم ہوا کہ یتیموں کو بے آسرا نہ چھوڑا جائے اور نہ انہیں زمانہ کے حوالہ کیا جائے بلکہ درجہ بدرجہ قرابتی رشتہ دار آگے بڑھ کر اسے اور اس کے مال کو سنبھالیں۔
- اور بلاشبہ یہ رب تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت ہے کہ اس نے یتیموں کے شرعی اولیاء مقرر کیے ہیں۔
- معلوم ہوا کہ نابالغ کے مال پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ جس کی دلیل وَ لَا يَتْرُكُهُ حَتّٰى تَأْكُلَهُ الصَّدَقَةُ کے الفاظ ہیں۔

زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو دعا دینا

597- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ أَوْفٰى ﷺ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَتَاهُ قَوْمٌ بِصَدَقَتِهِمْ قَالَ: ((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِمْ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب لوگ آپ ﷺ کے پاس اپنے صدقاتِ (واجبہ) لے کر (خود) حاضر خدمت ہوتے تھے تو آپ ﷺ (رب تعالیٰ کے ایک فریضہ کو ادا ہوتے دیکھ کر فرطِ مسرت سے) انہیں یوں دعا دیتے تھے: ''اے اللہ ان پر اپنی رحمتِ خاصہ نازل فرما۔'' [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث :...... قَوْمٌ: مراد جماعت ہے۔ لفظ قوم کا اطلاق کب مردوں پر اور کب مردوں اور عورتوں دونوں پر ہوتا ہے؟ اس فرق کو گزشتہ میں تفصیلاً ذکر کیا جا چکا ہے۔

صَلِّ عَلَيْهِمْ: صلوٰۃ کا اطلاق متعدد معانی پر ہوتا ہے۔ چنانچہ اس سے مراد دعا، رحمت اور ملائے اعلیٰ میں بندہ کی تعریف وغیرہ ہے اور یہی آخری تعریف اصح ہے جو کہ مشہور تابعی اور مفسر قرآن ابو العالیہ رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔

عَلَيْهِمْ میں هُمْ ضمیر مجرور متصل کا مرجع یہی آنے والے لوگ ہیں۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں زکوٰۃ کے فرض کو بخوشی اور صدق دل سے ادا کرنے کی فضیلت ذکر کی گئی ہے کہ جو لوگ از خود بطیبِ خاطر زکوٰۃ ادا کر جایا کرتے تھے جنابِ رسول اللہ ﷺ امر الٰہی کے اس پورا ہونے پر خوش ہو کر ان سعادت مندوں کو اپنی مستجاب دعاؤں سے نوازتے تھے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نبی کریم ﷺ خود بھی رب ذوالجلال کے بندے اور اس کے امر کے مامور اور امتثالِ امر پر ماجور تھے۔ جس کی دلیل اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِمْ کے الفاظ ہیں۔ کیونکہ صدقہ ادا کرنے والوں کو دعا دینے کا حکم آپ ﷺ کو خود رب تعالیٰ نے دیا ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ (التوبۃ: 103)

''ان کے مالوں سے صدقہ لے، اس کے ساتھ تو انھیں پاک کرے گا اور انھیں صاف کرے گا اور ان کے لیے دعا

---

[1] صحیح البخاری: 1497۔ صحیح مسلم: 1078۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر، بے شک تیری دعا ان کے لیے باعث سکون ہے۔''

◈ معلوم ہوا کہ زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو ان الفاظ کے ساتھ دعا دینا مشروع ہے۔

◈ یہیں سے غیر انبیاء کے حق میں بھی صلوٰۃ کا جواز معلوم ہو گیا۔ البتہ اس کی تین صورتیں ہیں:

(1) غیر انبیاء پر صلوۃ انبیاء کرام علیہم السلام پر صلوٰۃ کے تابع ہو۔ یہ صورت نص کی بنا پر جائز ہے جس کی دلیل یہ الفاظ ہیں: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ. (2) کسی خاص غیر نبی پر ہی صلوٰۃ بھیجی جائے کہ جب بھی اس کا ذکر ہو اسے صلوۃ بھیجی جائے۔ بلاشبہ یہ صورت ناجائز ہے کیونکہ اس میں غیر انبیاء کو انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ ملانا ہے جو ناجائز ہے۔

(3) کسی بھی غیر معین شخص پر بدون شعار اور دستور بنانے کے کسی سبب شرعی سے صلوٰۃ بھیجنا کہ یہ صورت جائز ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں زکوٰۃ کے لانے کے سبب لانے والے پر صلوۃ کا جواز مذکور ہے۔

◈ دوسرے کو نیکی کا بدلہ دیا جائے جیسا کہ یہاں دعا دے کر نیکی کا بدلہ دینا مذکور ہے۔ البتہ دعا کے ذریعہ بدلہ دینے کا دستور فرائض کی ادائیگی میں ہے۔

◈ زکوٰۃ خود بھی دی جاسکتی ہے اور حاکم اور امام کے اور عاملِ زکوٰۃ کے بھی حوالہ کی جاسکتی ہے۔

پہلے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم

598- وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ أَنَّ الْعَبَّاسَ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فِيْ تَعْجِيْلِ صَدَقَتِهِ قَبْلَ أَنْ تَحِلَّ، فَرَخَّصَ لَهُ فِيْ ذٰلِكَ)). رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (جب) جنابِ عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے سال پورا ہونے سے قبل جلدی زکوٰۃ ادا کرنے کی بابت دریافت کیا تو نبی کریم ﷺ نے انہیں اس بات کی رخصت عنایت فرمائی۔ [1]

اس حدیث کو امام ترمذی اور امام حاکم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :......عَنْ عَلِيٍّ: حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ یہ دونوں بزرگ صحابہ آل نبی ﷺ سے ہیں اور گزشتہ میں اس بحث کو مفصل ذکر کیا جا چکا ہے کہ ان دونوں بزرگوں میں افضل جنابِ علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

فِيْ تَعْجِيْلِ صَدَقَتِهِ: یعنی صدقہ کو اس کے واجب ہونے کے وقت سے قبل ادا کر دینے کے بارے میں سوال کیا۔

فَرَخَّصَ لَهُ: رخصت کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ گزشتہ میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کو اس کے واجب ہونے کے وقت سے قبل بھی ادا کر سکتے ہیں۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث کا مضمون واضح ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ آدمی کو اپنے دین کی بابت جن مسائل کا علم نہ ہو، ان کا معلوم کرنا مشروع ہے۔

---

[1] جامع الترمذی: 678- سنن ابی داود: 1624- سنن ابن ماجہ: 1995- المستدرك للحاكم: 375/3- سنن الدارقطنی: 124/2- امام دارقطنی فرماتے ہیں: زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت مرسل ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ''المجموع'' (126/6) میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

- زکوٰۃ کے وجوب کا ایک خاص وقت ہے جس کی دلیل قَبْلَ اَنْ تَحِلَّ کے الفاظ ہیں۔
- جب تک نصاب تمام نہ ہو زکوٰۃ کو اس کے وقت سے قبل ادا نہیں کر سکتے۔ لہٰذا جس مال کا نصاب ہی پورا نہ ہو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی چہ جائیکہ اس کو قبل از وقت ادا کرنے کا جواز بھی ہو۔
- یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مال کا نصاب پورا ہو تو اس کی زکوٰۃ قبل از وقت ادا کر سکتے ہیں۔
- ادائے زکوٰۃ میں عجلت رخصت ہے نہ کہ سنت۔ اس کی دلیل فَرَخَّصَ لَهٗ کے الفاظ ہیں۔ رہا قرض کے قبل از وقت ادا کرنے کا حسن ادا میں سے ہونا، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض وقت ادا سے قبل بھی لازم ہوتا ہے۔ جبکہ زکوٰۃ حولانِ حول سے قبل واجب ہی نہیں ہوئی ہوتی لہٰذا اس کا قبل از وقت ادا کرنا اطیب و احسن نہیں ہو سکتا۔ ہاں اس کی رخصت ضرور ہے۔
- حدیث کا ظاہری اطلاق بتلاتا ہے کہ ایک یا دو یا تین یا اس سے بھی زیادہ سالوں کی زکوٰۃ کو پیشگی ادا کرنا جائز ہے۔ لیکن اہل علم کے نزدیک مشہور اس حدیث کا مقید ہونا ہے نہ کہ مطلق، کیونکہ جب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ جناب عباس رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ روک لی ہے تو آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا: ''رہے عباس تو ان کی (امسال کی) زکوٰۃ اور (آئندہ سال کی) اتنی ہی زکوٰۃ میرے ذمے رہی۔''❶

علماء نے اس واقعہ کی تفسیر میں یہ بیان کیا ہے کہ دراصل جناب عباس رضی اللہ عنہ نے دو سال کی زکوٰۃ پہلے ہی ادا کر دی تھی۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ گویا کہ نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زکوٰۃ میرے پاس موجود ہے بلکہ اتنی ہی اور بھی ہے یعنی ''وہ اس سال کی بھی اور اگلے سال کی زکوٰۃ بھی ادا کر چکے ہیں جو میرے پاس یعنی بیت المال میں موجود ہے۔'' لیکن راجح قول یہ ہے کہ دراصل نبی کریم ﷺ نے جناب عباس رضی اللہ عنہ کی زکوٰۃ کا ضمان اپنے ذمہ لیا تھا لیکن اس کو دوگنا کر کے اپنے ذمہ لیا تھا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کے قرابت داروں پر تاوان دوگنا ہوتا ہے۔ پس چونکہ اس مسئلہ میں اشتباہ ہے اس لیے علماء کا مشہور مذہب یہ ہے کہ دو سال سے زیادہ کی زکوٰۃ پیشگی دینا جائز نہیں۔ لیکن زکوٰۃ میں اصل یہ ہے کہ وہ اسی وقت واجب ہوگی جب اس کی مدت پوری ہو۔ لہٰذا قبل از وقت زکوٰۃ کی ادائیگی رخصت ہوگی نہ کہ سنت۔

- مذکورہ قصہ سے جناب عباس رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی معلوم ہوگئی کہ انہوں نے ایسا کسی مصلحت کی بنا پر اور کسی کو بے حد محتاج دیکھ کر ہی کیا ہوگا کہ دو سال کی زکوٰۃ پیشگی ہی دے دی۔

غلوں اور پھلوں کی زکوٰۃ کا بیان

599,600- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہما عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ أَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ)).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں کوئی زکوٰۃ نہیں اور پانچ سے کم اونٹوں میں کوئی زکوٰۃ نہیں اور پانچ وسق سے کم کھجوروں میں کوئی زکوٰۃ نہیں۔''❷

---

❶ صحيح البخاري: 1468- صحيح مسلم: 983.　❷ صحيح مسلم: 980.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

وَلَهُ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ سَعِيْدٍ رضی اللہ عنہ: ((لَيْسَ فِيْمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ مِنْ تَمْرٍ وَلَا حَبٍّ صَدَقَةٌ)) .

صحیح مسلم میں ہی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ارشاد ہے کہ ''پانچ وسق سے کم کھجوروں اور غلوں میں کوئی زکوٰۃ نہیں۔'' ❶

وَ أَصْلُ حَدِيْثِ أَبِيْ سَعِيْدٍ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی اصل ''متفق علیہ'' ہے۔

601۔ وَعَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : ((فِيْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُوْنُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا ، الْعُشْرُ ، وَفِيْمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ)) .

حضرت سالم بن عبداللہ اپنے والد (جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''بارانی زمینوں میں اور ان میں جن کو چشموں سے سیراب کیا جاتا ہے یا وہ زمینیں جو از خود سیراب ہوں (کہ ان سب کی پیداواروں میں) عشر واجب ہوتا ہے اور ان زمینوں (کی پیداوار) میں جن کو (رہٹ سے) پانی کھینچ کر سیراب کیا جاتا ہے نصف عشر (یعنی کل پیداوار کا بیسواں حصہ) واجب ہوتا ہے۔'' ❷

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

وَلِأَبِيْ دَاوُدَ: ((إِنْ كَانَ بَعْلًا الْعُشْرُ ، وَفِيْمَا سُقِيَ بِالسَّوَانِيْ أَوِ النَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ)) .

اور سنن ابی داؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''یا وہ زمین ''بعل'' ہو (بعل اور عثری زمین دونوں کا مطلب ایک ہے کہ یہ اس زمین کو کہتے ہیں جو از خود سیراب ہو جاتی ہو) تو اس (کی پیداوار) میں عشر واجب ہوتا ہے اور جن زمینوں کو رہٹ کے اونٹوں سے تالابوں کے پانیوں سے سینچ کر سیراب کیا جاتا ہے ان میں نصف عشر واجب ہوتا ہے۔'' ❸

شــــرح :...... (مذکورہ بالا تینوں بلکہ چاروں روایات میں چند مسائل ذکر کیے گئے ہیں۔ بندہ عاجز ذیل میں ان سب مسائل کو جدا جدا بیان کرتا ہے، اسی لیے ہر ایک مسئلہ سے متعلقہ لغوی اور صرفی، نحوی اور ترکیبی مسائل کو مذکورہ مسئلہ کے تحت ہی بیان کیا جائے گا۔ [نسیم])

چاندی کا نصاب

مِنَ الْوَرِقِ: ورق چاندی کو کہتے ہیں۔ اَوَاق: یہ اوقیہ کی جمع ہے۔ ایک اوقیہ چاندی میں چالیس درہم ہوتے ہیں۔ یعنی ایک اوقیہ چاندی وزن میں چالیس درہم کے برابر ہوتی ہے۔ تب پھر پانچ اوقیہ چاندی دو سو درہم کے برابر ہوئی۔

یاد رہے کہ ایک ''اوقیہ'' وزن میں تقریباً ایک اونس کے برابر ہوتا ہے۔ اس تفصیل کی رو سے گزشتہ مذکورہ حدیث انس رضی اللہ عنہ

---

❶ صحيح البخاري: 1459۔ صحيح مسلم: 979 . ❷ صحيح البخاري: 1483 .

❸ سنن ابی داود: 1596 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کہ جس میں چاندی کا نصاب دوسو دراہم مذکور تھا اور اس حدیث میں ایک ہی مسئلہ مذکور ہوا۔ وہ یہ کہ جب تک چاندی دوسو درہم نہ ہو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ جس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔ البتہ دونوں احادیث میں ایک بنیادی فرق ہے کہ حدیث انس رضی اللہ عنہ میں دوسو درہم کا ذکر ہے اور یہ عدد کا بیان ہے اور مذکورہ حدیث میں پانچ اوقیہ کا ذکر ہے جو وزن کا بیان ہے۔ تب پھر یہ سوال ضرور اٹھتا ہے کہ چاندی کے نصاب میں معتبر وزن ہے یا عدد؟ یعنی کیا چاندی کے نصاب میں دوسو درہم کا عدد معتبر ہے چاہے ان کا وزن پانچ اوقیہ سے کم ہو یا زیادہ؟ یا پانچ اوقیہ چاندی کا وزن معتبر ہے چاہے اس سے بننے والے دراہم دوسو کی تعداد سے کم ہوں یا زیادہ؟

اب بعض علماء نے اس باب میں وزن کا اعتبار کیا ہے کیونکہ مذکورہ حدیث میں نفی اور نہی کا بیان ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ پانچ اوقیہ چاندی پر واجب ہوگی چاہے اس وزن سے بننے والے دراہم تعداد میں دوسو سے کم ہوں یا زیادہ۔ یہ امام احمد رحمہ اللہ کا مشہور مذہب ہے بلکہ جماہیر علماء کا قول بھی یہی ہے۔ ❶ بلکہ اس پر اجماع کا انعقاد بھی منقول ہے۔ اس بنا پر چاندی کے نصاب میں اعتبار وزن کا ہوگا نا کہ عدد کا۔ رہی حدیث انس رضی اللہ عنہ تو اگر چہ اس میں بھی نفی کا بیان ہے کہ ''اگر کسی کے پاس ایک سو نوے کے سوا دراہم نہ ہوں تو ان میں کوئی زکوٰۃ واجب نہیں ہاں جو دراہم کا مالک (دینا) چاہے۔'' اس بنا پر حدیث جابر رضی اللہ عنہ حدیث انس رضی اللہ عنہ پر مقدم ہوگی۔

دوسرا قول عدد کے معتبر ہونے کا ہے، اگر چہ اس قول کے قائلین کی تعداد کم ہے لیکن اُن علماء میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ بھی شامل ہیں کہ اعتبار دوسو دراہم کا ہے جن میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ یعنی پانچ درہم واجب ہوں گے۔ چاہے ان دوسو دراہم کا وزن دس اوقیہ چاندی تک ہی کیوں نہ چلا جائے۔ ان حضرات کی دلیل حدیث انس رضی اللہ عنہ ہے جو نفی کے معنی پر بھی مشتمل ہے۔

اس قول کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ دورِ نبوی میں دوسو دراہم وزن میں پانچ اوقیہ کے برابر ہی تھے۔ تب پھر ان دونوں احادیث میں سرے سے کوئی اختلاف باقی رہ ہی نہیں جاتا۔ لیکن اگر یہ توجیہ ثابت اور مقبول نہ ہو، تب پھر ہم زکوٰۃ کی بابت اس قول کو اختیار کریں گے جو ایک قاعدہ کا حکم رکھتی ہے کہ زکوٰۃ دینے میں فقیر کی مصلحت کو مقدم رکھنا محبوب ہے۔ لہٰذا اگر فقیر کی منفعت عدد کے اعتبار میں ہے تو ہم عدد کا اعتبار کریں گے اور اگر فقیر کی مصلحت وزن کے اعتبار میں ہے تو ہم وزن کا اعتبار کریں گے۔ واللہ اعلم

اونٹوں کی زکوٰۃ

دوسرا اہم مسئلہ ان روایات میں اونٹوں کی زکوٰۃ کا بیان ہے۔ یہ مسئلہ پیچھے اپنی جگہ پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔

کھجوروں اور غلوں کی زکوٰۃ

دُوْنَ: یعنی کم حَبٌّ یعنی غَـلَّة لیکن اس کی تعیین میں اختلاف ہے۔ اقرب یہ ہے کہ غلہ سے مراد وہ ہے جو ذخیرہ کیا جاتا ہو اور اسے کھایا جاتا ہو۔ (اس میں دالیں، گندم، چاول اور اس جیسی دیگر اجناس آ جاتی ہیں)۔

اَوْسُقٌ: یہ وَسْق کی جمع ہے۔ وسق ساٹھ صاع کا ایک پیمانہ ہے۔ تب پھر پانچ وسق تین سو صاع کے برابر ہوا اور ایک صاع اہل حجاز کے حساب سے 4 پونڈ کے وزن کے برابر ہوتا ہے۔ جبکہ 4 پونڈ 1120 درہم کے وزن کے برابر ہوتا ہے۔ (تب پھر

ایک صاع = 1120 درہم وزن

---

❶ دیکھیں روضة الطالبين: 305/8۔ المبسوط للسرخسي: 194/2.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساٹھ صاع = 67200=60x1120 درہم کا وزن ہوا۔

ساٹھ صاع = ایک وسق=67200 درہم کا وزن۔ یہ ایک وسق کا وزن نکل آیا۔

اور پانچ وسق = 336000=5x67200 درہم کے وزن کے برابر ہوا۔ یہ اہل حجاز کا حساب ہے)

جبکہ اہل عراق کے حساب سے ایک صاع 8 رطل کے برابر ہے۔(تب پھر

ایک صاع = 8 رطل

60 صاع = 480=60x8 رطل

60 صاع = ایک وسق=480 رطل وزن

5 وسق = 2400=5x480 رطل کے برابر وزن نکلا) ❶

وسق ❷ کا ایک معنی بوجھ بھی ہے۔ وسق کو وسق اسی لیے کہتے ہیں کیونکہ اسے باندھا اور لادا جاتا ہے۔ دورِ نبوی میں ایک وسق صاعِ نبوی ﷺ کے اعتبار سے ساٹھ صاع کے برابر ہوتا تھا اور صاعِ نبوی ﷺ دو ہزار چالیس گرام کے برابر ہوتا تھا۔

ایک صاعِ نبوی = 2040 گرام

ایک وسق = 60 صاع=60x2040= 122400 گرام

اور پانچ وسق = 5x122400= 612000 گرام

(یہ شیخ ابن عثیمین کا حساب ہے۔)

(شیخ رحمہ اللہ آگے فرماتے ہیں:)

اب ایک صاعِ نبوی تقریباً دو کلو اور چالیس گرام کا بنتا ہے تب پھر ساٹھ صاع تقریباً چھ سو بارہ (612) کلو وزن نکلتا ہے۔ غرض کھجوریں اور دیگر غلے جن کو کیل کر کے ناپا جاتا ہے اور ذخیرہ کر کے کھایا جاتا ہے، جب تک 612 کلو کے قریب نہ ہو جائیں ان میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

تنبیہ:......اب تک کی تفصیل اس مقدار کے بیان میں ہے جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

زمینوں کی پیداوار میں زکوٰۃ

www.KitaboSunnat.com

فِيْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَ الْعُيُوْنُ: یہ جملہ خبر مقدم ہے۔ اس میں مَا موصولہ اور اَلسَّمَاء اور اَلْعُيُوْن دونوں اسماء سَقَتْ فعل کے فاعل ہیں اور مفعول بہ محذوف ہے جس کی ضمیر مَا موصولہ کی طرف لوٹتی ہے۔ یہ جملہ خبریہ مَا موصولہ کا صلہ ہے اور موصول صلہ فِی حرفِ جر کے مجرور ہیں اور جار مجرور محذوف کے متعلق ہو کر خبر مقدم ہیں۔

سَقَتْ: سیراب کرنا۔ **اَلسَّمَاءُ:** مراد بارش ہے۔ یعنی وہ زمینیں جن کو بارش برس کر سیراب کرتی ہے۔ ایسی زمینوں کو بارانی زمینیں کہا جاتا ہے۔ **اَلْعُيُوْنُ:** یہ عین کی جمع ہے۔ یہ زمین سے جاری چشمہ کو کہا جاتا ہے۔ مراد وہ زمینیں ہیں جن کو چشموں ندی نالوں اور دریاؤں سے سیراب کیا جاتا ہے جن کو آبی زمینیں کہا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جن زمینوں کو سیراب کرنے میں

---

❶ دیکھیں: القاموس الوحید، ص: 951، 1850۔ (نسیم)

❷ وَسْق: اونٹ، گاڑی، جہاز یا کشتی وغیرہ پر لادا جانے والا بوجھ (سامان)۔ (القاموس الوحید، ص: 1850) (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محنت نہ ہو ان میں عشر ہے۔

اَوْ کَانَ عَثَرِيًّا: اَوْ حرف عطف ہے جو تغایر کے لیے ہے۔ کَانَ فعل ناقص ہے جس کا عطف سَقَتْ فعل پر ہے اور اس کی ضمیر اس کا اسم ہے جو مَا موصولہ کی طرف لوٹ رہی ہے اور عَثَرِيًا یہ کَانَ کی خبر ہے۔ یہ جملہ خبریہ ہو کر پہلے جملہ خبریہ کا معطوف ہے۔ دونوں معطوف مل کر مَا اسم موصول کا صلہ ہیں۔ باقی کی ترکیب حسب سابق ہے۔

عَثَرِيًّا: عَثَرِی اس زمین کو کہا جاتا ہے جو از خود سیراب ہو کہ فصل کی جڑیں اس کی تہہ سے پانی کو از خود جذب کر لیتی ہوں عموماً یہ وہ زمینیں ہوتی ہیں جو دریاؤں کے کناروں پر واقع ہوتی ہیں جن کی جڑیں اس قدر تر ہوتی ہیں کہ ان میں لگائی جانے والی فصلوں کو پانی دینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اَلْعُشْر: یہ مبتدا مؤخر ہے۔ وَ فِيمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ: اس جملہ کی ترکیب بھی حسب سابق جار مجرور پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ البتہ یہاں سُقِيَ فعل مجہول کی ضمیر مَا موصولہ کی طرف لوٹتی ہے اور بِالنَّضْحِ جار مجرور سُقِيَ فعل کے متعلق ہیں۔ غرض جار مجرور مل کر خبر مقدم اور نِصْفُ الْعُشْرِ: یہ مبتدا مؤخر ہے۔ اَلنَّضْحِ: اس کا معنی ہے کھیتی کو سیراب کرنا اور سینچنا۔

بَعْلًا: یہ سنن ابی داؤد کی روایت کا لفظ ہے۔ گویا کہ یہ عَثَرِی کی تفسیر ہے کیونکہ بَعْل اس کھیتی کو کہتے ہیں جس کو سیرابی کی ضرورت نہ ہو اور فصل کو اس کی جڑوں سے ہی تری حاصل ہو جاتی ہو۔

(شیخ رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر ان الفاظ سے بیان فرمائی ہے): یہ وہ زمین ہے جو اپنی جڑوں سے تر ہو جاتی ہو یا اسے بارش یا ندی نالے سیراب کر دیتے ہوں۔

اَلسَّوَانِيْ: یہ اَلسَّانِيَة کی جمع ہے۔ گویا کہ یہ نَضْح کی تفسیر ہے۔ سانیہ سینچائی میں استعمال ہونے والے بڑے ڈول کو کہتے ہیں جسے ''چرس'' ❶ کہا جاتا ہے۔ سینچائی کے لیے رہٹ میں چلنے والے اونٹ کو بھی سانیہ کہتے ہیں۔

اب یہاں بنیادی طور پر دو مسئلے بیان کیے گئے ہیں جو یہ ہیں:

(1) زمین کی پیداوار میں زکوۃ کے دو وظیفے ہیں ایک عشر اور دوسرا نصف عشر۔

(2) زکوۃ کے وظائف کے اس اختلاف کا مدار خود زمینوں کی اقسام پر ہے۔

تب پھر یہ سوال اٹھنا بدیہی بات ہے کہ زمینوں کی اقسام کتنی ہیں اور ان کی نوعیت کیا ہے اور ہر ایک زمین سے متعلق وظیفہ زکوۃ کیا ہے؟ اس کا جواب حسب ذیل ہے:

ان مذکورہ روایات میں زمینوں کی چار اقسام بیان کی گئی ہیں:

(1) ایک وہ زمینیں جو بارشوں سے از خود سیراب ہو جاتی ہیں، انہیں بارانی زمینیں کہتے ہیں۔

(2) دوسری وہ زمینیں ہیں جن کو ندی، نالوں، چشموں، دریاؤں اور نہروں سے حاصل کیے گئے پانیوں سے سیراب کیا جاتا ہے اور ان تک یہ پانی کھالیوں اور نالیوں وغیرہ سے پہنچایا جاتا ہے ان کو آبی زمینیں کہا جاتا ہے۔

(3) تیسری وہ زمینیں ہیں جو از خود اس قدر تر اور سیراب ہوتی ہیں کہ انہیں بارش یا دریا وغیرہ کے پانی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ چنانچہ ان پر لگائی جانے والی فصلیں از خود سیراب ہو جاتی ہیں۔ عموماً یہ زمینیں دریاؤں کے کناروں پر آباد ہوتی ہیں۔ ان

❶ چرس: چمڑے کا بڑا ڈول۔ (فیروز اللغات اردو، ص: 526) (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو سیرابی کی زمینیں کہا جاتا ہے۔

(4).(بندہ عاجز ابوقیدار نسیم کے نزدیک اس مقام پر زمینوں کی ایک قسم اور بھی ہے اور وہ سیلابی زمینیں ہیں کہ جن کو برکھا کے موسم میں بہنے والا سیلاب بروقت سیراب کر دیتا ہے)۔

زمینوں کی ان چاروں قسموں کی پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے۔

(5) جبکہ زمینوں کی پانچویں قسم وہ ہے جس کو محنت کر کے اور سینچ کر پانی دیا جاتا ہے۔ چاہے وہ سینچنا کنوؤں سے ہو اور چاہے دریاؤں سے ہو۔ پھر چاہے خود سینچے اور چاہے بار برداری کے اونٹوں کے ذریعے سینچے ہر صورت کا حکم ایک ہی ہے۔ چنانچہ (i) چاہے اونٹ رہٹ کے ذریعے پانی نکالے۔ (ii) چاہے اونٹوں سے رسی باندھ کر ڈولوں کے ذریعے پانی نکالا جائے۔ (iii) چاہے خود ڈول بھر بھر کر نکالے جائیں۔ (iv) چاہے اونٹوں پر قریبی ندی نالے سے ڈول بھر بھر کے لاد کر لائیں جائیں کہ ان سب صورتوں کا حکم ایک ہے کہ ایسی زمینوں کی پیداوار میں نصف عشر آئے گا۔

(بندہ عاجز کے نزدیک جن زمینوں کو بجلی سے چلنے والی موٹروں کے ذریعے پانی لگایا جاتا ہے ان میں بھی نصف عشر آئے گا۔)

تنبیہ:...... یہاں واجب مقدار کا بیان ہے نہ کہ اس مقدار کا بیان ہے جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

عشر اور نصف عشر کا مدار

مذکورہ تفصیل سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ زمینوں کی پیداوار میں وظیفہ زکوٰۃ کا وجوب مؤونت کے اعتبار سے ہے۔ لہٰذا اگر تو پیداوار کے حصول میں مؤونت نہیں تو وظیفہ عشر ہوگا اور اگر پیداوار کے حصول میں مؤونت ہے تو وظیفہ میں بھی تخفیف کر کے اسے نصف عشر مقرر کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

(**تنبیہ**:...... یاد رہے کہ فِیْمَا میں مَا سے مراد زمینیں لیں یا پیداوار، نفس مسئلہ کی تفصیل وتحلیل اور تجزیہ وتحقیق پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ [نسیم])

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ نصوص میں تخصیص واقع ہوتی رہتی ہے اور ایک نص دوسری کی مخصص بنتی رہتی ہے۔
- مؤونت اور غیر مؤونت کے تناظر میں زکوٰۃ کے وظیفہ کا اختلاف شریعت کی حکمت میں سے ہے۔
- معلوم ہوا کہ نفسِ زراعت میں بہ نسبت تجارت کے کلفت کم ہے۔ اسی لیے مالِ تجارت پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ اموالِ تجارت میں نماء اور بڑھوتری زیادہ مشکل ہوتی ہے۔ جبکہ زراعتی پیداوار میں عشر یا نصف عشر ہے کیونکہ زمینوں کی پیداوار میں نشو ونما اور بڑھوتری اموالِ تجارت کی بہ نسبت زیادہ ہے۔ حتیٰ کہ بسا اوقات ایک فصل سال میں دو بار بھی ہو جاتی ہے۔

جن غلوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، ان کی اقسام اور احکام کا بیان

602,603۔ وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ وَمُعَاذٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُمَا: ((لَا تَأْخُذَ فِي الصَّدَقَةِ إِلَّا مِنْ هَذِهِ الْأَصْنَافِ الْأَرْبَعَةِ:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہما سے ارشاد فرمایا: ''ان چار قسموں (کے غلوں) کے علاوہ سے زکوٰۃ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الشَّعِیْرُ ، وَالْحِنْطَةُ ، وَالزَّبِیْبُ ، وَالتَّمْرُ)) . مت لینا: جو، گندم، کشمش اور خشک کھجور۔'' ❶

رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَالْحَاكِمُ . اس حدیث کو امام حاکم اور امام طبرانی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :...... اَلشَّعِیْرُ : جَو۔ ایک معروف غلہ۔ اَلْحِنْطَةُ : گیہوں۔ ایک معروف اور روزمرہ کھایا جانے والا غلہ۔ اَلزَّبِیْبِ : خشک انگور۔ جسے کشمش اور منقیٰ کہتے ہیں۔ اَلتَّمر : خشک کھجور، چھوہارا۔

غلوں میں زکوٰۃ کے وجوب کا ضابطہ

جو اور گندم وہ غلے ہیں جو ناپ کر بیچے اور خریدے جاتے ہیں جبکہ ان کو ذخیرہ بھی کیا جاتا ہے اور کھایا بھی جاتا ہے۔ تب پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر وہ شے جو کیل کی جاتی ہو اور اسے بطور خوراک کے کھایا جاتا ہو اس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ جبکہ حدیث کے ظاہر سے مکیلی اور غیر مکیلی اشیاء میں کوئی فرق نہیں لگتا اور اگر ہم یہ کہیں کہ یہ حکم ان چار مذکورہ اشیاء کے ساتھ خاص ہے تو ہمارا یہ قول حضرت جابر اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما کی حدیث کی رو سے باطل ٹھہرتا ہے کہ ''پانچ وسق سے کم کھجوروں میں زکوٰۃ نہیں۔'' جبکہ کھجور ان مذکورہ چار انواع میں سے نہیں۔ پس یہ حصر نوع یا جنس کا حصر ہوگا نہ کہ حصر شخصی اور مطلب یہ ہوگا کہ زکوٰۃ ان چاروں چیزوں سے اور جو چیزیں ان کی نظیر ہوں ان میں سے لو اور ان چار چیزوں سے مراد ہر وہ شے ہے جو مکیلی اور قُوْت (یعنی غذا) ہو اور اسے ذخیرہ بھی کیا جاتا ہو۔ پس ایسی ہر شے میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

فواکہ کا حکم

یہ فاکہہ کی جمع ہے۔ یہ تازہ اور مزیدار پھل کو کہتے ہیں۔ فاکہہ سے مراد ہر وہ شے ہے جو تازہ تازہ تو کھائی جاتی ہو پر اسے ذخیرہ نہ کیا جاتا ہو اور نہ وہ ذخیرہ ہی ہو سکتی ہو کیونکہ فاکہہ وہ اشیاء ہوتی ہیں کہ جب بھی ان کی تازگی جاتی رہتی ہے، وہ خراب ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا مذکورہ بالا توجیہ و تحقیق کے بعد بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی اشیاء میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

لیکن اس کے باوجود بعض علماء ایسی اشیاء میں زکوٰۃ کے وجوب کے قائل ہیں لیکن یہ قول مرجوح اور محل نظر ہے۔ اسی طرح تازہ سبزیوں میں بھی زکوٰۃ نہیں اور ان پھلوں میں بھی زکوٰۃ نہیں جو ذخیرہ نہیں ہو سکتے جیسے سیب، نارنگی، سنگترہ خوبانی وغیرہ کہ ان میں بھی زکوٰۃ نہیں۔ رہی انجیر تو بعض کے نزدیک چونکہ اسے تازہ تازہ کھایا جاتا ہے لہٰذا اس میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، جبکہ بعض علماء اس میں زکوٰۃ کے وجوب کے قائل ہیں جن میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ بھی شامل ہیں ❷ کیونکہ انجیر جہاں تازہ تازہ کھائی جاتی ہے، وہیں خشک کر کے ذخیرہ بھی کی جاتی ہے۔

وَلِلدَّارَقُطْنِيِّ عَنْ مُعَاذٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((فَأَمَّا الْقِثَّاءُ وَالْبِطِّيخُ وَالرُّمَّانُ وَالْقَصَبُ ، فَقَدْ عَفَا عَنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ)) . سنن دارقطنی میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رہی ککڑی اور تربوز (اور اسی طرح خربوزہ) اور انار اور گنا تو نبی کریم ﷺ نے ان سے درگزر فرمایا

---

❶ رواه الطبراني: 313/20- المستدرك للحاكم: 558/1- سنن البيهقي: 125/4 من طريق الطبراني ، طبرانی کے طریق سے روایت کرنے کے بعد امام بیہقی رحمہ اللہ نے یہ حدیث اپنے شیخ امام حاکم کے طریق سے روایت کی ہے اور کہتے ہیں: یہ اسناد متصل اور ثقہ رواۃ کی ہے۔ اس روایت کو لینا اولیٰ ہے۔ (دیکھیں: المجموع: 413/5)

❷ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے شاگرد رشید ابن مفلح نے ''الفروع'' (311/2) میں امام موصوف رحمہ اللہ کا یہ قول ان سے نقل کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ (یعنی ان چیزوں میں زکوٰۃ کو واجب نہیں کیا)۔ ❶

وَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ.

اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے۔

غریب الحدیث:...... اَلْقِثَّاءُ: یہ ککڑی اور اس کے مشابہ سبزیوں کو کہتے ہیں جیسے کھیرا۔ اَلْبِطِّیْخ: تربوز۔ ایک بڑا اور لذیذ پھل جو اندر سے سرخ ہوتا ہے۔ عموماً گرم خطوں میں کاشت کیا اور اگایا جاتا ہے اور اسے بطور ٹھنڈک پیدا کرنے والے پھل کے کھایا اور استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی نوع میں خربوزہ بھی داخل ہے۔ اَلرُّمَّان: انار۔ اَلْقَصَب: ہر وہ نبات جس کا تنا پتلا، کھوکھلا اور گانٹھ دار ہو۔ اس میں پوری اور گرہ ہو۔ یہاں مراد گنا ہے۔

تنبیہ:...... ان چاروں اشیاء میں زکوٰۃ کا عدمِ وجوب واضح ہے کہ ان کو نہ تو ذخیرہ کیا جاتا ہے اور نہ ان کو کیل کر کے ہی خریدا اور بیچا جاتا ہے۔

پھلوں کے پکنے سے قبل ان کی مقدار یا وزن کا اٹکل سے اندازہ لگانے کا حکم

604- وَعَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ: ((إِذَا خَرَصْتُمْ فَخُذُوا وَدَعُوا الثُّلُثَ، فَإِنْ لَمْ تَدَعُوا الثُّلُثَ، فَدَعُوا الرُّبُعَ)).

حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں اس بات کا حکم دیا کہ "جب تم (پھلوں کا) اندازہ کر لیا کرو (کہ یہ وزن میں کتنے ہیں) تو تم (ان میں واجب ہونے والی زکوٰۃ کی مقدار کو) لے لیا کرو البتہ (اس واجب مقدار کا) ایک ثلث رہنے دیا کرو اور اگر تم ایک ثلث نہیں چھوڑتے تو ایک ربع رہنے دیا کرو۔" ❷

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا ابْنَ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے سوائے ابن ماجہ کے جبکہ امام ابن حبان اور امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... اِذَا خَرَصْتُمْ: خَرْصٌ اٹکل اور اندازہ سے بات کرنے، کسی شے کے وزن یا مقدار کا تخمینہ کرنے یا اندازہ کرنے کو کہتے ہیں۔ اب کسی شے کی مقدار کا اندازہ اسے ناپ تول کر یا گن کر یا گزوں وغیرہ سے پیمائش کر کے کیا جاتا ہے۔ مقدار معلوم کرنے کے یہ جملہ طریق متیقن ہیں۔ تب پھر اٹکل اور اندازہ ابھی تک بیلوں اور شاخوں پر لگے پھلوں میں ہی ہو گا جو کہ پک کر ظاہر و بارز ہو چکے ہیں۔ لہٰذا بالیوں میں موجود غلوں کے دانوں کا اٹکل سے اندازہ نہ لگایا جائے گا کیونکہ وہ مشاہد و ظاہر نہیں ہوتے بلکہ اپنے خوشوں اور بالیوں میں مستور ہوتے ہیں۔ پس اندازہ کر کے ان کی مقدار کا احاطہ

---

❶ سنن الدار قطنی: 97/2- المستدرك للحاكم: 401/1- امام حاکم فرماتے ہیں: اس سند کا ایک راوی موسیٰ بن طلحہ کبار تابعین میں سے ہے۔ جائے انکار نہیں کہ انہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ایام حیات کو نہ پایا ہو۔ جبکہ ابن عبدالبر "الاستذکار" میں لکھتے ہیں: موسیٰ نے نہ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہے اور نہ اس کی ان سے ملاقات ہی ثابت ہے۔ دیکھیں: تحفة المحتاج: 51/2- امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے "التحقیق" (38/2) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

❷ سنن ابی داود: 1605- جامع الترمذی: 643- سنن النسائی: 42/5- مسند احمد: 448/3- صحیح ابن حبان: 3280- المستدرك للحاكم: 560/1- ابن عبدالبر "التمهيد" (472/6) میں کہتے ہیں: جو لوگ زکوٰۃ میں اٹکل سے وزن کرنے پر انکار کرتے ہیں، یہ حدیث ان پر حجت ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دشوار ہے۔ حتیٰ کہ بعض علماء نے کھیتیوں میں خرص کی ممانعت پر اجماع تک نقل کیا ہے۔

فَخُذُوْا: یعنی جتنی مقدار کا اندازہ کیا ہے اس پر جتنی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اس کو لے لو۔

وَ دَعُوا الثُّلُثَ: اس کی تفسیر میں دو احتمال ہیں:

(1) اصل مال میں سے ایک ثلث چھوڑ دو۔ (2) یا پھر واجب زکوٰۃ کی مقدار میں سے ایک ثلث چھوڑ دو۔

اگرچہ اہل علم نے یہ دونوں قول ذکر کیے ہیں لیکن حدیث کا ظاہر دوسرے قول کا مؤید نظر آتا ہے۔ کیونکہ صاحب مال کے آس پاس اس کے اقرباء و اعزاء اور احباب و تعلق داروں میں بھی مستحقین زکوٰۃ ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ واجب زکوٰۃ کا چھوڑ دیا جانے والا ثلث ان مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کرے گا کہ ان قریبی متعلقین کا بھی اس کے مال میں حق ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَدَعُوا الثُّلُثَ فَدَعُوا الرُّبُعَ: یہ حکم علی سبیل الخیار ہے۔ یعنی عاملین زکوٰۃ چاہیں تو ثلث رہنے دیں اور چاہیں تو ربع رہنے دیں۔ اس باب میں ایک مفید قاعدہ ہمیشہ مدِنظر رہے، وہ یہ کہ جن امور میں بھی کسی کو ولایت یا تصرف کے اعتبار سے خیار ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس بارے زیادہ مفید و اصلح امر کو اختیار کرے۔

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں مالِ زکوٰۃ میں اندازہ کرنے کا جواز مذکور ہے کہ درختوں پر لگے پھلوں کو دیکھ کر ان کا اندازہ کر کے ان پر زکوٰۃ واجب کر سکتے ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مذکورہ روایت میں پھلوں میں اندازہ کر کے زکوٰۃ واجب کرنے کا جواز مذکور ہے۔ جس کی دلیل اِذَا خَرَصْتُمْ کے الفاظ ہیں۔
- شریعت میں بندوں پر آسانی ہے۔ کیونکہ خرص یہ کیل کے ذریعے مقدار معلوم کرنے سے زیادہ سہل ہے۔
- جب یقینی مقدار کا علم متعذر یا دشوار ہو تو غلبہ ظن کی طرف رجوع کیا جائے گا۔
- عاملِ زکوٰۃ کو چاہیے کہ زکوٰۃ کی واجب مقدار کا ایک ثلث یا ربع حسبِ مصلحت صاحبِ مال کے پاس چھوڑ دے۔ جس کی دلیل فَخُذُوْا وَ دَعُوْا کے الفاظ ہیں۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ شریعت میں احوال کی رعایت ہے۔
- پھلوں، غلوں اور سبزیوں میں زکوٰۃ صرف انہی چیزوں میں واجب ہے جو قوت، کیل اور ادّخار کے قابل ہوں اس بارے تعارض ادلہ اور راجح مذہب کو غریب الحدیث کے تحت مفصل ذکر کر دیا گیا ہے۔

605۔ وَعَنْ عَتَّابِ بْنِ أَسِيْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَنْ يُّخْرَصَ الْعِنَبُ كَمَا يُخْرَصُ النَّخْلُ، وَتُؤْخَذُ زَكَاتُهُ زَبِيْبًا)).

حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس بات کا حکم دیا کہ ''انگور کا (بھی اس میں زکوٰۃ کو واجب کرنے کے لیے) اندازہ کیا جائے جیسے کھجور میں اندازہ کیا جاتا ہے اور انگور کی زکوٰۃ لی جائے جبکہ وہ کشمش ہو گئی ہو۔''[1]

---

[1] سنن ابی داود: 1603۔ جامع الترمذی: 644۔ سنن النسائی: 109/5۔ سنن ابن ماجہ: 1819۔ ان سب حضرات نے یہ حدیث سعید بن مسیب کے واسطہ سے حضرت عتاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ امام منذری فرماتے ہیں: اس روایت کا منقطع ہونا واضح ہے کیونکہ سعید بن مسیب دورِ فاروقی میں پیدا ہوئے ہیں جبکہ حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کی وفات بھی اسی دن ہوئی تھی جس دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تھی۔ دیکھیں: التلخیص الحبیر: 171/2۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ ، وَفِيهِ انْقِطَاعٌ .

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے اور اس (کی اسناد) میں انقطاع ہے۔

غریب الحدیث:......اَنْ یُخْرَصَ :خرص کا معنی مفصل ذکر کر دیا گیا ہے۔

اَلْعِنَب: مراد انگور کا پھل ہے۔

اَلنَّخْل: مراد کھجور کے درخت کا پھل ہے۔

زَبِيْبًا: کشمش اور یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ زَکَاتُهٗ میں ضمیر مجرور متصل ھَا سے حال ہے جو اَلْعِنَب کی طرف راجع ہے۔

کَمَا یُخْرَصُ النَّخْل: اس میں کاف تشبیہ کے لیے ہے اور یہاں اصل کی اصل سے تشبیہ ہے نا کہ فرع سے۔ کیونکہ خرص کا حکم درخت کے ساتھ لگی کھجوروں میں وہی ہے جو لگے انگوروں میں ہے۔ البتہ اتنا ضرور کہ انگوروں میں اندازہ قدرے دشوار ہوتا ہے۔ کیونکہ انگوروں کے گچھے پتوں میں گھرے ہوتے ہیں جبکہ کھجوروں کے خوشے سامنے ظاہر ہوتے ہیں جن کا اندازہ کرنا بہ نسبت انگوروں کے گچھوں کے سہل ہوتا ہے۔

زَبِيْبًا: گویا کہ یہ انگوروں میں زکوٰۃ کے وجوب کی قید کا بیان ہے کہ اگر تو انگور تر و تازہ اور رس بھرے ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ کیونکہ تازہ انگور ذخیرہ کرنے سے خراب ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا جب تک انہیں سکھا کر کشمش نہ بنا لیا جائے ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی کیونکہ اس وقت ان میں اذخار ممکن ہوتا ہے۔

تر انگوروں میں زکوٰۃ کا حکم

انگور جب سکھا کر منقیٰ بنا لیے جاتے ہیں، تب ان میں زکوٰۃ کا وجوب تو واضح ہے۔ البتہ تر ہونے کی حالت میں ان میں زکوٰۃ کے وجوب میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض علماء نے انہیں فواکہ اور سبزیوں میں شمار کر کے ان میں زکوٰۃ کے عدمِ وجوب کا قول کیا ہے۔ جبکہ بعض علماء نے ان کو بھی کشمش کے ملحق کر کے ان میں زکوٰۃ کے وجوب کا قول کیا ہے۔ (لیکن بظاہر تر انگوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں لگتی۔)

کشمش کا نصاب

رہا زبیب میں وجوبِ زکوٰۃ کے نصاب کا بیان تو وہ حدیث میں مذکور نہیں البتہ مذکورہ حدیث کے الفاظ کَمَا یُخْرَصُ النَّخْلُ سے بظاہر یوں لگتا ہے کہ جو نصاب کھجوروں کا ہے وہی زبیب یعنی کشمش کا ہے۔

زیورات کی زکوٰۃ کا حکم

606,607- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ: أَنَّ امْرَأَةً أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ ، وَمَعَهَا ابْنَةٌ لَهَا ، وَفِي يَدِ ابْنَتِهَا مَسَكَتَانِ مِنْ ذَهَبٍ ، فَقَالَ لَهَا: ((أَتُعْطِينَ زَكَاةَ هٰذَا؟)) قَالَتْ : لَا ، قَالَ : أَيَسُرُّكِ أَنْ يُسَوِّرَكِ اللّٰهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ (یمن کی) ایک عورت خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئی، اس کے ساتھ اس کی بچی بھی تھی جس کے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اس عورت سے دریافت فرمایا کہ ''کیا تم ان (کنگنوں) کی زکوٰۃ دیتی ہو؟'' اس عورت نے عرض

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ؟ فَأَلْقَتْهُمَا.

کیا کہ نہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کیا تم اس بات سے خوش ہو کہ اللہ تمہیں ان دونوں کنگنوں کے بدلے میں روزِ قیامت (جہنم کی) آگ کے دو کنگن پہنائے؟'' (راوی کا بیان ہے کہ) اس پر اس بچی نے (خود یا ماں نے اس کے ہاتھوں سے لے کر) سونے کے وہ دونوں کنگن اتار دیے۔ [1]

رَوَاهُ الثَّلَاثَةُ ، وَإِسْنَادُهُ قَوِيٌّ ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ مِنْ حَدِيْثِ عَائِشَةَ .

اس حدیث کو ائمہ ثلاثہ نے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد قوی ہے۔ جبکہ امام حاکم رحمہ اللہ نے (اس باب میں) حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... **اَلْمَسَكَتَان**: مَسَكَة کنگن کو کہتے ہیں۔ **مِنْ ذَهَبٍ**: مذکورہ مِنْ بیانیہ ہے۔
اَتُعْطِيْنَ زَكَاةَ هٰذَا؟ یہ خطاب بچی کی ماں کو ہے۔ کیونکہ وہ بچی یا تو کم سن سمجھ دار تھی یا ناسمجھ کم سن تھی۔
اَيَسُرُّكِ: یہ سرور سے مشتق ہے۔ سرور یہ فرحت، انبساط اور خوشی کی ایک باطنی کیفیت کا عنوان ہے جس کی لفظوں میں تعریف نہیں جا سکتی کیونکہ باطنی کیفیات اور ذہنی و قلبی احساسات کو لفظوں کے دائرے میں لانا ممکن نہیں۔ پس محبت، فرحت، غم، دوستی، عداوت، بغض، کینہ، نفرت، حسد، جلن، محرومی کا احساس، عجب، پندار، نخوت، غرور، خود پسندی، تحقیر، بڑائی کا احساس وغیرہ کہ ان سب احساسات کی تعریف تو ممکن نہیں البتہ ان کو ان کے ظاہری اثرات سے پہچانا ضرور جا سکتا ہے۔ غرض جب نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہیں ان کے بدلے میں آگ کے دو کنگن قیامت کے دن ملیں؟ تو اس عورت نے بے ساختہ جواب دیا کہ نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے یہ معنی اس آیت کریمہ سے اخذ فرمایا تھا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ﴾ (التوبۃ: 34-35)

''اور جو لوگ سونا اور چاندی خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، تو انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دے۔ جس دن اسے جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا۔''

چنانچہ جس زیور کی بھی زکوٰۃ نہ دی جائے گی ان کے بدلے روزِ قیامت آگ ملے گی اور وہ آگ اسی زیور کی شکل ہو گی

[1] سنن ابی داود: 1563۔ جامع الترمذی: 637۔ سنن النسائی: 38/5۔ مسند احمد: 204/2 من طریق حسین المعلم عن عمرو به۔ جبکہ امام ترمذی نے یہ حدیث ''ابن لهیعة و المثنی عن عمرو به'' کے طریق سے روایت کی ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: اس باب میں نبی کریم ﷺ سے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔ البتہ ابن قطان کہتے ہیں کہ ''عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده'' کی اسناد تک حدیث صحیح ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ابن قطان کی مراد حسین المعلم کا طریق ہے اور رہی حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تو اسے امام ابو داود (1565)، امام دارقطنی (105/2) اور امام حاکم (389/1) نے روایت کیا ہے۔ دارقطنی کہتے ہیں: اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی محمد بن عطا مجہول ہے۔ اس پر امام ذہبی رحمہ اللہ ''المیزان'' (162/7) میں کہتے ہیں: باوجود یکہ دارقطنی بڑے حافظ ہیں لیکن ان پر محمد بن عطا کا معاملہ مخفی رہ گیا ...... محمد ثبت رواۃ میں سے ہیں۔ ابن حجر رحمہ اللہ ''التلخیص'' (178/2) میں کہتے ہیں: اس حدیث کی اسناد صحیح کی شرط پر ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس کی زکوٰۃ نہیں دی جاتی تھی اور اسے جسم پر اسی جگہ رکھا جائے گا جہاں وہ زیور پہنا جاتا تھا۔

فَأَلْقَتْهُمَا: ایک روایت میں فَأَلْقَتْهُمَا مِنْ يَدِا بِنْتِهَا کے الفاظ بھی ہیں اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس عورت نے یہ کہا: ''یہ اللہ اور اس کے رسول کے ہوئے۔'' یعنی یہ وعید سن کر اس نے خوف زدہ ہو کر بیٹی کے ہاتھوں سے وہ کنگن اتار کر خدمت نبوی میں پیش کر کے انہیں اللہ کے لیے وقف کر دیا۔

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث کا مضمونِ حدیث واضح ہے اور کتاب وسنت کے متعدد دلائل اور نصوص بھی اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ سونے چاندی کی زکوٰۃ نہ دینے سے روزِ قیامت عذاب ہوگا۔ اگرچہ مذکورہ حدیث کی اسناد کو امام موصوف نے قوی کہا ہے لیکن بعض متاخرین نے اس حدیث کو صحیح بھی کہا ہے جبکہ حدیث کا نفس مضمون کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- سونے چاندی کے زیورات کی زکوٰۃ نہ دینا حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ کیونکہ اس پر آتش جہنم کی وعید آئی ہے جو اس کے کبیرہ گناہ ہونے کی دلیل ہے۔
- معلوم ہوا کہ سونے کے کنگن، چوڑیاں، بالیاں، انگوٹھیاں، چھلے اور دیگر زیورات پہننا عورتوں کے لیے جائز ہے۔ لہٰذا جن احادیث میں ان کے پہننے کی ممانعت آتی ہے علماء نے ان روایات کو شاذ اور غیر معمول بہا قرار دیا ہے۔ جبکہ احادیث صحیحہ کثیر ان کے پہننے کے جواز کو بتلاتی ہیں۔ لہٰذا راجح قول جواز کا ہے جبکہ منع کا قول ضعیف اور شاذ ہے۔
- معلوم ہوا کہ ماں کو بھی اولاد پر ولایت حاصل ہے جس کی دلیل أَتُعْطِينَ زَكٰوةَ هٰذَا کے الفاظ ہیں۔ اگرچہ بعض علماء کا قول ہے کہ ماں کو اولاد کے مال پر ولایت حاصل نہیں، یہ ولایت باپ، دادا اور پردادا وغیرہ کو ہی حاصل ہے۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ ماں کو بھی اولاد کے مال پر ولایت حاصل ہے۔
- معلوم ہوا کہ نابالغ اور مجنون کے مال کی زکوٰۃ کے ادا کے مخاطب ان کے اولیاء ہیں۔ جس کی دلیل أَتُعْطِينَ زَكٰوةَ هٰذَا کے الفاظ ہیں۔
- جو امر مخفی ہو اس کی تفصیل دریافت کر لی جائے جیسا کہ یہاں نبی کریم ﷺ نے ماں سے دریافت فرمایا کہ کیا وہ ان کنگنوں کی زکوٰۃ دیتی ہے۔ کیونکہ یہ امر آپ ﷺ پر مخفی تھا۔ البتہ واضح امر میں تفصیل کے دریافت کرنے کی حاجت نہیں۔
- معلوم ہوا کہ سونے چاندی کے زیورات چاہے ذاتی استعمال میں ہی کیوں نہ ہوں ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس کی دلیل زَكٰوةَ هٰذَا کے الفاظ ہیں۔ دوسرے زکوٰۃ نہ دینے پر جہنم کی وعید بھی ان میں زکوٰۃ کے وجوب کی دلیل ہے کیونکہ وعید ترکِ واجب پر آتی ہے۔ لہٰذا جس روایت میں یہ آتا ہے کہ ''زیورات میں کوئی زکوٰۃ نہیں۔'' [1] وہ ضعیف حدیث ہے۔
- حدیث کے ظاہر سے لگتا ہے کہ زیورات کا نصاب تک پہنچا ہونا شرط نہیں لیکن بعض روایات میں ''مَسَكَتَانِ غَلِيظَتَانِ'' کے الفاظ بھی آتے ہیں کہ وہ دونوں کنگن بھاری اور گاڑھے تھے۔ چنانچہ بھاری کنگن عموماً نصاب تک پہنچے ہوتے ہیں، اور

---

[1] سنن الدار قطنی: 107/2۔ ابوحمزہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے جبکہ ابن جوزی کہتے ہیں: ہم نہیں جانتے کہ کسی نے اس حدیث میں طعن کیا ہو۔ لیکن علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ''التنقیح'' میں اس قول کو رد کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ یہ صحیح ہے لیکن معروف یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔ عجلونی (227/2) نے امام بیہقی سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔ (دیکھیں: التحقیق: 196/2۔ الدرایۃ: 260/1)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس کی ایک توجیہ یہ بھی بیان کی جا سکتی ہے کہ مذکورہ روایت مطلق یا مجمل ہے جس کی تفصیل اور بیان دیگر احادیث میں مذکور ہے جن میں زیورات میں زکوٰۃ کے واجب ہونے کے لیے ان کا بقدر نصاب ہونا شرط مذکور ہے۔ جیسے سنن ابی داؤد میں مذکور حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہ جس میں نصاب ہونا شرط مذکور ہے۔

- زیورات میں ہر سال زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کیونکہ اموال میں زکوٰۃ ہر سال متکرر ہوتی ہے۔
- معلوم ہوا کہ قیامت اور جہنم ثابت ہے۔ بدلہ بھی ویسا ہی ملے گا جیسا عمل ہوگا۔
- اس حدیث سے رب تعالیٰ کے لیے افعالِ اختیاریہ کا اثبات بھی معلوم ہوا جس کی دلیل یہ الفاظ ہیں: ''اللہ تمہیں ان کے بدلے جہنم کی آگ کے دو کنگن پہنائے گا۔''
- معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رب تعالیٰ سے بے حد ڈرنے والے تھے۔ چنانچہ اس خاتون صحابیہ رضی اللہ عنہا نے وعید سنتے ہی ان دونوں کنگنوں کو خود سے جدا کر دیا۔

608- وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا كَانَتْ تَلْبَسُ أَوْضَاحًا مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَكَنْزٌ هُوَ؟ فَقَالَ: ((إِذَا أَدَّيْتِ زَكَاتَهُ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ)).

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ سونے کی پازیبیں پہنا کرتی تھیں۔ چنانچہ (ایک مرتبہ) انہوں نے (ان کی زکوٰۃ کے بارے میں مسئلہ پوچھنے کے لیے) خدمت نبوی میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ (بھی وہی) ''کنز'' ہے؟ (جس پر قرآن کریم میں شدید وعید آئی ہے) اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جب تم نے ان کی زکوٰۃ ادا کر دی تو (اب) یہ (وہ) ''کنز'' نہیں (رہا) ہے (جس پر قرآنِ کریم میں وعید آتی ہے)۔''❶

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام دارقطنی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث :...... اَوْضَاح: یہ اَلْوَضَحُ کی جمع ہے۔ یہ کھرے درہموں کے بنے زیورات کو کہتے ہیں۔ بالخصوص پازیب کو وَضَح کہا جاتا ہے اور اسے وَضَح اس لیے کہتے ہیں کیونکہ چاندی سے بنے ہونے کی وجہ سے ان میں سفیدی اور چمک ہوتی ہے۔ وَضَح عموماً چاندی سے بنے زیور کو کہتے ہیں لیکن جب اس کے ساتھ ذَهَب کی قید آ جائے تو مراد سونے کا زیور ہوتا ہے۔ یہاں سونے سے بنی پازیبیں مراد ہیں۔ جن کو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا پہنا کرتی تھیں۔ رہی چمک تو وہ سونے میں بھی ہوتی ہے۔ اَ كَنْزٌ هُوَ: سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا اشارہ اس آیتِ کریمہ کی طرف تھا:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ﴾ (التوبة: 34-35)

---

❶ سنن ابی داؤد: 1564، سنن الدار قطني: 105/2، سنن البيهقي: 140/4- ابن عبدالبر کہتے ہیں: اس حدیث کی سند میں کلام ہے۔ عراقی کہتے ہیں: یہ سند جید ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ سند میں اختلاف کا سبب علامہ منذری کے اس قول سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس اسناد میں عتاب بن بشیر ہے۔ امام بخاری نے ان سے روایت لی ہے۔ جب کہ متعدد ائمہ نے اس میں کلام کیا ہے۔ دیکھیں: المحلی: 79/6، فیض القدیر: 432/5

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اور جو لوگ سونا اور چاندی خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، تو انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دے۔ جس دن اسے جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا۔''

چنانچہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مراد وہ کنز تھا جس کے مال کی زکوٰۃ نہ دینے پر آخرت میں سزا ہوتی ہے نہ کہ وہ کنز تھا جو زمین میں مدفون ہوتا ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں بنیادی طور پر دو اہم مسائل مذکور ہیں:

(1) ایک یہ کہ عورتیں سونے سے بنے زیورات استعمال کر سکتی ہیں۔ (2) دوسرا یہ کہ زیورات پر بھی زکوٰۃ آتی ہے اور جب زیور کی زکوٰۃ دے دی جاتی ہے تو اس کی بابت وارد وعید رفع ہو جاتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- عورتیں سونے کے بنے زیورات پہن سکتی ہیں۔
- جس مال اور سونے چاندی کے زیور کی زکوٰۃ ادا کر دی جاتی ہے وہ کنز کی تعریف سے خارج ہو جاتا ہے۔
- معلوم ہوا کہ مذکورہ حدیث میں کنز سے مراد وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو نہ کہ مالِ مدفون مراد ہے۔
- جس بات کا علم نہ ہو اس کے بارے میں سوال کر لینا چاہیے تاکہ اس کا شرعی حکم معلوم ہو سکے۔
- حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات کے بے حد حریص تھے کہ وہ بری الذمہ اور آخرت کے سوال و عقاب سے سلامت رہیں۔
- معلوم ہوا کہ زیورات میں بھی زکوٰۃ واجب ہے۔

سامانِ تجارت میں زکوٰۃ کا حکم

609- وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِيْ نَعُدُّهُ لِلْبَيْعِ)). رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ، وَإِسْنَادُهُ لَيِّنٌ.

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمیں اس بات کا حکم دیا کرتے تھے کہ ''ہم اس مال کی زکوٰۃ نکالا کریں جس کو بیچنے (یعنی تجارت) کے لیے تیار کرتے ہیں۔''[1]
اس حدیث کو امام ابوداود رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد نرم ہے۔

غریب الحدیث:...... مِنَ الَّذِيْ نَعُدُّهُ لِلْبَيْعِ: اَلَّذِيْ یہ اسم موصول ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ چاہے اس کا صیغہ مفرد کا ہی کیوں نہ ہو۔

درایۃ الحدیث:...... لَيِّن کا معنی نرم ہے جو قوی کی ضد ہے۔ جس حدیث کا ضعف واضح نہ ہو حضرات محدثین اس حدیث کو لین یعنی نرم کہتے ہیں ایسی حدیث پکی ضعیف اور حسن حدیث کے بین بین ہوتی ہے۔

---

[1] سنن ابی داود: 1562۔ المعجم الکبیر للطبرانی: 257/7۔ علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد: 69/3 میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ امام ابن حزم کہتے ہیں: یہ حدیث ساقط ہے کیونکہ اس کی اسناد میں مجہول رواۃ ہیں۔ دیکھیں: المحلی: 243/5، التلخیص الحبیر: 179/2۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون حدیث:......مذکورہ حدیث میں بنیادی طور پر یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ سامانِ تجارت میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

سامانِ تجارت کی تعریف اور اس میں زکوٰۃ کے وجوب کا حکم

یہ ہر اس شے کو کہتے ہیں جس کو انسان نفع کے ساتھ بیچنے کی نیت سے خریدے اور خریداروں کے لیے رکھے۔ چنانچہ ایسا سامان عروضِ تجارت کہلائے گا چاہے وہ اس کے پاس ایک یا دو گھنٹے یا اس سے بھی کم مدت کے لیے رہے۔ اس تعریف کی رُو سے سامانِ تجارت کسی معین اور خاص شے کا نام نہیں بلکہ اس کے عموم میں ہر وہ شے داخل ہے جسے نفع کمانے کی غرض سے بیچنے کے لیے رکھا ہو اور اسی غرض سے خریدا بھی ہو۔ امام موصوف نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ سامانِ تجارت میں زکوٰۃ کے واجب ہونے کی بابت علماء میں اختلاف بھی ہے لیکن جمہور علماء اس میں زکوٰۃ کے وجوب کے قائل ہیں، حتیٰ کہ اس بابت امت کا اجماع بھی منقول ہے اور یہی قطعی اور درست قول ہے، دلائل شرعیہ اسی قول کے مؤید نظر آتے ہیں۔ لہٰذا اس باب میں ظاہریہ کا اختلاف غیر معتبر اور غیر معتدّ بہ ہے۔

سامانِ تجارت میں زکوٰۃ کے وجوب کے دلائل

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ (البقرة: 267)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم نے کمائی ہیں اور ان میں سے بھی جو ہم نے تمھارے لیے زمین سے نکالی ہیں۔''

کہ یہاں ہمارے کسب یعنی کمائی پر بھی زکوٰۃ نکالنے کا حکم ہے اور کمائی عموماً تجارت سے ہی ہوتی ہے۔

(2) ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ (التوبة: 103) ''ان کے مالوں سے صدقہ لے۔''

(3) تیسری دلیل نبی کریم ﷺ کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے وقت یہ ارشاد ہے: ''انہیں یہ بات بتلانا کہ رب تعالیٰ نے ان کے مال میں زکوٰۃ کو واجب کیا ہے۔'' مال کے عموم میں عروضِ تجارت بھی شامل ہے۔

(4) پھر معنوی اعتبار سے بھی اگر سامانِ تجارت میں زکوٰۃ کے عدمِ وجوب کا قول کیا جائے تو زکوٰۃ کا مفہوم ہی ختم ہو جائے گا اور یہ کروڑوں اور اربوں روپوں کی تجارت کرنے والے حکم زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہو کر موج کرتے پھریں گے۔ غرض میرے نزدیک راجح اور قطعی قول سامانِ تجارت میں زکوٰۃ کے وجوب کا ہے۔

سامانِ تجارت سے زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ

اس باب میں معتبر قول یہ ہے کہ جب زکوٰۃ ادا کرنے کا وقت آئے گا تو اعتبار سامانِ تجارت کی اس وقت کی مارکیٹ کی قیمت کا ہو گا۔ چاہے وہ قیمت قیمت خرید کے مساوی ہو، یا زیادہ یا کم۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ سامانِ تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے۔
- اگر آدمی خریدے مال کو ذاتی استعمال میں لانے کی نیت کر لے تو اس پر سے زکوٰۃ کا وجوب ساقط ہو جائے گا۔ اس کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دلیل نَعُدُّهُ لِلْبَيْعِ کے الفاظ ہیں۔

دفینہ کی زکوۃ کا حکم

610- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: ((وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''دفینہ میں (جو کسی کو ملے، اس پر) خمس (واجب) ہے۔'' [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

رِکاز یعنی دفینہ کی لغوی اور شرعی تعریف

شرح :...... ''رِكَاز'' فِعَالٌ کے وزن پر صفت کا صیغہ ہے جو مفعول یعنی مَرْكُوْز کے معنی میں ہے اور یہ رَكَزَ الشَّــيْءَ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے کسی شے کو گاڑنا اور جمانا۔ پس رکاز کسی بھی گاڑی اور دفن کی ہوئی چیز کا نام ہوگا۔ جبکہ شرع شریف میں رکاز جاہلیت میں دفن کی گئی کسی شے کو کہتے ہیں جس پر کفر کی کوئی علامت ہو۔ یعنی اس میں اس کے زمانہ جاہلیت کی مدفون شے ہونے کی کوئی علامت ہو۔ جیسے کسی کو زمین میں دفن سونے کی صلیبیں ملیں جن کو دیکھ کر صاف معلوم ہو جائے کہ یہ مال اہل کتاب کافروں کا دفن کیا ہوا ہے (یا جیسے کسی کو ہندوؤں کے چھوڑے مکان میں دفن شدہ سونے کی مورتیاں ملیں کہ یہ بھی کافروں کا مال ہونے کی علامت ہے۔ [نسیم]) کیونکہ صلیب (اور اسی طرح پوجا کی مورتیاں یہ) مسلمانوں کا شعار نہیں بلکہ کافروں کا شعار ہے۔

اسی طرح سونے چاندی کے ایسے سکے ملیں جو صرف بلادِ کفار میں ہی چلتے ہوں کہ ان سب چیزوں کو رکاز کہا جائے گا۔ البتہ اگر دفن شدہ ملنے والی شے پر کفر کی کوئی علامت نہ ہو تو ایسی شے کو لقطہ کہا جائے گا نہ کہ رکاز یعنی دفینہ اور لقطہ کے مستقل احکام آگے آجائیں گے۔

رکاز کا حکم

رکاز کا شرعی حکم یہ ہے کہ اس میں خمس واجب ہوتا ہے جو وہ شخص ادا کرے گا جسے وہ دفینہ ملا ہے اور خمس کا وجوب اس بات کی دلیل ہے کہ باقی کے چار حصے اسی کے ہوں گے جسے یہ مال ملا ہے۔ یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جو اجرت پر مزدوروں سے کسی جگہ کو کھدوائے اور کوئی خزانہ نکل آئے تو خمس تو بیت المال کا ہوگا جبکہ باقی کے چار حصے مستاجر کے ہوں گے جبکہ اجیروں کو صرف اپنی کھدائی کی مزدوری ملے گی کیونکہ اس خزانہ کو کھود کر تلاش کرنے اور پانے میں یہ مزدور مستاجر کے وکیل تھے نا کہ اصیل۔

رکاز کے خمس کا مَصرَف

رکاز میں واجب ہونے والا خمس مصارفِ زکوۃ میں صرف کیا جائے گا۔ کیونکہ الخمس میں الف لام مقدار واجب کی حقیقت بیان کرنے کے لیے ہے لہٰذا خمس کو اہل زکوۃ پر خرچ کیا جائے گا۔ اسی لیے امام موصوف رحمہ اللہ بھی اس حدیث کو باب الزکوۃ کے تحت لے کر آئے ہیں۔ اس بنا پر پھر خمس واجب بھی اسی پر ہوگا جس پر زکوۃ واجب ہوتی ہو اور وہ مسلمان ہے نہ کہ کافر، لہٰذا خمس بھی زکوۃ کی طرح صرف مسلمان پر واجب ہوگا نہ کہ کافر پر۔ لیکن اگر اس الف لام کو عہد ذہنی کا مانیں تو پھر اس خمس سے مراد وہ خمس ہوگا جس کا مصرف فے ہوتا ہے نہ کہ زکوۃ اس بنا پر خمس بیت المال میں جمع کروایا جائے گا نہ کہ اسے اہل زکوۃ پر خرچ کیا جائے گا۔

---

[1] صحيح البخاري: 1499، صحيح مسلم: 1710.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکاز میں خمس کے وجوب کے لیے نصاب اور حولانِ حول شرط نہیں

صحیح قول یہ ہے کہ اس میں نصاب شرط نہیں۔ لہٰذا جتنا رکاز ملا ہے اتنے کا ہی خمس واجب ہوگا چاہے وہ جتنا بھی ہو۔ لہٰذا خمس قلیل و کثیر دونوں میں واجب ہوگا۔ اسی طرح رکاز میں خمس کے وجوب کے لیے حولانِ حول بھی شرط نہیں۔ چنانچہ رکاز یعنی دفینہ جب بھی ملے گا اسی وقت اس پر خمس واجب ہو جائے گا اور یہی امام احمد رحمہ اللہ کا مشہور مذہب ہے۔ ❶

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- دفینہ میں خمس واجب ہے۔
- باقی کے اخماسِ اربعہ پانے والے کے ہوں گے۔
- خمس کے وجوب کے لیے نصاب اور حولانِ حول شرط نہیں۔ لہٰذا خمس اسی وقت اور قلیل و کثیر رکاز دونوں میں واجب ہوگا۔
- راجح قول یہ ہے کہ رکاز کے خمس کا مصرف فیٔ کا مصرف ہے۔ لہٰذا رکاز کا خمس بیت المال میں جمع کرایا جائے گا۔

خزانہ اور کانوں میں زکوٰۃ کا حکم

611- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فِيْ كَنْزٍ وَجَدَهُ رَجُلٌ فِيْ خَرِبَةٍ: ((إِنْ وَجَدْتَهُ فِيْ قَرْيَةٍ مَسْكُوْنَةٍ فَعَرِّفْهُ، وَإِنْ وَجَدْتَهُ فِيْ قَرْيَةٍ غَيْرِ مَسْكُوْنَةٍ فَفِيهِ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ)).

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی کو ویرانے میں ایک خزانہ ملا (تو) اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر تو تمہیں یہ کسی آباد بستی میں ملا ہے تو اس کی تشہیر کر اور اگر یہ تمہیں کسی غیر آباد بستی میں ملا ہے تو اس میں اور (اسی طرح ملنے والے) رکاز میں خمس (واجب ہوتا) ہے۔'' ❷

أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے یہ حدیث حسن اسناد کے ساتھ روایت کی ہے۔

غریب الحدیث:...... خَرِبَةٍ: ویرانہ، کھنڈر، منہدم مکانات والی جگہ جو رہنے کے قابل نہ ہو۔

فَعَرِّفْهُ: مراد اس کی تشہیر اور چرچا کرنا ہے۔ یہ الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے اسے لقطہ اعتبار کیا ہے۔ کیونکہ تشہیر لقطہ کی کی جاتی ہے۔ لقطہ کے تفصیلی احکام آگے آ جائیں گے۔ رہا یہ سوال کہ یہ تشہیر کون کرے؟ تو حدیث کے خطاب کے ظاہر سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یہ تشہیر لقطہ پانے والا کرے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ بیت المال کی ذمہ داری ہے کیونکہ بیت المال مصلحتِ عامہ کے لیے ہے۔

فَفِيهِ وَفِي الرِّكَازِ: یہ الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ کنز اور رکاز دونوں جدا جدا چیزیں ہیں۔ کیونکہ کنز کبھی ظاہر بھی ہوتا ہے جبکہ رکاز غالب یہ ہے کہ مدفون ہی ہوتا ہے۔

---

❶ دیکھیں: المبدع: 362/3- الفروع: 366/2.

❷ حافظ رحمہ اللہ نے "الدراية" (262/1) میں اس حدیث کو امام شافعی اور امام حاکم کی طرف منسوب کیا ہے۔ اسی طرح "التلخيص الحبير" (182/2) میں بھی اس حدیث کو ان دونوں ائمہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن ہمیں یہ حدیث نہ تو سنن ابن ماجہ میں ملی ہے اور نہ ہم نے کسی کو یہ حدیث سنن ابن ماجہ کی طرف منسوب کرتے دیکھا ہے۔ امام شافعی نے یہ حدیث "الام" (43/2) میں اور ان کے طریق سے امام بیہقی نے "السنن" (155/4) میں روایت کی ہے جبکہ امام حاکم نے "المستدرك" (74/2) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں یہ اہم مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ ملنے والا مال اگر تو کسی آبادی میں ملا ہے تو پھر وہ کنز اور لقطہ ہے اور اگر وہ مال کسی ویرانہ میں ملا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

(1) اگر تو وہ غیر مدفون تھا تو اسے بھی کنز ہی کہیں گے لیکن چونکہ یہ کنز ویرانہ میں ملا ہے لہٰذا اس کا حکم لقطہ کا نہ ہو گا بلکہ اس سے خمس واجب ہو گا۔

(2) اور اگر وہ مدفون تھا تو وہ رکاز کے حکم میں ہو گا اور اس میں خمس واجب ہو گا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- کھنڈر اور بے آباد ویرانہ میں ملنے والا خزانہ رکاز کے حکم میں داخل ہے اور اس میں خمس واجب ہو گا۔
- جن دو چیزوں کی حقیقت جدا جدا ہو ان کا حکم بھی جدا جدا ہوتا ہے۔ لہٰذا آباد اور غیر آباد زمینوں کا حکم ان کی حقیقتوں کے جدا ہونے کی وجہ سے مختلف ہو گا۔
- لقطہ اور رکاز میں بنیادی فرق یہ ہے کہ رکاز میں خمس واجب ہوتا ہے جبکہ لقطہ کی تشہیر واجب ہے۔ چنانچہ اگر تو اس کا مالک آ گیا تو وہ لقطہ اس کا ہو گا وگرنہ سارے کا سارا لقطہ اس کے پانے والا کا ہو گا۔

612۔ وَعَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ رضی اللہ عنہ ((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَخَذَ مِنَ الْمَعَادِنِ الْقَبَلِيَّةِ الصَّدَقَةَ)).

حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلے زمانہ کی کانوں (کی معدنیات) کا صدقہ لیا تھا۔[1]

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ.

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :...... **اَلْمَعَادِنِ**: یہ معدن کی جمع ہے۔ معدن اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کسی شے کی اصل اور جڑ ہو، یعنی وہ جگہ اس شے کا سرچشمہ ہو، (اردو زبان میں اسے کان کہتے ہیں) جیسے سونا، چاندی، پیتل، تانبا وغیرہ کی کانیں۔ پس لغت میں کان اس جگہ کو کہیں گے جہاں سے زمین کی جنس کے علاوہ اشیاء نکلیں سونا، چاندی، لوہا وغیرہ اور وہاں نباتات وغیرہ میں سے کچھ اگتا بھی نہ ہو۔ زمین کی جنس سے مراد پتھر، ریت وغیرہ ہے۔

کانوں کی معدنیات میں زکوٰۃ کے وجوب کا حکم

رہا یہ سوال کہ کسی کان سے جو معدنیات نکلتی ہیں، ان میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ تو علماء کا اس بارے اختلاف ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ معدنیات جیسی بھی ہوں ان میں ہر حال میں زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے معدنیات سے زکوٰۃ لی ہے۔ چاہے نکلنے والی معدنیات بعینہٖ وہی چیزیں ہوں جن پر زکوٰۃ آیا کرتی ہے جیسے سونا اور چاندی اور چاہے وہ معدنیات اموالِ زکوٰۃ کے علاوہ ہوں۔ کیونکہ یہ چیزیں زمین سے بدون کسی مشقت کے نکلی ہیں۔

جبکہ ایک قول یہ ہے کہ معدن ایک مستقل جوہر ہے جو زمین کی جنس میں سے نہیں۔ لہٰذا اس کی بابت اصل کی طرف لوٹیں

---

[1] سنن ابی داود: 3061۔ الموطا لمالك: 582۔ سنن البیهقی: 155/4۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ یہ حدیث حضرات محدثین کے نزدیک ثابت نہیں۔ البتہ حاکم رحمہ اللہ نے "المستدرك" (561/1) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور امام ابن خزیمہ (44/4) کہتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تب بھی میرے جی میں اس کی سند کے اتصال کے بارے میں کھٹک ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گے اور وہ اصل ہے زکوٰۃ کا عدمِ وجوب۔ ہاں وجوب کی کوئی دلیل ہو تو اور بات ہے۔اب سونا اور چاندی کے علاوہ میں زکوٰۃ کے وجوب کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ لہٰذا اگر تو معدنیات سونا چاندی کی قبیل سے ہیں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی وگرنہ نہیں۔ لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ معدنیات جو بھی ہوں ان کی زکوٰۃ دے دی جائے۔ کیونکہ حدیث کا ظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے۔

1۔ بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ ......صدقہ فطر کا بیان

تمہید: صَدَقَةُ الْفِطْرِ: ......یہ اضافت "اضافة الشيُ الی زمنه" کی قبیل سے ہے، یعنی وہ صدقہ جو اس وقت واجب ہوتا ہو جب روزے رکھنے کا زمانہ ختم ہو جاتا ہو، چاہے اس نے روزوں کے زمانہ میں کسی مرض یا سفر کے عذر کی وجہ سے روزے نہ بھی رکھے تھے تب بھی اس زمانہ کے ختم ہونے پر اس پر یہ صدقہ واجب ہوتا ہے۔ اگرچہ اس اضافت کو سبب کی طرف اضافت بھی مان سکتے ہیں جو اعم اور اغلب کے اعتبار سے ہوگی، لیکن وقت اور زمانہ کی اضافت کی بات کرنے سے کلام اپنے ظاہر پر باقی رہتا ہے۔

ان لوگوں کا بیان جن پر صدقہ فطر واجب ہوتا ہے

613۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: ((فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ، عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدَّى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کے غلام، آزاد، مذکر، مونث اور چھوٹے بڑے پر فطر کی زکوٰۃ ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو فرض فرمائی اور اس کا یہ حکم دیا کہ "اسے لوگوں کے عید کی نماز کی طرف نکلنے سے قبل ادا کیا جائے۔"[1]

یہ حدیث "متفق علیہ" ہے۔

غریب الحدیث:...... فَرَضَ: فرض کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کو ذکر کر دیا گیا ہے۔

زَكَاةَ الْفِطْرِ: زکاۃ کا لغوی اور اصطلاحی معنی کتاب الزکاۃ کی تمہید اور دیباچہ میں مفصل ذکر کر دیا گیا ہے۔

صَاعًا: یا تو یہ مشتق کی تاویل میں حال ہے۔ یا اگر فَرَضَ کو قَدَّرَ کے معنی میں لیا جائے تو یہ فَرَضَ فعل کا مفعولِ ثانی ہوگا۔ صاع کی مقدار کو گزشتہ میں مفصل بیان کیا جا چکا ہے۔ مِنْ تَمْرٍ، مِنْ شَعِيْرٍ: مراد جو اور کھجور ہیں جو معروف ہیں۔

عَلَى الْعَبْدِ: یہ فَرَضَ فعل کے متعلق ہے جبکہ اگلے کلمات کا لفظ اَلْعَبْد پر عطف ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ غلام تو آقا کے تابع ہوتا ہے اس کے پاس کوئی مال نہیں ہوتا تو بھلا ان پر زکوٰۃ فطر کیونکر واجب ہوتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ غلام پر فطر کا صدقہ واجب تو اصالۃً ہی ہوتا ہے البتہ اس کی طرف سے اس کا تحمل اس کا آقا کرتا ہے۔

اَلْحُرّ: آزاد۔ اس کی تعریف معروف ہے۔ آزاد پر زکوٰۃِ فطر کا وجوب واضح ہے البتہ جو بعض آزاد ہو اس پر بھی یہ صدقہ واجب ہے کیونکہ یہاں حریت اور عبودیت مختلف نہیں ہوتے۔ یہ صدقہ ان سب پر واجب ہے۔

اَلذَّكَرِ وَ الْأُنْثٰى وَ الصَّغِيْرِ وَ الْكَبِيْرِ: اس میں مخنث بھی داخل ہے اور یہ حکم عاقل اور مجنون کو بھی شامل ہے۔ کیونکہ یہ سب اس کے عموم میں داخل ہیں۔ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ: یہ ماسبق کا بیان ہے اور مسلمانوں کی تخصیص اس لیے ہے کیونکہ

[1] صحيح البخاري: 1503- صحيح مسلم: 984.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غیر مسلم اسلام کے فروعی احکام کے مخاطب تب ہوتے ہیں جب وہ اسلام قبول کر کے مسلمان ہو جائیں۔

وَ اَمَرَ اَنْ تُؤَدّٰی قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ: فرض کے بعد امر کی تعبیر میں دو احتمال ہیں:

(1) یا تو یہاں یہ دونوں کلمات مترادف ہیں، تب پھر یہ بابِ تفنن میں سے ہے۔

(2) یا پھر یہ دونوں کلمات مختلف ہیں، تب پھر فرض سے اصل زکوٰۃ کا حکم اور امر سے وصفِ مامور بہ کا ذکر ہے۔ پس اصل زکوٰۃ مفروض ہے اور نمازِ عید سے قبل اس کی ادائیگی مامور بہ کا وصف ہوگی۔

اَنْ تُؤَدّٰی: یعنی اسے اس کے مستحقین تک پہنچایا جائے۔

اِلَی الصَّلٰوۃِ: مراد نمازِ عید ہے لہٰذا یہاں الصلوۃ پر داخل الف لام عہد ذہنی کا ہوگا۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں بنیادی طور پر تین مسائل ذکر ہیں جو یہ ہیں:

(1) فطرانہ کن کن پر واجب ہے۔ تو یہ ہر غلام آزاد، مرد عورت اور چھوٹے بڑے مسلمان پر واجب ہے۔

(2) فطرانہ فی کس کتنا واجب ہے۔ تو یہ کھجور یا جو کا ایک صاع ہے۔

(3) فطرانہ ادا کرنا کب واجب ہے۔ تو یہ عید کی نماز کو جانے سے قبل نکالنا واجب ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- فطرانہ فرض ہے اس کی دلیل فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ کے الفاظ ہیں۔
- فطرانہ ماہِ رمضان کے ختم سے قبل ادا کرنا صحیح نہیں کیونکہ اس کے وجوب کا وقت وہی ہے لہٰذا مہینے کے اول میں فطرانہ نکالنا جائز نہ ہوگا۔ بخلاف بعض اہلِ علم کے کہ ان کے نزدیک قبل از اختتامِ صیام فطرانہ ادا کر سکتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ روزہ اس فریضہ کا سبب ہے جبکہ فطر یعنی روزوں کا ختم ہونا اس فریضہ کی شرط ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ کسی شے کو اس کے سبب کے پائے جانے کے بعد شرط کے پائے جانے سے قبل مقدم کر سکتے ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ فطرانہ کو مقدم کرنا صحیح نہیں کیونکہ فطر اس فریضہ کا سبب ہے نہ کہ شرط۔
- فطرانہ ایک صاع ہے اس سے کم کافی نہیں۔ اس کی دلیل فَرَضَهَا صَاعًا کے الفاظ ہیں۔ لیکن یہ حکم قادر کے حق میں ہے۔ البتہ عاجز کے صاع سے کم دینے کے جائز ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ عاجز کے حق میں یہ جائز ہے کیونکہ اس میں فقیر کی منفعت ہے۔
- فطرانہ میں کھجور اور جو ہی دیا جائے یا کچھ اور بھی دے سکتے ہیں؟ تو اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے بعینہ اسی جنس کے ادا کرنے کا قصد فرمایا ہے۔ لہٰذا کھجور اور جو سے ہی فطرانہ دیا جائے گا۔ مشہور مذہب یہی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ قید اغلبی ہے کیونکہ اس وقت لوگوں کا کھانا یہی چیزیں ہوا کرتی تھیں جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث ابی سعید رضی اللہ عنہ میں آتا ہے [1] اور علماء اصول کا قول ہے کہ قید اغلبی کا کوئی مفہوم مخالف نہیں ہوا کرتا۔ لہٰذا یہ حکم ان چیزوں کے ساتھ مقید ہوگا جو ہر زمانہ کے اعتبار سے مساکین اور محتاجوں کی خوراک اور ان کا کھانا ہوں۔
- فطرانہ میں قیمت ادا کرنا کافی نہیں دگرنہ نبی کریم ﷺ یہ فرماتے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو یا ان کے برابر قیمت

---

[1] یہ حدیث آگے آ رہی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالانکہ یہ معلوم اور معروف ہے کہ کھجور اور جو کی قیمتیں ہمیشہ مختلف رہی ہیں۔لیکن اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے دونوں کی یکساں مقدار کو واجب فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہاں قیمت کا اعتبار نہیں اور یہی راجح قول ہے۔

- فطرانہ ہر مسلمان پر واجب ہے۔
- جس کے پاس فطرانہ میں دینے کو کچھ نہ ہو تو اس پر فطرانہ واجب بھی نہیں رہتا اور نہ اس کے ذمہ باقی ہی رہتا ہے کیونکہ اس بارے یہ قاعدہ مسلّم ہے کہ جو واجب کے وجوب کے وقت اس کے ادا کرنے سے عاجز ہو تو وہ واجب ساقط ہو جاتا ہے۔
- معلوم ہوا کہ واجبات کے وجوب کے لیے اسلام شرط ہے۔
- فطرانہ نمازِ عید سے قبل دینا لازم ہے۔لہٰذا نماز عید کے بعد دیا فطرانہ کافی نہ ہوگا۔کیونکہ یہ ادائیگی مامور بہ کے خلاف ہے اور اس باب میں فیصل اور صریح نص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ہے کہ ''جس نے اسے نماز سے قبل ادا کیا تو یہ مقبول زکوٰۃ ہوگی اور جس نے اسے نماز کے بعد ادا کیا تو یہ صدقوں میں سے ایک صدقہ ہوگا۔''
- سب لوگوں پر یکساں فریضہ عائد کرنے میں شریعت کی حکمت واضح ہے۔

صدقۂ فطر کے وجوب کی حکمت

وَلِابْنِ عَدِيٍّ وَالدَّارَقُطْنِيِّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ: ((أَغْنُوهُمْ عَنِ الطَّوَافِ فِي هٰذَا الْيَوْمِ)).

ابن عدی اور دارقطنی نے ایک ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ''اس دن (نماز سے قبل فطرانہ دے کر) ان (فقراء ومساکین) کو (اپنے گھروں کے سائلانہ) چکر لگانے سے بے نیاز کردو۔'' [1]

غریب الحدیث: ......**اَلطَّوَاف**: یہ چکر لگانے کو کہتے ہیں۔**اُغْنُوھُمْ**: ھُمْ ضمیر منصوب متصل فقراء کی طرف راجع ہے۔جبکہ واؤ جمع مذکر مرفوع متصل کی ضمیر بارز اَغْنِیَاء کی طرف راجع ہے۔

تنبیہ: ......اس روایت میں صدقہ فطر کے وجوب اور نماز سے قبل اس کے ادا کے واجب ہونے کی حکمت کی طرف اشارہ ہے۔کیونکہ جب فقراء کو عید کے روز بقدر کفایت مل جائے گا تو وہ اغنیاء کے دروازوں کے چکر لگانے سے بچ جائیں گے۔

فطرانہ کی مقدار کا اور اس بات کا بیان کہ فطرانہ کن چیزوں میں سے ہو؟

614- وَعَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه قَالَ: ((كُنَّا نُعْطِيهَا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ زَبِيبٍ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَفِي رِوَايَةٍ: ((أَوْ صَاعًا مِنْ أَقِطٍ)).

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ہم کھانے کا ایک صاع، یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو یا ایک صاع کشمش فطرانہ میں دیا کرتے تھے۔ [2]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

ایک روایت میں ''یا ایک صاع پنیر'' کے الفاظ بھی آتے ہیں۔

---

[1] الکامل لابن عدی: 55/7- ترجمة ابی معشر- ابن عدی کہتے ہیں: اگرچہ ابو معشر ضعیف ہے لیکن اس کے باوجود ان کی حدیث لکھی جائے گی۔ سنن الدار قطنی: 152/2- سنن البیهقی: 175/4- امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (126/6) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

[2] صحیح البخاری: 1508- صحیح مسلم: 985.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ: أَمَّا أَنَا فَلَا أَزَالُ أُخْرِجُهُ، كَمَا كُنْتُ أُخْرِجُهُ فِي زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: (اور) رہا میں، تو میں ہمیشہ (اسی طرح) فطرانہ دیتا رہوں گا جس طرح میں نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں دیا کرتا تھا۔

وَلِأَبِيْ دَاوُدَ: ((لَا أُخْرِجُ أَبَدًا إِلَّا صَاعًا)).

سنن ابی داود کی روایت میں ہے: (اور) میں ہمیشہ ایک صاع ہی دیتا رہوں گا۔ ❶

غریب الحدیث:...... **كُنَّا نُعْطِيهَا**: یہاں دوسرا مفعول محذوف ہے کیونکہ یہاں ان لوگوں کا ذکر نہیں جن کو فطرانہ دیا جاتا تھا اور وہ فقراء ومساکین ہیں۔ جبکہ اعطاء کا پہلا مفعول بہ ھا ضمیر منصوب متصل ہے جس کا مرجع زَكٰوةَ الْفِطْرِ ہے۔

فِيْ زَمَانِ النَّبِيِّ ﷺ: کیونکہ دورِ نبوی احکامات کے اثبات میں حجت ہے۔ رہا دور صحابہ رضی اللہ عنہم تو اس دور کا اجماع حجت ہے۔

صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ اَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ: اس عبارت پر ایک معنوی اشکال ہوتا ہے، وہ یہ کہ تمر اور شعیر خود طعام ہیں اور طعام کا بعض ہیں تو ان کا ذکر طعام کے بعد اَوْ کے ذریعے لانا کیونکر درست ہوگا کیونکہ اَوْ تنویع کے لیے ہوتا ہے جو تغایر کو متضمن ہوتا ہے جبکہ یہاں جو اور کھجور طعام کی جنس میں سے ہیں نا کہ ان میں تغایر ہے؟

اس کا ایک جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ یہاں طعام سے مراد چاول یا گندم ہے۔ لیکن یہ قول صحیح نہیں۔ صحیح قول یہ ہے کہ یہاں اَوْ تفسیر کے لیے ہے۔ لہٰذا تقدیری عبارت یوں ہوگی صَاعًا مِنْ طَعَامٍ وَ هٰذَا الطَّعَامُ هُوَ التَّمْرُ وَ الشَّعِيْرُ یعنی ہم دورِ نبوی میں زکوۃ فطر میں طعام کا ایک صاع دیا کرتے تھے جو کھجور، جو، کشمش یا پنیر میں سے ہوتا تھا۔

اَلْاَقِطُ: یہ پنیر کو کہتے ہیں۔ پنیر یہ دودھ کو سکھا کر بنتی ہے چاہے اسے نچوڑا گیا ہو یا نہ نچوڑا گیا ہو۔

لَا اُخْرِجُهُ اَبَدًا اِلَّا صَاعًا: یہ سنن ابی داود کی روایت کے الفاظ ہیں جن کا پس منظر یہ ہے کہ جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب اپنے دورِ خلافت میں ایک مرتبہ مدینہ نبویہ پہنچے تھے تو انہوں نے مدینہ نبوی میں گندم کی کثرت دیکھی جس پر انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ میرے خیال میں گندم کا ایک صاع دو صاع جو کے برابر ہیں یعنی آدھا صاع گندم ایک صاع جو کے برابر ہے۔ پھر خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ میں لوگ گندم کا نصف صاع فطرانہ میں دینے لگے۔ اس پر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا تھا کہ میں تو اسی طرح ایک صاع ہی دیتا رہوں گا جس طرح دورِ نبوی میں ایک صاع دیا کرتا تھا۔ تب پھر دیکھا جائے تو درست اجتہاد جناب ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا تھا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے کھجور اور جو کی اجناس کے مختلف ہونے کے باوجود دونوں میں ایک ایک صاع واجب کیا تھا۔ اسی طرح گندم میں بھی ایک صاع ہی واجب ہونا چاہیے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں بنیادی طور پر دو مسائل ذکر ہیں:

(1) ایک یہ کہ فطرانہ گندم، جو، کھجور، کشمش، پنیر اور طعام میں سے دیا جائے گا۔

(2) دوسرا یہ کہ فطرانہ میں جو بھی دیا جائے گا وہ ایک صاع دیا جائے گا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ فطرانہ میں ایک صاع دینا سنت قولیہ اور فعلیہ دونوں سے ثابت ہے۔

❶ سنن ابی داود: 1616.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ انواع کا اختلاف مقادیر کے اختلاف کو مستلزم نہیں۔
◈ اولیٰ یہ ہے کہ نص کے ظاہر کو ہی لیا جائے جس کی دلیل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا فعل ہے۔کیونکہ ظاہر نص عنداللہ بھی حجت ہے۔
◈ فطرانہ اعیان پر واجب ہے نہ کہ اس کے ذمہ واجب ہے جس پر آدمی کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔لہٰذا بیوی کا فطرانہ خاوند کے ذمہ نہیں اور اولاد کا فطرانہ باپ کے ذمہ نہیں۔
◈ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فطرانہ ان چار مذکورہ اجناس میں سے نکالتے تھے اور ان کی قیمتوں کو نظر انداز کر کے سب سے ایک ایک صاع یکساں طور پر نکالتے تھے۔

صدقہ فطر کے وجوب اور ادا کا وقت اور اس کا فائدہ

615۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: ((فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ، والرَّفَثِ، وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ، فَمَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَهِيَ زَكَاةٌ مَقْبُوْلَةٌ، وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ))

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فطر کی زکوٰۃ کو روزہ دار کو بے کار اور فحش باتوں سے پاک کرنے کے لیے اور مسکینوں کا کھانا بنانے کے لیے فرض کیا ہے۔ پس جس نے اسے نمازِ (عید) سے پہلے ادا کیا تو یہ مقبول زکوٰۃ ہوگی اور جس نے اسے نماز کے بعد ادا کیا تو یہ صدقوں میں سے ایک صدقہ ہوگا۔[1]

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے جبکہ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث :...... طُهْرَةً: یہ مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔یعنی روزہ داروں کو ان کی روزوں کی لغزشوں سے پاک کرنے کے لیے فطرانہ فرض ہے اور یہ حکم اغلب اور اکثر کے اعتبار سے لہٰذا مرض، سفر یا عدمِ بلوغت کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکنے والا اعتبار بن کر وارد نہیں ہوتا۔

اَللَّغْو : بے کار اور بے فائدہ بات۔

اَلرَّفَث : وہ کلام اور فعل جو گناہ کا باعث بنے۔

طُعْمَة : روزی، خوراک، ہر کھائی جانے والی چیز۔

اَلْمَسَاكِيْن : اس میں فقراء بھی شامل ہیں کیونکہ فقیر اور مسکین کا لفظ جب بھی اکیلا ذکر ہو تو وہ دوسرے کے ذکر کو شامل ہوتا ہے۔البتہ جب دونوں اکٹھے ذکر ہوں تو دونوں کی مراد الگ الگ ہوتی ہے چنانچہ فقیر وہ ہوتا ہے جو مسکین سے بھی زیادہ تنگ دست ہو۔

درایۃ الحدیث :...... فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی یہ تعبیر حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی

[1] سنن ابی داود: 1609۔ سنن ابن ماجه: 1827۔ المستدرك للحاكم: 568/1۔ امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (126/6) میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ البتہ طهرة للصائم اور طعمة للمساکین کے الفاظ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اجتہاد و استنباط بھی ہو سکتے ہیں اور قول رسول ﷺ بھی ہو سکتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ فطرانہ فرض ہے تو یہ بھی بیان فرمایا کہ فطرانہ کیوں فرض کیا گیا ہے۔

وَ مَنْ اَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلٰوةَ: یہاں بھی دونوں احتمال ہیں لیکن بظاہر یہ قول رسول ﷺ ہے۔ جس کی دلیل گزشتہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کے یہ الفاظ ہیں: وَ اَمَرَبِهَا اَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَى الصَّلٰوةِ.

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں صدقہ فطر ادا کرنے کا وقت اور اس کا دوہرا فائدہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک تو اس سے روزہ دار کی روزہ میں ہونے والی کی بیشی معاف ہو جاتی ہے۔ دوسرے عید کے دن فقیروں اور محتاجوں کو کھانا مل جاتا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- فطرانہ روزہ دار کی روزوں میں ہونے والی کوتاہیوں کی معافی کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ
  - ...... یا تو روزہ دار اپنے روزہ کو بے کار اور گناہ کی باتوں سے محفوظ رکھے گا اور یہ سب سے اعلیٰ قسم کا روزہ ہے۔
  - ...... یا پھر وہ روزہ میں لغو و عصیان میں ڈوب کر گزارے گا، یہ روزہ کی سب سے بری قسم ہے۔
  - ...... اور یا پھر وہ روزہ میں بے کار باتیں کرے گا جو اگرچہ گناہوں کا باعث نہ بھی ہوں تب بھی خیر کثیر سے محرومی کا سبب ضرور ہوتی ہیں۔

  یوں یہ فطرانہ ان لغو اور گناہ کی باتوں سے کفارہ بن جاتا ہے۔
- معلوم ہوا کہ فطرانہ ادا کرنے کا وقت عید کی نماز کے لیے جانے سے قبل ہے اور اس کے بعد تک اسے موخر کرنا حرام ہے۔ جس کی دلیل وقت نکل جانے کے بعد اس کا غیر مقبول ہو جانا ہے۔
- عباداتِ موقتہ اپنا وقت نکل جانے کے بعد غیر مقبول ہو جاتی ہیں۔ اس مسئلہ کو مواقیت صلوۃ کے تحت مفصل ذکر کیا جا چکا ہے۔
- عبادات کے مقبول ہونے کے لیے ان کا موافق شرع ہونا لازم ہے۔ اس کی دلیل فَمَنْ اَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلٰوةِ ...... کے الفاظ ہیں۔
- جب آدمی ایسی کسی عبادت کی نیت کرے جو دو مراتب پر مرتب ہو تو ایک کے باطل ہونے سے دوسرا مرتبہ ضرور باقی رہتا ہے۔ جیسے یہاں وقت نکل جانے پر اگر یہ صدقہ صدقہ فطر نہیں رہا تو کم از کم صدقوں میں سے ایک صدقہ بن کر تو ضرور رہے گا۔
- بلاشبہ یہ بات شریعت کی بلندی میں سے ہے کہ اس نے جو حکم بھی فرض کیا ہے مبنی بر حکمت فرض کیا ہے۔

2۔ بَابُ صَدَقَةِ التَّطَوُّعِ ...... نفلی صدقہ کا بیان

تمہید: ...... **صَدَقَةُ التَّطَوُّعِ:** یہ اضافت سبب کی طرف بھی ہو سکتی ہے یعنی وہ صدقہ جس پر ابھارنے کا سبب رب کی رضا کے لیے خرچ کرنا ہے اور یہ نوع کی طرف اضافت بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی وہ صدقہ جو نفل ہے اس کا بیان۔

نفلی صدقہ کا مفہوم اور فائدہ

نحوی ترکیب کی تفصیل کے بعد اب نفلی صدقہ کا مطلب بیان کیا جاتا ہے۔

صدقہ تطوع یعنی نفلی صدقہ، یہ وہ صدقہ ہے جو آدمی پر واجب تو نہ ہو البتہ وہ رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے خرچ کرے۔ یہ صدقہ بندوں پر رب تعالیٰ کی رحمت ہے کیونکہ یہ صدقاتِ نفلیہ واجب صدقات کی کمی بیشی کی تلافی کر دیتے ہیں۔ پھر یہ زیادتی ایمان کا بھی باعث ہیں کیونکہ نیکی سے ایمان بڑھتا اور گناہ سے کم ہوتا ہے اور یہ بات رب تعالیٰ کی حکمت میں سے ہے کہ اس نے ہر واجب حکم کے ساتھ ایک نفلی حکم بھی مشروع کر دیا ہے۔ چنانچہ نماز، روزہ، حج، زکوۃ سب فرائض کے ساتھ نفلی نمازیں، روزے، زکوۃ اور حج بھی ہیں۔

صدقہ کو چھپا کر دینا افضل ہے

616۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ))۔ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ۔ وَفِيهِ: ((وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ))۔

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''سات آدمی ایسے ہیں جن کو رب تعالیٰ اس دن اپنے سائے میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہو گا......'' (آگے) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (طویل) حدیث ذکر کرتے ہیں جس میں (آگے چل کر) نبی کریم ﷺ کا (اخفاء کر کے صدقہ کرنے والے کے بارے میں) ارشاد ہے: ''اور ایک وہ آدمی ہے جو صدقہ کرتا ہے۔ پس اسے چھپاتا ہے (اور اس طرح چھپاتا ہے) حتیٰ کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی اس بات کی خبر نہیں ہوتی کہ اس کا داہنا ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے۔'' [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث: ......سَبْعَةٌ: مراد سات معین افراد نہیں بلکہ ان سات صفات والے افراد مراد ہیں۔

فِي ظِلِّهِ: مراد رب تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کا سایہ نہیں کیونکہ رب تعالیٰ خود بھی نور ہے اور اس کا حجاب بھی نور ہے۔ بلکہ مراد وہ سایہ ہے جو رب تعالیٰ پیدا فرمائے گا۔ یہ عرش کا سایہ بھی ہو سکتا ہے اور اس کے علاوہ کا سایہ بھی ہو سکتا ہے بہرحال اس سائے سے وہ سایہ مراد ہے جو مخلوق ہے نہ کہ ذاتِ باری تعالیٰ کا سایہ کیونکہ وہ ذات نور ہے۔

يَوْمَ لَا ظِلَّ: مراد یوم القیامہ ہے۔ کیونکہ روزِ قیامت ہر شے کو ملیامیٹ کر کے زمین کے برابر کر دیا جائے گا، تب پھر کہاں کوئی چیز اور کہاں کا سایہ!

وَ رَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ: امام موصوف رحمہ اللہ نے صرف محل استدلال ذکر پر ہی اکتفا کیا ہے۔ حدیث میں جن سات آدمیوں کا ذکر ہے یہ ان میں کا چھٹا آدمی ہے۔ ذیل میں اجمالی طور پر ان ساتوں کے نام اور کام ذکر کیے جاتے ہیں جنہیں روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے سایہ نصیب ہو گا:

(1) عدل گستر امام۔

(2) رب کی طاعت میں جوان ہونے والا شخص۔

(3) وہ شخص جس کا دل مسجد میں ہی اٹکا رہتا ہے۔

---

[1] صحيح البخاري: 660- صحيح مسلم: 1031.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(4) اللہ کے لیے محبت کرنے والے دو آدمی جن کا ملنا اور بچھڑنا سب اللہ کے لیے ہو۔

(5) حسن و جمال والی عورت کے بلانے پر محض اللہ سے ڈر کر پیچھے ہٹ جانے والا۔

(6) انتہائی مخفی طریق سے صدقہ کرنے والا۔

(7) اور تنہائی میں اللہ کو یاد کر کے فرطِ محبت سے رونے والا۔

اب ذیل میں اس شخص پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی جاتی ہے:

صدقہ میں اخفاء کی فضیلت

تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ: صدقہ سے مراد عام ہے چاہے وہ واجب ہو یا نفل۔

حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ: یہاں شمال اور یمین سے کیا مراد ہے؟ تو ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد دائیں بائیں والے لوگ ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد دایاں اور بایاں ہاتھ ہے اور یہ توجیہ اقرب ہے لیکن یہ بھی معلوم رہے کہ یہ شدتِ اخفاء سے کنایہ ہے یعنی اگر کسی سے یوں بھی ہو سکے تو کر گزرے گو عملاً ایسا ممکن نہیں۔ البتہ یہ تعبیر مجاز کی قبیل میں سے نہیں کیونکہ بائیں ہاتھ کے پاس علم نہیں ہوتا۔ بلکہ مراد شدتِ اخفاء ہے اور چھپا کر صدقہ کرنے میں جانبین کا فائدہ ہے۔ چنانچہ صدقہ کرنے والے کو تو اخلاص نصیب ہوگا کیونکہ اخفاء میں ریاکاری سے حفاظت ہے اور صدقہ لینے والے کی اس میں پردہ پوشی ہے چنانچہ وہ لوگوں کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچ جائے گا۔ دوسرے لوگوں پر اس کی احتیاج بھی عیاں نہ ہو گی۔ بلاشبہ یہ بندوں پر اللہ کی رحمت میں سے ہے اور خود بندوں کی بندوں پر شفقت بھی ہے۔

مضمون حدیث: ......اس حدیث میں دراصل اس بات کی ترغیب ہے کہ صدقہ انتہائی اخلاص کے ساتھ کیا جائے اور اس میں نمود و نمائش اور دکھلاوے سے سخت اجتناب کیا جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- رجل کی تعبیر مرد کی فضیلت کی بنا پر ہے ورنہ یہ حکم مرد اور عورت دونوں کو شامل ہے۔
- مذکورہ فضیلت واجب اور مستحب دونوں قسم کے صدقوں کو شامل ہے۔
- صدقہ میں اخفاء کی فضیلت ہے اور اخفاء جس قدر زیادہ ہوگا، اسی قدر زیادہ اجر و ثواب بھی ملے گا۔

نفلی صدقہ کی فضیلت

617۔ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((كُلُّ امْرِیءٍ فِیْ ظِلِّ صَدَقَتِهٖ حَتّٰى يُفْصَلَ بَيْنَ النَّاسِ)).

رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے: ''(روزِ قیامت) ہر آدمی اپنے صدقہ کے سائے تلے ہوگا یہاں تک کہ لوگوں میں فیصلہ کر دیا جائے۔''[1]

اس حدیث کو امام ابن حبان اور امام حاکم نے روایت کیا ہے۔

---

[1] صحیح ابن حبان: 3310۔ المستدرك للحاكم: 576/1۔ صحیح ابن خزیمة: 2431۔ مسند احمد: 147/4۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ "مجمع الزوائد" (110/3) میں کہتے ہیں: اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غریب الحدیث:...... كُلُّ: یہ ان الفاظ میں سے ہے جو عموم پر دلالت کرتے ہیں۔

اِمْرِئٍ: مراد مرد اور عورت دونوں ہیں۔

فِي ظِلِّ صَدَقَتِهِ: یہ حقیقی سایہ بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی رب تعالیٰ اس کے صدقہ کو اس کے سر پر ایک سایہ کی طرح بنا دے گا اور رب تعالیٰ کی حمایت و رعایت بھی مراد ہو سکتی ہے۔ لیکن اولیٰ پہلا معنی مراد لینا ہی ہے کہ یہاں سایہ سے صدقہ کا حقیقی سایہ مراد ہے کیونکہ حقیقت اصل ہوتی ہے۔ رہا صدقہ کا سایہ ہونا حالانکہ صدقہ اعیان میں سے نہیں بلکہ معانی میں سے ہے۔ تو رب تعالیٰ کی قدرت سے یہ بات بعید نہیں کہ وہ اعیان کے ساتھ ساتھ معانی کے بھی سائے بنا دے۔

حَتّٰى يُفْصَلَ: مراد ظالم مظلوم کے درمیان فیصلہ بھی ہو سکتا ہے اور کافروں اور مسلمانوں کے درمیان فیصلہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔

تَنْبِيْهٌ:...... مذکورہ حدیث میں صدقہ کی فضیلت اور روزِ قیامت اور اس کی جزاء وسزا کا اثبات ہے۔

618۔ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((أَيُّمَا مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلَى عُرْيٍ كَسَاهُ اللّٰهُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ ، وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ أَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلَى جُوْعٍ أَطْعَمَهُ اللّٰهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ ، وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ سَقَى مُسْلِمًا عَلَى ظَمَأٍ سَقَاهُ اللّٰهُ مِنَ الرَّحِيْقِ الْمَخْتُوْمِ)).

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَفِيْ إِسْنَادِهِ لِيْنٌ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس کسی مسلمان نے کسی (دوسرے) مسلمان کو (اس کے) ننگے ہونے پر کپڑے پہنائے تو رب تعالیٰ اسے جنت کے سبز کپڑوں میں سے پہنائے گا اور جس کسی مسلمان نے کسی (دوسرے) مسلمان کو (اس کے) بھوکا ہونے پر کھانا کھلایا تو رب تعالیٰ اسے جنت کے پھلوں سے کھلائے گا اور جس کسی مسلمان نے کسی (دوسرے) مسلمان کو (اس کے) پیاسا ہونے پر پلایا تو رب تعالیٰ اسے سر بند خالص شفاف شراب سے پلائے گا۔'' [1]

اس حدیث کو امام ابوداؤد رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد میں نرمی ہے۔

غریب الحدیث:...... اَيُّمَا: یہ حرفِ شرط ہے جس میں مَا زائدہ ہے اور اَيٌّ یہ مبنی بر ضم ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ مبتدا ہونے کی وجہ سے ظاہری ضمہ کے ساتھ مرفوع ہے۔

مُسْلِم: یہاں اَيٌّ مضاف، مَا زائدہ اور مُسْلِمٍ یہ مضاف الیہ ہے اور مسلمان کی قید اس لیے ہے کہ غیر مسلم مذکورہ وعدہ سے آخرت میں بوجہ بے ایمان ہونے کے مستفید نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ جملہ عبادات کے آخرت میں صحیح ہونے اور مقبول و ماجور ہونے کے لیے اسلام شرط ہے۔ جو روزِ آخرت غیر مسلم میں مفقود ہوگا۔

كَسَا: یہ فعل شرط ہے۔

كَسَاهُ اللّٰهُ: یہ جوابِ شرط ہے۔

[1] سنن ابی داود: 1682۔ جامع الترمذی: 2449۔ جامع ترمذی میں یہ حدیث تقدیم وتاخیر کے ساتھ مروی ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو غریب اور اس کے موقوف ہونے کو راجح قرار دیا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ "المجموع" (227/6) میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد عمدہ ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ: اس کا بیان اس ارشاد باری تعالیٰ میں ہے:

﴿عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ﴾ (الدھر: 21)

''ان کے اوپر باریک ریشم کے سبز کپڑے ہوں گے۔''

سبز رنگ بے حد کھلتا اور دل ونگاہ کو بھاتا رنگ ہوتا ہے جس کو دیکھ کر طبیعت میں سرور اور فرحت پیدا ہوتی ہے۔

عَلٰى عُرِيٍ: بلاشبہ جب کپڑے نہ ہوں تو ان کی احتیاج زیادہ اور اس وقت کسی کو کپڑے دینے میں ثواب بھی زیادہ ہے کیونکہ کسی ایسے کو کپڑے دینا جس کے پاس پہلے سے کپڑے ہوں، یہ اس پر احسان ضرور ہے لیکن اس کی حاجت کا رفع نہیں۔

اَيُّمَا مُسْلِمٍ اَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلٰى جُوْعٍ يُطْعِمُهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ: اس ارشاد میں بھوکے کو کھانا کھلانے کی عظیم فضیلت کا ذکر ہے کہ رب تعالیٰ اسے روزِ قیامت یعنی آخرت میں جنت کے پھل کھلائے گا۔ مذکورہ جملہ نحوی ترکیب کے اعتبار سے گزشتہ جملہ کی طرح ہے۔

ثِمَار: یہ ثَمَرَةٌ کی جمع ہے۔ ثمرۃ اس شے کو کہتے ہیں جو ایک درخت اگاتا اور پیدا کرتا ہے۔ اب یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جنت میں طرح طرح کے پھل ہوں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ﴾ (الرحمن: 52)

''ان دونوں میں ہر پھل کی دو قسمیں ہیں۔''

وَ اَيُّمَا مُسْلِمٍ سَقٰى مُسْلِمًا عَلٰى ظَمَاٍ سَقَاهُ اللّٰهُ مِنَ الرَّحِيْقِ الْمَخْتُوْمِ: اَلظَّمَأُ: شدت کی پیاس۔

اَلرَّحِيْقُ: صاف اور خالص شراب۔

اَلْمَخْتُوْمُ: سربمہر جسے پہلے کسی نے کھولا نہ ہو۔ رب تعالیٰ نے اس شراب کا ذکر اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے:

﴿يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ﴾ (المطففین: 25)

''انھیں ایسی خالص شراب پلائی جائے گی جس پر مہر لگی ہوگی۔''

جبکہ ایک دوسری آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ مہر کس چیز کی ہوگی، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿خِتٰمُهٗ مِسْكٌ وَّفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ (المطففین: 26)

''اس کی مہر کستوری ہوگی اور اسی (کو حاصل کرنے) میں ان لوگوں کو مقابلہ کرنا لازم ہے جو (کسی چیز کے حاصل کرنے میں) مقابلہ کرنے والے ہیں۔''

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی کو کپڑے پہنانا، اس کی بھوک میں اسے کھانا کھلانا اور کسی کی پیاس میں اسے پانی پلانا بھی ایک قسم کا نفلی صدقہ ہے، جس کی بے انتہا فضیلت ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مذکورہ حدیث میں ان بے پناہ عظیم فضائل کو سنا کر اپنے بھوکے پیاسے اور ننگے مسلمان بھائیوں کی بھوک پیاس مٹانے اور انہیں ان کی ضروریات جیسے کپڑے وغیرہ مہیا کرنے کی زبردست ترغیب ہے۔
- مذکورہ روایت میں جنت، اس کی نعمتوں اور جزا کا اثبات ہے۔ اس کے ساتھ ہی رب تعالیٰ کے لیے افعالِ اختیاریہ جیسے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بدلہ دینا وغیرہ کا بھی اثبات ہے۔

- جزاء عمل کی جنس سے ہوگی۔ کہ جیسا عمل ہوگا ویسی ہی جزاء بھی ملے گی۔
- نیکیوں کے آخرت میں کام آنے کے لیے ایمان اور اسلام شرط ہے۔
- مسلمان پر ایسے احسانات کرنے کا تو اجر ہے ہی اور مسلمان بہ نسبت دوسروں کے انعام و احسان کا زیادہ مستحق بھی ہے۔ البتہ غیر مسلموں پر احسان بھی باعث اجر ہے۔ ہاں وہ غیر مسلم حربی کافر نہ ہو۔ حربی کافر پہ احسان اسے اسلام کی دعوت دینا ہے، مانے تو خیر و گرنہ مار دیا جائے۔ حتیٰ کہ بعض روایات میں جانوروں تک پر احسان کو بھی باعث اجر کہا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ ''ہر تر جگر والے پر احسان میں اجر ہے۔'' [1]
- معلوم ہوا کہ خاص مذکورہ اجور تب ملیں گے جب منعم علیہ محتاج ہو اور اگر وہ محتاج نہ ہو تو ویسے تو کھلانے پلانے وغیرہ کے احسان کا اجر ملے گا البتہ یہ خاص مذکورہ اجور نہ ملیں گے۔

دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے

619- وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ، وَخَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى، وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور (خرچ کرنے میں) ابتدا ان سے کرو جن کی پرورش (و کفالت) تیرے ذمے ہے اور سب سے بہتر صدقہ وہ ہے جو حالت غنا میں کیا جائے اور جو (برائی اور سوال سے) پاک دامنی چاہے اللہ اسے پاک دامن بنا دیتا ہے اور جو (لوگوں سے سوال کرنے سے) بے نیاز ہونا چاہے اللہ اسے بے نیاز کر دیتا ہے۔'' [2]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

غریب الحدیث:...... **اَلْيَدُ الْعُلْيَا**: یہ مبتدا ہے۔

خَيْرٌ: یہ خبر ہے۔

مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى: یہ جار مجرور خیر کے متعلق ہیں۔ ایک اور روایت میں اس کی تفسیر یوں آتی ہے کہ اونچے ہاتھ سے مراد دینے والے کا ہاتھ ہے اور نیچے والے ہاتھ سے مراد لینے والا کا ہاتھ ہے [3] اور دینے والے ہاتھ کا افضل ہونا ظاہر ہے۔ اگر چہ اس کی ایک تفسیر علماء نے یہ بھی بیان کی ہے کہ اونچے ہاتھ سے مراد اس شخص کا ہاتھ ہے جو سائل نہ ہو اور نیچے والے ہاتھ سے وہ ہاتھ مراد ہے جو سوال کرنے والے کا ہاتھ ہو۔ لیکن معتبر اور راجح تفسیر بہر حال وہی ہوتی ہے جو خود متکلم بیان کرے۔

چنانچہ یہ ارشاد نبوی ہے اور اس کی راجح اور معتبر تفسیر وہی ہوگی جو خود نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائی ہو۔

بِمَنْ تَعُولُ: یہ عَالَ الرَّجُلُ عِيَالَهُ سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے بال بچوں کی پرورش کرنا، ان کی کفالت کرنا اور

---

[1] صحیح البخاری: 3321. [2] صحیح البخاری: 1427- صحیح مسلم: 1034.

[3] یہ روایت "باب النفقات" میں آرہی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کے ضروری اخراجات کا ذمہ دار ہونا۔ لہٰذا بِمَنْ تَعُوْلُ سے گھر کے وہ افراد مراد ہوں گے جن کا نفقہ آدمی کے ذمہ ہوتا ہے۔ ان پر پہلے خرچ کرنے کا حکم اس لیے ہے کہ آدمی ان کے اِحیاء و بقا کا مامور اور جوابدہ ہے اور اسے ان کا ضائع اور برباد کر دینا منع اور حرام ہے۔

خَیْرُ الصَّدَقَةِ: یہ نفلی صدقہ اور زکوۃ دونوں کو شامل ہے۔ بظاہر اس میں عموم ہے۔

عَنْ ظَهْرِ غِنًى: یہاں "عن" مصاحبت کے لیے ہے۔ لہٰذا عَنْ ظَهْرِ غِنًى کا مطلب ہوگا غنا کے ہوتے ہوئے صدقہ کرنا۔ اب زکوۃ تو دی ہی اس وقت جاتی ہے جب آدمی غنی ہو اور اس کے پاس بقدرِ نصاب مال بھی ہو۔ جبکہ نفلی صدقہ کبھی تو غنا کے ہوتے ہوئے ہوگا اور کبھی غنا کے بغیر ہوگا۔ علماء نے اس کی صورت یہ بیان کی ہے کہ ایک آدمی کا شمار چاہے فقیروں میں ہی ہوتا ہو لیکن اگر وہ اپنی ضرورت و کفایت سے زائد کو خرچ کر دیتا ہے تو یہ اس کے حق میں حالت غنا میں خرچ کرنا ہی ہے۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو صدقہ زیر پرورش افراد کی ضروریات میں کمی کر کے اور بدون غنا کے کیا جائے وہ خیر صدقہ نہیں کیونکہ ایسے شخص نے فرمانِ نبوی کی مخالفت کی ہے۔ رہا ایثار تو وہ روز مرہ کا وطیرہ نہیں ہوتا بلکہ اس کا تعلق خاص حالات سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ایثار خیر صدقہ میں داخل ہوگا۔

وَ مَنْ یَّسْتَعْفِفْ، وَ مَنْ یَّسْتَغْنِ: استعفاف کا تعلق جنسی اور شہوانی برائیوں سے پاک دامنی حاصل کرنے سے ہے جبکہ استغناء کا تعلق مال کی حرص اور طمع سے بچنے سے ہے۔ پس جو بھی پاک دامنی حاصل کرنا چاہے گا، چاہے اس کا تعلق حرام دیکھنے یا چھونے یا قول یا کسی فعل یا صریح بدکاری اور زنا سے ہی ہو تو رب تعالیٰ اسے ضرور پاک دامنی اور شہوت و بدکاری سے بچائے گا۔ چاہے گناہوں کے قریب جانے سے بچا کر یا بیوی یا باندی عطا فرما کے عفت و ناموس کی حفاظت کر کے، لیکن بہرحال اسے گناہ اور بدکاری سے بچائے گا ضرور، اور جو دوسرے لوگوں کے ہاتھوں میں موجود مال سے بے نیازی چاہے گا تو رب تعالیٰ اسے ضرور بے نیاز کرے گا۔ چاہے جی میں غنا پیدا کر کے، اور چاہے ضروریات کے پورا ہونے کے اسباب مہیا کر کے۔ لیکن بہرحال رب تعالیٰ اسے دوسروں سے بے نیاز کرے گا ضرور۔ تب پھر غنا سے مراد مال کی کثرت بھی ہو سکتی ہے اور دل کی بے نیازی بھی ہو سکتی ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں درج ذیل مسائل کا بیان ہے:

⊙ ..... فضیلت دوسروں کو دینے میں اور ان پر خرچ کرنے میں ہے۔

⊙ ...... آدمی کے مال کے صرف اور خرچ کے پہلے اور زیادہ مستحق وہ لوگ ہیں جن کی پرورش و کفالت اس کے ذمہ ہو۔

⊙ ...... بہترین صدقہ وہ ہے جو ضرورت و کفایت سے زائد مال سے کیا جائے تاکہ ان کی حق تلفی نہ ہو جن پر خرچ کرنا واجب ہوتا ہے۔

⊙ ...... نیکی کی تمنا رب تعالیٰ ضرور پوری فرماتے ہیں، چنانچہ رب تعالیٰ عفت کے متمنی کو عفت عطا فرماتا ہے اور دوسروں سے دل کے بے نیاز ہو جانے کے خواہش مند کو بے نیاز کر دیتا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ معلوم ہوا کہ لوگوں میں درجات کا باہمی تفاضل ہوتا ہے جس کی دلیل اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ کے الفاظ ہیں۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خود اعمال میں بھی باہمی تفاضل ہے جس کی دلیل خَیْرُ الصَّدَقَةِ کے الفاظ ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- اہل وعیال پر خرچ کرنا دوسروں پر خرچ کرنے سے بہتر ہے۔ بلکہ اہل وعیال پر خرچ کرنا واجبات میں سے ہے۔
- عفت وغنا کے طالب کو پاک دامنی اور بے نیازی ضرور نصیب ہوتی ہے۔ لہٰذا جو پاک دامنی اور سوال کی طمع سے بے نیازی کا سچا طالب نہ ہوا سے عفت و پاک دامنی اور لوگوں سے بے نیازی نصیب بھی نہیں ہوتی۔
- یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جیسا عمل ہوگا ویسی ہی جزاء بھی ملے گی۔

افضل صدقہ وہ ہے جو ایک نادار محنت کی کمائی سے کرے

620۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ ؟ قَالَ: ((جُهْدُ الْمُقِلِّ، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ)).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں) عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! افضل صدقہ کون سا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "(افضل صدقہ وہ ہے جو) کم مایہ (اور غریب) کی طاقت کے بقدر (ہو) اور (خرچ کرنے میں) ابتدا ان سے کر جن کی کفالت تیرے ذمہ ہے۔"[1]

أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

اس حدیث کو امام احمد اور امام ابوداود رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے۔ جبکہ امام ابن خزیمہ، امام حاکم اور امام ابن حبان رحمہم اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث: ...... اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ: مراد نفلی صدقہ ہے کیونکہ زکوٰۃ تو واجب ہی اس پر ہوتی ہے جو نصاب کا مالک ہو نہ کہ مُقِلّ یعنی کم مایہ اور مفلس و نادار پر۔

جُهْدُ الْمُقِلِّ: جُهْد یہ طاقت کو کہتے ہیں جبکہ جہد مشقت کو کہتے ہیں اور اَلْمُقِلّ یہ اَقَلَّ فُلَانٌ سے مشتق ہے۔ جس کا معنی ، مفلس، غریب، نادار اور کم مایہ ہونا ہے۔ لہٰذا جُهْدُ الْمُقِلّ کا معنی ہوگا کم مایہ کی طاقت کے بقدر صدقہ اور جُهْدُ الْمُقِلّ کا معنی ہوگا وہ صدقہ جو ایک نادار محنت مشقت کر کے کمائے اور پھر اس میں سے صدقہ کرے۔

وَ ابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ: اس پر مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔

مضمون حدیث: ...... اس حدیث میں نیا اہم مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب ایک تنگ دست کم مایہ اور نادار محنت کر کے صدقہ کرتا ہے تو وہ رب تعالیٰ کو دوسرے صدقوں سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم علم حاصل کرنے کے بے حد حریص تھے جس کی دلیل مذکورہ حدیث میں افضل صدقہ کی بابت سوال کرنا ہے۔
- معلوم ہوا کہ اعمال میں تفاضل ہوتا ہے جیسا کہ ذکر ہوا۔

---

[1] مسند احمد: 358/2۔ سنن ابی داود: 1677۔ صیح ابن خزیمة: 2444۔ صحیح ابن حبان: 3346۔ المستدرك للحاکم: 574/1۔ امام حاکم فرماتے ہیں: یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ مالِ قلیل اور کم سرمایہ سے کیا جانے والا صدقہ عند اللہ افضل ہے۔ جس کی دلیل جُهْدُ الْمُقِلِّ کے الفاظ ہیں۔

◈ اہل وعیال خرچ کیے جانے کے پہلے مستحق ہیں جس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے میں اَلْاَهَم فَالْاَهَم کا ضابطہ ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیے۔

بیوی بچوں پر صدقہ کرنے کی فضیلت

621۔ وَعَنْهُ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((تَصَدَّقُوْا))، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! عِنْدِيْ دِينَارٌ، قَالَ: ((تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى نَفْسِكَ)) قَالَ: عِنْدِيْ آخَرُ، قَالَ: "تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى زَوْجِكَ" قَالَ عِنْدِيْ اٰخَرُ، قَالَ: "تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى وَلَدِكَ."، قَالَ: عِنْدِيْ آخَرُ، قَالَ: ((تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى خَادِمِكَ))، قَالَ: عِنْدِيْ آخَرُ، قَالَ: ((أَنْتَ أَبْصَرُ بِهِ)).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''صدقہ کرو۔'' اس پر ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک دینار ہے (تو اس کا میں کیا کروں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے اپنے آپ پر صدقہ کر (یعنی خرچ کر اور اپنی ضرورت میں لے آ)۔'' اس آدمی نے عرض کیا: میرے پاس ایک اور بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے اپنی بیوی پر صدقہ کر۔'' اس آدمی نے عرض کیا: میرے پاس ایک اور بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے اپنی اولاد پر خرچ کر۔'' اس آدمی نے عرض کیا: میرے پاس ایک اور بھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے اپنے خادم پر صدقہ کر۔'' اس آدمی نے عرض کیا: میرے پاس ایک اور بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی بابت تو زیادہ بہتر جانتا ہے۔'' ❶

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

اس حدیث کو امام ابوداود اور امام نسائی نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث: ...... **تَصَدَّقُوْا**: یہ امر ہے۔ چنانچہ اگر تو اس سے مراد زکوۃ ہے تو یہ امر وجوب کے لیے ہے اور اگر نفلی صدقہ مراد ہے تو یہ امر استحباب کے لیے ہے۔

تَصَدَّقْ بِهٖ عَلٰى نَفْسِكَ: یعنی خرچ کرنے میں ابتدا خود سے یعنی اپنے آپ سے کر۔ کیونکہ اپنی جان کی حفاظت و حمایت واجب ہے۔ کیونکہ خود پر خرچ کرنا اپنی جان کی امداد، اس کی ابقاء اور اس کی حفاظت ہے۔

تَصَدَّقْ بِهٖ عَلٰى زَوْجِكَ: بعض روایات میں پہلے اولاد کا ذکر ہے۔ لیکن اصح روایت یہی ہے کہ پہلے بیوی پر خرچ کرے۔ کیونکہ بیوی پر خرچ کرنا دراصل خود پر خرچ کرنا ہے۔ کیونکہ اگر بیوی پر خرچ نہ کریں گے تو وہ طلاق کا مطالبہ کرنے لگے گی اور بیوی کو طلاق دینا گویا کہ خود کو تمتع سے محروم کرنا ہے۔ تب پھر بیوی پر خرچ کرنے کی مصلحت اپنی ذات کی طرف ہی عائد

---

❶ سنن ابی داود: 1691۔ سنن النسائی: 62/5۔ صحیح ابن حبان: 3337۔ المستدرك للحاکم: 575/1۔ ابن حزم نے "المحلّٰی" (105/10) میں اس حدیث کو قوی کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتی ہے۔اس کے بعد اولاد پر خرچ کرنے کا ذکر ہے کیونکہ اولاد انسان کا جز اور اس کا بعض ہوتی ہے۔

تَصَدَّقْ بِهِ عَلٰى خَادِمِكَ : اولاد کے بعد خادم کا ذکر ہے کیونکہ اولاد تو آدمی سے جدا نہیں ہوتی البتہ خادم آتے جاتے اور بدلتے رہتے ہیں۔

اَنْتَ اَبْصَرُ بِهٖ: یعنی جب کسی کے پاس اپنے اوپر اور بیوی بچوں کے اوپر اور ان کے بعد خادم کے اوپر خرچ کرنے کے بعد بھی کچھ زائد ہے تو وہ اسے نیکی کے اور فلاحی و رفاہی کاموں میں سے جہاں چاہے خرچ کرے۔

والدین کا حکم

مذکورہ روایت میں والدین کا ذکر نہیں۔علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اولاد اور والدین میں سے کس کو خرچ کرنے میں مقدم کیا جائے؟ چنانچہ بعض نے اولاد کو مقدم کہا ہے کیونکہ وہ آدمی کا جز اور بعض ہیں۔ جبکہ بعض نے والدین کو مقدم کہا ہے کیونکہ ان کے ساتھ نیکی اور احسان کرنا واجب ہے اور اللہ و رسول ﷺ کے بعد سب سے زیادہ حق والدین کا ہی ہے۔اس لیے ان کے ساتھ صلہ رحمی کی تاکید سب سے زیادہ ہے اور یہی اقرب قول ہے کہ نیکی کرنے میں والدین کو اولاد پر مقدم کیا جائے۔البتہ یاد رہے کہ یہ وہ مفروضہ صورت ہے جب والدین بوڑھے اور ناتواں ہو کر کمانے کے قابل نہ رہے ہوں وگرنہ اولاد ہی والدین پر مقدم ہے۔

مضمونِ حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں یہ اہم مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ نفلی خرچ میں ترتیبِ درجات اور حقوق و واجبات میں فرقِ مراتب کو ملحوظ رکھ کر خرچ کیا جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- صدقہ کرنا مشروع ہے اس کی دلیل تَصَدَّقُوْا کے الفاظ ہیں۔
- خرچ کرنے میں اَلْاَحَقَّ فَالْاَحَقَّ کا لحاظ ضروری ہے لہٰذا آدمی پر پہلا حق خود اس کی جان کا ہے جس کی دلیل تَصَدَّقْ بِهٖ عَلٰى نَفْسِكَ کے الفاظ ہیں۔
- معلوم ہوا کہ اپنے اوپر اور بیوی بچوں، والدین اور اپنے خدام پر خرچ کرنا صدقہ ہے۔
- معلوم ہوا کہ خادم رکھ سکتے ہیں اس کی دلیل عَلٰى خَادِمِكَ کے الفاظ ہیں۔
- مُفَاضِلات (یعنی ایک دوسرے سے افضل امور) کی بسا اوقات ایک غایت بھی ہوتی ہے جس پر جا کر تقدیم وغیرہ کا حکم ختم ہو جاتا ہے،اس کے بعد آدمی کو باقی کے امور میں اختیار ہوتا ہے جس کی دلیل اَنْتَ اَبْصَرُ بِهٖ کے الفاظ ہیں۔
- اگر فخر و مباہات کا قصد نہ ہو تو آدمی بتلا سکتا ہے کہ میرے پاس کتنی دولت ہے۔

خاوند کے مال سے صدقہ کرنے کا حکم

622- وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : ((إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ طَعَامِ بَيْتِهَا ، غَيْرَ مُفْسِدَةٍ ، كَانَ لَهَا أَجْرُهَا بِمَا أَنْفَقَتْ ، وَلِزَوْجِهَا أَجْرُهُ بِمَا كَسَبَ ، وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے،سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:''جب ایک عورت اپنے گھر کے کھانے سے (اللہ کی راہ میں کچھ) خرچ کرے جبکہ اس کا ارادہ بگاڑ کا نہ ہو (بلکہ صرف اصلاح اور درستی کا ارادہ ہو) تو اسے اپنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذَلِكَ ، لا يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ مِنْ أَجْرِ بَعْضٍ شَيْئًا)). (اس) خرچ کیے کا ثواب ملے گا جبکہ اس کے خاوند کو اس (مال) کے کمانے کا اجر ملے گا اور ایسا ہی اجر خزانچی کو (مالک کے کہنے پر خزانہ سے خرچ کرنے پر) ملے گا کہ کوئی ایک دوسرے کے اجر سے کچھ کم نہ کرے گا۔" ❶

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. یہ حدیث "متفق علیہ" ہے۔

غریب الحدیث:......اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ: مَرْأَةٌ سے بیوی بھی مراد ہو سکتی ہے اور اس میں عموم بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی ہر وہ عورت نے جس نے گھر کا نظم و ضبط سنبھال رکھا ہو۔ چاہے بیوی ہو یا ماں یا کوئی اور خاتون۔ لیکن حدیث کے اگلے الفاظ لِزَوْجِهَا اس عموم کے احتمال کو ردّ کرتے ہیں۔ لہٰذا راجح یہ ہے کہ یہاں مراد بیوی ہے۔

مِنْ طَعَامِ بَيْتِهَا: یہ اضافت تملک کی نہیں بلکہ اختصاص کی ہے کیونکہ گھر تو خاوند کا ہے (ہاں واقعی وہ گھر اسی عورت کا ہو تو اور بات ہے۔)

غَيْرَ مُفْسِدَةٍ: یہ حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور یہ اَلْمَرْأَةُ سے حال ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ غیر شرعی مواقع پر بے جا اڑا کر مال کو برباد کرنے والی نہ ہو بلکہ اس کا ارادہ اصلاح اور نیکی کا ہو اور دیکھا جائے تو نیکی کے ہر کام میں یہ بات اصولی طور پر مطلوب ہے کہ جب بھی کسی نیکی کے کام کے ساتھ ایسی بات ملالی جائے جو بگاڑ اور فساد کا باعث ہو تو رب تعالیٰ اس سے راضی نہیں ہوتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ (البقرة: 205) "اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔"

بِمَا اَنْفَقَتْ: اس میں مذکورہ با سببیہ ہے۔

بِمَا اكْتَسَبَ: یہاں بھی "با" سببیہ ہے۔ یعنی بیوی کو خرچ کرنے کا اور خاوند کو اس مال کے کمانے کا اجر ملے گا۔

لِلْخَازِنِ: مراد خادم ہے۔

مِثْلُ ذٰلِكَ: یعنی اس مال یا کھانے کے خرچ کرنے میں واسطہ بننے والے خادم کو بھی ان کے اجور کے جیسا اجر ملے گا۔

لَا يَنْقُصُ ......: بلاشبہ یہ رب تعالیٰ کی نعمت ہے کہ ان میں سے کسی کا اجر دوسرے سے کم نہ ہو گا اور نہ کوئی ایک کسی دوسرے کے اجر میں کمی کا باعث بنے گا۔ کیونکہ اجر دینے والی ذات رب تعالیٰ کی ہے، پس وہ اللہ ہر ایک کو اسی کے عمل کا اجر دیتا ہے اور ایک کی نیکیاں لے کر دوسرے کو نہیں دیتا۔

مضمون حدیث:......مذکورہ حدیث میں تین اہم باتیں مذکور ہیں:

(1) اگر عورت نیکی اور اصلاح کے ارادہ سے خاوند کے مال سے خرچ کرے تو اسے خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ جبکہ خاوند کو کمانے کا اور خادم کو واسطہ بننے کا۔ یہ رب تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ وہ ایک کام میں شریک تین افراد کو ان کے عمل کے اعتبار سے جدا جدا اجر دیتا ہے اور کسی ایک کے اجر میں کمی نہیں کرتا۔

(2) بیوی خاوند کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر بھی خرچ کر سکتی ہے۔

❶ صحيح البخاري: 1425۔ صحيح مسلم: 1024.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(3) ہر نیکی لازم ہے کہ وہ اصلاح کے ساتھ ملی ہو وگرنہ رب تعالیٰ اس نیکی سے جو فساد پر مبنی ہو، راضی نہیں ہوتا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- عورت اصلاح کے ارادہ سے گھر کے کھانے سے خرچ کر سکتی ہے اور اس میں خاوند کی اجازت شرط نہیں البتہ یہ عرف اور دستور کے یعنی عرف وعادت کے موافق ہو۔
- ''عرف اور عادت'' اجازت سمجھی جاتی ہے اور شرعی قاعدہ ہے کہ جو بات عرفاً ماذون ہو وہ ایسی ہوتی ہے جیسے اس میں نطق کے ساتھ اجازت دی گئی ہے۔
- معلوم ہوا کہ عورت خاوند کے مال سے عرف اور عادت کے برخلاف خرچ نہیں کر سکتی۔

عورت اپنے خاوند پر صدقہ کر سکتی ہے

623- وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ ﷺ قَالَ: جَاءَتْ زَيْنَبُ امْرَأَةُ ابْنِ مَسْعُودٍ، فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّكَ أَمَرْتَ الْيَوْمَ بِالصَّدَقَةِ، وَكَانَ عِنْدِيْ حُلِيٌّ لِيْ.، فَأَرَدْتُ أَنْ أَتَصَدَّقَ بِهِ، فَزَعَمَ ابْنُ مَسْعُودٍ أَنَّهُ وَوَلَدَهُ أَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((صَدَقَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ، زَوْجُكِ وَوَلَدُكِ أَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتِ بِهِ عَلَيْهِمْ)).

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آج آپ ﷺ نے صدقہ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے اور میرے پاس ایک زیور تھا۔ میں نے اسے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا، تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ وہ اور ان کی اولاد ان سے زیادہ حق دار ہیں جن پر میں صدقہ کرنے چلی ہوں۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) ٹھیک کہتے ہیں، تیرا خاوند اور تیری اولاد ان لوگوں سے زیادہ (اس صدقہ کے) مستحق ہیں جن پر تو یہ صدقہ کرے گی۔''[1]

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ......**بِالصَّدَقَةِ**: یہ امر واجب صدقہ کا بھی ہو سکتا ہے اور نفلی صدقہ کا بھی۔ حدیث اس بارے مطلق ہے اور کوئی قرینہ کسی ایک احتمال کی تعیین پر دلالت نہیں کرتا۔ لہٰذا یہاں دونوں صدقے مراد ہو سکتے ہیں واجب بھی اور نفلی بھی۔

عِنْدِيْ حُلِيٌّ لِيْ: مذکورہ حدیث سے اس بات پر کسی لفظ سے بھی دلالت نہیں ہو رہی کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا ارادہ اس سارے زیور کو صدقہ کرنے کا تھا یا بعض کو صدقہ کرنے کا ارادہ تھا۔ پھر یہ کہ آیا وہ زکوۃ دینا چاہتی تھیں یا صدقہ کرنا چاہتی تھیں، اس کی تعیین کا بھی کوئی قرینہ نہیں۔

فَزَعَمَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ: زَعم اصل میں جھوٹی بات کو کہتے ہیں لیکن کبھی اس سے سچی بات بھی مراد ہوتی ہے۔

اَحَقُّ: مراد زیادہ لائق اور حق دار ہے۔ **صَدَقَ**: مراد سچی بات بتلانا ہے۔ (جس کا ترجمہ بندہ عاجز ''ٹھیک کہنا'' سے کیا کرتا ہے۔ یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ٹھیک کہا ہے۔)

زَوْجُكِ وَ وَلَدُكِ اَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتِ بِهِ عَلَيْهِمْ: یہ گزشتہ کلام کی تاکید مزید ہے۔

---

[1] صحيح البخاري: 1462.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون حدیث:......اس حدیث میں بنیادی طور پر دواہم مسئلے مذکور ہیں:

(1) عورت اپنے خاوند اور اولاد پر صدقہ کرسکتی ہے۔

(2) اور یہ کہ عورت کے صدقہ کے زیادہ مستحق خود اس کا خاوند اور اولاد ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ عورت کی آواز ستر نہیں کیونکہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی تھی۔
- حضرات صحابیات بھی علم کی حرص میں مردوں سے پیچھے نہ تھیں۔
- صدقہ عبادت ہے، یہ بات بالکل واضح ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔
- اگر کوئی آدمی کسی امر میں دوسروں سے زیادہ مستحق ہو تو وہ اپنے حق دار ہونے کو بیان کرسکتا ہے۔
- خاوند اور اولاد بھی صدقہ کا مصرف ہوسکتے ہیں اور وہ دوسروں سے زیادہ مستحق ہیں۔
- خاوند کو زکوٰۃ دینے کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔ حنابلہ کا مشہور مذہب [1] اس کے عدم جواز کا ہے۔ کیونکہ خاوند لوٹ کر یہی مالِ زکوٰۃ بیوی پر خرچ کرے گا۔ لیکن یہ مذہب صحیح نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ اولاد اور خاوند کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں بشرطیکہ وہ ان کے نفقۂ واجبہ کی مد میں نہ ہو۔
- اگر مفتی کا فتویٰ موافقِ حق ہو تو اس کی تصدیق واجب ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے صحیح فتویٰ کی تصدیق فرمائی ہے۔
- معلوم ہوا کہ لوگوں کے استحقاق میں مراتب ہیں۔
- حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ افضل صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہونے کے باوجود فقراء صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار ہوتے تھے۔
- امام موصوف رحمہ اللہ کا مذکورہ روایت کو نفلی صدقہ کے باب کے تحت لانے سے معلوم ہوا کہ ان کا میلان یہاں صدقہ سے نفلی صدقہ کی طرف ہے۔
- اگرچہ زیورات میں زکوٰۃ کے وجوب میں اختلاف ہے لیکن گزشتہ صفحات میں صحیح مذہب بیان کردیا گیا ہے کہ زکوٰۃ زیورات میں بھی واجب ہے۔ عدمِ وجوب کے قائلین نے مذکورہ روایت کو دلیل بنایا ہے کہ اگر زیور میں زکوٰۃ ہوتی تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اس کو صدقہ نہ کرتیں۔ لیکن یہ دلیل صحیح نہیں کیونکہ زیور کی زکوٰۃ درہم و دینار نقدی وغیرہ سے بھی دے سکتے ہیں۔
- حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ارشاداتِ نبویہ کے امتثال کے بے حد حریص تھے۔ چنانچہ صدقہ کا امر سن کر حاجت کے باوجود سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنا زیور صدقہ کرنے کو تیار ہوگئیں۔
- معلوم ہوا کہ عورتیں زیور استعمال کرسکتی ہیں۔ چاہے وہ زیور سونے کا ہو یا چاندی کا اور چاہے مرصّع ہو یا غیر مرصّع، محلّق (دائروی یعنی کنگن، انگوٹھی، چھلا، چوڑی وغیرہ) ہو یا غیر محلّق اور اس میں یہ بھی شرط نہیں کہ جس عورت کے پاس زیور ہو وہ غنیۃ ہو یا فقیرہ۔

---

[1] الفروع لابن المفلح: 478/2۔ اب قاضی وغیرہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کی موافقت میں اس کے جواز کا اور خرقی اور صاحب "المحرر" نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی موافقت میں اس کے عدمِ جواز کا قول کیا ہے۔ دیکھیں: کشاف القناع: 290/2.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- عورت خاوند کا نام لے کر اس کا ذکر کر سکتی ہے۔
- آدمی کسی کے فتویٰ کی تحقیق اور چھان بین کر سکتا ہے۔
- عورت شادی شدہ ہونے کے باوجود بھی اپنے مال میں تصرف کر سکتی ہے۔
- تنخواہ دار عورتیں اگر اپنی تنخواہیں بخوشی اپنے خاوندوں کو دے دیں تو یہ ظلم نہ کہلائے گا۔ اسی طرح اگر خاوند اس شرط پر نوکری کی اجازت دے کہ تنخواہ اس کی ہوگی تو یہ بھی جائز ہوگا۔ لیکن اگر خاوند جبراً تنخواہ لے گا تو یہ جائز نہ ہوگا اور اگر نکاح کے عقد میں تدریس کی اجازت شرط تھی تو اب شرط کی تنفیذ واجب ہوگی اور اس کی تنخواہ لینا جائز نہ ہوگا۔

بلاضرورت لوگوں سے سوال کرنا مکروہ ہے

624۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ، حَتَّى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَيْسَ فِيْ وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''آدمی لوگوں سے سوال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ روزِ قیامت اس حال میں (اللہ اور بندوں کے سامنے) آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہ ہوگی (سارا چہرہ بس ہڈی ہی ہڈی ہوگا)۔'' [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:...... **لَا يَزَالُ:** ...... یہ فعل ''استمرار'' کے معنی میں ہے کیونکہ اس پر نفی داخل ہے۔

يَوْمَ الْقِيَامَةِ: یہ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے لہٰذا حَتّٰى يَأْتِيَ کا فاعل ضمیر مستتر هُوَ ہوگی۔

لَيْسَ فِيْ وَجْهِهٖ مُزْعَةُ لَحْمٍ: یہ جملہ حالیہ ہے جو ''ھو'' ضمیر مستتر سے حال ہے۔ مُزْعَة گوشت کی بوٹی کو کہتے ہیں۔ معاذ اللہ چونکہ اس نے دنیا میں اشرف الاعضاء کو لوگوں کے آگے سوال کرنے کے لیے ذلیل کیا تھا اسی لیے آج اس عضو کو اولین و آخرین کے سامنے بے گوشت کر کے ذلیل کیا جائے گا۔ مذکورہ حدیث کی یہ تفسیر بالکل واضح اور الفاظ کے حقیقی معنی پر محمول ہے۔

مضمونِ حدیث:...... مذکورہ حدیث میں دو اہم باتیں مذکور ہیں:

(1) بلاضرورت سوال کرنا مذموم ہے۔

(2) سوال کرنے کی عادت ہی بنا لینا اور بھی زیادہ مذموم اور عند اللہ مبغوض اور روزِ قیامت بدترین ذلت و رسوائی کا سبب ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- بلاضرورت مانگنا کبیرہ گناہ ہے کیونکہ اس پر وعید مرتب ہے جو اس کے کبیرہ ہونے کی دلیل ہے۔
- بعث بعد الموت ثابت ہے۔
- روزِ قیامت اور جزا و سزا ثابت ہے۔
- جیسا عمل ہوگا ویسی جزا ملے گی۔
- مانگنا ہو تو رب تعالیٰ سے مانگیے۔
- امام موصوف رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کو نفلی صدقہ کے باب کے تحت اس مناسبت سے لائے ہیں کہ سائلین کو دینا بہر حال صدقہ ہے اگرچہ سائلین کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ مانگنے سے گریز کریں جس کا دینے والے اور خرچ کرنے والے سے کوئی تعلق نہیں۔

[1] صحیح البخاری: 1475۔ صحیح مسلم: 1040۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

625۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا، فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا، فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْ لِيَسْتَكْثِرْ)).

رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس نے لوگوں (سے ان) کے مالوں کا (اپنا مال) زیادہ کرنے کے لیے سوال کیا تو بے شک (درحقیقت) وہ (اپنے لیے جہنم کے) ایک انگارے کا سوال کر رہا ہے۔ اب چاہے تو کم (انگارے اکٹھے) کرے اور چاہے تو زیادہ (انگارے اکٹھے) کرے۔''[1]

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ......مَنْ يَسْئَلُ النَّاسَ: یہ مَنْ شرطیہ ہے اسی لیے مابعد مذکورہ فعل مضارع مجزوم ہے اور یہ جملہ شرطیہ ہے۔ **تَكَثُّرًا**: یہ مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی جو اپنے مال کو اور زیادہ کرنے کے لیے لوگوں سے سوال کرے۔ **فَإِنَّمَا يَسْئَلُ**: فا جواب شرط پر داخل ہونے والا حرف ربط ہے اور مابعد مذکور جملہ جواب شرط ہے۔

جَمْرًا: یہ جَمْرَةٌ کی جمع ہے جمرہ آگ کے انگارے کو کہتے ہیں۔ لہٰذا جمرہ سے مراد آگ کا ایک ٹکڑا ہوگا۔ اس کی تفسیر میں دو اقوال ہیں:

(1) بلاضرورت سوال کرنے والا ایسا ہے جیسے آگ مانگنے والا۔

(2) یا یہ مراد ہے کہ بلاضرورت مانگنے پر ملنے والی شے کو روزِ قیامت آگ بنا کر اس میں عذاب دیا جائے گا اور یہ معنی اقرب ہے۔

فَلْيَسْتَقِلَّ اَوْ لِيَسْتَكْثِرَ: مذکورہ لام امر کا ہے اور یہ تہدید کے لیے ہے نہ کہ تخییر کے لیے۔

مضمون حدیث: ......ویسے تو سوال کرنا اور اس کی عادت بنا لینا برا ہے لیکن صرف مال جمع کرنے کے لیے سوال کی عادت بنا لینا اور بھی برا ہے۔ پس یا تو پہلی حدیث کو اس حدیث پر محمول کیا جائے گا۔ یا پھر یہاں عقوبت کے مختلف ہونے کا بیان ہے۔ تب پھر دونوں حدیثیں ایک دوسرے پر محمول نہ ہوں گی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- محض مال جمع کرنے کے لیے لوگوں سے مانگنا حرام ہے کیونکہ یہ کبیرہ گناہ ہے اس لیے کہ اس پر وعید مرتب ہے اور وعید کبیرہ پر آتی ہے جو حرام ہے۔
- معلوم ہوا کہ حاجت کی بنا پر سوال مذموم نہیں اور نہ باعثِ گناہ ہے۔ البتہ اس سے بھی بچنا اولیٰ ہے۔
- جیسا عمل ہوگا ویسی ہی جزا بھی ملے گی۔
- سیاقِ کلام کلام کی مراد کو متعین کرتا ہے جیسے یہاں سیاق کلام یہ متعین کر رہا ہے کہ فَلْيَسْتَقِلَّ میں لام امر تہدید کے لیے ہے نہ کہ تخییر کے لیے۔
- یہیں سے کلام اور خطاب میں تہدید کے استعمال کا جواز بھی معلوم ہو گیا۔

[1] صحیح مسلم: 1041.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ قناعت بہرحال سوال کی ذلت سے بہتر ہے۔

626- وَعَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ حَبْلَهُ، فَيَأْتِيَ بِحُزْمَةٍ مِنَ الْحَطَبِ عَلَى ظَهْرِهِ، فَيَبِيعَهَا، فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهُ، خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ النَّاسَ أَعْطَوْهُ أَوْ مَنَعُوهُ)). رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''تم میں سے کسی ایک کا رسی لینا اور (جنگل میں) جا کر اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا ایک گٹھا (کاٹ کر) لاد لانا اور (لا کر) اسے (بازار میں) بیچنا (اور اس سے حاصل ہونے والی کمائی سے دو وقت کی روٹی کھانا) تاکہ اس کے ذریعہ اپنے چہرہ کو (لوگوں کے سامنے سوال کرنے کی ذلت سے) بچا لے، یہ اس کے لیے لوگوں سے سوال کرنے سے بہتر ہے کہ (سوال کرنے پر) وہ (چاہیں تو) اسے دیں یا (اگر چاہیں تو) اسے نہ دیں۔''[1]
اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ...... لَأَنْ يَأْخُذَ: مذکورہ لام کو لامِ ابتدا کہتے ہیں جو کلام کے آغاز کو بتلاتا ہے اس لیے یہ اکثر مبتدا پر داخل ہوتا ہے گو کبھی خبر پر بھی داخل ہوتا ہے۔ اس کی اعراب میں کوئی جگہ نہیں ہوتی اور یہ حروفِ غیر عاملہ میں سے ہوتا ہے اور مذکور اَنْ ناصبہ ہے جو مابعد کے جُملِ معطوفہ کو مصدر کی تاویل میں کر رہا ہے اور یہ جملے مصدر کی تاویل میں ہو کر مبتدا ہیں۔ قرآن کریم میں ایسے مبتدا کی مثال یہ آیت کریمہ ہے:

﴿وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ (البقرة: 184) ''اور یہ کہ تم روزہ رکھو تمھارے لیے بہتر ہے۔''

فَيَأْتِيَ بِحُزْمَةٍ: مذکورہ فا عاطفہ ہے اور اس جملہ کا اَنْ يَّاْخُذَ پر عطف ہے۔

فَيَبِيْعَهَا اور فَيَكُفَّ: یہ دونوں جملے بھی عاطفہ ہیں۔ یہ سارے معطوفات مل کر مصدر کی تاویل میں ہو کر مبتدا ہیں۔

خَيْرٌ لَّهٗ: یہ خبر ہے۔ نبی کریم ﷺ اس بات کی مؤکد خبر دے رہے ہیں کہ جب ایک تہی دست آدمی سوال سے بچنے کے لیے ہاتھوں سے کما کر اپنی ضروریات پوری کرتا ہے اور چاہے لوگ اسے جتنی بھی حقارت سے دیکھیں بہرحال دنیا و آخرت دونوں اعتبار سے یہ محنت کرنا اس کے لیے بہتر ہے۔ کیونکہ اب رب تعالیٰ اسے ذلیل ہونے سے بچائے گا۔

اَعْطَوْهُ اَوْ مَنَعُوْهُ: سوال کرنے پر لوگ اسے دیں یا نہ دیں محنت کر کے کھانے کے حق میں دونوں باتیں یکساں ہیں کہ محنت بہرحال مانگنے سے بہتر ہے آگے ملے تب بھی محنت کی کمائی اس سے بہتر ہے اور چاہے نہ ملے تب بھی محنت کی کمائی اس سے بہتر ہے۔ البتہ ان دونوں صورتوں میں مانگ کر بھی نہ ملنے کی صورت زیادہ اشد ہے۔

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں کسبِ حلال کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے کہ محنت مزدوری کو چاہے لوگ کتنی بھی حقارت سے دیکھیں سوال کرنے سے بہرحال بہتر ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ معلوم ہوا کہ اعمال اور محنتوں میں باہمی تفاضل ہے۔ جس کی دلیل لَاَنْ يَّاْخُذَ اَحَدُكُمْ حَبْلَهٗ...... کے الفاظ ہیں۔

---

[1] صحیح البخاری: 1471۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- جو عمل سوال کی ذلت سے بچائے لوگوں کی نگاہ میں اس کا رتبہ چاہے جتنا بھی حقیر ہو، وہ بہر حال بہتر ہے۔
- کم تر شے کی مثال دے کر اعلیٰ پر تنبیہ ابلغ ہے۔
- خود کو سوال کی ذلت سے بچانا واجب ہے اس کی دلیل فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهُ کے الفاظ ہیں۔
- اپنی چیز کو خود بیچنا زیادہ بہتر ہے گو اس کے لیے کسی کو وکیل بھی کر سکتے ہیں۔
- سوال کرنے پر مل بھی جائے تب بھی سوال نہ کرنا بہتر ہے۔ اس کی دلیل اَعْطَوْهُ اَوْ مَنَعُوْهُ کے الفاظ ہیں۔
- یہاں فعل کی اضافت فاعل کی طرف ہے جو مشہور غالی بدعتی فرقہ ''جبریہ'' پر ردّ ہے۔
- مذکورہ حدیث میں محنت کر کے کمانے کی زبردست ترغیب ہے۔

627- وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((الْمَسْأَلَةُ كَدٌّ يَكُدُّ بِهَا الرَّجُلُ وَجْهَهُ، إِلَّا أَنْ يَسْأَلَ الرَّجُلُ سُلْطَانًا، أَوْ فِي أَمْرٍ لَا بُدَّ مِنْهُ)).

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''سوال کرنا یہ نوچنا ہے جس سے آدمی اپنا چہرہ نوچتا ہے۔ سوائے اس کے کہ آدمی بادشاہ سے سوال کرے یا کسی لابدی امر کا سوال کرے (کہ جس سوال کے بغیر چارہ نہ ہو)۔'' [1]

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ.

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کر کے اسے صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... اَلرَّجُلُ: مراد عورت اور مرد دونوں ہیں۔

یَکُدُّ: کَدَّ یَکُدُّ سر میں یا بدن پر کنگھی کے دندانوں سے بری طرح کھجانے کو کہتے ہیں۔ اگر آدمی کسی نوکدار یا دندانے دار شے سے چہرہ نوچے، کھرچے یا کھجائے تو یقیناً وہ اپنا چہرہ بری طرح زخمی کر بیٹھے گا اور ایسا کرنے پر کوئی بھی آمادہ نہ ہوگا۔ پس سوال کرنا معنوی طور پر خود کو اور اپنی عزت و شرافت کو ایسا ہی مجروح کرنا ہے۔ **اِلَّا اَنْ یَسْئَلَ الرَّجُلُ سُلْطَانًا**: یہ سوال کرنے کی ممانعت سے استثنا ہے۔ سلطان سے مراد شہر کا حاکم اور والی ہے اور یہ بھی اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ آدمی بیت المال سے کچھ لینے کا مستحق ہو۔ پس آدمی کو حاجت نہ بھی ہو لیکن وہ بیت المال سے کچھ لینے کا مستحق ہو تو وہ والی سے سوال کر سکتا ہے۔

اَوْ فِیْ اَمْرٍ لَابُدَّ مِنْهُ: یہ سوال کی ممانعت سے دوسرا استثنا ہے۔ مراد ایسی بات ہے جس کے لیے آدمی مضطر ہو جائے جیسے شدید بھوک پیاس میں پانی اور کھانے کا سوال کہ یہ جائز ہے۔ غرض یہ دونوں مستثنیٰ باتیں ممنوع اور مذموم سوال میں داخل نہیں۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں سابقہ مذکورہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرح بلاضرورت سوال کرنے کی قباحت و شناعت کو نئے اسلوب اور نئی تعبیر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ البتہ اس مذمت میں دو طرح کا سوال داخل نہیں:

(1) بیت المال کے مال کے مستحق کا والی سے سوال (2) مجبور و مضطر کا حالتِ اضطرار میں سوال

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- سوال سے بچیے کہ یہ بہر حال ذلت ہے۔
- مستحق کا سوال گویا کہ سلطان سے سوال ہے۔

[1] جامع الترمذی: 681- امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ مسند احمد: 10/5- سنن ابی داود: 1639- سنن النسائی: 100/5- امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو (3386 میں) صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ حاجت واضطرار میں سوال کرنا جائز ہے۔
◈ اگر دوسرا سوال کا مستحق ہوتو آدمی دوسرے کے لیے بھی سوال کرسکتا ہے۔

3۔ بَابُ قِسْمِ الصَّدَقَاتِ

صدقات کی تقسیم اور مصارف کا بیان

تمہید: ... مصارف زکوٰۃ:......اس باب میں دراصل مصارف زکوٰۃ کا بیان ہے۔ قَسْــمٌ تقسیم کرنے اور کسی شے کی قسمیں بنانے کا نام ہے۔ تب پھر اس باب کے قائم کرنے کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ ہم زکوٰۃ کو کن لوگوں میں اور کیسے تقسیم کریں؟ زکوٰۃ کن لوگوں کو دینی ہے اس کو رب تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں خود بیان فرمادیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (التوبة: 60)

''صدقات تو صرف فقیروں اور مسکینوں کے لیے اور ان پر مقرر عاملوں کے لیے ہیں اور ان کے لیے جن کے دلوں میں الفت ڈالنی مقصود ہے اور گردنیں چھڑانے میں اور تاوان بھرنے والوں میں اور اللہ کے راستے میں اور مسافر میں (خرچ کرنے کے لیے ہیں)۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔''

مصارف زکوٰۃ کے باب میں یہ آیت اصل ہے۔ جبکہ احادیث اس کی تفسیر اور بیان ہیں۔ اب مصارف زکوٰۃ کتنے ہیں فَاِنَّمَا کے حصر کے ساتھ اس آیت کریمہ میں بتلا دیا گیا ہے کہ وہ یہ ہیں:

(1) فقراء (2) مساکین (3) عاملینِ زکوٰۃ (4) مولفۃ القلوب
(5) غلام (6) مقروض (7) مجاہدین (8) مسافر

ذیل میں ہر ایک پر قدرے اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی جاتی ہے:

(1) فقیر:...... مذکورہ آیت میں مصارف زکوٰۃ کو الاھم فالاھم کے قاعدہ کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ فقیر یہ مسکین سے زیادہ تنگ دست ہوتا ہے۔ فقیر وہ ہوتا ہے جس کے پاس سرے سے کچھ نہ ہو یا کم از کم بقدرِ کفایت سے نصف ہو اور کفایت کی مدت علماء نے سال بتلائی ہے۔ لہٰذا جس کے پاس سال بھر کے نفقہ سے نصف سے بھی کم ہو وہ فقیر ہے۔ پس اسے اتنا دے دیا جائے کہ اسے سال بھر کو کافی ہو جائے۔

(2) مسکین:...... یہ محتاج کو کہتے ہیں اور محتاج کو مسکین اس لیے کہتے ہیں کہ حاجت وضرورت اسے دبائے اور بٹھائے رکھتی ہے۔ کیونکہ غنا عادۃً ترفع پیدا کرتا ہے۔ لیکن مسکین کی حالت بہرحال فقیر سے بہتر ہوتی ہے۔

(3) عاملین زکوٰۃ:...... یہ وہ لوگ ہیں جن کو حاکم اور والی زکوٰۃ کی وصولیوں پر اور بعد میں ان کی تقسیم وتفریق پر مقرر کرتے ہیں۔ ان میں ولایت کی ایک جہت ہے جس کا علم عَلٰی کے کلمہ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا وکیل زکوٰۃ اس حکم میں داخل نہ ہوگا کیونکہ اسے مالِ زکوٰۃ پر ولایت حاصل نہیں ہوتی۔ لہٰذا عاملِ زکوٰۃ وہ ہوگا جس کو والی اور حاکم مقرر کرے گا۔ اسی لیے انہیں ان کے عمل کے بقدر اجرت میں زکوٰۃ کا مال دیا جائے گا۔

(4) مؤلفۃ القلوب:...... اَلْمُؤَلَّفَةُ اسم مفعول کا صیغہ ہے اور اَلْقُلُوْبُ اس کا نائب فاعل ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے دل اسلام سے نفور کرتے اور بدکتے ہیں اور انہیں اسلام اور مسلمانوں سے نفرت اور عداوت ہوتی ہے۔ چنانچہ انہیں اسلام اور مسلمانوں کے قریب لانے کے لیے ان پر مال زکوٰۃ کو خرچ کیا جاتا ہے تاکہ ان کا ایمان قوی ہو جائے اور انہیں اسلام سے محبت ہونے لگے۔ اسی طرح جس کافر کے شر سے اسلام اور مسلمانوں کو ضرر کا اندیشہ ہو اس کے شر سے بچنے کے لیے بھی اس پر مالِ زکوٰۃ کو خرچ کر سکتے ہیں۔

(5) غلام:...... رِقَاب یہ رَقَبَہ کی جمع ہے۔ رقبہ گردن کو کہتے ہیں اور مراد غلام ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں:

(i) کافروں کی قید میں موجود مسلمان۔ اس کی گردن چھڑانے کے لیے کافروں کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

(ii) آقا کی ملکیت میں غلام کہ مالِ زکوٰۃ میں اسے خرید کر آزاد کیا جا سکتا ہے۔

(iii) مکاتب غلام کہ مالِ زکوٰۃ میں سے اس کی کتابت کی رقم ادا کر کے اسے آزاد کرایا جا سکتا ہے۔

(6) غارمین:...... یہ غارم کی جمع ہے۔ غارم وہ ہوتا ہے جس کے ذمہ کسی چیز کا ضمان ہو اس کی دو قسمیں ہیں:

(i) اپنے لیے غارم (ii) دوسروں میں صلح کرانے کے لیے غارم بننا

پس جس نے اپنی شرعی حاجت کو پورا کرنے کے لیے قرض لیا وہ بھی غارم ہے۔ البتہ یہ غارم لنفسہ ہے۔ یہ بھی مالِ زکوٰۃ کا مستحق ہے اور اس باب میں ہمیں خود مقروض کو مال دینے کی ضرورت نہیں بلکہ ہم اس کی طرف سے اس کا قرض خود ادا کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ اَلرِّقَاب پر عطف سے واضح ہوتا ہے جو فِیْ حرفِ جر کا مجرور ہے۔ البتہ غارم لنفسہ میں یہ شرط ہے کہ اس کے پاس اپنا قرض چکانے کے بقدر رقم نہ ہو۔

غارم کی دوسری قسم وہ شخص ہے جو لوگوں میں صلح کرانے کے لیے کسی مال کا ضامن بنے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس میں یہ شرط ہے کہ یہ صلح ایسے دو قبائل میں ہو کہ جس کے نہ ہونے پر کسی بڑے شر کا اندیشہ ہو۔ چنانچہ یہ شخص آگے بڑھ کر قتل وقتال کی نوبت آنے سے قبل طرفین کو مال کی ایک رقم کی پیش کش کر کے انہیں خون ریزی سے باز آ جانے پر ابھارے تو ایسے شخص کی مالِ زکوٰۃ سے مدد کی جائے اور صلح کرانے کے لیے جتنے مال کا وہ ضامن بنا ہے اسے مالِ زکوٰۃ سے ادا کیا جائے۔

(7) راہ جہاد:...... اس کی تعبیر میں فِی حرفِ جر کا اعادہ کرتے ہوئے وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فرمایا۔ جس میں ظرفیت کی تائید مزید ہے۔ رہا یہ سوال کہ سبیل اللہ کیا ہے؟ تو سبیل اللہ کی اصل وہ راستہ ہے جو اللہ تک پہنچا دے اور یہ تفسیر ہر نیکی کو شامل ہے۔ لیکن یہاں اس سے مراد صرف راہِ جہاد ہے۔ کیونکہ اگر ہم اس میں عموم کا قول کریں تو خیر کے کئی دروازے بند ہو جائیں گے، پس لوگ مالِ زکوٰۃ کو مدارس، مساجد اور دیگر رفاہی وفلاحی کاموں میں دے کر مزید خرچ کرنے سے رک جائیں گے۔

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ: یہ مجاہد اور اس کے ساز وسامان، آلاتِ حرب وضرب، خوراک پوشاک وغیرہ سب کو شامل ہے۔ لہٰذا مجاہد کو مالِ زکوٰۃ میں سے اتنا دیا جائے گا جو اس کی راہِ جہاد کی ضروریات کو کافی ہو جائے۔ رہا راہِ جہاد تو یہ وہ راستہ ہے جس کی غرض اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا ہو اور لڑنے والا مجاہد، مجاہد فی سبیل اللہ تب ہی کہلائے گا جب وہ اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے لڑے۔

(8) مسافر:...... ابن السبیل اس مسافر کو کہتے ہیں جس کا سفر ابھی جاری وساری ہو اور ختم نہ ہوا ہو کہ درمیان میں اس کا زادِ راہ، توشہ، خرچ اور منزل تک پہنچانے کا سرمایہ ختم ہو جائے۔ ایسے شخص کو بھی مالِ زکوٰۃ میں سے اس قدر دینا جائز ہے کہ جس سے وہ اپنا سفر جاری رکھ کر منزل تک پہنچ سکے۔ چاہے اپنے علاقہ میں وہ غنی ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں بھی فی سبیل اللہ میں ظرفیت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی قید سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اس مال کا مسافر کو مالک بنانا ضروری نہیں۔

کیا ادائے زکوٰۃ میں ان آٹھوں مصارف کا استیعاب شرط ہے؟

اس بارے ایک بات تو متفق علیہ ہے کہ ان اصناف ثمانیہ میں سے مولفۃ القلوب ساقط ہیں کہ اب ان کی احتیاج نہیں رہی۔ رہا یہ سوال کہ کیا زکوٰۃ ادا کرتے وقت باقی کے ساتوں مصارف کا استیعاب شرط ہے؟ تو علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے اس استیعاب کو شرط قرار دیا ہے۔ ❶ ان کی دلیل یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ان اصناف کو واؤ کے ساتھ ذکر کیا ہے جو اشتراک کو مقتضی ہے۔ جو علماء اس بات کے قائل ہیں کہ جملہ اصناف کا استیعاب شرط نہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اصناف کا اشتراک عطاء کے اشتراک کو مقتضی نہیں اور یہی راجح قول ہے جس کی تفصیل اپنے مقام پر مفصل مذکور ہے۔

غنی کو زکوٰۃ لینا کب حلال ہے؟

628۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا لِخَمْسَةٍ: لِعَامِلٍ عَلَيْهَا ، أَوْ رَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهِ ، أَوْ غَارِمٍ ، أَوْ غَازٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ، أَوْ مِسْكِيْنٍ تُصُدِّقَ عَلَيْهِ مِنْهَا ، فَأَهْدَى مِنْهَا لِغَنِيٍّ)) .

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”غنی کو صدقہ (یعنی مالِ زکوٰۃ لینا) جائز نہیں مگر پانچ (آدمیوں) کو (صدقہ کا مال لینا جائز ہے) صدقہ (کی وصولی) پر (مامور) عامل کو، یا اس شخص کو جس نے (مالِ) صدقہ کو اپنے مال سے خریدا، یا غارم کو یا مجاہد فی سبیل اللہ کو یا مسکین کو جس پر زکوٰۃ سے صدقہ کیا گیا اور اس نے اس میں سے غنی کو (بھی کچھ) ہدیہ (میں) دے دیا۔“ ❷

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَهْ ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ ، وَأُعِلَّ بِالْإِرْسَالِ .

اس حدیث کو امام احمد، امام ابو داؤد اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے اور امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ جبکہ اس حدیث میں ”مرسل“ ہونے کی علت بیان کی گئی ہے۔

غریب الحدیث:...... لَا تَحِلُّ: یعنی حرام ہے۔

اَلصَّدَقَةُ: بظاہر اس میں عموم ہے۔

لِغَنِيٍّ: غنی کی تعریف میں اختلاف ہے۔ اس بارے میں چند اقوال مندرجہ ذیل ہیں:

(1) غنی وہ ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہو۔ (2) جس کے پاس دن رات کا کھانا ہو۔

(3) جس کے پاس پچاس درہم ہوں۔

(4) جس کے پاس اپنے اور اپنے کنبہ کے لیے سال بھر کی کفایت کی روزی ہو۔ یہی قول اقرب ہے۔

---

❶ یہ حنابلہ کا مذہب اور امام خرقی کا مختار قول ہے۔ (دیکھیں: الفروع: 473/2) علامہ مرداوی (248/3) کا قول ہے کہ یہ جمہور اصحاب حنابلہ کا قول ہے۔

❷ مسند احمد: 56/3۔ سنن ابی داود: 1636۔ سنن ابن ماجہ: 1841۔ اس حدیث کو مرسل اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ بعض نے اسے عطاء بن یسار کے واسطے سے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ لیکن اکثر نے اسے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ”رفع“ زیادتی ہے جس کو اخذ کرنا متعین ہے۔ جبکہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (2374) اور امام حاکم رحمہ اللہ (566/1) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ابن حزم کہتے ہیں: معمر نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ بعض نے اس کو موقوف جبکہ بعض نے اس روایت کو معمر کی روایت سے کم روایت کیا ہے اور عادل کی زیادتی کا ترک جائز نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِلَّا لِخَمْسَةٍ: اس کا استثنا لِغَنِيٍّ سے ہے۔

لِعَامِلٍ عَلَيْهَا: یہ لِخَمْسَةٍ سے بدل البعض ہے اور اس کا تفصیلی معنی مذکور ہو چکا ہے۔

اَوْ رَجُلٍ اِشْتَرَاهَا بِمَالِهِ: یہ بھی عطف کے واسطہ سے بدل البعض ہے اور حقیقت میں اس نے مالِ زکوٰۃ استحقاق کی جہت سے نہیں لیا۔ جیسے کسی فقیر کو زکوٰۃ میں بکری ملی اور اس نے وہ بکری کسی غنی کو بیچ دی تو اس غنی کو وہ بکری لینا حلال ہوگا کیونکہ اس نے یہ زکوۃ کی بکری زکوٰۃ کا مستحق ہونے کے اعتبار سے نہیں لی۔ بلکہ اشتراء کی جہت سے لی ہے۔ پس جہت کے اختلاف سے حکم بھی مختلف ہو جاتا ہے۔

اَوْ غَارِمٍ: اس پر تفصیلی کلام ہو چکا ہے اور اس کی نحوی ترکیب حسب سابق ہے۔

اَوْ غَازٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: كَمَا مَرَّ۔

اَوْ مِسْكِيْنٍ تُصُدِّقَ عَلَيْهِ مِنْهَا فَاَهْدٰى مِنْهَا لِغَنِيٍّ: یہاں بھی ایک غنی مالِ زکوٰۃ کا مالک ضرور ہوا ہے لیکن زکوٰۃ کی جہت سے نہیں بلکہ ہدیہ کی جہت سے، جس سے حکم بھی مختلف ہو گیا۔

وَ اُعِلَّ بِالْاِرْسَالِ: مراد یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ ارسال کی علت حدیث کو ضعیف بنا دیتی ہے۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ غنی زکوٰۃ کا مستحق نہیں۔ البتہ اس حکم سے پانچ قسم کے غنی مستثنیٰ ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- غنی کو زکوٰۃ لینا حرام ہے۔
- اگر ایک آدمی ایک شے کو ایک مباح طریق سے لے پھر اسے دے جسے وہ شے اسی طریق سے لینا حلال نہ ہو، تو ایسے شخص کو اس پہلے شخص سے وہ شے لینا حلال ہوگا۔
- یہاں سے جہاد کی فضیلت بھی معلوم ہوگئی کہ غازیوں کو مالِ زکوٰۃ تک دینا جائز ہے۔ تو پھر نفلی صدقات دینا تو بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔
- معلوم ہوا کہ فقیر سے ہدیہ لینا جائز ہے چاہے آدمی غنی ہی کیوں نہ ہو۔
- اور خود فقیر کو ہدیہ کرنا بھی جائز ہے۔

کمانے کے قابل کا سوال مذموم ہے

629۔ وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ ، اَنَّ رَجُلَيْنِ حَدَّثَاهُ: اَنَّهُمَا اَتَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَسْاَلَانِهِ مِنَ الصَّدَقَةِ . فَقَلَّبَ فِيْهِمَا الْبَصَرَ ، فَرَآهُمَا جَلْدَيْنِ ، فَقَالَ : ((اِنْ شِئْتُمَا اَعْطَيْتُكُمَا ، وَلَا حَظَّ فِيْهَا لِغَنِيٍّ ، وَلَا لِقَوِيٍّ مُكْتَسِبٍ)) .

عبیداللہ بن عدی بن خیار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہیں دو آدمیوں نے یہ بیان کیا کہ انہوں نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر صدقہ (کا مال) مانگا۔ تو آپ ﷺ نے ان دونوں پر نگاہ دوڑا کر دیکھا تو آپ ﷺ نے انہیں تگڑا (اور کمانے کے لائق) پایا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو میں تمہیں دے دیتا ہوں البتہ اس صدقہ میں نہ تو مال دار کا حق ہے اور نہ اس (تندرست و

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

توانا کا ہی حق ہے جو (اپنا معاش) خود کما سکتا ہو۔''❶

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَقَوَّاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

اس حدیث کو امام احمد، امام ابوداود اور امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو قوی کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... اَنَّ رَجُلَيْنِ: یہ راوی مجہول ہیں لیکن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ناموں کی جہالت سے حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب عدول ہیں۔

يَسْئَلَانِ مِنَ الصَّدَقَةِ: مراد مالِ زکوۃ کا سوال ہے۔

فَقَلَّبَ فِيهِمَا النَّظَرَ: مراد ان دونوں کو دقت و تدبر سے اور گہری نگاہ سے دیکھنا ہے۔

جَلْدَيْنِ: مراد ان دونوں کا تگڑے اور قوی ہونا ہے۔

اِنْ شِئْتُمَا: جناب رسول اللہ ﷺ سائل کو ردّ نہ فرمایا کرتے تھے۔ البتہ یہ فرما کر آپ ﷺ نے حکم بیان فرمادیا کہ اگر تو وہ صدقہ کے مستحق ہوئے تو آپ ﷺ ان دونوں کو عنایت فرمادیں گے ورنہ نہیں اور وہ حکم یہ تھا:

لَا حَظَّ فِيهَا: حَظّ حصہ اور نصیب کو کہتے ہیں اور فِيهَا میں هَا ضمیر مجرور متصل کا مرجع اَلصَّدَقَة ہے۔

لِغَنِيٍّ: غنی کی تعریف پر کافی گفتگو ہو چکی ہے۔ لِقَوِيٍّ مُكْتَسِبٍ: یہاں دو شرطیں مذکور ہیں: (1) قوت (2) اکتساب لہٰذا اگر کوئی قوی ہو مگر اس کا کوئی ذریعہ معاش نہ ہو تو اس کے لیے سوال حلال ہوگا اور اگر کمانے کے قابل تو ہے یعنی اس کے پاس ہنر یا تعلیم ہے لیکن بوجہ کسی بیماری اور عارضہ کے قوت نہیں تو وہ بھی زکوۃ کا مستحق ہوگا۔

مضمون حدیث:...... اس حدیث میں بھی اس بات کا بیان ہے کہ غنی اور کمائی کے قابل تگڑے کو زکوۃ لینا حلال نہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- زکوۃ دینے والے کو سائل کا اجمالی اور ظاہری جائزہ لے لینا چاہیے کہ آیا وہ زکوۃ کا مستحق ہے بھی یا نہیں۔ اس کی دلیل فَقَلَّبَ فِيهِمَا النَّظَرَ کے الفاظ ہیں۔ اور آدمی چاہے تو غیر مستحق دیکھ کر اس کے سامنے مذکورہ قولِ رسول دہرا سکتا ہے۔
- اگر کوئی یہ کہے کہ وہ تنگ دست اور بے روزگار ہے تو اس کا قول مقبول ہوگا۔ اس کی دلیل اِنْ شِئْتُمَا اَعْطَيْتُكُمَا کے الفاظ ہیں۔
- معلوم ہوا کہ غنی، قوی اور کمانے کے لائق کو صدقۂ زکوۃ لینا حلال نہیں۔
- معلوم ہوا کہ جہاں آدمی مال کی وجہ سے غنی ہوتا ہے وہیں ہنر، پیشہ اور مہارت و تعلیم کی وجہ سے بھی غنی ہوتا ہے۔
- اس حدیث میں بندے کے لیے مشیت کے اثبات سے مشہور غالی بدعتی فرقہ ''جبریہ'' کا ردّ بھی ہے۔

سوال کرنا کن کے لیے جائز ہے

630۔ وَعَنْ قَبِيصَةَ بْنِ مُخَارِقٍ الْهِلَالِيِّ رضی اللہ عنہ حضرت قبیصہ بن مخارق الہلالی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے

❶ مسند احمد: 224/4- سنن ابی داود: 1633- سنن النسائی: 99/5- ابن عبدالبر نے "التمهيد" (121/4) میں امام احمد رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے: یہ حدیث اسناد کے اعتبار سے سب سے عمدہ ہے اور ابن ملقن نے "خلاصة البدر المنير" (160/2) میں امام احمد رحمہ اللہ کی پیروی میں یہی قول کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ إِلَّا لِأَحَدِ ثَلَاثَةٍ : رَجُلٍ تَحَمَّلَ حَمَالَةً ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتّٰى يُصِيْبَهَا ، ثُمَّ يُمْسِكُ ، وَرَجُلٍ أَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اجْتَاحَتْ مَالَهُ ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتّٰى يُصِيْبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ ، وَرَجُلٍ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ ، حَتّٰى يَقُوْمَ ثَلَاثَةٌ مِنْ ذَوِي الْحِجٰى مِنْ قَوْمِهِ: لَقَدْ أَصَابَتْ فُلَانًا فَاقَةٌ ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتّٰى يُصِيْبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ ، فَمَا سِوَاهُنَّ مِنَ الْمَسْأَلَةِ يَا قَبِيْصَةُ سُحْتٌ ، يَأْكُلُهُ صَاحِبُهُ سُحْتًا)) .

ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''سوال کرنا سوائے تین آدمیوں میں سے ایک کے (کسی کے لیے) حلال نہیں۔ (وہ تین آدمی یہ ہیں: ایک) وہ آدمی جس نے (دو فریق کے درمیان صلح کرانے کی غرض سے) ایک تاوان اپنے ذمہ لیا تو اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے یہاں تک کہ وہ تاوان (کی اس رقم) کو پالے پھر (مزید سوال کرنے سے) رک جائے اور (دوسرا) وہ آدمی جسے کوئی ایسی آفت پہنچی جس نے اس کا مال ہلاک (اور تباہ و برباد) کر دیا کہ اس کے لیے بھی سوال کرنا جائز (ہو جاتا) ہے یہاں تک کہ وہ گزر بسر کے لائق (مال وغیرہ کو) پالے (پھر اس کے بعد سوال کرنے سے رک جائے) اور (تیسرا) وہ آدمی جسے فاقہ پیش آیا ہو اور اس کی قوم کے تین دانا (و بینا) لوگ اٹھیں (اور اٹھ کر اس بات کی شہادت دیں) کہ واقعی فلاں کو فاقہ پیش آیا ہے تو ایسے آدمی کے لیے بھی سوال کرنا جائز (ہو جاتا) ہے یہاں تک کہ وہ قابل گزران (مال) پالے (پھر اس کے بعد وہ سوال کرنے سے رک جائے) سوائے قبیصہ! ان باتوں کے سوا کسی اور بات کا سوال کرنا (اور سوال کر کے کچھ حاصل کرنا، یہ) ناجائز مال ہے جسے وہ آدمی حرام کھاتا ہے۔''[1]

رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ .

اس حدیث کو امام مسلم، امام ابوداود، امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔

قصۃ حدیث :......حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے مال زکوۃ کا سوال کیا تھا جس پر نبی کریم ﷺ نے انھیں یہ ارشاد فرمایا تھا۔

غریب الحدیث :......رَجُلٍ: یہ مکسور ہے کیونکہ یہ لِاَحَدٍ سے بدل ہے۔ البتہ اسے مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بنا پر مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں اور تقدیری عبارت یہ ہوگی اَحَدُهُمْ رَجُلٌ .

تَحَمَّلَ: کسی کام کی ذمہ داری لینا۔

حَمَالَةً: اپنے ذمہ لیا ہوا تاوان جو لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے ذمہ میں لیا ہو۔ پس جو آدمی دو فریقوں کے درمیان نزاع کو ختم کرنے کے لیے ایک رقم اپنے ذمے میں لیتا ہے، اسے وہ رقم ادا کرنے کے لیے لوگوں سے اس رقم کے اکٹھی ہونے تک سوال جائز ہوگا چاہے وہ غنی بھی ہو۔ البتہ اس قدر رقم جمع ہو جانے کے بعد مزید سوال کرنا جائز نہ ہوگا۔

[1] صحیح مسلم: 1044۔ سنن ابی داود: 1640۔ صحیح ابن خزیمة: 2361۔ صحیح ابن حبان: 3395 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جَائِحَةٌ: وہ مصیبت و آفت جو آدمی کے مال و متاع کو بالکلیہ فنا کرے۔

اِجْتَاحَتْ: کسی مصیبت کا مال کو تباہ برباد کر دینا۔

قِوَامًا: قوام اس کو کہتے ہیں جس کی بدولت زندگی قائم رہے۔ کسی چیز کے وجود و بقا کا سامان۔ روزی جو بقائے حیات کے لیے ضروری ہو۔

مِنْ عَيْشٍ: عیش گزر بسر کا سامان جیسے کھانا پینا، لباس پوشاک، ٹھکانا وغیرہ۔

اَلْفَاقَةُ: محتاجی، بھوک، البتہ حاجت اور فاقہ میں یہ فرق ہے کہ فاقہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوتا ہے جبکہ حاجت لوگوں پر عیاں ہوتی ہے۔ تب پھر جائحہ وہ حاجت ہوگی جس کا سبب ظاہری ہو اور فاقہ وہ حاجت ہوگی جس کا سبب مخفی ہو۔

ذَوِى الْحِجَا: اَلْحِجَا: یہ عقل کو کہتے ہیں۔

مِنْ قَوْمِهِ: معلوم ہوا کہ وہ لوگ اٹھ کر اس کے فاقہ زدہ ہونے کی شہادت دیں جو اس کے حال کو جانتے ہوں۔

لَقَدْ اَصَابَتْ فُلَانًا فَاقَةٌ: یہ جملہ فعل محذوف کا مفعول ہے اور تقدیری عبارت یہ ہے: حَتّٰى يَقُوْمُوْا فَيَشْهَدُوْا لَقَدْ اَصَابَهٗ فَاقَةٌ۔ بعض نسخوں میں حَتّٰى يَقُوْمَ کی بجائے حَتّٰى يَقُوْلَ کے الفاظ ہیں۔ تب پھر لَقَدْ اَصَابَتْ یہ قول کا مقولہ ہوگا اور اب کسی تقدیری عبارت کے ماننے کی ضرورت نہ ہوگی۔

لَقَدْ: میں لام جوابِ قسم کا اور قد تحقیق کے لیے ہے۔ گویا کہ اس شہادت میں تین تاکیدات جمع ہوگئی ہیں: (1) قسم محذوف (2) لام (3) قَدْ۔ چونکہ اس آدمی نے اپنے فاقہ زدہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور دراصل یہ استحقاق کا دعویٰ ہے جو دوسرے کے حرمان کو مستلزم ہے۔ وہ یوں کہ جب یہ خود کو مستحق ثابت کر کے مالِ زکوۃ کو لے لے گا تو کوئی دوسرا فقیر لازماً زکوۃ کے اس قدر مال سے محروم رہے گا۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے اس کے دعویٰ کے ثبوت کے لیے تین باتوں کی شرط عائد فرمائی۔ جو یہ ہیں: (1) گواہ تین ہوں۔ (2) دانا و بینا ہوں۔ (3) خود اس کی قوم کے ہوں جو اسے اور اس کے حالات کو اچھی طرح جانتے ہوں۔

فَمَا سِوَاهُنَّ: یہ مَا موصولہ ہے اور سِوَاهُنَّ یہ جملہ صلہ ہے اور یہاں اسم موصول کی طرف راجع ضمیر صلہ میں محذوف ہے اور تقدیری عبارت ہوگی فَمَا هُوَ سِوَاهُنَّ تب پھر هُوَ محذوف مبتدا اور سِوَاهُنَّ اس کی خبر ہوگی اور یہ مبتدا خبر مل کر موصول کا صلہ ہوں گے اور موصول صلہ مل کر مبتدا جبکہ سُحْتٌ یہ خبر ہوگی۔

سُحْتٌ: یہ ناجائز اور حرام کمائی کو کہتے ہیں جیسے رشوت۔ تب پھر یہ کسی بھی ناجائز اور حرام طریق سے حاصل کیے گئے مال کو کہا جائے گا اور سُحْت کو سحت اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ مال کی برکت کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے۔ کیونکہ یہ سَحَتَ الشَّیْءَ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے کسی شے کو جڑ سے اکھاڑ دینا۔ یہی وجہ ہے کہ حرام ذرائع سے کمانے والے بڑی محتاجی، تنگدستی اور بے بسی کی موت مرتے ہیں، ان کا کمایا حرام مال ان کے کچھ بھی کام نہیں آتا۔ مِنَ الْمَسْئَلَةِ: یہ هُنَّ ضمیر کا بیان ہے۔

يَا قَبِيْصَةُ: یہ جملہ ندائیہ ہے جو یہاں جملہ معترضہ کے طور پر ہے اور اس کا مبتدا اور خبر کے درمیان میں آنا تنبیہ کے لیے ہے۔

يَاْكُلُهَا صَاحِبُهَا سُحْتًا: یہ جملہ سُحْتٌ کی صفت ہے۔ البتہ یہاں يَاْكُلُهَا کی مونث کی ضمیر میں اشکال ہے۔ بعض روایات میں یہ لفظ يَاْكُلُهٗ مذکر کی ضمیر کے ساتھ آتا ہے تب تو کوئی اشکال نہیں کہ مفرد مذکر کی یہ ضمیر لفظ سُحْتٌ کی طرف راجع

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جو مذکر ہے اور جب یہ ضمیر مونث کی ہو تو پھر اس سے مراد اَلصَّدَقَة ہوگا اور تقدیری عبارت ہوگی: مَا سِوٰی هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ مَنْ سَأَلَ الصَّدَقَةَ فَأَكَلَهَا فَهُوَ سُحْتٌ يَأْكُلُهَا یعنی ان تین سوالات کے سوا جس نے صدقہ کا سوال کر کے اسے کھالیا تو یہ حرام ہوگا جو وہ کھا رہا ہے۔

اور سُحْتًا یہ يَأْكُلُهَا کی ضمیر هَا سے حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں ان مواقع کا بیان ہے جن میں سوال کرنے کی اجازت ہے اور ان کے علاوہ جائز نہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- ان تین مواقع کے سوا سوال کرنا حرام ہے جس کی دلیل إِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَا تَحِلُّ کے الفاظ ہیں اور ان مواقع کے علاوہ سوال سے حاصل کیے گئے مال کو سُحْت (حرام) کہا گیا ہے اور مذکورہ حصر اور ان کی گنتی میں نبوی حسن تعلیم کا نمونہ ہے کہ اس طرح بات خوب یاد اور زیادہ سمجھ آتی ہے۔
- تَحَمَّلَ حَمَالَةً کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ آدمی دوسرے کے لیے سوال کر سکتا ہے۔
- سوال کرنے کی حرمت دراصل لوگوں کی عزت و شرافت کی حفاظت و صیانت کے لیے ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اسلام اپنے فرزندوں کی عزت و ناموس کی حفاظت کا کس قدر حریص ہے۔
- جو غنی غنا کے بعد فقیر ہو گیا ہو اس کے لیے مالِ زکوۃ کا لینا تین آدمیوں کی شہادت کے بغیر جائز نہ ہوگا جو اس کے فاقہ زدہ ہونے کی شہادت دیں اور ہوں بھی اسی کی قوم سے۔
- معلوم ہوا کہ حرام مال بے برکت ہوتا ہے جس کی دلیل اسے سُحْت کے لفظ کے ساتھ تعبیر کرنا ہے۔
- حرام مال کھا بھی لیں اور اس سے فائدہ بھی اُٹھا لیں، تب بھی حرام ہی ہے اور حرام کھانے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی۔
- گواہ وہ بنے جس کو معاملہ کی خبر ہو۔ اس کی دلیل مِنْ قَوْمِهٖ کے الفاظ ہیں اور گواہوں کا عاقل ہونا شرط ہے جس کی دلیل ذَوِي الْحِجَا کے الفاظ ہیں۔
- تین کے عدد کی شرط خاص اس غنی کے فقیر ہونے کی شہادت کی بابت ہے جو پہلے غنی تھا۔

خاندانِ نبوت کے لیے زکوۃ و صدقات حلال نہیں

631- وَعَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ((إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَنْبَغِي لِآلِ مُحَمَّدٍ، إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ)).

وَفِي رِوَايَةٍ: ((وَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ)).

حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”آلِ محمد ﷺ کے لیے صدقہ (لینا) مناسب نہیں۔ یہ تو لوگوں (کے مالوں) کا میل کچیل ہوتا ہے۔“

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ”محمد ﷺ اور آلِ محمد ﷺ کے لیے صدقہ حلال نہیں۔“ [1]

---

[1] صحيح مسلم: 1072.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ مُسْلِمٌ . اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... اَلصَّدَقَةُ: یہ فرض اور نفلی دونوں قسم کے صدقات کو شامل ہے۔

لَا تَنْبَغِیْ: یہ کلمہ جب قرآن اور حدیث میں آتا ہے تو اس سے مراد امتناع ہوتا ہے۔

آلِ مُحَمَّدٍ ﷺ: اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔

اِنَّمَا: یہ حصر کے بیان کے لیے ہوتا ہے۔لہٰذا هِيَ اَوْسَاخُ النَّاسِ یہ جملہ حصریہ ہوگا۔لہٰذا زکوۃ کا مال سب سے زیادہ شریف النسب لوگوں کے لیے ہرگز حلال نہ ہوگا اور وہ آلِ رسول ﷺ ہیں۔

اَوْسَاخُ: یہ وَسَخٌ کی جمع ہے۔یہ میل کچیل اور گندگی کو کہتے ہیں۔

النَّاسِ: مراد وہ لوگ ہیں جن پر زکوۃ واجب ہوتی ہے، ہر ایک شخص مراد نہیں۔تب پھر یہاں عام بول کر خاص مراد ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ مالِ زکوۃ آل رسول ﷺ کے لائق نہیں اس لیے انہیں زکوۃ کا مال لینا حلال نہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- آل رسول ﷺ پر صدقہ اور زکوۃ حرام ہے اور خود جناب رسول اللہ ﷺ بھی اس حکم میں داخل ہیں۔اسی بات کو صراحتہ بیان کرنے کے لیے امام موصوف رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی دوسری روایت کو ذکر کیا ہے۔
- علماء کا آل رسولؐ کے لیے صدقہ کے حرام ہونے میں اختلاف ہے۔البتہ نبی کریم ﷺ پر صدقہ بھی بالاتفاق حرام ہے کہ یہ آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔لہٰذا یہ اختلاف اگر ہے بھی تو اول صدقہ کے بارے میں ہے، دوسرے غیر رسول کے بارے میں ہے جو بالاتفاق آلِ رسول ہیں۔دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ اگرچہ زکوۃ آل رسول پر بھی حرام ہے البتہ ان پر صدقہ کے حرام ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔اس بارے راجح قول یہ ہے کہ اگر جہاد اور غنیمت نہ رہے یا اگر ہو پر والیانِ امر کی زیادتی کی وجہ سے آلِ رسول ﷺ کو خمس میں سے نہ دیا جائے اور وہ فقراء بن جائیں تو بجائے یہ قول کرنے کے کہ اس صورت میں انہیں زکوۃ دی جاسکتی ہے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مختار قول یہی ہے، [1] انہیں نفلی صدقہ دیا جائے کیونکہ نفلی صدقہ بہرحال زکوۃ سے اہون ہے۔
- یہ حدیث آل رسول ﷺ کی فضیلت کو بتلاتی ہے کہ ان کی شان لوگوں کی زکوۃ کھانے سے بلند ہے۔
- ارشاداتِ نبویہ میں یہ حسن ہے کہ ان میں حکم کو علت کے ساتھ ملا کر ذکر کیا جاتا ہے۔
- مذکورہ ارشاد میں آلِ رسول ﷺ کی دلجوئی اور تسلی ہے کیونکہ نفس میں مال کی محبت فطری ہے۔لہٰذا جب انہیں زکوۃ سے منع فرمایا تو ان کی تسلی و تشفی کے لیے یہ وجہ بھی بیان فرمائی کہ یہ لوگوں کا میل کچیل ہے جو تمہارے لیے زیبا نہیں۔
- زکوۃ کو میل کچیل کہہ سکتے ہیں۔

آل رسول ﷺ جن کے لیے صدقہ حلال نہیں، ان کا بیان

632- وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: مَشَيْتُ   حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: میں

[1] الفروع لابن مفلح: 481/2.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَنَا وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ، أَعْطَيْتَ بَنِي الْمُطَّلِبِ مِنْ خُمُسِ خَيْبَرَ وَتَرَكْتَنَا، وَنَحْنُ وَهُمْ بِمَنْزِلَةٍ وَاحِدَةٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ((إِنَّمَا بَنُو الْمُطَّلِبِ وَبَنُو هَاشِمٍ شَيْءٌ وَاحِدٌ)). رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ چل کر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے خیبر کے خمس سے بنی عبدالمطلب کو تو عنایت فرمایا مگر ہمیں محروم فرما دیا جبکہ ہم اور وہ مرتبہ میں ایک ہیں۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بے شک بنو مطلب اور بنو ہاشم ایک ہی ہیں۔''[1]
اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

قصۂ حدیث: ...... جب خیبر کے مالِ غنیمت کا خمس آیا تو نبی کریم ﷺ نے اس میں سے بنی مطلب کو بھی عطا فرمایا۔ خمس میں کن کن کا حصہ ہے، اس کی تفصیل اس آیت کریمہ میں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ (الانفال: 41)

''اور جان لو کہ بے شک تم جو کچھ بھی غنیمت حاصل کرو تو بے شک اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور قرابت دار اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لیے ہے۔''

اب جو تو اللہ اور اس کے رسول کا حصہ ہے، اسے عامۃ المسلمین کے مصالح میں خرچ کیا جائے گا جس کو فئ کہتے ہیں اور ذوی القربیٰ سے مراد نبی کریم ﷺ کے قرابت دار ہیں اور یہ بنو ہاشم ہیں جو آلِ رسول ہیں اور بنو مطلب بھی بلا شبہ ذوی القربیٰ میں سے ہیں۔ خمس کی تقسیم میں نبی کریم ﷺ نے اپنے ذوی القربیٰ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا:

(1) ایک میں بنو عبد شمس اور بنو نوفل کو رکھا۔

(2) جبکہ دوسرے حصہ میں بنو مطلب اور بنو ہاشم کو رکھا۔

اب آپ ﷺ نے خمس میں سے بنو مطلب اور بنو ہاشم کے ذیلی قبائل کو تو عطا فرمایا جبکہ بنو عبد الشمس اور بنو نوفل کو خمس سے محروم رکھا۔ ادھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کا تعلق انہی دو قبائل سے تھا، جن کو آپ ﷺ نے خیبر کے خمس سے محروم رکھا۔ چونکہ یہ چاروں قبائل ایک شخص کی اولاد تھے، اسی لیے حضرت جبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ پوچھنے خدمتِ نبوی ﷺ میں پہنچ گئے کہ ایک ہی خاندان کے قبائل ہونے کے باوجود اس کی دو شاخوں کو آپ ﷺ نے کیوں محروم رکھا؟ نبی کریم ﷺ نے اس کا جواب یہ عنایت فرمایا کہ بنو مطلب بنو ہاشم ایک ہیں، اس لیے انہیں دیا اور بنو عبد الشمس اور بنو نوفل کو نہیں دیا۔

اس ارشاد میں دراصل شعب بنی ہاشم کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب کفارِ قریش نے مسلمانوں کے ساتھ معاشی، معاشرتی اور ازدواجی بائیکاٹ کا اعلان کیا تھا تو بنو مطلب اور بنو ہاشم نے اس بے رحمانہ بائیکاٹ میں مسلمانوں کا اور نبی کریم ﷺ کا ساتھ دیا تھا اور اس تمام عرصہ میں یہ دونوں شاخیں شعب بنی ہاشم میں نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ رہی تھیں۔ جبکہ بنو عبد شمس اور بنو نوفل کفارِ قریش کے ساتھ جا ملے تھے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کا ساتھ

[1] صحيح البخاري: 3140.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھوڑ کر کفارِ قریش کا ساتھ دینا پسند کیا تھا۔ حالانکہ حق قرابت کا تقاضا اور وجوب یہ تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کا ساتھ دیتے مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔ اب چونکہ بنو مطلب اور بنو ہاشم نے قریش کے خلاف مسلمانوں کا ساتھ دیا تھا، اسی لیے آپ ﷺ نے ان کے حق ولاء کی وجہ سے انہیں خمس میں سے حصہ دیا تھا اور ان دونوں کو ایک قرار دیا۔

پھر چونکہ آپ ﷺ نے آلِ رسول ﷺ پر زکوٰۃ کو حرام فرما دیا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے انہیں اس کے بدلہ خمس میں سے حصہ دلوایا۔

بنو مطلب اور زکوٰۃ

بنو مطلب کے لیے زکوٰۃ کے حرام ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ چونکہ نبی کریم ﷺ نے بنو مطلب اور بنو ہاشم کو ایک فرمایا ہے اس لیے انہیں بھی زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے۔ دوسرے جب خمس میں بنو مطلب بنو ہاشم کے شریک ہوئے تو زکوٰۃ کی حرمت میں بھی بنو ہاشم کے شریک ہوں گے۔ جبکہ بعض علماء نے بنو مطلب کے لیے زکوٰۃ کو حلال کہا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ بنو ہاشم پر زکوٰۃ کی حرمت قرابت کی وجہ سے ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ بنی مطلب بنو ہاشم کے چچیرے ہیں نہ کہ بنو ہاشم میں سے ہیں ورنہ بنو عبد شمس اور بنو نوفل پر بھی زکوٰۃ حرام ہوتی کیونکہ یہ بھی بنی ہاشم کے چچیرے ہیں نا کہ بنی ہاشم میں سے ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ سے اس بارے میں دو روایات ہیں۔ ایک روایت بنو مطلب کے لیے زکوٰۃ کے حلال ہونے کی ہے اور یہی حنابلہ کا مذہب ہے جبکہ ایک روایت حرام ہونے کی ہے۔ "زاد المستنقع"[1] کے مولف نے اسی قول کو لیا ہے۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ بنو مطلب کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

رہا نبی کریم ﷺ کا بنو مطلب کو خمس میں سے دینا تو وہ قرابت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی کڑے وقت میں نصرت و حمایت کرنے کی وجہ سے تھا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- جو مشکل میں کام آیا ہو، اس کی سہولت و آسانی کے اوقات میں مدد و نصرت کرنا انسان کا اخلاقی فریضہ ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ ہمیشہ دوسرے کی نیکی کا بدلہ دیا کرتے تھے۔
- اگر آدمی ایک شے کو اپنا حق سمجھتا ہو تو اس کے بارے میں پوچھ سکتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سوال کو برقرار رکھا اور انہیں جواب عنایت فرما کر ان کی تسلی فرما دی۔
- وَلِذِي الْقُرْبٰی اس آیت میں ذوی القربی سے مراد نبی کریم ﷺ کے قرابت دار ہیں۔ یہی قول راجح اور اولیٰ ہے۔
- جناب رسول اللہ ﷺ بے حد متواضع تھے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے ان دونوں بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہما کی بات کو سنا بھی اور انہیں ان کی بات کا تسلی بخش جواب بھی عنایت فرمایا۔
- مذکورہ حدیث لانے سے بظاہر امام ابن حجر رحمہ اللہ یہ بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ بنو مطلب پر بھی بنو ہاشم کی طرح زکوٰۃ حرام ہے۔ اگرچہ اس مسئلہ میں یہ بھی ایک قول ہے لیکن راجح قول یہ ہے کہ بنو مطلب کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔

[1] صاحب "زاد المستنقع" کی عبارت یہ ہے: کسی ہاشمی یا مطلبی یا ان کے موالی کو زکوٰۃ نہ دی جائے گی۔ دیکھیں: شرح زاد المستنقع، ص: 184 للشیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آل رسول ﷺ کے موالی کے صدقہ لینے کا حکم

633- وَعَنْ أَبِي رَافِعٍ رضی اللہ عنہ ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ رَجُلًا عَلَى الصَّدَقَةِ مِنْ بَنِي مَخْزُومٍ ، فَقَالَ لِأَبِي رَافِعٍ : اصْحَبْنِي ، فَإِنَّكَ تُصِيبُ مِنْهَا ، فَقَالَ : لَا ، حَتَّى آتِيَ النَّبِيَّ ﷺ ، فَأَسْأَلَهُ ، فَأَتَاهُ ، فَسَأَلَهُ ، فَقَالَ : ((مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ ، وَإِنَّا لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ)) .

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بنی مخزوم کے ایک صاحب کو صدقہ کا عامل بنا کر بھیجا۔ اس پر وہ صاحب حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: میرے ساتھ چلو کہ پھر تمہیں بھی صدقہ میں کچھ (نہ کچھ ضرور) ملے گا۔ انہوں نے کہا کہ نہیں یہاں تک کہ میں خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر اس بارے پوچھ نہ لوں۔ چنانچہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر آپ ﷺ (اس بارے) دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کسی قوم کا مولیٰ (یعنی ان کا آزاد کردہ غلام) انہی میں (شمار) ہوتا ہے اور یہ کہ ہمیں صدقہ حلال نہیں (تب پھر ہمارے موالی کو بھی صدقہ یعنی زکوٰۃ لینا جائز نہ ہوگا)۔'' [1]

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالثَّلَاثَةُ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ .

اس حدیث کو امام احمد، ائمہ ثلاثہ، امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

معرفة الصحابة :......حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ ﷺ کو یہ غلام حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ ایک دن انہوں نے آ کر آپ ﷺ کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہو جانے کی خوشخبری سنائی تو آپ ﷺ نے فرطِ مسرت میں انہیں آزاد فرما دیا۔ یوں یہ جناب رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام بن گئے۔ اصطلاح میں آزاد کرنے والے کو مَوْلٰی مِنْ فَوْقٍ یا مَوْلٰی مِنْ اَعْلٰی کہتے ہیں اور آزاد ہونے والے کو مَوْلٰی مِنْ اَسْفَل کہا جاتا ہے۔

غریب الحدیث :......مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِهِمْ: یعنی جو احکام آزاد کرنے والے کے ہوتے ہیں، وہی آزاد ہونے والے کے بھی ہوتے ہیں۔ اسی لیے آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

اِنَّهَا لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ: تو جب ہمیں صدقہ حلال نہیں اور تم ہمارے آزاد کردہ غلام ہو اس لیے ہم میں سے شمار ہونے کی وجہ سے یہ صدقہ تمہارے لیے بھی حلال نہ ہوگا۔

مضمونِ حدیث :......اس حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ موالی کا حکم وہی ہوتا ہے جو ان کے آزاد کرنے والے آقاؤں کا ہوتا ہے۔ پس اگر تو انہیں صدقہ حلال ہوگا تو ان کو بھی حلال ہوگا اور اگر ان پر حرام ہوگا تو ان پر بھی حرام ہوگا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- صدقات کی وصولی کے لیے عاملین مقرر کرنا جائز ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے بنی مخزوم کے ایک صاحب کو صدقات کی وصولی پر مقرر فرمایا تھا۔

---

[1] مسند احمد، 8/6- سنن ابی داود: 1650- جامع الترمذی: 657- سنن النسائی: 107/5- صحیح ابن خزیمۃ. 2344- صحیح ابن حبان: 3293- المستدرك للحاکم: 561/1- امام حاکم فرماتے ہیں: یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ آدمی دوسرے کو کسی حاصل ہونے والے دنیاوی فائدے کی بابت آگاہ کر کے اسے اس کے حاصل کرنے پر آمادہ کر سکتا ہے اور کسی نفع بخش کام میں اسے اپنے ساتھ شریک ہونے کی دعوت بھی دے سکتا ہے جیسے ان مخزومی صاحب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو صدقات کی وصولی کے کام میں شریک ہونے کی دعوت دی تھی۔

◈ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا تقویٰ و ورع دیدنی اور نہایت ایمان افروز و عبرت انگیز تھا۔ چنانچہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھے بغیر اور اس شرکت کا حکم شرعی دریافت کرنے سے قبل اس دعوت کو قبول نہ کیا، جو ان کے تقویٰ و ورع کی کھلی دلیل ہے۔

◈ معلوم ہوا کہ بنی ہاشم کے موالی کے لیے صدقہ حلال نہیں۔

◈ بنی آدم پر لفظ ''مولیٰ'' کا اطلاق جائز ہے۔ لہٰذا ''مولی بنی فلان'' کہہ سکتے ہیں۔

◈ جناب رسول اللہ ﷺ کا طرز تعلیم و تادیب بے حد عمدہ تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ حکم کے بیان کے ساتھ ساتھ اس کی علت بھی بیان فرما دیتے تھے تاکہ مخاطب کا اطمینان ہو جائے۔

◈ کلام کے مقدمات کے ذکر پر اس کے نتائج کو بیان کیے بغیر اقتصار کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے یہاں دو مقدمات کو ذکر فرمایا جو یہ ہیں:

(1) ایک یہ کہ مولیٰ کا حکم وہی ہے جو ان کے آقاؤں کا ہے اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ وہ بنی ہاشم کے مولی من اسفل ہیں۔

(2) دوسرا یہ کہ ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں۔

اب دو مقدمات کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ''یہ صدقہ تمہارے لیے بھی حلال نہیں۔'' لیکن آپ ﷺ نے اس نتیجہ کو ذکر کیے بغیر صرف مقدمات کے بیان پر اقتصار فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

◈ حق کو صاف صاف بیان کرنا واجب ہے چاہے وہ اپنے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے یہاں صاف فرما دیا کہ ''یہ صدقہ ہمارے لیے حلال نہیں۔''

◈ سوال دہرائے بغیر جواب میں صرف ''نہیں'' کہنا بھی کافی ہے جیسا کہ یہاں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے ''میرے ساتھ چلو گے؟'' کے سوال میں یہ کہنے کی بجائے کہ ''نہیں میں تمہارے ساتھ نہ چلوں گا۔'' صرف ''نہیں'' کہنے پر اکتفا فرمایا۔

بن مانگے ملنے پر لینے کا جواز

634۔ وَعَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُعْطِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ الْعَطَاءَ، فَيَقُولُ: أَعْطِهِ أَفْقَرَ مِنِّي، فَيَقُولُ: ((خُذْهُ فَتَمَوَّلْهُ، أَوْ تَصَدَّقْ بِهِ، وَمَا جَاءَكَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ، وَأَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَلَا سَائِلٍ، فَخُذْهُ، وَمَا لَا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ)).

سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما) سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب (بھی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کچھ دینا چاہتے تو وہ یہ عرض کر دیا کرتے تھے کہ آپ ﷺ یہ مجھ سے زیادہ فقیر (اور حاجت مند) کو دے دیجیے۔ اس پر نبی کریم ﷺ یہ فرماتے تھے کہ ''اسے لے لو اور اسے اپنا (نافع) مال بنا لو یا اسے صدقہ کر دو اور (یاد رکھو کہ) اس مال میں سے جو تیرے پاس آئے اس حال میں کہ نہ تو تیرا جی اس کا منتظر ہو اور نہ تو (اس کا)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوال کرنے والا ہی ہو تو اسے لے لو اور جو مال (ایسا) نہ ہو تو اپنے
جی کو اس کے پیچھے نہ لگاؤ۔'' ❶

رَوَاهُ مُسْلِمٌ. اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :...... كَانَ يُعْطِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ: یہ کیسی عطا تھی؟ تو یہ صدقات کی تحصیل کے کام کی اجرت تھی کیونکہ نبی کریم ﷺ انہیں صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ چنانچہ جب وہ اموالِ صدقات لے کر لوٹتے تھے تو نبی کریم ﷺ انہیں ''عاملینِ صدقات'' کی اجرت پیش فرمایا کرتے تھے جس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ عرض کیا کرتے تھے: اَعْطِهِ اَفْقَرَ مِنِّيْ: بلاشبہ یہ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بے پناہ زہد تھا کہ وہ مال لینے سے بے نیازی فرماتے تھے اور خدمتِ نبوی میں یہ عرض کرتے تھے کہ اسے مجھ سے زیادہ محتاج کو دے دیجیے!

یاد رہے کہ اَعْطِ کا صیغہ اگرچہ لفظوں میں امر ہے لیکن یہاں یہ امر نہیں کیونکہ جنابِ رسالت مآب ﷺ کو امر کرنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا منصب نہ تھا اور نہ یہ التماس ہی ہے کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ رتبہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بہت بلند تھے۔ تب پھر یہ سوال تھا جو التماس سے زیادہ ادب پر مبنی ہوتا ہے کیونکہ التماس ہم مرتبہ سے کیا جاتا ہے جبکہ سائل سوال اسی سے کرتا ہے جسے وہ رتبہ میں اپنے سے بڑا سمجھتا ہے۔ (ہماری اردو زبان میں اس سوال کو عرض یا گزارش یا درخواست کہتے ہیں۔ نسیم)

اَفْقَرَ مِنِّيْ: ان کلمات میں اس بات کی طرف اشارہ ہے فقر و غنا میں لوگ مختلف ہیں۔ دوسرے زیادہ محتاج عطا و نوال کا زیادہ مستحق بھی ہوتا ہے۔

اَوْ تَصَدَّقْ بِهِ: یعنی اسے اس فقیر کو دے دو جسے تم اپنے سے زیادہ محتاج اور مستحق سمجھتے ہو۔ صدقہ کی تعبیر میں تقرب الی اللہ کا معنی پایا جاتا ہے۔ کیونکہ ہدیہ اور صدقہ میں یہی فرق ہوتا ہے کہ صدقہ رب تعالیٰ کے تقرب کے لیے کیا جاتا ہے۔

مَا جَاءَكَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ: اَلْمَال میں الف لام جنس کا بھی ہوسکتا ہے اور عہد کا بھی۔ اگر یہ الف لام جنس کا ہو تو مراد مطلق مال ہوگا اور اگر یہ عہد کا ہو تو مراد مالِ زکوۃ ہوگا اور یہی یہاں راجح بھی ہے کہ مراد مالِ زکوۃ لیا جائے۔ اس کی تائید هٰذَا اسم اشارہ سے بھی ہوتی ہے کیونکہ جنابِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ عاملین زکوۃ میں سے تھے۔ مذکورہ مَا شرطیہ ہے۔ جَاءَكَ کی ضمیر فاعل مَاشرطیہ کی طرف راجع ہے اور مِنَ الْمَالِ یہ مَاشرطیہ کا بیان ہے۔ لہٰذا یہ جملہ شرطیہ ہوگا۔

وَ اَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَ لَا سَائِلٍ: مذکورہ واؤ حالیہ ہے۔ لہٰذا یہ جملہ حالیہ ہوگا اور یہ جملہ کاف ضمیر منصوب متصل سے حال ہے جو ترکیب میں مفعول بہ ہے۔ پس یہ جملہ مفعول بہ سے حال ہے۔ غَيْرُ مُشْرِفٍ: مُشْرِفٍ یہ اَشْرَفَ عَلَيْهِ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے اوپر سے کسی شے کو دیکھنا اور جھانکنا۔ تب پھر غَيْرُ مُشْرِفٍ کا معنی ہوگا کہ تو اس مال کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے والا نہ ہو۔ یعنی تیرا نفس اس کے انتظار میں نہ ہو اور وَ لَا سَائِلٍ سے مراد ہے کہ تم نے سوال کر کے اسے طلب بھی نہ کیا ہو۔

فَخُذْهُ: یہ فَا حرفِ رابطہ ہے اور یہ جملہ جزائیہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ جو مال ایسا نہ ہو اسے لے لو اور واپس نہ کرو کیونکہ یہ رزق ہے جسے اللہ تیرے دروازے تک لے آیا ہے۔

وَ مَا لَا فَلَا: یہ مَاشرطیہ اور لَا نافیہ ہے جبکہ فعل شرط محذوف ہے اور تقدیری عبارت یہ ہے: وَ مَا لَا يَأْتِكَ اِلَّا وَ

---

❶ صحیح مسلم: 1045.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَنْتَ مُشْرِفٌ اَوْ سَائِلٌ یعنی جو مال تیرے پاس اس حال میں ہی آئے کہ یا تو جی میں اس کی خواہش رکھتا ہو یا پھر تم نے اسے سوال کر کے مانگا ہو تو اس کے پیچھے جی کو مت لگا۔ یا تقدیری عبارت یوں ہے مَا لَا یَأْتِكَ مُطْلَقًا یعنی جو مال تیرے پاس مطلق نہ آئے (کہ اس میں تیرے جی کی طمع اور زبان کا سوال شامل نہ ہو) تو اس کے پیچھے جی کو مت لگا۔

یاد رہے کہ دونوں جملوں میں اس مَا کو موصولہ بنانے کی بجائے اسے شرطیہ بنانا زیادہ بہتر ہے۔

فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ: یعنی اپنے نفس کو اس کا تابع نہ بناؤ۔ مراد یہ ہے کہ جی کو اس مال میں اٹکائے نہ رکھو۔ سو بن مانگے سوچے آ جائے تو اسے روزی سمجھ کر لے لو اور واپس نہ کرو اور اگر نہ آئے تو جی کو اس کے پیچھے نہ لگاؤ اور اسی میں دل کو اٹکائے نہ رکھو۔ جب نبی کریم ﷺ نے جی کو مال کے پیچھے لگانے سے روکا ہے تو اشراف نفس اس سے اور سوال اشراف نفس سے بھی بدرجہ اولیٰ منع ہو گا۔

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں بن مانگے ملنے والے مال کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ اسے لے لینا چاہیے اور واپس نہ کرنا چاہیے کہ بن مانگے اور بنا طمع کے ملنے والا مال روزی ہے جسے لوٹانا مناسب نہیں اور دوسرا اہم مسئلہ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نہ ملنے کی صورت میں جی کو اس میں الجھائے رکھنا منع ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اس قصہ سے معلوم ہوا کہ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ بے حد زاہد تھے۔ چنانچہ وہ مال قبول کرنے کی بجائے اسے اپنے سے زیادہ محتاج کو دے دینے کے بے حد حریص تھے۔
- فقر و غنا میں لوگوں کے احوال مختلف ہیں اور بے شک اس میں رب تعالیٰ کی بے حد حکمت ہے۔
- معلوم ہوا کہ آدمی اگر مستحقِ زکوٰۃ ہو تو زکوٰۃ لینا اس کے لیے مشروع ہے۔ اس کی دلیل فَخُذْهُ کے الفاظ ہیں۔ البتہ قبولِ زکوٰۃ کے واجب یا مستحب ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض کے نزدیک اشراف نفس اور زبان کے سوال کے بغیر ملنے والے مال کو قبول کرنا واجب ہے۔ کیونکہ امر میں اصل وجوب ہے۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ کا مشہور مذہب یہی ہے۔ جبکہ بعض نے اسے مستحب کہا ہے کیونکہ یہاں امر امتناع کے بالمقابل ہے کیونکہ امر کے باوجود جناب عمر رضی اللہ عنہ اس لینے سے رک گئے تھے۔ بظاہر اقرب قول یہی دوسرا ہے کہ ایسے مال کو قبول کرنا مستحب ہے نہ کہ واجب۔
- لوگوں کے مالوں پر نظر رکھنا، جی میں ان کی تمنا رکھنا مکروہ جبکہ زبان سے سوال اس سے بھی اشد ہے۔ جس کی دلیل وَ اَنْتَ غَیْرُ مُشْرِفٍ وَ لَا سَائِلٍ کے الفاظ ہیں۔
- معلوم ہوا کہ مال کے پیچھے لگنا مناسب نہیں کیونکہ انسان کا دل مال سے بھرتا نہیں۔ لہٰذا اگر یہ مال ملنے سے رہ جائے تو چنداں غم کی بات نہیں اور اگر مشروع طریق سے ملے تو اللہ کا بھیجا رزق ہے۔ اسے قبول کیا جائے اور نفس کو اس سے محروم نہ رکھا جائے۔ آدمی مال کے پیچھے اسی قدر دوڑے جس سے آخرت بنے۔
- عاملِ زکوٰۃ کو چاہیے کہ اموالِ زکوٰۃ میں اپنا معاوضہ ''فیصدی'' نہ لے بلکہ اسے امام کے سپرد کر دے۔ یعنی یہ نہ سمجھے کہ اگر مثلاً سو روپے زکوٰۃ ہوئی اس کا دس فیصد میرا بلکہ جتنا امام دے اتنا لے لے۔
- معلوم ہوا کہ جنابِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا شمار فقراء صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا تھا۔
- یہ قصہ جنابِ عمر فاروق کے زہد، ورع، ایثار اور آخرت کی رغبت کے زبردست مناقب کا آئینہ دار ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

5
كِتَابُ الصِّيَامِ
روزوں کے احکام ومسائل کا بیان

تمہید: ...... صیام کا معنی اور اس کے وجوب کا حکم:...... لغت میں صیام ''رکنے'' کو کہتے ہیں۔ اسی معنی میں سیدہ مریم علیہا السلام کے بارے میں رب تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا﴾ (مریم: 26)

''تو کہہ میں نے تو رحمان کے لیے روزے کی نذر مانی ہے۔''

یعنی میں نے بات کرنے سے رکنے کی نذر مانی ہے۔

جبکہ صیام کا شرعی معنی یہ ہے کہ طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک رب تعالیٰ کی عبادت کی نیت سے کھانے پینے اور جماع کرنے سے رکنے کو ''صیام'' کہتے ہیں۔ غور سے دیکھا جائے تو یہاں صیام کے لغوی اور شرعی معنی میں ایک خاص تعلق ہے، وہ یہ کہ دونوں معانی ''رکنے'' کے مفہوم کو متضمن ہیں۔ البتہ لغوی معنی میں عموم ہے جبکہ شرعی معنی میں مخصوص باتوں سے مخصوص اوقات میں مخصوص شروط کے ساتھ رب تعالیٰ کی عبادت کی نیت سے رکنے کو روزہ کہا جاتا ہے۔ یوں شرعی معنی میں خصوص ہے نہ کہ عموم۔

روزہ ارکانِ اسلام میں سے ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ فرض ہے۔ کتاب وسنت اور اجماعِ مسلمین اس کے وجوب کو صراحۃً بیان کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ (البقرة: 183)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزہ رکھنا لکھ دیا گیا ہے۔''

كُتِبَ: یعنی تم پر فرض کیا گیا ہے۔ سنت بھی روزہ کی فرضیت کو بتلاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جب تم (رمضان کے) چاند کو دیکھو تو روزے رکھنے شروع کر دو۔''

فَصُوْمُوْا: یہ امر ہے جو وجوب کے لیے ہے۔ چنانچہ رمضان کے روزے رکھنا کتاب وسنت کی صریح نصوص کی بنا پر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واجب ہیں۔ جبکہ مسلمانوں کا اس کے وجوب پر ایسا قطعی اجماع ہے کہ جس میں کسی دو کا اختلاف منقول نہیں۔ چاہے وہ سنی ہے یا بدعی۔ سب کا اس کے وجوب پر اجماع ہے۔ اس لیے جو شخص مسلمان معاشرے میں زندگی گزارتے ہوئے اس کے وجوب کا انکار کرے وہ صریح کافر ہے۔ کیونکہ اس نے ضروریاتِ اسلام میں سے ایک بات کا انکار کیا ہے۔ البتہ لاپروائی اور غفلت کی بنا پر روزہ ترک کرنے والے کے کفر میں علماء کا اختلاف ہے۔ جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ ایسے شخص کو کافر کہتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ ایسا شخص کافر نہیں۔ یاد رہے کہ روزہ پہلی امتوں پر بھی فرض تھا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ﴾ (البقرۃ: 183)

''جیسے ان لوگوں پر لکھا گیا جو تم سے پہلے تھے۔''

روزے کے فوائد اور حکمتیں

رمضان میں مسلمانوں کو روزوں کا مکلّف بنانے میں رب تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے جہاں محبوب کے خرچ کرنے کو عبادت ٹھہرایا ہے وہیں محبوب سے رکنے کو بھی عبادت ٹھہرایا۔ تو جیسے زکوٰۃ بذلِ محبوب کا مظہر ہے ویسے ہی روزہ امساك عن المحبوب کا مظہر ہے۔ دونوں میں مشقت اظہر من الشّمس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گرمیوں کے لمبے دنوں میں پانی پینے سے رکے رہنا بلاشبہ بے حد مشکل اور مشقت کا حامل امر ہے۔ ذیل میں روزے کی فرضیت کی چند حکمتیں اور فوائد ذکر کیے جاتے ہیں:

(1) روزے جیسی عبادت کو مقرر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ ہر کسی میں مال خرچ کرنے کی قدرت نہیں ہوتی۔ پھر کسی کے لیے مال خرچ کرنا آسان ہوتا ہے تو کسی کے لیے مشکل۔ اسی طرح کسی پر روزہ باعث مشقت ہے جبکہ بذلِ مراد بے حد مشکل ہے۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے متنوع عبادات کو فرض کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون عبادت گزار بندہ ہے اور کون نہیں۔

(2) روزہ کی فرضیت کی دوسری حکمت یہ ہے کہ بندوں کو اپنے اوپر رب تعالیٰ کی بے پایاں نعمتوں کی قدر دانی اور ان کا احساس نصیب ہو۔

(3) تیسرے یہ کہ نفس کو صبر وتحمل کا عادی بنایا جاسکے۔ تاکہ آدمی فضول خرچ اور نفس کا غلام بن کر ہی نہ رہ جائے۔

(4) چوتھے یہ کہ مال داروں اور اغنیاء کو فقیروں کی حاجت مندی اور مجبوری کا قرار واقعی احساس ہو اور ان کے دلوں میں غریبوں، ناداروں اور مفلسوں کے لیے رحم اور ہمدردی کے جذبات پیدا ہوں۔

(5) روزہ رکھنے سے دل ودماغ اور نفس میں شیطان کے آ گھسنے کے راستے تنگ بلکہ بسا اوقات تو بند ہی ہو جاتے ہیں۔

(6) روزہ رکھنے سے بدن فاضل چربیوں اور رطوبتوں کے بنانے سے بچا رہتا ہے۔

(7) روزہ کے آغاز اور اختتام کے دونوں اوقات پر عبادت نصیب ہوتی ہے کہ سحری کھانا بھی عبادت اور افطاری بھی عبادت اور بیچ میں انتظار کی تکلیف بھی باعثِ اجر۔

(8) روزہ میں بہ نسبت دیگر ایام کے عبادت زیادہ ہوتی ہے۔

روزے کس ماہ میں فرض ہیں؟

رب تعالیٰ نے سال بھر میں صرف ایک خاص مہینہ ''رمضان المبارک'' میں روزوں کو فرض کیا ہے۔ اس تخصیص میں کیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکمت ہے؟ اس کو رب تعالیٰ نے اس ارشاد میں بیان فرمایا ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ﴾ (البقرة: 185)

''رمضان کا مہینا وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔''

(اب ذیل میں رمضان المبارک میں روزوں کے رکھنے اور ان کے احکام کی بابت چند احادیث رقم کی جاتی ہیں۔)

رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ رکھنا منع ہے

635- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تَقَدَّمُوا رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ وَلَا يَوْمَيْنِ، إِلَّا رَجُلٌ كَانَ يَصُومُ صَوْمًا فَلْيَصُمْهُ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھو، مگر وہ آدمی (اس دن روزہ رکھ سکتا ہے) جو (پہلے سے) اس دن کا روزہ رکھا کرتا ہو کہ وہ اس دن کا روزہ رکھ سکتا ہے۔''[1] یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث: ......**لَا تَقَدَّمُوا**: یہ لَا نہی کا ہے کیونکہ جس فعل پر یہ لَا داخل ہوا ہے اسے اس نے جزم دے دیا ہے۔ **تَقَدَّمُوا**: یہ فعل مضارع ہے اور یہاں دو تا کے جمع ہو جانے کی وجہ سے ایک تا کو تخفیف کے لیے حذف کر دیا گیا ہے۔ اصل میں یہ لفظ تَتَقَدَّمُوا تھا۔ جو ایک تا کے گرنے کے بعد تَقَدَّمُوا ہو گیا۔

رَمَضَانَ: یہ مہینہ کا نام ہے۔ یعنی جس ماہ کا یہ نام ہے اس سے ایک یا دو دن قبل روزہ نہ رکھو۔

إِلَّا رَجُلٌ: یہ مذکورہ حکم سے استثنا کا بیان ہے۔ البتہ اس کے رفع میں اشکال ہے۔ صحیح مسلم کی روایت میں إِلَّا رَجُلًا کے الفاظ ہیں۔ ان پر کوئی اشکال نہیں کیونکہ وہاں لفظ رَجُلًا مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اشکال رجل کے رفع میں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لَا تَقَدَّمُوا میں جمع مذکر کی مرفوع ضمیر واؤ سے مستثنیٰ ہے اور نہی بھی معنی کے اعتبار سے نفی کی طرح ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ استثنا تام اور کلام غیر موجب سے ہوگا اور یہاں مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ سے بدل بنانا جائز ہو جائے گا۔ تب پھر رَجُلٌ کا رفع مستثنیٰ منہ سے بدل ہونے کی وجہ سے ہے۔ یاد رہے کہ یہ حکم مردوں کی طرح عورتوں کو بھی شامل ہے۔

كَانَ يَصُومُ صَوْمًا: یعنی وہ پہلے سے اس دن کا روزہ رکھنے کا عادی تھا جو رمضان سے ایک دن پہلے آ گیا، ایسے شخص کو اس دن کا روزہ رکھنے کی اجازت ہے۔ **فَلْيَصُمْهُ**: مذکورہ فا حرف ربط ہے اور لام امر کا ہے جو اباحت کے لیے ہے نہ کہ وجوب کے لیے۔ کیونکہ مذکورہ امر نہی کے بالمقابل ہے اور ایسا امر اباحت کے لیے ہوتا ہے۔

مضمون حدیث: ......اگرچہ مذکورہ خطاب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہے لیکن اس کا حکم عام ہے، وہ یہ کہ رمضان سے ایک یا دو دن قبل روزہ رکھنا منع ہے تاکہ کوئی دوسرا اس دن کو بھی رمضان کا دن نہ سمجھ لے اور اس سے کسی ایسے حکم شرعی میں کوئی قدح واقع نہ ہو جائے جو رویت ہلال پر معلق ومبنی تھا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ رکھنا منع ہے جس کی دلیل لا تقدموا کے الفاظ ہیں۔ یہ نہی تحریم کے لیے ہے یا

[1] صحيح البخاري: 1914- صحيح مسلم: 1802.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کراہت کے لیے؟ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ تحریم کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ نہی اصل میں ہوتی ہی تحریم کے لیے ہے۔ ❶ جبکہ کراہت کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ نہی تحریم کے لیے ہوتی تو نبی کریم ﷺ اس خاص آدمی کو اس دن روزہ رکھنے کی اجازت نہ دیتے جس کا معتاد روزہ اسی دن کے موافق آ گیا ہو۔ جیسے عید کے دن کا روزہ حرام ہے چاہے وہ عادت کے موافق دن میں ہی آیا ہو۔ پس اس دن روزہ کی اجازت اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نہی تحریم کی نہیں بلکہ کراہت کی ہے۔ ❷ (اور یہی قول اقرب ہے۔[نسیم])

- معلوم ہوا کہ رمضان سے ایک یا دو دن پہلے کے علاوہ پہلے دنوں میں یعنی تین دن یا چار دن یا اس سے زیادہ دن پہلے روزہ رکھنا جائز ہے۔ اس کی دلیل يَوْمٍ اَوْ يَوْمَيْنِ کے الفاظ ہیں۔
- احکام شرعیہ میں غلو اور حد سے تجاوز منع ہے لہٰذا کوئی رمضان سے پہلے کے روزے کو رمضان کا روزہ نہ سمجھے اس لیے ان دنوں میں روزہ نہ رکھا جائے اور اس ممانعت کی علت یہی غلو اور حد سے تجاوز سے بچنا ہے۔
- معلوم ہوا کہ عادات کو احکام شرعیہ میں تاثیر حاصل ہے۔
- یہیں سے اصحاب سنن کی روایت کردہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ضعیف ہونا بھی معلوم ہو گیا جس میں یہ ارشاد ہے کہ ''جب شعبان کا نصف ہو جائے تو پھر روزے نہ رکھو۔'' کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے اس حدیث کو صحیح یا حسن کہہ کر اس پر عمل کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ سولہ شعبان سے لے کر رمضان سے ایک دو دن پہلے تک روزے رکھنا مکروہ ہے۔ لیکن امام احمد رحمہ اللہ نے اس پر انکار کیا ہے۔ اس لیے درست قول یہ ہے کہ رمضان سے پہلے کے دو دن سے پہلے دنوں میں روزے رکھنا بلا کراہت جائز ہے۔ البتہ دو دن پہلے روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

روزوں کی بتدریج فرضیت

مناسب ہے کہ اس مقام پر روزہ کی بتدریج فرضیت کا بھی ذکر کر دیا جائے تو جان لیجیے کہ روزہ بتدریج تین مراحل میں فرض ہوا ہے جو یہ ہیں:

پہلا مرحلہ:...... سب سے پہلے عاشوراء کا روزہ فرض ہوا تھا۔ اس پر نبی کریم ﷺ کا امر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا تھا۔

دوسرا مرحلہ:...... دوسرے مرحلے میں رمضان کے روزے علی سبیل التخییر (یعنی روزہ رکھنے والے کی آسانی کے مطابق) فرض ہوئے تھے جس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرۃ: 184)

''اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں ان پر فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے، پھر جو شخص خوشی سے کوئی نیکی کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے اور یہ کہ تم روزہ رکھو تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔''

تیسرا مرحلہ:...... تیسرے مرحلے میں تعیین کے طور پر ماہِ رمضان کے روزے فرض ہوئے تھے۔ جس کی دلیل یہ

---

❶ الفروع لابن مفلح: 87/3. ❷ الکافی: 364/1- دلیل الطالب لمرعی: 82/1.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ (البقرۃ: 185)

''رمضان کا مہینا وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا، جو لوگوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ہدایت کی اور (حق و باطل میں) فرق کرنے کی واضح دلیلیں ہیں، تو تم میں سے جو اس مہینے میں حاضر ہو، وہ اس کا روزہ رکھے۔''

روزوں کی بتدریج فرضیت کی حکمت یہ ہے کہ روزے نفس پر قدرے گراں اور بھاری ہیں۔ اسی لیے شریعت نے ان کو بتدریج اور رفتہ رفتہ فرض کیا۔ کیونکہ جو بات بھی نفس پر بھاری ہوتی ہے، رب تعالیٰ اپنی حکمت و رحمت سے اسے رفتہ رفتہ فرض فرماتے ہیں۔ یاد رہے کہ ان دو باتوں پر امت مسلمہ کا اجماع ہے:

(1) رمضان کے روزے سنہ 2 ہجری میں فرض ہوئے ہیں۔

(2) اور یہ کہ نبی کریم ﷺ نے 9 برس رمضان المبارک کے روزے رکھے ہیں۔

شک کے دن روزے کا حکم

636- وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رضي الله عنه قَالَ: ((مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِيْ يُشَكُّ فِيْهِ، فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ ﷺ)).

ذَكَرَهُ الْبُخَارِيُّ تَعْلِيْقًا، وَوَصَلَهُ الْخَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ.

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جس نے شک کے دن کا روزہ رکھا اس نے جناب ابوالقاسم ﷺ کی نافرمانی کی۔ ❶

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ روایت مُعَلَّق ذکر کی ہے جبکہ ائمہ خمسہ نے اس کو موصول روایت کیا ہے اور امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

دراية الحديث:...... سند حدیث کے اعتبار سے اس حدیث سے متعلق دو مباحث ہیں:

(1) **پہلی بحث: وصل و تعلیق**:...... اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے معلّق ذکر کیا ہے۔ تعلیقاتِ بخاری کا حکم یہ ہے کہ امام بخاری جب کسی خبر کو جزم کے صیغہ کے ساتھ معلّق ذکر فرماتے ہیں تو وہ خبر ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہے۔ جبکہ ائمہ خمسہ نے اس روایت کو موصول ذکر کیا ہے وہ ائمہ یہ ہیں: امام احمد، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ۔

(2) **دوسری بحث: رفع و وقف**:...... رفع و وقف کے اعتبار سے راجح یہ ہے کہ یہ حدیث حکماً مرفوع ہے البتہ صریح مرفوع نہیں، کیونکہ صریح مرفوع حدیث وہ ہوتی ہے جو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہو اور اس میں قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، یافَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَذَا وَ كَذَا، یافُعِلَ كَذَا بِحَضْرَتِهٖ وغیرہ جیسے الفاظ ہوں۔ البتہ جب کسی روایت میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا ایسا قول منقول ہو: رُخِّصَ لَنَا یا اُمِرْنَا یا نُهِيْنَا وغیرہ تو وہ حدیث مرفوع حکمی کے حکم میں داخل

---

❶ صحیح البخاری، کتاب الصیام تعلیقًا باب قول النبی ﷺ: إِذَا رَاَيْتُمُ الْهِلَالَ فَصُوْمُوْا. جبکہ امام ابوداؤد (2334)، امام ترمذی (686)، امام نسائی (153/4)، امام ابن ماجہ (1645)، امام احمد (321/4)، امام ابن خزیمہ (1914) اور امام ابن حبان (3585) نے اس حدیث کو موصول روایت کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتی ہے۔ کیونکہ اس رخصت یا امر یا نہی کو جناب رسول اللہ ﷺ نے صراحۃ نہیں ارشاد فرمایا ہوتا بلکہ ان صحابی رسول ﷺ نے اس رخصت یا امر یا نہی کو نبی کریم ﷺ سے سمجھا ہوتا ہے۔

یوم شک کے روزے کا حکم

یوم شک اس دن کو کہتے ہیں جس کے رمضان سے ہونے یا نہ ہونے کا قطعی علم نہ ہو اور یہ دن تیس شعبان کا ہی ہو سکتا ہے۔ رہا اس دن میں شک کا واقع ہونا تو یہ شک اس دن کے ابر آلود یا گرد آلود ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے کہ جب ابر یا گرد کی وجہ سے مطلع صاف نہ ہو اور باوجود کوشش کے چاند کو دیکھا نہ جا سکے۔ یوم شک کی یہی تعریف متعین اور راجح ہے۔ لہٰذا اگر انتیس شعبان کے اختتام پر غروب آفتاب کے وقت بادلوں کی وجہ سے یا گہری دھند یا گہری گرد یا بلند کوہساروں کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو روزہ رکھنا واجب نہ ہوگا اور یہی سمجھا جائے گا کہ شعبان تیس دنوں کا ہے۔ کیونکہ احکام شرعیہ ظاہر پر مبنی ہوتے ہیں۔ یاد رہے کہ اگر نظام فلکی کی رو سے وہ دن چاند نکلنے کا ہو اور مطلع بھی گرد آلود یا ابر آلود نہ ہو لیکن صحیح نظر والے لوگوں کو مطلع بغور دیکھنے کے باوجود بھی چاند نظر نہ آئے تو اس دن کو یوم شک نہ کہیں گے کہ علم فلکیات کی رو سے تو چاند نکلا ہوا ہے لیکن ہمیں نظر نہیں آ رہا، بلکہ یہ قطعی بات ہوگی کہ چاند نہیں نکلا کیونکہ احکام شرعیہ کا مدار ظاہر پر ہے۔ نہ کہ حسابی، فلکی اور رصدی علوم پر۔

غرض خلاصہ یہ ہے کہ انتیس شعبان کو اگر چاند کے اور ہمارے درمیان کسی رکاوٹ کے نہ ہونے کے باوجود ہمیں چاند نظر نہ آئے تو اگلا دن قطعی طور پر شعبان کا ہوگا (یعنی شعبان تیس دنوں کا ہوگا) اور اگر اس دن ہمارے اور چاند کے درمیان ابر، یا گرد یا اور کوئی شے حائل ہے جس کی وجہ سے وہ نظر نہیں آ سکا تو اگلے دن کو یوم شک کہیں گے کہ اس کے رمضان کا یا شعبان کا دن ہونے میں شک ہے۔ یوم شک کا حکم یہ ہے اس دن روزہ رکھنا منع ہے اور جو روزہ رکھے گا وہ حضرت ابو القاسم ﷺ کے امر کا مخالف ہوگا۔ کیونکہ اس دن روزہ نہ رکھنا واجب ہے اور واجب کا تارک نافرمان ہوتا ہے۔

ابو القاسم ﷺ: نبی کریم ﷺ کی کنیت ہے۔ نبی کریم ﷺ کو ابو القاسم اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''میں تو قاسم (یعنی تقسیم کرنے والا) ہوں، دینے والا تو اللہ ہی ہے۔''[1] بسا اوقات کسی وصف سے موصوف کی اسی صفت کے ساتھ کنیت رکھ دیا کرتے ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت انہیں مٹی میں اٹا دیکھ کر ''ابو تراب''[2] اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ان کی بلیوں کے ساتھ محبت کو دیکھ کر ''ابو ہریرہ'' رکھ دی تھی اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی یہ کنیت آپ ﷺ کے فرزند ارجمند حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کے نام پر ہو۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں دراصل یوم شک کا روزہ رکھنے کی ممانعت کا بیان ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- یوم شک کا روزہ رکھنا حرام ہے۔ کیونکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے جزم کے ساتھ اس دن کے روزے کو معصیت کے نام سے پکارا ہے اور اصل یہ ہے کہ جس چیز پر معصیت کا اطلاق ہو وہ حرام ہوتی ہے اور یہی راجح قول ہے کہ یوم شک کا روزہ رکھنا حرام ہے۔

---

[1] صحیح البخاری: 71- صحیح مسلم: 1037.

[2] صحیح البخاری: 441- صحیح مسلم: 2409.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ نبی کریم ﷺ کا ذکر وصفِ رسالت کے بغیر کرنا بھی جائز ہے جس کی دلیل فَقَدْ عَصٰی اَبَا الْقَاسِمِ ﷺ کے الفاظ ہیں۔

◈ روایت بالمعنی جائز ہے جیسا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے یہاں نبی کریم ﷺ کے الفاظ کے بغیر آپ ﷺ کے ارشاد کو بالمعنی روایت کیا ہے۔ اگرچہ روایت باللفظ اولیٰ ہے لیکن بسا اوقات راوی کو بعینہٖ وہ الفاظ یاد نہیں رہتے ہوتے اس لیے روایت بالمعنی بھی جائز ہے۔

رمضان کا ثبوت

637,638۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : ((إِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَصُوْمُوْا، وَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَأَفْطِرُوْا، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوْا لَهُ)) .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے: ''جب تم چاند کو دیکھو تو روزہ رکھنا شروع کرو اور جب تم (رمضان کے اختتام پر شوال کا) چاند دیکھو تو اب روزے رکھنے بند کر دو اور اگر تم پر چاند بادلوں میں چھپ جائے تو تم چاند (کے یعنی مہینہ) کے دن شمار (کر کے پورے) کرو۔'' ❶

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

وَلِمُسْلِمٍ ((فَإِنْ أُغْمِيَ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوْا لَهُ ثَلَاثِيْنَ)) .

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''اور اگر تم پر (بادل یا کہر یا گرد کی وجہ سے) چاند چھپ جائے تو تم مہینہ کے تیس دن پورے شمار کرو۔''

وَلِلْبُخَارِيِّ: ((فَأَكْمِلُوْا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ)) .

اور صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''تو تم تیس کی گنتی پوری کرو۔''

وَلَهُ فِيْ حَدِيْثِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: ((فَأَكْمِلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِيْنَ)) .

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں یہ ارشاد ہے: ''تو تم شعبان کی گنتی تیس تک پوری کرو۔'' ❷

غریب الحدیث :...... **إِذَا رَأَيْتُمُوْهُ**: منصوب متصل کی یہ ضمیر ھا ''اَلْهِلَال'' کی طرف راجع ہے۔ اگرچہ گزشتہ حدیث میں اس کا ذکر نہیں لیکن حدیث کا سیاق اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد اَلْهِلَال ہی ہے۔ جس کی دلیل فَصُوْمُوا اور اَفْطِرُوْا کے الفاظ ہیں۔

فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ: اَلْغَمّ یہ کسی شے پر کسی دوسری شے کی ایسی تہ کا بیٹھ جانا ہے جس سے وہ چھپ جائے اور نظر نہ آنے لگے۔ انسان کو پہنچنے والے صدمہ کو بھی اسی لیے غم کہتے ہیں کیونکہ وہ آدمی کے قلب و ذہن اور افکار و احساسات پر چھا جاتا ہے۔ اس تناظر میں غُمَّ عَلَيْكُمْ کا مطلب یہ ہوگا اگر چاند تم پر بادلوں، یا گرد اور کہر یا بلند کوہساروں کی وجہ سے چھپ جائے اور ان حائل ہونے والی اشیاء کی وجہ سے تم چاند کو نہ دیکھ سکو تو:

فَاقْدُرُوْا لَهُ: علماء کا ان الفاظ کے معانی میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ تقدیر (اندازہ کرنے) سے مشتق ہے

❶ صحيح البخاري: 1900- صحيح مسلم: 1080. ❷ صحيح البخاري: 1909 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی تم اندازہ کر کے اس کی گزشتہ راتوں کی منازل کو دیکھو اور اس رات کو ماسبق کی راتوں پر قیاس کرو۔ تب پھر اس میں فلکی حساب کی طرف اشارہ ہوگا۔ یعنی اگر تیس تاریخ کو مطلع ابر آلود ہو تو فلکی حساب کی طرف رجوع کیا جائے اور اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ جبکہ ایک قول یہ ہے کہ یہ الفاظ قَدْرٌ (بمعنی تنگی کرنے) سے مشتق ہیں۔ اسی معنی میں یہ ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے:

﴿وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّآ اٰتٰهُ اللّٰهُ﴾ (الطلاق : 7)

''اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا ہو تو وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔''

تب پھر یہاں رمضان کو تنگ کرنے کا بیان ہے یا شعبان کو تنگ کرنے کا؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ تضییق شعبان پر کی جائے گی۔ چنانچہ اس کے انتیس دن قرار دے کر اس دن یعنی یوم شک کا روزہ رکھا جائے گا۔ یہ امام احمد کا مشہور مذہب ہے اور حضرات حنابلہ نے اس قول کی ازحد تائید کی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ تنگی رمضان پر کی جائے گی جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اسے یوم شک میں داخل نہ ہونے دیں گے اور شعبان کے تیس دن پورے کریں گے۔ پس شعبان کو تو پورا کریں گے جبکہ تنگی اور کمی رمضان میں کریں گے اور یہی راجح قول ہے جس کی دو وجہ ہیں:

(1) ایک یہ کہ ان الفاظ کی تفسیر خود نبی کریم ﷺ نے بیان فرما دی ہے جو یہی ہے جیسا کہ صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی دیگر تین روایات میں مذکور ہے کہ تب پھر شعبان کے تیس دن پورے کرو۔

(2) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ سابقہ حدیث عمار رضی اللہ عنہ میں اس بات کی تصریح ہے کہ یومِ شک کا روزہ رکھنا حرام ہے۔

تب پھر صحیح اور متعین قول یہ ہے کہ فَاقْدُرُوْا لَهُ سے مراد شعبان کے دنوں کی گنتی کو پورا کر کے ان کو تیس بنانا ہے۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ یومِ شک کو شعبان میں شمار کر کے اس کی گنتی کو تیس کیا جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- جب تک چاند دیکھ نہ لیا جائے یا شعبان کے تیس دن پورے نہ ہو جائیں روزہ رکھنا واجب نہیں۔ اس کی دلیل إِذَا رَأَيْتُمُوْهُ کے اور فَاكْمِلُوْا الْعِدَّةَ کے الفاظ ہیں۔
- رؤیت سے مراد بعد از مغرب کی رؤیت ہے۔ کیونکہ ''قمر'' کو قرآنِ کریم میں آیت اللیل (رات کی نشانی) قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ جَعَلْنَا الَّيْلَ وَ النَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَ جَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً﴾ (الاسراء: 12)

''اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا، پھر ہم نے رات کی نشانی کو مٹا دیا اور دن کی نشانی کو روشن بنایا۔''

تب پھر مراد رات میں چاند کو دیکھنا ہے جو کہ غروبِ آفتاب کے بعد ممکن ہے لہٰذا دن میں نظر آنے والے چاند کا اعتبار نہ ہوگا اور اعتبار اس چاند اور اس کی رؤیت کا ہوگا جو غروبِ آفتاب کے بعد ہو۔

- رؤیت کا تحقق وجوبِ رمضان کے لیے شرط ہے۔ لہٰذا شک ہونے پر روزہ اور رمضان ثابت نہ ہوگا اور جس نے شک کے ہوتے ہوئے روزہ رکھا وہ جناب رسول اللہ ﷺ کا نافرمان ہوگا جیسا کہ گزشتہ روایت میں ذکر ہوا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ معلوم ہوا کہ اگر چاند دوسرے نہ دیکھ پائیں تو دیکھنے والے کے حق میں اس کا حکم ثابت ہو جائے گا۔ لہٰذا اگر اس نے چاند دیکھا، مگر اوروں نے نہ دیکھا اور حاکم نے اس کے مجہول الحال ہونے کی بنا پر اس کی شہادت رد کر دی تب بھی اس پر روزہ رکھنا واجب ہو گا۔ رہا شوال کا معاملہ تو اس ایک کے چاند دیکھنے کی بنا پر اس کے حق میں شوال کے ثبوت میں اختلاف ہے کیونکہ شوال کا دخول دو کی شہادت کے بغیر ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا یہ روزہ رکھنا بند نہ کرے گا۔

جبکہ ایک قول یہ ہے کہ یہاں بھی اس کے حق میں شوال اور روزوں کا افطار ثابت و واجب ہو جائے گا۔ کیونکہ حدیث میں إِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَأَفْطِرُوْا کے الفاظ ہیں اور اس ایک نے شوال کا چاند دیکھ لیا ہے گو اوروں نے نہیں بھی دیکھا۔

ہاں البتہ یہ اپنے افطار کو چھپائے رکھے گا اور لوگوں پر برملا آشکارا نہ کرے گا۔ غرض اکیلے شوال کا چاند دیکھنے کی بابت دو اقوال ہیں: (1) افطار کرنے کا (2) افطار نہ کرنے

◈ إِذَا رَأَيْتُمُوْهُ کے الفاظ کے عموم میں رؤیت بصریہ اور آلات کے واسطہ سے حاصل ہونے والی رؤیت دونوں داخل ہیں۔

◈ پھر رؤیت سے ہر ایک کی رؤیت مراد نہیں۔ وگرنہ نابینا اور ضعیف البصر کی رؤیت ثابت نہ ہونے پر ان کے حق میں رمضان وافطار ثابت نہ ہو گا اور یہ دو آدمیوں کی یا ان سے زیادہ کی رؤیت ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں آتا ہے: ''اور اگر دو گواہ شہادت دیں تو (ان کی شہادت پر) روزہ رکھو بھی اور (ان کی شہادت پر) افطار (یعنی روزے رکھنا بند) بھی کرو۔''

◈ یہیں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جب ایک علاقہ کے لوگ چاند دیکھ لیں تو اس سارے علاقہ کے لوگوں پر روزہ رکھنا واجب ہو جاتا ہے اور یہی راجح قول ہے اور جو لوگ اس مطلع میں شریک ہیں وہ بھی روزہ رکھیں گے کہ یہ اقرب الی الصواب قول ہے گو متعین نہ بھی ہو۔ لہٰذا جو لوگ اس مطالع سے دُور ہوں گے ان کے حق میں یہ رؤیت حقیقۃً یا حکماً کسی بھی طرح ثابت ہو گی۔ یہی شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا مختار قول ہے کیونکہ قرآن وسنت کے ظاہری دلائل اسی قول کے موید نظر آتے ہیں۔

علماء کے اس بارے پانچ اقوال ہیں جن کی شرح کی اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں، شائقین حضرات کتب مطولہ کی مراجعت کریں۔

◈ شریعت اسلامیہ نے احکام کے بیان میں قلق واضطراب کو جگہ نہیں دی۔ چنانچہ صاف فرمایا کہ ''اگر تیسویں کے دن مطلع ابر آلود ہو تو تیس کی گنتی پوری کرو۔'' جس سے بلاشبہ ایک آدمی کو قلبی و ذہنی راحت مل جاتی ہے۔

◈ معلوم ہوا کہ اعتبار اصل پر بنا کرنے کا ہے جس کی دلیل فَاقْدُرُوْا لَهُ اور فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ کے الفاظ ہیں کیونکہ اصل ماہ کا ابقاء ہے کیونکہ تیسواں دن بنیادی طور پر گزشتہ ماہ میں ہی شمار ہوتا ہے۔

ہلال کے اثبات میں خبر واحد مقبول ہے

639۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: ((تَرَاءَى النَّاسُ الْهِلَالَ، فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَنِّي رَأَيْتُهُ، فَصَامَ، وَأَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهِ)).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ (ایک دفعہ لوگ شعبان کے اختتام پر رمضان کا) چاند دیکھنے میں لگے تھے۔ پس میں نے نبی کریم ﷺ (کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ) کو اس بات کی خبر دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی رمضان کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ ❶

رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَابْنُ حِبَّانَ .

اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے جبکہ امام ابن حبان اور امام حاکم رحمہما اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

640۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما ، أَنَّ أَعْرَابِيًّا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : إِنِّي رَأَيْتُ الْهِلَالَ ، فَقَالَ: ((أَتَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ ؟)) قَالَ : نَعَمْ ، قَالَ : ((أَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ ؟)) قَالَ : نَعَمْ ، قَالَ : ((فَأَذِّنْ فِي النَّاسِ يَا بِلَالُ! أَنْ يَصُومُوا غَدًا)) .

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے (رمضان کا) چاند (طلوع ہوتے) دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے (اس سے دریافت) فرمایا: ''کیا تم لا الہ الا اللہ کی (یعنی اپنے مومن موحد ہونے کی) شہادت دیتے ہو؟'' اس دیہاتی نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ آپ ﷺ نے (دوبارہ دریافت) فرمایا کہ ''کیا تم اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟'' اس دیہاتی نے عرض کیا: جی ہاں! اس پر آپ ﷺ نے (حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے) ارشاد فرمایا: ''اے بلال! لوگوں میں اس بات کا اعلان کر دو کہ وہ کل روزہ رکھیں۔'' ❷

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ ، وَرَجَّحَ النَّسَائِيُّ إِرْسَالَهُ .

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے۔ امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان رحمہما اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے جبکہ امام نسائی نے اس حدیث کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے۔

غریب الحدیث: ..... تَرَاءَ ى النَّاسُ : یعنی لوگوں نے رؤیت ہلال کو ایک دوسرے سے طلب کیا گویا کہ وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ ذرا تم چاند تو دیکھنا کہ نکلا ہے یا نہیں۔ گویا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متوقع رات میں چاند کی جستجو کیا کرتے تھے کہ وہ نکلا ہے یا نہیں اور نبی کریم ﷺ ان حضرات کے اس عمل پر نکیر نہ فرماتے تھے جو تقریر

❶ سنن ابی داود: 2342۔ صحیح ابن حبان: 3447۔ المستدرك للحاكم: 585/1۔ حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر ہے۔ سنن البیهقی: 50/10۔ سنن الدارقطنی: 156/2۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن وہب سے روایت کرنے میں مروان بن محمد متفرد ہے وہ ثقہ راوی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (278/6) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

❷ سنن ابی داود: 2340۔ جامع الترمذی: 691۔ سنن النسائی: 131/4۔ سنن ابن ماجه: 1652۔ صحیح ابن خزیمة: 1923۔ الموارد لابن حبان: 870۔ المستدرك للحاكم: 586/1۔ امام نسائی فرماتے ہیں زیادہ درست بات یہ ہے کہ یہ روایت مرسل ہے۔ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر یہ کہا جائے کہ یہ حدیث اس لیے مرسل ہے کیونکہ اسرائیل اور حماد بن سلمہ نے اس روایت کو "عن عکرمة عن رسول الله ﷺ" کی اسناد سے روایت کیا ہے۔ تو ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ ولید بن ابی ثور، حازم بن ابراہیم اور زائدہ اس حدیث کے مرفوع ہونے پر متفق ہیں۔ جبکہ سفیان بن عیینہ کے اصحاب کا اس حدیث کو سفیان سے روایت کرنے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ جس نے اسے مرفوع روایت کیا ہے اس نے اس روایت میں ایک امر زائد کو روایت کیا ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے اور راوی ایک ہی حدیث کو کبھی مرسل تو کبھی مرفوع بھی روایت کر دیتا ہے۔ (التحقیق لابن جوزی: 2/77-78) امام نووی رحمہ اللہ "المجموع" (285/6) میں فرماتے ہیں اس حدیث کے متصل طریق سب صحیح ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول کے حکم میں داخل ہے۔

مضمون حدیث: ......ان دونوں روایات میں بنیادی طور پر اس مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے کہ دخولِ رمضان کے اثبات میں خبر واحد مقبول اور ایک کی شہادت بھی کافی ہے۔ تب پھر ان دو روایات میں اور گزشتہ مذکورہ روایت کے ان الفاظ میں کہ "اِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَصُوْمُوْا" یوں تطبیق بٹھائی جاسکتی ہے کہ گزشتہ روایت کے ان الفاظ میں جنس مراد ہے گویا کہ آپ ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ اِذَا رَاٰهُ اَحَدٌ مِنْكُمْ فَصُوْمُوْا یعنی "جب تم میں سے کوئی ایک چاند کو دیکھ لے تو تم روزے رکھنا شروع کر دو۔" جبکہ اس کی تفسیر ان دو روایات میں آئی ہے کہ وہاں رؤیت سے جنس مراد ہے یعنی دخولِ رمضان کے اثبات کے لیے ایک آدمی کی شہادت بھی کافی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اعتبار اور عمل اسی کی رؤیت پر ہوگا جس کی نظر صحیح اور قابلِ بھروسہ ہو بلکہ اس کا قول بھی معتبر ہو، تاکہ اسے بصیر بھی کہا جا سکے اور امین بھی۔ لہٰذا رؤیت ہلال میں نابینا اور فاسق کی شہادت معتبر نہ ہوگی۔
- ماہِ رمضان کے داخل ہونے کی خبر دینے کے لیے شہادت شرط نہیں۔ لہٰذا یوں کہنا ضروری نہیں کہ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے۔
- معلوم ہوا کہ رؤیت ہلال کی شہادت دینے میں مسلمان ہونا شرط ہے۔ البتہ اس کے عادل ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے اور اس اختلاف کا مبنی یہ امر ہے کہ آیا یہ حدیث اسلام کے علاوہ عدالت کے شرط ہونے پر بھی دلالت کرتی ہے یا نہیں؟ زیادہ قوی اور راجح قول یہ ہے کہ یہ حدیث عدالت کے شرط ہونے پر بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ یہاں شہادت دینے والے ایک صحابیٔ رسول ﷺ ہیں اور صحابہ کا عدول ہونا "متفق علیہ" ہے۔
- معلوم ہوا کہ چاند کو دیکھنے کی کوشش سنت ہے اور یہ سنت تقریری ہے اس کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے: تَرَاءَى النَّاسُ الْهِلَالَ . اور نبی کریم ﷺ نے لوگوں کے اس فعل کو برقرار رکھا۔
- رہا یہ سوال کہ کیا لوگوں کو چاند دیکھنے کو کہنا چاہیے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ افضل تو یہ ہے کہ لوگوں کو یہ نہ کہا جائے کہ تم چاند دیکھو، ہاں یہ کہا جائے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چاند دیکھا کرتے تھے۔ اس لیے جو تم میں سے چاند دیکھنا چاہے تو وہ فلاں فلاں رات کو دیکھے کہ یہی افضل اور راجح ہے۔
- ایک کی شہادت ثبوتِ رمضان کے لیے کافی ہے اور نبی کریم ﷺ کے ایک کی خبر کو قبول فرما کر روزہ رکھنے کا امر فرمانے سے یہ مسئلہ اخذ کیا گیا ہے کہ چاند نظر آنے پر لوگوں کو روزہ رکھنے کا امر کیا جائے گا۔ علماء کے اقوال میں سے راجح قول یہی ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لوگوں کو روزہ رکھنے کا امر حاکم اور والیٔ امر کرے گا۔
- حق پیش کرنے میں پہل کرنے کی کوشش کرنا چاہیے، چاہے آدمی کم سن ہی ہو۔ جیسا کہ چاند دیکھنے پر حضرتِ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نوعمری کے باوجود بارگاہِ نبوی میں اس کی خبر دینے میں پہل کی تھی۔
- معروف عادل کی عدالت کی تحقیق لازم نہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی عدالت کی بابت مطلق تحقیق نہ فرمائی تھی کیونکہ وہ عند الصحابہ معروف تھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- دیہات کے رہنے والے کی شہادت بھی مقبول ہے۔
- مجہول الحال کے حال کی تحقیق وجستجو لازم ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے اس آنے والے دیہاتی سے توحید ورسالت کا اقرار لے کر اس بات کی تصدیق فرمائی کہ خبر دینے والا یہ شخص عادل اور ثقہ مسلمان ہے۔
- لوگ اپنے دین کے امین خود ہیں یہی وجہ ہے کہ جب اس دیہاتی نے یہ جواب دیا کہ ہاں میں توحید ورسالت کا اقرار کرتا ہوں تو آپ ﷺ نے اس کے قول پر کسی کی شہادت طلب نہ فرمائی تھی۔
- نعم یعنی ''ہاں''! یہ ایسا حرف جواب ہے جو سوال کے اعادہ سے غنی کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اس دیہاتی نے سوال دہرائے بغیر صرف ''ہاں'' کہنے پر اکتفاء کیا تھا۔
- رمضان شروع ہو جانے کا لوگوں میں اعلان کر دینا چاہیے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رمضان شروع ہو جانے کا اعلان کر دینے کا حکم فرمایا اور اعلان کے باب میں مناسب یہ ہے کہ وہ وسائل و ذرائع استعمال کیے جائیں جو اعلان واعلام اور ابلاغِ اخبار میں ابلغ ہوں۔

روزہ کی نیت رات میں کرنے کے حکم کا بیان

641- وَعَنْ حَفْصَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رضي الله عنها، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ لَمْ يُبَيِّتِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلا صِيَامَ لَهُ)).

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس نے فجر طلوع ہونے سے قبل رات کو ہی روزہ کی نیت نہیں کی تو اس کا کوئی روزہ نہیں۔'' [1]

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ، وَمَالَ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ إِلَى تَرْجِيْحِ وَقْفِهِ، وَصَحَّحَهُ مَرْفُوْعًا ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ.

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی اور امام نسائی رحمہما اللہ اس بات کی طرف مائل ہیں کہ اس حدیث کا موقوف ہونا راجح ہے۔ جبکہ امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان رحمہما اللہ نے اس حدیث کے مرفوع ہونے کو صحیح کہا ہے۔

وَلِلدَّارَقُطْنِيِّ ((لَا صِيَامَ لِمَنْ لَمْ يَفْرِضْهُ مِنَ اللَّيْلِ)).

اور سنن دارقطنی میں (اس روایت کے) یہ الفاظ ہیں: ''اس کا کوئی روزہ نہیں جو اسے رات کو ہی (نیت کر کے اپنے اوپر) فرض نہیں کر لیتا۔'' [2]

غریب الحدیث:...... مَنْ لَمْ يُبَيِّتِ الصِّيَامَ: مراد رات میں روزہ کی نیت کرنا ہے۔ مذکورہ مَنْ شرطیہ اور یہ

---

[1] سنن ابی داود: 2454- جامع الترمذی: 730- سنن النسائی: 196/4- سنن ابن ماجه: 1700- مسند احمد: 287/6- صحیح ابن خزیمة: 1933- امام ابن کثیر ''تحفة الطالب'' (ص 356) میں لکھتے ہیں یہ حدیث اگرچہ حسن اور عمدہ ہے لیکن اس میں ایک علت ہے، وہ یہ کہ امام نسائی نے اس حدیث کو ''مالك عن نافع عن ابن عمر'' کے طریق سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول کر کے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ اصح حدیث ہے۔ ابن حزم کہتے ہیں: یہ اسناد صحیح ہے ... آگے لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو ایک بار حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مسند روایت کیا ہے اور ایک بار وہ یہ روایت کرتے ہیں کہ انہیں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کا فتوی دیا۔ جبکہ ایک بار اس بات کا فتوی وہ خود دیتے ہیں، یہ سب باتیں اس خبر کو قوی بناتی ہیں۔ دیکھیں: المحلی لابن حزم: 162/6.

[2] سنن الدار قطنی: 175/2

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ شرطیہ ہے۔ مذکورہ الفاظ کا عموم اس بات کو مقتضی ہے کہ یہ حکم فرض اور نفل دونوں روزوں کو شامل ہے۔

قَبْلَ الْفَجْرِ: معلوم ہوا کہ چاہے یہ نیت شب کے اخیر میں بھی کی جائے تب بھی درست ہے۔ کیونکہ بَیْتُوْتَة اصل میں رات کے سونے کو کہتے ہیں اور فجر سے مراد فجر صادق ہے نہ کہ کاذب۔ ان دونوں میں پائے جانے والے فرق کو "مَوَاقِيْتُ الصَّلٰوةِ" کے تحت بیان کر دیا گیا ہے۔

فَلَا صِيَامَ لَهُ: مذکورہ فَا جزائیہ اور یہ جملہ جزائیہ ہے۔ یہ لَا لائے نفی جنس کا ہے۔ لہٰذا صِیَام اس کا اسم اور لَهٗ اس کی خبر ہے اور یہ نفی وجودِ شرعی کی نفی ہے جسے نفی صحت کہتے ہیں نہ کہ وجودِ حسی کی اور یہاں کمال کی نفی مراد نہیں۔ لہٰذا جو اس بات کا مدعی ہوگا دلیل لانا بھی اسی کے ذمہ ہوگا۔

وَ لِلدَّارَقُطْنِيِّ: سنن دارقطنی کے مذکورہ الفاظ بتلاتے ہیں کہ نیت کا یہ مسئلہ فرض روزہ کے حق میں ہے۔ جبکہ نفلی روزہ کا حکم آگے آئے گا۔

درایة الحدیث:...... بظاہر یہاں اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں ائمہ محدثین کا اختلاف ہے۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ترمذی اور امام نسائی رحمہما اللہ کے نزدیک اس حدیث کا موقوف ہونا راجح ہے۔ جبکہ امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان رحمہما اللہ کے نزدیک صحیح اس حدیث کا مرفوع ہونا ہے۔ گزشتہ صفحات میں یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب حدیث کے رفع اور وقف میں تعارض ہو جائے اور رافع ثقہ ہو تو اس حدیث کو مرفوع کہنا راجح ہوگا اور رہا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا کبھی اسے مرفوع تو کبھی موقوف روایت کرنا تو یہ صحت حدیث کے حق میں مضر نہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب عدول ہیں۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ دونوں روایات میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ فرض روزہ کی رات سے ہی نیت کر لینا واجب ہے وگرنہ فرض روزہ ثابت نہ ہوگا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- فرض روزہ میں نیت کرنا اور رات میں ہی یعنی فجر صادق طلوع ہونے سے قبل نیت کرنا واجب ہے۔
- معلوم ہوا کہ جس بات کے بنا واجب تمام نہ ہوتا ہو، وہ بات بھی واجب ہوتی ہے، اسی لیے روزہ کی نیت کرنا بھی واجب ہوگا۔
- یہ حکم فرض روزہ کا ہے۔ رہا نفل روزہ تو اگر تو وہ متعین ہے تو اس کی نیت بھی قبل از فجر ہی درست ہوگی جبکہ مطلق روزہ کی نیت دن میں بھی کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔

روزہ توڑنے کا حکم

642- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ: ((هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ؟)) قُلْنَا: لَا . قَالَ: ((فَإِنِّي إِذَنْ صَائِمٌ، ثُمَّ أَتَانَا يَوْمًا آخَرَ، فَقُلْنَا: أُهْدِيَ لَنَا حَيْسٌ، فَقَالَ: ((أَرِيْنِيْهِ ، فَلَقَدْ أَصْبَحْتُ صَائِمًا))،

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک دن میرے پاس تشریف لائے تو دریافت فرمایا کہ "کیا تم لوگوں کے پاس (کھانے کو) کچھ ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ جی نہیں! اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تب پھر میں روزے سے ہوں۔" پھر آپ ﷺ ہمارے پاس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَأَكَلَ.

ایک اور دن تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا: (آج) ہمیں ہدیہ میں حَیس (گھی کھجور اور پنیر سے بنا حلوا) بھیجا گیا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے (مجھے) ارشاد فرمایا کہ ''(ذرا) وہ (حلوا) مجھے دکھلانا، آج میں نے روزہ سے صبح کی ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے (وہ حلوا) تناول فرمایا۔ ❶

رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... هَلْ: یہ اداۃِ استفہام ہے۔

عِنْدَكُمْ شَيْءٌ: یہ جملہ انشائیہ ہے جس میں مبتدا موخر اور خبر مقدم ہے۔ کیونکہ یہ استفہام کے معنی پر مشتمل ہے۔

شَيْءٌ: سب سے بڑا نکرہ ہے۔ اس کا مبتدا ہونا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں دو تخصیصات پیدا ہونے کی وجہ سے اس کا مبتدا بننا صحیح ہوگیا ہے، جو یہ ہیں:

(1) خبر کا تقدم اور (2) ابتدا میں استفہام۔

اس بنا پر یہاں شَيْءٌ ایسا عام ہوگا جس سے مراد خاص ہوتا ہے اور یہاں وہ خاص شے مراد ہے جو کھانے کے لائق ہو۔

إِذَنْ: یہ زمانہ حال کا ظرف ہوتا ہے۔ لہٰذا فَإِنِّي إِذَنْ صَائِمٌ کی تقدیری عبارت یہ ہوگی فَإِنِّي مِنَ الْآنَ صَائِمٌ یعنی میں اس وقت سے روزہ والا ہوں۔ يَوْمًا آخَرَ: یعنی اس پہلے والے دن کے علاوہ کسی اور دن دوبارہ تشریف لائے۔

حَيْسٌ: یہ گھی پنیر یا ستو اور کھجور کو ملا کر بنایا جانے والا ایک قسم کا حلوا ہوتا ہے۔

أَرِينِيهِ: ارِی یہ واحد مونث حاضر کا امر کا صیغہ ہے۔ جس میں یَا فاعل ہے جبکہ نون وقایہ اور دوسری یَا مفعول بہ ہے۔ جو مفعولِ اول ہے اور هَا ضمیر مفعولِ ثانی ہے اور یہاں رؤیت سے رؤیت بصریہ مراد ہے اور جب رؤیت مصدر بابِ اِفعال کے ہمزہ قطعی کے ساتھ متعدی ہو تو یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے۔

لَقَدْ أَصْبَحْتُ صَائِمًا: یہاں روزہ سے شرعی روزہ مراد ہے۔ کیونکہ یہ جملہ لسانِ نبوت سے صادر ہوا ہے لہٰذا اسے لغوی معنی کی بجائے اس کے شرعی معنی پر محمول کیا جائے گا۔ فَأَكَلَ: مراد اس حَیس کو تناول فرمانا ہے۔

مضمون حدیث:...... اس حدیث میں بنیادی طور پر دو مسائل مذکور ہیں:

(1) ایک یہ کہ نفلی روزے کی نیت دن میں بھی کی جاسکتی ہے بشرطیکہ نیت کرنے سے قبل کچھ کھایا پیا نہ ہو۔

(2) دوسرا یہ کہ نفلی روزے کو بوقت ضرورت توڑا بھی جاسکتا ہے۔ جس کی تفصیل ذیل میں آجاتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ نبی کریم ﷺ گھر والوں کے ساتھ بڑی بے تکلفی، سادگی، کشادہ دلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ رہتے تھے اور گھر والوں کی زیادہ دارو گیر نہ فرماتے تھے کہ آج کیا پکایا ہے؟ چائے کب پی تھی؟ یہ کیا دھرا ہے؟ وہ شے کیوں نہیں سنبھالی؟ وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ گھر تو گھر والی کا ہوتا ہے۔ وہ جانے اور اس کا کام۔

❶ صحیح مسلم: 1154

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- اپنے سے بلند مرتبہ کو بھی ''نہیں'' کے لفظ کے ساتھ جواب دے سکتے ہیں۔
- نفلی روزہ کی نیت دن میں بھی کر سکتے ہیں۔جس کی دلیل اِذَنْ کا کلمہ ہے وگرنہ صرف فَاِنِّیْ صَائِمٌ کے الفاظ میں رات سے روزہ کی نیت ہونے کا بھی احتمال تھا۔لیکن اِذَنْ کے کلمہ نے اس بات کو متعین کر دیا کہ آپ ﷺ نے یہ نیت دن میں اور اسی سوال جواب کے وقت کی تھی۔
- ہدیہ قبول کرنا مشروع ہے۔چاہے وہ کھانا ہی کیوں نہ ہو۔اس کی دلیل اُهْدِيَ لَنَا حَيْسٌ کے الفاظ ہیں۔
- معلوم ہوا کہ آپ ﷺ ہدیہ میں سے تناول فرمالیا کرتے تھے جس کی دلیل فَـاَكَلَ کے کلمات ہیں۔البتہ آپ ﷺ صدقہ اور زکوٰۃ سے کچھ بھی تناول نہ فرماتے تھے۔
- جسے برا نہ لگے اسے حکم دے سکتے ہیں جیسا کہ آپ ﷺ نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:''وہ حلوا مجھے لا دکھاؤ۔''
- نفلی روزہ توڑ کر سکتے ہیں جس کی دلیل فَاَكَلَ کے الفاظ ہیں۔
- آدمی ریا سے بچتے ہوئے اپنے نیک عمل کا دوسروں کے سامنے اظہار کر سکتا ہے۔جس کی دلیل فَـلَـقَـدْ اَصْبَـحْـتُ صَائِمًا کے الفاظ ہیں۔

روزہ جلدی کھولنے کی فضیلت

643,644۔ وَعَـنْ سَهْـلِ بْـنِ سَـعْدٍ رضی اللہ عنہ ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَـالَ : ((لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ)) .

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:''لوگ ہمیشہ خیر پر رہیں گے جب تک کہ وہ روزہ جلدی کھولتے رہیں گے۔''[1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:......لَا يَزَالُ: یہ افعالِ ناقصہ میں سے ہے جو اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیتے ہیں۔مذکورہ فعلِ ناقص کا اسم لفظ اَلنَّاس اور خبر بِخَيْرٍ ہے۔

اَلنَّاس: مراد روزہ دار ہیں نا کہ سب لوگ۔تب پھر عام بول کر خاص مراد ہے اور یہ خاص دو اعتبار سے ہے، ایک تو یہ کہ وہ لوگ روزہ دار ہوں اور دوسرے یہ کہ وہ مسلمان بھی ہوں کیونکہ کافر کا روزہ عند اللہ مقبول نہیں۔

بِخَيْرٍ: مذکورہ بَا مصاحبت کے لیے ہے۔یعنی ہمیشہ خیر کے ساتھ رہیں گے۔لہٰذا اس کی تقدیری عبارت یوں ہوگی: لَا يَزَالُ النَّاسُ مَصْحُوْبِيْنَ اَوْ مُصَاحِبِيْنَ بِالْخَيْرِ .

مَـا: یہ مَـا مصدریہ ظرفیہ ہے۔یعنی یہ مابعد کے جملہ کو مصدر کی تاویل میں کر کے ماقبل مذکور فعل کا ظرف بنا دیتا ہے اور تقدیری عبارت یوں ہوگی:

لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مُدَّةَ تَعْجِيْلِهِمُ الْفِطْرَ .

مضمونِ حدیث:......مذکورہ حدیث میں یہ اہم ترین مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ روزہ جلدی کھولنا سراپا خیر اور اللہ کے ہاں محبوب و ماجور ہے جبکہ دیر سے روزہ کھولنا عند اللہ مبغوض اور معصیتِ رسول ﷺ ہے۔

[1] صحیح البخاري: 1957۔ صحیح مسلم: 1098

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- روزہ کھولنا مشروع ہے کیونکہ جب کسی بات کا ایک طریق افضل ہو تو وہ بات خود بھی مشروع ہوتی ہے۔
- اور جلدی کھولنا بھی مشروع ہے۔ البتہ وقت افطار کی تعیین میں اگر شک ہو جائے تو قدرے تاخیر افضل اور احوط ہے۔
- معلوم ہوا کہ اعمال میں تفاضل پایا جاتا ہے۔
- افطار میں تاخیر شر کا سبب ہے۔
- رخصتوں کے امتثال میں تعجیل رب تعالیٰ کو محبوب ہے۔
- جس سے یہ مفہوم واضح ہوا کہ عبادات میں غلو اور مبالغہ مکروہ ہے۔

وَلِلتِّرْمِذِيِّ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ((أَحَبُّ عِبَادِيْ إِلَيَّ أَعْجَلُهُمْ فِطْرًا)).

جامع الترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''مجھے سب سے زیادہ وہ بندے محبوب ہیں جو روزہ جلدی کھولتے ہیں۔'' [1]

غریب الحدیث :...... قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: اصطلاحِ حدیث میں ایسی حدیث کو حدیثِ قدسی کہا جاتا ہے جسے جناب رسول اللہ ﷺ اپنے رب سے بیان فرماتے ہیں۔ راجح اور ظاہر قول یہ ہے کہ یہ روایت بالمعنی ہوتی ہے اور اس کے الفاظ بعینہ رب تعالیٰ کے الفاظ نہیں ہوتے۔ ایسے ارشاد کو رب تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا جائز ہوتا ہے۔

أَحَبُّ: یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ یہ مبتدا ہے۔

عِبَادِيْ: مراد اخلاص کے ساتھ رب تعالیٰ کی عبادت کرنے والے بندے ہیں اور ان میں سے بھی صائمین مراد ہیں۔

إِلَيَّ: یہ جار مجرور صیغہ اسم تفضیل کے متعلق ہیں۔

أَعْجَلُهُمْ: یہ خبر ہے۔ یہ بھی اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ فِطْرًا: یہ تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

مذکورہ حدیث کا مضمون واضح اور حسب سابق ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- رب تعالیٰ کے لیے صفت محبت ثابت ہے۔ جس میں اہل تعطیل کا ردّ ہے جو رب تعالیٰ کی ذات سے محبت کی نفی کرتے ہیں۔
- رب تعالیٰ کی محبت میں بندوں کے اعمال اور ان کی صفات کے تفاوت کے اعتبار سے تفاوت پایا جاتا ہے جس کی دلیل أَحَبُّ کا لفظ ہے اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رب تعالیٰ کا محبوب ہونے کے اعتبار سے لوگوں میں تفاضل پایا جاتا ہے۔ چنانچہ کوئی رب تعالیٰ کو زیادہ تو کوئی کم محبوب ہوتا ہے۔
- روزہ جلدی کھولنا مستحب ہے۔

---

[1] جامع الترمذی: 700۔ امام ترمذی فرماتے ہیں، یہ حدیث حسن اور غریب ہے۔ مسند احمد: 237/2۔ کتاب الصیام للفریابی، ص: 33۔ مذکورہ حدیث کے محقق نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے جبکہ امام ابن حبان رحمہ اللہ (3507) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ دیکھیں: العلل للدارقطنی: 256/9

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سحری کھانے کی فضیلت کا بیان

645- وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((تَسَحَّرُوْا فَإِنَّ فِي السَّحُوْرِ بَرَكَةً)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”سحری کیا کرو کہ بے شک سحری میں برکت ہے۔“ [1]

یہ حدیث ”متفق علیہ“ ہے۔

غریب الحدیث:......فِي السَّحُوْرِ: اس کے سین پر فتح اور ضم دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ چنانچہ اگر اس کی سین پر فتح پڑھیں تو مراد وہ کھانا جس سے سحری کی جاتی ہے اور اگر اس کی سین پر ضم پڑھا جائے تو مراد کھانے کا فعل ہے جو رات کے آخری وقت میں کھایا جاتا ہے۔ مذکورہ حدیث میں ان دونوں اعرابوں کا احتمال ہے۔

تَسَحَّرُوْا: یعنی سحری کھاؤ اور یہ سحر یعنی رات کے اخیر حصہ میں کچھ کھانے کو کہتے ہیں۔ مذکورہ خطاب روزہ داروں سے ہے اور مذکورہ امر استحباب کا ہے نہ کہ وجوب کا۔

فَإِنَّ: مذکورہ فَا تعلیلیہ ہے۔ لہٰذا یہ جملہ گزشتہ مذکورہ حکم کی علت کا بیان ہے۔

بَرَكَةً: یہ إِنَّ کا اسم موخر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور برکت خیر کی کثرت اور اس کے دوام کو کہتے ہیں۔ مناسب ہے کہ اس مقام پر سحری کی چند برکات کو قارئین کرام کی نذر نظر کیا جائے۔ سحری کی چند برکات مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی برکت:......اس میں فرمانِ نبوی کا امتثال واقتدا ہے۔ جس کی دلیل تَسَحَّرُوْا کے الفاظ ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہر حکم کی تابعداری سراپا خیر و برکت اور باعث نجاح وفلاح ہے۔

دوسری برکت:......اس میں قوتِ نفس اور قوتِ بدن کی حفاظت ہے۔

تیسری برکت:......اس میں رب تعالیٰ کی طاعت میں معاونت ہے۔ کیونکہ سحری کرنے سے روزہ رکھنا آسان ہو جاتا ہے۔

چوتھی برکت:...... یوں تو آدمی دن بھر میں دو یا تین بار کھانا کھاتا ہے۔ لہٰذا جب وہ سحری میں صرف ایک بار کھانا کھائے گا اور دن بھر صبر کرے گا تو اسے اس صبر کرنے پر ظاہری اور حسی برکت بھی ملے گی۔

پانچویں برکت:......اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سحری کرنے سے ہمیں اہل کتاب کے روزہ سے ایک امتیاز حاصل ہو جائے گا کیونکہ اہلِ کتاب روزہ میں سحری نہیں کھاتے۔

مضمون حدیث:......مذکورہ حدیث میں دراصل سحری کرنے کا حکم مذکور ہے اور ساتھ ہی اس کی علت بھی مذکور ہے کہ اس میں برکت ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ سحری کے وجوب واستحباب میں اختلاف ہے۔ بعض اس کے وجوب کے قائل ہیں کیونکہ یہاں تَسَحَّرُوْا میں امر ہے اور امر میں اصل وجوب ہے۔ اسی لیے ان علماء کے نزدیک صوم وصال حرام ہے کیونکہ اس طرح سحری کا وجوب ترک ہو جاتا ہے لیکن جمہور اہل علم کے نزدیک یہ امر استحباب کے لیے ہے۔

---

[1] صحيح البخاري: 1923- صحيح مسلم: 1095.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

◈ معلوم ہوا کہ بعض کھانے باعثِ برکت ہیں جیسے سحری کا کھانا۔

◈ آپ ﷺ ہمیشہ حکم کو علت کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا کرتے تھے۔ اس میں جو فوائد ہیں ان کو گزشتہ صفحات میں بارہا ذکر کیا جا چکا ہے۔

کھجور یا پانی کے ساتھ روزہ کھولنا مستحب ہے

646- وَعَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ الضَّبِّيِّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا أَفْطَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى تَمْرٍ ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى مَاءٍ ، فَإِنَّهُ طَهُورٌ)).
رَوَاهُ الْخَمْسَةُ ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ .

حضرت سلمان بن عامر الضبی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تم میں سے کوئی روزہ کھولے تو وہ کھجور کے ساتھ روزہ کھولے اور اگر کھجور میسر نہ ہو تو پانی سے روزہ کھول لے کیونکہ پانی پاک کرنے والا ہے۔''[1]
اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے، جبکہ امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... سَلْمَانُ بْنُ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ : اسماء صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ اسم گرامی ان ناموں میں شمار ہوتا ہے جس کا ذکر روایات میں بہت کم ملتا ہے۔

اِذَا اَفْطَرَ: یہاں فعل بمعنی ارادۂ فعل ہے۔ یعنی جب تم میں سے کوئی روزہ کھولنے کا ارادہ کرے اور یہ جملہ اِذَا حرفِ شرط پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ''شرطیہ'' ہے۔

فَلْيُفْطِرْ عَلٰى تَمْرٍ: یہ جواب شرط ہے۔ لہٰذا فَا جزائیہ ہوگی اور مذکورہ لام امر کا ہے جو استحباب کے ہے اور لام اِمر اور لام تعلیل میں جو فرق ہے اسے گزشتہ میں بارہا ذکر کیا جا چکا ہے۔

اَحَدُكُمْ: یہ خطاب روزہ داروں سے ہے۔

فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ: اس سے کھجور اور اس کا ثمن دونوں مراد ہو سکتے ہیں کہ بسا اوقات ثمن ہوتا ہے مگر کھجور نہیں ملتی اور کبھی کھجور ہوتی ہے مگر اس کی قیمت نہیں ہوتی۔ لہٰذا مذکورہ حکم دونوں صورتوں کو شامل ہے۔

فَاِنَّهٗ طَهُوْرٌ: مذکورہ فَا تعلیلیہ ہے اور یہ روزہ کو پانی سے افطار کرنے کی علت کا بیان ہے۔ طَهُوْرٌ کی طا پر اعراب کے اختلاف سے پیدا ہونے والے معانی کے اختلاف کو كِتَابُ الطَّهَارَةِ میں مفصل بیان کر دیا گیا ہے۔

مضمونِ حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں روزہ کو پانی یا کھجور کے ساتھ کھولنے کی ترغیب کا بیان ہے اور اس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ پانی کی یہ خوبی ہے کہ یہ پاک کر دیتا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ مذکورہ حدیث میں کھجور یا پانی پر روزہ کھولنے کا امر ہے اور یہ امر استحباب کے لیے ہے۔ البتہ اکمل اور افضل کھجور کے ساتھ روزہ کھولنا ہے۔ حضرات علماء نے اس کے متعدد بیش قیمت فوائد بیان کیے ہیں جن کو ''زاد المعاد'' (50/2)

---

[1] سنن ابی داود: 2355- جامع الترمذی: 658- سنن ابن ماجہ: 1699- مسند احمد: 17/4- صحیح ابن خزیمۃ: 2067- صحیح ابن حبان: 3515- امام فریابی نے ''کتاب الصیام'' (63) میں اس حدیث کو صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وغیرہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

- کھجور نہ ملے تو پانی سے روزہ کھولا جائے۔ لہٰذا سنت کی اتباع پانی سے روزہ کھولنے میں ہے چاہے پانی کے ہوتے ہوئے کھجور کے علاوہ دیگر اشیاء بھی ہوں تب بھی سنت پانی سے روزہ کھولنا ہے۔
- پانی منہ اور بدن کو پاک کرنے والا ہے۔
- یہاں بھی آپ ﷺ نے حکم کو علت کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے۔
- اس حدیث میں ایسی چیزوں کے اختیار کرنے کا حکم ہے جو اوامر الٰہیہ اور احکامِ نبویہ کے امتثال میں معین و مددگار ثابت ہوں۔ اس کی دلیل فَإِنَّهُ طَهُوْرٌ کے الفاظ ہیں کہ یہ مذکورہ علت جی کو پانی کے ساتھ روزہ کھولنے پر آمادہ کرتی ہے۔

صومِ وصال کی ممانعت کا بیان

647- وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْوِصَالِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ: فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: ((وَأَيُّكُمْ مِثْلِيْ؟ إِنِّيْ أَبِيْتُ يُطْعِمُنِيْ رَبِّيْ وَيَسْقِيْنِيْ))، فَلَمَّا أَبَوْا أَنْ يَنْتَهُوْا عَنِ الْوِصَالِ وَاصَلَ بِهِمْ يَوْمًا، ثُمَّ يَوْمًا، ثُمَّ رَأَوُا الْهِلَالَ، فَقَالَ: ((لَوْ تَأَخَّرَ الْهِلَالُ لَزِدْتُكُمْ))، كَالْمُنَكِّلِ لَهُمْ حِيْنَ أَبَوْا أَنْ يَنْتَهُوْا)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (ہمیں صومِ) وصال سے منع فرمایا، اس پر مسلمانوں میں سے ایک صاحب عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! (آپ ﷺ ہمیں تو صومِ وصال سے منع فرماتے ہیں جبکہ) آپ ﷺ تو خود صومِ وصال رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بھلا تم میں سے کون میرے جیسا ہے، میں رات کو سوتا ہوں تو میرا رب، مجھے کھلا اور مجھے پلا دیتا ہے۔'' مگر جب لوگوں نے صومِ وصال سے رکنے سے انکار کر دیا تو آپ ﷺ نے انہیں ایک دن پھر ایک اور دن وصال کرنے کی اجازت دے دی، پھر ان لوگوں نے (شوال کا) چاند دیکھ لیا۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر چاند (ایک دن اور) ٹھہر کر نکلتا تو میں تمہیں مزید صومِ وصال رکھنے دیتا۔'' گویا کہ ان کے (وصال سے) رکنے پر انکار کرنے پر آپ ﷺ انہیں (صومِ وصال سے) روکنے والے تھے۔''[1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث :...... نَهَى: نہی یہ استعلاء کے طور پر دوسرے سے کسی چیز سے باز رہنے کے طلب کرنے کو کہتے ہیں اور اقرب یہ ہے کہ مذکورہ نہی کراہت کے لیے ہے نہ کہ تحریم کے لیے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

اَلْوِصَال: یہ وَاصَلَ يُوَاصِلُ (بابِ مفاعلہ) سے مصدر ہے۔ وصال کا لغوی معنی ہے ایک شے کا دوسری شے سے مل جانا۔ جبکہ اصطلاحِ شرع میں کچھ روز مسلسل روزے رکھنے کو وصال کہتے ہیں۔

فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! یعنی آپ ﷺ خود تو روزوں میں وصال فرماتے

[1] صحیح البخاری: 1965۔ صحیح مسلم: 1103.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں تب پھر ہمیں کیونکر منع فرماتے ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی صحابیٔ رسول حکم رسالت کے ماننے سے انکار کر دے، اس کا تصور بھی محال ہے۔ تب پھر اس جملہ کے دو معانی ہو سکتے ہیں:

(1) یا تو وہ صحابیٔ رسول ﷺ اس ممانعت کی حکمت جاننا چاہتے تھے۔

(2) یا پھر وہ یہ سمجھے تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا شفقت ورحمت کی بنا پر ہے۔

وَ اَیُّكُمْ مِثْلِیْ: نبی کریم ﷺ نے اس سوال کا ایسا جواب عنایت فرمایا جس نے فرق کھول کر عیاں کر دیا اور اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کھانے پینے کو چھوڑنے سے جو صبر وتحمل میرے اندر ہے، وہ بھلا تم لوگوں میں کہاں سے ہو سکتا ہے۔

اِنِّی اَبِیْتُ: اَلْبَیَاتُ یہ رات کے سونے کو کہتے ہیں۔

یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَ یُسْقِیْنِیْ: حضرت رسالت مآب ﷺ کا یہ ارشاد جناب ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کی طرح نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِo﴾ (الشعراء: 79) ''اور وہی جو مجھے کھلاتا ہے اور مجھے پلاتا ہے۔''

کیونکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس قول میں حسی کھانا پینا مراد ہے۔ جبکہ یہاں ارشاد نبوی میں حسی کھانا پینا مراد نہیں وگرنہ تو آپ ﷺ کے حق میں صومِ وصال کا معنی متحقق نہ ہو سکتا تھا اور تب پھر آپ ﷺ میں اور دوسرے لوگوں میں فرق ہی کیا باقی رہ جاتا؟ تب پھر یہ کون سا کھانا پینا مراد ہے؟ اس بارے علماء کے دو اقوال ہیں:

(1) اس سے جنت کا کھانا اور وہاں کا پانی مراد ہے جو دنیاوی کھانے پینے جیسا نہیں لہٰذا جنت کے کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ لیکن یہ قول محلِ نظر ہے۔ کیونکہ جنت کے کھانے اور مشروبات تو جنت میں داخل ہونے کے بعد ہی ملیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک موقع پر آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر دکھائے جانے والے جنتی انگوروں کے گچھے سے کچھ لینا چاہا تو آپ ﷺ کا ارادہ بدل گیا اور آپ ﷺ نے اسے ترک فرمایا۔

(2) دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے وہ غذا مراد ہے جو قلب میں قوت اور نفس میں صبر وتحمل پیدا کرتی ہے اور وہ ذکر الٰہی اور دعا وعبادت ہے کہ ان میں اشتغال سے حاجاتِ بدنیہ وحسیہ سے استغنا حاصل ہو جایا کرتا ہے۔

فَلَمَّا اَبَوْا اَنْ یَّنْتَهُوْا: اَبَوْا یہ امتناع کے معنی میں ہے اور مراد معصیتِ رسول نہیں۔ کیونکہ یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی تو تھے جو نبی کریم ﷺ کے حکم اور اشارۂ ابرو پر سب سے زیادہ قربان اور نچھاور ہونے والے تھے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ ان حضرات نے یہ سمجھا تھا کہ شاید آپ ﷺ کا صومِ وصال سے منع فرمانا شفقت کی بنا پر تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ کی یہ ممانعت امر تعبدی نہ تھی بلکہ شفقت ورحمت پر مبنی تھی۔ چنانچہ جب آپ ﷺ نے یہ دیکھا کہ یہ لوگ وصال سے رکنے والے نہیں تو:

وَاصَلَ بِهِمْ یَوْمًا ثُمَّ یَوْمًا: آپ ﷺ نے انہیں ایک دن اور اس کے بعد دوسرے دن کا وصال کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔

ثُمَّ رَاَوُا الْهِلَالَ: مراد شوال کا چاند ہے جس کے بعد وصال ممکن نہ تھا۔

لَوْ تَاَخَّرَ لَزِدْتُكُمْ: یعنی اگر اس دن بھی چاند نہ نکلتا تو آپ ﷺ انہیں ایک دن اور وصال کرنے دیتے۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ راوی حدیث اس کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کَالْمُنَكِّلِ لَهُمْ: مُنَكِّلٌ یہ تَنْكِيل سے صیغہ اسم فاعل ہے اور یہاں تنکیل سے مراد چھوڑ دینا اور ترک کرنا ہے۔ گویا کہ آپ ﷺ انہیں وصال کے ترک کر دینے کی دعوت دینے والے تھے۔ مراد یہ ہے کہ اگر چاند نہ نکلتا تو آپ ﷺ انہیں ایک اور دن وصال کرنے کے لیے چھوڑ دیتے تا کہ وہ لگا تار تین دن وصال کر کے اس فعل سے از خود متنفر ہو جاتے اور انہیں اس بات کا بخوبی ادراک ہو جاتا کہ آپ ﷺ نے انہیں شفقت و رحمت کی بنا پر وصال کرنے سے منع فرمایا تھا۔

مضمون حدیث :...... اس حدیث میں بنیادی طور پر یہ مسئلہ مذکور ہے کہ صومِ وصال ناپسندیدہ اور منع ہے کیونکہ اس سے نفس کو بے جا تکلیف پہنچتی ہے جو عبادت کے اشتغال اور سکون میں اضطرار پیدا کر کے اس میں خلل ڈالتا ہے اور دوسری اہم بات یہ بیان کی گئی ہے کہ ذکر و دعا سے عبادت میں لذت پیدا ہوتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- رب تعالیٰ کی عبادات میں آسانیاں پسندیدہ ہیں۔
- نبی کریم ﷺ نے امت پر شفقت کی بنا پر صومِ وصال سے منع فرمایا ہے۔
- نبی کریم ﷺ کا خود صومِ وصال فرمانا اس وجہ سے تھا کہ آپ ﷺ کا قلبِ مبارک ذکر الٰہی اور محبت الٰہی میں مستغرق رہنے کی وجہ سے اکل و شرب کی حاجاتِ بدنیہ سے مستغنی رہتا تھا اور یہ استغنا اور استغراق کا وہ درجہ ہے جو ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ اسی لیے آپ ﷺ خود تو وصال فرماتے تھے جبکہ امت کو یہ فرما کر اس سے منع فرما دیا کہ وَ اَيُّكُمْ مِثْلِيْ.
- صومِ وصال کی نہی تحریم کے لیے ہے یا کراہت یا ارشاد کے لیے ہے؟ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ اب جو علماء تحریم کے قائل ہیں ان کے دلائل یہ ہیں:

(1) نہی اصل میں تحریم کے لیے ہوتی ہے۔

(2) آپ ﷺ نے وصال کرنے والوں کو تنکیل کے طور پر اس کی اجازت مرحمت فرمائی تھی جو ایک طرح کی عقوبت ہوتی ہے اور عقوبت ہمیشہ حرام فعل پر ہوتی ہے اور نہی ہمیشہ فعل حرام کی تحریم بیان کرنے کے لیے آتی ہے۔

اور جو علماء کراہت کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ نہی تحریم کے لیے ہوتی تو آپ ﷺ انہیں وصال کرنے کی اجازت ہرگز نہ دیتے کیونکہ فعل محرم پر تمکین جائز نہیں۔ تب پھر یہ نہی کراہت کے لیے ہوگی نہ کہ تحریم کے لیے۔

جبکہ وہ علماء جو اس بات کے قائل ہیں کہ یہ نہی ارشاد کے لیے ہے ان کا استدلال حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فعل سے ہے کہ وہ حضرات اس ارشادِ نبوی سے یہ سمجھے تھے کہ آپ ﷺ نے ارشاد کے طور پر یہ ممانعت فرمائی ہے لہٰذا جو اپنے اندر وصال کی ہمت پائے وہ صومِ وصال رکھے اور جو اس کی ہمت نہ پائے وہ صومِ وصال نہ رکھے۔

لیکن اقرب یہ ہے کہ کم از کم یہ نہی کراہت کے لیے ہے گو کہ تحریم کا قول زیادہ قوی ہے۔

- معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تفصیل طلب کسی بات کو پوچھے بنا رہنے نہ دیتے تھے۔ بلاشبہ دین کی تکمیل کا یہ بھی ایک رستہ ہے۔
- معلوم ہوا کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کے چند خصائص ہیں جن میں امت کے دوسرے افراد شریک نہیں۔
- اور یہ کہ جو حکم آپ ﷺ کے لیے ثابت ہے، وہ امت کے لیے بھی ثابت ہے الا یہ کہ تخصیص کی کوئی دلیل ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ نبی کریم ﷺ کا حسن اخلاق کہ آپ ﷺ نے بڑے صبر سے سوال سنا اور اس کا تسلی بخش جواب عنایت فرمایا۔

روزہ کی مشروعیت کی حکمت

648۔ وَعَنْهُ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ((مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ، وَالْجَهْلَ، فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ)).

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ، وَاللَّفْظُ لَهُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو شخص (روزہ رکھ کر بھی) جھوٹی بات، اس پر عمل اور نادانی کی بات کو نہیں چھوڑتا تو رب تعالیٰ کو اس کے کھانے اور پینے کے ترک کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔'' [1]

اس حدیث کو امام بخاری اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اور یہ لفظ سنن ابی داؤد کی روایت کے ہیں۔

غریب الحدیث :......مَنْ لَّمْ يَدَعْ: مذکورہ مَنْ شرطیہ ہے لہٰذا یہ جملہ شرطیہ ہوگا۔ یہاں يَدَعْ فعل پر دو جازم اکٹھے ہو گئے ہیں:

(1) ایک مَنْ شرطیہ جو فعل مضارع کو جزم دیتا ہے اور (2) دوسرا لَمْ جازمہ کہ یہ بھی فعل مضارع کو جزم دیتا ہے۔ اب قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی معمول پر دو عامل جمع ہو جائیں تو عمل کا استحقاق اس عامل کا ہوتا ہے جو معمول کے مباشر ہو جبکہ دوسرا عامل محل میں عمل کرتا ہے نہ کہ لفظوں میں اور یہاں عامل مباشر لَمْ جازمہ ہے لہٰذا يَدَعْ کا جزم اسی لَمْ کی وجہ سے ہوگا۔ جبکہ مَنْ شرطیہ محل میں عامل ہوگا نہ کہ لفظوں میں۔

فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ: یہ جواب شرط ہے۔ لہٰذا مذکورہ فَا جزائیہ اور یہ جملہ جزائیہ ہوگا اور لفظ حَاجَةٌ فعل ناقص لَيْسَ کا اسم ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور حَاجَةٌ کا لفظ یہاں ارادہ کے معنی میں ہے۔ یعنی رب تعالیٰ نے صرف اس بات کا ارادہ نہیں کیا کہ روزہ دار کھانا پینا وغیرہ چھوڑ دے بلکہ اس بات کا ارادہ کیا ہے کہ روزہ دار ان تین باتوں کو بھی روزہ کے دوران چھوڑے رکھے۔

فِي اَنْ يَدَعَ: مذکورہ اَنْ ناصبہ ہے جو فعل مضارع کو نصب دے کر اسے مصدر کی تاویل میں کر دیتا ہے اور يَدَعَ یہ وَدَعَ يَدَعُ وَدْعًا سے فعل مضارع ہے جس کا معنی ہے ترک کرنا۔

قَوْلَ الزُّوْرَ: زُوْر یہ ہر اس بات کو کہتے ہیں جو حق سے ہٹی ہو۔ کیونکہ زُوْر یہ اَلْاِزْوِرَارُ سے مشتق ہے جس کا معنی انحراف ہے۔ لہٰذا غیبت، گالی، جھوٹ، تہمت اور بدکلامی وغیرہ میں سے ہر بات قولِ زور کی تعریف میں داخل ہوگی کیونکہ یہ سب باتیں حق سے منحرف ہیں۔ یاد رہے کہ شہادتِ زُور بدرجہ اولیٰ قولِ زُور میں داخل ہے۔

اَلْعَمَلَ بِهِ: قول زور پر عمل یہ ہر حرام کام کو کرنا ہے، لہٰذا ملاوٹ، رشوت، سود، غصب، چوری، لوٹ مار، بدنظری، بدکاری، حرام موسیقی کا سننا، لڑائی جھگڑا وغیرہ سب باتیں زُور پر عمل کرنے میں داخل ہیں۔

اَلْجَهْلَ: اس سے مراد لاعلمی نہیں بلکہ مراد نادانی وحماقت ہے اور یہ ایسی بات کو کہتے ہیں جس کے قائل کو احمق، نالائق، نادان یا بیوقوف کہا جاتا ہے البتہ ایسی بات حرام نہیں ہوتی۔ غرض ناموزوں، بے محل اور ناآہنگ الفاظ کو جہل کہا جائے گا۔

---

[1] صحیح البخاری: 1903۔ سنن ابی داود: 2362.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں اس بات پر نص ہے کہ جو روزہ رکھ کر نا جائز باتوں، حرام کاموں اور ناشائستہ اور خلافِ مروت باتوں اور کاموں کو ترک نہیں کرتا اللہ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ روزہ صرف کھانے پینے سے رکنے کا نام نہیں بلکہ ہر ناجائز اور ناشائستہ قول و فعل سے رکنے کا نام روزہ ہے اور دراصل روزہ مشروع کرنے کی حکمت بھی یہی ہے۔ اسی لیے رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرة: 183)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزہ رکھنا لکھ دیا گیا ہے، جیسے ان لوگوں پر لکھا گیا جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم بچ جاؤ۔''

لہٰذا جو رمضان کے ایک پورے ماہ تک ان باتوں سے مجتنب رہے گا وہ بعد کے دنوں میں بھی ان باتوں سے گریزاں رہے گا اور یہی روزہ کی مشروعیت کی حکمت ہے۔

◈ رہی غیبت تو اس سے روزہ باطل ہونے یا نہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ لیکن جمہور علماء کے نزدیک غیبت اور جھوٹ وغیرہ سے روزہ تو نہیں ٹوٹتا۔ البتہ روزہ کی حالت میں ان حرام کاموں کی حرمت میں اور زیادہ شدت ضرور آجاتی ہے اور یہی امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے۔ [1] پس یہ مذکورہ ممنوعہ باتیں روزہ کی حکمتِ شرعیہ کے منافی ضرور ہیں البتہ مبطلِ صیام نہیں۔ یہی صحیح اور راجح قول ہے۔

◈ رب تعالیٰ کے لیے حاجۃ کا اثبات احتیاج کے معنی میں نہیں۔ کیونکہ رب تعالیٰ کائنات کی ہر شے سے غنی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ (آل عمران: 97)

''اور جس نے کفر کیا تو بے شک اللہ تمام جہانوں سے بہت بے پرواہ ہے۔''

ہاں یہ لفظ یہاں ارادہ کے معنی میں ہے جس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔

◈ معلوم ہوا کہ شریعت نے احکام فرض کرنے میں حکمت کو ملحوظ رکھا ہے۔ جیسے روزہ کی مشروعیت کی حکمت ان ناجائز باتوں اور کاموں کو ترک کرنا ہے روزہ کی دیگر حکمتیں اور فوائد ''كِتَابُ الصِّيَامِ'' کی تمہید میں بیان کر دیے گئے ہیں۔

روزہ کی حالت میں بیوی کو بوسہ دینے کا حکم

649- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ، وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ وَلَكِنَّهُ كَانَ أَمْلَكَكُمْ لِإِرْبِهِ)).

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ روزہ کی حالت میں ہوتے ہوئے بھی (میرا) بوسہ لے لیا کرتے تھے اور روزہ کی حالت میں ہونے کے باوجود بھی (مجھے) ہم آغوش کر لیا کرتے تھے البتہ نبی کریم ﷺ اپنی خواہشِ (نفس) پر تم سب سے زیادہ ضبط کرنے والے تھے۔ [2]

---

[1] الفروع: 48/3۔ المبدع: 42/3. [2] صحیح البخاري: 1927۔ صحیح مسلم: 1106.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ، یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں۔

وَزَادَ فِي رِوَايَةٍ: ((فِي رَمَضَانَ))، وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ. اور ایک روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں: (آپ ﷺ) رمضان (کے روزوں) میں (بھی ایسا کرلیا کرتے تھے)۔

غریب الحدیث: ......**يُقَبِّلُ**: یعنی روزہ کی حالت میں اور وہ بھی رمضان کے فرض روزہ کی حالت میں آپ ﷺ اپنی اہلیہ اور زوجۂ مطہرہ رضی اللہ عنہا کو بوسہ دیا کرتے تھے۔

وَهُوَ صَائِمٌ: یہ جملہ حالیہ ہے اور یہ **يُقَبِّلُ** کی ضمیر فاعل سے حال ہے اور یہاں روزہ سے فرض اور نفل دونوں روزے مراد ہیں کہ جب ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ رمضان کے فرض روزہ میں بوسہ دیا کرتے تھے تو نفل روزہ میں تو بدرجۂ اولیٰ دے لیا کرتے ہوں گے۔

يُبَاشِرُ: مباشرت از دواجی تعلقات قائم کرنے کے علاوہ کو کہتے ہیں۔

لِإِرْبِهِ: اِرْب اس کے اعراب کو دو طرح پڑھا گیا ہے:

(1) الف کے کسرہ اور را کے سکون کے ساتھ یعنی اِرْب یہ عضو تناسل کو کہتے ہیں۔

(2) الف اور را دونوں کے فتح کے ساتھ یعنی اَرَبٌ یہ جماع کی خواہش کو کہتے ہیں اور مآل کار دونوں الفاظ کی مراد یہاں ایک ہے۔ وہ یہ کہ آپ ﷺ کو اپنی جماع کی خواہش پر بے حد ضبط تھا۔ مذکورہ جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ روزہ کی حالت میں ازواجِ مطہرات کو بوسہ دینے سے آپ ﷺ جنبی نہ ہوتے تھے اور یہ جملہ گزشتہ مذکورہ امر کی تعلیل کا بیان ہے۔

فِي رَمَضَانَ: دوسری روایت میں مذکوران زائد الفاظ سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ یہ امر یعنی روزہ کی حالت میں بیوی کو بوسہ دینا اور اس کا جواز فرض اور نفل دونوں روزوں کو عام ہے۔

مضمونِ حدیث: ......سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہاں ایک ایسے مخفی امر کی خبر دے رہی ہیں جس پر صرف اور صرف ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہی مطلع ہو سکتی تھیں اور وہ یہ کہ آپ ﷺ روزہ کی حالت میں اپنی ازواجِ مطہرات کو بوسہ دے لیا کرتے تھے اور ان سے ہم آغوش بھی ہو جایا کرتے تھے جو روزہ کی حالت میں بیوی سے بوس و کنار کرنے کے جواز کی دلیل ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- بوسہ دینے سے شہوت میں تحریک ناگزیر ہے اور ہم آغوش ہونا بوسہ دینے سے زیادہ شہوت انگیخت ہے، جس سے معلوم ہوا کہ دواعیٔ شہوت مبطلِ صیام نہیں۔ مبطل ''جماع'' ہے یا انزال کا ہو جانا ہے۔
- معلوم ہوا کہ جسے اپنی شہوت پر ضبط نہ ہو اس کے لیے روزہ کی حالت میں ان امور سے اجتناب بہتر ہے اور جسے انزال ہو جانے یا جماع کر بیٹھنے کا قوی اندیشہ ہے، اس پر ان باتوں سے رکنا واجب ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے گویا کہ وہ اپنے روزہ کو خطرے میں ڈال رہا ہے۔ البتہ یہ حکم فرض روزہ کا ہے نہ کہ نفلی روزہ کا کیونکہ آدمی نفلی روزہ کو عمداً بھی قطع کر سکتا ہے۔ اگرچہ نفلی روزہ میں بھی ان امور سے اجتناب اولیٰ ہے لیکن واجب نہیں لہٰذا اگر کسی کو نفلی روزہ کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ بھی ہو تب بھی وہ بیوی سے بوس و کنار کر سکتا ہے۔
- اسی طرح اگر فرض روزہ ایسے حال میں رکھے جس میں وہ فرض روزہ اسے لازم نہ ہو جیسے حالتِ سفر میں فرض روزہ رکھا تو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسے روزہ میں بھی آدمی روزہ ٹوٹ جانے کے اندیشہ کے باوجود بیوی سے بوس و کنار اور ہم آغوشی کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے لیے سفر کا روزہ کھول کر رمضان کے دن میں بھی یہ امورِ مباح ہیں۔

- اظہارِ حق کے لیے قابل حیا باتوں کا برملا اظہار جائز ہے۔
- مذکورہ حکم جوان اور بوڑھے دونوں کے حق میں یکساں ہے۔
- اس بات پر مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے کہ بوس و کنار کرنے سے اگر انزال ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور یہی مذہب اور راجح قول ہے جبکہ شافعیہ نے اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے۔ [1] البتہ مذی نکلنا روزے کے حق میں مضر نہیں۔

روزہ دار کے پچھنے لگوانے کا حکم

650- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ، وَاحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ)).

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے (ایک مرتبہ) حالتِ احرام میں پچھنے لگوائے اور (ایک مرتبہ) روزہ کی حالت میں پچھنے لگوائے۔ [2]

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ......اِحْتَجَمَ: یہ بابِ اِفْتِعَال سے ہے جس میں طلب کا معنی پایا جاتا ہے لہٰذا یہ احتمال بھی ہے کہ آپ ﷺ نے پچھنے لگوانے والے کو طلب فرمایا ہو اور اِحْتَجَمَ یہ حِجَامَةٌ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے پچھنے لگوانا۔ یہ معروف طریقہ سے بدن سے زائد اور فاسد خون نکلوانے کو کہتے ہیں۔ یہ طریقہ سب کے ہاں معروف ہے۔ چنانچہ پچھنے لگوانے کی جگہ کو زخمی کر کے ایک نالی دار چھوٹے برتن کو اس جگہ رکھ کر فاسد خون نکالتے ہیں۔ پچھنے لگوانے کا دستور دورِ نبوی میں بھی رائج تھا اور آج تک لوگوں میں اس کا چلن باقی ہے۔ جو لوگ اس کے عادی ہوتے ہیں انہیں پچھنے لگوانے سے بیماری سے آرام آ جاتا ہے۔

وَ هُوَ صَائِمٌ: یہ جملہ حالیہ ہے اور یہ اِحْتَجَمَ کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔ یہاں روزہ کا ذکر مطلق ہے لہٰذا یہ قصہ رمضان کا بھی ہو سکتا ہے اور غیر رمضان کا بھی ہو سکتا ہے۔

وَ هُوَ مُحْرِمٌ: یہ بھی جملہ حالیہ ہے اور اِحْتَجَمَ کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔ یہ احرام بھی رمضان کا بھی ہو سکتا ہے اور غیر رمضان کا بھی۔ چنانچہ روایات کے مطابق آپ ﷺ نے عمرۃ الحدیبیہ، عمرۃ القضا اور عمرۂ جعرانہ کے احرام ذی قعدہ میں باندھے تھے جو غیر رمضان تھا۔ اس تفصیل سے یہ تو واضح ہو گیا کہ آپ ﷺ غیر رمضان میں محرم تھے۔ لیکن آیا وَ هُوَ صَائِمٌ کا جملہ رمضان کے ساتھ مقید ہے یا نہیں؟ تو اس بابت واقع یہ ہے کہ یہ دو الگ الگ جملے ہیں کہ ایک میں حالتِ احرام میں پچھنے لگوانے کا ذکر ہے اور ایک میں روزہ کی حالت میں پچھنے لگوانے کا ذکر ہے۔ لہٰذا بعض روایات میں وارد یہ الفاظ کہ اِحْتَجَمَ وَ هُوَ صَائِمٌ مُحْرِمٌ [3] صحیح نہیں ہیں کہ جب آپ ﷺ نے پچھنے لگوائے تھے تو آپ ﷺ محرم بھی تھے اور روزہ سے بھی تھے۔ کیونکہ آپ ﷺ روزہ کی حالت میں احرام کے ساتھ کبھی بھی نہیں رہے۔ لہٰذا اس حدیث میں دراصل دو الگ واقعات ہیں: (1) حالتِ احرام میں پچھنے لگوانا (2) اور دوسرا حالتِ صیام میں پچھنے لگوانا۔

---

[1] امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (333/6) میں "الحاوی" سے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے۔

[2] صحیح البخاری: 1938.

[3] سنن ابی داود: 2373- السنن الکبری للنسائی: 3228.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون حدیث: ......اس حدیث میں ایک بنیادی مسئلہ مذکور ہے، وہ یہ کہ حالتِ احرام میں اور حالتِ صیام میں پچھنے لگوانا جائز ہے باوجودیکہ اس عمل میں زخم لگانے کی جگہ کے بال مونڈے جاتے ہیں اور بعد میں بدن سے خون بھی نکلتا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- محرم پچھنے لگوا سکتا ہے اور اس میں وہ بقدر ضرورت سر کے بال بھی منڈوا سکتا ہے کیونکہ پچھنے لگوانے میں زخم کی جگہ کے بال مونڈنے لازم ہیں اور ملزوم کا جواز لازم کے جواز کو مستلزم ہے۔
- یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اتنے بال مونڈنے کا کوئی فدیہ نہیں اور یہ فدیہ کا ضرورت کی بنا پر اسقاط نہیں کیونکہ رب تعالیٰ نے اذیت میں سر مونڈنے پر فدیہ واجب فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ﴾ (البقرة: 196)

''پھر تم میں سے جو بیمار ہو، یا اسے اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو فدیہ ہے۔''

- روزہ دار بھی پچھنے لگوا سکتا ہے۔ اس کی دلیل وَ هُوَ صَائِمٌ کے الفاظ ہیں اور اس سے روزہ بھی نہیں ٹوٹتا۔ یہی اکثر علماء کا قول ہے کیونکہ نہ تو یہ اکل و شرب ہے اور نہ جماع ہی ہے اور رہا یہ احتمال کہ ہوسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بعد میں روزہ کی قضائی دی ہو؟ تو یہ شک اور احتمال صحیح نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو روایات میں ضرور منقول ہوتا۔

651- وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَتَى عَلَى رَجُلٍ بِالْبَقِيعِ وَهُوَ يَحْتَجِمُ فِي رَمَضَانَ، فَقَالَ: ((أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ)).

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ، وَصَحَّحَهُ أَحْمَدُ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ.

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ بقیع میں ایک آدمی کے پاس تشریف لے گئے جبکہ وہ رمضان میں پچھنے لگوا رہا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: ''پچھنے لگانے والا اور لگوانے والا دونوں روزہ کھول لیں۔'' ❶

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے سوائے امام ترمذی رحمہ اللہ کے۔ جبکہ امام احمد، امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان رحمہم اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث: ......بِالْبَقِيعِ: بقیع سے مراد ارد گرد اور آس پاس کی جگہ ہے نہ کہ خاص قبرستان بقیع کی جگہ مراد ہے۔ بقیع اہل مدینہ کا معروف قبرستان ہے۔

بظاہر یہاں خاص قبرستان اس لیے مراد نہیں کیونکہ پچھنے لگوانے سے قبروں کے خون سے آلودہ ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ غرض یہ صاحب خاص قبرستان کے اندر تھے یا باہر نفس مسئلہ سے اس پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَ الْمَحْجُومُ: حَاجِم اسم فاعل کا صیغہ ہے اور مَحْجُوْمٌ اسم مفعول کا صیغہ ہے۔

أَفْطَرَ: یعنی ان دونوں کے لیے روزہ کھولنا حلال ہو گیا۔ اب آیا اس حدیث سے یہی مفہوم مراد ہے؟ تو یاد رہے کہ یہاں یہ مراد نہیں کہ حکماً دونوں کا روزہ کھولنا حلال ہو گیا کیونکہ اب دونوں کا روزہ فاسد ہو گیا ہے لہٰذا یہ روزہ کھول سکتے ہیں۔

---

❶ سنن ابی داود: 2369- السنن الکبری للنسائی: 3138- سنن ابن ماجه: 6181- مسند احمد: 122/4- صحیح ابن خزیمة: 1962- صحیح ابن حبان: 3533- امام نووی رحمہ اللہ ''المجموع'' (364/6) میں فرماتے ہیں: اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سچھنے لگوا کر روزہ کھولنے کا حکم

اب اس حدیث میں دونوں کو روزہ کھولنے کی اجازت مذکور ہے جو سچھنے لگوانے والے کے حق میں تو معقول ہے تاکہ اخراج دم سے اس کے بدن میں پیدا ہونے والے ضعف کی تلافی کی جا سکے۔ لیکن سچھنے لگانے والے کے حق میں یہ حکم معقول نہیں۔ پھر اگر تو سچھنے لگوانے والا اس بات کا اس قدر عادی ہو کہ اسے غروبِ آفتاب تک انتظار از حد دشوار ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی موت کا باعث ہو تو اسے سچھنے لگوانے کی اور بعد میں کھانے پینے کی اجازت ہو گی وگرنہ اسے غروبِ آفتاب تک انتظار کرنے کو کہا جائے گا۔

یہ حکم فرض روزہ کا ہے۔ رہا نفلی روزہ تو وہ دن میں بھی سچھنے لگوا کر بعد میں کھا پی سکتا ہے گو نہ لگوانے سے اسے ضرر نہ بھی ہو۔

یہ تو حکم اور حکمت تو سچھنے لگوانے والے کے حق میں۔ رہا لگانے والا تو اس کے حق میں اس حکم کی حکمت از حد مخفی ہے۔ اسی لیے بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ حاجم تو روزہ نہ کھولے گا البتہ مجوم روزہ کھولے گا۔ لیکن یہ قول بے حد ضعیف ہے کیونکہ یہ نص کے متصادم ہے۔ کیونکہ اس میں بعض نص کو لینا اور بعض کو چھوڑنا ہے۔ بعض کا قول یہ ہے کہ مجوم کے حق میں تو حکم مذکور کی حکمت ظاہر ہے جبکہ حاجم کے حق میں تعبدی ہے۔ لہٰذا جو حکم نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے، ہم بھی وہی حکم لگائیں گے گو ہمیں اس کی حکمت و علت کا ادراک نہ بھی ہو کہ امورِ تعبدیہ کی یہی شان ہوتی ہے۔ وہاں صرف تسلیم و انقیاد اور امتثال و طاعت ہی ہوتی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے دونوں کے حق میں علت کو ظاہر ہی قرار دیا ہے۔ ❶ مجوم کے حق میں حکمتِ ظاہریہ کا بیان ہو چکا۔ جبکہ حاجم کے حق میں یہ علت ہے کہ بسا اوقات خون اس قدر تیزی، فور اور شدت کے ساتھ نکلتا ہے کہ حلق میں جا اترتا ہے۔ لہٰذا یہاں گمان کو یقین کے درجہ میں قرار دیا گیا ہے یعنی "مظنہ کو مَئِنّہ" ❷ کا درجہ دے دیا گیا ہے۔

غرض شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں کے حق میں علت معقول ہے۔ تب پھر اگر کسی نے اس طریقہ کے علاوہ کسی دوسرے طریقہ سے یعنی کسی ایسے آلہ کے ذریعے سچھنے لگوائے جس میں حاجم خون کو چوستا نہ ہو بلکہ خون وہ آلہ نکالتا اور چوستا ہو تو حاجم کا روزہ فاسد نہ ہو گا۔ کیونکہ یہاں علت معقول ہے۔ لہٰذا حکم کا مدار بھی علت کے عدم اور وجود پر ہی ہو گا۔ جبکہ حنابلہ کے مشہور مذہب میں یہاں علت دونوں میں غیر معقول ہے۔ تب پھر یہ کل تین مذاہب ہو گئے، جو یہ ہیں:

(1) سچھنے لگوانے پر حاجم اور مجوم دونوں کے روزہ کے فاسد ہونے کی علت معقول ہے۔ یہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

(2) دونوں کے حق میں علت غیر معقول ہے۔ یہ حنابلہ کا مشہور مذہب ہے۔ یہ دونوں اقوال ایک دوسرے کے متقابل ہیں۔

(3) جبکہ تیسرا قول یہ ہے کہ فسادِ صوم کی علت مجوم کے حق میں تو معقول ہے جبکہ حاجم کے حق میں تعبدی ہے۔

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ سچھنے لگوانے سے حاجم اور مجوم دونوں کا روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ لہٰذا دونوں روزہ کھول سکتے ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ سچھنے لگوانا روزہ فاسد کر دیتا ہے، اس بارے علماء کے اقوال کو مفصل ذکر کر دیا گیا ہے۔

---

❶ دیکھیں: الفتاوی: 528/20.

❷ فقہاء کے اس قول کو "المظنة بمنزلة المئنة" کا مطلب یہ ہے کہ محل ظن کو یقین کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ (دیکھیں: حاشية البجيرمي: 88/2- التقرير و التحبير: 194/3- فتح الباري: 235/4).

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ رہی گزشتہ مذکورہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما جس میں روزہ کی حالت میں پچھنے لگوانے کا ذکر ہے جس سے بظاہر یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا تو امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ اس میں ایک راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے میں متفرد ہے اور دوسروں نے اس کی مخالفت کی ہے اور نقلِ حدیث میں یہ مخالفت ثقات کی مخالفت ہے۔ لہٰذا حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کو شاذ کہیں گے جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اس باب میں اصح ترین روایت قرار دیا ہے۔ حتیٰ کہ بعض علماء نے اس حدیث کو متواترات میں شمار کیا ہے۔ اسی لیے امام احمد رحمہ اللہ نے حدیث ابن عباس کو وہم جبکہ بعض نے اس حدیث کو حدیث شداد رضی اللہ عنہ کی وجہ سے منسوخ کہا ہے۔ کیونکہ حدیث شداد رضی اللہ عنہ سنہ 8 ہجری کی ہے۔ جبکہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما عمرۂ حدیبیہ یا عمرۂ قضا کی ہے جو بہر حال سنہ 8 ہجری سے پہلے کی ہے۔ لہٰذا تواریخ کی یہ تعیین نسخ کو متعین کرتی ہے۔ پس حضرات فقہائے حدیث جیسے امام احمد، امام ابن منذر، ابن خزیمہ اور ظاہریہ کا مذہب یہی ہے کہ حجامت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ یہی ارجح قول بھی ہے اور نظر و قیاس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے۔

652۔ وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: أَوَّلُ مَا كُرِهَتِ الْحِجَامَةُ لِلصَّائِمِ: أَنَّ جَعْفَرَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ احْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ، فَمَرَّ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: ((أَفْطَرَ هٰذَانِ)) ثُمَّ رَخَّصَ النَّبِيُّ ﷺ بَعْدُ فِي الْحِجَامَةِ لِلصَّائِمِ، وَكَانَ أَنَسٌ يَحْتَجِمُ وَهُوَ صَائِمٌ.

رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَقَوَّاهُ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ روزہ دار کے لیے پچھنے لگوانے کی کراہت کی ابتداء یوں ہوئی کہ (ایک مرتبہ) حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ روزہ کی حالت میں پچھنے لگوا رہے تھے کہ اتنے میں نبی کریم ﷺ ان کے پاس سے گزرے۔ تو آپ ﷺ نے (انہیں پچھنے لگواتے دیکھ کر) ارشاد فرمایا: ''ان دونوں کا روزہ فاسد ہو گیا۔'' پھر اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے روزہ دار کو پچھنے لگوانے کی رخصت عنایت فرمائی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ روزہ کی حالت میں پچھنے لگوالیا کرتے تھے۔'' ❶

اس حدیث کو امام دارقطنی نے روایت کر کے اسے قوی حدیث کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... اَوَّلُ: یہ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔

مَا: یہ مصدر یہ ہے جو مابعد کے جملہ کو مصدر کی تاویل میں کر کے اول کا مضاف الیہ بنا رہا ہے۔

کُرِهَتْ: لفظ کراہت جب لسانِ شارع سے صادر ہو تو مراد تحریم ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا .... كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا﴾ (الاسراء: 23-38)

❶ سنن الدار قطنی: 182/2۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں: اس حدیث کے سب رواۃ ثقہ ہیں: میں ان میں سے کسی میں کوئی علت نہیں جانتا۔ امام احمد فرماتے ہیں: خالد بن مخلد منکر احادیث روایت کیا کرتا تھا۔ یہ بات ابن جوزی نے "التحقیق" (94/2) میں بیان کی ہے۔ صاحب "التنقیح" کہتے ہیں یہ حدیث منکر ہے، اس سے استدلال درست نہیں کیونکہ یہ متن اور اسناد دونوں اعتبار سے شاذ ہے اور بھلا یہ حدیث شذوذ اور علت سے سالم اور صحیح ہو کیونکر سکتی ہے جبکہ اصحاب کتب ستہ میں سے اسے کسی ایک نے بھی روایت نہیں کیا اور نہ یہ حدیث مشہور کتب حدیث میں اور نہ معروف مسانید میں ہی ملتی ہے۔ حالانکہ لوگ پچھنے لگوانے کے شدید محتاج بھی ہیں۔ سو اس حدیث کو اس دنیا میں سوائے امام دارقطنی کے اور کسی نے روایت نہیں کیا..... آگے خالد بن مخلد کی شدید مذمت بیان کی گئی ہے اور اس کے بارے میں ائمہ کا جو کلام ہے اسے نقل کیا ہے۔ (دیکھیں نصب الرایة للزیلعی: 480/2)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر کبھی تیرے پاس دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ ہی جائیں تو ان دونوں کو ''اف'' مت کہہ اور نہ انھیں جھڑک اور ان سے بہت کرم والی بات کہہ۔ اور رحم دلی سے ان کے لیے تواضع کا بازو جھکا دے اور کہہ اے میرے رب! ان دونوں پر رحم کر جیسے انھوں نے چھوٹا ہونے کی حالت میں مجھے پالا۔ تمھارا رب زیادہ جاننے والا ہے جو تمھارے دلوں میں ہے۔ اگر تم نیک ہو گے تو یقیناً وہ بار بار رجوع کرنے والوں کے لیے ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا ہے۔ اور رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو اور مت بے جا خرچ کر، بے جا خرچ کرنا۔ بے شک بے جا خرچ کرنے والے ہمیشہ سے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان ہمیشہ سے اپنے رب کا بہت ناشکرا ہے۔ اور اگر کبھی تو ان سے بے توجہی کر ہی لے، اپنے رب کی کسی رحمت کی تلاش کی وجہ سے، جس کی تو امید رکھتا ہو تو ان سے وہ بات کہہ جس میں آسانی ہو۔ اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا کر لے اور نہ اسے کھول دے، پورا کھول دینا، ورنہ ملامت کیا ہوا، تھکا ہارا ہو کر بیٹھ رہے گا۔ بے شک تیرا رب رزق فراخ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے، بے شک وہ ہمیشہ سے اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔ اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم ہی انھیں رزق دیتے ہیں اور تمھیں بھی۔ بے شک ان کا قتل ہمیشہ سے بہت بڑا گناہ ہے۔ اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بے شک وہ ہمیشہ سے بڑی بے حیائی ہے اور برا راستہ اور اس جان کو قتل مت کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور جو شخص قتل کر دیا جائے، اس حال میں کہ مظلوم ہو تو یقیناً ہم نے اس کے ولی کے لیے پورا غلبہ رکھا ہے۔ پس وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے، یقیناً وہ مدد دیا ہوا ہوا اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، مگر اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور عہد کو پورا کرو، بے شک عہد کا سوال ہوگا۔ اور ماپ کو پورا کرو، جب ماپو اور سیدھی ترازو کے ساتھ وزن کرو۔ یہ بہترین ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت زیادہ اچھا ہے۔ اور اس چیز کا پیچھا نہ کر جس کا تجھے کوئی علم نہیں۔ بے شک کان اور آنکھ اور دل، ان میں سے ہر ایک، اس کے متعلق سوال ہوگا۔ یہ سب کام، ان کا برا تیرے رب کے ہاں ہمیشہ سے ناپسندیدہ ہے۔''

کہ یہاں کراہت سے مراد قطعی حرمت ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں ارشاد ہے: إِنَّ اللّٰهَ كَرِهَ لَكُمْ وَأْدَ الْبَنَاتِ. ❶ ''بے شک رب تعالیٰ نے تم لوگوں کے لیے بیٹیوں کو زندہ درگور کر دینا حرام قرار دیا ہے۔'' کہ یہاں بھی کراہت سے مراد تحریم اور جب یہ لفظ حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد تحریم اور اباحت کے درمیان کا ایک درجہ ہوتا ہے۔

أَنَّ: یہ ناصبہ ہے اور مابعد مذکورہ اسم اور خبر کو مفرد کی تاویل میں کر دیتا ہے۔ لہٰذا یہاں أَنَّ کا مابعد جملہ خبر یہ مفرد کی تاویل میں ہو کر مبتدا کی خبر بن رہا ہے۔

جَعْفَرُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ: یہ أَنَّ کا اسم ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جناب علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی ہیں لیکن رتبہ و مرتبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے آگے ہیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سبقت اسلام کا مؤقر اعزاز بھی حاصل ہے اور وہ بالاتفاق

❶ صحیح مسلم: 593.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امت مسلمہ کے چوتھے خلیفۂ راشد بھی ہیں۔ اِحْتَجَمَ: یہ اَنَّ کی خبر ہے۔

وَ هُوَ صَائِمٌ: یہ جملہ حالیہ ہے جو اِحْتَجَمَ کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔

اَفْطَرَ هٰذَانِ: اس اسم اشارہ کا مشار الیہ حاجم اور محجوم ہیں۔ اگر چہ یہ واقعہ قضیہ شخصیہ ہے لیکن اس کا حکم سب کے لیے عام ہے۔ دوسرے حجامت کے اس حکم میں جناب جعفر بن ابی طالب کی تخصیص کی کوئی معقول وجہ بھی تو نہیں اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔

ثُمَّ رَخَّصَ النَّبِيُّ ﷺ...... : اور ایک روایت میں اِنَّمَا کُرِهَتْ مِنْ اَجْلِ الضَّعْفِ. ❶ ''بے شک اس کو (روزہ دار کے) کمزور ہو جانے کی وجہ سے حرام قرار دیا تھا۔'' کے الفاظ ہیں۔

اب نبی کریم ﷺ نے بعد میں روزہ دار کو پچھنے لگوانے کی اجازت دے دی تھی اور یہ کہ یہ کراہت روزہ دار کے کمزور ہو جانے کی بنا پر تھی۔ اب جب اس کراہت کی وجہ ضعف تھا اور یہ بات معروف ہے کہ ضعف زائل نہیں ہوتا اور جس چیز کا حکم ایسے امر پر معلق ہو جو زائل نہیں ہوتا، اس کا نسخ تب ہی جائز ہوتا ہے جب وہ علت زائل ہو جس کی بنا پر وہ حکم مشروع ہوا تھا۔

وَ كَانَ اَنَسٌ رضی اللہ عنہ يَحْتَجِمُ وَ هُوَ صَائِمٌ: اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو اس مسئلہ کی بابت یہ قول فیصلہ کن تھا کہ روزہ دار اگر روزہ میں پچھنے لگواتا ہے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ (جیسا کہ تخریج میں اس کو مفصل بیان کیا گیا ہے۔)

مضمون حدیث :......حدیث کے صحیح ہونے کی شرط پر اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ پہلے آپ ﷺ یہ حکم فرماتے تھے کہ پچھنے لگانے سے حاجم اور محجوم دونوں کا روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ لیکن بعد میں آپ ﷺ نے اس کی رخصت عنایت فرما دی اور ارشاد فرما دیا کہ وہ ممانعت و کراہت روزہ دار کے کمزور ہو جانے کی بنا پر تھی۔ اسی لیے حضرت انس رضی اللہ عنہ روزہ کی حالت میں پچھنے لگوا لیا کرتے تھے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ نبی کریم ﷺ نے حاجم اور محجوم کو دیکھ کر یہ ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کا روزہ جاتا رہا۔ اب یہ بات معلوم ہے کہ وہ دونوں حضرات اس کا حکم نہ جانتے تھے کیونکہ اگر وہ جانتے ہوتے تو کبھی اس کا ارتکاب نہ کرتے، تب پھر نبی کریم ﷺ نے یہ کیونکر فرما دیا کہ ان دونوں کا روزہ جاتا رہا۔ کیونکہ یہ قاعدہ معروف ہے کہ جہل کے طور پر کیا جانے والا فعل غیر موثر ہوتا ہے۔ اب اگر تو یہ کہیں کہ وہ دونوں حضرات مسئلہ جانتے تھے تو یہ امر بعید ہے کہ انہوں نے جاننے کے باوجود ایسا کیا تھا اور اگر وہ نہیں جانتے تھے تو نبی کریم ﷺ نے یہ کیونکر فرمایا کہ ان دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا کیونکہ جہالت حکم میں موثر نہیں ہوتی۔ تب پھر اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ ''ان دونوں کا روزہ جاتا رہا۔'' یہ اس ارشاد نبوی کے بمنزلہ ہے: افطر الحاجم و المحجوم. اور مراد یہ ہے کہ اس طرح کے حاجم اور محجوم کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور ایک جواب یہ ہے کہ یہاں حکم کا بیان ہے قطع نظر اس سے کہ یہ دونوں کون تھے اور یہ مسئلہ جانتے تھے یا نہیں جانتے تھے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ ❷ نے یہ قول اپنے شیخ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ یہاں مراد اس بات کا بیان ہے کہ یہ فعل مُفْطِر یعنی روزہ کو توڑ دینے والا ہے۔

❶ صحيح البخاري: 1940. ❷ اعلام الموقعين: 53/2.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ اس حدیث سے احکام میں نسخ کا جواز بھی معلوم ہو گیا۔

◈ فصد ❶ کو حجامت ❷ کے ملحق کرنے میں علماء کا اختلاف ہے اور اس اختلاف کا منشا دراصل یہ امر ہے کہ حجامت کے مفطر صیام ہونے کی علت معقول ہے یا تعبدی۔ لہٰذا اگر تو ہم اس علت کے تعبدی ہونے کا قول کریں تو قیاس نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ قیاس یہ ایک فرع کو ایک اصل کے ساتھ ایسے حکم میں ملانے کو کہتے ہیں جس کی ایک علتِ جامعہ اور معقولہ ہو لہٰذا جہاں حکم کی علت معقولہ نہ ہوگی وہاں قیاس بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ یہاں قیاس کا ایک رکن جو کہ علت ہے وہ مفقود ہے۔ لہٰذا اس صورت میں فصد اور عمل جراحی کو حجامت پر قیاس کرنا صحیح نہ ہوگا اور یہی مشہور مذہب بھی ہے کہ اگر روزہ دار نے فصد کروایا یا کوئی عمل جراحی کروایا تو اس کا روزہ نہ ٹوٹے گا۔ اسی کو امام احمد نے اختیار کیا ہے۔ جبکہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مختار قول یہ ہے کہ فصد اور عمل جراحی یہ حجامت کے ہی معنی میں ہیں لہٰذا اس کے ملحق ہو کر اسی کے حکم میں داخل ہوں گے کہ ان دونوں عملوں سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

روزہ کی حالت میں سرمہ لگانے کا حکم

653- وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا، ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اكْتَحَلَ فِي رَمَضَانَ وَهُوَ صَائِمٌ)).

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ماہِ رمضان میں سرمہ لگایا جبکہ آپ ﷺ اس وقت روزہ سے تھے۔ ❸

رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ: لَا يَصِحُّ فِي هَذَا الْبَابِ شَيْءٌ

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

غریب الحدیث:...... اِكْتَحَلَ: آنکھ میں سرمہ لگانا۔

فِي رَمَضَانَ: لفظ رمضان علمیت اور الف نون زائدتان کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ اسی لیے اس کی حالت جری لفظی فتح کے ساتھ ہے۔ وَهُوَ صَائِمٌ: یہ جملہ حالیہ ہے اور یہ اِكْتَحَلَ کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔

مضمونِ حدیث:...... مضمونِ حدیث یہاں واضح ہے کہ روزہ میں سرمہ لگانا جائز ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ روزہ دار کے لیے سرمہ لگانا جائز ہے جس سے معلوم ہوا کہ سرمہ لگانا روزہ کو نہیں توڑتا۔ کیونکہ اگر یہ مبطلِ صیام ہوتا تو روزہ کی حالت میں اس سے اجتناب واجب ہوتا۔

◈ سرمہ لگانے کا عموم بتلاتا ہے کہ چاہے سرمہ کا ذائقہ آنکھوں کی رگوں کے واسطے سے حلق میں بھی اتر جائے تب بھی روزہ نہ ٹوٹے گا۔ اگرچہ یہ ایک ضعیف حدیث سے استدلال ہے لیکن پھر بھی نفسِ مسئلہ کا اثبات اس اصل پر ہے کہ سرمہ لگانے

---

❶ فصد: یہ رگ کھول کر بدن سے فاسد خون نکالنے کے عمل کو کہتے ہیں۔ (القاموس الوحید، ص: 1234) (نسیم)

❷ شیخ رحمہ اللہ پچھنے لگوانے سے روزہ ٹوٹنے کے مسئلہ کی بابت فرماتے ہیں کہ احتیاط اسی میں ہے کہ اگر ممکن ہو تو حجامت کو غروبِ آفتاب کے بعد تک موخر رکھا جائے اور اگر ممکن نہ ہو تو پچھنے لگوانے کے بعد باقی کا دن کھانے پینے سے رکا رہے اور فرض کیا کہ پچھنے لگوانے کے بعد ضعف کی وجہ سے باقی کا دن امساک نہ کر سکے تو روزہ افطار کر کے بعد میں قضا کر لے۔

❸ سنن ابن ماجه: 1678- امام بوصیری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو سعید زبیدی کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔ سنن البیهقی: 262/4- امام بیہقی فرماتے ہیں: سعید زبیدی یہ "بقیہ" کے مجہول مشائخ میں سے ہے اور یہ ایسی روایات میں متفرد ہوتا ہے جن کا متابع نہیں ہوتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اصل جواز ہے جب تک کہ اس کے منع کی دلیل نہ ہو، جو ہے نہیں لہٰذا روزہ میں سرمہ لگانا جائز ہوگا۔

روزہ کی حالت میں بھول کر کھا پی لینے کے حکم کا بیان

654- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ((مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ ، فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ ، فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ ، فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللهُ وَسَقَاهُ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَلِلْحَاكِمِ ((مَنْ أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ نَاسِيًا فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ وَلَا كَفَّارَةَ)).

وَهُوَ صَحِيحٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”جو روزہ کی حالت میں (اس بات کو) بھول گیا (کہ وہ تو روزہ سے ہے) پھر اس نے کھا لیا یا پی لیا تو وہ (یاد آ جانے پر اسی وقت کھانا پینا ترک کر دے اور غروبِ آفتاب تک) اپنا روزہ پورا کرے، کیونکہ اسے اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے۔“ [1]

یہ حدیث ”متفق علیہ“ ہے۔

اور مستدرک حاکم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ”جس نے رمضان میں بھول کر (کھانے پینے کے ذریعے) اپنا روزہ کھول لیا تو اس پر نہ تو کوئی قضا ہے اور نہ کوئی کفارہ ہی ہے۔“ [2]

یہ حدیث صحیح ہے۔

غریب الحدیث :......مَنْ نَسِيَ: مَنْ شرطیہ ہے لہٰذا یہ جملہ شرطیہ ہوگا۔ نسیان کا معنی گزشتہ میں ذکر کیا جا چکا ہے اور یہاں نسیان سے روزہ کا ذہول بھی مراد ہو سکتا ہے اور اس شے کے مفطر صوم ہونے کا ذہول بھی مراد ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں باتیں نَسِيَ کے حکم میں داخل ہیں۔ وَهُوَ صَائِمٌ: یہ جملہ حالیہ ہے جو نَسِيَ کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔

فَلْيُتِمَّ: مذکورہ فا جزائیہ اور لِيُتِمَّ یہ جوابِ شرط ہے۔ جبکہ مذکورہ لام امر کا ہے۔ پھر اگر تو یہ مذکورہ امر روزہ ٹوٹنے کے وہم کو رفع کرنے کے لیے ہے تو یہ امر اباحت کے لیے ہوگا اور اگر روزہ نفلی ہو اور مقصود وہم کا رفع نہ ہو تو یہ امر استحباب کے لیے ہوگا اور اگر روزہ واجب ہو اور مقصود یہاں بھی وہم کا رفع نہ ہو تو یہ امر وجوب کے لیے ہوگا۔

فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ: یہ حصر کا بیان نہیں بلکہ مثال کا بیان ہے اور کھانے پینے کی مثال ان کے کثرتِ تناول کی بنا پر دی ہے۔ وگرنہ جماع بھی اسی حکم میں داخل ہے اور اس کی مثال اس لیے ذکر نہیں فرمائی کیونکہ ایک تو غیر شادی شدہ سے جماع کا وقوع غیر وارد ہے۔ پھر شادی شدہ سے بھی بہ نسبت کھانے پینے کے بھول کر جماع کرنے کا وقوع اقل قلیل بلکہ نادر ہے۔ یہیں سے مستدرک حاکم کی روایت لانے کا فائدہ بھی معلوم ہو گیا، جو یہ ہے: وَلِلْحَاكِمِ: مستدرک حاکم کی روایت کو امام موصوف رحمہ اللہ اس اندیشہ کی بنا پر لائے ہیں کہ مبادا کوئی یہ سمجھ بیٹھے کہ اس باب میں جماع کا حکم دوسرا ہے چنانچہ مَنْ أَفْطَرَ میں عموم کا بیان ہے جو اکل وشرب اور جماع تینوں امور کو شامل ہے۔ کھانے پینے میں جو فرق ہے وہ معروف ہے کہ کھانا یہ جامد اشیاء میں ہوتا ہے جبکہ پینا یہ مائعات میں ہوتا ہے۔

فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللهُ وَسَقَاهُ: مذکورہ فَا تعلیلیہ ہے۔ لہٰذا یہ گزشتہ مذکورہ حکم کی علت کا بیان ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ

---

[1] صحيح البخاري: 1933- صحيح مسلم: 1155.

[2] المستدرك: 595/1- امام حاکم فرماتے ہیں: یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر ہے اور اسے امام ابن حبان (3521) نے بھی صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھول میں صادر ہونے والے اس امر کا حکم اس بھولنے والے کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔ بلکہ اسے رب تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے۔ مراد یہ ہے کہ اس بھول کر کھانے پینے سے روزہ دار کا ارادہ اور قصد روزہ توڑنے کا نہ تھا، تب پھر اسے اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے۔ **مَنْ اَفْطَرَ فِيْ رَمَضَانَ:** مستدرک حاکم کی اس روایت میں عموم ہے جو اکل و شرب کے ساتھ جماع کو بھی شامل ہے جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔ مذکورہ مَنْ شرطیہ اور یہ جملہ شرطیہ ہے۔

فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ وَ لَا كَفَّارَةَ: مذکورہ فَا جزائیہ ہے اور یہ جملہ جواب شرط ہے۔ لَا كَفَّارَةَ کے الفاظ کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جماع بھی اس حکم میں داخل ہے۔ کیونکہ قضا روزہ کی ہوتی ہے جبکہ کفارہ جماع کا ہوتا ہے۔ اس بنا پر اگر کسی نے روزہ کی حالت میں بھول کر بیوی سے جماع کر لیا تو نہ تو اس پر کفارہ آئے گا اور نہ اس کا روزہ فاسد ہی ہوگا۔

مضمونِ حدیث:...... مذکورہ حدیث میں بنیادی طور پر یہ اہم ترین مسئلہ مذکور ہے کہ روزہ میں بھول کر کھا پی لینے سے یا جماع کر لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا گو ان باتوں کے وقوع کا امکان کس قدر قلیل اور نادر ہی کیوں نہ ہو۔ اور نہ کفارہ یا قضا ہی لازم ہوتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ بنی آدم کو بھول لاحق ہو جاتی ہے جو اس کے حق میں عیب نہیں اسی لیے اس پر گناہ بھی مرتب نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ کے الفاظ ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ فعل محظور کے نسیاناً ارتکاب سے گناہ مرتب نہیں ہوتا اور نہ کوئی اور حکم مثلاً قضا یا کفارہ ہی مرتب ہوتا ہے۔
- مذکورہ حدیث میں رب تعالیٰ کی بندوں پر رحمت کا بیان ہے کہ وہ بھول چوک پر بندوں کا مواخذہ نہیں فرماتا۔
- اگرچہ فعل محظور کے نسیاناً ارتکاب سے کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا لیکن فعل مامور کے نسیاناً ترک سے وہ ساقط نہیں ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ نماز بھول جانے والے کو یاد آ جانے پر نماز پڑھنے کا حکم ہے۔

روزہ کی حالت میں خود قے کر دینے کا حکم

655- وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ، وَمَنْ اسْتَقَاءَ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ)).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”جس پر قے (اس قدر) غالب آ جائے (کہ منہ تک آ جائے اور وہ اسے ضبط بھی نہ کر سکے اور قے کر دے) تو اس پر کوئی قضا نہ آئے گی اور جس نے خود قے کی اس کے ذمہ (اس روزہ کی) قضا ہے۔“ [1]

www.KitaboSunnat.com

[1] سنن ابی داود: 2380۔ جامع الترمذی: 720۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور غریب ہے۔ السنن الکبری للنسائی: 3130۔ سنن ابن ماجہ: 1676۔ مسند احمد: 498/2۔ سنن الدار قطنی: 184/2۔ امام دار قطنی فرماتے ہیں اس حدیث کے سب رواۃ ثقہ ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ ”المجموع“ (323/6) میں فرماتے ہیں: اس حدیث کی بابت امام ابو داود اور دیگر ائمہ کی اسناد صحیح ہے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ (3518) اور امام حاکم رحمہ اللہ (589/1) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور امام حاکم یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے۔ عبدالحق کہتے ہیں: اس حدیث کے سب رواۃ ثقہ ہیں۔ امام رافعی کہتے ہیں: کبھی یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مرفوع روایت کی جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث کو امام مالک رحمہ اللہ نے ”الموطأ“ (304/1) میں روایت کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ، وَأَعَلَّهُ أَحْمَدُ، وَقَوَّاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ.

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو معلول جبکہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو قوی قرار دیا ہے۔

غریب الحدیث:...... مَنْ ذَرَعَهُ: ذَرَعَ یہ غَلَبَ کے معنی میں ہے۔ مذکورہ مَن شرطیہ اور یہ جملہ شرطیہ ہے۔

اَلْقَيْءُ: یہ معروف ہے۔ یہ الٹی کرنے کو کہتے ہیں جس میں معدہ اپنے اندر موجود کھانے اور پینے کو الٹ کر باہر گرا دیتا ہے۔

فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ: کیونکہ اس پر اس کا اختیار نہ تھا۔ گو کہ ایسی قے سے روزہ تو نہیں ٹوٹتا لیکن اگر یہ قے اتنی شدید ہو کہ بدن کو جھنجھوڑ کر رکھ دے اور بعد میں تکلیف دِہ یا جان لیوا حد تک ضعف محسوس ہو تو آدمی کے لیے کھانا اور پینا جائز ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ یاد رہے کہ اب جو روزہ ٹوٹے گا وہ اس عذر کی وجہ سے کھانے اور پینے کی وجہ سے ٹوٹے گا نہ کہ قے کی وجہ سے اور مذکورہ فَا جزائیہ اور یہ جملہ جواب شرط ہے جس کی اپنی ترکیب معروف ہے۔

وَ مَنِ اسْتَقَاءَ: یہ باب استفعال سے ہے، مراد قصداً اور زور لگا کر قے کرنا اور کھایا پیا باہر نکال کر معدہ خالی کرنا ہے۔ یہ جملہ بھی حسب سابق جملہ شرطیہ ہے۔

فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ: یہ جملہ بھی جوابِ شرط ہے۔ عَلٰی یہ حروفِ وجوب میں سے ہے۔ پس عَلٰی یہ وجوب پر دلالت کرنے میں ظاہر ہے۔ لہٰذا ظاہر یہ ہے کہ قصداً قے کرنے والے کا روزہ بھی ٹوٹ جائے گا اور اس کے ذمہ قضا بھی آئے گی۔ پھر اس قے کرنے کے متعدد اسباب بھی ہو سکتے ہیں جیسے کوئی غلیظ بات، کوئی غلیظ فعل، کوئی انتہائی ناگوار بو سونگھنا کہ جس سے جی ایسا متلائے کہ قے ہوئے بنا رہ نہ سکے۔ اسی میں حلق میں انگلیاں ڈال کر قے کرنا بھی شامل ہے۔

اسی طرح پیٹ کا از حد قوت کے ساتھ مساج بھی قے کا سبب ہو سکتا ہے۔ غرض قصداً قے کا سبب جو بھی ہو، جو بھی ایسا کرے گا تو اس دن کے روزہ کی جبکہ وہ واجب ہو قضاء اس کے ذمہ ہو گی۔ البتہ غیر واجب روزہ ٹوٹ تو جائے گا پر اس کی قضاء اس کے ذمہ نہ ہو گی۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں دو اہم باتیں مذکور ہیں:

(1) ایک یہ کہ از خود بے اختیار قے آ جانے سے نہ تو روزہ ٹوٹتا ہے اور نہ قضا ہی واجب ہوتی ہے۔

(2) دوسری یہ کہ خود سے قصداً قے کرنے سے روزہ بھی ٹوٹ جاتا ہے اور قضا بھی لازم ہوتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- خود سے قے کرنا مفسد صوم اور موجب قضا ہے۔
- روزہ میں شارع علیہ السلام کی حکمت یہ ہے کہ معدہ میں کچھ نہ کچھ رہے تا کہ دن بھر کا روزہ جھیلنے کی سکت باقی رہے۔ لہٰذا جب ہم جان بوجھ کر قے کر کے اپنا معدہ خالی کر لیں گے تو یہ اپنے ساتھ بے انصافی ہو گی اور یوں یہ قے روزہ ٹوٹنے کا سبب بن جائے گا۔
- معلوم ہوا کہ محظورات میں سے جو شے آدمی پر غالب آ جائے اس کا کوئی اثر اور حکم مرتب نہیں ہوتا۔ جیسے نماز میں اپنے اوپر قابو نہ رہنے کی وجہ سے بے اختیار "اُح" کی آواز نکلنے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سفر میں روزہ رکھنے کا حکم

629۔ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہما ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: خَرَجَ عَامَ الْفَتْحِ إِلَى مَكَّةَ ، فِيْ رَمَضَانَ ، فَصَامَ ، حَتَّى بَلَغَ كُرَاعَ الْغَمِيْمِ ، فَصَامَ النَّاسُ ، ثُمَّ دَعَا بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ فَرَفَعَهُ ، حَتَّى نَظَرَ النَّاسُ إِلَيْهِ ، ثُمَّ شَرِبَ ، فَقِيْلَ لَهُ بَعْدَ ذٰلِكَ : إِنَّ بَعْضَ النَّاسِ قَدْ صَامَ ، فَقَالَ : ((أُولَئِكَ الْعُصَاةُ ، أُولَئِكَ الْعُصَاةُ)) .

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے سال نبی کریم ﷺ رمضان المبارک میں مکہ مکرمہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ پس آپ ﷺ نے (سفر کے دوران) روزہ رکھا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ (چلتے چلتے) کراع الغمیم (نامی وادی) تک جا پہنچے اور لوگوں نے بھی روزہ رکھ لیا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے پانی کا ایک پیالہ منگوایا اور اسے (اپنے دست مبارک میں لے کر سب کے سامنے) اوپر کو اٹھایا یہاں تک کہ سب لوگوں نے اسے دیکھ لیا اور (سب کے دیکھنے کے بعد) آپ ﷺ نے (سب کے سامنے اس میں سے پانی) پیا (اور روزہ کھول لیا)۔ اس کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ بعض لوگوں نے (اب بھی) روزہ رکھا ہوا ہے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”یہ نافرمان لوگ ہیں، یہ نافرمان لوگ ہیں۔“ [1]

وَفِيْ لَفْظٍ: ((فَقِيْلَ لَهُ : إِنَّ النَّاسَ قَدْ شَقَّ عَلَيْهِمُ الصِّيَامُ وَإِنَّمَا يَنْتَظِرُوْنَ فِيْمَا فَعَلْتَ ، فَدَعَا بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ بَعْدَ الْعَصْرِ فَشَرِبَ)) .

اور ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں: پس آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ لوگوں پر (سفر میں) روزہ (جاری رکھنا) گراں ہو گیا ہے، بے شک وہ لوگ آپ ﷺ کے فعل کے منتظر ہیں (کہ آپ ﷺ کیا کرتے ہیں؟ آیا آپ ﷺ اپنا روزہ جاری رکھتے ہیں تو وہ بھی روزہ کو جیسے بھی بن پڑے جاری رکھیں گے یا آپ ﷺ اپنا روزہ کھول لیتے ہیں تو وہ بھی اپنا روزہ کھول لیں گے)۔ اس پر آپ ﷺ نے عصر کے بعد پانی کا ایک پیالہ منگوایا اور (اس میں سے) نوش فرمایا (اور روزہ کھول لیا)۔

رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... عَامَ الْفَتْحِ: یہ ظرف زمان ہونے کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ یہ مفعول فیہ ہے۔

حَتّٰى بَلَغَ: حَتّٰى یہ انتہائی غایت کے لیے ہوتا ہے۔

كُرَاعَ الْغَمِيْمِ: یہ عسفان سے آگے ایک وادی کا نام ہے۔ غمیم سخت گرم دن کو اور کراع منہ لگا کر پینے کو کہتے ہیں چونکہ اس وادی میں پانی کی فراوانی تھی اور آتے جاتے لوگ سخت گرم دنوں میں بھی یہاں سے خوب سیراب ہو کر نکلتے تھے اس لیے اس وادی کا نام کراع الغمیم پڑ گیا یعنی سخت گرم دن میں سیراب کرنے والی وادی۔

---

[1] صحيح مسلم: 1114.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَدَح: یہ پینے کے برتن کو کہتے ہیں۔عموماً ڈنڈی دار پیالے کو قدح کہا جاتا ہے جو اوپر سے چوڑا اور نیچے سے تنگ ہو۔

اُولَاءِ: یہ جمع کا اسم اشارہ ہے جو مبنی بر کسر ہے۔ یہ مذکر مونث دونوں کے لیے یکساں طور پر استعمال ہوتا ہے۔ترکیب میں یہ لفظ مبتدا بن رہا ہے لہٰذا اسے محلاً مرفوع کہیں گے۔

اَلْعُصَاۃ: یہ عَاصِیْ کی جمع ہے۔ یہ خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔مذکورہ جملہ کا دو بار تکرار تاکیدِ لفظی کے لیے ہے اور یہ جمع مکسر کا وزن ہے۔اصل میں یہ فُعَلَۃٌ کے وزن پر عُصَیَۃٌ تھا۔ یا متحرک کو ماقبل کے ضمہ کی وجہ سے الف میں بدل دیا گیا اور یہ عُصَاۃٌ بن گیا۔

اِنَّمَا: یہ کلمہ حصر ہے۔اس کی نحوی تحقیق کو بارہا ذکر کیا جاچکا ہے۔

بَعْدَ الْعَصْرِ: مراد دن کا آخر ہے۔

قصۂ حدیث:...... یہ فتح مکہ کا قصہ ہے۔ جو ۸ ہجری میں پیش آیا تھا۔آپ ﷺ ماہِ رمضان میں قریشِ مکہ کے ساتھ قتال کرنے کے لیے مدینہ نبویہ سے نکلے تھے۔ کیونکہ ان لوگوں نے صلح حدیبیہ کا پختہ عہد باندھنے کے بعد اسے توڑ ڈالا تھا۔ کیونکہ ان قریشیوں نے نبی کریم ﷺ کے حلفاء کے بالمقابل اپنے حلفاء کی ان کے ظلم وستم میں اعانت کی تھی جو اس عہد کی کھلی خلاف ورزی تھی۔ چونکہ یہ سفر ماہِ رمضان میں ہوا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے سفر میں ہونے کے باوجود روزہ رکھا ہوا تھا۔ کیونکہ مشقت نہ ہو تو سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے اور اگر مشقت ہو تو روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔اب اکثر لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ روزہ رکھا ہوا تھا۔ جبکہ بعض لوگ روزہ کے بغیر بھی تھے۔اب روزہ رکھنے والوں میں سے بعض لوگوں پر سفر کا یہ روزہ بے حد گراں ہو گیا تھا لیکن انہوں نے نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں اس مشقت کے باوجود روزہ نہ کھولا تھا کیونکہ آپ ﷺ ہی تو ہر قول و فعل میں امت کے لیے اسوہ اور نمونہ ہیں۔غرض آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ بعض لوگ سفر کے اس روزہ کی وجہ سے بے حد مشقت میں ہیں اور وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ آپ ﷺ کیا کرتے ہیں؟ اس پر آپ ﷺ نے سب کے سامنے پانی منگوا کر روزہ افطار فرما لیا تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ آپ ﷺ نے روزہ کھول لیا ہے تاکہ باقی لوگ بھی روزہ کھول لیں۔اس پر بھی بعض لوگوں نے افطار میں تھوڑا وقت دیکھ کر روزہ نہ کھولا تو آپ ﷺ نے انہیں ''نافرمان'' کے نام سے یاد فرمایا۔

مضمونِ حدیث:..... اس حدیث میں بنیادی طور پر تین اہم مسائل مذکور ہیں:

(1) ہمت ہو تو سفر میں بھی فرض روزہ رکھنا افضل ہے۔ (2) ہمت نہ ہو تو سفر میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔

(3) اور اگر رکھ لیا تھا اور بعد میں روزہ جاری رکھنے کی تاب نہ رہی تو روزہ کھول لینے کی اجازت ہے۔

ان سب مسائل کی مزید تفصیل ذیل میں آجاتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ اہل مکہ سے قتال ناجائز ہے۔ نبی کریم ﷺ بھی اگرچہ ان سے قتال کے لیے نکلے تھے لیکن فتح کے دوسرے دن آپ ﷺ نے اس حکم کو منسوخ فرما دیا تھا اور لوگوں میں خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے واضح فرمایا کہ زمینوں اور آسمانوں کی پیدائش کے وقت سے مکہ مکرمہ کی سرزمین رب تعالیٰ کی حرمت کے ساتھ حرمت والی ہے۔آپ ﷺ سے قبل یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرزمین کسی کے لیے حلال نہ تھی اور نہ آپ ﷺ کے لیے بھی ہمیشہ کے لیے حلال ہوئی تھی۔ بس ضرورت کی بنا پر دن کی ایک گھڑی کے لیے حلال ہوئی تھی۔ بعد میں یہ حکم منسوخ کر دیا گیا اور اب قیامت تک کے لیے سرزمین مکہ پھر حرمت والی ہے۔

- معلوم ہوا کہ رمضان میں بھی قتال کے لیے نکل سکتے ہیں۔
- معلوم ہوا کہ سفر میں بھی رمضان کا روزہ رکھ سکتے ہیں۔ البتہ اس کے فرض روزہ کی طرف سے کافی ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ''ظاہریہ'' کا مذہب یہ ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا حرام ہے۔ لہٰذا روزہ رکھ کر آدمی گناہگار ہوگا اور گناہ فرض کی طرف سے کفایت نہیں کرتا۔ ان کا استدلال اس آیت کریمہ سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ (البقرة: 185)

''اور جو بیمار ہو یا کسی سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرنا ہے۔''

یہاں سفر کے ایام کے روزے دوسرے دنوں میں رکھنے کا حکم ہے۔ گویا کہ جس نے رمضان میں سفر میں روزہ رکھا وہ ایسا ہے جیسے اس نے غیر ایام رمضان میں روزہ رکھا ہے۔ لیکن جمہور علماء کا مذہب ماہ رمضان میں سفر میں روزہ رکھنے کے جواز کا ہے اور یہی قول متعین اور راجح ہے۔ کیونکہ سنت اسی پر دلالت کرتی ہے۔ رہی مذکورہ آیت تو وہاں ایک جملہ مقدر ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہے: مَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَأَفْطَرَ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ کہ یہاں فَأَفْطَرَ مقدر ہے۔ بس سفر میں روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کو نبی کریم ﷺ کی سنت بیان کرتی ہیں اور اس میں دونوں باتیں ہی ملتی ہیں لہٰذا جس نے سفر میں فرض روزہ رکھا تو وہ فرض کی طرف سے کفایت کرے گا۔

- پھر مزید اختلاف اس امر میں ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے یا نہ رکھنا افضل ہے۔ اس بارے میں تین اقوال ہیں:

(1) افضل روزہ رکھنا ہے۔ (2) افضل روزہ نہ رکھنا ہے۔

(3) دونوں باتیں برابر ہیں، چاہے تو رکھے اور چاہے تو نہ رکھے۔

⊙...... پہلے قول کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سفر میں روزہ رکھا تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے لوگوں کی مشقت کے پیش نظر ان کی رعایت کرتے ہوئے روزہ افطار کیا تھا کیونکہ آپ ﷺ نے سب کے سامنے پانی کا پیالہ منگوا کر روزہ کھولا تھا۔ اگر آپ ﷺ کے پیش نظر لوگوں کی رعایت نہ ہوتی تو آپ ﷺ اکیلے میں بھی روزہ کھول سکتے تھے۔ دوسرے اس میں اپنے ذمہ فرض کو ادا کرنے میں جلدی کرنا ہے، تیسرے سب کے ساتھ مل کر روزہ رکھنا، بعد میں اکیلے قضا کرنے سے بہر حال آسان اور سہل ہے۔ پھر عبادت میں سہولت پیدا کرنا شارع علیہ السلام کا مقصود بھی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرة: 185)

''اللہ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تمھارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔''

غرض ان علماء کا قول یہ ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے، یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب بھی ہے۔

⊙...... دوسرے قول کے قائلین حنابلہ ہیں کہ سفر میں افضل روزہ نہ رکھنا ہے جبکہ روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ سفر میں روزہ نہ رکھنا یہ رب تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو رخصت ہے اور یہ بندوں پر رب تعالیٰ کا کرم بھی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لٰہذا رب تعالیٰ کے اس کرم اور رخصت کو ردّ کرنا غیر مناسب بھی ہوگا اور سوئے ادب بھی ہوگا۔ لٰہذا رخصت کو لینا **افضل** ہے۔

پھر چونکہ سفر میں روزہ رکھنا اختلافی مسئلہ ہے اس لیے نہ رکھنا ہی بہتر ہے تاکہ ہم اختلافِ علماء سے نکل جائیں۔

⊙ ...... رہے وہ علماء جو اس بات کے قائل ہیں کہ سفر میں روزہ رکھنا یا نہ رکھنا دونوں کا حکم ایک ہے ان کا استدلال حدیث انس رضی اللہ عنہ سے ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ''ہم ایک سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے تو ہم میں سے کسی کا تو روزہ تھا اور کسی نے روزہ نہیں رکھا ہوا تھا اور دونوں میں سے کوئی دوسرے پر حرفِ گیری نہ کررہا تھا۔'' تب پھر نہ تو سفر میں روزہ رکھنے والا قابلِ ملامت ہے اور نہ نہ رکھنے والا ہی قابلِ ملامت ہے۔ بلاشبہ یہ امر مسافر کے اختیار پر دلالت کرتا ہے۔

اب غور و تأمل کا مقتضیٰ یہ ہے کہ تیسرا قول تو ضعیف ہے تب پھر تقابل صرف مذہبِ شافعیہ اور مذہب حنبلیہ میں باقی رہ گیا ہے، ان دونوں مذاہب کا جائزہ یہ ہے کہ

⊙ ...... مذہب شافعیہ کی تائید نص سے ہوتی ہے۔

⊙ ...... جبکہ حنبلی مذہب کا مؤید قیاس ہے۔

تب پھر مؤید بالنص مذہب اقوی ہوگا۔ کیونکہ سب سے زیادہ متقی اور رب تعالیٰ کی سب سے زیادہ معرفت رکھنے والے انسان حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں روزہ رکھا تھا۔ اس لیے **افضل** سفر میں روزہ رکھنا ہی ہوگا۔ جس کی دلیل ایک قاعدہ شرعیہ ہے وہ یہ کہ ''مقصود کو ادا کرنے میں جلدی کی جائے'' اور اس قاعدہ کی دلیل یہ ہے کہ **افضل** خلق جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے احتیاط اور حزم و ورع اور تقویٰ و پرہیزگاری والے تھے، وہ عباداتِ مقصودہ کو ادا کرنے میں جلدی فرمایا کرتے تھے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں بھی روزہ رکھا تھا تاکہ یہ فرض جلدی ادا ہو۔ البتہ جسے سفر میں روزہ رکھنے میں مشقت ہو اس کے لیے سفر میں روزہ نہ رکھنا ہی **افضل** ہوگا۔

◈ معلوم ہوا کہ ضرورت پڑنے پر مسافر دن میں بھی روزہ کھول سکتا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد روزہ کھول لیا تھا۔

◈ معلوم ہوا کہ جسے جس حکم میں رخصت ہو وہ اسے اختیار کرسکتا ہے۔ اس لیے مسافر کے لیے دن میں بھی روزہ کھولنا جائز ہے۔

◈ امام، مقتدا اور پیشوا کو لوگوں کی رعایت کرنا اولیٰ ہے۔ حتیٰ کہ وہ لوگوں کی رعایت کی خاطر افضل سے مفضول کی طرف جا سکتا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **افضل** کو چھوڑ کر جو روزہ رکھنا ہے روزہ کھولنے کو جو مفضول ہے اختیار فرمایا تھا۔

◈ آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے فعل کے ذریعے اپنے قول کو مؤکد اور پختہ کرے۔ تاکہ لوگ اس کی بابت مطمئن ہوجائیں۔

◈ معلوم ہوا کہ مصلحتِ دینیہ کی خاطر بعض لوگوں کی کمیوں یا مخالفتوں کا ذکر چغلی یا غیبت کے دائرہ میں نہیں آتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے راوی کے اس قول پر کہ ''بعض لوگوں نے ابھی بھی روزہ رکھا ہوا ہے'' کوئی نکیر نہ فرمائی تھی۔

◈ کسی کے واقعی ناگوار وصف کو عموم کے طور پر ذکر کرنا جائز ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **علی سبیل العموم** یہ فرمایا تھا کہ ''یہ نافرمان ہیں، یہ نافرمان ہیں۔''

◈ انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنے سے بڑے کی تقلید کرتا ہے۔ جس کی دلیل یہ الفاظ ہیں: ''لوگ منتظر ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے ہیں۔''

◈ عبادت میں لاحق ہونے والے والی مشقت کا ذکر جائز ہے جس کی دلیل یہ الفاظ ہیں: ''لوگوں پر سفر کا یہ روزہ بھاری ہو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

رہا ہے۔'' یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بعض کی بابت خبر کو کل کی تعبیر کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں۔

◈ جناب رسول اللہ ﷺ کی حسن تعلیم اور اپنے اصحاب کے ساتھ حسن سلوک کہ آپ ﷺ نے لوگوں پر تیسیر اور تسہیل کی خاطر برملا عصر کے بعد روزہ کھول لیا تھا۔ (ورنہ آپ ﷺ کے لیے تو اس روزے کی تکمیل کوئی مسئلہ نہ تھا)

◈ دوسرے کو گراں نہ ہو اور وہ دوسرا اسے اپنے لیے زحمت نہ سمجھے بلکہ اپنے لیے اعزاز سمجھے تو اس سے سوال کر سکتے ہیں جیسا کہ آپ ﷺ نے پانی کا پیالہ لے آنے کا سوال فرمایا تھا۔

◈ معلوم ہوا کہ اگر کسی مجتہد کا اجتہاد نص کے مخالف ہونے کی وجہ سے خطا پر مبنی ہو تو اس پر انکار واجب ہوگا اور اس میں ان لوگوں پر ردّ ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ مجتہد پر انکار کر ہی نہیں سکتے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جب تک ایک مسئلہ اجتہادی ہے اس پر انکار نہ کیا جائے گا لیکن اگر وہ نص کے مخالف ہے تو اس پر انکار واجب ہے۔

657,658۔ وَعَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَمْرٍو الْأَسْلَمِيِّ ؓ أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنِّي أَجِدُ بِي قُوَّةً عَلَى الصِّيَامِ فِي السَّفَرِ، فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((هِيَ رُخْصَةٌ مِنَ اللّٰهِ، فَمَنْ أَخَذَ بِهَا فَحَسَنٌ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَصُوْمَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ)).

حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے خدمت نبوی میں یہ عرض کیا: کہ اے اللہ کے رسول! میں اپنے سفر کے دوران روزہ رکھنے کی ہمت پاتا ہوں تو کیا (اگر میں سفر میں روزہ نہیں رکھتا تو) مجھے کوئی گناہ ہوگا؟ اس پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''یہ (سفر میں روزہ نہ رکھنا) رب تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے۔ پس جس نے اس رخصت کو لیا تو (اس نے) اچھا (کیا) ہے اور جو (سفر میں) روزہ رکھنا چاہے اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔''[1]

رَوَاهُ مُسْلِمٌ. وَأَصْلُهُ فِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ مِنْ حَدِيْثِ عَائِشَةَ، أَنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو سَأَلَ.

اس حدیث کو امام مسلم ؒ نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل ''متفق علیہ'' ہے جو حضرت عائشہ ؓ سے مروی حدیث ہے کہ حضرت حمزہ بن عمرو ؓ نے (نبی کریم ﷺ سے) پوچھا (آگے گزشتہ کی طرح حدیث ہے)۔

قصۂ حدیث :...... حضرت حمزہ بن عمرو ؓ اکثر سفروں میں رہتے تھے جیسا کہ ایک دوسری روایت میں مذکور ہے۔ ان کے پاس متعدد اونٹ تھے جن کو کرایہ پر دیتے تھے۔ چنانچہ ایک سفر کا ہی قصہ ہے جو انہیں رمضان میں پیش آ گیا تھا جس پر انہوں نے سفر میں روزہ رکھنے کی بابت نبی کریم ﷺ سے یہ سوال کیا تھا۔

غریب الحدیث :...... فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ: یعنی کیا سفر میں روزہ رکھنے میں مجھے کوئی گناہ تو نہ ہوگا؟ اس کی دلیل ان کے اپنے یہ الفاظ ہیں: إِنِّي اَجِدُ قُوَّةً عَلَى الصِّيَامِ فِي السَّفَرِ.

جُنَاحٌ: کا معنی گناہ ہے۔ یہ مبتدا موخر ہے جبکہ عَلَيَّ یہ خبر ہے اور هَلْ یہ اداۃِ استفہام میں سے ہے۔

رُخْصَةٌ: رخصت کے لغوی اور شرعی معنی کو تفصیلاً ذکر کیا جا چکا ہے۔ یہاں رخصت کا شرعی معنی مراد ہے جو اسقاطِ واجب ہے اور یہاں هِيَ مبتدا جبکہ رُخْصَةٌ خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہیں۔

---

[1] صحيح البخاري: 1943 عن عائشة ؓ و صحيح مسلم: 1121.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَمَنْ اَخَذَ بِهَا فَحَسَنٌ: فَمَنْ پر داخل فَا تفریعیہ ہے۔ کیونکہ یہ سائل کے سوال کا جواب ہے پس چونکہ یہ رب تعالیٰ کی رخصت اور اس کی طرف سے تیسیر اور منت واحسان ہے، اس لیے اسے اختیار کرنا افضل، اولیٰ، بہتر اور عمدہ ہے۔ کیونکہ رخصتوں کو قبول کرنا شرعاً مطلوب ہے۔ یہاں مَنْ اَخَذَ بِهَا یہ جملہ شرطیہ ہے اور فَا جزائیہ، جبکہ حَسَنٌ یہ مبتدا محذوف ذٰلِكَ کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ لہٰذا یہ مبتدا اور خبر مل کر جوابِ شرط اور جملہ جزائیہ ہوں گے۔

وَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَصُوْمَ فَلا جُنَاحَ عَلَيْهِ: اس میں سائل کے اس سوال کا جواب ہے کہ اگر کوئی سفر میں روزہ رکھے تو کیا اسے کوئی گناہ ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے یہ جواب عنایت فرمایا کہ ایسے شخص کو کوئی گناہ نہ ہوگا۔

مضمونِ حدیث: ...... یہاں بھی اسی مضمون کا تکرار ہے کہ سفر میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے البتہ رکھنے میں کوئی گناہ بھی نہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دین میں تفقہ کے بے حد حریص تھے۔
- معلوم ہوا کہ بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ رخصت مشقت کے پیش نظر ہیں لہٰذا جس میں ہمت وقوت ہو اس کے لیے رخصتوں کا ترک کرنا افضل ہے۔ بلکہ اگر قوت ہو تو رخصت پر عمل جائز نہیں۔ اسی لیے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے یہ پوچھا تھا کہ اگر میں سفر میں ہمت کے باوجود روزہ نہ رکھوں تو مجھے گناہ تو نہ ہوگا۔ جس پر آپ ﷺ نے یہ جواب عنایت فرمایا کہ یہ رخصت ہے جس کا ہمت وقوت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ تو رب تعالیٰ کا اپنے بندوں پر کرم اور احسان ہے اور اس کرم کو اختیار کرنا مطلوب، محمود اور حسن ہے۔
- شریعت اسلامیہ میں رخصتیں ثابت ہیں۔ جس کی دلیل هِيَ رُخْصَةٌ کے الفاظ ہیں۔
- البتہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رخصت پر عمل واجب نہیں گو افضل ضرور ہے۔ اس کی دلیل فَحَسَنٌ کے الفاظ ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فَوَاجِبٌ نہیں فرمایا۔
- فَمَنْ اَخَذَ اور وَ مَنْ اَحَبَّ کے کلمات میں مشہور گمراہ اور بدعتی فرقہ ''جبریہ'' پر ردّ ہے جو بندے کے لیے مشیت کے قائل نہیں اور اسے مجبورِ محض مانتے ہیں۔
- اس حدیث میں ''ظاہریہ'' پر بھی ردّ ہے جو سفر میں روزہ رکھنے کے ناجائز ہونے کے قائل ہیں۔ اس کی صریح دلیل حدیث کے یہ الفاظ ہیں: وَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَصُوْمَ فَلا جُنَاحَ عَلَيْهِ.

بہت بوڑھے اور مریض کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے

659- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: ((رُخِّصَ لِلشَّيْخِ الْكَبِيْرِ أَنْ يُّفْطِرَ وَيُطْعِمَ عَنْ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْنًا ، وَلا قَضَاءَ عَلَيْهِ)).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بہت بوڑھے کو اس بات کی رخصت دی گئی ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کرے اور اس کے ذمہ قضا (بھی) واجب نہیں ہے۔ [1]

[1] سنن الدارقطني: 205/2- المستدرك للحاكم: 606/1.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَالْحَاكِمُ، وَصَحَّحَاهُ.

اس حدیث کو امام دارقطنی اور امام حاکم رحمہما اللہ نے روایت کر کے اس کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث :...... رُخِّصَ: گزشتہ صفحات میں یہ مضمون بارہا ذکر کیا جا چکا ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے اس قسم کے الفاظ کا جو مجہول کا صیغہ ہوتے ہیں، فاعل دراصل نبی کریم ﷺ ہوتے ہیں۔ اس بنا پر یہ حدیث ''مرفوع'' کے حکم میں ہو گی اور اس قسم کی بات کو صحابئ رسول ﷺ کا اجتہاد قرار دے کر اسے حدیث موقوف قرار نہیں دیا جا سکتا کہ ایسی باتیں اجتہاد اور ایسے جزم کے ساتھ بیان نہیں کی جا سکتیں۔ لہٰذا یہ حدیث حکماً مرفوع ہو گی۔

اَنْ يُّفْطِرَ وَ يُطْعِمَ مِنْ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْنًا: لہٰذا اگر تو مہینہ تیس کا ہوا تو تیس دن تک ایک مسکین کو کھانا کھلائے گا وگرنہ انتیس دن تک کھلائے گا۔ یہاں کھانے کی انواع اور مقدار کا ذکر نہیں لہٰذا عرف میں جسے طعام کہتے ہیں وہ اس کے مصداق میں داخل ہوگا اور کھانے سے صبح یا شام کا ایک وقت کا کھانا مراد ہے جو حسب عادت ایک معتدل آدمی کھاتا ہے۔

وَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ: کیونکہ بہت بوڑھے کے حق میں قضا کی ہمت متعذر یا بے حد دشوار ہے۔ کیونکہ فطری طور پر ایسا بوڑھا اب مزید ضعف و اضمحلال کی طرف جائے گا نہ کہ قوت و توانائی کی طرف۔ اس لیے اس کے ذمہ سے قضا ساقط ہو گی۔

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص اس قدر بوڑھا ہو جائے کہ اس کو قوی اور توانا ہونے کی امید نہ رہے اور وہ اپنے اندر روزے رکھنے کی سکت بھی نہ پائے تو وہ ہر روزہ کے بدلہ فدیہ میں ایک مسکین یا فقیر کو دستور کے مطابق ایک وقت کا کھانا کھلا دیا کرے اور اس کے ذمہ اس روزہ کی قضا بھی نہ ہو گی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- بہت بوڑھے پر سے روزہ کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وہ ہر روزہ کے بدلہ فدیہ دے گا جس کی تفصیل اوپر مذکور ہو چکی ہے۔ یہی حکم ان بیماروں اور عذر والوں کا بھی ہوگا جن کو اپنے عذر اور مرض کے جاتے رہنے سے ناامیدی ہو چکی ہو کہ وہ بھی ہر روزہ کے بدلے فدیہ دیں گے۔
- فدیہ میں واجب روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے نہ کہ تیس مسکینوں کو ایک دن میں کھانا کھلانا ہے۔ ان دونوں باتوں میں جو فرق ہے، وہ اہل علم پر مخفی نہیں۔
- معلوم ہوا کہ بدل اور مبدل منہ کو یکجا نہ کیا جائے گا۔ لہٰذا فدیہ جو روزہ کا بدل ہے اس کو اور قضا کو، مبدل منہ ہے، یکجا نہ کیا جائے گا۔ اسی لیے فدیہ دینے کے بعد قضا ذمہ نہیں رہتی۔ اس کی دلیل وَ لَا قَضَاءَ عَلَيْهِ کے الفاظ ہیں۔

ماہِ رمضان میں (روزہ کے دوران) جماع کرنے کا حکم

660- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: هَلَكْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ((وَمَا أَهْلَكَكَ؟)) قَالَ: وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي فِي رَمَضَانَ، فَقَالَ: ((هَلْ تَجِدُ مَا تُعْتِقُ رَقَبَةً؟)) قَالَ: لَا. قَالَ: ((فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں تو ہلاک ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تجھے کس چیز نے ہلاک کر دیا؟'' اس نے عرض کیا: میں رمضان (کے روزہ) میں بیوی سے جماع کر بیٹھا ہوں۔ اس پر آپ ﷺ نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ؟)) قَالَ: لَا، قَالَ: ((فَهَلْ تَجِدُ مَا تُطْعِمُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا؟)) قَالَ: لَا، ثُمَّ جَلَسَ، فَأُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِعَرَقٍ فِيْهِ تَمْرٌ. فَقَالَ: ((تَصَدَّقْ بِهٰذَا))، فَقَالَ أَعَلَى أَفْقَرَ مِنَّا؟ فَمَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَحْوَجُ إِلَيْهِ مِنَّا، فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى بَدَتْ أَنْيَابُهُ، ثُمَّ قَالَ: ((اذْهَبْ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ)).

ارشاد فرمایا: کیا تمہارے پاس آزاد کرنے کو (کسی غلام کی) گردن ہے؟'' اس نے عرض کیا: نہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تب پھر کیا تم دو ماہ کے لگاتار روزے رکھ سکتے ہو؟'' اس نے عرض کیا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہارے پاس ساٹھ مسکینوں کے کھلانے کو کھانا ہے؟'' اس نے عرض کیا: نہیں۔ پھر (اس سوال و جواب کے بعد) وہ شخص (اسی مجلسِ نبوی میں) بیٹھ گیا۔ اتنے میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کھجوروں سے بھرا ایک ٹوکرا لایا گیا۔ آپ ﷺ نے (اس آدمی کو مخاطب کر کے) ارشاد فرمایا: ''اسے (لے جاؤ اور لے جا کر مسکینوں میں) صدقہ کر دو۔'' اس نے عرض کیا کہ کیا اپنے سے بھی زیادہ فقیر محتاج پر (صدقہ کروں)؟ پس ان دو پہاڑیوں کے بیچ میں کوئی گھر والے ایسے نہیں جو ان کھجوروں کے ہم سے زیادہ محتاج ہوں۔ اس پر نبی کریم ﷺ ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے سامنے کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ پھر ارشاد فرمایا: ''(اسے لے) جا، اور اسے اپنے گھر والوں کو کھلا دو۔'' ❶

رَوَاهُ السَّبْعَةُ وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

اس حدیث کو ائمہ سبعہ نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں۔

غریب الحدیث: ...... جَاءَ رَجُلٌ: کسی صحابی کے نام کی جہالت صحتِ حدیث کے حق میں مضر نہیں کیونکہ مقصود حکم ہے نہ کہ راوی کی تعیین۔ دوسرے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب عدول ہیں۔

هَلَكْتُ: یہاں ہلاکت سے ہلاکتِ معنوی مراد ہے نہ کہ ہلاکتِ حسی۔ جس کی دلیل وَ مَا اَهْلَكَكَ؟ کے الفاظ ہیں۔

وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي: وَقَعْتُ یہ جماع سے کنایہ ہے۔ عربوں کی یہ عادت تھی کہ وہ قابل حیا باتوں کو کنایہ سے ذکر کیا کرتے تھے نہ کہ صراحتہً۔

تُعْتِقُ رَقَبَةً: اعْتَاقٌ کسی گردن کو غلامی سے آزاد کرنے کو کہتے ہیں۔ اعتاق لفظوں سے بھی ہوتا ہے جیسے غلام کو یہ کہہ دے کہ ''تو آزاد ہے'' اور اعتاق فعل سے بھی ہوتا ہے جیسے غلام کو ہاتھ کے اشارہ سے غلامی سے آزاد کرنا۔ جبکہ اعتاق کا ایک سبب مِلک بھی ہوتا ہے۔ جیسے باپ، بیٹا، بھائی، چچا، خالہ، ماں وغیرہ میں سے کسی ذی رحم محرم کا مالک بنتے ہی وہ اس پر آزاد ہو جائے گا۔

رَقَبَة: یہ گردن کو کہتے ہیں۔ مراد پورا غلام ہے۔ کیونکہ کسی کی صرف گردن آزاد نہیں ہوا کرتی۔ لہٰذا یہ جز بول کر کل مراد

❶ صحیح البخاری: 6709- صحیح مسلم: 1111- سنن ابی داود: 2390- جامع الترمذی: 724- السنن الکبری للنسائی: 3114- سنن ابن ماجہ: 1671- مسند احمد: 241/2.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لینے کی قبیل سے ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کل کی تعبیر بعض سے بھی کی جا سکتی ہے۔

فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ اَنْ تَصُوْمَ شَهْرَيْنِ ..... قَالَ: لَا: یہاں آپ ﷺ نے کل تین باتیں ذکر فرمائی ہیں:

(1) سب سے پہلے ایک غلام کو آزاد کرنا (2) پھر دو ماہ کے لگا تار روزے رکھنا

(3) اور پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

اَلْعَرَق: یہ ٹوکرے کو کہتے ہیں۔ **فَقَالَ:** اس کے قائل جنابِ رسول اللہ ﷺ ہیں۔

تَصَدَّقْ بِهٰذَا: اس کا مخاطب وہ آدمی تھا۔

اَعَلٰى اَفْقَرَ مِنَّا: یہ ہمزہ استفہامیہ ہے اور یہ جار مجرور ہے جو محذوف کے متعلق ہیں اور تقدیری عبارت یہ ہے اَ اَتَصَدَّقُ عَلٰى اَفْقَرَ مِنَّا یہ صاحب بے حد تنگ دست بھی تھے۔ اسی لیے اس کے بعد یہ عرض کیا:

فَمَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا اَهْلُ بَيْتٍ اَحْوَجُ اِلَيْهِ مِنَّا: لَابَتَيْهَا یہ لَابَةٌ کی تثنیہ ہے اور تثنیہ کا نون اضافت کی وجہ سے گر گیا ہے۔ جبکہ هَا ضمیر کا مرجع معهود فى الذهن ہے، مراد مدینہ نبویہ ہے۔ لَابَةٌ یہ سیاہ سنگلاخ سرزمین کو کہتے ہیں۔ مدینہ نبویہ میں دو لابے تھے، ایک شرقی اور دوسرا غربی۔ اسی لیے ان صاحب نے لَابَتَيْهَا کا لفظ کہا تھا۔

فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ: نبی کریم ﷺ ان صاحب کے حال پر ہنس پڑے تھے کہ وہ صاحب آئے تو تھے ڈرتے ڈرتے کہ جانے ان کو اس فعل پر دربارِ نبوت سے کیا سزا ملے لیکن جب بات ان کھجوروں کے اپنے کیے کے کفارہ میں صدقہ کرنے کی آئی تو جھٹ سے کہنے لگے کہ جب فقیر پر ہی صدقہ کرنا ہے تو پھر مجھ سے زیادہ فقیر اور کون ہوگا۔

اَنْيَابُه: اَنْيَابٌ یہ نَابٌ کی جمع ہے۔ یہ سامنے کے اوپر تلے کے چار دانتوں کے پہلوؤں والے دانتوں کو کہتے ہیں۔ (اردو زبان میں ان کو کچلیوں کے دانت کہتے ہیں۔ [1])

مضمون حدیث: ...... اس حدیث میں یہ اہم ترین مسئلہ مذکور ہے کہ اگر کسی نے فرض روزہ کے دوران بیوی سے جماع کر لیا تو اس پر قضا بھی آئے گی اور کفارہ بھی اور کفارہ میں علی الترتیب اور حسب تیسیر تین باتیں لازم ہیں:

(1) اگر میسر ہو تو غلام آزاد کرے۔ (2) وگرنہ دو ماہ کے لگا تار روزے رکھے۔ (3) یا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

ان کی تفصیل ذیل میں فوائد کے تحت آ جاتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ **تنبیہ:** ...... حضرات علماء کرام اور فقہائے کرام ﷭ نے اس ایک حدیث سے ایک ہزار ایک (1001) فوائد کا استنباط کیا ہے۔ ان میں سے چند فوائد ذیل میں حضرات قارئین کرام اور طلبائے کرام کی نذرِ نظر کیے جاتے ہیں۔

◈ نبی کریم ﷺ کا حسنِ اخلاق اور رب تعالیٰ کی شریعت کی اشاعت۔ کہ آپ ﷺ نے ان آنے والے صاحب کو اس گناہ کبیرہ کے ارتکاب پر نہ تو ڈانٹا اور نہ کوئی سرزنش ہی فرمائی۔ کیونکہ اس نے رمضان کے ایک فریضہ کو توڑ کر رب تعالیٰ کی حرمت کو پامال کیا تھا لیکن چونکہ وہ صاحب تائب ہو کر آئے تھے اس لیے آپ ﷺ نے انہیں کچھ بھی نہ ڈانٹا۔ بس شریعت کا حکم بیان فرما دیا۔

[1] دیکھیں القاموس الوحید، ص: 1731 ، اور یہ دانت نوکدار ہوتے ہیں۔ دیکھیں: فیروز اللغات اردو، ص: 996۔ (نعیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ فتویٰ پوچھتے وقت آدمی اپنے گناہ کی بابت خبر دے سکتا ہے۔ اسے اپنے گناہ کا کھولنا اور راز عیاں کرنا نہ کہا جائے گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان صاحب کے اس اظہار و اقرار پر کوئی نکیر نہ فرمائی تھی۔

◈ رمضان کے روزہ کو بلا عذر اور قصداً جماع کر کے توڑ دینے سے کفارہ واجب ہوتا ہے چاہے اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ جماع کر کے روزہ توڑ دینے سے کفارۂ مغلظہ واجب ہوتا ہے جس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے اور یہ حکم صرف رمضان کے فرض روزہ کا ہے نہ کہ اس کی قضا کا۔ کیونکہ دونوں قسم کے روزوں میں فرق حرمتِ زمان کا ہے جو رمضان میں تو پائی جاتی ہے لیکن غیر رمضان میں نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا رمضان کے روزہ کو جماع کر کے توڑنے پر قضا روزہ کو جماع کر کے توڑنے پر قیاس نہ کیا جائے گا۔ پس غیر رمضان کے روزہ کو جماع کر کے توڑنے سے کفارہ واجب نہ ہو گا گو کہ روزہ فاسد و باطل ہو جائے گا۔

◈ عَلَى امْرَأَتِي یہ وصف طردی کا بیان ہے جسے مفہومِ لقب کہتے ہیں۔ اس کا حکم پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا لہٰذا یہ حکم اپنی بیوی سے جماع کرنے کو بھی شامل ہے اور غیر عورت سے بھی جماع کرنے کو شامل ہے۔ پس اگر کسی نے رمضان کے روزہ کے دوران زنا کر لیا تو اس پر حد بھی آئے گی اور رمضان کے روزہ کا کفارہ بھی آئے گا اور اسے دو کفاروں کا جمع ہونا نہ کہا جائے گا۔ پس ''اپنی بیوی'' کے الفاظ یہ قید کا بیان نہیں بلکہ واقع کا بیان ہے۔

◈ معلوم ہوا کہ یہ حکم رمضان کے واجب روزے کا ہے۔ لہٰذا اگر کسی مسافر نے حالت سفر میں رمضان کے فرض روزہ کے دوران بیوی سے جماع کر لیا تو اس کا روزہ اگرچہ فاسد ہو جائے گا لیکن اس پر کفارۂ مغلظہ واجب نہ ہو گا۔ کیونکہ مسافر کو رمضان کا روزہ دن میں بھی کھول لینا مباح ہے۔

◈ موانع کی بابت استفسار کیے بغیر بھی فتویٰ دے سکتے ہیں۔ جیسا کہ یہاں نبی کریم ﷺ نے اس بات کا استفسار نہیں فرمایا تھا کہ کیا تم ایسا کرتے وقت مسافر تو نہ تھے۔ لہٰذا اگرچہ بعض علماء نے اس استدلال کو غیر مستقیم کہا ہے کیونکہ سائل کا قول هَلَكْتُ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ روزہ واجب تھا۔

◈ مجمل کی بابت استفسار کر سکتے ہیں اس کی دلیل مَا اَهْلَكَكَ؟ کے الفاظ ہیں۔

◈ اگر کسی شے کے مختلف مراتب ہوں تو سوال بھی درجہ بدرجہ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے غلام، دو ماہ کے لگاتار روزوں اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی بابت درجہ بدرجہ سوال فرمایا تھا۔

◈ کفارہ کی دو یا متعدد صورتوں کو یکجا کرنا جائز نہیں مثلاً کوئی یہ نہیں کر سکتا کہ ایک طرف تو آدھا غلام آزاد کر دے اور دوسری طرف ایک ماہ کے روزے رکھ لے۔

◈ رمضان کے فرض روزہ کا کفارہ علی الترتیب ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کفارہ کی ایک صورت سے دوسری کی طرف تب ہی منتقل ہوئے جب یہ معلوم ہو گیا کہ پہلی صورت مخاطب کے بس میں نہیں۔

◈ غلام آزاد کرنا بے حد فضیلت کا سبب ہے کہ کفارہ کی ابتدا اسی سے کی گئی ہے۔

◈ غلاموں کا ہونا شرعاً ثابت ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تھا کہ کیا تمہارے پاس آزاد کرنے کو کوئی غلام ہے؟

◈ اپنے سے بزرگ کو ''نہیں'' کے لفظ کے ساتھ جواب دے سکتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- عبادت کی بابت آدمی اپنے قول و فعل کا امین خود ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے سائل کے جواب ”نہیں“ پر اکتفا فرمایا اور مزید تحقیق احوال نہ فرمائی۔
- کفارہ کے روزوں میں تتابع یعنی ان کا لگاتار رکھنا شرط ہے، اس کی دلیل مُتَتَابِعَيْنِ کا لفظ ہے۔ لہٰذا کفارہ کے روزوں میں اگر ایک دن کا بھی ناغہ ہو گیا تو دو ماہ کے روزے نئے سرے سے رکھے گا۔
- اعتبار مہینہ کا ہے چاہے وہ تیس دن کا ہو یا انتیس دن کا نہ کہ دنوں کی گنتی کا۔ اس کی دلیل شَهْرَيْنِ کا لفظ ہے۔
- اعتبار ساٹھ مسکینوں کو کھلانے کا ہے نہ کہ ساٹھ کا کھانا کھلانے کا۔ ان دونوں باتوں میں جو فرق ہے وہ اہل علم پر مخفی نہیں۔ لہٰذا ساٹھ کا کھانا ایک مسکین کو دینا جائز نہ ہوگا۔ بلکہ ساٹھ مسکینوں کو کھلانا لازم ہے۔ لہٰذا جب بدل کو لیں گے تو کامل لیں گے۔ چنانچہ دو ماہ کے روزوں کی بجائے جب اطعامِ مساکین کی طرف جائیں گے تو پورے ساٹھ مسکینوں کو کھلائیں گے۔
- رمضان کے ”دن“ میں جماع کرنا بہت بھاری گناہ ہے۔ اسی لیے سائل نے اسے ہلاکت خیز قرار دیا اور اتنا گناہ رمضان کے دن میں کھانے پینے سے یا انزال ہو جانے سے نہیں ہوتا۔ کیونکہ جو شہوت جماع کرنے سے ملتی ہے، وہ انزال سے نہیں ملتی۔
- کبھی ایسا رزق بھی ملتا ہے جس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ جیسے کہ یہ صاحب آئے تو تھے اپنے گناہ کی سزا اور اس کا کفارہ معلوم کرنے لیکن گئے تو سالماً غانماً گئے۔
- رمضان کے دن میں جماع کا کفارہ عاجز ہو جانے کے وقت ساقط ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ یہ صاحب جب کفارۂ مغلظہ کے تینوں مراتب سے عاجز نکلے تو ان پر سے یہ کفارہ ساقط ہو گیا۔
- علم کے حلقوں میں بیٹھنا افضل ہے۔ جیسے یہ صاحب مسئلہ پوچھنے کے بعد اسی مجلس میں بیٹھ رہے تھے۔
- مستحقین تک صدقات پہنچانے کے لیے ان صدقات کو امام کے حوالے کر سکتے ہیں۔
- امام کو آنے والے اموال میں تصرف کا اختیار ہے کہ وہ ان کو جہاں چاہے خرچ کرے۔
- کسی کو اس کے کفارہ کے ادا کرنے میں مدد کرنا مستحب ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ان صاحب کو کھجوروں کا ٹوکرا دے کر ان کو کفارہ میں کھلا دینے کو فرمایا۔
- کفارہ کو صدقہ کہہ سکتے ہیں۔ اس کی دلیل تَصَدَّقْ بِهٖ کے الفاظ ہیں۔
- اپنے فقر و غنا، صحت و مرض، دکھ سکھ وغیرہ کے حال کا اظہار جائز ہے البتہ یہ اظہار بطور شکایت کے نہ ہو۔
- اپنے گمان تئیں آدمی جس بات کو اپنے بس سے باہر سمجھے اس کی خبر وہ دوسرے کو دے سکتا ہے۔ جیسے ان صاحب نے یہ بتایا کہ وہ دو ماہ کے لگاتار روزے نہیں رکھ سکتے۔
- امام کے لیے رعایا کے سامنے ہنسنا جائز ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ ان صاحب کی بات سن کر سب کے سامنے ہنس پڑے تھے۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کبھی کبھی ہنس بھی لیتے تھے گو اکثر تبسم فرمایا کرتے تھے۔
- معلوم ہوا کہ باعثِ تعجب امر پر ہنسنا جائز ہے۔
- أَطْعِمْهُ أَهْلَكَ یہاں امر اباحت کے لیے ہے نہ کہ وجوب کے لیے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ امر کبھی کبھی اباحت کے لیے بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے۔

◈ کیا آدمی خود بھی اپنے کفارہ کا مصرف ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تو علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ البتہ اس میں یہ شرط ہے اسے اپنے کفارہ کا مصرف کوئی دوسرا بنائے وہ خود ہی خود کو اپنے کفارہ کا مصرف نہ بنائے۔

◈ فقیر پر سے کفارہ کے ساقط ہونے کی بابت علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک کفارہ ساقط نہیں ہوتا کیونکہ کفارہ دَین ہوتا ہے اور دَین فقر کی وجہ سے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا بلکہ اس کے غنی ہونے تک اس کے ذمہ رہتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کھجوریں دیتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ ان کو صدقہ کردو، نا کہ یہ فرمایا تھا کہ تمہارے عاجز ہونے کی وجہ سے کفارہ تم پر سے ساقط ہو چکا ہے۔ اگرچہ یہ توجیہ صحیح ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ عاجز ہونے کی وجہ سے کفارہ ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔

◈ رمضان کے دن میں جماع کرنے سے مرد پر تو کفارہ آتا ہی ہے، رہی بیوی تو ایک قول یہ ہے کہ اس پر کوئی کفارہ نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے کفارہ ادا کرنے کی بابت سوال مرد سے ہی کیا تھا نا کہ عورت کی بابت بھی کوئی حکم ارشاد فرمایا تھا۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ شریعت کا یہ بنیادی قاعدہ ہے کہ مرد اور عورت کا عبادات میں حکم ایک ہے الا یہ کہ دونوں میں سے کسی ایک کے اس حکم سے استثنا کی کوئی دلیل ہو۔ لہٰذا جو عورت رمضان کے دن میں خاوند کو جماع کا موقع دے گی اس پر بھی وہی کفارہ آئے گا جو مرد پر آتا ہے۔

◈ صحیح قول یہ ہے کہ رمضان کے جس روزہ کو جماع کر کے توڑا ہے، اس کی قضا بھی ذمہ ہے کیونکہ

⊙ ...... جس روزہ کو شروع کر لیا اس کو پورا کرنا لازم ہے۔

⊙ ...... جماع مفسدِ صوم ہے اور جو روزہ فاسد کر دیا جائے اس کی قضا لازم ہوتی ہے۔

◈ رہا بھول کر یا لاعلمی میں جماع کرنا تو وہ معاف ہے۔ کیونکہ ان صاحب پر یہ کفارہ اس لیے آیا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان پر اس فعل کا کوئی نہ کوئی کفارہ ضرور آئے گا اور اسی کو معلوم کرنے وہ آئے تھے۔ اس کی دلیل ان کا یہ قول ہے: ''میں تو ہلاک ہو گیا۔''

روزہ دار کے حالت جنابت میں صبح کرنے کا حکم

661,662۔ وَعَنْ عَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ رضي الله عنهما: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصْبِحُ جُنُبًا مِنْ جِمَاعٍ ، ثُمَّ يَغْتَسِلُ وَيَصُومُ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَزَادَ مُسْلِمٌ فِي حَدِيثِ أُمِّ سَلَمَةَ: ((وَلَا يَقْضِي)).

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جماع کی وجہ سے جنبی ہونے کی حالت میں صبح کر لیتے پھر غسل فرماتے (اور نماز ادا فرماتے) اور روزہ (جاری) رکھتے۔ [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

اور صحیح مسلم کی روایت میں حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا میں یہ الفاظ زائد ہیں: ''اور قضا نہ فرماتے تھے۔''

غریب الحدیث:...... جُنُبًا: یہ یُصْبِحُ کی ضمیر فاعل سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

[1] صحیح البخاری: 1926- صحیح مسلم: 1109

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِنْ جِمَاعٍ: یہ قید احترازی ہے کیونکہ بسا اوقات آدمی ہم آغوش ہونے کی وجہ سے بھی جنبی ہو جاتا ہے۔ رہا احتلام کی وجہ سے جنبی ہونا تو وہ نبی کریم ﷺ کے حق میں ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بات نبی کریم ﷺ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ ﷺ کو احتلام نہ ہوتا تھا۔ تب پھر یہ قید احترازی ہے اور مذکورہ من سببیہ ہوگا۔

ثُمَّ يَغْتَسِلُ وَ يَصُومُ: مراد روزہ کو جاری رکھنا ہے۔ یعنی آپ ﷺ طلوع فجر سے پہلے جنبی ہو جانے کو روزہ کے حق میں فساد نہ سمجھتے تھے۔

وَ لَا يَقْضِي: اگرچہ حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا میں مذکور اس نفی کے ذکر کی احتیاج نہ تھی لیکن یہ ذکر علی سبیل التاکید ہے۔

مضمون حدیث: ......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ حالتِ جنابت میں روزہ کا شروع ہو جانا روزہ کے حق میں مفسد و مبطل نہیں بلکہ آدمی طلوعِ فجر کے بعد بھی غسل کر کے پاک ہو سکتا ہے اور بعد میں اپنا روزہ جاری رکھے گا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- آدمی کے لیے حالت جنابت میں روزہ کا آغاز کرنے میں کوئی حرج نہیں۔
- معلوم ہوا کہ آدمی طلوع فجر کے آخری وقت تک بیوی سے جماع کر سکتا ہے۔ تبھی تو اس پر فجر اس حالت میں طلوع ہوگی کہ وہ جنبی ہوگا۔
- ضرورت و مصلحت کی بنا پر قابل حیا باتوں کو صراحۃً بھی بیان کر سکتے ہیں۔
- اس حدیث پر قیاس کرتے ہوئے علماء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ جب عورت طلوع فجر سے قبل پاک ہو جائے تو وہ روزہ رکھ سکتی ہے گو اس نے ابھی تک غسل نہ بھی کیا ہو۔
- مذکورہ حکم فرض اور نفل دونوں روزوں کو شامل ہے۔

روزہ کی قضا ذمہ ہونے کی حالت میں مرجانے والے کا حکم

663۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”جو آدمی اس حال میں مرگیا کہ اس کے ذمے (کچھ) روزے تھے تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے۔“ [1]

یہ حدیث ”متفق علیہ“ ہے۔

غریب الحدیث: ......مَنْ مَاتَ: مذکورہ مَنْ شرطیہ ہے۔ لہٰذا یہ جملہ شرطیہ ہے۔

وَ عَلَيْهِ صِيَامٌ: یہ جملہ حالیہ ہے اور یہ مات فعل کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔ بظاہر مراد واجب روزہ ہے جس میں کفارہ، نذر اور قضا کا روزہ شامل ہے۔ لہٰذا یہ عام مطلق ہوگا اور روزہ ذمہ میں واجب تب ہوتا ہے جب قدرت کے باوجود کوئی روزہ نہ رکھے۔ جیسے کسی نے ایک رمضان کے روزے نہ رکھے۔ پھر شعبان میں جا کر فوت ہو گیا تو اس کے ذمہ یہ روزے واجب رہیں گے کیونکہ یہ چاہتا تو یہ روزے رکھ سکتا تھا۔ کیونکہ نفل روزہ کی تعبیر عَلٰی حرفِ جر کے ساتھ نہیں کی جاتی۔ کیونکہ عَلٰی وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

---

[1] صحيح البخاري: 1952- صحيح مسلم: 1147.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ: یہ جملہ جوابِ شرط ہے اور بظاہر یہ جملہ خبریہ ہے لیکن معنی کے اعتبار سے امر ہے۔ لہٰذا یہ جملہ فَلْيَصُمْ کے معنی میں ہوگا اور یہ امر استحباب کے لیے ہے نہ کہ وجوب کے لیے۔ کیونکہ اگر ہم وجوب کا قول کریں گے تو روزہ نہ رکھنے کی صورت میں ولی کا گناہگار ہونا لازم آئے گا۔ جو کہ اس قاعدہ شرعیہ کے خلاف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ (الانعام: 164) ''اور نہ کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسری کا بوجھ اٹھائے گی۔''

اور ولی سے مراد وارث ہے۔

مضمونِ حدیث: ......اس حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی کے ذمہ نذر، کفارہ یا قضا کا روزہ تھا اور اسے یہ روزے رکھنا امکان میں بھی تھا مگر ابھی یہ روزے رکھے نہ تھے کہ اس کی وفات ہوگئی تو اس کا ولی اس کی طرف سے یہ روزے رکھے گا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ اگر مورث اپنے ذمہ واجب روزے رکھے بغیر مر جائے تو اس کے وارث کے لیے اس کی طرف سے روزے رکھنا مشروع ہے۔ اس کی دلیل صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ کے الفاظ ہیں۔ وگرنہ ایسا کرنا غیر مشروع اور بدعت ہوتا۔
- اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو اپنے ذمہ واجب روزے رکھے بغیر مر گیا، اس کی طرف سے روزے رکھنا مشروع ہے۔ اس باب میں راجح قول یہی ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ کوئی کسی کی طرف سے روزے نہ رکھے گا۔ جبکہ ایک قول یہ ہے کہ مرنے والے کی طرف سے اس کے نذر کے روزے تو رکھے جائیں گے البتہ رمضان کے قضا روزے نہ رکھے جائیں گے۔ گویا کہ یہ کل تین اقوال ہوگئے:

(1) مرنے والے کی طرف سے رمضان کے قضا روزے رکھے جاسکتے ہیں۔

(2) کوئی کسی کی طرف سے روزے نہ رکھے گا نہ رمضان کے اور نہ کسی اور کے جیسے نذر وغیرہ۔

(3) مرنے والے کی طرف سے نذر کے روزے تو رکھے جائیں گے البتہ رمضان کے روزے نہ رکھے جائیں گے۔

اب دوسرے قول کے قائلین کا استدلال اس حدیث سے ہے: ''نہ تو کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھے گا اور نہ کوئی کسی کی طرف سے نماز ہی پڑھے گا۔'' [1] لہٰذا ان حضرات کے نزدیک حدیث الباب اس حدیث کی وجہ سے منسوخ ہے۔ پھر اگر ہم اس بات کے قائل ہو بھی جائیں کہ مرنے والے کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے گا۔ تب پھر یا تو وہ رکھے گا یا پھر نہیں رکھے گا۔ پھر اگر نہ رکھنے کی صورت میں ہم اسے گناہ گار کہتے ہیں تو یہ امر اس آیت کے خلاف ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ (الانعام: 164) ''اور نہ کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسری کا بوجھ اٹھائے گی۔''

اور اگر ہم اسے گناہ گار نہیں کہتے تو یہ امر حدیث الباب کے ظاہر کے خلاف ہے، کیونکہ حدیث صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ کا ظاہر امر پر مشتمل ہے اور امر اصل میں وجوب کے لیے ہوتا ہے اور ترکِ واجب پر گناہ گار نہ ہونا معہود و مشروع نہیں۔ لہٰذا حدیث الباب منسوخ ہوگی۔

تیسرے قول کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ اصل شرع پر مبنی واجب یہ فرض ہونے کے اعتبار سے نذر پر مبنی واجب سے

---

[1] السنن الکبریٰ للنسائی: 2917، 2918۔ باسناد صحیح۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ موکد ہے کیونکہ واجب باصل الشرع کو رب تعالیٰ نے بندوں پر واجب کیا ہے جبکہ واجب باصل النذر کو بندے نے خود اپنے اوپر واجب کیا ہے۔ تب پھر نذر کے روزے میں تو نیابت داخل ہوگی جبکہ فرض روزے میں نیابت داخل نہ ہوگی۔ جیسے ذمہ میں قرض ہو تو مرنے کے بعد اسے مرنے والے کی طرف سے ادا کیا جاتا ہے۔

دوسرے قول کے قائلین کی دلیل ردّ ہے کیونکہ ان کی پیش کردہ حدیث ضعیف ہے۔ دوسرے اگر ہم اس پیش کردہ دلیل کو صحیح مان بھی لیں تب بھی یہ حدیث ''عام'' کہلائے گی جبکہ حدیث الباب اس کی مخصص کہلائے گی اور ''کوئی کسی کی طرف سے روزہ نہ رکھے۔'' کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ حکم زندہ ہونے کی حالت سے متعلق ہے کہ کوئی زندہ کسی زندہ کی طرف سے اس کے ذمہ واجب عبادت کو ادا نہیں کرسکتا۔ جبکہ موت کا مسئلہ ''مسئلہ خاصہ'' ہے۔ لہٰذا حدیث الباب ان کی پیش کردہ حدیث کی مخصص ہوگی۔

رہی تیسرے قائلین کی پیش کردہ دلیل تو وہ تعلیل علیل ہے۔ کیونکہ واجب بالنذر بہ نسبت واجب باصل الشرع کے قلیل ہے تب پھر ہم حدیث الباب کو کثیر الوقوع کو چھوڑ کر نادر الوقوع پر کیونکر محمول کر سکتے ہیں۔ بلاشبہ یہ بعید ہے اور یہ کلام کو اس کے ظاہر سے پھیرنے کے مترادف ہوگا۔ اس لیے صحیح اور راجح قول یہی ہے، جو کہ پہلا قول ہے کہ مرنے والے کی طرف سے رمضان کے فرض روزوں اور نذر کے روزوں دونوں کی قضا اس کا ولی رکھ سکتا ہے۔

◈ اگر کسی کے متعدد ولی ہوں اور وہ سب مرنے والے کے روزوں کو باہم تقسیم کر کے رکھیں تو یہ درست ہوگا اس کی دلیل صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ ‌ کا عموم ہے۔ البتہ اگر قضا روزہ ایسا ہو کہ جس میں تتابع شرط تھی اس میں ایسا کرنا جائز نہ ہوگا جیسا کہ کفارہ کے روزے کہ تتابع کی شرط یہ ہے کہ اس میں ایک کی طرف سے متعدد افراد روزے نہ رکھیں۔

1۔ بَابُ صَوْمِ التَّطَوُّعِ، وَمَا نُهِيَ عَنْ صَوْمِهِ
نفل روزوں اور ممنوع روزوں کا بیان

تمہید:..... صَوْمُ التَّطَوُّعِ: یہ اِضَافَةُ الشَّيْءِ اِلٰى نَوْعِهٖ ایک شے کی اس کی نوع کی طرف اضافت کی قبیل سے ہے کیونکہ روزوں کی قسمیں ہیں جیسے رمضان کا فرض روزہ، کفارہ کا روزہ، فدیہ کا روزہ اور نفل روزہ وغیرہ۔

وَمَا نُهِيَ عَنْ صَوْمِهٖ: مَا سے مراد اَیَّام ہیں یعنی ان دنوں کا بیان جن میں روزہ رکھنا ممنوع ہے۔ اب روزہ کی ممانعت کبھی کسی ایسے امر کی وجہ سے ہوتی ہے جس کی تعلق شرع شریف سے ہو اور اس کا تعلق زمانہ سے ہوتا ہے۔

نفل روزہ کی مشروعیت کی حکمتیں

نفل روزہ کی مشروعیت اسلام کے محاسن میں سے ہے اور یہ بندوں پر رب تعالیٰ کی رحمت ہے۔ کیونکہ

(1) نفل روزوں سے فرض روزوں میں واقع ہونے والی کمی کوتاہیوں کو تلافی کردی جاتی ہے۔

(2) اس سے بندے کا ایمان اور عنداللہ اس کا اجر وثواب دونوں بڑھ جاتے ہیں۔

یوم عرفہ اور یوم عاشوراء کے روزہ کی فضیلت

664۔ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ، حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے یوم عرفہ کے روزہ (کے اجر وثواب) کی بابت سوال کیا گیا تو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَقَالَ: ((يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ وَالْبَاقِيَةَ))، وَسُئِلَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ، فَقَالَ: ((يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ))، وَسُئِلَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ، فَقَالَ: ((ذٰلِكَ يَوْمٌ وُلِدْتُ فِيْهِ، وَبُعِثْتُ فِيْهِ وَأُنْزِلَ عَلَيَّ فِيْهِ)).

رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''یہ روزہ گزشتہ اور آئندہ سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔'' اور (پھر) آپ ﷺ سے عاشوراء کے دن کے روزہ (کے اجر و ثواب) کی بابت سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ روزہ گزشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔'' اور (پھر) آپ ﷺ سے سوموار کے دن کے روزہ (کے اجر و ثواب) کی بابت پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ وہ دن ہے جس دن میں پیدا ہوا تھا اور اسی دن مجھے نبوت ملی تھی یا (راوی کو شک ہے کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ) اسی دن مجھ پر وحی نازل کی گئی تھی۔''❶

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ...... يَوْمِ عَرَفَةَ: عرفہ کا دن۔ یہ 9 ذوالحجہ کے دن کو کہتے ہیں۔ اس دن کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس دن لوگ وادیٔ عرفہ میں وقوف کر کے حج ادا کرتے ہیں۔ اس کی مزید تفصیل کتاب الحج میں آجائے گی۔

يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ: يُكَفِّرُ یہ تَكْفِيْر سے ہے اور تکفیر چھپانے اور ڈھانپنے کو کہتے ہیں۔ اس لفظ کے معنی کو تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے۔ گزشتہ سال کا مطلب واضح ہے۔ البتہ کیا:

وَ الْبَاقِيَةَ: سے مراد سال کے رہ جانے والے باقی کے دن ہیں جو نو ذی الحجہ سے لے کر یکم محرم تک ہیں؟ تو اس بارے صحیح قول یہ ہے کہ اس سے نو ذی الحجہ سے لے کر آئندہ سال کے نو ذی الحجہ تک کا زمانہ مراد ہے۔

يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ: یہ دسویں محرم کے دن کو کہتے ہیں۔ اس دن کا روزہ رکھنا مشروع ہے۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ نبویہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہود کو اس دن کا روزہ رکھتے دیکھا۔ ان لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ ہم اس دن کا روزہ اس لیے رکھتے ہیں کیونکہ اس دن رب تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو بچایا تھا جبکہ فرعون اور اس کے لشکریوں کو غرقِ آب کر کے ہلاک کر دیا تھا۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہم تم لوگوں سے زیادہ موسیٰ کے قریب ہیں۔''❷ چنانچہ آپ ﷺ نے خود بھی اس دن کا روزہ رکھا اور اہل ایمان کو بھی اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

اکثر علماء کا قول ہے کہ عاشورا کا روزہ پہلے واجب تھا جو بعد میں رمضان کے فرض ہو جانے کی وجہ سے منسوخ ہو گیا۔ عاشوراء کا روزہ معروف ہے جس کی آپ ﷺ نے یہ فضیلت بیان فرمائی ہے کہ اس سے گزشتہ ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ: سوموار کا دن۔ یہ معروف ہے۔ اس دن کی بابت آپ ﷺ نے دو باتیں ارشاد فرمائیں: (1) ایک یہ کہ یہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کا مبارک دن ہے۔ (2) دوسری یہ کہ اس میں آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا۔

اَوْ اُنْزِلَ عَلَيَّ فِيْهِ: مذکورہ اَوْ شک کے لیے ہے اور یہ شک راوی کی طرف سے ہے۔ مراد وحی کا نزول ہے۔

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تین مذکورہ دنوں میں روزہ رکھنے کی ترغیب دی

❶ صحيح مسلم: 1162. ❷ متفق عليه: صحيح البخاري: 3943- صحيح مسلم: 1130.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور ان دنوں کے فضائل بھی بیان فرمائے ہیں۔ غرض ان دنوں میں روزہ رکھنا مشروع اور نفل ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم علم کے بے حد حریص تھے اور ان کا علم سیکھنا عمل کے لیے ہوتا تھا نہ کہ صرف معلومات اکٹھی کرنے کے لیے۔

◈ حدیث کے ظاہر سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ عرفہ اور عاشوراء کے دنوں کے روزے صغیرہ اور کبیرہ دونوں قسم کے گناہوں کا کفارہ ہیں۔ چنانچہ بعض علماء کا قول ہے کہ جس بات کو نبی کریم ﷺ نے مطلق رکھا ہے، اسے ہم بھی مطلق رکھیں گے۔ لہٰذا ان دنوں کے روزوں سے صغیرہ اور کبیرہ دونوں گناہ معاف ہوں گے۔ لیکن جمہور علماء نے اس قسم کی بشارتوں کو صغائر کے ساتھ مقید کیا ہے۔ لہٰذا کبائر کی معافی کے لیے توبہ شرط ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ عرفہ یا عاشوراء کا روزہ فرض نمازوں اور جمعہ سے افضل و موکد نہیں اور یہ نمازیں بھی اس شرط پر گناہوں کا کفارہ ہیں کہ کبائر سے اجتناب کیا جائے جیسا کہ کتاب الصلوٰۃ میں بیان ہوا۔ تو جب ارکانِ اسلام کبائر کے کفارہ میں موثر نہیں تو بھلا ایک نفلی عبادت کبائر کے کفارہ میں کیونکر موثر ہو سکتی ہے۔ اس لیے راجح قول یہی ہے کہ مراد گزشتہ یا آئندہ سال کے صغائر ہیں نہ کہ کبائر کہ ان کی معافی کے لیے توبہ شرط ہے۔

◈ حدیث کا عموم بظاہر اس بات کو مقتضی ہے کہ عرفہ کا روزہ عرفہ میں کھڑے اور دوسرے دنوں کو عام ہے۔ لیکن جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ اس روزہ کی مشروعیت اس کے لیے ہے جو میدانِ عرفہ میں وقوف کیے ہوئے نہ ہو، جبکہ وقوف کرنے والے کے لیے مشروع اس دن کا روزہ نہ رکھنا ہے۔ جیسا کہ ایک ضعیف حدیث میں آتا ہے کہ ''نبی کریم ﷺ نے عرفہ کے دن عرفہ کے میدان میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔'' [1] اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن نبی کریم ﷺ کا فعل اس کی تائید کرتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے عرفہ کے دن سب کے سامنے پیالہ منگوا کر اس کا پانی نوش فرمایا اور روزہ کھول لیا تھا۔

◈ یہ بشارت گزشتہ اور آئندہ دونوں سال کے گناہوں کو شامل ہے۔ البتہ اس سے آئندہ کا ایک ہی سال مراد ہے نہ کہ موت تک کا آئندہ کا زمانہ کہ یہ تخصیص صرف نبی کریم ﷺ کی ہے کہ آپ ﷺ کے مستقبل کے مرتے دم تک کے گناہ معاف تھے۔ جس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ (الفتح: 2)

''تاکہ اللہ تیرے لیے بخش دے تیرا کوئی گناہ جو پہلے ہوا اور جو پیچھے ہوا۔''

دوسرے مستقبل میں کفارۂ سیآت کی ابدی بشارت اصحابِ بدر کے واسطے ہے جس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے: ''رب تعالیٰ نے اہل بدر کو جھانک کر دیکھا تو ارشاد فرمایا: ''جو چاہو کرو، میں نے تم لوگوں کو بخش دیا ہے۔'' کیونکہ ان لوگوں کی نیکی بہت بڑی تھی جس کی نظیر پوری تاریخ اسلام میں نہیں ملتی۔

◈ اس حدیث سے عرفہ اور عاشوراء کے دنوں کی فضیلت معلوم ہوگئی اور یہ بھی کہ عرفہ کا دن بہ نسبت عاشوراء کے دن کے

---

[1] سنن ابی داود: 2440۔ السنن الکبری للنسائی: 2795۔ اس کی اسناد میں مہدی الہجری ہے۔ ابن معین کہتے ہیں، میں ان کو نہیں جانتا۔ عقیلی کا قول ہے کہ اس کا متابع نہیں۔ دیکھیں: الضعفاء للعقیلی: 298/1۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ فضیلت والا ہے۔

- معلوم ہوا کہ سابقہ امتوں کے مسلمانوں پر ہونے والی رب تعالیٰ کی نعمت ورحمت، یہ قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے بھی ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے بھی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی نصرت کی خوشی میں روزہ رکھا تھا۔
- سوموار کے دن کی فضیلت، اور یہ کہ اس دن کا روزہ مستحب اور افضل ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس دن کے فضائل بیان فرما کر گویا کہ اس دن روزہ رکھنے کی ترغیب دی ہے اور ان مذکورہ فضائل کا امت کے لیے نافع ہونا بدیہی ہے۔
- جشن آمد رسول کا حکم:......جن لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کر کے جشنِ عید میلاد النبی ﷺ کے جواز کا قول کیا ہے، ان کا یہ استدلال بوجوہ غلط ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے:
- ..... نبی کریم ﷺ نے اس دن کی فضیلت کے لیے اس دن روزہ رکھنے کو متعین فرمایا ہے۔ لہٰذا اس دن مشروع روزہ رکھنا ہے۔ اس کے سوا دیگر افعال بجالانا غیر مشروع ہے۔ لہٰذا یہ حدیث خود اس قول کے قائلین کے خلاف جاتی ہے نہ کہ ان کے حق میں جاتی ہے۔
- ......دوسرے یہ کہ اس حدیث میں خوشی منانے کے طور پر روزہ رکھنے کی تعیین باعتبار دن کے ہے نہ کہ مہینہ کے۔ پس اس حدیث میں فضیلت دن کی ہے جو سوموار ہے نہ کہ ربیع الاول کی جو کہ مہینہ ہے۔
- ......تیسرے اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس دن کے اعتبار سے تین باتوں کو ذکر فرمایا ہے۔

(1) ولادت باسعادت (2) بعثتِ نبوت (3) نزولِ وحی

اب یہ حضرات صرف ولادت کی خوشی کا جشن تو مناتے ہیں جبکہ بعثتِ نبوت اور نزولِ قرآن کا بالکل بھی اعتبار نہیں کرتے۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ کی بعثتِ نبوت اور آپ ﷺ پر نزولِ قرآن کا رتبہ و مرتبہ اور مقام و فضیلت نفسِ ولادت باسعادت کی فضیلت سے زیادہ کامل و مکمل ہے۔ پس ہمیں دینِ اسلام تو آپ کی بعثت کے بعد ہی ملا ہے جبکہ ایک نبی بھی تو بعثت کے بعد ہی نبی بنتا ہے۔

- معلوم ہوا کہ ان تین ایام میں روزہ رکھنا مشروع ہے جن میں سے دو روزے سالانہ جبکہ ایک روزہ ہفتہ وار ہے۔

شوال کے چھ دنوں کے روزوں کی فضیلت

665۔ وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ، كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس نے رمضان کے روزے رکھے، پھر ان کے پیچھے شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ گویا کہ ہمیشہ کے روزے ہیں۔''❶ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:......مَنْ صَامَ: مذکورہ مَنْ شرطیہ ہے اور یہ جملہ شرطیہ ہے اور مراد پورے رمضان کے روزے رکھنا ہے کیونکہ بعض روزے رکھنے والے کو یہ نہیں کہا جاتا کہ اس نے رمضان کے روزے رکھے ہیں۔

كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ: یہ جملہ جوابِ شرط ہے۔

❶ رواه مسلم: 1164.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثُمَّ أَتْبَعَهُ: یعنی پھر اس نے شوال کے ان چھ دنوں کو رمضان کا تابع بنا دیا۔ کیونکہ ثُمَّ یہ ترتیب علی التراخی کے لیے ہوتا ہے۔

سِتًّا: یہ عدد ہے جو مذکر ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا معدود مونث ہوگا جو یہاں محذوف ہے اور وہ لفظ اَلْاَیَّام ہے جو جمع ہونے کے اعتبار سے مونث ہے۔

مِنْ شَوَّالٍ: لفظ شوال منصرف ہے، اسی لیے اس کی حالت جری لفظی جر کے ساتھ اور تنوین کے ساتھ ہے۔ اسلامی مہینوں کے ناموں میں سے مندرجہ ذیل نام منصرف ہیں: شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، ربیع الاول، ربیع الثانی اور رجب۔

كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ: کَانَ یہ فعل ناقص ہے جس کی ضمیر هُوَ اس کا اسم ہے اور اس کا مرجع معنوی ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی كَانَ صَوْمُ رَمَضَانَ وَاتْبَاعُهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَصِيَامِ الدَّهْرِ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا ملتا ہے۔ لہٰذا رمضان کے ایک مہینہ کے روزوں کا ثواب دس ماہ کے برابر ہوا۔ جبکہ شوال کے چھ دن کا دس گنا ثواب 60 دن یعنی دو ماہ کے روزوں کے بقدر بنا۔ گویا کہ اب اجر کے اعتبار سے اس نے سال بھر کے روزے رکھے اور جو ہر سال ایسا کرے گا گویا کہ اس نے زندگی بھر روزے رکھے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں رمضان کے بعد ماہِ شوال میں بھی چھ روزے رکھنے کی ترغیب ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مذکورہ حدیث میں شوال کے چھ روزوں کی ترغیب ہے نہ کہ ان کے وجوب کا بیان ہے۔ اس کی دلیل كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ کے الفاظ ہیں اور اس میں اس بات کا بیان ہے کہ رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنے کا اجر سال بھر روزے رکھنے کے برابر ہے۔ لہٰذا جو ایسا ہر سال کرے گا گویا کہ اس نے اجر کے اعتبار سے زندگی بھر کے روزے رکھے ہیں۔
- یہ ثواب تب ہی ملے گا جب پورے رمضان کے روزے بھی رکھے ہوں۔ لہٰذا جو رمضان کے چند روزے قضا کر دے گا وہ شوال کے روزوں کو اور قضا روزوں کو رکھ کر بھی یہ اجر نہ پا سکے گا۔
- شوال کے یہ روزے لگاتار بھی رکھ سکتے ہیں اور متفرق بھی۔ کیونکہ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ کے الفاظ مطلق ہیں۔ البتہ افضل یہ ہے کہ رمضان کے بعد ایک دن کا فصل کر کے شوال کے روزے شروع کرے۔
- اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو یہ چھ روزے شوال گزر جانے کے بعد رکھے گا وہ بھی اس اجر کا سزاوار نہ ہوگا اور رہا ان روزوں کا کسی عذر کی وجہ سے رہ جانا تو ان کی قضا رکھنے کی بابت دونوں قسم کے اقوال ہیں نہ رکھنے کا بھی اور رکھنے کا بھی۔

فی سبیل اللہ روزہ رکھنے کی فضیلت

666- وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا مِنْ عَبْدٍ يَصُوْمُ يَوْمًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ إِلَّا بَاعَدَ اللّٰهُ بِذٰلِكَ الْيَوْمِ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''نہیں کوئی بندہ جو اللہ کی راہ میں ایک دن کا روزہ رکھتا ہے مگر یہ کہ رب تعالیٰ اس دن کی بدولت اس کے چہرے سے آتش جہنم کو ستر سال (کی مسافت) تک دور کر دیتے ہیں۔'' [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں۔

---

[1] صحيح البخاري: 2840- صحيح مسلم: 1153 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غریب الحدیث :......مِنْ عَبْدٍ: اگر چہ عَبْدٌ کا لفظ مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے لیکن مراد مومن ہے کیونکہ روزہ کا مکلّف بندۂ مومن ہے۔ نہ کہ کافر، تب پھر یہ عام بول کر خاص مراد لینے کی قبیل سے ہے۔

يَوْمًا: یہاں یَوْمًا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے نہ کہ مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے، کیونکہ یہاں اس پر فعل کا وقوع ہو رہا ہے نہ کہ فعل کا وقوع اس میں ہو رہا ہے۔

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: اس کی مراد میں دو احتمال ہیں: (1) رب تعالیٰ کی شریعت (2) راہِ جہاد

اگر پہلا احتمال مراد لیں تو مراد اخلاص اور سنت کی کامل متابعت ہوگی کیونکہ فی سبیل اللہ والا عمل تب ہی بنتا ہے جب اس میں اخلاص اور سنت کی پیروی دونوں باتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ جبکہ اس سے راہِ جہاد مراد لینا اغلب اور بدیہی ہے۔ دوسرے راہِ جہاد میں روزہ زیادہ مشقت کا باعث ہے جو اس کے ایمان کے زیادہ قوی ہونے کی دلیل ہے۔ اسی لیے اس کو زیادہ اجر بھی ملے گا۔

اِلَّا بَاعَدَ: بَاعَدَ یہ بعد سے ہے۔ یعنی رب تعالیٰ جہنم کی آگ کو اس سے بعید اور دُور کر دے گا۔ معلوم ہوا کہ اس دن کا روزہ گناہوں کو ختم کرتا ہے۔ کیونکہ گناہ دخولِ نار کا سبب ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب اس کے اور جہنم کے درمیان دُوری کر دی جائے گی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے گناہ معاف کر دیے گئے ہیں۔

سَبْعِيْنَ: یہ لفظ ظرفِ زمان کا نائب ہے۔ اسی لیے مفعول فیہ کی نیابت میں منصوب ہے۔

خَرِيْفًا: یہ عدد کی تمیز ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ اگر چہ خریف سال کے ایک موسم کا نام ہے اور یہ خزاں اور پت جھڑ کے موسم کو کہتے ہیں لیکن مراد پورا سال ہے۔ یاد رہے کہ یہاں ''ستر سال'' کا ذکر حقیقت کے طور پر ہے نہ کہ مبالغہ کے طور پر۔ کیونکہ نہ تو کلامِ نبوی میں بلا وجہ مبالغہ اور مجاز ہوتا ہے اور نہ یہ بات قدرتِ خداوندی سے بعید ہے۔ لہٰذا یہاں مبالغہ مراد لینے کی کوئی وجہ نہیں۔

مضمونِ حدیث :......راہِ خدا میں ایک دن روزہ رکھنا بے حد فضیلت کی بات ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- راہِ خدا میں روزہ رکھنا بے حد فضیلت کا باعث ہے۔ جبکہ دوسرے احتمال کے مطابق اخلاص کے ساتھ اور سنت کے مطابق روزہ رکھنے کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔
- مذکورہ حدیث سے جہنم اور اس کی آگ اور اس کے عذابوں کا اثبات بھی معلوم ہو گیا۔

شعبان میں روزہ رکھنے کی فضیلت

667۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصُوْمُ حَتّٰى نَقُوْلَ: لَا يُفْطِرُ، وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ: لَا يَصُوْمُ، وَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ إِلَّا رَمَضَانَ، وَمَا رَأَيْتُهُ فِيْ شَهْرٍ أَكْثَرَ مِنْهُ صِيَامًا فِيْ شَعْبَانَ)).

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ (بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ) حضرت رسالت مآب ﷺ روزہ رکھتے رہتے یہاں تک کہ ہم لوگ یہ کہہ اٹھتے کہ اب آپ ﷺ روزہ رکھنے میں ناغہ نہ فرمائیں گے اور (بسا اوقات یوں بھی ہوتا کہ) آپ ﷺ روزہ کا ناغہ شروع فرماتے (اور اتنا ناغہ فرماتے) حتیٰ کہ ہم لوگ یہ کہہ اٹھتے کہ اب آپ ﷺ روزہ نہ رکھیں گے اور میں نے سوائے رمضان کے آپ ﷺ کو کسی پورے مہینہ کے روزے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھتے نہیں دیکھا اور میں نے آپ ﷺ کو شعبان سے زیادہ کسی دوسرے مہینہ میں (نفلی) روزے رکھتے نہیں دیکھا۔ ❶

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ. یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں۔

غریب الحدیث:...... وَعَنْ عَائِشَةَ: ... امہات المؤمنین کے پاس نبی کریم ﷺ کی نجی زندگی کے وہ حالات تھے جن کی خبر دوسروں کو نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نجی عبادات کی معلومات حاصل کرنے کے لیے صحابہ کرام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس آیا کرتے تھے، کیونکہ ان باتوں کا سب سے زیادہ علم انہی کو تھا۔ اور یہی وہ حکمت ہے تعددِ ازواج کی جس کے پیش نظر آپ ﷺ نے متعدد نکاح کیے تھے۔ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ يَصُومُ ..... لَا يَصُومُ: یعنی آپ ﷺ نفلی روزے رکھنے شروع فرماتے تو رکھتے ہی چلے جاتے اور جب ناغہ فرماتے تو ناغہ کرتے ہی چلے جاتے۔ یہ مذکورہ حال ان معتاد روزوں کے علاوہ کا ہے جو آپ ﷺ سوموار، جمعرات یا مثلاً ہر ماہ کے ایام بیض میں رکھتے تھے۔ اس تنویع کی حکمت یہ تھی کہ آپ ﷺ کے سامنے امت کی متعدد مصالح ہوا کرتی تھیں۔ چنانچہ بسا اوقات آپ ﷺ کو ایسے مشاغل اور احوال پیش آتے تھے کہ آپ ﷺ مسلسل روزے رکھتے اور بسا اوقات مسلسل ناغہ فرماتے تھے۔ اسی لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ نہ تو آپ ﷺ نے ہر جنازہ میں شرکت فرمائی، نہ ہر دن روزہ رکھا اور نہ ہر دن کا ناغہ ہی فرمایا۔

ایک اہم شرعی قاعدہ

یہیں سے علماء نے ایک اہم شرعی قاعدہ اخذ کیا ہے، وہ یہ کہ ''بسا اوقات کسی امر مفضول کو ایک ایسا امر عارض ہو جاتا ہے جو اس کو افضل بنا دیتا ہے۔'' ❷ اور ان سب میں اعتبار مصالح و فوائد کا ہے کہ بسا اوقات ایک مصلحت شرعیہ کسی امر مفضول کو فاضل و افضل بنا دیتی ہے۔ وَمَا رَأَيْتُهُ اسْتَكْمَلَ ..... إِلَّا رَمَضَانَ: تب پھر ثابت ہوا کہ آپ ﷺ پورے ماہِ محرم کے روزے نہ رکھا کرتے تھے حالانکہ محرم کے روزے سب سے افضل نفلی روزے بھی تھے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ سے یہ دریافت کیا گیا کہ کون سا روزہ سب سے افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ کے حرمت والے مہینہ (کا روزہ)۔'' ❸ پس آپ ﷺ نے سوائے رمضان المبارک کے کسی اور مہینہ کے پورے روزے نہ رکھے تھے۔

وَمَا رَأَيْتُهُ فِي شَهْرٍ ..... فِي شَعْبَانَ: مذکورہ الفاظ کے ظاہر کا مقتضی یہ ہے کہ آپ ﷺ محرم سے بھی زیادہ نفلی روزے شعبان میں رکھا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ مہینہ رجب اور رمضان کے درمیان کا مہینہ ہے جس میں اکثر لوگ غافل رہتے ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ کو اس ماہ میں صوم و صلوٰۃ کی کثرت محبوب تھی۔ دوسرے اس لیے بھی کہ یہ مہینہ گویا کہ رمضان المبارک کا مقدمہ و دیباچہ ہے۔ پس شعبان میں روزے رکھنا یہ فرائض کے لیے نوافل و رواتب کے بمنزلہ ہے۔ پھر شعبان میں روزے رکھنے میں نفس کو رمضان کے روزوں کے تحمل کی مشق کرانا بھی ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں بنیادی طور پر تین مسائل مذکور ہیں:

(1) حسبِ مصلحت آپ ﷺ کبھی تو لگاتار نفلی روزے رکھتے تھے اور کبھی لگاتار روزوں کا ناغہ فرماتے تھے۔

---

❶ صحيح البخاري: 1969- صحيح مسلم: 1156. ❷ دیکھیں: مجموع الفتاوی لابن تيمية: 245/22.

❸ صحيح مسلم: 2818.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(2) سوائے رمضان المبارک کے، آپ ﷺ نے کبھی کسی پورے مہینے کے روزے نہ رکھے تھے۔

(3) سب سے زیادہ نفلی روزے آپ ﷺ ماہِ شعبان میں رکھا کرتے تھے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ آپ ﷺ کے جملہ افعال حسبِ مصلحت ہوا کرتے تھے جو شریعت اسلامیہ کی ایک امتیازی خصوصیت ہے۔ اس کی دلیل سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصُوْمُ سے لے کر حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَصُوْمُ تک کا قول ہے۔

◈ نفس کو نیکی کا عادی بنایا جائے اور اسے دنیا و آخرت میں زیادہ نافع عمل کا خوگر بنایا جائے۔

◈ روزوں کی فضیلت کیونکہ نبی کریم ﷺ روزے کثرت کے ساتھ رکھتے تھے۔

◈ سوائے رمضان المبارک کے آپ ﷺ نے کبھی کسی پورے مہینہ کے روزے نہ رکھے تھے۔ نبی کریم ﷺ کا فعل اور سنت یہی ہے کہ رمضان کے سوا کسی پورے مہینہ کے روزے نہ رکھے جائیں۔ شعبان میں زیادہ روزے رکھنا مشروع ہے۔ رہا رمضان سے ایک یا دو دن قبل کے روزہ کا مسئلہ تو اس کو گزشتہ صفحات میں مفصل ذکر کیا جا چکا ہے۔

ایام بیض کے روزوں کا حکم

668- وَعَنْ اَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ نَصُوْمَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ: ثَلَاثَ عَشْرَةَ ، وَاَرْبَعَ عَشْرَةَ ، وَخَمْسَ عَشْرَةَ)). رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ .

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں اس بات کا حکم دیا کہ ہم ہر مہینے کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کے تین دن کے روزے رکھا کریں۔ [1]

اس حدیث کو امام نسائی اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے جبکہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث :...... اَمَرَنَا: مذکورہ امر ارشاد کے لیے ہے نہ کہ وجوب کے لیے۔ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ: یہ تین دن بیچ مہینہ میں آتے ہیں جن میں چاند پورا اور خوب روشن ہوتا ہے۔ اسی لیے ان ایام کو ایامِ بیض کہا جاتا ہے۔ روزوں کے لیے ان تین دنوں کے انتخاب کی وجہ بدن کی ایک طبی مصلحت ہے، وہ یہ کہ ان دنوں میں خون کا دوران اور وفور بڑھ جاتا ہے اور خود خون کی مقدار بھی بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ ان دنوں روزے رکھنے سے خون کی بڑھتی مقدار اور اس کے بڑھتے دوران کی مضرت سے حفاظت رہتی ہے۔ کہتے ہیں کہ خون کا گھٹنا اور بڑھنا چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کے تابع ہوتا ہے۔ اب چونکہ انہی تین دنوں میں چاند نے زیادہ سے زیادہ جتنا بڑھنا ہوتا ہے، وہ بڑھ جاتا ہے، اسی لیے انہی دنوں میں آپ ﷺ نے نفلی روزے رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

مہینہ کے تین نفلی روزے

اس کی دو صورتیں ہیں:

(1) ان کو مطلق رکھا جائے خواہ اول میں یا وسط میں یا آخر میں، پھر چاہے ان کو اکٹھے رکھا جائے یا ان کو متفرق رکھا جائے۔ ہر طرح صحیح ہے۔ اسی لیے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہر ماہ تین دن کے روزے رکھتے تھے اور

[1] سنن النسائي: 222/4- جامع الترمذي: 761- امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور صحیح کہا ہے۔ صحيح ابن حبان: 3656- صحيح ابن خزيمة: 2128- دیکھیں المجموع للنووي: 409/6

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ کو اس بات کی پروانہ ہوتی تھی کہ ان کو مہینہ کے اول میں رکھیں یا وسط میں یا آخر میں۔ ❶

(2)...... اور دوسری صورت یہ ہے کہ ان تین روزوں کو ایام بیض میں رکھا جائے جیسا کہ اس روایت میں مذکور ہے۔

غرض ہر ماہ تین دن کے روزے رکھنا دونوں طرح جائز ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں ہر ماہ ایام بیض کے تین دن روزے رکھنے کی ترغیب مذکور ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ کبھی امر سے بجائے وجوب کے ارشاد بھی مراد ہوتا ہے جیسا کہ یہاں امر سے مراد ارشاد ہے نہ کہ وجوب۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یہ تین روزے صرف ایام بیض میں ہی نہیں رکھے بلکہ مہینہ کے اول، وسط اور آخر میں بھی رکھے ہیں۔

◈ البتہ ایام بیض کو تین نفلی روزوں کے لیے متعین کرنا مستحب ہے۔

◈ شریعت اسلامیہ مبنی برحکمت ہے کہ وہ عبادات کے لیے انفع واصلح اوقات کا انتخاب کرتی ہے۔

خاوند کی اجازت کے بغیر بیوی کے نفلی روزہ رکھنے کا حکم

669- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَا يَحِلُّ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَصُومَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ، إِلَّا بِإِذْنِهِ)).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''کسی عورت کے لیے خاوند کے ہوتے ہوئے (نفلی) روزہ رکھنا جائز نہیں سوائے اس کے کہ (وہ) اس کی اجازت سے (روزہ رکھے)۔'' ❷

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ، زَادَ أَبُو دَاوُدَ ((غَيْرَ رَمَضَانَ)).

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ الفاظ صحیح بخاری کی روایت کے ہیں۔ اور امام ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں: ''رمضان کے علاوہ میں۔''

درایة الحدیث:...... مذکورہ حدیث کی تخریج قابل اشکال ہے، وہ یوں کہ پہلے تو امام موصوف اس حدیث کو ''متفق علیہ'' بتلاتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں کہ سنن ابی داؤد کی روایت میں غَيْرِ رَمَضَانَ کے الفاظ زائد ہیں۔

اب اشکال یہ ہے کہ سنن ابی داؤد کی روایت ''متفق علیہ'' کی اصطلاح کے مصداق میں داخل نہیں کیونکہ ''متفق علیہ'' روایت امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کی حدیث کو کہتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام موصوف رحمہ اللہ نے یہاں اختصار سے کام لیا ہے وہ یوں کہ انہوں نے سنن ابی داؤد کی روایت میں مذکورہ زائد الفاظ کے ذکر پر اکتفا کر کے باقی کی روایت ذکر نہیں کی گویا کہ امام موصوف نے یوں کہا ہے: اخرجه البخاري و مسلم و ابو داود و زاد ابو داود كذا و كذا. اسے معلوم اور مذکور کے ذکر کو طے کرنا کہتے ہیں اور علم بلاغت میں اسے طَيُّ الذِّكْرِ الْمَعْلُوْمِ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس کی متعدد مثالیں کتب علم المعانی میں مذکور ہیں۔

---

❶ صحيح مسلم: 1160.

❷ صحيح البخاري: 5195- صحيح مسلم: 1026- سنن ابی داود: 2458.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس مختصر رسالہ میں ان کے ذکر کی گنجائش نہیں۔

غریب الحدیث :...... **لَا يَحِلُّ**: بظاہر حلت کی نفی کسی شے کی تحریم کو مقتضی ہوتی ہے۔ اگر چہ یہاں کراہت بھی مراد لے سکتے ہیں کیونکہ امر مکروہ بھی غیر حلال ہی ہوتا ہے۔ لیکن اکثر ان الفاظ سے مراد تحریم ہی ہوتی ہے۔

اَنْ تَصُوْمَ: یہ اَنْ ناصبہ ہے جو مابعد مذکور فعل کو مصدر کی تاویل میں کر دیتا ہے۔ لہٰذا اَنْ تَصُوْمَ رفع کے محل میں لَا يَحِلُّ فعل کا فاعل ہے۔

وَ زَوْجُهَا شَاهِدٌ: یہ جملہ حالیہ ہے اور یہ اَنْ تَصُوْمَ میں تَصُوْمَ فعل کی ضمیر فاعل سے حال ہے جو اَلْمَرْأَةُ کی طرف راجع ہے اور شاہد سے مراد حاضر اور موجود ہے۔ یعنی خاوند کے گھر میں ہوتے ہوئے بیوی کو خاوند کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھنا جائز نہیں۔ [1] کیونکہ خاوند کے ہوتے نفلی روزہ رکھنے میں خاوند کو حرج ہوگا کہ یا تو وہ اپنے جی کو دبائے گا اور اس میں بھی مشقت ہے اور یا پھر وہ بیوی پر بے جا دباؤ ڈال کر اس کا روزہ تڑوائے گا کہ اس میں غیر کو مشقت میں ڈالنا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ بیوی کے لیے خاوند کے ہوتے ہوئے خاوند کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھنا جائز نہیں۔

غَيْرَ رَمَضَانَ: سنن ابی داؤد کی روایت میں مذکور ان زائد الفاظ کو ذکر کرنے کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ یہ حکم نفلی روزوں کے ساتھ خاص ہے۔ اگر چہ حدیث کا ظاہر واجب بالنذر کو بھی شامل ہے کیونکہ آپ ﷺ نے صرف رمضان کو مستثنیٰ فرمایا ہے۔

اِلَّا بِاِذْنِہٖ: مراد رخصت اور ارادہ ہے یعنی خاوند کے ہوتے ہوئے بیوی خاوند کی رخصت و اجازت اور ارادہ کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے جس کی علت پہلے مفصل بیان کر دی گئی ہے کہ اس میں خاوند کے حقِ استمتاع کا ضیاع ہے اور غیر رمضان کی قید سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فرض روزہ رکھنے کے لیے خاوند کی اجازت لازم نہیں چاہے وہ گھر میں ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ حقوق اللہ کا مرتبہ بندے کے حق سے زیادہ ہے۔ اب اس مسئلہ کی تین صورتیں بنتی ہیں:

(1) خاوند ہوتے ہوئے اس کی اجازت کے بغیر بیوی نفل روزہ نہیں رکھ سکتی۔

(2) فرض روزہ رکھنے کے لیے خاوند کی اجازت ضروری نہیں۔ اس میں خاوند کے موجود ہونے یا غیر موجود ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

(3) تیسری صورت قضاء روزوں کی ہے۔ چنانچہ اگر تو قضا روزوں کے وقت میں گنجائش ہے تو خاوند کی اجازت لازم ہے اور اگر وقت نہیں تو خاوند کی اجازت ضروری نہیں اور اس کے روکنے کے باوجود بھی عورت قضا روزہ رکھے گی۔

مضمونِ حدیث: .... نفلی روزہ خاوند کے ہوتے ہوئے اس کی اجازت کے بغیر رکھنا بیوی کے لیے جائز نہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- بیوی پر خاوند کا حق خود اس کی جان کے اس پر حق سے بھی زیادہ ہے۔ اسی لیے بیوی کو خاوند کے حقوق کی رعایت واجب ہے۔
- نفلی نماز کو نفلی روزہ پر قیاس نہ کیا جائے گا اور اس میں بھی خاوند کی اجازت کو شرط قرار نہ دیا جائے گا۔ کیونکہ نفل نماز روزہ

[1] جامع الترمذی: 1163- امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور صحیح کہا ہے۔ السنن الکبری للنسائی: 9169

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی طرح نہیں۔ کیونکہ نماز کم وقت کو محیط ہوتی ہے جس میں خاوند کو خود پر ضبط کرنا ممکن ہے جبکہ روزہ طویل مدت پر محیط ہوتا ہے جس میں خاوند کے لیے خود پر ضبط کرنا دشوار ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی علماء کا قول ہے کہ خاوند چاہے تو بیوی کو نفل روزہ توڑنے کا حکم دے سکتا ہے۔

◈ خاوند کی غیر موجودگی میں نفلی رزہ رکھنے کے لیے اس کی اجازت شرط نہیں۔ اس کی دلیل "وَ زَوْجُهَا شَاهِدٌ" کے الفاظ ہیں کہ اگر خاوند غیر موجود ہو تو نفلی روزہ رکھنا جائز ہے۔

◈ معلوم ہوا کہ غیر عاقل خاوند کے ہوتے ہوئے بھی اس کی اجازت نفلی روزہ کے لیے شرط نہیں۔ کیونکہ ایسا خاوند اذنِ معتبر کا مالک نہیں ہوتا۔ لہٰذا میرے نزدیک غیر عاقل خاوند کی بیوی اس کی اجازت کے بغیر روزہ رکھ سکتی ہے۔ البتہ اگر وہ اس دوران اسے اپنی ایسی حاجت کے لیے بلائے جو روزہ توڑنے والی ہو تو بیوی اسے اپنے اوپر تمکین دے دے کیونکہ بہرحال وہ اس کا خاوند ہے۔

◈ یہی حکم نابالغ خاوند کا بھی ہے کہ اس کی اجازت شرط نہیں۔

◈ شریعت دوسروں کو حرج میں ڈالنے سے روکتی ہے۔

◈ خاوند کے ہوتے ہوئے اس کی اجازت کے بغیر رکھا جانے والا روزہ فاسد ہو گا کیونکہ وہ روزہ خود اپنی ذات میں منہی عنہ اور ممنوع ہے۔ لہٰذا یہ روزہ غیر صحیح ہو گا۔

◈ غیر رمضان کی قید سے قضا اور نذر کا روزہ بھی اس حکم میں داخل ہو گا کہ بیوی خاوند کی اجازت کے بغیر اس کے ہوتے ہوئے قضا اور نذر کا روزہ نہیں رکھ سکتی۔

عید الفطر اور عید قربان کے دن کے روزہ کی ممانعت کا بیان

670- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه ، ((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ صِيَامِ يَوْمَيْنِ: يَوْمِ الْفِطْرِ وَيَوْمِ النَّحْرِ)).
مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دو دنوں کے روزوں سے منع فرمایا ہے: (1) عید الفطر کا دن، اور (2) عید قربان کا دن۔ [1]
یہ حدیث "متفق علیہ" ہے۔

غریب الحدیث:...... **يَوْمِ الْفِطْرِ**: لفظ یوم یہ بدل البعض عن الکل ہونے کی وجہ سے مکسور ہے اور یہ يَوْمَيْنِ سے بدل ہے۔ یوم الفطر یہ یکم شوال کو کہتے ہیں جب رمضان کا مہینہ ختم ہو چکا ہوتا ہے اور یہی بات اس دن کی وجہ تسمیہ بھی ہے کہ اس دن سے رمضان کے روزے رکھنا بند ہو جاتے ہیں۔

يَوْمِ النَّحْرِ: یہ دسویں ذی الحجہ کے دن کو کہتے ہیں اور اس دن کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس دن لوگ منصوص جانوروں کی قربانی کرتے ہیں۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ كَذَا وَ كَذَا: گزشتہ صفحات میں یہ بات بار بار ذکر کی جا چکی ہے کہ جب ایک صحابی اس قسم کے الفاظ بولتا ہے تو وہ قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔ لہٰذا نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ کا قول یہ قَالَ

[1] صحيح البخاري: 1991- صحيح مسلم: 827.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

النَّبِيُّ ﷺ لَا تَصُوْمُوْا کے بمنزلہ ہوگا۔

عیدین کے دن کے روزے رکھنا منع ہے

مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں عیدوں کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں کھانے پینے کے اور اپنے اوپر رب تعالیٰ کی نعمتوں کے اظہار کے دن ہیں۔ جبکہ روزہ رکھنا اس دن کے مشروع افعال کے خلاف ہے۔ اسی لیے ان دونوں دنوں میں روزہ رکھنا منع کر دیا گیا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- عیدین کے دونوں دنوں میں روزہ رکھنا حرام ہے۔
- ان دونوں دنوں میں روزہ کی ممانعت شریعت اسلام کا امتیازی حکم ہے۔ اسی حکم کے اظہار کی حکمت کے پیش نظر ان دنوں میں روزہ رکھنا منع ہے۔
- یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر کسی نے ان دونوں دنوں میں روزہ رکھنے کی نذر مانی تو وہ بھی صحیح نہ ہوگی اور نہ اس نذر کا پورا کرنا ہی جائز ہوگا۔ کیونکہ یہ معصیت ہے اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جس نے رب تعالیٰ کی معصیت کی نذر مانی تو وہ رب تعالیٰ کی معصیت نہ کرے۔'' ❶
- عید قربان کے دن قران اور تمتع کے واجب روزے بھی نہ رکھے جائیں گے۔

ایام تشریق میں روزہ رکھنا منع ہے

671- وَعَنْ نُبَيْشَةَ الْهُذَلِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَيَّامُ التَّشْرِيْقِ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ، وَذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ)).
رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت نُبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''ایام تشریق کھانے کے اور پینے کے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔'' ❷

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ......أَيَّامُ التَّشْرِيْقِ: یہ یوم نحر کے بعد کے تین دن ہیں۔ ان دنوں کو ایام تشریق اس لیے کہتے ہیں کیونکہ لوگ ان تین دنوں میں قربانی کا گوشت دھوپ میں پھیلا کر خشک کرتے ہیں۔

أَيَّامُ أَكْلٍ وَ شُرْبٍ: ''یہ کھانے کے دن ہیں'' اس قدر عبارت تو واضح ہے کیونکہ ان دنوں میں لوگ قربانی کا گوشت کھاتے ہیں۔ لیکن یہ دن ''پینے کے'' کس طرح ہیں؟ تو اس سے مراد یہ ہے کہ ان دنوں میں روزہ نہ رکھا جائے بلکہ کھایا اور پیا جائے۔

ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: کیونکہ یہی وہ ایامِ معدودات ہیں جن کے بارے میں رب تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ (البقرۃ: 203) ''اور اللہ کو چند گنے ہوئے دنوں میں یاد کرو۔''

رہی یہ تفصیل کہ ان دنوں میں رب تعالیٰ کا کس نوع کا ذکر کیا جائے، تو وہ یہ ہے:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ.

یہ خاص مشروع ذکر ہے۔ البتہ مراد ان دنوں میں علی سبیل العموم ذکر الٰہی کی کثرت کرنا بھی ہے۔

---

❶ صحیح البخاری: 6696. ❷ صحیح مسلم: 1141.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون حدیث:......اس حدیث میں چند اور دنوں کی بابت بتلایا گیا ہے کہ جن میں روزہ رکھنا منع ہے۔تو وہ ایام تشریق ہیں۔

دوسرا مسئلہ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان دنوں ایک خاص مشروع ذکر ہر نماز کے بعد کیا جائے اور ویسے بھی ان دنوں میں ذکر کی کثرت کی جائے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- رب تعالیٰ کی نعمتوں سے متمتع ہونا بالخصوص عید کے ایام میں متمتع ہونا بدرجہ اولیٰ مناسب ومستحب ہے۔اسی لیے ان دنوں میں ان باتوں کی بھی رخصت ہے جن کی دوسرے دنوں میں رخصت نہیں۔
- ان دنوں رب تعالیٰ کی نعمتوں پر خوشی منائی جائے۔جیسے اس نے روزے رکھنے کی توفیق دی اور یہ کہ پورے روزے رکھنے نصیب ہوئے۔نہ کہ اس بات کی خوشی منائی جائے کہ چلو جی روزوں سے جان چھوٹی۔اسی طرح عید قربان کے دن قربانی کرنے کی خوشی منائی جائے۔
- بلاشبہ یہ بات نبوی تعلیمات کی حکمت میں سے ہے کہ جب کھانا، پینا اور فرحت منانا اسبابِ غفلت میں سے تھا تو آپ ﷺ نے اس کے ساتھ ہی اللہ کا ذکر کرنے کا بھی حکم دے دیا کہ تا کہ انسان کھانے پینے اور خوشی منانے میں لگ کر اللہ کی ذات سے بالکل ہی غافل نہ ہو جائے۔
- رب تعالیٰ کے لیے عزت وجلال کا وصف ثابت ہے جس کی دلیل عَزَّ وَجَلَّ کے الفاظ ہیں۔
- لفظ ''ذکر اللہ'' کے عموم سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ذبیحہ پر تسمیہ مشروع ہے۔کیونکہ ذبائح پر تسمیہ بھی ان دنوں کے ذکر میں داخل ہے۔

ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی رخصت کا بیان

672,673۔ وَعَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہم قَالَا: ((لَمْ يُرَخَّصْ فِيْ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ أَنْ يُصَمْنَ إِلَّا لِمَنْ لَمْ يَجِدِ الْهَدْيَ)). رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی رخصت نہیں سوائے اس کو جسے قربانی کا جانور نہ ملا ہو۔ [1]

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:......لَمْ يُرَخَّصْ : رخصت کا معنی بیان کر دیا گیا ہے۔مذکورہ صیغہ مجہول کا صیغہ ہے جس میں فاعل کا ذکر نہیں۔چنانچہ اس کا فاعل یا تو اللہ ہوگا یا رسول اللہ ﷺ ہوں گے۔اب اگر تو اس کا فاعل جناب رسول اللہ ﷺ ہیں تو یہ حدیث حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگی اور اگر اس کا فاعل اللہ ہے تو پھر یہ حدیث تفقہ اور استنباط کے باب میں سے ہو گی۔تب پھر مذکورہ حکم مقبول بھی ہو سکتا ہے اور غیر مقبول بھی۔رہی یہ بات کہ بھلا اس حدیث کے استنباط ہونے کا احتمال کیونکر ممکن ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہما نے یہ مسئلہ اس ارشاد باری تعالیٰ سے اخذ کیا ہو:

﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ﴾ (البقرۃ: 196)

[1] صحيح البخاري: 1998.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''پھر جو نہ پائے تو تین دن کے روزے حج کے دوران اور سات دن کے اس وقت رکھے جب تم واپس جاؤ۔''

اور ایام تشریق کا حج میں داخل ہونا معروف اور معلوم ہے۔ کیونکہ حج ایام تشریق کے آخر میں جا کر ختم ہوتا ہے۔ چنانچہ مبیت، رمی اور طواف وغیرہ انہی دنوں میں ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض علماء کا قول ہے کہ طوافِ افاضہ کو ایامِ تشریق سے موخر کرنا جائز نہیں۔ جس کی تفصیل "کتاب الحج" میں آ رہی ہے۔ بہر حال مذکورہ حدیث مرفوع کے حکم میں بھی ہو سکتی ہے اور ان دو بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہما کا اجتہاد و استنباط بھی ہو سکتی ہے۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جس حاجی کو قربانی کا جانور نہ ملے وہ دس روزے رکھے گا جس میں سے تین ایام حج میں اور سات گھر لوٹ کر اور ایام حج کے یہ تین روزے وہ ایامِ تشریق میں بھی رکھ سکتا ہے کیونکہ ایامِ تشریق حج میں سے ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اگر ہم اس حدیث کو مرفوع مانیں تب پھر یہ ثابت ہوگا کہ ایامِ تشریق میں روزے رکھنا حرام ہے۔ کیونکہ ان کا مقابلہ و موازنہ اس شخص کے حق میں رخصت کے ساتھ کیا گیا ہے جس کے لیے ان ایام میں روزے رکھنا مباح ہے۔ کیونکہ اگر ان دنوں میں روزہ رکھنا مباح ہوتا تو ہر ایک کے لیے ہوتا نہ کہ صرف اس حاجی کے لیے جس کو قربانی کا جانور نہ ملا ہو۔ فَافْهَمْ.
- اور یہ کہ جس حاجی کو قربانی کے لیے جانور نہ ملا ہو وہ ایامِ تشریق میں روزے رکھ سکتا ہے۔ اس کی مزید تفصیل "کتاب الحج" میں آ جائے گی۔

جمعہ کے دن کا روزہ

674- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: ((لَا تَخُصُّوا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِقِيَامٍ مِنْ بَيْنِ اللَّيَالِي، وَلَا تَخُصُّوا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ الْأَيَّامِ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي صَوْمٍ يَصُومُهُ أَحَدُكُمْ)).

رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''(ہفتہ بھر کی) راتوں میں سے (صرف) جمعہ کی رات کو قیام (اللیل یعنی نمازِ تہجد اور عبادت) کے لیے خاص نہ کرو اور نہ (ہفتہ کے) دنوں میں سے (صرف) جمعہ کے دن کو ہی روزہ رکھنے کے ساتھ خاص کرو۔ ہاں اگر جمعہ کا دن اس روزہ (کے دن) میں آ جائے جس کا تم میں سے ایک روزہ رکھنے کا عادی ہو۔'' [1]

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :...... لَا تَخُصُّوا: یعنی صرف اکیلی شب جمعہ کو عبادت کے لیے خاص نہ کیا جائے، ہاں اگر اس رات کے ساتھ کسی دوسری رات کو بھی عبادت کی جائے تو یہ ممانعت نہ رہے گی۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لَا تَقُومُوا نہیں فرمایا بلکہ صرف لَا تَخُصُّوا فرمایا ہے۔ اسی طرح باقی کے دنوں کو چھوڑ کر صرف جمعہ کے دن کو روزہ رکھنے کے ساتھ خاص کرنا بھی منع ہے۔ ہاں دو صورتیں اس ممانعت سے مستثنیٰ ہیں:

[1] صحيح مسلم: 1144.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(1) ایک یہ کہ جمعہ کے دن کے ساتھ کسی اور دن کو بھی ملا لیا جائے۔
(2) دوسری یہ کہ جمعہ کا دن اُس دن آن پڑے جس میں روزہ رکھنے کی کسی کو عادت تھی۔ جیسے کوئی ایام بیض میں روزے رکھا کرتا تھا اور انہی دنوں میں جمعہ کا دن بھی آ گیا۔
رہی ممانعت کی وجہ؟ تو علماء نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جمعہ کا دن اشرف الایام ہے اس کی راتوں اور دنوں کی دل میں بے حد تعظیم ہوتی ہے۔ کہیں کوئی اسی تعظیم کے پیش نظر دوام کے ساتھ اس کی رات کا قیام کرنے اور دن کا روزہ رکھنے نہ لگ جائے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے جمعہ کے دن اور رات کی تخصیص سے منع فرما دیا۔

مضمون حدیث:......اس حدیث میں دو اہم مسئلے بیان کیے گئے ہیں:
(1) صرف شب جمعہ کو عبادت کے لیے اور
(2) صرف یوم جمعہ کو روزہ کے لیے خاص نہ کیا جائے۔ البتہ اس کی رات کے ساتھ کسی اور رات کی عبادت کو ملا لیا جائے اور اس کے دن کے روزہ کے ساتھ کسی اور دن کے روزہ کو بھی ملا لیا جائے۔ یا یہ کہ وہ دن کسی کا معتاد دن ہو۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- بغیر تخصیص کے شب جمعہ کا قیام جائز ہے۔ جیسے کسی شب جمعہ کو طبیعت میں نشاط تھی تو اس شب عبادت کر لی یا جمعہ کی شب کے ساتھ ساتھ بدھ یا منگل یا جمعرات کی شب بھی عبادت کر لی تو یہ جائز ہوگا۔
- اسی طرح اگر ایک شب چھوڑ کر دوسری شب عبادت کی عادت تھی اور اس دوران کوئی شب جمعہ کی نکل آئی تو اس شب جمعہ کی عبادت میں کوئی حرج نہیں۔
- جس زمان و مکان کو کوئی شرعی شرف وفضیلت حاصل ہو اس کو زیادہ عبادت کے ساتھ خاص نہ کیا جائے۔ لہٰذا صرف ربیع الاول کو یا رجب کو عبادت کے ساتھ خاص کرنا جائز نہ ہوگا۔ یہیں سے میلاد النبی ﷺ کے جلوسوں میں عبادت کی تخصیص کی ممانعت بھی معلوم ہوگئی۔
- یہی تفصیل جمعہ کے دن کے روزہ کی بھی ہے کہ صرف اسی دن کا روزہ نہ رکھا جائے۔
- البتہ بنا تخصیص کے اس دن کا روزہ جائز ہے۔ اسی طرح اگر یہ دن کسی معتاد روزہ کے بالمقابل آ جائے تو بھی اس دن روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عادت کی تاثیر ہے اور معتاد اور غیر معتاد روزہ میں فرق ہے۔ تو جہاں عادت کسی ایسی شے کے جواز کی دلیل بن جاتی ہے جس کی تخصیص جائز نہیں ہوتی اسی طرح یہ عادت کبھی ایسی کسی شے میں بدعت بھی بن جاتی ہے جس کو کبھی کبھی کرنا جائز ہوتا ہے۔ جیسے نفل نماز کو باجماعت پڑھنے کی عادت بنا لینا جائز نہ ہوگا اور یہ بدعت ہوگی۔
- یہیں سے میلاد کے نام پر منائی جانے والی عید اور منعقد کیے جانے والے جلسوں اور جلوسوں کی شرعی حیثیت بھی معلوم ہو گئی کہ یہ منع ہیں کیونکہ اس میں ایک ایسی عبادت کی تخصیص ہے جس کو شرع شریف نے مخصوص نہیں کیا۔ لہٰذا بلا دلیل شرعی کے کسی عید کو منانا جائز نہ ہوگا۔
- اور یہ کہ شب جمعہ کی عبادت اور جمعہ کے دن کے روزہ کی تخصیص کی یہ نہی کراہت کے طور پر ہے نہ کہ تحریم کے طور پر ہے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وگرنہ بلا تخصیص یہ صیام و قیام جائز ہی نہ ہوتا۔

جمعہ کے دن کے ساتھ ایک اور دن کا روزہ ملا کر رکھا جائے

675۔ وَعَنْهُ أَيْضًا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يَصُوْمَنَّ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ، إِلَّا أَنْ يَصُوْمَ يَوْمًا قَبْلَهُ ، أَوْ يَوْمًا بَعْدَهُ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''تم میں سے کوئی (اکیلے) جمعہ کے دن کا روزہ ہرگز نہ رکھے، ہاں یہ کہ اس سے ایک دن پہلے یا اس کے ایک دن بعد (بھی) روزہ رکھے۔'' ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

شرح: مذکورہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا ہے تو جمعرات یا ہفتہ کے دن کا روزہ بھی ساتھ ملانا لازم ہوگا۔ چنانچہ حدیث جویریہ رضی اللہ عنہا میں مذکور ہے کہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا ایک دفعہ جمعہ کے دن کا روزہ تھا۔ آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ ''کیا تم نے جمعرات کے دن کا روزہ رکھا تھا؟'' انہوں نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ ﷺ نے پھر دریافت فرمایا کہ (تو کیا پھر) تم کل کا روزہ (بھی) رکھو گی؟'' انہوں نے عرض کیا کہ نہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''تو پھر (یہ) روزہ کھول دو۔'' ❷

جمعہ کے دن کے ساتھ کسی اور دن کے روزہ کے متصل ہونے کی شرط ہونے کی بابت علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض علماء کا قول ہے کہ دوسرے روزے کا جمعہ کے روزہ کے متصل ہونا شرط نہیں بلکہ ہفتہ بھر میں کسی اور دن بھی روزہ رکھ لیا تو جائز ہو گا۔ کیونکہ تب پھر صرف جمعہ کے دن کے روزہ رکھنے کی تخصیص جاتی رہے گی۔ جبکہ ایک قول یہ ہے کہ دوسرے دن کے روزہ کا جمعہ کے متصل ہونا لازم ہے جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے۔ یوں یہ دو لگاتار دن بن جائیں گے۔ اس صورت میں مذکورہ نہی کا مرتفع ہو جانا صریح اور واضح ہے اور زیادہ محتاط قول یہی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- صرف جمعہ کے دن کا روزہ نہ رکھے سوائے دو صورتوں کے:
  (1) جمعہ کے دن کے ساتھ کسی اور دن کو بھی ملا لے چاہے متصل اور چاہے متفرق
  (2) جمعہ کے دن کا روزہ اس کی کسی عادت کے موافق آ گیا ہو۔
- دوسرے روزہ کے ساتھ ملانے سے جمعہ کے دن کی تخصیص ختم ہو جاتی ہے۔
- اگر کسی عمل کے ذریعے حاصل ہونے والا خلل دُور کر دیا جائے تو محظور جاتا رہتا ہے۔ جیسے صرف جمعہ کے دن روزہ میں خلل ہے اگر اس کو دوسرے کسی دن کا روزہ رکھ کر دُور کر دیا جائے تو یہ محظور بھی جاتا رہے گا۔

ہفتہ اور اتوار کے دن کا نفلی روزہ

676۔ وَعَنِ الصَّمَّاءِ بِنْتِ بُسْرٍ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَا تَصُوْمُوْا يَوْمَ السَّبْتِ إِلَّا

سیدہ صماء بنت بسر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''ہفتہ کے دن کا روزہ نہ رکھو سوائے اس کے کہ اس دن

❶ صحيح البخاري: 1985۔ صحيح مسلم: 1144.
❷ صحيح البخاري: 1986.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فِيمَا افْتُرِضَ عَلَيْكُمْ ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ أَحَدُكُمْ إِلَّا لِحَاءَ عِنَبٍ أَوْ عُودَ شَجَرَةٍ فَلْيَمْضُغْهَا)) .

میں تم پر روزہ فرض ہو، پس اگر تم میں سے کسی (نے ہفتے کے دن) روزہ رکھ لیا اور اب وہ اسے کھولنا چاہتا ہے اور اس کو انگور کے چھلکے یا درخت کی شاخ کے سوا اور کچھ نہ ملے تو اسی کو چبا (کر روزہ کھول) ڈالے۔'' ❶

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ ، إِلَّا أَنَّهُ مُضْطَرِبٌ .

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے۔ اس کے رجال ثقہ ہیں، البتہ یہ حدیث مضطرب ہے۔

وَقَدْ أَنْكَرَهُ مَالِكٌ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث پر انکار کیا ہے۔

وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ: هُوَ ((مَنْسُوخٌ)) .

اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

غریب الحدیث:...... **لَا تَصُومُوا**: یہ لا نہی کا ہے کیونکہ مابعد مذکور فعل مجزوم ہے۔

اِلَّا فِيمَا افْتَرَضَ عَلَيْكُمْ: جیسے اس دن رمضان کا فرض روزہ تھا۔ یا رمضان کی قضا یا کفارہ یا نذر کا روزہ تھا۔ البتہ خاص ہفتہ کے دن کے روزہ کی نذر ماننا مکروہ ہے۔ البتہ مطلق مانی نذر کا روزہ اگر کسی نے ہفتہ کے دن رکھ لیا تو یہ روزہ اس مذکورہ استثنا میں داخل ہو جائے گا۔ مذکورہ استثنا ماقبل کے عام ہونے کی دلیل ہے کیونکہ استثنا ہمیشہ عموم سے ہی کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اہل علم کے یہاں یہ قاعدہ مشہور ہے کہ ''استثنا یہ عموم کا معیار اور میزان ہے۔'' ❷ یعنی جہاں بھی استثنا ہوگا، وہ اس بات کی دلیل ہوگا کہ اس کے ماقبل میں عموم ہے۔

فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ اَحَدُكُمْ: یعنی اگر تم میں سے کوئی ہفتہ کے دن روزہ رکھ کر اسے کھولنا چاہے اور اسے اور کچھ نہ ملے، مگر:

لِحَاءَ عِنَبٍ: انگور کا چھلکا ہی ملے لِحَاءَ یہ ہر چیز کے چھلکے کو کہتے ہیں۔

اَوْ عَوْدَ شَجَرَةٍ: یعنی اسے رکھا روزہ توڑنے کو کھجور انگور وغیرہ کے چھلکے یا کسی درخت کی شاخ کے سوا اور کچھ نہ ملے تو۔

فَلْيَمْضُغْهَا: یعنی ایسی معمولی چیزوں کو چبا کر ہی ہفتہ کے دن کا رکھا روزہ کھول دے۔

درایة الحدیث:...... مذکورہ حدیث کی اسناد میں اضطراب ہے۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے ''نیل الاوطار'' ❸ میں اس پر طویل کلام کیا ہے۔ چنانچہ امام مالک اس حدیث پر انکار کرتے ہیں جبکہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ اس حدیث کو منسوخ کہتے ہیں۔ جبکہ اس کے متن میں شذوذ بھی ہے۔ گویا کہ اس حدیث میں چار علتیں جمع ہوگئیں:

(1) اضطراب (2) انکار (3) نسخ، گو نسخ دلیل کا محتاج ہے۔ (4) اور متن میں شذوذ۔

علماء نے ایک پانچویں علت بھی بیان کی ہے اور وہ ہے قواعد شرعیہ کے اعتبار سے متن میں نکارت۔ ذیل میں ہر ایک کی قدرے اختصار کے ساتھ تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

---

❶ سنن ابی داود: 2421۔ جامع الترمذی: 744۔ السنن الکبری للنسائی: 2760۔ سنن ابن ماجہ: 1726۔ مسند احمد: 368/6۔ امام ابن خزیمہ (2164) اور امام حاکم (601/1) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ''المجموع'' (451/6) میں امام مالک کے اس حدیث پر انکار کرنے کا رد کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ امام مالک کا یہ انکار مقبول نہیں کیونکہ اس حدیث کو ائمہ محدثین نے صحیح کہا ہے۔

❷ دیکھیں: اعانة الطالبین: 23/4۔ حاشیة البجیرمی: 160/1۔ ❸ نیل الاوطار: 339/4۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اضطراب: اس کے لیے حضرات محدثین کے کلام کی طرف رجوع کیا جائے۔

انکار: امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث پر انکار کیا ہے اور شاید یہ انکار شذوذ اور متن میں نکارت کی جہت سے ہے۔

شذوذ: یہ حدیث احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی گزشتہ مذکورہ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ''مگر یہ کہ تم اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد بھی روزہ رکھو۔'' اور جمعہ کے بعد کا دن ہفتہ کا دن ہے۔

نکارتِ متن: ......اور یہ دو اعتبار سے ہے، ایک یہ کہ صرف ہفتہ کے دن کے روزہ کی مطلق حرمت چاہے اس کے ساتھ کسی اور دن کا روزہ ملایا جائے یا نہ ملایا جائے اور یہ تحریم دو باتوں سے مستفاد ہے:

(1) ایک نہی سے اور (2) دوسرے رکھے روزے کو توڑ دینے کے تاکیدی امر سے۔

اب ایک صحیح حدیث تو جمعہ کے ساتھ ہفتہ کے دن کے روزہ کے جواز کو بتلاتی ہے جبکہ اس حدیث کا متن اس کی مطلق تحریم کو بتلاتا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ مذکورہ حدیث کے متن میں نکارت ہے۔ جبکہ متنِ حدیث میں نکارت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں روزہ توڑنے کے لیے انگور کے چھلکے کھانے یا درخت کی شاخ چبانے کا ذکر ہے۔ تب پھر یہ سوال ضرور اٹھتا ہے کہ کیا روزہ توڑنے کے لیے کچھ کھانا ہی شرط ہے؟ کیا اس کے لیے نیت کافی نہیں؟ بلاشبہ یہ بات قواعدِ شرعیہ کے خلاف ہے جو اس حدیث کے متن میں نکارت ہونے کی دلیل ہے۔

نسخ: ......امام ابوداؤد نے اس حدیث کو منسوخ کہا ہے۔ یعنی حدیث میں مذکورہ نہی منسوخ ہے، لیکن امام صاحب نے ناسخ کا کوئی پتا نہیں بتایا۔ اب نسخ یہ حکم شرعی کے رفع کو کہتے ہیں اور اس میں ایک متاخر دلیل شرعی کی بنا پر ایک حکم لگایا جاتا ہے۔ چاہے وہ حکم ''متلو'' ہو یا ''غیر متلو'' اور چاہے وہ حکم ایجابی ہو یا تحریمی۔ البتہ نسخ کے لیے یہ شرط ہے دونوں حکموں میں جمع کی صورت ممکن نہ ہو، دوسرے دونوں میں سے ہر ایک حکم کی تاریخ متعین اور معلوم ہو۔ چنانچہ منسوخ کا مقدم اور ناسخ کا موخر ہونا متعین ہو۔

اب یہاں بلاشبہ دونوں احادیث میں جمع کی صورت تو بہر حال ممکن نہیں کیونکہ حدیث ابی ہریرہ اور حدیث جویریہ رضی اللہ عنہما میں مطلق جواز ہے جبکہ مذکورہ حدیث مطلق تحریم کو متضمن ہے۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ ''تاریخ'' کے تناظر میں امام ابوداؤد نے نسخ کا قول کیا ہو، وہ یوں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نئے نئے ہجرت فرما کر مدینہ نبویہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب یہود کی موافقت کو پسند فرماتے تھے۔ اب وہ ہفتہ کے دن عید مناتے تھے۔ پس اس دن روزہ رکھنے میں ان کی مخالفت اور روزہ نہ رکھنے میں ان کی موافقت تھی۔ لیکن بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کی موافقت کو ناپسند کرنے لگے تھے اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن روزہ رکھنے کو مباح قرار دے دیا۔ کیونکہ اب ہفتہ کے دن روزہ رکھنے میں اہل کتاب یہود کی مخالفت تھی کیونکہ وہ اس دن اپنی عید منایا کرتے تھے۔ الغرض دیگر احادیث ہفتہ کے روز روزہ رکھنے کے جواز کو بتلاتی ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں چاہے ہفتہ کا روزہ اکیلا رکھے اور چاہے اس کے ساتھ کسی اور دن کے روزہ کو ملا کر رکھے دونوں طرح جائز ہے اور مذکورہ حدیث ذکر کردہ علتوں کی بنا پر غیر معمول بہ ہے البتہ اس کے نسخ کا دعویٰ دیگر دلائل کے موافق لگتا ہے۔

ہفتہ اور اتوار کے دن نفل روزہ رکھنے کا حکم

677۔ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّ رَسُوْلَ   سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ بھر کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللّٰہِ ﷺ أَكْثَرُ مَا يَصُومُ مِنَ الْأَيَّامِ، يَوْمَ السَّبْتِ، وَيَوْمَ الْأَحَدِ، وَكَانَ يَقُوْلُ: ((إِنَّهُمَا يَوْمَا عِيْدٍ لِلْمُشْرِكِيْنَ، وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَهُمْ)).

دنوں میں سب سے زیادہ ہفتہ اور اتوار کے دن روزے رکھا کرتے تھے اور (اس کی وجہ یہ بیان) فرمایا کرتے تھے کہ ''یہ دونوں دن مشرکوں کی عید کے دو دن ہیں اور میں (ان دنوں میں روزہ رکھ کر) ان کی مخالفت کرنا چاہتا ہوں۔'' [1]

أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ، وَهٰذَا لَفْظُهُ.

اس حدیث کو امام نسائی نے روایت کیا ہے جبکہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور مذکورہ الفاظ (صحیح) ابن خزیمہ (کی روایت) کے ہیں۔

شرح :...... جہاں تک میرا خیال ہے امام ابوداؤد نے شاید اسی حدیث کی بنیاد پر گزشتہ حدیث کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ہفتہ کے دن یہود جبکہ اتوار کے دن نصاریٰ اپنی ہفتہ واری عید مناتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ ان دونوں دنوں میں روزہ رکھ کر ان کی مخالفت فرمایا کرتے تھے۔ کیونکہ ہمیں یہود و نصاریٰ کی مخصوص اور امتیازی صفات میں ان کی مخالفت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اب ان کی مخصوص عبادات میں ان کی مخالفت کرنا تو ظاہر ہے ہی۔ لیکن عادات میں بھی ان کی مخالفت کا حکم اس لیے ہے کہ عادات میں ان کی محبت و موافقت عبادت میں ان کی موافقت کے دروازے تک لے جانے والی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- ہفتہ اور اتوار کے دن روزہ رکھنا منع اور مکروہ نہیں ہے۔
- مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ عیدوں کے مواقع پر ان یہود و نصاریٰ کی مخالفت کریں۔ جس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ یہود و نصاریٰ کی عیدوں کے مواقع پر انہیں ہدیے اور تحفے بھیج کر اپنے خیر سگالی رویے کا ثبوت دینے کی کوشش کرتے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول کی نگاہوں میں پرلے درجے کے بے وقوف ہیں۔
- معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ کسی دین پر نہیں۔ اس کی دلیل ''بے شک وہ دو دن مشرکوں کی عید کے دو دن ہیں'' کے الفاظ ہیں۔
- ہمیں ارادی اور قصدی طور پر ان مشرکوں اور یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرنی چاہیے۔

نصف شعبان ہونے پر نفلی روزوں کا حکم

678- وَعَنْهُ أَيْضًا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَا تَصُوْمُوْا)).
رَوَاهُ الْخَمْسَةُ، وَاسْتَنْكَرَهُ أَحْمَدُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب شعبان کا نصف ہو جائے تو (اب نفلی) روزے نہ رکھو۔'' [2]
اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ نے

---

[1] السنن الکبری للنسائی: 2776- صحیح ابن خزیمۃ: 2167- عبدالحق الاشبیلی نے "الاحکام الوسطی" میں اس حدیث کو محمد بن عمر بن علی کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور ابن قطان نے بھی ان کی پیروی میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ (دیکھیں: میزان الاعتدال: 278/6)

[2] سنن ابی داود: 2337- جامع الترمذی: 738- السنن الکبری للنسائی: 2911- سنن ابن ماجہ: 1651- امام احمد نے اس حدیث پر انکار کیا ہے، امام بیہقی نے اس کو "السنن" (209/4) میں نقل کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث کو منکر کہا ہے۔

درایۃ الحدیث :......امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اس لیے منکر کہا ہے کیونکہ یہ صحیحین میں مروی حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مخالف ہے، وہ حدیث یہ ہے: ''رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزے نہ رکھو۔'' اس حدیث پر گزشتہ صفحات میں تفصیلی کلام گزر چکا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ رمضان سے دو دن پہلے سے پہلے کے ایام میں روزے رکھ سکتے ہیں۔ لہٰذا صحیح یہ ہے کہ یا تو مذکورہ حدیث ضعیف ہے جو حجت نہیں یا پھر صحیحین کی حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مخالف ہے۔

غریب الحدیث :......إِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَا تَصُومُوا: مراد یہ نہیں کہ روزوں کا استمرار نہ کرو، بلکہ مراد یہ ہے کہ جب نصف شعبان ہو جائے تو اس وقت نفلی روزے رکھنا شروع نہ کرو۔ البتہ اگر وہ پہلے سے رکھتا آ رہا ہے تو نصف شعبان کے بعد بھی روزے رکھنا منع نہیں۔

حدیث الباب اور حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں تطبیق

اب حدیث الباب اور حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں (جو ابھی ذکر ہوئی ہے) تطبیق کی صورت یوں ہو سکتی ہے کہ حدیث ابی ہریرہ میں رمضان سے ایک یا دو دن قبل روزہ رکھنے کی تحریم کا بیان ہے جبکہ مذکورہ حدیث میں نصف شعبان کے بعد روزہ رکھنے کی کراہت کا بیان ہے۔ البتہ ابتدائے شعبان سے استمرار صیام میں کوئی کراہت نہیں اور تطبیق کی یہ صورت بھی تب ہے جب یہ حدیث حسن کے درجہ میں ہو جو مقبول حدیث ہوتی ہے لیکن راجح یہ ہے کہ ان ایام میں اولیٰ روزے نہ رکھنا ہے۔ البتہ اس حدیث کے ضعیف ہونے کی بنا پر ہم کراہت کا قطعی قول بھی نہیں کرتے۔

حاجی کے لیے یوم عرفہ کو روزہ رکھنا منع ہے

679- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ بِعَرَفَةَ)). رَوَاهُ الْخَمْسَةُ غَيْرَ التِّرْمِذِيِّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَالْحَاكِمُ، وَاسْتَنْكَرَهُ الْعُقَيْلِيُّ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عرفہ کے دن عرفہ (کی وادی) میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔[1]

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ کے سوا ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے۔ امام ابن خزیمہ اور امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے جبکہ امام عُقیلی نے اس حدیث کو منکر کہا ہے۔

عرفہ کا روزہ حاجی اور غیر حاجی کے تناظر میں

شرح :...... مذکورہ حدیث میں وادی عرفہ میں یومِ عرفہ کو روزہ رکھنے کی ممانعت کا ذکر ہے۔ جبکہ یہ بات گزر چکی ہے کہ وادئ عرفہ کے علاوہ میں یومِ عرفہ کا روزہ رکھنے سے ایک سال گزشتہ کے اور ایک سال آئندہ کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اگرچہ مذکورہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ علامہ عقیلی نے ذکر کیا ہے لیکن اس کا حدیثِ ام الفضل رضی اللہ عنہا سے ایک صحیح شاہد بھی موجود ہے انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں پانی کا ایک پیالہ بھیجا اس وقت آپ ﷺ میدانِ عرفہ میں وقوف کیے

---

[1] سنن ابی داود: 2440۔ السنن الکبری للنسائی: 2795۔ سنن ابن ماجہ: 1732۔ مسند احمد: 304/2۔ المستدرك للحاکم: 600/1۔ الضعفاء للعقیلی: 298/1۔ اس حدیث کی اسناد میں مہدی الہجری ہے جو مجہول ہے جیسا کہ ابن حزم رحمہ اللہ نے "المحلی" (164/3) میں کہا ہے۔ البتہ امام ذہبی نے "سیر اعلام النبلاء" (683/10) میں کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد میں کوئی حرج نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے وہ پیالہ لے کر سب کے سامنے اس میں سے نوش فرمایا اور اپنا روزہ توڑ دیا۔ تاکہ امت کے سامنے یہ بات آ جائے کہ اس دن روزہ نہیں رکھتے۔

وادیٔ عرفہ میں عرفہ کے دن کے روزہ نہ رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ وہاں وہ دن دعا، تضرع والحاح اور رب کے حضور گریہ و زاری کرنے کا دن ہوتا ہے اور روزہ رکھنے سے بدن میں کمزوری آ جانا بدیہی ہے۔ بالخصوص گرمی کے دنوں میں اور وہ بھی دن کے آخر میں روزہ کی وجہ سے بدن زیادہ کمزور ہو جاتا ہے۔ اب عرفہ کے دن کا آخر اس کے اول سے افضل ہوتا ہے۔ پس کہیں اس دن کا روزہ رکھنے سے آدمی اسی دن کے سب سے افضل وقت کی افضل ترین عبادت -دعا اور گریہ- سے محروم نہ ہو جائے یا کم از کم اس عبادت کو کما حقہ ادا نہ کر سکے۔ حالانکہ یہی تو وہ عبادت ہے جس کو ادا کرنے وہ نہ جانے کس کس دُور دراز کے علاقہ سے آیا ہوتا ہے۔ اسی لیے ہمارا یہ قول ہے کہ عرفہ کے دن وادیٔ عرفہ میں حاجیوں کے لیے یہ روزہ رکھنا جائز نہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنے حج میں اس دن کا روزہ نہ رکھا تھا۔ ہاں جو اس دن وہاں حاجی نہ ہو جیسے انتظاماتِ حج کا عملہ، یا وادیٔ عرفہ کے علاوہ کے باشندے کہ ان کے لیے اس دن کا روزہ رکھنا جائز ہوگا۔

ہمیشہ روزہ رکھنے کی ممانعت کا بیان

680,681- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا صَامَ مَنْ صَامَ الْأَبَدَ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَلِمُسْلِمٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ بِلَفْظِ: ((لَا صَامَ وَلَا أَفْطَرَ)).

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اس نے (سرے سے) کوئی روزہ رکھا ہی نہیں جس نے ہمیشہ روزہ رکھا۔'' [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''نہ تو اس نے روزہ رکھا اور نہ روزہ افطار ہی کیا۔'' [2]

غریب الحدیث:...... لَا صَامَ: مذکورہ لا نافیہ ہے۔ پھر یہ لا نفی کے لیے ہی باقی ہے یا بددعا کے معنی میں ہے؟ یعنی یہ فرما کر نبی کریم ﷺ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ ہمیشہ روزہ رکھنے والا ہمیشہ کے روزہ کے ثواب سے محروم رہتا ہے۔ لہٰذا جس نے حسی طور پر صومِ ابد رکھا، اس نے گویا شرعی طور پر صومِ ابد نہیں رکھا۔ یا ایسا کرنے والے کو آپ ﷺ نے ان الفاظ کے ساتھ بدُعا دی ہے، کہ مذکورہ حدیث میں ان دونوں معانی کا ہی احتمال ہے کہ یہ نفی بھی ہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ صومِ ابد والے پر بددعا ہو کہ رب تعالیٰ اسے صومِ ابد کی توفیق نہ دے اور اسے ایسا کرنے سے عاجز کر دے۔ البتہ پہلا احتمال زیادہ اقرب ہے۔ کیونکہ نفی اپنے حقیقی معنی پر ہی مشتمل ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ کسی پر بددعا کرنا یہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کی شانِ رحمۃ للعالمینی کے خلاف اور اس سے ازحد بعید ہے۔ تب پھر جس نے حسی صومِ دہر رکھا اس کا شرعی صومِ دہر نہ ہوگا کہ یہی معنی درست ہے اور مراد یہ ہے کہ اسے صومِ دہر کا ابدی ثواب نہ ملے گا۔

تنبیہ:...... معلوم ہوا کہ صومِ دہر رکھنا مکرہ ہے۔ حتیٰ کہ بعض علماء نے اسے حرام تک کہا ہے۔ کیونکہ جب یہ روزہ شرعاً منفی ہو گیا تو غیر مشروع اور بدعت ٹھہرا جس کا ناجائز اور حرام ہونا واضح ہے۔

---

[1] صحیح البخاري: 1977۔ صحیح مسلم: 1159۔ [2] صحیح مسلم: 1162۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2۔ بَابُ الْاِعْتِكَافِ وَ قِيَامِ رَمَضَانَ

اعتکاف اور قیامِ رمضان کا بیان

تمہید: باب الاعتکاف: ......اعتکاف کے بیان کو روزوں کے بیان کے بعد لانا ہی زیادہ مناسب تھا اور رہا قیام رمضان تو اس کی مناسبت بھی واضح ہے۔ کیونکہ رمضان میں سب سے زیادہ تاکید روزوں کی ہے اور قیام یعنی تراویح یہ رمضان میں ہی ہوتی ہے۔ البتہ روزہ فرض اور قیام مندوب ہے۔ پھر قیام رمضان کے ذکر کی ایک اور مناسبت بھی ہے اور وہ ہے اس کا نفل نماز ہونا۔ اسی لیے حضرات فقہاء نے اسی مقام پر اعتکاف اور قیام رمضان کو ذکر کیا ہے۔

اعتکاف کا مفہوم اور اس کا حکم

اعتکاف کا لغوی معنی ہے کسی شے کو اپنے اوپر لازم کر لینا۔ اسی معنی میں یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَعْكُفُونَ عَلَىٰ أَصْنَامٍ لَّهُمْ﴾ (الاعراف: 138) ''وہ اپنے کچھ بتوں پر جمے بیٹھے تھے۔''

یعنی یہ لوگ اپنے بتوں کے پاس ہر وقت موجود رہتے تھے۔ جبکہ شرع شریف کی اصطلاح میں اعتکاف ''بندے کا رب تعالیٰ کی عبادت کے لیے فارغ ہو کر مسجد میں رہ کر اور اس میں قیام کو لازم پکڑ کر، اس کی عبادت کرتے رہنے کا نام ہے۔'' تب پھر اعتکاف کی غرض یہ ہوگی کہ بندہ دنیا کی لذتوں اور رونقوں سے کٹ کر محض اللہ کی عبادت اور طاعت کرنے کے لیے اس کے در پر پڑ جائے یعنی مسجد میں ہی پڑا رہے۔ گویا کہ یہ نفس کو عبادت کا عادی بنانا اور اسے عبادت کی مشق کرانا ہے۔

اعتکاف کا حکم یہ ہے کہ یہ مسنون ہے اور امام احمد رحمہ اللہ نے اس کے مسنون ہونے میں یہاں تک غلو کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس بارے کسی ایک کے اختلاف کا بھی علم نہیں۔ ❶ البتہ نذر ماننے سے یہ اعتکاف واجب ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کی نذر مانی تھی تو نبی کریم ﷺ نے انہیں یہ فرمایا تھا: ''اپنی نذر کو پورا کرو۔'' ❷ اور نذر ماننے پر اعتکاف کے واجب ہو جانے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ طاعت ہے اور طاعت کی نذر کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس نے اس بات کی نذر مانی کہ وہ اللہ کی طاعت کرے گا تو وہ (اس نذر کو پورا کرے اور) اللہ کی طاعت کرے۔'' ❸

قیام رمضان

یہ رمضان میں ادا کی جانے والی نماز کو کہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نماز ادا نہ فرمائی تھی۔ ❹ البتہ آپ ﷺ نے کبھی کبھی تیرہ رکعات بھی پڑھی ہیں۔

ایمان اور ثواب کی امید کے ساتھ قیام رمضان کی فضیلت

682۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس نے ایمان اور رب تعالیٰ سے اجر کی امید کے ساتھ رمضان (کی راتوں) میں (نماز تراویح پڑھ کر) قیام کیا، اس کے گزشتہ سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔'' ❺

---

❶ دیکھیں: المغني لابن قدامة: 63/3. ❷ صحيح البخاري: 2032. ❸ اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

❹ وتر کے باب میں یہ حدیث گزر چکی ہے۔ ❺ صحيح البخاري: 2009- صحيح مسلم: 759.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث :......مَنْ قَامَ رَمَضَانَ: مذکورہ مَنْ شرطیہ ہے۔لہٰذا یہ جملہ شرطیہ ہے اور رمضان سے مراد ماہِ رمضان ہے جو اس کے شروع سے لے کر آخر تک کو شامل ہے۔یعنی یہ بشارت اسے ہی ملے گی جو پورے رمضان کی راتوں میں قیام کرے گا۔

اِيْمَانًا: یہ مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔یعنی اس نے یہ قیام رب تعالیٰ پر سچا ایمان ہونے کی وجہ سے اور اس کے وعدہ کی تصدیق کی وجہ سے کیا تھا۔اس مفعول لہ کا عامل قَامَ فعل ہے اور یہ قَائِمٌ کا وصف ہے۔اس لیے اس کو علتِ باعثہ کہیں گے۔

وَ احْتِسَابًا: مذکورہ واؤ عاطفہ ہے اور لفظ اِحْتِسَابًا بھی مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور احتساب کی یہ علت علتِ باعثہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایمان اور احتساب نے اسے قیام رمضان پر ابھارا ہے اور یہ علتِ غائیہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس قیام کا انتہائی مقصد اس قیام پر ملنے والے اجر کا حصول ہے۔

غُفِرَ لَهُ: یہ جملہ جوابِ شرط ہے اور یہ فعل مجہول ہے جس کا فاعل رب تعالیٰ کی ذات ہے اور رب تعالیٰ کے معروف اور معلوم ہونے کی وجہ سے یہاں فاعل کو حذف کیا گیا ہے۔یہ ایمان و احتساب کے ساتھ قیام کرنے پر مرتب ہونے والے اثر کا بیان ہے کہ ایسے شخص کے گزشتہ گناہوں کی بخشش کر دی جائے گی۔

مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ: مذکورہ مَا موصولہ ہے جو عموم کا فائدہ دے رہا ہے اور لفظ ذَنْب یہ معصیت کو کہتے ہیں، جو یہاں مفرد اور مضاف ہے۔لہٰذا یہ بھی عموم کا فائدہ دے رہا ہے جو جملہ ذنوب کو شامل ہے کیونکہ یہ نحوی قاعدہ علمائے نحو کے ہاں مسلّم ہے کہ جب مفرد مضاف ہوتا ہے تو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔[1]

مضمونِ حدیث:...... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ ایمان اور اجر کی امید کے ساتھ قیامِ رمضان کرنے پر گناہوں کی بخشش کا وعدہ ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مذکورہ حدیث میں قیام رمضان کی ترغیب ہے کیونکہ یہاں گناہوں کی بخشش کی بشارت مذکور ہے۔
- عبادت میں اخلاص شرط ہے جس کی دلیل لفظ ''ایمان'' کا ذکر ہے۔
- رب تعالیٰ کے وعدوں کی تصدیق ایمان کا مقتضی ہے جس کی دلیل ''احتساب'' کا لفظ ہے۔
- ایمان و احتساب کے وصف کے ساتھ کیے گئے قیام رمضان پر گناہوں کی بخشش کا وعدہ ہے۔ بظاہر مذکورہ حدیث صغائر و کبائر دونوں کو شامل ہے۔لیکن گزشتہ میں یہ بات بارہا بیان کی جا چکی ہے کہ جمہور کے نزدیک مراد صغائر ہیں اور کبائر کی بخشش کے لیے توبہ شرط ہے۔
- بطورِ عادت کے قیامِ رمضان مذکورہ وعدہ کو شامل نہ ہو گا۔ بلکہ ایمان و احتساب کا وصف لازم ہے۔
- ثواب کی امید کے ساتھ نیکی اور عبادت کرنا بندہ کے حق میں عیب نہیں، جس کی دلیل ''احتساب'' کا لفظ ہے اور اس میں

[1] البحر المحیط: 3/77۔ المدخل الی مذھب الامام احمد، ص: 239.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان لوگوں کا ردّ ہے جو ثواب کی امید سے کی گئی عبادت کو ناقص کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک کامل عبادت وہ ہے جس میں ثواب کا قصد نہ ہو بلکہ صرف اللہ کی ذات ہی مقصود ہو۔ بلاشبہ یہ قول خطا ہے، کیونکہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ (الفتح: 29)

''محمد اللہ کا رسول ہے اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت رحم دل ہیں، تو انھیں اس حال میں دیکھے گا کہ رکوع کرنے والے ہیں، سجدے کرنے والے ہیں، اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا ڈھونڈتے ہیں۔''

یہاں اہل ایمان کا یہ وصف ذکر کیا گیا ہے کہ وہ دو باتوں کے طالب ہیں: (1) ایک اللہ کا فضل اور (2) دوسرے اس کی رضا اور خوشنودی۔ لہٰذا ثواب کی امید کے ساتھ کی جانے والی عبادت کو ناقص کہنا خطا ہے۔

- اسباب کا اثبات۔ جیسے قیام رمضان مغفرت کا سبب ہے۔
- اور اس حدیث میں جبریہ پر بھی ردّ ہے جو بندہ کے لیے مشیت وارادہ کے ثبوت کے قائل نہیں جس کی دلیل مَنْ قَامَ کے الفاظ ہیں کہ یہاں قیام کو بندہ کی طرف مضاف کیا گیا ہے جو اس کے لیے ارادہ کے اثبات کی دلیل ہے۔

رمضان کے آخری عشرہ کی فضیلت کا بیان

683۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ- أَيِ الْعَشْرُ الْأَخِيْرَةُ مِنْ رَمَضَانَ- شَدَّ مِئْزَرَهُ، وَأَحْيَا لَيْلَهُ، وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا آخری عشرہ داخل ہو جاتا تھا تو آپ ﷺ کمر کس لیتے تھے اور شب بیداری کرتے تھے اور اپنے گھر والوں کو بھی بیدار فرماتے تھے۔ [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث: ...... اَلْعَشْر: اس کی تفسیر مذکورہ روایت میں ہی ذکر کر دی گئی ہے کہ اس سے مراد رمضان کا آخری عشرہ ہے۔ شَدَّ مِئْزَرَهٗ: شَدَّ مراد باندھنا ہے اور مِئْزَر اس شے کو کہتے ہیں جسے انسان بطور ازار کے پہنتا ہے۔

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رمضان کا آخری عشرہ داخل ہونے پر آپ ﷺ تین باتوں کا خصوصیت کے ساتھ اہتمام فرماتے تھے: (1) اپنی ازار باندھ لیتے اور کس لیتے تھے۔ (2) راتوں کو جاگ کر عبادت کرتے تھے۔ (3) اور اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کو بھی بیدار فرماتے اور انہیں بھی عبادت کرنے کو ارشاد فرماتے تھے۔ البتہ یہاں ان تینوں باتوں سے جو مراد ہے اس کی وضاحت ضروری ہے۔ چنانچہ علماء نے شد مئزر کی تفسیر میں دو اقوال ذکر کیے ہیں:

پہلا قول: ...... یہ ہے کہ مراد عورتوں سے جماع کرنے سے پرہیز ہے۔

دوسرا قول: ...... یہ ہے کہ اس سے مراد ہمت باندھنا اور عبادت وعمل کے لیے کمر کس لینا ہے۔

[1] صحيح البخاري: 2024- صحيح مسلم: 1174.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن اس بات میں کوئی مانع نہیں کہ یہاں یہ دونوں باتیں ہی مراد ہوں۔ جبکہ راتوں کو زندہ کرنے سے مراد شب بھر بیدار رہ کر عبادت کرنا اور پل بھر کے لیے بھی نہ سونا ہے۔ البتہ روایات میں صرف آخری عشرہ رمضان کی بابت ہی یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ اس کی سب راتوں میں رات بھر بیدار رہ کر عبادت فرماتے تھے۔ جبکہ دیگر راتوں میں آپ ﷺ ایسا نہ کرتے تھے۔ اس مقام پر یہ یاد رہے کہ نماز کی تیاری میں وضو وغیرہ کرنا بھی عبادت میں شمار ہوتا ہے کیونکہ علماء کے ہاں یہ قاعدہ مسلّم ہے کہ عبادت کی تیاری عبادت میں شمار ہوتی ہے اور گھر والوں کو جگانے کی غرض واضح ہے تاکہ وہ بھی اس آخری عشرہ کی برکات کو عبادت کر کے حاصل کر سکیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- رمضان کا آخری عشرہ بے حد فضیلت والا ہے، اسی لیے نبی کریم ﷺ خاص طور پر اس میں عبادت کا خوب اہتمام فرماتے تھے۔
- آخری عشرۂ رمضان کی راتوں میں شب بھر جاگتے رہنا اور عبادت کرنا جائز ہے۔ البتہ ان راتوں پر سال کی باقی کی راتوں کو قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ ایسا کرنا نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں بلکہ آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر ارشاد فرمایا: ''میں (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔'' اور آگے فرمایا: ''جو میری سنت سے منہ موڑے گا، وہ مجھ میں سے نہیں۔''
- رمضان کے آخری عشرہ کا پوری تیاری، تن دہی، جوش اور ولولہ کے ساتھ استقبال کرنا چاہیے۔
- فضیلت کی راتوں میں گھر والوں کو بھی بیدار کرنا مشروع ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ البتہ یہ واجب نہیں۔ ہاں گھر والوں کو اس فضیلت سے محروم رکھنا بھی مناسب نہیں۔
- گھر والوں پر احکام کے مراتب کے مطابق تصرف جائز ہے۔ لہٰذا امرِ واجب میں تصرف واجب ہوگا اور امرِ مستحب میں تصرف مستحب ہوگا۔ لہٰذا اگر تو بیدار کرنا واجب ہو تو بنا ان کے کہے بھی بیدار کرنا واجب ہوگا۔ جیسے نماز کا وقت جا رہا ہو تو نماز کے لیے بیدار کرنا واجب ہوگا۔ امر مستحب میں اگر وہ کہیں تو بیدار کرنا جائز ہوگا اور بنا کہے دیکھا جائے گا کہ اگر تو کوئی عظیم منفعت و مصلحت ضائع ہو رہی ہے تو انہیں بیدار کر دینا چاہیے۔ وگرنہ بیدار نہ کیا جائے۔

اعتکاف آخری عشرۂ رمضان میں ہی ہوتا ہے

684۔ وَعَنْهَا رَضِيَ اللهُ عَنْهَا ، ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ ، حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ ، ثُمَّ اعْتَكَفَ أَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهِ)) .

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ (ہر سال) رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وفات دے دی۔ پھر آپ ﷺ کے (دنیا سے چلے جانے کے) بعد آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن (بھی) اعتکاف کیا کرتی تھیں۔ ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

❶ صحيح البخاري: 2026- صحيح مسلم: 1172 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

غریب الحدیث:..... **کَانَ یَعْتَکِفُ:** کَانَ فعل ناقص جب فعل مضارع کے ساتھ آتا ہے تو دوام کا فائدہ دیتا ہے جس سے مراد اغلب اور اکثر ہوتا ہے۔

اَلْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ: اور آخری عشرہ میں اعتکاف کرنے کی غرض شبِ قدر کی تلاش ہوتی تھی۔

حَتّٰی تَوَفَّاهُ اللّٰهُ: تَوَفّٰی یہ قَبَضَ کے معنی میں ہے۔ مراد وفات الموت ہے نہ کہ وفات النوم اور حَتّٰی کے کلمہ سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اعتکاف کرنے کا یہ حکم باقی ہے اور منسوخ نہیں۔

اَزْوَاجُهُ: اَزْوَاج یہ زَوْجٌ کی جمع ہے۔ لغت میں یہ لفظ مذکر اور مونث دونوں کو شامل ہے۔ البتہ عورت کے لیے زوج کے لفظ کا استعمال قلیل ہے۔ زیادہ تر یہ لفظ خاوند کے لیے ہی بولا جاتا ہے۔ غرض یہاں مراد امہات المومنین رضی اللہ عنہن یعنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں۔

مِنْ بَعْدِهٖ: مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اعتکاف کرنا ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں چار اہم مسائل مذکور ہیں:

(1) اعتکاف صرف رمضان کے آخری عشرہ میں ہی ہوگا۔

(2) اعتکاف کی مشروعیت باقی ہے نہ کہ منسوخ۔

(3) اعتکاف جائز اور مسنون ہے نہ کہ واجب۔ اس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

(4) جب کہ دیگر دلائل سے یہ بھی ثابت ہے کہ اعتکاف صرف مسجد میں ہی ہوگا۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ اعتکاف مشروع ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اعتکاف کرنا ثابت ہے۔ البتہ یہ واجب نہیں کیونکہ صرف فعل رسول کسی چیز کے وجوب کی دلیل نہیں ہوتا۔ کیونکہ علماء نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعالِ مبارکہ کی پانچ اقسام بیان فرمائی ہیں:

(1) وہ فعل جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طبیعت کے مقتضٰی پر کیا ہو جیسے سونا اور سردی گرمی سے بچنے کی تدبیر کرنا۔ اس کا کوئی حکم نہ ہوگا۔

(2) وہ فعل جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عادت کے مقتضٰی پر کیا ہو، جیسے ازار باندھنا کہ یہ مشروع اور مباح ہوگا۔

(3) وہ فعل جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور عبادت کے کیا ہو۔ یہ مشروع اور مستحب ہوتا ہے جس کے ترک میں گناہ نہیں ہوتا۔

(4) وہ فعل جس میں عادت اور عبادت دونوں کا احتمال ہو۔ اس کے مستحب ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے جیسے سر کے بال رکھنا یا نہ رکھنا۔ راجح یہ ہے کہ یہ فعل جبلت وعادت کے ملحق ہوگا۔

(5) اور وہ فعل جس میں کسی مجمل کا بیان ہو۔ لہٰذا نرا فعل وجوب کی دلیل نہیں ہوتا جب تک کہ وجوب کے دیگر قرائن ساتھ شامل نہ ہو جائیں۔

رہا اس پانچویں قسم کے فعل کا حکم تو اگر تو مجمل واجب ہے تو بیان بھی واجب ہوگا اور اگر مجمل مستحب ہے تو بیان بھی مستحب ہوگا۔ مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں اعتکاف امر تعبدی ہوگا۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بطور عبادت کے اعتکاف فرمایا کرتے تھے کیونکہ اعتکاف مسجد میں ہوتا ہے اور مسجد میں عبادت کی جاتی ہے جس میں بدن کی کوئی مصلحت نہیں ہوتی۔ تب پھر اعتکاف مشروع اور مسنون ہوگا جس کی مشروعیت کی دلیل یہ ارشاد باری بھی ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ﴾ (البقرة: 187)

''اوران سے مباشرت مت کرو جب کہ تم مسجدوں میں معتکف ہو۔''

اس آیت سے اعتکاف کے مشروع ہونے کا علم یوں ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ نے اس پر احکام کو مرتب کیا ہے اور احکام کا مرتب ہونا کسی امر کے مشروع ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اعتکاف کی ایک حرمت ہے، وہ یہ کہ اس کے دوران آدمی بیوی سے جماع نہیں کر سکتا۔ پس ثابت ہوا کہ اعتکاف مشروع بھی ہے اور عبادت بھی۔

◈ اعتکاف صرف مسجد میں ہی درست ہوتا ہے۔ پھر کسی نے اس کو مکہ اور مدینہ کی مساجد کے ساتھ جبکہ کسی نے اس کو مساجد ثلاثہ (مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ) کے ساتھ ہی خاص کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اعتکاف صرف جامع مسجد میں ہی ہوگا۔ جبکہ ایک قول مسجد جماعت کا بھی ہے پھر بعض نے اسے ہر مسجد میں اور بعض نے اسے مسجد کی قید سے آزاد کر کے ہر مصلے میں جائز قرار دیا ہے۔ حتیٰ کہ عورت گھر کے مصلے میں بھی اعتکاف کر سکتی ہے لیکن بے غبار اور درست قول یہ ہے کہ اعتکاف ہر اس مسجد میں جائز ہے جس میں باجماعت نمازِ پنجگانہ ادا کی جاتی ہو۔ کیونکہ اگر آدمی کسی ایسی مسجد میں اعتکاف کرے جس میں باجماعت نماز نہ ہوتی ہو تو یا تو وہ روزانہ پانچ مرتبہ باجماعت نماز ادا کرنے سے مسجد سے نکلے گا جب کہ یہ اتنی کثرت سے نکلنا اعتکاف کی مشروعیت کے منافی ہے اور یا پھر وہ باجماعت نماز ترک کرے گا اور کسی واجب کو مسنون کی خاطر ترک کرنا جائز نہیں اور رہا جمعہ تو اس کے لیے ہفتہ میں ایک بار ہی نکلنا ہوگا۔ اس پر بھی ہم یہ کہتے ہیں کہ افضل جامع مسجد میں اعتکاف کرنا ہے تاکہ جائے اعتکاف سے نکلنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔

◈ معلوم ہوا کہ رمضان کا آخری عشرہ افضل ہے کیونکہ اسی عشرہ میں اعتکاف ہوتا ہے۔

◈ شب قدر بے حد اہم ہے، اس کی تیاری اور استقبال بھی بے حد اہم ہے اور اعتکاف شب قدر کے استقبال کی اسی تیاری کا ایک حصہ ہے۔

◈ تنہائی کی عبادت کے لیے افضل ترین جگہیں مساجد ہیں کیونکہ مساجد کو رب تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ﴾ (البقرة: 114)

''اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں سے منع کرے۔''

◈ اعتکاف کی مشروعیت باقی ہے اور یہ منسوخ نہیں۔

◈ عورتیں بھی اعتکاف میں بیٹھ سکتی ہیں۔ اس کی دلیل وَاعْتَكَفَ اَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهِ کے الفاظ ہیں۔ رہی وہ حدیث جس میں نبی کریم ﷺ نے ایک دوسرے کے دیکھا دیکھی مسجد میں اعتکاف کے لیے لگائے جانے والے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے خیمے اکھاڑ دینے کا حکم دیا تھا تو اس کی وجہ نبی کریم ﷺ کا یہ اندیشہ تھا کہ مبادا انہوں نے اپنے اعتکاف کے خیمے ایک دوسرے کی غیرت میں لگائے ہوں۔ وگرنہ عورتوں کا نفسِ اعتکاف جائز ہے۔

اعتکاف کے آداب و احکام

685- وَعَنْهَا: ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ نبی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَعْتَكِفَ، صَلَّى الْفَجْرَ ثُمَّ دَخَلَ مُعْتَكَفَهُ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

کریم ﷺ جب اعتکاف میں بیٹھنے کا ارادہ فرماتے تھے تو فجر کی نماز ادا فرما کر اپنی جائے اعتکاف میں داخل ہو جاتے تھے۔ ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:......اِذَا اَرَادَ: مراد جائے اعتکاف میں داخل ہونے کا ارادہ ہے اور مراد دل کا ارادہ اور نیت ہے۔

صَلَّى الْفَجْرَ: یہاں فجر سے کون سے دن کی فجر مراد ہے؟ مذکورہ حدیث میں اس کو بیان نہیں کیا گیا۔ اب یا تو بیس تاریخ کی فجر مراد ہے، تب پھر عشرۂ اعتکاف سے ایک دن زیادہ ہو جائے گا اور یا پھر یہ اکیسویں تاریخ کی فجر مراد ہے تب پھر عشرۂ اعتکاف کی ایک شب کم ہو جائے گی۔ تب پھر لامحالہ یہاں بیس تاریخ کی فجر مراد ہے اور معتکف میں داخل ہونے سے مراد لوگوں سے اختلاط ختم کرنا ہوگا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ بیس کی صبح کو مسجد میں تشریف لے آتے تھے البتہ اکیسویں کی رات تک لوگوں سے ملتے جلتے رہتے اور مسجد میں اپنی جائے اعتکاف کو تیار کرتے رہتے تھے۔ پھر اکیسویں کی فجر پڑھ کر لوگوں سے اختلاط ختم فرما دیتے اور اپنے معتکف میں گوشہ نشین ہو کر رب تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جاتے تھے۔ غرض میرے نزدیک راجح قول یہی ہے کہ آپ ﷺ بیسویں کی فجر کے بعد مسجد میں تشریف فرما ہو جاتے اور اعتکاف کی تیاری میں لگ جاتے تھے۔

تَنْبِیْهٌ:...... یاد رہے کہ معتکف اپنی جائے اعتکاف میں تو رات سے پہلے ہی داخل ہوگا البتہ لوگوں سے علیحدہ اگلے دن کی فجر کی نماز کے بعد ہوگا۔

حالتِ اعتکاف میں بیوی سے کنگھی کروانا

686- وَعَنْهَا رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((إِنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيُدْخِلُ عَلَيَّ رَأْسَهُ- وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ- فَأُرَجِّلُهُ، وَكَانَ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةٍ، إِذَا كَانَ مُعْتَكِفًا)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ (اپنے اعتکاف کے دوران) مسجد میں ہوتے ہوئے اپنا سر مبارک میری طرف (میرے حجرے میں) نکال دیتے تھے تو میں آپ ﷺ کی کنگھی کر دیا کرتی تھی اور جب آپ ﷺ اعتکاف میں ہوتے تھے تو حاجت (بشریہ ضروریہ) کے سوا گھر میں تشریف نہ لاتے تھے۔ ❷

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

غریب الحدیث:......اِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مذکورہ اِنْ نافیہ یا شرطیہ نہیں بلکہ تاکید کا ہے اور اسے اِنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الْمُثَقَّلَةِ کہتے ہیں۔ یعنی اصل میں یہ اِنَّ مشدّدہ ہے جس میں تخفیف کر کے اس کو اِنْ پڑھا جاتا ہے۔ اسی لیے اس کے مابعد مذکور فعل مضارع پر تاکید کا لام مفتوح لانا لازم ہے تاکہ کوئی اس اِنْ کو نافیہ نہ سمجھے اور اس مذکورہ لام کو لامِ مفارقہ بھی کہتے ہیں جو اِنْ نافیہ اور اِنْ تاکیدیہ میں فرق کر دیتا ہے۔

وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ: یہ جملہ حالیہ ہے اور یہ یَدْخُلُ فعل مضارع کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔

---

❶ صحيح البخاري: 2033- صحيح مسلم: 1171.

❷ صحيح البخاري: 2029- صحيح مسلم: 297.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَأُرَجِّلُهُ: تَرْجِيْل بالوں میں کسی کنگھا وغیرہ کے ذریعے اور تیل لگا کر کنگھی کرنے کو کہتے ہیں۔
لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ: مراد بیت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہے۔ **إِلَّا لِحَاجَةٍ**: حاجت سے مراد بول و براز کی حاجت ہے۔
إِذَا كَانَ مُعْتَكِفًا: مذکورہ إِذَا شرطیہ ہے اور یہ شرط موخر ہے۔ جبکہ اس کی جزا مقدم ہے اور وہ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ کا جملہ ہے۔

مضمون حدیث: ......گزشتہ اور مذکورہ حدیث میں اعتکاف کے چھ آداب بیان کیے گئے ہیں، جو یہ ہیں:

(1) اعتکاف رمضان کے آخری عشرہ میں ہوگا۔

(2) آدمی اپنی جائے اعتکاف میں اکیسویں کی شب آنے سے قبل ہی داخل ہو جائے گا البتہ لوگوں سے میل جول اکیس تاریخ کی فجر کے بعد ختم کرے گا۔

(3) اعتکاف مسجد میں ہی ہوگا۔

(4) اور حالت اعتکاف میں مسجد سے نکلنا جائز نہیں۔ البتہ بول و براز کی حاجت طبعیہ بشریہ کے لیے نکل سکتا ہے۔

(5) حالت اعتکاف میں مسجد سے سر باہر نکالنے سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا۔

(6) اور یہ کہ حالت اعتکاف میں بیوی سے بات چیت اور اس سے کوئی خدمت لینا جیسے بالوں میں تیل لگوانا یا کنگھی کروانا جائز ہے۔ البتہ منع صرف مباشرت اور جماع ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- بدن کے بعض حصہ کے مسجد سے نکل جانے سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ حالت اعتکاف میں اپنا سر مبارک مسجد کی حدود سے باہر نکال لیا کرتے تھے۔
- معتکف بالوں میں خود بھی کنگھی کر سکتا ہے اور دوسرے سے بھی کروا سکتا ہے۔ اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا فعل مبارک ہے۔
- خاوند بیوی سے حق استمتاع کے علاوہ بھی خدمت لے سکتا ہے۔
- حالت اعتکاف میں بیوی کو چھونا منع نہیں البتہ جماع منع ہے۔ چنانچہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے سر مبارک کو تھام کر اس میں کنگھی کر دیا کرتی تھیں حالانکہ آپ ﷺ اس وقت اعتکاف میں ہوتے تھے۔
- بیوی سے ایسا رویہ اپنایا جائے جس سے باہم محبت بڑھے۔
- حاجت شرعیہ اور ضروریہ وطبعیہ کے سوا اعتکاف سے نکلنا جائز نہیں۔ اس کی دلیل إِلَّا لِحَاجَةٍ کے الفاظ ہیں۔

علماء نے بیان کیا ہے کہ حالتِ اعتکاف میں نکلنا تین قسم کا ہے:

(1) پہلی قسم کسی طبعی یا شرعی ضرورت کے لیے نکلنا جیسے کھانے پینے یا بول و براز کے لیے نکلنا اور جیسے وضو یا غسل جنابت کے لیے نکلنا، اسی طرح جمعہ ادا کرنے کے لیے نکلنا وغیرہ کہ ان امور کے لیے نکلنا ناگزیر ہے اور یہ جائز ہے۔

(2) اعتکاف کے منافی کسی کام کے لیے نکلنا۔ چاہے اعتکاف میں بیٹھنے سے قبل اس کی شرط لگائی تھی یا نہیں دونوں صورتوں میں یہ نکلنا ناجائز اور مبطلِ اعتکاف ہوگا۔ جیسے اپنی دکان پر ایک نظر ڈالنے کے لیے یا دکان کا حساب کتاب کرنے یا شام کو باغ میں چہل قدمی وغیرہ کرنے کے لیے نکلنا کہ یہ ناجائز اور مبطلِ اعتکاف ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(3) تیسری قسم کا نکلنا وہ یہ ہے کہ جس کے بغیر گزارا ہوتا ہو لیکن وہ اعتکاف کے منافی بھی نہ ہو۔ جیسے جنازہ میں شرکت کہ یہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ بھی ہے اور فرضِ کفایہ بھی ہے لہٰذا اگر کوئی معتکف جنازہ میں شریک نہ ہو تو بھی گزارا ہے کیونکہ دوسرے اہلِ محلہ کی جنازہ میں شرکت اس کی شرکت سے کفایت کرتی ہے۔ ایسے امر کا حکم یہ ہے کہ اگر تو اعتکاف میں بیٹھنے سے قبل اس کو شرط کر لیا کہ اسی دوران اگر مجھے کسی کے جنازہ میں یا فلاں فلاں کے جنازہ میں (جو اعتکاف میں بیٹھتے وقت قریب الموت اور جاں بلب تھا اور اندیشہ تھا کہ آج کل میں راہیٔ ملکِ عدم نہ ہو جائے) شرکت کروں گا تو اس جنازہ میں شرکت جائز ہوگی اور اگر اعتکاف میں بیٹھتے وقت اس کو شرط نہ کیا تھا تو اب جنازہ میں شرکت جائز نہ ہوگی۔

استفرازِ دم [1] (Dialysis) کا حکم

استفراز کسی چیز کے نکال باہر کرنے کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد مصنوعی طریقہ سے بدن سے نالیوں کے ذریعے خون نکالنے اور مشین میں ڈال کر اسے فاضل مواد سے پاک اور صاف کر کے دوبارہ نالیوں کے ذریعے بدن میں لوٹانا ہے۔ جدید طبی اصطلاح میں اسے Dialysis کے مشہورِ عام لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ Dialysis کی ضرورت عموماً اس وقت پیش آتی ہے جب انسان کے گردے کام کرنا چھوڑ جاتے ہیں اور جو فاضل مادے گردہ خون سے جدا کر کے انہیں مثانہ کے ذریعے بدن سے نکال باہر کرتا ہے، گردوں کے ناکارہ اور غیر فعال ہو جانے پر وہ فاضل مادے بدن میں جمع ہونے لگتے ہیں جو یا تو کسی شدید بیماری کا یا پھر موت تک کا سبب بن جاتے ہیں۔ Dialysis دراصل خون سے انہی فاضل مادوں کو عارضی طور پر نکالنے اور خون کو ان سے صاف کرنے کو کہتے ہیں۔

اب Dialysis کے دو پہلو ہیں:

(1)..... ایک بدن سے خون کا نکلنا۔ اس اعتبار سے Dialysis پچھنے لگوانے کے مشابہ ہے جو بلاشبہ مفطرِ صوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو Dialysis کا عمل بالکلیہ "حجامہ" کے مشابہ نہیں، گو دونوں عملوں کے دوران بدن سے خون کا اخراج ضرور ہوتا ہے۔ وہ یوں کہ حجامہ میں خون بدن سے نکل کر دوبارہ بدن میں نہیں لوٹایا جاتا۔ اس لحاظ سے Dialysis کا عمل کلی طور پر حجامہ (پچھنے لگوانے) کے مشابہ نہیں۔ لہٰذا Dialysis اس اعتبار سے مفطرِ صوم نہ ہوگا۔

(2)..... Dialysis کا دوسرا پہلو بدن میں خون داخل کرنا ہے۔ جو بظاہر اکل و شرب کے مشابہ نظر آنے کی بنا پر مفطرِ صوم لگتا ہے۔ کیونکہ کھانا پینا مآل کار خون میں ہی تو تبدیل ہوتا اور بدن کو قوی کرتا ہے۔

اس اعتبار سے بظاہر Dialysis مفطرِ صوم لگتا ہے۔ لیکن ادنیٰ تامل سے یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ Dialysis اکل و شرب کے قائم مقام نہیں لہٰذا مفطرِ صوم بھی نہیں، یعنی اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ وہ یوں کہ معدہ خالی ہونے کی صورت میں بدن میں خون دوبارہ داخل کرنے سے بھی آدمی بھوکا اور پیاسا ہی رہتا ہے۔ واللہ اعلم

اعتکاف کے چند دیگر احکام و آداب

687۔ وَعَنْهَا قَالَتْ: ((السُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ أَنْ لَا يَعُودَ مَرِيضًا، وَلَا يَشْهَدَ جِنَازَةً، وَلَا

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ معتکف کے لیے یہ باتیں سنت ہیں کہ وہ مریض کی عیادت

[1] نہایت مناسب تو یہ تھا کہ شیخ رحمہ اللہ یہ مسئلہ مفطرات صوم کے تحت لے آتے۔ لیکن قَدَّرَ اللّٰهُ مَا شَاءَ. (نعیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَمَسَّ امْرَأَةً، وَلَا يُبَاشِرَهَا، وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ إِلَّا لِمَا لَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ، وَلَا اعْتِكَافَ إِلَّا بِصَوْمٍ. وَلَا اعْتِكَافَ إِلَّا فِي مَسْجِدٍ جَامِعٍ)).

نہ کرے، کسی جنازہ میں شرکت نہ کرے، اپنی بیوی کو چھوئے نہیں اور نہ اس سے مباشرت (ہم آغوشی یا جماع) ہی کرے، جس حاجت (بدنیہ یا شرعیہ) کے بغیر چارہ نہ ہو اس کے سوا (کسی دوسری بات کے لیے اپنی جائے اعتکاف سے) باہر نہ نکلے اور بنا روزہ کے اعتکاف نہیں ہوتا اور سوائے جامع مسجد کے (اور کسی مسجد میں) اعتکاف (منعقد) نہیں ہوتا۔ ❶

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ، وَلَا بَأْسَ بِرِجَالِهِ، إِلَّا أَنَّ الرَّاجِحَ وَقْفُ آخِرِهِ.

اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کے رجال میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ اس کے آخر کا موقوف ہونا راجح ہے۔

688۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((لَيْسَ عَلَى الْمُعْتَكِفِ صِيَامٌ إِلَّا أَنْ يَجْعَلَهُ عَلَى نَفْسِهِ)).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''معتکف پر روزہ واجب نہیں ہاں یہ کہ وہ خود اسے اپنے اوپر لازم کر لے (تو واجب ہو جائے گا)۔'' ❷

رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَالْحَاكِمُ، وَالرَّاجِحُ وَقْفُهُ أَيْضًا.

اس حدیث کو امام دارقطنی اور امام حاکم نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کا بھی موقوف ہونا راجح ہے۔

غریب الحدیث:...... عَلَى الْمُعْتَكِفِ: عَلٰی وجوب کے لیے ہوتا ہے لہٰذا اعتکاف کرنے والے کے لیے یہ امور واجب ہوں گے۔

قَالَتْ: اَلسُّنَّةُ: ایک صحابی یا صحابیہ کے کسی بات کو سنت کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث ''مرفوع'' کے حکم میں ہے۔ دوسرے یہ کہ سنت کی تعبیر اس امر کے مشروع اور جائز ہونے کی دلیل ہے۔ رہا اس کا وجوب یا استحباب تو اس کی تعیین دیگر دلائل سے ہوتی ہے کیونکہ لفظِ سنت بول کر وجوب و استحباب دونوں کو مراد لیا جاتا ہے۔

اَلَّا يَعُوْدَ مَرِيْضًا: حالانکہ مریض کی عیادت افضل اعمال میں سے ہے۔ البتہ راجح قول یہ ہے کہ عیادتِ مرضیٰ فرض کفایہ ہے لہٰذا کسی دوسرے کے عیادت کر لینے سے معتکف کا ذمہ بری ہو جاتا ہے۔ دوسرے اگر معتکف بار بار مریض کی عیادت اور جنازہ میں شرکت کے لیے آتا جاتا رہے گا تو اس کا اعتکاف رہے گا کہاں؟ کہ یہ بار بار کا آنا جانا اعتکاف کے معنیٰ و مقصود کے خلاف ہے۔

---

❶ سنن ابی داود: 2473۔ سنن البیهقی: 321/4۔ امام بیہقی فرماتے ہیں: اکثر حفاظِ حدیث اس طرف گئے ہیں کہ یہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نیچے کے کسی راوی کا قول ہے اور یہ کہ جس نے بھی اس کلام کو حدیث میں مدرج کیا ہے، اسے وہم ہوا ہے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ "المجموع" (501/6) میں فرماتے ہیں: عبدالرحمن بن مہدی کے حجت ہونے میں محدثین حضرات رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔ اکثر محدثین اس راوی کو حجت نہیں مانتے۔

❷ سنن الدارقطنی: 199/2۔ المستدرك للحاكم: 605/1۔ امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر ہے اور اس کے معارض وہ حدیث ہے جو صحیح نہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ "المجموع" (479/6) میں فرماتے ہیں اس حدیث کو مرفوع روایت کرنے والا راوی ثقہ ہے اور یہ ابوبکر السوسی ہے لہٰذا مرفوع روایت کو لیا جائے گا۔ محققین اسی مذہب پر ہیں کہ راجح مرفوع حدیث کو لینا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ لَا يَشْهَدَ جَنَازَةً: جنازہ میں شرکت فرض کفایہ ہے۔ لہٰذا اہل محلّہ کے جنازہ پڑھ لینے سے معتکف کے ذمہ جنازہ کی شرکت باقی نہ رہے گی۔ رہا ان امور کو شرط کر کے اعتکاف میں بیٹھنا تو اس کا حکم ابھی بیان ہو چکا ہے۔

وَ لَا يَمَسَّ امْرَأَةً: چھونے سے یہاں شہوت کا چھونا مراد ہے اور اِمْرَاَة سے مراد بیوی ہے۔ کہ غیر عورت کو تو بنا شہوت کے بھی چھونا ناجائز ہے۔ رہا بنا شہوت کے بیوی کو چھونا تو وہ جائز ہے جیسا کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سر میں کنگھی کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک ان کے حجرے کی طرف نکال دیتے تھے جو باہم ایک دوسرے کے چھونے کو لازم ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتکاف میں یہ فعل بنا شہوت کے بیوی کو چھونے کے جواز کی دلیل ہے۔ البتہ شہوت سے چھونے سے اگر نوبت جماع تک آ گئی تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا ورنہ اعتکاف کے فاسد ہو جانے کا خدشہ تو بہر حال ہے ہی۔

وَ لَا يُبَاشِرَهَا: جب مس اور مباشرت کا ذکر ایک جگہ جمع ہو جائے تو مس سے مراد جماع ہوتا ہے لہٰذا یہاں مس کو جماع پر اور مباشرت کو ما دون الجماع پر محمول کریں گے۔ **وَ لَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ اِلَّا لِمَا لَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ:** اس کی تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔

وَ لَا اعْتِكَافَ اِلَّا بِصَوْمٍ: مذکورہ لَا لائے نفی جنس ہے۔ لہٰذا اِعْتِكَافَ اس کا اسم ہوگا اور اس کی خبر محذوف ہوگی اور بصوم یا تو اسی خبر جیسے کائن سے بدل ہوگا یا اس کے متعلق ہوگا۔ رہا یہ سوال کہ یہ نفی وجود کی ہے یا صحت کی یا کمال کی۔ تو یہ نفی وجود کی تو ہو نہیں سکتی کہ یہ خلاف واقع ہوگا۔ رہی صحت کی نفی تو اگر تو کوئی شرعی دلیل یہ بتلاتی ہے کہ روزہ کے بغیر اعتکاف درست نہیں ہوتا تو یہ صحت کی نفی ہوگی اور اگر کوئی شرعی دلیل یہ بتلاتی ہے کہ یہ صحت کی نفی نہیں، تب پھر اعتکاف بغیر روزہ کے بھی درست ہو جائے گا۔ اب ایک صحیح روایت میں ذکر ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک روز کے اعتکاف کی نذر کا ذکر کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی نذر پوری کرنے کا حکم دیا اور ساتھ میں روزہ رکھنے کا حکم نہیں دیا اور جس روایت میں ساتھ روزہ رکھنے کے امر کا بھی ذکر ہے، [1] وہ روایت ضعیف ہے، جو صحیح نہیں۔ لہٰذا یہاں جس نفی کا ذکر ہے وہ کمال کی نفی ہے کہ جو روزہ کے بغیر اعتکاف کرتا ہے اس کا اعتکاف کامل نہیں ہوتا۔

وَ لَا اعْتِكَافَ اِلَّا فِيْ مَسْجِدٍ جَامِعٍ: مذکورہ جملہ کی ترکیب اور اس کی توجیہ وتفسیر گزشتہ کی طرح ہے کہ یہاں بھی نفی سے مراد کمال کی نفی ہے۔ لہٰذا اعتکاف کے لیے جامع مسجد ہونا افضل تو ہوگا مگر اعتکاف کی صحت کے لیے شرط نہ ہوگا۔

وَ لَا بَأْسَ بِرِجَالِهِ: حضرات محدثین کی یہ تعدیل رواۃ کو ثقات کے دائرہ میں تو داخل نہیں کرتی بلکہ متوسط درجہ کے ثقہ رواۃ میں بھی داخل نہیں کرتی البتہ انہیں اس لائق ضرور قرار دیتی ہے کہ ان کی حدیث کو نقل کیا جائے گا۔ لہٰذا اس تعبیر کو تعدیل کا سب سے کم مرتبہ شمار کیا جاتا ہے۔ ہاں یہ جرح تو نہیں کہلا سکتی البتہ اسے ضعیف راوی کی تعدیل ضرور کہہ سکتے ہیں۔

اِلَّا اَنَّ الرَّاجِحَ وَقْفُ آخِرِهَا: اس استثنا کے دو فوائد حاصل ہوئے:

(1) سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول اَلسُّنَّةُ بتلاتا ہے کہ یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

(2) موقوف روایت حجت نہیں ہوتی کیونکہ موقوف روایت قول صحابی ہوتا ہے اور قول صحابی کے حجت ہونے یا نہ ہونے کی

---

[1] سنن ابی داود: 2474۔ سنن الدار قطنی: 200/2۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں: میں نے ابوبکر نیشاپوری کو یہ فرماتے سنا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اور حاکم (606/1) کہتے ہیں: اس حدیث کی اسناد میں عبداللہ بن بدیل ہے جو "صوم" یعنی روزے کے تذکرہ کی زیادتی میں متفرد ہے اور ابن بدیل ضعیف راوی ہے۔ (دیکھیں: الکامل لابن عدی: 213/4)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفصیل بار ہا ذکر کی جا چکی ہے۔

مضمونِ حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں بھی دراصل اسی بات کی تفصیل ہے کہ گزشتہ مذکورہ تین قسم کے افعال میں سے معتکف کے لیے کون کون سا فعل جائز ہے اور کون کون سا ناجائز اور کون سا فعل مباح ہے۔

کیا اعتکاف ہر وقت کیا جا سکتا ہے؟

یعنی کیا اعتکاف ماہِ رمضان کے سوا سال کے دوسرے مہینوں میں بھی کیا جا سکتا ہے یا نہیں اور کتنے وقت کے لیے کیا جا سکتا ہے؟ علماء کا اس میں اختلاف ہے:

⊙ ...... ایک قول یہ ہے کہ آدمی جتنی دیر بھی مسجد میں ٹھہرا ہو اسی قدر اعتکاف کی نیت کر سکتا ہے کہ اتنا اعتکاف بھی مشروع اور جائز ہے تاکہ اسے اعتکاف کا ثواب ملے جس کے حصول کے لیے وہ مسجد میں آیا تھا۔

⊙ ...... ایک قول یہ ہے کہ ایسا اعتکاف غیر مشروع ہے کیونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کثرت کے ساتھ مسجد میں آتے جاتے تھے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس طرح کے اعتکاف کرنے کا حکم نہ دیا تھا۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے انتظار میں بیٹھنے والے کو یہ بشارت تو سنائی ہے کہ جب تک وہ نماز کے انتظار میں رہے گا، اسے نماز کا ثواب ملتا رہے گا مگر اسے یہ ہدایت نہیں فرمائی کہ وہ اتنی دیر بیٹھنے کے لیے اعتکاف کی نیت ہی کر لے۔ جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ایسا اعتکاف غیر مشروع ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ اعتکاف کرنے کی بابت تین حالتیں ہیں:

(1) مشروع اور مسنون اعتکاف رمضان کے آخری عشرہ کا ہے حتیٰ کہ امام احمد کا قول ہے کہ اس کے مسنون ہونے میں مجھے کسی کے بھی اختلاف کا علم نہیں۔

(2) مسجد جانے والا جتنی دیر اسے مسجد میں ٹھہرنا ہے، اتنی دیر کے اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں جا سکتا ہے البتہ ہم دوسروں کو ایسا کرنے کا حکم اور ان سے اس بات کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔

(3) مسجد پہنچ کر اگر کسی نے آگے کسی علم یا ذکر کے حلقہ میں بیٹھنے کا ارادہ کر لیا ہے تو جتنی دیر اسے بیٹھنا ہے اتنی دیر اس کے لیے اب اعتکاف کی نیت کرنا قطعاً جائز نہ ہوگا کہ یہ غیر مشروع ہے۔

شب قدر کا بیان

689۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما، أَنَّ رِجَالًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أُرُوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْمَنَامِ، فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ((أَرَى رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَأَتْ فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ، فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيهَا فَلْيَتَحَرَّهَا فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ)).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اصحاب کو خواب میں (رمضان کی) آخری سات راتوں میں شبِ قدر دکھائی گئی۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "میں تم لوگوں کے خوابوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ (سب کے سب رمضان کی) آخری سات راتوں پر متفق ہیں۔ پس تم میں سے جو شبِ قدر کو تلاش کرنا چاہے تو وہ اسے (رمضان کی) آخری سات راتوں میں تلاش کرے۔"❶

---

❶ صحيح البخاري: 2015۔ صحيح مسلم: 1165.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

یہ حدیث ”متفق علیہ“ ہے۔

690- وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ رضي الله عنه ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ : ((لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ)) .

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے شب قدر کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ”(وہ) ستائیسویں کی رات ہے۔“ [1]

رَوَاهُ أَبُو دَاوُد ، وَالرَّاجِحُ وَقْفُهُ .

اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور راجح یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔

وَقَدِ اخْتُلِفَ فِيْ تَعْيِيْنِهَا عَلَى أَرْبَعِيْنَ قَوْلًا ، أَوْرَدْتُّهَا فِيْ "فَتْحِ الْبَارِي" .

شب قدر کی تعیین میں علماء کے چالیس سے زیادہ مختلف اقوال ہیں میں نے ان سب کو ”فتح الباری“ میں ذکر کر دیا ہے۔

درایۃ الحدیث:.....**شب قدر کب ہے؟** مذکورہ روایت میں ”آخری سات راتوں“ میں شب قدر ہونے کا بیان ہے جبکہ دیگر روایات میں شبِ قدر کو آخری دس راتوں میں تلاش کرنے کا حکم ہے۔ ان دونوں قسم کی روایات میں تطبیق کی صورت یوں ہے کہ شب قدر ہے تو انہی آخری دس راتوں میں، البتہ اس کے آخری سات راتوں میں ہونے کی تاکید زیادہ ہے۔ پھر ان میں بھی طاق راتوں میں ہونے کی تاکید اور زیادہ ہے۔

شب قدر کی تعیین میں ابہام کے فائدے

علماء نے اس کے دو فوائد بیان کیے ہیں:

(1) اس سے ہمت وارادہ میں ایک مہمیز، نشاط اور بشاشت پیدا ہوتی ہے۔ وگرنہ طبیعت کی سستی تو یہ کہتی ہے کہ بھلا ایک رات کی تلاش میں دس راتیں کیونکر بیدار رہیے۔

(2) نیکیوں اور عبادتوں کی کثرت کہ یہ ابہام عبادت کی کثرت کا سبب بن جاتا ہے اور طبعی بات ہے کہ دس راتوں کی عبادت بہرحال ایک رات کی عبادت سے زیادہ ہے۔

شب قدر کی تعیین میں علماء کے اقوال کی کثرت اور زیادہ ارجح قول

امام موصوف رحمہ اللہ نے اس بارے فتح الباری میں علماء کے چالیس کے قریب مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ لیکن حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ لانے کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ ان میں سے سب سے زیادہ ارجح قول ”ستائیسویں“ کی شب کے ہونے کا ہے۔

شب قدر کے افعال

691- وَعَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ : قُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ إِنْ عَلِمْتُ أَيُّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ، مَا أَقُوْلُ فِيْهَا ؟ قَالَ : ((قُوْلِيْ: اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ ، تُحِبُّ الْعَفْوَ ، فَاعْفُ عَنِّيْ)) .

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! ذرا بتلائیے تو کہ اگر مجھے اس بات کا علم ہو جائے کہ کون سی شب شب قدر ہے تو میں اس میں کون سی دعا مانگوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ دعا مانگو: اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ ...... فَاعْفُ عَنِّيْ ” اے اللہ!

---

[1] سنن أبي داود: 1386۔ ابن عبدالبر نے ”التمهيد“ میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (دیکھیں: فتح الباري: 260/4) .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بے شک تو بہت زیادہ معاف کرنے والا ہے (اور) تو معافی دینے کو پسند کرتا ہے پس تو مجھے (بھی) معاف کر۔'' ❶

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ غَيْرَ أَبِي دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ.

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے سوائے امام ابوداؤد کے اور امام ترمذی اور امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... اَرَأَیْتَ: یہ اَخْبِرْنِیْ کے معنی میں ہے۔

مَا اَقُوْلُ فِیْهَا: مَا یہ استفہامیہ ہے۔ یعنی مجھے بتلایئے کہ اگر مجھے کسی شب کے شبِ قدر ہونے کا علم ہو جائے تو میں اس میں کون سی دعا مانگوں؟ جس پر نبی کریم ﷺ نے یہ دعا سکھلائی۔

اَللّٰهُمَّ: اس پر کلام گزر چکا ہے۔

اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ: یہ رب تعالیٰ کی ذات سے اس کے مذکورہ اسم اور اس کی مذکورہ صفت کریمہ کے ذریعہ توسل کرنے کا بیان ہے۔ اب یہاں اِنَّكَ عَفُوٌّ میں اسم کا اور تُحِبُّ الْعَفْوَ میں صفت کا ذکر ہے۔

فَاعْفُ عَنِّیْ: مذکورہ فَا تفریعیہ ہے کہ جب تو معاف کرنے والا اور معافی کو پسند کرنے والا ہے تو اس اصل کے تحت تیری تفریع (اور جزئیہ کی تخریج) یہ ہے کہ میں تجھ سے اپنے معاف کر دینے کا سوال کرتا ہوں۔

عفو کیا ہے؟

علماء نے عفو کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یہ بندوں کی برائیوں سے درگزر کرنا ہے، چاہے اس کی صورت جو بھی ہو جیسے ترک واجب کو معاف کرنا اور یا فعل حرام کے ارتکاب کو معاف کرنا، کیونکہ ترکِ واجب یا فعل حرام پر عقاب ہوتا ہے۔ پس رب تعالیٰ کا عفو یہ ہوگا کہ وہ بندے کے ترکِ واجب کو اور اس کے فعل حرام کو معاف کر دے گا اور اس پر اسے سزا نہ دے گا۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں مغفرت طلب کرنے کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے کہ شب قدر جیسی اہم ترین رات میں بھی اگر اللہ سے کچھ مانگا جائے تو یہی مانگا جائے کہ وہ ہماری خطاؤں اور لغزشوں کو معاف کر دے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ اگر کسی کے نصیب میں ہو تو اسے دستِ غیب سے شبِ قدر کا علم ہو سکتا ہے۔ اس کی دلیل سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ ہیں: اِنْ عَلِمْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اس استدلال کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ان کلمات پر انکار نہیں فرمایا۔
- معلوم ہوا کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس رات سے حظِّ وافر اٹھانے کی بے حد حریص تھیں۔
- دعا پر قول کا اطلاق جائز ہے جیسا کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دعا مانگنے کو ''کیا کہوں'' کے الفاظ کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔
- عَفُوٌّ یہ رب تعالیٰ کا ایک نام اور اس کے اسمائے حسنٰی میں سے ہے۔
- رب تعالیٰ کے لیے صفت محبت ثابت ہے۔ اس کی دلیل تُحِبُّ الْعَفْوَ کے الفاظ ہیں۔

---

❶ جامع الترمذی: 3513- السنن الکبری للنسائی: 7712- سنن ابن ماجہ: 3850- مسند احمد: 171/6- المستدرك للحاکم: 712/1- امام حاکم فرماتے ہیں۔ یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ رب تعالیٰ کریم ہے اور وہ انتقام لینے سے زیادہ معاف کرنے کو پسند کرتا ہے۔
◈ مذکورہ حدیث میں رب تعالیٰ کے لیے افعالِ اختیاریہ کا اثبات ہے جس میں اہل تعطیل کا رد ہے۔ جیسا کہ یہ مسئلہ بارہا ذکر کیا جا چکا ہے۔
◈ اس حدیث میں رب تعالیٰ کے اسمائے صفات سے توسل کا جواز مذکور ہے۔
◈ صوفیہ کا رد، جو دعا سے بے نیازی کے قائل ہیں۔
◈ بندہ کو چاہیے کہ وہ خود کو کچھ نہ سمجھے۔ چنانچہ ایسی رات میں بھی استغفار کی تعلیم اس بات کی دلیل ہے کہ بندہ خود کو گناہ گار ہی سمجھے۔
◈ اگرچہ مذکورہ حدیث میں خطاب سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ہے لیکن اس کا حکم عام ہے۔ کیونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوصِ خطاب کا۔

مساجد ثلاثہ کی فضیلت

692۔ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدُ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِيْ هٰذَا، وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''رختِ سفر نہ باندھا جائے مگر ان مساجد کی ہی طرف (باندھا جائے۔ جو یہ ہیں) مسجد حرام، میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ۔''❶
یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

مناسبتِ حدیث: ..... مذکورہ حدیث کی باب الاعتکاف کے تحت لانے کی مناسبت یہ ہے کہ جب اعتکاف مساجد کے ساتھ خاص ایک عبادت تھی تو امام موصوف اعتکاف سے بھی اخص بات کو لے کر آئے اور وہ ہے مساجد ثلاثہ کی طرف رخت سفر باندھنا۔ پس اعتکاف تو ہر مسجد میں ہو سکتا ہے۔ لیکن رخت سفر باندھنا صرف انہی تین مساجد کی طرف ہی ہوگا نہ کہ کسی اور چوتھی مسجد کی طرف۔ رہا بعض علماء کا اس حدیث سے یہ استدلال کہ اعتکاف صرف انہی تین مساجد میں ہی ہوگا تو یہ استدلال غیر صحیح ہے۔ کیونکہ امام موصوف رحمہ اللہ کا شمار خود ان لوگوں میں ہوتا ہے جو مساجد ثلاثہ کے علاوہ مساجد میں اعتکاف کے جواز کے قائل ہیں۔

غریب الحدیث: ..... لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ: مذکورہ لا نافیہ ہے کیونکہ مابعد مذکورہ فعل مضموم ہے نہ کہ مجزوم اور رحال یہ اونٹ پر رکھے جانے والے کجاوے کو کہتے ہیں جس پر سوار ہوتے ہیں۔

اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مذکورہ استثنا کس سے ہے؟ وہ محذوف ہے اور مستثنیٰ منہ کا یہ حذف عموم کا فائدہ حاصل کرنے کے لیے ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلٰی اَيِّ مَسْجِدٍ مِنَ الْمَسَاجِدِ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ۔ یہیں سے بعض مشاہد و مزارات کی زیارت کے لیے رخت سفر باندھنے کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ یہ جائز نہیں۔ لہٰذا مساجد ثلاثہ کے سوا دیگر مقامات کو مقدس یا متبرک سمجھ کر ان کی طرف عازم سفر ہونا مذکورہ حدیث کے صریح خلاف ہوگا اور رہا

❶ صحیح البخاری: 1189۔ صحیح مسلم: 827۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طلبِ علم کے لیے دیگر بلاد وامصار کا سفر کرنا تو مذکورہ ممانعت اس سفر کو شامل نہیں کیونکہ طلبِ علم کے لیے سفر دراصل علم کے لیے ہے نہ کہ کسی خاص جگہ اور مکان کے لیے ہے۔ ان دونوں باتوں میں جو فرق ہے وہ اہل علم پر مخفی نہیں۔

اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَ مَسْجِدِيْ هٰذَا، وَ الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى: یہ اجمال کے بعد تفصیل ہے۔ مسجد حرام مکہ مکرمہ میں ہے اور اسے اس کی حرمت اور تحریم کی وجہ سے مسجد حرام کہتے ہیں اور مسجد نبوی یہ مدینہ نبویہ میں ہے جبکہ مسجد اقصیٰ فلسطین میں ہے۔ یہ تینوں کی تینوں مساجد تقوی کی بنیادوں پر کھڑی کی گئی ہیں۔ ان مساجد کی تاریخ کو کتب سیرت و تاریخ میں پڑھا جا سکتا ہے۔ اب تینوں مساجد میں درجہ اور فضیلت بھی اسی ترتیب سے ہے جس ترتیب سے ان کے نام مذکورہ حدیث میں ذکر ہیں۔ چنانچہ سب سے افضل مسجد حرام ہے جس میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ پھر مسجد نبوی ہے جس میں ایک نماز ہزار نماز کے برابر ہے اس کے بعد مسجد اقصی ہے جس میں ادا کی گئی نماز دیگر مساجد میں ادا کی گئی نمازوں سے پچاس گنا افضل ہے۔

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں ان تین مساجد کی عظمت اور مرتبہ کو بیان کیا گیا ہے۔ پس یہ ان مساجد کی عظمت ہی ہے کہ ان کی زیارت کے لیے سفر کر کے جانا جائز ہے جبکہ ان کے علاوہ کسی دوسرے مقام اور جگہ کو متبرک اور مقدس سمجھ کر اس کی طرف عازمِ سفر ہونا جائز نہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ ان تین مقامات کے سوا اور کسی بھی مقام کو متبرک اور مقدس سمجھ کر اس کی طرف رختِ سفر باندھنا حرام ہے۔ اس کی دلیل لَا تُشَدُّ کے الفاظ ہیں۔ کیونکہ یہ نفی بمعنی نہی ہے اور نہی میں اصل تحریم ہے۔ اس بنا پر غارِ حراء یا غارِ ثور کو ایک متبرک مقام سمجھ کر اس کی زیارت کو جانا جائز نہ ہوگا۔ یہی حکم مسجد قبا کی زیارت کا بھی ہے۔ پس ان تین مقامات کی تخصیص جہاں ان کے افضل مقامات ہونے کے اعتبار سے ہے وہیں یہاں پڑھی جانے والی نماز میں ثواب کی کثرت کے اعتبار سے بھی ہے۔
- پھر ان تینوں مساجد میں نماز کی افضلیت فرض نماز کے اعتبار سے ہے نہ کہ نفل نماز کے اعتبار سے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''سوائے فرض نماز کے آدمی کی افضل نماز وہ ہے جو وہ اپنے گھر میں ادا کرتا ہے۔''[1] لہٰذا مسجد حرام کے پڑوس میں رہنے والے کے لیے بھی سنتوں اور نوافل کا گھر میں ادا کرنا یہ مسجد حرام میں ادا کرنے سے افضل ہوگا۔
- پھر اس بارے علماء نے یہ قاعدہ ضبط کیا ہے کہ جن نمازوں کو مساجد میں ہی ادا کرنا مسنون ہے جیسے تحیۃ المسجد، نماز طواف وغیرہ تو ان نمازوں کے لیے بھی ان تینوں مساجد میں ادا کرنے کی فضیلت مذکورہ مراتب کے اعتبار سے ہی ہوگی۔
- رہا نمازِ جنازہ تو اس کے مسجد میں ادا کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ لیکن راجح قول یہ ہے کہ دورِ نبوی میں اگرچہ جنازہ گاہ مسجد سے جدا تھی لیکن پھر بھی مسجد میں نمازِ جنازہ ادا کرنا ثابت ہے۔ گو یہ قلیل ہے۔
- اور یہ بھی یاد رہے کہ مذکورہ فضیلت مسجد نبوی کے صرف اسی حصہ کو ہی شامل نہیں جو عہد نبوی میں تھی، بلکہ یہ فضیلت بعد کے ادوار میں مسجد نبوی میں کیے جانے والے اضافوں کو بھی شامل ہے۔

---

[1] اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ پھر علماء کا اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ مسجد حرام سے خاص وہ مسجد مراد ہے جس میں کعبہ شریفہ کی عمارت ہے یا یہ فضیلت سارے حرم کو بھی شامل ہے؟ چنانچہ بعض علماء نے پورے حرم کو اس فضیلت میں داخل قرار دیا ہے۔ان کی دلیل یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى﴾ (الاسراء: 1)

''پاک ہے وہ جو رات کے ایک حصے میں اپنے بندے کو حرمت والی مسجد سے بہت دور کی مسجد تک لے گیا۔''

حالانکہ آپ ﷺ کو معراج پر حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر سے لے جایا گیا تھا۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد حرام سے مراد پورا حرم ہے۔لیکن حنابلہ کے کلام کا ظاہر اس فضیلت کو مسجد حرام کے ساتھ خاص ہی بتلاتا ہے جس میں خانہ کعبہ کی عمارت ہے۔ان کی دلیل یہ امر ہے کہ حرم کو مکہ کے نام سے پکارا جاتا ہے نہ کہ مسجد حرام کے نام سے۔ان علماء نے اس کے اور بھی متعدد دلائل ذکر کیے ہیں جن کو اختصار کی بنا پر قلم انداز کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ابن مفلح کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے کلام کا ظاہر یہ بتلاتا ہے کہ مسجد حرام سے وہ مسجد مراد ہے جس میں خانہ کعبہ کی عمارت ہے اور نصوص کا ظاہر بھی یہی بتلاتا ہے۔

الحمدللہ ''کتاب الصیام'' تمام ہوئی۔آ گے ''کتاب الحج'' آ رہی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

6
كِتَابُ الْحَجِّ
حج کے احکام ومسائل کا بیان

تمہید: ...حج کی لغوی اور اصطلاحی تعریف: ... لغت میں حج قصد اور ارادہ کو کہتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں: حَجَّ كَذَا. یعنی ''اس نے فلاں بات کا قصد کیا۔''

شرعی واصلاحی تعریف

اصطلاحِ شرع میں مخصوص اوقات میں مخصوص طریقہ پر اور مخصوص مقامات پر مناسک کو ادا کر کے رب تعالیٰ کی عبادت کرنے کو حج کہتے ہیں۔

حج کا حکم

حج ارکانِ اسلام میں سے ہے جس کی فرضیت پر کتاب وسنت ناطق اور سب مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اس کے فرض ہونے کو جاننا ضروریاتِ اسلام میں سے ہے۔ اسی لیے ایک مسلمان معاشرے میں رہنے والا اگر اس کی فرضیت کا انکار کرے تو وہ کافر ہوگا۔ کیونکہ وہ اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کے اجماع کو جھٹلانے والا ہے اور یہ بات بندوں پر رب تعالیٰ کی نعمت اور اس کے احسان میں سے ہے کہ اس نے حج کو زندگی میں صرف ایک بار ہی فرض کیا ہے کیونکہ حج کے لیے ہر سال مکہ مکرمہ جانے میں لوگوں کو مشقت ہے۔ پھر اگر وادیٔ مکہ میں ہر سال پوری دنیا کی مسلم آبادی جمع ہونے لگ جائے تو جگہ کے بے حد تنگ پڑ جانے سے خود حج ادا کرنا دشوار تر بلکہ ناممکن ہو جائے۔ کیونکہ مکہ کی وادی عالم اسلام کے سب مسلمانوں کو اپنے اندر نہیں سما سکتی۔

پھر حج کی فرضیت پانچ شروط سے ہی پوری ہوتی ہے جو یہ ہیں: بلوغ، عقل، اسلام، حریت اور استطاعت۔ ان شروط کی وجوب، استحباب اور صحت کے اعتبار سے تقسیم کا بیان آگے آ رہا ہے۔

حج کب فرض ہوا؟

حج نو یا دس ہجری کو فرض ہوا تھا۔ جو لوگ ۶ ہجری میں حج فرض ہونے کے قائل ہیں وہ دلیل میں یہ آیت کریمہ پیش کرتے ہیں: ﴿وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ (البقرۃ: 196) ''اور حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو۔'' تو ان کا یہ استدلال ٹھیک نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ اس آیت میں اتمام کا ذکر ہے اور اتمام تب ہی ہوتا ہے جب کسی شے کی شروعات پائی جائیں۔ یہ آیت غزوہ حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی جب نبی کریم ﷺ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے اور کفار مکہ نے آپ ﷺ کو عمرہ ادا کرنے سے روک دیا تھا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی جس میں آگے ارشاد ہے: ﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ﴾ (البقرة: 196) یعنی اگر تم کو حج یا عمرہ کرنے سے روک دیا جاتا ہے اور مسجد حرام تک جانے نہیں دیا جاتا ﴿فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ (البقرة: 196) تو قربانی میں سے جو میسر ہو (وہ کردو)۔ پس یہ آیت اتمام کے وجوب کو بتلانے کے لیے نازل ہوئی ہے نہ کہ فرضیت کی ابتدا بتلانے کے لیے نازل ہوئی ہے۔

رہی حج کی فرضیت تو اس کا بیان اس آیت کریمہ میں ہے:

﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ (آل عمران: 97)

''اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج (فرض) ہے، جو اس کی طرف راستے کی طاقت رکھے۔''

یہ سورۂ آل عمران کی آیت ہے جو سنہ 9 ہجری میں ''عام الوفود'' (وفود کے سال) میں نازل ہوئی تھی۔ پھر معنی بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ حج کی فرضیت سنہ 9 ہجری میں ہو۔ وہ یوں کہ سنہ 8 ہجری تک تو مکہ مکرمہ قریش کے قبضہ میں رہا تھا اور اس وقت تک بیت اللہ، مسجد حرام اور مکہ مکرمہ پر انہی لوگوں کا حکم چلتا تھا۔ تبھی تو سنہ 6 ہجری ان لوگوں نے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو عمرہ ادا کرنے سے روک دیا تھا اور یہ بات رب تعالیٰ کی حکمت و رحمت کے خلاف ہے کہ وہ بندوں پر ایک ایسی عبادت فرض کرے جس کا ادا کرنا ان کے بس میں ہی نہ ہو یا وہ عبادت بہت مشقت سے ادا ہو یا اس تک پہنچنا بے حد دشوار ہو۔

حج کی نوعیت:...... احکام اسلام میں سے حج ایک ایسی عبادت ہے جو عمل، ترکِ محبوب، بدنی مشقت اور بسا اوقات مال کے خرچ کرنے کا مظہر ہے۔

1۔ بَابُ فَضْلِهِ وَبَيَانِ مَنْ فُرِضَ عَلَيْهِ

حج کی فضیلت کا اور اس شخص کا بیان جس پر حج فرض ہوتی ہے

تمہید:...... حج بے شمار دینی و دنیاوی اور دنیوی و اخروی فضائل و منافع پر مشتمل ایک عبادت ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾ (الحج: 28)

''تاکہ وہ اپنے بہت سے فائدوں میں حاضر ہوں اور چند معلوم دنوں میں ان پالتو چوپاؤں پر اللہ کا نام ذکر کریں جو اس نے انھیں دیے ہیں۔''

غرض حج جہاں عبادت اور اللہ کا ذکر ہے وہیں اس میں لوگوں کے بے شمار فائدے بھی ہیں۔ جیسے:

- ⊙ ...... ایک دوسرے کا تعارف ہونا۔
- ⊙ ...... ایک دوسرے کے ساتھ الفت و محبت پیدا ہونا۔
- ⊙ ...... مسلمانوں کی باہمی تجارت کو فروغ ملنا

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⊙...... امت مسلمہ کا ایک دوسرے کی مصنوعات سے خرید وفروخت کے ذریعے مستفید ہونا اور ایک اسلامی ملک کی مصنوعات کا سارے عالم اسلام میں پھیلنا۔

⊙...... غریبوں اور فقیروں کو صدقات، عطیات اور قربانیوں کا گوشت ملنا وغیرہ۔

اسی لیے رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾ ''تا کہ وہ اپنے بہت سے فائدوں کو حاضر ہوں۔'' نحوی اعتبار سے ''منافع'' یہ ''مفاعل'' کے وزن پر جمع منتہی الجموع کا صیغہ ہے جو کثرت پر دلالت کرتا ہے۔

⊙...... حج کا سب سے بڑا فائدہ روزِ قیامت کی یاددہانی ہے کہ سب کے سب لوگ ایک ہی رنگ کے لباس میں، ایک ہی حلیہ اور ہیئت کے ساتھ ایک ہی جگہ یکجا کھڑے ہوتے ہیں اور ایک ہی عبادت میں مشغول اور اپنے خالق پروردگار کے آگے عاجزی وزاری اور تضرع وابتہال کر رہے ہوتے ہیں۔ بلاشبہ یہ سب کچھ روزِ قیامت کی یاد دلاتا ہے۔

حجِ مبرور کا اجر

693- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: ((اَلْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةَ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''(ایک) عمرہ (دوسرے) عمرہ تک ان کے درمیانی عرصہ (کے صغیرہ گناہوں) کا کفارہ ہے اور حجِ مبرور کا بدلہ سوائے جنت کے اور کچھ نہیں۔'' [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:...... كَفَّارَةٌ لِّمَا بَيْنَهُمَا: مذکورہ مَا موصولہ ہے جو عموم کا فائدہ دے رہا ہے۔ جو بظاہر صغائر و کبائر دونوں کو شامل لگتا ہے لیکن یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ایسی بشارتوں سے مراد صغائر ہوتے ہیں جبکہ کبائر کے معاف ہونے کے لیے سچی توبہ شرط ہے۔

اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ......: یعنی حج مبرور کرنے سے بندے کو اپنا مطلوب یعنی نجات، جہنم سے چھٹکارا اور جنت میں داخلہ مل جاتا ہے۔ تب پھر حج اور عمرہ کے مآل میں یہ فرق ہوا کہ عمرہ کرنے سے ناگوار باتوں سے نجات ملتی ہے اور وہ گناہ اور ان کے آثار یعنی عقاب و عذاب ہے۔ جبکہ حج کرنے سے مطلوب و مرغوب اور مقصود مل جاتا ہے اور وہ جنت ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب آدمی ایک کے بعد دوسرا عمرہ کرتا ہے تو ان دونوں کے درمیانی اوقات کے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے اور حجِ مبرور کی جزا عند اللہ جنت ہی ہے۔

حجِ مبرور کی شروط

مبرور سے مراد بر یعنی نیکی والا حج ہے۔ کوئی حج کیسے مبرور بنتا ہے؟ اس کی شروط خود نبی کریم ﷺ نے بیان فرما دی ہیں، جو یہ ہیں:

(1) پہلی شرط یہ ہے کہ حج خالص اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لیے ہو، نام ونمود، شہرت اور عزت و وجاہت کے حصول کے لیے نہ ہو۔

[1] صحيح البخاري: 1773- صحيح مسلم: 1349.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(2) دوسری شرط یہ ہے کہ حج حلال مال سے ہو کہ حرام مال سے کیا جانے والا حج مبرور نہ ہوگا۔

(3) تیسری شرط یہ ہے کہ آدمی حج کے مناسک اور اس کے واجبات خود ادا کرے۔ لہٰذا اگر کسی نے مثلاً اپنی جگہ کسی دوسرے کو رمی کرنے بھیج دیا تو اس کا یہ حج مبرور نہ کہلائے گا۔

(4) چوتھی شرط یہ ہے کہ آدمی اپنے حج کے دوران ممنوع اور محظور افعال سے اجتناب کرے۔ اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ (البقرة: 197)

''پھر جو ان میں حج فرض کر لے تو حج کے دوران نہ کوئی شہوانی فعل ہو اور نہ کوئی نافرمانی اور نہ کوئی جھگڑا''

البتہ حج کے دوران پراگندہ بال اور خستہ حال ہونا شرط نہیں۔ لہٰذا آدمی نہا کر بدن کا گرد و غبار وغیرہ دور کر سکتا ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں مذکور ہے کہ ''نبی کریم ﷺ حالتِ احرام میں غسل فرما لیا کرتے تھے۔'' [1] ظاہر ہے کہ یہ غسل غسلِ جنابت نہ ہوتا تھا۔ اسی طرح حج کے دوران آدمی باعثِ راحت چیزوں کو بھی استعمال کر سکتا ہے جیسے ٹھنڈا پانی، ایئر کنڈیشنڈ کمرہ اور گاڑی وغیرہ۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مذکورہ حدیث میں بڑے بلیغ انداز میں حج اور عمرہ کی ترغیب مذکور ہے۔
- معلوم ہوا کہ حج عمرہ سے افضل ہے۔
- مذکورہ روایت میں عمرہ کو کثرت کے ساتھ کرنے کی ترغیب ہے۔ اس کی دلیل اَلْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ کے الفاظ ہیں۔
- رہا یہ سوال کہ عمرہ کی کثرت سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ مراد ہے کہ ایک عمرہ کر کے آدمی دوبارہ حِل میں جا کر عمرہ کا احرام باندھے اور آ کر عمرہ کرے؟ تو یہ غیر مشروع ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے قدرت کے باوجود ایسا نہ کیا تھا۔ پس نبی کریم ﷺ کی سنت ترکیہ بھی سنت فعلیہ کے حکم میں داخل ہوگی۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں بیس رمضان کو فاتحانہ داخل ہوئے تھے اور رمضان کے اختتام تک مکہ مکرمہ میں ہی ٹھہرے رہے تھے۔ اس دوران اگر آپ ﷺ چاہتے تو تنعیم جا کر دوسرے عمرہ کا احرام باندھ کر آ سکتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہ کیا تھا۔ تب پھر معلوم ہوا کہ ایسا کرنا غیر مشروع ہے۔ پس حدیث کے مذکورہ الفاظ اَلْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ آدمی مکہ میں ہوتے ہوئے ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ کرنے میں لگ جائے کہ یہ غیر مشروع ہے۔

رہا یہ سوال کہ تب پھر آدمی ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ کب تک کرے؟ تو اس بارے امام احمد رحمہ اللہ نے ایک نہایت عمدہ ضابطہ تحریر فرمایا ہے، وہ یہ کہ ایک دفعہ عمرہ کر لینے کے بعد آدمی دوسرا عمرہ تب کرے جب اس کے سر کے بال اس قدر اگ آئیں کہ سر کی کھال کی سفیدی اوجھل ہو کر سر پر سیاہی غالب نظر آنے لگے کہ تب جا کر آدمی ایک کے بعد دوسرا عمرہ کرے۔ [2]

---

[1] یہ روایت آگے آ رہی ہے۔

[2] امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "الفتاوی" (270/26) میں یہ قول نقل کر کے کہا ہے: یہ امام احمد کا قول ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اسے امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ قول "کتاب الام" (135/2) اور "سنن البیھقی" (344/4) میں مذکور ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حج اور عمرہ عورتوں کا جہاد ہے

694- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! عَلَى النِّسَاءِ جِهَادٌ؟ قَالَ: ((نَعَمْ، عَلَيْهِنَّ جِهَادٌ لَا قِتَالَ فِيْهِ: الْحَجُّ، وَالْعُمْرَةُ)).

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے (خدمت نبوی میں) عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (کیا) عورتوں پر (بھی) جہاد فرض ہے؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں! عورتوں پر (ایسا) جہاد فرض ہے جس میں (قتل و) قتال نہیں (اور وہ) حج اور عمرہ (ہے)۔''[1]

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَهْ، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ، وَأَصْلُهُ فِي الصَّحِيحِ.

اس حدیث کو امام احمد اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اور مذکورہ روایت کے الفاظ سنن ابن ماجہ کے ہیں اس حدیث کی اسناد صحیح ہے اور اس کی اصل صحیح بخاری میں ہے۔

غریب الحدیث: ...... عَلَى النِّسَاءِ جِهَادٌ: گو لفظوں میں یہ خبر ہے لیکن معنی کے اعتبار سے استفہام پر مشتمل ہونے کی وجہ سے یہ انشاء ہے اور مذکورہ عبارت ہمزہ استفہامیہ کی تقدیر پر ہے، یعنی یہ جملہ اَعَلَى النِّسَاءِ جِهَادٌ کے حکم میں ہے۔

جِهَادٌ: یہ جَاهَدَ يُجَاهِدُ مُجَاهَدَةً وَ جِهَادًا سے مصدر ہے۔ جہاد کا لغوی معنی ہے ہمت خرچ کرنا اور مراد میدانِ جہاد میں رب تعالیٰ کے دشمنوں کے خلاف قتال میں طاقت لگانا ہے۔ دوسرے زیادہ عام لفظوں میں جہاد کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے کہ یہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہمت و طاقت خرچ کرنے کا نام ہے تاکہ یہ عام اور شامل تعریف اصطلاحی جہاد بالقتال کو بھی شامل ہو جائے اور جہاد بالعلم کو بھی شامل ہو جائے۔ کیونکہ علم کے ذریعے بیان حق کے جہاد ہونے میں بہر حال کوئی شک نہیں۔

نَعَمْ: یہ حرفِ جواب ہے جس میں سوال کا اعادہ بھی ہوتا ہے اسی لیے یہاں سوال کا اعادہ کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا: نَعَمْ عَلَيْهِنَّ جِهَادٌ. لَا قِتَالَ فِيْهِ: مذکورہ جملہ جِهَادٌ کی صفت ہے۔ یعنی عورتوں پر ایک ایسا جہاد فرض ہے جس میں قتل و قتال نہیں۔ اَلْحَجُّ وَ الْعُمْرَةُ: حج اور عمرہ کو عورتوں کے حق میں اس لیے جہاد فرمایا کیونکہ ان دونوں میں ایک طرح کی مشقت ہوتی ہے۔ جبکہ اس میں اغلب یہ ہے کہ جہاد کی طرح مال کا خرچ کرنا بھی پایا جاتا ہے۔ اعراب کے اعتبار سے یہ دونوں کلمات خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہیں جبکہ مبتدا محذوف ہے اور تقدیری عبارت هُوَ الْحَجُّ وَ الْعُمْرَةُ ہے۔

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں حج اور عمرہ کی یہ عظیم فضیلت و منقبت بیان کی گئی ہے کہ عورتوں کے حق میں ان دونوں کو جہاد قرار دیا گیا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم علم کے حصول کے بے حد حریص تھے۔ اسی لیے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ سوال کیا تھا۔

---

[1] مسند احمد: 165/6- سنن ابن ماجہ: 291- امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (4/7) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اس حدیث کی اصل "صحیح البخاری" (1862) میں ہے۔ ابن بطال کہتے ہیں: جو لوگ اس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ (الاحزاب: 33) ''اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو۔'' کو لے کر سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تنقیص کی بے جا جسارت کرتے ہیں کہ یہ آیت اس بات کو متقضی ہے کہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن پر سفر کرنا حرام ہے۔ ابن بطال کہتے ہیں کہ یہ حدیث ان کا رد کرتی ہے۔ (دیکھیں: فتح الباری: 75/4)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ معلوم ہوا کہ افضل ترین عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اسی لیے تو سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ سوال کیا تھا کہ کیا عورتیں بھی یہ عظیم ترین فضیلت حاصل کر سکتی ہیں۔

◈ عَلٰی کا کلمہ بتلاتا ہے کہ حج اور عمرہ دونوں واجب ہیں۔ کیونکہ عَلٰی وجوب کے بیان میں ظاہر اور صریح ہے اور یہ دونوں عمل بے حد عظیم بھی ہیں کہ ان کو جہاد میں شمار کیا گیا ہے۔

◈ اگر جواب میں کسی مزید بات کی وضاحت ضروری ہو تو مجیب کو لازم ہے کہ وہ اس ضروری بات کو بھی ذکر کر دے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے جواب میں عورتوں کے جہاد کے بارے میں یہ مزید فرمایا تھا کہ یہ ایک ایسا جہاد ہوگا جس میں قتال نہ ہوگا۔

◈ جہاد کی تعبیر میں حاجیوں کو اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ان کو حج کے دوران آئندہ چل کر متعدد دشواریوں، مشقتوں اور تکالیف سے سابقہ پڑے گا۔ لہٰذا وہ ان دقتوں اور مصائب کو جھیلنے کے لیے خندہ پیشانی سے تیار ہو جائیں۔

عمرہ کا حکم

695- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ ﷺ أَعْرَابِيٌّ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَخْبِرْنِي عَنِ الْعُمْرَةِ، أَوَاجِبَةٌ هِيَ؟ فَقَالَ: ((لَا، وَأَنْ تَعْتَمِرَ خَيْرٌ لَّكَ)).

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ذرا مجھے عمرہ کے بارے میں بتلائیے کہ کیا یہ واجب ہے؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں البتہ یہ ہے کہ تمہارا عمرہ کر لینا تمہارے حق میں بہتر ہے۔"[1]

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَالرَّاجِحُ وَقْفُهُ.

اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اور اس روایت کا موقوف ہونا راجح ہے۔

696- وَأَخْرَجَهُ ابْنُ عَدِيٍّ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ ضَعِيفٍ.

جبکہ ابن عدی نے اس حدیث کو ایک اور طریق سے روایت کیا ہے جو ضعیف ہے۔[2]

غریب الحدیث: ......أَتَى النَّبِيَّ ﷺ: لفظ نبی مفعول بہ مقدم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

أَعْرَابِيٌّ: یہ مذکورہ فعل کا فاعل ہے۔ اعرابی کی تعریف بیان کی جا چکی ہے۔

أَخْبِرْنِي عَنِ الْعُمْرَةِ أَوَاجِبَةٌ هِيَ؟ مذکورہ تعبیر میں قدرے درشتی اور کرختگی ہے۔ کیونکہ یہ صاحب بدوی اور دیہاتی تھے اس لیے نبی کریم ﷺ سے سوال کرنے کا سلیقہ نہ جانتے تھے۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ یہ صاحب یوں سوال کرتے: اے اللہ کے رسول! کیا عمرہ واجب ہے؟ مذکورہ ہمزہ استفہام کا ہے واجبة یہ مبتدا ہے اور هی یہ واجبة صیغہ صفت کا فاعل ہے جو یہاں خبر

---

[1] مسند احمد: 316/3- جامع الترمذی: 931- اس حدیث کو محمد بن المنکدر عن جابر رضی اللہ عنہ کے طریق سے روایت کرنے میں حجاج بن ارطاۃ متفرد ہے اور جس روایت میں حجاج بن ارطاۃ متفرد ہو، وہ حجت نہیں ہوا کرتی۔ (دیکھیں: التمهيد لابن عبدالبر: 14/20- التحقيق لابن الجوزي: 124/2)

[2] الكامل لابن عدي: 43/7 من طريق ابی عصمة- یہ نوح بن ابی مریم ہے۔ اس کی اکثر روایات متابع سے خالی ہوتی ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا قائم مقام ہے۔ جبکہ واجبة یہ خبر مقدم اور ھی یہ مبتدا موخر بھی ہو سکتا ہے۔ غرض ایسی ترکیب میں دونوں صورتیں جائز ہیں۔

لَا: یہ بھی حرفِ جواب ہے لیکن اس میں سوال کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

وَ اَنْ تَعْتَمِرَ خَيْرٌ لَّكَ: یعنی عمرہ کر لینا بہرحال یہ عمرہ نہ کرنے سے بہتر ہی ہے۔ یہاں ان مصدریہ اور مابعد مذکور فعل مصدر کی تاویل میں ہو کر مبتدا اور خیر لك یہ خبر ہے۔

وَ الرَّاجِحُ وَقْفُهُ: یعنی راجح یہ ہے کہ یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں عمرہ کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ یہ واجب نہیں۔ البتہ عمرہ کر لینا نہ کرنے سے پھر بہتر ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مذکورہ روایت یہ بتلاتی ہے کہ عمرہ واجب نہیں جبکہ گزشتہ روایت سے عمرہ کا واجب ہونا مستفاد ہوتا ہے جو صریح تعارض ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں کوئی تعارض نہیں کیونکہ پہلی روایت اصح ہے۔ لہٰذا پہلی روایت کی اسناد بہ نسبت دوسری روایت کی اسناد کے صحیح ہے۔ کیونکہ پہلی روایت کی اسناد مرفوع ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک جاتی ہے۔ جبکہ مذکورہ حدیث کی اسناد موقوف ہے اور موقوف روایت مرفوع کے معارض نہیں ہوا کرتی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس اعرابی کا حال ایسا ہو کہ اس پر عمرہ واجب ہی نہ ہوتا ہو۔ اس لیے راجح عمرہ کا واجب ہونا ہی ہے۔

عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا: ((اَلْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ فَرِيْضَتَانِ)).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے): "حج اور عمرہ دونوں فرض ہیں۔"[1]

شرح: ...... چونکہ حج کا وجوب لوگوں کے ہاں طے ہو چکا تھا اور وہ اسے جانتے بھی تھے، اس لیے سائل نے عمرہ کے وجوب کے بارے میں سوال کیا تھا نہ کہ حج کے وجوب کے بارے میں۔

حج کی "سبیل" کی تفسیر

697,698- وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قِيلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا السَّبِيْلُ؟ قَالَ: ((الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ)).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں) عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! (ارشاد باری تعالیٰ: ﴿مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ (آل عمران: 97) میں مذکور) "سَبِيْل" سے کیا مراد ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "زادِ راہ اور سواری۔"[2]

رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ،

اس حدیث کو امام دارقطنی نے روایت کیا ہے اور حاکم رحمہ اللہ نے

---

[1] الكامل لابن عدي: 150/4 من طريق ابن لهيعة۔ ابن لہیعہ ضعیف ہے۔ اس باب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت ثابت نہیں ہے۔ بلکہ ابن جہم مالکی نے حسن اسناد کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے: "نہیں کوئی مسلمان مگر اس پر عمرہ واجب ہے۔" (دیکھیں: فتح الباری: 597/3)

[2] سنن الدارقطني: 218/2- المستدرك للحاكم: 609/1- سنن البيهقي: 330/4- امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک یہ روایت وہم ہے۔ جبکہ حسن بصری کے نزدیک محفوظ اس روایت کا مرسل ہونا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَالرَّاجِحُ إِرْسَالُهُ، وَأَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ أَيْضًا، وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ.

اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ جبکہ راجح اس حدیث کا مرسل ہونا ہے۔ جبکہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ جامع ترمذی کی اس روایت میں ضعف ہے۔ ❶

غریب الحدیث:..... مَا السَّبِيلُ: اس میں اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے:

﴿مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ (آل عمران: 97) ''جو اس کی طرف راستے کی طاقت رکھے۔''

اَلزَّادُ وَ الرَّاحِلَةُ: متوقع جواب تو یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''سبیل'' کا مطلب ''طریق'' فرما کر واضح فرماتے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زاد اور راحلہ فرما کر اس کی مرادی تفسیری بیان فرمائی۔ کیونکہ زاد اور راحلہ یہ سبیل کا مطابقی معنی نہیں۔ سبیل کے کلمہ کا مطابقی معنی ہے ''طریق''۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تفسیر کی دو قسمیں ہیں:

(1) تفسیر بالمعنی: ..... جو لفظ کی مراد ہوتی ہے نہ کہ معنی مرادی کا بیان ہوتی ہے۔

(2) تفسیر بالمراد: ..... یہ معنی سے جو مراد ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں۔

پس سبیل کی تفسیر زاد اور راحلہ کے ساتھ یہ تفسیر بالمراد ہو گی نہ کہ تفسیر بالمعنی۔

اَلرَّاجِحُ إِرْسَالُهُ: امام موصوف رحمہ اللہ کے نزدیک اس روایت کا مرسل ہونا راجح ہے اور واقعی یہ حدیث مرسل ہی ہے جبکہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ یہ حدیث معنی کے اعتبار سے بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ بسا اوقات کوئی زادِ راہ اور سواری کے بغیر بھی حج کرنے کی استطاعت رکھتا ہوتا ہے۔

مضمون حدیث:..... مذکورہ حدیث میں لفظ سبیل کی مرادی تفسیر بیان کی گئی ہے جس پر کلام گزر چکا ہے۔

حاصل کلام:..... خلاصہ یہ ہے کہ سبیل سے مراد وہ راستہ ہے جو مکہ مکرمہ تک پہنچا دے چاہے وہ زاد ہو یا راحلہ اور چاہے کوئی پیدل ہی پہنچا ہو۔ سبیل کی تفسیر زاد اور راحلہ سے بطور مثال کے ہے کہ یہ بھی استطاعت کی مثالیں ہیں نہ کہ یہ مراد ہے کہ ہر حال میں سبیل سے مراد یہی ہے۔

بچے کے حج کا حکم

699- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَقِيَ رَكْبًا بِالرَّوْحَاءِ، فَقَالَ: ((مَنِ الْقَوْمُ؟)) قَالُوا: الْمُسْلِمُونَ، فَقَالُوا مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: ((رَسُولُ اللّٰهِ)). فَرَفَعَتْ إِلَيْهِ امْرَأَةٌ صَبِيًّا، فَقَالَتْ أَلِهٰذَا حَجٌّ؟ قَالَ: ((نَعَمْ، وَلَكِ أَجْرٌ)).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مقام روحاء کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات (حج کے لیے جانے والے چند لوگوں کے) ایک قافلہ سے ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان سے) دریافت فرمایا کہ ''(تم) کون لوگ ہو؟'' انہوں نے عرض کیا کہ ہم مسلمان ہیں۔ پھر انہوں نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے) پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں اللہ کا رسول ہوں۔'' اس پر ایک خاتون نے (اپنا) بچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

---

❶ جامع الترمذی: 2998- اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی (2896) روایت کیا ہے۔ امام منذری ''الترغیب'' (118/2) میں اس روایت کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(بڑھاتے ہوئے) اٹھایا اور عرض کرنے لگی کہ کیا اس کا بھی حج (ہوتا) ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! البتہ (اس پر یہ حج واجب نہیں لہٰذا اس کے نفلی حج کا) اجر تمہیں ملے گا (کیونکہ تم اس کی ماں ہو)۔''❶

رَوَاهُ مُسْلِمٌ. اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:..... اَلرَّوْحَاء: مکہ اور مدینہ کے راستے میں آنے والا ایک مقام۔

رَكْبًا: رَكْبٌ یہ رَاكِبٌ کی اسم جمع ہے۔اسم جمع کی تعریف کو ذکر کر دیا گیا ہے۔ رَكْبٌ کا اطلاق کم از کم تین افراد پر ہوتا ہے (اردو میں عموماً اسے قافلہ کہہ دیتے ہیں)۔

مَنِ الْقَوْمُ: آپ ﷺ نے ان لوگوں کی شناخت اس اندیشہ سے طلب فرمائی کہ مبادا دشمن ہوں۔

اَلْمُسْلِمُوْنَ: ان لوگوں نے اپنی قوم قبیلہ اور شاخ کا نام بتلانے کی بجائے یہ بتلایا کہ الحمد للہ وہ کلمہ گو مسلمان اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والے ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کے استفہام کا مقصود بھی ان کا دین معلوم کرنا تھا اس لیے انہوں نے سوال کا منشا سمجھتے ہوئے مطلوب اور مقصود جواب دیا۔

مَنْ اَنْتَ: یعنی ہم سے ہمارے بارے میں پوچھنے والے اے مخاطب آپ کون ہیں؟

رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: جس کا جواب نبی کریم ﷺ نے یہ عنایت فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی نَبِيِّنَا.

رَفَعَتْ اِلَيْهِ امْرَاَةٌ صَبِيًّا: غرض جب ان لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ تو ہمارے نبی مرسل اور امت کے معلم ﷺ ہیں تو فوراً ہی ایک خاتون نے اپنا بچہ آپ ﷺ کی طرف اٹھایا اور یہ سوال کر دیا۔

قَالَ نَعَمْ: یہاں نَعَمْ حرفِ جواب سوال کے اعادہ کے بغیر ہے۔لہٰذا تقدیری عبارت یوں ہوگی: نَعَمْ لَهٗ حَجٌّ وَ لَكِ اَجْرٌ.

وَ لَكِ اَجْـرٌ: جناب رسول اللہ ﷺ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ اکثر کیے گئے سوال سے زیادہ جواب عنایت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ یہاں سوال کے بقدر اتنا جواب کافی تھا کہ نَعَمْ لَهٗ حَجٌّ لیکن آپ ﷺ نے ایک مفید بات مزید بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وَ لَكِ اَجْرٌ کہ اس کے حج کا ثواب تمہیں ملے گا۔

مضمون حدیث:..... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ نابالغ پر حج فرض نہیں البتہ اس کا کیا حج بایں معنی درست ہوتا ہے کہ وہ باعث اجر ہوتا ہے اور وہ اجر اس کے والدین کو ملتا ہے البتہ وہ فریضہ کو ذمہ سے ساقط نہیں کرتا، لہٰذا بالغ ہونے پر اگر حج کی فرضیت کی شروط پوری ہوتی ہیں تو اس پر دوبارہ حج کرنا فرض ہوگا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ اجنبی کی شناخت کر لینی چاہیے کہ مبادا دشمن ہو۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں سے پوچھ لیا تھا کہ تم لوگ کون ہو۔

❶ صحیح مسلم: 1336.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- معلوم ہوا کہ بندہ محتاط ہونا چاہیے لہٰذا ہر ایک پر حسن ظن رکھنا ٹھیک نہیں۔
- آدمی سائل کے منشا کے مطابق سوال کا جواب دے سکتا ہے گو بظاہر سوال کے لفظ اس جواب کو مقتضی نہ ہوں۔
- رہا یہ سوال کہ سوال کرنے والے سے بھی ہمارا اس کی شناخت کی بابت سوال کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ تو یہ موقع محل کی مناسبت سے ہے لہٰذا اگر تو سائل سے کوئی کھٹکا ہو تو اس سے بھی پوچھ لیا جائے کہ میاں! آپ کون ہو؟
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم علم سیکھنے کے بے حد حریص تھے۔ چنانچہ یہ معلوم ہوتے ہی کہ آپ ﷺ تو اللہ کے رسول ہیں، فوراً ہی ایک خاتون صحابیہ رضی اللہ عنہا نے دین کا ایک مسئلہ دریافت کر لیا۔
- عورت کی آواز پردہ نہیں۔ جیسا کہ یہاں ان خاتون نے اونچی آواز میں سوال کیا تھا۔
- نابالغ پر حج واجب نہیں اسی لیے اس خاتون صحابیہ رضی اللہ عنہا نے بھی ''لام'' کے ذریعہ سوال کیا تھا نہ کہ عَلٰی کے ذریعہ چنانچہ اَلِهٰذَا حَجٌّ کہا، نہ کہ اَعَلٰی هٰذَا حَجٌّ کہا۔
- صرف نَعَمْ کہہ کر بھی جواب دیا جا سکتا ہے۔
- نابالغ کے احرام باندھنے سے اس پر مناسک حج اور احکام حج بھی لازم ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جب اس کے لیے حج ثابت ہو جاتا ہے تو اس کے محظورات بھی ثابت ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جب نبی کریم ﷺ نے بچے کے لیے حج کو ثابت کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس حج پر اس کے احکام بھی مرتب ہوں گے۔ البتہ یہ ثبوت بمعنی وجوب نہیں۔
- سوال سے زیادہ حسب مصلحت جواب دے سکتے ہیں۔
- یہ حج ہو گا تو اسی نابالغ بچے کا۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اس کا اجر اس کی ماں کو ملے گا جو اس کے حج کے امور کو اس سے سرانجام دلوا رہی ہے۔
- اگر تو بچہ سمجھ دار ہے تو وہ حج کی نیت بھی کرے گا اور اگر وہ بچہ ابھی سن تمیز کو نہیں پہنچا تو اس کی طرف سے حج کی نیت کی جائے گی۔
- پھر اگر تو وہ بچہ خود چل کر طواف اور سعی وغیرہ کر سکتا ہے تو وہ خود چلے گا ورنہ اس کی والدہ اس کو اٹھا کر اس کو طواف وغیرہ کروائے گی۔
- و لك اجر یہ جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورت اپنے بچے کا یعنی اس کا احرام باندھے گی اور یہی قول صحیح ہے۔ اگرچہ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کی طرف سے احرام اس کا باپ یا اس کا وصی باندھے گا۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ ماں اس کی طرف سے حج کی نیت کر سکتی ہے۔

غیر کی طرف سے حج کرنے کا بیان

700۔ وَعَنْهُ قَالَ: كَانَ الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا رَدِيفَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَجَاءَتِ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمَ، فَجَعَلَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ، إِلَيْهَا وَتَنْظُرُ إِلَيْهِ، وَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَصْرِفُ وَجْهَ الْفَضْلِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما (سفر حج میں) نبی کریم ﷺ کے ردیف تھے کہ اتنے میں قبیلہ خثعم کی ایک عورت (نبی کریم ﷺ کے پاس) آئی (وہ کوئی بات پوچھنا چاہتی تھی) پس حضرت فضل رضی اللہ عنہ اس کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِلَـى الشِّـقِّ الْآخَرِ ، فَقَالَتْ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ فَـرِيضَةَ اللّٰهِ عَلَى عِبَادِهِ فِي الْحَجِّ أَدْرَكَتْ أَبِي شَيْخًا كَبِيْرًا ، لَا يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ ، أَفَأَحُجُّ عَنْـهُ ؟ قَـالَ : ((نَـعَمْ)) ، وَذٰلِكَ فِـيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ .

طرف اور وہ عورت ان کی طرف دیکھنے لگی۔ اس پر نبی کریم ﷺ حضرت فضل رضی اللہ عنہ کا منہ دوسری طرف موڑنے لگے۔ اس عورت نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ کے اپنے بندوں پر حج کے فریضہ نے میرے بے حد بوڑھے باپ کو آ لیا ہے (یعنی ان پر حج فرض ہو گیا ہے جبکہ وہ بے حد بوڑھے ہیں اور سفر حج کرنے کے قابل نہیں کیونکہ) وہ (شدید بڑھاپے کی وجہ سے) سواری پر جم کر بیٹھ نہیں سکتے۔ کیا ان کی طرف سے میں حج کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! (تم ان کی طرف سے حج کر سکتی ہو) اور (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ) یہ حجۃ الوداع کا قصہ ہے۔ ❶

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ . وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ .

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ لفظ صحیح بخاری کی روایت کے ہیں۔

غریب الحدیث: ...... فَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بڑے بھائی تھے۔

رَدِيفُ: یہ فعیل کے وزن پر صفت کا صیغہ ہے اور فاعل کے معنی میں ہے۔ یعنی ردیف بمعنی رادف ہے۔ مراد یہ ہے کہ حضرت فضل رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے پیچھے ناقہ پر سوار تھے۔

جَاءَتِ امْرَأَةٌ: ان خاتون کا ذکر یہاں مبہم ہے۔ یاد رہے کہ کسی صحابی یا صحابیہ رضی اللہ عنہا کے نام کا ابہام صحت حدیث پر ہرگز بھی اثر انداز نہیں ہوتا کیونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب عدول ہیں۔

مِنْ خَثْعَمَ: یہ ایک معروف عرب قبیلہ ہے۔

فَجَعَلَ: جَعَلَ یہ افعالِ شروع میں سے ہے، جو کسی فعل کے شروع ہو جانے کو بتلاتا ہے۔ جبکہ ابن مالک نے اس کو افعالِ مقاربہ میں سے شمار کیا ہے جو قرب فعل پر دلالت کرتے ہیں۔

إِلَى الشِّقِّ الْآخَرِ: یعنی نبی کریم ﷺ ان کے چہرے کو دوسری جانب کرنے لگے۔ چنانچہ جب بھی جناب فضل رضی اللہ عنہ اس عورت کی طرف دیکھتے تو نبی کریم ﷺ ان کے چہرہ کو دوسری طرف کر دیتے۔ یہ عورت دراصل حج سے متعلق ایک سوال پوچھنا چاہتی تھی اور حج کے دوران عورتوں کے حق میں چہرہ کھلا رکھنا ہی مشروع ہے۔ البتہ اس میں یہ شرط ہے کہ اس وقت اجنبی مرد پاس نہ ہوں۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ بات نبی کریم ﷺ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ ﷺ کو اجنبیہ کا چہرہ دیکھنا جائز تھا۔ اسی لیے یہ خثعمیہ رضی اللہ عنہا خاتون نبی کریم ﷺ کے سامنے آ کر آپ ﷺ سے سوال کر رہی تھی۔ اب چونکہ جنابِ فضل رضی اللہ عنہ جوان بھی تھے اور خوبرو بھی۔ ان کا اس عورت سے نظروں کا تبادلہ ہوا۔ اب چونکہ غیر عورت سے نظر وں کا تبادلہ بہرحال فتنہ کا محل ہے چاہے آدمی کتنا ہی بزرگ کیوں نہ ہو، اسی لیے نبی کریم ﷺ حضرت فضل رضی اللہ عنہ کے چہرے کو بار بار دوسری طرف کرتے رہے تھے۔

---

❶ صحيح البخاري: 1513- صحيح مسلم: 1334 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! جناب رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرنے کا یہ سب سے عمدہ مبنی برادب اور مشتمل بر تعظیم اسلوب ہے۔

انّ فَرِيْضَةَ اللّٰهِ: مراد وہ آیت ہے جس میں رب تعالیٰ نے حج کے فرض ہونے کو ذکر فرمایا ہے کہ حج کی فرضیت کی یہ آیت ان کے والد کے بے حد بوڑھے ہو جانے کے بعد نازل ہوئی ہے۔

افأحُجُّ عَنْهُ: یعنی کیا میں ان پر فرض ہونے والے حج کو ان کی طرف سے ادا کر سکتی ہوں؟

قال نَعَمْ: یعنی تم ان کی طرف سے حج کر سکتی ہو۔

قصۂ حدیث: یہ حجۃ الوداع کا قصہ ہے جو حضرت رسالت مآب ﷺ کی حیاتِ بابرکات کا سب سے آخری حج تھا۔ آپ ﷺ نے ہجرت کے بعد اس حج سے قبل کوئی حج نہ فرمایا تھا۔ جامع ترمذی کی ایک روایت میں ہجرت سے قبل بھی دو مرتبہ آپ ﷺ کے حج کرنے کا ذکر ہے۔ [1] البتہ اس حدیث کی اسناد محل نظر ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ہجرت سے قبل متعدد حج کیے تھے۔ کیونکہ کتب سیر میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ موسم حج میں قبائل کی طرف نکل جاتے اور انہیں اسلام لے آنے کی دعوت دیتے تھے۔ حجۃ الوداع کا یہ نام اس لیے ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس حج کے دوران یہ فرمایا تھا کہ ''شاید میں اس سال کے بعد تم لوگوں سے نہ مل پاؤں۔'' گویا کہ آپ ﷺ سب لوگوں کو الوداع کہہ رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس حج کے بعد آپ ﷺ نہایت تھوڑی مدت زندہ رہے اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

مضمونِ حدیث: مذکورہ حدیث میں دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ دراصل یہ بنیادی مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی حج ادا کرنے سے قاصر ہو تو اس کی طرف سے کوئی دوسرا حج بدل کے طور پر حج ادا کر سکتا ہے۔ اس کی مزید تفصیل ذیل میں آ جاتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اگر جانور میں سکت ہو تو اس پر دو آدمی بھی سوار ہو سکتے ہیں۔
- نبی کریم ﷺ کی تواضع کہ آپ ﷺ نے بجائے اشراف اور سربرآوردہ لوگوں کو ساتھ بٹھانے کے قوم کے اصاغر کو اور موالی کو ساتھ بٹھایا تھا۔ جیسا کہ عرفہ سے مزدلفہ کو جاتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنے ساتھ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بٹھایا تھا جو آپ ﷺ کے موالی میں سے تھے۔
- حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تحصیل علم کی حرص۔
- علم کا حاصل کرنا کوئی مردوں کے ساتھ ہی خاص نہیں۔ لہٰذا مردوں کی طرح عورتوں پر بھی فرائض وغیرہ کی تعلیم حاصل کرنا فرض ہے۔
- اجنبیہ کو دیکھنا ناجائز ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت فضل رضی اللہ عنہ کا چہرہ بار بار دوسری طرف کر رہے تھے تاکہ ان کی نگاہ اس اجنبیہ کے چہرہ پر نہ پڑے۔ البتہ یہ حدیث اجنبیہ کے مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کے جواز کی ہرگز بھی دلیل نہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت سوائے نبی کریم ﷺ اور حضرت فضل کے کوئی دوسرا آس پاس

---

[1] جامع الترمذي: 815۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ (دیکھیں: فتح الباري: 428/3)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موجود نہ ہو۔ دوسرے اگر اور لوگوں کے بھی اردگرد موجود ہونے کا احتمال بھی ہو تب بھی علماء کے ہاں یہ قاعدہ معروف ہے کہ جب احتمال آ جائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے اور محتمل کو محکم کی طرف لوٹانا واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا مذکورہ حدیث اجنبیوں کے سامنے عورت کے چہرہ کھولنے کے جواز کی دلیل ہرگز بھی نہیں۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حکم احرام والی عورت کا ہے نہ کہ مطلق ہے۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ اگر ایک جائز امر فتنہ تک لے جانے والا ہو تو وہ منع ہوگا۔

لہٰذا اگرچہ احرام والی عورت کے لیے چہرہ کھولنا جائز ہے لیکن اگر اس میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو چہرہ ڈھانپنا واجب ہوگا۔

- منکر کو ہاتھ سے بدلنا مشروع ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے جناب فضل رضی اللہ عنہ کا چہرہ دوسری طرف موڑا تھا۔
- منکر کی تغییر بالید امر کرنے سے قبل بھی جائز ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کو حکم فرمانے سے قبل ہی اپنے دست مبارک سے ان کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا تھا۔
- عورت مرد سے مسئلہ پوچھ سکتی ہے اور یہ کہ عورت کی آواز ستر نہیں۔
- حج فرض ہونے کے لیے قدرتِ بدنیہ شرط نہیں۔ لہٰذا جس کے پاس مال ہو چاہے اسے قدرتِ بدنیہ نہ بھی حاصل ہو، اس پر حج فرض ہوگا۔ جیسے اس خثعمیہ خاتون رضی اللہ عنہا کے بے حد بوڑھے باپ پر بھی حج فرض تھا۔
- معلوم ہوا کہ بہت ضعیف یا بیمار کو سواری پر بٹھا کر باندھ دینا لازم نہیں۔ اس کی دلیل لَا يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ کے الفاظ ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا کرنا لازم ہوتا تو آپ ﷺ بجائے اس کی طرف سے حج کرنے کا حکم ارشاد فرمانے کے یہ ارشاد فرماتے کہ اس کو سواری پر باندھ کر حج کرا دو۔
- عورت مرد کی طرف سے حج بدل کر سکتی ہے۔ تب پھر عورت عورت کی طرف سے، مرد عورت کی طرف سے اور مرد مرد کی طرف سے بدرجۂ اولیٰ حج کر سکتا ہے۔
- لفظ نَعَمْ یہ جواب کا قائم مقام ہے۔ اس کی دلیل ارشاد نبوی ﷺ نَعَمْ ہے۔ یعنی تم ان کی طرف سے حج کر سکتی ہو۔
- مناسب ہے کہ کسی قضیہ یا قصہ کو وقت، مقام اور تاریخ کی تعیین کے ساتھ ضبط کیا جائے۔ اس کی دلیل و ذلك فی حجة الوداع کے الفاظ ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس قصہ کے منسوخ یا غیر منسوخ ہونے کا علم ہو جاتا ہے۔ دوسرے کسی قصہ میں حکم سے متعلقہ جملہ اوصاف کو کمال کے ساتھ ضبط کرنا چاہیے۔
- حجة الوداع یہ سبب کی طرف اضافت ہے۔ لہٰذا کسی شے کا نام اس کے سبب کے نام پر بھی رکھ سکتے ہیں اور اس اضافت کا سبب نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد تھا کہ ''شاید میں تم لوگوں سے اس سال کے بعد نہ مل پاؤں۔'' گویا کہ آپ ﷺ اس حج میں سب لوگوں کو الوداع کہہ رہے تھے۔
- حجِ بدل کے لیے دوسرے کی اجازت شرط نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان خثعمیہ خاتون سے یہ دریافت نہ فرمایا تھا کہ کیا تم نے ایسا کرنے کے لیے اپنے والد سے اجازت لے لی ہے یا نہیں۔

مرنے والے کی طرف سے حج کی نذر پوری کرنے کا حکم

701۔ وَعَنْهُ رضي الله عنهما، أَنَّ امْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ جَاءَتْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قبیلہ جھینہ کی ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِلَى النَّبِيِّ ﷺ ، فَقَالَتْ : إِنَّ أُمِّي نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ ، فَلَمْ تَحُجَّ حَتَّى مَاتَتْ ، أَفَأَحُجُّ عَنْهَا ؟ قَالَ : ((نَعَمْ ، حُجِّي عَنْهَا ، أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَيْنٌ ، أَكُنْتِ قَاضِيَتَهُ ؟ اقْضُوا اللّٰهَ ، فَاللّٰهُ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ)) . رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

خاتون رضی اللہ عنہا نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری ماں نے حج کرنے کی نذر مان رکھی تھی مگر وہ حج نہ کر سکی یہاں تک کہ وفات پا گئی تو کیا اب میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "ہاں! تم ان کی طرف سے حج کر سکتی ہو۔" (پھر فرمایا): "ذرا بتلاؤ تو اگر تیری ماں کے ذمہ کوئی قرض ہوتا تو کیا تم (ان کے مرنے کے بعد) اس کو (ان کی طرف سے) ادا نہ کرتیں؟ پس اللہ کا حق ادا کرو کہ بے شک اللہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کا حق پورا کیا جائے۔" [1]

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ......مِنْ جُهَيْنَةَ: ایک مشہور عرب قبیلہ۔

جَاءَتْ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ: یہاں یہ مذکور نہیں کہ وہ خدمت نبوی میں کب آئی؟ حج کے موقع پر یا مدینہ نبویہ میں۔

اِنَّ اُمِّيْ نَذَرَتْ: نذر کا لغوی معنی کسی چیز کو خود پر لازم کرنا۔ جبکہ اصطلاحِ شرعی میں نذر کسی مکلف کا خود پر رب تعالیٰ کی کسی طاعت کو لازم کرنا ہے۔ **فَلَمْ تَحُجَّ حَتّٰى مَاتَتْ**: یہاں دو باتوں کا احتمال ہے:

(1) حج کی نذر ماننے کے بعد حج کا موسم آنے سے قبل ہی فوت ہو گئی۔ (2) یا یہ کہ اسے حج کا موسم تو ملا تھا مگر وہ حج نہ کر سکی اور اسی حالت میں وفات پا گئی۔ ان دونوں باتوں میں جو فرق ہے اس کو آگے بیان کر دیا جائے گا۔

حُجِّيْ عَنْهَا: یہ اباحت کی بابت سوال کے بعد امر ہے اور علماء کے ہاں یہ قاعدہ مسلّم ہے کہ جب اباحت کی بابت سوال کے بعد جواب میں امر ہو تو وہ وجوب کے لیے نہیں بلکہ جواز کے لیے ہوتا ہے۔

اَرَأَيْتَ: یعنی اَخْبِرْنِيْ (مجھے بتلائیے)۔

لَوْ كَانَ عَلٰى اُمِّكِ دَيْنٌ اَكُنْتِ قَاضِيَتَهُ: یہ استفہام تقریر کے لیے ہے نہ کہ استفسار کے لیے۔ یعنی نبی کریم ﷺ اس عورت کو ایک ایسی بات پر پکا فرما رہے تھے جس کا وہ انکار نہیں کر سکتی بلکہ وہ اس کا اقرار کرتی اور اس کو مانتی ہے۔

اَقْضُوا اللّٰهَ: یہ امر ہے جو وجوب کے لیے ہے۔

فَاللّٰهُ اَحَقُّ بِالْوَفَاءِ: یعنی جب بندے کا حق ادا کیا جاتا ہے تو رب تعالیٰ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کا حق پورا کیا جائے۔

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر مرنے والے کے ذمہ کسی بات کی نذر ہو تو اس کے ورثا کے ذمہ ہے کہ وہ اس نذر کو پورا کریں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- اِمْرَاَةٌ مِّنْ جُهَيْنَةَ کسی صحابیہ رضی اللہ عنہا یا صحابی کے نام کی جہالت حدیث کی صحت اور مقصود کے حق میں مضر نہیں۔
- نذر ماننا جائز ہے بشرطیکہ نذر رب تعالیٰ کی طاعت اور فرمانبرداری کی ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس جہنیہ خاتون پر

[1] صحیح البخاری: 1852

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماں کی نذر کی خبر دینے پر کوئی نکیر نہ فرمائی تھی۔

◈ حج کی نذر ماننے سے حج آدمی کے ذمہ لازم ہو جاتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حج کی نذر کو واجب الاداء قرض کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

◈ لہٰذا اگر مانی ہوئی نذر کو پورا کرنے سے قبل آدمی مر گیا تو اس پر حج کی قضا لازم ہو گی۔ البتہ یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ اگر کسی نے حج کی نذر مانی اور وہ حج کا زمانہ پانے سے قبل فوت ہو گیا تو یہ نذر اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی کیونکہ دریں صورت اس نے کسی کوتاہی کا ارتکاب نہیں کیا۔ اگرچہ حدیث کے ظاہر سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نذر ماننے سے حج لازم ہو جاتا ہے چاہے وہ حج کا زمانہ پانے سے قبل ہی فوت ہو جائے لیکن دیگر دلائل مذکورہ بالا قول کی تائید کرتے ہیں کہ ایسی صورت میں وہ نذر ساقط ہو جائے گی کیونکہ اس نے کسی کوتاہی کا ارتکاب نہیں کیا۔

◈ یہیں سے یہ مسئلہ بھی مستفاد ہوا کہ اگر کسی نے کسی معین وقت میں کسی طاعت کی نذر مانی اور وہ اس وقت کے آنے سے قبل ہی فوت ہو گیا تو وہ نذر اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔

◈ اگرچہ مذکورہ حدیث کے ظاہر الفاظ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نذر کو علی الفور پورا کرنا واجب نہیں۔ لیکن اس مسئلہ کا اصل حکم یہ ہے کہ نذر کو علی الفور پورا کرنا واجب ہے۔ جس کی دلیل یہ حدیث ہے: مَنْ نَذَرَ اَنْ يُطِيْعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ. [1] ''جس نے اللہ کی طاعت کی نذر مانی تو وہ اسے پورا کرے۔'' کہ یہاں فَا حرف رابطہ جواب کے لیے ہے اور جواب شرط سے مرتبط ہے اور جملہ واجبات میں اصل یہ ہے کہ ان کو علی الفور ادا کر دیا جائے۔ پس نذر میں اصل یہ ہے کہ اسے علی الفور پورا کیا جائے جب تک کہ اسے کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہ کیا جائے۔ تب پھر نذر کو اسی زمانہ میں پورا کرنا واجب ہو گا۔

◈ قیاس کرنا جائز اور ثابت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یہاں حج کی نذر کو واجب الاداء قرض پر قیاس فرمایا ہے۔

◈ نبی کریم ﷺ کا حسن تعلیم کہ آپ ﷺ معقول کو محسوس کے ساتھ ملا کر بیان فرماتے تھے۔ چنانچہ ہمیں بھی لوگوں کو مثال دے کر سمجھانا چاہیے۔

◈ بے شک بندوں پر رب تعالیٰ کے کچھ حقوق واجب اور ذمہ ہیں۔ جس کی دلیل اِقْضُوا اللّٰهَ کے الفاظ ہیں۔ ان حقوق کو پورا کرنا بندے کے ذمہ واجب ہے اور بندے پر رب تعالیٰ کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ بندہ رب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ اس کی عبادت میں اور صفات و افعال میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرے۔

◈ جب اللہ اور بندے کا حق ایک دوسرے کے مزاحم ہو جائیں تو رب تعالیٰ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کا حق ادا کیا جائے۔ اس کی دلیل فَاللّٰهُ اَحَقُّ بِالْوَفَاءِ کے الفاظ ہیں۔

بلوغت سے قبل اور غلامی میں کیے حج کا حکم

702- وَعَنْهُ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَيُّمَا صَبِيٍّ حَجَّ، ثُمَّ بَلَغَ الْحِنْثَ، فَعَلَيْهِ أَنْ يَحُجَّ حَجَّةً أُخْرَى، وَأَيُّمَا عَبْدٍ حَجَّ، ثُمَّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس بچے نے (نابالغی میں) حج کیا، پھر وہ بلوغت کو پہنچ گیا تو اس پر واجب ہے کہ وہ دوسرا حج کرے

[1] اس کی تخریج گزر چکی ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عتق ، فعليه أن يحج حجة أخرى)).

اور جس غلام نے بھی (حالت غلامی میں) حج، کیا پھر وہ آزاد ہو گیا تو اس پر واجب ہے کہ وہ دوسرا حج کرے۔'' ❶

رواه ابن أبي شيبة والبيهقي ، ورجاله ثقات ، إلا أنه اختلف في رفعه ، والمحفوظ أنه موقوف .

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں البتہ اس حدیث کے مرفوع ہونے میں اختلاف ہے۔ جبکہ محفوظ اس کا موقوف ہونا ہے۔

مضمون حدیث: ......حدیث کا مضمون واضح ہے کہ نابالغی اور غلامی کے حج سے ذمہ سے فریضہ ساقط نہیں ہوتا لہٰذا بالغ ہونے پر اور اسی طرح غلام کے آزاد ہونے پر ان کو دوسرا حج کرنا پڑے گا۔

درایة الحدیث: ......مذکورہ حدیث کے مرفوع یا موقوف ہونے میں اختلاف ہے۔ اگر تو اس حدیث کو مرفوع مانیں تو یہ حدیث حجت ہوگی اور اگر اس حدیث کو موقوف مانیں تو یہ حجت نہ ہوگی کیونکہ تب پھر یہ صحابیٔ رسول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اور ان کی رائے ہوگی اور صحابی کی رائے کے حجت ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے۔ یہ بحث مفصل ذکر کی جا چکی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- بچے کا حج صحیح ہے۔ اس کی دلیل فَعَلَيْهِ اَنْ يَحُجَّ حَجَّةً اُخْرٰى کے الفاظ ہیں۔
- اگر کوئی نابالغ حج کے دوران ہی بالغ ہو جائے تو اس کی مختلف صورتیں اور ان کے مختلف احکام ہیں جو درج ذیل ہیں:
  - ...... اگر کوئی وقوف عرفہ سے قبل بالغ ہو گیا اور اس نے عرفہ کا وقوف بالغ ہونے کے بعد کیا تو اس کا یہ حج فریضہ اسلام کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔ کیونکہ ایک حدیث میں ارشاد ہے: ''حج تو عرفہ ہی ہے۔''
  - ...... اور اگر وہ وقوف عرفہ کے بعد بالغ ہوا تو اس کا یہ حج فریضہ کی طرف سے کافی نہ ہوگا۔
- معلوم ہوا کہ غلامی میں کیا حج صحیح ہے۔ البتہ آزاد ہونے کے بعد وہ دوبارہ حج کرے گا۔ کیونکہ اس کا پہلا حج نفل تھا۔ کیونکہ غلام پر حج واجب ہی نہیں۔ کیونکہ حالتِ غلامی میں وہ مال کا مالک نہیں لہٰذا وہ غلامی میں غیر مستطیع کہلائے گا۔ البتہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر کوئی غیر مستطیع حج کرلے تو کیا اس کا حج فریضہ کی طرف سے کافی ہوگا یا نہیں۔ کیونکہ غلام پر سے حج کا سقوط غلام کی ذات میں کسی خلل کی وجہ سے نہیں کیونکہ یہ بات نہیں کہ غلام حج کرنے کا اہل نہیں ہوتا جیسے نابالغ حج کرنے کا اہل نہیں ہوتا کہ نابالغی خود ذات میں خلل ہے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ غلام حج کرنے کا اہل ہونے کے باوجود غیر مستطیع ہوتا ہے۔ پس غلام پر حج کا عدم وجوب خللِ ذاتی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے ہے کیونکہ وہ غیر مستطیع ہے۔ تب پھر یہ سوال ضرور اٹھتا ہے کہ اگر کوئی غیر مستطیع حج کرلے تو کیا اس کا حج فرض کی طرف

---

❶ مصنف ابن ابی شیبة: 355/3۔ سنن البیهقی: 325/4۔ ابن حزم رحمہ اللہ نے "المحلی" (44/7) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ جبکہ امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (35/7) میں اس حدیث کو عمدہ قرار دیا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو مرفوع بھی روایت کیا ہے۔ اس لیے اس حدیث میں کوئی قدح نہیں۔ جبکہ مرفوع روایت قوی ہے اور محمد بن منہال کا اس روایت میں تفرد مضر نہیں کیونکہ محمد بن منہال ایسا ثقہ مقبول اور ضابط راوی ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اس سے روایت لی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے کافی ہو جائے گا یا نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ غیر مستطیع کا کیا حج ''فرض'' حج کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی فقیر جس پر ناداری کی وجہ سے حج فرض نہیں تھا، ہمت کر کے پیدل چل پڑے اور مکہ پہنچ کر حج کر آئے تو سب علماء کے نزدیک اس کا یہ حج اس کے غیر مستطیع ہونے کے باوجود فریضہ کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔ اس لیے غلام کے حج کے بارے میں راجح قول یہ ہے کہ اس کا غلامی کا حج ''فرض'' کی طرف سے کافی ہوگا اور اس پر آزاد ہونے کے بعد حج کا اعادہ لازم نہ ہوگا۔

عورت کے بغیر محرم کے حج کے لیے روانہ ہونے کا اور غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں جمع ہونے کا حکم

703۔ وَعَنْهُ رضی اللہ عنہما قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَخْطُبُ، يَقُوْلُ: ((لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ، وَلَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ))، فَقَامَ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ امْرَأَتِيْ خَرَجَتْ حَاجَّةً، وَإِنِّيْ اكْتُتِبْتُ فِيْ غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا، فَقَالَ: ((انْطَلِقْ فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ)).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو سنا کہ آپ ﷺ خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرما رہے تھے: ''کوئی مرد کسی (اجنبیہ) عورت کے ساتھ تنہائی میں ہرگز بھی جمع نہ ہو مگر یہ کہ اس عورت کے ساتھ اس کا کوئی محرم (موجود) ہو اور کوئی عورت (اکیلے) سفر میں نہ نکلے مگر (اپنے) کسی محرم کے ساتھ۔'' اس پر ایک آدمی نے کھڑے ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری بیوی حج کے ارادہ سے سفر پر جانا چاہتی ہے جبکہ فلاں فلاں غزوہ میں (جانے کے لیے) میرا نام لکھ لیا گیا ہے (سو اس صورت میں میں اپنی بیوی کے ساتھ سفر حج پر جانے سے قاصر ہوں، جبکہ اس کے ساتھ دوسرا کوئی محرم ہے نہیں۔ تو فرمائیے کہ اب میرے لیے کیا حکم ہے؟ یہ سن کر) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم (غزوہ پر نہ) جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج پر روانہ ہو جاؤ۔''[1]

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے اور یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں۔

غریب الحدیث: ...... **يَخْطُبُ**: یہ خطبہ منبر پر بھی ہو سکتا ہے جیسے عیدین یا جمعہ کا خطبہ اور کوئی عارضی خطبہ بھی ہو سکتا ہے جو کسی وقتی ضرورت کے تحت ہو۔ **يَقُوْلُ**: یہ يَخْطُبُ کی ضمیر سے جملہ حالیہ ہے اور یہ حالِ متداخل ہے۔ کیونکہ يَقُوْلُ حال ہے يَخْطُبُ کی ضمیر سے اور يَخْطُبُ حال ہے لفظ رَسُوْلُ اللّٰهِ سے۔ حالِ متداخل کی تعریف گزشتہ میں ذکر کی جا چکی ہے۔ **لَا يَخْلُوَنَّ**: مذکورہ نون مشدد تاکید کی ہے اور مذکورہ لَا نہی کا ہے۔ لہٰذا یہ نہی ''نہی موکد'' ہوگی۔

رَجُلٌ: مراد بالغ اور اجنبی مرد ہے۔

بِامْرَأَةٍ: یہاں بھی بالغہ اور اجنبیہ عورت مراد ہے۔ **إِلَّا وَ مَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ**: مذکورہ جملہ مَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ مبتدا خبر ہو

---

[1] صحيح البخاري: 3006۔ صحيح مسلم: 1341.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر جملہ حالیہ ہے اور یہ نصب کے محل میں ہے۔ محرم سے مراد یا تو خاوند ہے یا پھر ایسا رشتہ دار ہے جس سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہو۔ چاہے نسب کی بنا پر اور چاہے رضاعت کی بنا پر اور چاہے مصاہرت کی بنا پر۔ پھر رَجُلٌ اور اِمْرَاَۃٌ یہ دونوں کلمات نکرہ ہیں جو نفی کے تحت ہیں۔ لہٰذا یہ عموم کا فائدہ دے رہے ہیں چنانچہ یہ عموم جوان، پختہ عمر، عمر رسیدہ، شکستہ عمر اور بوڑھے سب کو شامل ہوگا چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ اسی طرح یہ عموم خوبصورت اور بدصورت مرد اور عورت دونوں کو شامل ہوگا۔ اس تاکیدی ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ جہاں بھی ایک مرد اور ایک عورت تنہائی میں جمع ہوتے ہیں، وہیں شیطان ان دونوں کو بہکانے آ دھمکتا ہے اور طرح طرح کے وسوسے ڈال کر دونوں کو برائی پر آمادہ کرنے لگتا ہے۔ اس لیے اس بات کو معمولی نہ سمجھا جائے اور کسی اکیلی بوڑھی عورت کو دیکھ کر خود پر دھوکا نہ کھانا چاہیے اور نہ کسی نوجوان عورت کو کسی بوڑھے پر ہی دھوکا کھانا چاہیے۔

لَا یَخْلُوَنَّ: کے کلمہ سے یہ بھی مستفاد ہوگیا کہ جہاں دو اکیلے مرد اور عورت کے ساتھ کوئی بھی تیسرا موجود ہوا تو خلوت کا حکم باقی نہ رہے گا۔ کیونکہ جب علت جاتی رہتی ہے تو حکم بھی جاتا رہتا ہے۔ لیکن بسا اوقات کسی تیسرے کی موجودگی میں بھی خلوت ایک اور سبب کی وجہ سے حرام رہتی ہے اور وہ ہے فتنہ کا ڈر۔ لہٰذا اگر کسی جگہ دو فاجر اور برے آدمی ہوں تو کوئی عورت ان پر یہ اطمینان کر کے ان کے ساتھ اکیلی نہ بیٹھے کہ اب تو ہم تین ہیں۔ بلکہ مذکورہ صورت فتنہ کے اعتبار سے ایک مرد کے ساتھ خلوت سے زیادہ اشد ہے کہ جب بکریوں پر ایک بھیڑیا بھی قابل اطمینان نہیں تو دو بھیڑیے تو بدرجہ اولی ناقابل اطمینان ہوں گے۔

ذُوْ مَحْرَمٍ: اگرچہ یہ کلمہ بھی عام ہے اور بالغ نابالغ دونوں کو شامل ہے لیکن اہل علم کا قول ہے کہ ایسی صورت میں یعنی خلوت یا سفر کی صورت میں اس محرم کا بالغ ہونا شرط ہے اور علماء نے یہ شرط بھی دراصل سفر یا خلوت میں محرم کے ساتھ ہونے کی شرط کی حکمت کی بنا پر لگائی ہے، وہ یہ کہ محرم کی شرط عورت کی عفت و عصمت اور عزت و آبرو کی حفاظت کی غرض سے ہے اور یہ غرض ایک بالغ ہی پوری کر سکتا ہے نہ کہ نابالغ۔ اس بنا پر جہاں اس محرم کا بالغ ہونا شرط ہے، وہیں عاقل ہونا بھی شرط ہے۔ رہا یہ سوال کہ محرم کا بینا ہونا بھی شرط ہے یا نہیں؟ تو بظاہر محرم ہونے کی شرط کی غایت کو بینا ہی پورا کر سکتا ہے لہٰذا اس کا بینا ہونا بھی شرط ہوگا۔ البتہ اس میں سماعت کی قوت ہونا شرط نہیں۔

وَ لَا تُسَافِرُ: مذکورہ لَا نافیہ ہے لیکن معنی کے اعتبار سے ''ناہیہ'' ہے اور سفر یہ جائے اقامت کی مفارقت کا نام ہے چاہے آپ کسی جگہ مقیم ہوں یا سفر میں رواں دواں ہوں، جب جائے اقامت چھوڑ دی تو یہ سفر ہی کہلائے گا اور مذکورہ دونوں صورتیں حکم سفر کو شامل ہیں۔ غرض سفر میں بھی شرط ہے کہ عورت کے ساتھ کوئی محرم ضرور ہو۔ چاہے وہ سفر مختصر ہو یا طویل۔

فَقَامَ رَجُلٌ: سائل کا نام جاننا ضروری نہیں ضروری مقصود کا جاننا ہے۔

فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ ......: غرض ان صاحب نے جب سفر میں عورت کے ساتھ کے محرم ہونے کی اس قدر تاکید سنی تو عرض کرنے لگے کہ میں تو فلاں فلاں غزوہ میں جا رہا ہوں جبکہ میری بیوی حج پر اکیلی جا رہی ہے۔ گویا کہ ان صاحب نے اس صورت کا حکم دریافت کیا تھا۔ جس کا جواب نبی کریم ﷺ نے یہ عنایت فرمایا تھا۔

اِنْطَلِقْ فَحُجَّ مَعَ امْرَاَتِكَ: اِنْطَلِقْ یہ بھی فعل امر ہے اور حُجَّ بھی فعل امر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ان صاحب کو دو امروں کے ساتھ جہاد جیسے عظیم اور مرغوب عمل کو چھوڑ کر بیوی کے ساتھ سفر حج پر جانے کی تاکید فرمائی جس سے اکیلی عورت کے سفر کرنے کی خطرناکی اور کسی محرم کے سفر میں اس کے ساتھ ہونے کی تاکید کا اندازہ ہوتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمونِ حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں اس بات کو شدت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ کوئی عورت نہ تو کسی اجنبی کے ساتھ خلوت کرے اور نہ بغیر محرم کے سفر پر ہی نکلے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- خطبہ، وعظ، ارشاد غرض نبی کریم ﷺ نے امت تک دین پہنچانے کے لیے ہر اسلوب کو اختیار فرمایا تھا۔
- اجنبی مرد کے ساتھ خلوت میں بیٹھنا حرام ہے۔ اس کی دلیل لَا يَخْلُوَنَّ کے الفاظ ہیں اور یہ نہی سب مردوں اور عورتوں کو عام ہے۔
- رَجُلٌ کی قید سے مستفاد ہوا کہ اجنبیہ عورت نابالغ اجنبی بچے کے ساتھ خلوت میں بیٹھ سکتی ہے اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کے ساتھ تنہائی میں بچہ بیٹھ سکتا ہے بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ جیسا کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔
- یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر دو مرد ہوں تو عورت ان کے ساتھ بیٹھ سکتی ہے۔ البتہ فتنہ کا اندیشہ ہو تو دو کے ساتھ بیٹھنا بھی منع ہوگا۔
- شریعت اسلامیہ عورت کی عفت و عصمت اور عزت و آبرو کی حفاظت حمایت و صیانت کی بے حد حریص ہے۔
- سفر میں ایسا محرم ساتھ ہو جو عورت کی ناموس کی حفاظت پر قدرت بھی رکھتا ہو۔

اپنا حج کرنے سے قبل حج بدل کرنے کا حکم

704- وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ: لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ، قَالَ: ((مَنْ شُبْرُمَةُ؟)) قَالَ: أَخٌ لِي، أَوْ قَرِيبٌ لِي، فَقَالَ: ((حَجَجْتَ عَنْ نَفْسِكَ؟)) قَالَ: لَا، قَالَ: ((حُجَّ عَنْ نَفْسِكَ، ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ)).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک صاحب کو (ان الفاظ کے ساتھ احرام باندھتے) سنا کہ (میں) شبرمہ کی طرف سے لبیک (کہتا ہوں اور اس کی طرف سے احرام باندھتا ہوں۔ یہ سن کر) آپ ﷺ نے (ان صاحب سے) دریافت فرمایا کہ "(یہ) شبرمہ کون ہے؟" انہوں نے عرض کیا: (وہ) میرا بھائی - یا (راوی کو شک ہے کہ ان صاحب نے یہ کہا تھا کہ وہ) میرا قرابت دار ہے- اس پر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: "(کیا) تم نے اپنا حج کر رکھا ہے؟" ان صاحب نے عرض کیا: جی نہیں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: (پہلے) اپنا حج کرو، شبرمہ کی طرف سے حج پھر (اس کے بعد) کرنا۔" ❶

---

❶ سنن ابی داود: 1811- سنن ابن ماجه: 2903- امام ابن خزیمہ (3039) اور امام ابن حبان (3988) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ امام بیہقی (336/4) کہتے ہیں: اس حدیث کی اسناد صحیح ہے، امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو موقوف کہا ہے۔ امام دارقطنی (270/2) نے اس حدیث میں مرسل ہونے کی علت بیان کی ہے۔ ابن جوزی (116/2) نے تو اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور دیگر حضرات نے اس حدیث میں اضطراب اور انقطاع کی علت بھی بیان کی ہے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں: جنہوں نے اس حدیث کا حکم ماننے سے انکار کیا ہے، وہ اس حدیث میں یہ علت بیان کرتے ہیں کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے۔ جبکہ بعض نے اس حدیث کو "عن قتادة عن سعيد بن جبير" کی اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مگر یہ ایسی علتیں نہیں ہیں کہ جن کی بنا پر اس حدیث کو قبول کرنے سے توقف کرنا واجب ہی ہو۔ کیونکہ حافظ راوی کا اضافہ مقبول ہوتا ہے اور اس کا حکم نفسِ حدیث کا حکم ہی ہوتا ہے۔ (دیکھیں: التمهيد لابن عبدالبر: 138/9) امام نووی رحمہ اللہ "المجموع" (85/7) میں فرماتے ہیں: امام ابوداود کی روایت کی اسناد صحیح مسلم کی شرط پر ہے اور یہ حدیث متعدد صحیح اسانید کے ساتھ مروی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَالرَّاجِحُ عِنْدَ أَحْمَدَ وَقْفُهُ.

اس حدیث کو امام ابو داؤد اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس روایت کا موقوف ہونا راجح ہے۔

غریب الحدیث:..... اَخٌ لِی - اَوْ قَرِیْبٌ لِیْ: یہ شک راوی کا ہے۔

حَجَجْتَ عَنْ نَفْسِكَ: بظاہر یہ جملہ خبریہ ہے لیکن معنی کے اعتبار سے استفہام کو متضمن ہونے کی وجہ سے جملہ انشائیہ ہے۔

لَبَّيْكَ: یہ اِجَابَةً لَّكَ کے معنی میں ہے۔ جبکہ یہ صیغہ تثنیہ کا ہے جو کثرت کے معنی کو شامل ہے۔ اسی لیے علماء نے لبیک کی تفسیر اِجَابَةً بَعْدَ اِجَابَةٍ کے الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے۔

عَنْ شُبْرُمَةَ: ان صاحب نے اس تلبیہ کو شبرمہ کے ساتھ مقید کر دیا تھا جسے نبی کریم ﷺ نے سن لیا تھا۔ گویا کہ وہ شبرمہ کی طرف سے اس کی نیابت میں حج کر رہا تھا۔ جس پر نبی کریم ﷺ نے ان صاحب سے یہ سوال فرمایا کہ کیا تم نے اپنا حج کر رکھا ہے؟ یہاں ایک اشکال ہوتا ہے، وہ یہ کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے جو 10 ہجری کا ہے۔ اب اگر حج 10 ہجری میں فرض ہوا تھا تو اس سے قبل ان صاحب پر حج ہی نہ تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ راجح قول یہ ہے کہ حج 9 ہجری میں فرض ہوا تھا۔ اس بنا پر ان صاحب کا حجۃ الوداع سے قبل حج کرنا ممکن تھا۔ تبھی تو آپ ﷺ نے یہ سوال فرمایا تھا۔ ورنہ یہ سوال بے محل تھا۔ [1]

مَنْ شُبْرُمَةُ: یعنی جس کی طرف سے تم حج کا تلبیہ پڑھ رہے ہو، وہ تمہارا کوئی قریبی ہے یا دُور پار کا رشتہ دار ہے۔ یا یہ استفہام اس غرض کے لیے تھا کہ آیا وہ صاحب مسلمان ہے یا کافر؟ بظاہر پہلا احتمال راجح ہے۔ اسی لیے ان صحابی نے جواب میں یہ بتلایا کہ وہ میرا بھائی یا قریبی رشتہ دار ہے۔

حَجَجْتَ عَنْ نَفْسِكَ: عن کا کلمہ خود پر کسی مفروض شے کی بابت خبر دیتا ہے۔ مراد ذمہ میں فرض حج کی بابت سوال تھا کہ آیا تم نے اپنے ذمہ کا حج کر رکھا ہے یا نہیں؟ جس کے جواب میں ان صاحب نے یہ عرض کیا کہ جی نہیں اور شاید ان کا یہ بھائی وفات پا چکا تھا، اس لیے ان صاحب نے پہلے اس کی طرف سے حج کا ارادہ کر لیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس پر یہ ارشاد فرمایا کہ

حُجَّ عَنْ نَفْسِكَ ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ: اور ایک روایت میں هٰذِهِ عَنْكَ ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ کے الفاظ بھی ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ نسک جس میں یہ صاحب شبرمہ کی طرف سے تلبیہ کہہ رہے تھے، خود ان کی طرف سے بن گیا تھا۔

درایۃ الحدیث:...... امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث کے مرفوع ہونے کو خطا کہا ہے۔ لیکن یہ امام احمد رحمہ اللہ سے مروی دو روایتوں میں سے ایک ہے۔ جبکہ دوسری روایت میں امام احمد نے اس روایت کو مرفوع کہا ہے۔ شاید بعد میں انہیں اس روایت کے مرفوع ہونے کا علم ہو گیا ہو۔ لہٰذا صحیح یہ ہے کہ یہ روایت مرفوع ہے نہ کہ موقوف اور یہ قاعدہ بار ہا ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب حضرات حفاظ محدثین کے ہاں کسی حدیث کے مرفوع یا موقوف ہونے میں اختلاف ہو تو راجح اس حدیث کا مرفوع ہونا ہوتا ہے۔ جس کے دو اسباب ہیں: (1) رفع میں علم کی زیادتی ہے۔ (2) کبھی مرفوع بیان کرنے والا راوی حکم کو بیان کرنے والے کی طرح ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اوپر کے راوی کا قول سمجھ کر روایت کر دیتا ہے۔

---

[1] دیکھیں شرح العمدة لابن تيمية: 295/2.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ آدمی جب تک خود اپنے ذمہ حج کو ادا نہ کرے وہ کسی دوسرے کی طرف حج ادا نہیں کر سکتا۔ اس کی مزید تفصیل ذیل میں آ جاتی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- تلبیہ بلند آواز سے کہا جائے، اس لیے تو نبی کریم ﷺ نے ان صاحب کے تلبیہ کے الفاظ کو سماعت فرمالیا تھا۔
- جب حج کسی دوسرے کی طرف سے کرنا ہو تو صراحۃً اس کا نام لیا جائے کیونکہ مطلق تلبیہ اپنی طرف سے بن جاتا ہے۔ اس لیے تلبیہ کا مقید کر کے ذکر کرنا ضروری ہے۔ حتیٰ کہ تلبیہ اگر عورت کی طرف سے ہے تو اس کا بھی نام لینے میں کوئی ممانعت نہیں۔
- ضرورت کی جگہ خود سوال کرنا چاہیے لیکن اگر کسی کو اس کا دھیان نہ ہو تو صاحبِ علم کو چاہیے کو وہ از خود سوال کر کے اسے اس بات کی طرف متوجہ کرے کہ یہ بات پوچھنے لائق تھی جو تم نے نہیں پوچھی اور یہ صاحب علم کی عنایت کے باب سے ہے نہ کہ لا یعنی سوال کی قبیل سے ہے۔
- اپنے ذمہ حج فرض ہو اور اس کی قدرت بھی ہو تو اپنا حج کرنے سے پہلے کسی دوسرے کی طرف سے حج کرنا جائز نہ ہوگا۔ البتہ اگر کوئی کسی فقیر کو مال دے کر اپنی طرف سے حج کرنے بھیجے تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ وہ فقیر غیر مستطیع تھا، چاہے اس کے ذمہ اپنا حج واجب بھی تھا تب بھی اسے اس صورت میں دوسرے کی طرف سے حج کرنا جائز ہوگا۔
- یہ خصوصیت صرف حج کی ہی ہے کہ اس میں اثنائے عبادت میں ہی تغییرِ نیت جائز ہے۔ جیسے ان صاحب نے پہلے شبرمہ کی طرف سے احرام باندھا پھر دورانِ عبادت ہی اپنی طرف سے احرام باندھ لیا۔ جبکہ دیگر عبادات میں اثنائے عبادت میں تغییرِ نیت سے عبادت باطل ہو جاتی ہے۔
- نبی کریم ﷺ کی حسنِ تعلیم کہ نکیر سے قبل استفسار فرمالیا۔
- ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ یہ امر وجوب کے لیے ہے یا اباحت کے لیے؟ یعنی دوسرے کی طرف سے حج کرنے والے کو جب اس بات کا علم ہو گیا کہ اس پر پہلے اپنا حج کرنا لازم ہے تو کیا بعد میں اس دوسرے کی طرف سے حج کرنا لازم ہوگا یا مباح؟ تو اقرب یہ ہے کہ بعد میں دوسرے کی طرف سے حج کرنا مباح ہوگا نہ کہ واجب۔
- دوسرے کی اجازت کے بغیر بھی دوسرے کی طرف سے حج کر سکتے ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان صاحب سے یہ سوال نہ کیا تھا کہ کیا تم نے شبرمہ سے بھی اس بات کی اجازت لی ہے یا نہیں؟ رہا یہ سوال کہ اگر کسی نے دوسرے کی طرف سے بنا پوچھے حج کر لیا اور اس دوسرے نے بعد میں اس حج کو اپنے لیے ہونے سے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو کیا اس کے ذمہ فرض حج ساقط ہوگا یا نہیں؟ تو علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول فریضہ کے ساقط نہ ہونے کا ہے اور ایک قول فریضہ کے ساقط ہو جانے کا ہے اور یہی راجح قول ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا کیونکہ دوسرے کو خبر دینا یا اس سے اجازت لینا شرط نہیں۔
- رہا یہ سوال کہ عبادات وقربات میں ایثار کا اور مرنے والوں کی طرف سے نیکیاں کرنے کا حکم کیا ہے؟ تو جان لیجیے کہ خود ایثار کی تین قسمیں ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(1) ایک قسم ایثار کی وہ ہے جو حرام ہے اور وہ واجب میں ایثار ہے۔ جیسے پانی صرف ایک کو کافی تھا تو وہ پانی دوسرے کو وضو کے لیے دینا حرام ہوگا۔

(2) دوسری قسم مکروہ ہے، اور یہ افضل و مستحب میں دوسرے کو اپنے پر ترجیح دینا ہے جیسے پہلی صف میں خالی جگہ ایثار کرتے ہوئے دوسرے کو دے دینا یہ مکروہ ہے کیونکہ افضل کو ترک کر کے مفضول کو اختیار کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ خیر سے بے رغبتی دکھانے کے مترادف ہے البتہ اگر کوئی مصلحت ہو تو مکروہ نہ ہوگا جیسے اگلی صف میں والد، استاذ، شیخ، کسی بزرگ یا بڑے بھائی وغیرہ کو جگہ دینا کہ اس ایثار میں کوئی حرج نہیں۔ بلکہ مصلحت پر مبنی یہ ایثار مستحب ہوگا۔

(3) اور تیسری قسم مباح ہے اور یہ عبادات کے علاوہ امورِ عادیہ میں ہے۔ اس ایثار میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں اصل حلت اور جواز ہے جیسے خود کھڑے رہنا اور بس کی ایک خالی سیٹ پر دوسرے کو ترجیح دینا اور اسے بیٹھنے کو کہنا وغیرہ۔

رہا مرنے والوں کو اپنی نیکیاں بخشنا تو افضل تو یہ ہے کہ مرنے والوں کو دعائیں دی جائیں جبکہ نیکیاں اپنے لیے رکھی جائیں۔ اس کی دلیل یہ ارشاد نبوی ہے: ''جب ابن آدم مر جاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے سوائے تین باتوں کے (1) صدقہ جاریہ (2) یا علم (نافع) جس سے (لوگ) نفع مند ہوتے رہیں (3) یا وہ نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔'' [1] یہاں نبی کریم ﷺ نے امت کو مرنے والوں کی طرف سے نیک اعمال کرنے کی طرف متوجہ نہیں فرمایا بلکہ ان کے لیے دعا کرنے کی تعلیم فرمائی ہے۔

حج زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے

705,706۔ وَعَنْهُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: ((إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ))، فَقَامَ الْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ، فَقَالَ: أَفِي كُلِّ عَامٍ؟ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: ((لَوْ قُلْتُهَا لَوَجَبَتْ، الْحَجُّ مَرَّةً، فَمَا زَادَ فَهُوَ تَطَوُّعٌ)).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا۔ پس آپ ﷺ نے (اس خطبہ میں دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی) ارشاد فرمایا: ''بے شک رب تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے۔'' اس پر حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہر سال میں (حج کرنا فرض ہے)؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر میں یہ کہہ دیتا تو (تم لوگوں پر ہر سال) حج کرنا واجب ہو جاتا۔ (مگر بات یہ ہے کہ) حج (زندگی بھر میں بس) ایک مرتبہ (ہی فرض) ہے۔ پس جو اس سے زیادہ کرے گا تو وہ نفل ہوگا۔'' [2]

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ غَيْرَ التِّرْمِذِيِّ، وَأَصْلُهُ فِيْ

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے سوائے امام ترمذی کے۔

---

[1] صحیح مسلم: 1631۔

[2] سنن ابی داود: 1721۔ سنن النسائی: 111/5۔ سنن ابن ماجہ: 2886۔ مسند احمد: 255/1۔ امام حاکم نے "المستدرک" میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور یہ حدیث "صحیح مسلم" (1337) میں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُسْلِمٍ مِنْ حَدِيْثِ أَبِي هُرَيْرَةَ. جبکہ اس حدیث کی اصل صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے۔

غریب الحدیث: ...... خَطَبَنَا: یہ خطبہ راتبہ بھی ہو سکتا ہے اور کوئی وقتی اور عارضی خطبہ بھی ہو سکتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ: كَتَبَ یہ اَوْجَبَ کے معنی میں ہے۔ فرض کو کتابت اس لیے کہتے ہیں کیونکہ جب بھی کسی بات کو پختہ اور مستحکم کرنا ہوتا ہے تو اس کو لکھ لیا جاتا ہے۔

عَلَيْكُمْ: عَلٰی یہ وجوب کے لیے ہے۔

اَلْحَجَّ: حج کا لغوی اور اصطلاحی معنی ذکر کر دیا گیا ہے۔

اَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ رضی اللہ عنہ: یہ بنو تمیم کے زعماء اور سربر آوردہ لوگوں میں سے تھے اور مولفۃ القلوب میں شمار ہوتے تھے۔

اَفِيْ كُلِّ عَامٍ: اصولی طور پر ایسا سوال نہیں کیا جانا چاہیے تھا۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دوں تو حج ہر ایک پر ہر سال واجب ہو جائے۔

اَلْحَجُّ مَرَّةً: لیکن بات یہ ہے کہ حج زندگی میں ایک مرتبہ ہے یعنی ایک مرتبہ واجب ہے۔

فَمَا زَادَ فَهُوَ تَطَوُّعٌ: اور ایک سے زیادہ جو بھی حج ہوگا وہ نفل ہوگا۔ یعنی آدمی چاہے تو کرے اور چاہے تو نہ کرے۔

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں بنیادی طور پر یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ حج زندگی میں صرف ایک مرتبہ ہی فرض ہے۔ لہٰذا جو فرض حج کر لے گا تو اب اس کے ذمہ دوبارہ کوئی حج کرنا واجب نہیں رہا۔ چاہے اسے استطاعت بھی ہو اور چاہے اس میں وجوب کی جملہ شرائط بھی پوری ہوں۔ لہٰذا فرض حج کر لینے کے بعد وہ جو بھی حج کرے گا وہ نفل شمار ہوگا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- حج فرض ہے۔ اس کی دلیل اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ کے الفاظ ہیں۔ کتاب وسنت اس کی فرضیت پر ناطق اور امت کا اس کی فرضیت پر اجماع ہے۔ لہٰذا اسلامی معاشرے میں حج کی فرضیت کا منکر کافر ہوگا۔ البتہ تارک حج فاسق ہے نہ کہ کافر۔
- شریعت کی نشر و اشاعت میں خطبہ بھی ایک موثر ذریعہ ہے۔
- دوران خطبہ بھی کوئی سوال کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت اقرع رضی اللہ عنہ نے بیچ خطبہ کے سوال کیا، مگر نبی کریم ﷺ نے ان پر کوئی نکیر نہ فرمائی۔
- ہر سوال پوچھے جانے کے لائق نہیں ہوتا۔
- نبی کریم ﷺ بھی بناوحی کے حکم شریعت بیان فرما سکتے ہیں اس کی دلیل لَوْ قُلْتُهَا کے الفاظ ہیں۔
- حج زندگی میں ایک ہی مرتبہ فرض ہے۔ جبکہ ایک سے زائد حج کرنا مستحب اور نفل ہیں۔

2۔ بَابُ الْمَوَاقِيتِ ... مواقیت کا بیان

تمہید: ...... مواقیت: ...... مواقیت یہ میقات کی جمع ہے۔ یہ وقت سے مشتق ہے۔ اس لیے مواقیت کی دو قسمیں ہیں۔ مواقیتِ زمانیہ اور مواقیت مکانیہ۔ اب مواقیتِ مکانیہ یہ حج اور عمرہ دونوں کے لیے ہیں جبکہ مواقیتِ زمانیہ صرف حج کے لیے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ لہٰذا عمرہ کرنے کا کوئی مقرر و متعین وقت نہیں۔ یہ ہر وقت کیا جا سکتا ہے۔ حج کے مواقیتِ زمانیہ کا بیان اس ارشادِ باری تعالیٰ میں ہے: ﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُومٰتٌ﴾ (البقرۃ: 197) ''حج چند مہینے ہے، جو معلوم ہیں۔''

یہ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔ لیکن صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ ذوالحجہ کا پورا مہینہ اشہرِ حج میں داخل ہے۔

مواقیتِ مکانیہ...... یہ پانچ ہیں

707- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَقَّتَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ: ذَا الْحُلَيْفَةِ، وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ، وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ، وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ، هُنَّ لَهُنَّ، وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِهِنَّ، مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ أَوِ الْعُمْرَةَ، وَمَنْ كَانَ دُونَ ذَلِكَ فَمِنْ حَيْثُ أَنْشَأَ، حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ مِنْ مَكَّةَ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہلِ مدینہ کے لیے ''ذوالحلیفہ''، اہلِ شام کے لیے ''جحفہ''، اہلِ نجد کے لیے ''قرن المنازل'' اور اہلِ یمن کے لیے یلملم کو میقات مقرر فرمایا۔ پس یہ مواقیت ان علاقوں والوں کے لیے بھی ہیں اور ان کے لیے بھی ہیں جو دوسرے علاقوں سے ان مقامات پر ہوتے ہوئے آئیں جن کا ارادہ حج یا عمرہ کا ہو۔ پس جو لوگ ان مواقیت سے ورے ہوں (یعنی وہ ان مواقیت کے بعد مکہ مکرمہ کی طرف اندر کی جانب رہنے والے ہوں) تو وہ وہاں سے احرام باندھیں جہاں سے وہ (حج یا عمرہ کا) قصد (و ارادہ) کریں یہاں تک کہ اہلِ مکہ ''مکہ'' (شہر) سے ہی احرام باندھیں۔''[1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث :...... وَقَّتَ: یہ حَدَّدَ کے معنی میں ہے۔ یعنی آپ ﷺ نے ان لوگوں کے لیے احرام باندھنے کے وقت کے لیے ان مقامات کو متعین اور محدود فرمایا۔

ذُو الْحُلَيْفَةِ: یعنی حلیفہ والا اور حلیفہ یہ حِلْفَةٌ کی تصغیر ہے۔ یہ نوک دار پتوں والی ایک مشہور بوٹی ہے۔ اس جگہ کا یہ نام اس لیے ہے کیونکہ یہ بوٹی یہاں کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ یہ مکہ سے ایک سو ستر کلومیٹر دور ایک جگہ کا نام ہے۔

وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ: یہ شامی علاقوں کے مشرق اور مغرب کے بیچ میں رہنے والوں کو کہتے ہیں۔ ''جحفہ'' یہ اِجْتَحَفَ سے ہے جس کا معنی ہے سیلاب کا بہا کر لے جانا۔ چنانچہ یہ ایک مشہور بستی ہے جو سیلاب سے تباہ و برباد ہوگئی تھی اور سیلاب یہاں کے سب باشندوں اور جانوروں چوپایوں کو بہا کر ساتھ لے گیا تھا۔ تبھی سے اس جگہ کا نام ''جُحفہ'' پڑ گیا۔ پھر ایک بار وبا نے بھی یہاں تباہی و بربادی پھیلائی تھی۔ چنانچہ جب یہ بستی ویران ہوگئی تو لوگوں نے اس کی بجائے مقام ''رابغ'' سے احرام باندھنا شروع کر دیا۔ رابغ یہ جحفہ سے زیادہ مکہ سے دور ہے۔ اس کے اور مکہ کے درمیان تین مراحل کی مسافت ہے۔

قَرْنَ الْمَنَازِلِ: یہ اہلِ نجد کا میقات ہے۔ ایک معروف جگہ ہے اور لوگ آج تک اس جگہ سے احرام باندھتے آئے ہیں۔ البتہ آج کل یہ جگہ ''السیل الکبیر'' کے نام سے جانی جاتی ہے۔

يَلَمْلَمُ: یہ اہلِ یمن کا میقات ہے۔ ایک مشہور پہاڑ کا نام ہے۔ آج کل یہ جگہ ''سعدیہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ اہل

[1] صحيح البخاري: 1524- صحيح مسلم: 1181.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یمن یہ جگہ خوب پہچانتے ہیں۔قرن المنازل اور یلملم دونوں مقامات مکہ مکرمہ سے دو دو مراحل پر واقع ہیں۔

هُنَّ لَهُنَّ: پہلے هُنَّ کا مرجع مذکورہ مواقیت ہیں اور لَهُنَّ میں مذکورہ هُنَّ کا مرجع مذکورہ بلاد و امصار ہیں۔

لِمَنْ اَتٰى عَلَيْهِنَّ: یعنی جو ان مواقیت پر سے گزرے۔

مِنْ غَيْرِهِنَّ: یعنی جو ان بلاد کا نہ ہو کہ یہ مواقیت ان لوگوں کے لیے بھی ہیں جو یہاں سے گزریں چاہے وہ ادھر کے علاقوں کے نہ بھی ہوں۔غرض نبی کریم ﷺ نے ان علاقوں کے رہنے والوں اور ان مواقیت پر سے گزرنے والوں سب کے لیے ان جگہوں کو مواقیت فرمایا ہے۔لہٰذا نجد کا جو باشندہ مدینہ کے راستہ سے گزرے گا وہ ذوالحلیفہ سے احرام باندھے گا۔اس پر قرن المنازل جا کر احرام باندھنا لازم نہ ہوگا۔

مِمَّنْ اَرَادَ الْحَجَّ اَوِ الْعُمْرَةَ: تقدیری عبارت هُنَّ لِهٰؤُلَاءِ مِمَّنْ اَرَادَ الْحَجَّ اَوِ الْعُمْرَةَ ہوگی۔یعنی حج یا عمرہ کے ارادہ سے یہاں سے گزرنے والوں کے لیے مواقیت یہی ہیں۔مذکورہ او یہاں مانعۃ الخلو کے لیے ہے یعنی حج یا عمرہ دونوں کی نیت ایک ساتھ کرنا تو منع نہیں البتہ منع یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک کی بھی نیت کے بغیر گزر جائے۔اب چاہے کوئی صرف حج کی یا صرف عمرہ کی یا دونوں کی نیت کرے سب درست ہے۔البتہ یہ درست نہیں کہ کوئی ان مواقیت سے حج یا عمرہ کی نیت کے بغیر ہی گزر جائے۔

وَمَنْ كَانَ دُوْنَ ذٰلِكَ: ذٰلِكَ سے مراد مذکورہ مواقیت ہیں اور دون یہاں نیچے اور ورے کے معنی میں ہے۔یعنی جو ان مواقیت سے نیچے مکہ مکرمہ کی طرف رہتا ہو۔

فَمِنْ حَيْثُ اَنْشَأَ: تو وہ وہیں سے احرام باندھے جہاں سے اس نے حج یا عمرہ کرنے کا ارادہ کیا ہو۔

حَتّٰى اَهْلُ مَكَّةَ مِنْ مَكَّةَ: چنانچہ اہل مکہ "مکہ" سے ہی احرام باندھیں گے۔انہیں احرام باندھنے کے لیے کسی میقات کی طرف نہ جانا پڑے گا۔مذکورہ حدیث میں چار مواقیت اور جن علاقہ والوں کے لیے یہ چار مواقیت ہیں، ان کی تفصیل اور حکم کو بیان کیا گیا ہے۔

711-708- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَقَّتَ لِأَهْلِ الْعِرَاقِ ذَاتَ عِرْقٍ)).
رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.
وَأَصْلُهُ عِنْدَ مُسْلِمٍ مِنْ حَدِيْثِ جَابِرٍ، إِلَّا أَنَّ رَاوِيَهُ شَكَّ فِيْ رَفْعِهِ.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل عراق کے لیے "ذاتِ عرق" کو میقات مقرر فرمایا ہے۔ [1]
اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔
اس حدیث کی اصل صحیح مسلم میں حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے ہے۔البتہ اس حدیث کے راوی کو اس کے مرفوع ہونے میں شک ہے۔ [2]

شرح:...... یہ پانچویں میقات کا بیان ہے جو اہلِ عراق کے لیے ہے اور یہ "ذاتِ عرق" ہے۔یہ مقام "قرن المنازل"

---

[1] سنن ابی داود: 1739- سنن النسائی: 5/123-124- ابن عدی نے "الکامل" (1/417) میں نقل کیا ہے کہ امام احمد نے اس حدیث کو افلح بن حمید المدنی کی منکر احادیث میں قرار دیا ہے۔حالانکہ امام بخاری اور امام مسلم نے افلح سے حجت پکڑی ہے اور ابن معین وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ابن سکن نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے جیسا کہ "تحفة المحتاج" (2/139) اور "خلاصة البدر المنیر" (1/350) میں ہے۔امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (7/169) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

[2] صحیح مسلم: 1183

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بالکل محاذات میں اس سے تھوڑا آگے ہے۔ آج کل لوگ اس جگہ کو ''ضریبہ'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

وَفِي صَحِيحِ الْبُخَارِيِّ: أَنَّ عُمَرَ هُوَ الَّذِي وَقَّتَ ذَاتَ عِرْقٍ.

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ ذات عرق کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میقات مقرر فرمایا تھا۔ ❶

شرح: تب پھر پہلے چار مواقیت سنت نبویہ سے ثابت ہوں گے جبکہ یہ پانچواں میقات ''سنت متبعہ'' سے ثابت ہو گا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد آنے والے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو بھی لازم پکڑنے کا حکم دیا ہے اور یہ خلفائے راشدین چار ہیں: حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین۔

وَعِنْدَ أَحْمَدَ وَأَبِي دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنه: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَقَّتَ لِأَهْلِ الْمَشْرِقِ الْعَقِيقَ)).

اور مسند احمد، سنن ابی داود اور جامع الترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مشرق کے لیے ''عقیق'' کو میقات مقرر فرمایا تھا۔ ❷

شرح: ''عقیق'' یہ ذات عرق سے متصل ایک جگہ کا نام ہے۔ یہ ایک وسیع وعریض وادی ہے جو ذاتِ عرق تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس لیے صحیح یہ ہے کہ مذکورہ حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن ابی داود کی اس حدیث کے منافی نہیں جس میں یہ ذکر ہے کہ اہل عراق کا میقات ''ذاتِ عرق'' ہے کیونکہ وادئ عقیق دور تک پھیلی ہوئی ہے حتیٰ کہ وادئ ذاتِ عرق بھی اس میں داخل ہو جاتی ہے۔ غرض یہ پانچویں میقات کا بیان ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر شفقت کی بنا پر اس جگہ کو بھی میقات مقرر کیا تھا تاکہ کسی ایک جگہ لوگوں کی بھیڑ اور ہجوم بڑھنے نہ پائے اور انہیں کسی قسم کی دقت کا سامنا نہ ہو۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مواقیت زمانیہ کے ساتھ ساتھ مواقیت مکانیہ بھی ثابت ہیں اور یہ پانچ ہیں۔
- یہ پانچوں مواقیت مکہ سے مختلف دوریوں پر اور مختلف جہات میں واقع ہیں اور اس میں متعدد حکمتیں ہیں۔ جیسے:

ذوالحلیفہ: یہ مدینہ کے قریب ہے اس لیے مناسب یہ ہے کہ آدمی مدینہ سے نکلتے ہی احرام باندھ لے تاکہ دونوں حرموں کے احکام مدینہ سے نکلتے ہی ایک ہو جائیں اور مدینہ کا حرم مکہ کے مخصوص حرم میں داخل ہو جائے اور وہ مخصوص حرم یہاں احرام باندھنا ہے اور یہی ذوالحلیفہ کے مدینہ کے قریب ہونے کی حکمت ہے۔

جحفہ: یہ یمن اور یلملم سے دُور ہے، یہ اہل شام کا میقات ہے جہاں ان مساجد ثلاثہ میں سے ایک ہے جس کی طرف شد رحال کی اجازت ہے۔ غرض ہمیں تو ان مواقیت میں بظاہر یہی حکمتیں نظر آتی ہیں اور اگر کوئی حکمت ان کے علاوہ ہو تو وہ اللہ کے علم میں ہے۔

- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اور آئندہ کی فتوحات کی گویا کہ ایک پیشین گوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بلاد وامصار کے ان کے

---

❶ صحيح البخاري: 1531.

❷ مسند احمد: 344/1- سنن ابی داود: 1740- جامع الترمذی 832- امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ ابن قطان کہتے ہیں کہ مجھے اس حدیث کے منقطع ہونے کا خدشہ ہے۔ اس حدیث کے ضعیف ہونے کی دلیل یہی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مشہور اور صحیح حدیث میں چار مواقیت کا ذکر ہے جن میں اس مذکورہ بالا میقات کا ذکر نہیں۔ (دیکھیں. التمهيد لابن عبدالبر: 143/15- شرح العمدة: 312/2- نصب الراية 13/3)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

فتح ہونے سے قبل ہی مواقیت مقرر فرما دیئے۔

◈ ان مواقیت سے جو بھی حج اور عمرہ کے ارادہ سے گزرے گا، اس پر احرام باندھنا واجب ہوگا، چاہے وہ ادھر کے علاقوں کا باشندہ نہ بھی ہو۔ اگر چہ امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ایک شامی اگر ذوالحلیفہ سے گزرے تو وہ جحفہ تک احرام باندھنے کو موخر کر سکتا ہے اور یہی امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بھی مسلک اور مختار قول ہے لیکن درست قول جمہور کا ہے جو ابھی بیان ہوا ہے کہ حج اور عمرہ کے ارادہ سے جو بھی جس میقات پر آئے گا اسے وہاں سے بنا احرام باندھے گزرنا اور تجاوز کرنا جائز نہ ہوگا۔

◈ جو ان مواقیت سے حج اور عمرہ کے ارادہ کے بغیر گزرا اور آگے چل کر اس کا ارادہ حج یا عمرہ کا بن گیا تو اس پر ان مواقیت میں سے کسی ایک کی طرف لوٹنا واجب نہ ہوگا۔ بلکہ وہ وہیں سے احرام باندھے گا جہاں سے اس نے حج یا عمرہ کی نیت کی ہے۔

◈ اہل مکہ کا میقات مکہ ہی ہے۔ حج کی بابت تو یہ حکم واضح ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو حج کا ارادہ کرنے پر انہیں حل کی طرف جانے کا حکم ارشاد نہ فرمایا تھا اور جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمرہ کر کے حلال ہو گئے تھے، انہیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھنے کے لیے حل کی طرف جانے کا پابند نہ بنایا تھا بلکہ ان سب نے اپنی اپنی جگہوں پر ہی حج کا احرام باندھ لیا تھا۔ لیکن رہا اہل مکہ کے لیے عمرہ کا احرام، تو ایک قول یہ ہے کہ مکی باشندے عمرہ کے لیے بھی مکہ میں ہی احرام باندھ سکتے ہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے۔

کیونکہ حَتّٰـى اَهْـلُ مَـكَّةَ مِـنْ مَـكَّةَ کے عموم میں حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے تخصیص ہے کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب مکہ میں ہوتے ہوئے عمرہ کا ارادہ کیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو انہیں حل یعنی تنعیم لے جا کر عمرہ کا احرام بندھوانے کا حکم ارشاد فرمایا تھا جو اس بات کی دلیل ہے کہ مکہ عمرہ کے احرام باندھنے کا میقات نہیں، نہ اہل مکہ کے لیے اور نہ واردین وصادرین کے لیے ہی عمرہ کا میقات ہے۔

◈ جناب امیر المومنین خلیفہ راشد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی منقبت کہ وہ رب تعالیٰ کی طرف سے درستی کے توفیق دیئے جانے کے ساتھ خاص تھے۔ چنانچہ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اہل عراق کے لیے ذات عرق کو میقات فرمایا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ایک حدیث کے بالکل موافق نکلا۔

3۔ بَابُ وُجُوهِ الْإِحْرَامِ وَصِفَتِهِ

احرام کی متعدد قسموں اور احرام باندھنے کے متعدد طریقوں کا بیان

تمہید:...... وُجُوه: اس سے مراد احرام کی متعدد انواع ہیں۔ صِـفَتُـهُ: مراد احرام باندھنے کا طریقہ ہے۔ یاد رہے کہ احرام کی کل تین قسمیں ہیں جیسا کہ ذیل کی حدیث میں آرہا ہے۔

712۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَـالَـتْ: ((خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَـامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ ، فَمِنَّا مَنْ أَهَـلَّ بِـعُـمْـرَةٍ ، وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ وَعُمْرَةٍ ،

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ حجۃ الوداع کے سال ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ (مکہ مکرمہ کے لیے مدینہ نبویہ سے) روانہ ہوئے۔ سو ہم میں سے کسی نے تو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ ، وَأَهَلَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِالْحَجِّ ، فَأَمَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ فَحَلَّ عِنْدَ قُدُومِهِ، وَأَمَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ ، أَوْ جَمَعَ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، فَلَمْ يَحِلُّوْا حَتَّى كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ)) . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

(صرف) عمرہ کا احرام باندھا اور کسی نے ہم میں سے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا اور کسی نے (صرف) حج کا احرام باندھا تھا جبکہ نبی کریم ﷺ نے صرف حج کا احرام باندھا ہوا تھا۔ پس جس نے تو صرف عمرہ کا احرام باندھا ہوا تھا، انہوں نے (مکہ پہنچنے (اور طواف وسعی کرنے) پر اپنا احرام کھول لیا تھا۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے حج کا احرام باندھا ہوا تھا یا انہوں نے حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھا احرام باندھا ہوا تھا، تو انہوں نے اپنا احرام نہ کھولا تھا یہاں تک کہ یوم نحر آ گیا۔ [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

احرام کی اقسام اور باندھنے کے طریقے

شرح: ..... مذکورہ روایت میں احرام باندھنے کی تین صورتیں مذکور ہیں، جو یہ ہیں: (1) صرف عمرہ کا احرام باندھا جائے۔ (2) صرف حج کا احرام باندھا جائے۔ (3) حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا جائے۔

اب جن لوگوں نے صرف عمرہ کا ہی احرام باندھ رکھا تھا انہوں نے مکہ پہنچے اور سعی وطواف کرنے اور حلق یا تقصیر کروانے کے بعد اپنا احرام کھول لیا تھا اور نبی کریم ﷺ نے انہیں پورا پورا حلال ہو جانے کو ارشاد فرمایا تھا یعنی حتیٰ کہ ان لوگوں کے لیے اپنی عورتیں بھی حلال ہو گئی تھیں۔ ایسے احرام کو احرامِ تمتع اور ایسے احرام والے کو ''متمتع'' کہتے ہیں کیونکہ اس میں آدمی عمرہ کرنے کے بعد حج کے لیے احرام باندھنے تک حج کے دوران رب تعالیٰ کی منع کردہ چیزوں سے پورا پورا تمتع حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا وہ نہا دھو کر نیا لباس پہن سکتا ہے، خوشبو لگا سکتا ہے، بیوی سے جماع کر سکتا ہے۔ یہ سب سے افضل حج ہے، ہاں اگر کوئی قربانی کے جانور ساتھ لے گیا ہو تو اس کے حق میں ''قران'' افضل ہے۔

رہے وہ لوگ جو حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھتے ہیں تو وہ طواف اور سعی کے بعد بھی اپنا احرام نہ کھولیں گے اور اپنا احرام باقی رکھیں گے اور عید کے بعد جب دوسرے لوگ حلال ہوں گے تو یہ بھی ان کے ساتھ حلال ہوں گے اور یہ جمرۂ عقبہ کی رمی اور حلق یا تقصیر کے بعد حلال ہونا ہے۔ ایسے احرام والے کو ''قارن'' کہتے ہیں اور رہے صرف حج کے لیے احرام باندھنے والے تو وہ حکم کے اعتبار سے حج اور عمرہ کا احرام باندھنے والے کی طرح ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ بھی طواف اور سعی کے بعد اپنا احرام باقی رکھیں گے اور جمرۂ عقبہ کی رمی اور حلق یا تقصیر کے بعد اپنا احرام کھولیں گے۔ ایسے احرام کا نام احرامِ اِفراد ہے اور اس احرام والے کو ''مفرد'' کہتے ہیں۔ تب پھر احرام کی کل تین قسمیں ٹھہریں گی: (1) تمتع (2) قران (3) افراد

تمتع کا احرام باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر طواف اور سعی کرے گا اور حلق یا تقصیر کے بعد آٹھ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھے گا۔ جبکہ قران اور افراد والے میقات سے احرام باندھ کر مکہ پہنچیں گے۔ پھر طواف وسعی کے بعد اسی احرام پر عید کے دن تک باقی رہیں گے اور جمرۂ عقبہ کی رمی اور حلق یا تقصیر کر کے اپنا احرام کھول دیں گے۔

[1] صحيح البخاري: 1541- صحيح مسلم: 1186.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کون سا حج افضل ہے؟

افضل حج حج تمتع ہے، ہاں اگر کوئی قربانی کے جانور ساتھ لے گیا ہو تو اس کے حق میں حج قران افضل ہے کیونکہ ایسے آدمی کے حق میں تمتع متعذر ہے غرض حج تمتع افضل ہے کیونکہ (1) حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمتع کا ہی حتمی حکم دیا تھا۔ (2) یہ مکلف پر زیادہ آسان بھی ہے اور جس بات میں مکلف پر آسانی ہو، وہ رب تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔ (3) پھر یہ کہ تمتع میں اعمال بھی زیادہ ہیں کیونکہ تمتع میں آدمی عمرہ بھی مکمل ادا کرتا ہے اور حج بھی کامل ادا کرتا ہے۔ (4) چوتھے یہ کہ رب تعالیٰ نے حج اور عمرہ دونوں میں صفا مروہ کے طواف کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ (البقرة: 158)

''تو جو کوئی اس گھر کا حج کرے، یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ دونوں کا خوب طواف کرے۔''

تب پھر حج اور عمرہ دونوں میں صفا مروہ کا طواف لازم ہے۔

قران کا احرام باندھنے کے طریقے اور ان کا حکم

حج قران کا احرام تین طریقوں سے باندھا جا سکتا ہے جو یہ ہیں:

(1) ایک یہ کہ آدمی میقات سے حج اور عمرہ دونوں کا احرام اکٹھا باندھے اور لَبَّيْكَ حَجَّةً وَ عُمْرَةً کہے۔ ایسا کہنے سے وہ قارن بن جائے گا۔ اس کے بعد عمرہ کر کے احرام کھولنے اور حج کے لیے دوبارہ احرام باندھنے کا طریقہ مذکور ہو چکا ہے۔

(2) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آدمی میقات سے احرام تو عمرہ کا باندھے لیکن عمرہ کا طواف شروع کرنے سے قبل ہی وہ اس پر حج کے احرام کو بھی داخل کر دے جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوا تھا جنہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا لیکن ابھی سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ کا طواف شروع بھی نہ کیا تھا کہ انہیں حیض آ گیا جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عمرہ کا احرام پر حج کا احرام داخل کرنے کا حکم دے دیا۔ البتہ علماء کا اس صورت کی بابت اختلاف اس امر میں ہے کہ ایسا صرف ضرورت کے وقت ہی کیا جا سکتا ہے یا حالت اختیار میں بھی کیا جا سکتا ہے؟ تو امام احمد کا مشہور مذہب یہ ہے کہ ایسا حالتِ اختیار میں بھی کرنا جائز ہے۔

(3) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلے حج کا احرام باندھے پھر اس پر عمرہ کا احرام داخل کرے۔ چنانچہ پہلے اس نے میقات پر لَبَّيْكَ حَجَّةً کہہ کر احرام باندھا، پھر اس کا ارادہ بدل گیا تو اس نے عمرہ کا بھی احرام باندھ لیا تو یوں کہے گا: لَبَّيْكَ حَجَّةً وَ عُمْرَةً.

قران کے اس احرام میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے اس کو جائز کہا ہے۔ ان کا استدلال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا تھا حالانکہ ایک آنے والے (فرشتے) نے آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا تھا کہ ''کہو: عمرہ حج میں داخل ہو گیا ہے۔'' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حج کا احرام باندھا تھا، پھر اس پر عمرہ کا احرام داخل کیا تھا۔ ان علماء کی دلیل یہ ہے کہ عمرہ حج کے دو مناسک میں سے ایک ہے۔ تو جب حج کو عمرہ پر داخل کرنا جائز ہے تو عمرہ کو بھی حج پر داخل کرنا جائز ہوگا۔ تب پھر دونوں کے افعال ایک ہوں گے۔

لیکن مذہب حنابلہ میں مشہور یہ ہے کہ قران کے احرام کی یہ تیسری صورت جائز نہیں ہے۔ لہٰذا عمرہ کو حج پر داخل کرنا غیر معتبر ہوگا اور آدمی کی حج والی نیت ہی باقی رہے گی۔ [1]

[1] المبدع: 131/3، الكافي في فقه الحنبل 393/1.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حج افراد کا احرام

افراد کا احرام باندھنے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ آدمی میقات سے لَبَّيْكَ حَجَّةً کہہ کر احرام باندھے اور مکہ پہنچ کر طواف اور سعی کرے اور عید تک اس احرام کو باقی رکھے۔

قربانی کے جانوروں کو ساتھ لے جانے کا حکم

یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ قران اور تمتع میں سے افضل تمتع ہے۔ البتہ جو قربانی کا جانور ساتھ لے کر گیا ہو، اس کے حق میں قران افضل ہے کیونکہ اب وہ حج تمتع کرنے سے قاصر ہے۔ رہا یہ سوال کہ آیا قربانی کا جانور ساتھ لے جانا افضل ہے یا نہ لے جانا افضل ہے؟ تو علماء کا اس بارے اختلاف ہے۔ چنانچہ کسی کے نزدیک قربانی کا جانور ساتھ نہ لے جانا اور حج تمتع کرنا افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے یہ فرمایا تھا کہ ''اگر مجھے اس بات کا خیال پہلے آ جاتا جس کا خیال مجھے بعد میں آیا ہے تو میں قربانی کے جانور ساتھ لے کر نہ چلتا اور تم لوگوں کے ساتھ ہی (عمرہ کر کے) میں بھی حلال ہو جاتا۔'' اور بعض کے نزدیک قربانی کے جانور ساتھ لے جانا اور حج قران کرنا افضل ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فعل یہی ہے۔

دوسرے قربانی کے جانوروں کو ساتھ لے جانے میں شعائر حج کا اظہار زیادہ ہے۔ رہی مذکورہ بالا حدیث کہ ''اگر مجھے اس بات کا خیال'' تو یہ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کی دلداری کے لیے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر مجھے اس بات کا علم پہلے ہو جاتا کہ تم لوگوں کو اس قدر مشقت کا سامنا کرنا پڑے گا تو میں قربانی کے جانور ساتھ نہ لاتا اور عمرہ کر کے میں بھی تم لوگوں کے ساتھ ہی حلال ہو جاتا۔ جناب رسول اللہ ﷺ بسا اوقات اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کی رعایت فرماتے ہوئے فعل اختیاری کو بھی ترک فرما دیتے تھے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے ہر سریہ میں مصاحبت نہ کر سکنے والوں کی خاطر ہر سریہ میں جہاد کے لیے جانے کو ترک فرما دیا تھا۔

لیکن میرے نزدیک اقرب حج تمتع کا افضل ہونا ہے، ہاں جو اپنے ساتھ قربانی کے جانور لے چلا ہو، اس کے حق میں تمتع سے معذور ہونے کی وجہ سے قران افضل ہے۔

قربانی کس کس پر واجب ہوتی ہے؟

اس بارے نص وارد ہے کہ متمتع پر قربانی کرنا واجب ہے اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔

چنانچہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَٰثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ﴾ (البقرة: 196)

''تو تم میں سے جو عمرہ سے حج تک فائدہ اٹھائے تو قربانی میں سے جو میسر ہو (کرے) پھر جو نہ پائے تو تین دن کے روزے حج کے دوران اور سات دن کے اس وقت رکھے جب تم واپس جاؤ۔''

غرض متمتع پر قربانی واجب ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔

رہا قارن تو وہ متمتع کی طرح ہی ہے۔ لہٰذا جمہور اہل علم کے نزدیک اس پر بھی قربانی آئے گی۔ ❶ جبکہ حج افراد کرنے والے پر کوئی قربانی نہیں کیونکہ وہ لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے تمتع میں داخل نہیں ہوتا۔

❶ المغني لابن قدامة: 243/3- الكافي: 399/1- كشاف القناع: 414/2.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نبی کریم ﷺ کا حج مبارکہ کون سا تھا؟

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ وَ اَهَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالْحَجِّ سے بظاہر یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا حج ''مفرد'' تھا۔ چنانچہ اس کو لے کر بعض علماء نے اِفراد کے تمتع اور قران سے بھی افضل ہونے کا قول کیا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا حج ''حجِ قران'' تھا۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: [1] اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ ''قارن'' تھے جبکہ میرے نزدیک حج تمتع زیادہ محبوب ہے اور ایک صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ ایک فرشتے نے حاضر خدمت ہو کر یہ عرض کیا تھا کہ کہیے ''عمرہ اور حج'' یا ''حج میں عمرہ''۔

تب پھر نبی کریم ﷺ سے اس کی مخالفت ممکن نہیں کہ آپ ﷺ نے صرف حج کا احرام باندھا ہو۔ تب پھر حدیث عائشہ مذکورہ کا جواب یہ ہے کہ جب قارن اور مفرد کے افعال کی ظاہری صورت ایک سی نظر آتی ہے تو سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ظاہر افعال دیکھ کر آپ ﷺ کے مفرد ہونے کا گمان ہو گیا تھا۔ اسی بنا پر سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اَهَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالْحَجِّ کے الفاظ روایت کر دیئے۔

لیکن یہ جواب صحیح نہیں کیونکہ جب سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک کے احرام کی بابت علم تھا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ انہیں جنابِ رسول اللہ ﷺ کے احرام کی بابت علم نہ ہو کہ وہ قران کا احرام تھا یا افراد کا۔

بلاشبہ یہ امر بعید ہے۔

بعض علماء نے مذکورہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب دیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلے حج کا احرام باندھا تھا پھر عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ تب پھر سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اَهَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالْحَجِّ سے مراد احرام کی ابتدا ہے کہ ابتدا میں آپ ﷺ نے صرف حج کا احرام باندھا تھا جبکہ بعد میں عمرہ کا احرام بھی باندھ لیا تھا۔

لیکن یہ جواب ان علماء کے نزدیک قابلِ قبول ہے جن کے نزدیک حج پر عمرہ کا احرام باندھنا درست ہے اور جن کے نزدیک ایسا کرنا درست نہیں، وہ اس جواب کو تسلیم نہیں کرتے۔

مضمون حدیث :..... مذکورہ حدیث میں دراصل احرام کی تین قسموں کا اور ہر قسم کے احرام کو باندھنے کا طریقہ مذکور ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ لوگوں کو حج کا احرام باندھنے میں اختیار ہے کہ وہ ان تینوں صورتوں میں سے جس صورت پر چاہے حج کا احرام باندھیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے احرام کی ان تینوں صورتوں کو برقرار رکھا تھا۔

◈ جائز امور میں وسعت اور گنجائش ہوتی ہے اور اس بارے ایک دوسرے پر حرف گیری اور نکتہ چینی جائز نہیں ہوتی۔

◈ متمتع مکہ جا کر عمرہ کرتے ہی اپنے احرام سے حلال ہو جاتا ہے۔

◈ متمتع کو چاہیے کہ وہ مکہ جاتے ہی عمرہ ادا کرنے میں جلدی کرے۔ اس کی دلیل فَحَلَّ عِنْدَ قُدُوْمِهٖ کے الفاظ ہیں۔

◈ قارن اور مفرد روزِ عید تک اپنا احرام باقی رکھیں گے۔

---

[1] ابن مفلح نے "الفروع" (224/3) میں امام احمد رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4۔ بَابُ الْإِحْرَامِ وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهِ

احرام اور اس کے متعلقات کا بیان

احرام: ..... احرام یہ مناسک میں داخل ہونے کی نیت کرنے کو کہتے ہیں، چاہے اس وقت وہ روزمرہ کے استعمال کے کپڑوں میں ہی کیوں نہ ہو۔ پس نسک میں داخل ہونے کی نیت کرنے سے ہی آدمی احرام والا بن جاتا ہے چاہے اس وقت وہ احرام کے خاص لباس میں ہو یا اپنے روزمرہ کے لباس میں ہو۔

احرام کے احکام

احرام سے متعلقہ بھی متعدد شرعی احکام ہیں جن میں سے بعض واجب اور بعض مسنون ہیں۔ ذیل کی احادیث میں انہی احکامات کی تفصیل مذکور ہے۔

نبی کریم ﷺ کس جگہ سے احرام باندھتے تھے؟

713۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: ((مَا أَهَلَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِلَّا مِنْ عِنْدِ الْمَسْجِدِ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے (جب بھی احرام باندھا تو) مسجد (ذوالحلیفہ) کے پاس ہی احرام باندھا تھا۔ ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

شرح: ..... مسجد سے مراد مسجد ذوالحلیفہ ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی کو اس وقت احرام باندھنا چاہیے جب وہ سواری پر سوار ہو جائے جیسا کہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ نبی کریم ﷺ اس وقت احرام باندھتے تھے جب آپ ﷺ کی ناقہ آپ ﷺ کو لے کر میدان میں سیدھی کھڑی ہو جاتی تھی اور آپ ﷺ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کے الفاظ توحید کے ساتھ احرام باندھتے تھے۔ یاد رہے کہ اَهَلَّ کا معنی آواز کا بلند کرنا ہے۔ پس اہلال کا معنی اظہار ہے اور چاند کو بھی ہلال اسی معنی میں کہتے ہیں کہ وہ آسمان میں ظاہر ہوتا ہے۔

تلبیہ کو بلند آواز سے کہنا مستحب ہے

714۔ وَعَنْ خَلَّادِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((أَتَانِي جِبْرِيلُ، فَأَمَرَنِي أَنْ آمُرَ أَصْحَابِي أَنْ يَرْفَعُوا أَصْوَاتَهُمْ بِالْإِهْلَالِ)).

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ

خلاد بن سائب اپنے والد ماجد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جبرئیل علیہ السلام نے میرے پاس آ کر مجھے اس بات کا حکم دیا کہ میں اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو اس بات کا حکم دوں کہ وہ تلبیہ کہتے ہوئے اپنی آوازوں کو بلند کریں۔'' ❷

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے جبکہ امام ترمذی اور امام

---

❶ صحیح البخاری: 1541۔ صحیح مسلم: 1186.

❷ سنن ابی داود: 1814۔ جامع الترمذی: 829۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح اور حسن ہے۔ سنن النسائی: 162/5۔ سنن ابن ماجہ: 2922۔ مسند احمد: 56/4۔ صحیح ابن حبان: 3802۔ صحیح ابن خزیمۃ: 2625۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں: اس حدیث کی اسناد میں بہت اختلاف ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ امام مالک کی روایت (334/1) اس باب میں اصح ہو۔ (دیکھیں: التمہید: 239/17)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حِبَّان.

ابن حبان ؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث : اَلْإِهْلَال: مراد تلبیہ کہنا ہے۔ جِبْرِیْل: ملائکہ مقربین میں سے ایک، جن کے ذمے اللہ کے پیغمبروں اور رسولوں کے پاس رب تعالیٰ کی وحی لے کر آنا ہے۔ اس حدیث سے بھی تلبیہ کو بلند آواز سے کہنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔

احرام باندھنے سے قبل غسل کرنا

715- وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رضي الله عنه ، ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَجَرَّدَ لِإِهْلَالِهِ ، وَاغْتَسَلَ)) .

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے احرام باندھنے کے لیے (پہلے) لباس اتار کر غسل فرمایا (پھر احرام باندھا)۔“ ❶

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ، وَحَسَّنَهُ .

اس حدیث کو امام ترمذی ؒ نے روایت کر کے اس کو حسن کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... تَجَرَّد: یعنی لباس سے متجرد ہونا۔

اِغْتَسَل: احرام باندھنے کے لیے غسل کرنا مشروع ہے۔ یہ غسل مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے سنت مؤکدہ ہے حتیٰ کہ حیض ونفاس والیاں بھی یہ غسل کریں گی اور پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کیا جائے گا کہ اہل علم کے ہاں یہی مشہور ہے۔ کیونکہ یہ طہارت مشروع ہے۔ لہٰذا غسل جنابت کی طرح پانی نہ ہونے کی صورت میں یہاں بھی تیمم کیا جائے گا۔ البتہ پانی نہ ہونے کی صورت میں شیخ الاسلام ؒ تیمّم کرنے کے قائل نہیں کیونکہ بہرحال یہ غسل غسل جنابت نہیں۔ بلکہ یہ غسل مناسک حج کی ادائیگی کے لیے مستعد و تیار ہونے کے لیے ہے۔ تب پھر اگر آدمی پانی نہ ہونے کی صورت میں احتیاطاً تیمم کرے تو کوئی حرج نہ ہوگا۔

احرام کے محظورات

716- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ؟ قَالَ: ((لَا يَلْبَسُ الْقَمِيْصَ ، وَلَا الْعَمَائِمَ ، وَلَا السَّرَاوِيْلَاتِ ، وَلَا الْبَرَانِسَ ، وَلَا الْخِفَافَ ، إِلَّا أَحَدٌ لَا يَجِدُ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ ، وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ ، وَلَا تَلْبَسُوْا شَيْئًا مِنَ الثِّيَابِ مَسَّهُ الزَّعْفَرَانُ وَلَا الْوَرْسُ)) .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ محرم کون سے کپڑے پہن سکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”محرم قمیص، عمامے، شلواریں، برنس اور موزے نہ پہنے مگر یہ کہ کسی کو جوتے نہ ملیں تو وہ موزوں کو پہن لے اور وہ ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ لے اور تم (احرام والے) لوگ ایسا کپڑا نہ پہنو جس کو زعفران یا ورس (بوٹی کی خوشبو) لگی ہو۔“ ❷

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ .

یہ حدیث ”متفق علیہ“ ہے اور الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔

غریب الحدیث:...... سُئِلَ: آپ ﷺ سے یہ سوال مدینہ نبویہ میں ہی حج پر روانہ ہونے سے قبل کیا گیا تھا۔ کیونکہ

---

❶ جامع الترمذی: 830۔ امام ترمذی ؒ نے اس حدیث کو حسن اور غریب کہا ہے۔ جبکہ امام ابن خزیمہ ؒ (2595) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ابن قطان کہتے ہیں کہ امام ترمذی ؒ نے اس حدیث کو اس لیے حسن کہا ہے کیونکہ عبدالرحمٰن بن ابی زناد میں محدثین کا اختلاف ہے اور شاید یہ عبداللہ بن یعقوب مدنی ہے۔ (دیکھیں: تحفة المحتاج: 2/147)

❷ صحیح البخاری: 1542۔ صحیح مسلم: 1177.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ ہفتہ کے روز روانہ ہوئے تھے جبکہ یہ جمعہ کے دن کے خطبہ کی بات ہے۔ جس میں آپ ﷺ نے لوگوں میں حج کرنے کا طریقہ بیان فرمایا تھا۔

مَا يَلْبَسُ: مذکورہ مَا استفہامیہ ہے۔ جبکہ مِنَ الثِّيَابِ اس مَا کا بیان ہے۔

لَا يَلْبَسُ: بظاہر جواب کا یہ اسلوب سوال کے اسلوب کے خلاف ہے کیونکہ سوال ان چیزوں کے بارے میں ہے جن کو حالت احرام میں پہنا جا سکے۔ جبکہ جواب میں ان چیزوں کا ذکر ہے جن کو احرام میں نہیں پہنا جا سکتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چہ لفظوں میں یہ جواب سوال کے مخالف اسلوب پر مبنی ہے لیکن معنی کے اعتبار سے سوال کے موافق ومطابق ہے۔ کیونکہ مَا لَا يُلْبَسُ کا حصر دراصل مَا يُلْبَسُ کا ہی بیان ہے۔ پس جن چیزوں کے پہننے کی اجازت ہے وہ زیادہ ہیں جبکہ منع محدود ے چند چیزیں ہیں۔ تب پھر ان پانچ ممنوعہ چیزوں کا بیان اختصار کے ساتھ سوال کے مطابق ہی ہے اور مطابقت یہ ہے کہ جسے مَا لَا يُلْبَسُ کا علم ہو جائے گا تو اسے مَا يُلْبَسُ کا علم بھی ضرور ہی ہو جائے گا کہ مَا يُلْبَسُ یہ ان پانچ کے علاوہ ہر چیز ہے۔

اَلْقَمِيصُ: کُرتا۔ ایک معروف لباس ہے۔

اَلْعَمَائِم: یہ عمامہ کی جمع ہے۔ قمیص بالائی بدن پر پہنتے ہیں جبکہ عمامہ سر پر باندھا جاتا ہے۔

اَلسَّرَاوِيْلَاتِ: یہ سِرْوَال کی جمع ہے۔ شلوار، پائجامہ۔ ایک معروف لباس جو زیریں بدن پر باندھا جاتا ہے۔ لباس کی یہ تینوں قسمیں بدن کے بعض اجزاء پر پہنی جاتی ہیں۔

اَلْبَرَانِس: بُرْنُسٌ کی جمع ہے۔ وہ لباس جس کے ساتھ سر ڈھانپنے والا حصہ بھی جڑا ہوتا ہے۔ یہ پورے بدن پر پہنا جانے والا لباس ہے۔

اَلْخِفَافُ: یہ خُفٌّ کی جمع ہے۔ یہ موزہ کو کہتے ہیں۔ یہ پیروں پر پہنا جانے والا لباس ہے۔ البتہ جوتے نہ ہونے کی صورت میں موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کر پہن سکتے ہیں۔ غرض حالتِ احرام میں یہ پانچوں قسم کے لباس منع ہیں۔ ان کے علاوہ لباس پہننا جائز ہے اور ان پانچوں قسم کے لباس کے مشابہ لباسوں کا بھی یہی حکم ہے۔ لہٰذا قمیص اور شلوار، اسی طرح عمامہ سے ملتی جلتی چیزیں پہننا بھی منع ہوں گی۔

اِلَّا اَحَدٌ: مراد مردوں میں سے ایک ہے۔

لَا يَجِدُ النَّعْلَيْنِ: چاہے جوتے نہ ملیں یا جوتوں کی رقم پاس نہ ہو، کہ دونوں صورتیں عدم وجدان کو شامل ہیں۔

فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَ لْيَقْطَعْهُمَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ: جب آدمی کو جوتے نہ ملیں تو وہ موزے لے کر ہی پہن سکتا ہے۔ البتہ اس صورت میں وہ ان دونوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دے گا تا کہ وہ کامل موزے باقی نہ رہیں۔

وَ لَا تَلْبَسُوْا شَيْئًا مِنَ الثِّيَابِ مَسَّهُ الزَّعْفَرَانُ وَ لَا الْوَرْسُ: زعفران ایک خوشبودار مشہور پودا جس کے ریشے باریک اور زرد یا سرخ ہوتے ہیں۔ اس لیے عموماً زعفران سے بنا پانی یا رنگ سرخی مائل زرد ہوتا ہے۔ ❶

ورس ایک قسم کا پودا جو رنگائی کے کام میں لایا جاتا ہے اور ہندوستان، عرب اور ملک حبشہ میں پیدا ہوتا ہے۔ ❷

تب پھر حالتِ احرام میں ان دونوں چیزوں کا استعمال ان کے رنگ اور ان کی خوشبو دونوں کی وجہ سے منع ہوگا۔ لہٰذا زعفران

❶ القاموس الوحید، ص: 706. (نسیم) ❷ القاموس الوحید، ص: 1837. (نسیم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ورس کی خوشبو اور رنگ لگے کپڑے منع ہوں گے چاہے ان کو لگا کر احرام باندھا جائے یا احرام باندھنے کے بعد ان کو لگایا جائے۔ پس مشہور مذہب یہی ہے کہ خوشبو والے کپڑوں میں احرام باندھنا مکروہ ہے۔ جبکہ بعض علماء نے اس کو حرام بھی کہا ہے۔ ❶

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں لباس کی ان اقسام کا حصر بیان کیا گیا ہے جن کو حالتِ احرام میں پہننا منع ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان ممنوعہ پانچ قسم کے لباسوں اور ان کے مشابہ لباسوں کے علاوہ دیگر لباس حالتِ احرام میں پہننا جائز ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حصولِ علم کی حرص۔
- نبی کریم ﷺ کی حسنِ تعلیم جو فصاحت و بلاغت کی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی کہ آپ ﷺ نے سوال کا ایسا جواب مرحمت فرمایا جو سوال کی ضرورت کو حد درجہ کفایت کر رہا تھا۔
- نبی کریم ﷺ کو جوامع الکلم عنایت ہوئے تھے۔
- حالتِ احرام میں قمیص پہننا جائز نہیں ہے۔
- شلوار پہننا بھی منع ہے چاہے وہ چھوٹی ہو یا بڑی دونوں کا حکم ایک ہے۔ البتہ ازار یعنی تہبند نہ ہونے کی صورت میں شلوار پہننا جائز ہے۔
- ازار یعنی تہبند جس صورت میں بھی ہو حالتِ احرام میں اس کو پہننا جائز ہے۔
- احکاماتِ شرعیہ سہولت پر مبنی ہیں جس کی دلیل حالتِ احرام میں جوتے نہ ہونے پر موزے پہننے کی اجازت ہے۔
- خوشبو لگا لباس پہننا حالتِ احرام میں حرام ہے۔
- محرم کو جوتے پہننا مستحب ہے کیونکہ منع کے بعد امر اباحت کے لیے ہوتا ہے۔ لہٰذا جب جوتے نہ ہونے کی صورت میں ممنوعہ موزوں کو پہننے کا امر اباحت کے لیے ہو گا تو خود جوتے پہننا مستحب ہو گا البتہ ننگے پاؤں احرام باندھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔
- جوتے نہ ہونے پر موزے پہننے پر، یا اسی طرح ازار نہ ہونے پر شلوار پہننے پر فدیہ کے واجب ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے ان صورتوں میں فدیہ واجب کیا ہے۔ لیکن یہ قول بلا دلیل ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ان صورتوں میں فدیہ واجب نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے عند الضرورت ان محظورات کو فدیہ کے ذکر کے بغیر مباح کیا ہے۔
- سلا لباس پہننے میں بھی فدیہ نہیں کیونکہ ہمیں اس بارے فدیہ کے وجوب سے متعلقہ کوئی سنت نہیں ملی اور اصل ذمہ کی براءت ہے۔ رہا جمہور علماء کا حلقِ راس کے فدیہ پر قیاس کر کے فدیہ کا قول کرنا تو وہ قیاس مع الفارق ہے۔

احرام باندھتے وقت خوشبو کے استعمال کا جواز

717۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ: ((كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُولَ اللهِ ﷺ لِإِحْرَامِهِ قَبْلَ أَنْ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے احرام باندھنے سے قبل آپ ﷺ

❶ دیکھیں: شرح العمدة: 413/2- المحرر في الفقه: 239/1- المجموع: 248/7.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

يُحْرِمَ، وَلِحِلِّهِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ بِالْبَيْتِ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

کے احرام کے لیے آپ ﷺ کو خوشبو لگاتی تھی اور آپ ﷺ کے طواف بیت اللہ سے قبل آپ ﷺ کے حلال ہونے کے لیے بھی آپ ﷺ کو خوشبو لگاتی تھی۔ ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

شرح :...... امام موصوف رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کو گزشتہ مذکورہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بعد لے کر آئے ہیں کیونکہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ حالت احرام میں خوشبو لگانے کی حرمت کو جبکہ مذکورہ حدیث احرام کے وقت اس کے جواز اور اس کی حلت کو بیان کرتی ہے اور احرام سے قبل خوشبو لگانے میں احرام باندھنے کے بعد تک اس کے باقی رہنے کی طرف بھی اشارہ ہے۔ جبکہ ایک روایت میں اس بات کا ذکر صراحۃً آتا ہے۔ چنانچہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: گویا کہ میں نبی کریم ﷺ کی مانگ میں مشک کی سفیدی کو چمکتے ہوئے دیکھ رہی تھی حالانکہ آپ ﷺ اس وقت احرام کے ساتھ تھے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں احرام باندھتے وقت خوشبو لگانے کا جواز مذکور ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- صحیح یہ ہے کہ محرم کے لیے خوشبو کا لگا ہوا رہنا حرام نہیں اور علماء کے ہاں یہ قاعدہ مسلّم ہے کہ ''استدامت (یعنی کسی بات کا جاری و ساری رہنا) یہ ابتداء سے زیادہ قوی ہے۔'' ❷ لہٰذا حالت احرام میں محرم کے لیے خوشبو کی استدامت تو جائز ہو گی۔ البتہ حالت احرام میں اس کی ابتدا جائز نہ ہو گی۔
- آدمی اپنی نجی ضروریات میں بیوی سے خدمت لے سکتا ہے جس کی دلیل سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نبی کریم ﷺ کو خوشبو لگانا ہے۔
- معلوم ہوا کہ حاجی بیت اللہ کے طواف سے قبل حلال ہو جاتا ہے۔ اس کی دلیل وَلِحِلِّهِ قَبْلَ اَنْ يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ کے الفاظ ہیں۔ البتہ اسے تحلل اول یا اصغر کہتے ہیں جبکہ تحلل اکبر وہ جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد ہوتا ہے۔
- معلوم ہوا کہ احرام کھولنے پر خوشبو لگانا سنت ہے۔

محرم کے لیے نکاح کرنا اور نکاح کا پیغام بھیجنا دونوں منع ہیں

718۔ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ، وَلَا يُنْكِحُ، وَلَا يَخْطُبُ)).

رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''محرم (حالت احرام میں) نہ تو خود نکاح کرے اور نہ (کسی دوسرے کا) نکاح کرائے اور نہ پیغام نکاح ہی بھیجے۔'' ❸

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... **لَا يُنْكِحُ**: مذکورہ لَا نافیہ ہے لیکن معنی کے اعتبار سے ناہیہ ہے۔

---

❶ صحيح البخاري: 1539۔ صحيح مسلم: 1189.

❷ المهذب للشيرازي: 23/2۔ كشاف القناع: 359/3۔ الكافي في فقه الحنبل: 571/2.

❸ صحيح مسلم: 1409.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلْمُحْرِمُ: مراد مرد اور عورت دونوں ہیں۔
وَ لَا يُنْكِحُ: مراد کسی دوسرے کا نکاح پڑھ دینا ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ محرم حالتِ احرام میں نکاح کا ولی نہ بنے گا۔ محرم کے حق میں یہ دونوں باتیں کہ اپنا نکاح کرنا یا کسی دوسرے کے نکاح کا ولی بننا، حرام ہیں۔
وَ لَا يَخْطُبُ: یہ خِطْبَة سے مشتق ہے جس کا معنی ہے پیغام نکاح بھیجنا۔ محرم کے لیے یہ بھی حرام ہے۔ کیونکہ خِطبہ یہ نکاح کا ذریعہ ہے اور نکاح یہ جماع تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ جبکہ حالتِ احرام میں جماع اشد ترین حرام ہے۔ جس کا گناہ اور اثر سب سے زیادہ ہے۔ تو حرام تک پہنچنے کے جملہ وسائل بھی حرام ٹھہرے۔

حالتِ احرام میں خطبہ یا نکاح یا اِنکاح کا ارتکاب کر لینے پر فدیہ واجب ہونے کا حکم

اہل علم کے ہاں مذہب میں مشہور قول ان امورِ ثلاثہ میں سے کسی ایک کا ارتکاب کر لینے پر فدیہ کے واجب نہ ہونے کا ہے۔ [1] کیونکہ ان امور کی نہی وارد ہونے کے باوجود ان میں فدیہ کے واجب ہونے کا قول وارد نہیں۔ دوسرے اصل ذمہ کی براءت ہے بلاشبہ یہ دونوں تعلیلات بالکل واضح ہیں۔

حالتِ احرام میں شکار مارنا بھی منع ہے

اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ (المائدۃ: 95)
''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! شکار کو مت قتل کرو، اس حال میں کہ تم احرام والے ہو۔''

البتہ اس مقام پر یہ جان لینا ضروری ہے کہ وہ حرام ''صید'' (یعنی شکار) کیا ہے جس کو حالتِ احرام میں مارنا ناجائز ہے۔ تو یہ ہر وہ حلال بری جانور ہے جو اپنی اصل میں وحشی یعنی جنگلی ہو۔ اب حلال کہنے سے حرام جانور اس ممانعت سے نکل گیا کہ حرام جانور دراصل صید ہوتا ہی نہیں لہٰذا وہ احرام کے محظورات میں داخل نہ ہوگا۔ پھر بری کہنے سے دریائی جانور نکل گیا۔ پس محرم کے لیے سمندری شکار حلال ہے۔ اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
﴿اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِلسَّيَّارَةِ وَ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا﴾ (المائدۃ: 96)
''تمھارے لیے سمندر کا شکار حلال کر دیا گیا اور اس کا کھانا بھی، اس حال میں کہ تمھارے لیے سامان زندگی ہے اور قافلے کے لیے اور تم پر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے، جب تک تم احرام والے رہو۔''

پس محرم کے لیے سمندری شکار حلال ہوگا۔ پھر متوحش یعنی جنگلی کی قید لگانے سے غیر متوحش یعنی گھریلو جانور نکل گیا جیسے پالتو مرغی، بکری، اونٹ، بیل وغیرہ تب پھر محرم کے لیے ان کا کھانا حلال ہوگا۔ کیونکہ یہ سب جانور پالتو اور گھریلو ہیں نہ کہ جنگلی اور وحشی۔ پھر ''اصل'' کی قید سے وہ جانور نکل گئے جو عارضی طور پر بدک کر وحشی ہو گئے ہوں جیسے اونٹنی کا بدک کر بھاگ جانا اور وحشی ہو جانا کہ یہ عارضی ہے نہ کہ ''اصل''۔ لہٰذا عارضی وحشی جانور کو مارنا بھی محرم کے لیے حلال ہوگا۔ اس تفصیل کے بعد اب ذیل میں حالتِ احرام میں شکار مارنے کی ممانعت پر مشتمل حدیث ملاحظہ فرمائیے:

[1] دیکھیں: الفروع لابن مفلح: 285/3.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

719۔ وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ ؓ۔ فِي قِصَّةِ صَيْدِهِ الْحِمَارَ الْوَحْشِيَّ، وَهُوَ غَيْرُ مُحْرِمٍ۔ قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِأَصْحَابِهِ۔ وَكَانُوا مُحْرِمِينَ۔ ((هَلْ مِنْكُمْ أَحَدٌ أَمَرَهُ، أَوْ أَشَارَ إِلَيْهِ بِشَيْءٍ؟)) قَالُوا: لَا، قَالَ: ((فَكُلُوا مَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِهِ))۔

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوقتادہ انصاری ؓ سے غیر محرم ہونے کی حالت میں وحشی گدھے کو اپنے شکار کرنے کے قصہ کی بابت روایت ہے ' فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوقتادہ ؓ کے (دوسرے) ساتھیوں سے دریافت فرمایا جو محرم تھے کہ ''کیا تم میں سے کسی نے ان کو (اس گدھے کو شکار کرنے کو) کہا تھا یا کسی چیز کے ذریعہ (ان کو) شکار کی طرف اشارہ کیا تھا؟'' انہوں نے عرض کیا کہ نہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تب پھر تم لوگ اس شکار کے بچے گوشت کو کھالو۔'' ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:...... اَلْوَحْشِیَّ: اس سے حمار اہلی یعنی گھریلو اور پالتو گدھے سے احتراز ہو گیا۔

پالتو گدھے کا حکم

ابتدائے اسلام میں پالتو گدھا حلال تھا چنانچہ اس پر سواری کے دوران ضرورت پڑنے پر مسافر اس کو ذبح کر کے کھا بھی لیتا تھا۔ لیکن پھر سنہ 6 ہجری میں فتح خیبر کے موقع پر اس کو ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا گیا۔

جنگلی گدھا شکار ہے

مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جنگلی گدھا شکار کے حکم میں داخل ہے لہٰذا محرم کو اس کا شکار حرام ہو گا۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جنگلی گدھا حلال ہے۔ جیسا کہ ''صید'' کی تعریف میں بیان ہوا کہ اس کا حلال ہونا شرط ہے۔

قصۂ حدیث :...... یہ حدیبیہ کے سال کا قصہ ہے، جناب ابوقتادہ ؓ مدینہ نبویہ سے بنا احرام کے نکلے تھے کیونکہ ان کا ارادہ عمرہ کرنے کا نہیں تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو ایک جماعت کے ساتھ سمندر کی طرف بھیجا تھا۔ اسی دوران انہوں نے یہ جنگلی گدھا شکار کیا تھا۔ اسی کی بابت نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوقتادہ ؓ کے ساتھیوں سے جو محرم تھے، دو باتیں دریافت فرمائی تھیں:

(1) کیا تم میں سے کسی نے ان کو جنگلی گدھا شکار کر لینے کو تو نہیں کہا تھا؟

(2) یا تم میں سے کسی ایک نے ان کو اس جنگلی گدھے کی طرف ہاتھ یا آنکھ وغیرہ کے ذریعے سے اشارہ تو نہیں کیا تھا؟

جب دونوں باتوں کا جواب نفی میں ملا تو آپ ﷺ نے حضرت ابوقتادہ ؓ کے ساتھیوں کو بھی اس گدھے کا گوشت کھانے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ کیونکہ اس گدھے کو شکار کرنے والا غیر محرم تھا اور دوسرے محرم ساتھیوں نے اس کے شکار میں کسی بھی طرح حصہ نہ لیا تھا۔ یہیں سے حضرات صحابہ کرام ؓ کے بے پناہ زہد وورع اور تقویٰ و پرہیزگاری کا بھی اندازہ ہو گیا کہ حضرت ابوقتادہ ؓ کے ساتھی اب تک محرم ہونے کی وجہ سے اس شکار کو کھانے سے رکے ہوئے تھے لیکن جب یہ بات واضح ہو گئی کہ اس شکار میں ان کے کسی قول و فعل کا اثر نہ تھا تو انہیں اس شکار کے کھانے کی اجازت مل گئی۔

❶ صحیح البخاری: 1824۔ صحیح مسلم: 1196۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

خلاصہ حدیث

اس قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شکار میں محرم کی کسی بھی اعتبار سے شرکت نہ ہو، اس کے لیے اس شکار سے کھانا جائز ہوتا ہے۔ البتہ یہاں ایک اشکال ہے، اس کے لیے پہلے ذیل کی حدیث ملاحظہ ہو:

720- وَعَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ اللَّيْثِيِّ ﷛، أَنَّهُ أَهْدَى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حِمَارًا وَحْشِيًّا، وَهُوَ بِالْأَبْوَاءِ، أَوْ بِوَدَّانَ، فَرَدَّهُ عَلَيْهِ، وَقَالَ: ((إِنَّا لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكَ إِلَّا أَنَّا حُرُمٌ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت صعب بن جثامہ لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں (شکار کیا ہوا) ایک وحشی گدھا ہدیہ میں پیش کیا۔ جبکہ آپ ﷺ اس وقت مقامِ ابواء ..... یا (راوی کو شک ہے کہ) مقام ودان..... میں تھے۔ آپ ﷺ نے وہ ہدیہ انہیں واپس فرما دیا اور (واپس کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا: ''ہم نے یہ ہدیہ تمہیں (کسی اور وجہ سے) واپس نہیں کیا سوائے اس کے کہ ہم احرام سے ہیں۔'' [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

قصۂ حدیث: ..... حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ بڑے مہمان نواز اور کریم آدمی تھے۔ غضب کا دوڑتے تھے۔ حتیٰ کہ دوڑتے ہوئے شکار کو جا لیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں فروکش ہوئے۔ بھلا آپ ﷺ سے بڑھ کر معزز اور عظیم مہمان اور کون ہوسکتا تھا۔ حضرت صعب رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی مہمانی کے لیے شکار مارنے چلے گئے اور جنگلی گدھا شکار کر لائے۔ لیکن جب نبی کریم ﷺ نے وہ گدھا واپس فرما دیا تو یہ بات ان پر بے حد گراں گزری۔ ان کے چہرے پر اسی گرانی کے اثرات دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے ان کی قلبی و ذہنی تسلی اور طیبِ خاطر کے لیے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ہم لوگ تمہارا ہدیہ صرف اس لیے واپس کر رہے ہیں کیونکہ ہم لوگ احرام کے ساتھ ہیں۔

یہ سببِ شرعی سنتے ہی حضرت صعب رضی اللہ عنہ مطمئن ہو گئے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے، وہ یہ کہ یہاں تو نبی کریم ﷺ حالتِ احرام میں شکار کو کھانے سے منع فرما رہے ہیں جبکہ حدیث ابی قتادہ رضی اللہ عنہ میں آپ ﷺ نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے محرم ساتھیوں کو شکار کھانے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ بظاہر یہ تعارض ہے اب ان دونوں احادیث میں جمع کی صورت کیا ہوگی؟

علماء نے اس کا ایک جواب یہ دیا ہے کہ حدیث صعب موخر ہے جو حدیث ابی قتادہ رضی اللہ عنہ کی ناسخ ہے کیونکہ حدیثِ صعب رضی اللہ عنہ میں حجۃ الوداع کا قصہ مذکور ہے جبکہ حدیثِ ابی قتادہ غزوۂ حدیبیہ سے متعلق ہے اور ان دونوں قصوں کے درمیان چار سال کا عرصہ ہے اور علماء کے ہاں یہ قاعدہ مسلّم ہے کہ جب کسی تعارض میں جمع کی صورت ممکن نہ ہو تو وہاں نسخ کی طرف پھرا جاتا ہے اور یہاں نسخ کا قول ممکن ہے کیونکہ یہاں نسخ کو ثابت کیا جا سکتا ہے اور بتلایا جا سکتا ہے کہ کون سا قصہ مقدم اور کون سا موخر ہے یعنی ناسخ اور منسوخ دونوں کی تاریخ متعین کی جا سکتی ہے۔ تب پھر مسئلہ یہ طے ہوا کہ محرم پر حالتِ احرام میں

[1] صحيح البخاري: 1824- صحيح مسلم: 1196.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شکار کا گوشت ہدیہ میں پیش ہو تو اس پر اس کا کھانا مطلق حرام ہے اور اس قول کی تائید اس ارشاد باری تعالیٰ سے بھی ہوتی ہے:

﴿ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ﴾ (المائدۃ: 96)

''اور تم پر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے، جب تک تم احرام والے رہو۔''

یہاں ''صید'' صَادَ یَصِیْدُ سے مصدر ہے اور یہ اسم مفعول مَصِیْدٌ کے معنی میں ہے کیونکہ زمین کو شکار نہیں کیا جاتا۔ یعنی خشکی کا شکار کیا ہوا جانور محرم پر حرام ہے۔ مذکورہ آیت کے ظاہر سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ محرم پر شکار حرام ہے چاہے اس نے خود کیا ہو اور چاہے کسی دوسرے نے کیا ہو۔ پس ہم احادیث کے اس مذکورہ تعارض کے وقت حدیث صعب رضی اللہ عنہ کو لیں گے کیونکہ ایک تو یہ ناسخ ہے، دوسرے مذکورہ آیت کریمہ کا ظاہر بھی حدیث صعب رضی اللہ عنہ کو قوی کرتا ہے۔ یہ ایک قول کی تفصیل ہوئی۔

لیکن ایک دوسرا قول یہ بھی ہے کہ یہاں نسخ کا قول کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ دونوں احادیث میں جمع ممکن ہے۔ وہ یوں کہ ایک حدیث میں ارشاد ہے: ''خشکی کا شکار تم (احرام والے) لوگوں کے لیے حلال ہے جب تک کہ اسے تم نے خود نہ مارا ہو یا وہ تمہارے لیے مارا نہ گیا ہو۔'' ❶ اب ان دونوں احادیث میں جمع کی صورت یوں ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے شکار خود اپنے لیے کیا تھا اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کیے شکار کے کھانے کی محرمین کو اجازت عنایت فرما دی تھی جبکہ حضرت صعب رضی اللہ عنہ نے شکار خود جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر نازلین (مہمانانِ گرامی) کے لیے کیا تھا۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شکار سے کھانے سے اپنا اور سب کی طرف سے عذر بیان فرما دیا تھا۔

بلاشبہ جمع کی یہ صورت بے حد عمدہ ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی محولہ بالا روایت اس توجیہ کی مؤید ہے اور جب دو متعارض احادیث میں جمع کا قول ممکن ہو تو نسخ کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا۔

مضمون حدیث :...... بظاہر اس حدیث میں محرم کے لیے شکار کے گوشت کی مطلق ممانعت مذکور ہے لیکن اس میں تفصیل ہے جس کو اوپر ذکر کر دیا گیا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- دونوں احادیث کے مضمون سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگر کوئی شکار محرم کے لیے نہ کیا گیا ہو اور نہ وہ اس کے شکار میں کسی بھی طرح اثر انداز ہو تو اس کے لیے اس شکار سے کھانا حلال ہوتا ہے۔
- معلوم ہوا کہ میقات کو احرام کے بغیر عبور کرنا اس شخص کے لیے جائز ہے جس کا حج یا عمرہ میں سے کسی بات کا بھی ارادہ نہ ہو۔ اس کی دلیل حدیث ابی قتادہ ہے۔
- حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت و عقیدت تھی۔ اس کی دلیل حدیث صعب رضی اللہ عنہ ہے۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ کہ اگر کسی کا ہدیہ رد فرمایا ہے تو اس کا عذر بھی بیان فرمایا ہے۔
- معلوم ہوا کہ کسی کی دلجوئی اور خاطر داری کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے بے پروائی جائز نہیں، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم شرعی کی خاطر حضرت صعب رضی اللہ عنہ سے صاف عذر فرما دیا تھا۔

---

❶ سنن ابی داود: 1851۔ السنن الکبریٰ للنسائی: 3810۔ امام نسائی فرماتے ہیں: عمرو بن ابی عمرو حدیث میں قوی نہیں۔ مسند احمد: 362/3 عن جابر۔ دیکھیں: التحقیق: 44/2

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محرم کو کن کن جانوروں کو حالتِ احرام میں بھی ماردینا جائز ہوتا ہے

721- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((خَمْسٌ مِنَ الدَّوَابِّ كُلُّهُنَّ فَوَاسِقُ، يُقْتَلْنَ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ: اَلْعَقْرَبُ وَالْحِدَأَةُ وَالْغُرَابُ وَالْفَأْرَةُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جانوروں میں سے پانچ ایسے ہیں جو پانچوں کے پانچوں (فطری اور خلقی طور پر ظلم اور جرم کے عادی مجرم اور) بدکردار ہیں ان کو حل اور حرم دونوں میں ماردیا جائے (وہ پانچ جانور یہ ہیں) بچھو، چیل، کوا، چوہا اور کٹ کھنا کتا۔'' ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث :...... فَوَاسِق: یہ فاسقة کی جمع ہے۔ فاسق بدکردار اور نافرمان کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ یہ پانچوں قسم کے جانور اپنی فطرت کے ہاتھوں جرم، ظلم، ایذاء اور زیادتی کرنے پر مجبور ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ پانچوں قسم کے جانور موذی ہیں۔

يُقْتَلْنَ فِي الْحِلِّ وَ الْحَرَمِ: یہ لفظوں میں خبر لیکن معنی کے اعتبار سے امر ہے۔ یعنی ان موذی جانوروں کو حل اور حرم دونوں میں ماردینا مشروع ہے۔

اَلْعَقْرَبُ: بچھو۔ یہ ایک معروف جانور ہے اس کا ڈنک بے حد زہریلا اور اذیت ناک ہوتا ہے۔ اسی حکم میں کن کھجورا بھی داخل ہے۔ کیونکہ اس میں زہر ہوتا ہے۔ اسی طرح سانپ بھی ایک زہریلا جانور بلکہ ہلاکت آفریں جانور ہے۔ غرض ہر وہ جانور جو زہر رکھتا ہے اور اس کا زہر شدید اذیت کا یا موت تک کا باعث بن جاتا ہے، وہ اس حکم میں داخل ہے۔

اَلْحِدَأَةُ: چیل، ایک معروف پرندہ جو گوشت کو اور گلے وغیرہ میں پڑے زیور کو اچک لے جاتا ہے۔ یہ پرندہ سرخ رنگ پر بے حد دیوانہ ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ پرندہ موذی اور مردار خور ہونے کے ساتھ ساتھ ایک لٹیرا اور اچکا پرندہ بھی ہے۔

اَلْغُرَابُ: کوا۔ کوا دو قسم کا ہوتا ہے، کھیتی والا کوا، یہ سیاہ رنگ کا اور کبوتر جیسا ہوتا ہے۔ یہ کوا موذی نہیں ہوتا بلکہ دوسرے عام پرندوں کی طرح بے ضرر ہوتا ہے۔ جبکہ دوسری قسم کا کوا خبیث الفطرت ہوتا ہے، یہ درختوں کی ٹہنیاں توڑ ڈالتا ہے، اونٹوں کی دموں پر کاٹ لیتا ہے، بچوں کے ہاتھوں سے چیزیں اچک لیتا ہے اور بس چلے تو ایذا بھی دے دیتا ہے۔ یہ کوا چونکہ پھلوں اور میوؤں کو نقصان پہنچانے میں معروف ہے اس لیے اس کو حل اور حرم دونوں میں قتل کر دیا جائے گا۔

اَلْفَأْرَةُ: چوہا۔ کتابیں اور کپڑے کترنے اور ان پر مینگنیاں کر کے ان کو غلیظ کرنے اور ان کو نقصان پہنچانے میں معروف ہے۔ بسا اوقات سونا چاندی بھی لے اڑتا ہے۔ دیواروں میں سوراخ کرنے، جڑیں کھدیڑنے اور لکڑی سے بنی چیزوں کو کتر کتر کر ضائع کرنے میں معروف ہے۔ تب پھر یہ جانور بھی موذی ٹھہرا۔ انہی متعدد قسم کی ایذاؤں کی بنا پر اس کے بھی قتل کر دینے کا حکم ہے۔

اَلْكَلْبُ الْعَقُوْرُ: کٹ کھنا کتا۔ چاہے کالا ہو یا کسی بھی اور رنگ کا۔ غرض کٹ کھنے کتے کے قتل کا حکم مطلق ہے۔ جبکہ کالے کتے کو مارنے کا حکم تب ہے جب وہ ہڑکایا ہوا یعنی کٹ کھنا ہو جائے۔ پھر ایسا باؤلا کتا چاہے آدمیوں کو کاٹے یا جانوروں کو دونوں کا حکم ایک ہے، کیونکہ دونوں صورتوں میں اس سے ایذا رسانی متحقق ہو جائے گی جو حل اور حرم دونوں میں اس کے قتل کر

❶ صحيح البخاري: 1829- صحيح مسلم: 1198.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دینے کے امر کی علت ہے۔

یاد رہے کہ ان پانچوں جانوروں کا ذکر بطورِ مثال کے ہے لہٰذا جو کوئی دوسرا جانور بھی ایذا رسانی کی علت کا حامل اور فطرت و جبلت میں ان مذکورہ منصوص پرندوں اور جانوروں کے جیسا ہوگا، اس کا بھی یہی حکم ہوگا کہ محرم اور غیر محرم دونوں کے لیے حل اور حرم دونوں میں ان کے مار دینے کا حکم ہے۔

مضمون حدیث:...... حضرت صعب رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کے بعد امام موصوف رحمہ اللہ نے یہ حدیث دراصل یہ بیان کرنے کے لیے ذکر کی ہے کہ غیر ماکول اللحم یعنی حرام جانوروں کا تعلق ''صید'' کے اطلاق سے نہیں اور نہ ان پر ''صید'' کے حکم کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی لیے محرم کے لیے ان کا قتل ''صید'' کے حکم میں داخل نہیں۔

قتل کیے جانے اور قتل نہ کیے جانے کے اعتبار سے جانوروں کی اقسام

علماء نے جانوروں کو اس اعتبار سے تین قسموں میں تقسیم کیا ہے:

(1) ایک قسم کے جانور وہ ہیں جن کے قتل کا امر ہے۔

(2) دوسری قسم کے جانور وہ ہیں جن کے قتل کی ممانعت ہے۔

(3) تیسری قسم کے جانور وہ ہیں جن کے قتل یا عدمِ قتل کی بابت شارع علیہ السلام کی طرف سے سکوت ہے۔

چنانچہ جن جانوروں کے قتل کر دینے کا حکم اور امر ہے، ان میں اصل تو یہ پانچ منصوص جانور ہیں جن کے قتل کی وجہ ان کی ایذا رسانی ہے۔ لہٰذا جو دوسرے جانور بھی ایذا پہنچانے میں ان جیسے ہوں گے ان کا حکم بھی یہی ہوگا۔ جیسے چھپکلی، مکڑی وغیرہ۔

دوسری قسم کے جانور وہ ہیں جن کے قتل کر دینے کی ممانعت ہے۔ یہ چار ہیں: (1) چیونٹی، (2) شہد کی مکھی، (3) ہدہد اور (4) لٹورا۔ ❶ لٹورا ایک مشہور پرندہ ہے، شکاری لوگ اس پرندے کو خوب پہچانتے ہیں، ❷ یہ چڑیا سے کچھ بڑا اور بھورے رنگ کا ہوتا ہے۔ غرض شارع علیہ السلام نے ہمیں ان چار چیزوں کو مارنے سے منع فرمایا ہے۔ اس نص کی وجہ سے ان کو حل اور حرم دونوں میں نہ مارا جائے گا۔

تیسری قسم کے جانور وہ ہیں جن کی بابت شارع علیہ السلام کی طرف سے سکوت ہے۔ ان کی بابت ضابطہ یہ ہے کہ اگر تو یہ حلال ہیں تو ان کا مارنا جائز ہوگا کیونکہ ان کا کھانا ان کو ذبح کیے یا شکار کیے بغیر ممکن نہ ہوگا۔ تب پھر ان کے حلال ہونے سے ان کے مارنے کا جواز مستفاد ہوگا اور اگر وہ غیر حلال ہیں تو ان کے قتل کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ان کا قتل مکروہ ہے کیونکہ یہ بھی اللہ کی ایک مخلوق ہیں جو رب تعالیٰ صفتِ خلق کا ایک نمونہ اور اس کی ایک نشانی ہیں۔ بھلا ہمارا اس سے کیا لینا دینا۔ لہٰذا اگر تو وہ موذی نہیں تو اس کے مارنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔

جبکہ بعض علماء نے ان کے قتل کو غیر مکروہ کہا ہے کیونکہ یہ جانور مسکوت عنہ کی قبیل سے ہیں اور جو چیز مسکوت عنہ کے زمرہ میں داخل ہوتی ہے، وہ معاف ہوتی ہے۔ لہٰذا مسکوت عنہ کا کوئی حکم نہ ہوگا اور نہ ان کے قتل کا کوئی گناہ ہی ہوگا۔ پس نہ تو ہم ان کے قتل کا

---

❶ دیکھیں مسند احمد: 332/1۔ سنن ابی داود: 5267 من طریق احمد، سنن ابن ماجه: 3224۔ امام بیہقی فرماتے ہیں: اس باب میں وارد یہ قوی ترین روایت ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (284/7) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

❷ اس پرندے کی تصویر کے لیے دیکھیں المعجم العربی فی اللغة، ص: 426۔ نسیم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امر کریں گے اور نہ قتل سے منع ہی کریں گے اور یہی اصل ہے۔ البتہ ایسے جانوروں سے اگر اپنی جان کا اندیشہ ہو تو ان کا قتل جائز ہوگا۔

محرم کے لیے پچھنے لگوانے کا حکم

722۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ)). مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حالت احرام میں (بھی) پچھنے لگوائے ہیں۔ ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

شرح: ...... آپ ﷺ نے یہ پچھنے سر میں لگوائے تھے۔ ایک صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ ''آپ ﷺ نے اپنے سر میں پچھنے لگوائے تھے۔'' ❷ کاش کہ امام موصوف یہ روایت لے کر آتے کیونکہ مذکورہ روایت میں ذکر کردہ زائد بات کا فائدہ بالکل واضح ہے۔

مضمون حدیث: ...... اس حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ احرام والا پچھنے لگوا سکتا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- محرم پچھنے لگوا سکتا ہے۔
- محرم کے لیے پچھنے لگوانے کے بقدر سر کے بال منڈوانا جائز ہے۔
- پچھنے لگوانے میں کوئی فدیہ نہیں کیونکہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوانے کے بعد کوئی فدیہ نہ دیا تھا۔
- یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سر کے علاوہ بقیہ بدن میں حاجت کی بنا پر بھی پچھنے لگوانا جائز ہے گو ضرورت نہ بھی ہو البتہ سر میں صرف ضرورت کے وقت ہی جائز ہے۔
- اور رہی حدیث کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ جس میں فدیہ کا ذکر ہے تو وہ حدیث اپنے تشریحی متعلقات سمیت ذیل میں ملاحظہ کیجیے:

723۔ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: حُمِلْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَالْقَمْلُ يَتَنَاثَرُ عَلَى وَجْهِي، فَقَالَ: ((مَا كُنْتُ أُرَى الْوَجَعَ بَلَغَ بِكَ مَا أَرَى، أَتَجِدُ شَاةً؟)) قُلْتُ: لَا، قَالَ: ((فَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِيْنَ، لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ نِصْفُ صَاعٍ)).

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے اٹھا کر خدمت نبوی میں اس حال میں پیش کیا گیا کہ جوئیں میرے (سر سے نکل نکل کر میرے) منہ پر گری جا رہی تھیں۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میرا نہیں گمان تھا کہ تمہیں اس قدر تکلیف پہنچ چکی ہے جو میں اب دیکھ رہا ہوں (تمہیں تو اب یہ سارے بال منڈوانے ہی پڑیں گے۔ اچھا یہ بتلاؤ کہ) کیا تمہارے پاس (فدیہ میں دینے کو) بکری ہے؟'' میں نے عرض کیا کہ جی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تب پھر تم (یا تو) تین دن کے روزے رکھو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ (جس میں) ہر مسکین

---

❶ صحيح البخاري: 1839- صحيح مسلم: 1203.
❷ صحيح البخاري: 1840- صحيح مسلم: 1203.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

کے لیے نصف صاع (کھانا) ہو۔"❶

یہ حدیث "متفق علیہ" ہے۔

غریب الحدیث: مَا كُنْتُ أُرٰى: أُرٰى جب یہ فعل مجہول آتا ہے تو اَظُنُّ کے معنی میں ہوتا ہے اور جب یہ فعل معروف ہو تو علم اور یقین کے معنی میں ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں یہ فعل مجہول ہونے کی وجہ سے ظن کے معنی میں ہے۔

اتجد شاةً؟ یہ سوال وجوب اور الزام کے معنی میں نہیں بلکہ افضلیت کے معنی میں ہے۔ تیمن بہر حال یہاں بتعہ عبارت محذوف ہے، وہ یہ کہ پہلے آپ ﷺ نے انہیں اس قدر تکلیف میں دیکھ کر سر منڈوانے کا حکم دیا پھر بعد میں فدیہ ادا کرنے کی بابت یہ باتیں دریافت فرمائی تھیں۔ تب پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ جو شخص حالتِ احرام میں کسی ممنوع کے ارتکاب پر مجبور ہو جائے تو وہ اس کو کر لے اور بعد میں اس کا فدیہ دے دے۔

فعل محظور کی اقسام اور ان کے احکام

البتہ علماء نے اس مقام پر محظورات کی بنیادی طور پر تین قسمیں بیان کی ہیں جن کے احکام جدا جدا ہیں۔ ان کی مختصر سی تفصیل درج ذیل ہے:

(1) وہ محظور جس کا ارتکاب احرام والا جانتے بوجھتے، اختیار کے ساتھ اور بنا عذر کے کرے۔ اس میں گناہ بھی ہے اور فدیہ بھی لازم آتا ہے۔

(2) وہ محظور جس کا ارتکاب کوئی عذر والا کرے لیکن یا تو وہ اس کے منع ہونے کو جانتا نہ ہو یا اس کی ممانعت بھول گیا ہو یا اس سے اس محظور کا ارتکاب زبردستی کروایا گیا ہو۔ ایسے شخص کو نہ گناہ ہوگا اور نہ اس پر فدیہ ہی آئے گا۔ حتیٰ کہ اگر وہ جماع ہے تو جماع کرنے پر بھی فسادِ نسک مترتب نہ ہوگا اور نہ نسک کی قضا ہی لازم آئے گی۔

(3) تیسری قسم کا محظور وہ ہے جس کا ارتکاب آدمی جانتے بوجھتے اور اختیار کے ساتھ کرے لیکن وہ صاحب عذر ہو تو اس صورت میں فدیہ تو آئے گا البتہ گناہ نہ ہوگا۔ مذکورہ حدیث میں محظور کی اسی تیسری قسم کا بیان ہے۔

مکہ مکرمہ کی حرمت کا بیان

724- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: لَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ تَعَالَى عَلَى رَسُوْلِهِ ﷺ مَكَّةَ، قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي النَّاسِ، فَحَمِدَ اللّٰهَ، وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ ((إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْفِيْلَ، وَسَلَّطَ عَلَيْهَا رَسُوْلَهُ وَالْمُؤْمِنِيْنَ، وَإِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ كَانَ قَبْلِي، وَإِنَّمَا أُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، وَإِنَّهَا لَنْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ بَعْدِي، فَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا، وَلَا يُخْتَلَى

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے جب نبی کریم ﷺ پر مکہ مکرمہ کو فتح فرما دیا تو نبی کریم ﷺ لوگوں میں (خطبہ ارشاد فرمانے) کھڑے ہوئے۔ پس آپ ﷺ نے (پہلے) رب تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی، پھر ارشاد فرمایا: "بے شک رب تعالیٰ نے (ہی) مکہ سے ہاتھیوں کو روکا تھا اور اپنے رسول اور اہل ایمان کو بھی اسی نے مکہ پر تسلط دیا ہے۔ بے شک یہ مکہ مجھ سے پہلے کسی (پیغمبر) کے لیے حلال نہیں ہوا اور میرے لیے بھی دن کی ایک گھڑی بھر کے لیے ہی حلال کیا

❶ صحيح البخاري: 1816، صحيح مسلم: 1201.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شَوْكُهَا ، وَلَا تَحِلُّ سَاقِطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ ، وَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ فَقَالَ الْعَبَّاسُ : إِلَّا الْإِذْخِرَ ، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فَإِنَّا نَجْعَلُهُ فِيْ قُبُوْرِنَا وَبُيُوْتِنَا ، فَقَالَ: ((إِلَّا الْإِذْخِرَ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

گیا اور (اب) میرے بعد یہ کسی کے لیے بھی ہرگز حلال نہ ہوگا۔ پس نہ تو اس کے شکار کو بھگایا (اور بدکایا) جائے اور نہ اس کے کانٹوں کو توڑا جائے اور اس کی گری پڑی چیز کسی کے لیے (اٹھانا) جائز نہیں سوائے اس کے جو اس کا اعلان کرے اور جس کا کوئی مارا جائے تو اسے دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے۔'' اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مگر اذخر بوٹی اے اللہ کے رسول! (کہ اسے اس ممانعت کے حکم سے مستثنیٰ فرما دیجیے) کیونکہ ہم اس کو اپنے مرنے والوں کی قبروں پر اور اپنے گھروں (کی چھتوں) پر ڈالتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مگر اذخر بوٹی (کہ اسے اس حرمت کے حکم سے مستثنیٰ کیا جاتا ہے)۔''❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

فتح مکہ

شرح :......مکہ مکرمہ رمضان آٹھ ہجری میں فتح ہوا تھا۔ فتح مکہ کے اسباب معروف ہیں جن کو کتب سیرت میں مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ اگرچہ نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ کو جنگ کے بعد فتح فرمایا تھا لیکن سرزمین مکہ کو غازیانِ اسلام میں مالِ غنیمت کے طور پر تقسیم نہ کیا گیا تھا کیونکہ سرزمینِ مکہ شعائرِ اسلام اور مشاعرِ حج کی سرزمین ہے۔ اسی لیے اس کو تقسیم کرنا ممکن نہ تھا۔

غریب الحدیث :......اِنَّ اللّٰهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْفِيْلَ: حبس یہ منع یعنی روکنے کے معنی میں ہے اور فیل سے مراد وہ ہاتھی ہیں جن کو ابرہہ کعبہ کی عمارت کو معاذ اللہ ڈھانے کی غرض سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ اصحاب فیل کا قصہ مشہور ہے۔ قرآنِ کریم کی سورۂ فیل میں بھی اس کو کمال اختصار اور ایجاز کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

وَ سَلَّطَ عَلَيْهَا رَسُوْلَهُ وَ الْمُؤْمِنِيْنَ: تسلیط سے یہاں مراد ایک اختیار اور غلبہ دینا ہے۔ ان دونوں قصوں میں مناسبت یہ ہے کہ اگر اصحابِ فیل مکہ میں داخل ہو جاتے تو ان کے اور اہل مکہ میں ضرور قتال ہوتا جس سے مکہ کی حرمت پامال ہو جاتی جبکہ نبی کریم ﷺ اور اہل مکہ کے درمیان قتال ہوا تھا جو صرف آپ ﷺ کے ساتھ ہی خاص تھا لیکن اس میں بھی کعبہ کی حرمت اور مکہ کی حرمت کو پامال نہ کیا گیا تھا۔ پھر اصحابِ فیل کو رب تعالیٰ نے اس لیے تباہ و برباد کر دیا تھا کیونکہ وہ مکہ اور کعبہ کو گرانے آئے تھے جبکہ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کعبہ کی تعظیم کے لیے آئے تھے۔ یہیں سے اللہ کے اپنے رسول اور مومنوں کو مسلط کرنے اور اصحابِ فیل کو تباہ کرنے کی حکمت واضح ہو گئی۔

وَ اِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ مِنْ قَبْلِيْ: مراد آپ ﷺ سے پہلے کے انبیاء اور ان کی امتیں ہیں۔

وَ اِنَّهَا اُحِلَّتْ لِيْ سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ: اور یہ طلوع آفتاب سے نمازِ عصر تک کا وقت تھا جس میں قتال ناگزیر تھا اور اس وقت میں بھی مکہ مکرمہ آپ ﷺ کے لیے مطلق حلال نہ ہوا تھا بلکہ بقدرِ ضرورت حلال ہوا تھا۔

---

❶ صحیح البخاری: 2434۔ صحیح مسلم: 1355.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ اِنَّهَا لَنْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ بَعْدِیْ: یعنی اب کعبہ اور مکہ مکرمہ قیامت تک کے لیے ہر ایک کے لیے حرمت والا ہے۔

فَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا: تنفیر یہ بھگانے اور ہراساں کر کے بدکانے کو کہتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شکار کسی درخت کے سائے تلے سستا تا بیٹھا نظر آ جائے تو اس کو ڈرا کر بھگانا حلال نہ ہوگا اور اسے مارنا تو بدرجۂ اولیٰ حرام ہوگا۔ البتہ اگر کوئی جانور یا پرندہ حاجی وغیرہ کو دیکھ کر از خود بھاگ کھڑا ہو تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔

وَ لَا يُخْتَلٰى شَوْكُهَا: شوك یہ کانٹے کو کہتے ہیں، مراد کانٹے دار درخت یا جھاڑی ہے۔ یعنی مکہ کے کانٹے دار درخت کو بھی نہ کاٹا جائے۔ مکہ کی قدرتی گھاس بھی اسی حکم میں داخل ہے اور یہ حکم مکہ مکرمہ کی تعظیم و تکریم کی بنا پر ہے۔

وَ لَا تَحِلُّ سَاقِطَتُهَا اِلَّا لِمُنْشِدٍ: ساقطہ سے مراد لقطہ ہے اور منشد سے مراد وہ آدمی ہے جو اس کا اعلان اور اس کی تشہیر کرے۔ لہٰذا جس نے تشہیر کرنے کے ارادہ کے بغیر مکہ کا لقطہ اٹھایا تو یہ اس کے لیے حلال نہ ہوگا اور جس نے اس غرض سے اٹھایا کہ تشہیر کے بعد وہ اس کو مالک کے نہ آنے کی صورت میں اپنی ملک میں لے لے گا تو یہ بھی حرام ہوگا۔ البتہ جو اس کو رہتی زندگی تک اعلان کرتے رہنے کی نیت سے اٹھائے تو اس کو مکہ کا لقطہ اٹھانا حلال ہوگا۔

وَ مَنْ قُتِلَ لَهٗ قَتِيْلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ: گویا کہ یہ ایک اشکال کا جواب ہے کہ جب مکہ میں قتال حرام ہے تو بدلے کے قتل کا حکم کیا ہوگا۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مقتول کے ورثاء کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہوگا چاہے تو قصاص لے لیں اور چاہے تو دیت لے لیں اور یہ اختیار مقتول کے اولیاء کے اعتبار سے ہے۔ لہٰذا یہ خیارِ تشہی ہوگا نہ کہ خیارِ مصلحت۔

اِلَّا الْاِذْخِرَ: اذخر مکہ مکرمہ میں اگنے والی ایک مشہور بوٹی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے خدمتِ نبوی میں اس کے استثنا کی درخواست کی کہ حرمت کے اس حکم سے اس بوٹی کو مستثنیٰ فرما دیجیے کہ ہمیں اس کی اشد ضرورت رہتی ہے۔ چنانچہ ہم اس بوٹی کو قبریں پاٹنے اور چھتیں ڈالنے کے کام میں لاتے ہیں۔ روزمرہ کی ضرورتوں میں اس کے استعمال کی کثرت دیکھ کر آپ ﷺ نے اس بوٹی کو حرمت کے اس حکم سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔

مضمون حدیث :...... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ مکہ مکرمہ حرمت والی سرزمین ہے۔ لہٰذا اس میں قتال تو نہایت سختی سے منع ہے۔ جبکہ اس کی حرمت کی مزید تاکید اور توثیق کے لیے اور بھی متعدد امور منع ہیں جن کی تفصیل مذکور ہو چکی ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- نبی کریم ﷺ جب بھی موقع پاتے تھے تو لوگوں کو رب تعالیٰ کے احکامات سنانے کے لیے خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔
- خطبہ کو حمد و ثنا سے شروع کرنا لازم ہے البتہ صلوٰۃ علی النبی پڑھنے میں اختیار ہے، یہ خطبہ میں لازم نہیں۔
- اپنی مخلوق کے افعال کا خالق اللہ ہے، چاہے وہ انسان ہو یا چوپایہ۔ اس کی دلیل رب تعالیٰ کا ہاتھیوں کو مکہ سے روکنا ہے۔
- اللہ کے ارادہ کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔ چاہے یہ ارادہ کونی ہو یا شرعی۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے ہاتھیوں کو ارادۂ کونیہ کے تحت رد کا جبکہ اپنے رسول ﷺ اور ایمان والوں کو ارادہ شرعیہ کے تحت مکہ داخل ہونے دیا۔
- کعبہ کی عظمت۔
- مکہ میں قتال حرام ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- نسخ کا جواز کہ تحریم مکہ کو کچھ دیر کے لیے منسوخ کر دیا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ نسخ میں توقیت بھی جائز ہے۔ اس کی دلیل ساعۃ من نھار کے الفاظ ہیں اور اس توقیت نسخ میں رب تعالیٰ کی حکمت تھی۔
- احکام شرعیہ کا مدار حکمت کے عدم وجود پر ہے۔
- مکہ کا شکار حرام ہے۔ اس کی دلیل لَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا کے الفاظ ہیں کہ جب شکار کو بدکانا حرام ہے تو اس کا قتل تو بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا۔
- مکہ مکرمہ کے چھوٹے بڑے اور موذی وغیر موذی ہر قسم کے درخت کاٹنے منع ہیں اس کی دلیل وَلَا يُخْتَلٰى شَوْكُهَا کے الفاظ ہیں۔ البتہ یہ حکم قدرتی اگنے والے درختوں اور جڑی بوٹیوں کے بارے میں ہے۔ لہٰذا کاشت کی گئی کھیتی کو اور لگائے اور اگائے گئے پھل اور میووں کو کاٹنا اس حکم میں داخل نہ ہوگا۔
- مکہ مکرمہ کا لقطہ تشہیر کے بعد ملک نہیں بن جاتا کہ اس باب میں یہی قول صحیح ہے۔ لہٰذا جو یہ سمجھے کہ تشہیر کے بعد بھی اس لقطہ کا مالک نہ ملے گا اور میں اس کا مالک بن جاؤں گا تو وہ اس لقطہ کو نہ اٹھائے۔
- مقتول کے اولیاء کو جہاں قصاص لینے کا اختیار ہے وہیں دیت لینے کا بھی اختیار ہے۔ یہ حکم مکہ اور غیر مکہ دونوں کے لیے ایک ہے۔
- یہیں سے معلوم ہوا کہ حدود وقصاص میں قتل کرنا مکہ مکرمہ میں بھی جائز ہے۔
- إِلَّا الْإِذْخِرَ معلوم ہوا کہ استثنا میں مستثنیٰ منہ کے پورا ہونے سے قبل نیت کا ہونا اور مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کا متصل ہونا شرط نہیں۔ جیسا کہ مذکورہ استثنا فصل کے ساتھ اور بلا نیت ہے البتہ کلام ایک ہے۔ لہٰذا یہ استثنا صحیح ہے۔ رہے وہ علماء جو نیت اور اتصال کو استثنا میں شرط قرار دیتے ہیں ان کے پاس بھلا اس حدیث کا کیا جواب ہو سکتا ہے؟!!
- اگر چہ واقع میں مذکورہ حدیث کا باب سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ مذکورہ باب احرام اور اس کے متعلقہ احکام کی بابت ہے لیکن چونکہ احرام کی حالت میں شکار منع ہے تو شکار کے ذکر کی مناسبت سے اس حدیث کو یہاں ذکر کیا گیا ہے جو بظاہر ذکر حدیث کی ادنیٰ مناسبت ہے۔

مدینہ منورہ کی حرمت

725۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ، وَدَعَا لِأَهْلِهَا، وَإِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ، كَمَا حَرَّمَ إِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ، وَإِنِّي دَعَوْتُ فِي صَاعِهَا وَمُدِّهَا بِمِثْلَيْ مَا دَعَا بِهِ إِبْرَاهِيمُ لِأَهْلِ مَكَّةَ)).

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: (سیدنا) ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرمت والا مقرر فرمایا اور وہاں کے باشندوں کے لیے (ہر قسم کی خیر و برکت کی) دعا فرمائی اور میں مدینہ کو حرمت والا ٹھہراتا ہوں جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرمت والا ٹھہرایا تھا، اور میں مدینہ کے صاع اور مد کے لیے ویسی ہی (خیر و برکت کی) دعا مانگتا ہوں جیسی ابراہیم (علیہ السلام) نے اہل مکہ کے لیے دعا مانگی تھی۔“ [1]

[1] صحيح البخاري: 2129۔ صحيح مسلم: 1360.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

726- وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ((الْمَدِينَةُ حَرَامٌ مَا بَيْنَ عَيْرٍ إِلَى ثَوْرٍ)). رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''مدینہ کا (کوہ) عیر سے (کوہ) ثور تک کا درمیانی خطہ حرمت والا ہے۔'' [1]

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

مناسبت حدیث: ..... مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کا تعلق مدینہ نبویہ کے حرم سے ہے نہ کہ احرام سے (اور ذکر کی مناسبت حرم مدینہ کے حرم مکہ کے مشابہ ہونا ہے اور مکہ حج اور احرام سے متعلقہ جگہ کا نام ہے۔ یوں مذکورہ حدیثوں میں بیان کردہ حرمت کی مشابہت ایسی حرمت سے ہوئی جس کا تعلق احرام سے ہے۔ شاید اسی ادنیٰ مناسبت سے امام موصوف رحمہ اللہ نے ان دونوں احادیث کو احرام کے باب کے تحت ذکر فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔ [تسنیم])

غریب الحدیث: ..... اِنَّ اِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ: اور ایک صحیح حدیث میں وارد ہے کہ مکہ کو رب تعالیٰ نے حرمت والا بنایا ہے۔ [2] ان دونوں باتوں میں کوئی اصولی تعارض نہیں کیونکہ مکہ کو حرمت والا بنانے والی ذات رب تعالیٰ ہی کی ہے جبکہ جناب ابراہیم علیہ السلام اس حرمت کے حکم کو امت تک پہنچانے والے تھے۔

دَعَا لِاَهْلِهَا: اس دعا کا ذکر اس ارشاد باری تعالیٰ میں ہے:

﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ﴾ (البقرۃ: 126)

''اے میرے رب! اس (جگہ) کو ایک امن والا شہر بنا دے اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق دے۔''

وَ اِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ كَمَا حَرَّمَ اِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ: یہ اصلِ تحریم کی اصلِ تحریم کے ساتھ مشابہت کی مثال ہے۔ کیونکہ مکہ مکرمہ کی حرمت مدینہ نبویہ کی حرمت سے اشد اور زیادہ موکد ہے اور زیادہ عام اور شامل بھی ہے کیونکہ حرم مدینہ میں متعدد ایسی باتیں بھی حلال ہیں جو حرمِ مکہ میں حرام ہیں۔ لہٰذا یہاں تشبیہ اصلِ تحریم میں ہوگی نہ کہ وصفِ تحریم میں۔

مَا بَيْنَ عَيْرٍ اِلَى ثَوْرٍ: یہ مدینہ نبویہ کے دو مشہور پہاڑ ہیں۔ علماء نے حرمِ مدینہ کی مسافت ''بريد في بريد'' (بریدxبرید) بتلائی ہے۔ اب ایک برید میں چار فرسخ اور ایک فرسخ میں تین میل ہوتے ہیں۔ یوں ایک برید بارہ میل کا ہوا اور مذکورہ مسافت 12x12 میل ہوئی اور ایک میل تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر کے برابر ہوتا ہے۔ تب پھر بارہ میل تقریباً 18 کلومیٹر کی مسافت بنی۔ یوں مدینہ نبویہ کا حرم تقریباً 36 مربع کلومیٹر بنتا ہے۔

مضمون حدیث: ..... مذکورہ دونوں احادیث میں دراصل دو مسائل بیان کیے گئے ہیں:

(1) مکہ کی طرح مدینہ بھی حرم ہے۔ گو حرمِ مدینہ کے احکام میں وہ عموم اور شدت وتاکید نہیں جو حرمِ مکہ کے احکام میں ہے۔

(2) مکہ کو جناب ابراہیم علیہ السلام نے حرمت والا بنایا اور وہاں کے لوگوں کے لیے دعا بھی فرمائی۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے مدینہ کو حرمت والا بنا کر یہاں کے لوگوں کے لیے دعا فرمائی۔

---

[1] صحیح مسلم: 1370۔

[2] صحیح البخاری: 1833۔ صحیح مسلم: 1353۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- کسی چیز کی نسبت اس کے پہنچانے والے کی طرف بھی کر سکتے ہیں۔ اس کی دلیل اِنَّ اِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ کے الفاظ ہیں۔
- رب تعالیٰ کے یہ دونوں اولوالعزم اور جلیل القدر پیغمبر اپنی امتوں اور ان کی بستیوں کے حق میں بے حد شفیق، مہربان اور رحمت والے تھے۔
- مدینہ نبویہ کے لیے بھی حرم ہے اور یہ ثابت ہے اس کی دلیل اِنِّيْ حَرَّمْتُهَا کے الفاظ ہیں۔
- نبی کریم ﷺ نے اہل مدینہ کے مد اور صاع کے لیے خصوصی دعا فرمائی ہے۔
- حرمِ مدینہ کی مسافت عیر سے ثور تک تقریباً 36 مربع کلومیٹر ہے۔

5۔ بَابُ صِفَةِ الْحَجِّ وَدُخُوْلِ مَكَّةَ

حج کرنے اور مکہ میں داخل ہونے کے طریقہ کا بیان

تمہید:..... **دُخُوْلِ مَكَّةَ**: ان الفاظ سے امام موصوف دراصل یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مکہ میں کیسے، کب اور کہاں سے داخل ہونا چاہیے۔ ان تینوں باتوں کو بیان کرنے کے لیے امام موصوف حدیث جابر رضی اللہ عنہ لے کر آئے ہیں جو اس باب میں طویل، مشہور اور بنیادی حدیث کی حیثیت رکھتی ہے جس میں مناسک حج کو کامل طور پر بیان کیا گیا ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے حج کو اول سے آخر تک ضبط کیا ہے۔

مذکورہ حدیث حجۃ الوداع سے متعلق ہے۔ نبی کریم ﷺ ہجرت کے بعد دس سال تک مدینہ میں رہے مگر حج نہ فرمایا۔ دسویں سال آپ ﷺ نے لوگوں کو حج کے لیے اپنے ساتھ روانہ ہونے کو ارشاد فرمایا۔ بس پھر کیا تھا کہ انسانوں کا ایک سمندر چاروں طرف سے آیا۔ حتیٰ کہ لوگوں نے ان کی تعداد کا اندازہ ایک لاکھ چوبیس ہزار سے کیا۔ حد نگاہ تک سر ہی سر تھے، ہر طرف ایک جم غفیر تھا۔ سب لوگ حج کو سیکھنے اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کرنے کو بے قرار تھے۔

نبی کریم ﷺ پچیس ذوالقعدہ بروز ہفتہ حج کے ارادہ سے مکہ مکرمہ کی طرف عازم سفر ہوئے اور مدینہ نبویہ سے کوچ فرمایا جبکہ اس سے قبل جمعہ کے دن خطبہ میں آپ ﷺ لوگوں میں حج کے ابتدائی احکام جیسے احرام کیسے باندھا جائے وغیرہ کو بیان فرما چکے تھے۔ مدینہ نبویہ سے روانہ ہو کر آپ ﷺ ذوالحلیفہ فروکش ہوئے اور رات وہیں گزاری۔ اگلے دن آپ ﷺ نے غسل فرما کر احرام کا لباس زیب تن فرمایا اور احرام باندھنے کی نیت فرمائی۔ مذکورہ حدیث کافی طویل ہے لیکن امام موصوف رحمہ اللہ اس کا صرف اسی قدر حصہ لے آئے ہیں جو حج سے متعلق ہے۔ اب ذیل میں حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ ملاحظہ ہو:

727۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حَجَّ، فَخَرَجْنَا مَعَهُ، حَتَّى إِذَا أَتَيْنَا ذَا الْحُلَيْفَةِ، فَوَلَدَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ، فَقَالَ: ((اغْتَسِلِيْ وَاسْتَثْفِرِيْ بِثَوْبٍ، وَأَحْرِمِيْ))، وَصَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ، ثُمَّ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ حج کے لیے روانہ ہوئے ہم لوگ آپ ﷺ کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ ہم ذوالحلیفہ پہنچے۔ سو (اس جگہ پہنچ کر یہ واقعہ پیش آیا کہ) سیدہ اسماء بنت عمیس (جو جنابِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں اور شریک قافلہ تھیں) ان کے ہاں ایک بچے نے جنم لیا (جس کا نام محمد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَكِبَ الْقَصْوَاءَ حَتَّى إِذَا اسْتَوَتْ بِهِ عَلَى الْبَيْدَاءِ، أَهَلَّ بِالتَّوْحِيدِ: ((لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ، لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ))، حَتَّى إِذَا أَتَيْنَا الْبَيْتَ اسْتَلَمَ الرُّكْنَ فَرَمَلَ ثَلَاثًا، وَمَشَى أَرْبَعًا، ثُمَّ أَتَى مَقَامَ إِبْرَاهِيمَ فَصَلَّى، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى الرُّكْنِ، فَاسْتَلَمَهُ، ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْبَابِ إِلَى الصَّفَا، فَلَمَّا دَنَا مِنَ الصَّفَا قَرَأَ: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ﴾ ((اِبْدَءُوا بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ))، فَرَقِيَ الصَّفَا، حَتَّى رَأَى الْبَيْتَ، فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ. فَوَحَّدَ اللّٰهَ، وَكَبَّرَهُ، وَقَالَ: ((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، أَنْجَزَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ))، ثُمَّ دَعَا بَيْنَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ نَزَلَ مِنَ الصَّفَا إِلَى الْمَرْوَةِ، حَتَّى إِذَا انْصَبَّتْ قَدَمَاهُ فِي بَطْنِ الْوَادِي سَعَى، حَتَّى إِذَا صَعِدَ مَشَى إِلَى الْمَرْوَةِ، فَفَعَلَ عَلَى الْمَرْوَةِ كَمَا فَعَلَ عَلَى الصَّفَا.

بن ابی بکر رکھا گیا سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے جناب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ وہ اس حالت میں کیا کریں) تو نبی کریم ﷺ نے (انہیں) ارشاد فرمایا: ”تم (اسی حالت میں) غسل کرلو اور (نفاس کے خون سے آلودہ ہونے سے بچنے کے لیے دوسری عورتوں کی طرح) ایک لنگوٹ باندھ لو (یعنی روئی کا کوئی پیڈ رکھ لو) اور احرام باندھ لو۔ پھر نبی کریم ﷺ نے مسجد (ذوالحلیفہ) میں (ظہر کی) نماز ادا فرمائی، پھر آپ ﷺ (اپنی ناقہ) قصواء پر سوار ہوئے، یہاں تک کہ جب ناقہ آپ ﷺ کو لے کر بیداء پر سیدھی ہوئی (جو ذوالحلیفہ کے قریب ہی ذرا بلند اور ہموار سا میدان تھا) تو اس وقت آپ ﷺ نے بلند آواز کے ساتھ توحید کا یہ تلبیہ کہا: ((لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ)) یہاں تک کہ جب ہم (اپنا سفر پورا کر کے) بیت اللہ پر پہنچے تو آپ ﷺ نے (سب سے پہلے) حجر اسود کا استلام کیا (یعنی قاعدے کے مطابق اس پر ہاتھ رکھ کر اس کو چوما۔ پھر آپ ﷺ نے طواف شروع فرمایا) پس آپ ﷺ نے (پہلے) تین چکروں میں رمل کیا (یعنی وہ خاص چال چلے جس میں قوت و شجاعت کا اظہار ہوتا ہے) اور (باقی کے) چار چکروں میں (حسب عادت) چلے۔ پھر مقام ابراہیم کی طرف بڑھے اور (اس کے پیچھے) دوگانہ نماز ادا فرمائی۔ پھر اس کے بعد آپ ﷺ پھر حجر اسود کی طرف واپس آئے اور اس کا استلام کیا۔ پھر (حرم کے) ایک دروازہ سے (سعی کے لیے) صفا پہاڑی کی طرف چلے گئے۔ جب آپ ﷺ اس کے بالکل قریب پہنچے تو یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ (البقرة: 158) ”بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔“ (پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”(سعی کو) اسی جگہ سے شروع کرو جس کا ذکر رب تعالیٰ نے (اس آیت میں) پہلے کیا ہے۔“ چنانچہ آپ ﷺ (پہلے) صفا پہاڑی پر چڑھے (اور اس قدر بلندی تک گئے) یہاں تک کہ آپ ﷺ کو بیت اللہ نظر آنے لگا۔ پس آپ ﷺ نے قبلہ کا رخ فرمایا اور رب تعالیٰ کی توحید اور تکبیر کہی اور یہ دعا پڑھی: ((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ .... وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ)) ”ایک اکیلے اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، کوئی اس کا شریک نہیں۔ (ساری کائنات پر) فرمانروائی اسی کی ہے، حمد و ستائش اسی کے شایاں ہے اور وہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اس ایک اکیلے اللہ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس نے (مکہ پر اور سارے عرب پر اقتدار بخشنے اور اپنے دین کو سربلند کرنے کا) اپنا وعدہ پورا فرمایا اور اپنے بندے کی (بھرپور مدد) نصرت فرمائی اور (کفر و شرک کے) لشکروں کو اس نے اکیلے ہی شکست دی۔" پھر آپ ﷺ نے تین مرتبہ (یہ کلمات ادا فرمائے اور) ان کلمات کے درمیان دعا مانگی۔ پھر آپ ﷺ صفا سے اتر کر مروہ پہاڑی کی طرف (یہاں تک کہ جب آپ ﷺ کے دونوں قدم مبارک (صفا سے اتر کر) بطنِ وادی پر پڑے تو آپ ﷺ دوڑے یہاں تک کہ جب آپ ﷺ (نشیب سے اوپر آ کر) چڑھائی چڑھنے لگے تو مروہ کی طرف (اپنی عام رفتار کے مطابق) چلے اور مروہ پر (پہنچ کر) وہی کیا جو صفا پر کیا تھا......

فَذَكَرَ الْحَدِيثَ۔ وَفِيهِ: فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ تَوَجَّهُوا إِلَى مِنًى، وَرَكِبَ النَّبِيُّ ﷺ فَصَلَّى بِهَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ، ثُمَّ مَكَثَ قَلِيلًا حَتَّى طَلَعَتِ الشَّمْسُ، فَأَجَازَ حَتَّى أَتَى عَرَفَةَ، فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ لَهُ بِنَمِرَةَ، فَنَزَلَ بِهَا، حَتَّى إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِالْقَصْوَاءِ، فَرُحِلَتْ لَهُ، فَأَتَى بَطْنَ الْوَادِي، فَخَطَبَ النَّاسَ، ثُمَّ أَذَّنَ، ثُمَّ أَقَامَ، فَصَلَّى الظُّهْرَ، ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ، وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا، ثُمَّ رَكِبَ حَتَّى أَتَى الْمَوْقِفَ، فَجَعَلَ بَطْنَ نَاقَتِهِ الْقَصْوَاءِ إِلَى الصَّخَرَاتِ، وَجَعَلَ جَبَلَ الْمُشَاةِ بَيْنَ يَدَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ، وَذَهَبَتِ الصُّفْرَةُ قَلِيلًا، حَتَّى إِذَا غَابَ الْقُرْصُ، دَفَعَ، وَقَدْ شَنَقَ لِلْقَصْوَاءِ الزِّمَامَ، حَتَّى إِنَّ رَأْسَهَا لَيُصِيبُ مَوْرِكَ رَحْلِهِ، وَيَقُولُ بِيَدِهِ الْيُمْنَى: ((يَا أَيُّهَا النَّاسُ! السَّكِينَةَ، السَّكِينَةَ)) وَكُلَّمَا أَتَى جَبَلًا أَرْخَى لَهَا قَلِيلًا حَتَّى تَصْعَدَ، حَتَّى أَتَى الْمُزْدَلِفَةَ، فَصَلَّى بِهَا الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِأَذَانٍ وَاحِدٍ وَإِقَامَتَيْنِ، وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا شَيْئًا، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ،

آگے کچھ حدیث ذکر کرنے کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر جب ترویہ کا دن (یعنی آٹھ ذی الحجہ کا دن) آیا تو سب لوگ منیٰ کی طرف جانے لگے اور (جو لوگ نبی کریم ﷺ کے حکم سے صفا مروہ کی سعی کے بعد اپنا احرام ختم کر کے حلال ہو چکے تھے۔ انہوں نے حج کا احرام باندھ لیا اور) نبی کریم ﷺ (اپنی ناقہ پر) سوار ہوئے، اور آپ ﷺ نے منیٰ (پہنچ کر وہاں) میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی (پانچوں) نمازیں ادا فرمائیں۔ پھر (نمازِ فجر کے بعد) آپ ﷺ تھوڑی دیر (منیٰ میں) اور ٹھہرے۔ یہاں تک کہ جب آفتاب ابھر آیا تو آپ ﷺ آگے بڑھے یہاں تک کہ عرفہ پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ (وہاں) آپ ﷺ (کی ہدایت کے مطابق آپ ﷺ) کے لیے نمرہ میں (صوف کا بنا ہوا) خیمہ نصب کر دیا گیا تو آپ ﷺ اس خیمہ میں فروکش ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب آفتاب ڈھل گیا تو آپ ﷺ نے (اپنی ناقہ) قصواء (پر کجاوہ کس دینے کا حکم دیا، چنانچہ اس پر آپ ﷺ کے لیے کجاوہ کس دیا گیا۔ آپ ﷺ (اس ناقہ پر سوار ہو کر) وادیٔ (عرفہ) کے درمیان تشریف لائے اور لوگوں میں (اونٹنی کی پشت پر ہی) خطبہ ارشاد فرمایا، پھر (حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے) اذان دی، پھر اقامت کہی اور آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ پھر اقامت کہی اور نمازِ عصر ادا فرمائی اور ان دونوں نمازوں کے بیچ کوئی دوسری نماز نہ پڑھی۔ پھر (جب آپ ﷺ ظہر اور عصر کی نمازیں بلافصل ادا فرما چکے تو) آپ ﷺ (اپنی ناقہ پر) سوار ہو کر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَصَلَّى الْفَجْرَ حِينَ تَبَيَّنَ لَهُ الصُّبْحُ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ، ثُمَّ رَكِبَ حَتَّى أَتَى الْمَشْعَرَ الْحَرَامَ، فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، فَدَعَا، وَكَبَّرَ، وَهَلَّلَ، فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتَّى أَسْفَرَ جِدًّا، فَدَفَعَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ، حَتَّى أَتَى بَطْنَ مُحَسِّرٍ، فَحَرَّكَ قَلِيلًا، ثُمَّ سَلَكَ الطَّرِيقَ الْوُسْطَى الَّتِي تَخْرُجُ عَلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرَى، حَتَّى أَتَى الْجَمْرَةَ الَّتِي عِنْدَ الشَّجَرَةِ، فَرَمَاهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ، يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ مِنْهَا، مِثْلَ حَصَى الْخَذْفِ، رَمَى مِنْ بَطْنِ الْوَادِي، ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى الْمَنْحَرِ، فَنَحَرَ، ثُمَّ رَكِبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَفَاضَ إِلَى الْبَيْتِ، فَصَلَّى بِمَكَّةَ الظُّهْرَ.

(میدان عرفات میں ٹھیک) وقوف کی جگہ تشریف لائے اور اپنی ناقہ قصواء کا رخ چٹانوں کی طرف کر دیا اور ''جبل مُشاۃ'' (یعنی لوگوں کے پیدل چلنے کے راستے) کو اپنے سامنے کر لیا اور خود قبلہ رو ہو گئے اور آفتاب کے غروب ہو جانے کے وقت تک وہیں کھڑے (دعائیں کرتے) رہے اور غروب آفتاب کے وقت فضا اور افق کی جانب موجود) زردی بھی تھوڑی رہ گئی یہاں تک کہ جب آفتاب کی ٹکیہ بالکل غروب ہو گئی تو آپ ﷺ (عرفات سے مزدلفہ کے لیے) روانہ ہو گئے۔ آپ ﷺ نے اپنی ناقہ قصواء کی نکیل کو (اس قدر) کھینچ رکھا تھا یہاں تک کہ اس کا سر (یعنی ناقہ کی گردن) کجاوے کے گرد بندھی رسی کو (یا کجاوہ پر سوار کے پاؤں رکھنے کی جگہ کو) لگ رہی تھی اور آپ ﷺ اپنے داہنے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرما رہے تھے کہ ''اے لوگو! آرام سے آرام سے'' اور جب بھی کوئی پہاڑی آ جاتی تھی (یعنی چڑھائی آ جاتی تھی) تو آپ ﷺ ناقہ کی نکیل کو تھوڑا ڈھیلا چھوڑ دیتے تاکہ وہ (آسانی کے ساتھ چڑھائی پر) چڑھ جائے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ مزدلفہ آ گئے (جو عرفات سے تقریباً تین میل کی مسافت پر ہے) پس آپ ﷺ نے یہاں (پہنچ کر) ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نمازوں کو ادا فرمایا اور ان دونوں نمازوں کے درمیان بھی آپ ﷺ نے کوئی (سنت یا) نفل نماز ادا نہ فرمائی۔ پھر آپ ﷺ (استراحت فرمانے کے لیے) لیٹ گئے (اور لیٹے رہے) یہاں تک کہ فجر (یعنی صبح صادق) طلوع ہو گئی تو آپ ﷺ نے صبح صادق کے ظاہر ہوتے ہی اذان اور اقامت کے ساتھ نماز فجر کو ادا فرمایا۔ پھر (اپنی ناقہ پر) سوار ہو گئے یہاں تک کہ مشعر حرام کے پاس تشریف لائے (راجح قول یہ ہے کہ یہ مزدلفہ کی حدود میں ایک بلند ٹیلا ہے۔ اب بھی اس کی یہی صورت ہے۔ البتہ اب نشانی کے طور پر اس پر ایک عمارت بنا دی گئی ہے)۔ پس آپ ﷺ (یہاں) قبلہ رو کھڑے ہوئے اور دعا مانگتے اور تکبیر و تہلیل پڑھتے رہے۔ آپ ﷺ (یہاں) کھڑے رہے یہاں تک کہ خوب اجالا ہو گیا پھر طلوع آفتاب سے (ذرا پہلے) آپ ﷺ روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ وادی مُحَسِّر کے درمیان میں پہنچے تو آپ ﷺ نے (اپنی اونٹنی کی) رفتار قدرے تیز کر دی۔ پھر (وہاں سے نکل کر) اس درمیانی راستے سے چلے جو بڑے جمرہ پر جا پہنچتا ہے۔ یہاں تک کہ اس جمرہ پر پہنچے جو درخت کے پاس ہے۔ پس آپ ﷺ نے سات سنگریزے پھینک کر اس جمرہ کی رمی کی۔ آپ ﷺ ان میں سے ہر سنگریزے کے (پھینکنے کے) ساتھ تکبیر پڑھتے تھے۔ (یہ سنگریزے) ٹھیکریوں کے سنگریزوں کی طرح (چھوٹے چھوٹے تھے جو چنے کی مقدار جتنے تھے جن کو انگلیوں پر رکھ کر پھینکا جاتا ہے)۔ آپ ﷺ نے وادی کے نشیب سے (جو جمرہ کے قریب ہی جگہ ہے) یہ سنگریزے پھینکے تھے۔ پھر آپ ﷺ قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے اور (وہاں) آپ ﷺ نے (اپنے دست مبارک سے تریسٹھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانوروں کی) قربانی کی (جبکہ باقی کے سینتیس اونٹ آپ ﷺ نے جناب علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ فرما دیئے تھے) پھر آپ ﷺ (اپنی ناقہ پر) سوار ہو کر (طواف زیارت کے لیے) بیت اللہ کی طرف چل دیئے اور ظہر کی نماز مکہ میں جا کر ادا فرمائی۔ [1]

رَوَاهُ مُسْلِمٌ مُطَوَّلًا . اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے مطوّل ذکر کیا ہے۔

غریب الحدیث :......اِذَا اَتَيْنَا ذَا الْحُلَيْفَةِ فَوَلَدَتْ اَسْمَاءُ: مذکورہ فَا جزائیہ ہے کیونکہ اس سے قبل مذکور جملہ اِذَا حرفِ شرط کی وجہ سے شرطیہ ہے۔

ذو الحلیفة: یہ اہل مدینہ کا میقات ہے اس کا تفصیلی تعارف مذکور ہو چکا ہے اور سیدہ اسماء بنت عمیس جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ ذوالحلیفہ میں رب تعالیٰ نے انہیں سیدہ اسماء کے بطن سے محمد بن ابی بکر عطا فرمائے تھے۔

اِغْتَسِلِي: سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ وہ اس حال میں کیا کریں؟ جس پر نبی کریم ﷺ نے انہیں یہ حکم کہلوا بھیجا کہ وہ بھی احرام کے لیے غسل کر لیں۔ کیونکہ یہ غسل نفاس کے لیے نہ تھا کیونکہ نفاس تو ابھی باقی تھا جس کی دلیل حدیث کے اگلے یہ الفاظ ہیں:

وَ اسْتَثْفِرِي بِثَوْبٍ وَ اَحْرِمِي: آپ ﷺ نے انہیں یہ حکم سردست درپیش صورتِ حال کے تناظر میں دیا تھا کہ ابھی تو نفاس کے خون پر لنگوٹ باندھ کر احرام باندھ لو۔ البتہ آپ ﷺ نے انہیں ابھی مستقبل کا حکم بیان نہ فرمایا تھا۔ کیونکہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے بھی درپیش مشکل کا حل ہی دریافت کیا تھا۔ یہاں سے ابن حزم کے اس قول کا خطا ہونا واضح ہو گیا کہ نفاس والی بیت اللہ کا طواف کر سکتی ہے بخلاف حائضہ کے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کو طواف سے منع نہ فرمایا تھا جبکہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حیض آنے پر طواف سے منع فرمایا تھا۔ تو اس قول کا جواب یہ ہے کہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے ابھی پیش آمدہ مسئلہ کا حل پوچھا تھا جبکہ ابھی مکہ تک بڑی مسافت باقی تھی جبکہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مقامِ سرف پر مسئلہ پوچھا تھا جو مکہ کے قریب ہی واقع ہے۔

استثفارِ ثوب: یہ لنگوٹ باندھنے کو جبکہ جدید رائج اصطلاح میں پیڈ لگانے کو کہتے ہیں جو خون کو جذب کر کے کپڑوں اور بدن کو آلودہ ہونے سے بچاتا ہے۔

وَ اَحْرِمِي: یہ حکم مطلق ہے کیونکہ ابھی لوگ ذوالحلیفہ میں تھے۔ لہٰذا یہ احرام کی تینوں سابقہ مذکورہ صورتوں کو شامل ہو گا۔

وَ صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ ..... اَهَلَّ بِالتَّوْحِيْدِ: مسجد سے مسجد ذوالحلیفہ مراد ہے اور یہ ظہر کی نماز تھی۔ پھر جب آپ ﷺ ذوالحلیفہ سے ذرا آگے اور بیداء کے مقام پر پہنچے جو حدیبیہ کے قریب ہے تو آپ ﷺ نے اونچی آواز کے ساتھ توحید کا تلبیہ کہا۔ تلبیہ کے کلمات معروف اور زبانِ زدِ خلائق ہیں۔ یہ کلمات اس قدر عظیم ہیں کہ جناب جابر رضی اللہ عنہ ان الفاظ کو کلماتِ توحید کہہ کر یاد فرما رہے ہیں۔ تلبیہ کے کلمات یہ ہیں: ((لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ ، لَا شَرِيْكَ لَكَ))

لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ: یہ تاکید مزید ہے اور رب تعالیٰ کا کوئی بھی کسی بھی بات میں شریک نہیں۔ لہٰذا رب تعالیٰ کے اسماء، صفات، افعال، قدرت، علم، سمع و بصر اور اس کی ربوبیت، الوہیت غرض اس کی کسی بھی بات میں اس کا

[1] صحیح مسلم: 1218 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی شریک نہیں۔

اِنَّ الْحَمْدَ وَ النِّعْمَةَ لَكَ وَ الْمُلْكَ: مذکورہ اِنَّ مکسور اور استینافیہ ہے جو اَنَّ مفتوحہ سے جو تعلیلیہ ہوتا ہے، زیادہ فصیح ہے۔

حَمْدَ: اس پر کتاب کے آغاز میں تفصیلی کلام گزر چکا ہے۔

نِعْمَةَ: یہ عطا کو کہتے ہیں۔ یہ سب باتیں اسی ایک اکیلے اللہ کی ہیں۔ وہی محمودِ حقیقی بھی ہے اور مُنعم برحق بھی ہے۔

مُلْكَ: بادشاہی۔ حاکمیت کہ یہ بھی بلاشرکتِ غیرے اسی اللہ کی ہے، اعیان پر بھی اور ذوات پر بھی، صفات پر بھی اور افعال پر بھی۔ زمین وآسمان کا مالک وہی ہے۔ اور اسی کا ان سب چیزوں پر تصرف ہے۔

لَا شَرِيْكَ لَكَ: یہ تاکید مزید ہے اور اس میں دراصل دورِ جاہلیت کے اس تلبیہ کا ردّ ہے جو جاہل اور مشرک عرب پڑھتے تھے کہ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَ مَا مَلَكَ ''اے اللہ تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک جو تیرا مملوک ہے اور تو اس کا بھی اور اس کے ممتلکات کا بھی مالک ہے۔'' چنانچہ لَا شَرِيْكَ لَكَ کے اعادہ سے اسی مشرکانہ تلبیہ کا ردّ مقصود تھا۔ بعض لوگوں نے حدیث جابر کو لے کر یہ قول کیا تھا کہ ذوالحلیفہ سے احرام باندھنے والا بیداء پر جا کر تلبیہ پڑھے گا لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کا انکار کیا کرتے تھے۔ [1] اس ظاہری تعارض کو رفع کرنا بے حد سہل ہے وہ یوں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جہاں سے تلبیہ سنا انہوں نے وہاں سے روایت کر دیا اور جنابِ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جہاں سے تلبیہ سنا وہ اس بات کے قائل ہو گئے اور دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور اختلاف نہیں۔

تَنْبِيْه: حاجی کو تلبیہ پڑھتے وقت اس بات کا استحضار رکھنا چاہیے کہ اسے حج پر رب تعالیٰ نے بلایا تھا اور اسی بلاوے کا وہ یہ تلبیہ پڑھ کر جواب دے رہا ہے۔ وہ بلاوا اس آیت کریمہ میں مذکور ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾ (الحج: 27-28)

''اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دے، وہ تیرے پاس پیدل اور ہر لاغر سواری پر آئیں گے، جو ہر دور دراز راستے سے آئیں گی۔ تاکہ وہ اپنے بہت سے فائدوں میں حاضر ہوں۔''

حَتّٰى اِذَا اَتَيْنَا: یعنی جب مکہ پہنچے۔

اِسْتَلَمَ الرُّكْنَ: رکن سے مراد حجر اسود ہے اور استلام یہ داہنے ہاتھ سے رکن کے چھونے کو کہتے ہیں کیونکہ اس میں رکن کی تعظیم ہے۔

فَرَمَلَ ثَلَاثًا: رمل: یہ قوت اور شجاعت کے اظہار کے لیے پہلوانوں کی طرح تیزی کے ساتھ چلنے کو کہتے ہیں۔ اس میں قدم تیز لیکن قریب قریب رکھے جاتے ہیں۔ غرض آپ ﷺ نے طواف کے تین چکر اسی طرح لگائے۔ رہی رمل کی حکمت تو دراصل اس میں شماتتِ اعداء سے حفاظت تھی کیونکہ حدیبیہ کی صلح کے وقت نبی کریم ﷺ نے اگلے سال آ کر عمرہ ادا کرنے کو طے فرمایا تھا۔ ادھر یثرب کا بخار مشہور تھا، اسی لیے یہ دشمنانِ اسلام کعبہ کی عمارت کے شمال کی طرف یہ دیکھنے چھپ کر بیٹھ گئے

[1] دیکھیں صحیح البخاري: 1541- صحیح مسلم: 1186.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے کہ دیکھیے کہ یہ بخار کے مارے کس طرح کمزوروں کا سا طواف کرتے ہیں۔ دشمنوں کی اسی شماتت سے بچنے کے لیے آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کرنے کو فرمایا تاکہ مسلمانوں کے اظہارِ قوت و شجاعت کو دیکھ کر یہ کافر اپنا سا منہ لے کر رہ جائیں۔

وَ مَشٰی اَرْبَعًا: یہ اس بات کی دلیل ہے کہ طواف کے کل چکر سات ہیں اور یہ کہ بعد کے چار چکر عام انداز سے لگائے جائیں گے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ طواف اور رمل حجر سے حجر تک ہے نہ کہ حجر سے رکن یمانی تک اور رہا باقی کے چار کے چکروں میں رمل نہ کرنا تو یہ تعب و تکان سے بچنے کے لیے تھا۔

ثُمَّ اَتٰی مَقَامَ اِبْرَاهِیْمَ: یہی وہ جگہ ہے جس پر جناب ابراہیم علیہ السلام بنائے کعبہ کے دوران کھڑے ہوئے تھے۔ کیونکہ جب کعبہ کی دیواریں اونچی ہونے لگیں تھیں تو کسی چیز پر کھڑے ہونے کی ضرورت پیش آئی تاکہ دیوارِ کعبہ کی تعمیر کو اپنی تکمیل تک پہنچایا جا سکے۔ یہ ایک پتھر تھا۔ رب تعالیٰ نے اس میں اپنی قدرت کی یہ نشانی رکھ دی کہ اس پر جناب ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان ثبت ہو گئے تھے جس کو اس امت کے پہلے لوگوں نے دیکھا ہے۔ لیکن لوگوں کی کثرت کے ساتھ چھونے سے وہ نشان مٹ کر زائل ہو گیا تھا۔ غرض طواف سے فارغ ہو کر آپ ﷺ مقام ابراہیم کی طرف بڑھے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی﴾ (البقرة: 125)

''اور تم ابراہیم کی جائے قیام کو نماز کی جگہ بناؤ۔''

امام موصوف رحمہ اللہ نے اس بات کو مذکورہ حدیث میں سے حذف کر دیا ہے بلاشبہ یہ حذفِ مخل کی مثال ہے اس لیے مناسب تو اس کو ذکر کرنا ہی تھا۔ غرض ان الفاظ سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

(1) ایک یہ کہ طواف کے فوراً بعد بلا تاخیر مقام ابراہیم کی طرف جانا چاہیے تاکہ طواف کا دوگانہ ادا کیا جا سکے۔

(2) دوسری یہ کہ مقام ابراہیم کی طرف بڑھتے ہوئے سورۂ بقرہ کی مذکورہ بالا آیت کی قراءت کی جائے۔ رہا یہ سوال کہ کیا مذکورہ روایت یہ بتلاتی ہے کہ مقامِ ابراہیم وہی تھا جواب ہے یا یہ بابِ کعبہ کے پاس تھا؟ تو صحیح یہ ہے کہ مذکورہ حدیث کی ان دونوں میں سے کسی بھی احتمال پر دلالت نہیں۔ البتہ مقامِ ابراہیم کی جگہ کی بابت علماء کا اختلاف ہے کہ کیا عہد رسالت سے لے کر یہ آج بھی اسی جگہ پر ہی ہے یا یہ کہ پہلے یہ کعبہ کے متصل تھا جس کو بعد میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حجاج کی کثرت کی بنا پر ہٹا کر پرے کر دیا تھا۔ کیونکہ اب حاجی طوافِ دوگانہ ادا کرنے والوں کے سامنے سے گزرنے لگے تھے؟ لیکن اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ مقامِ ابراہیم اب بھی اپنی جگہ پر ہی موجود ہے اور اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا گیا۔

ثُمَّ رَجَعَ اِلَی الرُّکْنِ فَاسْتَلَمَهٗ: یعنی طواف کا دوگانہ ادا کرنے کے بعد آپ ﷺ دوبارہ حجر اسود کی طرف تشریف لائے اور اس کا استلام فرمایا۔ یاد رہے کہ طواف کا یہ دوگانہ تخفیف کے ساتھ ہو گا جس کے پہلے اور بعد میں کوئی دعا نہ ہو گی تاکہ حاجیوں کے لیے جگہ کھلی اور کشادہ رہے۔ کیونکہ نماز طویل کرنے میں طواف کرنے والوں کے لیے جگہ کو تنگ کرنا اور اس جگہ سے ان کو روکنا ہے۔ غرض دوگانہ طواف کے بعد کوئی دعا مشروع نہیں اور جو دعائیں لوگوں میں مشہور ہیں وہ بے اصل ہیں۔ دوسرے یہ کہ طواف کے دوگانہ کے بعد حجر اسود کا دوبارہ استلام مستحب ہے اور جب استلام ممکن نہ ہو تو استلام کا اشارہ مشروع نہیں۔ کیونکہ عبادات نقل پر مبنی ہوتی ہیں۔ لہٰذا استلام نہ کر سکنے کی صورت میں استلام کا اشارہ نہ ہو گا کیونکہ اشارہ کرنے کا ذکر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایات میں وارد نہیں۔

ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْبَابِ إِلَى الصَّفَا ..... بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ: صفا پہاڑی کی طرف جاتے ہوئے آیتِ کریمہ ﴿إِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ (البقرة: 158) ''بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔'' پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ اس سے آدمی کو اس بات کا استحضار ہو جاتا ہے کہ وہ یہ سعی رب تعالیٰ کے امر کے امتثال میں کر رہا ہے اور یہ کہ وہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان اس لیے سعی کر رہا ہے کیونکہ یہ دونوں مقامات شعائر اللہ میں سے ہیں۔ تیسرے یہ کہ آدمی جو بھی عبادت کرے یہ سوچ کر کرے کہ یہ رب تعالیٰ کی طاعت ہے اور یہ سعی صفا پہاڑی سے شروع کی جائے کیونکہ رب تعالیٰ نے بھی اس کا ذکر پہلے کیا ہے اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب رب تعالیٰ کسی چیز کا ذکر پہلے فرماتے ہیں تو یہ اس کے مقدم ہونے کی دلیل ہے۔

فَرَقِيَ الصَّفَا: مراد رَقِيَ عَلَيْهِ ہے۔

حَتّٰى رَاَى الْبَيْتَ: مراد کعبۃ اللہ کی عمارت ہے۔

فَوَحَّدَ اللّٰهَ وَ كَبَّرَهُ: یعنی ((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ)) اور اللّٰہ اکبر کہا۔ ان سب کلمات کی تشریح مذکور ہو چکی ہے۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ ..... وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ: معلوم ہوا کہ تکلف اور غلو نہ ہو تو مسجّع کلام لانا جائز ہے۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ: اس کی تشریح گزر چکی ہے۔

أَنْجَزَ وَعْدَهُ: یہ وعدہ اہلِ ایمان کی مدد و نصرت کا تھا جس کو رب تعالیٰ نے اپنے رسول کے حق میں اور اہل ایمان کے حق میں پورا فرمایا۔

وَنَصَرَ عَبْدَهُ: مراد حضرت رسالت مآب خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ ہیں۔ البتہ یہاں جنسِ عبد بھی مراد ہو سکتی ہے۔

وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ: جیسا کہ رب تعالیٰ نے غزوہ احزاب میں دشمنوں کے لشکروں کو شکست کا مزا چکھایا تھا۔ چنانچہ ان پر ہوا بھیجی اور ان کے دلوں کو رعب سے بھر دیا تھا جس کا قصہ مشہور ہے۔ البتہ احزاب سے عموم بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جو جماعت بھی اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کھڑی ہو گی، رب تعالیٰ اسے شکست سے دوچار فرمائے گا۔ چنانچہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ۝ كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝﴾ (المجادلة: 20-21)

''بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، وہی سب سے زیادہ ذلیل ہونے والوں میں سے ہیں۔ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ ضرور بالضرور میں غالب رہوں گا اور میرے رسول، یقیناً اللہ بڑی قوت والا، سب پر غالب ہے۔''

ثُمَّ دَعَا بَيْنَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ: تب پھر آدمی مذکورہ ذکر کے بعد دعا مانگے گا اور ایسا تین بار کرے گا۔ البتہ ہیئت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ دعا دونوں طرف سے ذکر سے محیط ہو تب پھر یہ دعا تو دو مرتبہ ہو گی البتہ ذکر تین مرتبہ ہو گا تاکہ دعا دونوں طرف سے ذکر کے بیچ میں آ جائے جیسا کہ حدیث کے ظاہر الفاظ کا مقتضی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ثُمَّ نَزَلَ اِلَى الْمَرْوَةِ ..... مَشٰى حَتّٰى اَتَى الْمَرْوَةَ:

نَزَلَ اِلَى الْمَرْوَةِ: مراد پیدل چلنا ہے جس کی دلیل حَتّٰى اِذَا انْصَبَّتْ قَدَمَاهُ فِيْ بَطْنِ الْوَادِيْ کے الفاظ ہیں بطن وادی سے مراد وادی کا وہ نشیبی حصہ ہے جہاں سے بارشوں کے پانی کا ریلا گزرتا ہے۔ آج کل یہ جگہ "میلین اخضرین" کے بیچ کی جگہ ہے۔ جبکہ دورِ نبوی میں یہ جگہ بارشوں کے سیلابی ریلے کی گزرگاہ تھی۔

سَعی: غرض جب آپ ﷺ نے بطنِ وادی میں اپنے قدمین شریفین رکھے تو سعی کرنے لگے اور یہ سعی سیدہ ہاجر علیہا السلام کے سعی کرنے کی وجہ سے ہے جن کا قصہ کتب حدیث میں مشہور اور عوام میں معروف اور مشہور ہے۔ غرض صفا سے اتر کر وادی میں سعی کرتے ہوئے آپ ﷺ مروہ تک جا پہنچے۔

فَفَعَلَ عَلَى الْمَرْوَةِ كَمَا فَعَلَ عَلَى الصَّفَا: اور ایسا آپ ﷺ نے سات مرتبہ کیا۔

وَ ذَكَرَ الْحَدِيْثَ: اس کے بعد اس طویل حدیث کے کچھ حصہ کو امام موصوف نے حذف کر دیا ہے۔

فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ تَوَجَّهُوْا اِلٰى مِنًى: يَوْمُ التَّرْوِيَةِ یہ آٹھ ذی الحجہ کے دن کو کہتے ہیں۔ اس دن کا یہ نام اس لیے ہے کیونکہ اس دن لوگ موسم حج کے لیے پانی اکٹھا کیا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ آٹھ ذی الحجہ سے لے کر تیرہ ذی الحجہ تک کے ان چھ دنوں میں سے ہر ایک دن کا ایک خاص نام ہے، جو یہ ہے:

آٹھ ذی الحجہ	یومِ ترویہ
نو ذی الحجہ	یومِ عرفہ
دس ذی الحجہ	یومِ نحر
گیارہ ذی الحجہ	یومِ قر
بارہ ذی الحجہ	یومِ نفر اول اور
تیرہ ذی الحجہ	یومِ نفر ثانی

تَوَجَّهُوْا اِلٰى مِنًى ..... وَ الْفَجْرَ: منیٰ پہنچ کر آپ ﷺ نے ان پانچوں نمازوں کو قصر کر کے اور بنا جمع کیے ادا فرمایا۔

ثُمَّ مَكَثَ قَلِيْلًا ..... بِنَمِرَةَ: اَجَازَ مراد آگے جانا ہے اور ایسا آپ ﷺ نے اس لیے کیا کیونکہ قریش عرفہ کے دن مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے تھے اور عرفہ نہ جانے کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ ہم اہل مکہ اور اہلِ حرم ہیں لہٰذا ہم حل میں یعنی میدانِ عرفہ میں نہ ٹھہریں گے۔ بلاشبہ یہ جاہلی حمیت کا جذبہ اور اس کا ایک نمونہ تھا۔ لیکن آپ ﷺ عرفہ میں تشریف لے گئے تھے۔ آپ ﷺ نے اس سے قبل یہ حکم دے رکھا تھا کہ آپ ﷺ کے لیے وادیٔ نمرہ میں ایک اونی خیمہ لگایا جائے جو آپ ﷺ نے وہاں پہنچ کر لگا ہوا دیکھ لیا تھا۔ نمرہ یہ عرفہ کے قریب ہی ایک بستی ہے۔

فَنَزَلَ بِهَا: آپ ﷺ کا یہ نزول اور فروکش ہونا استراحت کے لیے تھا کیونکہ آپ ﷺ منیٰ سے چل کر عرفہ تشریف لائے تھے اور یہ حج کے دوران کی مسافتوں میں سے سب طویل مسافت ہے۔ اسی لیے اس طویل مسافت کو قطع فرمانے کے بعد آپ ﷺ ذرا دیر کو استراحت فرمانے فروکش ہو گئے تھے۔

حَتّٰى اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ اَمَرَ بِالْقَصْوَاءِ فَرُحِلَتْ لَهٗ: قصوا آپ کی اونٹنی کا نام ہے اور رُحِلَتْ لَهٗ کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطلب یہ ہے کہ اس پر آپ ﷺ کے امر سے کجاوہ کس دیا گیا۔ پھر آپ ﷺ اس پر سوار ہوئے۔

فَاَتٰی بَطْنَ الْوَادِیْ: مراد وادی عرفہ ہے۔

فَخَطَبَ النَّاسَ ثُمَّ اَذَّنَ ثُمَّ اَقَامَ: مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اذان اقامت کہنے کا حکم دیا اور آپ ﷺ کے حکم سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان بھی دی اور اقامت بھی کہی۔

فَصَلَّی الظُّهْرَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّی الْعَصْرَ: یہ جمع تقدیم کی صورت ہے۔ اب تک کی تفصیل سے یہ باتیں معلوم ہوئیں:

⊙ ...... حج کا احرام آٹھ ذوالحجہ کو باندھنا چاہیے۔

⊙ ...... آٹھ ذی الحجہ کا دن اور نو ذی الحجہ کی رات منٰی میں گزرانی چاہیے۔

⊙ ...... پھر زوالِ آفتاب تک نمرہ میں فروکش ہونا چاہیے کہ یہ مستحب ہے۔

⊙ ...... پھر وادی عرفہ میں خطبہ دیا جائے۔

وَ لَمْ یُصَلِّ فِیْهِمَا شَیْئًا: کیونکہ مسافر پر سے ظہر کی سنتیں ساقط ہوتی ہیں۔

ثُمَّ رَكِبَ حَتّٰی اَتَی الْمَوْقِفَ ...... وَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ: آپ ﷺ مشرق کی جانب پہاڑ کے پیچھے میدان عرفہ کے آخر تک چلے گئے اور آپ ﷺ اپنی ناقہ کا رخ چٹانوں کی طرف یعنی ساتھ کی جانب کرلیا۔ **جَبْلِ مُشَاة:** یہ لوگوں کی مرکزی گزرگاہ ہے، آپ ﷺ نے اس کو اپنے سامنے کرلیا اور خود قبلہ رو ہو کر موقف میں کھڑے ہو گئے۔

وَ لَمْ یَزَلْ وَاقِفًا حَتّٰی غَرَبَتِ الشَّمْسُ ...... حَتّٰی اِذَا غَابَ الْقُرْصُ دَفَعَ: آپ ﷺ اسی حال میں غروب آفتاب تک کھڑے رب کے حضور دونوں ہاتھوں کو اٹھائے، گریہ وزاری اور تضرع وابتہال کرتے رہے اور اس قدر طویل قیام سے نہ تھکے اور نہ اکتائے۔ اسی دوران آپ ﷺ کے دست مبارکہ سے ناقہ کی نکیل گر گئی تو آپ ﷺ نے اس کو ایک ہاتھ سے تھاما جبکہ دوسرے ہاتھ کو اسی طرح اٹھائے رکھا جس سے موقف عرفہ میں دعا مانگتے وقت رفع یدین کی تاکید کا اندازہ ہوتا ہے۔ مزید یہ بھی معلوم ہوا کہ

⊙ ...... نبی کریم ﷺ کا موقف میں آخری کنارے پر کھڑا ہونا بتلاتا ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ لوگوں سے پیچھے رہتے تھے۔

⊙ ...... اور یہ کہ وادی عرفہ سارے کا سارا موقف ہے تاکہ لوگوں کو کھڑے ہونے میں دقت نہ ہو۔

⊙ ...... عرفہ کے دن قبلہ رو ہو کر اور ہاتھوں کو اٹھا کر دعا مانگی جائے۔

⊙ ...... اور غروبِ آفتاب تک دعا مانگنے سے معلوم ہوا کہ عرفہ سے غروبِ آفتاب کے بعد کوچ ہوگا۔ البتہ غروبِ آفتاب سے قبل کوچ کرنے سے حج تو صحیح رہتا ہے پر بندہ گناہ گار ضرور ہو جاتا ہے۔ اس کی دلیل حضرت عروہ بن مطرف رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو آگے آ رہی ہے:

⊙ ...... غروبِ آفتاب سے قبل عرفہ سے کوچ کرنا ان مفاسد کو متضمن ہے:

(1) یہ خلافِ سنت ہے۔

(2) مشرکوں کی عادت کے موافق ہے کیونکہ مشرکین مکہ عرفہ سے اس وقت نکل جاتے تھے جب آفتاب ابھی پہاڑیوں کے سروں پر چمک رہا ہوتا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(3) پھر ایسا کرنے سے عرفہ کے وقوف کو کم کرنا بھی ہے اور "وقوف" رکن ہے اور رکن بہرحال واجب سے افضل ہوتا ہے اور واجب سنت سے افضل ہوتا ہے۔ تب پھر رکن کو ناقص کرنا بہرحال محرومی ہے۔

وَ قَدْ شَنَقَ ..... مَوْرِكَ رَحْلِهٖ: شَنَقَ یہ اونٹ کی نکیل کے کھینچنے کو کہتے ہیں اور راس سے مراد رقبہ ہے اور مورک اس رسی کو کہتے ہیں جو کجاوہ کے گرد بندھی ہوتی ہے یا کجاوہ پر پاؤں رکھنے کی جگہ کو مورک کہتے ہیں۔ یعنی اونٹنی کی گردن کو آپ ﷺ نے اس قدر زور سے کھینچا ہوا تھا کہ وہ کجاوے کو آ کر لگ رہی تھی۔ تاکہ اونٹنی دبی اور رکی رکی رہے اور ارد گرد چلنے والوں کو اونٹنی کی تیز رفتاری سے کوئی تکلیف نہ ہو۔

وَ هُوَ يَقُوْلُ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى اَيُّهَا النَّاسُ السَّكِيْنَةَ السَّكِيْنَةَ: یعنی آپ ﷺ اپنے داہنے ہاتھ کے دست مبارک سے لوگوں کو سکون واطمینان کے ساتھ چلنے کا اشارہ فرما رہے تھے۔ اس جملہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حاجی کو میدانِ عرفہ سے کیونکر روانہ ہونا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ آپ ﷺ لوگوں کی کس قدر رعایت فرما رہے تھے۔ چنانچہ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جب آپ ﷺ کو ذرا کھلی جگہ ملتی تو آپ ﷺ اونٹنی کو تیز چلانے لگتے تھے۔ ❶ غرض حج کے دوران لوگوں کی رعایت لازم ہے۔

وَ كُلَّمَا اَتٰى جَبَلًا اَرْخٰى قَلِيْلًا حَتّٰى تَصْعَدَ: جبل سے مراد کوئی بھی چڑھائی ہے کہ اس وقت آپ ﷺ اونٹنی کی نکیل کو قدرے ڈھیلا فرما دیتے تاکہ وہ آسانی سے چڑھائی پر چڑھ سکے اور ایسا آپ ﷺ اونٹنی پر شفقت کی بنا پر کر رہے تھے۔

حَتّٰى اَتَى الْمُزْدَلِفَةَ ..... فَدَفَعَ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ: نبی کریم ﷺ عرفہ سے بڑے سکون کے ساتھ روانہ ہوئے اور مزدلفہ جا پہنچے اور وہاں پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع تاخیر کے ساتھ ادا فرمایا اور مغرب کی سنتیں ادا نہ فرمائیں کہ وہ مسافر پر سے ساقط ہوتی ہیں اور دونوں نمازوں کے لیے ایک اذان کہی جبکہ اقامت دونوں نمازوں کے لیے کہی۔ دوسری اہم بات اس قدر عبارت سے یہ معلوم ہوئی کہ مزدلفہ کی شب سو کر گزاری جائے۔ اس شب ذکر ودعا تلاوت اور تہجد کی نماز میں سے کچھ بھی نہیں اور دراصل یہ آپ ﷺ کا اپنی جان کے ساتھ حسنِ رعایت کرنا تھا کہ آپ ﷺ نے عرفہ میں طویل قیام کیا، پھر عرفہ سے مزدلفہ تک کا سفر کیا، اس دوران لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم بھی دی۔ طویل خطبہ بھی ارشاد فرمایا، اس لیے آپ ﷺ کو آرام کی ضرورت تھی۔ اگرچہ کسی روایت میں یہ ذکر نہیں ملتا کہ آپ ﷺ نے اس رات وتر پڑھے تھے یا نہیں لیکن بظاہر آپ ﷺ نے وتر پڑھے تھے کیونکہ آپ ﷺ نے سفر وحضر دونوں میں کبھی وتر ترک نہ فرمائے تھے۔

تیسری اہم بات اس عبارت سے یہ معلوم ہوئی کہ مزدلفہ کی فجر کی نماز جلد پڑھ لینی چاہیے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے فجر طلوع ہوتے ہی نماز ادا کر لی تھی۔ چوتھی اہم بات یہ ہے کہ نماز کے بعد مشعر حرام کی طرف جایا جائے۔ چاہے پیدل اور چاہے سواری پر۔ پھر خوب اجالا ہونے تک دعا مانگے، اس کے بعد طلوع آفتاب سے قبل منٰی روانہ ہو۔

حَتّٰى اَتٰى بَطْنَ مُحَسِّرٍ: اس وادی کا یہ نام اس لیے ہے کیونکہ اس وادی میں سفر کرنے والے کو شدید حسرت وتکلیف ہوتی ہے۔ کیونکہ اس وادی میں سوائے ریت اور مٹی کے اور کچھ نہیں۔

فَحَرَّكَ قَلِيْلًا: آپ ﷺ اس وادی سے اس لیے قدرے تیزی کے ساتھ گزرے کیونکہ اس وادی میں ہاتھی والوں پر ابابیلیں عذاب بن کر آ اتری تھیں۔ دوسرے قریش اس وادی میں اتر کر یہاں اپنے آباء واجداد کے قصے سنا کر باہم فخر کیا

❶ صحیح البخاری: 1666- صحیح مسلم: 1286.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے تھے۔ چنانچہ ان دونوں باتوں کے بالعکس آپ ﷺ اس وادی سے تیزی سے گزر گئے۔

ثُمَّ سَلَكَ الطَّرِيقَ الْوُسْطَى: کیونکہ منیٰ کے تین راستے ہیں: (1) شمالی (2) جنوبی (3) اور وسطی۔ آپ ﷺ نے ان میں سے درمیانی راستے کو چنا۔ کیونکہ یہ راستہ جمرۂ کبریٰ کو جاتا تھا۔ اس جگہ کو جمرہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہاں سب لوگ جمع ہو کر کنکریاں مارتے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے یہاں سواری پر ہی کنکریاں ماریں۔

حَتّٰى اَتَى الْجَمْرَةَ الَّتِيْ عِنْدَ الشَّجَرَةَ ..... مَعَ كُلِّ حِصًى: آپ ﷺ نے یہاں پہنچ کر سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری مارتے وقت تکبیر کہی۔

رَمٰى مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ ثُمَّ انْصَرَفَ اِلَى الْمَنْحَرِ فَنَحَرَ: کیونکہ بطن وادی یعنی وادی کی نشیبی جگہ سے رمی زیادہ آسان ہے۔ اس وقت جمرۂ عقبہ دامنِ کوہ میں تھا۔ میں نے یہ منظر دیکھا ہوا ہے۔ غرض دامنِ کوہ سے رمی کرنا بہ نسبت اوپر سے رمی کرنے کے زیادہ آسان ہے۔ آپ ﷺ نے یہ رمی یوں کی کہ آپ ﷺ نے کعبہ کی عمارت کو اپنی بائیں جانب، منیٰ کو اپنی دائیں جانب جبکہ جمرہ کو اپنے سامنے کرلیا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک صحیح حدیث سے یہی ثابت ہے۔ [1]

اس قدر عبارت سے معلوم ہوا کہ:

(1) سفر میں آسان راستہ اختیار کیا جائے تاکہ مقصود تک پہنچنا سہل ہو سکے۔

(2) جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے میں جلدی کی جائے۔

(3) کنکریاں سات ماری جائیں اور ہر کنکری تکبیر پڑھ کر ماری جائے۔

(4) کنکری نہ چھوٹی ہو اور نہ بڑی۔ بلکہ ٹھیکری کے سنگریزے جتنی ہو۔ علماء نے لکھا ہے کہ تقریباً چنے جتنی ہو۔ [2]

(5) جمرۂ عقبہ کی رمی بطنِ وادی سے ہو کیونکہ یہ سہل ہے۔ اگرچہ پہاڑی کے اوپر سے بھی رمی صحیح ہے۔ لیکن اس میں مشقت ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ منحر کی طرف گئے۔ منحر قربان گاہ کو کہتے ہیں۔ یہ اونٹوں کو قربان کرنے کی جگہ ہے۔ نبی کریم ﷺ اپنے ساتھ قربانی کے سو اونٹ لائے تھے۔ یہاں آپ ﷺ نے تریسٹھ اونٹ اپنے دست مبارک سے ذبح فرمائے کہ یہ عدد آپ ﷺ کی عمرِ مبارک کے مطابق تھا اور باقی کے اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کردیئے۔

فَاَفَاضَ اِلَى الْبَيْتِ فَصَلّٰى بِمَكَّةَ الظُّهْرَ: اس کے بعد آپ ﷺ اپنے احرام سے حلال ہو گئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے جا کر بیت اللہ کا طواف کیا اور ظہر کی نماز مکہ میں ادا فرمائی۔ یہاں طواف بیت اللہ کے بعد سعی کرنے کا ذکر نہیں کیونکہ آپ ﷺ نے طوافِ قدوم کے بعد سعی کر لی تھی اور قارن جب طوافِ قدوم کے بعد سعی کر لیتا ہے تو طواف قدوم کی یہ سعی اسے حلق کے بعد کے طواف کی سعی سے کافی ہو جاتی ہے۔ اگرچہ علماء کا اس میں اختلاف ہے لیکن صحیح قول یہی ہے جو مذکور ہوا۔

اب ذیل میں دو متفرق احادیث ملاحظہ ہوں۔

728- وَعَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا فَرَغَ مِنْ تَلْبِيَتِهِ فِيْ حَجٍّ أَوْ

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب حج یا عمرہ کے تلبیہ سے فارغ ہوتے تھے تو رب تعالیٰ سے اس

---

[1] صحيح البخاري: 1749- صحيح مسلم: 1296.   [2] دیکھیں: المجموع: 138/8.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عُمْرَةٍ سَأَلَ اللّٰهَ رِضْوَانَهُ وَالْجَنَّةَ ، وَاسْتَعَاذَ بِرَحْمَتِهِ مِنَ النَّارِ)) .
رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ . بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ .

کی رضا اور جنت کا سوال کرتے تھے اور اس کی رحمت کے طفیل (جہنم کی) آگ سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ ❶
اس حدیث کو امام شافعی رحمہ اللہ نے ضعیف اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... جب یہ حدیث ہے ہی ضعیف تو پھر مذکورہ عمل سنت کیونکر ہوسکتا ہے۔ اس لیے تلبیہ وہ ہو جو نبی کریم ﷺ نے پڑھا ہے اور اگر جنت کی دعا اور جہنم سے پناہ مانگنی ہی ہے تو اسے سنت سمجھے بغیر مانگے۔

729۔ وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((نَحَرْتُ هَا هُنَا ، وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ ، فَانْحَرُوْا فِيْ رِحَالِكُمْ ، وَوَقَفْتُ هٰهُنَا ، وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ ، وَوَقَفْتُ هَاهُنَا ، وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ)) .
رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''میں نے اس جگہ قربانی کی ہے جبکہ منیٰ (کی وادی) ساری کی ساری منحر (قربان گاہ) ہے۔ پس تم اپنی ٹھہرنے کی جگہ میں بھی قربانی کر سکتے ہو اور میں نے اس جگہ وقوف کیا ہے جبکہ (میدانِ) عرفہ سارے کا سارا موقف ہے اور میں نے (مزدلفہ میں) اس جگہ وقوف کیا ہے جبکہ مزدلفہ سارے کا سارا موقف ہے۔'' ❷
اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

احکامِ شرعیہ میں آسانی اور سہولت

شرح :...... یہ رب تعالیٰ کی طرف سے سہولت تھی کہ نبی کریم ﷺ نے ایک متعین جگہ پر قربانی کی لیکن لوگوں کو یہ ارشاد فرمایا کہ سارے کا سارا منیٰ قربان گاہ ہے۔ لہٰذا پورے منیٰ میں جہاں بھی جانور کی قربانی کی جائے وہ صحیح ہوگی۔ یہی حال عرفہ اور مزدلفہ میں وقوف کا بھی ہے کہ اگرچہ آپ ﷺ نے دونوں وادیوں میں ایک خاص جگہ پر وقوف فرمایا تھا لیکن لوگوں کو آپ ﷺ نے یہی بیان فرمایا کہ سارا عرفہ اور سارا مزدلفہ جائے وقوف ہے۔

قربانی صرف منیٰ میں ہے

مِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ: ان کلمات سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ حج کے دوران حاجی کے لیے منیٰ کے علاوہ کسی دوسری جگہ میں قربانی کرنا جائز نہیں لیکن امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ مکہ اور منیٰ دونوں ایک ہیں ❸ لہٰذا مکہ میں بھی قربانی کرنے میں کوئی حرج نہیں اور ایک حدیث میں تو یہ بھی آتا ہے کہ ''مکہ کے راستے، راستے بھی ہیں اور منحر بھی ہیں۔'' ❹ البتہ حل میں قربانی سب کے

---

❶ مسند الشافعی، ص: 123۔ اس حدیث کی اسناد میں صالح بن عمر ہے جس کو امام احمد کے سوا جمہور علماء نے ضعیف کہا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں: میرے نزدیک اس کی حدیث میں کوئی حرج نہیں۔ (دیکھیں: المجموع: 217/7)۔ ❷ صحیح مسلم: 1218

❸ الکافی فی فقه الحنبل: 429/1۔ کشاف القناع: 460/2۔

❹ سنن ابی داود: 1937۔ سنن ابن ماجه: 3048۔ مسند احمد: 326/3۔ امام زیلعی رحمہ اللہ نے ''نصب الرایة'' (162/3) میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ جبکہ امام ابن خزیمہ (2787) اور امام حاکم (631/1) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں: یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نزدیک ناجائز ہے۔لہٰذا میدانِ عرفہ میں کی جانے والی قربانی جائز نہ ہوگی چاہے وہ عید کے دن ہی کی جائے۔کیونکہ سب علماء اس بات پر تو متفق ہیں کہ قربانی کا حرم میں ہونا لازم ہے۔

مکہ میں داخل ہونے کا طریقہ

730- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا ، ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا جَاءَ إِلَى مَكَّةَ دَخَلَهَا مِنْ أَعْلَاهَا وَخَرَجَ مِنْ أَسْفَلِهَا)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مکہ پہنچے تو اس کی بالائی جانب سے داخل ہوئے اور (جب مکہ سے نکلے تو) اس کی زیریں جانب سے نکلے۔ ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث:......مِنْ اَعْلَاهَا: یعنی مکہ کی شرقی جانب سے داخل ہوئے۔یعنی حجون کے مقام سے داخل ہوئے۔مِنْ اَسْفَلِهَا: اس جگہ کو مسفلہ کہتے ہیں۔

رہا یہ سوال کہ یہ اتفاقی امر تھا یا ایسا کرنا مستحب ہے؟ تو اکثر علماء کے نزدیک مکہ میں اس طرح سے داخل ہونا اور نکلنا مستحب ہے اور یہ عید میں آتے جاتے ہوئے راستہ بدلنے کی طرح ہے۔

731- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ، ((أَنَّهُ كَانَ لَا يَقْدَمُ مَكَّةَ إِلَّا بَاتَ بِذِي طُوًى ، حَتَّى يُصْبِحَ وَيَغْتَسِلَ ، وَيَذْكُرُ ذَلِكَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ مکہ نہ آتے تھے مگر یہ کہ شب صبح ہونے تک ذی طوی میں بتاتے پھر غسل فرماتے اور اس بات کو نبی کریم ﷺ کی طرف سے بیان کیا کرتے تھے۔ ❷

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

شرح:......ذی طوی مکہ کا ایک معروف مقام ہے آج کل اس جگہ کو ''آبار الذہب'' کہہ کر پکارا جاتا ہے۔معلوم ہوا کہ

- ⊙......ذی طوی میں رات گزارنا مستحب ہے۔
- ⊙......مکہ میں داخل ہونے سے قبل غسل کرنا مستحب ہے۔
- ⊙......محرم کے لیے غسل مستحب ہے چاہے وہ جنبی نہ بھی ہو۔

طواف کرنے کا طریقہ

732- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ، ((أَنَّهُ كَانَ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ الْأَسْوَدَ وَيَسْجُدُ عَلَيْهِ)).

رَوَاهُ الْحَاكِمُ مَرْفُوعًا ، وَالْبَيْهَقِيُّ مَوْقُوفًا .

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ حجر اسود کو بوسہ بھی دیا کرتے تھے اور اس پر سجدہ بھی کیا کرتے تھے۔ ❸

امام حاکم نے اس روایت کو مرفوع جبکہ امام بیہقی نے اس کو موقوف روایت کیا ہے۔

---

❶ صحيح البخاری: 1577۔ صحيح مسلم: 1258 .   ❷ صحيح البخاری: 1573۔ صحيح مسلم: 1259 .

❸ المستدرك: 625/1۔ امام حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔سنن البیهقی: 75/5 من طريق جعفر بن عبدالله۔ عقیلی کہتے ہیں اس حدیث کا موقوف ہونا اولیٰ ہے اور مذکورہ جعفر کی حدیث میں وہم اور اضطراب ہے۔صاحبِ ''تحفة المحتاج'' (169/4) کہتے ہیں: ابوحاتم نے اس کو ثقہ کہا ہے۔اگر تو حاکم نے مذکورہ جعفر کے بارے میں جو یہ کہا ہے کہ یہ راوی صحیح کی شرط پر ہے تب پھر عقیلی کے کلام سے مراد کوئی اور جعفر ہوگا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غریب الحدیث: ..... وَ يَسْجُدُ عَلَيْهِ: مراد اس پر ماتھا ٹیکنا ہے۔

733- وَعَنْهُ قَالَ: ((أَمَرَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَرْمُلُوا ثَلَاثَةَ أَشْوَاطٍ، وَيَمْشُوا أَرْبَعًا، وَأَنْ يَمْشُوا مَا بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو) اس بات کا حکم فرمایا کہ ''وہ دونوں رکنوں کے درمیان (طواف کے پہلے) تین چکروں میں رمل کریں اور چار چکروں کو عام چال کر ادا کریں۔'' [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث: ..... مَا بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ: رکنین سے مراد حجر اسود اور رکن یمانی ہے۔ لیکن ایسا آپ ﷺ نے عمرہ قضا میں کیا تھا جبکہ اپنے حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے حجر سے حجر تک میں رمل کیا تھا۔

733 م- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما، ((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا طَافَ بِالْبَيْتِ الطَّوَافَ الْأَوَّلَ خَبَّ ثَلَاثًا، وَمَشَى أَرْبَعًا.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب وہ بیت اللہ کا پہلا طواف مکمل کرتے تھے تو پہلے تین چکروں کو تیز تیز چل کر ادا کرتے تھے جبکہ (باقی کے) چار چکروں کو (عام انداز سے) چل کر پورا کرتے تھے۔ [2]

وَفِي رِوَايَةٍ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِذَا طَافَ فِي الْحَجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ أَوَّلَ مَا يَقْدَمُ فَإِنَّهُ يَسْعَى ثَلَاثَةَ أَطْوَافٍ بِالْبَيْتِ وَيَمْشِي أَرْبَعَةً)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا ہے کہ حج یا عمرہ میں مکہ پہنچتے ہی آپ ﷺ پہلا جو طواف کرتے تھے تو (اس میں) بیت اللہ کے پہلے تین چکروں کو دوڑ کر (یعنی تیز تیز اور قوت کے ساتھ چل کر) ادا کرتے جبکہ چار کو چل کر ادا کرتے تھے۔

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

734- وَعَنْهُ رضي الله عنهما قَالَ: ((لَمْ أَرَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَسْتَلِمُ مِنَ الْبَيْتِ غَيْرَ الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَيْنِ)).

رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دو یمانی رکنوں کے سوا بیت اللہ کی کسی چیز کا استلام کرتے نہیں دیکھا۔ [3]

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

شرح: ..... معروف یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ روایت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ گفتگو کے وقت بیان کی تھی۔ لیکن اس بات میں کوئی ممانعت نہیں کہ اس روایت کے راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما دونوں ہوں لیکن پھر بھی اس حدیث کی مراجعت کر لی جائے تو بہتر ہے۔

735- وَعَنْ عُمَرَ رضي الله عنه، أَنَّهُ قَبَّلَ الْحَجَرَ،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) انہوں نے حجر

---

[1] صحیح البخاری: 1602- صحیح مسلم: 1264.

[2] صحیح البخاری: 1644- صحیح مسلم: 1261.

[3] صحیح مسلم: 1269.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَقَالَ: ((إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ، لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

اسود کو بوسہ دے کر یہ فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تم ایک نرے پتھر ہو جو کسی نفع نقصان کا مالک نہیں۔ اگر میں نے نبی کریم ﷺ کو تمہیں بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تمہیں (ہرگز) بوسہ نہ دیتا۔ ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

شرح :...... مذکورہ روایت میں ان لوگوں کا ردّ ہے جو یہ گمان رکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں رکنوں کو تبرک کے لیے بوسہ دیا تھا۔ بلکہ ان کو بوسہ دینا بطور تعبد کے ہے۔ لہٰذا ان پر ہاتھ مار کر چہرے پر تبرک کے طور پر ملنا بے اصل ہے۔

736- وَعَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ، وَيَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ مَعَهُ، وَيُقَبِّلُ الْمِحْجَنَ)).

رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے بیت اللہ کا طواف کیا، پھر اپنے ساتھ موجود لاٹھی سے حجر اسود کا استلام کیا اور اس لاٹھی کو بوسہ دیا۔ ❷

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

شرح :...... معلوم ہوا کہ اگر طواف کے بعد حجر اسود کو بوسہ نہ دیا جا سکے تو ساتھ موجود کسی لاٹھی وغیرہ سے بھی استلام کر کے اس کو بوسہ دے سکتے ہیں۔ البتہ اس میں دوسروں کو ایذا دینے سے بچنا شرط ہے۔ لہٰذا اگر ایسا کرنے سے دوسروں کو ایذا ہوتی ہو تو ایسا کرنے سے باز رہے۔ کیونکہ استلام صرف سنت ہے جبکہ ایذا رسانی حرام ہے۔

737- وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((طَافَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مُضْطَبِعًا بِبُرْدٍ أَخْضَرَ)).

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ.

حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک سبز چادر کو اضطباع کے انداز میں (بدن مبارک پر) لپیٹ کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ ❸

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے، سوائے امام نسائی کے۔ جبکہ امام ترمذی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث :...... مُضْطَبِعًا: اضطباع چادر اوڑھنے کے ایک خاص انداز کو کہتے ہیں۔ اس میں چادر کو دائیں بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالتے ہیں۔ ❹ غرض اس طرح چادر لے کر طواف کرنا یہ پہلے طواف میں ہے نہ کہ جمیع احوال میں۔

738- وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((كَانَ يُهِلُّ مِنَّا الْمُهِلُّ فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ، وَيُكَبِّرُ مِنَّا الْمُكَبِّرُ فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ)).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی تلبیہ پڑھتا تھا تو اس پر بھی نکیر نہ کی جاتی تھی اور کوئی ہم سے تکبیر پڑھتا تھا تو نکیر اس پر بھی نہ کی جاتی تھی۔ ❺

---

❶ صحيح البخاري: 1597- صحيح مسلم: 1270.

❷ صحيح مسلم: 1275.

❸ سنن أبي داود: 1883- جامع الترمذي: 859- سنن ابن ماجه: 2954- مسند احمد: 223/4- امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

❹ دیکھیں القاموس الوحید، ص: 959- (ضبع) ❺ صحيح البخاري: 1659- صحيح مسلم: 1285.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

غریب الحدیث :......يُهِلُّ مِنَّا الْمُهِلُّ : یعنی تلبیہ پڑھنا۔ تلبیہ پڑھنے والے پر نکیر کا نہ ہونا تو ظاہر ہے لیکن تکبیر پڑھنے والے پر نکیر ہو سکتی ہے کہ یہ موقع تو تلبیہ پڑھنے کا ہے نہ کہ تکبیر کہنے کا۔ اسی بات کو بیان کرنے کے لیے حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ فرما رہے ہیں کہ چاہے کوئی تلبیہ پڑھ رہا تھا یا تکبیر کہہ رہا تھا، مگر کوئی کسی پر نکیر نہ کر رہا تھا۔

مزدلفہ سے عورتوں وغیرہ کمزور لوگوں کو پہلے روانہ کر دینے کا بیان

739- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: ((بَعَثَنِي النَّبِيُّ ﷺ فِي الثَّقَلِ، أَوْ قَالَ: فِي الضَّعَفَةِ مِنْ جَمْعٍ، بِلَيْلٍ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے مزدلفہ سے رات کو ہی سامان کے ساتھ پہلے بھیج دیا تھا۔ یا (راوی کو شک ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے) یہ فرمایا کہ کمزوروں کے ساتھ (یعنی عورتوں اور بچوں کے ساتھ رات کو ہی مزدلفہ سے روانہ کر دیا تھا)۔ ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

740- وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: ((اسْتَأْذَنَتْ سَوْدَةُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ أَنْ تَدْفَعَ قَبْلَهُ، وَكَانَتْ ثَبْطَةً- تَعْنِي ثَقِيلَةً- فَأَذِنَ لَهَا)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے مزدلفہ کی رات نبی کریم ﷺ سے اس بات کی اجازت مانگی کہ وہ نبی کریم ﷺ سے پہلے ہی روانہ ہو جائیں- (کیونکہ) سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بھارے بدن کی تھیں- تو نبی کریم ﷺ نے انہیں (اس بات کی) اجازت مرحمت فرما دی۔ ❷

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

مضمون حدیث :...... یہ دونوں روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ جو آدمی کمزور یا فربہ بدن ہو اور وہ جمرۂ عقبہ کے مقام پر لوگوں کی بھیڑ سے نبرد آزما نہ ہو سکتا ہو تو وہ رات کو ہی مزدلفہ سے روانہ ہو سکتا ہے۔

غریب الحدیث :......بِلَيْلٍ : لیل کا لفظ مبہم ہے۔ چنانچہ بعض علماء نے اس کو نصف لیل کے ساتھ مقید کیا ہے اور یہی قول اکثری اور اغلب ہے۔ جبکہ بعض نے اس کو شب میں چاند کے غائب ہو جانے پر محمول کیا ہے اور یہ قول سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے ظاہر کے مطابق ہے کیونکہ سیدہ موصوفہ رضی اللہ عنہا چاند کے غائب ہو جانے کا انتظار فرمایا کرتی تھیں۔ چنانچہ چاند کے غائب ہوتے ہی سیدہ موصوفہ رضی اللہ عنہا مزدلفہ سے چل پڑتی تھیں اور ❸ یہ اولیٰ ہے۔ حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ جمرہ پر پہنچتے ہی رمی کر لیتے تھے۔ کیونکہ یہ لوگ رمی کے لیے ہی تو مزدلفہ سے پہلے چلے ہیں تو جب ان کمزوروں کو رمی کی خاطر مزدلفہ سے پہلے روانہ ہونا جائز ٹھہرا تو رمی بھی پہنچتے ہی جائز ٹھہری۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ نبی کریم ﷺ مزدلفہ کے مبیت کے ترک کی اجازت مرحمت فرمائیں جو واجبات حج میں سے ہے اور قبل از وقت منیٰ جانے کو جائز ٹھہرائیں اور اس کے

---

❶ صحيح البخاري: 1677- صحيح مسلم: 1293.

❷ صحيح البخاري: 1680- صحيح مسلم: 1290. ❸ صحيح مسلم: 1291.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باوجود انہیں رمی کرنے کی اجازت مرحمت نہ فرمائیں۔

جمرۂ عقبہ کی رمی اور عرفہ اور مزدلفہ کے وقوف کا وقت

741- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ قَالَ: قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تَرْمُوا الْجَمْرَةَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ)).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں ارشاد فرمایا کہ ''جمرہ کی رمی نہ کرو یہاں تک کہ آفتاب نکل آئے۔'' [1]

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَفِيْهِ انْقِطَاعٌ.

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے سوائے امام نسائی کے اور اس کی سند میں انقطاع ہے۔

شرح :.....سند کا انقطاع حدیث کو ضعیف بنا دیتا ہے۔ اس بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کو فجر سے قبل ہی رمی کرنے کی اجازت فرما دی تھی کیونکہ لوگ منیٰ پہنچ کر سب سے پہلے رمی ہی تو کرتے ہیں۔ تو اگر ان پہلے جانے والوں نے بھی طلوع آفتاب کے بعد ہی رمی کرنی ہے تو پھر ان کو اجازت لے کر پہلے جانے کا فائدہ کیا ہوا۔ چنانچہ جو رات کو ہی مزدلفہ سے منیٰ کو نکل گیا اسے قبل از فجر رمی کی اجازت ہو گی۔

742- وَعَنْ عَائِشَةَ ﷺ قَالَتْ: ((أَرْسَلَ النَّبِيُّ ﷺ بِأُمِّ سَلَمَةَ لَيْلَةَ النَّحْرِ، فَرَمَتِ الْجَمْرَةَ قَبْلَ الْفَجْرِ، ثُمَّ مَضَتْ، فَأَفَاضَتْ)).

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نحر کی شب سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو (پہلے ہی) روانہ فرما دیا تھا، چنانچہ سیدہ موصوفہ رضی اللہ عنہا نے فجر سے قبل ہی رمی کر لی، پھر چل کر انہوں نے طواف افاضہ کیا۔ [2]

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَإِسْنَادُهُ عَلٰى شَرْطِ مُسْلِمٍ.

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے جبکہ اس کی اسناد مسلم کی شرط پر ہے۔

شرح :......مذکورہ حدیث میں بھی یہی مضمون بیان ہے کہ جو شب کو ہی مزدلفہ سے چل دے، اس کے لیے قبل از فجر رمی جائز ہے۔

743- وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ مُضَرِّسٍ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ شَهِدَ صَلَاتَنَا هٰذِهِ- يَعْنِي بِالْمُزْدَلِفَةِ- فَوَقَفَ مَعَنَا حَتّٰى نَدْفَعَ،

حضرت عروہ بن مضرس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو ہماری اس نماز- یعنی مزدلفہ کی نماز- میں شریک ہوا، پھر اس نے ہمارے ساتھ وقوف کیا یہاں تک کہ ہم

---

[1] سنن ابی داود: 1940- جامع الترمذی: 893- امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ سنن ابن ماجه: 3025- مسند احمد: 234/1- امام ابن خزیمہ اپنی ''الصحیح'' (179/4) میں فرماتے ہیں: میں نے اپنی ''الکتاب الکبیر'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اخبار کے طرق کی تخریج کی ہے۔ آگے امام موصوف رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں: میں نے نقل کی جہت سے ان اخبار میں کسی ثابت سند کو محفوظ نہیں کیا۔

[2] سنن ابی داود: 1942- امام بیہقی ''المعرفة'' میں فرماتے ہیں: اس حدیث کی اسناد صحیح اور بے غبار ہے۔ جبکہ اپنی کتاب ''الخلافیات'' میں فرماتے ہیں: اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں۔ (دیکھیں: خلاصة البدر المنیر: 19/2)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَقَدْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ قَبْلَ ذٰلِكَ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا ، فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ ، وَقَضٰى تَفَثَهُ)) .

(مزدلفہ سے) چل پڑے جبکہ اس نے اس سے قبل ہمارے ساتھ دن میں یا رات میں وقوفِ عرفہ بھی کیا ہے، تو اس کا حج پورا ہو گیا اور اب وہ (احرام کھول کر) اپنی میل کچیل دُور کر لے۔"[1]

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ .

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے جبکہ امام ترمذی اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

سبب حدیث :...... مذکورہ حدیث کا سبب یہ ہے کہ جناب عروہ رضی اللہ عنہ اہل شمال سے تھے اور جبل طے کے ورے رہتے تھے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے مزدلفہ کی نمازِ فجر کی بابت یہ سوال کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے ہر ٹیلے اور چٹان پر وقوف کیا ہے اب میں اور میری سواری بے حد تھک چکے ہیں تو کیا میرا حج ہے؟ اس پر نبی کریم ﷺ نے انہیں یہ ارشاد فرمایا تھا۔

طلوعِ فجر کے بعد مزدلفہ پہنچنے کا حکم

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جو طلوعِ فجر کے بعد مزدلفہ پہنچے البتہ اس نمازِ فجر کے وقت میں پہنچ جائے جو نبی کریم ﷺ نے ادا فرمائی تھی تو اس پر کچھ بھی نہ آئے گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کا حج پورا ہو گیا ہے۔

وقوفِ عرفہ کا وقت

وَقَدْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ قَبْلَ ذٰلِكَ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا: علمائے حنابلہ نے ان کلمات سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ جو زوال سے قبل بھی وقوفِ عرفہ کر لے چاہے وہ زوال تک نہ بھی رکے تو اس کا حج مکمل ہو گیا۔ ان علماء کا استدلال لَيْلًا أَوْ نَهَارًا کے عموم سے ہے۔[2] البتہ اس پر دم آئے گا۔ لیکن جمہور علماء اس کے خلاف ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ أَوْ نَهَارًا سے مراد وقت وقوف ہے جو زوال کے بعد ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی زوال سے قبل وقوف کر کے مغرب کے بعد مزدلفہ جا پہنچا اور شب وہاں گزاری تو حنابلہ کے نزدیک اس کا حج صحیح ہو گا اور اس پر دم آئے گا جبکہ جمہور کے نزدیک وقوفِ عرفہ کے فوت ہو جانے کی بنا پر اس کا حج فوت شمار ہو گا۔

744۔ وَعَنْ عُمَرَ رضي الله عنه قَالَ : ((إِنَّ الْمُشْرِكِيْنَ كَانُوْا لَا يُفِيْضُوْنَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ، وَيَقُوْلُوْنَ: أَشْرِقْ ثَبِيْرُ! وَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَالَفَهُمْ ، فَأَفَاضَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ)) .

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مشرکین (مکہ مزدلفہ سے) روانہ نہ ہوتے تھے یہاں تک کہ آفتاب نکل آتا اور کہتے تھے: اے ثَبِيْر (پہاڑ)! روشن ہو جا۔ جبکہ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کے برخلاف کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ طلوعِ آفتاب

---

[1] سنن ابی داود: 1950۔ جامع الترمذی: 891۔ سنن النسائی: 263/5۔ سنن ابن ماجہ: 3016۔ مسند احمد: 15/4۔ صحیح ابن خزیمۃ: 2820۔ صحیح ابن حبان: 3851۔ المستدرك للحاکم: 635/1۔ امام حاکم فرماتے ہیں: یہ حدیث سب ائمہ حدیث کے نزدیک صحیح ہے اور یہ اسلام کے قواعد میں سے ایک قاعدہ کا بیان ہے۔ ابوبکر المعافری کہتے ہیں: یہ حدیث شیخین کے لوازم میں سے ہے۔ (دیکھیں: البدر المنیر: 17/2)۔ امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (101/8) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

[2] المبدع: 233/3۔ الکافی: 442/1۔ کشاف القناع: 494/2 ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے قبل (مزدلفہ سے) روانہ ہوئے۔ [1]

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ . اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث :...... ثَبِیر [2] ایک اونچا پہاڑ ہے جس میں آفتاب کے طلوع کا نظارہ دوسرے پہاڑوں سے پہلے ہوتا ہے۔ اَشْرِقْ ثَبِیرُ: یہاں حرف ندا یَا محذوف ہے۔ تقدیری عبارت أَشْرِقْ یَا ثَبِیرُ ہے۔ رہا پہاڑ جیسے جماد کو ندا اور خطاب تو یہ تمنی کے باب سے ہے نہ کہ یہ ''امر'' ہے۔

مضمونِ حدیث :...... اس حدیث میں بھی دراصل یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مناسک حج میں مشرکوں کے جملہ خودساختہ اعمال کی اور جھوٹی عزت اور بڑائی کے معیاروں کی کھلی مخالفت کی تھی۔ جس کی ایک مثال یہ ہے کہ مشرکین مکہ مزدلفہ سے طلوعِ آفتاب کے بعد روانہ ہوتے تھے تو نبی کریم ﷺ نے ان کی مخالفت کی اور طلوعِ آفتاب سے قبل مزدلفہ سے روانہ ہوئے۔

تلبیہ کہنا کب ختم کیا جائے؟

745,746- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رضی اللہ عنہم قَالَا: ((لَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ ﷺ يُلَبِّي حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ)).

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

حضرت ابن عباس اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم سے روایت ہے، یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ برابر تلبیہ کہتے رہے یہاں تک کہ جمرۂ عقبہ کی رمی کر لی۔ [3]

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

شرح :...... معلوم ہوا کہ جمرۂ عقبہ کی رمی تک تلبیہ پڑھتے رہیں گے۔ البتہ رمی شروع کرتے وقت تلبیہ ختم کریں یا رمی پوری کر کے تلبیہ ختم کریں؟ تو علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ مراد رمی شروع کرنا ہے لہٰذا یہاں فعل بمعنی شروع فعل کے ہوگا۔ پس رمی شروع کرتے ہی تلبیہ کہنا موقوف کر دیں گے۔ پھر حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں بھی رمی کرتے وقت تکبیر پڑھنے کا ذکر تو ہے لیکن تلبیہ کا نہیں۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ رمی شروع کرتے ہی تلبیہ پڑھنا موقوف کر دیں گے۔

رمی جمرات کا طریقہ اور اس کا وقت

747- وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ: أَنَّهُ جَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَسَارِهِ، وَمِنًى عَنْ يَمِينِهِ، وَرَمَى الْجَمْرَةَ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ، وَقَالَ: ((هٰذَا مَقَامُ الَّذِي أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے (رمی کرتے وقت) بیت اللہ کو اپنی بائیں جانب اور منیٰ کو اپنی دائیں جانب لیا اور جمرہ پر سات کنکریاں ماریں، پھر فرمایا: یہی وہ جگہ ہے جہاں نبی کریم ﷺ پر سورۂ بقرہ نازل ہوئی تھی۔ [4]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

---

[1] صحیح البخاري: 1684 .

[2] ثَبِیر: یہ لفظ غیر منصرف ہے، یہ منیٰ جاتے ہوئے بائیں جانب آنے والا ایک مشہور اور مکہ کا سب سے بلند پہاڑ ہے۔ یہ نام قبیلہ ہذیل کے ایک ثبیر نامی شخص کے نام پر ہے جو اس کے دامن میں دفن ہے۔ (دیکھیں: فتح الباري: 3/541)

[3] صحیح البخاري: 1685 .

[4] صحیح البخاري: 1749، صحیح مسلم: 1296 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرح :...... جب کعبہ بائیں طرف اور منیٰ کی وادی دائیں طرف ہوگی تو لازمی بات ہے کہ جمرہ سامنے ہوگا۔ اور مذکورہ حدیث میں خاص سورۂ بقرہ کا ذکر اس مناسبت سے ہے کیونکہ اس میں مناسک حج کی بابت متعدد آیات اتری ہیں۔

748- وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: ((رَمَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ ضُحًى ، وَأَمَّا بَعْدَ ذَلِكَ ، فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ)).

رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے یوم نحر کو چاشت کے وقت جمرہ کی رمی فرمائی تھی جبکہ اس کے بعد زوالِ آفتاب ہونے پر رمی فرمائی تھی۔ ❶

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

شرح :...... معلوم ہوا کہ روزِ عید کے بعد رمی زوالِ آفتاب کے بعد ہے جو واجب ہے اور اس سے قبل رمی درست نہیں۔ **فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ** کے کلمات اس بات کی دلیل ہیں کہ زوال کے بعد غروبِ آفتاب کے بعد تک بھی رمی کر سکتے ہیں۔

749- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما : أَنَّهُ كَانَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ الدُّنْيَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ ، يُكَبِّرُ عَلَى إِثْرِ كُلِّ حَصَاةٍ، ثُمَّ يَتَقَدَّمُ، ثُمَّ يُسْهِلُ، فَيَقُومُ، فَيَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ، ثُمَّ، وَيَدْعُو، وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ، وَيَقُومُ طَوِيلًا ثُمَّ يَرْمِي الْوُسْطَى ، ثُمَّ يَأْخُذُ ذَاتَ الشِّمَالِ، فَيُسْهِلُ، وَيَقُومُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ، ثُمَّ يَدْعُو وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ، وَيَقُومُ طَوِيلًا ، ثُمَّ يَرْمِي جَمْرَةَ ذَاتِ الْعَقَبَةِ، مِنْ بَطْنِ الْوَادِي، وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا ، ثُمَّ يَنْصَرِفُ ، فَيَقُولُ: ((هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَفْعَلُهُ)) .

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ قریبی جمرہ پر سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے پھینکنے کے پیچھے تکبیر پڑھتے تھے۔ پھر آگے بڑھتے پھر آسان راستے سے اترتے اور کھڑے ہوکر قبلہ رو ہو جاتے اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے اور دیر تک کھڑے رہتے پھر درمیانی جمرہ پر کنکریاں مارتے، پھر بائیں جانب کو لے کر نیچے اترتے اور قبلہ رخ ہوکر کھڑے ہو جاتے پھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے اور دیر تک کھڑے رہتے۔ پھر بطن وادی سے جمرۂ عقبہ کی رمی کرتے اور اس کے پاس کھڑے نہ ہوتے تھے پھر لوٹ آتے اور فرماتے: میں نے نبی کریم ﷺ کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ ❷

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

شرح :...... حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں ہر کنکری پھینکنے کے ساتھ تکبیر پڑھنے کا ذکر ہے جبکہ یہاں پھینکنے کے پیچھے تکبیر پڑھنے کا ذکر ہے تو اس ظاہری تعارض کا جواب یہ ہے کہ اس باب میں وسعت ہے چاہے تکبیر کہہ کر رمی کرے اور چاہے رمی کر کے تکبیر کہے دونوں طرح جائز ہے اور **يُسْهِلُ** سے مراد آسان راستے پر اترنا ہے۔

سر منڈوانے یا بالوں کو کتروانے (یعنی حلق یا تقصیر) کی فضیلت اور ان کے وقت کا بیان

750- وَعَنْهُ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِينَ)) ، قَالُوا : وَالْمُقَصِّرِينَ ، يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: ((وَالْمُقَصِّرِينَ)) .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے (تین مرتبہ یہ) ارشاد فرمایا: ''اے اللہ! حلق کروانے والوں پر رحم فرما۔'' لوگوں نے عرض کیا اور قصر کروانے والے (کہ ان کے لیے بھی دعا فرما دیجیے) اے اللہ کے رسول! اس پر آپ ﷺ نے تیسری

❶ صحیح مسلم: 1299 ❷ صحیح البخاری: 1751

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرتبہ میں فرمایا: ''اور قصر کروانے والوں پر بھی (رحم فرما)۔'' ❶

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

شرح :......معلوم ہوا کہ حلق قصر سے افضل ہے کہ حلق کروانے والوں کو دربارِ رسالت سے تین بار دعا ملی جب کہ قصر کروانے والوں کو صرف ایک بار دعا ملی۔

751۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَقَفَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَجَعَلُوا يَسْأَلُونَهُ، فَقَالَ رَجُلٌ: لَمْ أَشْعُرْ، فَحَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ، قَالَ: ((اذْبَحْ وَلَا حَرَجَ)) وَجَاءَ آخَرُ فَقَالَ: لَمْ أَشْعُرْ، فَنَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ، قَالَ: ((ارْمِ وَلَا حَرَجَ)) فَمَا سُئِلَ يَوْمَئِذٍ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ إِلَّا قَالَ: ((افْعَلْ وَلَا حَرَجَ)).

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں وقوف فرمایا تو لوگ آپ ﷺ سے (اپنے اپنے) مسائل دریافت کرنے لگے چنانچہ ایک صاحب کہنے لگے: (اے اللہ کے رسول!) مجھے علم نہ تھا چنانچہ میں قربانی سے پہلے ہی حلق کروا بیٹھا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (چلو) اب قربانی کر لو اور کوئی حرج کی بات نہیں۔'' اتنے میں ایک اور صاحب نے آکر دریافت کیا کہ (اے اللہ کے رسول!) میں جانتا نہ تھا چنانچہ میں رمی سے قبل قربانی کر بیٹھا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (چلو) اب رمی کر لو اور کوئی حرج کی بات نہیں۔'' پس اس دن آپ ﷺ سے کسی بھی ایسی بات کے بارے میں پوچھا گیا جسے مقدم یا مؤخر کر دیا گیا تھا مگر آپ ﷺ نے (اس کے جواب میں) یہ فرمایا کہ (اب) کر لو اور کوئی حرج کی بات نہیں۔'' ❷

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

روزِ عید کے افعال کی ترتیب

شرح: عید کے دن کیے جانے والے افعال پانچ ہیں جن میں حسب ذیل ترتیب ہے:

(1) رمی (2) نحر (3) حلق (4) طواف (5) سعی

ان افعال میں ترتیب تو یہی ہے لیکن اگر روزِ عید کے ان افعال میں کوئی تقدیم و تاخیر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ البتہ اختلاف اس امر میں ہے کہ ایسا جہل ونسیان کی بنیاد پر ہونے میں کوئی حرج نہیں جس کی دلیل لَمْ اَشْعُرْ کے الفاظ ہیں، یا جانتے بوجھتے تقدیم و تاخیر میں بھی کوئی حرج نہیں؟ ❸ اگرچہ بعض علماء نے جہل ونسیان کو شرط قرار دیا ہے لیکن درست قول دوسرا ہے۔

محصور ہو جانے پر حلال ہو جانے کے طریقہ کار کا اور اس کے بعض احکام کا بیان

752۔ وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ رضی اللہ عنہ: ((أَنَّ

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے

---

❶ صحیح البخاری: 1727۔ صحیح مسلم: 1301۔

❷ صحیح البخاری: 1736۔ صحیح مسلم: 1306۔

❸ دیکھیں: المبدع: 246/3۔ الانصاف: 42/4۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَحَرَ قَبْلَ أَنْ يَحْلِقَ ، وَأَمَرَ أَصْحَابَهُ بِذٰلِكَ)) . حلق کرنے سے قبل قربانی کی اور اپنے اصحاب کو بھی اس کا حکم دیا۔ ❶

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ . اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

شرح :...... مذکورہ حدیث میں سنت فعلیہ کا بھی ذکر ہے اور وہ آپ ﷺ کا حلق کروانے سے قبل نحر کرنا ہے اور سنتِ قولیہ کا بھی ذکر ہے اور وہ آپ ﷺ کا اپنے اصحاب کو حلق سے قبل نحر کرنے کا حکم دینا ہے۔

قصۂ حدیث :...... یہ صلح حدیبیہ کا قصہ ہے۔ امام موصوف رحمہ اللہ نے یہ حدیث ذکر کر کے ایک وہم بھی پیدا کیا ہے، وہ یہ کہ بظاہر یہ قصہ حجۃ الوداع کا لگ رہا ہے۔ حالانکہ یہ قصہ صلح حدیبیہ کا ہے جس کا واقعہ مشہور ہے۔ جس کی اہم ترین شق یہ تھی کہ مسلمان اس سال لوٹ جائیں گے اور اگلے سال آ کر اس عمرہ کی قضا ادا کریں گے۔ جس پر آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو بھی اس بات کا حکم دیا اور خود بھی ایسا کیا کہ حلق سے قبل نحر کیا۔ اسی تناظر میں یہ آیت کریمہ بھی نازل ہوئی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾ (البقرۃ: 196)

''پھر اگر تم روک دیے جاؤ تو قربانی میں سے جو میسر ہو (کرو) اور اپنے سروں کو نہ مونڈو، یہاں تک کہ قربانی اپنے حلال ہونے کی جگہ پر پہنچ جائے۔''

احصار کا حکم

تب پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر ایک آدمی عمرہ سے روک دیا جائے اور بیت اللہ تک نہ پہنچ پائے تو اگر تو اس کے ساتھ قربانی کے جانور ہیں تو اس پر واجب ہے کہ وہ ان کو ذبح کر کے حلق کروا لے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا اور آپ ﷺ کے حکم سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی ایسا ہی کیا تھا اور اگر اس کے ساتھ قربانی کے جانور نہ ہوں تو اس پر قربانی خرید کر ذبح کرنا واجب ہے۔ اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ (البقرۃ: 196)

''پھر اگر تم روک دیے جاؤ تو قربانی میں سے جو میسر ہو (کرو)۔''

اور اگر وہ مُحصَر فقیر ہو اور قربانی خریدنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو صحیح یہ ہے کہ اس پر کچھ بھی نہ آئے گا بخلاف ان علماء کے جو ہدی تمتع پر قیاس کر کے اس بات کے قائل ہیں کہ وہ دس دن کے روزے رکھے گا۔ کیونکہ دونوں باتوں میں فرق ظاہر ہے۔ وہ یوں کہ احصار کا ہدی گویا کہ نسک پورا نہ کر سکنے کا فدیہ ہے۔ جبکہ ہدی تمتع گویا کہ نسک پورا کرنے کا شکرانہ ہے۔ لہٰذا دونوں کو ایک دوسرے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہو گا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے بھی ہدی قربان نہ کر سکنے والوں کو دس روزے رکھنے کا حکم نہ دیا تھا۔ غرض احصار کا حکم یہ ہے کہ روک دیئے جانے پر تحلل جائز ہو جاتا ہے۔

احصار کیا ہے؟

رہا یہ سوال کہ احصار شرعاً کس کو کہتے ہیں جو تحلل کو مباح کر دیتا ہے۔ کیا یہ ہر قسم کا حصر ہے یا صرف دشمن کے روک دینے کے ساتھ خاص ہے؟ تو علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ ❷ بعض نے اس کو صرف دشمن کے ساتھ خاص کیا ہے۔ ان حضرات کا استدلال اس

❶ صحیح البخاری: 1811 . ❷ المبدع: 273/3- کشاف القناع: 528/2- المغنی: 177/3 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیت سے ہے جو حصر کے سبب سے نازل ہوئی تھی لہٰذا جسے دشمن روک دے وہ وہی کرے جو نبی کریم ﷺ نے اور آپ ﷺ کے اصحاب نے کیا تھا اور جو مرض کی وجہ سے محصر ہو جائے تو وہ شفا پانے تک احرام باقی رکھے اور اس کے بعد اپنا عمرہ پورا کرے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حصر عام ہے جو دشمن کی طرح مرض وغیرہ کو بھی شامل ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ یہ عام اور مطلق ہے۔ رہی حکم کی تفریع جو اس مطلق کے بعض احکام کے ساتھ خاص ہے تو یہ تخصیص پر دلالت نہیں کرتی، اسی طرح سبب بھی تخصیص پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ اعتبار عمومِ لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوصِ سبب کا۔

تحلل اصغر کا بیان

753۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا رَمَيْتُمْ وَحَلَقْتُمْ، فَقَدْ حَلَّ لَكُمُ الطِّيبُ وَكُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ)).

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تم رمی اور حلق کر چکو تو تمہارے لیے خوشبو (لگانا) اور ہر شے حلال ہو گئی سوائے عورتوں کے۔'' ❶

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ.

اس حدیث کو امام احمد اور امام ابوداود نے روایت کیا ہے، البتہ اس حدیث کی اسناد میں ضعف ہے۔

غریب الحدیث: ...... إِذَا رَمَيْتُمْ: مراد عید کے دن جمرۂ عقبہ کی رمی ہے۔

وَ حَلَقْتُمْ: یہی حکم قصر کروانے کا بھی ہے۔ کیونکہ وہ حلق کا بدل ہے۔

فَقَدْ حَلَّ لَكُمُ الطِّيبُ وَكُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ: مراد عورتیں اور ان سے متعلقہ باتیں ہیں جیسے جماع، بوس و کنار، مباشرت، نکاح، پیغام نکاح وغیرہ۔ البتہ جب آدمی طواف اور سعی کر لے تو وہ پورا حلال ہو جاتا ہے چاہے اس نے رمی نہ بھی کی ہو۔

درایۃ الحدیث: ...... اگرچہ مذکورہ حدیث ضعیف ہے لیکن صحیحین کی ایک ثابت حدیث اس کے مضمون کی تائید کرتی ہے، وہ روایت آگے آرہی ہے۔

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں تحلل اول یا اصغر کا بیان ہے کہ جب آدمی رمی اور حلق کروا لے تو سوائے عورتوں کے اس پر سب چیزیں حلال ہو جاتی ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ حلق اور رمی کے بعد سوائے عورتوں کے سب حلال ہو جاتا ہے جیسے خوشبو لگانا وغیرہ حدیث کے منطوق سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا حدیث کا مفہوم یہ نکلا اگر صرف حلق یا صرف رمی کی ہے تو کوئی شے بھی حلال نہ ہو گی۔ یہی قول صحیح اور راجح ہے۔ لہٰذا جن علماء کا قول ہے کہ تحلل ثانی کے بعد خوشبو لگانا حلال ہوتا ہے، وہ قول مرجوح ہے۔

◈ عورتیں تحلل ثانی کے بعد ہی حلال ہوتی ہیں۔

---

❶ سنن ابی داود: 1978۔ امام ابوداود نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ مسند احمد: 143/6۔ اس حدیث کا مدار حجاج بن ارطاۃ پر ہے جو ضعیف ہے اور امام ابوداود کہتے ہیں: حجاج نے نہ تو زہری کو دیکھا ہے اور نہ ان سے حدیث کو سنا ہی ہے۔ امام بیہقی کہتے ہیں: مذکورہ حدیث حجاج بن ارطاۃ کے اختلاطات میں سے ہے۔ (دیکھیں: السنن: 136/5)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عورتوں کے لیے حلق کروانا ناجائز ہے

754۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ حَلْقٌ، وَإِنَّمَا يُقَصِّرْنَ)). رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''عورتوں پر حلق نہیں ہے وہ تو قصر کروائیں گی۔'' ❶

اس حدیث کو امام ابوداوٗد نے حسن اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

شرح:...... یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عورتیں بال نہ منڈوائیں گی ہاں مرد سر منڈوا سکتے ہیں اور یہ کہ عورتوں کے ذمہ واجب بال کتروانا ہے۔ علماء نے اس کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ عورت اپنی ہر مینڈھی کو لے کر انگلی کے پورے کے بقدر بال کتر دے گی اور یہ حکم اس لیے ہے تا کہ تقصیر سے بھی اس کے سارے بالوں کو نقصان نہ پہنچے کیونکہ عورت کو خلقی طور پر اپنے بال محبوب ہوتے ہیں۔ کیونکہ عورت کا فطری حسن و جمال اس کے بالوں میں ہوتا ہے۔ اگر یہ بال ہی نہ رہیں تو اس کا حسن و جمال جاتا رہے۔

کیا عورت سر کے بال منڈوا سکتی ہے؟

عورتوں کا بال منڈوانا دو طرح کا ہے: (1) ایک اختلافی (2) اور دوسرا ناجائز۔

چنانچہ عورت کا بالوں کو منڈوا کر بالکل مردوں کی طرح بنوالینا تو ہر حال میں ناجائز اور حرام ہوگا۔ کیونکہ یہ مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا ہے جس پر لعنت آئی ہے۔ اسی طرح اگر کافر عورتوں یا رنڈیوں اور بدکردار عورتوں کی طرح بال کتروائے تو یہ بھی حرام اور باعثِ لعنت ہوگا۔ لیکن اگر کوئی عورت اس طرح بال کتروائے کہ نہ تو اس میں مردوں کی مشابہت ہو اور نہ کافرہ اور بازاری عورتوں کی مشابہت ہو تو اس کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے اور علماء کے اس بابت تین اقوال ہیں، جو یہ ہیں:

(1) یہ بھی حرام ہے۔ یہ امام احمد کے اصحاب میں سے صاحب ''المستوعب'' کا قول ہے۔ کیونکہ یہ ممنوعہ شہرت میں داخل ہے۔ کیونکہ معروف یہ ہے کہ عورتیں بال نہیں کترواتیں۔ لہٰذا اگر کوئی عورت کسی بھی طرح کے بال کتروائے گی، وہ مشہور ہو جائے گی جو منع ہے۔

(2) جبکہ ایک قول مکروہ ہونے کا ہے کیونکہ اس میں عورتوں کے فطری جمال کا ختم ہونا ہے۔

(3) جبکہ تیسرا قول یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد ایسا کر لیا کرتی تھیں۔ لہٰذا اگر یہ حرام یا مکروہ ہوتا تو یہ بزرگ ترین خواتین ایسا ہرگز بھی نہ کرتیں۔

بہرحال اس طور پر بال کتروانے کے حرام یا مکروہ ہونے کی کوئی واضح اور صریح نص نہیں ملتی۔ البتہ رخصت دینے میں اندیشہ ہے کہ عورتیں آگے بڑھیں گی اور ہوتے ہوتے حرام میں جا پڑیں گی اور واقع اور مشاہدہ بھی یہی ہے۔

کسی مصلحت عامہ یا عذر کی بنا پر منیٰ کے مبیت کے ترک کی رخصت کا بیان

755۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما، ((أَنَّ الْعَبَّاسَ بْنَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

---

❶ سنن ابی داود: 1985۔ ابوحاتم نے اس حدیث کو قوی کہا ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم نے ''العلل'' (281/1) میں، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ''التاریخ'' (46/6) میں کہا ہے۔ جبکہ ابن قطان نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے جیسا کہ ''خلاصة البدر المنير'' (40/2) میں مذکور ہے۔ ابن مواق نے ابن قطان کا ردّ کیا ہے اور ٹھیک ردّ کیا ہے۔ (دیکھیں: التلخيص الحبير: 261/2)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اسْتَأْذَنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَبِيْتَ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى ، مِنْ أَجْلِ سِقَايَتِهِ ، فَأَذِنَ لَهُ)) .
مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

نے نبی کریم ﷺ سے اس بات کی اجازت مانگی کہ وہ منٰی کی راتیں مکہ میں گزار لیں کیونکہ انہیں حاجیوں کو پانی پلانا ہے تو نبی کریم ﷺ نے انہیں اس بات کی رخصت عنایت فرما دی۔ ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

قصۂ حدیث :...... جنابِ عباس بن عبدالمطلب حاجیوں کو زم زم پلانے کے ذمہ دار تھے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے سقایہ ❷ کی ذمہ داری قریش کے سپرد فرما رکھی تھی۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ **منٰی کے مبیت کے حکم کی تفصیل** :...... معلوم ہوا کہ ایامِ منٰی کی راتیں منٰی میں ہی گزارنا مشروع ہے اور یہ گیارہ بارہ اور تیرہ کی راتیں ہیں۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ البتہ اختلاف اس کے وجوب میں اور اس کے ترک پر دم واجب ہونے میں ہے۔ چنانچہ بعض علماء نے منٰی کے قیام کو واجب کہا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یہ راتیں منٰی میں ہی گزاری ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ قیام واجب نہ ہوتا تو جنابِ عباس رضی اللہ عنہ اجازت لینے کے محتاج نہ ہوتے، تیسرے یہ قیام اس ارشاد باری کے عموم میں داخل ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ (البقرة: 203) ''اور اللہ کو چند گنے ہوئے دنوں میں یاد کرو۔''

جبکہ ایک قول اس کے سنت ہونے کا بھی ہے اور یہ کہ منٰی میں قیام سے مراد اس کا غیر ہے اور وہ رمی جمرات ہے جو محض شب بتانے سے عظیم تر ہے۔ اس کی دلیل یہ ارشاد نبوی ہے: ''بے شک طوافِ بیت اللہ اور صفا مروہ کی سعی اور رمی جمار کو اللہ کا ذکر قائم کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔'' ❸ یہاں مبیتِ منٰی کا ذکر ہی نہیں اور اصل ذمہ سے براءت اور ترک میں عدمِ تاثیم ہے۔

رہا یہ سوال کہ اگر قیام منٰی کے وجوب کا قول کیا جائے تو کتنی راتوں کے قیام کے ترک پر دم واجب ہوگا؟ ایک یا دو یا تین راتوں کے ترک پر؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک رات کے قیام کے ترک پر دم واجب نہ ہوگا کیونکہ اس نے کامل واجب ترک نہیں کیا اور واجب میں تجزی نہیں ہوتی۔ البتہ ایک قول مد یا مٹھی بھر غلہ صدقہ کر دینے کا بھی ہے۔ دم دو راتوں کے ترک پر آ جائے گا اگر جانے میں جلدی کی تو اور تین راتوں کے ترک پر آئے گا اگر جانے میں تاخیر کی تو۔

رہا یہ سوال کہ اگر یہ قیام واجب ہے تو کیا کسی پر سے ساقط بھی ہوتا ہے یا نہیں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی حج کے دوران خود حاجیوں کے مصالح میں مشغول ہے تو اس پر اس قیام کے ترک میں کوئی حرج نہیں۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے جنابِ عباس رضی اللہ عنہ کو منٰی کا قیام ترک کرنے کی اجازت عنایت فرما دی کیونکہ انہوں نے مکہ جا کر حاجیوں کو زم زم پلانے اور ان کے اونٹوں کو پانی پلانے کے انتظامات کرنے تھے۔

---

❶ صحيح البخاري: 1624۔ صحيح مسلم: 1315 .

❷ سقایہ: زمانہ جاہلیت میں حاجیوں کو نبیذ ملا ہوا پانی پلانے کا کام جو قریش مکہ کا مستحسن کام اور خادمانہ منصب تھا۔ (القاموس الوحید، ص: 781) (انیسم)

❸ سنن ابی داود: 1888۔ مسند احمد: 64/6 من طريق عبيدالله بن ابی زياد۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ ساری اسناد صحیح ہے سوائے عبیداللہ کے کہ اکثروں نے ان کو قدرے ضعیف کہا ہے۔ البتہ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو ضعیف نہیں کہا۔ ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔ دیکھیں المجموع: 61/8 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فی زمانہ زخمیوں کی تیمارداری اور دوا دارو کرنے کے انتظامات کرنا اور اس جیسے دیگر ناگزیر مشاغل و مصالح کا حکم بھی یہی ہے۔

بہرحال منٰی کے مبیت کی بابت دو اقوال ہیں: (1) ایک سنت ہونے کا۔ (2) اور دوسرا واجب ہونے کا، جسے علماء نے راجح کہا ہے لیکن بہرحال یہ سوال اپنی جگہ باقی ہے کہ مبیت منٰی کے واجب ہونے کی دلیل کیا ہے؟

756۔ وَعَنْ عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ رضی اللہ عنہ: ((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَرْخَصَ لِرُعَاةِ الْإِبِلِ فِي الْبَيْتُوتَةِ عَنْ مِنًى، يَرْمُوْنَ يَوْمَ النَّحْرِ، ثُمَّ يَرْمُوْنَ الْغَدَ وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ لِيَوْمَيْنِ، ثُمَّ يَرْمُونَ يَوْمَ النَّفْرِ)).

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ.

حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اونٹوں کے چرانے والوں کو منٰی میں رات گزارنے کی بابت اس بات کی رخصت عنایت فرمائی کہ وہ نحر کے دن رمی کر لیں، پھر اس کے اگلے دن اور اس کے اگلے دن دو دن کی رمی کر لیں۔ پھر یوم نفر ❶ کو رمی کر لیں۔ ❷

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے، اور امام ترمذی اور امام ابن حبان اسے صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث:...... **رَخَّصَ**: رخصت کا لغوی اور شرعی معنی بیان کیا جا چکا ہے۔

لِرُعَاةِ الْإِبِلِ : رُعَاةٌ یہ رَاعِیْ (چرواہے) کی جمع ہے۔ جو اونٹوں کو گھاس پھوس کے میدانوں میں لے جا کر چراتے ہیں اور اونٹوں سے مراد حاجیوں کے اونٹ ہیں، کیونکہ منٰی میں فروکش حاجیوں کو سردست اپنے اونٹوں کی ضرورت نہیں ہوتی جبکہ اونٹوں کو بہرحال گھاس چارے کی ضرورت ہوتی ہے اسی لیے یہ چرواہے ان اونٹوں کو جنگلوں میں لے جاتے ہیں۔

فِی الْبَیْتُوْتَةِ عَنْ مِنًی : عَنْ یہاں بَا کے معنی میں ہے۔ تب معنی درست بنے گا کہ آپ ﷺ نے اونٹوں کے چرواہوں کو منٰی میں رات گزارنے کی رخصت عنایت فرمائی۔ یہ علماء کوفہ کا مذہب ہے۔ جبکہ بصری نحوی یہاں لفظ بَیْتُوْتَہ میں تاویل کرتے ہیں کہ یہ نُزُوْحٌ یعنی منٰی سے چلے جانے کے معنی میں ہے۔ غرض نحوی اعتبار سے یہ عبارت تب درست ہوگی جب ہم یا تو کوفی نحویوں کے مذہب کے مطابق عَنْ کو بَا کے معنی میں لیں یا پھر بصری نحویوں کے مذہب کے مطابق بَیْتُوْتَہ کو نُزُوْحٌ کے معنی میں لیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان چرواہوں کو یہ رخصت عنایت فرمائی کہ وہ منٰی کے مبیت کو ترک کر دیں اور اپنے اونٹوں کے ساتھ رات گزاریں۔ **یَرْمُوْنَ یَوْمَ النَّحْرِ** ...... **لِیَوْمَیْنِ**: ثم یرمون الغد مراد عید سے دوسرا اور ایام تشریق کا پہلا دن ہے۔ **وَ مِنْ بَعْدِ الْغَدِ**: مراد عید کا تیسرا اور ایام تشریق کا دوسرا دن ہے۔

لِیَوْمَیْنِ : مراد بارہویں دن کی رمی ہے۔ تب پھر یہ گیارہ اور بارہ تاریخ کا قیام کو ترک کریں گے اور دس تاریخ کی رمی کو بارہ تاریخ تک موخر کریں گے۔ پھر اگلے دن رمی کریں گے۔ کیونکہ جب یہ چرواہے بارہ تاریخ کو منٰی آئیں گے تو دوبارہ اونٹوں کو چرانے نہ جائیں گے، کیونکہ جو لوگ جلد جانا چاہتے ہیں انہیں اپنے اونٹوں کی ضرورت ہوگی اور اگر یہ چرواہے تیرہ

---

❶ یوم النفر: یہ دو دن ہیں۔ یوم نفر اوّل: یہ ایام تشریق کے دوسرے دن کو کہتے ہیں۔ یہ ذی الحجہ کی بارہ تاریخ ہوتی ہے۔ اس دن حاجی منٰی سے مکہ روانہ ہوتے ہیں۔ یوم نفر آخر: یہ ایام تشریق کے تیسرے دن کو یعنی تیرہ ذی الحجہ کو کہتے ہیں۔ (القاموس الوحید، ص: 1682) (نسیم)

❷ سنن ابی داود: 1975۔ جامع الترمذی: 955۔ سنن النسائی: 247/5۔ سنن ابن ماجہ: 3036۔ مسند احمد: 450/5۔ امام ابن خزیمہ (2978) اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے "الموارد" (1015 میں) اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ المستدرک: 474/3۔ امام حاکم کہتے ہیں: امام مالک نے اس حدیث کو عمدہ کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاریخ تک چراگاہوں میں رہیں گے تو رمی کو تیرہ تاریخ تک موخر کریں گے لیکن یہ چرواہے جلدی جانے والوں کی خاطر بارہ تاریخ کو ہی منی میں آ جائیں گے۔

مضمونِ حدیث :......اس حدیث میں بھی دراصل یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ حاجیوں کے کاموں میں مشغول ہوتے ہیں ان کے لیے منی کے مبیت کے ترک کی رخصت ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- حاجیوں کے اونٹوں کی حفاظت و نگہداشت کہ حج کے دوران ان کو بے آسرا نہ چھوڑا جائے گا کہ اس میں ان کی تعذیب بھی ہے اور تضییع بھی۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے ہم پر ان چوپایوں کے چارہ پانی کی نگرانی ذمہ کی ہے۔
- معلوم ہوا کہ شریعت اسلامیہ جانوروں تک کی خیرخواہ ہے۔
- مصالح عامہ میں لگے آدمی کو منی کے قیام کے ترک کی اجازت ہے۔
- رمی جمرات واجب ہے لہٰذا یہ ان لوگوں پر بھی واجب ہے جو حاجیوں کی مصالح میں مشغول رہتے ہیں کیونکہ اس کی قضا بعد میں ممکن ہے۔ البتہ قیام منی کی قضا ممکن نہیں اور یہیں سے رمی جمرات کے وجوب کا قول کیا گیا ہے کیونکہ اس کی قضا ممکن ہے۔
- رمی کرنے میں کسی کو اپنا نائب بنانا جائز نہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کو اس بات کی رخصت عنایت نہ فرمائی تھی کہ وہ کسی کو اپنی نیابت میں رمی کرنے پر مقرر کر لیں۔ یہیں سے ان لوگوں کے قول کا خطا ہونا بھی واضح ہو گیا جو ری میں عورتوں کی مطلق استنابت کو مباح قرار دیتے ہیں کیونکہ کوئی واجب عورت پر سے محض اس کے عورت ہونے کی وجہ سے ساقط نہ ہو گا۔
- جمرات کی رمی کو اکٹھا بھی ادا کیا جا سکتا ہے البتہ یہ جمع ''تاخیر'' کے ساتھ تو جائز ہے لیکن تقدیم کے ساتھ جائز نہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کو تاخیر کے ساتھ رمی کو جمع کر کے ادا کرنے کی اجازت دی ہے نہ کہ تقدیم کے ساتھ۔ کہ اگر جمعِ تقدیم جائز ہوتا تو یہ لوگ عید کے دن ہی سب دنوں کی رمی کر لیتے۔
- معلوم ہوا کہ جو کر سکتا ہو، اسے ایک دن کی رمی دوسرے پر موخر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ رَخَّصَ کے الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ جس کا حال ایسا نہ ہو اس کے لیے رمی میں یہ تاخیر جائز نہیں۔
- یہ دین رخصت و سہولت والا ہے۔ لہٰذا جب بھی تیسیر کا سبب پایا جائے گا تیسیر حلال ہو جائے گی۔

رمی کی استنابت کا حکم

اگر کوئی کبھی رمی نہ کر سکے تو ایک قول یہ ہے کہ اس پر سے رمی ساقط ہو جائے گی کیونکہ رمی واجب ہے اور واجبات عجز کے وقت ساقط ہو جاتے ہیں۔ تو جب عجز کے وقت پورے حج کی نیابت جائز ہے تو حج کے بعض ارکان و افعال اور مناسک کی نیابت کیونکر جائز نہ ہو گی۔

یوم نحر کا خطبہ مستحب ہے

757- وَعَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ رضي الله عنه قَالَ((: خَطَبَنَا حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: إِنِّي

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ)) . اَلْحَدِيْثَ .

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

کریم ﷺ نے نحر کے دن ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا۔ (آگے طویل حدیث ہے)۔ ❶

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

شرح :...... یہ خطبہ مشہور ہے اور کتب سیرت و تاریخ میں اس کو بڑے اہتمام سے ذکر کیا گیا ہے۔ بہر حال محل استدلال یہ امر ہے کہ نحر کے دن خطبہ دینا مستحب ہے۔

758۔ وَعَنْ سَرَّاءَ بِنْتِ نَبْهَانَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ الرُّؤُوْسِ فَقَالَ: ((أَلَيْسَ هٰذَا أَوْسَطَ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ؟)) اَلْحَدِيْثَ

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ .

حضرت سرّاء بنت نبہان رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے ''سریوں کے دن'' ہم میں خطبہ ارشاد فرمایا اور (اس دوران) فرمایا: کیا یہ (دن) ایام تشریق کا درمیانہ دن نہیں؟ ❷ الحدیث

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے حسن اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث:...... **يَوْمَ الرُّؤُوْسِ**: رؤس یہ رأس کی جمع ہے۔ ''يَوْمَ الرُّءُوسِ'' یعنی سریوں والا دن۔ اس دن کا یہ نام اس لیے ہے کیونکہ اس دن لوگ اپنی قربانیوں کی سریاں پکا کر کھاتے ہیں۔ یہ بارہ ذی الحجہ کا دن ہوتا ہے۔

اس دن خطبہ ارشاد فرمانے کا مقصود اس دن رمی کرنے کے طریقہ کی تعلیم دینا ہے۔ کیونکہ اس دن کی رمی گزشتہ دن کی رمی سے مختلف ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے دن میں صرف ایک ہی جمرہ کی رمی ہوتی ہے اور وہ ہے جمرۂ عقبہ۔ جبکہ اس دن تین جمروں کی رمی ہوتی ہے۔ اس لیے لوگوں کو اس دن تین جمروں کی رمی کرنے کے شرعی طریقہ کے سمجھنے کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔

أَلَيْسَ هٰذَا أَوْسَطَ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ؟: ان الفاظ کو لے کر بعض علماء نے یہ قول کیا ہے کہ عید کا دن بھی ایام تشریق میں داخل ہے۔ لیکن یہ کلام بطور تغلیب کے ہے ورنہ ایام تشریق گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ کے دن ہیں۔

قارن کے حج اور عمرہ کے لیے ایک ہی سعی کافی ہے

759۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا: ((طَوَافُكِ بِالْبَيْتِ، وَسَعْيُكِ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، يَكْفِيكِ لِحَجِّكِ وَعُمْرَتِكِ)) .

رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا: ''تیرا بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی تیرے حج اور عمرہ (دونوں) کے لیے کافی ہے۔'' ❸

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

قصہ حدیث :...... یہ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حالت احرام میں مقام ''سَرِف'' پر حیض آ جانے کا قصہ ہے۔ جس پر نبی کریم ﷺ نے انہیں یہ ارشاد فرمایا تھا کہ: ''تم وہ سب کچھ کرو جو ایک حاجی کرتا ہے البتہ بیت اللہ کا طواف نہ کرنا'' اور موطا امام مالک کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ: اور نہ صفا مروہ کی سعی ہی کرنا۔ ❹ پھر جب سیّدہ صدیقہ عرفہ کے دن حیض سے پاک

---

❶ صحیح البخاری: 1741۔ صحیح مسلم: 1679 .

❷ سنن ابی داؤد: 1953۔ صحیح ابن خزیمہ: 2973۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ''المجموع: 95/8'' میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

❸ صحیح مسلم: 1211 . ❹ المؤطا للامام مالک: 410/1 .

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئیں تو نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ تم غسل کر کے پاک ہو جاؤ اور عمرہ کا احرام نہ باندھو کیونکہ اس کا وقت نکل چکا ہے اور اس احرام کو حج کا احرام بناؤ۔ یوں سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حج کو عمرہ پر داخل کیا، اور قارنہ بن گئیں۔ پھر جب سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی کر چکیں تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے رہ جانے والے عمرے کو ادا کرنے کی گزارش کی تو اس پر نبی کریم ﷺ نے انہیں مذکورہ بالا ارشاد فرمایا، لیکن جب انہوں نے بہت زیادہ اصرار و الحاح کیا کہ: دوسرے لوگ تو حج اور عمرہ دونوں کر کے لوٹیں اور میں صرف حج ہی کر کے لوٹوں یہ ممکن نہیں تو آپ ﷺ کو چونکہ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بے حد محبت تھی، اس لیے آپ ﷺ نے ان کی دلجوئی کے لیے انہیں عمرہ کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ حدیث کا مضمون واضح ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ طواف بیت اللہ اور صفا مروہ کی سعی حائضہ پر سے بھی ساقط نہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حیض ختم ہونے پر سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو طواف اور سعی کرنے کا حکم دیا تھا۔
- معلوم ہوا کہ سعی رکن ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کو طواف بیت اللہ کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ حج کے دوران صفا مروہ کی سعی کا ہونا لازم ہے۔
- قارن کے ذمہ دو طواف اور دو سعیاں واجب نہیں۔
- جب دو عبادتیں ایک ہی جنس کی ہوں تو عبادتِ صغریٰ عبادتِ کبریٰ میں ضم یعنی داخل ہو جاتی ہے۔ اس کی دلیل حدیث کے یہ الفاظ ہیں: ''تیرا بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی تیرے حج اور عمرہ کے لیے کافی ہیں۔''
- نبی کریم ﷺ کا اپنے گھر والوں کے ساتھ حسنِ اخلاق۔

طوافِ افاضہ میں رمل کا حکم

760- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَرْمُلْ فِي السَّبْعِ الَّذِي أَفَاضَ فِيهِ)). رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ''نبی کریم ﷺ نے اپنے طواف افاضہ کے سات چکروں میں رمل نہ کیا تھا۔''[1] اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے۔ سوائے امام ترمذی کے، اور امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث: ......فِي السَّبْعِ الَّذِي أَفَاضَ فِيهِ: اس سے مراد طواف افاضہ ہے، یاد رہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے حجۃ الوداع میں تین طواف کیے تھے، جو یہ ہیں:

(1) طوافِ قدوم۔ (2) طوافِ افاضہ اور

(3) طوافِ وداع۔ چنانچہ مشروع طواف یہی تین ہیں۔

مضمون حدیث: ......مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ طواف افاضہ میں رمل مسنون نہیں۔

---

[1] سنن ابی داؤد: 2001- السنن الکبری للنسائی: 4170- سنن ابن ماجہ: 3060- امام ابن خزیمہ: 2943- اور امام حاکم (948/1) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تنبیہ:...... حاجی کو ان تین طوافوں سے زیادہ طواف نہیں کرنے چاہئیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ سے اس سے زیادہ طواف ثابت نہیں۔ دوسرے ان سے زیادہ طواف کرنے میں دوسرے حاجیوں پر تنگی کرنا ہے۔

طوافِ وداع کا بیان

761- وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ، ثُمَّ رَقَدَ رَقْدَةً بِالْمُحَصَّبِ، ثُمَّ رَكِبَ إِلَى الْبَيْتِ، فَطَافَ بِهِ)).

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے (وادی محصب میں) ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں، پھر وادی محصب میں کچھ دیر کے لیے نیند فرمائی پھر سوار ہو کر بیت اللہ کی طرف چلے اور اس کا طواف فرمایا۔ [1]

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

شرح:...... نبی کریم ﷺ نے جب تیرہ تاریخ کو جمرات کی رمی کر لی تو منیٰ سے چل پڑے۔ نبی کریم ﷺ زوال کے بعد اور ظہر کی نماز سے قبل رمی فرمایا کرتے تھے، اور آپ ﷺ نے منیٰ سے چلنے سے قبل رمی اس لیے کی کیونکہ منیٰ میں آ کر سب سے پہلے رمی کی جاتی ہے اور منیٰ سے جاتے ہوئے سب سے آخری کام رمی کرنے کا ہی کیا جاتا ہے۔ غرض تیرہ تاریخ کو زوال کے بعد رمی کرنے کے بعد آپ ﷺ منیٰ میں نہ ٹھہرے اور چل کر وادی محصب پہنچے اور وہاں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کیں۔ اس وادی کا یہ نام اس لیے ہے کیونکہ یہاں کنکریوں کی کثرت ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہاں نیند فرمائی۔ لیکن آج کل یہاں سرکاری عمارات کی اس قدر کثرت ہے کہ اب یہاں ٹھہرنا ممکن نہیں رہا۔ اس لیے اب محصب میں مبیت کے سنت ہونے کا قول غیر وارد ہوگا۔

بہرحال اس کے بعد آپ ﷺ رات کے آخر میں سوار ہو کر بیت اللہ چلے آئے اور طوافِ وداع ادا کیا۔ پھر نماز فجر ادا کی، اور چودہ ذی الحجہ کی صبح کو مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

762- وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا: أَنَّهَا لَمْ تَكُنْ تَفْعَلُ ذٰلِكَ - أَيِ النُّزُولَ بِالْأَبْطَحِ - وَتَقُولُ: ((إِنَّمَا نَزَلَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِأَنَّهُ كَانَ مَنْزِلًا أَسْمَحَ لِخُرُوجِهِ)).

رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (اپنے حج کے دوران) وادی ابطح میں نزول نہ فرمایا کرتی تھیں اور ارشاد فرماتی تھیں کہ نبی کریم ﷺ نے یہاں اس لیے نزول فرمایا تھا کیونکہ یہاں سے خروج کرنے میں آسانی ہوتی تھی۔ [2]

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

شرح:...... امام موصوف گزشتہ مذکورہ حدیث انس رضی اللہ عنہ کے بعد یہ حدیث اس بات کو بتلانے کے لیے لائے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا اس جگہ اترنا امر تعبدی نہ تھا۔ بلکہ آپ ﷺ اس جگہ اس لیے اترے تھے کیونکہ یہاں سے نکلنا آسان ہوتا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ دن کے شروع میں سفر پر نکلنے کو پسند فرماتے تھے۔ اب آپ ﷺ منیٰ سے ظہر سے قبل فارغ ہوئے اور آپ ﷺ مدینہ کی طرف دن کے شروع میں عازم سفر بھی ہونا چاہتے تھے تو اس کی اب ایک ہی صورت رہ گئی تھی کہ جتنا رب کو منظور ہوتا اس جگہ ٹھہر جائیں اور اس کے بعد چل پڑیں۔ اسی بات کو بتلاتے ہوئے سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

[1] صحيح البخاري: 1756. [2] صحيح مسلم: 1311.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نبی کریم ﷺ نے یہاں بطور عبادت کے نزول نہ فرمایا تھا بلکہ یہاں اس لیے ٹھہرے تھے کیونکہ یہاں سے نکلنا آسان ہے۔

اگرچہ بعض علماء نے اس جگہ قیام کو سنت کہا ہے۔ لیکن اس کو سنت قرار دینے کی دلیل لانا بہرحال ضروری ہے، اور ہمارے پاس اس بارے کوئی علم نہیں۔ کیونکہ رمی جمرات کے بعد حج کا اپنے اختتام کو پہنچ جانا متفق علیہ ہے۔ تب پھر رمی جمرات کے بعد اس جگہ ٹھہرنے کو سنت اور نسک کہنا دلیل کا محتاج ہے۔

763۔ وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: ((أُمِرَ النَّاسُ أَنْ يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ، إِلَّا أَنَّهُ خُفِّفَ عَنِ الْحَائِضِ)).
مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: لوگوں کو اس بات کا حکم دیا گیا کہ ان کا آخری عمل بیت اللہ کا طواف ہو، البتہ حیض والیوں پر سے (اس حکم کی بابت) تخفیف کر دی گئی۔ [1]
یہ حدیث "متفق علیہ" ہے۔

غریب الحدیث:...... أُمِرَ النَّاسُ: یہ بات مفصل اور بارہا ذکر ہو چکی ہے کہ جب ایسا صیغہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے ادا ہو تو وہ حدیث "رفع" کے حکم میں ہوتی ہے۔

النَّاس: اگرچہ یہ کلمہ عام ہے لیکن اس سے مراد خاص وہ لوگ ہیں جو حج کر کے لوٹ رہے ہوں۔

أَنْ يَكُونَ آخِرَ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ: ایک روایت میں لفظ "الطواف" کا بھی ذکر ہے۔ گویا کہ یہ لفظ مذکورہ روایت کی تفسیر بیان کر رہا ہے۔ لیکن اگر مذکورہ روایت نہ بھی ہوتی تب بھی یہی تفسیر سمجھ میں آ رہی تھی۔ کیونکہ بیت اللہ کے ساتھ خاص فعل طواف ہے تا کہ نماز، کیونکہ نماز تو روئے زمین کی سب مساجد میں ادا کی جا سکتی ہے لیکن طواف صرف بیت اللہ کا ہی ہوتا ہے۔

إِلَّا أَنَّهُ خُفِّفَ عَنِ الْحَائِضِ: یہی حکم نفاس والی عورت کا بھی ہے۔ اگرچہ ابن حزم نے نفاس والی عورت کے لیے طواف کرنے کو جائز کہا ہے لیکن جمہور کے نزدیک نفاس والی کا حکم بھی حیض والی عورت کا ہی ہے۔ اس کی تفصیل کتاب الحج کے شروع میں بیان کی جا چکی ہے۔

مضمون حدیث:...... مذکورہ حدیث میں دراصل یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ حاجی جب حج پورا کر کے لوٹ رہا ہو تو اس کا آخری فعل بیت اللہ کا طواف ہو۔ اس طواف کو طواف وداع کہتے ہیں۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- حاجی پر طواف وداع واجب ہے اس کی دلیل "أُمِرَ النَّاسُ" کے الفاظ ہیں، اور یہ طواف مستحب نہیں۔ کیونکہ اگر یہ طواف مستحب ہوتا تو حیض والی عورت اور دیگر لوگوں کے حکم میں فرق نہ کیا جاتا۔
- طواف وداع کے عمرہ میں واجب ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے عمرہ میں بھی اس کو واجب کہا ہے۔ کیونکہ عمرہ کو حج اصغر کہا گیا ہے، اور عمرہ میں بھی وہی کیا جاتا ہے جو حج میں کیا جاتا ہے سوائے ان باتوں کے جو بالاجماع عمرہ میں نہیں کی جاتیں۔ جیسے وقوف عرفہ وغیرہ۔ پھر اس میں زیادہ احتیاط بھی ہے۔
- مناسب ہے کہ حاجی کا آخری فعل طواف بیت اللہ ہو۔
- حیض والی اور نفاس والی عورتوں پر سے طواف وداع ساقط ہے۔

---

[1] صحيح البخاري: 1755۔ صحيح مسلم: 1328.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◈ معلوم ہوا کہ حیض والی کے لیے مسجد میں بیٹھنا اور ٹھہرنا حرام ہے۔ کیونکہ حیض والی کو طواف سے ممانعت کی علت یہی مسجد میں ٹھہرنا ہی تو ہے۔

◈ رب تعالیٰ بندوں پر بے حد رحیم ہے۔ اسی لیے تو حیض والی پر تخفیف فرمائی۔

مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز کی فضیلت کا بیان

764- وَعَنِ ابْنِ الزُّبَيْرِ رضي الله عنهما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((صَلَاةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا، أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ، إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ، وَصَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، أَفْضَلُ مِنْ صَلَاةٍ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا بِمِائَةِ صَلَاةٍ)). رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''میری اس مسجد میں نماز دوسری مسجدوں میں نماز سے ہزار گنا افضل ہے سوائے مسجد حرام (میں ادا کی جانے والی نماز) کے، اور مسجد حرام میں ادا کی جانے والی نماز میری اس مسجد میں ادا کی جانے والی نماز سے سو گنا افضل ہے۔''❶ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غریب الحدیث: ...... **صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا أَفْضَلُ**: ''صلوۃ'' یہ مبتداء ہے اور ''افضلُ'' یہ خبر ہے۔ بظاہر یہاں مبتداء نکرہ ہے اور نکرہ کا مبتداء بننا جائز نہیں۔ لیکن اگر نکرہ کی صفت لائی جائے تو اس کا مبتداء بننا جائز ہو جاتا ہے۔ یعنی ''نکرہ موصوفہ'' مبتداء بن سکتا ہے جیسا کہ یہاں ہے۔ چنانچہ یہاں ''صلوۃٌ'' نکرہ کی صفت ''فِي مَسْجِدِي هَذَا'' ہے۔

فِي مَسْجِدِي هَذَا: ''هذا'' یہ محسوس و مشاہد اشیاء کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ مراد مسجد نبوی ہے، اور اپنی ذاتِ شریفہ و مبارکہ کی طرف اضافت اس لیے فرمائی کیونکہ اس کی بناء و ابتداء آپ ﷺ ہی کے دستِ مبارک سے ہوئی تھی۔ رہا یہ سوال کہ کیا بعد کے ادوار میں کیا گیا اضافہ مسجد نبوی کی بابت وارد اس فضیلت کو شامل ہے یا نہیں تو اس کو گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ اضافہ بھی اسی فضیلت کو شامل ہوگا۔ ان شاء اللہ

مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ: تب پھر مسجد حرام کی نماز دیگر مساجد کی نماز سے ایک لاکھ گنا افضل ہوئی۔ البتہ مسجد نبوی کی نماز سے ایک سو گنا افضل ہوگی۔ اس تعبیر میں دراصل ان دونوں مساجد میں نمازیں ادا کرنے کی بے حد بلیغ ترغیب ہے۔

فِيمَا سِوَاهُ: سے مراد ''مساجد'' ہیں جس کی دلیل إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ کے الفاظ ہیں۔ کیونکہ یہ استثناء ہے اور استثناء میں اصل یہ ہے کہ وہ مستثنیٰ منہ کی جنس میں سے ہو۔

مسجد حرام کو مسجد حرام کہنے کی وجہ ''شدِ رحال'' والی حدیث میں مفصل ذکر کی جا چکی ہے۔

صَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاةٍ فِي مَسْجِدِي بِمِائَةِ صَلَاةٍ: یہ ارشاد اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد حرام مسجد نبوی سے افضل ہے۔

---

❶ مسند احمد: 155/2- صحیح ابن حبان: 1620- امام نووی رحمہ اللہ نے المجموع: 389/7 میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ ابن عبدالبر ''التمهيد: 25/6'' میں کہتے ہیں: یہ حدیث ثابت ہے اس میں کوئی طعن نہیں۔ ابن حزم نے ''المحلی: 290/7'' میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تین اہم مسائل

(1) مسجد نبوی میں کیے جانے والے بعد کے اضافوں کی بابت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ وہ مسجد نبوی میں ہی شمار ہوں گے اور وہ اضافے بھی انہی فضائل کے حامل ہوں گے۔

(2) مسجد حرام سے خاص خانہ کعبہ کی مسجد مراد ہے یا پورا حرم؟ تو علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ ظاہر اور راجح قول یہ ہے کہ یہاں مسجد حرام سے مراد صرف مسجد کعبہ ہے۔ جیسا کہ مسلم شریف ❶ کی ایک روایت میں "الا مسجد الكعبة" کے صریح الفاظ بھی آتے ہیں۔ یہ روایت سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، اور یہی حنابلہ کا ظاہر مذہب بھی ہے۔

غرض سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت اس موضوع میں نص اور قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ رہے دوسرے فریق کے دلائل کہ مسجد حرام سے پورا حرم مراد ہے تو ان دلائل کو اور ان کے جوابات کو گزشتہ میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

(3) مذکورہ فضیلت فرض نمازوں کے بارے میں ہے لہٰذا نفل نماز گھر میں ہی افضل ہوگی چاہے آدمی کا گھر کعبہ کے پڑوس میں ہی کیوں نہ ہو۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''آدمی کی افضل ترین نماز وہ ہے جو وہ اپنے گھر میں ادا کرے سوائے فرض نماز کے۔'' ❷ یہ مسئلہ مفصل ذکر کیا جا چکا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- مذکورہ حدیث میں ان دونوں مساجد میں نماز ادا کرنے کی فضیلت اور ترغیب مذکور ہے۔
- مسجد اقصیٰ بھی افضل ترین مساجد میں شامل ہے۔ جیسا کہ ''شدرحال'' والی حدیث میں ہے۔ البتہ مسجد اقصیٰ فضیلت کے اعتبار سے تیسرے درجہ پر ہے۔
- یہ حکم فرائض کی بابت ہے وگرنہ نفل نمازوں کا گھروں میں ادا کرنا ہی افضل ہے کیونکہ خود نبی کریم ﷺ اپنے حجرات میں نوافل پڑا ادا فرماتے تھے۔
- معلوم ہوا کہ جگہ کے اعتبار سے بھی اعمال میں باہمی تفاضل ہوتا ہے، اور یہ بات بالکل واضح ہے۔
- یہیں سے اعمال میں اور پھر خود عمل کرنے والوں میں بھی تفاضل ثابت ہوا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ نفس ایمان میں بھی ایک دوسرے سے متفاضل ہوتے ہیں۔ جس سے اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ بھی ثابت ہوا کہ ایمان گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی ہے۔ تبھی تو ایمان میں تفاضل ثابت ہوگا۔
- معلوم ہوا کہ فرائض یہ سنن وواجبات اور نوافل سے افضل ہیں۔
- مکہ اور مدینہ میں سے کس جگہ کی رہائش اختیار کرنا افضل ہے؟ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے مکہ کی مجاورت اور رہائش اختیار کرنے کو افضل کہا ہے کیونکہ مکہ بلاشک مدینہ سے افضل ہے، اور نبی کریم ﷺ نے بھی مکہ کی وادی کو چھوڑتے وقت یہی ارشاد فرمایا تھا کہ: ''(اے مکہ!) تو رب تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب جگہ ہے اگر میری قوم مجھے تجھ سے نکال نہ دیتی تو میں تم سے (کبھی) نہ نکلتا۔'' ❸ یہ الفاظ اس باب میں صریح ہیں۔

---

❶ صحیح مسلم: 1396. ❷ اس کی تخریج گزر چکی ہے۔ ❸ جامع الترمذی: 3926۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن اور غریب ہے۔ جبکہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے (3709 میں) اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جبکہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا مختار قول اور مذہب یہ ہے کہ سب سے افضل جگہ وہی ہے جہاں رہتے ہوئے آدمی کے ایمان اور اعمال کو ترقی ملے۔ [اللہ رب العزت کی ان گنت اور لامحدود رحمتیں شیخ الاسلام رحمہ اللہ پر ہوں، انہوں نے کیا عمدہ بات کہی۔ ناشر]

◈ مکہ اور مدینہ میں نیکیوں کے تفاضل سے کیا یہ بھی لازم آتا ہے کہ ان دونوں مقدس سرزمینوں میں کی جانے والی برائیاں بھی دیگر مقامات پر کی جانے والی برائیوں سے اپنی سنگینی اور ہلاکت میں بڑھ کر ہوں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ مکہ اور مدینہ میں کی جانے والی برائی کمیت کے اعتبار سے تو نہیں۔ البتہ کیفیت کے اعتبار سے ضرور بڑھ کر ہوتی ہیں۔ اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ (الانعام: 160)

"جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس جیسی دس نیکیاں ہوں گی اور جو برائی لے کر آئے گا سوا سے جزا نہیں دی جائے گی، مگر اسی کی مثل اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

6۔ بَابُ الْفَوَاتِ وَالْإِحْصَارِ

حج کے فوت ہو جانے کا اور احصار کا یعنی حج یا عمرہ سے روک دیے جانے کا بیان

تمہید:..... **الْفَوَاتِ:** یہ "فَاتَ يَفُوْتُ فَوْتًا" سے اسم مصدر ہے۔ "فوت" دراصل یہ کسی چیز کے وقت گزر جانے کو کہتے ہیں۔ جس کو دوبارہ پایا نہ جا سکے۔ لہٰذا جب کوئی شے کسی آدمی کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے تو کہتے ہیں فلاں شے اس سے فوت ہو گئی، یعنی رہ گئی۔ جبکہ اصطلاحِ شرح میں فوات یہ حاجی پر اس کے عرفہ میں وقوف کیے بنا نحر کے دن کا سورج نکل آنا ہے۔ یعنی اگر ایک آدمی حج کا احرام باندھ کر چلا، پر وقوف عرفہ کو نہ پہنچ سکا اور دس ذی الحجہ کا آفتاب نکل آیا تو اس کو "فوات" کہیں گے۔ یعنی یہ آدمی حج کرنے سے رہ گیا اور اس سے حج کا وقت نکل گیا اور اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

"حج تو عرفہ (کا وقوف) ہی ہے۔"

الْإِحْصَار: لغت میں احصار منع کرنے اور روکنے کو کہتے ہیں۔ جبکہ اصطلاح میں اِحصار یہ نسک کو مکمل کرنے سے روک

765 [وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَدْ أُحْصِرَ] جانے کو کہتے ہیں۔ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، فَحَلَقَ رَأْسَهُ، وَجَامَعَ نِسَائَهُ، وَنَحَرَ هَدْيَهُ، حَتّٰى اعْتَمَرَ عَامًا قَابِلًا)).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: (جب حدیبیہ کے سال) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (مشرکین مکہ کی طرف سے بیت اللہ تک پہنچنے سے) روک دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حلق کروایا اور اپنی ازواج سے خلوت فرمائی اور اپنے قربانی کے جانوروں کو ذبح کیا۔ یہاں تک کہ اگلے سال (آکر) عمرہ (قضا) کیا۔ ❶

❶ صحیح البخاری: 1809.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رواہ البخاری. اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

غریب الحدیث: ...... قَدْ أُحْصِرَ: یعنی بیت اللہ تک پہنچنے سے آپ ﷺ کو روک دیا گیا۔ یہ حدیبیہ کے سال کا قصہ ہے جب مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو اپنا عمرہ مکمل کرنے سے روک دیا تھا۔ اس قصہ کی تفصیلات معروف ہیں۔

فَحَلَقَ وَجَامَعَ نِسَاءَهُ، وَنَحَرَ هَدْيَهُ، حَتَّى اعْتَمَرَ عَامًا قَابِلًا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان افعال کو "واؤ" کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ لیکن مراد مطلق جمع ہے۔ کیونکہ یہاں تین باتیں ذکر ہیں:

(1) حلق راس۔

(2) ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ جماع اور

(3) جانوروں کا قربان کرنا۔

لیکن واقع کے اعتبار سے ان تین افعال کی ترتیب مختلف ہے۔ کیونکہ واقع یہ ہے کہ پہلے نبی کریم ﷺ نے نحر کیا تھا۔ پھر حلق کروایا تھا، پھر پوری طرح حلال ہونے کے بعد آپ ﷺ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ جماع کیا تھا۔ تب پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ خلاف واقعہ ترتیب کا جواب یہ ہے کہ یہاں مطلق جمع ہے نہ کہ ترتیب کا بیان بھی ہے کیونکہ واؤ مطلق جمع کے لیے آتی ہے جس میں ترتیب کا ہونا لازم نہیں ہوتا۔

حَتَّى اعْتَمَرَ عَامًا قَابِلًا: غرض اس کے بعد آپ ﷺ نے اگلے سال آ کر عمرہ کیا تھا۔ اس کو عمرۂ قضا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور یہاں قضاء بمعنی مقاضات ہے نہ کہ گزشتہ کی قضا۔ کیونکہ یہ عمرہ آپ ﷺ نے صلح کی شرائط کے مقتضی کے طور پر ادا کیا تھا۔ جبکہ حدیبیہ والا عمرہ جس میں آپ ﷺ روک دیے گئے تھے، وہ پورا ہو گیا تھا۔ اسی لیے اصحابِ سیرت لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کل چار عمرے کیے تھے۔ جن میں سے ایک عمرہ وہ بھی ہے جس میں آپ ﷺ کو روک دیا گیا تھا کہ یہ عمرہ بھی کامل تھا۔ رہا اس سے اگلے سال کا عمرہ تو وہ صلح میں طے ہوا تھا۔ اس لیے آپ ﷺ وہ عمرہ ادا کرنے چلے آئے تھے۔

مضمون حدیث: ...... مذکورہ حدیث میں احصار کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جس کو بیت اللہ تک جانے سے روک دیا جائے تو وہ اگر قربانی ساتھ ہو تو اس کو قربان کر کے اور پھر حلق کر کے حلال ہو سکتا ہے۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حصر عمرہ میں بھی ہوتا ہے۔
- اور جب آدمی روک دیا جائے تو صحیح قول یہ ہے کہ اس پر حلق راس واجب ہے۔
- جب بھی احصار ختم ہو تو آدمی اپنا عمرہ ادا کرے۔ البتہ اس عمرہ کے قضا کا عمرہ ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض علماء❶ نے احصار کے ختم ہونے پر قضا کو واجب کہا ہے، اور وہ اس عمرہ کو نئے سرے سے ادا کرے گا نہ کہ مقام احصار سے، کیونکہ نسک میں تجدد نہیں ہوتا۔ تو جب اس نے احصار پر نحر کر لیا، حلق کروا لیا اور بیوی سے جماع کر لیا تو بھلا اس تحلل کامل پر نئے عمرہ کی بنا کیونکر کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا وہ نئے سرے سے ادا کرے گا چاہے وہ فرض حج یا عمرہ تھا یا نفلی۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اگلے سال نیا عمرہ کیا تھا۔

❶ دیکھیں شرح العمدۃ: 3/380۔ المبدع: 3/272۔ المغنی: 3/175۔ المجموع: 8/224۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جبکہ بعض اہل علم کا قول ہے کہ نسک سے روک دیے جانے پر قضا ذمہ میں نہیں رہتی۔ سوائے اس کے کہ وہ نسک واجب ہو۔ جیسے فرض حج ہو یا نذر کا عمرہ ہو، تو روک دیے جانے پر ان کی قضا لازم ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ روک دیے جانے پر جب نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو حلال ہو جانے کا حکم دیا تھا تو اس بابت ایک حرف بھی ارشاد نہ فرمایا تھا کہ ہم اگلے سال اس کی قضا ادا کریں گے۔ اگر یہ امر واجب ہوتا تو آپ ﷺ اس کو ضرور بیان فرماتے۔

دوسرے اگر عمرہ کی قضا واجب ہوتی تو اگلے سال وہ سب لوگ بھی ضرور آتے جو حدیبیہ کے سال ساتھ آئے تھے اور روک دیے گئے۔

غرض نفلی عمرہ سے اگر پورا کرتے سے روک دیا جائے تو آدمی نحر اور حلق کر کے حلال ہو جائے اور اگلے سال یا اگلے ماہ اس کی قضا واجب نہیں۔

احرام میں شرط لگانے کا اور اس کے احکام کا بیان

766- وَعَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ: دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى ضُبَاعَةَ بِنْتِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رضي الله عنها، فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ، وَأَنَا شَاكِيَةٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((حُجِّي وَاشْتَرِطِي أَنَّ مَحِلِّي حَيْثُ حَبَسْتَنِي)).

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبی کریم ﷺ ضباعہ بنت زبیر بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو وہ عرض کرنے لگیں کہ: اے اللہ کے رسول! میں حج کرنا چاہتی ہوں جبکہ میں بیمار ہوں۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم حج کرو پر (احرام باندھتے وقت) یہ شرط کر لو کہ میرے حلال ہونے کی جگہ وہی ہوگی جہاں (اے اللہ! بیماری کی وجہ سے) تو مجھے روک لے گا۔'' [1]

یہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے۔

معرفة الصحابه:......سیّدہ ضباعہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی چچا زاد بہن تھیں۔

غريب الحديث:......شَاكِيَةٌ: یعنی وہ مریضہ تھیں۔

مناسبت حديث:......اگرچہ اس حدیث کا باب الاحرام کے تحت لانا اولیٰ تھا۔ لیکن امام موصوف رحمہ اللہ یہ حدیث اس مقام پر یہ بیان کرنے کے لیے لائے ہیں کہ اگر احرام باندھتے وقت آدمی اس بات کی شرط کر لے کہ بیماری یا عذر کی وجہ سے وہ جہاں بھی روک لیا گیا تو وہی جگہ اس کے حلال ہونے کی جگہ ہوگی کہ ایسا کرنا درست ہے، اور اس میں نہ تو اس پر دم آئے گا اور نہ وہ حلق کروائے گا اور فرض نسک ہونے کی صورت میں اس پر قضاء بھی نہ آئے گی۔ حتیٰ کہ جن کے نزدیک نفل کی بھی قضا ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک بھی اس صورت میں اس پر قضاء نہ آئے گی۔

غرض مذکورہ باب میں اس حدیث کے لانے کی وجہ مناسبت یہی ہے۔

مذکورہ حدیث کا مضمون واضح ہے۔

---

[1] صحيح البخاري: 5089- صحيح مسلم: 1207.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

◈ عورت کی آواز ستر نہیں لہٰذا نامحرم عند الضرورت مردوں سے کلام کر سکتی ہے۔

◈ مریض احرام باندھتے وقت احرام کو مشروط کر سکتا ہے۔ جس کی دلیل "وَاشْتَرِطِي" [1] کے الفاظ ہیں۔ البتہ شرط عائد کرنے کے مسنون یا غیر مسنون ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے شرط عائد کرنے کا مطلق انکار کیا ہے کہ احرام میں کوئی اشتراط نہیں، کیونکہ احرام واجب ہے جس کی تکمیل واجب ہے۔ جبکہ تحلل اس کے منافی ہے۔ دوسرے یہ کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے کسی عمرہ میں اشتراط کو اختیار نہ فرمایا تھا۔ حالانکہ آپ ﷺ کا کوئی عمرہ دشمنوں سے مامون نہ تھا۔ پھر اگر اشتراط جائز ہوتا تو احصار کے فوائد عظیمہ بے کار جاتے۔

جبکہ بعض علماء نے اس بارے یہ تفصیل بیان کی ہے کہ جسے روک دیے جانے کا اندیشہ ہو اس کے حق میں اشتراط مسنون ہے، اور جسے احصار کا کھٹکا نہ ہو اس کے حق میں اشتراط غیر مسنون ہے۔ بلاشبہ یہ راجح اور ظاہر قول ہے جس پر طرفین کے جملہ دلائل مجتمع ہو جاتے ہیں، اور اس کو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اختیار کیا ہے۔

◈ معمولی مرض حج کے وجوب میں مانع نہیں۔ جس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا حضرت ضباعہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بیمار ہونے کے باوجود یہ فرمانا ہے کہ: "تم حج کرو۔"

◈ عبادات میں اشتراط جائز ہے، اور یہ صرف حج میں ہی اس کے طویل اور پر مشقت ہونے کی وجہ سے جائز نہیں بلکہ جملہ عبادات میں جائز ہے، اور یہ قول راجح ہے۔

◈ معلوم ہوا کہ احرام میں حلال ہو جانے کی شرط رکھنے والا مفت میں حلال ہو جاتا ہے کہ اسے نہ تو دم دینا پڑتا ہے اور نہ وہ حلق کرواتا ہے اور نہ اس کے ذمہ قضاء ہی ہوتی ہے۔

◈ مَحِلِّي حَيْثُ حَبَسْتَنِي: کے الفاظ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ محض مانع کے حصول سے ہی محرم حلال ہو جاتا ہے۔ جبکہ "فَلِيَ اَنْ اَحِلَّ حَيْثُ حَبَسْتَنِيْ" کہنے سے حلال ہونے کا اختیار مل جاتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ ان دونوں میں سے زیادہ بہتر لفظ کون سے ہیں تو بے شک زیادہ بہتر لفظ وہی ہیں جو زبانِ رسالت سے ادا ہوئے ہیں۔

◈ یہیں سے یہ بھی مستفاد ہوا کہ راجح قول احصار کے عموم کا ہے کہ احصار چاہے دشمن کی طرف سے ہو یا کسی اور عذر کی وجہ سے ہو، دونوں صورتوں میں احصار ثابت ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ذکر ہوا۔

چوٹ وغیرہ لگ جانے سے حج پورا نہ کر سکنے کا بیان

767- وَعَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ عَمْرٍو الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ كُسِرَ، أَوْ عَرِجَ، فَقَدْ حَلَّ، وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ))، قَالَ عِكْرِمَةُ: فَسَأَلْتُ ابْنَ

عکرمہ حضرت حجاج بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "(حج کا احرام باندھ لینے کے بعد) جس کسی کی (ہاتھ یا پیر کی) کوئی ہڈی ٹوٹ گئی یا (بیماری یا کسی چوٹ کی وجہ سے) اس کے پیر میں لنگ ہو گیا

[1] التمریح 220/3- الكافي: 393/1- المجموع: 233/8-

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عَبَّاسٍ، وَأَبَا هُرَيْرَةَ عَنْ ذٰلِكَ . فَقَالَا: صَدَقَ .

تو تحقیق وہ حلال ہو گیا اور اس کے ذمہ اگلے سال حج کرنا ہوگا۔" عکرمہ کہتے ہیں کہ: (جب) میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس بارے دریافت کیا تو ان دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ: حجاج ٹھیک کہتے ہیں۔ ❶

رَوَاهُ الْخَمْسَةُ ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ .

اس حدیث کو ائمہ خمسہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

غریب الحدیث:..... مَنْ كُسِرَ: مراد ہاتھ یا پیر کی ہڈی ٹوٹ جانا ہے۔

أَوْ عَرَجَ: یہ پیر میں ایسے لنگ کو کہتے ہیں جو پیدائشی نہ ہو بلکہ کسی چوٹ کے لگنے سے پیدا ہوا ہو۔ مراد یہ ہے کہ اگر کسی کو احرام باندھنے کے بعد بدن کے کسی عضو میں کوئی ایسی چوٹ لگے جس سے وہ نسک کے اِتمام کے قابل نہ رہے یا پیر میں چوٹ لگنے سے ایسا لنگڑا پن پیدا ہو جائے کہ وہ چلنے کے قابل نہ رہے۔ تو ایسا شخص کیا کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَقَدْ حَلَّ: اس جملہ کے دو معانی ہیں:

(1) ایک یہ کہ اس کے لیے احرام کھول کر حلال ہونا جائز ہو جاتا ہے۔ جبکہ

(2) دوسرا معنی یہ ہے وہ بالفعل حلال ہو گیا۔

وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ: کیونکہ اس نے حج کا احرام باندھا ہوا تھا۔ لہٰذا اس کے ذمہ حج کی قضا لازم ہوگی۔

تنبیہ:..... یاد رہے کہ مذکورہ حدیث میں اِحصار کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے نہ کہ فوات کا۔

حدیث سے اخذ شدہ فوائد

- معلوم ہوا کہ احصار دشمن کے بغیر بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ جیسے ہاتھ پیر کی ہڈی ٹوٹنے سے چلنے سے معذور ہو جانا بھی اِحصار ہے۔
- اِحصار کے حصول پر احرام سے حلال ہو جانا جائز ہو جاتا ہے۔ جس کا طریقہ مفصل مذکور ہو چکا ہے۔
- حج قضا ہو جانے سے اگلے سال اس کا دوبارہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے، اور اس کے ساتھ اگر گزشتہ مذکورہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بھی ملایئے تو معلوم ہوگا کہ مُحْصَر پر قضا لازم ہے۔ امام احمد کا اور اکثر علماء کا یہی مذہب ہے۔ کیونکہ مذکورہ حدیث کا ظاہر کہ اس پر اگلے سال حج واجب ہے، اس قول کی تائید کرتا ہے۔ جبکہ باقی کی تفصیل مذکور ہو چکی ہے۔

[[[[الحمد للہ کتاب الحج کے ساتھ پہلی جلد مکمل ہوئی۔ آگے کتاب البیوع آ رہی ہے۔]]]]

www.KitaboSunnat.com

❶ سنن ابی داؤد: 1862۔ جامع الترمذی: 940۔ سنن النسائی: 198/5۔ سنن ابن ماجہ: 3077۔ مسند احمد: 450/3۔ امام حاکم (642/1) نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور اس کو امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر کہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

22072

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

خصوصیات

- آیاتِ قرآنیہ اور متن احادیث کی صحت کا اور ان کے درست اعراب کا اہتمام
- احادیث کی تخریج اور ان کے حکم کے بیان میں رواۃ کے احوال، جرح و تعدیل کی تفصیل اور ائمہ محدثین کا مفصل کلام
- فنی اور اصطلاحی تعریفات کا بیان
- معرفۃ الصحابۃ کے عنوان سے راویانِ حدیث کا تعارف
- حدیث کی لغوی، صرفی، نحوی، ترکیبی اور بلاغتی تحقیق
- تفسیری، حدیثی، فقہی اور کلامی تفصیلات
- روایت الحدیث، درایت الحدیث، سببِ حدیث، قصہ حدیث اور مناسبت حدیث کا بیان
- مضمونِ حدیث کے عنوان سے حدیث میں مذکورہ بنیادی مسائل کا بیان
- نفسِ حدیث اور اس کی شرح کے ضمن میں بیان ہونے والے جملہ مسائل کی عنوان بندی
- حدیث کی شرح میں عقائد و مذاہب، ائمہ کے دلائل اور راجح مذہب کا بیان اور اصح قول کا تعین
- احادیث کا سلیس، رواں، شائستہ اور بامحاورہ ترجمہ اور بین القوسین وضاحتوں کے ذریعے متن حدیث کی عمدہ وضاحت
- ہر حدیث سے اخذ شدہ فوائد، مسائل اور احکام کا مفصل بیان
- حالاتِ حاضرہ میں درپیش مسائل اور احادیث نبویہ کے درمیان تطبیق کی نہایت عمدہ کوشش اور مسائل جدیدہ کا بیان
- مسائل کی امثلہ کے بیان میں رائج اور جدید اشیاء کا ذکر
- ایک فن سے متعلقہ مسائل کی تفریق و تفصیل اور ان سے متعلقہ جزئیات کا ایک جگہ اکٹھا بیان

ISBN: 978-969-9861-22-8

DAR-UL-MARIFA
2nd Floor, Al-Fazal Market,
17 Urdu Bazar, Lahore (PAK)

Ph +92-321-4210145 +92-42-37361321 www.facebook.com/darulmarifa darulmarifa@gmail.com

WWW.DARULMARIFA.COM